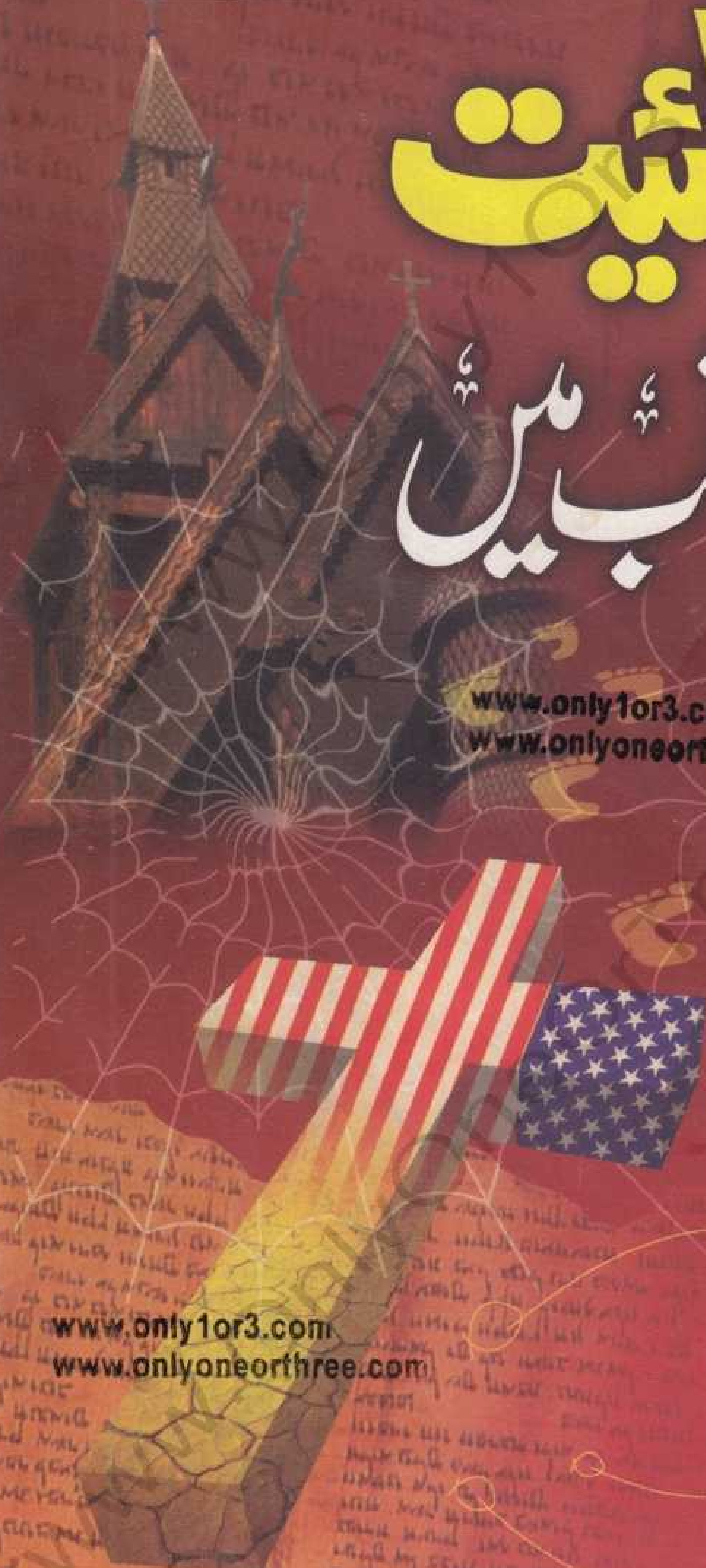
عیسائیت

کے تعاقب میں



ترتیب و تحقیق

محمد متین خالد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عیسائیت کے تعاقب میں

”پرانی عیسائیت اور جدید عیسائیت میں زمین و آسماں کا فرق ہے۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد مذہبی پاپا اپنے مزاج‘ خواہشات اور ضروریات کے مطابق مذہب کے نام پر ہر دور میں عیسائیت کا نیا ایڈیشن تیار کرتے رہے جو کسی بھی معاشرے میں نافذالعمل نہیں رہا۔ صفحات کی کمی کے پیش نظر صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔ انجیل میں درج ہے کہ:

”جو تیرے ایک گال پر طمانچہ مارے‘ دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے اور جو تیرا چوغہ لے‘ اس کو کرتہ لینے سے بھی منع نہ کر۔“

(لوقا باب 6 فقرہ 29)

پوری انجیل ایسے ہی غیر فطری اور ناقابل عمل احکامات سے بھری ہوئی ہے۔ انجیل کے متعلق تاریخ کلیسا گواہ ہے کہ اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود کبھی نہیں لکھوایا اور اگر (بالفرض) لکھوایا ہے تو وہ نسخہ کہیں بھی دستیاب نہیں۔ موجودہ انجیل تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے شاگردوں کے کانوں سنے احوال کا مجموعہ ہے اور ایسے مجموعوں کی تعداد 60 اور 70 کے درمیان ہے۔ پھر یہ مجموعے بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔“

عیسائیت کے تعاقب میں

ترتیب و تحقیق

محمد متین خالد

علم و عرفان پبلشرز

34 اردو بازار، لاہور۔ فون: 7232336-7352332

E-Mail:ilmoirfanpublishers@hotmail.com

نام کتاب	....	عیسائیت کے تعاقب میں
ترتیب و تحقیق	....	محمد متین خالد
سرورق	....	محمد عامر سعید
کمپوزنگ	....	محمد حفیظ
مطبع	....	جوہر رحمانیہ پرنٹرز' لاہور
سن اشاعت	....	2003ء
قیمت	....	-/300 روپے

ملنے کا پتہ

علم و عرفان پبلشرز

34- اردو بازار' لاہور فون: 7352332

فہرست

بائبل کے اہم مضامین کا تنقیدی جائزہ

تحریف بائبل

تاریخ انجیل برنا باس

تاریخ کلیسا

مسلمانوں کے ساتھ عیسائیوں کا رویہ

بشارات محمدیہ ﷺ کتب سماویہ میں

عیسائیت اور پاکستان

فکر انگیز مضامین

انتساب

دنیائے انٹرنیٹ پر

عیسائیت اور قادیانیت

کے خلاف

علمی جہاد کرنے والے

مجاہدِ ختمِ نبوّت

جناب جاوید انور خاں

کے نام

؎ اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے!

عیسائیت کے تعاقب میں

عیسائیت غیر فطری عقل مخالف اوہام اور نا قابل فہم عقائد کا مجموعہ ہے اس پر طرہ یہ کہ تحریف و تلبیس کے غازے نے انھیں ایک ''پہیلی'' بنا کر رکھ دیا ہے۔ قدیم عقائد پر استوار ''جدید عیسائیت'' ایک گورکھ دھندہ بن چکی ہے۔ یہ ''گورکھ دھندہ'' اور ''پہیلی'' کسی کو بھی تو مطمئن نہیں کر پا رہے۔ ماننے والے حیران ہیں تو پیش کرنے والے ششدر۔ بلاشبہ کہا جا سکتا ہے کہ ''اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا'' ...... عیسائیت کا عقیدہ تثلیث پیچیدہ ترین بجھارت ہے۔ کسی اور نے تو اسے کیا سمجھنا ہے' اس کے ''پیش کار'' ہزار کوششوں کے باوجود بذات خود اسے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ معروف عیسائی دانشور ''نطشے'' کا کہنا ہے کہ ''دنیا میں حساب کا مشکل ترین سوال یہ ہے کہ خدا ایک میں تین بھی ہے اور تین میں ایک بھی'' حیرت انگیز بات یہ ہے کہ تثلیث سے لے کر ہر چھوٹے بڑے عقیدے میں یہی موشگافیاں کارفرما ہیں۔

پرانی عیسائیت اور جدید عیسائیت میں زمین و آسماں کا فرق ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد مذہبی پاپا اپنے مزاج' خواہشات اور ضروریات کے مطابق مذہب کے نام پر ہر دور میں عیسائیت کا نیا ایڈیشن تیار کرتے رہے جو کسی بھی معاشرے میں نافذ العمل نہیں رہا۔ صفحات کی کمی کے پیش نظر صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔ انجیل میں درج ہے کہ:

''جو تیرے ایک گال پر طمانچہ مارے' دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے اور جو تیرا چوغہ لے' اس کو کرتہ لینے سے بھی منع نہ کر۔''

(لوقا باب 6 فقرہ 29)

پوری انجیل ایسے ہی غیر فطری اور نا قابل عمل احکامات سے بھری ہوئی ہے۔ انجیل کے متعلق تاریخ کلیسا گواہ ہے کہ اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود کبھی نہیں لکھوایا اور اگر

(بالفرض) لکھوایا ہے تو وہ نسخہ کہیں بھی دستیاب نہیں۔ موجودہ انجیل تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے شاگردوں کے کانوں سنے احوال کا مجموعہ ہے اور ایسے مجموعوں کی تعداد 60 اور 70 کے درمیان ہے۔ پھر یہ مجموعے بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک روایت کے مطابق ایک دور وہ بھی آیا کہ جب مجلس کلیسا کے اراکین بھی خودساختہ الہامی کتب کی اس بھرمار سے تنگ آ گئے اور انھوں نے سارے مستعمل نسخے اکٹھے کرنے شروع کر دیے۔ شام کو ان سب کو ایک بڑی میز پر رکھ کر چلے گئے۔ اگلے روز جب آئے تو میز پر صرف چار انجیلیں موجود تھیں۔ جب کہ باقی تمام نیچے گری پڑی تھیں۔ تاریخ کلیسا میں درج ہے کہ آج کل وہی بچی کھچی اناجیل اربعہ (چار) عیسائیوں میں مروج ہیں۔ عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید کے بارے میں حال ہی میں ایک انکشاف ہوا ہے جسے معروف امریکی جریدہ "ٹائم" نے اپنی اشاعت 8 اپریل 1996ء میں درج کیا کہ "توریت اور انجیل میں صرف پندرہ (15) فیصد کلام الہامی ہے باقی پیرووں کے پیرووں وغیرہ کا ہے۔"

آج عیسائیت پوری طرح ایک تحریف شدہ مذہب بن چکی ہے۔ چاروں اناجیل یعنی متی، مرقس، لوقا اور یوحنا ایک دوسرے کی کھلی تردید کرتی ہیں۔ یہ کتابیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام کا جو کردار پیش کرتی ہیں، وہ نہایت افسوسناک اور شرمناک ہے۔ انجیل جسے وہ کتاب مقدس تصور کرتے ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ صرف چند مافوق الفطرت قصے کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ تحریف در تحریف نے اس مجموعے کا مزید حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ عیسائیوں کے تین گروہ کیتھولک، پروٹسٹنٹ اور آرتھوڈکس ایک دوسرے پر شیطان ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔

کلیسا کے بشپوں میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جو خدا کے خوف سے روتا ہو۔ راہبوں اور راہبات نے عبادت خانوں کو زنا خانوں میں بدل کر رکھ دیا ہے۔ پہلے رہبانیت اور نفس کشی عیسائیت کا طرہ امتیاز ہوتا تھا، اب عیش کوشی، تن پروری اور شراب نوشی کو باعث افتخار سمجھا جاتا ہے۔ مذہب کی شکل صرف یہ ہے کہ اتوار کے روز چرچ میں چند بار گھنٹیاں بجائی جاتی ہیں اور کچھ بوڑھے اور بچے چرچ میں جمع ہو جاتے ہیں۔ زیادہ ہوا تو کرسمس کے موقع پر خوب عیش وعشرت کا سامان کیا جاتا، میلہ لگایا جاتا اور اسراف وتبذیر کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ ان جیسوں کے لیے آج کل وہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جو نزول قرآن کے وقت ان میں بعض راہبوں اور علما کا عمل تھا۔ قرآن نے جس عیسائیت کا ذکر کیا

ہے' وہ اسلام کے نسبتاً قریب ہے جبکہ موجودہ عیسائیت کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات وشریعت سے دور دور کا بھی تعلق نہیں۔ عیسائی مذہب کی اصل تعلیمات میں تحریف کی بنیاد ڈالنے والا نام نہاد حواری سینٹ پال پولوس تھا جو حقیقتاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کبھی نہیں ملا۔ اس کے بارے میں یہ بات یقینی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ وہ کٹر یہودی تھا۔ اس نے عیسائیت کا لبادہ اوڑھ کر اس کا حلیہ بگاڑ دیا اور اس مقصد میں سو فیصد کامیاب رہا۔

جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے تو چودہ سو سال کی تاریخ اس پر شاہد ہے کہ دشمنانِ اسلام کی تمام تر ناپاک کوششوں کے باوجود قرآن مجید ہر قسم کی تحریف سے پاک رہا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے اور اللہ کا وعدہ ہے:

انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحفظون (الحجر:۹)

''بے شک یہ کتاب نصیحت ہم نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔''

عیسائی دانشوروں اور پادریوں کو یقین ہے کہ عیسائیت کے پھیلاؤ اور مقبولیت کی راہ میں اسلام سب سے بڑی رکاوٹ ہے' جب تک عالمگیر پراپیگنڈے کے ذریعے مسلمانوں کے اذہان میں دین اسلام کے بارے شکوک وشبہات پیدا نہ کیے جائیں' اس وقت تک عیسائیت کو کامیابی نہیں مل سکتی۔ عیسائی مشنریز پسماندہ اسلامی ممالک میں مشنری تعلیمی اداروں' مشنری ہسپتالوں' بائبل خط و کتابت سکولوں' مخرب اخلاق لٹریچر' شفائیہ دعائیہ' میلے اور دیگر پروگراموں کے ذریعے اسلام کے متعلق شکوک و شبہات پھیلا کر مسلمانوں کو اس سے برگشتہ کرتے ہیں۔ پھر دوسرے محاذ پر مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لیے کبھی انھیں رجعت پسند' کبھی بنیاد پرست اور کبھی دہشت گرد کا خطاب دیا جاتا ہے' مگر انھیں ہمیشہ ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حال ہی میں انٹرنیٹ پر وائٹ ہاؤس کی ویب سائٹ نے دنیا کے ایک ارب 25 کروڑ مسلمانوں کی توہین کرتے ہوئے قرآن مجید کے بارے میں نازیبا الفاظ لکھ دیے۔ اس متعصب اور اسلام دشمن سائٹ پر بعض کتابوں کو "Terrosist reading" قرار دیا گیا جن میں قرآن مجید کو سرفہرست رکھا گیا۔ اس ویب سائٹ کے پہلے صفحے پر امریکی شہریوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ دہشت گردوں کو مذکورہ کتابوں کی فہرست کے انتخاب سے آسانی کے ساتھ پہچانا جا سکتا ہے۔ ویب سائٹ میں امریکی عوام سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ ان کتابوں کا مطالعہ کرنے اور ان میں دلچسپی لینے والوں کے بارے میں ایف بی آئی کو

اطلاع دیں۔ ان مذموم مساعی کے باوجود الحمد للہ اسلام اس وقت امریکہ کا دوسرا بڑا مذہب اور پہلی بڑی مذہبی سرگرمی بن چکا ہے۔ تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق امریکہ کی 25 کروڑ آبادی میں مسلمانوں کی تعداد 80 لاکھ ہے۔ امریکی ٹی وی سی این این کے مطابق امریکہ میں 11 ستمبر 2001ء کے واقعہ کے بعد جہاں امریکیوں کے دلوں میں مسلمانوں کے لیے زبردست نفرت پائی جاتی تھی اور مسلمانوں کو مشکوک نظروں سے دیکھا جاتا تھا' وہیں ایک مثبت عنصر یہ سامنے آیا کہ 34 ہزار امریکی' اسلام کو عالمگیر مذہب تسلیم کرتے ہوئے مسلمان ہو گئے۔ دنیا میں اس وقت سوا ارب مسلمان ہیں اور اسلام بڑی تیزی کے ساتھ امریکہ اور یورپی ممالک میں پھیل رہا ہے اور صلیب پرست امریکی حکومت اس بات سے پریشان ہے کہ جس تیزی سے اسلام امریکہ میں پھیل اور مقبول دین بن رہا ہے' وہ دن دور نہیں جب یہاں مسلمانوں کی اکثریت ہو جائے گی۔ صلیبی تشویش اسلام کی حقانیت کی بین دلیل ہے! ان شاء اللہ اسلام پوری دنیا پر غالب آئے گا کیونکہ اللہ کا مسلمانوں سے وعدہ ہے کہ "تم ہی غالب آؤ گے اگر تم سچے مومن ہو"

زیر نظر کتاب رد عیسائیت پر نامور سکالرز اور دانشوروں کی شہرہ آفاق تحریروں کا حسن انتخاب ہے جو سینکڑوں کتب و رسائل کو کھنگالنے کے بعد نہایت محنت اور لگن سے مرتب کیا گیا ہے۔ ہر مصنف کا انداز تحریر نہ صرف یہ کہ منفرد اور اچھوتا ہے بلکہ تمام مضامین تحقیق و تفتیش' حقائق و نظائر اور دلائل و براہین کے مرقعے ہیں۔ علمیت' ثقاہت' سنجیدگی اور چشم کشائی مستزاد ہے۔ موضوع ثقیل ہونے کے باوجود یہ تحریریں دل نشیں اور اثر آفریں ہیں' جنہیں بار بار پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔ یہ کتاب مسلمانوں کے لیے توشہ خاص اور عیسائیوں کے لیے فسانہ عبرت ہے۔ اس کا مطالعہ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے خصوصاً عیسائیوں سے میری دردمندانہ درخواست ہے کہ وہ ضد' ہٹ دھرمی اور تعصب کی عینک اتار کر ان تحریروں کو ضرور پڑھیں اور غور و فکر کریں۔ طلب صادق ہو تو منزل خود رہنمائی کرتی ہے۔.........

محمد متین خالد

انتخاب لاجواب

برصغیر پاک و ہند میں مغلیہ سلطنت کے زوال کے ساتھ ہی مختلف مذہبی طبقات میں بیداری کی امنگیں جوان ہونے لگیں اور انہوں نے اپنے اپنے مذہب کی برتری ثابت کرنے کے لیے باقاعدہ اور منظم جدوجہد شروع کر دی جو کہ بعد میں ایک بڑے فتنے کی صورت اختیار کر گئی۔

انیسویں صدی کے آغاز میں انگلستان کے ایک عیسائی ضاد ولیم کیری بنگال میں وارد ہوئے تاکہ سارے برصغیر میں ''خدا کی بادشاہت'' قائم کر دیں' بعد ازاں جلد ہی اس خطۂ ارض پر پادریوں کی مسلسل آمدورفت کا سلسلہ جاری ہو گیا اور تقریباً نصف صدی تک عیسائیت مضبوط قدموں کے ساتھ قائم ہو گئی اور 1857ء کے بعد تو ہندوستان پر عیسائی مشنریوں کا گویا طوفان مسلط ہو گیا۔ 1897ء میں امریکہ سے مشہور عیسائی ضاد ڈاکٹر جان ہنری بیروز کو ہندوستان بلوایا گیا' انہوں نے برصغیر کا طوفانی دورہ کر کے جگہ جگہ لیکچر دیئے اور ان لیکچرز میں عیسائی سلطنت کے دبدبہ' حکومت اور ان میں عیسائیت کے غلبہ و استیلاء کا نہایت پرشکوہ الفاظ میں نقشہ کھینچنے کے بعد خاص طور پر اسلامی ممالک میں عیسائیت کی روز افزوں ترقی کا بڑے فاتحانہ انداز میں ذکر کیا' پھر اسی متکبرانہ فضا میں مزید آگے بڑھے اور یہ مذموم پیشگوئی کر دی کہ اب صلیب کی چمکار مسیح" کے شاگردوں کے ذریعہ عرب' مکہ اور خاص حرم میں داخل ہو گی۔

اس وقت کی فضا میں یہ فتنہ اس بات سے کہیں شدید تر تھا کیونکہ اس کو توپ' بندوق اور سرمایہ کی پشت پناہی حاصل تھی۔ برصغیر پاک و ہند عملاً ایک ایسے اکھاڑے کی شکل اختیار کر گیا تھا' جس میں پہلوانوں کی جگہ مذاہب عالم تھے اور وہ بھی اس صورت میں کہ سب کا نشانہ و ہدف سیاسی و مالی پشت پناہی سے محروم اسلام تھا۔ خصوصاً آریہ سماج اور عیسائیت بڑے وسیع پیمانہ پر اسلام سے برسر پیکار تھے اور وہ نبی محترم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس پر گند اچھالنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے۔ علاقہ پر واضح طور پر حکمرانی عیسائیوں کی تھی' اس لیے یہ ماحول' فضا اور وقت اگر عیسائیوں کے لیے ہر پہلو سے سازگار تھا' تو مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ ناسازگار۔ مسلمانوں کے لیے ان کی مقدس شریعت کی تعلیم کے مطابق ہر نبی اور رسول کی عزت و تکریم کرنا ایمان کا لازمی جزو تھا بلکہ وہ ادیانِ باطل کے جھوٹے پیشواؤں اور معبودوں کو بھی برا بھلا نہیں کہہ سکتے تھے۔ اس کے برعکس عیسائی اپنی کتاب مقدس کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی اور نبی پر ایمان لانا ضروری نہیں سمجھتے تھے' لہٰذا

پادریوں کو اسلام پر زہر افشانیوں اور دنیا کی سب سے معصوم و مقدس ہستی امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ بابرکات پر ہرزہ سرائیوں کے لیے کھلی چھٹی تھی، چنانچہ اس سلسلے میں ادب واحترام کا پاس تو کجا، وہ انسانیت کی حدود کو بڑی بے رحمی سے پھلانگ رہے تھے۔ ایسی کتب جن میں اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی ﷺ کی شان میں ظلم کی حد تک گستاخی کی گئی تھی، کروڑوں کی تعداد میں برصغیر میں شائع کی گئیں۔ ان کتب میں جو دلآزار زبان استعمال کی گئی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب پادری عماد الدین نے کتاب ''ہدایۃ المسلمین'' شائع کی تو وہ اس قدر دلآزار کلمات سے مملو تھی کہ اسے سنجیدہ عیسائیوں نے بھی ناپسند کیا۔

اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے اس فتنے کا مقابلہ کرنے کے لیے علمائے حق کی ایک بڑی جماعت کو کھڑا کیا جو کہ علم و ایمان سے لیس تھی۔ ان نیک سیرت علماء میں سے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ (متوفی 1308ھ)، ڈاکٹر وزیر خانؒ صاحب، مولانا سیّد آلِ حسنؒ (متوفی 1846ء)، حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ (متوفی 1317ھ)، مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ (متوفی 1297ھ)، مولانا شرف الحق صاحب صدیقیؒ (متوفی 1354ھ)، مولانا محمد علی صاحب مونگیریؒ (متوفی 1363ھ)، مولانا سیّد امیر حسن، مولانا سیّد عبدالباری (متوفی 1303ھ) اور مولانا سیّد ابوالمنصور ناصر علی صاحب (متوفی 1320ھ) کے اسمائے گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

ان علمائے حق نے دشنام طرازی اور ہادیان کی ذات پر کیچڑ اچھالنے کے بجائے ''وجادلھم بالتی ھی احسن'' (النحل 125:16) کا اسلوب اختیار کرتے ہوئے عمیق مطالعہ و تحقیق کے بعد نہایت مضبوط دلائل و اثبات سے عیسائیت کا مقابلہ کیا اور اس مقابلے میں اخلاق کی حدود کا سختی سے لحاظ رکھا گیا، بلکہ اس دوران مسلم علماء کی جانب سے مطالعہ عیسائیت پر جتنا لٹریچر معرض وجود میں آیا، مثبت افکار و رویہ کی بہترین مثال ہے۔

علماء کی جماعت نے ہر اس جگہ عیسائی مشنریوں کی مدافعت کی جہاں وہ زور پکڑتے، زبانی تقریروں، مناظروں، مباحثوں کے علاوہ تصنیف و تالیف کے میدان میں ان علماء نے گراں قدر یادگاریں چھوڑیں۔ ردعیسائیت ہی کو اصل موضوع بنا کر کئی اخبارات و رسائل جاری کیے گئے۔ ہفت روزہ ''اردو اخبار'' دہلی 1843ء اسی مقصد کے تحت جاری ہوا۔ اس جرم کی سزا میں اس اخبار کے ایڈیٹر مولانا باقر علی کو پھانسی کی سزا دے کر شہید کیا گیا۔ اس اخبار کے علاوہ ''سیّد الاخبار'' (دہلی) 1838ء ''سراج الاخبار'' (دہلی 1839ء ''قطب الاخبار'' (آگرہ)، ''نور علی نور'' (لدھیانہ)، ''امین الاخبار'' (الہ آباد) ''پنجابی اخبار'' (لاہور)، ''رہبر ہند'' (لاہور)، ''ناصر الاخبار'' (دہلی)، ''مہر درخشاں'' (لکھنؤ)، ''المستعصر'' (دہلی)، ''حبل متین'' (کلکتہ)، ''نور الاسلام'' (سیالکوٹ) 1900ء، منشور محمدی (بنگلور) 1287ھ بطور خاص قابل ذکر ہیں، نیز ماہنامہ ''حسن'' (حیدرآباد دکن) 1889ء اور ''خیر المواعظ'' (دہلی) 1289ھ وغیرہ رسالوں نے بھی اس خدمت میں نمایاں حصہ لیا۔

قیام پاکستان کے وقت جب مہاجرین کی آمد شروع ہوئی تو عیسائی مشنریوں نے موقع غنیمت جانتے ہوئے' لاہور کی سڑکوں پر امداد و دلجوئی کے بہانے مہاجرین کو روک کر بائبل کے اقتباس سنانے شروع کر دیئے۔ حافظ نذر احمد صاحب کی روایت کے مطابق شرقپور شریف (ضلع شیخوپورہ) کے بابا محمد دین مرحوم روزانہ لاہور آتے اور مشنریوں کی ٹولیوں کے سامنے سیدھے سادے انداز میں ردعیسائیت پر تقریر کرتے' گویا اس طرح قیام پاکستان کے ساتھ ہی ردعیسائیت پر کام دوبارہ شروع ہو گیا۔

اس دور میں تحریک پاکستان کے ایک مخلص کارکن ڈاکٹر عبدالمجید سالک نے بھی اپنے ساتھیوں اور شاگردوں کی مدد سے اس محاذ پر بڑا کام کیا۔ ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ کے واسطی مرحوم ان کے خاص رفقاء میں سے تھے۔ ان حضرات نے بڑی خاموشی لیکن انتہائی منظم طور پر عیسائی یلغار کو روکنے کی سعی کی' علامہ علاء الدین صدیقی مرحوم (بانی: شعبہ علوم اسلامیہ' پنجاب یونیورسٹی' لاہور و وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی لاہور) نے اپنے انداز میں ایک حلقہ قائم کیا اور عالمی ادارہ تبلیغ الاسلام کو بطور ٹرسٹ رجسٹرڈ کروایا' انہوں نے اپنے مخلص رفقاء کی مدد سے علمی سطح پر نمایاں خدمات انجام دیں' آپ نے ''لائٹ آف اسلام'' کے نام سے انگریزی مجلہ کا اجراء کیا لیکن وہ تادیر جاری نہ رہ سکا۔

ردعیسائیت کے ضمن میں لاہور کی ''مجلس مبلغین اسلام' اچھرہ'' ''مرکز مطالعہ مذاہب'' سانده روڈ' لاہور اور ''ادارہ خدام اسلام'' گڑھی شاہو' لاہور نے اپنے اپنے حلقوں میں کام کیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد ''رابطہ دعوت و تبلیغ'' لاہور کے نام سے ان کا وفاق بن گیا۔ کیپٹن اسلم محمود صاحب (اٹک) نے کرسچین ریسرچ ورکس کے نام سے سو سے زائد کتابچے تحریر کیے۔ محمد امین مرحوم (سابق مہنگا پادری) نے جو کہ اسلامی مشن' سنت نگر' لاہور کے مبلغ تھے' عوامی اسلامک مشن (احاطہ مسلم ہائی سکول نمبر 2' کمرہ نمبر 27' سول لائن' لاہور) قائم کیا اور اپنی تحقیقات کو شائع کرتے رہے۔ ڈیرہ نیازی صاحب (واقع دس میل) نزد برج اٹاری براستہ شرقپور شریف سے کوئی صاحب ردعیسائیت پر لٹریچر اعلیٰ کتابت و اہتمام سے شائع کرواتے' اسی طرح تبلیغی مرکز' انجمن کورنگی' کراچی نمبر 3 سے کچھ معیاری مواد سامنے آیا۔ فیصل آباد سے عبدالرحیم منہاس (سابق ڈیوڈ منہاس) نے ادارہ تحفظ اسلام قائم کر کے اس ضمن میں خدمات انجام دیں۔ شیخ محمد اکرم صاحب' صدر: مرکز تحقیق ادیان' دین گڑھ' قصور بھی اپنی تحریریں شائع کرتے رہے۔

ڈاکٹر احسان الحق رانا صاحب مرحوم (متوفی: 12 اپریل 1986ء) نے ''یہودیت و مسیحیت'' لکھنے کے بعد اپنی زندگی اور اپنے رسالہ ''طب و صحت'' کو اسی موضوع کے لیے مختص کر دیا۔ مولانا عبداللطیف مسعود' ڈسکہ' ضلع سیالکوٹ اور مولانا بشیر احمد حسینی صاحب کا نام بھی اس فہرست میں بہت اہم ہے۔ کراچی میں صدیقی ٹرسٹ یکم جولائی 1978ء کو اصلاحی اور تبلیغی مقاصد کے ساتھ معرض وجود میں آیا۔ اس ٹرسٹ کی طرف سے مسلسل نہایت مفید اور موثر رسائل شائع ہو رہے ہیں۔

دور حاضر میں جدید مآخذ و معلومات کو سامنے رکھ کے جناب محمد اسلم رانا مرحوم نے شاندار کام کیا اور انہوں نے مطالعہ عیسائیت پر تیس سے زائد چھوٹے بڑے کتابچے اور ماہنامہ ''المذاہب''

(لاہور) میں سینکڑوں تحقیقی مقالات چھوڑے ہیں۔ پاکستان میں مطالعہ عیسائیت کا شعبہ ان کے نام کے حوالہ کے بغیر نامکمل ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر سفیر اختر صاحب کی زیر ادارت شائع ہونے والے جریدہ ''عالم اسلام اور عیسائیت'' نے نو دس سال انتہائی اہم معلومات و مقالات بہت معیاری انداز میں پیش کیے۔ مگر ان سب سے سرفہرست اسلامی مشن' سنت نگر' لاہور کی مساعی جمیلہ ہیں۔ اسلامی مشن نے اپنے قیام 30 جون 1965ء کے بعد سینکڑوں کتابیں' پمفلٹ' رسائل اور اشتہارات شائع کر کے لاکھوں کی تعداد میں مفت تقسیم کیے۔ ادارہ کے سربراہ سیّد اختر احسن مرحوم نے پیری میں جوانوں سے بڑھ کے کام کیا' انہوں نے پادریوں کی ہر رطب و یابس تحریر کا معقول و مسکت جواب شائع کیا۔

ان مذکورہ حضرات نے ردعیسائیت کے موضوع پر جو شاندار علمی ورثہ اپنی تصانیف کی شکل میں چھوڑا ہے' وہ بلاشبہ ہمارا گراں قدر سرمایہ ہے۔ اگر ہم اس کی ٹھیک طرح حفاظت کر سکیں' تو عیسائیت کے مقابلے کے لیے یہ چیزیں کافی ہو سکتی ہیں لیکن موجودہ دور میں اس گراں قدر سرمایہ سے کماحقہ فائدہ اٹھانا قارئین اور بالخصوص طلبہ کے لیے متعدد وجوہ کی بنا پر مشکل ہو گیا ہے۔ اعلیٰ پایہ کی بہت ساری کتب اب بالکل نایاب ہو چکی ہیں' کیونکہ ایک بار شائع ہوئیں' دوبارہ شائع ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ اسی طرح رسائل میں شائع ہونے والے مضامین یا کتابچے علمی اعتبار سے بہت قیمتی ہوتے ہیں' مگر بہت جلد دسترس سے باہر ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں کتب' رسائل اور کتابچوں کو محفوظ کر کے ان کی درجہ بندی اور فہارس تیار کرنے کا رواج فروغ نہیں پا سکا۔ کسی صاحب کے پاس اگر نایاب کتاب یا مضمون موجود ہو بھی تو وہ استفادہ کے لیے دینے پر رضامند نہیں ہوتا۔ اس طرح قارئین بلکہ محققین بھی ان کتب سے استفادہ کرنے سے اکثر محروم رہ جاتے ہیں۔

ادھر ردعیسائیت کے موضوع پر اب تک محض دو تین اہم اور قدیم کتب (1) مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ: اظہار الحق...... بائبل سے قرآن تک' ترجمہ: مولانا اکبر علی' شرح و تحقیق: محمد تقی عثمانی' (مکتبہ دار العلوم' کراچی' 1996ء)' (2) مولانا رحمت اللہ صاحب' کیرانویؒ: اعجاز عیسوی جدید' تشریح و حواشی: محمد تقی عثمانی وغیرہ' (ادارہ اسلامیات' لاہور' 1988ء) کو ترتیب وتہذیب کے بعد دوبارہ شائع کیا گیا ہے بلکہ ان پر تحقیقی حواشی کا اضافہ کر کے کتاب کی افادیت بہت بڑھا دی گئی ہے۔ بائبل کی عبارتوں کی تخریج کر کے نسخوں کے اختلاف اور تازہ ترین تحریفات کو جمع کر دیا گیا ہے' عیسائی اصطلاحات اور مشاہیر کا تعارف لکھ دیا گیا ہے' بہت سے مآخذ کی مراجعت کر کے ان کے مکمل حوالہ جات دیئے گئے ہیں اور عصر حاضر میں عیسائیت سے متعلق جو نئی تحقیقات ہوئی ہیں' ان کی طرف اشارے کر دیئے گئے ہیں۔ بالخصوص ''بائبل سے قرآن تک'' (اظہار الحق) کے شروع میں جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب نے ایک مبسوط مقدمہ تحریر کیا ہے' جو عیسائیت کے موضوع پر ایک مستقل تصنیف: عیسائیت کیا ہے؟' (ادارہ اسلامیات' لاہور) کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اس میں عیسائیت کے مکمل تعارف کے علاوہ اس مذہب کے بانی

پولس کے بارے میں جو بحث کی گئی ہے' وہ فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے۔

اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے پاس عیسائیت کے مختلف پہلوؤں پر قابل قدر مواد کا جو ذخیرہ موجود ہے' اسے اکٹھا کر کے "بائبل سے قرآن تک" اور "اعجاز عیسوی جدید" کے انداز میں عمدہ کتابت و طباعت کے ساتھ دوبارہ تیار کیا جائے' مگر اس کام کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں کی گئی۔

برادر گرامی محمد متین خالد صاحب جو اعلیٰ تربیت اور ذوق و فکر کے حامل ہیں' نے اپنے دیگر تحقیقی و تصنیفی کاموں کے ساتھ ساتھ رد عیسائیت پر شائع ہونے والے اہم مواد کو محفوظ کرنے کے کام کی طرف توجہ کی ہے اور اس جانب پہلا قدم اٹھایا ہے۔ ماضی میں رد عیسائیت پر ایسے علمی و تحقیقی اور معلوماتی مضامین جو مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوئے' پمفلٹ کی صورت میں شائع ہوئے یا کتب میں موجود تھے اور قارئین کی دسترس سے باہر ہوتے جا رہے تھے' انہوں نے انہیں یکجا کر کے قارئین کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اس طرح بہت سارے ایسے اہم مقالات جو دستیاب نہیں تھے' ایک بار پھر زیور طباعت سے آراستہ ہو گئے ہیں اور انہیں نئی اور خوبصورت زندگی مل گئی ہے۔ اس کتاب میں دور حاضر کے بڑے علماء کی کتب سے بھی کچھ اہم مقالات لیے گئے ہیں' جس سے نہ صرف ایک بہتر تسلسل و تاثر قائم ہوا ہے بلکہ کتاب کی افادیت و اہمیت میں بھی بہت اضافہ ہوا ہے۔

اس کتاب میں جن مقالات کو تبویب کے ساتھ جمع کیا گیا ہے' وہ عیسائیت کے اہم اور مرکزی نوعیت کے مباحث کا احاطہ کیے ہوئے ہیں' بعض مضامین میں معلومات کی یکسانیت اور تکرار تو نظر آئے گی' مگر ساتھ ساتھ کوئی نئی بات اور اہم حوالہ بھی ضرور ملے گا' اسی فائدہ کے پیش نظر بظاہر یکساں معلومات کے حامل مقالات کو برابر جگہ دے دی گئی ہے۔

مؤلف کے نزدیک اس کتاب میں مختلف مقالات جمع کرنے کا مقصد اوّل اہل علم و فکر حضرات کو عیسائیت سے متعلق ٹھوس معلومات ایک جگہ ہی مہیا کرنا ہے تا کہ جب وہ رد عیسائیت پر کوئی کام کریں تو بنیادی مباحث سے بخوبی واقف ہوں۔ دوم عیسائیوں کو ان کے مذہب کی حقیقت سے علمی اور معقول انداز سے آگاہ کرنا ہے۔ اس لیے انہیں دعوت ہے کہ اس کتاب کے مقالات کا علمی و معروضی انداز سے بغور جائزہ لیں تا کہ اللہ تعالیٰ ان پر حقیقت کے دروازے کھول دے۔

ربنا افتح بیننا و بین قومنا بالحق وانت خیر الفتحین o

خواجہ حامد بن جمیل
188/3' ڈگلس پورہ' فیصل آباد

اسلام اور عیسائیت کا فرق

قائداعظم محمد علی جناح ؒ

قائداعظم ؒ نے اپنے مخصوص زوردار لہجے میں فرمایا نوجوان! بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا تو بولے

''جانتے ہو اِسلام اور عیسائیت میں کیا فرق ہے''

پھر میرے جواب کا انتظار کیے بغیر کہنے لگے

''عیسائیت میں صرف مقصد کا نیک ہونا ضروری ہے' اس میں نیک مقصد کے لیے غلط ذرائع بھی استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ لیکن اِسلام میں مقصد اور طریق کار دونوں کا نیک ہونا ضروری ہے۔''

بریگیڈیئر گلزار احمد

اردو ڈائجسٹ لاہور

ستمبر 1985ء

عیسائیت کے تعاقب میں


عیسائیت کے
بنیادی عقائد
اور تعلیمات

مولانا محمد تقی عثمانی

عیسائیت کیا ہے؟

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں "عیسائیت" کی تعریف یہ کی گئی ہے:

"وہ مذہب جو اپنی اصلیت کو ناصرہ کے باشندے یسوع کی طرف منسوب کرتا ہے اور اسے خدا کا منتخب (مسیح) مانتا ہے۔"

(برٹانیکا مقالہ "عیسائیت" ج5 ص693)

الفریڈ ای' گاروے نے اسی تعریف کو مزید پھیلا کر ذرا واضح کر دیا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کے مقالے "عیسائیت" میں وہ لکھتا ہے:

"عیسائیت کی تعریف اس طرح کی جا سکتی ہے کہ یہ وہ اخلاقی' تاریخی' کائناتی موحدانہ اور کفارے پر ایمان رکھنے والا مذہب ہے جس میں خدا اور انسان کے تعلق کو خداوند یسوع مسیح کی شخصیت اور کردار کے ذریعہ پختہ کر دیا گیا ہے۔"

اس تعریف کو بیان کر کے مسٹر گاروے نے اس کے ایک ایک جز کی توضیح کی ہے:

"اخلاقی مذہب" سے اس کے نزدیک وہ مذہب مراد ہے' جس میں عبادتوں اور قربانیوں کا تمام تر مقصد روحانی کمال کا حصول اور خدا کی رضا جوئی ہو۔

."تاریخی مذہب" کا مطلب وہ یہ بیان کرتا ہے کہ اس مذہب کا محور فکر و عمل ایک تاریخی شخصیت ہے'...... یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام! انہی کے قول و عمل کو اس مذہب میں آخری اتھارٹی حاصل ہے۔

"کائناتی" ہونے کا اس کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ اس کی دعوت عالمگیر ہے۔

عیسائی مذہب کو موحد (Monotheist) وہ اس لیے قرار دیتا ہے کہ اس مذہب میں تین اقانیم تسلیم کیے جانے کے باوجود خدا کو ایک کہا گیا ہے۔

کفارے پر ایمان رکھنے کے جز کی تشریح کرتے ہوئے گاروے لکھتا ہے:

"خدا اور بندے کے درمیان جو تعلق ہونا چاہیے' اس کے بارے میں عیسائیت کا

خیال یہ ہے کہ وہ گناہ کے ذریعے خلل پذیر ہوگیا ہے' اس لیے ضروری ہے کہ اسے پھر سے قائم کیا جائے' اور یہ کام صرف مسیح کو بیچ میں ڈالنے سے ہوتا ہے۔''

عیسائی مذہب میں خدا کا تصور

جہاں تک خدا کے وجود کا تعلق ہے' عیسائی مذہب اس معاملے میں دوسرے مذاہب سے مختلف نہیں ہے' وہ بھی خدا کو تقریباً انہی صفات کے ساتھ تسلیم کرتا ہے' جو دوسرے مذاہب میں اس کے لیے بیان کی جاتی ہیں' مارس ریلٹن لکھتا ہے:

> ''عیسائیت کا خدا کے بارے میں یہ تصور ہے کہ وہ ایک زندۂ جاوید وجود ہے' جو تمام امکانی صفات کمال کے ساتھ متصف ہے' اسے محسوس تو کیا جاسکتا ہے۔ لیکن پوری طرح سمجھا نہیں جاسکتا' اس لیے اس کی حقیقت کا ٹھیک ٹھیک تجزیہ ہمارے ذہن کی قوت سے ماورا ہے' وہ فی نفسہ کیا ہے؟ ہمیں معلوم نہیں' صرف اتنی باتیں ہمیں معلوم ہوسکی ہیں جو خود اس نے بنی نوع انسان کو وحی کے ذریعے بتلائیں۔'' (1)

عقیدۂ تثلیث

عیسائی مذہب میں خدا تین اقانیم (Persons) سے مرکب ہے: باپ' بیٹا اور روح القدس' اسی عقیدے کو عقیدۂ تثلیث' (Trinitarian Doctrine) کہا جاتا ہے' لیکن بجائے خود اس عقیدے کی تشریح وتعبیر میں عیسائی علماء کے بیانات اس قدر مختلف اور متضاد ہیں کہ یقینی طور سے کوئی ایک بات کہنا بہت مشکل ہے' وہ تین اقانیم کون ہیں؟ جن کا مجموعہ ان کے نزدیک خدا ہے؟ خود ان کی تعیین میں بھی اختلاف ہے' بعض کہتے ہیں کہ ''خدا'' باپ بیٹے اور روح القدس کے مجموعے کا نام ہے۔ (2) اور بعض کا کہنا ہے کہ باپ' بیٹا اور ''کنواری مریم'' وہ تین اقنوم ہیں جن کا مجموعہ خدا ہے۔ (3) پھر ان تین اقانیم میں سے ہر ایک کی انفرادی حیثیت کیا ہے؟ اور خدائے مجموع سے جسے ثالوث (Trinity) کہتے ہیں' اس کا کیا رشتہ ہے؟ اس سوال کے جواب میں بھی ایک زبردست اختلاف پھیلا ہوا ہے' ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ان تین میں سے ہر ایک بذات خود بھی ویسا ہی خدا ہے جیسا مجموعۂ خدا (4)' ایک دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ ان تینوں میں سے ہر ایک الگ الگ خدا تو ہیں' مگر مجموعہ خدا سے کمتر ہیں' اور ان پر لفظ ''خدا'' کا اطلاق ذرا وسیع معنی میں کردیا گیا ہے۔ (5) تیسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ یہ تین خدا ہی نہیں خدا تو صرف ان کا مجموعہ ہے۔ (6)

توحید فی التثلیث

ہم اس جگہ اس عقیدے کی وہ تشریح پیش کرتے ہیں جو عیسائیوں کے یہاں سب سے زیادہ

مقبول عام معلوم ہوتی ہے، یہ تعبیر انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے الفاظ میں مندرجہ ذیل ہے:

> ''تثلیث کے عیسائی نظریئے کو ان الفاظ میں اچھی طرح تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ باپ خدا ہے' بیٹا خدا ہے اور روح القدس خدا ہے۔ لیکن یہ مل کر تین خدا نہیں ہیں' بلکہ ایک ہی خدا ہیں' اس لیے کہ عیسائی نظریئے کے مطابق ہم جس طرح ان تینوں میں سے ہر ایک اقنوم کو خدا اور آقا سمجھنے پر مجبور ہیں اسی طرح ہمیں کیتھولک مذہب نے اس بات کی بھی ممانعت کردی ہے کہ ہم ان کو تین خدا یا تین آقا سمجھنے لگیں۔''

تیسری صدی عیسوی کے مشہور عیسائی عالم اور فلسفی سینٹ آگسٹائن (St. Augstine) اپنی مشہور کتاب (On the Trinity) میں لکھتے ہیں:

> ''باپ' بیٹا اور روح القدس مل کر ایک ''خدائی وحدت'' تیار کرتے ہیں' جو اپنی ماہیت اور حقیقت کے اعتبار سے ایک اور ناقابل تقسیم ہے۔ اسی وجہ سے وہ تین خدا نہیں ہیں' بلکہ ایک خدا ہے۔''

تین کو ایک' اور ایک کو تین قرار دینے کی عیسائیوں کے پاس کیا وجہ جواز ہے؟ اس سوال کا جواب سننے سے قبل یہ سمجھ لیجیے کہ عیسائی مذہب میں باپ' بیٹے اور روح القدس سے کیا مراد ہے؟

باپ

عیسائیوں کے نزدیک ''باپ سے مراد خدا کی تنہا ذات ہے' جس میں اس کی صفتِ کلام اور صفتِ حیات سے قطع نظر کرلی گئی ہے' یہ ذات بیٹے کے وجود کے لیے اصل (Principle) کا درجہ رکھتی ہے' مشہور عیسائی فلاسفر سینٹ تھامس ایکویناس کی تشریح کے مطابق ''باپ'' کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس نے کسی کو جنا ہے' اور کوئی ایسا وقت گذرا ہے جس میں باپ تھا' اور بیٹا نہیں تھا۔ بلکہ یہ ایک خدائی اصطلاح ہے' جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ باپ بیٹے کے لیے اصل ہے' جس طرح ذات صفت کے لیے اصل ہوتی ہے' ورنہ جب سے باپ موجود ہے اسی وقت سے بیٹا بھی موجود ہے' اور ان میں سے کسی کو کسی پر کوئی زمانی اوّلیت حاصل نہیں ہے۔ (7)

خدا کی ذات کو باپ کیوں کہا جاتا ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے الفریڈ ای گاروے نے لکھا ہے کہ:

> ''اس سے کئی حقائق کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے' ایک تو اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ تمام مخلوقات اپنے وجود میں خدا کی محتاج ہیں' جس طرح بیٹا باپ کا محتاج ہوتا ہے' دوسری طرف یہ بھی ظاہر کرنا ہے کہ خدا اپنے بندوں پر اس طرح شفیق اور مہربان ہے جس طرح باپ اپنے بیٹے پر مہربان ہوتا

ہے"(انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس ص 585' ج3)

بیٹا

"بیٹے" سے مراد عیسائیوں کے نزدیک خدا کی صفتِ کلام (Word of God) ہے لیکن یہ انسانوں کی صفتِ کلام کی طرح نہیں ہے' انسانوں کی صفتِ کلام اور خدا کی صفتِ کلام کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے ایکویناس لکھتا ہے:

> "انسانی فطرت میں صفتِ کلام کوئی جوہری وجود نہیں رکھتی' اسی وجہ سے اس کو انسان کا بیٹا یا مولود نہیں کہہ سکتے' لیکن خدا کی صفتِ کلام ایک جوہر ہے' جو خدا کی ماہیت میں اپنا ایک وجود رکھتا ہے' اسی لیے اس کو حقیقتہً نہ مجازاً بیٹا کہا جاتا ہے' اور اس کی اصل کا نام باپ ہے۔"(8)

عیسائی عقیدے کے مطابق خدا کو جس قدر معلومات حاصل ہوتی ہیں' وہ اسی صفت کے ذریعہ ہوتی ہیں اور اسی صفت کے ذریعہ تمام اشیاء پیدا ہوئی ہیں' یہ صفت باپ کی طرح قدیم اور جاودانی ہے۔(9) خدا کی یہی صفت "یسوع مسیح بن مریم" کی انسانی شخصیت میں حلول کر گئی تھی' جس کی وجہ سے "یسوع مسیح" کو خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے' حلول کا یہ عقیدہ ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے۔

روح القدس

"روح القدس" (Holy Spirit) سے مراد باپ اور بیٹے کی صفتِ حیات اور صفتِ محبت ہے' یعنی اس صفت کے ذریعہ خدا کی ذات (باپ) اپنی صفتِ علم (بیٹے) سے محبت کرتی ہے' اور بیٹا باپ سے محبت کرتا ہے' یہ صفت بھی صفتِ کلام کی طرح ایک جوہری وجود رکھتی ہے' اور باپ بیٹے کی طرح قدیم اور جاودانی ہے۔ اسی وجہ سے اسے ایک مستقل اقنوم (Person) کی حیثیت حاصل ہے(10) عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کو بپتسمہ دیا جا رہا تھا تو یہی صفت ایک کبوتر کے جسم میں حلول کر کے حضرت مسیح علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی' (متی 16:3)

اب عقیدہ "توحید فی التثلیث" (Tri-unity) کا خلاصہ یہ نکلا کہ خدا تین اقانیم یا شخصیتوں پر مشتمل ہے۔ خدا کی ذات' جسے باپ کہتے ہیں' خدا کی صفتِ کلام' جسے بیٹا کہتے ہیں' اور خدا کی صفتِ حیات و محبت جسے روح القدس کہا جاتا ہے' ان تین میں سے ہر ایک خدا ہے۔ لیکن یہ تینوں مل کر تین خدا نہیں ہیں' بلکہ ایک ہی خدا ہیں۔

تین اور ایک کا اتحاد

یہیں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب باپ' بیٹا اور روح القدس میں سے ہر ایک کو خدا مان لیا گیا تو خدا ایک کہاں رہا؟ وہ تو لازماً تین ہو گئے۔

یہی وہ سوال ہے جو عیسائیت کی ابتداء سے لے کر اب تک ایک چیستاں بنا رہا ہے' عیسائیوں کے بڑے بڑے مفکرین نے نئے نئے انداز سے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی' اور اسی بنیاد پر بے شمار فرقے نمودار ہوئے' سالہاسال تک بحثیں چلیں' مگر حقیقت یہ ہے کہ اس سوال کا کوئی معقول جواب سامنے نہیں آسکا۔ خاص طور سے دوسری صدی عیسوی کے اختتام اور تیسری صدی کی ابتداء میں اس مسئلے کے جو حل مختلف فرقوں نے پیش کیے ہیں' ان کا دلچسپ حال پروفیسر مارس ریلٹن نے اپنی فاضلانہ کتاب Studies in Christian Doctrine میں بیان کیا ہے۔

اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے ابیونی فرقہ (Ebionites) کھڑا ہوا اور کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مان کر ہم عقیدۂ توحید کو سلامت نہیں رکھ سکتے' اس لیے یہ کہنا پڑے گا کہ وہ پورے طور پر خدا نہیں تھے' انہیں خدا کی شبیہ کہہ لیجئے' خدا کے اخلاق کا عکس قرار دے دیجئے' لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اپنی حقیقت و ماہیت کے لحاظ سے ایسے ہی خدا تھے جیسے "باپ"!

اس فرقے نے عیسائی عقیدے کی اصل بنیاد پر ضرب لگا کر اس مسئلے کو حل کیا تھا' اس لیے کلیسا نے اس کی کھل کر مخالفت کی' اس عقیدے کے لوگوں کو بدعتی اور ملحد قرار دیا گیا۔

ایک تیسرے فرقہ پیٹری پیشین (Patripassian) نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے ایک نیا فلسفہ پیش کیا' اور کہا کہ درحقیقت باپ اور بیٹا کوئی الگ الگ شخصیتیں نہیں ہیں' بلکہ ایک ہی شخصیت کے مختلف روپ ہیں' جن کے لیے الگ الگ نام رکھ دیئے گئے ہیں۔

اس فلسفے نے اگر "ایک اور تین کے اتحاد" کے مسئلے کو کسی درجے میں حل کیا تو دوسری طرف کئی ناقابل حل مسئلے کھڑے کردیئے' دوسرے اس فرقے نے بھی کلیسا کے نظریئے کی کوئی مدد نہ کی جو "باپ" اور "بیٹے" کو الگ الگ شخصیتیں قرار دیتا ہے' اس لیے یہ فرقہ بھی بدعتی قرار پایا' اور مسئلہ پھر جوں کا توں رہا۔

بدعتی فرقوں کی طرف سے اس مسئلے کے حل کے لیے اور بھی بعض کوششیں کی گئیں' لیکن وہ سب اس لیے ناقابلِ قبول تھیں کہ ان میں کلیسا کے مسلمہ نظریئے کو کسی نہ کسی طرح توڑا گیا تھا۔

سوال یہ ہے کہ خود رومن کیتھولک چرچ کے ذمہ داروں نے اس مسئلے کو کس طرح حل کیا؟ جہاں تک ہم نے مطالعہ کیا ہے' رومن کیتھولک علماء میں سے بیشتر تو وہ ہیں جنہوں نے اس گتھی کو حل کرنے سے صاف انکار کردیا اور کہا کہ "تین کا ایک اور ایک کا تین" ہونا ایک سربستہ راز ہے جسے سمجھنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے۔

پادری قائم الدین نے اپنی کتاب "تکشیف التثلیث" میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس طرح انسان کا ایک وجود گوشت' ہڈی اور خون تین اجزاء سے مرکب ہے اسی طرح (معاذ اللہ) اللہ کا وجود تین اقانیم سے مرکب ہے' اس سے صاف ظاہر ہے (11) کہ پادری صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ عیسائی مذہب میں "تین اقانیم" سے مراد تین اجزاء ہیں' اور جس طرح ہر وہ چیز جو کئی اجزاء سے مرکب ہو

بحیثیت مجموعی ایک ہی ہوتی ہے' اسی طرح خدا کی ذات تین اقانیم سے مرکب ہونے کے باوجود ایک ہے۔ حالانکہ عیسائی مذہب تین اقانیم کو تین اجزاء نہیں مانتا' بلکہ تین مستقل وجود قرار دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باپ' بیٹے اور روح القدس کے لیے اجزاء کا لفظ چھوڑ کر اُس نے اقنوم یا شخصیت (Person) کا لفظ اختیار کیا ہے' انسان کا وجود بلاشبہ گوشت' ہڈی اور خون سے مرکب ہے' مگر صرف گوشت یا صرف ہڈی کو کوئی شخص ''انسان'' نہیں کہتا' بلکہ انسان کا ایک جز کہتا ہے' اس کے برخلاف عیسائی مذہب باپ' بیٹے...... اور روح القدس میں سے ہر ایک کو ''خدا'' قرار دیتا ہے' خدا کا جزء نہیں مانتا۔

اس مثال کو پیش کرنے سے صرف یہ دکھلانا مقصود تھا کہ ہمارے اکثر ہندوستانی پادری صاحبان جب تثلیث کو عقلی دلائل سے ثابت کرنا چاہتے ہیں تو خود اپنے مذہب کی تفصیلات ان کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائی عقائد

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائی مذہب کے عقائد کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کی صفتِ کلام (یعنی بیٹے کا اقنوم) انسانوں کی فلاح کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انسانی وجود میں حلول کر گئی تھی' جب تک حضرت عیسیٰ دنیا میں رہے یہ خدائی اقنوم ان کے جسم میں حلول کیے رہا۔ یہاں تک کہ یہودیوں نے آپ کو سولی پر چڑھا دیا' اس وقت یہ خدائی اقنوم ان کے جسم سے الگ ہو گیا۔ پھر تین دن کے بعد آپ پھر دوبارہ زندہ ہو کر حواریوں کو دکھائی دیئے' اور انہیں کچھ ہدائتیں دے کر آسمان پر تشریف لے گئے' اور یہودیوں نے آپ کو سولی پر چڑھایا اس سے تمام عیسائی مذہب پر ایمان رکھنے والوں کا وہ گناہ معاف ہو گیا جو حضرت آدم کی غلطی سے ان کی سرشت میں داخل ہو گیا تھا۔

اس عقیدے کے چار بنیادی اجزاء ہیں۔

1- عقیدۂ حلول و تجسم — Incarnation

2- عقیدۂ مصلوبیت — Crucifixion

3- عقیدۂ حیاتِ ثانیہ — Resurrection

4- عقیدۂ کفارہ — Redemption

ہم ان میں سے ہر ایک جزء کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

عقیدۂ حلول و تجسم

حلول و تجسم کا عقیدہ انجیل یوحنا میں سے اخذ کیا جاتا ہے:

''ابتداء میں کلام تھا' اور کلام خدا کے ساتھ تھا' اور کلام خدا تھا' یہی ابتداء میں خدا کے ساتھ تھا۔'' (یوحنا 1:1,2)

"اور کلام مجسم ہوا' اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا' اور ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال۔" (یوحنا 14:1)

عیسائی مذہب میں "کلام" خدا کے اقنومِ ابن سے عبارت ہے' جو خود مستقل خدا ہے' اس لیے یوحنا کی عبارت کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ خدا کی صفت کلام یعنی بیٹے کا اقنوم مجسم ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رُوپ میں آ گیا تھا۔

"بیٹے" کے اقنوم کو یسوع مسیح (علیہ السلام) کے انسانی وجود کے ساتھ متحد کرنے والی طاقت عیسائیوں کے نزدیک روح القدس تھی اور روح القدس سے مراد عیسائی مذہب میں خدا کی صفت محبت ہے اس لیے اس عقیدے کا مطلب یہ ہوا کہ چونکہ خدا کو اپنے بندوں سے محبت تھی اس لیے اس نے اپنی صفتِ محبت کے ذریعہ اقنومِ ابن کو دنیا میں بھیج دیا' تاکہ وہ لوگوں کے اصلی گناہ کا کفارہ بن سکے۔ (12)

انسانی حیثیت سے حضرت عیسیٰ خدا سے کم رتبہ تھے' اسی لیے انہوں نے یہ کہا تھا کہ:

"باپ مجھ سے بڑا ہے۔" (یوحنا 28:14)

اور اسی حیثیت سے ان میں تمام انسانی کیفیات پائی جاتی تھیں' لیکن خدائی حیثیت سے وہ "باپ" کے ہم رتبہ ہیں' اسی لیے انجیل یوحنا میں آپ کا یہ قول مذکور ہے کہ:

"میں اور باپ ایک ہیں۔" (یوحنا 30:10)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص خدا بھی ہو اور انسان بھی؟ خالق بھی ہو اور مخلوق بھی؟ برتر بھی ہو اور کمتر بھی؟...... عقیدۂ تثلیث کی طرح یہ سوال بھی صدیوں سے بحث و تمحیص کا محور بنا رہا ہے۔

اس کے بعد مختلف عیسائی مفکرین نے اس سوال کو جس طرح حل کیا' اس کا ایک اجمالی حال ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:

وہ جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا ماننے سے انکار کر دیا

ایک گروہ جس نے اس سوال کے جواب سے مایوس ہو کر یہ کہہ دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا ماننا ہی غلط ہے' وہ صرف انسان تھے' اس لیے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مسٹر جیمس میک کنن (James Mackinon) نے اپنی فاضلانہ کتاب (From Christ to Constantine) میں ان مفکرین کا تذکرہ کافی تفصیل کے ساتھ کیا ہے' ان کے بیان کے مطابق اس نظریئے کے ابتدائی لیڈر پال آف سموسٹا (Paul of Samosata) اور لوسین (Lucian) تھے' مسٹر میک کنن لکھتے ہیں:

"دونوں کا نظریہ یہ تھا کہ یسوع مسیح ایک مخلوق تھے' البتہ دونوں کے نظریات میں فرق یہ ہے کہ پال کے نزدیک وہ محض ایک انسان تھے جن میں خدا کی غیر شخصی

عقل نے اپنا مظاہرہ کیا تھا' اور لوسین اور اس کے مکتب فکر کے نزدیک وہ ایک آسمانی وجود تھے' جس کو خدا عدم سے وجود میں لایا تھا' اور جن میں خدائی عقل اپنی شخصی کیفیت میں آ گئی تھی' لہٰذا وہ حلول کے وقت ایک انسانی جسم کا مظاہرہ کرتے تھے' مگر ان کی روح انسانی نہیں تھی' ان کا مشن یہ تھا کہ وہ "باپ" کا پیغام پہنچائیں لیکن نہ تو وہ علی الاطلاق خدا تھے' اور نہ قدیم اور جاودانی"

گویا پال نے تو سرے سے حلول کے عقیدے ہی کا انکار کردیا' اور یہ کہا کہ حضرت عیسیٰ کے وجود میں خدا کے حلول کرنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان کو خدا کی طرف سے ایک خاص عقل عطا ہوئی تھی' اور لوسین نے حلول کے عقیدے کا تو انکار نہیں کیا' اس نے یہ تسلیم کیا کہ خدا کی صفت علم ان میں حلول کر گئی تھی لیکن یہ حلول ایسا نہ تھا کہ حضرت عیسیٰ کو خدا' خالق' قدیم اور جاودانی بنادے بلکہ اس حلول کے باوجود خدا بدستور خالق رہا' اور حضرت عیسیٰ بدستور مخلوق۔

پال اور لوسین ہی کے نظریات سے متاثر ہو کر چوتھی صدی عیسوی میں مشہور مفکر آریوس (Arius) نے اپنے وقت کے کلیسا کے خلاف بڑی زبردست جنگ لڑی' اور پوری عیسائی دنیا میں ایک تہلکہ مچادیا' اس کے نظریات کا خلاصہ جس میں میک کلن کے الفاظ میں یہ تھا:

> "آریوس اس بات پر زور دیتا تھا کہ صرف خدا ہی قدیم اور جاودانی ہے اور اس کا کوئی ساجھی نہیں' اسی نے بیٹے کو پیدا کیا جب کہ وہ پہلے معدوم تھا' لہٰذا نہ بیٹا جاودانی ہے' اور نہ خدا ہمیشہ سے باپ ہے' کیونکہ ایک ایسا وقت تھا جس میں بیٹا موجود نہیں تھا' بیٹا باپ سے بالکل الگ ایک حقیقت رکھتا ہے' اور اس پر تغیرات واقع ہوسکتے ہیں' وہ صحیح معنی میں خدا نہیں ہے البتہ اس میں "مکمل" ہونے کی صلاحیت موجود ہے اور وہ ایک مکمل مخلوق ہے۔ ایک عقلِ مجسم جو ایک حقیقی انسانی جسم میں پائی جاتی ہے' اس طرح اس کے نزدیک مسیح ایک ثانوی خدائی کا حامل ہے' یا یوں کہہ لیجئے کہ نیم دیوتا (Demi-god) جو خدائی اور انسانیت دونوں کی صفات سے کسی قدر حصہ رکھتا ہے' لیکن بلند ترین معنی میں خدا نہیں ہے۔"

گویا اس کی نظر میں حضرت عیسیٰ کی حیثیت یہ تھی کہ ۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

جس زمانے میں آریوس نے یہ نظریات پیش کیے تھے' اس زمانہ میں خاص طور سے مشرق کے کلیساؤں میں اسے غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوگئی تھی' یہاں تک کہ خود اس کا دعویٰ تو یہ تھا کہ تمام مشرقی کلیسا میرے ہم نوا ہیں۔

لیکن اسکندریہ اور انطاکیہ کے مرکزی کلیساؤں پر الیگزینڈر اور اتھانی شیس وغیرہ کی حکمرانی

تھی، جو مسئلے کے کسی ایسے حل کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے، جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی کو ٹھیس لگتی ہو، اور عقیدۂ حلول کے ٹھیٹھ مفہوم پر کوئی حرف آتا ہو، چنانچہ جب شاہ قسطنطین نے 325ء میں نیقیہ کے مقام پر ایک کونسل منعقد کی تو اس میں آریوسی عقائد کی نہ صرف پرزور تردید کی گئی، بلکہ آریوس کو جلاوطن کر دیا گیا۔

پولسی فرقہ

پانچویں صدی عیسوی میں پولسی فرقہ Paulicians نمودار ہوا، اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایک بین بین رائے ظاہر کی، اس نے کہا کہ حضرت عیسیٰ خدا نہیں تھے، بلکہ فرشتہ تھے۔ انہیں خدا نے دنیا میں بھیجا تھا، تاکہ وہ دنیا کی اصلاح کریں، چنانچہ وہ مریم کے پیٹ سے ایک انسان کی شکل اختیار کر کے پیدا ہوئے، اور چونکہ خدا نے انہیں اپنا مخصوص جلال عطا کیا تھا، اس لیے وہ ''خدا کے بیٹے'' کہلائے اس فرقے کے اثرات زیادہ تر ایشیائے کوچک اور آرمینیا کے علاقوں میں رہے ہیں۔(13) لیکن اس کو قبول عام حاصل نہ ہوسکا، کیونکہ حضرت عیسیٰ کے فرشتہ ہونے پر کوئی نقلی دلیل موجود نہیں تھی۔

نسطوری فرقہ

پھر پانچویں صدی ہی کے وسط میں نسطوری فرقہ کھڑا ہوا جس کا لیڈر نسطوریوس (م 451ء) تھا، اس نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے ایک نیا فلسفہ پیش کیا، اور وہ یہ کہ عقیدۂ حلول کی تمام تر مشکلات اس مفروضے کی بناء پر ہیں کہ حضرت عیسیٰ کو ایک شخصیت قرار دے کر ان کے لیے دو حقیقتیں ثابت کی گئی ہیں، ایک انسانی اور ایک خدائی...... نسطوریوس نے کہا کہ حضرت عیسیٰ کا خدا ہونا بھی بجا، اور انسان ہونا بھی برحق، لیکن یہ تسلیم نہیں کہ وہ ''ایک شخصیت'' تھے، جن میں یہ دونوں حقیقتیں جمع ہو گئی تھیں حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی ذات دو شخصیتوں کی حامل تھی، ایک بیٹا، اور ایک عیسیٰ، ایک ابن اللہ اور ایک ابن آدم ''بیٹا'' خالص خدا ہے، اور ''عیسیٰ'' خالص انسان۔

رومن کیتھولک چرچ کا فارمولا یہ تھا کہ ''ایک شخصیت اور دو حقیقتیں''۔ اس کے برعکس نسطوریوس کا فارمولا یہ تھا کہ دو ''شخصیتیں اور دو حقیقتیں'' چنانچہ 431ء میں اِفسس کے مقام پر تمام کلیساؤں کی ایک کونسل میں اس کے نظریات کو پرزور طریقے سے مسترد کر دیا گیا، اور اسی کے نتیجے میں اسے جلاوطن اور قید کی سزائیں دی گئیں، اور اس کے پیروؤں کو بدعتی قرار دیا گیا تاہم یہ فرقہ اب تک باقی ہے، اس کے خلاف جو جرم عائد کیا گیا تھا اس کا خلاصہ ڈاکٹر بیدون بیکر (Baker Bethune) ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''اس نے ہمارے خداوند کی خدائی اور انسانی حقیقتوں میں اس قدر امتیاز برتا کہ

وہ دو مستقل وجود بن گئے...... اس نے کلمۃ اللہ کو یسوع سے اور ابن اللہ کو ابن آدم سے الگ شخصیت قرار دے دیا۔" (14)

یعقوبی فرقہ

اس کے بعد چھٹی صدی عیسوی میں یعقوبی فرقہ (Jacobite Church) پیدا ہوا، جس کے اثرات اب تک شام، عراق میں باقی ہیں، ان کا لیڈر یعقوبی برذعانی (Jacabus Baradeus) تھا۔ نسطوریوس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے وجود میں "دو حقیقتوں" کے ساتھ "دو شخصیتیں" ثابت کی تھیں، یعقوب نے کہا کہ حضرت مسیح نہ صرف یہ کہ ایک شخصیت تھے، بلکہ ان میں "حقیقت" بھی صرف ایک پائی جاتی تھی...... اور وہ تھی خدائی! وہ صرف خدا تھے۔

آخری تاویل

مندرجہ بالا بحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ عقیدۂ حلول کی تشریح اور اسے عقل سے قریب لانے کے لیے مختلف عیسائی مفکرین کی طرف سے کیا کوششیں کی گئیں؟ لیکن آپ نے دیکھا کہ ان میں سے ہر کوشش مرکزی رومن کیتھولک چرچ کے عقائد سے انحراف کر کے کی گئی ہے، اس لیے خود مرکزی کلیسا کے ذمہ داروں نے اسے "بدعت" قرار دیا، رہا اصل سوال کا جواب، تو اس کے بارے میں رجعت پسندوں کی طرف سے تو صرف یہ کہا جاتا رہا کہ درحقیقت عقیدۂ حلول بھی ایک سربستہ راز ہے، جسے ماننا ضروری ہے، مگر سمجھنا ممکن نہیں، (دیکھیے برٹانیکا)

لیکن یہ بات کسی سنجیدہ ذہن کو اپیل کرنے والی نہیں تھی، اس لیے آخر دور میں عقیدۂ حلول کو عقل کے مطابق ثابت کرنے کے لیے ایک اور تاویل کی گئی۔

اس تاویل کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مسیح کی ایک شخصیت میں "خدائی" اور "انسانیت" دونوں حقیقتیں جمع تھیں، لیکن انسانیت بھی خدائی انسانیت تھی، آدمی انسانیت نہ تھی، لہٰذا دونوں کے بیک وقت پائے جانے میں کوئی اِشکال نہیں۔

یہ ہے وہ تاویل جو پروفیسر مارس ریلٹن کے نزدیک سب سے زیادہ معقول، نتیجہ خیز اور اعتراضات سے محفوظ ہے، اور اس سے کیتھولک عقیدے پر بھی کوئی حرف نہیں آتا۔

لیکن یہ تاویل بھی کتنا وزن رکھتی ہے؟ اہلِ نظر سمجھ سکتے ہیں۔ (15)

عقیدۂ مصلوبیت (Crucifixion)

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائی مذہب کا دوسرا عقیدہ یہ ہے کہ انہیں یہودیوں نے پنطیس پیلاطیس کے حکم سے سولی پر چڑھا دیا تھا، اور اس سے ان کی وفات ہو گئی تھی۔ اس عقیدے کے سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ عیسائیوں کے اکثر فرقوں کے نزدیک پھانسی اقنومِ ابن کو نہیں دی

گئی، جو ان کے نزدیک خدا ہے، بلکہ اس اقنوم ابن کے انسانی مظہر یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کو دی گئی جو اپنی انسانی حیثیت میں خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک مخلوق ہیں۔(16)

صلیبِ مقدس

چونکہ عقیدۂ مصلوبیت ہی کی بناء پر صلیب کے نشان (✝) کو عیسائیوں کے نزدیک بہت اہمیت حاصل ہے اس لیے اس کا مختصر سا حال بھی یہاں ذکر کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا...... چوتھی صدی عیسوی تک اس نشان کو کوئی اجتماعی اہمیت حاصل نہیں تھی۔ شاہ قسطنطین کے بارے میں یہ روایت مشہور ہے کہ 312ء میں اس نے اپنے ایک حریف سے جنگ کے دوران (غالباً خواب میں) آسمان پر صلیب کا نشان بنا ہوا دیکھا، پھر مئی 326ء میں اس کی والدہ سینٹ ہلینا کو کہیں سے ایک صلیب ملی، جس کے بارے میں لوگوں کا خیال یہ تھا کہ یہ وہی صلیب ہے جس پر (بزعمِ نصاریٰ) حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی دی گئی تھی (اسی قصے کی یاد میں عیسائی حضرات ہر سال 3 مئی کو ایک جشن مناتے ہیں، جس کا نام ہے "دریافتِ صلیب" اس کے بعد سے صلیب کا نشان عیسائیت کا شعار (Symbol) بن گیا، اور عیسائی اپنی ہر نشست و برخاست میں اس نشان کو استعمال کرنے لگے، مشہور عیسائی عالم ٹرٹولین لکھتا ہے:

> "ہر سفر و حضر اور آمد و رفت کے موقع پر، جوتے اتارتے وقت، نہاتے وقت، کھانا کھاتے اور شمعیں روشن کرتے وقت، سوتے وقت اور بیٹھتے وقت، غرض ہر حرکت و سکون کے وقت ہم اپنی ابرو پر صلیب کا نشان بناتے ہیں۔"(17)

عیسائی مذہب میں صلیب کے مقدس ہونے کی کیا وجہ ہے؟ جب کہ وہ ان کے اعتقاد کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کی اذیت رسانی کا سبب بنی تھی؟ اس سوال کا جواب کسی عیسائی عالم کی تحریر میں ہمیں نہیں ملا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صلیب کی تقدیس کی بنیاد "کفارہ" کا عقیدہ ہے، یعنی چونکہ ان کے نزدیک صلیب گناہوں کی معافی کا سبب بنی تھی، اس لیے وہ اس کی تعظیم کرتے ہیں۔

عقیدۂ حیاتِ ثانیہ (Resurrection)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائی مذہب کا تیسرا عقیدہ یہ ہے کہ وہ سولی پر وفات پانے، اور قبر میں دفن ہونے کے بعد تیسرے دن پھر زندہ ہوگئے تھے، اور حواریوں کو کچھ ہدایت دینے کے بعد آسمان پر تشریف لے گئے۔

عقیدہ کفارہ (The Atonement)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائیت کا چوتھا اور آخری عقیدہ "کفارہ" ہے، اس عقیدے کو پوری تفصیل کے ساتھ سمجھ لینا کئی وجہ سے ضروری ہے۔ بقول مسٹر ڈینیل ولسن 18 یہی عقیدہ

عیسائی مذہب کی جان ہے، اور فی نفسہٖ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے، اس سے پہلے جتنے عیسائی عقائد ہم نے بیان کیے ہیں ان کو درحقیقت اسی عقیدے کی تمہید سمجھنا چاہیے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ''عقیدۂ کفارہ'' کی مختصر تشریح ان الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے:

''عیسائی علم عقائد میں ''کفارہ'' سے مراد یسوع مسیح کی وہ قربانی ہے جس کے ذریعہ ایک گناہ گار انسان یک لخت خدا کی رحمت کے قریب ہو جاتا ہے، اس عقیدے کی پشت پر دو مفروضے کار فرما ہیں، ایک تو یہ کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے انسان خدا کی رحمت سے دیور ہو گیا تھا، دوسرے یہ کہ خدا کی صفتِ کلام (بیٹا) اس لیے انسانی جسم میں آئی تھی کہ وہ انسان کو دوبارہ خدا کی رحمت سے قریب کر دے۔'' (19)

کہنے کو یہ ایک مختصر سی بات ہے، لیکن درحقیقت اس کے پس پشت تاریخی اور نظریاتی مفروضات کا ایک طویل سلسلہ ہے، جسے سمجھے بغیر عقیدے کا صحیح مفہوم ذہن نشین نہیں ہوسکتا۔ مفروضات ہم نمبروار درج ذیل کرتے ہیں: (20)

(1) اس عقیدے کا سب سے پہلا مفروضہ یہ ہے کہ جس وقت پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا تھا، اس وقت انہیں ہر طرح کی راحتیں عطا کی گئی تھیں، ان پر کوئی پابندی نہ تھی، البتہ صرف ایک پابندی یہ تھی کہ انہیں گندم کھانے سے منع کر دیا گیا تھا، اس وقت ان میں قوتِ ارادی کو پوری طرح آزاد رکھا گیا تھا، جس کے ذریعہ وہ اگر چاہتے تو حکم کی پابندی بھی کر سکتے تھے، اور اگر چاہتے تو خلاف ورزی بھی کر سکتے تھے۔ (21)

(2) حضرت آدم علیہ السلام نے اس قوتِ ارادی کو غلط استعمال کیا، اور شجرۂ ممنوعہ کو کھا کر ایک عظیم گناہ کے مرتکب ہوئے، یہ گناہ کہنے کو ایک معمولی سا گناہ تھا لیکن درحقیقت اپنی کیفیت (Quality) اور کمیت (Quantity) دونوں کے اعتبار سے بڑا سنگین تھا۔

(3) چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کا گناہ بے حد سنگین تھا، اس لیے اس کے دو اثرات مرتب ہوئے، ایک تو یہ کہ اس گناہ کی سزا میں حضرت آدم ''دائمی موت'' یا دائمی عذاب کے مستحق ہو گئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ''شجرۂ ممنوعہ'' کو دکھا کر یہ کہہ دیا تھا کہ:

''جس روز تو نے اس میں سے کھایا، تو مرا۔'' (پیدائش 17:2)

دوسرا اثر یہ ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جو آزاد قوتِ ارادی (Free Will) عطا کی گئی تھی، وہ اُن سے چھین لی گئی۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا نے ایک گناہ کی سزا میں انسان کو دوسرے گناہوں میں کیوں مبتلا کر دیا؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے سینٹ تھامس اکویناس لکھتے ہیں:

''درحقیقت گناہ کی اصل سزا یہ تھی کہ خدا نے اپنی رحمت انسان سے اٹھالی، اور یہ

سزا بالکل معقول ہے، لیکن خدا کی رحمت اٹھنے کے ساتھ انسان میں مزید گناہ کے جذبات پیدا ہوگئے لہٰذا ایک گناہ کے ذریعہ بے شمار گناہوں میں مبتلا ہونا درحقیقت اسی پہلے گناہ کا لازمی خاصہ تھا جو بروئے کار آ کر رہا۔"

(4) چونکہ گناہ کرنے کے بعد حضرت آدم اور حضرت حوا کی آزاد قوتِ ارادی ختم ہوگئی تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ نیکی کے لیے آزاد نہ تھے، مگر گناہ کے لیے آزاد تھے اس لیے ان کی سرشت میں "گناہ" کا عنصر شامل ہوگیا۔ دوسرے الفاظ میں ان کا گناہ ان کی فطرت اور طبیعت بن گیا' اس گناہ کو اصطلاح میں اصلی گناہ (Original Sin) کہا جاتا ہے۔

(5) ان دونوں کے بعد جتنے انسان پیدا ہوئے یا آئندہ ہوں گے وہ سب چونکہ انہی کی صلب اور پیٹ سے پیدا ہوئے تھے اس لیے یہ "اصلی گناہ" تمام انسانوں میں منتقل ہوا۔

گویا اب دنیا میں جو انسان بھی پیدا ہوتا ہے وہ ماں کے پیٹ سے گنہگار پیدا ہوتا ہے۔

(6) چونکہ تمام بنی آدم "اصلی گناہ" میں ملوث ہونے کے بعد ایک کے بعد دوسرے گناہ میں ملوث ہوتے گئے' یہاں تک کہ ان پر "اصلی گناہ" کے سوا دوسرے گناہوں کا بھی ایک پشتارہ لد گیا جو "اصلی گناہ" کے سبب انہوں نے خود کیے تھے۔ (22)

(7) مذکورہ بالا گناہوں کی وجہ سے تمام بنی آدم اپنے ماں باپ کی طرح ایک طرف دائمی عذاب کے مستحق تھے' دوسری طرف اپنی آزاد قوتِ ارادی سے بھی محروم ہو گئے تھے' اس لیے ان کے نجات اور مغفرت پانے کا کوئی راستہ نہ تھا' کیونکہ ان گناہوں سے نجات نیک کام کرنے سے ہوسکتی تھی' مگر آزاد قوتِ ارادی کے فقدان کے سبب وہ ان نیک کاموں پر بھی قادر نہ رہے تھے جو انہیں عذاب سے نجات دلا سکتے۔ (23)

(8) انسان کے اس مصیبت سے چھٹکارا پانے کی ایک سبیل یہ ہوسکتی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کر کے انہیں معاف کردے' لیکن یہ صورت بھی ممکن نہ تھی' اس لیے کہ خدا "عادل" اور "منصف" ہے' وہ اپنے اٹل قوانین کی مخالفت نہیں کرسکتا' کتاب پیدائش کے حوالے سے یہ بات گذر چکی ہے کہ "اصلی گناہ" کی سزا اس نے "موت" مقرر کر رکھی تھی' اب اگر وہ "موت" کی سزا دیئے بغیر انسانوں کو معاف کرے تو یہ اس کے قانونِ عدل کے منافی تھا۔ (24)

(9) دوسری طرف اللہ تعالیٰ "رحیم" بھی ہے' وہ اپنے بندوں کو اس حالت زار پر بھی چھوڑ نہیں سکتا تھا' اس لیے اس نے ایک ایسی تدبیر اختیار کی جس سے بندوں پر رحم بھی ہو جائے' اور قانونِ عدل کو بھی ٹھیس نہ لگے' بندوں کی قانونی رہائی کی شکل صرف یہ تھی کہ وہ ایک مرتبہ سزا کے طور پر مریں' اور پھر دوبارہ زندہ ہوں تاکہ' مرنے سے پہلے اصلی گناہ کی وجہ سے ان کی جو آزاد قوتِ ارادی ختم ہوگئی تھی وہ دوسری زندگی میں انہیں دوبارہ حاصل ہو جائے اور وہ اصلی گناہ کے بوجھ سے خلاصی حاصل کر کے آزادی کے ساتھ نیکیاں کرسکیں۔ (25)

(10) لیکن تمام انسانوں کو دنیا میں ایک مرتبہ موت دے کر دوبارہ زندہ کرنا بھی قانونِ فطرت کے منافی تھا' اس لیے ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی ایسا شخص تمام انسانوں کے گناہوں کے اس بوجھ کو اٹھالے جو خود اصلی گناہ سے معصوم ہو' خدا اسے ایک مرتبہ موت کی سزا دے کر دوبارہ زندہ کر دے' اور یہ سزا تمام انسانوں کے لیے کافی ہو جائے' اور اس کے بعد تمام انسان آزاد ہو جائیں۔

اس عظیم مقصد کے لیے خدا نے خود اپنے ''بیٹے'' کو چنا' اور اس کو انسانی جسم میں دنیا کے اندر بھیجا' اس نے یہ قربانی پیش کی' کہ خود سولی پر چڑھ کر مر گیا' اور اس کی موت تمام انسانوں کی طرف سے کفارہ ہوگئی۔(26)

(11) لیکن ''یسوع مسیح'' کی یہ قربانی صرف اس شخص کے لیے ہے جو یسوع پر ایمان رکھے۔

اس عقیدے کے منکر

عیسائیوں کی بھاری اکثریت شروع سے اس عقیدے کو مذہب کی بنیاد سمجھ کر مانتی آئی ہے۔ تاہم کلیسا کی تاریخ میں ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جنہوں نے اس عقیدے کا انکار کیا ہے' ان لوگوں میں غالباً سب سے پہلا شخص کوایلیس شیس (Coelestius) ہے' جس کے نظریات آگسٹائن کے الفاظ میں یہ تھے:

> ''آدم علیہ السلام کے گناہ سے صرف آدم ہی کو نقصان پہنچا تھا' بنی نوع انسان پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا' اور شیر خوار بچے اپنی پیدائش کے وقت اسی حالت میں ہوتے ہیں جس حالت میں آدم اپنے گناہ سے پہلے تھے۔''(27)

لیکن ان نظریات کو کارتھیج کے مقام پر بشپوں کی ایک کونسل نے ''بدعتی'' قرار دے دیا تھا' اس کے بعد بھی بعض لوگوں نے اس عقیدے کا انکار کیا ہے' جن کا حال انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ کفارہ میں موجود ہے۔

عقیدۂ کفارہ پر مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ نے اظہار الحق'' کے مختلف مقامات پر بالخصوص تیسرے باب میں بڑی جامع و مانع بحثیں کی ہیں' تاہم اس عقیدے کے ایک ایک جزو پر بحث کرنے کے لیے ایک مفصل مقالے کی ضرورت ہے' لیکن کسی مفصل تبصرے کی گنجائش نہیں ہے' البتہ ذیل میں ہم اس مسئلے کے چند بنیادی نکات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری سمجھتے ہیں' جو اس مسئلے میں فیصلہ کن اہمیت کے حامل ہیں' اور شاید ان کو ذہن میں رکھنے کے بعد اس عقیدے کی غلطیاں اچھی طرح سامنے آ جائیں گی' یہ نکات مندرجہ ذیل ہیں:

1- سب سے پہلے تو اس کی تحقیق ہونی چاہیے کہ حضرت آدم کی لغزش کوئی گناہ تھی یا نہیں؟

2- پھر اس عقیدے میں اصلی گناہ کو دو طریقے سے منتقل کیا گیا ہے' ایک حضرت آدم سے ان کی تمام اولاد کی طرف' اور پھر اس اولاد سے حضرت مسیح کی طرف۔ سوال یہ ہے کہ خدا کے

قانونِ عدل میں ایک کا گناہ دوسرے پر لادنے کی گنجائش کہاں ہے؟ تورات میں تو ہمیں یہ عبارت ملتی ہے کہ:

"جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی' بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا' اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ' صادق کی صداقت اسی کے لیے ہوگی' اور شریر کی شرارت شریر کے لیے۔" (حزقی ایل 20:18)

3- کالون نے آدم کے بیٹوں کی طرف گناہ کے منتقل ہونے کی جو مثال وبائی مرض سے دی ہے وہ کسی طرح درست نہیں ہے' اس لیے کہ اوّل تو یہ مسئلہ ہی محلِ نظر ہے کہ ایک شخص کا مرض دوسرے کو لگتا ہے' یا نہیں؟ پھر اگر اسے تسلیم بھی کرلیا جائے تو مرض ایک غیر اختیاری چیز ہے' اسے گناہ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا' کیونکہ قابلِ سزا گناہ عقلاً وہی ہے جو انسان اپنے اختیار سے کرے' اگر کسی کو غیر اختیاری طور پر کوئی مرض لگ جائے' تو نہ اسے اس پر مطعون کیا جاتا ہے' اور نہ سزا کے لائق سمجھا جاتا ہے' پھر آپ انسان کو اس گناہ پر کیوں قابلِ سزا سمجھتے ہیں جس میں اس کے اختیار کو کوئی دخل نہیں۔

4- اصل میں گنہگار انسان ہے' لیکن انسان چونکہ نام ہی جسم اور روح کے مجموعے کا ہے' اس لیے ان میں سے ہر ایک گنہگار ہے' اس کے برخلاف حضرت آدم کا وجود اپنی تمام اولاد سے مرکب نہیں ہے کہ حضرت آدم کو اس وقت تک گناہگار نہ کہا جاسکے جب تک کہ ان کی اولاد کو گناہ گار قرار نہ دیا جائے۔

5- اگر آدم کے ہر بیٹے میں اصلی گناہ خلقی طور پر منتقل ہوا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انسانی وجود میں کیوں منتقل نہیں ہوا؟ حالانکہ وہ بھی تمام انسانوں کی طرح حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے' اور عیسائی عقائد کے مطابق خدا ہونے کے ساتھ انسان بھی تھے' اور اپنی انسانی حیثیت سے ہی انہیں سولی پر چڑھایا بھی گیا تھا۔

6- پھر تمام انسانوں کے گناہ کی وجہ سے ایک معصوم اور بے گناہ جان کو (اس کی رضامندی سے سہی) سولی پر چڑھا دینا انصاف کا کیسا تقاضا ہے؟ اگر کوئی شخص کسی عدالت میں یہ پیشکش کرے کہ فلاں چور کی بدنی سزا میں بھگتنے کو تیار ہوں' تو کیا چور کو آزاد کردیا جائے گا؟ حزقی ایل کی مذکورہ عبارت بھی اس کی تردید کرتی ہے۔

7- یہ کہا جاتا ہے کہ خدا عادل ہے' اس لیے وہ بغیر سزا کے گناہ معاف نہیں کرسکتا' لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک بالکل غیر اختیاری گناہ کی وجہ سے نہ صرف انسان کو دائمی عذاب میں مبتلا کیا جائے' بلکہ اس کی قوتِ ارادی بھی سلب کرلی جائے؟

8- کہا جاتا ہے کہ خدا محض توبہ سے اصلی گناہ معاف نہیں کرسکتا' حالانکہ تورات میں ہے:

"اگر شریر اپنے تمام گناہوں سے جو اس نے کیے ہیں باز آئے' اور میرے سب

آئین پر چل کر جو جائز اور روا ہے کرے تو وہ یقیناً زندہ رہے گا وہ نہ مرے گا۔"
(حزقی ایل 18:21)

9- اگر یہ عقیدہ درست ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے پوری وضاحت کے ساتھ کیوں بیان نہیں فرمایا؟ اناجیل کی کوئی عبارت ایسی نہیں ہے جس سے مذکورہ عقیدے کو مستنبط کیا جاسکے۔

عبادات اور رسمیں

اصولِ عبادت

عیسائی مذہب میں عبادت کے کیا کیا طریقے ہیں؟ یہ معلوم کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ اس کے بنیادی اصولِ عبادت کو سمجھ لیا جائے' مسٹر ریمنڈ اَیبا (Raymond Abba) کے بیان کے مطابق یہ اصول کل چار ہیں:

(1) "عبادت" درحقیقت اس قربانی کا شکرانہ ہے جو "کلمۃ اللہ" یعنی حضرت مسیح نے بندوں کی طرف سے دی تھی۔(28)

(2) دوسرا اصول یہ ہے کہ صحیح عبادت روح القدس ہی کے عمل سے ہوسکتی ہے۔

(3) تیسرا اصول یہ ہے کہ "عبادت" درحقیقت ایک اجتماعی فعل ہے' جو کلیسا انجام دے سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص انفرادی طور پر کوئی عبادت کرنا چاہے تو وہ بھی اسی وقت ممکن ہے جب وہ کلیسا کا رکن ہو۔

(4) چوتھا اصول یہ کہ "عبادت" کلیسا کا بنیادی کام ہے' اور اسی کے ذریعہ وہ "مسیح کے بدن" کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش ہوتا ہے۔

حمد خوانی

عیسائی مذہب میں عبادت کے طریقے تو بہت سے ہیں' لیکن ہم اس مختصر مضمون میں صرف دو طریقے بیان کرسکتے ہیں جو کثرت سے اختیار کیے جاتے ہیں اور جن کا ذکر عیسائیت پر کی جانے والی اکثر بحثوں میں بار بار آتا ہے...... ان میں سے ایک "حمد خوانی" کی عبادت ہے' جسے مسلمانوں کو سمجھانے کے لیے پادری صاحبان "نماز" بھی کہہ دیتے ہیں۔

مسٹر ایف' سی برکٹ (F.C.Burkitt) کے بیان کے مطابق اس عبادت کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ہر روز صبح شام لوگ کلیسا میں جمع ہوتے ہیں' اور ان میں سے ایک شخص بائبل کا کوئی حصہ پڑھتا ہے' یہ حصہ عام طور سے زبور کا کوئی ٹکڑا ہوتا ہے' زبور خوانی کے دوران تمام حاضرین کھڑے رہتے ہیں' زبور کے ہر نغمے کے اختتام پر گھٹنے جھکا کر دعا کی جاتی ہے' اور اس دعا کے موقع پر گناہوں کے اعتراف کے

طور پر آنسو بہانا بھی ایک پسندیدہ فعل ہے' یہ طریقہ تیسری صدی عیسوی سے مسلسل چلا آ رہا ہے۔

بپتسمہ

بپتسمہ یا اصطباغ (Baptism) عیسائی مذہب کی پہلی رسم ہے' یہ ایک قسم کا غسل ہوتا ہے' جو عیسائی مذہب میں داخل ہونے والے کو دیا جاتا ہے' اور اس کے بغیر کسی انسان کو عیسائی نہیں کہا جاسکتا' اس رسم کی پشت پر بھی کفارے کا عقیدہ کارفرما ہے' عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ بپتسمہ لینے سے انسان یسوع مسیح کے واسطے سے ایک بار مر کر دوبارہ زندہ ہوتا ہے' موت کے ذریعہ اسے ''اصلی گناہ'' کی سزا ملتی ہے' اور نئی زندگی سے اسے آزاد قوتِ ارادی حاصل ہوتی ہے۔ (29)...... جو لوگ عیسائی مذہب میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو انہیں شروع میں ایک عبوری دور سے گذرنا پڑتا ہے' جس میں وہ مذہب کی بنیادی تعلیمات حاصل کرتے ہیں' اس عرصے میں وہ ''عیسائی'' نہیں کہلاتے' بلکہ ''کیٹ چومینس (Cate Chumens) کہلاتے ہیں' اور انہیں عشاء ربانی کی رسم میں شمولیت کی اجازت نہیں ہوتی' پھر ایسٹر کی تقریبات سے کچھ پہلے یا پینٹی کوسٹ کی عید سے کچھ قبل انہیں بپتسمہ دیا جاتا ہے۔ (30)

بپتسمہ کے عمل کے لیے کلیسا میں ایک مخصوص کمرہ ہوتا ہے' اور اس عمل کے لیے مخصوص آدمی معین ہوتے ہیں۔ یروشلم کے مشہور عالم سائرل (Cyril) نے اس رسم کو بجالانے کا طریقہ یہ لکھا ہے کہ بپتسمہ کے امیدوار کو بپتسمہ کے کمرے (Baptistry) میں اس طرح لٹا دیا جاتا ہے کہ اس کا رخ مغرب کی طرف ہو' پھر امیدوار اپنے ہاتھ مغرب کی طرف پھیلا کر کہتا ہے کہ:

''اَے شیطان! میں تجھ سے اور تیرے ہر عمل سے دستبردار ہوتا ہوں۔''

پھر وہ مشرق کی طرف رخ کر کے زبان سے عیسائی عقائد کا اعلان کرتا ہے' اس کے بعد اسے ایک اندرونی کمرے میں لے جایا جاتا ہے۔ جہاں اس کے تمام کپڑے اتار دیئے جاتے ہیں' اور سر سے پاؤں تک ایک دَم کیے ہوئے تیل سے اس کی مالش کی جاتی ہے' اس کے بعد اسے بپتسمہ کے حوض میں ڈال دیا جاتا ہے' اس موقع پر بپتسمہ دینے والے اس سے تین سوال کرتے ہیں' کہ کیا وہ باپ' بیٹے اور روح القدس پر مقررہ تفصیلات کے ساتھ ایمان رکھتا ہے؟ ہر سوال کے جواب میں امیدوار کہتا ہے کہ ''ہاں میں ایمان رکھتا ہوں'' اس سوال جواب کے بعد اسے حوض سے نکال لیا جاتا ہے' اور اس کی پیشانی' کان' ناک اور سینے پر دم کیے تیل سے دوبارہ مالش کی جاتی ہے' اور پھر اس کو سفید کپڑے پہنا دیئے جاتے ہیں' جو اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ بپتسمہ کے ذریعے یہ شخص سابقہ تمام گناہوں سے پاک صاف ہو چکا ہے۔

اس کے بعد بپتسمہ پانے والوں کا جلوس ایک ساتھ کلیسا میں داخل ہوتا ہے' اور پہلی بار عشاء ربانی کی رسم میں شریک ہوتا ہے۔ (31)

عشاء ربانی

عیسائی مذہب اختیار کرنے کے بعد یہ اہم ترین رسم ہے جو حضرت مسیح کی مبینہ قربانی کی یادگار کے طور پر منائی جاتی ہے حضرت مسیح نے مزعومہ گرفتاری سے ایک دن پہلے حواریوں کے ساتھ رات کا کھانا کھایا تھا' کھانے کی اس مجلس کا حال انجیل متی میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ:

"جب وہ کھا رہے تھے تو یسوع مسیح نے روٹی لی' اور برکت دے کر توڑی' اور شاگردوں کو دے کر کہا' لو کھاؤ' یہ میرا بدن ہے' پھر پیالہ لے کر شکر کیا اور ان کو دے کر کہا تم سب اس میں سے پیو' کیونکہ یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لیے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے۔" (متی 26:26)

لُوقا اس واقعہ پر اتنا اضافہ اور کرتا ہے کہ اس کے بعد حضرت مسیح نے حواریوں سے کہا کہ:

"میری یادگاری کے لیے یہی کیا کرو۔" (لوقا 19:22)

عشاء ربانی کی رسم اسی حکم کی تعمیل کے طور پر منائی جاتی ہے' عیسائیوں کے مشہور عالم جسٹن مارٹر اپنے زمانے میں اس رسم کو بجالانے کا طریقہ یہ لکھتے ہیں کہ ہر اتوار کو کلیسیا میں ایک اجتماع ہوتا ہے' شروع میں کچھ دعائیں اور نغمے پڑھے جاتے ہیں' اس کے بعد حاضرین ایک دوسرے کا بوسہ لے کر مبارک باد دیتے ہیں' پھر روٹی اور شراب لائی جاتی ہے' اور صدرِ مجلس اس کو لے کر باپ بیٹے اور روح القدس سے برکت کی دعاء کرتا ہے' جس پر تمام حاضرین آمین کہتے ہیں۔ پھر کلیسا کے خدام (Deacons) روٹی اور شراب کو تمام حاضرین میں تقسیم کرتے ہیں' اس عمل سے فوراً روٹی مسیح کا بدن بن جاتی ہے' اور شراب مسیح کا خون اور تمام حاضرین اسے کھا پی کر اپنے عقیدۂ کفارہ کو تازہ کرتے ہیں۔(32)

جسٹن کے بعد رسم بجالانے کے طریقوں اور اس میں استعمال کیے جانے والے الفاظ میں کافی تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں' لیکن رسم کی بنیادی بات یہی ہے کہ صدرِ مجلس جب روٹی اور شراب حاضرین کو دیتا ہے' تو وہ عیسائی عقیدے کے مطابق فوراً اپنی ماہیت تبدیل کر کے مسیح کا بدن اور خون بن جاتی ہے' اگرچہ ظاہری طور پر وہ کچھ ہی نظر آتی ہو' سائرل لکھتا ہے:

"جس وقت صدرِ مجلس دعاء سے فارغ ہوتا ہے تو روح القدس' جو خدا کا ایک زندۂ جاوید اقنوم ہے' روٹی اور شراب پر نازل ہوتا ہے' اور انہیں بدن اور خون میں تبدیل کر دیتا ہے۔" (33)

یہ بات عرصۂ دراز تک بحث و تمحیص کا موضوع بنی رہی ہے' کہ روٹی اور شراب دیکھتے ہی دیکھتے کس طرح بدن اور خون میں تبدیل ہو جاتی ہیں؟ یہاں تک کہ سولہویں صدی عیسوی میں جب

پروٹسٹنٹ فرقہ نمودار ہوا' تو اس نے اس عقیدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا' اس کے نزدیک یہ رسم محض حضرت مسیح کی قربانی کی یادگار ہے' لیکن روٹی کا بدن اور شراب کا خون بن جانا اسے تسلیم نہیں ہے۔

عشاء ربانی (Lord's Supper) کے علاوہ اس رسم کے مندرجہ ذیل نام اور بھی ہیں:

شکرانہ (Eucharist) مقدس غذا (Sacred mass) اور مقدس اتحاد Holy Communion)' بپتسمہ اور عشاء ربانی کے علاوہ رومن کیتھولک فرقہ کے نزدیک پانچ مذہبی رسمیں...... اور ہیں' لیکن پروٹسٹنٹ فرقہ انہیں تسلیم نہیں کرتا' کالون لکھتا ہے:

> "ان (مذہبی رسوم) میں سے صرف دو رسمیں وہ ہیں جو ہمارے منجی نے مقرر کی ہیں بپتسمہ اور عشاء ربانی' کیونکہ پوپ کی حکمرانی میں جو سات رسمیں بنائی گئی ہیں' انہیں ہم من گھڑت اور جھوٹ سمجھتے ہیں۔" (34)

عیسائیت (35) کی تاریخ

عیسائیت کی جو شکل آج دنیا میں معروف ہے اس کی ابتداء کیسے ہوئی؟ اس کا تفصیلی جواب بڑی حد تک تاریکی میں ہے' تاہم جو مواد ہمارے پاس موجود ہے اس کی روشنی میں اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عروج آسمانی کے بعد آپ کے حواری مخالفتوں کے طوفان کا مقابلہ کرتے ہوئے ہمہ تن دین عیسوی کی تبلیغ میں مصروف تھے' اور پے بہ پے پیش آنے والی رکاوٹوں کے باوجود انہیں خاصی کامیابی حاصل ہو رہی تھی۔

لیکن اسی دوران ایک واقعہ پیش آیا جس نے حالات کا رخ بالکل موڑ دیا۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک مشہور یہودی عالم ساؤل جو اب تک دین عیسوی کے پیرووں پر شدید ظلم و ستم ڈھاتا آیا تھا' اچانک اس دین پر ایمان لے آیا' اور اس نے دعویٰ کیا کہ دمشق کے راستے میں مجھ پر ایک نور چمکا' اور آسمان سے حضرت مسیح کی آواز سنائی دی کہ "تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟" اس واقعے سے متاثر ہو کر میرا دل دین عیسوی پر مطمئن ہو چکا ہے۔

ساؤل نے جب حواریوں کے درمیان پہنچ کر اپنے اس انقلاب کا اعلان کیا تو اکثر حواری اس کی تصدیق کرنے کے لیے تیار نہ تھے' لیکن سب سے پہلے برناباس حواری نے اس کی تصدیق کی' اور ان کی تصدیق سے مطمئن ہو کر تمام حواریوں نے اسے اپنی برادری میں شامل کر لیا' ساؤل نے اپنا نام بدل کر پولس رکھ لیا تھا' اور اس واقعے کے بعد وہ حواریوں کے دوش بدوش دین عیسوی کی تبلیغ میں مشغول ہو گیا' یہاں تک کہ اس کی انتھک جدوجہد سے بہت سے وہ لوگ بھی دین عیسائیت میں داخل ہو گئے جو یہودی نہ تھے' ان خدمات کی وجہ سے اس دین کے پیرووں میں پولس کا اثر و رسوخ بڑھتا گیا' یہاں تک کہ اس نے رفتہ رفتہ ان لوگوں میں مسیح کی خدائی' کفارہ اور حلول و تجسم کے عقائد کی کھل کر تبلیغ شروع کر دی۔ تواریخ سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض حواریوں نے اس مرحلے پر پولس کی کھل کر مخالفت کی'

لیکن اس کے بعد حواریوں کے سوانح حیات بالکل اندھیرے میں ہیں (36) اس کے بعد صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ پولس ہی کا اثر و رسوخ عیسائی دین پر بڑھتا چلا گیا۔

قسطنطینِ اعظم

306ء عیسائیت کی تاریخ میں بڑا خوش گوار سال ہے اس لیے کہ اس سنہ میں شاہ قسطنطین اوّل روم کا بادشاہ مقرر ہوگیا تھا' اور اس نے عیسائی مذہب قبول کر کے اسے ہمیشہ کے لیے مستحکم کر دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ سلطنت کا حکمران عیسائیوں پر ظلم توڑنے کے بجائے ان کے مذہب کی تبلیغ کر رہا تھا' اس نے قسطنطنیہ' صور' یروشلم اور روم میں بہت سے کلیسا تعمیر کیے' اور عیسائی علماء کو بڑے بڑے اعزاز دے کر انہیں مذہبی تحقیقات کے لیے وقف کر دیا' اور اسی وجہ سے اس کے عہد سلطنت میں اطراف و اکناف کے عیسائی علماء کی بڑی بڑی کونسلیں منعقد ہوئیں' جن میں عیسائی نظامِ عقائد کو باضابطہ مدوّن کیا گیا۔ اس سلسلے میں نیقاوی کونسل بنیادی اہمیت کی حامل ہے' جو 325ء میں نیقیہ (Nicaea) کے مقام پر منعقد کی گئی تھی' اس کونسل میں پہلی بار تثلیث کے عقیدے کو مذہب کا بنیادی عقیدہ تسلیم کیا گیا' اور اس کے منکر (مثلاً آریوس وغیرہ) کو مذہب سے خارج کر دیا گیا۔ اسی موقع پر پہلی بار عیسائی عقائد کو مدوّن کیا گیا' جو عقیدہ اتھانی شیش (Athanasian Creed) کے نام سے مشہور ہے۔(37)

قسطنطین سے گریگوری تک

313ء سے 539ء تک کے عرصے میں عیسائی مذہب سلطنت روما پر چھا چکا تھا' اگرچہ بت پرستی کے مذاہب اس کے حریف بنے رہے' لیکن سلطنت میں عیسائی مذہب ہی کو عام رواج ہوا' اور اس عرصے میں سلطنت روما کی مقننہ (Legislature) بھی مذہب سے بے حد متاثر ہوئی۔

اس زمانے کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس دور میں عیسائیت دو سلطنتوں میں تقسیم ہوگئی' ایک سلطنت مشرق میں تھی' جس کا پایہ تخت قسطنطنیہ تھا' اور اس میں بلقان' یونان' ایشیائے کوچک' مصر اور حبشہ کے علاقے شامل تھے' اور وہاں کا سب سے بڑا مذہبی پیشوا بطریرک (Patriarch) کہلاتا تھا' اور دوسری سلطنت مغرب میں تھی' جس کا مرکز بدستور روم تھا' اور یورپ کا بیشتر علاقہ اسی کے زیر نگیں تھا' اور وہاں کا مذہبی پیشوا "پوپ" یا "پاپا" کہلاتا تھا' ان دونوں سلطنتوں اور مذہبی طاقتوں میں شروع ہی سے رقابت قائم ہوگئی تھی' اور ان میں سے ہر ایک اپنی مذہبی برتری منوانا چاہتی تھی۔

اس عہد کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں رہبانیت نے جنم لیا' جس کا بنیادی تصور یہ تھا کہ خدا کی رضامندی صرف دنیا کے جھمیلوں کو خیر باد کہہ کر حاصل کی جا سکتی ہے۔ نفس کو جس قدر تکلیف پہنچائی جائے گی' انسان خدا سے اسی قدر قریب ہوگا' اگرچہ اس رجحان کے آثار چوتھی صدی سے ہی پیدا ہونے لگے تھے' اور پانچویں صدی میں تو برطانیہ اور فرانس میں بہت سی خانقاہیں تو قائم ہوگئی تھیں' لیکن

پہلا راہب جس نے اسے باقاعدہ نظام بنایا' چھٹی صدی کا پاکم مصری ہے' پاکم کے بعد باسیلیوس اور جیروم اس نظام کے مشہور لیڈر رہوئے ہیں۔

تاریک زمانہ

590ء میں گریگوری اوّل پوپ بنا تھا' اس کے وقت سے لے کر شارلیمین (184ھ/800ء) تک کا زمانہ اس طویل عرصے کی پہلی قسط ہے' جسے عیسائی مورخین "تاریک زمانے" (Dark Ages) کے نام سے یاد کرتے ہیں' اس لیے کہ عیسائیت کی تاریخ میں یہ زمانہ سیاسی اور علمی زوال اور انحطاط کا بدترین دور ہے' اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس دور میں اسلام عروج پا رہا تھا' اور عیسائیوں میں افتراق کو انتشار کی وبائیں پھوٹ رہی تھیں۔

قرونِ وسطیٰ

800ء سے لے کر 928ھ/1521ء تک کا زمانہ قرونِ وسطیٰ کا زمانہ...... (Mediaeval Era) کہلاتا ہے' اس زمانے کی بنیادی خصوصیت وہ خانہ جنگی ہے جو پوپ اور شہنشاہِ وقت کے درمیان عرصۂ دراز تک جاری رہی۔ الفریڈ ای' گاروے نے اس زمانے کو تین حصوں پر تقسیم کیا ہے:

(1) شارلیمن سے لے کر گریگوری ہفتم تک کا زمانہ (184ھ/800ء تا 466ھ/1073ء) جس میں پاپائیت فروغ پا رہی تھی۔

(2) گریگوری ہفتم سے بونیفیس تک کا زمانہ 466ھ/ 1073ء تا693ھ/1294ء جس میں پوپ کو مغربی یورپ کے اندر پورا اقتدار حاصل ہوگیا تھا۔

(3) بونیفیس ہشتم سے عہد اصلاح تک کا زمانہ (693ھ/ 1294ء تا 923ھ/ 1517ء) جس میں پاپائیت کو زوال ہوا' اور اصلاح کی تحریکیں اٹھنی شروع ہوئیں۔ (38)

قرونِ وسطیٰ میں جو اہم واقعات پیش آئے ان کا ایک اجمالی خاکہ درج ذیل ہے:

(1) نفاقِ عظیم

نفاقِ عظیم (Great Schism) تاریخ عیسائیت کی ایک اصطلاح ہے' اس سے مراد مشرق اور مغرب کے کلیساؤں کا وہ زبردست اختلاف ہے جس کی بنا پر مشرقی کلیسا ہمیشہ کے لیے رومن کیتھولک چرچ سے جدا ہوگیا' اور اس نے اپنا نام بھی بدل کر "دی ہولی آرتھوڈوکس چرچ (The Holy Orthodox Church) رکھ لیا۔ نفاقِ عظیم کے اسباب بہت سے ہیں۔ مگر ان میں سے اہم مندرجہ ذیل ہیں:

1- اس علیحدگی کی پہلی وجہ تو مشرقی اور مغربی کلیساؤں کا نظریاتی اختلاف تھا۔ مشرقی کلیسا کا عقیدہ یہ تھا کہ روح القدس کا اقنوم صرف باپ کے اقنوم سے نکلا ہے' اور بیٹے کا اقنوم اس کے

لیے محض ایک واسطے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور مغربی کلیسیا کا کہنا یہ تھا کہ روح القدس کا اقنوم باپ اور بیٹے دونوں سے نکلا ہے' دوسرے مشرقی کلیسا کا خیال یہ تھا کہ بیٹے کا رتبہ باپ سے کم ہے' اور مغربی کلیسیا کا اعتقاد یہ تھا کہ دونوں بالکل برابر ہیں' مشرقی کلیسیا اہل مغرب پر یہ الزام لگاتا تھا کہ انہوں نے اپنے عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے نیقیاوی کونسل کے فیصلے میں بعض الفاظ اپنی طرف سے بڑھا دیئے ہیں جو اصل فیصلے میں موجود نہ تھے۔

2- مشرق و مغرب کے کلیساؤں میں نسلی امتیاز کی جڑیں خاصی گہری تھیں' مغرب میں اطالوی اور جرمن نسل تھی' اور مشرق میں یونانی اور ایشیائی۔

3- سلطنت روما دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی تھی' اس لیے قسطنطنیہ کا شہر روم کے قدیم شہر کا مکمل حریف بن گیا تھا۔

4- اس کے باوجود پاپائے روم اس بات کے لیے تیار نہ تھا کہ اپنا اقتدار اور بالادستی قسطنطنیہ کے بطریرک کے حوالے کر دے' یا اسے اپنا حصہ دار بنائے۔

5- ان حالات کی وجہ سے افتراق کا مواد بری طرح پک رہا تھا' کہ اسی دوران پوپ لیونہم نے 446ھ/ 1054ء میں مغربی عقائد و نظریات کو مشرق پر تھوپنے کی کوشش کی' قسطنطنیہ کے بطریرک میکائل نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کیا' اور یورپ کے سفراء نے سینٹ صوفیا کے گرجے میں قربان گاہ پر اناتھیما (لعنت) کے کلمات لکھ دیئے' بس اس واقعہ نے گرم لوہے پر آخری ضرب لگا دی' اور نفاق عظیم مکمل ہو گیا۔ (39)

صلیبی جنگیں

اس عہد کی دوسری خصوصیت صلیبی جنگیں ہیں' جنہیں عیسائی مورخین کروسیڈ (Crusade) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جب مسلمانوں کی طاقت کا بڑھتا ہوا سیلاب کسی حد پر رکا' اور مسلمانوں میں کسی قدر کمزوری آئی تو عیسائی بادشاہوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں کے اشارے پر بیت المقدس کو دوبارہ حاصل کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ یہ جنگیں سلجوقی ترکوں اور ایوبی سلاطین کے خلاف لڑی گئیں' ان جنگوں سے پہلے مذہبی جنگ یا کروسیڈ کا کوئی تصور عیسائی مذہب میں موجود نہ تھا۔ لیکن 488ھ/ 1095ء میں پوپ اربن دوم نے کلیر مونٹ کی کونسل میں یہ اعلان کر دیا کہ کروسیڈ مذہبی جنگ ہے۔

اسی طرح سات کروسیڈ لڑے گئے' جن میں آخر کار عیسائیوں کو سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں بری طرح شکست ہوئی۔" (40)

پاپائیت کی بدعنوانیاں

صلیبی جنگوں کے بعد پوپ کا اقتدار کافی حد تک کم ہونے لگا تھا' لیکن پوپ انوسینٹ چہارم

(641ھ/ 1243ء) کے زمانے سے اس کا اثر و رسوخ باقاعدہ گھٹنے لگا۔ پھر 780ھ/1378ء سے 816ھ/ 1413ء تک ایک نئی مصیبت یہ کھڑی ہوگئی کہ عیسائی دنیا میں ایک کے بجائے دو پوپ منتخب ہونے لگے جن میں سے ہر ایک اپنے اقتدارِ اعلیٰ کا دعویدار تھا۔

اصلاح کی ناکام کوششیں

جس زمانے میں پاپائیت کی بدعنوانیاں اپنے عروج پر تھیں' بہت سے مصلحین نے حالات کی اصلاح کی کوشش کی۔ ان لوگوں میں ویکلف (Wycliff) (متوفی 787ھ/ 1384ء) کا نام سرِفہرست ہے' جو کلیسیا کی ایجاد کردہ بدعتوں کا دشمن تھا' اور نیک و پرہیز گار پاپاؤں کے انتخاب کا داعی' اسی نے سب سے پہلے بائبل کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا' جو 787ھ 1385ء میں شائع ہوا۔ اسی کی تعلیمات سے متاثر ہو کر اس کے بعد جان ہس (John Huss) اور جیروم (Jerome) اصلاح کے لیے کھڑے ہوئے۔

عہد اصلاح اور پروٹسٹنٹ فرقہ

آخر کار 888ھ/ 1483ء میں فرقہ پروٹسٹنٹ کا بانی مارٹن لُوتھر پیدا ہوا' جس نے پاپائیت کے تابوت میں آخری میخ ٹھونک دی' اس نے اپنی زندگی میں سب سے پہلے مغفرت ناموں کی تجارت کے خلاف آواز بلند کی۔ جب اسے قبول کرلیا گیا تو اس نے پوپ کے غیر معمولی اختیارات کے خلاف بغاوت کردی' اور بپتسمہ اور عشاءِ ربانی کے سوا ان تمام رسوم کو من گھڑت بتایا' جو رومی کلیسا نے ایجاد کر رکھی تھیں' سوئٹزرلینڈ میں زونگلی (Zwingli) نے بھی آواز بلند کی اور ان کے بعد سولہویں صدی کی ابتداء میں جان کالون اسی تحریک کو لے کر جینوا میں آگے بڑھا' یہاں تک کہ یہ آواز فرانس' اٹلی' جرمنی اور یورپ کے ہر خطے سے اٹھنی شروع ہوگئی' اور بالآخر انگلستان کے بادشاہ ہنری ہشتم اور ایڈورڈ چہارم بھی اس تحریک سے متاثر ہو گئے' اور اس طرح پروٹسٹنٹ فرقہ کیتھولک چرچ کا مضبوط مدِ مقابل بن گیا۔

عقلیت کا زمانہ

اب وہ زمانہ شروع ہو چکا تھا' جس میں یورپ نے نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کے بعد سائنسی اور تکنیکی ترقی میں دنیا کے ہر خطے کو پیچھے چھوڑ دیا تھا' یورپ کی وہ قومیں جو اب تک غاروں میں پڑی سو رہی تھیں بیدار ہوئیں' پادریوں اور پاپاؤں کی علم دشمنی اور بدعنوانیوں نے ان کے دل میں مذہب کی طرف سے شدید نفرت پیدا کردی۔ مارٹن لُوتھر نے پہلی بار کلیسیا کے خلاف جنگ لڑنے اور بائبل کی تشریح و تعبیر میں اپنے اسلاف سے اختلاف ...... کرنے کی جرأت کی تھی' مگر جب یہ دروازہ ایک مرتبہ کھلا تو کھلتا چلا گیا۔ لوتھر نے صرف بائبل کی تشریح و تعبیر کا اختیار اپنے ہاتھ میں لیا تھا' مگر خود بائبل پر نکتہ چینی کی جرأت اسے بھی نہ ہوئی تھی' لیکن اس کے بعد جو مفکرین ''عقلیت'' (Rationalism) کا نعرہ لگا

کر اُٹھے' انہوں نے اپنی تنقید میں بائبل کو بھی نہ بخشا' اور عیسائیت کے ایک ایک عقیدے کو اپنی تنقید' طعن وتشنیع بلکہ استہزاء وتمسخر کا نشانہ بنانے لگے۔

ان لوگوں کا نعرہ یہ تھا کہ مذہب کے ایک ایک مزعومے کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا' اور ہر اس بات کو دریا برد کر دیا جائے گا جو ہماری عقل میں نہ آتی ہو' چاہے اس کے لیے کتنے ہی ایسے عقائد و نظریات کو خیر باد کہنا پڑے' جنہیں کلیسا عرصۂ دراز سے تقدیس کا لبادہ پہنا کر سینے سے لگائے چلا آ رہا ہے' یہ لوگ اپنے آپ کو عقلیت پسند (Rationalist) اور اپنے زمانے کو "عقلیت کا زمانہ" (Age of Reason) کہتے تھے۔

ولیم شلنگ ورتھ (1012ھ/ 1602ء' 1054ھ/ 1644ء) اس طبقے کا سب سے بڑا لیڈر ہے' جس نے پہلی بار عقلیت کا نعرہ لگایا تھا' (41) لارڈ ہربرٹ (991ھ/ 1583ء' 1058ھ/ 1648ء) اور تھامس ہوبس (996ھ/ 1588ء' 1082ھ/ 1671ء) وغیرہ بھی اس گروہ کے امام سمجھے گئے ہیں۔

تجدد کی تحریک

مذہب کے ماننے والوں پر عقلیت کی تحریک کا ردِ عمل دو طرح ہوا۔ کچھ لوگ تو وہ تھے جنہوں نے عقلیت کی اس تحریک سے مرعوب ہو کر مذہب میں کچھ تبدیلیاں شروع کیں' اس تحریک کو تجدد (Modernism) کی تحریک...... کہا جاتا ہے' ان لوگوں کا خیال تھا کہ مذہب بنیادی طور سے درست ہے' مگر اس کی تشریح وتعبیر غلط طریقے سے کی جاتی رہی ہے' بائبل میں اتنی لچک موجود ہے کہ اسے ہر زمانے کے انکشافات اور سائنٹیفک تحقیقات کے مطابق بنایا جاسکتا ہے' اور اس مقصد کے لیے بائبل کے بعض غیر اہم حصوں کو ناقابلِ اعتبار بھی کہا جاسکتا ہے' اور اس کے متوارث الفاظ ومعنی کی قربانی بھی دی جاسکتی ہے۔

احیاء کی تحریک

عقلیت کی تحریک کا دوسرا ردِ عمل اس کے بالکل برخلاف یہ ہوا کہ بعض مذہبی طبقوں میں خالص رومن کیتھولک مذہب کو از سر نو زندہ کرنے کی تحریک شروع ہوگئی۔ یہ تحریک (Catholic Revival Movement) کہلاتی ہے' اس تحریک کے علمبرداروں نے "عقلیت پسندوں" کے خلاف جنگ شروع کی اور کہا کہ عیسائیت وہی ہے جو ہمارے اسلاف نے سمجھی تھی۔

عیسائی دنیا میں ہمارے زمانے تک یہ تینوں تحریکیں (تحریک عقلیت تحریک تجدد اور تحریک احیاء) باہم برسرِ پیکار ہیں' اور تینوں کے نمائندے بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

کاش! انہیں کوئی بتا سکتا کہ تم افراط وتفریط کی جس دلدل میں گرفتار ہو' اس سے نجات کا راستہ عرب کے خشک ریگ زاروں کے سوا کہیں اور نہیں ہے' زندگی کے بھٹکے ہوئے قافلوں نے ہمیشہ اپنی

منزل کا نشان وہیں سے حاصل کیا ہے' تم پوپ پرستی سے لے کر انکار خدا تک کے ہر مرحلے کو آزما چکے ہو' مگر ان میں سے کوئی تحریک تمہیں سلگتے ہوئے داغوں کے سوا کچھ نہیں دے سکی' اگر تمہیں سکون اور راحت کی تلاش ہے تو خدا کے لیے ایک بار کیمیا کے اس نسخے کو بھی آزما کر دیکھو جو آج سے چودہ سو سال پہلے "فاران" کی (42) چوٹیوں سے جلوہ گر ہونے والا "فارقلیط" (43) (ﷺ) تمہیں دے کر گیا' تھا جسے دیکھ کر "سلع" کے بسنے والوں نے گیت گائے تھے اور قیدار کی بستیوں نے "حمد" کی تھی (44)' جس کے قدموں پر "پتھر کے بت" اوندھے گرے تھے (45) جس نے "اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا" بلکہ "جو کچھ سنا" وہی تم تک پہنچا دیا (46) جب تک تم اس کے بتائے ہوئے راستے پر نہیں آؤ گے تمہیں اس منزل کا پتہ نہیں لگ سکے گا' جہاں سے ضمیر کو سکون' روح کو مسرت اور دل کو قرار حاصل ہوتا ہے۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی' تمام بولہبی ست

عیسائیت کا بانی کون ہے؟

عیسائی حضرات کا دعویٰ یہ ہے کہ "عیسائی مذہب" کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رکھی تھی' اور انہی کی تعلیمات پر آج کا عیسائی مذہب قائم ہے' لیکن ہماری تحقیق کا نتیجہ اس کے بالکل برخلاف ہے' یہ تو درست ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں مبعوث ہو کر انہیں ایک نئے مذہب کی تعلیم دی تھی' لیکن تحقیق و تفتیش کے بعد یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس مذہب کی تعلیم دی تھی وہ ان کے بعد کچھ ہی عرصے میں ختم ہو گیا' اور اس کی جگہ ایک ایسے مذہب نے لے لی کہ جس کی تعلیمات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال اور ارشادات کے بالکل خلاف تھیں' اور یہی نیا مذہب ارتقاء کے مختلف مراحل سے گذرتا ہوا آج "عیسائیت" کی موجودہ شکل میں ہمارے سامنے ہے۔

ہم پوری دیانت داری اور خلوص کے ساتھ تحقیق کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ موجودہ عیسائی مذہب کے اصل بانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں' بلکہ پولس ہے' جس کے چودہ خطوط بائبل میں شامل ہیں۔

پولس کی ابتدائی زندگی کے حالات تقریباً تاریکی میں ہیں' البتہ کتاب اعمال اور اس کے خطوط سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتداء میں قبیلہ بنیامین کا ایک کٹر فریسی یہودی تھا' اور اس کا اصلی نام ساؤل ہے۔ پھر اچانک اس نے یہ دعویٰ کیا کہ حضرت عیسیٰ مسیح سے اس کی ملاقات ہوئی ہے اور وہ ان پر ایمان لے آیا ہے۔

اس کے بعد اس نے اپنا نام بھی تبدیل کر کے "پولس" رکھ لیا تھا۔ شروع میں جب اس نے یہ دعویٰ کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے کوئی شخص اس بات کی تصدیق کرنے کے لیے

تیار نہ تھا' کہ جو شخص کل تک حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے شاگردوں کا جانی دشمن تھا' آج وہ سچے دل کے ساتھ ان پر ایمان لے آیا ہے' لیکن ایک جلیل القدر حواری برناباس نے سب سے پہلے اس کی تصدیق کی اور ان کی تصدیق پر دوسرے حواری بھی مطمئن ہو گئے' کتاب اعمال میں ہے۔ (اعمال 3,26:9)

اس کے بعد پولس حواریوں کے ساتھ مل جل کر عیسائیت کی تبلیغ کرتا رہا' اور اسے عیسائی مذہب کا سب سے بڑا پیشوا مانا گیا۔

ہماری تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ موجودہ عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد و نظریات کا بانی یہی شخص ہے' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان عقائد کی ہرگز تعلیم نہ دی تھی۔

1- حضرت عیسیٰؑ اور پولس

ہماری یہ تحقیق بہت سے دلائل و شواہد پر مبنی ہے' ہم یہاں سب سے پہلے یہ دکھلائیں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پولس کی تعلیمات میں کتنا اختلاف اور کس قدر کھلا تضاد ہے۔

پچھلے باب میں ہم عیسائی علماء کے مستند حوالوں کے ساتھ یہ ثابت کر چکے ہیں کہ عیسائی مذہب کی بنیاد تثلیث' حلول و تجسم اور کفارے کے عقیدوں پر ہے۔

تثلیث اور حلول کا عقیدہ

سب سے پہلے تثلیث کے عقیدے کو لیجئے' ''تین ایک اور ایک تین'' کے اس معمے کو اگر درست اور مدار نجات بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس سے تو کسی کو انکار نہیں ہوگا' کہ یہ عقیدہ انتہائی پیچیدہ' مبہم اور گنجلک ہے' اور انسانی عقل خود سے اس کا ادراک نہیں کر سکتی' تاوقتیکہ وحی کے ذریعہ اس کی وضاحت نہ کی جائے' کیا اس کی پیچیدگی کا تقاضا یہ نہیں تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس عقیدے کو خوب کھول کھول کر لوگوں کو سمجھاتے اور واضح اور غیر مشکوک الفاظ میں اس کا اعلان فرماتے؟ اگر یہ عقیدہ انسانی عقل کے ادراک سے لائق تھا تو یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرض نہ تھا کہ وہ اس کے اطمینان بخش دلائل لوگوں کے سامنے بیان کرتے' تاکہ وہ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں؟ اور اگر اس عقیدے کی حقیقت انسانی سمجھ سے ماوراء تھی تو کم از کم انہیں اتنا تو کہہ دینا چاہیے تھا کہ یہ عقیدہ تمہاری سمجھ سے باہر ہے' اس لیے تم اس کے دلائل پر غور کیے بغیر اسے مان لو۔

لیکن جب ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشادات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اس عقیدے کو انہوں نے اپنی زندگی میں ایک مرتبہ بھی بیان نہیں کیا' اس کے برعکس وہ ہمیشہ توحید کے عقیدے کی تعلیم دیتے رہے' اور کبھی یہ نہیں کہا کہ ''خدا تین اقانیم سے مرکب ہے' اور یہ تین مل کر ایک ہیں۔(47)

اس کے علاوہ حضرت مسیح علیہ السلام نے کسی جگہ یہ نہیں فرمایا کہ میں درحقیقت خدا ہوں اور تمہارے گناہوں کو معاف کرنے کے لیے انسانی روپ میں حلول کر کے آ گیا ہوں' اس کے بجائے وہ

ہمیشہ اپنے آپ کو ''ابن آدم'' کے لقب سے یاد کرتے رہے۔ انجیل میں ساٹھ جگہ آپ نے اپنے آپ کو ''ابن آدم'' فرمایا ہے۔

اب کچھ عرصہ سے عیسائی دنیا میں یہ احساس بہت شدت اختیار کرتا جارہا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے آپ کو خدا نہیں کہا' بلکہ یہ عقیدہ بعد کے زمانے کی پیداوار ہے' اس سلسلے میں سینکڑوں عیسائی علماء کے حوالے پیش کیے جاسکتے ہیں۔

حضرت مسیح حواریوں کی نظر میں

حضرت مسیح کے بعد دوسرا درجہ ان کے حواریوں کا ہے۔ جب ہم ان کے اقوال میں اس عقیدے کو تلاش کرتے ہیں تو ہمیں وہاں بھی ''تثلیث'' یا ''حلول'' کا کوئی تصور نہیں ملتا۔ بائبل میں حضرت مسیح کے لیے ''خدا'' کا لفظ ان کی طرف ضرور منسوب ہے' لیکن یہ لفظ ''آقا'' اور ''استاذ'' کے معنی میں بہ کثرت استعمال ہوا ہے' انجیل کی کئی عبارتیں بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حوارین حضرت مسیح کو ''استاذ'' کے معنی میں ''خداوند'' اور ''ربی'' کہتے تھے۔ انجیل متی میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا:

> ''مگر تم ربی نہ کہلاؤ' کیونکہ تمہارا استاد ایک ہی ہے' اور تم سب بھائی ہو اور زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہو' کیوں کہ تمہارا باپ ایک ہی ہے جو آسمانی ہے (48) اور نہ تم ہادی کہلاؤ۔ کیونکہ تمہارا ہادی ایک ہی ہے یعنی مسیح۔'' (متی 23:8 تا 10)

اس سے صاف واضح ہے کہ حواری جو حضرت مسیح کو ''ربی'' یا ''خداوند'' کہتے تھے' وہ ''استاذ'' اور ''ہادی'' کے معنی میں کہتے تھے' معبود اور اللہ کے معنی میں نہیں' لہٰذا اس لفظ سے تو اس بات پر استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ وہ حضرت مسیح کو خدا سمجھتے تھے' اور اس ایک لفظ کے سوا کوئی ایک حرف بھی ایسا موجود نہیں ہے جس سے عقیدۂ تثلیث یا عقیدۂ حلول کا کوئی اشارہ ملتا ہو' اس کے برعکس بعض ایسی واضح عبارتیں ضرور ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حواریوں کے نزدیک حضرت مسیح ایک پیغمبر تھے اور بس۔

لہٰذا پہلا وہ شخص جس کے یہاں تثلیث اور حلول کا عقیدہ صراحت اور وضاحت کے ساتھ ملتا ہے' پولس ہے' وہ فلپیوں کے نام اپنے خط میں لکھتا ہے:

> ''اس (مسیح) نے اگرچہ خدا کی صورت پر تھا' خدا کے برابر ہونے کو قبضہ میں رکھنے کی چیز نہ سمجھا' بلکہ اپنے آپ کو خالی کردیا' اور خادم کی صورت اختیار کی' اور انسانوں کے مشابہ ہوگیا' اور انسانی شکل میں ظاہر ہوکر اپنے آپ کو پست کردیا' اور یہاں تک فرمانبردار رہا کہ موت بلکہ صلیبی موت گوارا کی' اسی واسطے خدا نے بھی اسے بہت سربلند کیا...... تاکہ یسوع کے نام پر ہر ایک گھٹنا ٹکے...... اور خدا باپ کے جلال کے لیے ہر ایک زبان اقرار کرے کہ یسوع مسیح خداوند ہے۔''

(فلپیوں 2:6 تا 11)

اور آگے چل کر لکھتا ہے:

"کیونکہ الوہیت کی ساری معموری اسی میں مجسم ہو کر سکونت کرتی ہے۔"

(کلیسوں 9:2)

حواریوں نے حضرت مسیح کے لیے "خداوند" اور "ربی" کے الفاظ تو استعمال کیے ہیں، جن کے معنی "استاذ" کے ہیں، لیکن کہیں ان کے لیے "الوہیت" یا "تجسم" کا لفظ استعمال نہیں کیا، یہ عقیدہ سب سے پہلے پولس ہی کے یہاں ملتا ہے۔

انجیل یوحنا کی حقیقت

یہاں ایک اعتراض پیدا ہوسکتا ہے، اور وہ یہ کہ حلول اور تجسم کا عقیدہ انجیل یوحنا کے بالکل شروع میں موجود ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

"ابتداء میں کلام تھا، اور کلام خدا کے ساتھ تھا، اور کلام خدا تھا۔" (یوحنا 1:1)

اور آگے چل کر لکھا ہے:

"اور کلام مجسم ہوا، اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا، اور ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال۔" (14:1)

یہ یوحنا کی عبارت ہے، اور یوحنا چونکہ حواری ہیں، اس لیے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تجسم کے عقیدے کا بانی پولس نہیں، بلکہ حواریوں میں سے یوحنا بھی اس کے قائل تھے۔

یہ اعتراض خاصا وزنی ہوسکتا تھا، اگر انجیل یوحنا کم از کم اتنی مستند ہوتی جتنی پہلی تین انجیلیں ہیں۔ لیکن اتفاق سے انجیل یوحنا ہی ایک ایسی انجیل ہے، جس کی اصلیت میں خود عیسائیوں کو ہمیشہ شک رہا ہے، دوسری صدی ہی سے عیسائیوں میں ایک بڑی جماعت اس انجیل کو یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کرتی آئی ہے، اور آخری زمانے میں تو اس انجیل کی اصلیت کا مسئلہ ایک مستقل دردِ سر بن گیا تھا۔

(1) اس انجیل کے بارے میں سب سے پہلے آرینوس (م 177ء) آریجن (م 254ء) کلیمنٹ رومی (م 200ء) اور مورخ یوسی بیس (م 314ء) نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ انجیل یوحنا حواری کی تصنیف ہے، لیکن اسی زمانے (165ء کے قریب میں) عیسائیوں کا ایک گروہ اسے یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کرتا تھا۔

(2) پھر خود اس انجیل کی بعض اندرونی شہادتیں ایسی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب یوحنا حواری کی لکھی ہوئی نہیں ہے، مثلاً یہ کہ اس کتاب کا لکھنے والا یقیناً کوئی یہودی عالم ہے، اور یہودی خیالات و تصورات سے واقف ہے (49)، لیکن یوحنا بن زبدی حواری اَن پڑھ اور ناواقف تھے (جیسا کہ اعمال 13:4 سے معلوم ہوتا ہے۔)

(3) نیز انجیل یوحنا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف کسی بڑے صاحب رسوخ و اقتدار

خاندان سے تعلق رکھتا تھا (50) حالانکہ یوحنا ابن زبدی حواری ماہی گیر اور دُنیوی اعتبار سے کم حیثیت تھے (51) علاوہ ازیں چوتھی انجیل اپنے مضامین کے لحاظ سے بھی پہلی تین انجیلوں سے تضاد رکھتی ہے اور اس کا اسلوب بھی بالکل جداگانہ ہے۔

اس انجیل کو یوحنا کی تصنیف قرار دینے والا پہلا شخص آرینوس ہے اور اس کے بارے میں عیسائی علماء کا خیال یہ ہے کہ وہ دقت نظر اور تنقید کے معاملے میں کوئی بہت زیادہ قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

اس جیسی بہت سی وجوہ کی بناء پر آخر دور میں عیسائی علماء کی ایک کثیر جماعت اس بات کی قائل تھی کہ انجیل یوحنا جعلی تصنیف ہے اور اسے الہامی کتب میں شمار کرنا درست نہیں۔

لیکن وہ عیسائی علماء جو اس انجیل کو درست مانتے ہیں اور اس کو من گھڑت ہونے کے الزام سے بچانا چاہتے ہیں ہمارے زمانے میں ان کی تقریباً متفقہ رائے یہ ہوگئی ہے کہ اس انجیل کا مصنف یوحنا بن زبدی حواری نہیں ہے بلکہ یوحنا بزرگ (John The Elder) ہے۔

اور ہمارے ملک کے مشہور پادری صاحب تصانیف عیسائی عالم آرچ ڈیکن برکت اللہ صاحب لکھتے ہیں:

"پس ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ روایت کہ "انجیل چہارم مقدس یوحنا رسول ابن زبدی کی تصنیف ہے" صحیح نہیں ہوسکتی۔" (52)

گویا چونکہ چوتھی انجیل کو یوحنا بن زبدی حواری کی تصنیف قرار دینے کے بعد اس کی اصلیت سخت خطرے میں پڑجاتی ہے اس لیے پادری صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ وہ "یوحنا بزرگ" کی تصنیف ہے ان کی تحقیق یہ ہے کہ یوحنا بزرگ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک شاگرد تھے مگر بارہ حواریوں میں ان کا شمار نہیں ہے بلکہ حضرت عیسیٰ نے بالکل آخر میں انہیں اپنی صحبت سے سرفراز فرمایا تھا۔ (53) یوحنا بزرگ نوجوان پڑھے لکھے تورات کے عالم اور ایک معزز صدوقی گھرانے کے چشم و چراغ تھے اور انہی باتوں کا اظہار انہوں نے اپنی انجیل میں کیا ہے۔

یہ ہے وہ تحقیق جسے آج کی عیسائی دنیا میں قبول عام حاصل ہے اور جس کی بناء پر انہوں نے یوحنا حواری کو چوتھی انجیل کا مصنف ماننے سے صاف انکار کردیا ہے۔

لیکن ہماری نظر میں یہ تحقیق بھی بہت بے وزن ہے اور انجیل یوحنا کی اصلیت کو بچانے کے جذبے کے سوا اس کی پشت پر کوئی محرک ہمیں نظر نہیں آتا۔ سوال یہ ہے کہ اگر یوحنا بزرگ بارہ حواریوں کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کوئی اور شاگرد تھے تو ان کا ذکر پہلی تین انجیلوں سے کیوں غائب ہے؟ چوتھی انجیل سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نہ صرف بہت قریبی تعلق رکھتا تھا بلکہ حضرت مسیح اس سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔

جب حضرت مسیح علیہ السلام سے ان کے قرب کا عالم یہ تھا تو پہلا سوال تو یہ ہے کہ حضرت مسیح نے انہیں باقاعدہ حواریوں میں کیوں شامل نہیں فرمایا؟

پھر اگر ''یوحنا بزرگ'' کے نام کا کوئی شاگرد ''یوحنا حواری'' کے علاوہ موجود تھا' تو کیا یہ ضروری نہیں تھا کہ اناجیل اربعہ کے مصنفین ''یوحنا زبدی'' اور ''یوحنا بزرگ'' کا فرق واضح کر کے بیان کرتے' تا کہ کسی کو اشتباہ نہ ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح کے شاگردوں میں یعقوب نام کے دو شخص تھے' یعقوب بن زبدی اور یعقوب بن حلفی' اس طرح یہوداہ نام کے دو شخص تھے' یہوداہ بن یعقوب' اور یہوداہ اسکریوتی' ان دونوں سے اشتباہ کو رفع کرنے کے لیے انجیل کے مصنفوں نے خاص اہتمام کر کے انہیں الگ الگ ذکر کیا ہے' تا کہ کوئی ان دونوں کو خلط ملط نہ کر دے۔ (دیکھئے متی 2:10 و مرقس 19,16:3' لوقا 16,14:6' اعمال 13:1) اگر یوحنا نام کے بھی دو شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگرد تھے تو انجیل کے مصنفوں کے یعقوب اور یہوداہ کی طرح ان سے اشتباہ کیوں رفع نہیں کیا؟

اس کے علاوہ اگر ''یوحنا بزرگ'' نامی کوئی شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا محبوب شاگرد تھا تو وہ حضرت مسیح کے عروجِ آسمانی کے بعد کہاں گیا؟ آپ کے بعد آپ کے حواریوں نے عیسائیت کی تعلیم و تبلیغ میں جو سرگرمیاں دکھائیں' ان کا مفصل حال کتابِ اعمال میں موجود ہے اور اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ممتاز شاگردوں کی سرگذشت پائی جاتی ہے' لیکن اس کتاب میں بھی ''یوحنا بزرگ'' نام کا کوئی شخص نظر نہیں پڑتا۔

مذکورہ بالا اشارات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ چوتھی انجیل کا مصنف نہ یوحنا بن زبدی حواری ہے' نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی اور قابل ذکر شاگرد' بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ چوتھی انجیل کا مصنف حواریوں کے بہت بعد کا کوئی شخص ہے' جس نے پولس یا اس کے شاگرد سے علم حاصل کیا تھا۔(54)

یہ عقیدہ اس نے 95ء میں انجیل کے اندر داخل کیا' جب کہ اس کی عمر ستر سال تھی اور اس وقت پولس کے انتقال کو اٹھائیس سال گذر چکے تھے۔(55)

چونکہ پولس کا انتقال اس سے پہلے ہو گیا تھا' اور اس نے عقیدۂ حلول و تجسم اپنے خطوط میں واضح طور سے بیان کیا ہے' اس لیے اس عقیدہ کو سب سے پہلے بیان کرنے والا یوحنا بزرگ نہیں ہے' بلکہ پولس ہے۔

عقیدۂ کفارہ

یہ عقیدہ بقول مسٹر ڈینیل ولسن عیسائی مذہب کی جان ہے۔(56) آپ پہلے باب میں پڑھ چکے ہیں کہ ایک طرف عیسائی مذہب کے مطابق انسان کی نجات اس عقیدے پر موقوف ہے' بپتسمہ اور عشاء ربانی کی رسمیں بھی اسی کی بنیاد پر وضع ہوئی ہیں۔ اور اس عقیدے کی پشت پر جو فلسفہ ہے وہ بڑا پیچیدہ اور دقیق ہے' لہٰذا آپ کا خیال شاید یہ ہوگا کہ اناجیل اربعہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بہت سے ارشادات کے ذریعہ اس کی وضاحت کی گئی ہوگی' اور آپ اور آپ کے حواریوں نے اس کی خوب

تشریح فرمائی ہوگی۔

لیکن عیسائی مذہب کا حال اس سے بالکل مختلف ہے' جو نظریات اس مذہب میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں' بلکہ جن کی وجہ سے یہ مذہب دوسرے مذاہب سے ممتاز ہے' وہی نظریات انجیلوں سے غائب ہیں۔ ان کی کوئی تشریح حضرت مسیح علیہ السلام یا ان کے کسی حواری سے نہیں ملتی۔ عقیدۂ تثلیث اور حلول و تجسم کا حال تو آپ دیکھ چکے ہیں۔ عقیدۂ کفارہ کی حالت بھی یہی ہے کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے کسی ارشاد سے ثابت نہیں ہوتا۔

اس بات کا اندازہ کرنے کے لیے اناجیل کے ان جملوں پر ایک نظر ڈال لیجئے' جن کے بارے میں عیسائی حضرات کا خیال یہ ہے کہ عقیدۂ کفارہ ان سے مستنبط ہے' وہ جملے یہ ہیں:

(1) "اس کے بیٹا ہوگا' اور تو اس کا نام یسوع رکھنا' کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دے گا۔" (متی 1:21)

(2) "فرشتے نے ان سے کہا...... تمہارے لیے ایک منجی پیدا ہوا ہے' یعنی مسیح خداوند۔" (لوقا 2:11)

(3) "کیونکہ میری آنکھوں نے تیری نجات دیکھ لی ہے۔" (لوقا 2:30)

(4) حضرت مسیح نے فرمایا۔ "ابن آدم کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈتے اور نجات دینے آیا ہے۔" (لوقا 19:10)

(5) "ابن آدم اس لیے نہیں آیا کہ خدمت لے' بلکہ اس لیے کہ خدمت کرے' اور اپنی جان بہتیروں کے بدلے فدیہ میں دے۔" (متی 20:28' مرقس 10:45)

(6) "یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لیے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے۔" (متی 26:28)

بس یہ ہیں اناجیل متفقہ کے وہ جملے جن سے عقیدۂ کفارہ پر استدلال کیا جاتا ہے۔(57)

ان جملوں سے زائد عقیدۂ کفارہ کے سلسلے میں کوئی بات انجیلوں میں نہیں پائی جاتی' مشکل یہ ہے کہ اس وقت عقیدۂ کفارہ اپنی ترقی یافتہ شکل میں اتنا مشہور ہو چکا ہے کہ ان جملوں کو پڑھ کر ذہن سیدھا اسی عقیدے کی طرف منتقل ہوتا ہے' لیکن اگر آپ انصاف کے ساتھ مسئلے کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں تو تھوڑی دیر کے لیے عقیدۂ کفارہ کی ان تمام تفصیلات کو ذہن سے نکال دیجئے جو پہلے باب میں ہم نے بیان کی ہیں' اس کے بعد خالی الذہن ہو کر ان جملوں کو ایک بار پھر پڑھئے' کیا ان جملوں کا سیدھا سادہ مطلب یہ نہیں نکلتا کہ حضرت مسیح علیہ السلام گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹکنے والوں کو نجات اور ہدایت کا راستہ دکھانے کے لیے تشریف لائے ہیں؟ اور جو لوگ کفر و شرک اور بداعمالیوں کی وجہ سے اپنے آپ کو دائمی عذاب کا مستحق بنا چکے ہیں' انہیں ہدایت کا سیدھا راستہ دکھا کر انہیں جہنم کے عذاب سے چھٹکارا دلانا چاہتے ہیں' خواہ انہیں اپنی ان تبلیغی خدمات کے جرم میں کتنی ہی تکلیفیں برداشت کیوں نہ کرنی پڑیں؟

"اپنی جان بہتیروں کے لیے فدیہ میں دے"...... اور "یہ میرے عہد کا وہ خون ہے' جو بہتیروں کے لیے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے۔"...... اگر پہلے سے عقیدۂ کفارہ کا تصور ذہن میں جما ہوا نہ ہو تو ان جملوں کا بھی صاف مطلب یہ نکلتا ہے کہ لوگوں کو گمراہی سے نکالنے اور ان کے سابقہ گناہوں کی معافی کا سامان پیدا کرنے کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام اپنی جان تک قربان کرنے کے لیے تیار ہیں اور اسی آمادگی کا اظہار فرمار ہے ہیں۔(58)

ان جملوں سے یہ فلسفہ کہاں مستنبط ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے گناہ کی وجہ سے ان کی قوتِ ارادی سلب ہوگئی تھی' اور اس کی وجہ سے ان میں اور ان کی اولاد کی سرشت میں اصلی گناہ داخل ہوگیا تھا' جس کی وجہ سے ہر شیر خوار بچہ بھی دائمی عذاب کا مستحق تھا' پھر تمام دنیا کا یہ اصلی گناہ خدا کے اقنومِ ابن نے پھانسی پر چڑھ کر اپنے اوپر لے لیا' اور اس سے تمام لوگوں کے اصلی گناہ معاف ہوگئے۔(59)

اور اگر مذکورہ جملوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقصد یہی تھا کہ عقیدۂ کفارہ کو واضح کریں تو انہوں نے اسے اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ کیوں نہیں سمجھایا؟ جب کہ وہ دین کے بنیادی عقائد میں سے تھا' اور اس پر ایمان لائے بغیر نجات نہیں ہوسکتی تھی۔

اب حواریوں کی طرف آیئے تو ان کا بھی کوئی ایک جملہ ایسا نہیں ہے جس سے عقیدۂ کفارہ کی سند ملتی ہو' لہٰذا پہلا وہ شخص جس نے عقیدۂ کفارہ کو اس کے پورے فلسفہ کے ساتھ بیان کیا ہے' وہ پولس ہے' رومیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

> "پس جس طرح ایک آدمی کے سبب سے گناہ دنیا میں آیا اور گناہ کے سبب سے موت آئی' اور یوں موت سب آدمیوں میں پھیل گئی' اس لیے کہ سب نے گناہ کیا' کیونکہ شریعت کے دیئے جانے تک دنیا میں گناہ تو تھا' مگر جہاں شریعت نہیں وہاں گناہ محسوب نہیں ہوتا' تو بھی آدم سے لے کر موسیٰ تک موت نے ان پر بادشاہی کی جنہوں نے اس آدم کی نافرمانی کی طرح جو آنے والے کا مثیل تھا گناہ نہ کیا تھا' لیکن قصور کا جو حال ہے وہ نعمت کا نہیں' کیونکہ جب ایک شخص کے قصور سے بہت سے آدمی مر گئے تو خدا کا فضل اور اس کی بخشش ایک ہی آدمی یعنی یسوع مسیح کے فضل سے پیدا ہوئی' بہت سے آدمیوں پر ضرور ہی افراط سے نازل ہوئی' اور جیسا ایک شخص کے گناہ کرنے کا انجام ہوا بخشش کا ویسا حال نہیں کیونکہ ایک ہی کے سبب سے وہ فیصلہ ہوا جس کا نتیجہ سزا کا حکم تھا مگر بہتیرے قصوروں سے ایسی نعمت پیدا ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ راست باز ٹھہرے' کیونکہ جب ایک شخص کے قصور کے سبب سے موت نے اس ایک کے ذریعہ سے بادشاہی کی تو جو لوگ فضل اور راست بازی کی بخشش افراط سے

حاصل کرتے ہیں وہ ایک شخص یعنی یسوع مسیح کے وسیلے سے ہمیشہ کی زندگی میں ضرور ہی بادشاہی کریں گے...... کیونکہ جس طرح ایک ہی شخص کی نافرمانی سے بہت سے لوگ گنہگار ٹھہرے' اسی طرح ایک کی فرمانبرداری سے بہت سے لوگ راستباز ٹھہریں گے۔" (رومیوں 5:12 تا 19)

اور آگے مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"کیا تم نہیں جانتے کہ ہم جتنوں نے مسیح یسوع میں شامل ہونے کا بپتسمہ لیا تو اس کی موت میں شامل ہونے کا بپتسمہ لیا؟ پس موت میں شامل ہونے کے بپتسمہ کے وسیلہ سے ہم اس کے ساتھ دفن ہوئے' تاکہ جس طرح مسیح باپ کے جلال کے وسیلہ سے مردوں میں سے جلایا گیا' اسی طرح ہم بھی نئی زندگی میں چلیں...... چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ ہماری پرانی انسانیت اس کے ساتھ اس لیے مصلوب کی گئی کہ گناہ کا بدن بیکار ہو جائے' تاکہ ہم آگے کو گناہ کی غلامی میں نہ رہیں۔" (رومیوں 6:3 تا 6)

"یہ کفارہ" کا بعینہ وہ فلسفہ ہے جسے پولس سے پہلے کسی نے بیان نہیں کیا۔ اس لیے وہی اس عقیدے کا بانی بھی ٹھہرتا ہے۔

تورات پر عمل کا حکم

عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد کے بعد مناسب ہوگا کہ اس کے بعض خاص احکام کے بارے میں بھی یہ تحقیق کر لی جائے کہ اس سلسلے میں حضرت مسیح علیہ السلام کی ہدایات کیا تھیں؟ اور پولس نے اس میں کیا ترمیم کی؟

حضرت مسیح علیہ السلام نے متعدد ارشادات میں وضاحت کے ساتھ یہ فرمایا ہے کہ میرا مقصد تورات کی مخالفت کرنا نہیں ہے' بلکہ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں' بلکہ اناجیل میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ میں اس کو منسوخ کرنے نہیں آیا' انجیل متی میں ہے:

"یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں' منسوخ کرنے نہیں' بلکہ پورا کرنے آیا ہوں' کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا۔"

(متی 5:17)

اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنیادی طور پر توریت کو واجب العمل اور قابلِ احترام مانتے تھے۔

لیکن پولس کا تورات کے احکام کے بارے میں کیا نظریہ ہے؟ اس کے مندرجہ ذیل اقوال

سے معلوم ہوگا، گلتیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

"مسیح جو ہمارے لیے لعنتی بنا، اس نے ہمیں مول لے کر شریعت سے چھڑایا۔" (60) (گلتیوں 13:3)

اور افسیوں کے نام خط میں لکھتا ہے:

"اس نے جسم کے ذریعہ سے دشمنی یعنی وہ شریعت جس کے حکم ضابطوں کے طور پر تھے موقوف کردی۔" (افسیوں 15:12)

اور عبرانیوں کے نام خط میں رقمطراز ہے:

"اور جب کہانت بدل گئی تو شریعت کا بھی بدلنا ضروری ہے۔"

(عبرانیوں 12:7)

ان اقوال کے ذریعہ پولس نے تورات کی عملی اہمیت بالکل ختم کردی، اور اس کے ہر حکم کو منسوخ کرڈالا۔

عشاء ربانی

عشاء ربانی کی تشریح پہلے کی جاچکی ہے، یہ عبادت عیسائی مذہب کی اہم ترین رسوم میں سے ہے، لیکن انجیل متی اور مرقس میں جہاں اس واقعہ کا تذکرہ ہے وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس عمل کو ایک دائمی رسم بنا لینے کا کوئی حکم موجود نہیں ہے، یہ حکم بھی سب سے پہلے پولس نے وضع کیا ہے۔ (کرنتھیوں 24:11) اور لوقا چونکہ پولس کا شاگرد ہے اس لیے اس نے بھی پولس کی تقلید کی ہے:

یہ بات خود عیسائی علماء کو بھی تسلیم ہے چنانچہ ایف، سی برکٹ لکھتے ہیں:

"اگر آپ عشاء ربانی کا حال مرقس میں پڑھیں گے تو اس میں اس عمل کو آئندہ جاری رکھنے کا کوئی حکم آپ کو نہیں ملے گا، لیکن مقدس پولس جہاں یسوع کے اس عمل کا تذکرہ کرتا ہے وہاں ان کی طرف منسوب کرکے اس جملے کا اضافہ کرتا ہے کہ "میری یادگاری میں یہی کیا کرو۔" (61)

ختنہ کا حکم

ختنہ کا حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے چلا آتا ہے۔ (پیدائش 141:17)

اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی ختنہ ہوا تھا۔ اس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی ارشاد منقول نہیں ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ ختنہ کا حکم منسوخ ہوگیا ہے۔

لیکن اس کے بارے میں پولس کا نظریہ معلوم کرنے کے لیے اس کے خطوط کو دیکھئے، گلتیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

"دیکھو میں پولس تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم ختنہ کراؤ گے تو مسیح سے تم کو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔" (گلتیوں 1:5)

اور آگے چل کر لکھتا ہے:

"کیونکہ نہ ختنہ کچھ چیز ہے نہ نامختونی' بلکہ نئے سرے سے مخلوق ہونا۔" (15:6)

2- تاریخی شواہد

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پولس کے نظریات میں کس قدر تضاد ہے اور موجودہ عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد واحکام حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم نہیں ہیں' بلکہ انہیں پولس نے وضع کیا ہے' تثلیث حلول وتجسم' کفارہ' تورات کی پابندی' عشاء ربانی اور نسخ ختنہ کے تمام نظریات کا بانی وہی ہے۔

اگر صرف انہی شواہد کی بنیاد پر یہ کہا جائے کہ پولس ہی موجودہ عیسائیت کا بانی ہے' تو ہماری نگاہ میں یہ بات عین قرین انصاف ہے' لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وہ تاریخی شواہد بھی پیش کر دیئے جائیں' جن کی روشنی میں یہ دعویٰ مزید واضح ہو جاتا ہے' اس کے لیے ہمیں پولس کی سوانح حیات کا مطالعہ کرنا پڑے گا' اگرچہ پولس کی سوانح حیات پر مستند مواد محدود ہے تاہم کتابِ اعمال' خود پولس کے خطوط اور ان پر مبنی وہ کتابیں جو عیسائی علماء نے لکھی ہیں' اس دعوے کے بہت سے ثبوت مہیا کرتی ہیں' جنہیں ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

1- عرب کا سفر

پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ پولس شروع میں یہودی تھا' بعد میں اس نے یسوع مسیح (علیہ السلام) پر ایمان لانے کا دعویٰ کیا تھا' اگر وہ واقعتہً حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات پر ایمان لایا تھا تو قاعدے کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اپنے اس نظریاتی انقلاب کے بعد زیادہ سے زیادہ وقت حضرت مسیح علیہ السلام کے ان شاگردوں اور حواریوں کے پاس گذارتا جنہوں نے براہِ راست حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فیض حاصل کیا تھا' اور جو اس وقت دین عیسوی کے سب سے بڑے عالم تھے۔

لیکن پولس کی سوانح حیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے نظریاتی انقلاب کے فوراً بعد حواریوں کے پاس یروشلم نہیں گیا' بلکہ دمشق کے جنوبی علاقے میں چلا گیا۔ (گلتیوں 1:15-17)

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار: اس کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ وہ اپنے نئے تجربے کی روشنی میں شریعت کے مقام کی نئی تعبیر کرے۔ (62)

اور مشہور عیسائی مورخ جیمس میک کنن اپنی فاضلانہ کتاب "مسیح سے قسطنطین تک" میں لکھتے ہیں:

"اپنے نظریاتی انقلاب کے بعد...... وہ عرب (بطیریہ) چلا گیا' جس کا مقصد بظاہر تبلیغ سے زیادہ یہ تھا کہ اپنے نئے عقیدے کے مضمرات پر غور کرے' اس کے تین سال بعد وہ یروشلم گیا' تا کہ یسوع مسیح کے بارے میں جو روایت تھی اس کے بارے میں مشورہ کرنے کے لیے پطرس اور خداوند کے بھائی یعقوب سے ملاقات کرے۔" (63)

سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ایمان لانے کے بعد اس نے تین سال کا طویل عرصہ الگ تھلگ رہ کر کیوں گذارا؟ اور ان لوگوں سے اس دین کی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہ کی کہ جنہوں نے براہِ راست حضرت مسیح علیہ السلام سے فیض اٹھایا تھا؟...... کیا اس کا صاف جواب اوپر کے دو اقتباسات میں یہ نہیں دیا گیا کہ دراصل وہ اپنی اس تبدیلی کے بعد وہ مذہب اور وہ تعلیمات اختیار کرنا نہیں چاہتا تھا جنہیں اب تک حضرت مسیح علیہ السلام کے حواری دین عیسوی قرار دیتے آئے تھے بلکہ وہ شریعت اور دین عیسوی کی (بقول برٹانیکا) "نئی تعبیر" کرنا چاہتا تھا' اور اس مقصد کے لیے اسے خاموش اور پُرسکون فضا میں غور وفکر کرنے کی ضرورت تھی' اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصلی دین کے بجائے ایک نئے مذہب کی داغ بیل ڈالنی تھی' جس کے لیے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسم گرامی استعمال کرنا چاہتا تھا' پولس کے ایک مشہور عیسائی سوانح نگار ایف جے فوکس (64) جیکسن پولس کے اس عمل کی تاویل اس طرح کرتے ہیں:

"پولس کو اس بات کا یقین تھا کہ خدا نے اسے کام کا ایک مخصوص میدان دیا ہے' اور کسی فانی شخص کو اس کے معاملات میں اس وقت تک دخل اندازی نہ کرنی چاہیے جب تک کہ خدا کی روح خود اس کی رہنما بنی ہوئی ہے' اگر یہ بات ذہن میں رہے تو پولس کے اس طرزِ عمل کو سمجھنے میں مدد ملے گی کہ اس نے زندہ یسوع مسیح کو سمجھنے کے لیے پیش رو حواریوں سے تعلیم حاصل نہیں کی' اور اس سلسلے میں ان کا ممنون ہونے کے بجائے براہِ راست خداوند سے رابطہ قائم رکھا۔" (65)

لیکن ذرا غور فرمائیے کہ یہ بات کتنی غیر معقول ہے؟ آخر اس کی دلیل کیا ہے کہ پولس آن کی آن میں تقدس اور رسالت کے اس مقام بلند تک پہنچ جاتا ہے کہ اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو سمجھنے کے لیے کسی حواری کی تعلیم کی ضرورت نہیں رہتی؟ اگر اس غیر معمولی طریقے سے وہ بعینہٖ ان تعلیمات کا اعلان کرتا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حواریوں اور ان کی انجیل کے ذریعہ ثابت ہیں' تب بھی کسی درجے میں یہ بات معقول ہو سکتی تھی' لیکن آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ وہ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بتلائے ہوئے عقائد و تصورات سے بالکل متضاد نظریات بیان کرتا ہے' ایسی صورت میں اس کی کوئی دلیل تو ہونی چاہیے کہ اسے براہِ راست خدا کی طرف سے ان عقائد کی تعلیم دی گئی ہے' اور اس تعلیم کے بعد دین عیسوی کی سابقہ تعبیر منسوخ ہو چکی ہے۔ جب ایسی کوئی دلیل آج تک کوئی نہ پیش

کرسکا تو کیا یہ نرا دعویٰ اس لائق ہے کہ اس کی بناء پر دین عیسوی کی بالکل کایا پلٹ دی جائے؟

پھر اگر حضرت عیسیٰ کے فوراً بعد انہی کی مرضی سے ایک ''انقلابی رسول'' آنے والا تھا' تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی آمد کے بارے میں کوئی ہدایت کیوں نہیں دی بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے (بقولِ نصاریٰ) عید پینٹی کوسٹ کے موقعہ پر نزولِ روح القدس (66) کی خبر دی تھی' حالانکہ وہ کوئی انقلابی واقعہ نہ تھا' مگر پولس کے رسول بن کر آنے کی کوئی خبر آپ نے نہیں دی۔

حوالہ جات

1- H. Maurice, Relton: Studies in Christian Doctrine, Macmillan. London 1960 p. 3

2- عام عیسائیوں کا یہی مسلک ہے (دیکھئے برٹانیکا ص 479 ج 22 مقالہ ''Trinity'')

3- عرب میں عیسائیوں کا ایک فرقہ ''انیرمدتیں'' اس کا قائل تھا' اب یہ فرقہ ناپید ہو چکا ہے (دیکھئے نوید جاوید' ص 356 بحوالہ پادری سیل صاحب)

4- Hibbert Journal XXIV No. 1, as quoted by the Encylopaedia Britannica 1950 p.410 V. 22. 'Trinity'.

5- St. Thomas Aquinas, Basic Writings p. 327 V.I

6- یہ فرقہ مرقولیہ کا مذہب ہے (الخطط المقریزیہ ص 408 ج 3' لبنان' 1959ء

7- Basic Writings of St. Thomas Aquinas, edited by A.C. Pegis pp 324, 26 V.I. New York 1945.

8- Aquinas, The Summa Theologica Q. 33 Art 206,3.

9- Augustine, The City of God, Book XI ch XXIV.

10- The City of God p. 168, V.2.

11- تکشیف التثلیث' لاہور 1927ء ص 24

12- ایضاً ص 134

13- اس فرقہ کے مزید نظریات کے لیے دیکھئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا' ص 397 ج 17 ''مقالہ پالیشنس''

14- آخر زمانے کے بعض محققین مثلاً بیدون بیکر وغیرہ کا خیال ہے کہ اس پر یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے'

اور اس کے نظریات کو ٹھیک سمجھا نہیں گیا' مگر پروفیسر مارس ریلٹن وغیرہ نے اس کی تردید کرکے افسس کونسل کے فیصلے کی تائید کی ہے۔ (دیکھئے Studies in Christian Doctrine p. 102)

-15 اس تاویل کی بنیاد اس مفروضے پر ہے کہ خدا میں ازل سے مکمل انسانیت پائی جاتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ یہ "خدائی انسانیت" کیا چیز ہے؟ کیا اس میں بھی بھوک' پیاس' خوشی غم اور وہ تمام انسانی عوارض پائے جاتے ہیں جو ہم میں موجود ہیں' یا نہیں؟ اگر یہ عوارض اس میں بھی پائے جاتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کو بھی (معاذ اللہ) بھوک پیاس لگتی ہے۔ اسے بھی تکلیف اور راحت پہنچتی ہے' اور اس میں بھی حدوث کے تمام عوارض پائے جاتے ہیں' ظاہر ہے کہ یہ بات بداہتہً غلط ہے' اور رومن کیتھولک چرچ بھی اس کا عقیدہ نہیں رکھتا' اور اگر "خدائی انسانیت" ان تمام عوارض سے پاک ہے تو سوال یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام میں یہ عوارض کیوں پائے جاتے تھے؟ انہیں کیوں بھوک پیاس لگتی تھی؟ انہیں کیوں رنج اور غم ہوتا تھا؟ وہ (بزعم نصاریٰ) سولی پر لٹک کر کیوں درد سے چلاتے تھے؟ جب کہ ان کی انسانیت بقول مارس ریلٹن ہماری جیسی نہیں تھی' بلکہ وہ خدائی انسانیت تھی جو ان تمام عوارض سے پاک اور مبرا ہے؟

-16 حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی دینے کا قصہ موجودہ چاروں انجیلوں میں موجود ہے۔ لیکن قرآن کریم نے اس کی بڑی سختی سے تردید کی ہے' اور کہا ہے کہ درحقیقت یہ غلط فہمی ہے' ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھالیے گئے تھے۔ یہاں صرف اتنا اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انسانی معلومات کی ترقی کے ساتھ قرآن کریم کی صداقت خود بخود واضح ہوتی جا رہی ہے' چند سو سال پہلے انجیل برناباس کا نسخہ دریافت ہوا تھا اس میں برناباس نے نہایت صراحت و وضاحت سے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی نہیں دی گئی تھی' بلکہ ان کی جگہ یہوداہ اسکریوتی مصلوب ہوا تھا' (ہم نے اظہار الحق کے آخری باب میں بشارات کے بیان کے تحت ایک مبسوط حاشئے میں اس انجیل کے اقتباسات پیش کرکے اس کی اصلیت پر مفصل گفتگو کی ہے) اس انجیل کے بارے میں تو عیسائی حضرات یہ کہتے آئے تھے کہ یہ کسی مسلمان کی تصنیف ہے'...... لیکن حال ہی میں انجیل کا ایک اور نسخہ دریافت ہوا ہے' جو پطرس حواری کی طرف منسوب ہے' اس میں بالکل صاف الفاظ میں یہ لکھا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی دینے سے کچھ پہلے آسمان پر اٹھالیا گیا تھا۔ انجیل پطرس کا یہ جملہ بلمین سٹریٹر نے اپنی مشہور کتاب "اناجیل اربعہ" (The Four Gospels) (ص 5' مطبوعہ میکملن نیویارک 1961ء) میں نقل کیا ہے' اس کی تاویل اگرچہ سٹریٹر نے یہ کی ہے کہ یہاں مسیح سے مراد ان کا خدائی وجود ہے۔ لیکن انجیل پطرس کے الفاظ میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف یہ دلیل موجود ہے' کہ آسمان پر اٹھانے کے لیے صیغہ مجہول (Passive Voice) استعمال کیا گیا ہے' خود سٹریٹر نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔ ("He was taken off.") (اس کو

اوپر اٹھالیا گیا) اس سے ظاہر ہے کہ ان کو اٹھانے والا کوئی اور تھا' اور ظاہر ہے کہ اگر اس سے مراد خدا ہوتا تو یوں کہا جاتا کہ "وہ اوپر چلا گیا" کیونکہ خدا کو کوئی نہیں اٹھا سکتا۔

17- صلیب کی یہ تاریخ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا' ص 753 ج 6 مقالہ "صلیب" سے ماخوذ ہے۔

18- Daniel Wilson, Evidences of Christianity V. 11 P.53 London 1830.

19- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا' ص 651 ج 2 مقالہ "Atonement"

20- ہماری نظر میں عقیدۂ کفارہ کے پورے پس منظر کو سب سے زیادہ واضح طریقے سے سینٹ آگسٹائن نے اپنی مشہور کتاب (The Enchiridion) میں بیان کیا ہے' ہم اس عقیدے کی تشریح زیادہ تر اسی سے نقل کریں گے' مگر چونکہ آگسٹائن کی عبارتیں بہت طویل ہیں' اس لیے ہم ہر جگہ ان کو نقل کرنے کے بجائے حوالوں پر اکتفا کریں گے' جہاں دوسری کتابوں سے مدد لی گئی ہے وہاں حوالہ ساتھ ہی دے دیا گیا ہے۔

21- آگسٹائن: دی سٹی آف گاڈ کتاب نمبر 14 باب نمبر 11' ص 255 ج 2۔

22- Augustine, The Enchiridion XXVII p. 673 V.I.

23- ایضاً باب نمبر 30 ص 675 ج اوّل۔

24- دیکھئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا' ص 652,651 ج 2 مقالہ "کفارہ"

25- آگسٹائن: دی سٹی آف گاڈ' ص 256,255 ج 2 کتاب نمبر 14 باب نمبر 11

26- ایضاً۔

27- Augustine, On Original Sin, ch. 621 IIP. V.I

28- Principles of Christian Worship, Oxford 1960, p.3

29- Augustine, The Enchiridion XLII p. 688, V.I

30- The Christian Religion p. 150,152 V.3

31- یہ پوری تفصیل انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا' ص 83 ج 3 مقالہ "بپتسمہ" میں سائرل کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے۔

32- Justin Martyr, Apol, 1, 65-67 quoted by F.C. Burkitt, The Christian Religion P. 149 V.III.

33- Cyril, Cat. Myst. K. quoted by the Britannica p.795 V. 8. "Eucharist"

34- Calvin, Genevan confession 76, trans. by J.K.S. Reid.

35- اس تاریخ میں بنیادی طور پر انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کے مقالہ "عیسائیت" سی' پی

ایس کلرک کی مختصر تاریخ کلیسا' پادری خورشید عالم کی تواریخ کلیسائے رومۃ الکبریٰ اور برٹانیکا کے مختلف مقالوں سے مدد لی گئی ہے۔

36- لوقا کی کتاب اعمال جو حواریوں کی واحد سوانح ہے' اس اختلاف کے بعد حواریوں کے تذکرے سے بالکل خاموش ہے۔

37- یہاں یہ واضح رہے کہ جو نظم عقیدۂ اتھانی شیس کے نام سے مشہور ہے' وہ اتھانی شیس کی نہیں ہے' بلکہ بعد میں کسی نے اس عقیدے کو نظم کردیا ہے۔

38- یہ اور آگے تاریخ عیسائیت کا پورا مضمون انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس ص 589 تا 596 جلد 3 مقالہ "عیسائیت" سے ماخوذ ہے' تقی

39- Adeney, The Greek and Eastern Churches, p. 241, as quoted by the Ency. of Religion and Ethics, p. 590 V.3

40- ان جنگوں کی تاریخ اور ان کے سیاسی و مذہبی پس منظر کے لیے دیکھئے میجر جنرل محمد اکبر خاں صاحب کی فاضلانہ تصنیف "کروسیڈ اور جہاد" مطبوعہ سندھ ساگر اکادمی لاہور 1961ء

41- Clarke, Short History of the Church p. 394.

42- استثناء 2:33

43- یوحنا 17:14

44- یسعیاہ 11:42

45- یسعیاہ 17:42

46- یوحنا 13:16

47- عیسائی حضرات عقیدۂ تثلیث پر ان اقوال سے استدلال کرتے ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو "باپ" اور اپنے آپ کو "بیٹا" کہا ہے' لیکن درحقیقت یہ اسرائیلی محاورہ ہے' بائبل میں بے شمار مقامات پر حضرت مسیح کے سوا دوسرے انسانوں کو بھی خدا کا بیٹا کہا گیا ہے' (مثلاً دیکھئے لوقا' باب 3 و زبور 89-27 و یرمیاہ 9:31' یسعیاہ 16:63 و ایوب 38:7' پیدائش 2:6 وغیرہ) اس لیے صرف ان الفاظ سے استدلال کرنا کسی طرح درست نہیں ہے (تفصیل کے لیے دیکھئے اظہار الحق باب سوم' فصل دوم)

48- اس کے باوجود عیسائی حضرات اپنے پادریوں اور پاپاؤں کو "باپ" کیوں کہتے آئے ہیں؟ یہ انہی سے پوچھئے' رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند۔

49- دیکھئے 27:4, 9:4, 49:7, 21:1, 25:4, 14:6, 40:7, 34:12, 22:7, 28:18, 37:7, 15:7, 2:9 وغیرہ

50- دیکھئے 15:18, 16, 1:3, 5:7, 38:19, 45:7, 47:11, 10:12 وغیرہ

51- برٹانیکا' ص 83 ج 13 مقالہ: "جان"

52- قدامت و اصلیت اناجیل اربعہ ص 131 جلد دوم پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی 1960ء

53- ایضاً ص 137 ج 2

54- بلکہ فرانسیسی انسائیکلوپیڈیا میں تو یہاں تک کہا گیا ہے کہ پوری انجیل یوحنا خود پولس کی تصنیف ہے' جسے اس نے یوحنا حواری کی طرف منسوب کر دیا ہے (دیکھئے مقدمہ انجیل برناباس از سید رشید رضا مصری مرحوم' مطبوعہ قاہرہ)

55- کیونکہ مورخین تخمینی طور پر پولس کا سن وفات 67ء کو قرار دیتے ہیں۔

56- Daniel Wilson, Evidences of Christianity, p. 53 V. II, London 1830.

57- دیکھئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا' ص 651 ج 2' مقالہ: Atonement

58- رہی کتاب یسعیاہ 1:53 کی عبارت جو اس سلسلے میں بکثرت پیش کی جاتی ہے' سو وہ ان سب جملوں سے زیادہ مجمل اور مبہم ہے' معلوم نہیں اس کا مصداق کیا ہے؟ اور اس تمثیل سے کیا مراد ہے؟

59- خاص طور سے اس وقت جبکہ یہ فلسفہ عقل کے علاوہ بائبل کی اس تصریح کے بھی بالکل خلاف ہے:
"جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی' بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا' اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ' صادق کی صداقت اسی کے لیے ہوگی' اور شریر کی شرارت شریر کے لیے۔" (حزقی ایل 20:18)

60- واضح رہے کہ بائبل میں ہر جگہ شریعت (The Law) سے مراد تورات ہوتی ہے۔

61- F.C. Burkitt, The Christian Religion, p. 148, V. 3

62- برٹانیکا' ص 389' ج 17' مقالہ: پال 7

63- James Mackinon, From Christ to Constantine, London, Longmans Green, 1936, p. 91

64- F.J. Foakes Jackson, Life of St. Paul, London, 1933, p. 129

65- یہاں مسٹر جیکسن پولس کی اس عبارت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں: "جو خوشخبری میں نے سنائی وہ انسان کی سی نہیں' کیونکہ وہ مجھے انسان کی طرف سے نہیں پہنچی' اور نہ مجھے سکھائی گئی' بلکہ یسوع مسیح کی طرف سے مجھے اس کا مکاشفہ ہوا۔" (گلتیوں 1:11,12)

66- مقابلہ کیجئے کتاب اعمال' باب 2' اور اعمال 1:8۔

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں تحریف

ومن الذین قالوا انا نصری اخذنامیثاقھم (المائدہ:14)

ترجمہ: ''اسی طرح ہم نے ان لوگوں سے بھی پختہ عہد لیا تھا جنھوں نے کہا تھا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔''

لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ ''نصاریٰ'' کا لفظ ناصرہ سے ماخوذ ہے جو مسیح علیہ السلام کا وطن تھا۔ دراصل اس کا ماخذ ''نصرت'' ہے اور اس کی بنا وہ قول ہے جو مسیح علیہ السلام کے سوال مَن انصاری الی اللہ۔ (خدا کی راہ میں کون لوگ میرے مددگار ہیں؟) کے جواب میں حواریوں نے کہا تھا کہ نَحنُ اَنْصارُ اللّٰہِ ہم اللہ کے کام میں مددگار ہیں) عیسائی مصنفین کو بالعموم محض ظاہری مشابہت دیکھ کر یہ غلط فہمی ہوئی کہ مسیحیت کی ابتدائی تاریخ میں ناصریہ (Nazarenes) کے نام سے جو ایک فرقہ پایا جاتا تھا' اور جنہیں حقارت کے ساتھ ناصری اور ایبونی کہا جاتا تھا' انہی کے نام کو قرآن نے تمام عیسائیوں کے لیے استعمال کیا ہے۔ لیکن یہاں قرآن صاف کہہ رہا ہے کہ انہوں نے خود کہا تھا کہ ہم ''نصاریٰ'' ہیں' اور یہ ظاہر ہے کہ عیسائیوں نے اپنا نام کبھی ناصری نہیں رکھا۔

موسوی شریعت سے جدائی

اس سلسلے میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے پیروؤں کا نام کبھی ''عیسائی'' یا ''مسیحی'' نہیں رکھا تھا' کیونکہ وہ اپنے نام سے کسی نئے مذہب کی بنا ڈالنے نہیں آئے تھے۔ ان کی دعوت اُسی دین کو تازہ کرنے کی طرف تھی' جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان سے پہلے اور بعد کے انبیاء علیہم السلام لے کر آئے تھے۔ اس لیے انہوں نے عام بنی اسرائیل اور پیروانِ شریعت موسوی سے الگ نہ کوئی جماعت بنائی اور نہ اس کا کوئی مستقل نام رکھا۔ ان کے ابتدائی پیرو خود بھی نہ اپنے آپ کو اسرائیلی ملت سے الگ سمجھتے تھے' نہ ایک مستقل گروہ بن کر رہے' اور نہ انہوں نے اپنے لیے کوئی امتیازی نام اور نشان مقرر کیا۔ وہ عام یہودیوں کے ساتھ بیت المقدس ہی کے ہیکل میں عبادت کرنے

کے لیے جاتے تھے اور اپنے آپ کو موسوی شریعت پر عمل کرنے کا پابند سمجھتے تھے۔ (ملاحظہ ہو کتاب اعمال 3:1-10:14-15:1,5-21:21)

جدائی کا دوطرفہ عمل

آگے چل کر جدائی کا عمل دو جانب سے شروع ہوا۔ ایک طرف حضرت عیسیٰؑ کے پیرووں میں سے پولوس (سینٹ پال) نے شریعت کی پابندی ختم کر کے یہ اعلان کردیا کہ مسیحؑ پر ایمان لے آنا نجات کے لیے کافی ہے اور دوسری طرف یہودی علماء نے پیروانِ مسیح کو ایک گمراہ فرقہ قرار دے کر عام بنی اسرائیل سے کاٹ دیا۔ لیکن اس جدائی کے باوجود ابتداءً اس نئے فرقے کا کوئی خاص نام نہ تھا۔ خود پیروانِ مسیح اپنے لیے کبھی "شاگرد" کا لفظ استعمال کرتے تھے اور کبھی اپنے رفقاء کا ذکر "بھائیوں" (اخوان) "ایمان داروں" (مومنین) "جو ایمان لائے" "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور" "مقدس" کے الفاظ سے کرتے تھے۔ (کتاب اعمال 2:44-4:32-9:26-11:29-13:52-15:1,23 رومیوں 15:25 گلسیتیون 2:1) بخلاف اس کے یہودی ان لوگوں کو کبھی "گلیلی" کہتے تھے اور کبھی "ناصریوں کا بدعتی فرقہ" کہہ کر پکارتے تھے۔ (اعمال 24:5 لوقا 13:2)

یہ نام دھرنے کی کوشش انہوں نے ازراہِ طنز و تشنیع اس بنا پر کی تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وطن ناصرہ تھا اور وہ فلسطین کے ضلع گلیل میں واقع تھا۔ لیکن یہ طنزیہ الفاظ اس حد تک رائج نہ ہو سکے کہ پیروانِ مسیح کے لیے نام کی حیثیت اختیار کر جاتے۔

لفظ "مسیحی" کا اوّلین استعمال

اس گروہ کا موجودہ نام مسیحی (Christian) پہلی مرتبہ 43ء یا 44ء میں انطاکیہ کے مشرک باشندوں نے رکھا تھا' جب کہ سینٹ پال اور برنباس نے وہاں پہنچ کر اپنے مذہب کی تبلیغ عام شروع کی (اعمال 11:26) یہ نام بھی دراصل طنز و تمسخر کے طور پر مخالفین کی طرف سے رکھا گیا تھا' اور پیروانِ مسیح اسے خود اپنے نام کے طور پر قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ لیکن جب ان کے دشمنوں نے ان کو اسی نام سے پکارنا شروع کر دیا تو ان کے لیڈروں نے کہا کہ اگر تمہیں مسیح کی طرف نسبت دے کر "مسیحی" کہا جاتا ہے تو تمہیں اس پر شرمانے کی کیا ضرورت ہے (1۔ پطرس 4:16) اس طرح رفتہ رفتہ یہ لوگ خود بھی اپنے آپ کو اسی نام سے موسوم کرنے لگے جس سے ان کے دشمنوں نے طنزاً انہیں موسوم کیا تھا' یہاں تک کہ آخر کار ان کے اندر سے یہ احساس ہی ختم ہو گیا کہ یہ دراصل ایک برا لقب تھا جو انہیں دیا گیا تھا۔

عیسائیوں پر قرآن کا ایک احسان

قرآن مجید نے اسی لیے مسیحؑ کے ماننے والوں کو مسیحی یا عیسائی کے نام سے یاد نہیں کیا' بلکہ انہیں یاد دلایا ہے کہ تم دراصل ان لوگوں کے نام لیوا ہو جنہیں عیسیٰؑ ابن مریم نے پکارا تھا کہ مَنْ

اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ کون ہے جو اللہ کی راہ میں میری مدد کرے؟" اور انہوں نے جواب دیا تھا کہ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ "ہم اللہ کی راہ میں مددگار ہیں۔" اس لیے تم اپنی ابتدائی اور بنیادی حقیقت کے اعتبار سے نصاریٰ یا انصار ہو۔ لیکن آج عیسائی مشنری اس یاددہانی پر قرآن کا شکریہ ادا کرنے کے بجائے الٹی شکایت کر رہے ہیں کہ قرآن نے ان کو مسیحی کہنے کے بجائے نصاریٰ کے نام سے کیوں موسوم کیا۔

سینٹ پال نے ایک نیا دین بنا ڈالا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی پیرو آپ کو صرف نبی مانتے تھے، موسوی شریعت کا اتباع کرتے تھے، عقائد اور احکام اور عبادات کے معاملہ میں اپنے آپ کو دوسرے بنی اسرائیل سے قطعاً الگ نہ سمجھتے تھے، اور یہودیوں سے ان کا اختلاف صرف اس امر میں تھا کہ یہ حضرت عیسیٰ کو مسیح تسلیم کر کے ان پر ایمان لائے تھے اور وہ اُن کو مسیح ماننے سے انکار کرتے تھے۔ بعد میں جب سینٹ پال اس جماعت میں داخل ہوا تو اس نے رومیوں، یونانیوں اور دوسرے غیر یہودی اور غیر اسرائیلی لوگوں میں بھی اس دین کی تبلیغ و اشاعت شروع کر دی، اور اس غرض کے لیے ایک نیا دین بنا ڈالا جس کے عقائد اور اصول اور احکام اس دین سے بالکل مختلف تھے جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیش کیا تھا۔ اس شخص نے حضرت عیسیٰ کی کوئی صحبت نہیں پائی تھی بلکہ ان کے زمانے میں وہ ان کا سخت مخالف تھا اور ان کے بعد بھی کئی سال تک ان کے پیرووں کا دشمن بنا رہا۔ پھر جب اس جماعت میں داخل ہو کر اس نے ایک نیا دین بنانا شروع کیا، اس وقت بھی اس نے حضرت عیسیٰ کے کسی قول کی سند پیش نہیں کی بلکہ اپنے کشف والہام کو بنیاد بنایا۔

نئے دین سے سینٹ پال کا مقصد

اس نئے دین کی تشکیل میں اس کے پیش نظر بس یہ مقصد تھا کہ دین ایسا ہو جسے عام غیر یہودی (Gentile) دُنیا قبول کر لے۔ اس نے اعلان کر دیا کہ ایک عیسائی، شریعت یہود کی تمام پابندیوں سے آزاد ہے اس نے کھانے پینے میں حرام و حلال کی ساری قیود ختم کر دیں۔ اس نے ختنہ کے حکم کو بھی منسوخ کر دیا جو غیر یہودی دُنیا کو خاص طور پر ناگوار تھا۔ حتیٰ کہ اس نے مسیحؑ کی الوہیت اور ان کے ابن خدا ہونے اور صلیب پر جان دے کر اولادِ آدم کے پیدائشی گناہ کا کفارہ بن جانے کا عقیدہ بھی تصنیف کر ڈالا کیونکہ عام مشرکین کے مزاج سے یہ بہت مناسبت رکھتا تھا۔

اس فتنہ کی روک تھام میں پیروانِ مسیحؑ کی ناکامی

مسیحؑ کے ابتدائی پیرووں نے ان بدعات کی مزاحمت کی، مگر سینٹ پال نے جو دروازہ کھولا تھا، اس سے غیر یہودی عیسائیوں کا ایک ایسا زبردست سیلاب اس مذہب میں داخل ہو گیا جس کے مقابلے میں وہ مٹھی بھر لوگ کسی طرح نہ ٹھہر سکے۔ تاہم تیسری صدی عیسوی کے اختتام تک بکثرت لوگ ایسے

موجود تھے جو مسیح ؑ کی الوہیت کے عقیدے سے انکار کرتے تھے۔ مگر چوتھی صدی کے آغاز 325ء میں نیقیہ (Nicaea) کی کونسل نے پولوسی عقائد کو قطعی طور پر مسیحیت کا مسلم مذہب قرار دے دیا۔ پھر رومی سلطنت خود عیسائی ہوگئی اور قیصر تھیوڈوسیس کے زمانے میں یہی مذہب سلطنت کا سرکاری مذہب بن گیا۔ اس کے بعد قدرتی بات تھی کہ وہ تمام کتابیں جو اس عقیدے کے خلاف ہوں' مردود قرار دے دی جائیں اور صرف وہی کتابیں معتبر ٹھہرائی جائیں جو اس عقیدے سے مطابقت رکھتی ہوں۔ 367ء میں پہلی مرتبہ اتھاناسیوس (Athanasius) کے ایک خط کے ذریعے معتبر و مسلم کتابوں کے ایک مجموعہ کا اعلان کیا گیا' پھر اس کی توثیق 382ء میں پوپ ڈیمیسس (Damasius) کے زیر صدارت ایک مجلس نے کی' اور پانچویں صدی کے آخر میں پوپ گلاسیس (Gelasius) نے اس مجموعہ کو مسلم قرار دینے کے ساتھ ساتھ ان کتابوں کی ایک فہرست مرتب کردی جو کلیسا کی نگاہ میں غیر معتبر تھیں۔ لیکن کلیسا کے جو عقائد مسلم قرار دیئے گئے تھے ان کے متعلق کبھی کوئی عیسائی عالم یہ دعویٰ نہیں کرسکا ہے کہ ان میں سے کسی عقیدے کی تعلیم خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی' بلکہ معتبر کتابوں کے مجموعہ میں جو انجیلیں شامل ہیں' خود ان میں بھی حضرت عیسیٰ ؑ کے اپنے کسی قول سے ان عقائد کا ثبوت نہیں ملتا۔

تعلیماتِ عیسیٰ ؑ کو بالکل ملیامیٹ کردیا گیا

لیکن مسیح ؑ کے اس دُنیا سے اٹھ جانے کے چند ہی برس بعد ان تمام اصول و قواعد کو یکلخت منہدم کردیا گیا جن پر انہوں نے اپنی دینی تجدید و اصلاح کی بنیاد رکھی تھی۔ اور مسیح ؑ کی اصل تعلیم کو ایسا بدل دیا گیا کہ دُنیا میں اس کے وجود کا نام ونشان تک نہ رہا۔ اس عمل تحریف و تنسیخ کا محرک سینٹ پال (پولوس) تھا۔ ہم اس کی نیت کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ممکن ہے کہ مسیح ؑ کی زندگی میں اور ان کے بعد بھی 6 برس تک ان کی دعوت کا شدید دشمن رہنے کے بعد آخر کار وہ سچے دل سے مسیح کا پیرو اور وکیل بن گیا ہو۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ مسیح ؑ کا صحبت یافتہ نہ تھا' ان کی تربیت میں رہ کر اسے تعلیماتِ مسیح ؑ کی اصل روح کو سمجھنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا' اور وہ ان حواریوں کے مقابلہ میں جو مسیح ؑ کے زیر تربیت رہ چکے تھے۔ مسیحی تعلیمات کو زیادہ سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھتا تھا۔ اس لیے جب اس نے پطرس جیسے حواریوں کی رائے کے خلاف مسیح ؑ کے دین کی تعبیر و تاویل کی اور اسے اپنی نوایجاد بنیادوں پر قائم کیا' تو یہ بدنیتی نہ سہی' جہل و ناواقفیت کی بنا پر یقیناً ایک کھلی ہوئی تحریف تھی۔ (خود سینٹ پال کے شاگرد لوقا کی کتاب ''اعمال'' سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح ؑ کی زندگی میں اس کو ان کی صحبت اور تربیت سے فائدہ اٹھانے کا کوئی موقع نہیں ملا تھا۔ نیز یہ کہ جب اس نے دین مسیح ؑ میں تحریف شروع کی تو مسیح ؑ کے خاص تربیت یافتہ حواریوں نے اس کی سخت مخالفت کی تھی۔ پس خود انجیل کی سند پر کہا جاسکتا ہے کہ سینٹ پال کے ایجاد کردہ اصول نہ صرف دین مسیح ؑ کی سپرٹ یعنی (روح) کے خلاف تھے بلکہ خود مسیح ؑ کی صریح ہدایات کے بھی خلاف تھے۔)

اصولِ دین میں پہلی تحریف

اس سلسلہ میں پولوس نے دین کے اصول میں جو تحریفات کیں ان میں سب سے پہلی تحریف یہ تھی کہ مسیحؑ کی تعلیم کو تمام عالم انسانی کے لیے ایک عام پیغام قرار دیا' حالانکہ دراصل وہ محض بنی اسرائیل کے لیے تھی۔ مسیحؑ نے اپنی زندگی میں جب حواریوں کو تبلیغ و دعوت کے لیے بھیجا تھا تو صاف طور پر حکم دیا تھا کہ:

"غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا' بلکہ اسرائیل کی بھٹکی ہوئی بھیڑوں ہی کے پاس جانا۔" (متی 10:5-6)

خود مسیحؑ نے اپنے پورے عہد نبوت میں کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی غیر اسرائیلی قوموں کو اپنی طرف دعوت نہیں دی اور نہ کسی غیر اسرائیلی کو داخل جماعت کیا۔ سینٹ پال کے ظہور سے پہلے مسیحؑ کے حواری بھی اسرائیلیوں ہی کو دعوت دیتے رہے۔ مبلغ بھی اسرائیلی تھے اور ان کے مخاطب بھی اسرائیلی۔ اس وقت تک مسیحی دعوت یہودی مذہب میں ایک اصلاحی دعوت شمار ہوتی تھی۔ (Millman, History of Christianity vol. I p. 377) حواریوں میں یہ ایک مسلم مسئلہ تھا کہ انجیل کی منادی صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو شریعت موسویہ کے پیرو ہیں۔ (Dumellow, Commentary on the Holy Bible, p.l.xxxix) پیروان مسیح کی جو مؤتمر عام 49ء میں بمقام یروشلم منعقد ہوئی تھی' اس میں ایک بڑی جماعت اسی رائے کی موید تھی۔ (Millman, History of Christianity vol. I, P.393) لیکن پولوس نے دعوت مسیح کی حقیقت' مسیح کی تصریحات اور حواریوں کے علم و یقین' سب کو نظر انداز کر کے یہ فیصلہ کیا کہ مسیح کی دعوت تمام دنیا کی قوموں کے لیے ہے' اور اس فیصلہ کو حق بجانب قرار دینے کے لیے یہ دعویٰ کیا کہ مسیح نے صلیب پر چڑھنے اور وفات پا جانے کے بعد اپنے شاگردوں کے پاس آ کر یہ حکم دیا تھا کہ "تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ۔" (Dumellow, Commentary on the Holy Bible p.l xxxix) (متی 28:19)

اصولِ دین میں دوسری تحریف

لیکن غیر اسرائیلی قوموں کو موسوی قوانین کا پابند بنانا مشکل تھا۔ بہت سے رسوم و شعائر ایسے تھے جن سے ان قوموں کو نفرت تھی۔ اس لیے فوراً ہی یہ سوال پیدا ہوگیا کہ جب ان قوموں کو مسیحیت کی طرف دعوت دی جائے تو موسوی شریعت کی پابندی پر زور دیا جائے یا نہیں؟ اس بارے میں مسیحؑ کی تصریحات بالکل واضح تھیں۔ وہ فرما چکے تھے کہ زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں مگر تورات کا ایک شوشہ اور ایک نقطہ بھی نہیں ٹل سکتا۔" اور یہ کہ "میں تورات کو منسوخ کرنے کے لیے نہیں بلکہ مکمل کرنے آیا ہوں۔" اور

''آسمان کی بادشاہت میں وہی داخل ہوسکتا ہے جو تورات کے حکموں پر عمل کرے۔'' ان تصریحات کے بعد کسی سچے مسیحی کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ مسیحیت کو موسوی شریعت سے الگ کرتا۔ مگر پولوس نے ان کے علی الرغم یہ فیصلہ کیا کہ ہر غیر اسرائیلی مسیحی بن سکتا ہے خواہ شریعت پر عمل کرے یا نہ کرے۔ (Millman, History of Christianity vol. I, p. 392) چنانچہ وہ تمام غیر اسرائیلی مشرکین جو شریعت موسویہ کے کلی و جزوی طور پر منکر تھے' مسیحیت میں داخل کر لیے گئے۔

شریعت موسوی کی مخالفت

اس ترمیم و تنسیخ پر عام ناراضی کا اظہار کیا گیا (اعمال باب 21) اور خود مسیحی جماعت کے اعیان نے بھی اس کی سخت مخالفت کی' مگر پولوس نے سینٹ پیٹرس اور سینٹ برناباس جیسے جلیل القدر حواریوں کو ریاکار اور گمراہ قرار دیا (گلیتون 13:2) اور علی الاعلان شریعت موسویہ کی مخالفت شروع کر دی۔ وہ گلیتون کے نام اپنے خط میں لکھتا ہے:

''ہم یہ جان کر یسوع مسیح پر ایمان لائے کہ آدمی شریعت کے اعمال سے نہیں بلکہ صرف یسوع مسیح پر ایمان لانے سے برحق ٹھہرتا ہے...... شریعت کے اعمال سے کوئی بشر برحق نہ ٹھہرے گا...... حقانیت اگر شریعت ہی کے وسیلہ سے ملتی تو مسیح کا مرنا عبث ہوتا۔'' (2:16-21)

''جو لوگ شریعت کے اعمال پر تکیہ کرتے ہیں' سب لعنت کے ماتحت ہیں...... شریعت کے وسیلے سے کوئی شخص خدا کے نزدیک راستباز نہیں ٹھہرتا۔ کیونکہ لکھا ہے کہ راست باز ایمان سے جیتا رہے گا۔ اور شریعت کو ایمان سے کچھ واسطہ نہیں...... مسیح نے ہمارے لیے لعنتی بن کر اور ہمیں خرید کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا۔'' (3:10-13)

''شریعت' ایمان (یعنی مسیح کی تعلیم) تک پہنچانے کے لیے ہماری استاد بنی تا کہ ہم ایمان کے سبب راست باز ٹھہریں۔ مگر جب ایمان آچکا تو ہم استاد کے ماتحت نہ رہے۔'' (3:24-25)

''مسیح نے ہمیں آزاد رہنے کے لیے آزاد کیا ہے۔ پس قائم رہو اور دوبارہ غلامی یعنی شریعت کی پابندی کے جوئے میں نہ جتو...... تم جو شریعت کے وسیلہ سے راست باز بننا چاہتے ہو تو گویا تم مسیح سے الگ ہو گئے اور فضل سے محروم' کیونکہ ہم روح اور ایمان کے توسل سے راست بازی کی امید بر آنے کے منتظر ہیں۔'' (5:1-5)

اس طرح مسیحیت شریعت سے الگ ہو گئی۔ تمدن' معاشرت' سیاست اور اجتماعی و انفرادی

زندگی کے متعلق تمام قوانین منسوخ ہو گئے۔ اور صرف چند اخلاقی و روحانی تعلیمات کے ایک نامکمل مجموعہ کو جو دراصل شریعت کے ضمیمہ کے طور پر ایک خاص قوم کی خاص حالت کو درست کرنے کے لیے وضع کیا گیا تھا' ایک مستقل' دائمی اور عالمگیر مذہب بنادیا گیا۔

پولوسی مسیحیت کے مضر اخلاقی اثرات

سینٹ پال کے مقلدوں نے اس غیر مکمل مذہب کو جو دراصل مسیحی نہیں' بلکہ پولوسی مذہب تھا' بنی اسرائیل کو چھوڑ کر روم و یونان کی آزاد قوموں میں پھیلانا شروع کیا۔ لیکن کسی شریعت اور کسی ضابطۂ قانون کے بغیر محض ایک اخلاقی تعلیم اور ایسی تعلیم جو دراصل ایک غلام اور پسماندہ قوم کے لیے وضع کی گئی تھی' آزاد اور صاحب حکومت و سیاست قوموں کے لیے بیکار اور بے معنی چیز تھی۔ اس میں کوئی ایسی مکمل ہدایت تو تھی ہی نہیں کہ عام انسانی جماعت کے مختلف حالات میں مفید و مناسب ہو سکتی۔ وہ تو صرف چند اخلاقی نصائح کا مجموعہ تھی جو زیادہ تر انتہا پسندانہ تھیں۔ اور ظاہر ہے کہ تنہا ان پر عمل کر کے کسی قوم کا زندہ رہنا محال تھا' لہٰذا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابتدائی ڈھائی تین سو برس تک تو عیسائی ہر قسم کے مظالم و شدائد کے تختہ مشق بنتے رہے۔ کیونکہ یہی اخلاق ان کو سکھایا گیا تھا اور اس منزل سے آگے چلنے کے لیے ان کے پاس کوئی ہدایت نہ تھی۔ پھر جب ان کی اپنی تدبیر سے نہیں بلکہ محض اتفاقاً ان کو حکومت حاصل ہو گئی تو پولوسی مسیحیت کے نامکمل العمل دائرہ میں زندگی بسر کرنا ان کے لیے ناممکن ہو گیا۔ اس لیے انہوں نے مسیحیت کی ساری حدیں توڑ ڈالیں' اور ظلم و ستم اور قتل و غارت گری کی انتہا کر دیں

ظلم کا مقابلہ کرنے کی روح کا فقدان

ابتداء میں تو مسیحیوں کو یقین دلایا گیا تھا کہ ایک ''گال کے ساتھ دوسرا گال بھی پیش کر دینا'' اور ''شریر کا مقابلہ کبھی نہ کرنا'' مسیح کی دائمی تعلیم ہے۔ اس لیے جب ان کی تعداد خوب بڑھ گئی اور ان کے اثرات وسیع ہو گئے' اس وقت بھی ان میں ظلم کا مقابلہ کرنے اور اپنے حقوق کی حفاظت کرنے کی روح پیدا نہ ہو سکی۔ 64 عیسوی میں جبکہ یونان اور روم' شام اور فلسطین میں مسیحیوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہو چکی تھی' نیرو نے ان پر حریف روم کا جھوٹا الزام لگایا اور اس کے حکم سے ہر وہ شخص جس نے مسیحی ہونے کا اقرار کیا' گرفتار کر لیا گیا۔ کسی کو صلیب پر چڑھایا گیا' کسی کو زندہ جلا دیا گیا' کسی کو کتوں سے پھڑوایا گیا اور سینکڑوں عیسائی عورتوں اور مردوں اور بچوں کو روم کے اکھاڑوں میں وحشیانہ کھیلوں کا تختہ مشق بنایا جانے لگا۔ 70ء میں ٹیٹوس (Titus) کے زیر قیادت بیت المقدس پر چڑھائی کی گئی۔ 97 ہزار آدمی گرفتار کر کے غلام بنا لیے گئے۔ گیارہ ہزار آدمیوں کو بھوکا مار دیا گیا۔ ہزاروں آدمی پکڑ کر روم کے اکھاڑوں اور امفی تھیٹروں میں جنگلی جانوروں کا لقمہ بننے یا سیافوں کی شمشیر زنی کا تختہ مشق بننے کے لیے بھیج دیئے گئے۔ (Gibbon, Early Days of Christianity vol II, Chap. 16 pp.

488-89)

نیرو کے بعد مارکوس' آریلیوس' سپٹموس' سپوروس' ڈیسیوس اور والیریان نے مسیحیت اور اس کے پیرووں کو کچلنے کی کوششیں کیں۔ آخر میں ڈایوکلیشیان نے تو ظلم وستم کی حد کردی۔ اس نے عام حکم جاری کردیا کہ کلیسا مسمار کردیئے جائیں' انجیلیں جلا دی جائیں' اور کلیساؤں کے اوقاف ضبط کرلیے جائیں۔ 303ء میں خود شہنشاہ نے نیکو میڈیا کے مرکزی کلیسا کو پیوند خاک کردیا اور مقدس کتابیں جلوا دیں۔ 304ء میں اس نے عام حکم دے دیا کہ جو شخص مسیحی مذہب پر اصرار کرے' وہ قتل کردیا جائے۔ اس کے بعد سختیاں اور بڑھیں' یہاں تک کہ جو لوگ مسیحی مذہب چھوڑنے سے انکار کرتے ان کے بدن زخمی کرکے ان پر سرکہ اور نمک ڈالا جاتا اور بعد میں ان کی بوٹی بوٹی کاٹی جاتی تھی۔ بعض اوقات ان کو کنیسوں میں بند کرکے آگ لگادی جاتی اور زیادہ لطف اٹھانے کے لیے ایک ایک عیسائی کو پکڑ کر دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا جاتا تھا' یا لوہے کے کانٹے اس کے بدن میں بھونکے جاتے تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ تمام سلطنت میں عیسائی پھیلے ہوئے تھے' سلطنت کے بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے عہدے بکثرت ان کے ہاتھ میں تھے' اور خود شہنشاہ کے قصر میں عیسائیوں کی ایک کثیر جماعت موجود تھی۔ (Rev. Cutts: Constantine the Great p.p 55-60) لیکن مسیحیوں کو یقین دلایا گیا تھا کہ اس کثرت قوت کے زمانے میں بھی وہی شریر کا مقابلہ نہ کرنے اور ایک گال کے ساتھ دوسرا گال بھی پیش کردینے کی تعلیم ہی واجب العمل ہے جو اسرائیلیوں کو انتہائی کمزوری و بے بسی کی حالت میں دی گئی تھی۔ اس لیے شام' فلسطین' عراق' مصر' افریقہ' سپین' گال' سسلی' اٹلی' الیریا' ایشیائے کوچک' غرض کہیں بھی کسی عیسائی نے ان مظالم پر دم نہ مارا اور ساری قوم ان تجاوزات کو خود کشانہ بے عملی کے ساتھ برداشت کرتی رہی۔

مسیحی خود ظالم بن گئے

یہ تو تھی مسیحیت کی تفریط۔ اس کے بعد جب قسطنطین اعظم نے اس کو قبول کرلیا اور وہ عملاً سلطنت کا مذہب بن گئی' تو وہ تفریط کے انتہائی نقطہ سے جست لگا کر دفعتہً افراط کے انتہائی نقطہ پر جا پہنچی۔ پہلی خرابی تو اس لیے پیدا ہوئی تھی کہ پولوسی مسیحیت کو سیاست و تمدن سے کوئی تعلق نہ تھا اور اس کے پیرووں نے اپنے مذہب کی پابندی کرتے ہوئے ایک خالص انفعالی زندگی اختیار کر رکھی تھی۔ مگر جب اتفاقِ وقت سے ان پر سلطنت کی ذمہ داریاں آپڑیں تو دوسری اور پہلے سے زیادہ شدید خرابی پیدا ہوگئی اور وہ یہ تھی کہ جہانبانی و حکمرانی کے لیے چونکہ مسیحیت نے ان کی کوئی رہنمائی نہ کی تھی' اس لیے یہ سارا کاروبار شریعت خدا کے بجائے شریعت نفس کے مطابق سرانجام دینا شروع کردیا۔ معاملات سلطنت میں تو جنگ بھی ہے اور صلح بھی' سیاست بھی ہے اور تعزیر بھی' انتقام بھی ہے اور عفو بھی۔ مگر موسوی شریعت سے جدا کی ہوئی مسیحیت کے پاس ان میں سے کسی کام کے لیے بھی کوئی ضابطہ و قانون اور دستور عمل موجود نہ تھا۔ اس نے زندگی کے معاملات کے لیے بجز اس ایک قانون کے کہ شریر کا مقابلہ نہ کر اور کرتہ

چھیننے والے کو چوغہ بھی اتار دے اور کوئی قانون نہ بنایا تھا۔ مگر اس انفعال و تذلل کی تعلیم کے تنگ دائرے میں رہ کر مسیحیوں کے لیے ناممکن تھا کہ سلطنت کے اہم معاملات کو انجام دے سکتے۔ اس لیے وہ اس دائرے کو توڑ کر باہر نکلنے پر مجبور ہوئے' اور جب وہ اسے توڑ کر باہر نکل آئے' تو اپنے نفس کے فتوے پر عمل کرنے کے لیے بالکل آزاد تھے۔ اس عملی دنیا میں ان کے لیے کوئی ایسی دینی ہدایت اور الٰہی روشنی موجود ہی نہ تھی جو انہیں صحیح راستہ دکھا سکتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں نے خدا کی زمین میں فتنہ وفساد برپا کرنا شروع کر دیا اور طغیان و سرکشی کا وہ ہنگامہ برپا کیا کہ آج تک سرد نہ ہو سکا۔

قسطنطین کے عہد میں تو سلطنت کے تقریباً نصف باشندے صنم پرست تھے' اس لیے اس نے ان لوگوں پر زیادہ ظلم کرنے کی جرأت نہ کی۔ بس اتنے ہی پر اکتفا کیا کہ مندروں کے دروازے اور ان کی چھتیں منہدم کرا دیں۔ بتوں کے کپڑے اور زیور اتروا دیئے اور ان کو معبدوں سے باہر نکلوا دیا۔ (Rev. Cutt: Constantine the Great p. 218) مگر چند سال بعد جب کلیسا کو ملک پر پورا تسلط حاصل ہو گیا تو مسیحیت کے مقتداؤں نے وثنیت کو کچلنے کا عزم کر لیا اور مذہبی قوانین کے حسب ذیل دو اصول مقرر کیے جن سے غیر مذاہب کو جبراً مٹانے کے بے شمار احکام مستنبط ہوتے تھے۔

1- جن گناہوں سے مجسٹریٹ منع نہ کرے یا ان پر سزا نہ دے ان کی ذمہ داری میں وہ خود بھی ایک حد تک شریک ہوتا ہے۔

2- مصنوعی دیوتاؤں اور حقیقی ارواحِ خبیثہ کی بت پرستانہ عبادت' خالق برتر کی بزرگی کے خلاف سخت قابلِ نفرت جرم ہے۔

سینیٹ کی قرارداد اور تھیوڈوسیوس کے فرامین

ان اصولِ موضوعہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سب سے پہلے رومن سینیٹ نے باضابطہ یہ قرارداد منظور کی کہ "رومیوں کا مذہب جوپیٹر (Jupter) کی عبادت نہیں بلکہ مسیح کی عبادت ہے۔" اس کے بعد بتوں کی پرستش اور ان پر نذر و نیاز چڑھانا اور قربانیاں کرنا سب کچھ قانوناً منع قرار دے دیا گیا اور ان افعال کے مرتکبوں کے لیے شدید سزائیں مقرر کی گئیں۔ شاہ تھیوڈوسیوس نے اپنے فرامین میں ہر قسم کی غیر مسیحی عبادتوں کو خواہ وہ علانیہ کی جائیں یا گھروں میں چھپ کر' حکومت وقت کے خلاف بغاوت اور جرم مستلزم سزائے موت قرار دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے مندروں کو توڑنے' ان کی جائیدادیں ضبط کرنے' اور عبادت کے سامانوں کو مٹا دینے کا بھی عام حکم دے دیا۔ اس حکم کے مطابق سب سے پہلے مرکز حکومت میں وثنیت کا جبراً خاتمہ کیا گیا۔ پھر صوبوں میں یہی مشق کرائی گئی۔ گال کے صوبہ میں تورس کے بشپ نے دیندار پادریوں کی ایک پوری فوج لے کر مندروں' معبدوں اور بتوں کو' حتیٰ کہ ان درختوں کو بھی جو مقدس سمجھے جاتے تھے' پیوند خاک کر دیا۔ شام میں مسیحیت کے مقدس پیشوا مارسیوس Marcellus نے جو حلقہ فامیا Diocess of Apamea کا بشپ تھا' جو پیٹر کے عظیم الشان مندر کو

تباہ کردیا اور ایک پوری فوج فراہم کی جسے ساتھ لے کر وہ اپنے حلقہ کے غیر مسیحی معابد کو توڑتا پھرتا تھا۔ اسکندریہ میں مصر کے آرچ بشپ تھیوفیلوس (Theophilus) نے سراپیس کے مندر کو جو یونانی فن تعمیر کا بے نظیر نمونہ تھا' مسمار کردیا۔ اس کے کتب خانہ کو جس میں خاندان بطالسہ نے علوم وفنون کا بہترین ذخیرہ جمع کیا تھا' نذر آتش کردیا۔ اس کتب خانہ کو تنہا مارک انتونی نے دو لاکھ کتابیں دی تھیں اور وسیوس لکھتا ہے کہ 20 برس بعد اس کتب خانہ کی خالی الماریوں کو دیکھ کر ہر وہ دل رنج والم اور نفرت وغضب سے بھر جاتا تھا جو مذہبی تعصب سے بالکل سیاہ نہ ہوگیا ہو۔ یہی کتب خانہ ہے جس کے جلانے کا الزام بعض عیسائی مورخوں نے مسلمانوں پر لگایا ہے۔) (مؤلف) سیراپیس کے بت کو ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا۔ اس کے بازوؤں کو اسکندریہ کے بازاروں میں گھسٹوایا تاکہ اس کے معتقدین دیکھ کر جلیں اور آخر میں اس کے ٹکڑوں کو ہزارہا آدمیوں کے سامنے جلوا دیا۔ اسی طرح دوسرے صوبوں میں بھی "مذہبی دیوانوں کی ایک پوری فوج کسی باضابطہ اختیار اور کسی نظم وتربیت کے بغیر پرامن باشندوں پر حملے کرتی اور قدیم فن تعمیر کے بہترین نمونوں کو برباد کرتی پھرتی تھی۔ (یہ تمام تفصیلات گبن کی تاریخ زوال وسقوط سلطنت روم کے باب 28 سے لی گئی ہیں۔) (مؤلف)

ان مظالم کا نتیجہ یہ ہوا کہ بت پرست رعایا نے تلوار کے خوف سے اس مذہب کو قبول کرلیا جس کو وہ دل سے پسند نہ کرتی تھی۔ بددل اور بے اعتقاد پیروؤں سے مسیحی کلیسا بھر گئے۔ 38 برس کے اندر روم کی عظیم الشان سلطنت سے وثنیت کا نام ونشان مٹ گیا اور یورپ' افریقہ اور شرق اردن میں تلوار کے زور سے مسیحیت پھیل گئی۔

عیسائیوں کی آپس میں اخلاق سوز لڑائیاں

اس کے بعد سے مسیحیوں اور غیر مسیحیوں کے درمیان اور خود مسیحیوں میں باہم جس قدر لڑائیاں ہوئیں ان میں اخلاق وانسانیت کے مبادی واصول کو بالائے طاق رکھ کر جنگ کے ایسے ایسے وحشیانہ طریقے اختیار کیے گئے ہیں جن کے ہولناک ذکر سے تاریخ کے اوراق سیاہ ہیں۔ غیر مسیحی عقائد کو مٹانے کے لیے قوت کے استعمال کے جن طریقوں کو مسیحیت کے پیروؤں نے جائز کر رکھا تھا ان کا ایک نمونہ وہ مذہبی عدالتیں ہیں جو انکوزیشن Inquisition کے نام سے خود پاپایان روم کے ماتحت قائم تھیں۔ ان میں کفر والحاد' یہودیت' اسلام اور تعدد ازواج جیسے "جرائم" کی سزا دینے کے لیے جو قانونِ تعزیرات رائج تھا اس میں منجملہ بہت سی سزاؤں کے' انسانوں کو زندہ جلا دینا' زبان کاٹ ڈالنا اور مرے ہوئے شخص کی قبر کھود کر ہڈیاں نکال پھینکنا بھی شامل تھا۔ تنہا سپین میں اس مذہبی عدالت کے حکم سے تین لاکھ چالیس ہزار آدمی مختلف طریقوں سے قتل کیے گئے ہیں جن میں 32 ہزار وہ ہیں جنہیں زندہ جلایا گیا۔ اس کے علاوہ میکسیکو' قرطاجنہ' سسلی' سارڈینیا' مالٹا' نیپلز' میلان' فلانڈرس وغیرہ علاقوں کی مذہبی عدالتوں نے اپنی مدتِ حیات میں جتنے آدمیوں کو غیر مسیحی عقائد رکھنے کی پاداش میں ہلاک کرایا ان کی تعداد کا کم سے کم

اندازہ ڈیڑھ لاکھ کیا گیا ہے۔(Encyclopedia Britannica "Inquisition")

یہ پولوسی مسیحیت کی ناقص تعلیم کا دوسرا نتیجہ ہے۔ پہلا نتیجہ تو یہ تھا کہ جب مسیحیوں نے اس مذہب کے احکام کی پابندی کی تو حد سے زیادہ نرم بن گئے اور مقاومت کی استطاعت کے باوجود ظلم وستم کو برداشت کر کے تین سو برس تک اپنے آپ کو تباہ کراتے رہے اور دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ جب زمانہ نے ان کو قوت بخشی اور سلطنت کی ذمہ داریاں ان پر آ پڑیں تو انہیں مسیحیت کے تنگ دائرے سے نکلنا پڑا اور یہاں مذہب کی ہدایت و رہنمائی نہ پا کر انہوں نے اپنے ابنائے نوع پر ہر قسم کے ظلم وستم کرنے شروع کیے اور نفس کی پیروی میں آزادی کے ساتھ جو چاہا کیا۔ (تیسرا اور آخری نتیجہ یہ ہے کہ مذہب کے نام سے جبر وظلم اور جاہلانہ تعصب کا طوفان جب حد سے گزر گیا تو انہیں خود مذہب سے نفرت ہوگئی اور وہ دنیا بھر میں لامذہبی پھیلانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔) (مؤلف)

متذکرہ حالات کی ذمہ داری موجودہ مسیحیت پر ہے

پیروانِ مسیحیت نے جتنے اخلاقی گناہ کیے ہیں ان کی ذمہ داری میں خود مسیحیت بھی شامل ہے کیونکہ اس نے انہیں سیدھی راہ نہیں بتائی۔ اسلام کی طرح مسیحیت اپنے پیروں کے گناہوں سے اس بنا پر تبری نہیں کر سکتی کہ انہوں نے اس کے بتائے ہوئے اصول وقواعد کی پیروی نہیں کی۔ وہ ان دو صورتوں میں سے ایک کو اختیار کرنے پر مجبور ہے کہ یا تو ان سب عیسائیوں کو گناہگار قرار دے جنہوں نے سیاست وحکمرانی کی ذمہ داری قبول کی ہے خواہ حق کے ساتھ اسے انجام دیا ہو یا غیر حق کے ساتھ۔ یا پھر اسے ان تمام عیسائیوں کو بھی بے گناہ قرار دینا پڑے گا جنہوں نے جہانبانی وفرمانروائی کے بار کو اٹھایا اور اس کے امور کو انجام دیا خواہ حق کے ساتھ یا غیر حق کے ساتھ۔ وہ ان دونوں کے درمیان کوئی تیسری صورت اختیار نہیں کر سکتی اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں غیر معقول ہیں۔

پاپائی نظام

عیسائی پاپاؤں اور پادریوں کے پاس مسیحؑ کی چند اخلاق تعلیمات کے سوا کوئی شریعت سرے سے تھی ہی نہیں لہٰذا وہ اپنی مرضی سے اپنی خواہشات نفس کے مطابق قوانین بناتے تھے اور انہیں یہ کہہ کر نافذ کرتے تھے کہ یہ خدا کی طرف سے ہیں۔

کوئی شخص جو مسیحی مذہب اور پاپائیت کی تاریخ سے واقف ہے میرے اس اشارہ کو جو میں نے ان چند فقروں میں کیا ہے سمجھنے سے قاصر نہیں رہ سکتا۔ یورپ کا پاپائی نظام سینٹ پال کا پیرو تھا جس نے موسوی شریعت کو لعنت قرار دے کر مسیحیت کی بنیاد صرف ان اخلاقی تعلیمات پر رکھی تھی جو نئے عہد نامہ میں پائی جاتی ہیں۔ ان اخلاقی تعلیمات میں کوئی ایسا قانون موجود نہیں ہے جس پر ایک تمدن اور ایک سیاست کا نظام چلایا جا سکے۔ مگر جب پاپاؤں نے یورپ میں بلاواسطہ یا بالواسطہ تھیا کریسی قائم کی تو

اس کے لیے ایک قانون شریعت بھی وضع کیا جو ظاہر ہے کہ کسی وحی والہام سے ماخوذ نہ تھا' بلکہ خود ان کا گھڑا ہوا تھا۔ اس میں انہوں نے جو نظام عقائد' جو مذہبی اعمال ورسوم جو معاشرتی ضوابط وغیرہ تجویز کیے تھے ان میں سے کسی کی سند بھی ان کے پاس کتاب اللہ سے نہ تھی۔ اسی طرح انہوں نے خدا اور بندے کے درمیان مذہبی منصب داروں کو جو ایک مستقل واسطہ قرار دے دیا تھا یہ بھی ان کا خود ساختہ تھا۔ نیز انہوں نے کلیسا کے کارپردازوں کے لیے جو حقوق اور اختیارات تجویز کیے تھے اور جو مذہبی ٹیکس لوگوں پر لگائے تھے ان کے لیے بھی کوئی ماخذ ان کی اپنی ہوائے نفس کے سوا نہ تھا۔ ایسے نظام کا نام چاہے انہوں نے تھیاکریسی رکھ دیا ہو' لیکن وہ فی الحقیقت تھیاکریسی نہیں تھا۔

یورپ اس تھیاکریسی سے واقف ہے جس میں ایک مخصوص مذہبی طبقہ خدا کے نام سے خود اپنے بنائے ہوئے قوانین نافذ کرتا ہے اور عملاً اپنی خدائی تمام باشندوں پر مسلط کر دیتا ہے' ایسی حکومت کو الٰہی حکومت کہنے کے بجائے شیطانی حکومت کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔

عیسائیوں کے بنیادی عقائد میں فساد

قل یاهل الکتب لا تغلوا فی دینکم غیرالحق ولا تتبعوا اهواء قوم قدضلوا من قبل واضلوا کثیرا وضلوا عن سواء السبیل (المائدہ:77)

ترجمہ: "کہو' اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ان لوگوں کے تخیلات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے خود گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سَوَاءَ السَّبِیلِ سے بھٹک گئے۔"

تقلید اغیار کا مرض

یہ اشارہ ہے ان گمراہ قوموں کی طرف جن سے عیسائیوں نے غلط عقیدے اور باطل طریقے اخذ کیے۔ خصوصاً فلاسفۂ یونان کی طرف جن کے تخیلات سے متاثر ہو کر عیسائی اس صراطِ مستقیم سے ہٹ گئے جس کی طرف ابتداءً ان کی رہنمائی کی گئی تھی۔ مسیح کے ابتدائی پیرو جو عقائد رکھتے تھے وہ بڑی حد تک اس حقیقت کے مطابق تھے جن کا مشاہدہ انہوں نے خود کیا تھا اور جس کی تعلیم ان کے ہادی و رہنما نے ان کو دی تھی۔ مگر بعد کے عیسائیوں نے ایک طرف مسیح کی عقیدت اور تعظیم میں غلو کر کے اور دوسری طرف ہمسایہ قوموں کے اوہام اور فلسفیوں سے متاثر ہو کر اپنے عقائد کی مبالغہ آمیز فلسفیانہ تعبیریں شروع کر دیں اور ایک بالکل ہی نیا مذہب تیار کر لیا' جس کو مسیح کی اصل تعلیمات سے دور کا واسطہ بھی نہ رہا۔

اس باب میں خود ایک مسیحی عالم دینیات (ریورینڈ چارلس اینڈ رسن اسکاٹ) کا بیان قابل ملاحظہ ہے۔

اناجیل کی رو سے حضرت عیسیٰؑ انسان تھے

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے چودھویں ایڈیشن میں ''یسوع مسیح'' (Jesus Christ) کے عنوان پر اس نے جو طویل مضمون لکھا ہے اس میں وہ کہتا ہے:

''پہلی تین انجیلوں (متیؔ، مرقسؔ، لوقاؔ) میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس سے یہ گمان کیا جاسکتا ہو کہ ان انجیلوں کے لکھنے والے یسوع کو انسان کے سوا کچھ اور سمجھتے تھے۔ ان کی نگاہ میں وہ ایک انسان تھا، ایسا انسان جو خاص طور پر خدا کی روح سے فیض یاب ہوا تھا اور خدا کے ساتھ ایک ایسا غیر منقطع تعلق رکھتا تھا جس کی وجہ سے اگر اس کو خدا کا بیٹا کہا جائے تو حق بجانب ہے۔ خود متی اس کا ذکر بڑھئی کے بیٹے کی حیثیت سے کرتا ہے اور ایک جگہ بیان کرتا ہے کہ پطرس نے اس کو ''مسیح'' تسلیم کرنے کے بعد ''الگ ایک طرف لے جاکر اسے ملامت کی۔'' متی (16-22) لوقا میں ہم دیکھتے ہیں کہ واقعہ صلیب کے بعد یسوع کے دو شاگرد اماؤس کی طرف جاتے ہوئے اس کا ذکر اس حیثیت سے کرتے ہیں کہ وہ ''خدا اور ساری امت کے نزدیک کام اور کلام میں قدرت والا نبی تھا۔'' (لوقا19,24)

یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ اگرچہ ''مرقس'' کی تصنیف سے پہلے مسیحیوں میں یسوع کے لیے لفظ ''خداوند'' Lord کا استعمال عام طور پر چل پڑا تھا، لیکن نہ مرقس کی انجیل میں یسوع کو کہیں اس لفظ سے یاد کیا گیا ہے اور نہ متی کی انجیل میں۔ بخلاف اس کے دونوں کتابوں میں یہ لفظ اللہ کے لیے بکثرت استعمال کیا گیا ہے۔ یسوع کے ابتلا کا ذکر تینوں انجیلیں پورے زور کے ساتھ کرتی ہیں جیسا کہ اس واقعہ کے شایانِ شان ہے، مگر مرقس کی ''فدیہ'' والی عبارت (مرقس: 45,10) اور آخری فسح کے موقع پر چند الفاظ کو مستثنیٰ کر کے ان کتابوں میں کہیں اس واقعہ کو وہ معنی نہیں پہنائے گئے ہیں جو بعد میں پہنائے گئے۔ حتیٰ کہ اس بات کی طرف کہیں اشارہ تک نہیں کیا گیا ہے کہ یسوع کی موت کا انسان کے گناہ اور اس کے کفارہ سے کوئی تعلق تھا۔''

آگے چل کر وہ پھر لکھتا ہے:

''یہ بات کہ یسوع خود اپنے آپ کو ایک نبی کی حیثیت سے پیش کرتا تھا اناجیل کی متعدد عبارتوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً یہ کہ ''مجھے آج اور کل اور پرسوں اپنی راہ پر چلنا ضرور ہے کیونکہ ممکن نہیں کہ نبی یروشلم سے باہر ہلاک ہو۔'' (لوقا:

23,13) اور اکثر اپنا ذکر ''ابن آدم'' کے نام سے کرتا ہے...... یسوع کہیں اپنے آپ کو ''ابن اللہ'' نہیں کہتا۔ اس کے دوسرے ہم عصر جب اس کے متعلق یہ لفظ استعمال کرتے ہیں تو غالباً ان کا مطلب بھی اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ وہ اس کو خدا کا ممسوح سمجھتے ہیں۔ البتہ وہ اپنے آپ کو مطلقاً ''بیٹے'' کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے...... مزید برآں وہ خدا کے ساتھ اپنے تعلق کو بیان کرنے کے لیے بھی ''باپ'' کا لفظ اسی اطلاقی شان میں استعمال کرتا ہے...... اس تعلق کے بارے میں وہ اپنے آپ کو منفرد نہیں سمجھتا تھا' بلکہ ابتدائی دور میں دوسرے انسانوں کو بھی خدا کے ساتھ اس خاص گہرے تعلق میں اپنا ساتھی سمجھتا تھا۔ البتہ بعد کے تجربے اور انسانی طبائع کے عمیق مطالعہ نے اسے یہ سمجھنے پر مجبور کردیا کہ اس معاملہ میں وہ اکیلا ہے۔''

پھر یہی مصنف لکھتا ہے:

''عید پنتکست کے موقع پر پطرس کے یہ الفاظ کہ ''ایک انسان جو خدا کی طرف سے تھا'' یسوع کو اس حیثیت میں پیش کرتے ہیں جس میں اس کے ہمعصر اس کو جانتے اور سمجھتے تھے...... انجیلوں سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ یسوع بچپن سے جوانی تک بالکل فطری طور پر جسمانی و ذہنی نشوونما کے مدارج سے گزرا۔ اس کو پیاس لگتی تھی' وہ تھکتا تھا اور سوتا تھا' وہ حیرت میں مبتلا ہوسکتا تھا اور دریافت احوال کا محتاج تھا' اس نے دکھ اٹھایا اور مرا۔ اس نے صرف یہی نہیں کہ سمیع و بصیر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ صریحاً اس سے انکار کیا ہے...... درحقیقت اس کے حاضر و ناظر ہونے کا اگر دعویٰ کیا جائے تو یہ اس پورے تصور کے بالکل خلاف ہوگا جو ہمیں انجیلوں سے حاصل ہوتا ہے بلکہ اس دعوے کے ساتھ آزمائش کے واقعہ کو گتسمنی اور کھوپڑی کے مقام پر جو واردات گزریں ان میں سے کسی کو بھی مطابقت نہیں دی جاسکتی تاوقتیکہ ان واقعات کو بالکل غیر حقیقی قرار نہ دے دیا جائے' یہ ماننا پڑے گا کہ مسیح جب ان سارے حالات سے گزرا تو وہ انسانی علم کی عام محدودیت اپنے ساتھ لیے ہوئے تھا اور اس محدودیت میں اگر کوئی استثناء تھا تو وہ صرف اسی حد تک جس حد تک پیغمبرانہ بصیرت اور خدا کے یقینی شہود کی بنا پر ہوسکتا ہے۔ پھر مسیح کو قادر مطلق سمجھنے کی گنجائش تو انجیلوں میں اور بھی کم ہے۔ کہیں اس بات کا اشارہ تک نہیں ملتا کہ وہ خدا سے بے نیاز ہوکر خودمختارانہ کام کرتا تھا۔ اس کے برعکس وہ باربار دعا مانگنے کی عادت سے اور اس قسم کے الفاظ سے کہ یہ ''چیز دعا کے سوا کسی اور ذریعہ سے ٹل نہیں سکتی۔'' اس

بات کا صاف اقرار کرتا ہے کہ اس کی ذات بالکل خدا پر منحصر ہے۔ فی الواقع یہ بات ان انجیلوں کے تاریخی حیثیت سے معتبر ہونے کی ایک اہم شہادت ہے کہ اگرچہ ان کی تصنیف و ترتیب اس زمانہ سے پہلے مکمل نہ ہوئی تھی جبکہ مسیحی کلیسا نے مسیح کو الٰہ سمجھنا شروع کر دیا تھا' پھر بھی ان دستاویزوں میں ایک طرف مسیح کے فی الحقیقت انسان ہونے کی شہادت محفوظ ہے اور دوسری طرف ان کے اندر کوئی شہادت اس امر کی موجود نہیں کہ مسیح اپنے آپ کو خدا سمجھتا تھا۔''

حضرت عیسیٰ کو ابن اللہ بنا دیا گیا

اس کے بعد یہ مصنف پھر لکھتا ہے:

''وہ سینٹ پال تھا جس نے اعلان کیا کہ واقعہ رفع کے وقت اسی فعل رفع کے ذریعہ سے یسوع پورے اختیارات کے ساتھ ''ابن اللہ'' کے مرتبہ پر علانیہ فائز کیا گیا...... یہ ''ابن اللہ'' کا لفظ یقینی طور پر ذاتی ابنیت کی طرف ایک اشارہ اپنے اندر رکھتا ہے جسے پال نے دوسری جگہ یسوع کو ''خدا کا اپنا بیٹا'' کہہ کر صاف کر دیا ہے۔ اس امر کا فیصلہ اب نہیں کیا جا سکتا کہ آیا وہ ابتدائی عیسائیوں کا گروہ تھا یا پال جس نے مسیح کے لفظ ''خداوند'' کا خطاب اصل مذہبی معنی میں استعمال کیا۔ شاید یہ فعل مقدم الذکر گروہ ہی کا ہو۔ لیکن بلاشبہ وہ پال تھا جس نے اس خطاب کو پورے معنی میں بولنا شروع کیا۔ پھر اپنے مدعا کو اس طرح اور بھی زیادہ واضح کر دیا کہ ''خداوند یسوع مسیح'' کی طرف بہت سے وہ تصورات اور اصطلاحی الفاظ منتقل کر دیئے جو قدیم کتب مقدسہ میں خداوند یہوہ (اللہ تعالیٰ) کے لیے مخصوص تھے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے مسیح کو خدا کی دانش اور خدا کی عظمت کے مساوی قرار دیا اور اسے مطلق معنی میں خدا کا بیٹا ٹھہرایا۔ تاہم متعدد حیثیات اور پہلوؤں سے مسیح کو خدا کے برابر کر دینے کے باوجود پال اس کو قطعی طور پر اللہ کہنے سے باز رہا۔''

عقیدۂ تثلیث یونانی فکر پر مبنی ہے

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے ایک۔ دوسرے مضمون مسیحیت (Christianity) میں ریورنڈ جارج ولیم ناکس مسیحی کلیسا کے بنیادی عقیدے پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''عقیدۂ تثلیث کا فکری سانچہ یونانی ہے اور یہودی تعلیمات اس میں ڈھالی گئی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ ہمارے لیے ایک عجیب قسم کا مرکب ہے' مذہبی خیالات

بائبل کے اور ڈھلے ہوئے ایک اجنبی فلسفے کی صورتوں میں۔
باپ' بیٹا اور روح القدس کی اصطلاحیں یہودی ذرائع کی بہم پہنچائی ہوئی ہیں۔ آخری اصطلاح اگرچہ خود یسوع نے شاذ و نادر ہی کبھی استعمال کی تھی اور پال نے بھی جو اس کو استعمال کیا اس کا مفہوم بالکل غیر واضح تھا' تاہم یہودی لٹریچر میں یہ لفظ شخصیت اختیار کرنے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ پس اس عقیدہ کا مواد یہودی ہے (اگرچہ اس مرکب میں شامل ہونے سے پہلے وہ بھی یونانی اثرات سے مغلوب ہو چکا تھا) اور مسئلہ خالص یونانی۔ اصل سوال جس پر یہ عقیدہ بنا' وہ نہ کوئی اخلاقی سوال تھا نہ مذہبی' بلکہ وہ سراسر ایک فلسفیانہ سوال تھا یعنی یہ کہ ان تینوں اقانیم (باپ' بیٹے اور روح) کے درمیان تعلق کی حقیقت کیا ہے؟ کلیسا نے اس کا جو جواب دیا وہ اس عقیدے میں درج ہے جو نیقیہ کی کونسل میں مقرر کیا گیا تھا' اور اسے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی تمام خصوصیات میں بالکل یونانی فکر کا نمونہ ہے۔''

الوہیت مسیح کو باقاعدہ مسیحی عقیدہ قرار دیا گیا

اسی سلسلے میں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے ایک دوسرے مضمون تاریخ کلیسا **Church History** کی یہ عبارت بھی قابل ملاحظہ ہے:

''تیسری صدی عیسوی کے خاتمہ سے پہلے مسیح کو عام طور پر ''کلام'' کا جسدی ظہور تو مان لیا گیا تھا تاہم بکثرت عیسائی ایسے تھے جو مسیح کی الوہیت کے قائل نہ تھے۔ چوتھی صدی عیسوی میں اس مسئلہ پر سخت بحثیں چھڑی ہوئی تھیں جن سے کلیسا کی بنیادیں ہل گئی تھیں۔ آخر کار 325ء میں نیقیہ کی کونسل نے الوہیت مسیح کو باضابطہ سرکاری طور پر اصل مسیحی عقیدہ قرار دیا اور مخصوص الفاظ میں اسے مرتب کر دیا۔ اگرچہ اس کے بعد بھی کچھ مدت تک جھگڑا چلتا رہا لیکن آخری فتح نیقیہ ہی کے فیصلے کی ہوئی جسے مشرق اور مغرب میں اس حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا کہ صحیح العقیدہ عیسائیوں کا ایمان اسی پر ہونا چاہیے۔ بیٹے کی الوہیت کے ساتھ روح کی الوہیت بھی تسلیم کی گئی اور اسے اصطباغ کے کلمہ اور رائج الوقت شعائر میں باپ اور بیٹے کے ساتھ جگہ دی گئی۔ اس طرح نیقیہ میں مسیح کا جو تصور قائم کیا گیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عقیدۂ تثلیث اصل مسیحی مذہب کا ایک جزو لاینفک قرار پا گیا۔

شخصیت مسیح میں الوہیت اور انسانیت کا اجتماع

’’پھر اس دعوے پر کہ ’’بیٹے کی الوہیت مسیح کی ذات میں مجسم ہوئی تھی‘‘...... ایک دوسرا مسئلہ پیدا ہوا جس پر چوتھی صدی میں اور اس کے بعد بھی مدتوں تک بحث و مناظرہ کا سلسلہ جاری رہا۔ مسئلہ یہ تھا کہ مسیح کی شخصیت میں الوہیت اور انسانیت کے درمیان کیا تعلق ہے؟ 451ء میں کالسیڈن کی کونسل نے اس کا یہ تصفیہ کیا کہ مسیح کی ذات میں دو مکمل طبیعتیں مجتمع ہیں‘ ایک الٰہی طبیعت‘ دوسری انسانی طبیعت اور دونوں متحد ہو جانے کے بعد بھی اپنی جداگانہ خصوصیات بلا کسی تغیر و تبدل کے برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ تیسری کونسل میں جو 680ء میں بمقام قسطنطنیہ منعقد ہوئی۔ اس پر اتنا اضافہ اور کیا گیا کہ یہ دونوں طبیعتیں اپنی الگ الگ مشیئتیں بھی رکھتی ہیں۔ یعنی مسیح بیک وقت دو مختلف مشیتوں کا حامل ہے۔‘‘

گناہ سے نجات اور فضل خداوندی

’’اسی دوران میں مغربی کلیسا نے گناہ اور فضل کے مسئلہ پر بھی خاص توجہ کی اور یہ سوال مدتوں زیر بحث رہا کہ نجات کے معاملہ میں خدا کا کام کیا ہے اور بندے کا کام کیا؟ آخرکار 529ء میں اورینج کی دوسری کونسل میں...... یہ نظریہ اختیار کیا گیا کہ ہبوطِ آدم کی وجہ سے ہر انسان اس حالت میں مبتلا ہے کہ وہ نجات کی طرف کوئی قدم نہیں بڑھا سکتا۔ جب تک وہ اس فضل خداوندی سے‘ جو اصطباغ میں عطا کیا گیا ہے‘ نئی زندگی حاصل نہ کرلے۔ اور یہ نئی زندگی شروع کرنے کے بعد بھی اسے حالتِ خیر میں استمرار نصیب نہیں ہوسکتا جب تک وہ فضل خداوندی دائماً اس کا مددگار نہ رہے اور فضل خداوندی کی یہ دائمی اعانت اسے صرف کیتھولک کلیسا ہی کے توسط سے حاصل رہ سکتی ہے۔‘‘

انسان کے پیدائشی گناہ گار ہونے کا عقیدہ

کتب آسمانی نے کبھی انسان کے پیدائشی گناہگار ہونے کا وہ تصور پیش نہیں کیا جسے ڈیڑھ ہزار سال سے عیسائیت نے اپنا بنیادی عقیدہ قرار دے رکھا ہے۔ آج خود کیتھولک علماء یہ کہنے لگے ہیں کہ بائبل میں اس عقیدے کی کوئی بنیاد موجود نہیں ہے۔ چنانچہ بائبل کا ایک مشہور جرمن عالم ریورینڈ ہربرٹ ہاگ Haag اپنی تازہ کتاب Is Original Sin in Scripture میں لکھتا ہے کہ ابتدائی دور کے عیسائیوں میں کم از کم تیسری صدی تک یہ عقیدہ سرے سے موجود ہی نہ تھا کہ انسان پیدائشی گناہگار ہے۔ اور جب یہ خیال لوگوں میں پھیلنے لگا تو دو صدیوں تک عیسائی اہل علم اس کی تردید کرتے رہے۔ مگر آخر

کار پانچویں صدی میں سینٹ آگسٹائن نے اپنی منطق کے زور سے اس بات کو مسیحیت کے بنیادی عقائد میں شامل کردیا کہ "نوعِ انسانی نے آدم کے گناہ کا وبال وراثت میں پایا ہے اور مسیح کے کفارے کی بدولت نجات پانے کے سوا انسان کے لیے کوئی راہ نجات نہیں ہے۔"

اصل بیماری غلو تھی

مسیحی علماء کے ان بیانات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ابتداء جس چیز نے مسیحیوں کو گمراہ کیا وہ عقیدت اور محبت کا غلو تھا۔ اسی غلو کی بنا پر مسیح علیہ السلام کے لیے خداوند اور ابن اللہ کے الفاظ استعمال کیے گئے' خدائی صفات ان کی طرف منسوب کی گئیں' اور کفارہ کا عقیدہ ایجاد کیا گیا' حالانکہ حضرت مسیح ؑ کی تعلیمات میں ان باتوں کے لیے قطعاً کوئی گنجائش موجود نہ تھی۔ پھر جب فلسفہ کی ہوا مسیحیوں کو لگی تو بجائے اس کے کہ یہ لوگ اس ابتدائی گمراہی کو سمجھ کر اس سے بچنے کی سعی کرتے' انہوں نے اپنے گذشتہ پیشواؤں کی غلطیوں کو نباہنے کے لیے ان کی توجیہات شروع کر دیں اور مسیح کی اصل تعلیمات کی طرف رجوع کیے بغیر محض منطق اور فلسفہ کی مدد سے عقیدے پر عقیدہ ایجاد کرتے چلے گئے۔ یہی وہ ضلالت ہے جس پر قرآن نے ان آیات میں مسیحیوں کو متنبہ فرمایا ہے۔

حضرت مریم کو مادرِ خدا قرار دینا

واذقال الله یعیسی ابن مریمء انت قلت للناس اتخذوونی وامی الهین من دون الله قال سبحنک مایکون لی ان اقول مالیس لی بحق ان کنت قلته فقد علمته تعلم مافی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک انک انت علام الغیوبo ماقلت لهم الا ما امرتنی به ان اعبدوالله ربی وربکم وکنت علیهم شهیدا مادمت فیهم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیهم وانت علی کل شیء شهید(المائدہ :116-117)

ترجمہ: "غرض جب (یہ احسانات یاد دلا کر) اللہ فرمائے گا کہ "اے عیسیٰ ابن مریم' کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری ماں کو بھی خدا بنالو؟" تو وہ جواب میں عرض کرے گا کہ "سبحان اللہ" میرا یہ کام نہ تھا کہ وہ بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے حق نہ تھا' اگر میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو آپ کو ضرور علم ہوتا۔ آپ جانتے ہیں جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ آپ کے دل میں ہے' آپ تو ساری پوشیدہ حقیقتوں کے عالم ہیں۔ میں نے ان سے اس کے سوا کچھ نہیں کہا جس کا آپ نے حکم دیا تھا' یہ کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ میں اسی وقت تک ان کا نگراں

تھا جب تک کہ میں ان کے درمیان تھا۔ جب آپ نے مجھے واپس بلا لیا تو آپ
ان پر نگران تھے اور آپ تو ساری ہی چیزوں پر نگراں ہیں۔"

عیسائیوں نے اللہ کے ساتھ صرف مسیح اور روح القدس ہی کو خدا بنانے پر اکتفا نہیں کیا' بلکہ مسیح کی والدۂ ماجدہ حضرت مریم کو بھی ایک مستقل معبود بنا ڈالا۔ حضرت مریم علیہا السلام کی الوہیت یا قدوسیت کے متعلق کوئی اشارہ تک بائبل میں موجود نہیں ہے۔ مسیح کے بعد ابتدائی تین سو برس تک عیسائی دنیا اس تخیل سے بالکل ناآشنا تھی۔ تیسری صدی عیسوی کے آخری دور میں اسکندریہ کے بعض علماء دینیات نے پہلی مرتبہ حضرت مریم کے لیے "اُم اللہ" یا "مادرِ خدا" کے الفاظ استعمال کیے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ الوہیت مریم کا عقیدہ اور مریم پرستی کا طریقہ عیسائیوں میں پھیلنا شروع ہوا۔ لیکن اوّل اوّل چرچ اسے باقاعدہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھا' بلکہ مریم پرستوں کو فاسد العقیدہ قرار دیتا تھا۔ پھر جب نسطوریس کے اس عقیدے پر کہ مسیح کی واحد ذات میں دو مستقل جداگانہ شخصیتیں جمع تھیں' مسیحی دنیا میں بحث وجدال کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تو اس کا تصفیہ کرنے کے لیے 431ء میں شہر افسوس میں ایک کونسل منعقد ہوئی اور اس کونسل میں پہلی مرتبہ کلیسا کی سرکاری زبان میں حضرت مریم کے لیے "مادرِ خدا" کا لقب استعمال کیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مریم پرستی کا جو مرض اب تک کلیسا کے باہر پھیل رہا تھا وہ اس کے بعد کلیسا کے اندر بھی تیزی کے ساتھ پھیلنے لگا' حتی کہ نزولِ قرآن کے زمانہ تک پہنچتے پہنچتے حضرت مریم اتنی بڑی دیوی بن گئیں کہ باپ' بیٹا اور روح القدس تینوں ان کے سامنے ہیچ ہو گئے۔ ان کے مجسمے جگہ جگہ کلیساؤں میں رکھے ہوئے تھے' ان کے آگے عبادت کے جملہ مراسم ادا کیے جاتے تھے' انہی سے دعائیں مانگی جاتی تھیں' وہی فریاد رس' حاجت روا' مشکل کشا اور بے کسوں کی پشتیبان تھیں' اور ایک مسیحی بندے کے لیے سب سے بڑا ذریعہ اعتماد اگر کوئی تھا تو وہ یہ تھا کہ "مادرِ خدا" کی حمایت وسرپرستی اسے حاصل ہو۔ قیصر جسٹینین اپنے ایک قانون کی تمہید میں حضرت مریم کو اپنی سلطنت کا حامی وناصر قرار دیتا ہے۔ اس کا مشہور جنرل نرسیس میدانِ جنگ میں حضرت مریم سے ہدایت ورہنمائی طلب کرتا ہے نبی ﷺ کے ہم عصر قیصر ہرقل نے اپنے جھنڈے پر "مادرِ خدا" کی تصویر بنا رکھی تھی اور اسے یقین تھا کہ اس تصویر کی برکت سے یہ جھنڈا سرنگوں نہ ہوگا۔ اگرچہ بعد کی صدیوں میں تحریک اصلاح کے اثر سے پروٹسٹنٹ عیسائیوں نے مریم پرستی کے خلاف شدت سے آواز اٹھائی' لیکن رومن کیتھولک کلیسا آج تک اس مسلک پر قائم ہے۔

صحف اناجیل کی تاریخی حیثیت

انجیل دراصل نام ہے ان الہامی خطبات اور اقوال کا جو مسیح علیہ السلام نے اپنی زندگی کے آخری ڈھائی تین برس میں بحیثیت نبی ارشاد فرمائے۔ وہ کلماتِ طیبات آپ کی زندگی میں لکھے اور مرتب

کیے گئے تھے یا نہیں' اس کے متعلق اب ہمارے پاس کوئی ذریعہ معلومات نہیں ہے۔ ممکن ہے بعض لوگوں نے انہیں نوٹ کرلیا ہو'اور ممکن ہے کہ سننے والے معتقدین نے ان کو زبانی یاد کررکھا ہو۔ بہرحال ایک مدت کے بعد جب آنجناب کی سیرت پاک پر مختلف رسالے لکھے گئے' تو ان میں تاریخی بیان کے ساتھ ساتھ وہ خطبات اور ارشادات بھی جگہ جگہ حسب موقع درج کردیئے گئے جوان رسالوں کے مصنفین تک زبانی روایات اور تحریری یادداشتوں کے ذریعے سے پہنچے تھے۔ آج متی' مرقس' لوقا اور یوحنا کی جن کتابوں کو اناجیل کہا جاتا ہے' دراصل انجیل وہ نہیں ہیں' بلکہ انجیل حضرت مسیح کے وہ ارشادات ہیں جوان کے اندر درج ہیں۔ ہمارے پاس ان کو پہچاننے اور مصنفین سیرت کے اپنے کلام سے ان کو ممیز کرنے کا اس کے سوا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ جہاں سیرت کا مصنف کہتا ہے کہ مسیح نے یہ فرمایا' لوگوں کو یہ تعلیم دی' صرف وہی مقامات اصل انجیل کے اجزاء ہیں۔

قرآن انہی اجزاء کے مجموعے کو انجیل کہتا ہے اور انہی کی وہ تصدیق کرتا ہے۔ آج کوئی شخص ان بکھرے ہوئے اجزا کو مرتب کرکے قرآن سے ان کا مقابلہ کرکے دیکھے تو وہ دونوں میں بہت ہی کم فرق پائے گا۔ اور جو تھوڑا بہت فرق محسوس ہوگا' وہ بھی غیر متعصبانہ غور و تامل کے بعد بآسانی حل کیا جاسکے گا۔

کیا موجودہ اناجیل قابلِ اعتماد ہیں؟

یہودی مذہب کی طرح مسیحیت (مسیحی مذہب سے مراد فی الحقیقت وہ مذہب نہیں ہے جس کی تعلیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی بلکہ وہ مذہب ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے' ہمارے پاس اس بات کے لیے قوی دلائل ہیں کہ اس مسیحیت کی تعلیم حضرت عیسی نے نہیں دی تھی بلکہ وہ تو وہی اسلام لے کر آئے تھے جو ان سے پہلے سارے پیغمبر لائے تھے اور ان کے بعد محمد ﷺ لائے۔ آگے چل کر ہم ان دلائل میں سے بعض کو بیان کریں گے۔ یہاں ہم صرف اس بات پر تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہم مسیحیت پر یہاں جو بحث کررہے ہیں وہ دراصل دین مسیح سے متعلق نہیں ہے بلکہ اس دین سے متعلق ہے جو مسیح علیہ السلام کے نام پر بنایا گیا ہے۔) (مؤلف) کے متعلق بھی ہماری معلومات کا واحد ذریعہ ایک ہی کتاب ہے جس کو تمام مسیحی دنیا اپنے مذہب کی بنیادی کتاب تسلیم کرتی ہے اور وہ انجیل ہے۔ انجیل کے متعلق یہ ظاہر کردینا ضروری ہے کہ آج وہ جس صورت میں موجود ہے اس سے صرف موجودہ مسیحیت کے معتقدات ہی ہم کو معلوم ہوسکتے ہیں' ورنہ یہ سوال کہ فی الاصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کیا تھی' اس سے حل نہیں ہوتا۔ پہلے ذرا انجیلی صحائف کی تاریخی حیثیت پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

آج ہم جس مجموعہ کو انجیل کہتے ہیں وہ دراصل چار بڑے صحیفوں پر مشتمل ہے' متی' مرقس' لوقا' یوحنا لیکن ان میں سے کوئی صحیفہ بھی حضرت عیسیٰ " کا نہیں ہے۔ جس طرح قرآن مجید میں وہ تمام منزل

من اللہ آیات اور سورتیں جمع ہیں جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی تھیں' اس طرح کسی کتاب میں وہ وحیاں ہم کو یک جا نہیں ملتیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھیں۔ پھر وہ مواعظ و نصائح بھی ہم کو خود عیسیٰ علیہ السلام کے اپنے الفاظ میں نہیں ملتے جو انہوں نے اپنی پیغمبرانہ زندگی کے زمانے میں مختلف مواقع پر ارشاد فرمائے تھے۔ یہ صحیفے جو ہم تک پہنچے ہیں' نہ خدا کا کلام ہیں' نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا' بلکہ دراصل یہ حضرت عیسیٰ کے حواریوں کے بھی شاگردوں کی لکھی ہوئی کتابیں ہیں' جن میں ان لوگوں نے اپنے علم و فہم کے مطابق حضرت کے حالات اور ان کی تعلیمات کو جمع کیا ہے۔

صحف انجیل اور ان کے مرتبین

لیکن یہ کتابیں خود اس قدر مجہول الاصل ہیں کہ ان پر کچھ زیادہ اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ پہلی کتاب مسیح کے حواری متی کی طرف منسوب ہے اور یہ تاریخ سے ثابت ہے کہ وہ متی کی لکھی ہوئی نہیں ہے۔ متی کی اصل کتاب جس کا نام لوجیا Logia تھا مفقود ہے۔ جو کتاب متی کی طرف منسوب کی جاتی ہے اس کا مصنف کوئی گمنام شخص ہے' جس نے دوسری کتابوں کے ساتھ لوجیا سے بھی استفادہ کیا تھا۔ خود متی کا ذکر اس میں اس طرح کیا گیا ہے جیسے کسی غیر آدمی کا کیا جاتا ہے۔ (متی باب 9 فقرہ 9 میں لکھا ہے: "یسوع نے وہاں سے آگے بڑھ کر متی نام ایک شخص کو محصول کی چوکی پر دیکھا۔" ظاہر ہے کہ مصنف خود اپنا تذکرہ اس طرح نہیں کرسکتا۔") (حاشیہ از مؤلف) پھر اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زیادہ تر مرقس کی انجیل سے ماخوذ ہے کیونکہ اس کی 1068 آیات میں سے 470 بعینہ وہی ہیں جو مرقس کی انجیل میں آئی ہیں۔ حالانکہ اگر اس کا مصنف متی حواری ہوتا تو اس کو ایک ایسے شخص کی کتاب سے استفادہ کرنے کی ضرورت نہ تھی جو نہ حواری تھا اور نہ حضرت عیسیٰ سے کبھی ملا تھا۔ مسیحی علماء کا خیال ہے کہ یہ کتاب 70ء میں یعنی مسیح سے 41 برس بعد لکھی گئی ہے اور بعض کا خیال ہے کہ 90ء کی تصنیف ہے۔

دوسری کتاب مرقس کی طرف منسوب ہے اور عموماً تسلیم کیا جاتا ہے کہ مرقس خود ہی اس کا مصنف ہے' لیکن یہ بات ثابت ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ سے کبھی نہیں ملا اور نہ ان کا مرید ہوا۔ (بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ کو صلیب دیئے جانے کے وقت وہ تماشائی کی حیثیت سے موجود تھا۔ مگر اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے (مؤلف) وہ دراصل پطرس Peters حواری کا مرید تھا اور جو کچھ اس سے سنتا تھا اسے یونانی زبان میں لکھ لیا کرتا تھا۔ اسی وجہ سے عیسائی مصنفین اس کو عموماً "پطرس کا ترجمان" کہا کرتے ہیں' خیال کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب 63 اور 70ء کے درمیان کسی زمانہ میں لکھی گئی ہے۔

تیسری کتاب لوقا کی طرف منسوب ہے اور یہ بالکل مسلم ہے کہ لوقا نے کبھی مسیح کو نہیں دیکھا اور نہ اس سے استفادہ کیا۔ وہ پولوس (St. Paul) کا مرید تھا۔ ہمیشہ اس کی صحبت میں رہا' اور اس نے اپنی انجیل میں اسی کے خیالات کی ترجمانی کی ہے۔ چنانچہ خود پولوس اس کی انجیل کو اپنی

انجیل کہتا ہے۔ لیکن یہ ثابت ہے کہ سینٹ پال خود بھی مسیح کی صحبت سے محروم تھا' اور مسیحی روایات کے مطابق واقعہ صلیب کے چھ برس بعد وہ اس مذہب میں داخل ہوا اس لیے لوقا اور مسیح کے درمیان سلسلہ روایت کی ایک کڑی بالکل غائب ہے۔ انجیل لوقا کی تاریخ بھی متعین نہیں ہے۔ بعض اس کو 57ء کی تصنیف بتاتے ہیں اور بعض 74ء کی مگر ہارنک' میکگفرٹ اور پلومر جیسے محققین کی رائے یہ ہے کہ وہ 80ء سے پہلے لکھی گئی۔

چوتھی کتاب یوحنا کی انجیل کہلاتی ہے۔ جدید تحقیقات کے مطابق یہ مشہور یوحنا حواری کی لکھی ہوئی نہیں ہے بلکہ کسی اور مجہول الاحوال شخص کی ہے جس کا نام یوحنا تھا۔ یہ کتاب مسیح سے بہت بعد 90ء میں یا اس کے بھی بعد لکھی گئی ہے۔ ہارنک اس مدت کو 110 تک بڑھا دیتا ہے۔

اناجیل کی دستاویزی حیثیت کا جائزہ

ظاہر ہے کہ ان کتابوں میں سے کسی ایک کا سلسلہ بھی مسیح تک نہیں پہنچتا اور ان کی سند پر وثوق کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ مسیح نے کیا کہا تھا اور کیا نہیں کہا تھا۔ (حقیقت یہ ہے کہ یہ کتابیں وثوق و استناد کے اعتبار سے قرآن تو درکنار حدیث کے کسی ضعیف ترین مجموعہ کے برابر بھی نہیں ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ان کا وہ مرتبہ ہے جو ہمارے ہاں مولود شریف کی کتابوں کا ہے۔) (مؤلف) لیکن زیادہ عمیق تحقیقات سے ان کتابوں کی دستاویزی حیثیت اور بھی زیادہ مشکوک ہو جاتی ہے۔

اوّلاً چاروں انجیلوں کے بیانات میں اختلاف ہے' حتیٰ کہ پہاڑی کے وعظ کو بھی جو مسیحی تعلیم کا اصل الاصول ہے متی' مرقس اور لوقا تینوں نے مختلف اور متضاد طریقوں سے بیان کیا ہے۔

ثانیاً چاروں انجیلوں میں ان کے مصنفین کے خیالات و تاثرات صاف طور پر نمایاں ہیں۔ متی کے مخاطب یہودی معلوم ہوتے ہیں اور وہ ان پر اتمام حجت کرتا نظر آتا ہے۔ مرقس کے مخاطب رومی ہیں اور وہ ان کو اسرائیلیات سے روشناس کرانا چاہتا ہے۔ لوقا سینٹ پال کا وکیل ہے اور دوسرے حواریوں کے خلاف اس کے دعاوی کی تائید کرنا چاہتا ہے۔ یوحنا ان فلسفیانہ اور صوفیانہ خیالات سے متاثر نظر آتا ہے جو پہلی صدی عیسوی کے اواخر میں مسیحیوں کے درمیان پھیل گئے تھے۔ اس طرح ان چاروں انجیلوں کے درمیان معنوی اختلاف' لفظی اختلاف سے بھی زیادہ ہو گیا ہے۔

ثالثاً اناجیل سب کی سب یونانی زبان میں لکھی گئی ہیں' حالانکہ حضرت عیسیٰؑ اور ان کے تمام حواریوں کی زبان سریانی تھی۔ زبان کے اختلاف سے خیالات کی تعبیر میں اختلاف ہو جانا قدرتی بات ہے۔

رابعاً' اناجیل کو ضبط تحریر میں لانے کی کوشش دوسری صدی عیسوی سے پہلے نہیں کی گئی۔ 150ء تک عام خیال یہ تھا کہ زبانی روایت تحریر سے زیادہ مفید ہے۔ دوسری صدی کے آخر میں لکھنے کا خیال پیدا ہوا لیکن اس زمانہ کی تحریروں کو مستند نہیں سمجھا جاتا۔ "عہد نامہ جدید" (New Testament)

کا پہلا مستند متن قرطاجنہ کی کونسل میں منظور کیا گیا جو 397ء میں منعقد ہوئی تھی۔

خامساً' اناجیل کا قدیم ترین نسخہ جو اس وقت دنیا میں موجود ہے چوتھی صدی عیسوی کے وسط کا ہے' دوسرا نسخہ پانچویں صدی کا اور تیسرا ناقص نسخہ بھی جو پاپائے روم کے کتب خانہ میں ہے۔ چوتھی صدی سے زیادہ قدیم نہیں ہے۔ پس یہ کہنا مشکل ہے کہ پہلی تین صدیوں میں جو انجیلیں رائج تھیں' ان سے موجودہ اناجیل کس حد تک مطابقت رکھتی ہیں۔

سادساً' اناجیل کو قرآن کی طرح حفظ کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی گئی۔ ان کی اشاعت کا انحصار ابتداءً روایت بالمعنی پر رہا جس میں حافظہ کے اختلال اور راویوں کے ذاتی خیالات کا اثر آنا قدرتی امر ہے۔ بعد میں جب کتابت کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ نقل نویسوں کے رحم پر تھیں۔ نقل کرتے وقت ہر شخص کے لیے آسان تھا کہ جس چیز کو اپنے عقائد کے خلاف دیکھے' حذف کر دے اور جس کی کمی پائے بڑھا دے۔ (یہ پوری بحث ذیل کی کتابوں سے ماخوذ ہے۔ (مؤلف) Dumellow,
History of Christianity 'Commentary on the Holy Bible Y.K

یہ وجوہ ہیں جن کی بنا پر ہم وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اناجیل اربعہ میں ہم کو مسیحؑ کی اصل تعلیم ملتی ہے۔ پس آئندہ صفحات میں مسیحیت کے متعلق جو کچھ کہا جائے گا وہ اس دین کے متعلق نہ ہوگا جس کی تعلیم مسیح علیہ السلام نے دی تھی بلکہ اس مسیحیت کے متعلق ہوگا جس پر آج کل مسیحی دنیا اعتقاد رکھتی ہے۔

قرآن کس انجیل کی تصدیق کرتا ہے

"نئے عہد نامے" New Testament کی کتاب اعمال Acts تو درکنار' چاروں انجیلیں Gospels بھی الہامی کتابیں نہیں ہیں' نہ قرآن ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ البتہ قرآن اس انجیل کی تصدیق کرتا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ اب آپ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ وہ انجیل کہاں ہے؟ میں کہتا ہوں کہ اس انجیل کے منتشر اجزاء زبانی روایات کے ذریعہ سے نئے عہد نامے کی چاروں انجیلوں کے مصنفین کو پہنچے تھے اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات بیان کرتے ہوئے اپنی کتابوں میں مختلف مقامات پر انہیں درج کیا ہے۔ ان کتابوں میں حضرت عیسیٰ کی جو تقریریں اور امثال ملتی ہیں وہ اسی (اصل) انجیل کے متفرق اجزاء ہیں اور ان میں آپ مشکل ہی سے کوئی بات ایسی پائیں گے جسے قرآن کے خلاف کہا جا سکے۔

انجیل اور دیگر کتب آسمانی کے متعلق ایک جامع جائزہ

قرآن مجید جن کتابوں کی تصدیق کرتا ہے وہ "پرانا عہد نامہ" اور "نیا عہد نامہ" نہیں ہیں بلکہ تورات' زبور اور انجیل ہیں۔ تورات کو یہودیوں نے ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے نہیں رکھا بلکہ اس

کے مختلف اجزاء پرانے عہد نامہ کی پہلی پانچ کتابوں میں بنی اسرائیل کی تاریخ کے اندر شامل کر دیئے۔ Incorporate آپ ان کتابوں میں سے اس تورات کے اجزاء کو اس علامت کی مدد سے چھانٹ سکتے ہیں کہ جہاں جہاں کوئی عبارت اس طرح شروع ہوتی ہے کہ خداوند نے موسیٰ سے یہ کہا' یا خدا نے یہ حکم دیا' یا موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو خطاب کر کے یہ تقریر کی' وہاں غالباً اس تورات کا کوئی جزو نقل کیا گیا ہے۔ یہی صورت زبور کی بھی ہے کہ پرانے عہد نامے کی پوری کتاب ''زبور'' (Psalms) نہیں بلکہ صرف زبورِ داوٗد (Palsms of David) کی قرآن نے تصدیق کی ہے' اور اس کے اجزاء کتابِ زبور میں شامل پائے جاتے ہیں۔ موجودہ بائبل میں زبور کے نام سے جو کتاب پائی جاتی ہے وہ ساری کی ساری زبورِ داؤد نہیں ہے۔ اس میں بکثرت مزامیر دوسرے لوگوں کے بھی بھر دیئے گئے ہیں اور وہ اپنے اپنے مصنفین کی طرف منسوب ہیں۔ البتہ جن مزامیر پر تصریح ہے کہ وہ حضرت داؤد کے ہیں ان کے اندر فی الواقع کلام حق کی روشنی محسوس ہوتی ہے۔

اسی طرح بائبل میں امثالِ سلیمان کے نام سے جو کتاب موجود ہے اس میں بھی اچھی خاصی آمیزش پائی جاتی ہے اور اس کے آخری دو باب تو صریحاً الحاقی ہیں' مگر اس کے باوجود ان امثال کا بڑا حصہ صحیح و برحق معلوم ہوتا ہے۔ ان دو کتابوں کے ساتھ ایک اور کتاب حضرت ایوب علیہ السلام کے نام سے بھی بائبل میں درج ہے۔ لیکن حکمت کے بہت سے جوہر اپنے اندر رکھنے کے باوجود اسے پڑھتے ہوئے یہ یقین نہیں آتا کہ واقعی حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف اس کتاب کی نسبت صحیح ہے۔ اس لیے کہ قرآن میں اور خود اس کتاب کی ابتداء میں حضرت ایوب کے جس صبر عظیم کی تعریف کی گئی ہے اس کے بالکل برعکس وہ ساری کتاب ہمیں یہ بتاتی ہے کہ حضرت ایوب اپنی مصیبت کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کے خلاف سراپا شکایت بنے ہوئے تھے' حتیٰ کہ ان کے ہمنشین انہیں اس امر پر مطمئن کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ خدا ظالم نہیں ہے' مگر وہ کسی طرح مان کر نہ دیتے تھے۔

ان صحیفوں کے علاوہ بائبل میں انبیاء بنی اسرائیل کے ۱۷ صحائف اور بھی درج ہیں جن کا بیشتر حصہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ خصوصاً یسعیاہ' یرمیاہ' حزقی ایل' عاموس اور بعض دوسرے صحیفوں میں تو بکثرت مقامات ایسے آتے ہیں جنہیں پڑھ کر آدمی کی روح وجد کرنے لگتی ہے۔

ان میں الہامی کلام کی شان صریح طور پر محسوس ہوتی ہے۔ ان کی اخلاقی تعلیم' ان کا شرک کے خلاف جہاد' ان کا توحید کے حق میں پرزور استدلال اور ان کی بنی اسرائیل کے اخلاقی زوال پر سخت تنقیدیں پڑھتے وقت آدمی یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اناجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کی تقریریں اور قرآن مجید اور یہ صحیفے ایک ہی سرچشمے سے نکلی ہوئی سوتیں ہیں۔

ایسا ہی معاملہ انجیل کا بھی ہے کہ اس کو پیروانِ مسیح علیہ السلام نے ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے محفوظ نہ رکھا بلکہ مسیح علیہ السلام کے سوانح نگاروں (متی' مرقس' لوقا' یوحنا وغیرہم) نے اپنی اپنی کتابوں میں اس کے وہ حصے درج کر دیئے ہیں جو ان کو زبانی روایات کے ذریعے سے پہنچے تھے' اور انہیں

اس علامت کی مدد سے چھانٹا جاسکتا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے یوں کہا' یا مسیح علیہ السلام نے یہ تمثیل دی' یا لوگوں کو خطاب کر کے یہ وعظ کیا۔ آپ میری اس نشان دہی پر پرانے اور نئے عہد نامے میں تورات' زبور اور انجیل کے ان اجزاء کو چھانٹ لیں اور پھر قرآن کا ان سے مقابلہ کر کے دیکھیں۔ آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ ان کی تعلیم اور قرآن کی تعلیم میں بہت کم اختلاف پایا جاتا ہے' اور جو تھوڑا سا اختلاف ہے اس کی بھی یہ معقول توجیہ کی جاسکتی ہے کہ قرآن اپنے اصل الفاظ میں ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے موجود ہے' اور وہ تینوں کتابیں نہ اصل الفاظ میں محفوظ رکھی گئی ہیں اور نہ انہیں ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے باقی رہنے دیا گیا ہے۔ (اگر اس امر میں کسی کو شک ہو کہ یہ کتابیں اپنے اصل الفاظ میں محفوظ ہیں یا نہیں' تو وہ مثال کے طور پر صرف پہاڑی کے وعظ کی عبارات متی اور لوقا کی انجیلوں میں نکال کر دیکھ لے۔ دونوں روایتوں میں اتنا اختلاف پایا جاتا ہے کہ اس کی موجودگی میں مشکل ہی سے وحی کے اصل الفاظ محفوظ ہونے کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو: 2 سلاطین باب 22-23) (مؤلف) میرے لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا محمد ﷺ کے زمانے میں یہ تینوں کتابیں مستقل کتابوں کی حیثیت سے موجود تھیں یا نہیں' لیکن کم از کم تورات کے متعلق یہ بات خود پرانے عہد نامے کے بیانات سے بھی اور ہمارے ہاں کی احادیث سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ یہودیوں کے ہاں یہ ایک مدت تک ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے پائی جاتی تھی اور محمد ﷺ کے زمانے میں اس کا ایک نسخہ مدینے کے یہودیوں کے پاس موجود تھا۔

محمد اسلم رانا

تثلیث فی التوحید

عیسائی کتب مقدسہ کے مجموعہ کو بائبل کہتے ہیں۔ اس کا پہلا حصہ یہودیوں اور پروٹسٹنٹ عیسائیوں کے ہاں 39' اور رومن کیتھولک عیسائیوں کے نزدیک 45 کتابوں پر مشتمل ہے۔ ان کتابوں کو یہودی علماء کی ایک کونسل نے اپنی قومی روایات کی حفاظت کے لیے فلسطین میں جمنیا کے مقام پر 100ء میں کتب مقدسہ قرار دیا تھا۔ (صحتِ کتب مقدسہ از پادری برکت اللہ مطبوعہ 1952ء صفحہ 53)

دوسرا حصہ عیسائیوں کی خاص مقدس کتابیں ہیں' یہودی انہیں نہیں مانتے۔ ان کی تعداد بالاتفاق 27 ہے۔ انہیں مختلف مقامات اور اوقات میں عیسائی علماء کی کونسلوں' کمیٹیوں اور مجلسوں نے مقدس' الہامی' مستند اور خدا کا کلام قرار دیا تھا۔ دونوں مجموعوں بالخصوص عیسائی کتابوں میں سے بعض کی الہامی حیثیت آج تک مشکوک و متنازعہ ہے۔ (مسیحی مسائل از پادری ولیم میچن' ص 17)

تثلیث کا پس منظر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام موحد تھے اور یہودیوں کے لیے برپا ہوئے تھے۔ بقول مشہور امریکی محقق پروفیسر جارج پارک فشر ڈی ڈی ایل ایل ڈی "مسیح کی ذاتی کوششیں تو "اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں" تک ہی محدود رہیں۔" (History of the Christian Church by Prof. George Park Fisher: 1888, p.23)

یہودیوں نے من حیث القوم مسیح کو رد کیا' اور بزعم خود حضرت مسیحؑ کو صلیب پر لٹکوا کر ہی دم لیا۔ مسیح کے اصل پیروکار' تھوڑے سے یہودی تو پس منظر میں چلے گئے تھے اور ایک یہودی پولوس نے مسیح کے نام پر غیر یہودیوں میں یونانی بت پرستانہ عقائد و عبادات اور رسومات رائج کر دیں۔ بت پرست اقوام مسیح کو بھی اپنے دیوتاؤں کا سا ایک دیوتا سمجھ کر اسے پوجنے لگیں۔ اور ان کی بت پرستی' مسیح کے مذہب' عیسائیت کے نام پر رائج ہوگئی۔ فخریہ لہجہ میں لکھا ہے۔ "رومی مسیح کو خدا سمجھ کر پوجتے تھے۔"

(Lessons in the History of India by Macmillan. & Co.1913, p.10)

انسائیکلوپیڈیا رقمطراز ہے:

''عیسائیت ایک نئی دنیا میں پہنچی جہاں یونانی نظریات چھائے ہوئے تھے۔ ناگزیر طور پر عیسائی تعلیم نے نئی شکل اختیار کی۔ درحقیقت بالکل تبدیل ہوگئی۔ جب چوتھی صدی میں سلطنت روما نے عیسائیت اختیار کرلی تو بڑی جدوجہد سے دنیا میں مسیح کی بادشاہت (جس کا چاروں انجیلوں میں بار بار تذکرہ ہے) قائم کرنے کا نظریہ یکسر غائب ہوگیا۔ بس ناقابلِ التفات گروہوں کا ایمان رہ گیا۔ پس اس طرح منظر یہودیت سے یونانیت میں تبدیل ہوگیا۔ یہی حال بنیادی مذہبی تصورات کا ہوا۔''

(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا مطبوعہ 1960ء جلد 5 صفحہ 33 کالم 1)

قصہ کوتاہ ''مسیح کی تعلیم اور شخصیت یونانی فلسفہ کے ڈھانچہ میں فٹ کردی گئی۔''

(ایضاً ص 635 کالم 1)

ڈاکٹر پائپر کی تحقیق ہے۔ ''یونانی فلسفہ کے ساتھ بائبل کا نمایاں تعلق، جس سے عیسائی دینیات کی شکل شدید متاثر ہوئی، سکندریہ میں قائم ہوا تھا۔'' (ص 22)

''عیسائی بزرگ آریٹیکس نے یونانی دینیات مغربی عیسائیوں کو دی۔'' (ص 33)

چوتھی صدی عیسوی کے وسط میں ''اگرچہ عیسائیت قدیم بت پرستیوں کے خلاف مصروف جہاد تھی، تاہم اس کی سوچ کا کثیر حصہ بت پرست ادب سے تشکیل پارہا تھا۔ عیسائی فضلاء کی نشوونما اور تربیت قدیم یونانی اور لاطینی تصانیف سے ہوئی تھی، ان کا مذاق، فلسفہ، خطابت اور منطق وہاں سے لی گئی تھی۔'' (ص 63)

(Lives of the Leaders of our Church Universal by Dr. Ferdin and Piper: 1879. p.73)

پادری منیلی ڈنکے کی چوٹ لکھ گئے:

''اس میں شک نہیں کہ افلاطونیت نے بہتوں کے لیے عیسائیت کی راہ تیار کی۔'' (ہماری کتب مقدسہ از پادری جی ٹی مینلی ایم اے ترجمہ پروفیسر جے ایس امام الدین ومسز کے ایل ناصر مطبوعہ 1981ء ص 392)

لکھا ہے: ''فیلو وغیرہ نے اس مذہبی فلسفہ کو ترقی دی جس پر عیسائی دین کی بنیاد سمجھی جاتی ہے۔'' (مشرق کی نابود شدہ تہذیب مطبوعہ پنجاب رلیجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور 1907ء ص 47)

خیال رہے کہ فیلو پر یونانی فلسفہ کا بہت اثر ہوچکا تھا۔ (ہماری کتاب مقدسہ ص 396)

اب آخر میں یونان پر پادری فانڈر کا فتویٰ پڑھ لیجیے:

''اہلِ یونان کی حکمت و دانائی کے بارے میں یہ کہنا کافی ہوگا کہ سچی حکمت نہ تھی، کیونکہ یونانی خدائے واحد حی القوم کا کچھ علم نہ رکھتے تھے۔'' (میزان الحق، ص 310)

اب کیا بنے گا جبکہ عیسائی تثلیث خصوصاً یونانی فلسفہ ہے۔

صرف تثلیث ہی نہیں، سارے کا سارا مذہب عیسائیت ہی یونانیت ہے۔

جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے عیسائیت میں تثلیث بھی یونانی فلسفہ کا ایک شاہکار ہے۔

بشپ ینگ واشگاف الفاظ میں لکھتے ہیں:

"پاک ثالوث کا مسئلہ کتاب مقدس میں پیش نہیں ہوا۔" (رسولوں کے نقش قدم پر مصنفہ بشپ ولیم جی ینگ مطبوعہ 1988ء ص226) پیٹرے کو تسلیم ہے۔ "بیشک یہ سچ ہے کہ تثلیث فی التوحید کے لفظ نئے عہد نامہ میں نہیں ملتے۔" (تثلیث فی التوحید از پیٹرے ترجمہ وکلف اے سنگھ مطبوعہ 1986ء ص36)

واضح ہو کہ چوتھی اور پانچویں صدی عیسائی میں کلیسیائی کونسلوں کا پاس کردہ عقیدۂ تثلیث عہد جدید میں موجود نہیں ہے۔" (Harrer's Bible Dictionary: 1990, p.1091 Col.1)

بائبل میں مسیح کو ابن آدم اور یسوع بھی لکھا ہے۔

مخصوص عیسائی اصطلاح اقنوم، فرد یا شخص کی ہم معنی ہے۔

کلیسیا سے مراد عیسائی امت ہے

ضرورت

اہلِ نظر خوب جانتے ہیں کہ عیسائیت میں مسیح کی ذات کے مقام کا تعین دو ہزار برس سے حل طلب ہے۔ پادری ہیرس لکھتے ہیں:

"تیسری، چوتھی صدی عیسوی کے فلاسفروں کا یہ خیال تھا کہ خدا انسانوں سے کہیں دُور رہتا ہے۔ اس کی انسانوں کے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی نہیں ہے اور نہ وہ انسانوں سے تعلق رکھتا ہے۔ پس مسیح اس مشرقی فلسفہ کے لحاظ سے یا کوئی ہیرو ہے یا نبی یا کوئی فرشتہ یا ڈیمی گاڈ (Demi- God) لیکن خدا نہیں ہوسکتا۔

یہ ایک سوال تھا جو کلیسیا کے سامنے پیش تھا، جس کا جواب دینا کلیسیا کا فرض تھا کہ آیا مسیح خدا ہے اور اس کا اور باپ کا ایک ہی جوہر ہے یا کہ وہ باپ سے کمتر ہے یا محض ایک مخلوق ہے جو کہ خالق باپ نے پیدا کیا۔" (تواریخ عیسائی کلیسیا مصنفہ پادری کینن ڈبلیو پی ہیرس بی اے مطبوعہ 1939ء ص196)

بشپ ینگ کے الفاظ میں "جب مسیح دنیا میں بھیجا گیا تو اس نے نہ صرف اپنے آپ کو ظاہر کیا بلکہ ساتھ ہی ساتھ اس نے اپنے آپ کو پوشیدہ بھی رکھا۔ اس کے شاگردوں نے بھی اس کی ذات کو پورے طور پر نہیں پہچانا۔ اور بعض لوگ تھے جن کے لیے وہ سراسر معمہ تھا۔" (ایضاً ص128)

مسیح کی اپنی خواہش بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ معمہ حل نہ ہونے پائے۔ بائبل میں لکھا ہے:

"جب یسوع قیصریہ فلپی کے علاقہ میں آیا، تو اس نے اپنے شاگردوں سے یہ پوچھا کہ لوگ ابن آدم کو کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا بعض یوحنا بپتسمہ دینے والا کہتے ہیں۔ بعض ایلیاہ بعض یرمیاہ یا نبیوں میں سے

کوئی۔ اس نے ان سے کہا' مگر تم مجھے کیا کہتے ہو؟ شمعون پطرس نے جواب میں کہا۔ تو زندہ خدا کا بیٹا مسیح ہے۔ اس وقت اس نے شاگردوں کو حکم دیا کہ کسی کو نہ بتانا کہ میں مسیح ہوں۔" (انجیل متی ب 16)

عیسائیت کی قریباً سبھی بحثوں کا مرکز و محور اور اکثر و بیشتر فرقوں کی پیدائش و ابتداء کے اسباب اور غرض و غایت مسیح کی حیثیت کا تعین تھا' جس سے آج عیسائیت 25 ہزار فرقوں میں منقسم ہے۔ (The Plain Truth, April: 1991) قارئین کرام کی معلومات اور دلچسپی کے لیے ہم صرف چند فرقوں اور ان کے عقائد کا اشارۃً بیان کریں گے۔

سبیلیت

خدا نے اپنے آپ کو پہلے باپ کی صورت میں' پھر بیٹے کی اور پھر روح القدس کی صورت میں ظاہر کیا۔

گیانیت

خدا نے نہیں بلکہ کسی درمیانی دیوتا نے دنیا کو پیدا کیا۔ جسم برا ہے' لہٰذا جسم کا جی اٹھنا ناممکن ہے۔

عقیدۂ تبنیت

مسیح اپنے بپتسمہ کے وقت خدا کا بیٹا بن گیا۔

اریت

بیٹا کامل مخلوق ہے' اور باپ کے جوہر سے نہیں ہے۔ اس سے پہلے کہ مسیح مولود تھا' وہ وجود میں نہ تھا۔

دوقیت' موہومیت

مسیح نہ تو مجسم ہوا' اور نہ ہی مصلوب ہوا۔ اس کی انسانیت اور فنا پذیری صرف دھوکہ اور موہوم تھا۔

اپولیناریت

خدا یسوع مسیح کوئی انسانی عقل اور روح نہیں تھی' بلکہ صرف انسانی جسم اور خدا کا کلمہ۔

نسطوریت

یسوع اس شخص کا نام ہے جو خدا نے پہن لیا۔ "میں ذاتوں کو جداگانہ سمجھتا ہوں' مگر عبادت کو

متحد کرتا ہوں۔"

منوفلیسیت وحدتِ ذات

مسیح کا جوہر اور بنی نوع انسان کا جوہر ایک ہی جوہر نہیں ہے۔ مسیح کے تجسم کے بعد اس کی صرف ایک ذات ہے۔

مگدنیت

روح القدس نہ تو خدا ہے اور نہ ہی خداوند' بلکہ مسیح کا خادم ہے۔ اور سب باتوں میں بیٹے کے ماتحت اور فرمانبردار ہے۔

قورلوس از سکندریہ

مسیح میں ہم انسانی صفات الوہیت سے اور الٰہی صفات انسانیت سے منسوب کرسکتے ہیں۔

اریٹیس

مسیح خداوند بنی نوع انسان کا نمائندہ ہے اور وہ اپنی ذات میں سب کو شامل کرنے کی بدولت سب کو نجات دینے آیا ہے۔

اثناسیئس

کلام اس لیے مجسم ہوا تا کہ ہم اس کی روح میں شریک ہو کر خدا بن جائیں۔" (رسولوں کے نقش قدم پر۔ صفحات 292,290)

ایسے میں تثلیث کو مسیح کے مقام کے تعین کی ایک بہترین کوشش قرار دیا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر ایمیلی برنر نے بالکل ٹھیک کہا: "تثلیث فی التوحید کی تعلیم اس وقت وجود میں آئی جب لوگوں نے مسیح کی الوہیت (خدائی۔ خدا ہونا۔ اسلم) کے بارے میں شک وشبہ کا اظہار کیا کہ وہ مجسم خدا ہے یا خدا سے کم ہے۔ لہٰذا کلیسیا نے تثلیث فی التوحید کو واضح کیا کہ نئے عہد نامہ کے ایمان کو کہ مسیح خدا کا بیٹا اور کلمۃ اللہ ہے سچا ثابت کرسکیں۔" (تثلیث فی التوحید۔ ص8)

تعارف

قاموس الکتاب کا بیان ہے:

"عیسائی ایمان کا مرکزی عقیدہ۔ یہاں یہ بیان کرنا اشد ضروری ہے کہ عیسائی عقیدہ تثلیث نہیں بلکہ تثلیث فی التوحید ہے۔

لفظ تثلیث کتابِ مقدس میں موجود نہیں۔ اصطلاح تثلیث فی التوحید پہلی مرتبہ دوسری صدی

کے آخری عشرہ میں بزرگ طرطلیان نے استعمال کی (یہ محض خوش فہمی ہے۔ یہ پیچیدہ اصطلاح اور اس کی موجودہ تشریح بہت بعد کی باتیں ہیں۔ اسلم) اور یہ مسئلہ عیسائی علم الٰہی میں چوتھی صدی عیسوی میں بیان کیا گیا ہے تاہم یہ عیسائی مذہب کا بنیادی' امتیازی اور جامع مسئلہ ہے' جس کا صاف اشارہ کلامِ پاک کے پہلے صفحہ سے (پیدائش 1:1-3 =خدا' روح' کلمہ) آخری صفحہ تک (مکاشفہ 22:3-16= خدا' برہ' روح) کئی مرتبہ آتا ہے۔

خدا کا واحد یا ایک ہونا تعداد کے لحاظ سے نہیں' اپنی ذات میں بے نظیر' بے مثل اور لاشریک ہے۔

تاہم اس ذاتِ وحدۂ میں کثرت ہے اور یہ کثرت اقانیم باطنیہ کی ہے اور جس طرح ذاتِ واجب نادیدہ ہے اسی طرح یہ کثرت بھی نادیدہ ہے۔ ذاتِ خدا میں یہ کثرت ازلی' ابدی' ناقابلِ تقسیم اور دائمی ہے۔"

وضاحت

انسائیکلوپیڈیا کے الفاظ میں "عیسائی عقیدۂ تثلیث کو نہایت عمدگی سے اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے باپ خدا ہے۔ بیٹا خدا ہے۔ روح القدس بھی خدا ہے۔ تین پر بھی وہ تین خدا نہیں' بلکہ ایک خدا ہے۔" (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مطبوعہ 1960ء جلد 22 ص 479 کالم 2)

"باپ' بیٹا' روح القدس تین شخص (اقانیم) ہیں۔ یسوع کے بپتسمہ کے وقت وہ پہلی دفعہ ظاہر ہوئے۔ باپ نے بیٹے کو دنیا میں بھیجا' بیٹا مجسد (جسم اختیار کیا۔ اسلم) ہوا۔ اور ہمیں گناہ سے مخلصی بخشی۔ روح القدس کلیسیا پر نازل ہوا اور ہمیں پاک کیا۔ جب بپتسمہ دیا جاتا ہے تو باپ' بیٹا اور روح القدس کے نام سے دیا جاتا ہے۔

یہ تین شخص برحق خدا ہیں۔ باپ کی طرح بیٹا اور روح القدس بے حد قدوس' کامل' ہمہ دان' قادرِ مطلق اور ازلی و ابدی ہیں۔ اس لیے باپ اور بیٹے اور روح القدس کی یکساں پرستش اور تعظیم کی جاتی ہے۔

یہ تینوں شخص علیحدہ علیحدہ تین خدا نہیں بلکہ صرف ایک خدا میں تین شخص ہیں۔ ان کی ایک الٰہی ذات علم' زندگی' مرضی اور خوشی ہے۔

خدا میں تین شخصوں کا ہونا "پاک تثلیث" یا "ثالوثِ پاک" کہلاتا ہے۔

یہ حقیقت کہ واحد خدا میں تین شخص ہیں ہمارے عیسائی ایمان کا بڑا بھید ہے۔ ہم اس بھید کو نہیں سمجھ سکتے۔ اگر ہم پر یہ بھید ظاہر نہ کرتا تو ہم اس سے بالکل ناواقف ہوتے۔

جو کچھ ہم نے حاصل کیا اقدس تثلیث سے حاصل کیا اس لیے ضرور ہے کہ ہر وقت اس کی تعریف کریں اور ہر نعمت کے لیے اس کا شکر ادا کریں۔ ہم خدا باپ کا شکر ادا کریں کیونکہ اس نے ہمیں

پاک کیا۔" (کاتھولک کلیسیا کی مسیحی تعلیم مطبوعہ 1981ء صفحات 66,65)

علامہ پال ارنسٹ لکھتے ہیں:

"خدا کی ذات ایک ہے مگر اس میں شخص تین ہیں۔ الٰہی ذات سے تین شخص کام لیتے ہیں۔ تین شخص الوہیت ہونے کے طور ہیں۔ ایک طرح سے الوہیت ہستی ہے۔ دوسری طرح سے الوہیت علم ہے اور تیسری طرح سے الوہیت محبت ہے۔ یہ تین اقانیم الوہیت ہیں یا یہ کہ خدا کی عین ماہیت ہیں۔ ہر اقنوم الوہیت کی ماہیت کے عین مطابق ہے' یعنی عین ماہیت ہے۔ مجھ میں "میں" شخص ہے' تجھ میں جس چیز کو تو کہتے ہیں' وہ شخص ہے' اور اُس میں جس کو وہ کہتے ہیں وہ شخص ہے۔ پس میں' تو اور وہ شخص ہوتے ہیں۔ خدا باپ اپنے بیٹے سے کہتا ہے کہ میں اور تو باپ اور بیٹا ہیں اور وہ ہم دونوں کا روح ہے' پس خدا میں تین شخص ہیں' میں' تو اور وہ۔ میں' تو اور وہ کو باپ' بیٹا اور روح القدس کہتے ہیں' یہ انجیلی اصطلاحات ہیں۔

بندہ پوچھے خدا کو "میں' تو اور وہ" کا پابند سمجھنا کس کتاب میں لکھا ہوا ہے؟ یہ قیاسی گھوڑے ہیں بت پرستوں کے۔

"جو کچھ میرے پاس ہے وہی دے سکتا ہوں۔ جو میرے پاس نہیں ہے وہ نہیں دے سکتا۔ دنیا میں رونق پائی جاتی ہے یہ رونق دینے والا دنیا کا خالق ہے یعنی دنیا میں رونق خدا نے پیدا کی ہوئی ہے اور دنیا کو رونق خدا نے دی ہوئی ہے۔ اگر خدا میں رونق نہیں تو اس نے دنیا کو رونق کہاں سے دی؟ دنیا میں رونق ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ خدا میں بھی رونق ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اس میں باپ بیٹے اور روح القدس کی رونق ہے۔ دنیا میں کثرت پائی جاتی ہے اگر خدا میں کثرت نہیں تو اس نے کائنات کو کثرت کیسے بخشی۔ پس ظاہر ہے کہ خدا میں کثرت موجود ہے اور وہ کثرت صفات اور اقانیم کی ہے۔ خدا ذات اور وجود کے لحاظ سے واحد ہے لیکن صفات اور اقانیم کے لحاظ سے کثیر ہے۔ پس توحید محضہ کوئی بات نہیں۔ خدا میں وحدت بھی ہے اور کثرت بھی۔ وحدت ذاتی ہے اور کثرت صفاتی اور اقانیمی۔ خدا کی وحدت اور کثرت حساب کی نہیں' یعنی وہ نہیں جو علم حساب میں ہے بلکہ لامحدودیت کی ہے اور الٰہی ہے۔

(نوٹ: احباب خط کشیدہ الفاظ کا تضاد نوٹ فرمائیں!)

"اگر خدا کی توحید' توحید محضہ ہو تو پھر محض خدا ہی کا وجود ہو سکتا ہے اور کوئی وجود نہیں ہو سکتا۔ اگر خدا میں صرف ایک ہی شخص ہو تو وہ تنہا خدا ہوگا یعنی وہ (Solitary God) ہوگا۔ تنہا ہونا اس کا ذاتی خاصہ ہوگا۔ پس توحید محضہ والا خدا محض آپ ہی ہو سکتا ہے لیکن کائنات موجود ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ خدا توحید محضہ والا اور تنہا خدا نہیں۔ بلکہ واحد خدا ہے' جس میں تثلیث ہے۔" (حقیقت المسیح مصنفہ علامہ پال ارنسٹ صفحات 158,157)

لوئیس برک ہاف کا بیان حسب ذیل ہے:

”خدا اپنی اصلی ذات میں واحد ہے مگر اس اصل ذات کے تین اقانیم ہیں جو باپ‘ بیٹا اور روح القدس کہلاتے ہیں۔ یہ تین اقانیم انسانی شخصوں کی طرح تین مختلف اور علیحدہ شخصیتیں نہیں ہیں‘ کیونکہ ان کی اصلی ذات ایک ہی ہے۔ اس کے برعکس تین شکلیں یا صورتیں ہیں جن میں الٰہی ذات موجود ہے یا وجود رکھتی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ تین اقانیم ایسے ہیں کہ وہ ایک دوسرے سے شخصی تعلقات رکھتے ہیں۔ باپ بیٹے سے باتیں کرتا ہے۔ اور روح القدس کو بھیجتا ہے۔ تثلیث کا اصل بھید اس بات میں پایا جاتا ہے کہ یہ تین اقانیم اپنی اصلی ذات کے لحاظ سے ایک ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ الٰہی ذات ان تین اقانیم میں تقسیم ہوگئی ہے۔ ذاتِ الٰہی اپنی سب کاملیتوں کے ساتھ ہر ایک اقنوم میں موجود ہے اور ان اقانیم کے علاوہ یا ان سے علیحدہ اس کا کوئی وجود نہیں۔ اس کے علاوہ اپنی اصلی ذات میں یہ اقانیم ایک دوسرے کے ماتحت نہیں۔ تاہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ باپ پہلا ہے‘ بیٹا دوسرا ہے اور روح القدس تیسرا ہے‘ اور یہ ترتیب تخلیق کے کام میں اور مخلصی کے کام میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔ یہ تین اقانیم چند خاصیتوں سے موصوف ہیں۔ یعنی باپ بیٹے کو ازلی طور پر تولید کرتا ہے۔ بیٹا باپ سے مولود ہے اور روح القدس باپ اور بیٹے دونوں سے صادر ہوتا ہے۔ یہ تعلیم ”ہمارے ایمان کے سب سے بڑے بھیدوں میں سے ایک ہے اس لیے ہمارے انسانی تصورات سے بعید ہے۔“ (مسیحی علم الٰہی کی تعلیم مصنفہ پادری لوئیس برک ہاف‘ ترجمہ پروفیسر جے۔ ڈی براؤن مطبوعہ 1982ء ص 128)

پادری گیرڈ نر نے لکھا:

”اس کی وحدت تین اقانیم پر منحصر ہے جن میں سے کوئی بھی جداگانہ زندہ نہیں رہ سکتا‘ بلکہ ہر ایک دوسرے میں اور دوسرے کے ساتھ زندہ رہتا ہے۔“ (خدا کی جہاتِ ثلاثہ مصنفہ پادری ڈبلیو ایچ گیرڈ نر مطبوعہ 1967ء صفحہ 26)

مریم اور تثلیث

”حضرت مریم سے جو شخص پیدا ہوا وہ کامل خدا اور کامل انسان تھا‘ اس لیے حضرت مریم خدا اور انسان کی ماں تھی۔ اس کے خدا کی ماں ہونے سے یہ مراد نہیں کہ جس طرح اس کی انسانیت حضرت مریم میں شروع ہوئی تھی۔ اسی طرح اس کی الوہیت (خدا ہونا۔ اسلم) بھی حضرت مریم سے شروع ہوئی۔ خدا کی ماں کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ جو ازل سے یعنی بے شروع زمانے سے خدا تھا اور حضرت مریم کا خدا اور خالق اور مالک تھا۔ جب وہ مجسّد ہوا تو وہ اس کی ماں بنی اور مجسّد خدا کی ماں بنی‘ اور بیٹا جو اس سے پیدا ہوا وہ خدا تھا‘ اس لیے وہ خدا کی ماں ہے۔ حضرت مریم خدا باپ اور خدا روح القدس کی ماں نہیں ہے‘ وہ صرف خدا بیٹے کی ماں ہے‘ خدا باپ کی تو وہ بیٹی ہے اور سب سے لائق بیٹی ہے اور مسیح روح القدس کی قدرت سے پیدا ہوا۔ روح القدس نے حضرت مریم پر سایہ کیا تو روح القدس کی قدرت سے حضرت مریم کے نہایت پاک بطن میں مسیح کی انسانیت خلق ہوئی۔ اور تجسد

وقوع میں آیا' پس روح القدس کی وہ روحانی دلہن ہے' اور سب راست باز لوگ مسیح کی دلہن ہیں۔ یعنی مسیح کی کلیسیا مسیح کی دلہن ہے۔ وہ روحانی دلہن ہے۔ اسی طرح حضرت مریم بھی روح القدس کی پاک اور روحانی دلہن ہے۔ حضرت مریم خدا باپ کی بیٹی ہے۔ خدا بیٹے کی ماں ہے اور خدا روح القدس کی روحانی دلہن ہے۔ حضرت مریم کا پاک تثلیث کے ساتھ یہ رشتہ ہے۔
(حقیقت المسیح از تصنیف علامہ پال ارنسٹ بی اے ص108)

اہمیت

''تثلیث فی التوحید کی تعلیم عیسائی مذہب کی عظیم ترین تعلیم ہے جس کے باعث ہی خدا کے متعلق ہمارے خیالات اور اس دنیا میں اس کی سرگرمیاں معقول نظر آتی ہیں۔''

تثلیث فی التوحید عیسائی ایمان کی بنیاد ہے جس پر عیسائیت کی تمام عمارت کھڑی ہے۔''
(تثلیث فی التوحید صفحات 9,8)

انسائیکلوپیڈیا کی رائے میں:
''تثلیث میں غلطی کا مطلب خود پیغامِ نجات میں غلطی ہوگا۔'' (انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا مطبوعہ 1969ء جلد 11 ص616)

''اس مسئلہ کو خلافِ عقل ٹھہرانا نہ صرف مسئلہ ہائے تجسم و کفارہ کا جو اس مسئلے سے وابستہ ہیں' قلع قمع کر دیتا ہے' بلکہ تمام کلامِ خدا کی تکذیب کر دیتا ہے۔'' (خدا کی جہات ثلاثہ ص3)

(2) عقیدۂ تثلیث

عیسائیت کی بت پرستی

جب بھی کسی مذہب کے اصول اور قواعد و ضوابط کی بات چلے تو قدرتی طور پر ذہن اس مذہب کی مقدس کتاب کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ لیکن عیسائیت کا حال خاصا مختلف ہے۔ عیسائیوں کی مخصوص مذہبی کتابیں (چاروں اناجیل اور خطوط وغیرہ) اس وقت لکھی گئیں جب حضرت عیسیٰ کے مشن کے برخلاف عیسائیت غیر یہودی اقوام میں پھیل چکی تھی۔ ان دنوں مسیح کی زندگی اور تعلیمات سے متعلق عوام الناس میں جو خیالات' معتقدات اور نظریات مروج تھے' وہ تحریر کر لیے گئے۔ ازاں بعد ان کتابوں میں سے درست اور صحیح ہونے کے سوال نے پریشان کن صورت اختیار کر لی تو عیسائی علماء کی یکے بعد دیگرے منعقد ہونے والی مختلف کونسلوں نے ان میں سے جنہیں مناسب سمجھا' مستند' الہامی اور مقدس قرار دے لیا' باقی کتب' گو ان کا موضوع یہی تھا' رد کر دی گئیں۔

عیسائی عقائد و عبادات بھی مذکورہ خطوط پر ہی مستند قرار دیئے گئے۔ مسیح کی کوئی باقاعدہ تعلیم تو عیسائی کلیسیا تک پہنچی نہیں تھی چنانچہ جب بھی ضرورت پڑتی علماء بیٹھ کر درپیش مسئلہ کے بارے میں کوئی

رائے قائم کر لیتے جو باقاعدہ عیسائی عقیدہ اور مدارِ نجات قرار پاتا۔ کسی بھی مسئلہ کا مسیح کی تعلیم سے ہونا تو کجا مستند عیسائی کتب مقدسہ میں مذکور ہونا بھی لازمی نہیں تھا۔ اندریں حالات موجودہ تقریباً تمام کے تمام عیسائی معتقدات' نظریات' عقائد' خیالات' عبادات' رسوم' رواجات اور مذہبی اصطلاحات تک غیر یہودیت پرست مذاہب سے مستعار اور تراشیدہ ہیں' مسیح کی اصل تعلیمات سے کوسوں دور بلکہ الٹ اور برعکس ہیں۔

چنانچہ مسیح کا خدا ہونا اور تثلیث ان عقائد میں سرفہرست ہیں' جن کی مسیح نے ہرگز ہرگز تعلیم نہیں دی۔ بائبل میں بھی ان کا بیان' بنیاد' تشریح کچھ نہیں ملتی۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ڈنکے کی چوٹ رقمطراز ہے:

''سترھویں اور اٹھارھویں صدی کے روشنی یافتہ عیسائی مقدسین نے مسئلہ تثلیث کو اپنے تعمیری خیالات سے غیر متعلق جان کر اسے پس پشت ڈال دیا یا اسے آباء و اجداد کا نکما ورثہ سمجھ کر اس پر کھلم کھلا حملے کیے' کیونکہ جدید سائنس اور فلسفہ اس کا دفاع نہیں کر سکتے تھے۔ انیسویں صدی میں پروٹسٹنٹ مورخین خاص کر ایف سی برانڈ اور ایڈولف وان ہارینک نے تحقیق کی کہ تثلیث عیسائیت پر یونانی اثرات کا نتیجہ تھی۔'' (انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا مطبوعہ 1969ء جلد 22 ص 242)

تثلیث قدیم وقتوں میں ایک مقبول و مروّج عقیدہ تھا۔ آئرلینڈ سے لے کر اناطولیہ تک' بشمول جرمن' سکنڈے نیوین' رومی' یونانی' قدیم ایرانی' ہندو' بدھ' مصری' چینی' جاپانی سبھی بت پرست اقوام و مذاہب میں تثلیث یعنی ایک خدا کے تین روپ ہونا کسی نہ کسی صورت میں مانا جاتا تھا۔

قدیم تثلیثیں

''لفظ ''تثلیث'' بائبل میں ہرگز نہیں پایا جاتا۔ پہلے پہل یہ دوسری صدی کے آخر میں مذہبی تحریروں میں گھس آیا تھا' جب 325ء میں نائسیہ کونسل کے صدر رومی بادشاہ بت پرست قسطنطین نے اس عقیدہ کی سرگرم پیروی کی تھی تو اس وقت یہ سرکاری مذہب کا اہم عقیدہ بن گیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ افلاطون کے ہر دل عزیز بت پرست فلسفہ کا ایک حصہ تھا۔ اس عقیدہ کو افلاطون نے شروع نہیں کیا تھا۔ اس کی ابتداء نمرود کے زمانہ میں ہوئی تھی جو حام کا پوتا تھا اور جو ''خداوند کے سامنے ایک شکاری سورما تھا۔''
(پیدائش 9:10)

اس نے اپنی ماں سمرامی سے شادی کی تھی اور بعد میں اہلِ بابل نے اسے اور اس کی ماں جو اس کی بیوی بھی تھی دونوں کو خدائی رتبہ دے دیا تھا۔ اس طرح سے وہ لوگ دیوتاؤں کی ترمورتی کو مانتے تھے۔ جس میں نمرود کو باپ اور بیٹے کا اور سمرامی کو ماں کا درجہ حاصل تھا۔

ترمورتی

ہندو مذہب میں بہت نمایاں ہے اور اس کی شناخت فارسیوں' مصریوں' رومیوں' جاپانیوں'

ہندوستانیوں اور قدیم یونانیوں کے بناوٹی قصے کہانیوں سے ہوتی ہے۔ ہندوستان میں غاروں میں پائے گئے مندروں میں سے ایک میں "ایک خدا تین صورتیں" کھدا ہوا تھا۔ ٹوٹی ازم میں بھی یوماؤں کی ترمورتی یعنی تثلیث کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔ اس کے بانی لاؤسی کو اس میں دوسرا درجہ حاصل ہے۔ مہایانہ بدھی بھی تثلیث کو مانتے ہیں۔ اس کی تین دھڑ والی مورت "ترکیا" ہے۔ بعض جاپانی تین سروں والی مورت سن پاؤ فو کی بندگی کرتے ہیں۔ ویدوں میں "آگ کے تین سرے دیوتا" اگنی کا ذکر آتا ہے جو سورج، آگ اور برقی چمک پر مشتمل ہے۔

چند قدیم اقوام کی تثلیثیں حسب ذیل ہیں:

مصری	مراپس (بیل)	آئی سس (گائے)	حورس (بچہ)
اہلِ بابل	انو	نیلل	ایا
اہلِ فارس	ارموز	آناہتا	متھرا
ہندو	برہما	وشنو	شیوا
بدھی	بدھا	بدھی ست	گوتما
یونانی	زیوس	ایتھنی	اپالو
سکینڈے نیوین	اُدھین	تھور	فرے

تقسیم کار

بت پرستوں کے ہاں تثلیث کے تینوں دیوتاؤں کے ذمہ مختلف اور مقرر فرائض ہوتے تھے۔

پادری یوحنا خان لکھتے ہیں:

"رومیوں کا مذہب یونانیوں کے مذہب کے مماثل اور مانند تھا۔ ان کے بے شمار دیوی دیوتا تھے جو اپنے اپنے شخصی کام رکھتے یا خاص حلقہ کے نگران اور مختار تھے۔ جوپیٹر سب سے اعلیٰ دیوتا تھا جو تو جو پیٹر کی بیوی اور منروا اس کی دختر دانائی کی دیوی۔ دونوں کپتولین پہاڑی کے مندر میں اس کی شریک تھیں۔"

بابل میں سب قسم کے دیوتاؤں کے مندر ان کی مذہبی حکومت گاہ تھے۔ لیکن بڑے بڑے دیوتاؤں کی طاقت خاص جگہ یا حدود و حرکات پر محدود تھی۔ "آنو" آسمان کا "لعل" زمین کا اور "ای یاہ" پاتال کا دیوتا تھا۔ (جغرافیہ مصنفہ پادری پروفیسر یوحنا خان مطبوعہ 1913ء صفحات 96-168)

ہندو تثلیث میں "برہما" خالق "وشنو" محافظ اور "شیوا" تباہ کرنے اور دوبارہ پیدا کرنے والا ہے۔ (A Brief History of the Indian People by Sir William Wilson Hunter: 1888, p.54)

ان کی تقلید میں تینوں عیسائی خداؤں میں بھی تقسیم کار موجود ہے۔

عیسائی تثلیث

325ء سے پہلے قیصریہ کے عیسائیوں میں ایک عقیدہ رائج تھا جس میں سادہ طور پر ایک خدا قادرِ مطلق باپ خداوند یسوع مسیح اور روح القدس کا مذکور تھا۔

رومی بادشاہ قسطنطین نے 313ء میں سیاسی مصالح کی بنا پر عیسائیت اپنائی۔ ویسے وہ ساری عمر بت پرست رہا اور بستر مرگ پر عیسائیت کو قبول کیا تھا' وہ پہلے سے ہی تثلیث کا قائل تھا۔ اس نے 325ء میں (Nicea) نیقہ' ناسیہ' نیسیہ یا نقایاہ' کے مقام پر عیسائی علماء کی ایک کونسل بلائی۔ مسیح کی خدائی اور مقام کا تعین ایک بنیادی مسئلہ تھا۔ اس میں حاضرین سے زبردستی عقیدۂ تثلیث پاس کروایا گیا۔ اور اس میں مسیح کو وہ حیثیت دی گئی جو اسے ان دنوں منظور تھی۔ بعد ازاں وہ اس سے منحرف ہو گیا اور ان لعنتوں کا مورد بنا جو خود ہی اس نے منظور کروائی تھیں۔

یہ دلچسپ تفاصیل پروفیسر فشر کی تاریخ کلیسیا میں ملیں گی۔

''کلیسیا کے سامنے جو مسئلہ تھا وہ یہ تھا کہ کوئی ایسا محاورہ معلوم کیا جائے جو کہ یسوع مسیح کی زندگی سے اخذ شدہ تثلیث کے نتائج کا خلاصہ پیش کر سکے۔ اسے ایک ایسا فارمولا تلاش کرنا پڑا جو کہ خدا کی وحدت کا محافظ ہو اور ساتھ ہی اس بات کا بھی ضامن ہو کہ اس وحدت میں باپ بیٹے اور پاک روح کی انفرادی شخصیت برقرار ہے اور ان میں سے ہر ایک مکمل خدا ہو۔ اس مسئلے کا حل معلوم کرنا بہت مشکل تھا اور اب تک ہے۔ کیونکہ تثلیث فی التوحید ہمیشہ سے ہم انسانوں کے لیے ایک بھید رہی ہے' اور انسانی عقل کو چکرا دیتی ہے۔'' (تثلیث فی التوحید۔ ص 88)

بہر حال عقیدہ کی تشکیل یوں ہوئی:

''ہم ایمان رکھتے ہیں ایک خدا قادرِ مطلق باپ پر' جو سب دیکھی اور ان دیکھی چیزوں کا خالق ہے۔

اور ایک خداوند یسوع مسیح پر جو خدا کا بیٹا ہے' باپ سے مولود' اکلوتا یعنی باپ کے جوہر سے مولود' خدا سے خدا' نور سے نور' حقیقی خدا سے حقیقی خدا' مصنوع نہیں بلکہ مولود۔ اس کا اور باپ کا ایک ہی جوہر ہے۔ اس کے وسیلہ سے سب چیزیں بنیں' آسمان کی ہوں یا زمین کی۔ وہ ہم آدمیوں کے لیے اور ہماری نجات کے واسطے اتر آیا اور مجسم ہوا' اور انسان بنا۔ اُس نے دکھ اٹھایا اور تیسرے دن جی اٹھا اور آسمان پر چڑھ گیا۔ وہ زندوں اور مردوں کی عدالت کے لیے آنے والا ہے۔

اور روح القدس پر' (رسولوں کے نقش قدم پر' صفحہ 220)

یہ بھی لکھا ملتا ہے کہ اس کونسل میں تثلیثی خدا کے تیسرے شخص روح القدس کا قطعی ذکر نہیں ہوا تھا۔

عیسائی کلیسیا روح القدس خداوند کو کبوتر کی شکل میں مانتی ہے۔

(Should you Believe in the Trinity: by Watchtower Bible and Tract Society, p.7)

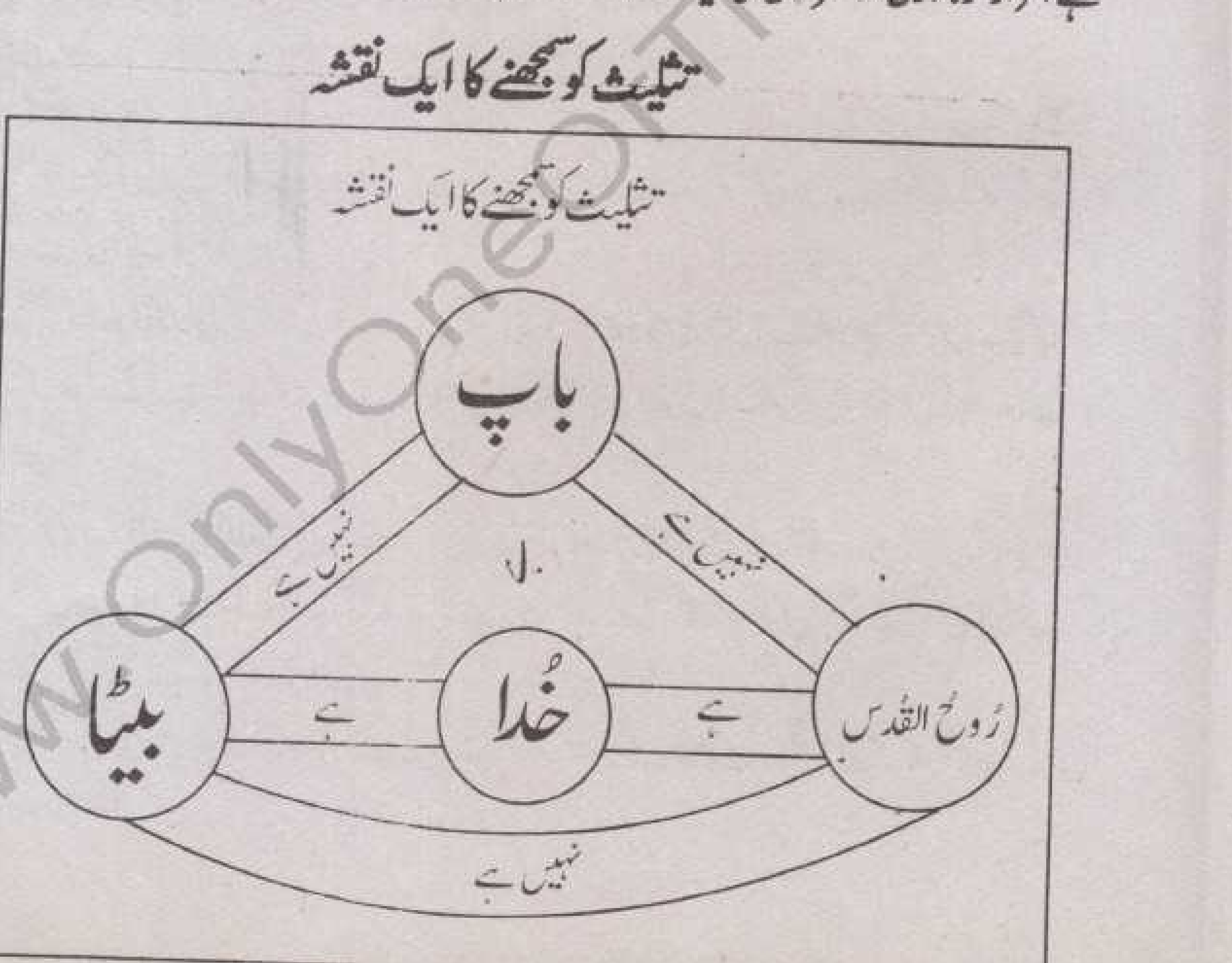
اس عقیدہ میں ترامیم اور اضافے ہوتے رہے۔ قسطنطیہ کونسل 381ء نے بھی ایک عقیدہ پاس کیا تھا۔ پھر کیلسیڈون کونسل 451ء میں 325ء اور 381ء والے عقیدوں کو ملا کر ایک عقیدہ پاس کیا گیا۔ سپین میں منعقدہ ٹولیڈو کونسل 589ء نے عقیدۂ تثلیث کے الفاظ کو آخری شکل دی۔ ہم پروفیسر فشر کی تاریخ کلیسیا سے اس کا ترجمہ پیش کرتے ہیں:

''میں ایک قادرِ مطلق خدا باپ پر ایمان رکھتا ہوں، جو آسمان و زمین اور تمام دیکھی اور ان دیکھی اشیاء کا خالق ہے۔

اور ایک خداوند یسوع مسیح پر جو خدا کا اکلوتا مولود بیٹا ہے، تمام دنیاؤں سے پیشتر باپ سے مولود۔ (خدا سے خدا) نور سے نور، حقیقی خدا سے حقیقی خدا، مصنوع نہیں مولود۔ اس کا اور باپ کا ایک ہی مادہ (جوہر) ہے۔ اس کے وسیلہ سے کل چیزیں بنیں۔ وہ ہم آدمیوں کے لیے اور ہماری نجات کے واسطے آسمان پر سے اُتر آیا، اور روح القدس کی قدرت سے کنواری مریم سے مجسم ہوا اور انسان بنا۔ اور پنطس پیلاطس کے عہد میں ہمارے لیے مصلوب بھی ہوا۔ اس نے دکھ اٹھایا اور دفن ہوا، اور تیسرے دن پاک نوشتوں کے مطابق جی اٹھا اور آسمان پر چڑھ گیا، اور باپ کی داہنی طرف بیٹھا ہے۔ وہ جلال کے ساتھ زندوں اور مردوں کی عدالت کے لیے پھر آنے والا ہے۔ اس کی سلطنت ختم نہ ہوگی۔

اور (میں ایمان رکھتا ہوں) روح القدس پر، جو خداوند اور زندگی بخشنے والا ہے۔ جو باپ (اور بیٹے) سے صادر ہے۔ اس کی باپ اور بیٹے کے ساتھ پرستش اور تعظیم ہوتی ہے وہ نبیوں کی زبانی بولا: اور (میں ایمان رکھتا ہوں) ایک پاک عام اور رسولی کلیسیا پر۔ میں ایک بپتسمہ کا جو گناہوں کی معافی کے لیے ہے، اقرار کرتا ہوں اور مردوں کی قیامت اور آئندہ جہاں کی حیات کا انتظار کرتا ہوں۔''

تثلیث کو سمجھنے کا ایک نقشہ



یہ پھٹکاریں عقیدہ 325ء کا تتمہ ہیں:

''لیکن جو کہتے ہیں کہ ایک وقت ایسا بھی تھا کہ جب وہ نہیں تھا اور پیدائش سے پیشتر وہ نہیں تھا اور یہ کہ وہ نیستی سے ہستی میں آیا۔ جو کہتے ہیں کہ خدا کا بیٹا جوہر میں جدا ہے یا خلق ہوا یا اس میں تبدیلی ممکن ہے۔ جامع کلیسیا ان پر لعنت بھیجتی ہے۔''

(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا مطبوعہ 1969ء جلد 6 ص 718)

یہ الفاظ 325ء میں تھے لیکن قسطنطنیہ کونسل 381ء نے زائد سمجھ کر حذف کر دیئے۔ البتہ ٹولیڈو کونسل میں بحال کر دیئے گئے تھے۔

روح القدس سے متعلق یہ الفاظ ٹولیڈو کونسل نے اضافہ کیے۔ یونانی کلیسیا اور کلیسیائے مشرق نے انہیں عقیدہ میں شامل نہ کیا۔ آج کل صرف مغربی کلیسیائیں اور وہ مشرقی کلیسیائیں جو ان کی تبلیغ کی وجہ سے قائم ہوئیں، ان الفاظ کو استعمال کرتی ہیں۔''

پادری برکت اللہ کے مطابق ''اور بیٹے'' کے الفاظ مغربی کلیسیا نے گیارھویں صدی میں بڑھائے تھے (تاریخ کلیسیائے ہندوستان جلد سوم صفحہ 388)

نصیحت

پیٹرے کی نصیحت ہے: ''پروٹسٹنٹ عیسائیوں کے لیے نہایت ضروری ہے کہ وہ بھی تثلیث فی التوحید کی تعلیم کا احترام اسی عقیدت سے کریں جیسا کہ رومن کاتھولک، اینگلیکن اور آرتھوڈاکس کلیسیائیں کرتی ہیں۔ کیونکہ عام طور پر پروٹسٹنٹ عیسائی اس تعلیم کو صرف عقیدے کی حد تک ہی مانتے ہیں اور اس کا اظہار اپنی دعاؤں اور عبادتوں میں بہت کم کرتے ہیں۔'' (صفحہ 110)

غلط تفصیلات

''جن لوگوں نے ثالوث کو زیادہ تفصیل سے بیان کرنے کی کوشش کی، ایسے لوگ اکثر تین غلطیوں میں سے کسی ایک کا شکار ہو گئے:

1- بعض نے انکار کیا کہ خدا کی ذات میں تین اقانیم موجود ہیں، مثال کے طور پر سبیلیس نے کہا کہ خدا نے اپنے آپ کو پہلے باپ کی صورت میں، پھر بیٹے کی اور پھر روح القدس کی صورت میں ظاہر کیا۔

2- بعض نے انکار کیا کہ خدا ایک ہے۔ گویا باپ، بیٹا اور روح القدس تین مختلف دیوتا ہیں۔

3- بعض نے کہا کہ صرف باپ حقیقی خدا ہے۔ بیٹا اور روح القدس گو دیوتا تو ہیں لیکن ان کی حیثیت خدا سے کم ہے۔ (رسولوں کی تعلیم، ص 228)

4- تاہم مسیح کی الوہیت کے بارے میں سب سے خطرناک بدعت وہ تھی جو کہ آریس نے

پھیلائی۔

آریس سکندریہ کا ایک قسیس تھا۔ 318ء سے پہلے اس نے اپنی بدعتی تعلیم جاری کی، اس نے مندرجہ ذیل باتوں پر زور دیا:

1- خدا ایک ہے۔ لاثانی ہے۔ وہ ہمیشہ باپ نہیں تھا کیونکہ بیٹے کا وجود ازلی نہ تھا۔ ایک وقت ایسا تھا جب بیٹا نہ تھا۔

2- خدا اپنے آپ میں ایک قدرت رکھتا ہے جسے ہم کلمہ کہتے ہیں۔ کلمہ اقنوم تو نہیں۔

3- تخلیق عالم سے پہلے خدا نے کلمہ کو ایک خاص جوہر بخشا۔

4- بیٹا باپ سے علیحدہ ہے اور اس کا جوہر مختلف ہے۔

5- بیٹا خدا نہیں ہے اور نہ ہی وہ خدا باپ کو پورے طور سے جانتا ہے۔

6- تاہم بیٹا محض مخلوق تو نہیں۔ وہ کامل مخلوق ہے۔ لہٰذا ہم اسے خدا کہہ کر پکار سکتے ہیں۔

7- جب وہ مجسم ہوا تو وہ ایک حقیقی جسم میں داخل ہوا، لیکن اس جسم میں کوئی روح نہ تھی بلکہ روح کی جگہ کلمہ تھا۔ کلمہ دکھ سہہ سکتا ہے لیکن خدا باپ دکھ سہہ ہی نہیں سکتا۔

8- جس طرح بیٹا باپ کی طرف سے آیا ہے، اسی طرح روح القدس بھی بیٹے کی طرف سے آیا ہے۔ اس کا جوہر باپ اور بیٹے کے جوہر سے بالکل مختلف ہے۔ (رسولوں، ص 240)

اثناسی عقیدہ

بشپ ینگ لکھتے ہیں: ''ان بدعتوں کے ردعمل میں کلیسیا نے کوشش کی کہ ثالوث کے بارے میں صحیح تعلیم کی وضاحت کرے۔ قریباً 420ء میں مغربی کلیسیا نے ایک بیان پیش کیا جس کو اکثر لوگ ''اثناسی عقیدہ'' کہتے ہیں۔ یہ اس لیے نہیں کہ اثناسیس نے اس کو بنایا بلکہ اس لیے کہ مصنف نے سمجھا کہ وہ اثناسیس (جو آری بدعت کا دشمن تھا) کے ایمان کے مطابق تھا۔ پتہ نہیں کس نے اسے تیار کیا۔ شاید مقدس اوگسطین کے کسی شاگرد نے یہ کام کیا ہو۔ آج کل لوتھرن کلیسیا اس پر بہت زور دیتی ہے۔ عقیدہ لاطینی میں ہے اور اس میں اس بات کا ذکر ہے کہ روح القدس، باپ اور بیٹے سے صادر ہے۔ چنانچہ یونانی کلیسیا اور مشرقی کلیسیاؤں نے اسے قبول نہیں کیا۔''

اثناسی عقیدہ میں ثالوث سے متعلق بیان یوں ہے:

''کیتھولک ایمان یہ ہے کہ ہم واحد خدا کی پرستش تثلیث میں، اور ثالوث کی پرستش توحید میں کریں، نہ اقانیم کو مخلوط کریں، اور نہ ہی جوہر کو تقسیم کریں۔''

''کیونکہ اقنومیت باپ کی اور بیٹے کی اور روح القدس کی اور ہے۔ لیکن باپ، بیٹے اور روح القدس کی الوہیت ایک ہی ہے۔ جلال برابر، عظمت یکساں ازلی۔''

''جیسا باپ ہے ویسا ہی بیٹا ہے۔ اور ویسا ہی روح القدس ہے۔ باپ غیر مخلوق، بیٹا غیر مخلوق،

روح القدس غیر مخلوق۔ باپ غیر محدود، بیٹا غیر محدود، روح القدس غیر محدود۔ باپ ازلی، بیٹا ازلی، روح القدس ازلی۔ تاہم تین ازلی نہیں بلکہ ایک ازلی ہے۔ اور اسی طرح نہ تین غیر مخلوق اور نہ تین غیر محدود ہیں۔ بلکہ ایک ہی غیر محدود اور ایک ہی غیر مخلوق ہے۔"

"اسی طرح باپ قادرِ مطلق، بیٹا قادرِ مطلق، روح القدس قادرِ مطلق ہے۔ تو بھی تین قادرِ مطلق نہیں بلکہ ایک ہی قادرِ مطلق ہے۔"

"ویسے باپ خدا، بیٹا خدا، روح القدس خدا ہے۔ پھر بھی تین خداوند نہیں بلکہ ایک ہی خدا ہے۔"

"کیونکہ جس طرح عیسائی اصول کے باعث ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ ہر اقنوم بذلتہٖ خدا اور خداوند ہے، اسی طرح کیتھولک دین کے بموجب یہ کہنا منع ہے کہ تین خدا یا تین خداوند ہیں۔"

"باپ نہ کسی سے مصنوع ہے، نہ مخلوق اور نہ مولود۔ بیٹا صرف باپ ہی سے ہے، نہ مصنوع نہ مخلوق بلکہ مولود۔ روح القدس باپ اور بیٹے سے ہے، نہ مصنوع نہ مخلوق نہ مولود بلکہ صادر ہے۔

"پس تین باپ نہیں، ایک ہی باپ ہے۔ تین بیٹے نہیں بلکہ ایک ہی بیٹا ہے۔ تین روح القدس نہیں، ایک ہی روح القدس ہے۔"

اور اس ثالوث میں کوئی بھی ایک دوسرے سے پہلے یا بعد نہیں۔ نہ کوئی ایک دوسرے سے بڑا یا چھوٹا ہے۔ بلکہ تینوں اقانیم یکساں ازلی اور باہم برابر ہیں۔ الغرض ہر امر میں جیسا اوپر بیان ہوا ہے، واحد خدا کی پرستش تثلیث میں اور ثالوث کی پرستش توحید میں کرنا واجب ہے۔

"پس جو کوئی نجات چاہے، وہ ثالوث کو یونہی مانے۔"

(رسولوں کے نقشِ قدم پر، صفحات 228-229)

ہم جانتے ہیں کہ مغربی کلیسیا اور رومن کیتھولکوں اور پروٹسٹنٹوں اور مشرقی کلیسیا کے درمیان روح القدس کے بیٹے سے صادر ہونے پر اختلاف ہے۔ مغربی کلیسیا "باپ اور بیٹے سے صادر" مانتی ہے جبکہ مشرقی کلیسیا صرف "باپ سے"۔

مغربی کلیسیا کی طرف سے عقیدۂ تثلیث کی وضاحت (اثناسی عقیدہ) مندرجہ بالا ہے۔ مشرقی کلیسیا نے بھی اپنے عقیدۂ تثلیث کی وضاحت کی۔ انطاکیہ کے استاد اور مصنف سویرس (قریباً 465ء تا 538ء نے اسے تیار کیا:

"پاک ثالوث کو ہم واضح نہیں کر سکتے اور نہ ہی اپنی عقل سے اس کی تفتیش کر سکتے ہیں کیونکہ وہ بیان سے باہر ہے۔ وہ سب اشیاء سے برتر، سب خیالات سے اعلیٰ اور ہماری عقل سے بعید ہے۔"

"ہم مانتے ہیں کہ تینوں اقانیم کا جوہر ایک ہی ہے یعنی باپ بیٹا اور روح القدس ایک ہی خدا ہے۔ کیونکہ باپ خدا ہے، بیٹا خدا ہے، روح القدس خدا ہے۔"

ہم کہتے ہیں کہ ہر ایک اقنوم کو جسے ایک خاص مقام حاصل ہے کہ اس کے پاس الوہیت کے سب اوصاف مکمل طور پر موجود ہیں، جیسے کہ بھلائی، قوت، تخلیق اور ہر وہ چیز جو غیر مخلوق ذات سے متعلق

ہے۔ اسی طرح ہم مانتے ہیں کہ ثالوث ایک ہی جوہر سے ہے۔ تینوں اقانیم میں یہی جوہر جامع طور پر نظر آتا ہے۔ باپ کے پاس الٰہی جوہر مکمل طور پر موجود ہے۔ اور اسی طرح یہ جوہر بیٹے اور روح القدس کے پاس بھی موجود ہے۔ لہٰذا باپ کامل خدا ہے' بیٹا کامل خدا ہے' روح القدس کامل خدا ہے۔"

"مثال کے طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ پطرس' پولوس' اور یوحنا کی انسانیت ایک ہی انسانیت ہے کیونکہ وہ انسانی نسل اور جوہر کے اعتبار سے ایک ہیں تاہم انفرادی طور پر یہ تینوں اشخاص ایک دوسرے سے جداگانہ شخصیت کے مالک ہیں۔ ہر ایک شخص جو کہ انسانی نسل میں شامل ہے' اس نسل کی خصوصیات میں شامل ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر پطرس دوسروں کی طرح قوتِ ادراک اور فنا میں نیز عقل اور علم میں شریک ہے۔"

"(اسی طرح ثالوث میں) ہر ایک اقنوم کے پاس وہ جوہر ہی ہے جس میں سب شریک ہیں۔ البتہ وہ جوہر انفرادی اور جداگانہ طور پر نظر آتا ہے۔"

"مثلاً باپ غیر مولود ہے' اس لحاظ سے اس کی جداگانہ شخصیت ہے۔ اس کا ایک خاص اقنوم ہے۔ جو کچھ ان تینوں میں ہے یعنی الٰہی جوہر اس میں منفرد ہے اور ساتھ ہی وہ غیر مولود ہے۔ وہ خدا ہے' بھلائی ہے' نور ہے اور زندگی ہے۔"

"اسی طرح بیٹے کے اقنوم کی خاصیت یہ ہے کہ وہ باپ سے مولود ہے۔ جو کچھ ان تینوں میں مشترکہ الٰہی جوہر ہے' وہ اس میں منفرد ہے' وہ خدا ہے' مولود ہے' بھلائی ہے' نور ہے' اور زندگی ہے۔"

"اسی طرح روح القدس بھی ہے' اس کے اقنوم کی خاصیت یہ ہے کہ وہ "صادر ہے۔" وہ الٰہی جوہر' وحدت اور جو کچھ مشترکہ ہے' اس میں بھی منفرد ہے۔ وہ نور ہے' جو صادر ہے' زندگی ہے' خدا ہے۔"

(ایضاً صفحات 230-231)

اصل بات خوب سمجھ لیں جو صرف اتنی سی ہے کہ پیغامِ مسیح یہودیوں تک ہی محدود رہتا تو ان کی پوزیشن ایک انسان اور نبی کی واضح تھی۔ جب معاملہ بت پرستوں کے ہاتھوں میں پہنچ گیا تو انہوں نے اس طرح بھٹکتے ہی پھرنا تھا۔ اور جیسا کہ اس مقالہ کے قارئین اچھی طرح جان رہے ہیں آج تک عیسائی مسیح کا اصل مقام ٹھیک طور پر سمجھ نہیں سکے۔ مسلسل بھٹکتے پھر رہے ہیں۔

اختلافات

تواریخ مسیحی کلیسیا صفحہ 259 کے مطابق قسطنطنیہ کونسل 381ء نے نائسیہ عقیدہ 325ء میں روح القدس کی بابت یہ فقرات بڑھائے تھے:

(الف) جو خداوند اور زندگی بخشنے والا ہے۔

(ب) جو باپ اور بیٹے سے صادر ہوا۔

(ج) وہ نبیوں کی زبانی بولا۔

لیکن انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کی رائے میں یہ محض مفروضہ ہے اور اس اضافہ کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اضافہ شدہ عقیدہ پہلی بار ایک عیسائی بزرگ کے خط میں ملتا ہے:

تثلیث معلوم کیا' کب ہوا تھا۔ ڈاکٹر برینڈن کی تحقیقات کے مطابق:

''ناسیہ کہا جانے والا عقیدہ ناسیہ کونسل 325ء نے تیار نہیں کیا تھا۔ اس کی ابتداء مشکوک ہے۔'' (ص 216 کالم 1)

''عقیدۂ تثلیث آخری صورت میں قسطنطنیہ کونسل 381ء نے منظور کیا تھا۔''

(ص 623 کالم 2)

''معلوم نہیں کہ جو عقیدہ ہم استعمال کرتے ہیں وہ کب تک لفظی طور پر صحیح صحیح مکمل ہو گیا۔ لیکن آج تک مکمل عقیدہ کا سب سے پرانا نسخہ جو دستیاب ہوا ہے' وہ قریباً 750ء کا ہے۔''

(رسولوں: 223)

پاکستان میں نیشنل کونسل آف چرچز جو عقیدہ استعمال کرتی ہے اس میں:

1- (i) مسیح بارے پہلا فقرہ یوں ہے: ''اور ایک خداوند مسیح یسوع پر جو خدا کا اکلوتا بیٹا ہے۔'' یعنی ٹولیڈو کونسل کے مقابلے میں مسیح ''اکلوتا مولود بیٹا'' نہیں ہے' لفظ ''مولود'' غائب ہے۔

(ii) روح القدس بارے فقرہ: ''میں ایمان رکھتا ہوں'' بغیر بریکٹ ہے' جبکہ ٹولیڈو عقیدہ میں یہ الفاظ بریکٹ کے اندر ہیں۔

(iii) ٹولیڈو کے اخیر والی ''آمین'' نہیں ہے۔

2- پاکستانی عقیدہ قسطنطنیہ عقیدہ سے بھی مختلف ہے کہ اس میں سے مسیح بارے الفاظ ''خدا سے خدا'' مفقود تھے جبکہ پاکستانی عقیدہ میں موجود ہیں۔

3- کیلسیڈون کونسل 451ء کے عقیدہ میں روح القدس بارے ہے کہ ''وہ باپ سے صادر ہے'' جبکہ پاکستانی عقیدہ میں ہے ''وہ باپ اور بیٹے سے صادر ہے۔'' ہم بیان کر چکے ہیں کہ ٹولیڈو عقیدہ بھی متفقہ نہیں ہے۔ کہ روح القدس ''...... اور بیٹے......'' مغربی (لاطینی) کلیسیا مانتی ہے' یونانی اور مشرقی انکاری ہیں۔

خلاصۂ بحث یہ کہ تثلیث پرست عیسائیوں میں عقیدۂ تثلیث کے الفاظ مختلف ہیں۔ مذکورہ تشریحات کی روشنی میں مخاطب عیسائی سے پوچھ لینا چاہیے میاں کس کونسل کی منظور کردہ اور کس کلیسیا کی مقبول تثلیث مانتے ہو؟

3- تثلیث اور حقائق

1- بائبل

بائبل کے پہلے حصہ میں تثلیث کا قطعاً کوئی بیان نہیں ہے۔ دوسرے حصے اناجیل وغیرہ لکھنے

کے دنوں عیسائیوں میں ابھی تثلیث رائج نہیں ہوئی تھی۔ ان میں جو ایک دو ادھورے مزعومہ اشارے تھے۔ (مثلاً یوحنا 5:7,8)

جدید انگریزی تراجم میں سے الحاقی قرار دے کر متن سے خارج کر دیئے گئے ہیں۔ تثلیث کے حق میں سب سے مشہور اور آخری حوالہ مسیح کی طرف منسوب یہ قول ہے: "پس تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ اور ان کو باپ بیٹے اور روح القدس کے نام سے بپتسمہ دو۔" (متی 28:19)

پادری ڈملو (اور دیگر مفسرین) مناسب تفاصیل کے ساتھ بہ دلائل بتاتے ہیں کہ زمانہ حال کے بعض نقاد اس فقرہ کو الحاقی یا کم از کم مسیح کا ایک غیر مصدقہ قول مانتے ہیں۔ پروفیسر پیک بھی لکھتے ہیں کہ کئی نقادوں کے نزدیک اس مقولہ کی سند متنازعہ ہے۔ (Christianity Its Nature and its Truth by Prof. Arthurs Peake, D.D, 1922, p. 229)

اعمال 2:38 کی رو سے شاگرد صرف "یسوع مسیح کے نام" پر بپتسمہ دیتے تھے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ خیالات بعد کے ہیں۔

2- غیر موزوں

تثلیث کا عقیدہ غیر موزوں ہے مثلاً مسیح بیٹے نے "دکھ اٹھا کر فرمانبرداری سیکھی تھی۔" کس کی؟ اپنی؟ (عبرانیوں 5:8)

جب مسیح نے دعا کی تھی کہ "نہ جیسا میں چاہتا ہوں بلکہ جیسا تو چاہتا ہے۔" تو کیا اس کا مطلب یہ تھا کہ "نہ جیسا میں چاہتا ہوں بلکہ جیسا میں چاہتا ہوں۔" یہ کہنا تو بہت ہی بے معنی بات ہے۔ (متی 26:39)

"مسیح نے اپنی خوشی نہیں کی تھی۔" بلکہ خدا کو خوش کیا تھا۔ اگر مسیح بھی خدا ہے تو اس نے اپنی خوشی کی تھی۔) (رومیوں 15:3)

مسیح صلیب پر چلایا تھا۔ "اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟" تو کیا وہ اپنے آپ ہی کو پکار رہا تھا؟ اور وہ خود اپنے آپ ہی کو چھوڑ گیا تھا؟ (مرقس 15:34)

مسیح کا قول ہے: "باپ مجھ سے بڑا ہے۔" (یوحنا 14:28) جبکہ تعلیم تثلیث ہے کہ تینوں خدا آپس میں برابر ہیں۔

ستفنس نے آسمانی رؤیا میں صرف باپ اور بیٹے کو دیکھا تھا لیکن روح القدس کو نہیں دیکھا تھا۔ (اعمال 7:55)

3- توحید و تثلیث

1- تثلیثیں اس لیے غلط ہیں کہ ان کے علمبرداروں میں ان کی اشکال اور توجیہات مختلف ہیں۔

اور الہٰی پسند کے بغیر اپنی تجویز کردہ ہیں۔ اگر وہ غلط ہیں اور یقیناً غلط ہیں تو سبھی غلط ہیں۔ آخر عیسائی تثلیث کو ہی صحیح کیوں مانا جائے؟

-2 ایک میں تین اور تین میں ایک سمجھ سے بالاتر ہی نہیں' خلافِ عقل بھی ہے۔ عقیدہ عقل سے بالاتر ہو تو ہو خلافِ عقل نہیں چاہیے۔

-3 پیٹر نے لکھا: ''جب ہم اس حقیقت کو کہ خدا مسیح میں ظاہر ہوا اور جس کی تصدیق کتابِ مقدس سے بھی ہوتی ہے' لے کر اس کا تجزیہ کرتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ خدا واحد بھی ہو سکتا ہے: اور ساتھ ہی باپ' بیٹا اور روح القدس بھی۔ ترکیبی خیالات کے حامیوں کے مطابق جب ہم ان تمام اجزا کو جو خدا کو ظاہر کرتے ہیں' لے کر یک جا کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ خدا ''باپ' بیٹا اور روح القدس'' ہونے کے باوجود بھی واحد ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ دو حصے ہائیڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن کو ملانے سے پانی بن جاتا ہے۔''

(تثلیث فی التوحید ص10)

اس مثال سے معلوم ہوا کہ باپ' بیٹا اور روح القدس مل کر ایک ہی خدا بناتے ہیں' جو کہ قطعی ناممکن اور ناقابلِ عمل' ناقابلِ فہم اور خلافِ عقل و مشاہدہ ہے۔

حال ہی میں اس مشکل کا حل یوں نکالا گیا ہے کہ خدا 1+1+1 کا مجموعہ نہیں 1x1x1 کا حاصلِ ضرب ہے۔

جبکہ اشیاء اجزاء کا مجموعہ ہوتی ہیں جیسے تثلیث سمجھاتے وقت پانی کو آکسیجن اور ہائیڈروجن کا مرکب و مجموعہ بتایا گیا ہے حاصلِ ضرب نہیں۔

-4 خدا بھی انسان ہے: تثلیث کی بنیاد خدا کو انسان پر قیاس کرنا ہے۔ تثلیث پر کوئی بھی کتاب اٹھا کر پڑھ لیجئے' اس کے صفحہ صفحہ اور سطر سطر سے یہ تاثر ملے گا کہ عیسائیت میں خدا انسانی شکل و شباہت رکھتا ہے۔ حال تو ساری بائبل کا بھی یہی ہے۔ یہودیت میں بھی لاکھ توحید خداوندی کے باوجود خدا کا جو تصور بنتا ہے' وہ خلاصۂ انسانی ہے۔

پیٹر ے کی تشریح میں ''ہمارا جسم بہت سے اعضاء سے مل کر بنا ہے۔ مثلاً آنکھ' کان' ناک' ہاتھ' پاؤں اور سر وغیرہ لیکن اتنے اعضاء سے مل کر بننے کے باوجود جسم اکائی ہے اور اکائی کی صورت میں کام کرتا ہے۔ درخت میں بھی بہت سے اعضاء ہوتے ہیں مثلاً جڑیں' تنا' شاخیں' پھول اور پھل وغیرہ۔ یہ سب مل کر ایک درخت بنتا ہے۔ پرانا عہد نامہ' جیسا کہ ہم بعد میں دیکھیں گے یہ بیان کرتا ہے کہ خدا کی وحدانیت بھی کچھ انسانی جسم کی طرح ہے۔'' (صفحہ 16)

پادری گیسرڈنر لکھ گئے: ''اگر ہم خدا کو ایک زندہ حقیقت مانتے ہیں تو ضرور ہے کہ اسے چند گوناگوں تعلقات اور مختلف نسبتوں کا مرکز اور موردِ تسلیم کریں۔ کیونکہ یہ کافی نہیں ہے کہ وہ محض بعض دماغی یا وہمی مطالبات کو اپنی ذات میں پورا کرے جیسے کہ علتِ اوّل کا مطالبہ ہے۔ جہاں تک اسلامی علم

الٰہی اور فلسفہ نے پرواز کیا ہے۔" (صفحہ 12)

پادری مذکور آگے چل کر وضاحت کرتے ہیں: "اہل اسلام اس پر اعتراض کریں گے کہ خالق اور مخلوق کا باہمی مقابلہ نہ صرف بعید از عقل بلکہ خلافِ شان خدا بھی ہے کیونکہ ذاتِ الٰہی کا سب سے بڑا وصف یہی ہے کہ وہ بے مثل و بے عدیل ہے اور اس میں اور مخلوق میں کوئی مشابہت نہیں۔ لیکن ہم نے اسلامی تصور خدا کا ذکر کرتے ہوئے اس اعتراض پر کافی بحث کی ہے' اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ غیر مماثلت کی تعلیم بالکل بے معنی اور غیر تسلی بخش ہے' جو اللہ کو صفر کے درجہ تک گرا دیتی ہے اور ہمیں اس کے متعلق کسی قسم کا خیال کرنے اور تصور باندھنے کی اجازت نہیں دیتی۔" (صفحہ 16)

ٹوزر نے لکھا: "ذاتِ الٰہی کے تینوں شخصوں کے ایک ہونے کی وجہ سے' ان کا ارادہ بھی ایک ہے۔ یہ ہمیشہ مل کر کام کرتے ہیں۔ چھوٹے سے چھوٹا کام بھی باقی دونوں کی فوری رضامندی کے بغیر سرانجام نہیں دیا جاسکتا۔ خدا کا ہر کام تثلیث فی التوحید کے اتحاد سے ہوتا ہے۔ ہم یہاں پر خدا کو انسانی سوچ کے مطابق دیکھنے پر مجبور ہیں' ہم خدا کو انسان کے ساتھ مشابہت دے کر اس کے متعلق سوچ رہے ہیں' اس لیے اس کا نتیجہ پوری حقیقت سے یقیناً کم ہوگا۔ بہرحال اگر ہم خالق کے متعلق سوچیں تو ہمیں لازماً اس پر انسانی خیالات کا اطلاق کرنا پڑے گا۔" (خدا کی صفات کی تشریح از اے ڈبلیو ٹوزر مترجم وکلف اے سنگھ مطبوعہ 1988ء صفحہ 37)

جب ٹوزر نے حزقی ایل نبی کے بارے میں لکھا: "جوں جوں وہ اپنے بیان میں خدا کے تخت کے قریب آتا جاتا ہے توں توں اس کے لیے اس نظارے کو بیان کرنے کی مشکل بڑھتی جاتی ہے:

"اس فضا سے اوپر جو اُن کے سروں کے اوپر تھی' تخت کی صورت تھی۔ اور اس صورت میں نیلم کے پتھر کی سی تھی اور اس تخت نما صورت پر کسی انسان کی سی شبیہ اس کے اوپر نظر آئی اور میں نے اس کی کمر سے لے کر اوپر تک صیقل کیے ہوئے پیتل کا سا رنگ اور شعلہ سا جلوہ اس کے درمیان اور اردگرد دیکھا اور اس کی کمر سے لے کر نیچے تک میں نے شعلہ کی سی تجلی دیکھی اور اس کی چاروں طرف جگمگاہٹ تھی جیسی اس کمان کی صورت ہے جو بارش کے دن بادلوں میں دکھائی دیتی ہے' ویسی ہی آس پاس کی اس جگمگاہٹ کی نمود تھی۔ یہ خداوند کے جلال کا اظہار تھا اور دیکھتے ہی میں اوندھے منہ گرا اور میں نے ایک آواز سنی جیسے کوئی باتیں کرتا ہے۔" (حزقی ایل 1:26 تا 28)

گو یہ طرزِ بیان کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے مگر پھر بھی اس سے حقیقت کا تاثر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظارہ حقیقی ہے لیکن زمین پر موجود کسی چیز سے مطابقت نہیں رکھتا' چنانچہ نبی "کی سی" اور "کا سا" وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ یہاں تک کہ تخت محض "تخت کی صورت" بن جاتا ہے۔ اور وہ جو اس پر بیٹھا ہے انسان سے اتنا مختلف ہے کہ اسے "کسی انسان کی سی شبیہ" ہی بیان کیا جاسکتا ہے۔" (ایضاً ص16)

ٹھیک ہے جی! ہم آپ کا مطلب سمجھ گئے کہ توحید اور تثلیث کا جھگڑا چکانے اور تثلیث کو بچاو

درست سمجھنے کے لیے خدا کو بھی مانند انسان ہستی مان لینے کے علاوہ اور کوئی حل نہیں ہے!

نوٹ: خدا کی بھی انسانی شکل و شباہت سمجھنا یونانی بت پرستی ہے۔ یونانی مذہب کے بیان میں انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے: عموماً خدا کو روح یا نامعلوم کائناتی قوت کی بجائے ایک ذی شان انسان سمجھا جاتا تھا...... کبھی اس کا انسانی جسم والا بت بھی بنایا جاتا تھا۔"

(برائے تفصیلات انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد 6 ص 401)

ہندوؤں کی بت پرستی اور ان کا اپنے دیوتاؤں کو انسانی شکل میں دکھانا مشہور ہے۔

یہودی انسائیکلوپیڈیا رقمطراز ہے: ''عیسائیت کا ہندومت سے متاثر ہونا ایک تاریخی حقیقت ہے۔'' (یہودی انسائیکلوپیڈیا جلد 2 ص 549 کالم 2)

فلسطینی دیوتا ''ایل'' EL لمبی سفید داڑھی والا بوڑھا آدمی سمجھا جاتا تھا۔''

(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا مطبوعہ 1974ء جلد 17 ص 967 کالم 2)

یونانی مذاہب میں دیوتاؤں کی انسانی شکل تصور کی جاتی تھی (Critical History p.41) اور عیسائیت ایسی ہی قدیم بت پرستیوں کے مجموعہ کا جدید نام ہے۔

خدالگتی

بہر حال بھلا ہو جناب ٹوزر کا خدا لگتی کہتے ہیں: ''صحیح تصور خدا'' نہ صرف مذہبی تعلیم کے لیے بلکہ دین دار زندگی گزارنے کے لیے بھی ضروری ہے۔ اس کا پرستش کے ساتھ وہی تعلق ہے جو بنیاد کا عمارت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر بنیاد کمزور ہے تو جلد یا بدیر عمارت گر پڑے گی۔ میرے خیال میں تعلیم میں جو بھی غلطی ہوا کثر اس کی جڑ ناقص تصورِ خدا ہوتی ہے۔ اور اگر کسی عیسائی کی زندگی میں نقص ہو تو وہ بھی اکثر خدا کے بارے میں غلط خیال کے باعث ہوتا ہے۔

بیسویں صدی میں جو عیسائیوں کا تصورِ خدا ہے وہ اتنا زوال پذیر ہے کہ خدا تعالیٰ کی شان کے بالکل شایان نہیں اور ایمانداروں کی اخلاقی تنزلی کا باعث بھی یہی ہے۔'' (صفحہ 11)

''ایک بت پرست دل خدا کی جگہ پر دیوتا کو کھڑا کرتا ہے جسے اس نے اپنی صورت پر بنایا ہے۔''

(ہائے خدایا! عیسائی بالکل یہی کچھ تو کرتے ہیں۔ اسلم)

اس کا یہ خدا اس کی اپنی صورت پر اور اس کی اپنی اخلاقی اور ذہنی حالت کے مطابق، پاک و ناپاک، ظالم یا رحمدل ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایک دیوتا، جو کہ ایک گنہگاروں کے تخیل سے پیدا ہوتا ہے وہ حقیقی خدا کی صورت پر ہرگز نہیں ہوسکتا۔ خدا زبور کی کتاب میں ایک گنہگار انسان کو مخاطب کر کے کہتا ہے: ''تو نے گمان کیا کہ میں بالکل تجھ ہی سا ہوں۔'' (زبور 50:21) یقیناً یہ خدا تعالیٰ کے نزدیک، جس کے حضور سرافیم

کھڑے کھڑے ہر وقت ''قدوس' قدوس۔ قدوس رب الافواج'' کہتے رہتے ہیں' بہت بڑا کفر ہے۔

آیئے ہم اس بات سے ہوشیار رہیں کہ کہیں اپنے تکبر میں یہ غلط خیال نہ کریں کہ بت پرستی محض کسی بت کے سامنے جھکنے کا نام ہے۔ لہٰذا توحید پرست لوگ اس سے آزاد ہیں۔ لیکن خدا کے بارے میں کسی ایسے خیال کو جو اس کے لائق نہ ہو' اپنے دل و دماغ میں جگہ دینا بت پرستی کا اصلی جوہر ہے۔'' (صفحہ 12)

''خدا کے متعلق غلط تصور' نہ صرف ایک چشمہ ہے' جہاں سے بت پرستی کا گندہ پانی بہہ نکلتا ہے بلکہ یہ غلط تصور بذاتِ خود بت پرستی ہے۔ بت پرست انسان خدا کے متعلق غلط باتیں سوچتا ہے' اور یہ سمجھ کر کہ وہ صحیح ہیں' ان پر عمل کرنا شروع کر دیتا ہے۔

جب خدا کے متعلق غلط نظریہ کسی مذہب میں داخل ہو جاتا ہے' تو وہ اسے برباد کر دیتا ہے۔ یہودیوں کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے اور کلیسیا کی تاریخ بھی اس کی تصدیق کرتی ہے۔ (ایضاً ص 13)

''اس ذاتِ لامحدود کو معلوم کرنے میں انسان کی محدود قوتِ تصور جواب دے دیتی ہے' کیونکہ خدا کے بارے میں ہمارے خیال کی بنیاد کائنات کا مشاہدہ ہے اور ظاہر ہے کہ اگر ہم ذاتِ الٰہی کا تصور کرنے کی کوشش پر بضد ہوں تو ہم ایک ایسے دیوتا کی تشکیل کریں گے جو ہاتھوں کا نہیں بلکہ ہمارے خیالوں کی تخلیق ہوگا' اور خدا کے نزدیک تخیل کا دیوتا بھی ایک تراشے ہوئے بت کی طرح ناگوار بلکہ بت پرستی کے برابر ہے۔'' (ایضاً ص 17)

صحیح تصورِ خدا

ٹوزر میاں خوب لکھتے ہیں: ''کسی نے کیا خوب کہا ''عقل جانتی ہے کہ وہ تجھے نہیں جان سکتی کیونکہ تو ادراک سے باہر ہے کیونکہ اگر تجھے دریافت کرلیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ناقابلِ علم چیز معلوم ہوگئی اور ناقابلِ دید شے ظاہر ہوگئی۔ اور جس چیز تک رسائی محال تھی' اس تک رسائی ہوگئی۔ اگر کوئی ایسا تصور پیش کرے جس سے تو جانا جاسکے' میں جانتا ہوں کہ وہ تیرا تصور نہیں ہوگا کیونکہ خیال کی رسائی تجھ تک ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر کوئی یہ کہے وہ تجھے جان گیا ہے اور ایسے ذرائع مہیا کرنے کی کوشش کرے جن سے تجھے جانا جاسکے تو وہ بھی تجھ سے بہت دور ہے کیونکہ تو انسان کے تصور سے کہیں بلند و بالا ہے۔''

اگر ہم اپنی ہی طاقت سے خدا کی ذات کو سمجھنے کی کوشش کریں تو ہم اسے ضرور اپنی محدود قوتِ تصور میں قید کردیں گے۔ ہم اسے یہاں تک چھوٹا کرنے کی کوشش کریں گے کہ اسے اپنے مقصد کے لیے استعمال کرسکیں۔ ہم کم سے کم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ وہ کہاں ہے تاکہ ضرورت کے وقت اس سے مدد حاصل کرسکیں۔ ہم ایسا ہی خدا چاہتے ہیں جسے ہم کسی حد تک کنٹرول کرسکیں۔ ہمیں ایسے اطمینان کی ضرورت محسوس کرتی ہے جو یہ جاننے سے ملتا ہے کہ خدا کیسا ہے اور ہمارا یہ تصورق خدا ان تمام مذہبی تصویروں' کہانیوں اور خدا پرست لوگوں' جن سے ہمارا واسطہ پڑا یا جن کے متعلق ہم نے سنا اور ہمارے

بلند ترین خیالات کا مرکب ہے۔

اگر یہ بیان موجودہ زمانہ کے لوگوں کے لیے عجیب ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خدا کے جاہ و جلال کے علم و احساس سے محروم ہیں۔" (ایضاً ص 18)

"قرونِ وسطیٰ کا عیسائی غزل گو شاعر رچرڈ رولی کہتا ہے: یہ سچ ہے کہ خدا کی عظمت بے پایاں ہے' یہ ہمارے خیالات سے بلند و بالا ہے۔ مخلوق اسے ہرگز نہیں جان سکتی اور ہم اس کی حقیقی ذات کو ہرگز نہیں سمجھ سکتے۔ مگر پھر بھی جب کبھی کسی دل سے خدا کے لیے شدت سے آرزو پیدا ہو جائے تو اس وقت وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ اس الٰہی نور کو قبول کر کے اور پاک روح کی نعمتوں سے معمور ہو کر وہ آسمانی خوشی کا مزہ چکھے' وہ دیدنی دُنیا سے بلند و بالا ہو کر ابدی زندگی میں شامل ہو جاتا ہے۔ یہ ایک ناقابلِ فہم حقیقت ہے کہ یہ خدا ایک طرف سے تو انسانی عقل کے تجسس سے بالاتر ہے۔ لیکن دوسری طرف سے یہ پیار کے شخصی تجربہ سے جانا بھی جا سکتا ہے۔" (ص 20)

نصیحت

"آج کل عیسائی کلیسیا کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ خدا کے متعلق اپنے تصور کو یہاں تک درست کرے' کہ یہ دوبارہ خدا کی شان کے شایان بن جائے۔ اسے اپنی دعاؤں اور تمام خدمات میں اس بات کو اوّل درجہ دینا چاہیے۔ اگر ہم اپنی آئندہ نسل کو وہ اعلیٰ تصورِ خدا جو ہمیں اپنے عبرانی اور عیسائی آباء و اجداد سے ملا ہے (جو یقیناً یقیناً تثلیث نہیں تھا۔ اسلم) بغیر کسی ملاوٹ کے دے دیں تو یہ ان کی بڑی خدمت ہوگی۔ یہ اُن کے لیے آرٹ یا سائنس کی بدولت کہیں زیادہ فائدہ مند ہوگا۔" (ص 14)

4- توحید میں تکثیر

قارئین کرام عیسائی عقیدہ سمجھ چکے ہیں وہ تثلیث فی التوحید اور توحید فی التثلیث یعنی تین میں ایک اور ایک میں تین ہے۔

اس کی بنیاد ہے توحید میں تکثیر' یعنی خدا ہے تو ایک ہی' پر اس میں شخصیات' افراد یا اقانیم کی کثرت ہے' جو عیسائی عقیدہ کے مطابق فی الحال تین ہیں اور زیادہ ماننے کی گنجائش بھی موجود ہے۔

میں حیران ہوا کرتا تھا یا خدایا جب یہودی خدا کو سادہ معنوں میں واحد مانتے ہیں تو عیسائیوں نے توحید میں تکثیر کہاں سے سیکھی؟

ایک دن مجھ پر چودہ طبق روشن ہوئے:

"بت پرست یونانی فلاسفر افلاطون کے ہاں تکثیر کے بغیر توحید کا تصور ہی نہیں۔" خدا ایک ہے" کہنے میں بھی دو خداؤں کا تصور موجود ہے۔ واجب الوجود ہستی توحید محضہ نہیں ہو سکتی۔"

(A Critical History of Greek Philosophy by W.T. Stace, 1962, p. 372)

بات سمجھ میں آ گئی نا؟ کہ توحید میں تکثیر کا عیسائی نعرہ افلاطون سے اپنایا گیا تھا!

''انسائیکلوپیڈیا کی زبانی مزید وضاحت سنیئے:

یونانی' یونان کے قومی مذہب کا بیان افلاطون کی بنائی ہوئی فلسفیانہ اور مذہبی اصطلاحات کی مدد سے کیا کرتے تھے۔ ابتدائی عیسائی مفکرین کلیمنٹ آف سکندریہ اور اوریجن کے ہاتھوں یہودی اور عیسائی عقائد کا سیٹ بھی افلاطونی تشریحات کے ذریعے یونانی خیالات میں جذب کیا گیا تھا۔'' (دی نیو انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا مطبوعہ 1985ء جلد 24 صفحہ 709 کالم 1)

عقدہ حل ہو گیا کہ یہودی ''توحید محضہ'' افلاطونی یونانی فلسفہ کے زیر اثر ''توحید میں تکثیر'' میں تبدیل ہو گئی تھی۔

جب بت پرست عیسائیوں نے دیگر بت پرست اقوام کی تقلید میں ''تثلیث اپنائی تو اس تکثیر'' کی ''تثلیث'' تک تحدید کر لی۔

تثلیث دو ہزار برس سے عیسائیوں میں ''سربستہ راز'' ہے۔ اسے کسی نے کیا خاک سمجھنا ہے؟ قارئین کرام! مجھے یہ بتائیں کہ عیسائیت میں تثلیث کے سرایت کر آنے کا راز ان پر منکشف ہوا ہے یا نہیں؟

لطف کی بات ہے کہ افلاطونی نکتہ نظر کے ساتھ ہی یونانی فلاسفر پلوٹینس کا موقف بھی دیا گیا ہے کہ ابتدا ہی میں افلاطون کے خیالات کو رد کرتا ہے۔ اس کے ہاں خدا توحید محضہ ہے۔ اس میں تکثیر' حرکت' امتیاز کچھ نہیں ہے۔ وہ انسانی تصور سے بلند اور دُور ہے۔ وہ تمام خیالات اور اشیاء سے بلند و بالا ہے۔ لامحدود ہونے کی وجہ سے لامحدود طور پر ہی ناقابلِ امتیاز ہے۔ اس کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ اس کا تصور ہی محال ہے۔ حق تو یہ ہے کہ خدا کے بارے ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ وہ ہے۔

عیسائیت' بت پرست افکار و نظریات کو سینے سے لگائے ہوئے ہے۔ قدم قدم پر بت پرست افلاطون کا سہارا ڈھونڈتی ہے۔ کاش عیسائی بھائی بت پرستی کے بے پایاں و اتھاہ سمندروں میں سے لمحہ بھر کے لیے سر نکال کر ایک نظر پلوٹینس کے فلسفہ پر بھی ڈال لیتے۔ اگر تصورِ خدا کی بنیاد غیر خدائی' بت پرست نظریات پر ہی رکھنی ہے تو بت پرست پلوٹینس کیا برا ہے؟

تصورِ خدا باندھتے وقت مفروضات کی بجائے فلسفہ کو بنیاد بنا لینا بہتر نہ ہوگا!

نوٹ: قدیم عقائد میں تثلیث (Trinity) ہی کا ذکر آتا ہے۔ پتہ نہیں چل سکا کہ یہ اقنوم بازی کی توضیحات اور تثلیث فی التوحید اور توحید فی التثلیث کی اصطلاحات کب اور کیسے عیسائیت میں داخل ہوئیں؟

پروفیسر پیک کا قول ہے: ''اگر یہ صحیح ہے کہ خدا کا وجود تثلیث میں ہے تو ہم یہ صرف مکاشفہ سے ہی جان سکتے ہیں۔'' (صفحہ 98)

اب قارئین کو ''تثلیث کے مکاشفہ'' کی ضرورت نہیں رہی۔ اگر کوئی عیسائی قاری ہمیں ان اصطلاحات کے ''مکاشفہ'' سے ہی آگاہ کرسکیں تو ان کی بڑی مہربانی۔

5- تکثیر بحد تثلیث

عیسائی عقیدہ ہے کہ خدا کی واحد ذات میں شخصیات کی کثرت ہے اور وہ کثرت بھی تثلیث یعنی تین شخص ہونے تک محدود ہے۔ خدا میں صرف تین افراد/اشخاص یا اقانیم ہیں۔

پیٹرے کی وضاحت پڑھیے: ''وجہ کہ ہم کیوں ایمان رکھتے ہیں کہ خدا میں ایک سے زیادہ اقانیم ہیں، یہ ہے کہ وہ ایک شخصیت ہے۔ وہ مکمل اور حقیقی شخصیت صرف اسی صورت میں ہوسکتا ہے، جبکہ اس میں ایک اور شخصیت ہو۔ بے شک اس بحث سے محض یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا میں صرف دو اقانیم ہیں۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اس میں دو نہیں بلکہ تین ہیں۔ ہمارے عیسائی تجربے پر مبنی ہے۔'' (صفحہ 79)

مزید لکھتے ہیں: ''اگر ہم انسانی حالات سے بالاتر ہو کر سوچیں کہ یہ تینوں کس طرح ایک ہی مقصد کے لیے کام کرتے ہیں؟ تو پھر ہم قدرتی طور پر اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ یہ تینوں جو اس طرح مل کر کام کر رہے ہیں یقیناً خود بھی ایک وحدت ہوں گے۔'' (صفحہ 83)

پادری عبدالحق اپنے رسالہ اثبات التثلیث فی التوحید میں کھل کر سامنے آتے ہیں کہ ''واجب الوجود کے اقلاً تین فرد فرض کرلینا برخلاف عقل نہیں۔'' (صفحہ 11) یعنی عیسائی عقیدہ تثلیث کی بنیاد خدا میں کم از کم تین فرد فرض کرلینا ہے۔

صاحبو! بس بس دُنیا جان گئی کہ عیسائیت کے بنیادی عقیدۂ تثلیث فی التوحید کی بنیاد ایک مفروضہ ہے۔

اس المیہ کے شایانِ شان شاید ہی کچھ تبصرہ کیا جاسکے۔

دنیا والو! جہاں تو بات ؎

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اِک قطرۂ خون نکلا

سے بھی گئی گزری نکلی ہے!

تثلیث کے بندو! تمہیں کون سمجھائے کہ خدا کی ذات و ماہیت ہمارے مفروضوں کی پابند نہیں ہے! خدا وہ اور ویسا نہیں ہے جیسا ہم اسے فرض کرلیں!

وائے افسوس بت پرستوں کی عقل پر!

''کلامِ حق'' کی ہر اشاعت میں تثلیث پر پادری عبدالحق کی ''ضخیم کتاب'' کا کمال کروفر سے اشتہار دیا جارہا ہے۔ دیگ میں سے دانہ چکھ لینا کافی ہوتا ہے۔ پادری صاحب نے اس میں ''علم، فلسفہ، حکمت اور منطق'' کے جو ''گنجینے'' بکھیرے ہوں گے، بے پر کی اُڑائی ہوں گی، ان کا تصور مشکل نہیں ہے۔

ڈینگیں اتنی اور کرتوت یہ کہ ہم نے اس کی پیشگی ہی قلعی کھول دی ہے!

تف ہے کہ یار لوگ یہیں پر ہی بس نہیں کر پائے۔ مزید للکارتے ہیں:

"بعض کہتے ہیں کہ خدا میں تین اقانیم ہی کیوں مانتے ہو؟ چار' پانچ کیوں نہیں مانتے۔ جو چیز فی الواقع موجود ہوتی ہے اس کی تعداد معین ہوتی ہے غیر معین نہیں ہوتی۔ خدا میں اقانیم کی تعداد معین ہے غیر معین نہیں (جی ہم جان چکے ہیں۔ وہ فرض عیسائیوں نے کیے یہی حقیقت ہے نا: اسلم) سمجھ دار ہستی ہونے کے تین طور ہوتے ہیں یعنی ہونا' جاننا اور چاہنا۔ خدا سمجھدار ہستی ہے اور اس کے ہونے کے طور تین ہی ہیں' نہ کم نہ زیادہ۔ سمجھدار ہستی کا چوتھا' پانچواں طور بتادو تو ہم خدا میں چار پانچ اقانیم تسلیم کرلیں گے۔" (حقیقت المسیح ص 157)

واہ جی واہ! عیسائیوں کا مزعومہ خدا' خدا نہ ہوا موم کی ناک ہوگیا! مسیح جتنے اقانیم اس میں تسلیم کرلیں گے اتنے اقانیم اس میں فی الواقع ہو بھی جائیں گے۔ سبحان تثلیث!

دہائی تثلیث کی! جن لوگوں کے ہاں کھاتے اس قدر کھلے ہوں کوئی کہاں تک ان کے ساتھ چل سکتا ہے؟ کہیں تو پائے ہمت توڑ کر بیٹھ ہی جائے گا۔

مانئے سرکار خدا میں جتنے اقانیم آپ کا جی چاہے!

کس میں جگرا ہے عیسائیوں کے تعاقب کا!

6-الٰہی بھید

تثلیث کے بیان میں اسے الٰہی بھید' سربستہ راز' سرِ ربانی اور بھید لکھا ملے گا۔ خدا کے بصورت مسیح انسانی جسم میں آنے کو بھی بھید کہا جاتا ہے۔

83ء میں 36 برس بعد مجھے اپنے متروکہ وطن جانے کی مسرت نصیب ہوئی۔ ہندوؤں کے گھروں سے دیوتاؤں کے بت اور خاص کر تصاویر بکثرت لگی ہوتی ہیں۔ میں ایک بچے کی گردن پر ہاتھی کا سر دیکھتا تو حیران رہ جاتا۔ اوم پرکاش کے گھر یہ تصویر دیکھ کر میں نے پوچھ ہی لیا یہ کیا ماجرا ہے؟ اس نے منہ نیچے کر کے کہا ہمارے مذہب کی سب باتیں سمجھ میں آنے والی نہیں ہوتیں۔ اس پر مجھے مجبوراً خاموشی کا زہر پینا پڑا۔

گزشتہ برس مردان جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں بھارت سے آئے ہوئے ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے برسبیل تذکرہ بتایا کہ خدا کی بیوی نہانے لگی تو اس کے جسم پر سے اتنی میل کچیل اتری کہ اس نے اس سے ایک پتلا بنایا اور دروازے پر کھڑا کردیا کہ کوئی اندر نہ آنے پائے۔ اتنے میں خدا آیا اور اندر جانے لگا تو اس پتلے نے خدا کو روکا۔ اس پر خدا نے غصہ میں آکر اس پتلے کی گردن کاٹ ڈالی اور اندر چلا گیا۔ خدانی نے پوچھا تم کیسے اندر آگئے؟ میں نے تو باہر دربان کھڑا کر رکھا تھا۔ خدا نے ماجرا بیان کیا تو خدانی نے چیخ ماری ہائے! وہ تو میرا بیٹا تھا۔ اس پر خدا باہر نکلا۔ سامنے ہاتھی جاتا نظر آیا۔

خدا نے اس کا سر کاٹ کر خدائی کے بیٹے کی گردن پر فٹ کر دیا۔ تو یہ بن گئے ہندوؤں کے گنیش دیوتا جی مہاراج!

ہاں! تو میں سمجھا کہ "بھید بازی" کا چکر بھی بت پرستوں میں چلتا ہے۔

اور بت پرستوں کی باتیں ہوتی بھی ایسی ہیں کہ ان کا اسرار' بھیدوں اور رازوں کا پردوں میں لپٹا رہنا ہی مناسب و موزوں ہوتا ہے۔

7- انکار و فرار

پروفیسر فشر بتاتے ہیں: "کلیسیائے انگلستان کا دعویٰ ہے کہ رومی کلیسیا اور مشرق کے قدیم بزرگوں نے ایمان کے معاملات میں غلطی کی ہے۔ عیسائی علماء کی کونسلوں سے متعلق بھی اس کی رائے یہی ہے۔" (صفحہ 423)

عیسائی بھائیوں کو اب غلطی پر اصرار نہیں کرنا چاہیے۔ امید ہے کہ وہ صدق دل سے حق و صداقت کو قبول کرنے میں سستی اور غفلت سے کام نہیں لیں گے۔ صبح کا بھولا ہوا اگر شام کو گھر واپس آجائے تو اسے بھولا ہوا نہیں کہتے۔

کینیڈا کے پادری رابرٹ بروس لکھتے ہیں: "بت پرستی نے ہمیشہ ثابت کیا ہے کہ توحید بگڑ کر کئی خدا ماننے کی پراگندگی میں مسخ ہوگئی۔" (A Lion Handbook: The World's Religions: 1982, p. 32, Col.1)

مسیح کا اللہ تعالیٰ ہونا قدیم وقتوں میں تو قابلِ تسلیم تھا۔ بت پرستی کے دور میں یہ عقیدہ برضا و رغبت مانا جاتا تھا۔ لیکن بیسویں صدی میں جبکہ حضرت انسان نے چاند کی مٹی بھی زمین پر ڈھو ماری ہے' یہ کون مانے گا کہ ایک شخص جو اپنی ماں کے ہاں پیدا ہوا۔ دنیا میں چلتا پھرتا' بستا رستا' اٹھتا بیٹھتا' کھاتا پیتا' سوتا' جاگتا' کام کاج کرتا تھا' بالآخر مر گیا۔ وہ خدا تھا۔

عیسائیوں کا مسیح کو خدا سمجھنا اور پوجنا خاصۂ قدیم بت پرستی ہے' جس کا میں نے بڑی ہمت سے کھوج نکالا ہے۔ اہلِ فن حضرات ضرور داد دیں گے!

"اب آئیں انسانی پوجا کے سوال پر غور کریں۔ پوجے جانے والے انسانوں کی بہترین مثالیں بادشاہ تھے۔ ہر فرعون مجسم خدا ہونے کا دعویدار تھا۔ مروجہ شاہی اصولوں کے مطابق وہ سورج دیوتا کی "شکل" یا "دوسری شخصیت" یا "روح" یا "زندہ ظہور" وغیرہ تھا۔ سورج دیوتا کی بہت روحوں والے عقیدہ کی رُو سے ایسا ماننا ممکن تھا۔

موت کے بعد فرعون کو ادسرس دیوتا کا ظہور قرار دیا جاتا۔ ایسا بھی ہوا کہ ایک مردہ بادشاہ کی اتنی پوجا کی گئی جو اسے زندگی میں بھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔

غیر معمولی قابلیت کے عام شہری بھی ولی سمجھ کر پوجے جاتے تھے۔ بعد ازاں انہیں دیوتا کا

درجہ مل جاتا تھا۔

یوں خدا سازی مصری دیو مالائیت (بت پرستی۔ اسلم) تک ہی محدود نہیں تھی۔ بھارت اور چین میں بھی یہی کچھ چلتا تھا۔"

بطور مثال صفحہ 260 پر تین انسانوں کی تصاویر ہیں جنہیں دیوتا مان لیا گیا تھا۔

(The Mythology of All Races, editor Luis Herbert Cray: 1918, Vol.12, p. 170)

صاحبو! مسیح تو پھر بھی بڑی شے تھا۔ رومی بادشاہ ہیڈریان کا معشوق لونڈا انتی نوس اچانک دریائے نیل میں گر کر مر گیا تو بادشاہ نے اس کے نام پر شہر بسا کر اسے اس شہر کا دیوتا قرار دے دیا تھا۔

(رسولوں کے نقش قدم پر، صفحہ 10)

عیسائی دوستو! ماننا نہ ماننا تمہاری مرضی! ویسے میں نے آپ لوگوں پر حق واضح کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ میرے اتمامِ حجت کر ڈالنے پر گواہ رہنا! واللہ الموفق۔

اب بھی بت پرستی سے باز نہ آؤ تو تمہیں پاک ثالوث ہی سمجھے۔

الوہیت مسیح اور تثلیث کے عقائد عقل سلیم کے منافی ہیں۔ "توحید محضہ' کی سادہ قدرتی اور الٰہی تعلیم آخر کار رنگ لائی اور ان عقائد کے خلاف عیسائیت کے اندر ہی اندر پکنے والا لاوا توحید پسندی کی قدرتی راہ سے اُبل پڑا۔

الوہیت مسیح کے خلاف سب سے پہلے 1835ء میں رینان نے کتاب لکھی۔

تثلیث کا اوّلین اور کھلم کھلا مخالف میکائل سرویٹس تھا۔ (فشر 226)

سب سے پہلے توحید پرست اٹلی سے اُٹھے۔ پہلا باقاعدہ مبلغ فاسٹس سوسی نس تھا۔ ان کے عقیدے کا مرکزی نقطہ الوہیت مسیح اور کفارہ سے انکار تھا۔ مسیح ایک ہادی (ہدایت دینے والا۔ استاد) اور شارع (شریعت دینے اور اس کی تبلیغ کرنے والا) تھا۔ (فشر 343,331)

بڈل جان پہلا توحید پرست انگریز تھا۔ اسے اپنی کتابوں میں تثلیث پر حملے کرنے کی پاداش میں جرمانے، جیل اور جلاوطنی کی سزائیں دی گئیں۔ 1652ء میں وطن واپسی پر اس نے اپنی تعلیمات کا از سر نو پرچار شروع کر دیا تو اسے جیل میں ڈال دیا گیا۔ وہیں اسے بخار چڑھا اور مر گیا۔"

(Pear's Encyclopaedia: 1961, p. 131)

آج کل توحید پرست اور تثلیث سے باغی عیسائی کثیر تعداد میں ہیں۔ یہوداہ وٹنس اور کرسٹیڈ لفین بائبل مشن انگلینڈ وغیرہ بہت سے فرقوں میں منقسم ہیں۔

1960ء کے دہے میں امریکہ میں ریڈیکل تھیولوجی نامی تحریک اٹھی تھی۔ اس کا مشن دہریت کی بنیادوں پر عیسائیت کی تعمیر نو ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ انسان بننے کے تجربہ میں خدا تو مر گیا تھا لیکن مسیح ناصری کی پیروی اب بھی ممکن ہے۔ **(The World Religions: p, 423,Col.2)**

نیویارک میں ایک رومن کیتھولک خاتون استاد 15 برس تک 7 سے 12 سال کی عمر کے بچوں کو پڑھاتی رہی۔ جماعت کے طلبہ کی تعداد 30 سے 35 تک ہوتی تھی۔ وہ تثلیث سمجھانے کی غرض سے تین پتیوں والی بوٹی کی شکل بناتی۔ پتیاں تین مختلف خدائی شخصیات کے لیے۔ ہر پتی بمنزلہ خدا جو سب مل کر خدا بناتی تھیں۔ وہ یہ سب کچھ بادلِ نخواستہ کیا کرتی تھی۔ اب وہ تثلیث کا بت پرستانہ عقیدہ چھوڑ گئی ہے۔ (اویک 22 جون 1992ء)

مسئلہ تثلیث فضول چیز ہے یا عیسائیت کی زندگی کے لیے بہت ضروری ہے؟ ان سوالات کے حل کے لیے برٹش کونسل آف چرچز نے 1983ء میں ایک کمیشن بٹھایا تھا۔ اس کی رپورٹ کی دو جلدیں 1989ء میں شائع ہوئی تھیں' تیسری جلد اب چھپی ہے جو اس کمیشن کو پیش کیے گئے کاغذات کے انتخاب پر مشتمل ہے۔ (The Forgotten Trinitty(CCBI/BCC CJ 15.95)

8- تثلیث اور قرآن مجید

سورۃ المائدہ آیت 116 سے عیسائی تثلیث کے تین خدا' مسیح اور مریم ظاہر ہیں' جبکہ عام عقیدہ خدا' مسیح اور روح القدس ماننے کا ہے۔

قرآن مجید کا واقعات سے واسطہ ہے۔ نزولِ قرآن مجید کے دنوں روح القدس کی خدائی ماند پڑ چکی تھی اور مریم طاہرہ کی خدائی پر زور دینے کا دور دورہ تھا۔ اس لیے اللہ پاک نے حسب ضرورت و موقع اس کی تردید فرمادی!

حالات کو سمجھنے کے لیے تھوڑا سا مطالعہ مفید رہے گا۔ فل مارشل لکھتے ہیں:

"تثلیث کے موضوع پر مسلمان بآسانی الجھن میں پڑ سکتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ محمد ﷺ کے زمانہ میں کچھ عیسائی مریم کو خدائی سرچشمہ (Godhead) کے ایک ممبر کی حیثیت سے عزت دیتے تھے۔ اُن دنوں بھی رومن کیتھولک عیسائی مریم کا رتبہ بڑھانے میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔"

(New Paths in Muslim Evangelism by Phil Marshal: 1986, p.76)

بغرضِ تصحیح گزارش ہے کہ اُن دنوں مریم کی خدائی کی حمایت کرنے والے زیادہ اور مخالفت کرنے والے "کچھ عیسائی" تھے۔ آج کل ان کی تعداد ایک لاکھ تین ہزار ہے' جو عراق' ایران' شام اور امریکہ میں بستی ہے۔ ان لوگوں کو مشرقی کلیسیا' شامی کلیسیا یا نستوری کلیسیا کہا جاتا ہے۔ گردشِ زمانہ کا اعجوبہ ہے کہ اُس دور میں نستوریوں کو بدعتی کہا جاتا تھا جبکہ آج وہی "بدعتی عقیدہ" عام عیسائی دنیا کا ہے۔

پادری صاحب لکھتے ہیں: "عرب میں بعض بدعتی فرقے مقدس مریم کو ملکہ آسمانی کہہ کر اس کو درجۂ الوہیت میں شامل کرتے ہیں۔"

(تفسیر قرآن حصہ اوّل از قلم پادری جے علی بخش مطبوعہ 1935ء ص 161)

استاد فانڈر نے لکھا:

''اس میں شک نہیں کہ حضرت محمد ﷺ کے ایام میں عیسائیوں میں عام لوگ بہت بے علم اور بڑی بڑی غلطیوں میں مبتلا تھے۔ مریم طاہرہ اور مقدس لوگوں کی پرستش کرتے تھے۔'' (میزان الحق مصنفہ پادری سی جی فانڈر ڈی ڈی ص 226)

صفحہ 284 پر وضاحت ہے:

''آخر کار قریباً 314ء میں شہنشاہ قسطنطین نے عیسائی مذہب کو قبول کیا' اگرچہ اس کا بپتسمہ کئی سال بعد ہوا۔ اس وقت عیسائی لوگوں نے ظلم وستم سے نجات پائی لیکن اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ بہت سے حقیقی دلی تبدیلی اور مناسب تعلیم کے بغیر کلیسیا میں شامل ہوگئے۔ ان میں بہت سے اپنے ساتھ بت پرستوں اور بے دینوں کے خیالات وعقائد کو لیتے آئے اور اس سے بتدریج دین میں بدعتیں پھیل گئیں۔ کتب مقدسہ کا مناسب اور ٹھیک طور سے مطالعہ نہیں ہوتا تھا (پادری صاحب خواہ مخواہ بھولے اور معصوم بنے جا رہے ہیں۔ ابھی اُن دنوں عیسائی عقائد وعبادات' تعلیمات اور مخصوص عیسائی کتب مقدسہ کی تشکیل' وضاحت اور نشاندہی نہیں ہوئی تھی۔ اسلم) ولی پرستی کی ترویج و اشاعت ہوگئی' بہتوں کی محبت ٹھنڈی ہوگئی اور دین نے روحانیت و پاکیزگی کو کھو کر ظاہر پرستی و ظاہر داری کی صورت اختیار کرلی۔ ریاکاری اور جھگڑے کی گرم بازاری ہوگئی اور بدعتیں بڑھ گئیں۔ خدا و انسان سے محبت رکھنے کے سلسلے میں یہ بہت سے بپتسمہ یافتہ غیر عیسائی ایک دوسرے سے نفرت کرنے اور بت اور رسموں کے بارے میں جھگڑنے بلکہ ایک دوسرے کو ستانے لگے' لہٰذا ان میں سے بہت سے مہلک گناہ میں مبتلا ہوگئے اور بہتوں نے مریم پرستی و بت پرستی کو جاری کردیا۔''

''رومن کیتھولک...... پجاریوں نے مریم کو آسمان میں خدا کے تخت پر بٹھا دیا ہے۔ اس کی طرف ایسی صفات منسوب کرتے ہیں اور اس کی اس طرح پوجا کرتے ہیں جس سے یہ امتیاز کرنا مشکل ہے کہ کنواری مریم حقیقی خدا نہیں ہے۔''

(The Teachings and Practices of the Church of Rome in India Examined by Rev.W.P. Hares, B.A. p.316)

حرفِ آخر

فل مارشل کٹر بنیاد پرست عیسائی ہیں۔ عیسائی و مسلم عقائد و عبادات کا موازنہ کر کے مسلمانوں کے اذہان میں عیسائی عقائد بٹھانے اور ٹھونسنے کا عزم لے کر انہوں نے ایک خوبصورت ضخیم کتاب لکھ ماری ہے۔ ہم تثلیث پر اپنے مختصر سے مقالہ کو ان کے الفاظ پر ختم کرتے ہیں:

''تثلیث: عیسائیوں کے ہاں یہ مسئلہ بڑا صاف اور سیدھا ہے۔ مسیح خدا ہے یا عیسائیت فریب ہے۔ ایک + ایک کا مجموعہ کبھی بھی ایک نہیں ہوسکتا۔ جب مسلمان جدا جدا فرائض والے تین خداؤں کو عیسائیوں کی حسابی' فلسفی اور اعتقاداتی توحید میں دیکھتے ہیں تو وہ ان کے بھولے پن پر حیران و

پریشان رہ جاتے ہیں۔" (ص 76)

"معاف فرمانا۔ ہر عیسائی بیانگ دہل توحید کا اعلان کرسکتا ہے' جب ایک یہودی عالم نے اس سے پوچھا کہ "سب حکموں میں اوّل کون سا ہے؟" (مرقس 28:13) تو مسیح نے بائبل کی کتاب استثناء 5،4:6 کا حوالہ دیا۔ "سن اے اسرائیل خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ تو اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری طاقت سے خداوند اپنے خدا سے محبت رکھ۔" اگر مسیح اتنی وضاحت سے توحید کا اقرار کرسکتا تھا تو ہم بھی ایسا کرسکتے ہیں اور کرنا چاہیے بھی۔" (ص 143)

واللہ الموفق تبارک وتعالیٰ

مسیح کے مر کر جی اٹھنے سے اسے خدا سمجھا جانے لگا۔ اپنی زندگی میں اس نے اپنے آپ کو ثابت کیا تھا کہ وہ خدا کا بیٹا تھا اور یہ کہ خدا اس کا باپ تھا۔ مسیح کے مر کر جی اٹھنے پر عیسائیوں نے معلوم کیا کہ خدا سارے کام بذریعہ مسیح کرتا تھا' اور مسیح بھی خدا کی حکمرانی میں شریک تھا۔ اُسے خدا کا بیٹا قرار دیا گیا جو انسانی شکل میں آسمان سے دُنیا میں اُترا تھا۔" اور پھر خدا کے ساتھ رہنے کو "اوپر چڑھ گیا۔" اس اعتقاد کے نتائج ایمان کو متزلزل کرنے والے تھے۔ یہودی اور دوسرے لوگ جو ایک خدا پر یقین رکھتے تھے وہ عیسائی دعویٰ قبول نہیں کرسکتے تھے۔ عیسائیوں نے بھی خدا کے بارے میں اپنے خیالات پر نظرثانی کی اور کہا کہ گو خدا ایک ہے باپ کے ساتھ بیٹا بھی ہے۔ ہر ایک فطرتاً خدا ہے۔ تاہم اس طرح کہ بیٹا باپ کا محتاج ہے۔ زمینی مسیح خدا کا بیٹا تھا' جس نے انسانی شکل میں تجسم اختیار کیا اور انسان بنا۔

(The World Religions: p. 351, Col.2)

عبدالوحید خان☆

عیسائیت کے بنیادی نظریات کا تجزیہ

عیسائیت کے جدید نظریات و عقائد کی اساس جن اصولوں پر ہے ان کو مختصراً اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے:

اولاً یہ کہ یسوع مسیح خدا کے بیٹے یا خداوند ہیں اور یہی عقیدۂ تثلیث، الوہیت مسیح اور جناب یسوع مسیح کو خدا کا بیٹا قرار دینے کی بنیاد ہے۔

ثانیاً یہ کہ جناب یسوع مسیح نے مصلوب ہو کر اپنے تمام پیروکاروں کے گناہوں کا کفارہ ادا کردیا اور تیسرے دن وہ پھر جی اٹھے۔ اسی سے یہ عقیدہ پیدا ہوا کہ انسان فطرتاً اور خلقی طور پر گناہ کا پتلا ہے اور کفارہ دیئے بغیر اس کی نجات ممکن نہیں۔

ثالثاً یہ کہ یسوع مسیح کو آسمانوں پر اُٹھالیا گیا اور رابعاً یہ کہ مسیح دوبارہ ظاہر ہوں گے۔

لیکن کیا ان عقائد کی اناجیل اربعہ سے بھی تائید ہوتی ہے۔ ہم اناجیل اربعہ کے حوالے ہی سے ان عقائد کی حقیقت واضح کریں گے اور یہ ثابت کریں گے کہ مذکورہ بالا تصورات کی بنیاد نہ تو اناجیل پر ہے نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال سے ان کی تائید ہوتی ہے۔

جدید عیسائی نظریات کی پہلی بنیاد

جدید نظریہ عیسائیت کا اصل الاصول اور اوّلین بنیاد یہ ہے کہ جناب یسوع مسیح خداوند اور خدا کے بیٹے تھے۔ عقیدہ تثلیث کی بنیاد بھی اسی تصور پر ہے کہ جناب یسوع مسیح کی ذات خداوند خدا، خدا کا بیٹا اور روح القدس تینوں کی مظہر ہے۔ چنانچہ پہلا سوال یہی پیدا ہوتا ہے کہ آیا بائبل سے یسوع مسیح کے خداوند خدا یا خدا کا بیٹا ہونے کی کوئی دلیل فراہم ہوتی ہے۔ عیسائیوں کا کہنا یہ ہے کہ یسوع مسیح کے خداوند خدا یا خدا کا بیٹا ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مسیح کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی۔ اس دلیل کو اثاناسیوی (1) مکتب فکر ذرا وضاحت کے ساتھ اس طرح پیش کرتا ہے:

"تثلیث کی بنیاد تین ذاتوں پر ہے باپ، بیٹا اور روح القدس۔ لیکن ان تینوں کی

اصل در حقیقت ایک ہی ہے' ان کی شان ایک ہی جیسی ہے اور ان کی بادشاہت کو یکساں دوام حاصل ہے۔ خداوند خدا ہی باپ ہے' خداوند خدا ہی بیٹا ہے اور خداوند خدا ہی روح القدس ہے۔ یہ تین الگ الگ خدا نہیں بلکہ خداوند خدا حقیقت میں ایک ہی ہے۔"

عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ بائبل میں عقیدۂ تثلیث کی تائید میں بے شمار شواہد موجود ہیں مثلاً:

"میں اور باپ ایک ہیں۔ یہودیوں نے اسے سنگسار کرنے کے لیے پتھر اٹھائے۔ یسوع نے انہیں جواب دیا کہ میں نے تم کو باپ کی طرف سے بہتیرے اچھے کام دکھائے ہیں۔ ان میں سے کس کام کے سبب مجھے سنگسار کرتے ہو؟ یہودیوں نے اسے جواب دیا کہ اچھے کام کے سبب سے نہیں بلکہ کفر کے سبب سے تجھے سنگسار کرتے ہیں۔ اور اس لیے کہ تو آدمی ہو کر اپنے آپ کو خدا بناتا ہے۔ یسوع نے انہیں جواب دیا۔ کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا ہے کہ "میں نے کہا تم خدا ہو؟" جب کہ اس نے انہیں خدا کہا جن کے پاس خدا کا کلام آیا۔ آیا تم اس شخص سے جسے باپ نے مقدس کر کے دنیا میں بھیجا' کہتے ہو کہ تو کفر بکتا ہے۔ اس لیے کہ میں نے کہا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں۔"

(یوحنا باب 10:30 تا 36)

بائبل کے ان اقوال یا اسی نوعیت کے دوسرے اقوال کو بالکل لفظی مفہوم میں لینا درست نہ ہوگا۔ یہ تمثیلی اور کنایاتی اندازِ بیان ہے۔ جس کی کئی تعبیریں ہو سکتی ہیں۔ بائبل میں متعدد اہلِ حق اور انبیاء کو خداوند خدا کا بیٹا کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔ مندرجہ ذیل اقتباسات سے اس حقیقت کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے:

"اور تو فرعون سے کہنا کہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پہلوٹھا ہے۔" (خروج باب 4-22)

"تم خداوند اپنے خدا کے فرزند ہو۔" (استثناء باب 14:1)

"خدا اپنے مقدس مکان میں یتیموں کا باپ اور بیواؤں کا دادرس ہے۔"

(زبور 68:5)

"وہی میرے نام کا ایک گھر بنائے گا اور میں اس کی سلطنت کا تخت ہمیشہ کے لیے قائم کروں گا اور میں اس کا باپ ہوں گا اور وہ میرا بیٹا ہوگا۔"

(سموئیل 2 باب 7:13-14)

"دیکھ! تجھ سے ایک بیٹا پیدا ہوگا۔ وہ مردِ صلح ہوگا اور میں اسے چاروں طرف کے سب دشمنوں سے امن بخشوں گا۔ کیونکہ سلیمان اس کا نام ہوگا اور میں اس

کے ایام میں اسرائیل کو امن و امان بخشوں گا وہی میرے نام کے لیے ایک گھر بنائے گا۔ وہ میرا بیٹا ہو گا اور میں اس کا باپ ہوں گا۔"

(تواریخ۔1 باب 10,9:22)

"مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے۔"

(متی 9:5)

"لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اپنے دشمن سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والوں کے لیے دعا کرو تا کہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے، بیٹے ٹھہرو۔"

(متی 45-44:5)

"اور زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہو کیونکہ تمہارا باپ ایک ہی ہے جو آسمانی ہے۔"

(متی 9:23)

"جس کا یہ ایمان ہے کہ یسوع ہی مسیح ہے، وہ خدا سے پیدا ہوا ہے اور جو کوئی والد سے محبت رکھتا ہے وہ اس کی اولاد سے بھی محبت رکھتا ہے۔"

(یوحنا کا پہلا خط 1:5)

"اور وہ انوس کا اور وہ سیت کا اور وہ آدم کا اور وہ خدا کا (بیٹا) تھا۔"

(لوقا 38:3)

"کیونکہ اسی میں ہم جیتے اور چلتے پھرتے اور موجود ہیں، جیسا تمہارے شاعروں میں سے بھی بعض نے کہا کہ ہم تو اس کی نسل بھی ہیں۔ پس خدا کی نسل ہو کر ہم کو یہ خیال کرنا مناسب نہیں......" (اعمال 29,28:17)

"اس لیے کہ جتنے خدا کے روح کی ہدایت سے چلتے ہیں، وہی خدا کے بیٹے ہیں۔" (رومیوں 14:8)

"روح خود ہماری روح کے ساتھ مل کر گواہی دیتا ہے کہ ہم خدا کے فرزند ہیں۔"

(رومیوں 16:8)

"اور نہ صرف اس قوم کے واسطے بلکہ اس واسطے بھی کہ خدا کے پراگندہ فرزندوں کو جمع کر کے ایک کر دے۔" (یوحنا 52:11)

"کیونکہ جن کو اس نے پہلے سے جانا ان کو پہلے سے مقرر بھی کیا کہ اس کے بیٹے کے ہم شکل ہوں تا کہ وہ بہت سے بھائیوں میں پہلوٹھا ٹھہرے۔" (رومیوں 29:8)

"کیا تم نہیں جانتے کہ تم خدا کا مقدس ہو اور خدا کا روح تم میں بسا ہوا ہے۔"

(1- کرنتھیوں 16:3)

"......اور تمہارا باپ ہوں گا اور تم میرے بیٹے بیٹیاں ہو گے۔"

(2- کرنتھیوں 18:6)

"...... اور جہاں ان سے یہ کہا جاتا تھا کہ تم میرے لوگ نہیں ہو' زندہ خدا کے فرزند کہلائیں گے۔" (ہوسیع 10:1)

"...... کیونکہ میں بنی اسرائیل کا باپ ہوں اور افرائیم میرا پہلوٹھا ہے۔"

(یرمیاہ 9:31)

ان اقتباسات سے روزِ روشن کی طرح یہ حقیقت عیاں ہوجاتی ہے کہ بائبل میں خدا کا بیٹا ایک ایسی اصطلاح ہے جو اظہارِ شفقت و محبت کے لیے استعمال ہوئی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ حقیقت ہر شک اور شبہ سے بالا ہے کہ وہ خدا کے محبوب پیغمبروں میں سے ایک تھے۔

زبور سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے بہت پہلے حضرت داؤد علیہ السلام کو اس پر محبت اندازِ تخاطب سے نوازا جا چکا تھا۔ زبور کے دوسرے باب کا ساتواں فقرہ ملاحظہ ہو:

"میں اس فرمان کو بیان کروں گا۔ خداوند نے مجھ سے کہا تو میرا بیٹا ہے۔ آج تو مجھ سے پیدا ہوا۔"

اسی طرح کتابِ خروج باب 4' فقرہ 22 میں اسرائیل کو خدا کا بیٹا کہا گیا اور کتابِ تواریخ 1' باب 22' فقرہ 10 میں حضرت سلیمانؑ کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ "خدا کا بیٹا" کی اصطلاح کا مفہوم اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس سے تقربِ خداوندی ظاہر کیا جائے۔ خود جنابِ یسوع مسیح نے فرمایا کہ ہر نیک اور رحم دل انسان خدا کا بیٹا ہے۔ ان کا قول ملاحظہ ہو:

"لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والوں کے لیے دعا کرو تاکہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے' بیٹے ٹھہرو۔"

(متی 45،44:5)

"مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے۔"

(متی 9:5)

ان اقوال کے بعد یسوع کے لیے خدا کے بیٹے کی اصطلاح کے حقیقی مفہوم کے بارے میں کوئی اشتباہ باقی نہیں رہتا۔ بائبل کے ان اقتباسات کی روشنی میں کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ یسوع کو بالکل لفظی اور لغوی مفہوم میں خدا کا بیٹا سمجھا جائے۔

بائبل سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت آدم کی پیدائش ماں باپ دونوں کے بغیر ہوئی تو کیا وہ خداوند خدا اور اس کے بیٹے سے مرتبے میں بلند قرار دیئے جاتے ہیں؟ اسی طرح بائبل میں ملک (2) صدق سالم کے بادشاہ کے بارے میں آتا ہے:

"یہ بے باپ بے ماں بے نسب نامہ ہے۔ نہ اس کی عمر کا شروع نہ زندگی کا آخر

بلکہ خدا کے مشابہ ٹھہرا۔" (عبرانیوں 7-3)

یہ شواہد اس دلیل کو باطل کر دینے کے لیے بالکل کافی ہیں کہ یسوع مسیح اس لیے خدا کے بیٹے تھے کہ وہ بن باپ کے پیدا ہوئے۔

بائبل اور دوسری کتب مقدسہ سے قطع نظر ہم برصغیر میں اس طرح کی متعدد مثالیں دیکھ سکتے ہیں کہ بیٹا یا اولاد استعارہ کے طور پر بھی بولا جاتا ہے مثلاً کسی کی بہادری کے اظہار کے لیے اسے شیر کا بچہ کہہ دیا جاتا ہے یا جیسے ہندوؤں میں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندان سورج اور چاند کی اولاد کہے جاتے تھے' لیکن اس کا مطلب کبھی یہ نہیں لیا گیا کہ کوئی شخص فی الواقع شیر کی اولاد ہے یا سورج اور چاند کی بھی کوئی اولاد ہو سکتی ہے۔

عیسائیت کے اس عقیدے کا ایک اور انوکھا پہلو یہ ہے کہ خداوند خدا کے بیٹے کو بھی خدا اور خدائی صفات کا پوری طرح حامل قرار دیا جاتا ہے حالانکہ یہ کبھی نہیں ہوا کہ کسی کو شیر کا بچہ کہا جائے تو لوگ یہ تلاش کرنے لگیں کہ اس کی دُم کدھر ہے کیونکہ شیر کے تو دُم بھی ہوتی ہے۔

بعض عیسائی حضرات یسوع مسیح سے خدا کے بیٹے کی حیثیت میں خدائی صفات و خصوصیات منسوب کرتے ہیں کیونکہ کہا جاتا ہے کہ وہ معجزے دکھاتے تھے۔ عیسائی مذہب میں معجزات کو فی الواقع بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ بعض دعوؤں کے لیے معجزوں کو نہ صرف دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مذہب عیسائیت کی اساس ہی بعض معجزات پر ہے مثلاً یسوع مسیح کا مرنے کے بعد جی اٹھنا۔ حضرت مسیح کے حالات زندگی میں جو اُن کے چار حواریوں کے حوالے سے سامنے آتے ہیں معجزات کو صرف دلیل ہی نہیں مذہبی فرائض' اخلاقی تعلیمات اور روحانی نشوونما کی اساس کی حیثیت دے دی گئی ہے۔ مردے قبروں سے اُٹھا کر کھڑے کیے جاتے ہیں۔ بیماروں کے ہجوم شفا پاتے ہیں' اندھوں کی بینائی واپس آ جاتی ہے' اپاہج چلنے لگتے ہیں' بہرے سننے لگتے ہیں' پانی شراب بن جاتا ہے' بد روحیں نکالی جاتی ہیں اور اسی طرح کے مافوق العادت کرشمے دکھائے جاتے ہیں۔

عیسائی مذہب کی تعلیمات میں کرامات پر اگرچہ بہت زور دیا جاتا ہے لیکن اگر درج ذیل دو حقائق پر غور کیا جائے تو ان کی اہمیت بہت کم رہ جاتی ہے۔ اولاً یہ کہ جس طرح کے معجزات اور کرامتیں جناب مسیح سے منسوب کی جاتی ہیں' اسی نوع کے مافوق العادت واقعات ان کے مخالفین سے بھی منسوب کیے جاتے ہیں اور خود جناب مسیح علیہ السلام کی زبان سے یہ کہلایا جاتا ہے کہ:

"اگر میں بعل زبول کی مدد سے بدروحوں کو نکالتا ہوں تو تمہارے بیٹے کس کی مدد سے نکالتے ہیں۔" (متی 12:27 لوقا 11:19)

انجیل کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فریسیوں کے پیروکار بھی اسی طرح کرامتیں دکھا سکتے تھے جس طرح جناب مسیح معجزے دکھاتے تھے۔ جناب مسیح کی زبان سے ایک اور قول سنیے:

"اس دن بہتیرے مجھ سے کہیں گے اے خداوند' اے خداوند' کیا ہم نے تیرے

نام سے نبوت نہیں کی اور تیرے نام سے بد روحوں کو نہیں نکالا اور تیرے نام سے بہت سے معجزے نہیں دکھائے۔" (متی 7:22)

حتیٰ کہ جھوٹے مسیح بھی مافوق العادت کرشمے دکھا سکتے تھے جیسا کہ جناب یسوع نے کہا:

"کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اُٹھ کھڑے ہوں گے اور ایسے بڑے نشان اور عجیب کام دکھائیں گے۔" (متی 24:24)

ان دنوں ایک چشمہ شفا بھی وہاں تھا جو بجائے خود ایک معجزہ تصور کیا جاتا تھا۔

"یروشلیم میں بھیڑ دروازہ کے پاس ایک حوض ہے جو عبرانی میں بیت حسدا کہلاتا ہے اور اس کے پانچ برآمدے ہیں۔ ان میں بہت سے بیمار اور اندھے اور لنگڑے اور پژمردہ لوگ جو پانی کے ہلنے کے منتظر ہو کر پڑے تھے۔ کیونکہ وقت پر خداوند کا فرشتہ حوض پر اُتر کر پانی ہلایا کرتا تھا۔ پانی ہلتے ہی جو کوئی پہلے اترتا سو شفا پاتا۔" (یوحنا 5:2-4)

اگر اس زمانے میں مافوق العادت کرشمے اتنے عام تھے کہ فریسیوں کے شاگرد اور جھوٹے نبی اور خود ساختہ مسیح اس طرح کے 'معجزے' دکھا سکتے تھے جیسے معجزے "خدا کا بیٹا" دکھاتا تھا اور اگر اس دور میں ایک ایسا معجزہ معجز نما حوض تھا جیسا مندرجہ بالا حوالے میں بیان کیا گیا ہے تو جناب مسیح کے معجزات میں ایسا انوکھا پن باقی نہیں رہ جاتا کہ اسے ان کے نبی ہونے کی دلیل کے بجائے خدا کا بیٹا بلکہ خداوند خدا قرار دینے کی بنیاد بنایا جائے۔

ایک اور پہلو سے بھی اگر غور کیا جائے تو مافوق العادت واقعات ہی کو عقیدہ و مذہب کی اساس و بنیاد بنا لینا اس عقیدے کی حقانیت اور عقل و دلیل کی کسوٹی پر اس کے پورا اُترنے کی ضمانت نہیں بنتا۔ پیغمبر کی زندگی میں معجزات کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جن لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اسے بھیجا گیا ہے، وہ اگر عقل اور دلیل کی بات سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تو ان معجزات کو دیکھ کر ہی وہ یہ محسوس کر لیں کہ جو شخص انہیں باپ دادا کے طریقوں سے ہٹ کر ایک نیا اور مختلف راستہ اور طریقہ بتا رہا ہے وہ عام انسانوں سے مختلف' اُن سے بلند و برتر اور کچھ مافوق العادت خصوصیات کا حامل ہے۔ خدا کے رسول اور نبی دنیا میں اس لیے آئے کہ وہ لوگوں کو ان کے اصل منصب و مقام سے رُوشناس کرائیں۔ انہیں ہزاروں آستانوں پر سر جھکانے اور لاتعداد معبودوں کی اطاعت و بندگی میں سرگرداں ہونے کے بجائے ایک خدا اور اپنے اصل مالک خالق حاکم اور پروردگار کو پہچاننے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرنے کی دعوت دیں۔ ان انبیاء کا سارا زور اسی حقیقت کو منوانے پر صرف ہوا اور انہوں نے ہر دور میں ابن آدم کو اسی ایک عظیم سچائی کی تعلیم و تلقین کی' لیکن اناجیل اربعہ میں جناب مسیح کی اصل دعوت کو اُبھارنے اور لوگوں کو ان کی تعلیمات کی طرف متوجہ کرنے کے بجائے سارا زور ان کے معجزوں کو بیان کرنے پر صرف کیا گیا ہے۔ حالانکہ معجزات سے نبی کی مافوق العادت خصوصیات اور اس بنا پر اس کی غیر

معمولی اور امتیازی حیثیت کا اندازہ تو ضرور ہوتا ہے لیکن یہ معجزات نبی کے پیروکاروں کی سیرت و کردار کی تعمیر کی اساس و بنیاد نہیں بنتے۔ ثانیاً ان سے نبی کا خدا کا برگزیدہ بندہ ہونا تو ثابت ہوتا ہے' الوہیت یا ابنیت کی بنیاد فراہم نہیں ہوتی۔

اس بات میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ جناب یسوع مسیح بالعموم امثال کی زبان میں بات کرتے تھے اور استعارہ وکنایہ ے کام لیتے تھے۔ مثلاً متی کی انجیل میں آتا ہے کہ:

''یسوع مسیح نے اس سے کہا...... مردوں کو اپنے مردے دفن کرنے دے۔''

(متی 22:8)

یا یوحنا کی انجیل میں یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ:

''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ وقت آتا ہے بلکہ ابھی ہے کہ مردے خدا کے بیٹے کی آواز سنیں گے...... وہ وقت آتا ہے کہ جتنے قبروں میں ہیں' اس کی آواز سن کر نکلیں گے۔'' (یوحنا 5:25-29)

یہی اسلوب بیان ہے جس نے اناجیل اربعہ کی زبان میں ادب کی چاشنی اور بیان میں زور پیدا کیا ہے:

''اور مقدس کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا اور زمین لرزی اور چٹانیں تڑق گئیں اور قبریں کھل گئیں اور بہت سے جسم ان مقدسوں کے جو سو گئے تھے' جی اٹھے۔ اور اس کے جی اٹھنے کے بعد قبروں سے نکل کر مقدس شہر میں گئے اور بہتوں کو دکھائی دیئے۔'' (متی 27:51-53)

اس امر سے قطع نظر کہ یسوع مسیح خدا کے بیٹے تھے یا نہیں' اصل سوال یہ ہے کہ کیا جناب یسوع مسیح خدا ہیں؟ یہ سوال عیسائیت کے دوسرے عقیدے سے تعلق رکھتا ہے کہ جناب یسوع مسیح الوہیت کے مظہر بلکہ زیادہ واضح الفاظ میں خدا تھے۔ نکائی مسلک یہ ہے:

''میں ایک خدا' خداوند خدا یسوع مسیح پر ایمان رکھتا ہوں جو خداوند خدا کا اکلوتا بیٹا ہے جو روزِ ازل اپنے باپ سے پیدا ہوا۔ خداوند خدا' نور کا نور' سچے خدا کا سچا خدا۔ جو جنا گیا' بنایا نہیں گیا اور جو اپنے باپ ہی کی ذات ہے۔''

عیسائی چاہے وہ کیتھولک ہوں یا پروٹسٹنٹ' دونوں کا عقیدہ یہی ہے کہ جناب یسوع ازل سے خدا تھے اور تثلیث کے دوسرے رکن تھے۔ دو ہزار سال قبل انہوں نے انسانی پیکر میں ظاہر ہونے کا فیصلہ کیا اور کنواری مریم کے بطن سے پیدا ہوئے۔

اس عقیدے کی جناب یسوع مسیح کے ارشادات واقوال سے کوئی تائید نہیں ہوتی۔ حقیقت اس کے برعکس یہ ہے کہ جناب یسوع مسیح نے اپنی الوہیت سے قطعاً انکار کیا اور اس عقیدہ کی پرزور تردید کی۔ ان کے اپنے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

''تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے؟ کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا۔'' (مرقس 10:18)

خدا کے بارے میں جنابِ یسوع مسیح نے یوں کہا:

"اپنے باپ اور تمہارے باپ اور اپنے خدا اور تمہارے خدا۔" (یوحنا20:17)

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کے ساتھ جنابِ یسوع مسیح کے تعلق کی بعینہٖ وہی نوعیت تھی جو کسی بھی بشر کی ہو سکتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ بھی خدا کے بندے اور اس کی تخلیق تھے۔ انجیل کے مطابق یسوع مسیح علیہ السلام صلیب پر جانکنی کے عالم میں پکار اٹھے:

"الوہی۔ الوہی۔ لما سبقتنی (اے میرے خدا۔ اے میرے خدا۔ تو نے کیوں مجھے چھوڑ دیا؟" (مرقس 15:34)

غور کا مقام ہے کہ کیا یہ الفاظ خدا کی زبان سے ادا ہو سکتے ہیں۔ یہ تو واضح طور پر ایک مضطرب اور بے بس انسان کی اپنے آقا اور اپنے خالق سے فریاد ہے۔

حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ جنابِ یسوع مسیح نے صرف نبی اور پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا اور ارشادات و اقوالِ مسیح سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے رسول اور پیغمبر سے زیادہ کوئی حیثیت اور کوئی مقام نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے انہیں کتابِ ہدایت عطا فرمائی۔ حسب ذیل الفاظ میں جناب یسوع مسیح خود اسی حقیقت کی تصدیق کرتے ہیں:

"یسوع نے ان سے کہا اگر تم ابرہام کے فرزند ہوتے تو ابرہام کے سے کام کرتے لیکن اب تم مجھ جیسے شخص کے قتل کی کوشش میں ہو جس نے تم کو وہی حق کی بات بتائی جو خدا سے سنی ابرہام نے کہا یہ ہی نہیں کیا تھا۔"

(یوحنا8:39-40)

"جو کوئی میرے نام پر ایسے بچوں میں سے ایک کو قبول کرتا ہے وہ مجھے قبول کرتا ہے اور جو کوئی مجھے قبول کرتا ہے وہ مجھے نہیں بلکہ اسے جس نے مجھے بھیجا ہے قبول کرتا ہے۔" (مرقس 9:37)

"اس نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔" (متی 15:24)

"اگر تم میرے حکموں پر عمل کرو گے تو میری محبت میں قائم رہو گے جیسے میں نے اپنے باپ کے حکموں پر عمل کیا ہے اور اس کی محبت میں قائم ہوں۔"

(یوحنا15:10)

"جو تم کو قبول کرتا ہے وہ مجھے قبول کرتا ہے اور جو مجھے قبول کرتا ہے وہ مجھے (میرے) بھیجنے والے کو قبول کرتا ہے۔" (متی 10:40)

"میں نے کچھ اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ باپ، جس نے مجھے بھیجا، اسی نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ کیا کہوں اور کیا بولوں۔" (یوحنا12:49)

خدا کا ادراک اس کی صفات کے ذریعہ ہی ممکن ہے اگر یہ حقیقت پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے کہ جناب یسوع الوہی صفات کے مالک تھے تو ان کی الوہیت کو تسلیم کرنے کا جواز پیدا ہوسکتا ہے لیکن اگر حقیقت اس کے برعکس نکلے اور جناب یسوع الوہی صفات سے متصف نظر نہ آئیں تو الوہیت مسیح کا دعویٰ بھی بے حقیقت بلکہ حقیقت کے منافی ہوگا۔

اب ذرا الوہی صفات وخصوصیات اور جناب یسوع کے اعمال وخصوصیات کا موازنہ کیجئے:

1- دعا والتجا اور تضرع وزاری خدا کو زیب نہیں دیتی۔ یہ انسان ہی کا تقاضائے بندگی ہے کہ وہ منت سماجت اور عاجزی سے اپنی حاجات طلب کرے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں کی دعاؤں کو سنتا اور انہیں شرف قبولیت بخشتا ہے۔ کتاب الامثال میں آتا ہے:

"خداوند شریروں سے دُور ہے پر وہ صادقوں کی دعا سنتا ہے۔" (امثال 16:29)

اس کے برعکس جنابِ یسوع کی یہ خصوصیت سامنے آتی ہے کہ:

"مگر وہ جنگلوں میں الگ جا کر دعا کیا کرتا تھا۔" (لوقا 5:16)

"پھر وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہو کر اور بھی دلسوزی سے دعا کرنے لگا۔" (لوقا 22:44)

"اس وقت یسوع ان کے ساتھ گتسمنی نام ایک جگہ میں آیا اور اپنے شاگردوں سے کہا یہیں بیٹھے رہنا جب تک کہ میں وہاں جا کر دعا کروں۔" (متی 26-36)

"اس نے اپنی بشریت کے دنوں میں زور زور سے پکار کر اور آنسو بہا بہا کر اس سے دعائیں اور التجائیں کیں، جو اس کو موت سے بچا سکتا تھا اور خدا ترسی کے سبب سے اس کی سنی گئی۔" (عبرانیوں 5:7)

اگر جنابِ مسیح خود ہی خدا تھے تو وہ التجائیں کس سے کر رہے تھے؟ کس کے سامنے وہ عاجزی سے دعائیں کر رہے تھے؟ کیا اوپر کے ان حوالوں سے یہ واضح طور پر ثابت نہیں ہو جاتا کہ الوہیت مسیح کے عقیدے کی کوئی بنیاد اور کوئی حقیقت موجود نہیں ہے؟

2- خدا کی صفت یہ ہے کہ وہ قادرِ مطلق ہے۔ انجیل میں آتا ہے:

"......اور میں تمہارا باپ ہوں گا اور تم میرے بیٹے بیٹیاں ہو گے۔ یہ خداوند قادرِ مطلق کا قول ہے۔" (کورنتھیوں 6:18)

جنابِ یسوع قادرِ مطلق نہیں تھے اور بائبل کے مندرجہ ذیل حوالوں سے اس تصورِ الوہیت اور قدرتِ مطلقہ کی مکمل نفی ہو جاتی ہے جو جنابِ یسوع علیہ السلام سے منسوب کیا جاتا ہے۔

"میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کر سکتا۔ جب سنتا ہوں عدالت کرتا ہوں اور میری عدالت راست ہے کیونکہ میں اپنی مرضی نہیں اپنے بھیجنے والے کی مرضی چاہتا ہوں۔" (یوحنا 5:30)

"اور وہ کوئی معجزہ وہاں نہ دکھا سکا۔ صرف تھوڑے سے بیماروں پر ہاتھ رکھ کر انہیں اچھا کر دیا۔" (مرقس 5:6)

"ہیرودیس یسوع کو دیکھ کر بہت خوش ہوا کیونکہ وہ مدت سے اسے دیکھنے کا مشتاق تھا' اس لیے کہ اس نے اس کا حال سنا تھا اور اس کا کوئی معجزہ دیکھنے کا امیدوار تھا۔ اور وہ اس سے بہتیری باتیں پوچھتا رہا مگر اس نے اسے کچھ جواب نہ دیا۔" (لوقا 23:8-9)

3- خدا کی صفت یہ بھی ہے کہ وہ علیم و خبیر ہے۔ وہ غیب و حضور ہر چیز سے باخبر ہے اور کوئی شے اس کے علم و اطلاع سے باہر نہیں۔

"فقط تو ہی سب بنی آدم کے دلوں کو جانتا ہے۔" (3) (1- سلاطین 8-39)

انجیل خود اس حقیقت پر شاہد ہے کہ اس الوہی صفت کے مقابلے میں جنابِ یسوع کو ایسی کوئی قوت و خصوصیت حاصل نہیں۔

"لیکن اس دن یا اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا' نہ آسمان کے فرشتے' نہ بیٹا مگر باپ۔" (مرقس 13-32)

"اور جب صبح کو پھر شہر کو جا رہا تھا' اسے بھوک لگی اور راہ کے کنارے انجیر کا ایک درخت دیکھ کر اس کے پاس گیا اور پتوں کے سوا اس میں کچھ نہ پا کر اس سے کہا کہ "آئندہ تجھ میں کبھی پھل نہ لگے" اور انجیر کا درخت اسی دم سوکھ گیا۔" (متی 21:18-19)

"اس کے پیچھے آ کر اس کی پوشاک کا کونہ چھوا۔ اور اُسی دم اس کا خون بہنا بند ہو گیا۔ اس پر یسوع نے کہا وہ کون ہے جس نے مجھے چھوا۔ جب سب انکار کرنے لگے تو پطرس اور اس کے ساتھیوں نے کہا اے صاحب' لوگ تجھے دباتے اور تجھ پر گرے پڑتے ہیں۔" (لوقا 8:44-45)

"میں آسمان کی بادشاہی کی کنجیاں تجھے دوں گا اور جو کچھ تو زمین پر باندھے گا' وہ آسمان پر بندھے گا اور جو کچھ تو زمین پر کھولے گا وہ آسمان پر کھلے گا۔"

(متی 16:19)

"اس نے پھر کر پطرس سے کہا۔ اے شیطان میرے سامنے سے دُور ہو۔ تو میرے لیے ٹھوکر کا باعث ہے کیونکہ تو خدا کی باتوں کا نہیں بلکہ آدمیوں کی باتوں کا خیال رکھتا ہے۔" (متی 16:23)

یہودا جناب یسوع کے بارہ شاگردوں میں سے ایک تھا۔ اس نے جناب یسوع سے غداری کی اور پھر تائب ہوا۔ لیکن جناب یسوع یہودا سمیت اپنے بارہ شاگردوں کو اس طرح مخاطب کرتے ہیں:

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب ابن آدم نئی پیدائش میں اپنے جلال کے تخت
پر بیٹھے گا تو تم بھی جو میرے پیچھے ہو لیے ہو بارہ تختوں پر بیٹھ کر اسرائیل کے
بارہ قبیلوں کا انصاف کرو گے۔" (متی 28:19)

اس سے ظاہر ہے کہ جناب یسوع خدا کی طرح علیم وخبیر اور غائب و حاضر سے آگاہ نہیں۔ وہ تو بعض ایسے بدیہی حقائق سے بھی بے خبر تھے کہ انجیر کو کب پھل لگتا ہے پس ثابت ہوا کہ جناب یسوع علیہ السلام کو خدا ماننا یا خدائی صفات سے متصف کرنا صریحاً غلط ہے۔

4- خدا کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ اس کی ذات ازلی و ابدی ہے اسے کبھی موت نہیں آسکتی۔ بقولِ انجیل:

"بقا صرف اسی کو ہے۔" (1- تیمتھیس 16:6)

اس کے برعکس جناب یسوع کے بارے میں عیسائیوں ہی کا یہ عقیدہ ہے کہ انہوں نے وفات پائی۔ چنانچہ اس پہلو سے بھی الوہیت مسیح کا عقیدہ باطل قرار پاتا ہے اور جناب یسوع اس خدائی صفت سے بھی بہرہ ورنظر نہیں آتے۔

5- انجیل کی رُو سے خدا وہ ہے جو انسانیت کا نجات دہندہ ہے اور انہیں تباہی و بربادی سے بچاتا ہے۔ جناب داؤد کے الفاظ میں:

"صادق کی مصیبتیں بہت ہیں لیکن خداوند اس کو ان سب سے رہائی بخشتا ہے۔"
(زبور 19:34)

جناب مسیح لوگوں کو مصائب سے نجات دلانے پر قادر نہیں تھے بلکہ خود مصائب میں خداوند خدا سے مدد و دستگیری کی التجا کرتے تھے۔

"اب میری جان گھبراتی ہے۔ پس میں کیا کہوں؟ اے باپ مجھے اس گھڑی سے
بچا۔" (یوحنا 27:12)

اس حوالے کی روشنی میں کس طرح جناب مسیح کو خدائی طاقت و اختیارات کا حامل تصور کیا جاسکتا ہے؟

6- خدا کی صفت یہ بھی ہے کہ وہ ہر خوف سے بالا اور پاک ہے لیکن جناب یسوع میں یہ صفت بھی نہیں پائی جاتی کیونکہ انجیل کے مطابق وہ یہودیوں سے سخت مرعوب و خوفزدہ ہو گئے تھے۔

ملاحظہ ہو:

"پس وہ اُسی روز سے اسے قتل کرنے کا مشورہ کرنے لگے۔ پس اس وقت سے
یسوع یہودیوں میں علانیہ نہیں پھرا بلکہ وہاں سے جنگل کے نزدیک کے علاقے
میں افرائیم نامی ایک شہر کو چلا گیا اور اپنے شاگردوں کے ساتھ وہیں رہنے لگا۔"
(یوحنا 11:53-54)

''اس وقت اس نے شاگردوں کو حکم دیا کہ کسی کو نہ بتانا کہ میں مسیح ہوں۔''

(متی 16:20)

''لیکن جب اس کے بھائی عید میں چلے گئے' اس وقت وہ بھی گیا' ظاہراً نہیں بلکہ پوشیدہ۔'' (یوحنا 7:10)

سوچنے کی بات ہے کہ ایک خوفزدہ اور مرعوب انسان کو خدا کس طرح مانا جاسکتا ہے؟

7- خدا کی فرمانروائی زمین و آسمان میں ہر جگہ ہے۔ اسی کی مرضی اور اسی کا حکم ہر جگہ چلتا ہے اور اس کی مشیت کو نہ تو ٹالا جاسکتا ہے نہ اس کی گرفت سے گریز و فرار ہی ممکن ہے۔

ہم میں سے کون اس حقیقت سے انکار کرسکتا ہے کہ ان میں سے کسی بھی طاقت اور کسی بھی اختیار و اقتدار کا جناب یسوع علیہ السلام پر اطلاق نہیں ہوسکتا۔ خود انجیل سے شواہد ملاحظہ ہوں:

''اُس نے ان سے کہا میرا پیالہ تو پیو گے لیکن اپنے داہنے بائیں کسی کو بٹھانا میرا کام نہیں مگر جن کے لیے میرے باپ کی طرف سے تیار کیا گیا' ان ہی کے لیے ہے۔'' (متی 20:23)

''پھر ذرا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یوں دعا کی کہ اے میرے باپ اگر ہوسکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے تو بھی نہ جیسا میں چاہتا ہوں بلکہ جیسا تو چاہتا ہے ویسا ہی ہو۔'' (متی 26:39)

8- خدا اپنی تمام مخلوق سے برتر و بالا ہے اور کوئی بھی اسے کسی اچھائی یا برائی پر آمادہ نہیں کرسکتا۔ انجیل کے مطابق:

''جب کوئی آزمایا (4) جائے تو یہ نہ کہے کہ میری آزمائش خدا کی طرف سے ہوتی ہے' کیونکہ نہ تو خدا بدی سے آزمایا جاسکتا ہے اور نہ وہ کسی کو آزماتا ہے۔''

(یعقوب 1:13)

لیکن جناب یسوع کے بارے میں انجیل کا کہنا یہ ہے کہ ایک دو دن نہیں بلکہ پورے چالیس دن مسلسل شیطان نے جناب یسوع علیہ السلام کو برائی کی طرف راغب کرنے کی کوشش کی اور جس طرف شیطان انہیں لے گیا وہ اس کے پیچھے گئے:

''پھر یسوع روح القدس سے بھرا ہوا یردن سے لوٹا اور چالیس دن تک روح کی ہدایت سے بیابان میں پھرتا رہا اور ابلیس اُسے آزماتا رہا۔ اُن دنوں میں اُس نے کچھ نہ کھایا اور جب وہ دن پورے ہوگئے تو اسے بھوک لگی اور ابلیس نے اس سے کہا اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو اس پتھر سے کہہ کہ روٹی بن جائے۔ یسوع نے اس کو جواب دیا۔ لکھا ہے کہ آدمی صرف روٹی ہی سے جیتا نہ رہے گا۔ اور ابلیس نے اسے اونچے پہاڑ پر لے جا کر دنیا کی سب سلطنتیں پل بھر میں دکھائیں۔ اور

اس سے کہا کہ یہ سارا اختیار اور ان کی شان و شوکت میں تجھے دے دوں گا کیونکہ یہ میرے سپرد ہے اور جس کو چاہتا ہوں دیتا ہوں۔ پس اگر تو میرے آگے سجدہ کرے تو یہ سب تیرا ہوگا۔ یسوع نے جواب میں اس سے کہا' لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔ اور وہ اسے یروشلیم میں لے گیا اور ہیکل کے کنگرے پر کھڑا کر کے اس سے کہا اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو اپنے تیئں یہاں سے نیچے گرا دے۔ کیونکہ لکھا ہے کہ "وہ تیری بابت اپنے فرشتوں کو حکم دے گا کہ تیری حفاظت کریں۔" اور یہ بھی کہ "وہ تجھے ہاتھوں پر اٹھالیں گے' مبادا تیرے پاؤں کو پتھر سے ٹھیس لگے۔ یسوع نے جواب میں اس سے کہا۔ فرمایا گیا ہے کہ "تو خداوند اپنے خدا کی آزمائش نہ کر۔" جب ابلیس تمام آزمائشیں کر چکا تو کچھ عرصے کے لیے اس سے جدا ہوا۔ (لوقا 13,1:4)

9- بائبل میں آتا ہے:

"خداوند کا شکر کرو اس لیے کہ وہ نیک ہے۔ کیونکہ اس کی شفقت ابدی ہے۔"

(1- تواریخ 34:16)

انجیل میں یہ بھی آتا ہے کہ جناب یسوع نے اپنے آپ کو نیک کہلانا بھی پسند نہ کیا:

"یسوع نے اس سے کہا تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے؟ کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا۔" (مرقس 18:10)

کیا یہ قول خود اس حقیقت کی سب سے بڑی دلیل نہیں کہ جناب یسوع علیہ السلام خدا نہیں تھے؟

10- خدا کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ نہ کبھی سوتا ہے' نہ اسے اونگھ آتی ہے۔ زبور کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"وہ تیرے پاؤں کو پھسلنے نہیں دے گا۔ تیرا محافظ اونگھنے کا نہیں۔ دیکھ اسرائیل کا محافظ نہ اونگھے گا نہ سوئے گا۔" (زبور 4,3:121)

لیکن جناب یسوع کے بارے میں انجیل کا کہنا ہے کہ وہ نہ صرف سوتے تھے بلکہ سمندر میں نہایت پرشور طوفان کے دوران بھی وہ سوئے رہے اور ان کے ساتھیوں نے انہیں نیند سے جگایا:

"تب بڑی آندھی چلی اور لہریں کشتی پر یہاں تک آئیں کہ کشتی پانی سے بھری جاتی تھی اور وہ خود پیچھے کی طرف گدی پر سو رہا تھا۔ پس انہوں نے اسے جگا کر کہا "اے اُستاد کیا تجھے فکر نہیں کہ ہم ہلاک ہوئے جاتے ہیں۔"

(مرقس 4:37-38)

11- خدا حی و قیوم ہے۔ اسے ہر چیز پر قدرت حاصل ہے لیکن اس پر کسی کو قدرت حاصل نہیں۔ اُسے نہ کسی نے پیدا کیا اور نہ کوئی اسے مار سکتا ہے۔ لیکن جناب یسوع کے بارے میں انجیل کا

کہنا ہے کہ انہیں صلیب پر چڑھایا گیا۔

"ہمارے باپ دادا(5) کے خدا نے یسوع کو جلایا جسے تم نے صلیب پر لٹکا کر مار ڈالا تھا۔" (اعمال 30:5)

جناب یسوع کو اگر مصلوب کر دیا گیا تو انہیں خدا کس بنیاد پر قرار دیا جاتا ہے؟ کیا خدا کو نعوذ باللہ مارا جاسکتا ہے؟

12- خدا سب سے بڑا ہے' اس سے بڑا کوئی نہیں لیکن یسوع کے اپنے الفاظ انجیل میں اس طرح آتے ہیں:

"تم سن چکے ہو کہ میں نے تم سے کہا کہ جاتا ہوں اور تمہارے پاس پھر آتا ہوں۔ اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو اس بات سے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں' خوش ہوتے کیونکہ باپ مجھ سے بڑا ہے۔" (یوحنا 28:14)

"اور جس نے مجھے بھیجا وہ میرے ساتھ ہے اس نے مجھے اکیلا نہیں چھوڑا کیونکہ میں ہمیشہ وہی کام کرتا ہوں جو اُسے پسند آتے ہیں۔" (یوحنا 29:8)

پولوس کرنتھیوں کے نام اپنے پہلے خط میں لکھتا ہے:

"پس میں تمہیں آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہر مرد کا سر مسیح اور ہر عورت کا سر مرد(6) اور مسیح کا سر خدا ہے۔" (1- کرنتھیوں 3:11)

یہاں واضح طور پر جناب مسیح کو خدا کے بندے اور مطیع فرمان کی حیثیت دی گئی ہے۔ پھر انہیں خدا قرار دینا کیا معنی رکھتا ہے:

13- مردے کو زندہ کرنا خدا کی صفت بیان کی گئی ہے۔ پولوس کا قول ہے:

"بلکہ اپنے اوپر موت کے حکم کا یقین کر چکے تھے تا کہ اپنا بھروسہ نہ رکھیں بلکہ خدا کا جو مردوں کو جلاتا ہے۔" (2- کرنتھیوں 9:1)

جناب یسوع کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ مردوں کو جلانے کے بجائے خود ہی موت سے دو چار ہوئے اور پھر خدا نے انہیں دوبارہ زندگی عطا کی:

"خدا نے یسوع کو جلا کر ہماری اولاد کے لیے اسی وعدہ کو پورا کیا۔ چنانچہ دوسرے مزمور میں لکھا ہے کہ تو میرا بیٹا ہے آج تو مجھ سے پیدا ہوا۔" (اعمال 33:13)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب یسوع خدا کے نیک بندے تھے' خدا نہیں تھے۔ خدا نے ان کو اپنی بہترین رحمتوں کے لیے چن لیا اور بنی اسرائیل کے لیے انہیں معیارِ کمال اور خیر مجسم بنا دیا۔

14- خدا کی ذات یکتا اور بے مثل ہے۔ نہ اس جیسا کوئی اور ہے نہ اس کی صفات' اس کے اختیارات اور اس کی خدائی میں کوئی اس کا شریک و سہیم ہے۔ اس کے برعکس جناب یسوع ایک بشر تھے

پیدائش سے قبل رحم مادر میں عام انسانوں کی طرح ایک جنین کی صورت میں ان کا استقرار ہوا۔ انجیل کا بیان ہے کہ:

"اور وہ لڑکا بڑھتا اور قوت پاتا گیا اور حکمت سے معمور ہوتا گیا اور خدا کا فضل اُس پر تھا۔" (لوقا 40:2)

"ابن آدم کھاتا پیتا آیا اور وہ کہتے ہیں کہ دیکھو کھاؤ اور شرابی آدمی...... محصول لینے والوں اور گناہ گاروں کا یار...... مگر حکمت اپنے کاموں سے راست ثابت ہوئی۔" (متی 19:11)

"یسوع نے اس سے کہا کہ لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے۔ مگر ابن آدم کے لیے سر دھرنے کی بھی جگہ نہیں۔" (لوقا 58:9)

"اور اگر کوئی تم سے کچھ کہے تو کہنا کہ خداوند کو ان کی ضرورت ہے۔ وہ فی الفور انہیں بھیج دے گا۔" (متی 3:21)

"اور ان سے کہا' میری جان نہایت غمگین ہے یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی ہے۔ تم یہاں ٹھہرو اور جاگتے رہو۔" (مرقس 34:14)

"جب یسوع نے اسے اور ان یہودیوں کو جو اس کے ساتھ آئے تھے' روتے دیکھا تو دل میں نہایت رنجیدہ ہوا اور گھبرا کر کہا "تم نے اسے کہاں رکھا ہے؟" انہوں نے کہا "اے خداوند! چل کر دیکھ لے۔ یسوع کے آنسو بہنے لگے۔"

(یوحنا 11:33-35)

ان حوالوں سے خود انجیل کی روشنی میں یہ حقیقت ثابت ہو جاتی ہے کہ جناب یسوع بشر تھے اور بشریت کے تقاضوں سے آزاد نہیں تھے۔ عیسائی عقیدہ کے مطابق دشمنوں نے انہیں میخیں ٹھونک کر مصلوب کر دیا۔

اب ان حقائق کی روشنی میں بجاطور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک ایسا شخص جو تمام بشری خامیوں اور مجبوریوں کا حامل ہو جیسا کہ جناب یسوع کے بارے میں خود انجیل کے حوالوں سے اوپر ظاہر ہو چکا ہے' کیا اسے خدا تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ اور کیا عقل سلیم یہ قبول کر سکتی ہے کہ ایسی ذات کو خدائے علیم وقدیر' حی وقیوم' بے عیب اور لم یزل قرار دیا جائے اور اس سے مدد مانگنے کو مذہبی عقیدے کا جزوِ لازم قرار دیا جائے۔ ظاہر ہے اس کا جواب نفی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا اور جو لوگ ان تمام حقائق وشواہد کی موجودگی میں الوہیت مسیح کے قائل ہیں وہ درحقیقت خدا کی ذات اور اس کی صفات کو پوری طرح سمجھ ہی نہیں سکے۔ انہیں اس کا کوئی اندازہ اور شعور ہی نہیں کہ خدا کی ذات وصفات کا احاطہ کرنا ممکن نہیں اور اس کی طاقت وقدرت اور اس کی گرفت واختیار سے کوئی چیز باہر نہیں۔

خدا کا بیٹا ہونے کا عقیدہ

کیا جنابِ یسوع نے صلیب پر جان دی؟

جدید عیسائیت کا دوسرا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ جناب یسوع نے صلیب پر جان دے کر اپنے پیروکاروں کے گناہوں کا کفارہ دیا اور تیسرے دن وہ پھر جی اٹھے۔ یہی انسان کی فطری و خلقی معصیت (عیسائیت کی اصطلاح میں گناہِ آدم) اور اس کے کفارہ کے فلسفہ (7) کی بنیاد ہے۔

عیسائی عقائد کی رُو سے خدا کا ایک بیٹا ہے اور وہ بیٹا اکلوتا ہے۔ خدا کے اس بیٹے نے مریم کے رحم میں ظہور کیا۔ مریم اور اس کے شوہر یوسف (نجار) بڑھئی کو ایک فرشتہ یا رُوح کے ذریعہ اس امر کی خبر دی گئی۔ نو ماہ کی مدتِ حمل پوری ہونے کے بعد خدا کا بیٹا انسانی بچے کی صورت میں پیدا ہوا۔ عام انسان کے بچوں کی طرح اس کی پرورش و پرداخت ہوئی اور جب وہ بڑا ہوا تو اس نے کرامات دکھانی شروع کر دیں۔ یہودیوں نے جن کے درمیان وہ پیدا ہوا اور پلا بڑھا' اسے طرح طرح کی اذیتیں دیں اور آخر کار پھانسی دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس طرح خدا کا بیٹا جو انسانی صورت میں ظاہر ہوا تھا' وفات پا گیا اور وفات کے بعد تین دن تک وہ جہنم میں رہا۔ اس کے بعد وہ جی اٹھا اور اب وہ آسمانوں میں (عرشِ بریں پر) خدا کے دائیں جانب متمکن ہے۔ وہ معصوم عن الخطا تھا لیکن اس نے مختلف اذیتیں اور موت کی تکلیف اس لیے برداشت کی کہ اس کا یہ تکلیفیں اور اذیتیں برداشت کرنا ابن آدم کے گناہوں کا کفارہ بن جائے۔ اب ہر وہ شخص جو یسوع پر ایمان لائے اپنی خطاؤں اور گناہوں کی سزا سے بچ جائے گا کیونکہ یسوع نے تمام انسانوں کی خطائیں اور گناہ اپنے سر لے لیے ہیں اور صلیب پر چڑھ کر ان گناہوں کا کفارہ دے دیا ہے۔

عیسائیوں میں کفارہ کے عقیدے کا یہی مفہوم ہے۔ عیسائی عقیدے کے مطابق آدم کی تمام اولاد گناہ گار ہے۔ آدم اور حوا کو گناہ کی پاداش میں جنت سے نکالا گیا تھا اس لیے اولادِ آدم کو گناہ ورثہ میں ملا اور اسی بنا پر ہر ابن آدم پیدائشی طور پر گناہگار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا کا بیٹا انسانی نطفہ کے ذریعہ مریم کے رحم میں داخل نہیں ہوا۔ مریم کو مرد کے ملاپ کے بغیر حمل ٹھہرا تا کہ یہ بچہ اس طرح گناہِ آدم میں حصہ دار بننے سے محفوظ رہے جس طرح کہ آدم علیہ السلام کی دوسری تمام اولاد پیدائشی طور پر گناہ گار ہوتی ہے۔

کفارہ کے اس تصور سے لازمی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر جناب یسوع کے سوا کوئی اور شخص معصوم عن الخطاء ہو بھی سکتا ہے؟ عیسائی مکتبِ فکر میں یہ نظریہ بنیادی اور مرکزی اہمیت کا حامل ہے۔

عیسائی عقائد کی عمارت اسی بنیاد پر استوار کی گئی ہے اور اس میں کفارہ کے عقیدے کا جواز اس طرح مہیا کیا گیا ہے کہ ہر شخص گناہ کے زیرِ اثر ہے اور کوئی بھی اس سے پاک اور محفوظ نہیں ہو سکتا

ایسی صورت میں ایک منجی اور گناہوں کی پاداش سے چھٹکارا دلانے والے کی ضرورت ناگزیر ہے۔ کوئی ابن آدم اولادِ آدم کو گناہوں کی پاداش سے بچانے پر قادر نہیں ہوسکتا کیونکہ انسان تو خود ہی خلقی طور پر گناہگار مخلوق ہے۔ جناب یسوع نے صرف انسان کا قالب اختیار کیا' وہ کسی انسان کے نطفہ سے پیدا نہیں ہوئے۔ اس بنا پر وہ گناہ سے پاک اور نیکوکار ہیں اور اسی بناء پر وہ ابن آدم کی خطاؤں کی تلافی کرسکتے اور اس کے گناہوں کا کفارہ ادا کرسکتے ہیں۔

اب اگر کوئی شخص اس امر کی شہادت پیش کردے کہ کسی شخص یا کئی اشخاص نے خطاؤں اور گناہوں سے پاک زندگی گزاری اور وہ کلی طور پر معصوم عن الخطاء تھے تو عیسائی عقائد کی بنیاد ہی منہدم ہو جاتی ہے اور کفارہ کے عقیدے کے تار و پود بکھر جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عیسائی مذہب میں جس کی اساس کفارہ کے عقیدے پر استوار ہوئی ہے انبیائے کرام کے بارے میں اس عقیدے کی سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں ہے کہ وہ معصوم عن الخطاء اور گناہوں سے پاک تھے۔ بہت سے عیسائی بائبل سے ملنے والے اس تاثر کے قائل ہیں کہ انسان دو قسم کے ہیں۔ بدکار اور نیکوکار۔ اگر یہ درست ہے تو پھر ہر شخص کو پیدائشی گناہگار قرار دے کر اس کے منہ پر گناہ کی سیاہی مل دینا بائبل کی واضح تعلیمات کی نفی اور تردید نہیں تو اور کیا ہے؟ اب ذرا بائبل کی تعلیمات ملاحظہ ہوں۔ متی کی انجیل میں جناب یسوع سے حسب ذیل الفاظ منسوب کیے گئے ہیں:

"کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ بہت سے نبیوں اور راست بازوں کو آرزو تھی کہ جو کچھ تم دیکھتے ہو دیکھیں مگر نہ دیکھا اور جو باتیں تم سنتے ہو سنیں مگر نہ سنیں۔"

(متی 17:13)

"تاکہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے' بیٹے ٹھہرو کیونکہ وہ اپنے سورج کو بدوں اور نیکوں دونوں پر چمکاتا ہے اور راست بازوں اور ناراستوں دونوں پر مینہ برساتا ہے۔" (متی 45:5)

"جیسا اس نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کہا تھا جو کہ دنیا کے شروع سے ہوتے آئے ہیں۔" (لوقا 70:1)

"کیونکہ نبوت کی کوئی بات آدمی کی خواہش سے کبھی نہیں ہوئی بلکہ آدمی روح القدس کی تحریک کے سبب سے خدا کی طرف سے بولتے تھے۔"

(2- پطرس 21:1)

"وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا جب تم ابرہام اور اضحاق اور یعقوب اور سب نبیوں کو خدا کی پادشاہی میں شامل اور اپنے آپ کو باہر نکالا ہوا دیکھو گے۔"

(لوقا 28:13)

"ہم جانتے ہیں کہ جو کوئی خدا سے پیدا ہوا ہے' وہ گناہ نہیں کرتا بلکہ اس کی

حفاظت وہ کرتا ہے جو خدا سے پیدا ہوا اور وہ شریر اسے چھونے نہیں پاتا۔"

(1-یوحنا 18:5)

"مبارک ہیں وہ جو راست بازی کے سبب ستائے گئے ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہی اُن ہی کی ہے۔ جب میرے سبب سے لوگ تم کو لعن طعن کریں گے اور ستائیں گے اور ہر طرح کی بری باتیں تمہاری نسبت ناحق کہیں گے تو تم مبارک ہو گے۔ خوشی کرنا اور نہایت شادمان ہونا کیونکہ آسمان پر تمہارا اجر بڑا ہے' اس لیے کہ لوگوں نے ان نبیوں کو بھی جو تم سے پہلے تھے اسی طرح ستایا تھا۔"

(متی 12,10:5)

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام نبی اور پیغمبر جو خدا کے بیٹے اور بادشاہت کے مکین تھے وہ نیکوکار اور راست باز تھے۔ شیطان اُن پر قابو پانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ (خدا کی رحمتیں اور بخششیں ہوں اُن پر) انہیں راست بازی کی بنا پر تکلیفیں دی گئیں اور نبوت کے مقام بلند پر فائز کیے جانے کا یہ منطقی تقاضا تھا کہ وہ معصوم عن الخطاء ہوں۔ شیطان اُن پر کبھی غلبہ نہ حاصل کرسکے۔ بائبل کے مذکورہ بالا حوالوں سے یہ حقیقت پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ نسل آدم میں اچھے اور برے' بدکار اور راست باز دونوں ہی قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ سارے انسان ہی بدکار اور گناہ گار نہیں ہیں اور اگر اس صداقت کو قبول کرلیا جائے تو عیسائی عقیدہ ناقابلِ قبول اور ناقابلِ فہم قرار پاتا ہے اور کفارہ کے فلسفہ کی ساری عمارت دھڑام سے گر پڑتی ہے۔

پیغمبر خدا کی طرف سے انسانوں کے لیے نیکی اور راست بازی کا نمونہ بنا کر بھیجے جاتے ہیں تاکہ وہ تبلیغ وترغیب کے ذریعہ لوگوں کو نیکی کی تلقین کریں۔ انجیل میں آتا ہے:

"تو بھی بہت برسوں تک ان کی برداشت کرتا رہا اور اپنی روح سے اپنے نبیوں کی معرفت ان کے خلاف گواہی دیتا رہا۔" (8) (نحمیاہ 30:9)

اب سوچنے کی بات ہے کہ ایک پیغمبر جسے لوگوں کے لیے نیکوکاری کا نمونہ اور ان کا رہبر و سربراہ بنا کر بھیجا گیا ہو' وہ گناہ و نافرمانی کا مرتکب کیونکر ہوسکتا ہے۔ غلط کاری و خطا تو اس کے اُس منصب کے خلاف ہے جس پر اسے فائز کیا گیا ہے اس لیے ہر ایسا فلسفہ اور نظریہ بے بنیاد' ناقابلِ قبول بلکہ لائق تردید قرار پاتا ہے جو پیغمبروں کو گناہ گار ٹھہرائے۔

انجیل میں ایسے بے شمار نیکوں اور راست بازوں کا تذکرہ ملتا ہے جو ہمیشہ خدا کے مطیع و فرمانبردار رہے اور انہوں نے احکامِ الٰہی کی کامل پابندی کی۔ ان پیغمبروں نے جن میں سے چند کا آگے ذکر آرہا ہے کبھی منشائے الٰہی سے سرمو سرتابی نہیں کی۔

سب سے پہلے اس سلسلے میں جناب یوحنا (حضرت یحیٰؑ) کا ذکر آتا ہے۔ بائبل میں ان کا ذکر یوحنا بپتسمہ دینے والے کی حیثیت سے آتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ تقویٰ اور پاکیزگی ان کا لباس اور

اوڑھنا بچھونا تھا۔

''کیونکہ وہ خداوند کے حضور میں بزرگ ہوگا اور ہرگز نہ مے نہ کوئی اور شراب پیے گا اور اپنی ماں کے بطن ہی سے روح القدس سے بھر جائے گا۔'' (لوقا 15:1)

''......کیونکہ خداوند کا ہاتھ اُس پر تھا۔'' (لوقا 66:1)

''اور وہ لڑکا بڑھتا اور روح میں قوت پاتا گیا اور اسرائیل پر ظاہر ہونے کے دن تک جنگلوں میں رہا۔'' (لوقا 80:1)

''کیونکہ ہیرودیس یوحنا کو راست باز اور مقدس آدمی جان کر اس سے ڈرتا اور اسے بچائے رکھتا تھا۔'' (مرقس 30:6)

''یوحنا آیا اور بپتسمہ دیتا اور گناہوں کی معافی کے لیے توبہ کے بپتسمہ کی منادی کرتا تھا۔'' (مرقس 4:1)

''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو عورتوں سے پیدا ہوئے ہیں ان میں یوحنا بپتسمہ دینے والے سے بڑا کوئی نہیں ہوا۔'' (متی 11:11)

''کیونکہ یوحنا نہ کھاتا آیا نہ پیتا۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اس میں بد روح ہے۔ ابن آدم کھاتا پیتا آیا اور وہ کہتے ہیں دیکھو کھاؤ اور شرابی آدمی۔ محصول لینے والوں اور گناہ گاروں کا یار! مگر حکمت اپنے کاموں سے راست ثابت ہوئی۔''

(متی 19,18:11)

''اس وقت خدا کا کلام بیابان میں زکریاہ کے بیٹے یوحنا پر نازل ہوا۔''

(لوقا 2:3)

منقولہ بالا آیات میں یوحنا کو ایک مثالی پیغمبر قرار دیا گیا ہے' برائی جس کے قریب بھی نہیں پھٹکتی تھی۔ خداوند کا ہاتھ اس پر تھا' اس پر خدا کا کلام نازل ہوا' وہ ماں کے پیٹ سے ہی روح القدس سے بھر گیا تھا' وہ گناہوں کی معافی کے لیے توبہ کے بپتسمہ کی منادی کرتا تھا تاکہ گناہ گار اور بدکار لوگ توبہ کے ذریعہ گناہوں سے نجات پائیں اور اس وقت تک جتنے لوگ بھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے ان میں وہ سب سے عظیم تھا۔ کیا اس منصب و مقام اور اس عظمت کردار کی حامل شخصیت بدکردار و گناہگار ہوسکتی ہے؟ خود ایسے عیسائی دوست بھی جو فہم راست اور فطرت سلیم رکھتے ہیں یہ ماننے پر آمادہ نہیں ہوں گے کہ یوحنا نیکی اور راست بازی سے محروم تھے جبکہ انہیں یہ علم ہو کہ حضرت مسیح نے خود حضرت یحییٰ (یوحنا) سے بپتسمہ لیا تھا۔ ہم پورے اعتماد کے ساتھ عیسائی اہلِ علم کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ بائبل سے جناب یوحنا کی کوئی غلط کاری یا گناہ ثابت کر کے دکھائیں۔

دوسرے نبی حضرت آدم کے بیٹے حضرت ہابیل ہیں۔ ہابیل بھی آدم کے صلب سے پیدا ہوئے اور زندگی کے ہر میدان میں راست باز اور خالص ثابت ہوئے۔ انجیل ان کے بارے میں گواہی

دیتی ہے کہ:

''تاکہ سب راست بازوں کا خون جو زمین پر بہایا گیا تم پر آئے۔ راست باز ہابیل کے خون سے لے کر برکیاہ کے بیٹے زکریاہ کے خون تک جسے تم نے مقدس اور قربان گاہ کے درمیان قتل کیا۔'' (متی 35:23)

''ایمان ہی سے ہابیل نے قائن (قابیل) سے افضل قربانی خدا کے لیے گزرانی اور اسی کے سبب سے اس کے راست باز ہونے کی گواہی دی گئی کیونکہ خدا نے اس کی نذروں کی بابت گواہی دی۔'' (9) (عبرانیوں 4:11)

''اور قائن (قابیل) کی مانند نہ بنیں جو اس شریر سے تھا اور جس نے اپنے بھائی کو قتل کیا اور اس نے کس واسطے اسے قتل کیا؟ اس واسطے کہ اس کے کام برے تھے اور اس کے بھائی کے کام راستی کے تھے۔'' (1-یوحنا 12:3)

تیسرے نبی دانیال ہیں اور وہ بھی بدکرداری اور معصیت سے پاک تھے ان کی معصومیت کی شہادتیں بائبل میں بکثرت موجود ہیں۔ شاہ بخت نصر ان کے بارے میں اس طرح اظہار خیال کرتا ہے:

''اس میں مقدس الٰہوں کی روح ہے۔'' (دانی ایل 8:4)

''تب ان وزیروں اور ناظموں نے چاہا کہ ملک داری میں دانی ایل پر قصور ثابت کریں لیکن وہ کوئی موقع یا قصور نہ پاسکے کیونکہ وہ دیانت دار تھا اور اس میں کوئی خطا یا تقصیر نہ تھی۔'' (دانی ایل 4:6)

''تب دانی ایل نے بادشاہ سے کہا اے بادشاہ ابد تک جیتا رہ۔ میرے خدا نے اپنے فرشتے کو بھیجا اور شیروں کے منہ بند کردیئے اور انہوں نے مجھے ضرر نہیں پہنچایا کیونکہ میں اس کے حضور بے گناہ ثابت ہوا اور تیرے حضور بھی میں نے کوئی خطا نہیں کی۔'' (دانی ایل 22,21:6)

چوتھے نبی یوسیاہ ہیں جن کے بارے میں انجیل کے الفاظ یہ ہیں:

''اس نے وہ کام کیا جو خداوند کی نگاہ میں ٹھیک تھا اور اپنے باپ داؤد کی سب راہوں پر چلا اور داہنے یا بائیں ہاتھ کو مطلق نہ مڑا۔'' (2-سلاطین 2:22)

پانچویں نبی زکریا اور ان کی بیوی کے بارے میں لوقا کا بیان یہ ہے کہ:

''اور وہ دونوں خدا کے حضور راست باز اور خداوند کے سب احکام و قوانین پر بے عیب چلنے والے تھے۔'' (لوقا 6:1)

چھٹا بادشاہ حزقیاہ ہے جس کا ذکر انجیل میں ان الفاظ میں ملتا ہے:

''اور وہ خداوند اسرائیل کے خدا پر توکل کرتا تھا ایسا کہ اس کے بعد یہوداہ کے سب بادشاہوں میں اس کی مانند ایک نہ ہوا اور نہ اس سے پہلے کوئی ہوا تھا۔

کیونکہ وہ خداوند سے لپٹا رہا اور اس کی پیروی کرنے سے باز نہ آیا بلکہ اس کے حکموں کو مانا جن کو خداوند نے موسیٰ کو دیا تھا۔ اور خداوند اس کے ساتھ رہا اور جہاں کہیں وہ گیا کامیاب ہوا۔" (2- سلاطین 7,5:18)

"تب حزقیاہ نے اپنا منہ دیوار کی طرف کیا اور خداوند سے دعا کی۔ اور کہا۔ اے خداوند میں تیری منت کرتا ہوں۔ یاد فرما کہ میں تیرے حضور سچائی اور پورے دل سے چلتا رہا ہوں اور جو تیری نظر میں بھلا ہے وہی کیا ہے۔"

(یسعیاہ 3,2:38)

ساتویں شخصیت منواح کے بیٹے سیمسن کی ہے جس کے بارے میں انجیل کے بیان کے مطابق اس کی ماں سے اس کی پیدائش کی فرشتوں نے اس طرح پیش گوئی کی:

"سو خبردار رہے یا نشہ کی چیز نہ پینا اور نہ کوئی ناپاک چیز کھانا۔ کیونکہ تو حاملہ ہوگی اور تیرے بیٹا ہوگا۔ اس کے سر پر کبھی استرا نہ پھرے اس لیے کہ وہ لڑکا پیٹ ہی سے خدا کا نذیر ہوگا اور وہ اسرائیلیوں کو فلستیوں کے ہاتھ سے رہائی دینا شروع کرے گا۔ اس عورت نے جا کر اپنے شوہر سے کہا کہ ایک مردِ خدا میرے پاس آیا۔ اس کی صورت خدا کے فرشتے کی صورت کی طرح نہایت مہیب تھی اور میں نے اس سے نہیں پوچھا کہ تو کہاں کا ہے اور نہ اس نے مجھے اپنا نام بتایا۔ پر اس نے مجھ سے کہا۔" دیکھ تو حاملہ ہوگی اور تیرے بیٹا ہوگا سو تو مے یا نشہ کی چیز نہ پینا اور نہ کوئی ناپاک چیز کھانا۔ کیونکہ وہ لڑکا پیٹ ہی سے اپنے مرنے کے دن تک خدا کا نذیر رہے گا۔" (قضاۃ 7,5:13)

آٹھویں شخصیت سموئیل کی ہے جس نے اسرائیل کے سامنے جرأت کے ساتھ اپنی راست بازی کا مظاہرہ کیا اور پوری قوم نے اس کی خدا خوفی اور پرہیزگاری کی گواہی دی۔

"میں حاضر ہوں۔ سو تم خداوند اور اس کے ممدوح کے آگے میرے منہ پر بتاؤ کہ میں نے کس کا بیل لے لیا یا کس کا گدھا لیا؟ میں نے کس کا حق مارا یا کس پر ظلم کیا یا کس کے ہاتھ سے میں نے رشوت لی تاکہ اندھا بن جاؤں؟ بتاؤ اور یہ میں تم کو واپس کردوں گا۔ انہوں نے جواب دیا۔ تو نے ہمارا حق نہیں مارا اور نہ ہم پر ظلم کیا اور نہ تو نے کسی کے ہاتھ سے کچھ لیا۔ تب اس نے ان سے کہا کہ خداوند تمہارا گواہ اور اس کا ممدوح آج کے دن گواہ ہے کہ میرے پاس تمہارا کچھ نہیں نکلا۔ انہوں نے کہا کہ وہ گواہ ہے۔" (1- سموئیل 5,3:12)

نویں شخصیت شمعون کی ہے جس کے بارے میں لوقا کا کہنا ہے:

"اور دیکھو یروشلیم میں شمعون نام ایک آدمی تھا اور وہ آدمی راست باز اور خدا

ترس تھا اور اسرائیل کی تسلی کا منتظر تھا اور روح القدس اس پر تھا۔" (لوقا 25:2)

دسویں شخصیت جس کا بائبل میں ذکر ملتا ہے مریم کے شوہر یوسف کی ہے' اس کے بارے میں بائبل کہتی ہے۔

"پس اس کے شوہر یوسف نے جو راست باز تھا اور اسے بدنام کرنا نہیں چاہتا تھا' اُسے چپکے سے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔" (متی 19:1)

یہ دس شخصیتوں کے حوالے انجیل سے اس لیے دیئے گئے ہیں کہ خود انجیل سے یہ حقیقت ثابت کردی جائے کہ جناب یسوع مسیح علیہ السلام کے علاوہ اور بھی متعدد ایسے نیک اور راستباز لوگ پیدا ہوئے جنہیں خدا نے روحانی شرف اور نیکی و پرہیزگاری سے نوازا۔ ایسی شخصیتیں مذکورہ بالا افراد کے علاوہ بھی بے شمار ہیں۔ حضرت نوح' دانی ایل اور ایوب کے بارے میں انجیل میں آتا ہے:

"اے ابن آدم جب کوئی ملک سخت خطا کر کے میرا گناہ گار ہو اور میں اپنا ہاتھ اس پر چلاؤں اور اس کی روٹی کا عصا توڑ ڈالوں اور اس میں قحط بھیجوں اور اس کے انسان اور حیوان کو ہلاک کروں۔ تو اگرچہ یہ تین شخص نوح اور دانی ایل اور ایوب اس میں موجود ہوں تو بھی خداوند خدا فرماتا ہے کہ وہ اپنی صداقت سے فقط اپنی ہی جان بچائیں گے۔" (حزقی ایل 14,13:14)

عیسائیوں کا کہنا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے خدا کے قانون کی خلاف ورزی کی اور شجر ممنوع کا پھل کھالیا جس کے نتیجے میں انہیں جنت سے نیچے اتار دیا گیا۔ پس جو شخص بھی ابن آدم کے نطفہ سے جنم لے گا وہ اسی کی پیروی کرے گا۔ چنانچہ جناب یسوع مسیح کے سوا ہر شخص گناہگار ہے کیونکہ وہ آدم کی اولاد ہے۔

یہ نظریہ انسانیت اور اس کے شرف کے خلاف بہت بڑا ظلم اور ناانصافی ہے۔ اس نظریہ کی نہ تو انجیل میں کوئی بنیاد موجود ہے جیسا کہ ابھی واضح کیا گیا' نہ ہی انجیل کی تعلیمات سے ایسا کوئی تصور کوئی مماثلت یا ہم آہنگی رکھتا ہے بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر ہمیں یہ کہنے میں بھی کوئی باک نہیں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے گناہ کے نتیجے میں قیامت تک کے لیے اولادِ آدم کو گناہ گار قرار دے دینا بائبل کی تعلیم کے قطعاً منافی ہے جس میں یہ مذکور ہے:

"بیٹوں کے بدلے باپ مارے نہ جائیں' نہ باپ کے بدلے بیٹے مارے جائیں۔ ہر ایک اپنے ہی گناہ کے سبب مارا جائے۔" (استثناء 16:24)

"بلکہ اسی کے مطابق کیا جو موسیٰ کی کتاب توریت میں لکھا ہے۔ جیسا خداوند نے فرمایا کہ بیٹوں کے بدلے باپ دادا نہ مارے جائیں اور نہ باپ دادا کے بدلے بیٹے مارے جائیں بلکہ ہر آدمی اپنے ہی گناہ کے لیے مارا جائے۔"

(2- تواریخ 5-4:25)

"ان ایام میں پھر یوں نہ کہیں گے کہ باپ دادا نے کچے انگور کھائے اور اولاد کے دانت کھٹے ہوگئے کیونکہ ہر ایک اپنی ہی بدکرداری کے سبب سے مرے گا۔ ہر ایک جو کچے انگور کھاتا ہے اُسی کے دانت کھٹے ہوں گے۔"

(یرمیاہ 30,29:31)

"دیکھ سب جانیں میری ہیں جیسی باپ کی جان ویسی ہی بیٹے کی جان بھی میری ہے۔ جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی۔" (حزقی ایل 4:18)

"جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی۔ بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ اور باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ۔ صادق کی صداقت اسی کے لیے ہوگی اور شریر کی شرارت شریر کے لیے۔ لیکن اگر شریر اپنے تمام گناہوں سے جو اس نے کیے ہیں باز آئے اور میرے سب آئین پر چل کر جو جائز اور روا ہے کرے تو وہ یقیناً زندہ رہے گا۔ وہ نہ مرے گا۔ وہ سب گناہ جو اس نے کیے ہیں' اس کے خلاف محسوب نہ ہوں گے۔ وہ اپنی راست بازی میں جو اس نے کی' زندہ رہے گا۔"

(حزقی ایل 22,20:18)

پیدائشی گناہگاری کے اس عقیدے سے ایک دلچسپ سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا جناب یسوع مسیح کی ماں حضرت مریم بھی گناہ گار تھیں کیونکہ وہ بھی تو ابن آدم کے نطفے سے پیدا ہوئی تھیں۔

بعض عیسائی کہتے ہیں کہ مریم معصوم نہیں تھیں اگرچہ ان کی کوکھ سے جنم لینے والے مسیح ان کے گناہ کے وارث اور شریک نہیں بنے کیونکہ وہ معصوم عن الخطاء تھے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ عیسائی مذہب کی رُو سے اولادِ آدم محض اس بناء پر پیدائشی گناہگار ہے کہ وہ آدم کے صلب سے ہے تو پھر جناب یسوع کس بناء پر اپنی ماں کے گناہگار ہونے کے باوجود خود پیدائشی گناہگار نہیں ہوئے۔ اب اسی بات کو ایک اور پہلو سے دیکھیے کہ شجر ممنوعہ کا پھل کھانے کے باعث حضرت حوا حضرت آدم علیہ السلام کی شریک گناہ تھیں بلکہ بائبل کے بیان کے مطابق ان کا گناہ تو حضرت آدم علیہ السلام سے زیادہ سنگین تھا کیونکہ انہوں نے شجر ممنوعہ کا پھل پہلے کھایا اور پھر حضرت آدم علیہ السلام کو وہی پھل کھانے کی ترغیب دی۔ بائبل میں آتا ہے:

"عورت نے جو دیکھا کہ وہ درخت کھانے کے لیے اچھا اور آنکھوں کو خوشنما معلوم ہوتا ہے اور عقل بخشنے کے لیے خوب ہے تو اس کے پھل میں سے لیا اور کھایا اور اپنے شوہر کو بھی دیا اور اس نے کھایا۔" (پیدائش 6:3)

"اور آدم نے فریب نہیں کھایا۔ بلکہ عورت فریب کھا کر گناہ میں پڑ گئی۔" (1- تیتمھیس 14:2)

معلوم ہوا کہ حضرت حوا کا گناہ حضرت آدمؑ کے مقابلے میں دوگونہ تھا۔ ایسی صورت میں اگر

پیدائشی گنہگاری کے عقیدے کی روشنی میں دیکھا جائے تو جو بچہ ماں باپ کے ملاپ سے پیدا ہوتا ہے' وہ نصف ماں کے گناہ سے اور نصف باپ کے گناہ سے حصہ پاتا ہے اور اس طرح ایک معمولی درجہ کا گناہ گار ہوتا ہے لیکن جو بچہ ابن آدم کے نطفے کے بغیر ماں کے رحم میں قرار پائے گا وہ ماں کے دوگونہ گناہ کا وارث ہوگا' اور بدرجہ اولیٰ گناہگار قرار پائے گا۔ اس بنیاد پر جو شخص صرف عورت سے یعنی بغیر باپ کے پیدا ہوا اس کا گناہ تو عام گناہگاروں کی بہ نسبت بڑا ہوگا اسے معصوم کس طرح قرار دیا جائے گا؟

بعض عیسائی اہلِ علم زبور کے ان الفاظ کو ابن آدم کے پیدائشی گناہگار ہونے کی دلیل میں پیش کرتے ہیں:

> ''خداوند نے آسمان پر سے بنی آدم پر نگاہ کی تا کہ دیکھے کہ کوئی دانشمند' کوئی خدا کا طالب ہے کہ نہیں' وہ سب کے سب گمراہ ہوئے۔ وہ باہم نجس ہوگئے۔ کوئی نیکوکار نہیں' ایک بھی نہیں۔'' (زبور 2:14)

اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ بالا حوالہ ایک خاص دور اور ایک خاص قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ جب تنبیہ اور زجر وتوبیخ مقصود ہوتی ہے تو بالعموم ایسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جو اپنی وسعت کے اعتبار سے عمومی اور ہمہ گیر ہوں۔ اس کی تائید زبور ہی میں مذکورہ بالا مزمور کے فوراً بعد کے الفاظ سے ہوتی ہے:

> ''کیا ان سب بدکرداروں کو کچھ علم نہیں جو میرے لوگوں کو ایسے کھا جاتے ہیں جیسے روٹی اور خداوند کا نام نہیں لیتے۔ وہاں ان پر بڑا خوف چھائے گا (10) کیونکہ خدا صادق پشت کے ساتھ ہے۔'' (زبور۔ 5,4:14)

کچھ اور لوگوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے عمل کو اپنے اس دعوے کی دلیل میں پیش کیا ہے کہ ہر ابن آدم پیدائشی گناہگار ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ داؤد نبی تھے لیکن انہوں نے اُوریاس کی بیوی پر قبضہ جمالیا اور اس سے ناجائز تعلقات پیدا کرلیے۔ ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ ہمارے یہ عیسائی دوست حضرت داؤد علیہ السلام پر بدکاری کا گھناؤنا الزام لگاتے وقت یہ بھول جاتے ہیں کہ متی کی انجیل کا آغاز ہی اس فقرے سے ہوتا ہے کہ:

> ''یسوع مسیح ابن داؤد ابن ابرہام کا نسب نامہ۔'' (متی 1:1)

اگر یہ عیسائی دوست حضرت داؤد علیہ السلام کو العیاذ باللہ زناکار قرار دیتے ہیں تو حضرت مسیح علیہ السلام کا مقام کیا قرار پائے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمارے ان عیسائی دوستوں کو جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں ایک لمحہ کے لیے سوچنا چاہیے۔ حضرت داؤد علیہ السلام خدا کے برگزیدہ پیغمبر تھے' ان پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی تھی۔ پھر کس طرح یہ تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ خدا کا ایسا برگزیدہ نبی ایسے گھناؤنے فعل کا مرتکب ہو۔ آخر خدا نے ہمیں بھی کچھ فہم وشعور عطا کیا ہے ہم صحیح اور غلط اور حق اور باطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ خود انجیل ایسے اشارات سے بھری پڑی ہے جن سے حضرت داؤد علیہ السلام کی

پاکبازی ثابت ہے۔ یہ داستان انجیل میں تحریف محض ہے۔ اگر کوئی معقول و شریف انسان اتنا پست نہیں ہوسکتا تو ایک نبی سے تو اس طرح کا فعل شنیع بالکل بعید از قیاس اور ناقابلِ قبول ہے۔ انجیل میں تو ایسے الزامات بھی ملتے ہیں جن سے خود جنابِ یسوع کے گناہ ظاہر ہوتے ہیں مثلاً:

1- جنابِ یسوع نے یوحنا سے بپتسمہ لیا۔ یوحنا کا یہ بپتسمہ گناہوں کی معافی کے لیے ہوتا تھا جیسا کہ مرقس کے باب اوّل کے چوتھے فقرے میں مذکور ہے۔

2- جنابِ یسوع نے لوگوں کو شراب پیش کی (یوحنا 2-8) جب کہ شراب کے بارے میں انجیل میں صاف لکھا ہے:

"بدکاری اور مے اور نئی مے سے بصیرت جاتی رہتی ہے۔" (ہوسیع 11:4)

3- انجیل میں جناب یسوع کی "دروغ گوئیوں" کا بھی ذکر ملتا ہے۔ عید خیام میں شمولیت کے سلسلے میں جنابِ یسوع نے اپنے بھائیوں سے کہا:

"میں ابھی اس عید میں نہیں جاتا کیونکہ ابھی تک میرا وقت پورا نہیں ہوا۔ یہ باتیں ان سے کہہ کر وہ گلیل ہی میں رہا۔ لیکن جب اس کے بھائی عید میں چلے گئے اس وقت وہ بھی گیا۔ ظاہرہ نہیں بلکہ گویا پوشیدہ۔" (یوحنا 7:7,10)

4- انجیل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنابِ یسوع نے حقارت کے ساتھ اپنی ماں کو مخاطب کیا:

"اے عورت! مجھے تجھ سے کیا کام ہے؟ ابھی میرا وقت نہیں آیا۔" (یوحنا 2:4)

اسی طرح کی اور متعدد باتیں جناب یسوع علیہ السلام کی عظمت و شان کے منافی ملتی ہیں۔ ان الزامات سے گلو خلاصی کا ایک ہی راستہ ہے کہ ایسی تمام باتوں کو انجیل میں تحریف قرار دے کر مسترد کردیا جائے اور اس بات پر ایمان رکھا جائے کہ حضرت داؤد اور جناب یسوع گناہوں اور خطاؤں سے پاک پیغمبر تھے جس طرح کہ مسلمان تمام انبیائے کرام کے بارے میں عقیدہ رکھتے ہیں۔

کچھ اور عیسائی عالم سیمسون کو کتاب قضاۃ کے حوالے سے زنا کا مرتکب ٹھہراتے ہیں:

"پھر سیمسون غزہ کو گیا۔ وہاں اس نے ایک کسبی (طوائف) دیکھی اور اس کے پاس گیا اور غزہ کے لوگوں کو خبر ہوئی کہ سیمسون یہاں آیا ہے۔ انہوں نے اسے گھیر لیا۔" (قضاۃ 16:1,2)

لیکن اس سلسلے میں بھی حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ بالا حوالے سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ سیمسون نے دشمنوں سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے ایک گھر میں پناہ لی۔ یہ محض اتفاق کی بات ہے کہ وہ ایک طوائف کا گھر تھا۔ اسی سے ملتا جلتا ایک واقعہ کتابِ یشوع میں بھی ملتا ہے:

"تب نون کے بیٹے یشوع نے شطیم سے دو مردوں کو چپکے سے جاسوس کے طور پر بھیجا اور ان سے کہا کہ جا کر اس ملک کو اور یریحو کو دیکھو بھالو۔ چنانچہ وہ روانہ

ہوئے اور ایک کسبی کے گھر میں جس کا نام راحب تھا آئے اور وہیں سوئے۔"

(یشوع 1:2)

لیکن ان دونوں افراد کا طوائف سے کوئی ناجائز تعلق نہیں تھا۔ انہوں نے طوائف کے گھر کو محض ایک پناہ گاہ کے طور پر استعمال کیا۔ بعینہٖ یہی صورت سیمسون کی معلوم ہوتی ہے ورنہ اگر سیمسون کو زناکار مان لیا جائے تو اس الہامی ارشاد کی کیا حقیقت باقی رہ جائے گی کہ "یہ لڑکا پیدائشی طور پر خدا کا نذیر ہوگا۔" عبرانیوں کے نام خط میں سینٹ پولوس لکھتا ہے:

"اب اور کیا کہوں؟ اتنی فرصت کہاں کہ جدعون اور برق اور سیمسون اور افتاہ اور داؤد اور سیموئیل اور اور نبیوں کا احوال بیان کروں۔ انہوں نے ایمان ہی کے سبب سے سلطنتوں کو مغلوب کیا۔ راست بازی کے کام کیے۔ وعدہ کی ہوئی چیزوں کو حاصل کیا۔ شیروں کے منہ بند کیے۔" (عبرانیوں 33,32:11)

اس حوالے سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیمسون ایمان رکھتا تھا' راست باز تھا اور خدا کے وعدے اس سے پورے ہوتے تھے۔ اب اگر ہمارے وہ عیسائی دوست جو سیمسون پر زناکاری کی تہمت دھرتے ہیں ذرا غور کریں تو ان کو محسوس ہوگا کہ لوقا میں جناب یسوع ؑ کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے' وہ اس سے کہیں زیادہ سنگین ہے جس کی بناء پر سیمسون پر تہمت لگائی جاتی ہے۔ لوقا میں آتا ہے:

"تو دیکھو ایک بدچلن عورت جو اس شہر کی تھی یہ جان کر کہ وہ اس فریسی کے گھر میں کھانا کھانے بیٹھا ہے' سنگ مرمر کے عطردان میں عطر لائی اور اس کے پاؤں کے پاس روتی ہوئی پیچھے کھڑے ہو کر اس کے پاؤں آنسوؤں سے بھگونے لگی اور اپنے سر کے بالوں سے انہیں پونچھا اور اس کے پاؤں بہت چومے اور ان پر عطر ڈالا۔" (لوقا 7-38,37)

ایسی صورت میں سیمسون کو مطعون کرنے یا الزام تراشی کرنے کا کوئی جواز نظر نہیں آتا۔ جس کا فعل جنابِ یسوع کے فعل سے پھر بھی کم سنگین ہے الا یہ کہ جو لوگ سیمسون پر تہمت لگاتے ہیں وہ جنابِ یسوع پر بھی گناہ کا الزام عائد کرنے پر آمادہ ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ انجیل کم از کم یوحنا بپتسمہ دینے والے' زکریاہ اور اس کی بیوی' دانی ایل' یسعیاہ' حزقیاہ اور ہابیل کو راست باز انسان قرار دیتی ہے اور ان کے بارے میں بائبل میں کسی گناہ کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ لہٰذا عیسائیوں کا یہ دعویٰ بے بنیاد قرار پاتا ہے کہ جناب یسوع مسیح کے سوا تمام اولادِ آدم پیدائشی طور پر گناہگار ہے اور اگر پیدائشی گناہگار ہونے کا فلسفہ بے بنیاد ہے تو کفارہ کے عقیدے کی آپ سے آپ تردید ہو جاتی ہے کیونکہ اس عقیدے کی پھر کوئی بنیاد ہی باقی نہیں رہ جاتی۔

وفاتِ مسیح اور کفارہ کا عقیدہ

اب ہم اس سوال کی طرف آتے ہیں کہ کیا جناب یسوع نے صلیب پر وفات پائی؟ اس سوال پر عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان زبردست اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس بحث کا آغاز ہی عیسائی حضرات اس فقرے سے کرتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں میں زبردست اختلاف کے باوجود یہ امر متفق علیہ ہے کہ جناب یسوع مسیح نے صلیب پر جان دے دی۔ سلطنت روما کی تاریخ سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے:

لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چھ سو سال بعد صحرائے عرب سے ایک صدائے وحی بلند ہوتی ہے اور ساری دنیا میں پھیلی ہوئی اس غلط فہمی کی واشگاف انداز میں تردید کرتی ہے:

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (سورۃ نساء: 157)

''اور انہوں نے نہ اس کو مارا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ وہ مغالطے میں پڑ گئے۔''

صحرائے عرب میں مبعوث ہونے والے نبی امی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہونے والی کتاب کا یہ اعلان ایک ہمیشہ قائم رہنے والا معجزہ ہے اور جدید علمی تحقیقات نے اس کی تصدیق کر کے نبی کریم ﷺ کے اس اعلان کی حقانیت کا اعتراف کر لیا ہے۔

قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق خدا نے اپنے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی کے تختہ پر موت کے منہ سے بچالیا' بالکل اسی طرح جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ کے دہکتے ہوئے الاؤ میں محفوظ رکھا یا جیسے حضرت یوسف کو کنوئیں میں پھینکے جانے کے باوجود بچالیا' یا جس طرح حضرت دانیال کے تین ساتھیوں کو بچالیا گیا جنہیں منہ میں کپڑا ٹھونس کر بھٹی میں جھونک دیا گیا تھا۔ یہودیوں نے بھی حضرت مسیح کو سولی چڑھا کر مار ڈالنے کی کوشش کی تا کہ انہیں خدا کا معتوب قرار دے سکیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اس عذاب کی موت سے بچالیا اور انہیں پہلے سے زیادہ اپنا قرب عطا کر دیا۔

سولی پر حضرت عیسیٰ کی موت کی انجیل سے بھی کوئی تسلی بخش شہادت نہیں ملتی بلکہ قوی تر شواہد اس امر کے ملتے ہیں کہ صلیب پر انہوں نے وفات نہیں پائی۔ عہد نامۂ قدیم جعلی نبی کے بارے میں کہتا ہے:

> ''وہ نبی یا خواب دیکھنے والا قتل کیا جائے کیونکہ اس نے تم کو خداوند تمہارے خدا سے (جس نے تم کو ملک مصر سے نکالا اور تجھ کو غلامی کے گھر سے رہائی بخشی) بغاوت کرنے کی ترغیب دی تا کہ تجھ کو اس راہ سے جس پر خداوند تیرے خدا نے تجھ کو چلنے کا حکم دیا ہے بہکائے۔ یوں تو اپنے بیچ میں سے ایسی بدی کو دور کر دینا۔'' (استثناء 13:5)

اسی باب میں آگے چل کر ذکر آتا ہے:

"اور اگر کسی نے ایسا گناہ کیا ہو جس سے اس کا قتل واجب ہو اور تو اسے مار کر درخت سے ٹانگ دے۔ تو اس کی لاش رات بھر درخت سے لٹکی نہ رہے بلکہ تو اسی دن اسے دفن کر دینا کیونکہ جسے پھانسی ملتی ہے وہ خدا کی طرف سے ملعون ہے۔ تا نہ ہو کہ تو اس ملک کو ناپاک کر دے جسے خداوند تیرا خدا تجھ کو میراث کے طور پر دیتا ہے۔" (استثناء 23,22:21)

جناب یسوع نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ مسلمان ان کو بغیر کسی شبے کے پیغمبر تسلیم کرتے ہیں، اس لیے ان کی طرف سے تو اس امر کا کوئی اندیشہ ہی نہیں کہ وہ حضرت مسیح کے دعوۂ نبوت پر کوئی اعتراض اٹھائیں لیکن یہودی تو انہیں دعویٰ نبوت میں سچا نہیں سمجھتے اور انہیں جھوٹا ثابت کرنے کی ہر تدبیر کرتے ہیں اس لیے اگر یہ بات مان لی جائے کہ حضرت مسیح مصلوب ہوئے اور انہوں نے سولی پر جان دے دی تو اس کا منطقی نتیجہ یہ ہوگا کہ العیاذ باللہ جنابِ یسوع بھی خدا کے معتوب ہیں، کیونکہ مصلوب کا راندۂ بارگاہِ خداوندی ہونا عیسائی عقائد کا جزو لازم ہے، انجیل میں آتا ہے:

"مسیح جو ہمارے لیے لعنتی بنا۔ اس نے ہمیں مول (11) لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا، کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔"

(گلتیوں 13:3)

یہ عیسائیوں کا نہایت مغالطہ انگیز عقیدہ ہے کیونکہ اس عقیدے سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جناب یسوع کا دعویٰ نبوت سچا نہیں تھا ان کے مصلوب ہونے سے ان کی صداقت کی نفی ہو جاتی ہے اور یہی درحقیقت یہودیوں کا اصل منشاء و مقصود ہے۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام خدا کے سچے نبی اور پیغمبر تھے اور اس بناء پر ان کے صلیب پر جان دینے کا دعویٰ محض ایک ڈھکوسلہ اور بے بنیاد مفروضہ ہے۔

2- دوسری دلیل یہ ہے کہ عیسائی مذہب کے مطابق مصلوب ہونے کا عقیدہ شرط لازم ہے کیونکہ اسی انوکھے عقیدے سے ان کے گناہ بخشے جاسکتے ہیں لیکن انجیل کی رُو سے مصلوب ہونے پر یقین رکھنا بخشش کا ذریعہ نہیں ہے۔ خود جناب یسوع مسیح علیہ السلام کے الفاظ میں:

"لیکن اس لیے کہ تم جان لو کہ ابن آدم کو زمین پر گناہ معاف کرنے کا اختیار ہے۔ پھر اس نے مفلوج سے کہا۔ اٹھ اپنی چارپائی اُٹھا اور اپنے گھر چلا جا۔"

(متی 6:9)

انجیل کے بعد یہ جنابِ یسوع کا اپنا قول ہے اور اس وقت کا قول ہے جب ابھی مصلوب ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گناہوں کی بخشش کے لیے صلیب پر جان دینا شرط نہیں تھا۔

3- تیسری دلیل یہ ہے کہ عیسائیوں کے دعوے کے مطابق جناب یسوع نے ان کی خاطر اور

ان کے گناہوں کی تلافی کی غرض سے صلیب پر جان دے دی۔ اگر وہ صلیب پر جان نہ دیتے تو پولوس کے مشن اور عیسائی عقائد کی کوئی بنیاد اور کوئی معنی نہ رہتے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جناب یسوع نے صلیب پر وفات نہیں پائی اور عیسائیت کا یہ دعویٰ کہ جناب یسوع مصلوب ہوئے غلط ہے کیونکہ یہ دعویٰ نہ صرف جناب یسوع کے مشن کے منافی ہے بلکہ مشیت الٰہی اور منشائے ربانی کے بھی خلاف ہے۔ بائبل میں آتا ہے کہ خداوند خدا کہتا ہے:

"کیونکہ میں قربانی نہیں بلکہ رحم پسند کرتا ہوں۔" (ہوسیع 6:6)

اور جناب یسوع کے یہ الفاظ انجیل میں ملتے ہیں:

"تم جا کر اس کے معنی دریافت کرو کہ میں قربانی نہیں بلکہ رحم پسند کرتا ہوں کیونکہ میں راست بازوں کو نہیں بلکہ گناہگاروں کو بلانے آیا ہوں۔"

(متی 13:9)

خدا کو قربانی نہیں رحم پسند ہے اور اس کے رحم کو متوجہ کرنے کا واحد ذریعہ توبہ ہے۔ جناب یسوع نے توبہ ہی کی منادی کی اور ان کی زندگی کا واحد مشن اور مقصد یہی رہا کہ لوگوں کو توبہ کی دعوت دی جائے' اس لیے کفارہ کے طور پر جان دینا نہ صرف منشائے ربانی کے خلاف ہوگا بلکہ خود جناب یسوع کے مشن کی نفی کر دے گا۔

4۔ انجیل ہی سے چوتھی دلیل یہ ہے کہ کتاب متی میں آتا ہے:

"اس نے جواب دے کر ان سے کہا "اس زمانہ کے برے اور زنا کار لوگ نشان طلب کرتے ہیں۔ مگر یوناہ نبی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا کیونکہ جیسے یوناہ تین دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا۔" (متی 12:39,40)

اب یہ جاننے کے لیے کہ یوناہ نبی (حضرت یونس علیہ السلام) مچھلی کے پیٹ میں زندہ تھے یا مر چکے تھے' بائبل کی کتاب یوناہ کا مطالعہ کافی ہے جہاں یہ صراحت ملتی ہے کہ:

"خداوند نے ایک بڑی مچھلی مقرر کر رکھی تھی کہ یوناہ کو نگل جائے اور یوناہ تین دن رات مچھلی کے پیٹ میں رہا۔ تب یوناہ نے مچھلی کے پیٹ میں خداوند اپنے خدا سے یہ دعا کی۔" (یوناہ 1-2:17-1)

جناب یسوع نے اپنی قوم کو صرف ایک نشان اپنی صداقت کا دیا اور وہ نشان یوناہ کا تھا۔ یوناہ علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں زندہ گئے اور پیٹ کے اندر بھی زندہ رہے اگرچہ بے ہوش ہو گئے اور مچھلی نے اس حال میں انہیں ساحل پر اگل دیا کہ وہ زندہ تھے۔ اب اس نشانی کا جناب یسوع سے تعلق صرف اسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے کہ کم سے کم یہ بات تسلیم کی جائے کہ جناب یسوع کو زندہ قبر میں رکھ دیا گیا جہاں وہ زندہ رہے یہاں تک کہ انہیں وہاں سے زندہ سلامت باہر نکال لیا گیا بصورت دیگر جناب

یسوع کا یہ وعدہ اور یہ واحد نشان سچا ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ جیسے یوناہ تین دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا۔

اب عیسائی حضرات کے لیے دو ہی راستے ہیں یا تو وہ جناب یسوع کے مصلوب ہونے کا انکار کریں اور مسلمانوں کی طرح اس بات پر عقیدہ رکھیں کہ حضرت مسیح کو اُٹھالیا گیا۔ اس صورت میں جناب یسوع مسیح کی یہ پیش گوئی سچی ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ یوناہ کی طرح نشانی دکھائیں گے اور یا پھر وہ جناب یسوع کے مصلوب ہونے کے عقیدے پر مصر رہیں' چاہے اس سے جناب یسوع کی پیش گوئی اور ان کے معجزہ کی تردید ہی کیوں نہ ہوتی ہو۔

یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ دوسری صورت میں حضرت مسیح علیہ السلام کی رسالت اور ان کی صداقت کا انحصار قبر سے اسی طرح جی اُٹھنے کی نشانی پر ہے جس طرح حضرت یوناہ مچھلی کے پیٹ سے تین دن بعد زندہ سلامت برآمد ہو گئے۔ پس عقل و انصاف دونوں کا تقاضا یہ ہے کہ اس حقیقت کو تسلیم کرلیا جائے کہ جنابِ یسوع علیہ السلام نے صلیب پر جان نہیں دی۔

5- پانچویں دلیل یہ ہے کہ جب جنابِ یسوع کو یہودیوں کے ناکام عزائم اور سولی چڑھانے کے ارادوں کا پتہ چلا تو لوقا میں آتا ہے کہ انہوں نے خدا سے دعا کی:

> ''اور وہ ان سے بمشکل الگ ہو کر کوئی پتھر کاٹپہ آگے بڑھا اور گھٹنے ٹیک کر یوں دعا کرنے لگا اے باپ اگر تو چاہے تو یہ پیالہ مجھ سے ہٹالے تو بھی میری مرضی نہیں تیری مرضی پوری ہو۔'' اور آسمان سے ایک فرشتہ اس کو دکھائی دیا۔ وہ اسے تقویت دیتا تھا۔'' (لوقا 22:41,43)

جنابِ یسوع نے کسی بھی شک وشبہ میں پڑے بغیر بڑی عاجزی سے خدا سے یہی دعا کی کہ انہیں اس ذلت آمیز اور خوفناک موت سے بچالیا جائے کیونکہ مذکورہ بالا حوالے میں پیالے سے مراد موت کا پیالہ ہے۔ اب سوال کیا جاسکتا ہے کہ کیا جنابِ یسوع کی یہ عاجزانہ دعا سنی گئی اور اگر یہ دعا سنی گئی اور قبول ہوئی تو آپ سے آپ یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ جنابِ یسوع علیہ السلام کے صلیب پر جان دینے کا فسانہ محض خیال آرائی ہے اور اگر یہ دعا مقبول نہیں ہوئی تو بحیثیت نبی جنابِ یسوع کی صداقت مشتبہ قرار پاتی ہے۔ کیونکہ کتاب الامثال میں آتا ہے:

> ''خداوند شریروں سے دُور ہے پر وہ صادقوں کی دعا سنتا ہے۔'' (امثال 15:29)

سچی بات صرف یہی ہے کہ خدا نے اپنے نبی کی عاجزانہ فریاد و زاری کو شرف قبول عطا فرمایا اور جنابِ یسوع کو اسی معجزانہ انداز میں سولی کی لعنتی موت سے بچالیا جس طرح خدا اپنے نیک اور سچے بندوں کو بچایا کرتا ہے۔

6- چھٹی دلیل اس ضمن میں یہ ہے کہ پولوس نے عبرانیوں کے نام خط میں لکھا ہے:

> ''اس نے اپنی بشریت کے دنوں میں زور زور سے پکار کر اور آنسو بہا بہا کر اس

سے دعائیں اور التجائیں کیں جو اس کو موت سے بچاسکتا تھا اور خدا ترسی کے سبب سے اس کی سنی گئی۔" (عبرانیوں 7:5)

یہ ایک طرح کی پیشگی اطلاع اور ایک امر واقعہ کا ٹھیک ٹھیک بیان ہے۔ اس پیش گوئی کی تائید کتاب الامثال سے بھی ہوتی ہے جس میں لکھا ہے کہ:

"خداوند کا خوف عمر کی درازی بخشتا ہے لیکن شریروں کی زندگی کوتاہ کردی جائے گی۔"

(امثال 27:10)

یہ پیش گوئی پوری نہیں ہوسکتی جب تک کہ یہ حقیقت قبول نہ کرلی جائے کہ جناب یسوع مسیح کو سولی سے زندہ سلامت اٹھالیا گیا۔ خدا کی طرف سے جناب یسوع کو بشارت مل چکی تھی اور اسی بشارتِ خداوندی پر جناب یسوع کے یقین و ایمان نے انہیں سولی پر موت سے محفوظ رکھا۔ چنانچہ جب سولی پر جانکنی کی اذیت شدید ہوئی تو انجیل میں آتا ہے کہ وہ پکار اٹھے:

"الوہی، الوہی، لما شبقتنی" اے میرے خدا۔ اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟

یہ گویا اپنے اس ایقان کا اظہار تھا کہ خدا کا وعدہ ہے کہ مجھے بچالیا جائے گا اور خدا کا وعدہ جھوٹا ہو نہیں سکتا۔ خدا کا وعدہ پورا ہوا اور اس نے اپنے پیارے نبی کو صلیب پر موت سے بچالیا۔

7- جنابِ یسوع یہودیوں کو برابر تنبیہ کرتے رہتے تھے:

"تاکہ تمام راست بازوں کا خون جو زمین پر بہایا گیا تم پر آئے...... راست باز ہابیل سے لے کر برکیاہ کے بیٹے زکریاہ کے خون تک جسے تم نے مقدس اور قربان گاہ کے درمیان قتل کیا۔" (متی 35:23)

اگر جنابِ یسوع کو بھی یہودیوں کے ہاتھوں قتل ہونا تھا اور اگر ان کا بھی خون بہنا تھا تو وہ ضرور اس بات کی طرف اشارہ کرتے بلکہ اسے یہودیوں کے بارے میں ایک فیصلہ کن بات کی حیثیت سے کہتے، لیکن صلیب پر چڑھائے جانے کے موقع پر جنابِ یسوع کی نمایاں خاموشی یہ ظاہر کرتی ہے کہ انہیں معلوم تھا کہ وہ یہودیوں کے ہاتھوں سولی پر مارے نہیں جائیں گے، ورنہ جہاں وہ یہودیوں کے ہاتھوں مختلف نبیوں اور راست بازوں کا خون بہائے جانے کا ذکر کرتے وہاں اپنا نام سرفہرست لیتے۔

8- انجیل میں جابجا نہایت واضح الفاظ میں جنابِ یسوع کی اپنی زبان سے اپنے مصائب و آزمائشوں کا ذکر ملتا ہے:

"اسی طرح ابن آدم بھی اُن کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے گا۔" (متی 12:17)

"لیکن پہلے ضرور ہے کہ وہ بہت دکھ اٹھائے اور اس زمانے کے لوگ اسے رد کردیں۔" (لوقا 17-25,24)

"کہ دکھ سہنے سے پہلے یہ فسح تمہارے ساتھ کھاؤں۔" (لوقا 15:22)

سولی کے واقعہ کے بعد مسیح کا ایک قول انجیل میں ملتا ہے:

"اے نادانو اور نبیوں کی سب باتوں کو ماننے میں سست اعتقادو! کیا مسیح کو یہ دکھ اٹھا کر اپنے جلال میں داخل ہونا ضرور نہ تھا۔" (لوقا 26,25:24)

ان تمام تصریحات سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ جناب مسیح کو ان تمام آزمائشوں سے گزرنا تو تھا لیکن صلیب پر موت سے انہیں بہرحال بچایا جانا تھا۔ انجیل میں جنابِ یسوع کے مصلوب کرنے یا ہلاک کرنے کا ذکر کسی ایک جگہ نہیں مختلف مقامات پر جزواً آیا ہے اور جہاں کہیں یہ ذکر آیا ہے، اندازِ بیان اور تفصیلات بہت مبالغہ آمیز ہیں اور ان دونوں باتوں میں ربط پیدا کرنے کے لیے اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ انجیل میں اذیت و آزمائش کو اکثر موت سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے کہ پولوس کرنتھیوں کے نام خط میں کہتا ہے:

"اے بھائیو مجھے اس فخر کی قسم جو ہمارے خداوند یسوع مسیح میں تم پر ہے، میں ہر روز مرتا ہوں۔" (1- کرنتھیوں۔ 31:15)

بائبل میں مسیح کے مصلوب ہونے کا تذکرہ اور اس کا تجزیہ

آگے بڑھنے سے پہلے ضروری ہے کہ انجیل میں جنابِ مسیح کے مصلوب ہونے کا جہاں اور جس انداز میں ذکر آیا ہے، اس کا جائزہ لے کر اس کی اہمیت و حقیقت کو بھی سمجھ لیا جائے۔

اس ضمن میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ نئے عہد نامے کی چاروں کتب یعنی کتابِ متی، کتابِ مرقس، کتابِ لوقا اور کتابِ یوحنا کے مولفین یا مرتبین واقعہ تصلیب کے عینی شاہد نہیں تھے اور ان میں سے کسی نے بھی آنکھوں دیکھا حال بیان نہیں کیا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ جب دشمنوں نے جنابِ یسوع کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور ان پر یلغار کی تو پیروکار ہی نہیں شاگرد اور چیلے بھی جنابِ یسوع علیہ السلام کو چھوڑ کر فرار ہو گئے تھے۔ متی باب 26، فقرہ 56 میں مذکور ہے:

"جس پر سب شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔"

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ متی، مرقس، لوقا یا یوحنا جنابِ یسوع کے شاگردوں میں سے تھے۔ انہوں نے اپنی چاروں کتابوں میں جو کچھ واقعات و اقوال اکٹھے کیے ہیں ان کی نوعیت عینی مشاہدہ اور اپنے کانوں سے سنی ہوئی باتوں اور حقائق کی نہیں بلکہ دوسروں کی سنی سنائی باتوں کی ہے۔ انہوں نے جو کچھ بھی بیان کیا ہے وہ بالواسطہ سنی ہوئی بات سے زیادہ کچھ نہیں قرار دیا جاسکتا یعنی اس واقعہ کے بارے میں انہوں نے جو کچھ مختلف لوگوں سے سنا اسے یکجا کر دیا۔ صرف ایک ہی واقعہ کے بیان میں کم و بیش بیس تضادات و اختلافات یہ واضح کر دینے کے لیے بالکل کافی ہیں کہ ان بیانات کی صداقت شک و شبہ سے بالا نہیں ہے۔

ہم اس واقعہ کے مختلف بیانات انجیل کے چاروں صحائف کے حوالے سے پیش کر کے فیصلہ

قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ وہ ان مختلف و متضاد بیانات پر کیا رائے قائم کرتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک جلیل القدر پیغمبر تھے۔ ان کے سولی پر چڑھائے جانے کی بات بھی کوئی معمولی بات یا واقعہ نہیں۔ اس کے بڑے دُور رس اثرات و نتائج مرتب ہوتے ہیں کیونکہ اگر انہیں سولی پر چڑھا کر ہلاک کیا گیا جیسا کہ عیسائیوں اور یہودیوں دونوں کا کہنا ہے تو اس کا مطلب خود انجیل کی اپنی ہی تعلیمات کی روشنی میں یہ ہوگا کہ مصلوب کو لعنتی مانا جائے۔ دوسری طرف ہمارے عیسائی دوست جو اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کو سولی چڑھا کر ہلاک کر دیا گیا وہ بھی وفاتِ مسیح کے کسی عینی شاہد کی نشاندہی سے قاصر ہیں۔ ان کا انحصار بیشتر سنی سنائی باتوں پر ہے یا چاروں صحائف کے مرتبین کی قیاس آرائیوں پر ہے۔ اسی بناء پر ان سب کے بیان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ دنیا بھر میں شہادت کا یہ اصول تسلیم شدہ ہے کہ جب گواہوں کے بیانات میں بنیادی اختلاف پایا جائے تو ان کی گواہی معتبر نہیں رہتی۔ اب ذرا انجیل کے مختلف صحائف کے اس بارے میں مختلف و متصادم بیانات ملاحظہ ہوں:

1- پہلا نکتہ یہ ہے کہ صلیب کس نے اٹھائی اور کون اسے گلگتا کے مقام پر لے کر گیا۔ کیا جنابِ یسوع نے صلیب اٹھائی یا شمعون نے؟ مرقس کا کہنا ہے کہ:

> ''اور شمعون نامی ایک کرینی آدمی سکندر اور روفس کا باپ دیہات سے آتے ہوئے ادھر سے گزرا۔ انہوں نے اسے بیگار میں پکڑا کہ اس کی صلیب اٹھائے۔ اور وہ اسے مقام گلگتا پر لائے۔'' (مرقس 21:15)

لوقا کا کہنا ہے:

> ''اور جب اس کو لیے جاتے تھے تو انہوں نے شمعون نامی ایک کرینی کو جو دیہات سے آتا تھا پکڑ کر صلیب اس پر لادی کہ یسوع کے پیچھے پیچھے لے چلے۔'' (لوقا 26:23)

متی کا کہنا ہے کہ:

> ''جب باہر آئے تو انہوں نے شمعون نامی ایک کرینی آدمی کو پا کر اسے بیگار میں پکڑا کہ اس کی صلیب اٹھائے۔'' (متی 26:27)

لیکن ان تینوں کے بیان کے مقابلے میں یوحنا کہتا ہے:

> ''اور وہ اپنی صلیب آپ اٹھائے ہوئے اس جگہ تک باہر گیا جو ''کھوپڑی کی جگہ'' کہلاتی ہے جس کا ترجمہ عبرانی میں گلگتا ہے۔'' (یوحنا 17:19)

2- دوسرا نکتہ یہ ہے کہ آیا جنابِ یسوع نے مصلوب ہونے سے پہلے مُر کہ یا پت ملی ہوئی شراب پی؟

کتابِ متی میں آتا ہے:

"اور اس جگہ جو گلگتا یعنی کھوپڑی کی جگہ کہلاتی ہے پہنچ کر پت ملی ہوئی مے اسے پینے کو دی مگر اس نے چکھ کر پینا نہ چاہا۔" (متی 27:33,34)

کتابِ مرقس میں آتا ہے:

"......اور مرملی ہوئی مے اسے دینے لگے مگر اس نے نہ لی۔" (مرقس 15:23)

گویا کتابِ متی کے مطابق یسوع کو پت ملی ہوئی شراب دی گئی جو اس نے چکھی اور اسے پینے سے انکار کر دیا۔

مرقس کی اطلاع یہ ہے کہ یسوع کو مرملی ہوئی شراب دی گئی مگر انہوں نے اسے چکھنے سے بھی انکار کر دیا لیکن لوقا اور یوحنا اس بارے میں قطعاً خاموش ہیں انہوں نے اس واقعہ کا ذکر تک نہیں کیا۔

3- اب تیسری بات لیجئے۔ یہ صلیب پر سرکہ دینے کے قصہ سے متعلق ہے۔ لوقا میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ یوحنا کے مطابق واقعہ یوں ہے کہ:

"اس کے بعد جب یسوع نے جان لیا کہ اب سب باتیں تمام ہوئیں تا کہ نوشتہ پورا ہو تو کہا کہ میں پیاسا ہوں۔ وہاں سرکہ سے بھرا ہوا ایک برتن رکھا تھا۔ پس انہوں نے سرکہ میں بھگوئے ہوئے اسفنج کو زُوفے کی شاخ پر رکھ کر اس کے منہ سے لگایا۔" (یوحنا 19:28,29)

مرقس کے بیان کے مطابق:

"اور ایک نے دوڑ کر اسفنج کو سرکے میں ڈبویا اور سرکنڈے پر رکھ کر اسے چسایا۔" (مرقس 15:36)

متی کا کہنا ہے کہ:

"اور فوراً ان میں سے ایک شخص دوڑا اور اسفنج لے کر سرکے میں ڈبویا اور سرکنڈے میں رکھ کر اسے چسایا۔" (متی 27:48)

ان تینوں بیانات پر نظر ڈالیے تو ان میں پہلا اختلاف یہ سامنے آتا ہے کہ یوحنا کے مطابق جنابِ یسوع نے یہ کہہ کر کہ میں پیاسا ہوں اپنی پیاس بجھانے کی خواہش کا اظہار کیا لیکن مرقس اور متی کی اطلاع کے مطابق یسوع نے نہ اپنی پیاس کا اظہار کیا نہ پیاس بجھانے کے لیے پانی طلب کیا۔ پھر یوحنا میں آتا ہے کہ انہوں نے سرکہ میں بھگوئے ہوئے اسفنج کو یسوع کے منہ سے لگایا لیکن مرقس اور متی میں صرف ایک شخص کا ذکر آتا ہے کہ وہ اسفنج سرکہ میں بھگو کر لایا۔ پھر مرقس اور متی میں ایک اور اختلاف سامنے آتا ہے۔ مرقس کے مطابق جس شخص نے جنابِ یسوع علیہ السلام کو صلیب پر پیاس بجھانے کے لیے سرکہ دیا اس نے کہا کہ:

"ٹھہر جاؤ! دیکھیں تو ایلیاہ اسے اتارنے آتا ہے۔" (مرقس 15:36)

لیکن متی کی رُو سے یہ بات اس شخص نے نہیں بلکہ دوسرے لوگوں نے جو وہاں موجود تھے کہی تھی:

"مگر باقیوں نے کہا۔ ٹھہر جاؤ۔ دیکھیں تو ایلیاہ اسے بچانے آتا ہے یا نہیں۔"

(متی 47:27)

4-چوتھی متنازعہ بات یہ ہے کہ جناب مسیح کو کس وقت سولی چڑھایا گیا؟

متی اور لوقا میں وقت کے بارے میں کوئی تعین نہیں ملتا۔ یوحنا کا کہنا ہے:

"یہ فسح کی تیاری کا دن اور چھٹے گھنٹے کے قریب تھا۔ پھر اس نے یہودیوں سے کہا دیکھو یہ ہے تمہارا بادشاہ۔ پس وہ چلائے کہ لیجا۔ لیجا۔ اسے مصلوب کر۔ پیلاطس نے ان سے کہا۔ "کیا میں تمہارے بادشاہ کو مصلوب کروں؟ سردار کاہنوں نے جواب دیا کہ "قیصر کے سوا ہمارا کوئی بادشاہ نہیں۔" اس پر اس نے اس کو ان کے حوالے کیا کہ مصلوب کیا جائے۔" (یوحنا 16,14:19)

یوحنا کے قول کے مطابق یسوع کو چھٹے گھنٹے کے قریب یعنی سہ پہر کو سولی چڑھایا گیا' لیکن مرقس کا بیان اس بارے میں مختلف ہے۔ اس کے مطابق:

"اور پہر دن چڑھا تھا جب انہوں نے اس کو مصلوب کیا۔" (مرقس 25:15)

اب ایک ہی واقعہ کے بارے میں جب ایک راوی دن کا پہلا پہر بتائے اور دوسرا راوی تیسرا پہر بتائے تو ان میں سے کس کی بات صحیح مانی جائے اور اس تضاد بیانی کے بعد ان گواہیوں پر کس طرح بھروسا کیا جائے۔

5-پانچویں تضاد بیانی یہ سامنے آتی ہے کہ سولی چڑھائے جانے کے وقت جناب یسوع کے ساتھ جن دو ڈاکوؤں کو سولی دی گئی ان دونوں نے لوگوں کے ساتھ ہم آواز ہو کر یسوع کو لعن طعن کی یا صرف ایک ڈاکو اس حرکت کا مرتکب ہوا۔

متی کا کہنا ہے کہ:

"اسی طرح ڈاکو بھی جو اس کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے اس پر لعن طعن کرتے تھے۔" (متی 44:27)

مرقس کا کہنا ہے:

"......اور جو اس کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے وہ اس پر لعن طعن کرتے تھے۔"

(مرقس 32:15)

لیکن لوقا کا بیان ان دونوں گواہیوں کو اس طرح جھٹلاتا ہے:

"پھر جو بدکار صلیب پر لٹکائے گئے تھے ان میں سے ایک اسے یوں طعنہ دینے لگا کہ کیا تو مسیح نہیں؟ تو اپنے آپ کو اور ہم کو بچا۔ مگر دوسرے نے اسے جھڑک کر جواب دیا کہ کیا تو خدا سے بھی نہیں ڈرتا حالانکہ اسی سزا میں گرفتار ہے۔"

(لوقا 40,39:23)

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ اس بارے میں بھی تین راویوں میں سے دو کا بیان کچھ ہے اور تیسرے راوی کا کچھ اور۔ پہلے دو راوی کہتے ہیں کہ جناب یسوع کے ساتھ سولی پر چڑھنے والے دونوں ڈاکوؤں نے یسوع پر لعن طعن کی لیکن تیسرے راوی کا کہنا ہے کہ صرف ایک ڈاکو نے یہ حرکت کی جب کہ دوسرے ڈاکو نے اس پر اپنے ساتھی کو ٹوکا اور جھڑکا اور جناب یسوع کی حمایت کی چوتھے راوی یعنی یوحنا نے اس بارے میں خاموشی اختیار کی ہے۔

6- چھٹا نمایاں اختلاف اس امر پر سامنے آتا ہے کہ جناب یسوع کو سولی چڑھائے جانے کے وقت وہ عورتیں کہاں تھیں جن کو واقعہ صلیب کی شہادت میں پیش کیا جاتا ہے۔

یوحنا کا کہنا ہے:

''اور یسوع کی صلیب کے پاس اس کی ماں اور اس کی ماں کی بہن مریم کلوپاس کی بیوی اور مریم مگدلینی کھڑی تھیں۔'' (یوحنا 25:19)

لوقا کا کہنا ہے:

اور اس کے سب جان پہچان اور وہ عورتیں جو گلیل سے اس کے ساتھ آئی تھیں دُور کھڑی یہ باتیں دیکھ رہی تھیں۔'' (لوقا 49:23)

مرقس کا بیان ملاحظہ ہو:

''اور کئی عورتیں دور سے دیکھ رہی تھیں۔ ان میں مریم مگدلینی اور چھوٹے یعقوب اور یوسیس کی ماں مریم اور سلومی تھیں۔ جب وہ گلیل میں تھا' یہ اس کے پیچھے ہو لیتی اور اس کی خدمت کرتی تھیں اور بھی بہت سی عورتیں تھیں جو اس کے ساتھ یروشلم میں آئی تھیں۔'' (مرقس 41,40:15)

متی کا کہنا ہے:

''اور وہاں بہت سی عورتیں جو گلیل سے یسوع کی خدمت کرتی ہوئی اس کے پیچھے پیچھے آئی تھیں دُور سے دیکھ رہی تھیں ان میں مریم مگدلینی تھی اور یعقوب اور یوسیس کی ماں مریم اور زبدی کے بیٹوں کی ماں۔'' (متی 56,55:27)

اب ذرا غور فرمائیں یوحنا کا کہنا ہے کہ عورتیں یسوع کی صلیب کے پاس کھڑی تھیں' جب کہ دوسری اناجیل کے مطابق عورتیں دُور سے دیکھ رہی تھیں۔ پھر یسوع کی ماں کی موجودگی کا علم صرف یوحنا کو ہوتا ہے باقی اس بارے میں لاعلم نظر آتے ہیں۔ مریم مگدلینی کے متعلق یوحنا کا کہنا ہے کہ وہ یسوع کی صلیب کے پاس کھڑی تھی جب کہ دوسری اناجیل کے راوی اسے اور دوسری عورتوں کو صلیب سے کافی دُور کھڑا ہوا بتاتے ہیں۔ ان متضاد بیانات میں غیر معمولی اختلاف کسی توضیح کا محتاج نہیں پھر اس موقع پر موجود عورتوں کی تعداد میں بھی اختلاف ہے کہ آیا وہ تین تھیں' چار تھیں یا کئی ایک تھیں۔

7- پھر اس واقعہ کے بیان میں ایک اور الجھن بھی پیدا ہوگئی ہے کہ کیا مسیح کے مصلوب ہونے

پر ساری دنیا میں اندھیرا چھا گیا۔ متی سے معلوم ہوتا ہے:

"اور دوپہر سے لے کر تیسرے پہر تک تمام ملک میں اندھیرا چھایا رہا۔"

(متی 45:27)

مرقس کے مطابق:

"جب دوپہر ہوئی تو تمام ملک (12) میں اندھیرا چھا گیا اور تیسرے پہر تک رہا۔" (مرقس 33:15)

لوقا کے مطابق:

"پھر دوپہر کے قریب سے تیسرے پہر تک تمام ملک میں اندھیرا چھایا رہا۔ اور سورج کی روشنی جاتی رہی۔" (لوقا 45,44:23)

یہ متی، مرقس اور لوقا کی متفقہ اناجیل کا بیان ہے۔ یوحنا نے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا اور اس کی خاموشی بڑی تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے۔ یہ باور کرنا دشوار بلکہ بعید از قیاس ہوگا کہ یوحنا جس نے واقعات کے بیان میں ہر جگہ مبالغہ آرائی کی حد تک جزئیات بیان کی ہیں ایک ایسے معجزنما مظاہرے کا ذکر تک بھی نہ کرے۔ یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ مرقس، متی اور لوقا کے راویوں کو یہ بات کس طرح معلوم ہوئی کہ یسوع کو جب سولی دی گئی تو ساری دنیا میں اندھیرا چھا گیا۔ اس وقت اطلاع اور آمدورفت کے ذرائع جتنے محدود اور سست رفتار تھے ان کی بنیاد پر عملاً تو ان کے لیے ان کا اپنا گاؤں یا قصبہ ہی "ساری دنیا ہوگا۔ لیکن تاریخ سے اس امر کی بھی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ بیت المقدس (یروشلم) ہی میں اس موقع پر اندھیرا چھا گیا ہو جس سے اس حسن ظن کی بھی گنجائش نہیں رہتی کہ یہ بات یروشلم کی حد تک ہی حقیقت ہو۔

8- آٹھواں تضاد یسوع کے صلیب پر زور سے چلانے اور اس سے مقدس کا پردہ پھٹ جانے کے سلسلے میں سامنے آتا ہے۔

متی کی اطلاع کے مطابق:

"اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا۔ "ایلی ایلی لما شبقتنی"، یعنی اے میرے خدا، اے میرے خدا تو نے کیوں مجھے چھوڑ دیا؟" جو وہاں کھڑے تھے ان میں سے بعض نے سن کر کہا یہ ایلیاہ کو پکارتا ہے اور فوراً ان میں سے ایک شخص دوڑا اور اسفنج لے کر سرکہ میں ڈبویا اور سرکنڈے پر رکھ کر اسے چوسایا۔ مگر باقیوں نے کہا ٹھہر جاؤ دیکھیں تو ایلیاہ اسے بچانے آتا ہے یا نہیں۔ یسوع نے پھر بڑی آواز سے چلا کر جان دے دی اور مقدس کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا اور زمین لرزی اور چٹانیں تڑق گئیں اور قبریں کھل گئیں اور بہت سے جسم ان مقدسوں کے جو سو گئے تھے جی

اٹھے۔" (متی 52,46:27)

مرقس نے اس کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے:

اور تیسرے پہر کو یسوع بڑی آواز سے چلایا کہ الوہی۔ الوہی لما شبقتنی جس کا ترجمہ ہے اے میرے خدا۔ اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ جو پاس کھڑے تھے ان میں سے بعض نے یہ سن کر کہا۔ دیکھو وہ ایلیاہ کو بلاتا ہے اور ایک نے دوڑ کر سپنج کو سرکہ میں ڈبویا اور سرکنڈے پر رکھ کر اسے چسایا اور کہا ٹھہر جاؤ۔ دیکھیں تو ایلیاہ اسے اتارنے آتا ہے۔ پھر یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر دم دے دیا۔ اور مقدس کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔"

(مرقس 38,34:15)

لوقا میں اس کو ان الفاظ میں پیش کیا گیا ہے:

"اور سورج کی روشنی جاتی رہی اور مقدس کا پردہ بیچ سے پھٹ گیا۔ پھر یسوع نے بڑی آواز سے پکار کر کہا۔ "اے باپ! میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں اور یہ کہہ کر دم دے دیا۔" (لوقا 46,45:23)

لیکن یوحنا میں اس طرح کی کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ ایسی صورت میں جہاں اتنے اہم واقعہ کی تصدیق و شہادت کی ضرورت ہو اگر کوئی شہادت نہ ملے تو ساری گواہی مشتبہ ہو جاتی ہے۔ پھر اس واقعہ کی تفصیلات میں خود متی، مرقس اور لوقا میں بھی اختلاف نظر آتا ہے۔ مرقس جناب یسوع کی بڑی آواز سے چلانے اور مقدس کے پردے کے اوپر سے نیچے تک پھٹ کر دو ٹکڑے ہو جانے کا ذکر کرتا ہے۔ لوقا کا کہنا ہے کہ مقدس کا پردہ درمیان سے پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا اوپر سے نیچے تک پھٹ کر دو ٹکڑے نہیں ہوا یعنی لمبائی میں نہیں چوڑائی میں پھٹ کر دو ٹکڑے ہوا۔ متی میں صرف اسی حد تک بیان پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ زمین لرزی اور چٹانیں تڑق گئیں اور قبریں کھل گئیں اور بہت سے مقدسوں کے جسم جو سو گئے تھے دوبارہ جی اٹھے اور چل کر شہر میں آئے۔ اگر متی کے بیان پر یقین کیا جائے تو دوسری اناجیل کے مرتبین پر یہ الزام عائد ہوتا ہے کہ انہوں نے تاریخ کے انتہائی اہم واقعات کو چھپایا لیکن دوسری طرف اگر مرقس اور لوقا کے بیانات کو درست تسلیم کیا جائے تو متی کی شہادت من گھڑت محسوس ہوتی ہے۔ تاریخ کی شہادت کے مطابق موخرالذکر تفاصیل کی تائید ہوتی ہے۔ بہرکیف اناجیل اربعہ کے بیانات میں یہ اختلاف و تضاد اور خلاف حقیقت باتیں اس سارے واقعہ کی تفصیلات کی صداقت کو مشتبہ بنا دینے کے لیے بالکل کافی ہیں۔

9۔ اس واقعہ میں نواں نکتہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا جناب یسوع کے بلند آواز سے چلانے کے بعد مقدس کا پردہ پھٹا یا مقدس کا پردہ پھٹنے کے بعد جناب یسوع نے بلند آواز سے چلا کر جان دی۔ متی اور مرقس کے بیان کے مطابق جناب یسوع دو مرتبہ بلند آواز سے چلائے لیکن لوقا کے بیان کے مطابق

جناب یسوع نے ایک ہی بار بلند آواز سے پکارا۔ متی اور مرقس کے بیان کے مطابق یسوع نے سولی پر چلا کر کہا کہ الوہی' الوہی لما سبقتنی (اے میرے خدا۔ اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا) لیکن لوقا نے یہ بات سرے سے نقل نہیں کی اور یوحنا نے تو اس ساری تفصیل ہی کو گول کر دیا۔ گویا اب صورت حال یہ سامنے آتی ہے کہ دو راوی اس امر پر متفق ہیں کہ جناب یسوع نے سولی پر دو بار بلند آواز سے پکارا۔ لیکن لوقا میں اس سے ہٹ کر یوں بتایا گیا ہے کہ جناب یسوع نے بلند آواز سے کہا ''اے باپ میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں۔ اس فقرہ کا ذکر مرقس اور متی کی اناجیل میں نہیں ملتا۔ پھر راویوں کے درمیان اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ آیا یسوع کی دوسری پکار اور جان دینے کا واقعہ پہلے ہوا یا مقدس کا پردہ پھٹ کر دو ٹکڑے ہونے کا واقعہ پہلے رونما ہوا۔ متی اور مرقس کے بیان کے مطابق مقدس کا پردہ دو ٹکڑے ہونے کا واقعہ جناب یسوع کے چلانے اور جان دے دینے کے بعد پیش آیا لیکن لوقا کا بیان یہ ظاہر کرتا ہے کہ مقدس کا پردہ پہلے پھٹ کر دو ٹکڑے ہوا اور جناب یسوع نے چلا کر بعد میں جان دی۔

10- دسواں نکتۂ اختلاف صوبہ دار کی گواہی ہے۔ لوقا کا کہنا ہے کہ مقدس کا پردہ پھٹنے کے بعد:

''یہ ماجرا دیکھ کر صوبہ دار نے خدا کی تمجید کی اور کہا بے شک یہ آدمی راستباز تھا۔'' (13) (لوقا 47:23)

مرقس کا بیان یہ ہے کہ:

''اور جو صوبہ دار اس کے سامنے کھڑا تھا اس نے اسے یوں دم دیتے ہوئے دیکھ کر کہا ''بے شک یہ آدمی خدا کا بیٹا تھا۔'' (مرقس 39:15)

متی نے اس طرح تفصیل دی ہے کہ:

''پس صوبہ دار اور جو اس کے ساتھ یسوع کی نگہبانی کرتے تھے بھونچال اور تمام ماجرا دیکھ کر بہت ہی ڈر کر کہنے لگے کہ بے شک یہ خدا کا بیٹا تھا۔''

(متی 54:27)

تینوں متفقہ اناجیل میں واقعہ کی یہ تفصیلات بیان کی گئی ہیں لیکن یوحنا نے اس کا بھی کوئی ذکر نہیں کیا۔ سوال پھر یہی پیدا ہوتا ہے کہ یوحنا نے آخر اس واقعہ کی تفصیلات سے کیوں گریز کیا۔ جن تین اناجیل میں اس کی تفصیلات بیان ہوئیں ان میں بھی کافی فرق و اختلاف نظر آتا ہے۔ مرقس کے بیان کے مطابق صوبہ دار نے جناب یسوع کو جان دیتے دیکھا تو اپنے تاثر کا اظہار کیا۔ لوقا کے بیان کے مطابق صوبہ دار نے پہلے خدا کی تمجید کی اور پھر اپنے تاثر کا اظہار کیا۔ متی کے بیان میں صوبہ دار کے ساتھ اور بھی کئی نگہبانوں کو اظہار تاثر میں شریک قرار دیا گیا ہے کہ بھونچال اور تمام ماجرا دیکھ کر وہ سب ڈر گئے اور اس کے بعد انہوں نے اپنے تاثر کا اظہار کیا۔ اس کے علاوہ بھی اس پہلو کی تفصیل میں کئی

اختلافات سامنے آتے ہیں اور ایک راوی کا بیان دوسرے کے بیان سے کافی مختلف نظر آتا ہے مثلاً متی کی روایت میں صوبہ دار کا یہ قول دیا گیا ہے کہ بے شک یہ خدا کا بیٹا تھا۔ مرقس کی روایت میں آتا ہے کہ صوبہ دار نے کہا بے شک یہ آدمی خدا کا بیٹا تھا۔ اور لوقا میں بات اور زیادہ مختلف ہو جاتی ہے کہ بیشک یہ آدمی راست باز تھا۔ گویا متی کے مطابق وہ آدمی نہیں بلکہ خدا کا بیٹا کہتا ہے۔ مرقس کے مطابق وہ آدمی بھی کہتا ہے اور خدا کا بیٹا بھی لیکن لوقا کے مطابق وہ آدمی کہتا ہے اور خدا کا بیٹا نہیں بلکہ راست باز یا معصوم کہتا ہے۔ یہ درجہ بدرجہ اختلاف نہایت دلچسپ ہے۔ اب ہمارے عیسائی دوستوں کی مشکل یہ ہے کہ وہ اگر ایک روایت کو ناقابلِ اعتبار قرار دیں تو باقی ساری تفاصیل آپ سے آپ ناقابلِ لحاظ قرار پا جاتی ہیں اور اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ تینوں اناجیل کے راویوں کا مفہوم اصلاً ایک ہی ہے تو یہ بات لازم آتی ہے کہ خدا کا بیٹا اور راست باز یا معصوم کی اصطلاحوں کو ہم معنی تسلیم کیا جائے کہ ان سب کا مفہوم و مدعا ایک ہی ہے اور اناجیل کے راویوں نے خدا کے بیٹے کی اصطلاح درحقیقت راست باز اور معصوم ہی کے معنی میں استعمال کی ہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو یسوع کے ابن اللہ ہونے کا مسئلہ خود بخود طے ہو جاتا ہے۔

11- گیارھواں سوال جس کا کوئی متفقہ جواب نہیں ملتا' یہ ہے کہ آیا جب جناب یسوع بلند آواز سے چلائے تو یہودیوں یا موقع پر موجود لوگوں کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ جناب یسوع نے جان دے دی؟ متی اور مرقس سے اس بارے میں کوئی واضح بات نہیں معلوم ہوتی البتہ لوقا سے پتہ چلتا ہے:

''اور جتنے لوگ اس نظارہ کو آئے تھے یہ ماجرا دیکھ کر چھاتی پیٹتے ہوئے لوٹ گئے۔ اور اس کے سب جان پہچان اور وہ عورتیں جو گلیل سے اس کے ساتھ آئی تھیں دور کھڑی یہ باتیں دیکھ رہی تھیں۔'' (لوقا 49,48:23)

یوحنا کا بیان ہے:

> ''پس چونکہ تیاری کا دن تھا' یہودیوں نے پیلاطس سے درخواست کی کہ ان کی ٹانگیں توڑ دی جائیں اور لاشیں اُتار لی جائیں تا کہ سبت کے دن صلیب پر نہ رہیں۔'' (یوحنا 31:19)

یوحنا کی اس روایت سے عیاں ہے کہ یہودیوں نے ٹانگیں توڑنے کی درخواست ہی اس لیے کی کہ انہیں آخر وقت تک یہ شبہ تھا کہ جناب یسوع کی موت واقع نہیں ہوئی ورنہ اس مطالبہ کی کوئی تک معلوم نہیں ہوتی۔ آخری لحات میں یہودیوں کی جانب سے اس نوعیت کے وحشیانہ اور ظالمانہ مطالبے سے اس سارے فسانے میں کوئی جان ہی باقی نہیں رہ جاتی کہ جنابِ یسوع کے سولی پر چڑھائے جانے کے نتیجے میں زمین لرزی' قبریں پھٹ گئیں' مردے قبروں میں جی اٹھے اور مقدس کا پردہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ اگر واقعی اس طرح کے دل دہلانے والے واقعات رونما ہوئے ہوتے تو یہودیوں کو ایسے وحشیانہ اور سنگ دلانہ مطالبے کا حوصلہ ہی نہ پڑتا یا کم از کم شہر کا حاکم پیلاطس ہی انہیں جھاڑتا کہ ظالمو! ایسے

معجزانہ اور خرقِ عادت واقعات کے بعد بھی تم یسوع کی ٹانگیں توڑنے کی جسارت کر رہے ہو۔ کچھ تو خدا کا خوف کرو۔

یوحنا نے یہودیوں کا یہ مطالبہ بیان کر کے اس حقیقت کی سچائی ثابت کر دی ہے کہ جناب یسوع نے صلیب پر جان نہیں دی۔ لوقا کی روایت کے مطابق جب لوگوں نے جناب یسوع کا یہ المناک انجام دیکھا تو وہ چھاتی پیٹتے ہوئے لوٹ گئے۔ اور یہ سارے لوگ اور وہ عورتیں جو گلیل سے آئی تھیں دُور سے کھڑی یہ ماجرا دیکھ رہی تھیں۔ یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اگر جناب یسوع کو سولی دیتے وقت دوپہر سے لے کر تیسرے پہر تک گھپ اندھیرا چھا گیا تھا' زمین لرز رہی تھی' پہاڑ چیخ رہے تھے اور قبریں پھٹ رہی تھیں تو لوگ کس طرح دُور سے کھڑے سولی کا یہ منظر دیکھ سکے۔ اب دو ہی صورتیں ممکن ہوسکتی ہیں یا تو سولی کا یہ منظر دیکھنے کی تفصیلات سب من گھڑت ہیں یا پھر یہ افسانہ طرازی کی گئی ہے کہ اس وقت ساری دنیا میں گھپ اندھیرا چھا گیا۔ ذرا نظر غائر سے جائزہ لیجئے تو یہ دونوں ہی باتیں خیال آرائی اور زینت داستان سے زیادہ کچھ معلوم نہیں ہوتیں۔ کسی حد تک اس بارے میں متی اور مرقس کا سکوت اور گھپ اندھیرا ساری دنیا میں چھا جانے کی بات کا یوحنا کی روایت میں ذکر نہ ہونا بھی اس تاثر کی تائید کرتا ہے جو ہم نے اس بارے میں پیش کیا ہے۔

12- بارھواں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا سولی پر جنابِ یسوع علیہ السلام کی ٹانگیں توڑی گئی۔ یوحنا اس سلسلے میں یہودیوں کے مطالبے کا ذکر کر کے صرف اتنا بتاتا ہے کہ:

> "پس سپاہیوں نے آ کر پہلے اور دوسرے شخص کی ٹانگیں توڑیں جو اس کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے۔ لیکن جب انہوں نے یسوع کے پاس آ کر دیکھا کہ وہ مر چکا ہے تو اس کی ٹانگیں نہ توڑیں۔" (یوحنا 19: 33,32)

یہ چونکہ سبت کا یومِ تیاری تھا اس لیے یہودی زیادہ دیر یہ تماشا دیکھنے کے لیے رُک نہیں سکتے تھے۔ اس لیے اُس دن پچھلے پہر یہودیوں نے پیلاطس سے مطالبہ کیا کہ جناب یسوع کی ٹانگیں توڑ دی جائیں جسے پیلاطس نے بلا توقف مان لیا۔ اس طرح جناب یسوع کی ٹانگیں توڑنے کا معاملہ یکسر پیلاطس پر ہی چھوڑ دیا گیا۔ ادھر اناجیل اربعہ کے بیان کردہ واقعات وشواہد یہ بھی بتاتے ہیں کہ پیلاطس دل سے یہ نہ چاہتا تھا کہ جنابِ یسوع کو اس طرح اذیت دے کر ہلاک کیا جائے۔ اغلباً جب حاکم پیلاطس نے صوبہ دار کو یہودیوں کی خواہش پوری کرنے کے لیے بھیجا ہوگا تو اس پر اپنا یہ عندیہ واضح کر دیا ہوگا کہ سپاہی مصلوب ڈاکوؤں کی ٹانگیں توڑیں لیکن جناب یسوع کی ٹانگیں نہ توڑیں۔ اسی بناء پر ڈاکوؤں کی ٹانگیں توڑ دی گئیں لیکن جناب یسوع کو نہ چھیڑا گیا۔

یوحنا جنابِ یسوع کی ٹانگیں نہ توڑے جانے کی وجہ یہ بیان کرتا ہے کہ جب پیلاطس کے فرستادے جنابِ یسوع کے قریب پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ جناب یسوع مر چکے ہیں' اس لیے انہوں نے یسوع کی ٹانگیں نہ توڑیں۔ یہاں یہ عرض کرنا بھی بے محل نہ ہوگا کہ یوحنا کے یہ الفاظ کہ "جب وہ

جنابِ یسوع کے قریب پہنچے" لوقا کے اس بیان کی تردید کردیتے ہیں کہ لوگوں نے جنابِ یسوع کو کافی فاصلے سے اس حال میں جان دیتے دیکھا کیونکہ اس وقت پوری دنیا گھپ اندھیرے میں ڈوب چکی تھی اور صوبہ دار کو بھی جناب یسوع کی موت کا یقین اس وقت حاصل ہوا جب وہ جنابِ یسوع کے بالکل قریب گیا۔ بہرحال یہ یوحنا کی اس بارے میں اپنی توجیہ ہے ورنہ راوی خود تو موقع پر موجود نہ تھا اس کی گواہی اور بیان محض سنی سنائی باتوں پر منحصر ہے اور تاریخ اور تجزیہ کی کسوٹی پر بے حقیقت ثابت ہوتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ ایسی صورت میں تو ان ساری روایات میں کوئی وزن ہی باقی نہیں رہتا کہ متی، مرقس اور لوقا تینوں متفقہ اناجیل کے راوی حقائق کے عینی شاہد نہیں ہیں۔

ایک لمحہ کے لیے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ صوبیدار نے جنابِ یسوع کے قریب جاکر یہ خیال ظاہر کیا کہ وہ مرچکے ہیں تو کیا دُنیا میں ایسی مثالیں موجود نہیں ہیں کہ بیہوش افراد کو مردہ سمجھ کر ان کے دفن کرنے کے انتظامات تک شروع کر دیئے گئے۔ یہ غلط فہمی عین قرین قیاس ہے اور اسے کسی بنیادی عقیدہ کی اساس و دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

اس تجزیہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اگر فی الحقیقت صوبہ دار نے اس طرح کی کوئی بات کہی ہے تو اس کی نوعیت اس کے سوا کچھ نہیں ہوسکتی کہ وہ حاکم پیلاطس کا کوئی معتمد افسر تھا اور یہ بات اس نے جان بوجھ کر دوسرے سپاہیوں کی توجہ ہٹانے کے لیے کہی تا کہ کوئی شریر آدمی جناب یسوع کی ٹانگیں نہ توڑنے والی بات کا بتنگڑ بنا کر حاکم کو بدنام نہ کرسکے۔

13- تیرھواں وضاحت طلب مسئلہ یہ ہے کہ جنابِ یسوع کے جسم کو کس نے سولی سے اتارا اور کس نے لے جا کر قبر میں رکھا۔ اس بارے میں بھی متی، مرقس اور لوقا کا بیان اور یوحنا کا بیان کافی مختلف نظر آتا ہے۔ متی کے مطابق:

> "یوسف نے لاش کو لے کر صاف مہین چادر میں لپیٹا اور اپنی نئی قبر میں جو اس نے چٹان میں کھدوائی تھی رکھا۔ پھر وہ ایک بڑا پتھر قبر کے منہ پر لڑھکا کر چلا گیا۔" (متی 27:59,60)

مرقس کے مطابق:

> "اس نے ایک مہین چادر مول لی اور لاش کو اتار کر اس چادر میں کفنایا اور ایک قبر کے اندر جو چٹان میں کھودی گئی تھی رکھا اور قبر کے منہ پر ایک پتھر لڑھکا دیا۔"

(مرقس 15:46)

لوقا کے مطابق:

> "اور اس کو اتار کر مہین چادر میں لپیٹا پھر ایک قبر کے اندر رکھ دیا جو چٹان میں کھدی ہوئی تھی اور اس میں کوئی بھی رکھا نہ گیا تھا۔ (لوقا 23:53)

یوحنا کا اس کے مقابلے میں بیان یوں ہے:

"پس وہ آ کر اس کی لاش لے گیا اور نیکدیمس بھی آیا جو پہلے یسوع کے پاس رات کو گیا تھا اور پچاس سیر کے قریب مر اور عود ملا ہوا لایا۔ پس انہوں نے یسوع کی لاش لے کر اسے سوتی کپڑے میں خوشبودار چیزوں کے ساتھ کفنایا جس طرح کہ یہودیوں میں دفن کرنے کا دستور ہے اور جس جگہ وہ مصلوب ہوا' وہاں ایک باغ تھا اور اس باغ میں ایک نئی قبر تھی جس میں کبھی کوئی نہ رکھا گیا تھا۔ پس انہوں نے یہودیوں کی تیاری کے دن کے باعث یسوع کو وہیں رکھ دیا کیونکہ یہ قبر نزدیک تھی۔" (یوحنا 19:38,42)

ایک واقعہ کے بیان میں اتنے زبردست تضادات اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ یہ روایات اللہ کا کلام ہرگز نہیں ہیں۔ ہمارے عیسائی بھائی جن راویوں کے بیانات اور گواہوں پر خود یقین کرتے اور دوسروں کو یقین دلانے کی سرتوڑ کوششیں کرتے ہیں' اس تفصیلی تجزیہ کی روشنی میں جو ہم اوپر پیش کر چکے ہیں ان کی صداقت و معتبری کی کوئی اساس اور کوئی حقیقت باقی نہیں رہ جاتی۔ کوئی بھی سلیم الفطرت اور حق پسند منصف ایسی گواہیوں اور شہادتوں کو جو ایک ایک قدم پر اور معمولی معمولی تفصیلات و جزئیات میں ایک دوسرے سے متصادم اور متناقض ہوں کبھی قابل قبول و معتبر قرار نہیں دے سکتا' نہ ہی انہیں اپنے کسی فیصلے کی بنیاد بنا سکتا ہے کیونکہ ان کے غلط ہونے کے لیے مزید کسی دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

جناب یسوع کا آسمان پر اُٹھایا جانا

عیسائی عقائد کی تیسری بنیاد یہ ہے کہ جناب یسوع دوبارہ جی اٹھے اور پھر آسمان پر چلے گئے۔ اب اگر قاری گزشتہ صفحات کے دلائل و شواہد سے اتفاق کرے جن کے ذریعہ حتمی طور پر اناجیل اربعہ کے بیانات سے یہ ثابت کردیا گیا ہے کہ جناب یسوع علیہ السلام نے صلیب پر جان نہیں دی تو دوبارہ جی اٹھنے کی سرے سے بحث ہی پیدا نہیں ہوتی۔

عیسائی مذہب میں بتدریج بدلتے ہوئے عقائد و رجحانات کے نتیجے میں جناب یسوع علیہ السلام کے آسمانوں پر چلے جانے کے تصور کو مسترد کردیا گیا۔ ایک زمانہ تھا جب آسمانوں کے الگ طبعی وجود پر لوگوں کو ایسا اندھا یقین تھا کہ مسلمانوں کو اپنے عیسائی دوستوں کو بڑی بحث اور محنت سے یہ سمجھانا پڑتا تھا کہ آسمان کسی موجود بالذات چیز کا نام نہیں۔ آج کے خلائی دور میں جدید سائنسی تحقیقات و مشاہدات سے یقینی طور پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آسمان کا کوئی ٹھوس مادی وجود نہیں۔ یہ خلاء میں ہماری حد نظر کے لیے ایک اصطلاح ہے۔ چنانچہ نظرثانی (14) شدہ انجیل میں مرقس اور لوقا کے صحیفوں سے جناب یسوع علیہ السلام کے آسمان پر چلے جانے کا ذکر یکسر حذف ہی کردیا گیا ہے۔ عہد نامۂ جدید جس پر

عیسائی عقائد کی اساس ہے اس میں زبردست تبدیلیاں کر دی گئی ہیں اور جناب یسوع علیہ السلام کے آسمان پر چلے جانے کے عقیدے کے بارے میں ہر نئے ایڈیشن میں پچھلے ایڈیشن سے مختلف تصور دیا جارہا ہے۔ بلکہ ان میں سے کچھ تبدیلیاں تو ایسی ہیں جن سے عیسائی عقائد کی بنیادوں پر ضرب پڑتی ہے۔ مثلاً جناب یسوع علیہ السلام کے آسمان پر جانے کے بارے میں مرقس اور لوقا کے صحائف میں دو جگہ تذکرہ ملتا تھا لیکن اب دونوں جگہ سے اس تذکرے کو حذف کر دیا گیا ہے۔ پہلے مرقس میں عبارت اس طرح سے تھی:

''خداوند یسوع ان سے کلام کرنے کے بعد آسمان پر اٹھایا گیا اور خدا کی داہنی طرف بیٹھ گیا۔'' (مرقس 19:16)

اور لوقا میں یہ عبارت اسی طرح تھی:

''جب وہ انہیں برکت دے رہا تھا تو ایسا ہوا کہ ان سے جدا ہو گیا اور آسمان پر اٹھایا گیا۔'' (لوقا 51:24)

مرقس کے صحیفہ میں اس واقعہ سے متعلقہ کئی آیات جو اس سے پہلے اور اس کے بعد درج تھیں وہ بھی حذف کر دی گئیں اور لوقا کے باب 24 کی فقرہ 51 اس طرح درج کی گئی ہے:

''جب وہ انہیں برکت دے رہا تھا تو ایسا ہوا کہ وہ ان سے جدا ہو گیا۔''

یہاں ''آسمان پر اُٹھالیا گیا'' کے الفاظ حذف کر دیئے گئے ہیں۔

حوالہ جات

☆ نام کی معمولی مماثلت سے یہ وضاحت کر دینا انتہائی ضروری ہے کہ جناب عبدالوحید خاں لاہور (پاکستان) کے رہائشی ہیں۔ وہ صحیح العقیدہ معروف سکالر اور دانشور ہیں جو دین اسلام کے علاوہ دنیا کے دیگر مذاہب پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ یہ وضاحت اس لیے ضروری ہے کہ کہیں قارئین انہیں وحید الدین خاں (ایڈیٹر ماہنامہ الرسالہ دہلی انڈیا) نہ سمجھ لیں۔ بھارت کے وحید الدین خاں وہ مکروہ شخصیت ہیں جو مسلمانوں کے بھیس میں اسلام دشمن طاقتوں کے ایجنٹ کے طور پر کام کرتے ہیں۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں احقر کی کتاب ''مولانا وحید الدین خاں' اسلام دشمن شخصیت''

-1 اثاناسیوس (Athanasius) قسطنطین کے عہد میں اسکندریہ کا آرچ بشپ تھا۔ اس کا مسلک جسے بعد میں ایک مستقل عقیدہ کی حیثیت حاصل ہوگئی' اثاناسیوی مسلک کی حیثیت سے مشہور ہوا۔ اس مسلک کی بنیاد ہی یہ ہے کہ جو کوئی کہ ایسا کرے گا......

2- ملکیصادق (سالم) یروشلیم کا بادشاہ۔

3- انگریزی کے الفاظ کا یہ ترجمہ جامع نہیں ہے۔ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ''وہ زمین و آسمان اور جو کچھ بھی پیدا کیا گیا ہے' اس سے باخبر ہے۔

4- یہاں بھی انجیل کا اردو ترجمہ درست معلوم نہیں ہوتا' درست مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے ''جب کسی کو برائی کی طرف رغبت دلائی جائے تو یہ نہ کہے کہ یہ ترغیب خدا کی طرف سے ہے کیونکہ نہ تو خدا کو برائی کی طرف راغب کیا جاسکتا ہے اور نہ خدا کسی کو برائی کی طرف رغبت دلاتا ہے۔''

5- یہاں بھی بائبل کا اُردو ترجمہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ انگریزی کا صحیح ترجمہ یہ ہے ''ہمارے باپ دادا کے خدا نے یسوع کو اُٹھالیا جسے تم نے صلیب پر لٹکا کر مار ڈالا تھا۔''

6- سر سے مراد سردار یا سربراہ ہے لیکن عورت کا سر مرد نہیں یہ بائبل کے اُردو ترجمے کی غلطی ہے انگریزی متن میں واضح طور پر عورت کا سر اس کا شوہر کہا گیا ہے۔

7- گناہِ آدم کے کفارہ کے فلسفے کا یہ پہلو غالباً ہمارے عیسائی دوستوں کے سامنے نہیں آسکا کہ اگر خدا نے حضرت آدم کی توبہ قبول کر کے ان کی لغزش معاف نہیں کی اور گناہ کا یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ کے کفارہ پیش کرنے تک چلتا رہا تو پھر وہ تمام انبیاء جن کا تورات و انجیل میں نیکوں اور پاکبازوں کی حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے ان کی کیا پوزیشن قرار پاتی ہے۔ کیا کفارۂ مسیح علیہ السلام کی ادائیگی تک وہ سب نعوذ باللہ گنہگار و خاطی تھے۔ کچھ تو سوچیے۔

8- یہاں بھی بائبل کا اُردو ترجمہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ انگریزی متن کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ''اپنے نبیوں کی معرفت انہیں انتباہ کرتا رہا۔''

9- یہاں بھی بائبل کا اُردو ترجمہ ناقص نظر آتا ہے۔ انگریزی متن کا ترجمہ یوں ہونا چاہیے۔ خدا نے اس کی قربانی قبول کر کے خود اس کی گواہی دے دی۔

10- یہاں بھی ترجمہ میں ''چھا گیا'' کہا گیا ہے حالانکہ انگریزی متن کا صحیح ترجمہ ''چھائے گا'' ہے۔ اسی طرح صادق پشت بھی اچھا ترجمہ نہیں۔ انگریزی متن کا مفہوم ''راست بازوں کی نسل'' ہے لیکن ترجمہ ہمارے عیسائی دوستوں کو شاید راس نہیں آیا۔

11- انگریزی متن سے مول لینے کا کوئی مفہوم نہیں نکلتا بلکہ اس کا سیدھا سادا ترجمہ یہ ہوگا کہ یسوع نے ہماری خاطر خود لعنتی بن کر ہمیں شریعت (قانون) کی رُو سے پھٹکار زدہ قرار پانے سے بچالیا۔

12- یہاں بائبل کا اُردو ترجمہ درست نہیں۔ انگریزی کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ساری زمین پر یا رُوئے زمین پر اندھیرا چھا گیا۔

13- یہاں بھی ترجمہ درست نہیں' انگریزی متن کے مطابق اس کا ترجمہ ''معصوم'' ہونا چاہیے۔

14- ابھی یہ نظرثانی شدہ نسخے برصغیر میں نہیں پہنچے اور پرانے ہی نسخے اور ان کے ترجمے یہاں پھیل رہے ہیں۔ نظرثانی شدہ نسخے یورپ اور انگلستان میں جدید ذہن کی تشفی کے لیے پھیلائے جا رہے ہیں۔

غلام ناصر مروت

اسلام اور عیسائیت

پچھلے چند سالوں سے پشاور یونیورسٹی میں عیسائی برادری کے لیے گرجے کی تعمیر زیرِ غور ہے جو بعد میں عیسائیت کی تبلیغ کا مرکز بن سکتا ہے۔ اس سلسلے میں چند ماہ قبل یونیورسٹی کے احاطے میں اس کی تعمیر شروع کردی گئی تھی جسے طالب علموں نے منہدم کردیا' اور اس کارروائی کے جواب میں احتجاجاً عیسائیوں نے جن کی اکثریت خاکروبوں پر مشتمل تھی چند روز تک ہڑتال کی تھی۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اس گرجے کی تعمیر کے پردے میں جہاں ایک طرف خود عیسائی "مذہبی آزادی" کا ڈھنڈورا پیٹ کر اپنے مذموم ارادوں کی تکمیل کی کوششوں میں مصروف ہیں' وہاں پر دوسری طرف بعض نا سمجھ اور کچھ "ابن الوقت" مسلم عناصر بھی "مذہبی رواداری" اور مصلحت وقت کے نام پر اپنی نام نہاد وسعت نظری کا ثبوت فراہم کر رہے ہیں اور بقول کسے:

دل کے پھپھولے جل اُٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

کا مصداق بن کر اپنا خرمن اپنے ہاتھوں تباہ کرنے پر آمادہ نظر آ رہے ہیں۔ ان حالات میں ایک باضمیر مسلم کی رگِ غیرت وحمیت کا پھڑک اٹھنا ایک طبعی امر ہے۔ اس لیے خاتم النبیین رسولِ عربی ﷺ کے ایک ادنیٰ غلام کی حیثیت سے یہ چند سطور زیب قرطاس کرنا میرا دینی فریضہ ہے۔ جس سے ایک طرف تو ان نا سمجھ مسلمان عناصر کو تنبیہ مقصود ہے جو عیسائیت کی پشت پناہی کر رہے ہیں' اور دوسری طرف عیسائیت کے بنیادی خدوخال واضح کر کے اور اسلام کے مبادیات کے ساتھ ان کا موازنہ اور محاکمہ کر کے خود عیسائی برادری کے سامنے یہ یادداشت پیش کرنی ہے کہ اس طرح کا مذہب کسی معقولیت پسند انسان کے لیے قابلِ قبول ہوسکتا ہی نہیں۔ جو لوگ اس مذہب کی تبلیغ کے لیے کوشاں ہیں وہ انسانی اذہان وقلوب کی خدمت انجام دینے کی بجائے انہیں طرح طرح کی لایعنی اُلجھنوں میں مبتلا کرنے کا باعث بن رہے ہیں اور دیکھا جائے تو ان کی تبلیغی مساعی خود بائبل کے سراسر منافی ہے۔ بائبل کے عہد نامۂ عتیق اور عہد نامۂ جدید میں اللہ کو بنی اسرائیل کے خدا اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کو بنی اسرائیل

کے پیغمبر کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ ان میں کہیں یہ ہدایت نہیں پائی جاتی کہ ان مذاہب کو عالمی پیمانے پر عام کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

حضرت عیسیٰ نے اپنے بارہ شاگردوں کو جو بنی اسرائیل ہی کے افراد تھے' بنی اسرائیل کے بارہ گروہوں کی طرف تبلیغ و تلقین کے لیے بھیجا مگر انہیں واضح لفظوں میں ہدایت کی۔ "غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے شہر میں داخل نہ ہونا' بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا اور چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہی قریب آ گئی ہے۔" (انجیل متی باب 6:10 تا 8)

جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بائبل کے نزدیک عیسائیت یا یہودیت محض قومی مذاہب ہیں' انہیں دوسری قوموں میں پھیلانا ممنوع ہے۔ ان کی اشاعت کے لیے مختلف ملکوں میں مشن قائم کرنا حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کے خلاف ہے۔

مندرجہ بالا تمہید کے بعد اب اسلام اور عیسائیت کی چند بنیادی تعلیمات پر خامہ فرسائی کر کے انہیں ہدیۂ قارئین کیے دیتے ہیں۔

توحید اور تثلیث

اسلام کا عقیدۂ توحید تو مشہور و معروف اور بہت واضح اور سادہ ہے "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" نہیں کوئی عبادت کے لائق مگر ایک اللہ۔

اسلام کی رُو سے خدا کے تمام پیغمبروں (بشمول حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کے دنیا میں آنے کا واحد مقصد خدا کی اسی وحدانیت (ذات' صفات' قانون کے لحاظ سے) کو قائم اور نافذ کرنا تھا۔

> وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الہ الا انا فاعبدون (الانبیاء: 25)
>
> ترجمہ: اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ سو میری ہی عبادت کرو۔

اسلامی تعلیمات کی رُو سے خدا اپنی ذات و صفات میں واحد و یگانہ ہے۔ خالق و مالک محی و ممیت اور رزّاق و ربّ وہی اکیلا ہے۔ ذات و صفات' افعال و کمالات اور کسی خوبی میں اس کا کوئی شریک و ہمسر نہیں۔ وہ بے نیاز ہے' کسی کا محتاج نہیں۔ وہ ازلی و ابدی ہے' نہ اس کی ابتدا ہے نہ انتہا' نہ اس پر موت طاری ہوسکتی ہے' نہ اس کا کوئی ماں باپ ہے اور نہ بیوی اور اولاد ہے۔ الغرض اسلام نے مختصر لفظوں میں خدا کی صمدیت اور احدیت پیش کی ہے جس کا جامع تصور سورۂ اخلاص میں جھلکتا ہے۔

> قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝
>
> ترجمہ: کہہ دو (اے پیغمبرؐ) وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ کسی کو جنا نہ کسی

سے جنا گیا۔ نہ اس کے جوڑ کا کوئی۔

اس واضح تعلیم کے مقابلہ میں عیسائیت کی تعلیم نہایت اُلجھی ہوئی' غیر مربوط اور غیر منطقی ہے اس تعلیم کا خلاصہ عیسائیت کی رُو سے یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔ "ایک خدا تعالیٰ جس میں تین اقانیم ہیں۔ اور اس لیے ہم اپنے آسمانی باپ سے محبت اور اس کی پرستش کرتے ہیں۔ اس کے بیٹے اور اپنے منجی (عیسیٰ) سے بھی محبت کرتے ہیں' اور اس کی پرستش کرتے ہیں۔ اس کے روح القدس سے جو ہمارا پاک کرنے والا ہے' محبت اور اس کی پرستش کرتے ہیں۔ مگر پھر بھی ہمارے ایمان میں فرق نہیں آتا جو خدائے واحد پر ہے کیونکہ یہ تینوں اقانیم ایک ہی جوہر سے ہیں۔"

(مسائل دین کی تفسیر از پادری کینن نارس کرسچین نالج سوسائٹی الہ آباد)

ایک دوسرے مقام پر اسی مطلب کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: اللہ واحد ذوالحیاۃ اور برحق ہے' وہ ازلی و ابدی ہے' وہ غیر متجسد ہے۔ غیر منقسم اور غیر متاثر ہے۔ اس کی قدرت و حکمت اور خوبی بے حد ہے۔ وہ سب مرئی اور غیر مرئی چیزوں کا خالق اور محافظ ہے اور اس وحدتِ الٰہی میں 3 اقانیم یعنی باپ بیٹا اور روح القدس' جن کا جوہر اور قدرت اور ازلیت ایک ہی ہے۔ (مسائل دین کی تفسیر از پادری کینن نارس۔ کرسچین نالج سوسائٹی الہ آباد) مسائل دین کی تفسیر از پادری کینن نارس کرسچین نالج سوسائٹی الہ آباد۔

عیسائیت کا یہ چیستان اور نرالا معمہ خود پادری صاحبان کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ داد دیجئے اس "التوحید فی التثلیث والتثلیث فی التوحید" ایک کا تین اور تین کا ایک کے کلیہ کا یعنی ان کے نزدیک ان تینوں سے مل کر ایک جمہوری نظام یا پارلیمنٹ کی طرح الوہیت اور خدائی چلتی ہے۔ اگر عیسائیت کے توحید کے بارے میں مندرجہ بالا بیان کو مان لیا جائے تو حیرت پیدا ہوتی ہے کہ:

1- خدا تین ہوتے ہوئے واحد کیسے رہا؟

2- جب اس کے ایک اقنوم (حضرت عیسیٰ) پر بقول ان کے موت وارد ہوگئی (واقعۂ صلیب) تو وہ ذوالحیاۃ کیونکر رہا؟

3- جب اس کا ایک اقنوم مریم کے گھر پیدا ہوا تو خدا ازلی کیسے رہا؟

4- جب وہ عیسیٰ کے جسم میں متجسد ہوگیا تو غیر متجسد کیسے رہا؟

5- تین اقانیم میں منقسم ہو کر غیر منقسم کیسے رہا؟

6- عیسیٰ پر جب پیدائش' بچپن' جوانی کہولت وغیرہ کے منازل کے بعد موت طاری ہوگئی تو غیر متاثر کیسے رہا؟

تثلیث کا عقیدہ اگرچہ عیسائیت کے بنیادی عقائد میں سے ہے لیکن بہت سے مضبوط دلائل سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ شروع میں اس عقیدے کی یہ حیثیت نہ تھی جواب ہے۔

ریورینڈ چارلس اینڈرسن سکاٹ کا بیان ہے "پہلی تین انجیلوں' (متی' لوقا' مرقس) میں کوئی چیز

ایسی نہیں جس سے یہ گمان کیا جاسکتا ہو کہ ان انجیلوں کے لکھنے والے یسوع کو انسان کے سوا کچھ اور سمجھتے تھے۔ ان کی نگاہ میں وہ ایک انسان تھا' ایسا انسان جو خاص طور پر خدا کی روح سے فیضیاب ہوا تھا' اور خدا کے ساتھ ایک ایسا غیر منقطع تعلق رکھتا تھا جس کی وجہ سے اگر اس کو خدا کا بیٹا کہا جائے تو حق بجانب ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا چودھواں ایڈیشن عنوان جیزس کرائسٹ)

انجیلوں کی کئی عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ اپنے آپ کو صرف ایک نبی کی حیثیت سے پیش کرتے تھے بلکہ ایک فرقہ تو آج بھی موجود ہے جو موحد کہلاتا ہے اور حضرت عیسیٰ کی الوہیت کا قائل نہیں۔ ''سو تو اے خداوند! خدائے بزرگ ہے کیونکہ جیسا ہم نے اپنے کانوں سے سنا ہے اس کے مطابق کوئی تیری مانند نہیں اور تیرے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔'' (سموئیل 3 باب 7 فقرہ 22)

''اور ہمیشہ زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد و برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں۔'' (یوحنا باب 17 فقرہ 3)

حقیقت یہ ہے کہ تین خداؤں کا تصور قدیم یونانی' رومی اور فارسی بت پرستی میں موجود تھا۔ یونانی ''علم الاصنام'' میں بہت دیر سے خدا کے بیٹے کا تصور موجود رہا ہے۔ اس طرح خدا کا انسانی جسم میں حلول (اوتار اور (Incarnation) کا عقیدہ بھی قدیم یونانی' ہندی' رومی اور فارسی بت پرستی میں موجود تھا۔ یہ تمام چیزیں وہاں سے عیسائیت میں آ گئیں۔ یہاں اس کی صورت یہ ہوئی کہ ایک طرف تو عیسیٰ کو خود خدا ٹھہرایا گیا' پھر وہی دوسری طرف ''ابن اللہ'' بنا لیا گیا اور عجیب معجون مرکب مشرکانہ عقائد کی تیار کرلی گئی۔ موجودہ زمانے میں عیسائیوں کے تمام بڑے بڑے فرقے آپس میں اختلاف کے باوجود عقیدۂ تثلیث پر متفق ہیں۔

تعجب کا مقام ہے کہ ساری عیسائی دنیا ایک کو دو اور دو کو ایک یا ایک کو چار اور چار کو ایک ماننے' علیٰ ہذا القیاس' دو متبادل عددوں کو ایک کہنے کے لیے تیار نہیں مگر ایک کو تین اور تین کو ایک کر دکھانا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ اس طرح وہ حقیقت کے اعتبار سے جزو کل کو ایک قرار دینے کی جرأت نہیں کرتے۔ یہاں ایک جز ہے اور تین کا مجموعہ کل' واحد بسیط ہے اور تین مرکب۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ مرکب اور غیر مرکب کا اتحاد کیسے ہوسکتا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ ہر مرکب اپنی ترکیب میں اجزاء کا محتاج ہوتا ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ عیسیٰ بھی (بقول ان کے) مصلوب ہوگئے' مریم بھی وفات پا گئیں' اور روح القدس پر بھی آخر کار فنا کا آنا ضروری ہے۔ اس کے بعد خدا کا کیا بنے گا۔ خود پادری صاحبان بھی اس گورکھ دھندے کو سلجھانے سے قاصر ہیں۔ اس کی تشریح کرتے وقت وہ اسے ''خدائی راز'' کہہ کر صرف اس قدر بتا دیتے ہیں کہ:

سر مستاں منطق الطیر است جامی لب بہ بند
جز سلیمانی نشاید فہم ایں گفتار را

نبوت و ابنیت

تثلیث' ابنیت اور حلول کے عقائد کے ہوتے ہوئے نبوت کا تصور عجیب معلوم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ عیسائیت اس عقیدۂ نبوت و رسالت سے خالی ہے جو خدا کے پیغمبروں نے پیش کیا ہے۔

نبوت کے متعلق اسلام کا عقیدہ بالکل واضح ہے کہ خدائے بزرگ و برتر نے اپنے بندوں کی رہنمائی کے لیے کچھ برگزیدہ اور منتخب انسانوں کو بھیجا' یہ انسان اخلاقی اور روحانی لحاظ سے بہت عظیم اور گناہ سے پاک اور معصوم تھے۔ ان پر وحی نازل ہوتی تھی' جس پر انہوں نے خود عمل کر کے دکھایا اور دوسرے انسانوں کو خدا کے حکم سے اس پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دیتے تھے۔ اسلامی عقیدہ کی رُو سے نبی خدا' خدا کا بیٹا' یا خدائی میں شریک نہ ہوتا۔

اس کے مقابلے میں موجودہ عیسائیت نے عقیدۂ رسالت سے انحراف کر کے الوہیت اور ابنیت مسیح کے عقائد اختیار کر لیے ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے "اور بیٹا جو باپ کا کلام اور ازل سے باپ کا مولود ہے۔"

(مسائل دین کی تفسیر از پادری کینن نارس۔ کرسچین نالج سوسائٹی الہ آباد)

1- تمام اہل اسلام عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ واجب الوجود' قدیم اور ازلی ہے۔ ماں باپ' بیٹے اور بیوی کے رشتوں سے پاک ہے اور اس صفت میں مخلوق میں سے کوئی بھی اس کا شریک نہیں۔ (سورۂ اخلاص) پھر صد حیرت کی بات ہے کہ قدیم اور حادث اور واجب اور ممکن کا رشتہ آپس میں کس طرح ہو سکتا ہے؟

2- اگر مسیح مولود ہے تو خداوند والد اس سے جداگانہ شخصیت کا نام ہوا' پھر والد اور مولود ایک کیسے ہوئے؟

3- یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام صفات میں تمام مخلوق سے برتر ہے۔ اگر خداوند کے لیے اولاد مناسب ہوتی تو اس کا اکلوتا بیٹا نہ ہوتا بلکہ کروڑوں اور اربوں بیٹے ہوتے۔ 69ھ میں جب طاعون جازف پھیلا تو اس میں تنہا حضرت انس کی اولاد کے 83 نفر شہید ہو گئے۔

نووی شرح مسلم و فی روایة و دعا له رسول الله صلی الله علیه وسلم بکثرت المال والولد فولدهٔ من صلبه ثمانون ذکراً و ابنتان احد اهما حفصة والاخری ام عمرو" (اسد الغابه عن ابن الاثیر ج: 1 ص 128 باب الهمزه والنون)

گویا عیسائی نظریہ کے مطابق اس معاملے میں عاجز مخلوق بھی خالق سے (نعوذ باللہ) بڑھ گئی۔

مغالطہ

بات دراصل یہ تھی کہ امتوں میں بعض بزرگوں اور اسی طرح بعض صحیفوں میں نیک بندوں اور صالحین کے حق میں محبت اور پیار کے طور پر محض مجازاً بیٹے کا لفظ بولا گیا ہے۔ اسی طرح بعض نیک لوگوں کے حق میں یہ مجازاً اطلاق آیا ہے کہ خدا تعالیٰ ان کا باپ ہے یعنی ان سے راضی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جیسے باپ اپنے پیارے بیٹے کے لیے پدرانہ شفقت میں کمی نہیں کرتا' خدا اس سے بڑھ کر اپنے پیارے بندوں سے محبت اور الفت رکھتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں مجازاً "الخلق عیال اللہ" کے الفاظ آئے ہیں۔ اسی طرح خود بائبل سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اچھے لوگوں کے لیے بیٹے کا لفظ استعمال ہوگیا ہے۔ مبارک ہیں وہ جو صلح کرتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے۔" (انجیل متی باب 5 فقرہ 9)

لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والوں کے لیے دعا کرو۔ تاکہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے بیٹے ٹھہرو" (انجیل متی باب 5 فقرہ 44-45)

حضرت سلیمانؑ کے بارے میں ذکر ہے۔

"وہی میرے نام کے لیے ایک گھر بنائے گا۔ وہ میرا بیٹا ہوگا اور میں اس کا باپ ہوں گا اور میں بنی اسرائیل پر اس کی سلطنت کا تخت ابد تک قائم رکھوں گا۔

(1-تواریخ 22:10)

اس قسم کی روایات بائبل اور انجیل میں زیادہ ہیں۔

1- لہٰذا عیسائی یا تو جہاں دوسروں کے لیے بیٹے کا اطلاق مجازاً کرتے ہیں' حضرت عیسیٰ کے لیے اس کلیہ پر عمل کریں۔

2- اگر حضرت عیسیٰؑ بقول ان کے واقعی خدا کا فرزند ہے تو اکلوتے بیٹے کی رَٹ چھوڑ دیں اور ان سب کو خدا کا بیٹا سمجھیں' یا پھر ہمارے قرآن کے آگے سرِ تسلیم خم کریں کہ

"ما اتخذ صاحبة ولا ولداً"

کیونکہ "تعالی اللہ عن ذالک علواً کبیراً"

لیکن ایک ہی چیز اپنے لیے حقیقت اور دوسروں کے لیے مجازی قرار دینے والی چابکدستی تو اسی طرز کی فنکاری ہے جس کے متعلق شاعر نے کہا ہے ۔

تمہاری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو مرے نامۂ سیاہ میں ہے

کتاب اللہ اور اناجیل

اب رہ گیا کتاب کا مسئلہ سو قرآن پاک کے محفوظ ہونے اور کائنات کے چپے چپے میں ایک

ہی کتاب ہونے میں تو کسی کو دشمن کو بھی شبہ نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلے میں مخالفین اسلام کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہو چکی ہیں۔ کیونکہ قرآن پاک کی حفاظت کا ذمہ ہی خود قرآن پاک نازل کرنے والے نے لیا ہے۔ چنانچہ جب حجاج بن یوسف کے پاس چند یہودی علماء مناظرے کی غرض سے آئے اور حجاج سے سوال کیا کہ مسلمانوں کے دعوے کے مطابق جس طرح تورات اور انجیل میں تحریف ہوتی آئی ہے تو قرآن میں بھی ممکن ہے وہ کیونکر تحریف سے پاک رہ گیا؟

حجاج نے اس خام خیالی کی تردید کرتے ہوئے کہا:

''ماضی میں تو درکنار قرآن کی حفاظت کے بارے میں ہمارے ربّ کی طرف سے اب بھی اور آئندہ کے لیے بھی یہی اعلان ہے۔ چنانچہ دونوں فریق اس پر رضامند ہو گئے کہ یہودی اپنی کتاب میں ایک آیت تبدیل کر کے شائع کریں گے اور حجاج قرآن کی ایک مکمل آیت تو درکنار صرف ایک حرف کے ایک نقطے میں رد و بدل کرے گا۔ پھر دونوں کے ردعمل پر فیصلہ ہوگا' چنانچہ مذکورہ معاہدے کے مطابق جب تورات کی تبدیل شدہ آیت یہودی قاریوں کی نظر سے گزری تو وہ اس تبدیلی کو محسوس بھی نہ کر سکے کیونکہ یہ تحریف کوئی نئی بات نہ تھی۔ لیکن دوسری طرف قرآن پاک کا وہ نسخہ جس میں حسب معاہدہ ''فَاَبَوْا'' کی بجائے ''فَاَتَوْا'' (الکہف آیت 77) لکھا تھا جو مسلمان قاری کی نظروں سے گزرا وہ قاری چراغ پا ہو گیا۔ اور بہت سے مسلمان بپھرے ہوئے شیروں کی طرح حجاج کے محل کے گرد جمع ہو گئے۔ آخر حجاج بن یوسف نے صحیح صورتِ حال کی وضاحت کر کے ان کی تسلی کر دی۔

اس طرح ایک پادری حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے پاس آیا۔ اور کہا کہ تمہارے خیال میں حدیث پاک (**من عقبة بن عامر قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم بقول لوجعل القرآن فى اهاب ثم القى فى النار ما احترق. (رواه الدارمى)**

کی رُو سے قرآن پاک پر آگ اثر نہیں کرتی۔ آیئے آج تجربہ کر لیں تم قرآن لے کر اور میں انجیل لے کر آگ کے شعلوں میں ڈال دیں گے۔ (واضح رہے کہ وہ پادری انجیل کے اوراق پر فائر پروف (Fire Proof) مصالحہ لگا کر لایا تھا جس پر آگ اثر نہیں کر سکتی) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی فرمانے لگے ''نہیں بلکہ تم انجیل کو اور میں قرآن کو اپنے اپنے گلے میں آویزاں کر کے آگ میں چھلانگ لگا دیں گے۔ جب کتاب پر آگ اثر نہیں کرتی تو حامل کتاب پر بھی اثر نہیں کرے گی لیکن پادری اس چیلنج کو قبول کرنے سے عاجز آ گیا۔

دوسری طرف تورات اور انجیل کا حال یہ ہے کہ مشہور مؤرخ سپنگلر لکھتا ہے:

''جب حضرت عیسیٰ کے دوست اور شاگرد بوڑھے ہو گئے اور یروشلم میں اس جماعت کا سردار آپ کا بھائی تھا۔ ان قصص اور روایات کو جو عام طور پر زبان زدِ خلائق تھیں' ایک جا مرتب کر کے آپ کی سوانح عمری کی تصنیف کی یہی انجیل ہے۔ (زوال مغرب ج 2 ص 214)

جوزف لکھتا ہے:

"بائبل چونکہ خدا پرست انسانوں کا کارنامہ ہے اس لیے ان میں خدائی اور انسانی دونوں عناصر شامل ہیں لیکن ہر شے جو انسانی ہوگی غیر مکمل ہوگی اس لیے ہمیں یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ ان آسمانی کتابوں میں خدا کی صداقت صحیح طور پر پیش کی گئی ہے۔"

لیبک پاؤل اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

عہد نامۂ عتیق یا جدید سائنٹیفک اصطلاح میں خدا کے الفاظ نہیں' یہ تو صرف انسان کی اس کوشش کا ریکارڈ ہے جو خدا تک پہنچنے کے لیے کی گئی ہے' اس لیے یہ خدا کے متعلق انکشافات ہیں' وحی نہیں۔" (دی ابنی ہیلش آف مین ص 175)

اسقوف بٹلر (لارڈ پادری) لکھتا ہے:

"انگلستان میں ایک بھی فاضل نہیں جو پاک نوشتوں کے الہام کا قائل ہو۔"

(قربت الٰہی ص 49 رومن چھاپہ خانہ الہ آباد مشن پریس 1868ء باہتمام پادری والش) ہارن صاحب لکھتے ہیں "گریساخ نے ڈیڑھ لاکھ اختلافات عبارات نکالے ہیں۔" (انٹروڈکشن ج1 ص 126 مطبوعہ لندن 1825ء)

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں سکریچر کے بیان میں مرقوم ہے: "ویسٹس ٹین نے ایسے اختلافات عبارات دس لاکھ سے زیادہ جمع کیے ہیں۔"

غور کا مقام ہے کہ یہ اختلافات بھی کوئی مسلمان نہیں بتا رہا بلکہ خود یہ عیسائی دنیا کے محقق اور فاضل مؤرخ اور پادری بتا رہا ہے۔

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم شاہبازی

کفارہ ونجات کا مسئلہ

نیکی و بدی اور جزاوسزا کے بارے میں اسلام کے احکام اور عقائد بالکل واضح ہیں۔ ہر ایک کو اپنے کیے کا بدلہ ملے گا۔ نیکی کا اچھا بدلہ اور برائی کا برا بدلہ ہر ایک کی ذات کو پہنچے گا۔ کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کو نہ اٹھائے گا۔ ولا تزر وازرۃ وزر اخری (انعام: 164) (بجز اس کے کہ کسی کو گناہ میں مبتلا کرنے کا ذریعہ نہ بنا ہو کہ اس صورت میں ذریعہ بن جانے والا بھی گناہ گار ہوگا۔ لیکن اس سے خود ارتکاب گناہ کرنے والا بری الذمہ نہیں ہوگا' نہ کوئی نفس کسی دوسرے نفس کی کفایت کر سکے گا اور نہ کوئی کسی کا کفارہ اور فدیہ ہو سکے گا۔

لا تجزی نفس عن نفس شینا ولا یقبل منھا شفاعۃ ولا یوخذ منھا عدل ولاھم ینصرون (البقرۃ: 48)

ترجمہ: اور کوئی شخص کسی دوسرے کے کچھ بھی کام نہ آئے گا۔ اور قبول نہ ہوگی اس کی طرف سے سفارش اور نہ لیا جائے گا اس کی طرف سے بدلہ اور نہ ان کو مدد پہنچے گی۔''

پیغمبر لوگوں کو گناہ سے نجات دلانے کے لیے ان معنوں میں آئے ہیں کہ ان کی پیش کردہ ہدایت کو ماننے والا عذابِ الٰہی سے چھٹکارا پائے گا۔ نہ ان معنوں میں کہ وہ لوگوں کے گناہوں کی گٹھڑی اٹھا کر ان کی طرف سے سولی پر چڑھ جائیں۔


عیسائی
عقائد و نظریات
کا رد

محمد اسلم رانا

عیسائیوں کی بت پرستی

بتوں کی حقیقت اور بت پرستی کا حدود اربعہ جاننے کی غرض سے ہم نے قدیم مصری، بابلی، کالدی، یونانی، رومی، فلسطینی، چینی، جاپانی، ہندو، بدھ، جینی، یہودی، عیسائی، عربی اور ایرانی بت پرستوں کا مطالعہ ضروری خیال کیا ہے۔

بت (Idol)، مجسمہ یا مورتی (Statue) کسی شے سے بنائی ہوئی کسی چیز کی ہو بہو جسمانی شکل کو کہا جاتا ہے۔ کسی بھی چیز کی شبیہ (Image) یا نشان (Symbol) جس کی ذوق و شوق سے عبادت کی جائے، وہ شے خواہ مادی ہو یا خیالی، بت کہلاتی ہے۔ سادہ الفاظ میں کسی بت کی تعظیم، محبت، پوجا یا عبادت کو بت پرستی کہتے ہیں۔ عموماً کسی حقیقی یا فرضی اعلیٰ طاقت کی پرستش کی جاتی ہے۔ وہ طاقت جاندار ہو سکتی ہے (مثلاً انسان، جانور یا تنظیم) یا بے جان (مثلاً کوئی قوت یا قدرت کی بے جان شے)۔ بت پرستی کی بالعموم کوئی شکل، تقریب یا رسم ہوتی ہے۔ عربی میں صنم تراشے ہوئے بت، وثن تصویر اور انصاب پتھر کے بتوں کو کہتے ہیں۔

انسان ایک تنکا بھی تو خلق نہیں کر سکتا۔ لیکن تاریخ کے مختلف ادوار میں اس نے آسمان، سورج، چاند، ستاروں اور ان کی روشنی، زمین، آگ، پانی، دریا، تالاب، پہاڑ، گائے، بیل، بکری، مچھلی، مینڈک، سانپ، سور، کتے، گبریلے، درختوں، درختوں کے ٹنڈ اور ستون تک ہزاروں اور لاکھوں نہیں کروڑہا خدائی مخلوقات کو خدا بنائے رکھا ہے اور یہ رنجدہ صورت حال تا حال جوں کی توں قائم و دائم ہے۔

بت، مجسمے اور مورتیاں مٹی، پتھر، پیتل، سونے، مسالے، لکڑی، کاغذ، مٹھائی کے بنے ہوئے ہیں۔ بت پرستوں کے ہاں دیواروں اور ستونوں پر نقوش (Paintings) کھدی ہوئی (Carving) ابھری ہوئی (Relief) اور تختی پر بنی ہوئی شکلیں (Icon) بت ہی شمار ہوتی ہیں۔

مصری بت پرست محلات، مقبروں، مندروں اور گنبدوں کی دیواروں پر نقوش بناتے تھے۔ مصر میں مقبروں کے کھنڈرات سے ہورس دیوتا کے نقوش دریافت ہوئے ہیں۔

اس دیوتا کا جسم انسانی لیکن سر عقاب کا ہوتا تھا۔ ہورس آسمان کا دیوتا تھا۔ زیریں مصر میں

اس کی پوجا کی جاتی تھی۔ مصر کے بادشاہ دیوتا اور لوگوں کے درمیانی سمجھے جاتے تھے۔ ایک ابھری ہوئی تصویر میں ہورس کو شاہ مصر سمی پٹولمی سے باتیں کرتے دکھایا گیا ہے۔ کبھی ہورس دیوتا کو مگرمچھ کچلتے اور سانپ اور بچھو پکڑے ہوئے دکھایا جاتا تھا' ایک روایت کے مطابق ہورس نے اپنے باپ اور اوسرس دیوتا کے قتل کا بدلہ لینے کی ٹھانی تو قاتل سیٹ دیوتا نے اسے سانپ میں تبدیل کر دیا۔

چین میں بت پرستی (Idolatory) کو بدھ مت نے رواج دیا۔ چینی بت بناتے ہیں۔ اس کی تقدیس کے لیے تقریب منعقد ہوتی ہے۔ اس تقریب میں آنکھوں کی پتلیاں کھولی جاتی ہیں۔ پھر سمجھتے ہیں کہ اب دیوتا اس بت میں آ گیا ہے۔ اس مقصد کے لیے کبھی بت کی پشت پر رکھے سوراخ کے ذریعے اس میں کوئی کیڑا داخل کرتے ہیں یا مجسمہ کی چھاتیوں پر مرغ کا خون ملتے ہیں۔

چینی مذہب میں عام لوگوں کا اعتقاد ہے کہ دیوتا بت میں مستقل طور پر رہتا ہے۔ بعضوں کے نزدیک کہیں مصروف ہوتا ہے۔ پوجا کے وقت گھنٹی بجانے یا بھجن گانے سے حاضر ہوتا ہے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو سمجھتے ہیں کہ بت نادیدہ قوت کا مادی نشان ہے۔

کسی مصیبت (مثلاً وبا' سیلاب' قحط) کے وقت بت کو متاثرہ مقام پر لے جا کر بہ آواز بلند اس کے حضور دعائیں کرتے' کبھی کبھار جلد شنوائی کے لیے اس کی پٹائی بھی کی جاتی۔ زمانہ جاہلیت میں ایک عرب نے آہ و زاری کرتے کرتے تیروں کا گٹھا اپنے بت کے منہ پر دے مارا تھا کہ تیرا بیٹا مر گیا ہو تو تجھے پتہ چلے کہ پھر کیا بھاؤ بکتی ہے۔ فلسطین میں بھی دیوتا کی عید کی رات جب نوجوان موڈ میں ہوتے تو بطور شغل اٹھتے اور شہر کے بتوں کا عضو مخصوص کاٹ لاتے۔

مقدس واقعات کی تصاویر (Images) کا استعمال ہندوؤں' یہودیوں اور عیسائیوں میں عام ہے۔

ہندوؤں کے ہاں درختوں کی دیوی کی مورتی کھدائی کی شکل میں ملتی ہے۔ ہندو اپنے تہواروں پر مٹھائی کے بت بناتے' انہیں پوجتے اور اختتام پر چٹ کر جاتے ہیں۔

سکھ مت میں باقاعدہ بت نہیں ہوتے۔ البتہ گوردواروں کی دیواروں پر بابا گورونانک دیو جی کو ان کے دائیں بائیں خاص خدام کے ہمراہ اُبھرواں شکل میں دکھایا جاتا ہے۔ سکھوں کے گھروں میں ان کے گوروؤں اور خصوصاً بابا جی اور گورو بند سنگھ کی تصاویر ضرور دیکھنے میں آتی ہیں۔

بت آسمانی ہستیوں کی مثالیں ہیں۔ اور مندر دیوتاؤں کے آسمانی محلات کی نقلیں' رسومات اور عبادات آسمانی دربار میں منعقد ہونے والی تقریبات کی مشابہت ہیں۔ یہودیوں کو مشرق وسطیٰ کے مذاہب کے خط و خال اپنانا منع نہیں تھا۔ یروشلم کا مندر مرکز تھا۔ جہاں خدا نے اپنا نام رکھا تھا اور لوگوں سے ملاقات کرتا تھا۔ بائبل میں بعض مقامات پر اسے آسمان کے مقابل دکھایا گیا ہے۔ جہاں وہ "سکونت کرتا تھا" (بائبل۔ اول سلاطین 53:27:8) ہیکل کا پیشرو صحرائی مقدس اس نمونہ پر بنایا گیا تھا جو خدا نے موسیٰ کو کوہِ سینا پر دکھایا تھا۔ وہ خدا کے آسمانی سکونتی خیمہ کی نقل تھی (خروج 9:25) بائبل کا تصور یہ

ہے کہ نادیدہ خدا ہیکل کے خاص الخاص حصہ میں دیدنی تخت پر سے حکومت کرتا ہے۔

یونانی، روسی اور رومن کیتھولک عیسائی، مسیح، کنواری مریم یا کسی ولی کی بنی ہوئی خوبصورت تصویر (Icon) کو بوسہ دیتے ہیں اور اپنی عبادت میں خشوع وخضوع پیدا کرنے کی غرض سے کسی ایسی تصویر کو ہاتھوں میں رکھتے ہیں۔ اس کے سامنے گھٹنوں کے بل جھکتے ہیں اور بخور جلاتے ہیں۔ بہت سی تصاویر کے بارے میں دعویٰ ہے کہ ان سے معجزات سرزد ہوتے ہیں۔ یونانی گرجاؤں میں پادری کے کھڑا ہونے کی جگہ اور عبادت گاہ کے اندرونی حصہ کے درمیان پردہ پر تصاویر بنی ہوتی ہیں۔ فریموں میں سجی ہوئی ایسی تصاویر کیتھولک عیسائیوں کے گھروں کے اندر پاکستان میں بھی دیکھی جاتی ہیں۔ پروٹسٹنٹ عیسائی فرقوں میں بھی عیسیٰ اور مریم کے بتوں اور مجسموں سے معجزات کا ظہور مانا جاتا ہے۔

بائبل میں صاف حکم ہے کہ "تو اپنے لیے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا، نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے۔ تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا، نہ ان کی عبادت کرنا" (خروج باب 20) تاہم یہودی عبادت گاہوں میں مقدس تصاویر موجود ہوتی ہیں۔ ڈیورا یوروپس شہر میں یہودی مسجد کا ایک منظر۔ بائبل کی کتاب حزقی ایل باب 37 کا سین ہے۔ اوپر کے حصہ میں نظر آنے والے چاروں ہاتھ خدا کے ہیں۔

عیسائی گرجا گھر، مقدسین، مشاہیر، عیسیٰ، مریم اور بہادروں کی تصویروں، بتوں اور دیواروں اور ستونوں پر ابھاروں سے مزین ہوتے ہیں۔ مختلف واقعات کی یادگاریں بھی بنی ہوتی ہیں۔

عیسائی پادری، راہبین، راہبات اور مذہبی شخصیات کے گلے میں دھات کی بنی ہوئی صلیب اور عیسیٰ مصلوب دیکھا جاتا ہے۔ پوپ روم کے عصا کے اوپر باقاعدہ الگ بنا ہوا عیسیٰ مصلوب ممتاز ہوتا ہے۔

مذہبی اقوام کا حال آپ پڑھ چکے۔ یورپ میں پندرھویں صدی عیسوی میں اٹھنے والی نام نہاد "تحریک احیاء علوم" یونانی بت پرستی، یونانی مذہب، یونانی بت پرست ادب اور یونانی رومی بت پرست ثقافت اور تہذیب وتمدن کا احیا اور ترویج وترقی تھی جس کے زیر اثر آج یورپی اور امریکی ممالک بت خانوں میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ ہر اہم عمارت، سڑک، چوک، سکول، کالج، یونیورسٹی، مل، فیکٹری، کارخانہ، دفتر، ادارہ، کیا اندر سے کیا باہر سے مذہبی شخصیات اور قومی مشاہیر کے بتوں سے بھرا پڑا ہے۔ نیویارک میں اقوام متحدہ کے دفاتر کے سامنے الف ننگا مردانہ بت نسل انسانی کا منہ چڑا رہا ہے۔

بت پرستی دراصل یہ تھی کہ پجاری نادیدہ خدا، قوت یا پوجی جانے والی ہستی کی صورت ذہن میں حاضر کرنے کے لیے اس کی مزعومہ مورتی آگے رکھ لیتے تھے۔ ہندو آج بھی اپنی بت پرستی کی یہی توجیہ پیش کرتے ہیں بعد میں آنے والے اس بت کو ہی ملجا وماویٰ اور اصل قوت کا مالک سمجھ بیٹھے۔

خوب جاننا چاہیے کہ دیوتا کا اصل وجود کوئی نہیں ہوتا۔ کسی بھی دیوتا کو کبھی بھی کسی نے دیکھا نہیں تھا۔ دیوتا وہمی اور قیاسی اور فرضی ہستیاں اور صورتیں ہوتی تھیں۔ مثلاً یونہی قرار دے دیا کہ بار آوری کے فلسطینی دیوتا بعل کی شکل انسانی ایسی ہے۔ خدا داڑھی والا بڈھا بابا ہے۔ بہت نیک اور قابل

احترام شخصیت کو بھی دیوتا کہہ لیتے ہیں۔

شبیہوں اور بتوں کی پوجا

پس منظر سے لاعلمی کی وجہ سے بعض خبریں اخبار بین طبقہ کی نظروں میں کما حقہ' مقام نہیں پاسکتیں۔ایسے دوتراشے ہدیہ قارئین ہیں:

1- ''گرد وغبار میں حضرت عیسیٰ کی شبیہہ''

نیویارک (انٹرنیشنل ڈیسک) امریکی ہفت روزہ جریدہ ''ورلڈ نیوز'' نے دعویٰ کیا ہے کہ یکم فروری کو صومالیہ کے دارالحکومت موغادیشو کے مغرب میں ریت اور غبار کے بگولے میں یسوع مسیح کی شبیہہ دکھائی دی۔ 9 میل پہلے اس طوفان سے آسمان کی طرف اٹھنے والے گرد کے بادل میں کئی سوفٹ بلند شبیہہ دکھائی دی جسے ہزاروں صومالی باشندوں کے علاوہ امریکی فوجیوں نے بھی دیکھا شبیہہ دیکھتے ہی لوگ سجدے میں گر گئے۔ایک نوجوان امریکی فوجی نے اس شبیہہ کی تصویر بھی بنالی۔

حکام نے امریکی فوجیوں کو اس واقعہ کے بارے میں اخبار نویسوں کو کچھ بتانے سے روک دیا ہے۔تاہم ورلڈ نیوز کے مطابق 19 سالہ امریکی فوجی' جس نے اس شبیہہ کو دیکھا اور تصویر بنائی' نے بتایا کہ وہ کوئی مذہبی شخص نہیں لیکن جیسے ہی شبیہہ نظر آئی میں نے پہچان لیا کہ یسوع مسیح کی شبیہہ ہے۔ دوسرے لوگوں کا بھی کہنا ہے کہ شبیہ کے خدوخال عیسائیوں کی مقدس کتابوں میں دی گئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصاویر سے ملتے جلتے تھے۔امریکی فوجی نے بتایا یہ شبیہہ پانچ منٹ تک دکھائی دیتی رہی۔لوگ اس طرح سجدے میں گر گئے جس طرح قیامت آ گئی ہو۔ اس کے بعد لوگوں نے چلانا شروع کردیا۔ ورلڈ نیوز کے مطابق صومالی اخبارات نے بھی لکھا ہے کہ ہزاروں صومالی باشندوں نے بھی حضرت عیسیٰ کی شبیہہ دیکھی۔صومالیہ جہاں اکثریت مسلمانوں کی ہے اس شبیہہ کو خدا کے پیغمبر حضرت عیسیٰ کی حیثیت سے شناخت کیا۔عیسائی مذہبی پیشواؤں کا کہنا ہے کہ یسوع مسیح صومالیہ میں بھوک کے شکار لوگوں اور امدادی کارروائیوں میں مصروف امریکی فوجیوں کو امید کا پیغام دینے آئے تھے۔ پوپ جان پال نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ یسوع مسیح کی شبیہہ کا ظاہر ہونا دراصل خداوند کی طرف سے کرہ ارض پر بسنے والے تمام انسانوں کو ایک دوسرے کی مدد کرنے کی ہدایت کی ہے۔ پوپ نے واقعہ کے ایک گھنٹہ بعد اس کی مکمل تفتیش اور تحقیقات کا حکم دے دیا۔ روم میں ڈکشن حکام نے دعویٰ کیا ہے کہ یسوع مسیح کی تشبیہ نظر آنے کے بعد مختلف معجزات بھی ہوئے۔'' (عیسائی جریدہ ''شاداب'' لاہور مارچ 1993ء)

''منیلا (ڈپ ا) فلپائن کے شمالی قصبہ آرگو میں کیتھولک مسلک کے ہزاروں عیسائی زائرین حضرت مریم کا دیدار کرنے کی غرض سے جمع ہو رہے ہیں۔ قصبہ کو جانے والے تمام راستے ٹریفک سے بند ہو گئے۔ پولیس ذرائع کے مطابق درجنوں افراد بے ہوش ہو گئے' اس جگہ پر چرچ کے ایک 15 سالہ

لڑکے نے دعویٰ کیا کہ اسے 1989ء سے ہر ماہ کے پہلے ہفتہ میں حضرت مریم کا دیدار ہوتا ہے۔ رومن کیتھولک چرچ کے نمائندوں نے اس اطلاع پر انتہائی برہمی کا اظہار کیا ہے۔ منیلا کے آرچ بشپ نے زائرین کو ہدایات دی ہیں کہ اگر آپ بھوکے ہیں تو کھانا کھا کر مجوزہ جگہ جایئے۔ آپ ہمیشہ حضرت مریم کا دیدار کریں گے۔"

"بی بی سی کے مطابق شمالی فلپائن میں آرگو کے مقام پر ہزاروں رومن کیتھولک عیسائی "حضرت مریم" کے دیدار کی امید میں جمع ہو رہے ہیں۔ حضرت مریم کے ظہور کی پیش گوئی کو مزید تقویت اس افواہ سے مل رہی ہے کہ شہر میں حضرت مریم کے مجسموں میں سے ایک کی آنکھوں سے خون کے آنسو بہہ رہے ہیں۔ ادھر ان افواہوں پر بعض لوگوں نے نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا ہے کہ مقامی سیاستدان سیاحت سے آمدنی میں اضافہ کے لیے یہ افواہیں پھیلا رہے ہیں۔"

"فلپائن کے قصبہ آرگو میں قریباً ایک لاکھ رومن کیتھولک" حضرت مریم کی زیارت کے لیے آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں۔" (فوٹو)

فلپائن کے قصبہ آرگو میں جوڈیل نیوا پادری کے ساتھ "حضرت مریم" کی زیارت کے لیے دعا کر رہا ہے۔ نیوا کا دعویٰ ہے کہ اسے 1989ء سے ہر ماہ کے پہلے ہفتہ کو حضرت مریم کی زیارت ہوتی ہے۔" (فوٹو)

"ایک نامعلوم رومن کیتھولک نوجوان تسبیح ہاتھ میں ڈالے "حضرت مریم" کی زیارت عکس بند کرنے کے لیے فلپائن کے قصبہ آرگو میں وڈیو کیمرہ تھامے ہوئے۔" (فوٹو)

"فلپائن کے قصبہ آرگو میں ایک لاکھ کے قریب رومن کیتھولک "حضرت مریم" کے لکڑی کے مجسمہ کی زیارت کے لیے اکٹھے ہوئے۔ ان کا اعتقاد ہے کہ وہ حضرت مریم کا دیدار کر سکیں گے اور آسمان پر سورج کو ناچتا ہوا دیکھیں گے۔ اس اعتبار سے یہ قصبہ مذہبی مقام کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔" (فوٹو)

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور 93-3-7)

عیسائیت مسیح پوجا کا مذہب ہے۔ سبھی عیسائی مسیح پوجا پر متفق ہیں۔ پروٹسٹنٹ فرقے مسیح کو پوجنے پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ جبکہ مریم پوجا رومن کیتھولک عیسائیوں کا طرۂ امتیاز ہے۔ جزائر فلپائن کی 95 فیصد آبادی رومن کیتھولک ہے۔

بت پرستوں کو شبیہیں نظر آنے اور ان کے بتوں کی آنکھوں سے آنسو بہنے اور بتوں سے معجزات سرزد ہونے کی خبریں سننے میں آتی رہتی ہیں۔ اب ہم بائبل، عیسائی لٹریچر اور تاریخ کلیسیا کی روشنی میں اس عیسائی رجحان کی بنیادوں کی تلاش میں نکلتے ہیں۔

یہودی مکاشفہ

"قاموس الکتاب" میں لکھا ہے:

Apocalyptic یونانی لفظ کا مطلب مخفی بات کو ظاہر کرتا ہے۔ اس ادب کی دو قسمیں ہیں (1) مستند یا الہامی (2) غیر مستند یا غیر الہامی۔ پہلی قسم میں دانی ایل اور مکاشفہ کی کتابیں ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے جو پہلی اور دوسری صدی قبل مسیح اور پہلی صدی عیسوی میں عام تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب یہودیوں پر بہت ظلم ڈھائے جاتے تھے اور وہ کسی قسم کی ایذا رسانی کا شکار ہوتے تھے۔ لیکن کوئی نبی لوگوں کی ہدایت کے لیے مبعوث نہیں ہوا تھا۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے بعض مصنفین نے رؤیاؤں اور علامتی تصویروں کے ذریعے عوام کو پیغام پہنچایا' جو وہ سمجھتے تھے کہ ان پر ظاہر کیا گیا ہے۔ ان رؤیاؤں میں فرشتوں اور علامتی جانوروں کا اکثر ذکر آتا تھا اور ان کا طرز تحریر دانی ایل اور مکاشفہ کی کتابوں سے ملتا جلتا تھا۔ یہودیوں کی ہمت اور دلجمعی کی خاطر ان کی اس امید کو زندہ رکھا جاتا تھا کہ خدا اپنے بندوں کو بچانے کا انتظام کر رہا ہے اور موجودہ نظام حکومت جلد ہی تہ و بالا کر دیا جائے گا۔ یہ گم نام مصنف اکثر اپنی تصنیف کو سند دینے کے لیے کسی گذشتہ بزرگ کے نام منسوب کر دیتے تھے مثلاً حنوک یا نوح سے۔

دیگر مکاشفاتی کتابوں کے نام یہ ہیں۔ ''یوبلیوں کی کتاب' بارہ بزرگوں کا عہد نامہ۔ عزرا کا مکاشفہ۔ باروک کا مکاشفہ اور غیبی آواز'' (قاموس الکتاب صفحہ 44 کالم2)

ڈکشنری میں لکھا ہے ''جدید وقتوں میں مکاشفہ کی اصطلاح سے مراد خاص ادبی شکل ہے۔ جس میں کوئی آدمی ایک یا زیادہ آسمانی ہستیوں سے مکاشفہ وصول کرتا ہے۔ ان کتابوں میں آسمانی دنیا اور نئے مستقبل کی باتیں ہوتی ہیں۔'' (Har per's Bible Dictionary; p. 868)

بائبل میں کتاب دانی ایل مکاشفاتی لٹریچر ہے۔ زیادہ کتابیں بائبل میں شامل نہیں ہیں۔ (1) حنوک' (2) عزرا' (3) باروخ' جوبلیز اور ابراہیم کا مکاشفہ۔ پہلی صدی عیسوی کے بعد یہودیوں میں اس صنعت کو زوال آ گیا لیکن عیسائیت میں قرونِ وسطیٰ تک اس کا زور رہا۔'' (Har per. p.35)

پادری ڈملو رقم طراز ہیں: ''مکاشفاتی کتابیں اس زمانہ میں لکھی گئیں جب لوگ تکلیف میں تھے کیونکہ انبیاء کی طرف سے اچھے وقتوں کے وعدے پورے ہوتے نظر نہیں آتے تھے''

(تفسیر ڈملو صفحہ 65 کالم1)

''اب مکاشفہ بنیادی طور پر بت پرستوں کے مظالم سے یہودیوں کی نجات سے متعلق تھا۔ خدا نے یہودیوں کو فلسطین میں بسا کر ابراہیم کے ساتھ کیا گیا اپنا وعدہ پورا کر دکھایا تھا۔ بعد کے مصائب (مثلاً بابل کی اسیری) خدائی مشن کے خلاف سمجھے جاتے تھے۔ بعد کے انبیاء نے خدا کی وکالت میں یہودی مصائب کو ان کے گناہوں کی سزا بتایا اور مستقبل میں بحالی کی امیدیں دلائیں۔ کتاب دانی ایل مکاشفاتی ادب کی اوّلین مثال ہے۔ جو شائد انتوکس ایفے نیز کے مظالم (175 تا 163 قبل مسیح) کے دوران لکھی گئی تھیں۔ اس وقت پھر مکاشفاتی ادب میں اضافہ ہونے لگا۔ ایسی کتابیں لکھ کر قدیم ہستیوں کی طرف منسوب کر دی جاتی تھیں۔'' (Dictionary, p. 90, col.2)

یعنی یہودیوں میں ایسی کتابیں اس دور میں لکھی گئیں جب قوم پر شدید مایوسیاں طاری تھیں۔

ہوشیار اور زیرک افراد امید افزا کتابیں تحریر کر کے قدر و منزلت بڑھانے کی غرض سے انہیں بڑی بڑی قدیم شخصیات کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ حقیقت کچھ نہیں ہوتی تھی۔

اس ضمن میں یہودی ذہنیت کے انکشاف میں ایک امریکی دانشور ساؤل ٹیپلو کے یہ الفاظ آب زر سے لکھنے کے قابل اور بڑے گہرے اور دُور رس نتائج کے حامل ہیں "ایک شخص دوسرے کو جو سب سے قیمتی تحفہ دے سکتا ہے وہ ہے امید کا تحفہ۔ ناامیدی بیکسی لاتی ہے۔ سب لوگوں میں سے صرف یہودیوں نے شکست پر فتح پانے اور مایوسی کو تسخیر کرنے کا گر پایا ہے۔ جب سب امیدیں ٹوٹتی نظر آتی تھیں تو ہم نئی امیدیں گھڑ لیتے تھے۔"

(Dictionary of the Jewish Religion: 1979, p. vii)

عیسائی مکاشفہ

ابتدائی عیسائی، یہودی (یا بت پرستوں میں سے) تھے، جن میں بت پرستانہ ذہنیت کارفرما تھی۔ جب ان پر مظالم ہوئے تو انہوں نے حسب سابق مکاشفاتی کتابیں لکھیں۔ عیسائی بائبل کی آخری کتاب "یوحنا عارف کا مکاشفہ" ہے اس کے تعارف میں "قاموس الکتاب" رقم طراز ہے:

"یہ رُویائیں اس زمانہ میں دی گئیں جبکہ شدید ایذا رسانی کے باعث کلیسیا بڑی مصیبت میں تھی اور ان کا مدعا یہ تھا کہ خدا کے لوگوں کو تقویت پہنچائی جائے تا کہ وہ ان سے بھی سخت آزمائشوں کا مقابلہ کر سکیں جو کہ ہنوز ان پر نازل ہونے والی تھیں۔" (صفحہ 945 کالم 2)

اکثر علماء کا خیال ہے کہ مکاشفہ کا مصنف 'یوحنا' شاگرد مسیح تھا' لیکن ڈکشنری اس کی مخالف ہے۔ چنانچہ لکھا ہے "کتاب مکاشفہ کا مصنف کوئی اور یوحنا ہے۔ اس کی تصنیف اس لیے محفوظ رکھی گئی تھی کہ ابتدائی عیسائی اسے نبی سمجھتے تھے اور اس کی کتاب خدا کی مرضی کا سچا اظہار تھی۔"

(Harper, p.868)

عیسائی مکاشفاتی ادب کی جعلی کتابیں یہ ہیں (1) پطرس کا مکاشفہ (2) پطرس قبطی کا مکاشفہ (3) پولوس کا مکاشفہ (4) یعقوب کا پہلا مکاشفہ (5) یعقوب کا دوسرا مکاشفہ (6) یوحنا کا مکاشفہ (7) یسوع مسیح کا سوفیا (8) فلپ کے نام پطرس کا خط (9) مریم کا مکاشفہ۔ عیسائی ان مکاشفات کو الہامی اور خدائی کلام نہیں مانتے۔" **(Harper, p. 39, col.2)**

عیسائی مکاشفہ بھی بالکل انہیں حالات میں لکھا گیا تھا۔ پادری ڈملو کے الفاظ میں "مسیح نے ہمیشہ ساتھ رہنے کا وعدہ کیا تھا۔ عیسائیوں پر رومی مظالم کا سلسلہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا۔ مسیح نے دوبارہ آنے کو کہا تھا۔ لوگ اس کی آمد کا بہ شدت تمام انتظار کرتے تھے تا کہ وہ انہیں نجات دلائے لیکن ان کی امیدیں ڈوبتی نظر آتی تھیں۔" (تفسیر ڈملو صفحہ 1066 کالم 1)

اس موقع پر ڈکشنری کے یہ الفاظ غور سے پڑھے جانے چاہئیں۔ ان کی زبردست اہمیت کے

پیش نظر اہم اصل انگریزی الفاظ بھی درج کرتے ہیں۔ شائد کوئی دل سوچنے پر مجبور ہو جائے۔

''مکاشفاتی تصورات نے مسیح کے مرکر جی اٹھنے اور مسیح کی آمد ثانی کے ابتدائی عیسائی عقائد کی تعمیر میں بنیادی کردار ادا کیا تھا۔''

(Apocalyptic Ideas played a crucial role in the formation of early Christian beliefs in the ressurection and second coming of Christ (Harper, p.36)

جرمنی سے مارٹن لوتھر، سکاٹ لینڈ سے ذونگلی اور ہالینڈ سے کالون نے عیسائیت میں اصلاح کے لیے آواز اٹھائی۔ مارٹن لوتھر کو تحریک اصلاح کلیسا Reformation کا بانی کہا جاتا ہے۔

جیسا کہ اوپر تحریر کیا گیا ہے عیسائیوں نے پون درجن کتابیں رد کر کے ''یوحنا عارف کا مکاشفہ'' الہامی، مستند، مقدس اور خدا کا کلام قرار دیا تھا۔

''تاہم اس کتاب کا الہامی ہونا ہمیشہ سے اختلافی مسئلہ رہا ہے۔ گریگوری نازین، کرائی سوسٹوم اور تھیوڈور ایسے فضلاء بزرگ مکاشفہ کو مقدس نہیں سمجھتے تھے۔ مشرق میں اس کتاب کو چھٹی صدی عیسوی کے بعد قبول کیا گیا تھا'' (فشر 139) لوتھر اور ذونگلی دونوں کے نزدیک کتاب مکاشفہ بائبل میں شامل نہیں تھی۔ کالون نے اس پر مطلق توجہ نہ دی۔ (History of the Christian Church by Prof Dr. George Park Fisher, 1888, p. 439) پادری ڈملو لکھتے ہیں ''اس کتاب کو رفتہ رفتہ عام مقبولیت حاصل ہوئی اور سمجھنے میں مشکل کی وجہ سے جدید ادوار میں باقی عیسائی کتب مقدسہ کی سی مقبول نہیں رہی۔ شروع شروع میں لوتھر اس سے سخت بیزار تھا۔ اگرچہ بعد میں اسے عبرانیوں، یعقوب اور یہوداہ کے خطوط کے ساتھ مقدس عیسائی کتابوں کے تتمہ میں رکھا۔ ذونگلی اسے بائبل میں شامل نہیں سمجھتا تھا۔ کالون نے اس بارے کسی رائے کا اظہار نہ کیا۔'' (تفسیر ڈملو صفحہ 1049 کالم 2)

کچھ عیسائی مثالیں

رُویائیں، مکاشفے دیکھنا یہودیوں اور عیسائیوں میں عام تھا۔ عیسائی کتب مقدسہ میں بہتیرا کچھ پڑھنے میں آتا ہے۔ لکھا ہے:

''چھ دن بعد یسوع نے پطرس اور یعقوب اور اس کے بھائی یوحنا کو ہمراہ لیا، اور انہیں ایک اونچے پہاڑ پر لے گیا اور ان کے سامنے اس کی صورت بدل گئی اور اس کا چہرہ سورج کی مانند چمکا اور اس کی پوشاک نور کی مانند سفید ہو گئی اور دیکھو موسیٰ اور ایلیاہ اس کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے انہیں دکھائی دیے۔ پطرس نے یسوع سے کہا اے خداوند ہمارے یہاں رہنا اچھا ہے۔ مرضی ہو تو میں یہاں تین ڈیرے بناؤں ایک تیرے لئے، ایک موسیٰ کے لیے اور ایک ایلیاہ کے لیے۔ وہ کہہ ہی رہا تھا کہ ایک نورانی بادل نے ان پر سایہ کر لیا اور بادل میں سے آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش

ہوں۔ اس کی سنو۔ شاگرد یہ سن کر منہ کے بل گرے اور بہت ڈر گئے۔ یسوع نے پاس آ کر انہیں چھوا اور کہا اٹھو ڈرو مت۔ جب انہوں نے اپنی آنکھیں اٹھائیں تو یسوع کے سوا اور کسی کو نہ دیکھا۔''

(انجیل متی ب 17)

تفصیلات انجیل لوقا باب 24 میں ہیں کہ جب عیسیٰ مر کر جی اٹھا تو دو آدمیوں کو ملا ''ان کی آنکھیں بند کی گئی تھیں کہ اس کو نہ پہچانیں۔'' عیسیٰ ان سے باتیں کرتا چلا گیا کہ رات پڑ گئی۔ اس پر انہوں نے عیسیٰ کو اپنا مہمان بنایا ''جب وہ ان کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھا تو ایسا ہوا کہ اس نے روٹی لے کر برکت دی اور توڑ کر ان کو دینے لگا۔ اس پر ان کی آنکھیں کھل گئیں اور انہوں نے اس کو پہچان لیا اور وہ ان کی نظر سے غائب ہو گیا۔''

موجودہ عیسائیت کا بانی پولوس ایک یہودی تھا۔ ابتدا میں عیسیٰ پر ایمان لانے والے یہودیوں کا سخت اور جانی دشمن تھا۔ اسی مہم پر جا رہا تھا کہ ''جب وہ سفر کرتے کرتے دمشق کے نزدیک پہنچا تو ایسا ہوا کہ یکایک آسمان سے ایک نور اس کے گرداگرد آ چکا اور وہ زمین پر گر پڑا اور یہ آواز سنی کہ اے ساؤل اے ساؤل تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟ اس نے پوچھا اے خداوند تو کون ہے؟ اس نے کہا میں یسوع ہوں جسے تو ستاتا ہے مگر اٹھ شہر میں جا اور جو تجھے کرنا چاہیے وہ تجھ سے کہا جائے گا۔ جو آدمی اس کے ہمراہ تھے وہ خاموش کھڑے رہ گئے کیونکہ آواز تو سنتے تھے مگر کسی کو دیکھتے نہ تھے۔ اور ساؤل زمین پر سے اٹھا لیکن جب آنکھیں کھولیں تو اس کو کچھ نہ دکھائی دیا اور لوگ اس کا ہاتھ پکڑ کر دمشق میں لے گئے اور وہ تین دن تک نہ دیکھ سکا اور نہ اس نے کھایا نہ پیا'' (اعمال باب 9)

روم کی وسیع و عریض مملکت کے بت پرست بادشاہ قسطنطین نے 313ء میں ملکی مصالح کی بنا پر قبولِ عیسائیت کا ڈھونگ رچایا۔ وہ بھی ایک مکاشفہ کی بنا پر عیسائی ہوا تھا۔ پروفیسر فشر کے الفاظ میں ''اپنے دشمن بادشاہ میکسن شس پر فتح پانے سے ذرا پہلے اس نے دعویٰ کیا کہ بوقت دوپہر اسے ایک جلتی ہوئی صلیب نظر آئی۔ جس پر یونانی زبان میں لکھا ہوا تھا ''اس نشان سے فتح کر'' سورج کی تیز روشنی میں یہ شائد فریب نظر تھا جو ایسے بحران میں ممکن تھا جبکہ تصورات انتہائی پر جوش تھے۔'' (فشر صفحہ 344)

حرفِ آخر

قصہ کوتاہ صومالیہ میں عیسیٰ کی شبیہہ کا نظر آنا اور معجزات کا ظہور اور فلپائن میں مریم کے دیدار کا انتظار اور آسمان پر سورج کو ناچتے ہوئے دیکھنے کے عیسائی دعوے اور آرزوئیں قدیم یہودی اور عیسائی آرزومندی اور بت پرستی کا تسلسل ہیں' مقدس مذہبی افسانے ہیں۔ (Pious Fiction) خوش فہم' زود اعتقاد اور توہم پرست و سادہ لوح ایسی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں۔ خبر صاف الفاظ میں ہے کہ ''یسوع مسیح صومالیہ میں بھوک کا شکار لوگوں اور امدادی کارروائیوں میں مصروف امریکی فوجیوں کو امید کا پیغام دینے آتے تھے۔''

مسلمانوں کے ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل کا کوئی تصور نہیں ہے: ان بیچاروں نے ""اس شبیہہ کو حضرت عیسیٰ کی حیثیت سے" کیا خاک "شناخت کیا" تھا؟

عیسائیوں میں عیسیٰ کی بے شمار شبیہیں مجسمے اور تصاویر رائج ہیں۔ کون بتائے گا کہ صومالیہ میں عیسیٰ کی کون سی شبیہہ نظر آئی تھی جسے 19 سالہ امریکی فوجی نے پہچان لیا کہ یہ یسوع مسیح کی شبیہہ ہے۔

واضح ہو کہ "عیسائیوں کی مقدس کتابوں میں دی گئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصاویر" کا دعویٰ بالکل بے سروپا ہے۔ عیسائی کتاب مقدسہ میں عیسیٰ کی کوئی تصویر یا حلیہ مذکور نہیں ہے۔

البتہ عیسائی دنیا میں عیسیٰ، مریم، خدا، فرشتوں، جہنم کے فرشتوں اور شیطان کی شبیہوں کا تصور کھلے ہاتھوں موجود ہے۔ لیکن یہ سب خیالی اور تصوراتی کسی مصور یا سنگتراش یا مجسمہ ساز یا بت ساز کی ذہنی اختراع ہوگا۔

موجودہ تہذیب مغرب کا ایک یونانی عنصر

"سے نکس Cynics"۔ اس یونانی لفظ کا مطلب ہے "کتے ایسے"۔ ایتھنز کے دیو جانس کلبی کی روحانی اولاد کو پکارا جاتا ہے۔ نوع انسانی کی نیکی کا منکر فلاسفر ٹب میں رہا کرتا تھا۔ ایک دفعہ سکندر اعظم اس کے پاس گیا اور کوئی خدمت پوچھی تو اس نے جواب میں کہا "ذرا دھوپ چھوڑ کر کھڑے ہوں۔" وہ شرم و حیا کا مخالف تھا اور تمام انسانی افعال سرعام سرانجام دیا کرتا تھا۔ اس لیے اسے "سے نکس Cynics" کہا جاتا تھا یعنی کتے کی طرح بے شرم۔ وہ شخص وہ طریق زندگی بسر کرتا اور اس کی تعلیم دیتا تھا جسے سب لوگ اختیار کر سکتے تھے۔

(Concise Biblical Dictionary by the Rev. W.K Lowther Clarke, 1952. p. 125)

عیسائیت بت پرستی میں تبدیل ہوتی ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودی تھے اور یہودیوں ہی کی طرف مبعوث ہوئے تھے (انجیل متی 6:10 ,24:15-23) آپ یہودی شریعت تورات کی پیروی اور تبلیغ و اشاعت کے داعی تھے۔ (متی 17:5)

قوم یہود نے مجموعی طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے سے انکار کیا اور بزعم خویش آپ کو صلیب پر لٹکا کر دم لیا۔ یہودی عیسیٰ کے پیروکاروں پر انتہا درجہ کے مظالم ڈھاتے تھے۔ ایک یہودی مسمّی ساؤل (جو بعد میں پولوس کے نام سے مشہور ہوا) ان پر ظلم کرنے میں پیش پیش تھا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ مسیح نے ایک رؤیا میں مجھے اپنا لیا ہے (بائبل کی کتاب اعمال (ابواب 26,22,9) قبولِ عیسائیت اس کی دراصل ایک چال تھی پیغامِ مسیح کو برباد کرنے اور آپ کے پیروکاروں کو بت پرست بنانے کی۔ اس نے

یہودیوں کو کہا کہ چونکہ تم خدا کے کلام کو رد کرتے ہو اس لیے ہم غیر قوموں (یعنی بت پرستوں) کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ (اعمال 46:13)

بت پرستی کھلے کھاتے کا مذہب ہوتا ہے۔ اس میں شریعت کی پابندیوں کا کوئی سوال ہی نہیں۔ چنانچہ بت پرستوں میں تبلیغ عیسائیت کے لیے اسے تورات کی پابندیوں سے آزاد کرانا ضروری تھا۔ اس پر اس نے تورات کو بے وقعت قرار دیا (کلسیوں 14:3) اسے لعنت کہا (گلتیوں 13:3)۔ تورات کے ابدی حکم ختنہ سے علی الاعلان بغاوت کی (گلتیوں 28:6,2:5) اور تعلیم دی کہ انسان شریعت کے اعمال کے بغیر ایمان کے سبب سے راستباز ٹھہرتا ہے (رومیوں 28:3)

یہودیت رومی حکومت کا ایک تسلیم کردہ مذہب تھا لیکن نومولود اور نووارد عیسائیت کو یہ سہولت حاصل نہ تھی۔ سن عیسوی کی پہلی تین صدیاں یہی کیفیت رہی۔ حتیٰ کہ بت پرست رومی بادشاہ قسطنطین اوّل یا قسطنطین اعظم نے 313ء میں عیسائیت قبول کر کے اسے ایک سرکاری درباری مذہب قرار دے دیا۔ عیسائیت کی تاریخ میں یہ ایک انتہائی اہم موڑ تھا جبکہ دین مسیح اپنی اصل اور بنیاد تورات سے ڈ......و...... رہٹ کر باقاعدہ طور پر بت پرستی کی طرف مائل ہوا۔

(۲) قسطنطین کی تبدیلی مذہب

قسطنطین کی قبول عیسائیت کی وجہ بادشاہوں کی عام ضرورت و مجبوری ہے کہ وہ رعایا کو متحد و متفق دیکھنا چاہتے ہیں۔ قدیم بت پرست مذاہب چلے ہوئے کارتوس تھے۔ شریعت کی سخت پابندیوں پر مشتمل تورات کی علمبردار، یہودیت اپنانے کا سوال سرے سے خارج از بحث تھا۔ اندریں حالات بادشاہ نے سرکاری مذہب قرار دینے اور عوام کو عیسائیت پر اکٹھا کرنے میں آسانی اور بہتری سمجھی۔

انسائیکلوپیڈیا کالم "323ء تا اس کی موت" کے تحت رقم طراز ہے "اس عرصہ میں اس کی قبول عیسائیت، جو کہ ابھی زیادہ تر سیاسی تھی، عیسائیت میں ایک عقیدہ کی حیثیت اختیار کر گئی۔ عیسائیت ایک تاریخی مذہب سمجھا جانے لگا...... یہ ایک حقیقت ہے کہ اس نے اپنی موت کے قرب تک عیسائیت اختیار نہ کی۔ ممکن ہے اس کی وجہ سیاست کا چکر ہو یا وہ فیصلہ ہی نہ کر سکا ہو۔ بت پرست پاک پانی کے غسل سے گناہوں کی معافی کا عقیدہ رکھتے تھے۔ بپتسمہ بارے عیسائی اعتقاد بھی یہی تھا۔ گمان غالب ہے کہ وہ بپتسمہ پانے کے بعد گناہوں سے ڈرتا تھا...... بالآخر اسے Arian فرقہ کے بشپ یوسی بیوس آف نکورو دیمیا نے بپتسمہ دیا تھا۔ یونانی کلیسیا میں عملی طور پر اسے مسیح کے "بارہ شاگردوں کے برابر درجہ حاصل ہے" (انسائیکلوپیڈیا آف رلیجن اینڈ ایتھیکس جلد 4 صفحہ 75 کالم 1)

مذہبی معاملات پر اس کا پورا پورا کنٹرول تھا۔ لکھا ہے "قسطنطین اور اس کے جانشینوں کی طرف سے عیسائیوں کی مذہبی مجالس بحث و تمحیص کے ضمن میں مکمل آزادی رکھتی تھی۔ مذہبی اصول و قواعد پاس کرنے کے واسطے ان کی رضامندی ضروری تھی۔ اس غرض سے شاہی پادری ان کی نمائندگی کرتے تھے۔ مثلاً کونسل آف آرلس کی صدارت بشپ ماری نس نے کی تھی۔ کونسل آف نائس میں بشپ ہوسی اس

آف قرطبہ اور کونسل آف فائر میں ڈائیونی سس نمائندے تھے۔" (ایضاً)

پروفیسر بریڈن واشگاف الفاظ میں لکھتے ہیں "قسطنطین نے عیسائیت کو رومی سلطنت کا ایک قانونی مذہب تسلیم کیا اور اسے ایک مذہب کا مرتبہ حاصل کرنے میں سہارا دیا۔ ملک کو متحد رکھنے والی قوت کے مدنظر قسطنطین نے عیسائیت کی (A Dictionary of Comparative Religion by Prof. Dr. S.G.F.Brandon) سرپرستی کی اور اس کے معاملات میں مداخلت کی۔" (Dictionary 1971, p. 206, col.1)

پادری جاڈوی حیان کے مطابق "اس نے عیسائیت میں اپنی منقسم سلطنت کو متحد کرنے کی قوت دیکھی" (The World's Religions 1982, p. 344, col.1) اور قبول عیسائیت کے لیے اس نے بھی پولوس کی طرح ایک رؤیا ہی کا سہارا لیا۔

پروفیسر فشر کے الفاظ میں "اپنے دشمن بادشاہ میکسن شش پر فتح پانے سے ذرا پہلے اس نے دعویٰ کیا کہ بوقت دوپہر آسمان پر اسے ایک جلتی ہوئی صلیب نظر آئی جس پر یونانی زبان میں لکھا ہوا تھا "اس نشان سے فتح کر۔" سورج کی تیز روشنی میں یہ شاید فریب نظر تھا جو ایسے بحران میں ممکن تھا جبکہ تصورات انتہائی پرجوش تھے۔" (History, p. 344)

القصہ قسطنطنیہ کا قبول عیسائیت اپنی مملکت کی مضبوطی کے لیے ایک سیاسی حربہ تھا۔ اسے مذہب سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ قدیم بت پرستی پر ہی قائم رہا تھا۔ اس ضمن میں ایک ممتاز امریکی جریدہ رقم طراز ہے:

(3) "قسطنطین کے قبول عیسائیت کی حقیقت"

رومی بادشاہ قسطنطین کی قبول عیسائیت کا دعویٰ مدتوں سے مذہب کے طلبہ کی دلچسپی کا مرکز رہا ہے۔ اس کے اپنے بیان کی رو سے 312ء میں ایک لڑائی کی شام کو جو اس نے جیت لی' بت پرست قسطنطین نے صلیب کا ایک ہیولا دیکھا۔ جس پر لکھا تھا "اس (نشان) سے فتح کر" اس کے جلد ہی بعد 313ء میں اس نے اپنا مذہب "تبدیل کرلیا" اور رومی سلطنت میں عیسائیوں پر ظلم و ستم کا سلسلہ بند کردیا۔ قسطنطین نے اس دور کی مروجہ عیسائیت کو ریاست کا مذہب قرار دیا' یہاں تک کہ عیسائیت کے اندرونی جھگڑوں میں بھی مداخلت کی۔ تاہم اس نے ایسے کام بھی کیے جس سے اس کی تبدیلی مذہب کی اصلیت مشکوک قرار پائی ہے' جبکہ اسے کوئی 24 برس بعد موت سے ذرا پہلے بپتسمہ دیا گیا تھا۔

سکوں کے ماہر اور مذہبیات کے فاضل طالب علم سٹینلے اے ہڈسن نے انکشاف کیا ہے کہ قسطنطین کے دور حکومت میں ڈھلے ہوئے سکے کس طرح اس موضوع پر مسحور کن روشنی ڈالتے ہیں۔ قسطنطین کے وقت تک رومی سکوں پر ہر دلعزیز رومی دیوتاؤں کی تصاویر عام ہوا کرتی تھیں۔ ہڈسن کی رپورٹ ہے کہ قسطنطین کی تبدیلی مذہب کے بعد سوائے ایک کے بت پرستانہ نشانات کم سے کم تر ہوتے

چلے گئے۔ سورج دیوتا سول' جو کہ پہلے قسطنطین کا محبوب تھا' کی تصویر والے سکے کثیر تعداد میں ڈھالے گئے۔ اس کی وجہ کیا تھی؟

ہڈسن کی رائے میں اس کے دو امکانات ہیں۔ پہلا یہ کہ اس کے ڈرامائی رؤیا کے بعد' قسطنطین کی تبدیلی مذہب کی رفتار بہت سست تھی۔ دوسرا امکان یہ ہے کہ اس نے سول کو مسیح کے ساتھ گڈمڈ کر دیا تھا۔ مختلف عقائد کی آمیزش فی زمانہ بھی غیر معمولی نہیں ہے۔ براعظم جنوبی امریکہ کے ملک کولمبیا کی قدیم دیویاں چاچا ماما اور ٹوینٹ زن آج بھی کنواری مریم کے نام پر پوجی جا رہی ہیں۔ اسی طرح ممکن ہے کہ بادشاہ مسیح کے نام پر سول دیوتا کو پوجتا تھا۔

مختلف عقائد کی آمیزش سے وضاحت ملتی ہے کہ "غیر مفتوح سورج" کا یوم پیدائش 25 دسمبر میلادِ مسیح منانے کی غرض سے کیوں منتخب کیا گیا تھا (یعنی اس سے اصل مراد سورج دیوتا کی پرستش تھی۔ اسلم) اس سے ہمیں یہ جاننے میں بھی مدد ملے گی کہ قسطنطین کی وفات منانے کے لیے ڈھالے ہوئے سکہ پر "قسطنطین دیوتا" کے الفاظ کیوں کندہ ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اپنی تبدیلی مذہب اور بالآخر بپتسمہ پانے کے باوجود قسطنطین کو بھی پہلے بت پرست بادشاہوں کی طرح اس کی وفات کے بعد دیوتا سمجھا گیا تھا" (واچ ٹاور 2:111)

پروفیسر ڈاکٹر جے ایم رابرٹس کی تحقیقات بھی قسطنطین کے قبول عیسائیت کو ایک ڈھونگ اور اسے بت پرست ہی ثابت کرتی ہیں۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں" وہ تیرھواں شاگرد کہلایا۔ تاہم عیسائیت کے ساتھ اس کا تعلق ناقابل وضاحت ہے...... وہ ڈرتا اور امید بھی رکھتا تھا کہ اس کا دیوتا طاقت کا دیوتا تھا۔ پہلے وہ سورج دیوتا کو پوجا کرتا تھا اس کا نشان اپنے پاس رکھتا تھا۔ اور سرکاری طور پر اس کی پوجا بادشاہ کی پوجا کے ساتھ ہی ہوا کرتی تھی۔ 313ء میں لڑائی سے پہلے ایک مزعومہ رؤیا کے نتیجہ میں اس نے اپنے سپاہیوں کو ڈھالوں پر صلیب کا نشان بنانے کا حکم دیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ان کے دیوتاؤں' جو کہ بھی وہ تھے' کی بھی عزت کرتا تھا۔ وہ لڑائی میں جیت گیا۔ اس کے بعد اگرچہ وہ علانیہ سورج پوجا کا علمبردار رہا' عیسائیوں اور ان کے دیوتا کو اہم مراعات دینے لگا تھا...... اس کے باوجود برسوں اس کے سکوں پر بت پرستوں کے دیوتا خصوصاً "غیر مفتوح سورج" کا چھپنا جاری رہا...... بعد ازاں اس نے بتوں کے مندر ڈھائے' شاندار عیسائی گرجے تعمیر کیے۔ عیسائیت قبول کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی۔ ان تمام امور کے ساتھ ساتھ پرانے مذہب کا بھی احترام کرتا رہا۔"

(The Pelican History of the World by Prof. Dr. J.M.Roberts: 1987, p. 287)

ڈاکٹر فشر کا مختصر اور واضح بیان یوں ہے "عیسائی جس خدا کی عبادت کرتے تھے۔ وہ خلوص نیت سے اس پر ایمان رکھتا تھا۔ لیکن بعد میں اس کے متعدد اقدامات سے معلوم ہوتا ہے کہ پرانے عقائد اس کے ذہن میں ابھی تک گھسے بیٹھے تھے۔ اپالو دیوتا کی پوجا اس سے مکمل طور پر چھوٹ نہ سکی۔ کئی مواقع پر اس نے بت پرست کاہنوں کی طرف رجوع کا حکم دیا" (ایضاً 88) ممکن ہے بعض قارئین کے ہاں

عقائد و عبادات کے ساتھ بت پرست اقدار و شعائر کی آمیزش و اجتماع ناقابل فہم ہو لیکن جیسا کہ اوپر وضاحت ہو چکی ہے یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ پادری کرسٹوفر لیمب لکھتے ہیں کہ "عیسائیت کی تاریخ "مذہبی اجتماعیت" سے بھری پڑی ہے۔" (Religions P. 369, Col.1)

عیسائیت بت پرستی

ٹیڑھی اینٹوں والی بنیاد پر بنی ہوئی عمارت بھی ٹیڑھی ہی بنتی تھی۔ عیسائیت شاہی مذہب قرار پانے سے بت پرست عوام الناس اپنے پرانے عقائد و عبادات چھوڑے بغیر اور بلا سوچے سمجھے جوق در جوق عیسائیت میں داخل ہونے لگے۔

پادری کینن ڈبلیو پی ہیرس بی اے لکھتے ہیں "پہلی تین صدیوں میں شہداء اور اولیاء کی پوجا کی کوئی شہادت نہیں ملتی یا یہ کہ ان کی باقی ماندہ اشیاء یا نشانیوں کی مناسبت سے عزت کی جاتی ہو لیکن چوتھی صدی میں جب عیسائیت کو ایک سرکاری مذہب تسلیم کر لیا گیا تو بہت سارے بت پرست رواجات بھی عیسائیوں کے مذہبی نظام میں داخل ہو گئے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایمان کی خاطر تکالیف سہنے والوں کی نشانیاں، ہڈیاں، کپڑے وغیرہ تو ہماتی عزت دیئے جانے لگے۔ ان میں پوشیدہ قوت کا مفروضہ گھڑا گیا۔ برائی دور کرنے کے لیے انہیں جادو کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اولیاء سے مناجات نے ان تبرکات اور ان کے ذریعہ تصوراتی معجزات کے اعتقاد نے پوجا کی راہ نکال لی۔"

(The Teaching and Practices of the Church of Rome in India - Examined by Rev. W.P.Hares B.A. 2nd edition, p. 365)

پادری صاحب ایک دوسری جگہ بوضاحت تمام لکھتے ہیں "کلیسیا نے کنواری مریم کی عزت اور محبت میں اس قدر مبالغہ کیا کہ محمد عربی ﷺ نے سمجھا کہ عیسائی کثیر خداؤں کو مانتے ہیں۔ خدا، مسیح اور مریم تین خداؤں کو پوجتے ہیں۔ اولیاء و شہداء کے حضور مناجات اور ان کی معجزانہ قوتوں پر اعتقاد تیسری صدی میں شروع ہوا۔ عیسائیت کو قانونی رتبہ ملنے کے بعد گروہ در گروہ بت پرست کلیسیا میں داخل ہو گئے۔ اور کلیسیا کو بت پرست بنانے کا عمل شروع ہوا۔ بت پرستوں کے مندر گرجا گھروں میں تبدیل ہو گئے اور عیسائی اولیاء نے مقامی دیوتاؤں کی جگہ لے لی۔ دیویوں کے پجاریوں نے ان کی جگہ خدا کی ماں، خدا کی ملکہ اور ملکہ آسمانی، مریم کو دے دی۔ 373ء کے قریب کنواری کے حضور دعائیں کرنا رائج ہوا۔ جسے کاتھولک کلیسیا نے بدعت قرار دیا۔ اگلی صدی میں نستوری فرقہ نے مریم کو خدا کی ماں ماننے سے انکار کر دیا جس پر بنیاد پرست ناراض ہو گئے جو بیٹے کو خدا بنانے کے ذوق میں اس کی انسانی فطرت کو نظر انداز کرتے تھے اور اس کی ماں کی زیادہ پرستش کرنے لگے۔ جس کی انسانیت انسانی فہم کے زیادہ قریب تھی۔" (ایضاً صفحہ 318)

مزید لکھا ہے "بت پرستی چھوڑ کر آنے والے غیر تربیت یافتہ نئے عیسائیوں اور کارپوکریٹس اور

اس کے شاگرد مرسی لینا نے کلیسیا میں بتوں کو متعارف کیا۔ ان دونوں نے روم کے اندر اپنے گھروں میں مسیح' پولوس اور یونانی دانشوران ہومر اور فیثا غورث کے بت رکھے۔ انہیں خوشبوئیں ملتے اور پوجتے۔ بہت سے آبائے کلیسیا اور بشپوں نے توہم اور بت پرستی کی سخت مذمت کی جو دھیرے دھیرے کلیسیا میں نشوونما پارہی تھی۔ ایک عذر خواہ لیک ٹین ٹیئس نے لکھا "یہ امر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ بت کے بغیر مذہب کا کوئی سوال نہیں۔" (ایضاً صفحہ 353)

خیال رہے کہ آئیرینس پہلے ہی 180ء کے قریب عیسائیوں میں مذکورہ بت پرستی کی نشاندہی کر چکا تھا (ایضاً صفحہ 355) یعنی عیسائیت یہودیت سے نکل کر بت پرستوں میں پہنچتے ہی بت پرستی میں تبدیل ہونے لگ چکی تھی۔ قسطنطین والا حادثہ تو مدتوں بعد پیش آیا۔

پادری صاحب بتاتے ہیں "بت پرستی اس قدر عام تھی کہ کونسل آف لڈوکیا نے دفعہ 35 میں ان الفاظ میں رد کیا "اگر کوئی چھپا کر بت پرستی کرتا پایا جائے تو ملعون ہو کیونکہ اس نے ہمارے خداوند یسوع مسیح' خدا کے بیٹے کو چھوڑ دیا ہے اور بت پرست بن گیا ہے۔" (ایضاً صفحہ 348)

عیسائیت میں بت پرستی کے دخول' مخالفت اور حمایت کی آنکھ مچولی اور بالآخر اس کی فتح کا ایک حال تحریر خدمت ہے۔ "کلیسیا کی روحانی زندگی ابتر ہونے پر عذر خواہوں اور ابتدائی آبائے کلیسیا' پوپوں اور کونسلوں کے رد کرنے کے باوجود اولیاء اور شہداء کے بت پوجے جانے لگے۔ لوگ انہیں کسی قوت کا مالک سمجھ کر پوجتے تھے۔ ان کی تعداد بڑھنے پر اس توہمات بدعت پر بہتوں کا غصہ اور نفرت بھڑک اٹھی۔ 726ء میں شاہ لیوراسارکیس نے حکم دیا کہ گرجا گھروں سے بت اٹھا دیئے جائیں۔ 854ء میں شاہ قسطنطین چہارم نے قسطنطنیہ میں کونسل بلائی۔ اس میں 333 بشپ اکٹھے ہوئے۔ اس نے بھی ایسا ہی فیصلہ دیا۔ تاہم باطل عقیدہ چھا گیا اور 787ء میں نیقیہ کی دوسری کونسل نے خود خدا کا بت رکھنے کی بھی اجازت دے دی۔ عبادت کی ایک اصلاح شدہ شکل منظور کی گئی۔ فیصلہ کے الفاظ یہ ہیں "ہم مقدس بتوں کی عزت و عبادت کرتے اور پوجتے ہیں۔ وہ لوگ جو مقدس بتوں کی عزت کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن انہیں پوجنے کے انکاری ہیں' ان کی کوئی تکریم نہیں کرتے' منافق ہیں۔ بت کی عزت اس کی اصلی شخصیت تک پہنچتی ہے۔ جو بت کی عزت کرتا ہے وہ اس شخصیت کی عزت کرتا ہے' جس کی وہ نمائندگی کرتا ہے" اس کونسل میں مخالفین کو بدلنے کی اجازت نہیں تھی۔ انہیں اس قدر ڈرایا دھمکایا گیا کہ انہوں نے اپنی تعلیم واپس لے لی۔ اموریم کے بشپ تھیوڈوسیس نے کہا "سب سے پہلے میں اپنے سچے خدا' خداوند یسوع مسیح اور اسے جننے والی کے بت کو مانتا' تسلیم کرتا' استقبال کرتا' سلام عرض کرتا اور پوجتا ہوں۔ مقدسین کے تبرکات کو بھی پوجتا اور عزت دیتا ہوں۔ لعنت ان پر جو پاک اور مقدس بتوں کو نہیں پوجتے۔ لعنت ان پر جو پاک اور مقدس بتوں کے خلاف کفر بکتے ہیں۔ لعنت ان پر جو انہیں بت کہنے کی جرأت کرتے ہیں۔ لعنت ان پر جو شک کرتے ہیں۔ اور مانیں کہ وہ مقدس بتوں کو نہیں پوجتے۔" اس کونسل میں یونانیوں نے اعلان کیا جو ایک بت کو پوجے اور کہے "یہ مسیح ہے' برا کام نہیں کرتا۔ جو بت کو نہ پوجے وہ

ربائی کا مرتکب ہے۔ بت کو نہ پوجنے والا بدعتی ہے۔ ہمیں تثلیث اقدس کی طرح بتوں کو پوجنا چاہیے۔"
پوپ آرڈین اوّل نے کونسل کے فیصلہ کی تصدیق کی۔" (ایضاً صفحات 356,355)

826ء میں پوپ گریگوری دوم نے ایک کونسل منعقدہ روم میں بت پرستی پر اعتراض کرنے اور نہ پوجنے والوں پر لعنت کی۔ یہ جھگڑا اگلی صدی میں بھی چلتا رہا۔ پوپوں نے بت پرستی کی حمایت کی۔ آخر کار جب یہ باطل عقیدہ راسخ ہوگیا تو بت پرستی کی اجازت عام ہونے پر تمام عیسائی دنیا اس رو میں بہہ نکلی۔" (ایضاً صفحہ 357)

فرائر پیڈ روڈی کیبیریا کا قول ہے "مقدس بت گرجاؤں کے اندر اور باہر پوجے جائیں۔ اس کی مخالفت بدعت ہے۔" (ایضاً صفحہ 358)

نستوری بدعت افیسس کونسل منعقدہ 431ء میں رد کی گئی۔ اس کے ردعمل میں لوگوں نے خدا کی ماں کی تکریم شروع کردی۔ جوں جوں عیسیٰ کے خدا ہونے کا عقیدہ قائم ہوتا گیا اور اس کی انسانیت دھندلاتی گئی' بابرکت کنواری کے رحم اور ملاطفت کے عقیدہ میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس کی تصاویر ہر جگہ نظر آنے لگیں۔ اس سے متعلق حیران کن کہانیاں شوق سے سنی جانے لگیں۔ آہستہ آہستہ اس کی زندگی اور موت کے بارے میں روایات تحریر ہوئیں۔ جعلی بیانات کی خاصی مقدار اکٹھی ہوگئی۔ اس کے لیے نئے نئے خطابات وضع ہوئے۔ خدا کی ماں کا خطاب اکثر مستعمل تھا۔ زبردست مخالفت کے باوجود مریم کے صعود آسمانی کی کہانی رواج پاگئی جسے کلیسیا نے بتدریج درست مان لیا۔ یہ کہانی آسمانوں میں کنواری مریم کی فضیلت کی بنیاد بن گئی۔ جو فی زمانہ رومی کلیسیا عموماً مانتی ہے۔ مقدسہ مریم کو آسمان میں پہنچا کر پادریوں نے اسے ملکہ آسمانی قرار دیا اور اسے پوجنے لگے۔" (ایضاً صفحہ 321)

روسی کلیسیا 2 فروری کو بے داغ حمل کی عید مناتی ہے۔ یہ بت پرست رومیوں کی نقل ہے جو پہلے سے اسی تاریخ کو جونو دیوی کے معجزانہ حمل کی عید منایا کرتے تھے۔ (ایضاً صفحہ 341)

کونسل آف ٹرنٹ 1563ء نے 25 ویں اجلاس میں 24 واں فیصلہ دیا کہ "عیسیٰ مریم' خدا اور دوسرے مقدسین کے بت گرجا گھروں میں رکھے جائیں اور انہیں مناسب عزت وتکریم دی جائے۔"
(ایضاً صفحہ 353)

مقدس ترین عیسائی عبادت عشائے ربانی میں پادری کی دعا سے روٹی اور شراب مسیح کو گوشت اور خون میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور مسیح بذاتِ خود حاضر ہو جاتے ہیں۔ کاہن کی قوت الٰہی شخصیت کی قوت ہے کیونکہ روٹی کو مسیح کے گوشت میں تبدیل کرنے کے لیے دنیا پیدا کرنے کی طاقت درکار ہے۔"
(ایضاً صفحہ 388) عیسائیوں کی یہ عبادت بھی سورج پرستوں سے مستعار و ماخوذ ہے۔ (Religious p. 89, Col.1) اب اس سے متعلق رومن کیتھولک عقیدہ مطالعہ فرمائیے' جس کی رو سے خدا' خدا نہیں موم کی ناک ہے۔ اس کا مقام بالکل ایک بت کے مساوی ہے۔ مرقوم ہے "یسوع مسیح کے حقیقی جسم پر کاہنوں کے اختیار بارے ہمارا ایمان یہ ہے کہ جب وہ تقدیس کے الفاظ بولتے ہیں تو خدا کا کلام مجسم (یعنی مسیح۔

اسلم) ان کا حکم ماننے اور رسم کی تقدیس کی وجہ سے ان کے قبضہ میں آنے پر مجبور ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کاہنوں کے الفاظ کی تکمیل میں خدا خود قربان گاہ سے اترتا ہے۔ جب بھی وہ اسے بلائیں آتا ہے اور اپنے آپ کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے۔ خواہ وہ اس کے دشمن ہی کیوں نہ ہوں۔ آنے کے بعد ان کے مکمل اختیار میں رہتا ہے۔ وہ جیسے چاہیں اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھتے ہیں۔ اگر چاہیں تو اسے عبادت گاہ میں بند بھی کر سکتے ہیں یا قربان گاہ پر ظاہر کر سکتے ہیں۔ یا گرجا گھر سے باہر لے جاسکتے ہیں...... خدا اپنے کاہنوں کی صوابدید پر بے بس ہوتا ہے۔ اگر وہ چاہیں تو وہ معافی نہ دے یا جیسے وہ انکار یا معافی دیں۔ معاف کر دیں کاہن کی طاقت مقدسہ کنواری مریم سے برتر ہے کیونکہ مقدس ماں ہمارے لیے دعا کر سکتی ہے اور اس کی دعاؤں سے جو وہ چاہے ہم پاسکتے ہیں۔ تاہم وہ کسی عیسائی کو چھوٹے سے چھوٹے گناہ سے پاک نہیں کر سکتی۔" (ایضاً صفحہ 387)

پادری خورشید عالم کمال دردمندی سے بتاتے ہیں کہ کلیسیا (عیسائی امت) نے بت پرستی سے بچنے کے لیے ممکنہ تدبر سے کام لیا اور خلوص نیت سے عیسائیت کی عبرانی اصل و نسل کو یونانی و لاطینی دیومالائیت سے پاک و پوتر رکھنے کی مقدور بھر کوشش کی۔ لکھتے ہیں "جب رومی سلطنت عیسائی ہو گئی تو کلیسیا کا ذہن تعلیم و ادبیات سے تہی دست تھا۔ وہ یہ نہ سوچتی تھی کہ پاسبان کو ادبی دنیا میں بھی مایہ ناز ہستی ہونا ضروری ہے اور چاہیے کہ وہ لمحات فرصت میں لاطینی ادبیات کا مطالعہ کر کے جائزہ لے کہ ان میں کتنی باتیں سچی ہیں، کتنی باتیں شرافت کی ہیں، کتنی باتیں واجب ہیں، کتنی پسندیدہ ہیں، کتنی باتیں دلکش اور کتنی باتیں نیکی اور تعریف کی ہیں۔ وہ ادبیات پر غور نہ کرنا چاہتے تھے کیونکہ کلیسیا یونانی و لاطینی دیومالا اور اصنام پرستی سے خائف تھی۔ لاطینی و یونانی دیوتاؤں کے گیت پسند عام تھے۔ اس لیے ڈر تھا کہ عیسائیت رومی صنم پرستی اور رومی اخلاقیات میں جذب نہ ہو جائے لیکن عیسائیت کی اصل و نسل عبرانی تھی اور نجات یہودیوں سے تھی۔ اس لیے یہودی علم الاخلاق میں جو تصور گناہ، نجات، امید، وعدہ اور آئندہ زندگی کا تھا وہ اصنام پرستی اور یونانی و لاطینی دیومالا سے کوسوں دور تھا۔ علم الٰہیات کے تخیل میں رابطہ و اتحاد ناممکن تھا۔"

(تواریخ کلیسیائے رومۃ الکبریٰ مصنفہ و مولفہ پادری خورشید عالم مطبوعہ 1961ء صفحہ 168)

لیکن بکرے کی ماں کب تک خیر مناتی! قسطنطین کے بقول عیسائیت کی وجہ سے دیومالائیت اور بت پرست رسوم و معتقدات کا در آنے والا طوفانی ریلا دین مسیح کی اصلیت و روح کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گیا اور آب و گل کی اس دنیا میں مسیح اور عیسائیت کے نام لیواؤں کے پاس بت پرستی رہ گئی۔

موجودہ عیسائیت یونانی بت پرستی ہے

مذاہب عالم میں ہندو مت دلچسپ اور عجیب و غریب ہے۔ قارئین کرام یہ جان کر ضرور حیران ہوں گے کہ ہندو مت کی کوئی واضح اور ٹھوس تعریف نہیں کی جاسکتی۔ اس مذہب میں "کیا ہے؟"

اور ''کیا نہیں ہے؟'' کے درمیان باقاعدہ حد فاصل کا قیام ناممکن ہے۔ اغیار کے ہاں یہ صورت حال مضحکہ خیز اور اس مذہب کی کمزوری سمجھی جائے گی لیکن ہندومت کی طاقت وقوت کا راز اسی میں پنہاں ہے۔ ہندومت کو ایمان اور عمل سے کوئی تعلق و واسطہ نہیں ہے۔ وہاں بس قول کا سکہ چلتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص لاکھ نمازیں پڑھے' رمضان کے روزے رکھے' حج بیت اللہ کرے' تلاوت کلام مجید میں منہمک رہے لیکن پوچھنے پر اپنے آپ کو ہندو کہہ دے تو ہندوؤں کے نزدیک وہ شخص ہندو سمجھا جائے گا۔ ایک ہندو دانشور ٹیگور لکھتا ہے ''انڈیا ہمیشہ سے ایک معاشرتی اکائی بننے کے لیے کوشاں رہا ہے۔ جس میں مختلف اقوام اکٹھی رہیں انہیں اپنے اپنے اختلافات قائم رکھنے کی پوری پوری آزادی ہو۔ یہ تعلق ممکن حد تک تھوڑا اور ماحول کے مطابق قریبی بھی ہو۔ اس صورتحال نے ریاست ہائے متحدہ یا معاشرتی مجموعہ کو جنم دیا ہے۔ جس کا معروف نام ہندو مذہب ہے۔''

(Nationalism by Sir Rabindranath Tagore: 1920, p. 115)

عیسائیت کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ اگر ہندوؤں کے ہاں ہندو مذہب مختلف معاشروں کا مجموعہ ہے تو عیسائیت مختلف مذاہب (کے معتقدات' رسوم' رواجات وغیرہ) کا مجموعہ ہے۔ دوسرے مذاہب سے عقائد وعبادات مانگ تانگ کر بنایا ہوا مذہب ہے۔ چرچ مشن سوسائٹی کے پادری کرسٹوفر لیمب لکھتے ہیں ''اس میں شک نہیں ہے کہ عیسائیت کی تاریخ مذہبی اجتماعیت سے بھری پڑی ہے۔''

(A Lion Handbook: The World's Religion's 1982, p. 359, Col.1)

عیسائیت کی اصطلاح کان میں پڑتے ہی سامع اسے یہودیوں کے جلیل القدر نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مذہب خیال کرتا ہے حالانکہ حقیقت حال اس کے قطعی برعکس ہے۔ عیسائیت کو حضرت عیسیٰ سے محض برائے نام سا تعلق ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودی تھے۔ قوم یہود کے آخری نبی تھے۔ گذشتہ انبیائے یہود کی طرح آپ کا مشن بھی تورات موسوی کا اجراء اور اسی شریعت کی تبلیغ واشاعت اور اس کے چھوٹے سے چھوٹے حکم تک پر عملدرآمد تھا۔ (انجیل متی باب 5 فقرہ 19)

یہودیوں کو امید تھی کہ مسیح کے آنے سے ہمارے دکھوں کا خاتمہ ہوگا۔ وہ ہمیں رومی حکومت کی غلامی سے آزاد کرائے گا۔

(A Commentary on the Holy Bible by the Rev. J.R.Dummelaw M.A: 1944, p. 818, Col.2)

مسیح ان کے اس معیار پر پورے نہ اترے۔ یہودیوں نے من حیث القوم آپ کی مخالفت کی اور بزعم خویش مصلوب کرواکے دم لیا۔

اصلی عیسائی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودیوں کے لیے برپا ہوئے تھے اور انہیں ماننے والے بھی یہودی

ہی تھے۔ مانچسٹر یونیورسٹی میں تقابلِ ادیان کے فاضل پروفیسر برینڈن اپنی عظیم الشان اور لاثانی تالیف میں لکھتے ہیں:

"یہودی عیسائیت"

عیسائیت ایک یہودی عیسائی تحریک کی حیثیت سے گلیل (فلسطین کے ایک صوبہ۔ اسلم) میں شروع ہوئی۔ اس کا مرکزی نقطہ یسوع ناصری تھا (مسیح گلیل کے شہر ناصرۃ کے رہنے والے تھے۔ اسلم) مسیح کی مصلوبیت کے بعد یروشلم تحریک کا ہیڈکوارٹر بن گیا جو بنیادی طور پر یہودیت ہی رہی۔ یہ تحریک مسیح کی حیثیت سے یسوع کی فاتحانہ واپسی کی امید میں تھی کہ وہ آ کر اسرائیل کی سلطنت کو پھر سے بحال کرے گا۔ زیادہ تر پولوس کی کوششوں سے فلسطین کے باہر غیر یہودیوں میں ایک نئی شکل کا مذہب پھیلایا گیا جس میں یسوع کو یہودیوں کے مسیحا کی بجائے عالمگیر نجات دہندہ دیوتا بنا کر پیش کیا گیا۔ 70ء میں یروشلم کی تباہی پر یہودی کلیسیا برباد ہو گئی۔ یہودی عیسائیوں کے بچے کھچے گروہ فلسطین اور شام کے مختلف حصوں میں باقی رہے۔ ان کی عیسائیت ابتدائی نوعیت کی تھی۔ ان کے یہودی اعتقادات کی وجہ سے غیر یہودی انہیں بدعتی کہتے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ لوگ ختم ہو گئے ان کی کتابوں کے بعض حصے دستیاب ہیں۔

(A Dictionary of Com parative Religion by Prof. Dr.S.G.F Brandon M.A, D.D. 1974, p. 373, Col.2)

یہی محقق آگے چل کر لکھتا ہے "ناصری۔ چوتھی صدی کے عیسائی مصنفین نے شام میں یہودی عیسائیوں (یعنی یہودیوں میں سے مسیح کو قبول کرنے والوں۔ اسلم) کے گروہوں کو یہ نام دیا۔ یہ لوگ بدعتی سمجھے جاتے تھے۔ ان کے پاس آرامی زبان کی انجیل تھی جسے وہ "عبرانیوں کی انجیل" یا "ناصریوں کی انجیل" پکارتے تھے۔ (صفحہ 467 کالم 1)

سمجھے نا؟ آگ لینے آئی گھر والی بن بیٹھی۔ موجودہ یونانیت زدہ بت پرست "عیسائی" اصلی عیسائیوں کو بدعتی کہتے تھے۔

یعنی حضرت عیسٰی علیہ السلام کے اصل (یہودیوں میں سے) پیروکار اس جہان فانی سے لد گئے۔ اب ان کا کوئی نام ونشان باقی نہیں ہے۔ آئیے اب ان مرحوم ومغفور ہستیوں کا تھوڑا سا مزید مطالعہ کریں۔ پروفیسر فشر لکھتے ہیں "ایبونی: دوسری صدی کا یہ بدعتی فرقہ یہودی عیسائیوں پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ یہودیوں کی تقریبات کو نہیں مانتے تھے۔ ان کے دو بڑے بڑے فرقے تھے۔ ایک فرقہ تقاریب کو مانتا تھا۔ دوسرا فرقہ پولوس کا سخت مخالف تھا۔ وہ مسیح کو ایک پیغمبر اور شریعت کا زیادہ پابند مبلغ مانتے تھے۔

(History of the Christian Church by Prof. Dr. George Park Fisher:

1888, p. 74)

پادری ہیرس لکھتے ہیں ”ایبونائٹ ایک نامعلوم سا فرقہ تھا اور اس میں کوئی ایسا لیڈر بھی نہ تھا جس کے پیروکار لوگ ہو جاتے۔ یہ فرقہ مدت تک یونہی چلتا رہا اور آخرکار اسلام میں جذب ہوگیا۔“

(تواریخ عیسائی کلیسیا مصنفہ پادری کینن ڈبلیو پی ہیرس بی اے مطبوعہ 1939ء صفحہ 41)

یہ لوگ مسیح کے اصل پیروکار تھے۔ انہیں ایبونی پکارا جاتا ہے۔ اُن لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ ممکن ہے ان کی آرامی انجیل ہی اصل انجیل ہو جو ان کے قبول اسلام کے ساتھ ہی معدوم ہوگئی۔ عیسائی علماء کے ہاں اس کے اقتباسات ملتے ہیں۔ انہیں مسیح کے مصدقہ اقوال سمجھا جاتا ہے۔

پولوس

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر دنیا میں عیسائی کہلانے والے کروڑ ہا لوگ کون ہیں؟ اور کس کے ماننے والے ہیں؟

جیسا کہ پروفیسر برینڈن نے اشارہ کیا ہے۔ یہ لوگ پولوس کے پیروکار ہیں۔ پولوس بھی ایک یہودی تھا۔ وہ مسیح اور آپ کے نام لیواؤں کا سخت دشمن تھا۔ علمائے یہود کی اجازت سے مسیح کے پیروکاروں (جو صرف یہودی تھے) کو پکڑتا' مارتا' پیٹتا اور قتل تک بھی کر ڈالتا تھا۔ پھر اس نے ایک رؤیا کی بنا پر مشہور کیا کہ مسیح نے مجھے اپنا لیا ہے۔ اس پر وہ شخص مسیح کا ارادت مند اور زبردست مبلغ و داعی بن گیا۔ (اعمال باب 22) معلوم ہوتا ہے کہ پولوس نے عیسائیوں کو ختم کرنے کی بجائے عیسائیت (جو اس کے دور تک ایک یہودی فرقہ ہی تھا) اور پیغامِ مسیح کو ختم کرنے کی ٹھانی۔ اس کے لیے رؤیا دیکھنا مشہور کیا اور مسیح کے علمبردار اور شاگردِ رشید کے روپ میں مسیح کے پیغام' تعلیمات اور آپ کے مشن کی اس قدر شدید اور بھرپور مخالفت کی کہ مسیح اور ان کے شاگرد نہ صرف پس منظر میں چلے گئے بلکہ سین سے بالکل غائب ہو گئے' پولوس کے دام تزویر میں آنے کے بعد عیسائیت (یہودیت سے الگ اور) ایک بالکل نئے اور جدا مذہب کی حیثیت سے قائم ہوئی۔ اب اسے ماننے والی غیر یہودی' عام بت پرست اقوام تھیں۔

موجودہ عیسائیت نیا مذہب

قارئین کرام! یہ جان کر ضرور حیران و پریشان ہوں گے کہ بڑے بڑے عیسائی علماء اور عالمگیر شہرت کے حامل فضلا موجودہ عیسائیت کو ببانگ دہل نیا مذہب اور اس کے ماننے والوں کو پولوس کے پیروکار قرار دیتے ہیں۔

(i) یہودیوں میں ختنہ کرانا لازمی ہے۔ مسیح خود بھی مختون تھے (انجیل لوقا 21:2)۔ مسیح کے اصل یہودی پیروکار بھی ختنہ کراتے تھے۔ اس بحث میں پادری ڈملو لکھتے ہیں ”رسولوں کے اعمال کی کتاب اور رومیوں' گلتیوں اور کلسیوں کے نام پولوس کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی عیسائی اپنے

غیر یہودی عیسائی بھائیوں پر ختنہ کی پابندی لازمی قرار دیتے تھے۔ اس کشمکش میں پولوس اپنے نومریدوں کو یہودیت کے جوآ سے آزاد کرانے میں کامیاب ہوگیا۔'' (تفسیر ڈملو صفحہ 26 کالم 2)

یعنی غیر یہودی عیسائی' مسیح کے نہیں پولوس کے پیروکار ہیں جبھی تو پولوس کی فرماں برداری میں یہ لوگ ختنہ نہیں کراتے۔ اگر یہ غیر اقوام مسیح کے پیروکار ہوتے تو مسیح کی پیروی اور شریعت موسوی کی تعمیل میں ختنہ کراتے اور یہودیت کے جوآ (ختنہ) سے آزاد ہونے پر خوشیاں نہ مناتے۔ لہٰذا یہ لوگ پولوس کے مرید ہیں۔ مسیح کے نہیں۔

(ii) ''عام یہودیوں میں سے عیسائیت قبول کرنے والا شخص' اپنی انتہائی قیمتی متاع' شریعت موسوی کو بخوشی نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ وہ کہہ سکتا تھا کہ مسیح نے ''شریعت کے ماتحت'' زندگی گزاری تھی۔ یروشلم میں ابتدائی دور کے عیسائیوں کا وطیرہ بھی یہی تھا۔ ادھر شریعت کے بغیر' غیر یہودیوں کے ڈھیلے پن کا خوف حقیقی اور قابلِ فہم تھا۔ پولوس کی نئی نئی باتوں کا ردعمل بھی لازم تھا۔ یہ حق و باطل کی نہیں' حق کی حق کے خلاف کہانی ہے۔ عیسائیت کی مابعد کی تاریخ میں یہ کشمکش صاف نظر آتی ہے۔

''یہودیت سے آزادی پا کر ہی عیسائیت ایک عالمگیر مذہب بن سکتا تھا''

(iii) انطاکیہ میں شاگردوں کے ''عیسائی'' نام پانے کے موقع پر یہی فاضل مفسر رقم طراز ہے ''اس نام کا دیا جانا اس حقیقت کا اظہار ہے کہ بات ایک نئے یہودی فرقہ سے زیادہ تھی۔ کلیسیا (عیسائی امت۔ اسلم) میں بہت سے غیر یہودیوں اور وہ بھی یہودیت قبول کیے بغیر' کی شمولیت اور یسوع کی موسیٰ سے برتر ہونے کی تعلیم عیسائیت کو نیا مذہب سمجھنے والوں کو مکمل طور پر حق بجانب قرار دیتی ہے۔''
(ڈملو صفحہ 833 کالم 1)

یعنی پولوس کا مذہب' موجودہ عیسائیت' یہودیت' تورات یا مسیح کے مذہب سے جدا اور نیا مذہب ہے۔ مسیح سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

(iv) اگر اب بھی پولوس کے مذہب کی حقیقت سمجھنے میں کوئی کسر باقی ہو تو شائقین پروفیسر ڈین کے ان الفاظ کو غور اور توجہ سے پڑھیں۔ ''پر معنی طور پر یہاں بیان کیا گیا ہے کہ شاگرد پہلے انطاکیہ ہی میں عیسائی کہلائے۔ یہ نام یروشلم میں رکھنا ناممکن تھا۔ کیونکہ وہاں سب کے سب شاگرد یہودی تھے اور غیر اقوام والے تمیز نہیں کر سکتے تھے کہ دیگر یہودیوں سے کس طرح مختلف ہیں۔'' (خلاصہ تاریخ بائبل مصنفہ پروفیسر بی ایس ڈین ایم اے ایڈیٹر بی ایل ٹرنر صفحہ 186 کالم 2)

(v) انسائیکلوپیڈیا نے لکھا ''پولوس کے ہاتھوں میں عیسائیت ایک نیا مذہب بن گیا جو مقامی اور قومی معنوں سے مکمل طور پر آزاد اور تمام دنیا کی ضروریات کے لیے موزوں تھا۔ جبکہ یہ امور ابھی تک اس کے ساتھ منسلک تھے۔ اس نے مسیح میں ایک خدائی رُوح کو دیکھا جو آسمان سے گنہگاروں کی زندگیاں تبدیل کرنے کے لیے اُترتی تھی۔ ابتدائی شاگرد جس بادشاہت کی باتیں کر رہے تھے پولوس کے نزدیک

وہ روح القدس میں راستی' امن اور مسرت تھی۔ (رومیوں 7:14) ایک نیا طریق زندگی تھی' یہودی ریاست نہیں تھی۔" (انسائیکلوپیڈیا برٹینکا مطبوعہ 1960ء جلد 5 صفحہ 606 کالم 1)

پولوس کے ہاتھوں عیسائیت کا ایک نیا مذہب بن جانا ممکن بھی تھا کیونکہ "ابتدا ہی میں عیسائیت کا واسطہ ان لوگوں سے پڑا جو مسیح کی ذات اور مشن کو غلط رنگ میں پیش کرتے تھے۔"

(انسائیکلوپیڈیا برٹینکا مطبوعہ 1974ء جلد 10 صفحہ 1074 کالم 1)

مسیح کی پیروی کی صورت میں تو ایک پہلے سے بنا بنایا اور تیار شدہ مذہب یہودیت اور ضابطۂ حیات تورات موجود تھا۔ لیکن پولوس تورات کا سخت دشمن تھا۔ اس کے نزدیک شریعت کمزور اور بے فائدہ تھی (عبرانیوں 18:7) 'لعنت تھی (گلتیوں 13:3)۔ ان حالات میں موجودہ عیسائیت یا صحیح تر اصطلاح میں پولوسیت کے مذہبی عقائد و عبادات' رسوم' رواجات اور عیدیں غرضیکہ سارے کا سارا مذہبی ڈھانچہ دیگر اقوام اور مذاہب سے ماخوذ و مستعار ہے۔ تمام امور و معتقدات بت پرست فلسطینی' مصری' کالدی یا بابلی مذاہب' متھرا ازم' ہندو مت' بدھ مت' زرتشت اور رومی اور یونانی مذاہب سے اپنائے گئے۔ بائبل کے مندرجات مذکورہ بت پرست مذاہب کی تعلیمات پر مبنی ہیں۔ پولوسیت یونانی مذاہب اور فلسفہ کی بالخصوص احسان مند ہے۔

عیسائیت یونانیت ہے

انسائیکلوپیڈیا رقمطراز ہے "یہ حقیقت ہے کہ ابتدائی شاگرد مسیح کی تعلیمات کی عالمگیری کے علمبردار نہ تھے۔ وہ پرانے ضابطوں (تورات کے احکام و رسومات۔ اسلم) ہی کے مشتاق تھے لیکن پولوس نے رؤیا کے ذریعے بنیادی حقیقت کو پایا اور اس سلسلے میں مسیح کا حقیقی ترجمان بن گیا۔ نتیجہ یہ کہ یہودیوں نے عیسائیت کو رد کردیا اور عیسائیت رومی سلطنت کا فاتح مذہب بن گیا۔ اس طرح اسے دور رس نتائج والے اصلاح و ترمیم کے عمل سے گذرنا پڑا۔"

(انسائیکلوپیڈیا برٹینکا مطبوعہ 1960ء جلد 5 صفحہ 632 کالم 2)

آگے چل کر یہی فاضل مقالہ نگار لکھتا ہے "عیسائیت ایک نئی دنیا میں پہنچی جہاں یونانی نظریات چھائے ہوئے تھے۔ ناگزیر طور پر عیسائی تعلیم نے نئی شکل اختیار کی۔ درحقیقت بالکل تبدیل ہوگئی۔ جب چوتھی صدی میں سلطنت روما نے عیسائیت اختیار کرلی تو بڑی جدوجہد سے دنیا میں مسیح کی بادشاہت قائم کرنے کا نظریہ یکسر غائب ہوگیا۔ بس ناقابل التفات گروہوں کا ایمان رہ گیا۔ اس طرح پس منظر یہودیت سے یونانیت میں تبدیل ہوگیا۔ یہی حال بنیادی مذہبی تصورات کا ہوا۔"

(ایضاً صفحہ 633 کالم 1)

قصہ کوتاہ "مسیح کی تعلیم اور شخصیت یونانی فلسفہ کے ڈھانچے میں فٹ کردی گئیں۔"

(صفحہ 635 کالم 1)

مزید لکھا ہے ''مشرقی لوگوں کے رومی دنیا میں پہنچنے نے عیسائیت کو نئی شکل دی۔''

(ایضاً صفحہ 236 کالم 1)

اس ضمن میں ایک اور حوالہ مطالعہ فرمائیں ''فیلو (ایک یونانیت زدہ یہودی فلاسفر۔ اسلم) وغیرہ نے اس مذہبی فلسفے کو ترقی دی جس پر عیسائی دین کی بنیاد سمجھی جاتی ہے۔''

(''مشرق کی نابود شدہ تہذیب'' مطبوعہ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور مطبوعہ 1957ء صفحہ 74)

عیسائیت میں مشہور یونانی فلاسفر افلاطون کے فلسفے کو گہرا عمل دخل حاصل ہے۔ پادری مثلی لکھتے ہیں ''اس میں شک نہیں کہ افلاطونیت نے بہتوں کے لیے عیسائیت کی راہ تیار کی'' (ہماری کتب مقدسہ مصنفہ پادری جی ٹی مثلی ایم اے ترجمہ پروفیسر جے ایس امام الدین اور مسز کے ایل ناصر مطبوعہ 1981ء صفحہ 392)

عیسائیت کی یونانی خصوصیات

انسائیکلوپیڈیا میں یونانی مذہب کے تعارف میں لکھا ہے کہ ''یونانی مذہب: یہ زمانہ بہ زمانہ، جگہ بہ جگہ اور اغلب ہے کہ طبقہ بہ طبقہ بھی مختلف ہوتا تھا۔ کہیں پسماندہ تو کہیں ترقی یافتہ۔ تاہم بعض صفات ہمیشہ مستقل موجود رہتیں۔ پہلے یہ مذہب انسانی صفات خُدا سے منسوب کرنے اور کئی خدا ماننے پر مشتمل تھا۔ متعدد دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی تھی جن کی شکل انسانی ہوتی تھی۔ ذہنی لحاظ سے بھی زیادہ تر انسان ہی ہوتے تھے۔ وہ بے آرزو نہیں تھے۔ نہ ہی اخلاقی لحاظ سے عام انسانی کمزوریوں سے پاک ہوتے تھے۔ اس مذہب کی دو ہزار برس پر محیط تاریخ بتاتی ہے کہ ان امور پر جاری و ساری خیالات بھی تغیر پذیر تھے۔ عموماً دیوتاؤں کی باقاعدہ شکلیں ہوتیں۔ شاعری یا آرٹ انہیں باقاعدہ صورتیں دیتے۔ بہت سے دیومالائی قصے ان سے منسوب تھے۔ ان باتوں کا ماننا کوئی ضروری بھی نہیں تھا۔ معتقد کو ماننے یا اپنے حسب ذوق تبدیل کرنے کا اختیار ہوتا تھا۔''

(انسائیکلوپیڈیا برٹینکا مطبوعہ 1969ء جلد 10 صفحہ 886 کالم 1)

مزید لکھا ہے ''بت پرست باطنی مذاہب (جو یونان میں مروج تھے۔ اسلم) کے باقاعدہ تحریر شدہ عقائد نہیں ہوتے تھے۔ ہر عبادتی حلقہ اپنے قواعد و ضوابط وضع کرنے اور دوبارہ تبدیل کرنے میں آزاد تھا۔ (انسائیکلوپیڈیا مطبوعہ 1985ء جلد 44 صفحہ 706 کالم 2)

سولہویں صدی عیسوی میں تحریک اصلاح کلیسیا کی وجہ سے عیسائی دنیا پر سے پوپ روم کی سرداری کو دھچکا لگا۔ پروٹسٹنٹ تحریک اُٹھی جس سے عیسائی دنیا رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں میں بٹ گئی۔ اوّل الذکر فرقہ پر حسب سابق پوپ کا اقتدار باقی رہا۔ پروٹسٹنٹ فرقے کیتھولکوں کے سے اتحاد سے محروم ہیں۔ ہر ملک میں ان کی اپنی اپنی خود مختار اور مخصوص شکل مروج ہے۔ کلیسیائے انگلستان کی حیثیت ممتاز ترین ہے۔

لیکن اس سے کہیں یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ پروٹسٹنٹ عیسائیت کا ملک بہ ملک اختلاف عیسائیت میں کوئی نئی چیز ہے۔ درحقیقت تحریک اصلاحِ کلیسیا سے پیشتر، متفقہ پاپائی سرداری کے دنوں میں بھی عیسائیت میں یونانی مذاہب مزاج اور ان سے متاثر ہونے کا یہ پہلو واضح شکل میں نظر آتا ہے۔ مثلاً 597ء میں اگسٹین بشپ آف کنٹربری کے سامنے انگلستانی کلیسیا کو متعدد مسائل درپیش تھے۔ اس نے پوپ گریگوری اعظم کو ان امور پر روشنی ڈالنے کے لیے لکھا۔ پوپ روم نے جواب دیا ''برادرم! تم جانتے ہو اور تمہیں کلیسیا روم کا دستور جس میں تم نے پرورش پائی خوب یاد ہے۔ میری منشاء یہ ہے کہ تم کوئی بہتر دستور انگریزی یا فرانسیسی یا کسی دیگر کلیسیائی نظام سے جو خدا کی نظر میں بھلا ہو اپنالو اور وفاداری سے انگریزی کلیسیا کو ہر بہتر دستور کی جو تم دوسری کلیسیاؤں سے پاؤ تعلیم دو۔ کیونکہ یہ کلیسیا ایمان میں نوآموز ہے۔ کسی جگہ کے نام کو قاعدہ سمجھ کر محبت نہ کرو۔ کیونکہ جگہ کا نام بہتر اصولوں سے بنتا ہے۔ اس لیے ہر کلیسیا سے بھلائی، حقانیت اور راستی کی باتیں چن لو اور ان کو متحد کر کے انگریزی ذہن کو اس میں تعمیر کرتے جاؤ۔ سو اس طرح سے انگریزی کلیسیا کی بنیاد مقدس اگسٹین و گریگوری کے وسیلے سے پڑی۔ شاہ ولیم فاتح کے زمانے میں کلیسیائے انگلستان کی آزادی اور دیگر ممالک کلیسیا کا روم سے الحاق منظور ہوا۔ 1215ء میں قرار دیا گیا کہ کلیسیائے انگلستان ایک آزاد کلیسیا ہے اور وہ کسی دوسری کلیسیا کے تابع نہیں۔ (تفصیلات ''تواریخ کلیسیائے'' ''رومۃ الکبریٰ'' مصنفہ و مولفہ پادری خورشید عالم مطبوعہ 1961ء صفحات 125,78,30)

مروجہ عیسائیت کے تغیر پذیر عقائد کے متعلق یونین تھیولوجیکل سمینری نیویارک کے ایسوسی ایٹ پروفیسر فریڈرک سی گرانٹ لکھتے ہیں ''مسیح کو مجسم خدا کا بیٹا' خدا کا مکاشفہ دینے والا اور انسانوں کا نجات دہندہ سمجھنا کبھی کلیسیا کا مشہور نظریہ تھا۔ پر اب ایسی باتوں کو کوئی نہیں مانتا۔''

(انسائیکلوپیڈیا امریکنا مطبوعہ 1981ء جلد 16 صفحہ 45 کالم 2)

فی زمانہ بھی اگرچہ کیتھولک عیسائیوں پر پوپ روم کی سرداری اور بزرگی کا پرچم لہراتا ہے تاہم حالات و معاملات پر پہلا سا تسلط اور کنٹرول نہیں رہا۔ آئے دن پوپ کی سیادت کے خلاف کیتھولک علماء کی آوازیں سننے میں آتی ہیں۔ علاقائیت کا رنگ بھی گہرا ہوتا جاتا رہا ہے اور رُو بہ ترقی ہے۔

''جریدہ نیشنل کیتھولک رپورٹر'' کے ایک سروے کے مطابق بہت سے کیتھولک عیسائی اس نظریے کے قائل ہیں کہ اچھا کیتھولک بننے کے لیے پوپ کی تعلیمات کو ماننا ضروری نہیں ہے۔ مثلاً اعداد وشمار کی رو سے 70 فیصد کا ایمان ہے کہ وہ اتوار کو گرجا گھر گئے بغیر بھی اچھے عیسائی بن سکتے ہیں۔ 66 فیصد محسوس کرتے ہیں کہ اچھا کیتھولک بننے کے لیے برتھ کنٹرول سے متعلق کلیسیا کی تعلیم ماننا لازمی نہیں۔ 57 فیصد کی رائے ہے کہ طلاق اور شادی کے معاملات میں پاپائی احکام کی پابندی ضروری نہیں۔ اگرچہ 55 فیصد دعویدار تھے کہ وہ کبھی بھی مذہب کو خیرباد نہیں کہیں گے۔ صرف 13 فیصد نے کہا کہ یہ ان کی زندگی کا نہایت اہم حصہ ہے۔'' (اویک 1:70)

”ریاستہائے متحدہ امریکہ کے رومن کیتھولک علماء مذہبی تعلیمات کی وضاحت کے لیے زیادہ آزادی کے واسطے جدوجہد کر رہے ہیں۔ آخری اطلاعات کے مطابق علماء کی قومی کانفرنس نے اس مسئلے پر 59 کے مقابلہ میں 205 ووٹوں سے پوپ کی پالیسی کو رد کر دیا ہے۔ وہ پرعزم ہیں کہ نئی پالیسی وضع کی جائے۔ ایک عالم نے پوپ روم کی تجویز کو ایسی پرانی کار سے تشبیہ دی ”جس پر خواہ کتنا ہی پیسہ خرچ کریں قابل استعمال نہیں ہوسکتی۔“ (اویک 4:70)

”سپین کو کبھی رومن کیتھولک عیسائیت کا گڑھ سمجھا جاتا تھا۔ اب مذہب پسندی کا گہوارہ نہیں رہا۔ نوجوانوں کے ہاں کیتھولک عیسائیت کی حیثیت محض ایک لیبل سے زیادہ نہیں رہی۔ مبصرین کی رائے میں اب مذہب کا استعمال شادی، بیاہ اور ماتمی رسومات تک ہی محدود ہے، حتیٰ کہ مقدس ہفتہ کے جلوس مذہبی تقدس کی بجائے عوامی اجتماعات کے عکاس ہوتے ہیں۔ مرنے والے پادریوں کی جگہ لینے والے نصف بھی نہیں ہوتے۔ ایک تہائی آبادی باقاعدگی سے عبادت کرتی اور پوپ کو منزہ عن الخطاء سمجھتی ہے۔ کیتھولک تعلیمات کے برعکس عورتیں مانع حمل ادویات و آلات استعمال کرتی ہیں۔ ہر سال 1,00,000 اسقاطِ حمل اور 29,000 طلاقیں ہوتی ہیں۔“ (اویک 9:70)

عیسائیت سے پہلے کی دُنیا

”مختلف مذہبی عقائد اور عمل باہم خلط ملط تھے۔ اگرچہ آسانی کی خاطر ان میں تمیز ضروری ہے لیکن سب سے پہلے ہمیں یہ جاننا چاہیے کہ غیر یہودی دنیا میں مذہب اور اخلاقیات کا ساتھ ساتھ چلنا ضروری نہیں تھا۔ پروہت کا کام روایتی رسوم کی ادائیگی اور ”علاقہ کے دیوتا“ تک رسائی تھا۔ اس کا نیک ہونا کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ شروع شروع میں عیسائیت قبول کرنے والے، بت پرستوں کی بجائے، مختلف فلسفوں سے دلچسپی رکھنے والے تھے۔ مبلغین انجیل کے لیے یہ چیز بڑی مفید مطلب تھی کہ مذہب کا دور دورہ تھا اور بہت کم لوگ نظریاتی طور پر منکرین خدا تھے“

(Concise Bible Commentary, p.126)

عیسائی ٹھیٹھ بت پرست ہیں

یہ ایک الم نشرح حقیقت ہے کہ اگر ایک خدا نہیں مانو گے تو تمہیں بہت سے خدا ماننے پڑیں گے۔ ہم اس اصول کی روشنی میں عیسائیت کا واجبی سا مطالعہ کریں گے۔

سوال: خدا کی نافرمانی کر کے خدا کا پہلا حکم کون توڑتے ہیں؟

جواب: ”جو خدا اور اس کے اولیاء یا ان کی نشانیوں اور بتوں کی مناسب عزت نہیں کرتے (Teaching p. 360)

حالانکہ پہلا حکم تھا "میرے حضور تو غیر معبودوں کو نہ ماننا" (خروج ب 20)

عیسائی اس حکم کی کھلم کھلا نافرمانی کرتے ہیں اور اسے اس حکم کی تعمیل قرار دیتے ہیں

یاللعجب!

تثلیث پوجا

بنیادی طور پر عیسائیت مسیح پوجا کا مذہب ہے جو بائبل کے دس حکموں میں مندرجہ بالا پہلے حکم کو توڑتا ہے۔ مسیح کو پوجنے کے ساتھ ساتھ روح القدس خداوند اور تثلیث اقدس کے حضور بھی دعائیں کی جاتی ہیں:

"اے خدا آسمانی باپ — ہم پر رحم کر

اے خدا بیٹے جہان کے نجات دہندہ — ہم پر رحم کر

اے روح القدس خدا — ہم پر رحم کر

اے ثالوث واحد خدا — ہم پر رحم کر"

(کیتھولک عبادت کی کتاب ترمیم شدہ 1973ء صفحہ 94)

مریم پوجا

"رومن کیتھولک عیسائیوں کی عبادت میں مریم پوجا بتدریج تثلیث اقدس پوجا کی جگہ لے رہی ہے۔ (Teachings, p. 327) "رومن کیتھولک عبادتی کتابوں میں مریم سے ایسے الفاظ میں دعائیں کی جاتی ہیں کہ خدا پوجا اور مریم پوجا میں امتیاز انتہائی مشکل ہے۔" (Teachings, p. 324) کیتھولک دعا "لگوری" میں ہر کیتھولک روزانہ رات کو یہ دعا کرتا ہے "انتہائی رحم دل ماں میں تیرے حضور سجدہ ریز ہوتا ہوں اور تجھ میں تیرے بیٹے کی پوجا کرتا ہوں۔" (ایضاً صفحہ 325)

یوسف پرستی

بائبل کی رو سے حضرت مریم، یوسف کی منگیتر تھیں (انجیل متی 18:1) اسے بھی دعاؤں میں پکارا جاتا ہے "اے حضرت یوسف ہم تنگی میں تیری طرف رجوع کرتے ہیں...... تیری حمایت بھی بھروسہ کے ساتھ طلب کرتے ہیں...... ہم تیرے حضور التجا کرتے ہیں کہ تو اپنی طاقت اور فیض سے ہماری حاجت پوری کرے گا۔" (ایضاً صفحہ 343)

اولیاء پرستی

رومن کیتھولک رحمت، مدد، رہنمائی اور حفاظت کے لیے علی الاعلان مقدسین سے دعا کرتے

ہیں۔ (ایضاً صفحہ 344)

چند دعائیں درج ذیل ہیں:

"اے مقدس فرشتو اور مقرب فرشتو ہمارے واسطے دعا کرو۔

اے سب مبارک ارواح کے مقدس طبقو!

ہمارے واسطے دعا کرو۔

اے تمام پاک اماموں اور نبیو!

ہمارے واسطے دعا کرو

اے کل مقدس رسولو اور انجیل نویسو!

ہمارے واسطے دعا کرو۔

اے خداوند کے بھی مقدس شاگردو!

ہمارے واسطے دعا کرو۔

اے کل مقدس معصومو!

ہمارے واسطے دعا کرو۔ (کیتھولک عبادت صفحات 95,94)

تبرکات پوجا

"پروٹسٹنٹ عیسائی فوت شدہ اولیاء اور شہداء کی نشانیوں کا احترام کرتے ہیں۔ لیکن وہ بے شمار اور جعلی تبرکات مثلاً مسیح کی صلیب کے ٹکڑوں، اس کے چغہ، کھانے سے بچی ہوئی ایک روٹی، مقدسہ کنواری مریم کے نقاب، رسولوں کی ہڈیوں وغیرہ سے دھوکہ کھانے والے نہیں ہیں۔ رومن کیتھولکوں نے انہیں محفوظ کر رکھا ہے اور پوجا پاٹھ کی حد تک ان کی عزت کرتے ہیں۔" (Teachings, p. 364)

صلیب پوجا

رومن کیتھولک صلیب بھی پوجتے ہیں۔ چند دعائیں:

"اے خداوند مسیح! ہم تیری صلیب کی پوجا کرتے ہیں اور تیرے عظیم دکھوں کا تہوار مناتے ہیں۔"

"مسیح کے پجاری صلیب کی معزز ٹرافی کی ہمیشہ پرستش کرتے ہیں۔"

اے صلیب! تو ہماری اکلوتی امید ہے۔ نیکوکاروں کو بہت زیادہ برکات دیتی ہے۔ مجرموں کے گناہ دھو ڈالتی ہے۔"

اے صلیب! اپنی حمد کے لیے اکٹھے ہونے والے حاضرین کو ضرور بچالے۔" (ایضاً صفحہ 369)

عیسائی اپنی کتب مقدسہ کی پہلی پانچ کتابوں کو تورات کہتے ہیں۔ اس میں شریعت موسوی بیان

ہوئی ہے۔ عیسائی تورات کو مقدس اور مستند مانتے ہیں لیکن قابل عمل نہیں گردانتے' اسے لعنت کہتے ہیں۔ (گلتیوں 13:3)۔ اس کی تذلیل وتوہین کرتے اور مذاق اڑاتے ہیں۔ تاہم اس کے دس احکام کو واجب التعمیل سمجھتے ہیں۔ دوسرا حکم ہے "تو اپنے لیے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا' نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے۔ تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ ان کی عبادت کرنا کیونکہ میں خداوند تیرا غیور خدا ہوں۔" (خروج ب20)

قارئین کرام کیتھولک و پروٹسٹنٹ عیسائیوں کی بت سازی' بت بازی اور بت پرستی سے خوب واقف ہوئے۔ مقدسہ مریم' صلیب پر لٹکے ہوئے مسیح کے فوٹو اور مجسمے تمام عیسائی گھروں میں موجود ہوتے ہیں۔ ان کے پادری علماء' راہبین اور راہبات ہر وقت گلے میں صلیب لٹکائے پھرتے ہیں۔ پوپ کے عصا پر مسیح مصلوب بنا صاف نظر آتا ہے۔ یہ سب مذکورہ حکم کی صریح خلاف ورزیاں ہیں۔ عیسائی' دنیا کی سب اقوام سے بڑھ چڑھ کر بت پرست ہیں۔

معجزہ نما بت

پادری ہیرس لکھتے ہیں "رومن کیتھولک عبادتی کتاب میں بتوں سے متعلق بکثرت روایات ملتی ہیں جن میں بتایا جاتا ہے کہ وہ معجزے کرتے ہیں' آنسو بہاتے ہیں۔ اپنی آنکھیں کھولتے اور بند کرتے ہیں' خون کے آنسو روتے ہیں۔ یونانی اور رومی بتوں کے بارے میں اسی طرح کی کہانیاں اور داستانیں سننے میں آتی ہیں۔ بھارت میں ہندو بت پرست ان دنوں بھی انہیں دہراتے ہیں۔ لیکن خوش اعتقاد اور جذباتی لوگ ہی ان کے جھانسے میں آتے ہیں۔ رومن کیتھولک کلیسیا کانوں کے کچے پن کی عکاسی کرتی ہے۔

متعدد بتوں کے متعلق اعتقاد ہے کہ وہ معجزانہ قوتوں کے مالک ہیں مثلاً شیر خوار مسیح کا بت' بمبینو' جو رام کے گرجا آرا کائی میں رکھا ہوا ہے' مفروضہ کے مطابق اپنے پجاریوں کو برکت دیتا ہے۔ سینٹ اگسٹینو کے گرجا گھر میں ایک ایسا ہی بت جو کنواری مریم اور شیر خوار مسیح کا ہے' اس کے متعلق بھی دعویٰ کیا جاتا ہے۔ پوپ پائیس ہفتم نے اس مورتی کے پاؤں چومنے والوں کو سو دنوں کا معافی نامہ دیا تھا۔ لادل' فرانس اور پولینڈ کے مقامات کالبس اور کراکو میں مقدس یوسف کی معجزنما مورتیاں بھی موجود ہیں۔"

گرجاؤں اور عبادت گاہوں میں مریم نے اپنے خدا بیٹے مسیح کی میت اٹھائی ہوئی ہے۔ ان کے دیدار سے بے شمار رحمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ خاص برکتوں کے آرزومند کسی ایسی مورتی کا 9 یا 30 مرتبہ دیدار کر کے مریم کی پرزور سفارش کے وسیلہ سے مطلوبہ شے کی دعا کرتے ہیں۔"

(Teachings, p. 36)

تصویر پرستی

پادری ہیرس نے مزید لکھا "کنواری مریم کی پرستش کے ساتھ ساتھ مقدسوں اور فرشتوں کی

پرستش بھی شروع ہوگئی۔ جن سے خدا کے حضور سفارش کی درخواست کی جاتی تھی کہ وہ خطرات سے محفوظ رکھیں۔ پانچویں صدی میں ان کی تصاویر گرجاؤں میں لگائی گئیں۔ ان کے سامنے بتیاں جلانا' بخور جلانا اور ان کو بوسہ دینا' آخر کار پرستش ہونے لگ گئی۔" (تواریخ عیسائی کلیسیا صفحہ 299)

عیسائیت نئی بت پرستی

تاریخ کلیسیا کے مشہور امریکی محقق پروفیسر فشر لکھتے ہیں "مسیح کی پیدائش کے دور میں مہذب اقوام کی حالت ایک نئے مذہب کے تعارف اور اشاعت کے لیے سازگار تھی۔ جو اپنی فطرت کے اعتبار سے تمام نسل انسانی کے لیے موزوں ہو...... پرانے دیومالائی مذاہب جن کی بنیاد مظاہر قدرت کی پوجا تھی' زوال کا شکار ہو چکے تھے اور باشعور طبقہ پر سے اپنی گرفت گنوا بیٹھے تھے۔ یہ خلا پر کرنے کو کچھ نہیں تھا۔

(History, p. 7)

خدا معلوم مذہب کے معاملہ میں بت پرستوں کی عقل گھاس چرنے کو کیوں چلی جاتی ہے۔ مذکورہ عیسائی دعویٰ کو ہی لیجئے۔ چلئے مانا کہ فضا ایک نئے مذہب کی طلبگار تھی مگر سوال یہ ہے کہ عیسائیت نے آ کر دنیا کو دیا کیا؟ یہی نا کہ قدیم بت پرست مذاہب کے منتخبات کو اپنے اندر سمو لیا۔ اگر ذرا ہمت سے کام لیا جائے تو عیسائیت کے تمام کے تمام عقائد و عبادات' رسوم' روایات' رواجات' نظریات' افکار' ایک ایک اصطلاح' تعبیرات حتیٰ کہ خوراک و لباس تک کا کھوج بت پرستوں اور بالخصوص یونانیوں کے ہاں مل سکتا ہے۔ ان کی کتب مقدسہ کے اہم مندرجات کی تہ میں کوئی نہ کوئی بت پرستی ضرور مخفی ملے گی۔

"خلا پر کرنے" سے پہلے سے موجود بت پرست مذاہب میں "عیسائیت" کا اضافہ ہوگیا۔ کروڑ ہا بتوں اور دیوتاؤں اور خداؤں میں ایک نئے بت' ایک نئے دیوتا' ایک نئے خدا' مسیح کا اضافہ ہوگیا۔ پہلے ہر شہر اور ہر قوم کا اپنا اپنا دیوتا ہوتا تھا۔ البتہ اب مسیح دیوتا ساری عیسائی دنیا کا خدا ہے۔

خود پروفیسر فشر کو اعتراف ہے "انجیل کے چھائے ہوئے غیر روحانی نظریات کی وجہ سے گروہ در گروہ بت پرستوں نے پرانا مذہب (بت پرستی۔ اسلم) چھوڑ کر نیا مذہب (عیسائیت۔ اسلم) اپنا لیا اور یہ تبدیلی محض نام ہی کی تھی" (یعنی وہ رہے تو بت پرست کے بت پرست ہی تھے۔ اسلم)

(History, p.110)

پادری ہیرس لکھتے ہیں "ہزار ہا لوگ عیسائی کلیسیا میں شامل ہونے لگ گئے تھے۔ ایسے عیسائیوں میں اکثر نام ہی کے عیسائی تھے۔" (تواریخ مسیحی کلیسیا صفحہ 249)

عیسائیت کے "تمام نسل انسانی کے لیے موزوں" پن کا دعویٰ بھی خوب رہا۔ جہاں گئے وہاں کے ہو کے رہ گئے۔ وہیں کے طور اطوار' مذہبی رسوم اور دیوتا پوجنے شروع کر دیئے۔ گنگا گئے تو گنگا داس' جمنا گئے تو جمنا داس۔

اہلِ نظر خوب جانتے ہیں کہ یہ سب چوٹیں ہیں یہودیت اور تورات پر جو کبھی بھی "تمام نسل

انسانی کے لیے موزوں'' نہیں ہوسکتی تھیں۔

عیسائیت یونانی فلسفہ ہے

اب چند عیسائی دعاوی کا تجزیہ کیا جاتا ہے:

دعویٰ

''افلاطون کی فلاسفی کا بلند روحانی سبھاؤ انجیل کے ماحول سے ہم آہنگ ہے۔''(فنشر صفحہ 11)

''رومی بادشاہ نیرو کے استاد سینیکا (3ق م تا 65ء) نے خدا کی شخصیت اور اگلی زندگی کی حقیقت کو واضح طور پر پیش کیا جبکہ اس فلاسفر کے متعدد اصول انجیل کی حلم مزاجی کے آئینہ دار ہیں۔''
(فنشر صفحہ 12)

تجزیہ

افلاطون (429 تا 348 قبل مسیح) اور سینیکا دونوں یونانی فلاسفر مسیح سے پہلے ہوگزرے تھے۔ انجیل ان کے بعد انہی یونانی فلاسفروں کے زیر اثر لکھی گئی۔ اس لیے دعویٰ کے الفاظ یوں چاہئیں تھے کہ ''انجیل کا ماحول افلاطون کی بلند روحانی سبھاؤ والی فلاسفی سے ہم آہنگ ہے اور ''انجیل کی حلم مزاجی اس فلاسفر کے متعدد اصولوں کی آئینہ دار ہے۔''

''خدا کی شخصیت'' والا عیسائی تصور' عیسائیت کی ماں' یہودیت والا نہیں ہے' بلکہ عیسائیت نے استاد سینیکا قسم کے فلاسفروں (بالخصوص افلاطون) سے مستعار لیا تھا۔ یہودیت میں آئندہ زندگی کا کوئی تصور نہیں تھا۔ یہودی کتب مقدسہ کی اصل الاصول موجودہ تورات آئندہ زندگی ایسے اہم عقیدہ سے یکسر خالی ہے۔ عیسائیت میں اگلی دنیا کا جو بھی لولا لنگڑا تصور رائج ہے' وہ یونانیت ہی کا مرہون منت ہے۔

آگے چل کر پروفیسر مذکور خود ہی تسلیم کرتے ہیں کہ ''عیسائیت پر افلاطون کا فلسفہ چھایا ہوا تھا' آگسٹین اور اوریجن یونانی فلسفے میں رنگے ہوئے تھے۔'' (صفحہ 122) جبکہ ''یہودی فلاسفر فیلو کے واسطے سے افلاطون کا فلسفہ' یہودی فلسفہ' موسیٰ اور انبیاء کی تعلیمات میں خط ملط ہو چکا تھا۔ یونانی فلاسفروں کے نظریات یہودی کتب مقدسہ میں راہ پا چکے تھے۔'' (صفحہ 71) واضح ہو کہ عیسائیت پر ایک دور وہ بھی آیا جب ''بائبل اور آبائے کلیسیا پس پشت ڈال دیئے گئے اور اپنے مذہبی عقائد کے اثبات میں یونانی فلاسفر ارسطو کے اقوال منزہ عن الخطاء حیثیت سے پیش کیے جاتے تھے۔'' (صفحہ 215)۔

اسے کہتے ہیں جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔

دعویٰ

''ظہور انجیل کے زمانے میں فلسفہ' نئے افلاطونی مکتب فکر کے ہاتھوں' ہمہ اوست میں ڈھل

چکا تھا۔ آزاد خیالی اور مذہبی قواعد کے انتخاب کا دور دورہ تھا۔ مختلف اقوام کے عقائد و عبادات سے منتخبات کو مخلوط کرنے کا رجحان عام تھا۔" (صفحہ 12)

تجزیہ

"ہمہ اوست" کہ کائنات خدا ہے' خدا کائنات ہے' کائنات اور خدا ایک ہی چیز ہیں' عیسائی مسلمات کا ایک جزو ہے۔ اور جیسا کہ پیشتر ازیں وضاحت کی جا چکی ہے' عیسائیت' دوسری اقوام اور مذاہب سے مانگے تانگے کے عقائد و عبادات پر مشتمل ہے۔ ایک یونانی مذہب ہے۔ دیگر یونانی بت پرست مذاہب کا ہم مشرب و ہم مزاج ہے۔

عیسائیت کی بت پرستی کا کھلے بندوں اعتراف

پادری ہیرس نے لکھا "کلیسیا کی روحانی حالت بہت بگڑ گئی' ایسی کہ بیان کرتے شرم آتی ہے۔ عیسائی بت خانوں میں جا کر نمازیں ادا کرنے لگے۔ دیوتاؤں کے لیے پریسٹ (پروہت۔ اسلم) کا کام بھی شروع کر دیا۔ رومی دیوتاؤں کی قربانیوں میں بھی شریک ہونے لگے۔ عیسائی عورتوں نے پجاریوں سے شادیاں کیں۔ ناپاکی بہت بڑھ گئی۔" (تواریخ 29)

پادری سی جی فانڈر اپنی مشہور ترین تصنیف "میزان الحق" کے صفحہ 284 پر رقم طراز ہیں "آخر کار تقریباً 314ء میں شہنشاہ قسطنطین نے عیسائی دین کو قبول کیا۔ اگرچہ اس کا بپتسمہ کئی سال کے بعد ہوا۔ اس وقت عیسائی لوگوں نے ظلم و ستم سے نجات پائی لیکن اس کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ بہت سے لوگ حقیقی دلی تبدیلی اور مناسب تعلیم کے بغیر کلیسیا میں شامل ہو گئے۔ ان میں بہت سے اپنے ساتھ بت پرستوں اور بے دینوں کے خیالات و عقائد کو لیتے آئے اور اس سے بتدریج دین میں بدعتیں پھیلتی گئیں۔ کتب مقدسہ کا مناسب اور ٹھیک طور سے مطالعہ نہیں ہوتا تھا۔ ولی پرستی کی ترویج و اشاعت ہو گئی۔ بہتوں کی محبت ٹھنڈی ہو گئی اور دین نے روحانیت و پاکیزگی کو کھو کر ظاہر پرستی اور ظاہر داری کی صورت اختیار کر لی۔ ریاکاری اور جھگڑے فساد کی گرم بازاری ہو گئی اور بدعتیں بڑھ گئیں۔ خدا اور انسان سے محبت رکھنے کے عوض میں یہ بہت سے بپتسمہ یافتہ غیر عیسائی ایک دوسرے سے نفرت کرتے اور ریت اور رسموں کے بارے میں جھگڑتے بلکہ ایک دوسرے کو ستانے لگے۔ لہٰذا ان میں سے بہت سے مہلک گناہ میں مبتلا ہو گئے اور بہتوں نے مریم پرستی اور بت پرستی کو جاری کر دیا۔ یہ سب کچھ خدائے پاک کی نظر میں نہایت نفرت انگیز تھا۔ لہٰذا جس طرح سے خدا نے اہلِ بابل و اسیریا اور اہلِ مقدونیہ و روم کو بنی اسرائیل کی گوشمالی کے لیے استعمال کیا جبکہ وہ گناہ اور بت پرستی میں گرفتار ہو گئے تھے۔ اسی طرح مشرق کی بدعتی کلیسیاؤں کو سزا دینے کے لیے خدا نے اہلِ عرب کو اپنی تلوار کے طور پر استعمال کیا۔"

ہم مشاہیر عیسائی علماء کی زبانی ڈنکے کی چوٹ ناقابل تردید بدرجہ کمال مسکت دلائل اور خوب

خوب وضاحتوں سے ثابت کر آئے ہیں کہ قسطنطین کے دور سے بت پرستی اور یونانیت کی دلدلوں میں پھنسی ہوئی عیسائیت آج تک ان سے نکل نہیں سکی ہے۔ چھٹکارا پانے کی بجائے زیادہ ہی نیچے دھنسی ہے۔

ایک تصحیح، ایک اعلان

"میزان الحق" کے صفحہ 226 پر لکھا ہے "اس میں شک نہیں کہ حضرت محمد ﷺ کے ایام میں عیسائیوں میں عام لوگ بہت بے علم اور بڑی بڑی غلطیوں میں مبتلا تھے۔ مریم طاہرہ اور مقدس لوگوں کی پرستش کرتے تھے جیسے کہ زمانہ حال کے بے علم مسلمان اولیاء کی قبروں کی زیارت کو جاتے ہیں لیکن جیسے کوئی عالم یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان کا یہ فعل قرآن کی تعلیم کے موافق ہے ویسے ہی کوئی صاحب علم اب یہ خیال نہیں کر سکتا کہ حضرت محمد ﷺ کے ایام کے بعد بے علم عیسائیوں کی غلطیاں بائبل کی تعلیم کو پیش کرتی ہیں۔"

ہماری صرف اتنی گذارش ہے کہ اس زمانے کے سب کے سب عیسائی "بے علم" تھے۔ بت پرست تھے۔ ساری کی ساری عیسائی کلیسیا (عیسائی امت) بے علم تھی اور بت پرستی کے یونانی سیلاب میں بہی جا رہی تھی۔

ہمیں صد فیصد یقین ہے کہ ہمارے قارئین پادری صاحب کے "اب" سے دھوکہ نہیں کھا سکتے۔ انہیں خوب علم ہے کہ "بے علم عیسائیوں کی غلطیاں" حسب سابق و بدستور تا حال جاری و ساری ہیں اور عیسائیوں کی بت پرستی الم نشرح ہے۔

ہم بہانگ دہل اعلان کرتے ہیں کہ واقعتہً "بائبل بے علم عیسائیوں کی غلطیاں پیش کرتی ہے۔ بائبل بت پرستی کی تعلیم سے لبریز ہے۔ بائبل کے کثیر بیانات مصری، بابلی، رومی، یونانی، ہندی اور فلسطینی بت پرستیوں کے منہ بولتے شواہد و شہکار ہیں۔ بائبل بڑے بڑے قدیم بت پرست مذاہب کے عقائد و افکار اور عبادات و رسوم کی امین اور وارث ہے۔ بائبل بت پرستی کی مبلغ ہے۔ بائبل بت پرستانہ نظریات کا مجموعہ ہے۔

حرفِ آخر۔ عیسائیوں کی بت پرستی پر دو عیسائی گواہیاں

"مسیح یہودی تھا۔ اس کا مشن موسیٰ کو ملنے والی شریعت 'تورات' کا احیاء تھا۔ یہودیوں نے اجتماعی طور پر مسیح کا انکار کیا۔ ایک مسیح دشمن یہودی پولوس کی سازشوں سے مسیح کو بت پرست اقوام میں متعارف کرایا گیا جہاں مسیح کا مشن برباد ہوا۔ بت پرست یونانیوں نے مسیح کو بھی اپنے دیوتاؤں کا سا ایک دیوتا سمجھا اور اسے پوجنے لگے۔ انسائیکلوپیڈیا رقم طراز ہے "اصولی لحاظ سے پروٹسٹنٹ تحریک کا مشن ابتدائی عیسائیت کی طرف واپسی ہے۔ جہاں تک ہم معلوم کر سکے ہیں رومن کیتھولک کلیسیائی اور مذہبی عقائد کا نظام مسخ شدہ ہے، کیونکہ خارجی بلکہ بت پرست عناصر داخل ہو چکے ہیں یہاں تک کہ مسیح کا

مذہب پس پردہ چلا گیا ہے یا غائب ہو گیا ہے۔"
(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا مطبوعہ 1960ء جلد 5 صفحہ 635 کالم 2)

عیسائیت کے مکمل طور پر بت پرستی میں مستغرق ہونے کے ضمن میں مشہور امریکی جریدہ "واچ ٹاور" لکھتا ہے "عیسائی دنیا' بت پرستی میں سب کو مات دے گئی ہے۔ مقام افسوس ہے کہ تاریخ اور کتب مقدسہ کی طرف سے بت پرستی کی حماقت کا راز فاش کیے جانے کی شہادت کے باوجود عیسائیت کے دعویدار دنیا بھر میں خدا کی مخلصانہ تلاش میں بتوں کو پوج رہے ہیں۔" (واچ ٹاور 14:113)

عیسائیوں کی بت پرستی

مریم اور مسیح پوجا کی روشنی میں

عیسائی دنیا دو بڑے فرقوں میں منقسم ہے۔ رومن کیتھولک قدیمی فرقہ ہے۔ اس کا سربراہ پوپ ہے جو اٹلی کے شہر روم میں رہائش پذیر ہے۔

سولہویں صدی کے شروع میں کئی عیسائی علماء نے متعدد مسائل پر پوپ روم سے اختلاف کیا۔ جرمنی کا مارٹن لوتھر ممتاز ترین تھا۔ 1526ء کے لگ بھگ اس کے پیروکاروں کو پروٹسٹنٹ پکارا گیا۔ پروٹسٹنٹ' رومن کیتھولک سے تھوڑے ہیں۔ فی زمانہ پروٹسٹنٹ فرقوں کی تعداد 25 ہزار سے زائد ہے۔

عیسائیت کا بنیادی پتھر مسیح پوجا ہے۔

رومن کیتھولک عیسائی' مسیح کی ماں مریم طاہرہ کو بہت عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں جبکہ پروٹسٹنٹ عیسائی' مسیح کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

ذیل میں مریم اور مسیح پوجا کا سادہ سا مطالعہ پیش ہے۔

مقام مریم

(1) "ہر زمانے کی خاتون مبارک مقدسہ مریم کی سفارش سے یسوع نے پانی کو مے میں تبدیل کر کے میزبان کی پریشانی کو خوشی میں بدل دیا۔ مقدسہ ماں مریم نے ہمیشہ بنی نوع انسان کے لیے ایک بہترین شائستہ اور وکیلہ کا کردار ادا کیا ہے۔ دنیا کی خاتون اوّل اماں حوا اگر موجب گناہ بنی تو خاتون مبارکہ نے حوا کے گناہ کو دھو کر خدا کے نجات بخش منصوبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اس لیے ہم عیسائیوں کے لیے واجب ہے کہ ہم مقدسہ ماں مریم کی تعظیم کریں۔ اس کے قدموں میں آ کر اپنے نیک ارادوں کی تکمیل کے لیے اس کی سفارش چاہیں۔" (نقیب ستمبر 87ء)

المذاہب
شادی کی دعوت میں شراب ختم ہو گئی تو مسیح نے چھ مٹکے پانی کو عمدہ مے میں تبدیل کر دیا۔

اسے مسیح کا پہلا معجزہ قرار دیا جاتا ہے (انجیل یوحنا باب 2)

2- ''مقدسہ مریم باپ کے ہم ذات بیٹے کی زمینی ماں ہے۔ نجات کی تکمیل میں یہ اس کی فیاض ساتھی ہے۔ وہ فضل کی صورت میں ہماری ماں ہے۔'' (نقیب ایضاً)

(3) ''مریم نہ صرف پرورش کرنے والی خدا کی ماں بنی بلکہ وہ لاثانی رتبہ کے ساتھ بھی شریک ہے۔'' (نقیب ایضاً)

(4) 'جو بچہ مقدسہ مریم سے پیدا ہوا وہ خدا ہے۔ اس لیے وہ خدا کی ماں ہے۔ خدا کی ماں کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ خدا کے بیٹے کی الوہیت مقدسہ مریم کے پاس بطن میں شروع ہوئی تھی۔ جس طرح ہم اپنی ماں کے پیٹ میں شروع ہوتے ہیں' ایسے نہیں۔ الوہیت ہمیشہ سے ہے۔ صرف اس کی انسانیت مقدسہ کے پاک بطن میں شروع ہوئی تھی اور وہ صرف خدا بیٹے کی ماں ہے۔ خدا باپ اور خدا روح القدس کی ماں ہرگز نہیں ہے۔ خدا باپ کی تو وہ سب سے لائق بیٹی ہے اور روح القدس کی روحانی دلہن ہے' کیونکہ روح القدس کی الٰہی قدرت سے مسیح مقدسہ مریم کے پاک بطن میں پیدا کیا گیا تھا۔ پس مقدسہ مریم کے پاک تثلیث کے ساتھ یہ رشتے ہیں کہ وہ خدا کی بیٹی ہے' خدا بیٹے کی ماں ہے اور خدا روح القدس کی روحانی دلہن ہے۔'' (ایضاً)

(5) ''وہ بے داغ حمل میں لی گئی تھی۔ اس کا بیٹا بھی نہ خون نہ جسم کی خواہش سے نہ انسان کے ارادہ بلکہ خدا سے پیدا ہوا۔ ''کنواری سے پیدائش'' کی کتاب میں ہے کہ ''کئی لوگ جو یسوع کی کنواری سے پیدائش کو نہیں مانتے اور یہ کہتے ہیں کہ یونانی اور مصری اور ہندی طبیبوں نے بہت سی نظیریں لکھی ہیں کہ کبھی بغیر باپ کے بھی بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ بحکم قادر مطلق ان میں دونوں طاقتیں یعنی عاقدہ و منعقدہ پائی جاتی ہیں۔ ہندوؤں کی کتابوں کے الفاظ چندر بنسی اور سورج بنسی درحقیقت انہیں امور کی طرف اشارہ ہے۔''

لیکن یہ صرف قصے اور افسانے ہیں اور دیومالائی کہانیوں کے کردار ہیں۔'' (نقیب تمبر 87ء)

(6) ''کلمۃ اللہ مسیح خداوند کی بے نظیر پیدائش پر اعتراضات انگرسول' ہیکل' پین' والٹر سلس اور سرسلفس کرتے رہے ہیں۔ ان کے نقش قدم پر چلنے والے اکثر عیسائی بھی کہتے ہیں کہ یسوع مسیح کی بے نظیر فوق الفطرت پیدائش نہ ماننے سے عیسائی مسئلہ نجات میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ کہتے ہیں قیصر اوگوسٹس اور ہرکولیس بھی تو کنواری عورت سے پیدائش ہوئے تھے۔ مگر وہ بھول جاتے ہیں کہ جب قیصر اور گوسٹس کی والدہ اپولو کے مندر میں سوئی ہوئی تھی تو دیوتا سانپ کی صورت میں اس کے پاس آیا تھا اور اس وصل کا پھل آکٹوس یعنی قیصر اوگوسٹس تھا۔ جس کے عہد میں حضرت کلمۃ اللہ نے تجسم لیا۔ اس شخص اور اس کے کارنامے تواریخ کلیسیا کا حصہ ہیں۔ پھر اسی طرح الیکٹریوں کی بیٹی الیمسی پر جیوپیٹر دیوتا عاشق ہوگیا اور اس کے سانپ کی صورت میں وصال سے ہرکولیس پیدا ہوا جسے دنیا کا مضبوط ترین انسان سمجھا جاتا ہے۔'' (''نقیب'' کرسمس نمبر 87ء)

(7) ''خدا نے انسانی شکل اختیار کرنے اور انسانی جسم کو پرورش دینے کے لیے کنواری مریم سے خوراک حاصل کی۔'' (نقیب 16:56)

(8) ''رومن کیتھولک کلیسیا کا بنیادی طور پر عقیدہ اور ایمان المسیح خداوند کی بے پدر پیدائش' مقدسہ مریم کا بے داغ حمل' مقدسہ مریم کا المسیح کی تولید کے بعد ہمیشہ کے لیے کنواری' معجزات' المسیح خداوند کی کفارہ خیز موت' آپ کا مردوں میں سے بڑی قدرت کے ساتھ آسمان پر اٹھالیا جانا' آمد ثانی برزخ' دوزخ اور بہشت وغیرہ پر ہی ہے۔'' (''نقیب'' یکم اگست 90ء)

مسیح کے بھائی اور بہن

''خدا کی وہ ذات جو پہاڑ' اینٹوں کی ہیکل جس میں اس کا ظہور ہو برداشت نہیں کرسکتی کہ کوئی انسان اس حرمت اور پاکیزگی کو داغدار کرے۔ یہ ناممکن ہے کہ جس بطن اطہر میں خدا کی ذات نے بسیرا کیا ہو' کوئی خاکی انسان اس کے قریب جانے سے پہلے جل نہ جائے گا۔ ایسی بات خدا کی شان جلالی' الوہیت' وحدانیت اور کبریائی کے خلاف ہے اور خدا کی ذات کے مقابلہ میں انسان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

دوسرا اعتراض کہ انجیل اربعہ میں مسیح خداوند کے بھائیوں کا ذکر ہے (متی 55:13' لوقا 19:8 مرقس 33:3) تو یہ بات بھی اناجیل سے ثابت ہوئی ہے کہ خداوند کے کچھ شاگرد اس کے رشتے دار بھائی تھے۔ اس کے شاگرد یعقوب اور یہوداہ بن حلفائی جس کی بیوی کا نام بھی مریم تھا اور جسے دوسری مریم کہا گیا ہے (متی 27:60, 1:28) وہ مقدسہ مریم کی بہن تھی (یوحنا 25:19) اس لیے یعقوب اور یہوداہ اس کے خالہ زاد بھائی تھے اور اس کی خالہ (دوسری مریم) بھی اکثر اس کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ جس سے یہ مغالطہ پیدا ہونا فطری امر تھا کہ وہ مسیح خداوند کے بھائی ہیں۔ ورنہ مسیح خداوند کا نہ کوئی ہم بطن بھائی تھا اور نہ بہن تھی اور اس کی مسیح خداوند نے خود بوقت مصلوب تردید کردی۔ کیونکہ اگر اس کا کوئی اور بھائی ہوتا تو وہ مقدس یوحنا کو اپنی ماں کی سپرداری نہ سونپتا۔'' (''نقیب'' یکم ستمبر 90ء)

المذاہب

رومن کیتھولک مقدسہ مریم کے سدا کنوارپن کے قائل ہیں اور انجیلوں میں مسیح کے بھائیوں بہنوں کو اس کے رشتہ کے بھائی بہنیں قرار دیتے ہیں۔

صعود مریم

''معراج مریم کی سچائی کے بھید کی پوپ پائیس بارہویں نے توضیح کی اور ویٹی کن مجلس دوم نے اس اقرار کی تائید و تجدید کرتے ہوئے کلیسیا کے ایمان کو واضح کیا۔'' ''وہ موروثی گناہ سے محفوظ رکھی گئی۔ بے داغ کنواری مریم اپنے زمینی سفر کے اختتام پر بدن اور روح سمیت جلالی آسمان پر اٹھالی گئی۔

وہ خداوند کی قدرت سے سربلند کی گئی اور کل کائنات کی ملکہ بنی تاکہ وہ زیادہ طور پر اپنے بیٹے کے ساتھ موافق ہو جائے۔" (نقیب ستمبر 87ء)

"کنواری مریم کے آسمان پر اٹھائے جانے کا عقیدہ کہ کنواری مریم بوقت وفات یا تین دن بعد بمعہ جسم و روح آسمان پر اٹھالی گئی تھی۔ سب سے پہلے جعلی کتب عیسائی کتب مقدسہ میں چوتھی صدی کے آخر میں وارد ہوا۔ گریگوری آف طورس (متوفی 59ء) مغربی کلیسیا میں پیش کرنے والا پہلا شخص تھا۔ اس رویہ کو مشرقی عیسائیت میں ساتویں صدی کے دوران عام مقبولیت حاصل ہوئی۔ ابرٹس میکس اور تھامس اکوئینس نے اس کا دفاع کیا۔ 1950ء میں پوپ پائیس بارہویں نے اسے باقاعدہ عیسائی عقیدہ کی حیثیت دی اور نئی عید مقرر کی۔ عیسائی کتب مقدسہ میں اس عقیدہ کی کوئی گواہی نہیں ہے۔ کنواری مریم کی پوجا عام ہونے کا قدرتی نتیجہ ہے۔ مسیح، حنوک اور ایلیاہ کے آسمانوں کو چڑھ جانے کے ضابطہ کی تقلید ہے۔" (A Dictionary of Comparative Religion edited by Prof. Dr. S.G.F.Brandon: 1971, p. 108,Col.2)

المذاہب ☆

(1) بائبل میں لکھا ہے "اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور وہ غائب ہو گیا کیونکہ خدا نے اسے اٹھالیا۔" (پیدائش 24:5) مزید مرقوم ہے "اور ایلیاہ بگولے میں آسمان پر چڑھ گیا۔" (2 سلاطین 11:2) تفسیر میں ہے "ایلیاہ بگولے میں آسمان پر چڑھ گیا جیسے "خدا بگولے میں اترا تھا۔" (A New Catholic Commentary on Holy Scripture: 1981, 339:2) ایک غیر مصدقہ یہودی روایت کی رُو سے موسیٰ آسمان پر چڑھ گیا تھا۔ نیو جیروم تفسیر بائبل میں لکھا ہے "موسیٰ کا صعود آسمانی" Assumption of Moses نامی کتاب گم ہو چکی ہے اس کے حوالوں سے جوڑ میل کر کہانی بنتی ہے کہ اس میں میکائیل اور شیطان کے درمیان موسیٰ کی وفات کے بعد اس کی لاش سے متعلق کشمکش اور اسے آسمان کو اٹھائے جانے کا مذکور تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہوداہ کے عام خط فقرہ نمبر 9 میں اس روایت کی طرف اشارہ ہے (صفحہ 1064 کالم 1) - (2) مذکورہ فقرہ اس طرح ہے "لیکن مقرب فرشتہ میکائیل نے موسیٰ کی لاش کی بابت ابلیس سے بحث و تکرار کرتے وقت لعن طعن کے ساتھ اس پر نالش کرنے کی جرأت نہ کی۔"

(3) بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں چھپنے والی انگریزی بائبلوں سے پتہ چلتا ہے کہ جدید تحقیقات مسیح کے آسمانوں کو چڑھ جانے پر مشتمل انجیلی بیانات کو جعلی اور الحاقی بتاتی ہیں۔ مثلاً ایک

☆ نامور عیسائی محقق اور سکالر جناب محمد اسلم رانا مرحوم عیسائیت کی تردید میں ہر ماہ باقاعدگی سے "المذاہب" کے نام سے نہایت علمی رسالہ شائع کرتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد اب یہ رسالہ ناگزیر وجوہات کی بنا پر بند ہو گیا ہے۔

تفصیلی بیان، انجیل مرقس کے آخری 12 فقرے، بائبل کے متن سے نکال دیا گیا۔

سال مریم

"پوپ پائس بارہویں نے 1954ء میں سال مریم کا اعلان کیا تا کہ مسیح کی ماں کی غیر معمولی پاکیزگی کو زیادہ اجاگر کیا جائے۔ جیسے کہ اس کے بے داغ حمل میں آنے کے بھید کا اظہار کیا گیا۔ (بعینہ ایک صدی پیشتر تعریف وتوضیح اور اس کا معراج یعنی آسمان پر اٹھایا جانا)"۔

سیاق وسباق میں مقدسہ مریم کے سال کا مطلب ہے کہ خبرداری سے کونسل کی دستاویز کو زیادہ بڑھایا جائے اور جو کچھ اس نے مبارک مریم خدا کی ماں کے بارے میں مسیح اور کلیسیا (عیسائی امت۔ اسلم) کے بھید میں بتایا اسے فروغ دیا جائے۔" ("نقیب" ستمبر 87ء)

مریم پوجا

اب ہم فشر کی تاریخ کلیسیا سے مریم پوجا کے مختلف مدارج بیان کریں گے۔

"تاریخ کلیسیا کا تیسرا دور 313ء تا 590ء۔ مریم پوجا عام ہوگئی۔ اس کے سدا کنواری رہنے کا عقیدہ عیسائیوں میں زور پکڑ گیا۔ نستوری بحث کے دوران اس نے "خدا کی ماں" Mother of God کا نام پایا۔ پجاریوں کے دلوں میں سب ولیوں سے اونچے مقام پر فائز ہوئی۔ راہب، مریم پوجا کی ترویج کے بالخصوص مشتاق تھے۔ عیسائی عوام اس کی، اور اس کے بعد اولیاء کی، سفارش کے آرزومند تھے۔ مسیح سے ایسی جسارت نہیں کرتے تھے جس کی شان بڑھاتے بڑھاتے اسے انسانیت سے محروم کر چکے تھے۔"

"چوتھا دور 590ء تا 880ء: نئی عیدیں منائی جانے لگیں۔ اہم ترین تہوار مریم کے صعود آسمانی یا اس کا معجزانہ طور پر آسمان کو چڑھ جانا تھا۔ یہ چیز ایک بناوٹی روایت میں مذکور تھی، جسے طورس کے گریگری نے پذیرائی بخشی۔" (صفحہ 160)

"چھٹا دور 1073ء تا 1294ء: زیادہ سے زیادہ مریم پوجا باقاعدہ عوامی اور ذاتی عبادت کا حصہ بن گئی۔ بارہویں صدی میں مریم کے پیدائشی گناہ سے معصوم ہونے کا عقیدہ بھی چل نکلا۔ فرانسسکن فرقہ مریم کو عزت دینے میں بالخصوص سرگرم تھا۔ انہوں نے اس نظریہ کو قبول کیا۔ ڈومینی کن لوگوں نے اسے رد کیا۔ یہ اختلاف مدتوں قائم رہا۔" (صفحہ 226)

"لوگ کنواری مریم کو سب اولیاء سے زیادہ پوجتے تھے۔ اس کی عقیدت میں گرمجوشی روز افزوں تھی۔ اور قرون وسطیٰ کے آغاز سے ہی خدائی عزتوں تک پہنچ رہی تھی۔ ذوق وشوق نے اسے تصوراتی ہستی بنا دیا۔ امراء جوش وخروش سے اسے پوجتے اور لڑائی میں اس سے مدد مانگتے۔ بڑے بڑے گرجوں میں ہماری خاتون Our Lady پوجنے کو الگ عبادت گاہ بنائی جاتی۔ بے شمار مذہبی گیتوں میں

بڑے بڑے خطابات سے مریم کی تعریف کرتے اور اسے خدا کے بیٹے سے بھی بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا تھا۔" (صفحہ 229)

"نواں دور۔ 1647ء تا 1887ء: مریم پوجا عروج پر ہے۔ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ مختلف مقامات پر مریم کے ظہور کی برکت سے معجزات سرزد ہوتے ہیں۔ لوگ وہاں جوق در جوق پہنچتے ہیں۔"
(History of the Christian Church by Prof. Dr. George (542 صفحہ
Park Fisher: 1888)

المذاہب

قسطنطنیہ کا بشپ نسطوریس مریم کو "خدا کی ماں" اور "خدا کو جننے والی" God begetting نہیں مانتا تھا۔ تجسیم الٰہی کا منکر تھا یعنی اس کے نزدیک مسیح مجسم خدا نہیں تھا۔ مسیح کو خدا سے الہام پانے والا انسان مانتا تھا۔ "خدا انسان بنا۔" God-made-man ماننے سے انکاری تھا۔ واضح ہو کہ تثلیث کی طرح سوال یہاں بھی مسیح کی ذات کے تعین کا تھا۔

نسطوریس کو بدعتی قرار دیا گیا۔ بے چارا جلاوطنی کے دن گذارتا 440ء میں مرگیا۔ آج کل نسطوری فرقہ کے عیسائیوں کی تعداد ایک لاکھ تین ہزار ہے۔ یہ لوگ عراق، ایران، شام اور امریکہ میں بستے ہیں۔ (تفصیلات (1) فشر کی تاریخ کلیسیا باب چہارم (2) انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا مطبوعہ 1969ء جلد 16 صفحات 251 تا253)

مریم سے دعائیں

"سلام اے ملکہ، رحم کی ماں! ہماری زندگی۔ ہماری شیرینی اور ہماری امید۔ تجھے سلام۔ ہم حوا کے جلاوطن فرزند تیرے آگے چلاتے ہیں۔ اس آنسوؤں کی وادی میں ہم روتے اور ماتم کرتے ہوئے تیرے سامنے آہ کھینچتے ہیں۔ پس اے ہماری وکیلہ۔ ہماری طرف اپنی پر رحم نگاہ کر اور ہماری اس جلاوطنی کے بعد ہم کو اپنے رحم کا مبارک پھل یسوع دکھلا۔ اے رحم دل۔ اے مہربان۔ اے شیریں کنواری مریم۔"

"اے مریم کے بیداغ دل ہمارے لیے دعا کر" (کیتھولک عبادت کی کتاب صفحہ 51)

"یاد رکھ! اے نہایت رحیم کنواری مریم کبھی نہیں سنا گیا کہ کوئی بھی جو بھاگ کر تیری حفاظت میں آیا، جس نے تیری مدد کی درخواست کی اور تیری سفارش طلب کی، وہ بغیر مدد پائے رہ گیا ہو۔ اس یقین سے حوصلہ پا کر اے کنواریوں کی کنواری اور میری ماں! میں تیرے پاس آتا ہوں۔ میں اپنے گناہوں میں دبا ہوا اور غمگین تیرے سامنے کھڑا ہوں۔ اے مجسم کلمہ کی والدہ! میری عرضوں کو حقیر نہ جان۔ مگر اپنے رحم سے میری دعا سن اور قبول کر۔ آمین۔"

"اے خدا کی پاک ماں! ہم تیری پناہ میں آتے ہیں۔ ہماری اپنی ضروریات کی طلبی کے وقت ہماری التجاؤں کو حقیر نہ جان بلکہ ہم کو ہمیشہ سب خطروں سے بچا اے جلالی اور کنواری۔ آمین" (صفحہ 87)

"اے پرجلال کنواری! جس کو الٰہی حکمت نے چنا ہے تا کہ مجسم کلمہ ازلی کی ماں، الٰہی فضلوں کی خزانچی اور گنہگاروں کی شفیع ہو۔ میں تیرا سب سے نالائق خادم تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ اس آنسوؤں کی وادی میں میری رہنمائی اور ہدایت کر۔ اپنے الٰہی بیٹے کے بیش قیمت خون کی خاطر مجھے گناہوں کی معافی، میری روح کی نجات کے لیے سب ضروری وسائل دلا دے۔ پاک کلیسیا کو اس کے دشمنوں پر فتح بخش دے اور کل جہان پر یسوع مسیح کی حکومت پھیلا دے۔ آمین۔"

"اے مریم جو بے داغ اس دنیا میں آئی، تو میرے لیے یہ فضل حاصل کر کہ میں گناہ سے خلاصی پا کر اس دنیا سے کوچ کروں۔

اے مقدسہ مریم ہم کو دوزخ سے محفوظ رکھ۔

اے خدا کی ماں کنواری مریم یسوع کے پاس میرے لیے دعا کر۔

اے مریم فضل کی ماں ہم کو دشمن سے محفوظ رکھ اور موت کے وقت ہم کو قبول کر۔

اقدس کنواری مریم خدا کی ماں کا پاک اور بے داغ حمل میں لیا جانا مبارک ہو۔

اے مریم جو بے داغ حمل میں لی گئی ہے ہمارے واسطے جو تیری طرف رجوع کرتے ہیں دعا کر۔

اے مریم کے شیریں دل میری نجات ہو۔" (صفحہ 89)

"اے مریم یسوع کی شفیق والدہ! اپنی مہربان شفاعت سے ہماری عاجزانہ نذر یسوع سے منظور کرا، اور ہمارے لیے اس کا فضل اور برکتیں حاصل کر۔

اے مقدس یوسف! یسوع اور مریم کے پاک محافظ! اپنی دعاؤں سے ہماری روحانی اور دنیوی ضرورتوں میں ہماری مدد کر تا کہ ہم ابدآلاباد مریم اور تیرے ساتھ یسوع اپنے نجات دہندہ کو مبارک کہیں اور اس کا شکر ادا کریں۔" (صفحہ 92)

کیا بت پرستی یہی نہیں ہے؟ (1)

خوابیں اور رویائیں دیکھنا بت پرستوں کا شیوہ ہے۔ معمولی بیداری کی حالت میں بھی انہیں بہتیرا کچھ نظر آیا کرتا ہے۔ وہ بہت کچھ سنا بھی کرتے ہیں۔ یہودی کتب مقدسہ (بالخصوص حزقی ایل اور دانی ایل) میں ایسی کثیر تحریریں موجود ہیں۔ انجیل مرقس میں مسیح کے متعلق لکھا ہے "اور جب وہ پانی سے نکل کر اوپر آیا تو فی الفور اس نے آسمان کو پھٹتے اور روح کو کبوتر کی مانند اپنے اوپر اترتے دیکھا اور آسمان سے آواز آئی کہ تو میرا پیارا بیٹا ہے۔ تجھ سے میں خوش ہوں۔" (انجیل مرقس 11,10:1) اسی طرح انجیل لوقا میں ہے کہ مسیح کے شاگردوں پطرس اور یوحنا اور یعقوب نے مسیح کو موسیٰ اور ایلیاہ سے باتیں کرتے دیکھا تھا جس پر پطرس نے مسیح سے پہاڑ پر ان تینوں کے لیے الگ الگ ڈیرے بنانے کی اجازت طلب کی تھی۔ (لوقا 36:28:9) مزید برآں مسیح نے پکارا "اے باپ! اپنے نام کو جلال دے۔ پس آسمان سے آواز آئی کہ میں نے اس کو جلال دیا ہے اور پھر دوں گا۔ جو لوگ کھڑے سن رہے تھے، انہوں نے کہا

کہ بادل گرجا۔ اوروں نے کہا کہ فرشتہ اس سے ہمکلام ہوا۔ یسوع نے جواب میں کہا کہ یہ آواز میرے لیے نہیں بلکہ تمہارے لیے آئی ہے۔" (انجیل یوحنا 30,28:12)

کیتھولک عیسائی' مریم پوجا کا بے انتہا ذوق وشوق رکھتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بزعم خود گاہے گاہے مریم مقدسہ انہیں نظر آتی رہتی ہے۔ مریم کے ظہور کی ایسی کچھ کہانیاں درج ذیل ہیں۔ شاید پاکستان میں ایسا ظہور کبھی نہیں ہوا۔ محمد اسلم رانا

(1) یہ 24 جون 1981ء کی کہانی ہے۔ جب کہ کیمونسٹ یوگوسلادیہ کے ایک چھوٹے سے گاؤں میجو گوریئے کے پاس ایک پہاڑی پر چھ بچے کھیل رہے تھے۔ ان بچوں کی عمریں دس سے سولہ برس کے درمیان تھیں۔ کھیل کود کے دوران اچانک انہیں ایک چمکدار سفید روشنی دکھائی دی جس کے بیچ میں سے ایک بہت ہی خوبصورت شکل عیاں ہوئی۔ بچے یکدم پہچان گئے کہ یہ صورت مقدسہ مریم کی ہے۔

وہ بچے اس قدر حیران ہوئے کہ اس روز کچھ بھی کلام نہ کر سکے۔ لیکن اگلی سہ پہر کو وہ دوبارہ جب اس جگہ پہنچے تو وہ خوبصورت چہرہ ان سے مخاطب ہوا اور ان کے خیال کی تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ وہ برگزیدہ کنواری مریم ہے۔ وہ انہیں یاد دلانے آئی ہے کہ دنیا گناہوں کی آماجگاہ بن چکی ہے۔ اور لوگوں نے اس کے بیٹے یسوع مسیح کی تعلیمات سے منہ موڑ لیا ہے۔

مقدسہ ماں مریم نے بتایا کہ خدا کی طرف سے تادیب قریب ہے اور اس امر کی انتہائی ضرورت ہے کہ لوگ خدا کی طرف رجوع کریں اور اس کے احکامات بجالائیں۔

مقدسہ مریم کا ظہور اب تک بلاناغہ ہو رہا ہے جب بچوں کو مستقبل سے متعلق دس بھید دیئے تو روزمرہ کا ظہور بند ہو گیا۔" (پندرہ روزہ "کاتھولک نقیب" لاہور یکم اگست 1990ء)

(2) "لوردس: یہ زیارت گاہ جنوبی فرانس کے خوبصورت چھوٹے قصبہ لوردس میں واقع ہے۔ یہاں مبارک خاتون مریم پہلی بار ایک 14 سالہ لڑکی برنادت سوبیروکس پر 11 فروری 1858ء کو ظاہر ہوئی۔ وہاں کل اٹھارہ ظہورات وقوع پذیر ہوئے جن میں اسی سال سولہ جولائی کو آخری ظہور ہوا تھا۔ واقعہ یوں ہوا کہ برنادت وہاں اپنی سہیلیوں کے ہمراہ پہاڑ کے دامن میں لکڑیاں چننے گئی۔ راستہ میں ایک ٹھنڈے پانی کی ندی تھی' جسے عبور کر کے انہیں آگے جانا تھا مگر خرابی صحت کی بنا پر برنادت نے ندی پار نہ کی۔ اس لیے وہ اکیلی ہی وہاں کھڑی رہی۔ اچانک اس کی نظر ایک غار (Grotto) پر پڑی تو کیا دیکھتی ہے کہ غار کے اندر گلاب کے پودے کی ایک ہری بھری ٹہنی جھوم رہی ہے اور اس مازابائیل چٹان پر ایک خوبصورت باکرہ خاتون سفید لباس میں ملبوس کمر میں نیلا پٹکا پہنے اور ہاتھوں میں پاک روزری تھامے کھڑی ہے۔

برنادت مبارک خاتون کی نورانی صورت کی جھلک کی تاب نہ لا کر گھبرا گئی مگر اپنے دل میں انتہائی مسرت محسوس کرنے لگی۔ اس آسمانی خاتون نے اسے اس جگہ بلاناغہ آنے کو کہا۔ برنادت ہی ایک

واحد لڑکی تھی، جس نے اس کی آواز سنی جسے کہا گیا کہ "توبہ اور گنہگاروں کی تبدیلی کے لیے دعا کیا کرو۔" ایک موقع پر برنادت کو بتایا گیا کہ ظاہر ہونے والی خاتون کون ہے۔ اس نے اپنے آپ کو "بیداغ حمل" کے نام سے موسوم کیا۔

چار سال بعد کلیسیا نے خود 1862ء میں مقدسہ مریم کا ظہور اور اس کا پیغام حقیقت کی بنیاد پر واجب ٹھہرایا اور ڈایوسیس کے بشپ لارنس کے ذریعے مستند قرار دیا۔ 1873ء میں فرانس کے زائرین نے اس کا افتتاح کیا اور اس کے تین سال بعد اس جگہ تعمیر شدہ گرجا کی تقدیس کر کے سنجیدگی سے مبارک ماں کے مجسمہ کو تاج پہنایا گیا۔" ("نقیب" ستمبر 1987ء)

(3) وسطی امریکہ کے جان ڈائیگو اور اس کی بیوی بت پرستی کو خیر باد کہہ کر عیسائیت کے حلقہ بگوش ہوئے۔ ایک دن وہ گرجا گھر جا رہا تھا کہ اچانک اس نے گانے کی آواز سنی اور جونہی اس نے پہاڑی کے بالائی حصہ کی چوٹی کی طرف نظر اٹھائی تو کیا دیکھتا ہے کہ پہاڑی پر نور برس رہا ہے جس میں سے سریلی آواز میں اس کا نام پکارا جا رہا ہے "جان ڈائیگو۔ جان ڈائیگو۔" پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ کر اس نے ایک خوبصورت اور حسین دوشیزہ دیکھی اور حیرانی سے اس کا نام پوچھا کہ آپ کون ہو؟

دوشیزہ نے جواب میں بتایا کہ میں مقدسہ مریم پاک کنواری خدا کی ماں ہوں...... جب بشپ صاحب نے کھیس پر نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہے کہ اس پر مقدسہ مریم کی تصویر نقش ہے۔ اب بشپ صاحب بھی دوزانو ہو گئے۔ جان کی آنکھوں کے سامنے پہاڑی کا دلکش نظارہ آ گیا۔ وہی حسین و پاکیزہ دوشیزہ سفید اور نیلے لباس میں ملبوس ہے۔ جس کے گرد نور ہالہ کیے ہوئے تھا۔ کراماتی تصویر کے چہرہ پر کھیس کی سیون کا نام و نشان تک نہ تھا مگر باقی حصہ پر نظر آتی تھی پس بشپ صاحب اس انوکھے کھیس پر نقش تصویر کو اپنے گرجا میں لے گئے اور ملازموں نے جان ڈائیگو کی خاطر مدارت کی۔

بشپ صاحب شہر کے حاکم اعلیٰ جان ڈائیگو کے ہمراہ کراماتی پاک تصویر کو اٹھائے ہوئے جلوس کے آگے آگے چل رہے تھے۔ اور ان کے پیچھے لوگوں کا ہجوم تھا۔ اب وہ جلوس میں پاک گیت گاتے، ناچتے اور تیر چلاتے ہوئے پہاڑی کے گرجا تک پہنچے جو کہ شہر سے تقریباً 4 گھنٹے کی مسافت پر تھی، مگر راستہ میں اچانک کسی کو گلے میں ایک تیر لگ گیا جس سے وہ مر گیا۔ فادر صاحب نے کراماتی تصویر پر گڑگڑاہٹ سے دعا کی اور گیت گائے اور وہ آدمی رحمدل ملکہ کی بدولت معجزانہ طور پر اٹھ کھڑا ہوا۔ پاک تصویر کو گرجا میں رکھ دیا گیا۔ جان ڈائیگو نے اس کراماتی تصویر کے گرجا کے پاس ہی ایک جھونپڑی بنا لی اور اس میں رہائش پذیر ہو گیا۔ (نقیب ایضاً)

(4) "خاتونِ فاطمہ:

فاطمہ ایک قصبہ کا نام ہے جو ملک پرتگال میں واقع ہے، جہاں پر مقدسہ مریم غالباً 1917ء میں وہاں کے تین بچوں لوی، فرانسس اور جنتا پر بڑے حسن و جمال سے، جبکہ وہ پہاڑوں کی ڈھلوانوں پر

اپنے گلے چراتے تھے' کئی دفعہ ظہور پذیر ہوئی۔ ابتدا میں کلیسیا کے حکمرانوں اور دیگر اہل شہر کے بزرگوں نے ان بچوں کا یقین نہ کیا مگر ایک ایسا وقت آیا کہ بہتوں کے سامنے مقدسہ مریم اپنے مرغوب سفید اور نیلے لباس میں ملبوس ظاہر ہوئی۔ اب زیارت گاہ پر زائرین کا ہجوم لگ جاتا ہے جو اپنی کمزوریوں اور بیماریوں سے شفا پاتے ہیں۔" (نقیب ایضاً)

(5) لوریتو

ایک روایت کے مطابق لوریتو جو کہ ملک اٹلی میں واقع ہے وہاں ایک گھر میں مقدسہ مریم ظاہر ہوا کرتی تھی۔ لہٰذا اب مندرجہ بالا ظہورات مریم کی روشنی میں پاکستان کے مختلف تبلیغی مراکز میں مقدسہ ریم کی تعظیم و تکریم کے لیے زیارت لوردس کی یادگاری میں پہاڑیاں بنائی گئی ہیں۔ خاص طور پر زیارت مقدسہ مریم کا مقام مریم آباد (ضلع شیخوپورہ) میں بڑی دھوم دھام سے اہتمام کیا جاتا ہے' جہاں ہزار ہا لوگ آ کر اپنی مناجات' سفارشات اور منتیں مانتے اور فیضیاب ہوتے ہیں۔" (نقیب ایضاً)

(6) منیلا (ڈ پ ا) فلپائن کے شمالی قصبہ آرگو میں کیتھولک مسلک کے ہزاروں عیسائی زائرین حضرت مریم کا دیدار کرنے کی غرض سے جمع ہو رہے ہیں۔ قصبہ کو جانے والے تمام راستے ٹریفک سے بند ہوگئے۔ پولیس ذرائع کے مطابق درجنوں افراد بیہوش ہوگئے۔ اس جگہ پر چرچ کے ایک 15 سالہ لڑکے نے دعویٰ کیا ہے کہ اسے 1989ء سے ہر ماہ کے پہلے ہفتے میں حضرت مریم کا دیدار ہوتا ہے۔ رومن کیتھولک چرچ کے نمائندوں نے اس اطلاع پر انتہائی برہمی کا اظہار کیا ہے۔ منیلا کے آرک بشپ نے زائرین کو ہدایات دی ہیں کہ اگر آپ بھوکے ہیں تو کھانا کھا کر مجوزہ جگہ جایئے۔ آپ ہمیشہ حضرت مریم کا دیدار کریں گے۔ (نوائے وقت 93-3-7)

المذاہب

ریگل سینما لاہور کے سامنے گرجا گھر کے صحن میں چھوٹی سی مصنوعی پہاڑی پر مریم مقدسہ کا سفید بت دیکھا جاسکتا ہے۔ بت تک چڑھنے اور اترنے کے لیے الگ الگ دو راستے بنے ہوئے ہیں۔

شملہ پہاڑی سے ریلوے سٹیشن کو جائیں تو ریلوے ہیڈکوارٹر کے (شروع میں) بالمقابل "ککڑوالے گرجا" کے صحن میں چار دیواری کے ساتھ خود ساختہ پہاڑی پر بھی مریم طاہرہ کا بت موجود ہے۔ چونکہ پشت سڑک کی طرف ہے اس لیے پتہ نہیں چلتا۔

کیا بت پرستی یہی نہیں ہے؟ (2)

(1) "چند گز کے فاصلے پر مقدسہ مریم کا مجسمہ تھا۔ وہ ہمت کر کے آگے بڑھا اور رحمدل ماں کے قدموں میں ڈھیر ہوگیا اسے یوں محسوس ہوا جیسے غموں کا بوجھ اس کے سر سے گر پڑا ہو۔"

(نقیب ستمبر 87ء)

(2) ''دوبئ (جنگ فارن ڈیسک) آئرلینڈ میں 20 ہزار افراد نے اس وقت ایک جگہ جمع ہو کر خصوصی عبادت کی' جب انہیں پتہ چلا کہ حضرت مریم کے مجسمہ میں حرکت ہوتی ہے۔ اس مجسمہ کا وزن 153 کلوگرام ہے۔ سب سے پہلے ایک طالبہ نے مجسمہ میں حرکت دیکھی۔ اس کے بعد کئی افراد نے مجسمے کو اپنے بازو ہلاتے اور لرزتے دیکھا ہے۔'' (نقیب یکم ستمبر 85ء)

(3) ''مقدسین ہمارے ثالث ہیں' کیونکہ انہیں خداوند کی قربت حاصل ہے۔ ہم جب ان سے دعا کرتے ہیں تو جو کچھ مانگتے ہیں ان سے نہیں مانگتے بلکہ ان کے وسیلہ سے خداوند سے مانگتے ہیں۔ مقدسین میں مقدسہ مریم کا ایک منفرد مقام ہے کیونکہ اسے ہمارے خداوند یسوع مسیح کی والدہ ماجدہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مقدسین کے میڈل' مجسموں اور تصاویر کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ لوگ انہیں شوق سے خریدتے اور اپنے گھروں میں رکھتے ہیں۔ ہمیں یہ اصولی طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ یہ ہمیں مقدسین کی یاد دلانے کے لیے ہیں۔ بالکل ایسے جیسے کہ ہمارے عزیز و اقارب اور دوست واحباب کی تصاویر ہمیں ان کی یاد دلاتی ہیں۔ ان کے ساتھ ہمیں توہم پرستی اور ضعیف الاعتقادی منسوب نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ خداوند نے جو ہمیں دس احکام صادر کیے ہیں ان میں سے پہلا حکم اس قسم کی باتوں سے منع کرتا ہے۔'' (نقیب یکم نومبر 87ء)

المذاہب

پہلا حکم اس طرح ہے:

''میرے حضور تو غیر معبودوں کو نہ ماننا۔''

تو اپنے لیے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا' نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے۔ تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ ان کی عبادت کرنا۔ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں اور جو مجھ سے عداوت رکھتے ہیں ان کی اولاد کو تیسری اور چوتھی پشت تک باپ دادا کی بدکاری کی سزا دیتا ہوں۔'' (بائبل کی کتاب خروج باب 5,4,3:20)

(4) ''خانقاہ ڈوگراں سے چند کلومیٹر کے فاصلہ پر چک نمبر 3 میں ایک عیسائی گاؤں مریم آباد واقع ہے۔ جہاں ہر سال زیارت مقدسہ مریم کا روحانی اجتماع ہوتا ہے۔ جس میں خیبر سے کراچی تک ہزاروں زائرین مقدسہ مریم کی عزت و تکریم میں ہدیہ تبریک پیش کرنے کی غرض سے پیدل' بسوں' سائیکل سوار قافلوں کی صورت میں یہاں پہنچتے ہیں۔

مسٹر اینڈ مسز نسیم رضا بھٹی۔

ہم مقدسہ مریم کی زیارت کو عرصہ بارہ برس سے آرہے ہیں۔ جو نیت سے مانگتے ہیں وہ مراد سال کے اندر اندر پوری ہو جاتی ہے۔

یونس مسیح!

میں گذشتہ سات برس سے مسلسل زیارت کے لیے آ رہا ہوں۔ اس بار ہم 17 نوجوانوں کے ہمراہ سائیکل سواروں کے قافلہ کی صورت میں تقریباً ساڑھے نو گھنٹے سفر کرنے کے بعد یہاں پہنچے۔ میں نے گاؤں سے شروع ہونے والی سڑک سے پہاڑی تک تقریباً ایک کلومیٹر کی مسافت پیٹ اور کہنیوں کے بل طے کی کیونکہ میری مراد پوری ہوگئی ہے۔ میری دعا سنی گئی ہے اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ مقدسہ ماں سے جو کچھ بھی صاف دل اور نیت سے مانگا جائے وہ ملتا ہے۔" (نقیب 16 اکتوبر 90ء)

"ظہور کی ابتدا سے کچھ دیر پہلے سورج سے وابستہ حیرت انگیز معجزے ہوئے۔ ایک سفید طشتری سے ڈھکے سورج کو بغیر کسی تکلیف یا آنکھوں کو ضرر پہنچائے بنا دیکھا جاسکتا ہے۔ آگ کا ایک ہالہ سورج کے گرد دکھائی دیتا ہے اور آسمان کا رنگ کئی رنگوں میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ تقریباً ہر روز کا معمول ہے۔

"لفظ "میر" جس کا مطلب کروشن زبان میں امن کہلاتا ہے آسمان پر دیکھا گیا تھا...... چالیس فٹ بلند کنکریٹ کی صلیب تاروں کی عجیب وغریب روشنیوں سے منور تھی جو کہ باقاعدہ روشن رہتی ہے۔ اس کے گرد اکثر ایک سنہری چمک دکھائی دیتی ہے...... ان سے ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے شفایابی حاصل کی۔ کینسر سے شفایابی اور بینائی بحال ہوئی۔ اپاہج تندرست ہوگئے۔" (نقیب یکم اگست 90ء)

کیتھولک بت پرستی کی وکالت

رومن کیتھولک عیسائیوں کی بت پرستی سے واجبی سی واقفیت حاصل کی جاچکی ہے۔ اب انہیں اپنی بت پرستی کی وکالت کرتے ہوئے دیکھیں گے۔ ریورنڈ فادر پروڈنٹ نے لکھا:

"بت پرستی کیا ہے؟ وہی عزت جو صرف خدا کا حق ہے کسی مخلوق کو دینا بت پرستی ہے۔ چنانچہ بت پرستی کا گناہ ہاتھ جوڑنے یا سر جھکانے یا گھٹنے ٹیکنے میں نہیں بلکہ دل میں ہے۔ یعنی اس بات میں کہ ہم نے اپنے دل اور اپنے خیال میں کسی مخلوق کو خدا بنایا اور اس کو وہی عزت دی جو صرف خدا کا حق ہے۔"

"بہت سے پروٹسٹنٹ ہم پر بھی بت پرستی کا الزام لگاتے ہیں۔ کیونکہ ہم اپنے گرجوں اور اپنے گھروں میں تصویریں اور مورتیں رکھتے اور ان کی عزت کرتے ہیں۔ ان بے چاروں نے بت پرستی سے متعلق اتنا غلط پرچار کیا ہے کہ ان کو بت پرستی کا اصلی مطلب یاد نہیں رہا۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ کسی مذہبی تصویر کے سامنے دعا مانگنا اصلی بت پرستی ہے۔ خواہ وہ تصویر خداوند یسوع مسیح کی ہو اور دعا مانگنے والا اس کا سچا شاگرد ہو۔"

"بے شک کسی مورت کو خدا مان کر اسے سجدہ کرنا بت پرستی ہے۔ مگر کسی مورت یا تصویر کو سامنے رکھ کر خداوند یسوع مسیح کی پرستش یا اس کے مقدسین کی عزت کرنا بت پرستی نہیں۔"

"اصل میں پروٹسٹنٹوں کو ابھی تک اچھی طرح سے معلوم نہیں ہوا کہ نیا عہد اور نئی شریعت رائج

ہو چکی ہے۔ تصویروں اور مورتوں کو استعمال کرنا یہودیوں کے لیے منع تھا۔ کیونکہ اس زمانے میں تصویروں اور مورتوں کے استعمال میں کوئی فائدہ نہیں تھا بلکہ بت پرستی کا بڑا خطرہ تھا۔"

"اس وقت خدا کی تصویر بنانے کا سوال نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ خدا ابھی تک انسان نہیں بنا تھا اور جتنی تصویریں اور بت تھے۔ وہ تمام جھوٹے دیوتاؤں کی تصویریں اور بت تھے۔ لیکن اب یہ حال بدل گیا ہے۔"

"اکثر پروٹسٹنٹ یہ سوال کرتے ہیں کہ کاتھولک لوگ جب ہندوؤں کی طرح تصویروں اور بتوں کی عزت کرتے ہیں تو دونوں میں کیا فرق ہے؟"

"ہم ان کو یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تصویروں اور مورتوں کی عزت نہیں کرتے بلکہ خداوند یسوع مسیح اور اس کے مقدسوں کی عزت کرتے ہیں۔ تصویریں اور مورتیں خداوند یسوع مسیح اور اس کے مقدسین کو یاد کرنے کے وسائل ہیں۔ شاید کوئی پروٹسٹنٹ اس دلیل کا یہ جواب دے گا کہ ہندو بھی اس خیال سے اپنے بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ ہندو کس خیال سے اپنے بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔"

"لیکن فرض بھی کیا کہ ہندو لوگ اسی خیال سے اپنی تصویروں اور مورتوں کی پرستش کرتے ہیں جس طرح ہم کرتے ہیں تب بھی فرق یہ ہے کہ ہم خداوند یسوع مسیح اور اس کے مقدسین کی تصویروں اور ہندو لوگ رام، کرشن اور وشنو کے بتوں کی عزت کرتے ہیں۔"

"اگر پروٹسٹنٹ یہ کہنے کو تیار ہیں کہ خداوند یسوع مسیح اور ہندو دیوتاؤں میں کوئی فرق نہیں تو ہم مانتے ہیں کہ ہم بھی ان کی طرح بت پرست ہیں۔" (تفصیلات: "انتظام نجات" مصنفہ ریورنڈ فادر پروڈنٹ مطبوعہ پاکستان ورنیکلر کاتھولک ٹروتھ سوسائٹی لاہور 1958ء صفحات 96 تا 100)

مریم کا صعود آسمانی

کیا یہ الٰہی عقیدہ ہے؟

تعارفی نوٹ

مریم مقدسہ کا صعودِ آسمانی رومن کیتھولک عیسائیوں کا مخصوص عظیم عقیدہ ہے۔ پروٹسٹنٹ جریدہ "واچ ٹاور" نے اس عقیدے کا معلومات افزا اور بھرپور جائزہ لیا ہے۔ ذیل میں ہم اس مضمون کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ محمد اسلم رانا۔

ترجمہ: "مریم کا صعود آسمانی یعنی یہ عقیدہ کہ مسیح کی ماں مریم بمعہ انسانی جسم آسمانوں کو چڑھ گئی تھی کروڑہا رومن کیتھولک عیسائیوں کے دلوں کی آواز ہے۔ مورخ جارج ولیم ڈوگلس کے الفاظ میں "مریم کا صعود یا کنواری مریم کو آسمان پر اٹھایا جانا مدتوں سے اس کی سب سے بڑی عید اور کلیسیائی سال

کی ایک عظیم مذہبی رسم ہے۔"
کیتھولک علماء کو تسلیم ہے کہ بائبل میں مریم کا آسمان کو چڑھ جانا مذکور نہیں ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بہت کم کیتھولک عیسائی محسوس کرتے ہیں کہ یہ محبوب عقیدہ صدیوں سے اختلاف اور زبردست بحث مباحثہ کا موضوع رہا ہے۔ کلیسیا نے مریم کے صعودِ آسمانی کا عقیدہ کیسے اختیار کیا؟ کیا اسے خدائی الہام ماننے کی کوئی دلیل ہے؟ ان سوالات کے جوابات محض علمی نہیں ہیں۔ سچائی سے محبت کرنے والوں کے لیے پرمعنی ہیں۔

عقیدے کا ارتقاء

یہ امر باعث حیرت ہے کہ مسیح کی موت کے بعد کی ابتدائی صدیوں میں مریم کے صعود آسمانی کے نظریہ کا عیسائی تصورات سے کوئی تعلق واسطہ نہیں تھا۔ ایک کیتھولک محقق کے الفاظ میں "آغاز میں عیسائیوں میں مریم کی وفات کے حوالہ سے کوئی تقریب نہیں منائی جاتی۔"

تثلیث کی تعلیم عیسائیت کا باقاعدہ عقیدہ بن جانے کے بعد مریم کا کردار اہمیت اختیار کرنے لگا۔ اسے خدا کی ماں Mother of God پیدائشی معصوم، ثالثہ اور ملکہ آسمانی Queen of Heaven پکارا جانے لگا۔ ماہر الٰہیات گیلو کی رائے ہے کہ "ابتدائی روایت میں مریم کی وفات سے متعلق خاموشی ان عیسائیوں کو اطمینان بخش نہیں تھی، جو مریم کو کامل نمونہ دیکھنا اور اسے قابل احترام حیثیت دینا چاہتے تھے۔ اس طرح مریم کے صعودِ آسمانی کے تذکرے، جو کہ عوامی تخیلات کی پیداوار تھے، معرضِ وجود میں آئے۔"

چوتھی صدی عیسوی کے قریب صعود آسمانی کے بیانات اشاعت پذیر ہوئے۔ ان تالیفات میں مریم کے مفروضہ صعود کے خیالی تذکرے مندرج ہوتے تھے۔ مثلاً کتاب بعنوان "خدا کی مقدس ماں کے سونے" The Falling Asleep of the Holy Mother of God کو لیجیے۔ اسے مسیح کے شاگرد یوحنا کی تصنیف بتایا گیا ہے، جبکہ یہ یوحنا کی موت کے قریباً 4 سو برس بعد لکھی گئی تھی۔ اس جعلی نوشتہ کی رو سے شاگردانِ مسیح، مریم کے گرد معجزانہ طور پر اکٹھے ہوئے۔ وہ مریم کو اندھوں، بہروں اور لوگوں کو شفا بخشتے دیکھتے۔ آخر میں شاگردوں نے مسیح خداوند کو مریم سے یہ کہتے سنا "دیکھ اب تیرا قیمتی جسم فردوس میں لے جایا جائے گا اور تیری مقدس روح آسمانوں کے اندر میرے خدا باپ کے خزانوں میں خیرہ کن روشنی میں ہوگی۔ جہاں سلامتی اور ہمیشہ ہمیش کے لیے مقدس فرشتوں کی مسرت ہوگی۔"

ایسی تحاریر بارے عیسائیوں کی طرف سے طرح طرح کا ردعمل دیکھنے میں آیا۔ سادہ لوح سوچے سمجھے بغیر خوبصورت کہانیوں کے جھانسے میں آگئے۔ دوسروں نے ایسے متضاد بیانات سے اظہار نفرت کیا جو اکثر ایک دوسرے کے مخالف اور بغیر کسی سند کے تھے۔ اس طرح صعود کے عقیدہ کو عام مقبولیت حاصل کرنے سے پہلے مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس انتشار میں اس حقیقت نے بھی اضافہ کیا کہ بعض مقامات پر مریم کے جسم کے مفروضہ نوادرات پوجے جاتے تھے۔ یہ امر اس عقیدہ سے مطابقت

رکھنے میں مشکلات کا باعث تھا کہ مریم کا گوشت پوست والا جسم آسمان پر اٹھالیا گیا تھا۔

تیرھویں صدی میں تھامس ایکوینس اور دیگر علماء کا خیال تھا کہ مریم کے صعودِ آسمانی کو باقاعدہ مذہبی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ "کتاب مقدس میں اس کی تعلیم نہیں ہے۔" اس کے باوجود یہ اعتقاد عوامی مقبولیت حاصل کرتا گیا۔ رافیل، کوریگو، ططیان، کیراکی اور روبنز ایسے مشہور آرٹسٹ مریم کے مفروضہ صعود کو فن پاروں کی شکل دینے لگے۔

یہ مسئلہ زمانہ حال تک متنازعہ رہا۔ بیسویں صدی کے پہلے نصف تک کیتھولک علماء اس عقیدہ پر متفق نہیں تھے۔ کئی پوپ مثلاً لیو تیرھواں، پائیس دسواں، اور بینڈکٹ پندرھواں اس بارے خاموشی ہی پسند کرتے تھے۔ کہیں یکم نومبر 1950ء کو کلیسیا نے آخرکار مضبوط موقف اختیار کیا۔ پوپ پائیس بارھویں نے اعلان کیا "ہم اسے خدا کی طرف سے الہامی عقیدہ قرار دیتے ہیں کہ جب ہمیشہ کنواری رہنے والی، خدا کی پیدائشی گناہ سے پاک ماں کا زمینی سفر ختم ہوگیا تو وہ جسم روح کے ساتھ آسمان کے جلال میں اٹھا لی گئی۔"

اس سے کیتھولک عیسائیوں کے ہاں مریم کا آسمان کو بمعہ جسم سفر اختیاری معاملہ نہ رہا۔ اب ان کا مسلمہ عقیدہ تھا۔ پوپ پائیس بارھویں نے اعلان کیا "جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اگر کوئی اس سے انکار کی جرأت کرے یا مشکوک سمجھے تو اسے جاننا چاہیے کہ وہ خدا اور جامع کلیسیا پر ایمان سے محروم ہوگیا ہے۔"

بائبل: سوال یہ ہے کہ عیسائیوں نے یہ جرأت کس بنیاد پر کی؟ پوپ پائیس بارھویں کا دعویٰ تھا کہ صعود کا عقیدہ "کتاب مقدس پر مبنی ہے۔" اس ضمن میں اکثر لوقا 42،28:1 کا حوالہ دیا جاتا ہے "سلام جس پر فضل ہوا ہے۔ خداوند تیرے ساتھ ہے۔ تو عورتوں میں مبارک ہے۔ تیرے رحم کا پھل مبارک ہے۔" عقیدہ صعود کے علمبرداروں کا کہنا ہے کہ چونکہ مریم فضل سے معمور تھی اس لیے اس پر موت وارد نہیں ہوسکتی تھی اور اس کے "رحم کے پھل" کی طرح "مبارک" ہونے سے وہ، بشمولیت صعود آسمانی، مسیح کے برابر اعزازات کی حقدار تھی۔ بھلا یہ بھی کوئی دلیل ہے؟

پھر زبان کے ماہرین کہتے ہیں کہ "فضل سے معمور کی اصطلاح" غلط ترجمہ ہے۔ انجیل لوقا کی یونانی اصطلاح کا صحیح تر ترجمہ ہے "خدا کی رحمت کا مورد" کیتھولک یروشلم بائبل میں ہے "خوش ہو اتنی زیادہ رحمت کی مورد" یہ نتیجہ نکالنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ مریم بمعہ جسم آسمان کو اٹھالی گئی تھی کیونکہ وہ خدا کی بہت "چہیتی" تھی۔ کیتھولک ڈوئے بائبل کے مطابق پہلا عیسائی شہید ستفنس بھی بہت چہیتا یا "فضل سے معمور" تھا۔ لیکن کوئی بھی اس کا جسمانی صعود نہیں مانتا۔ (اعمال 8:6)

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مریم فضل یا رحمت کا مورد نہیں تھی۔ خیال رہے کہ اسرائیلیوں میں قاضیوں کے زمانہ میں یاعیل نامی عورت بھی "عورتوں میں مبارک تھی" (قضاۃ 24:5۔ ڈوئے) لیکن کوئی بھی یاعیل کا بمعہ جسم صعود نہیں مانتا۔ اس کے علاوہ مریم کے صعود کا سارا تانا بانا اس تمہید پر مبنی ہے

کہ خود مسیح بمعہ جسم آسمان کو اٹھایا گیا تھا۔ پھر بائبل یہ بھی کہتی ہے کہ مسیح زندہ ہوا یا مر کر "روح کے اعتبار سے" جی اٹھا تھا۔ (1- پطرس 18:3 ڈوئے بمقابلہ 1- کرنتی 45:15) پولس رسول مزید کہتا ہے کہ "گوشت اور خون خدا کی بادشاہی کے وارث نہیں ہو سکتے۔" (1- کرنتی 42:15 تا 50 ڈوئے بائبل)

مریم کا ایمان

اطمینان رکھیے مذکورہ باتوں سے ہمارا مطلب مریم کی بے حرمتی نہیں ہے' یہ امر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ مریم ایک مثالی خاتون تھی۔ اس کا ایمان قابل تقلید تھا۔ اس نے تمام آزمائشوں اور قربانیوں کے باوجود مسیح کی ماں ہونے کا اعزاز فوراً قبول کیا (لوقا 1:38،2:34،35)۔ یوسف (مریم کا منگیتر۔ اسلم) کے ساتھ مل کر اس نے مسیح کی دینی تربیت کی (لوقا 2:51،52)۔ جب مسیح صلیب پر تکلیف میں تھا تو وہ اس کے پاس رہی (یوحنا 19:25،27) اور ایک وفادار شاگردنی کی طرح وہ فرمانبرداری سے یروشلم میں رہی اور پنتکوست کے دن خدا کی روح سے بھر جانے کا تجربہ کیا۔ (اعمال 1:13،14-12 تا 4)

مسخ شدہ عقیدہ مریم اور نہ ہی خدا کی تکریم کا باعث ہے۔ مریم کے صعود کا عقیدہ اس بے بنیاد دعویٰ کو مضبوط کرتا ہے کہ مریم خدا کے حضور شفاعت کنندہ ہے۔ لیکن مسیح اس تعلیم کا ہرگز حامی نہیں تھا۔ بخلاف اس کے اس نے کہا "راہ حق اور زندگی میں ہوں۔ کوئی میرے وسیلہ کے بغیر باپ کے پاس نہیں آتا۔ جو کچھ تم میرے نام سے چاہو گے میں کروں گا" (یوحنا 14:6،14) ہاں' مریم نہیں' صرف مسیح' خالق کے حضور سفارش کر سکتا ہے۔ ہم "بوقت ضرورت" مسیح نہ کہ مریم' کے ذریعے اپنی زندگی دینے والے تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ (عبرانیوں 4:16 ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن کیتھولک ایڈیشن)

مریم سے متعلق حقیقت کا اعتراف بعضوں کے لیے تکلیف دہ ہو سکتا ہے۔ اس کا کم از کم نتیجہ قدیم اعتقادات اور عزیز نظریات کو ترک کرنا ہے۔ تاہم اگرچہ کبھی برا لگے سچائی بالآخر (انسان کو آزاد کرتی ہے (یوحنا 8:32)۔ مسیح نے کہا کہ خدا باپ کو ایسے لوگوں کی تلاش ہے جو اس کی "روح اور سچائی سے پرستش کریں" (یوحنا 4:24 ڈوئے)۔ مخلص کیتھولک عیسائیوں کے لیے یہ الفاظ ایک چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں۔

کیا مریم نے وفات پائی تھی؟

کیا مریم نے اپنے مفروضہ صعودِ آسمانی سے پہلے سچ مچ وفات پائی بھی تھی؟ یہ سوال کیتھولک علماء کے لیے پریشان کن ہے۔ ایک محقق کی رائے میں مریم کو موت سے آزاد سمجھنا مشکل ہے۔ یہ اعزاز تو مسیح کو بھی حاصل نہیں تھا۔ (عیسائی عقیدہ ہے کہ مسیح تین دن قبر میں رہ کر جی اٹھا تھا اور پھر آسمان کو اٹھایا گیا تھا۔ اسلم) دوسری طرف مریم کی وفات کا نظریہ اتنی ہی مشکلات کا باعث ہے۔ ایک بزرگ کی

رائے میں ''موروثی گناہ کی سزا موت ہے۔'' جو (معصومیت کے عقیدہ کی رو سے) مریم پر اثر انداز نہ ہوئی۔ پھر اس کی موت کس بنیاد پر ممکن تھی؟ اس میں جرت کی کوئی بات نہیں ہے کہ صعود کا عقیدہ وضع کرتے وقت پوپ پائیس بارہویں نے مریم کی موت کے مکمل مسئلہ کو چھوا تک نہیں تھا۔

خوش قسمتی سے بائبل کی تعلیم ایسی پیچیدگی سے پاک ہے۔ اس میں کہیں بھی یہ لکھا یا اشارہ تک نہیں ہے کہ مریم پیدائش کے وقت گناہوں سے پاک تھی؟ بلکہ اس سے ظاہر ہے کہ مریم کفارہ کی حاجت مند نامکمل انسان تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مسیح کی پیدائش کے بعد وہ ہیکل گئی اور خدا کے حضور خطا کی قربانی نذر کی۔ (احبار 12:1-8' لوقا 22:2 تا24) دوسرے تمام نامکمل انسانوں کی طرح اخیر میں مریم وفات پا گئی تھی۔ رومیوں 23:6,23:3 '' ترجمہ ختم Watch Tower 15-2-94)

پروٹسٹنٹوں کی بت پرستی

پروٹسٹنٹ فرقہ کے عیسائی رومن کیتھولکوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ انہیں بت پرستی میں سرتاپا ڈوبے ہوئے کہتے ہیں' حالانکہ یہ لوگ بھی کیتھولکوں سے کچھ زیادہ کمتر بت پرست نہیں ہیں۔ فرق صاف یہ ہے کہ پروٹسٹنٹ مسیح کے بت بنا کر اور مسیح کے بتوں کی طرف معجزات اور بیماریوں سے شفایابیاں منسوب کر کے دل پشاوری کرتے ہیں۔ دلچسپی اور معلومات کی خاطر چند مثالیں حاضر ہیں:

''یسوع مسیح اب انڈونیشیا میں

جکارتہ (اف پ) ایک اطلاع کے مطابق دنیا کا تیسرا بڑا یسوع مسیح کا مجسمہ انڈونیشیا ایئروے اور صوبائی حکومت کیٹ مور کے تعاون سے پورٹیکس کالونی میں تعمیر کیا جائے گا۔ جس کی اونچائی 87فٹ ہوگی اور اس کا ڈیزائن ڈھنگ انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی کا شعبہ آرٹ دے گا۔''

(میتھوڈسٹ عیسائی جریدہ پندرہ روزہ ''شاداب'' لاہور فروری 93ء)

''یسوع مسیح کا زنانہ بت''

امریکہ' ایک اطلاع کے مطابق امریکہ میں خواتین کے حقوق کی علمبردار خواتین نے نیویارک کے ایک گرجا گھر کے صحن میں یسوع مسیح کا ایک مجسمہ نصب کرایا ہے' جس کے تمام جسمانی خدوخال اور خطوط ایک خوبصورت جوان عمر عورت سے مشابہ ہیں۔

ان خواتین رہنماؤں کا کہنا ہے کہ یسوع مسیح کی آمد ثانی عورت کے روپ میں ہوگی۔''

(شاداب جون 90ء)

دنیا کا نور

عیسائی دنیا کا واحد بشارتی جریدہ ماہنامہ ''کلامِ حق'' گوجرانوالہ بابت نومبر 88ء رقمطراز ہے:

''جب مسلمانوں نے عیسائی دارالسلطنت قسطنطنیہ کو جس کا موجودہ نام استنبول ہے' فتح کیا تو وہاں کے عالیشان گرجا سینٹ صوفیہ کو مسجد بنادیا گیا اور زمین سے ایک سو اسی فٹ اونچی جگہ پر جہاں صلیب نصب تھی' ہلال کا نشان قائم کردیا گیا۔ مسلمان فاتحین نے گرجا کی عمارت میں مسیح کے تمام نشانات مٹائے' اس کے اندر قرآنی آیات لکھی گئیں۔ اسلامی منبر کھڑا کردیا گیا اور ایک طاق قبلہ رو بنائی گئی تاکہ نماز کے وقت اس جانب نمازی منہ پھیر سکیں۔ گرجا کے مشرقی کونہ میں رنگ برنگ قیمتی شیشوں اور چمکدار پتھروں کے نقش ونگار سے منجی عالمین خداوند مسیح کی شبیہہ مبارک بنی تھی۔ جس میں آپ اپنے ہاتھوں کو پھیلا کر تمام دنیا کو برکت دے رہے تھے۔ ترکوں نے تصویر پر بیل بوٹے بنا کر اس کو چھپا دیا۔ امتداد زمانہ سے وہ بیل بوٹے مٹ گئے اور اب منجی عالمین کی مبارک شبیہہ دھندلی طور پر نظر آنے لگی ہے اور آپ مسجد سے اپنے ہاتھ پھیلا کر تمام دنیا کو برکت دے رہے ہیں۔

تھوڑا عرصہ ہوا جب اسی مسجد کے شاہی دروازہ کو صاف کیا گیا تو خداوند مسیح کی ایک اور تصویر پچی کاری اور جڑاؤ کام کی نکلی۔ اس تصویر میں ہمارے خداوند ایک مرصع تخت پر بیٹھے ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں ایک کتاب ہے جس پر لکھا ہے۔

''السلام علیکم۔ دنیا کا نور میں ہوں۔''

خون دوا بن گیا

''کلامِ حق'' بابت ستمبر 88ء میں یہ خبر بصد افتخار شائع کی گئی تھی۔

''ریوڈی جینو (برازیل) کے ایک گاؤں کے چرچ میں تین سو سالہ پرانے خداوند یسوع مسیح کے زخموں سے اصلی خون بہہ نکلا۔ بہتا ہوا خون دوا بن گیا۔ مفلوج لوگ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے لگے۔ اندھے بینائی پا گئے۔ منشیات کے عادی جو موت اور زندگی کی کشمکش سے دوچار تھے' نشے کی لعنت سے نجات پا گئے۔ مجسمے کو کھولا گیا تو خون کے کوئی اثرات نہ پائے گئے۔ لیبارٹریوں' پولیس اور حکام اعلیٰ نے تحقیقات کے بعد تصدیق کردی۔''

خدا کے آنسو بہتے ہیں

شبیہیں نظر آنے اور مسیح' مریم یا مقدسین کے مجسموں کی آنکھوں سے آنسو اور زخموں سے خون بہنے کی خبریں (بت پرست مذاہب کا خاصہ ہیں) اچنبھا یا کوئی نئی بات نہیں ہیں۔ عیسائی ممالک سے اس قسم کی خبریں پڑھنے سننے میں آتی رہتی ہیں۔

ہندو بھارت کے ٹی وی پروگرام دیکھنے والے پاکستانی بچے بھی بھگوان (کے بتوں) کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ گرنے والے آنسوؤں سے شناسا ہیں۔

آئیں اب چشم تصور سے خود خدا کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کا نظارہ کریں۔

مروجہ عیسائی عقائد کی رو سے مسیح خدا تھا' عین خدا اور بالکل ٹھیک خالق کائنات خدا تھا۔ روز قیامت کو تخت عدالت پر بھی وہی جلوہ افروز ہوگا۔

راسخ الاعتقاد عیسائیت کے واحد علمبردار ماہنامہ "کلام حق" بابت جنوری 92ء میں ڈھائی صفحات پر بسیط مضمون میں وضاحت ہے کہ قیامت کے دن عیسائیوں کی سیہ کاریوں اور بد اعمالیوں کی رپورٹ چیف سپریم جسٹس یعنی المسیح خداوند کے حضور اس جلالی سپریم عدلیہ کی میز پر رکھی جائے گی۔ جسے پڑھتے ہی مسیح خداوند غضبناک ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ غصے اور غضب سے آپ کی آنکھوں سے شعلے سے تڑپ اٹھیں گے...... اور...... فرمائیں گے" مجھے تیرے غیر مسیحانہ کردار پر بے حد افسوس رہے گا اور میں اس وقت ایک عادل منصف ہونے کے ناتے سے تیرا پورا پورا انصاف کروں گا اور خداوند نے اپنا سر جھکا لیا اور میری اور آپ کی اس موجودہ زمانے میں بے حسی' بے رخی' سرد مہری اور عیسائیت سے بیگانگی پر آپ کے پھوٹ پھوٹ کر آنسو بہنے لگے۔"

ان سطور میں خدا کا بت پرستانہ تصور بیان ہوا ہے۔ خدا مادی جسم رکھتا ہے۔ بیٹھتا ہے اس کے آگے میز پڑی ہے۔ غضبناک ہو کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ مادی آنکھیں ہیں جن سے شعلے تڑپ اٹھتے ہیں' اس کی گردن بھی ہے جو شرم و ندامت اور پریشانی سے جھکا لیتا ہے۔ جذبات بھی انسانی رکھتا ہے۔ شدتِ جذبات سے مغلوب ہو کر انسانوں کی طرح زار و قطار روتا ہے' آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں۔

صاحبو! دنیا میں اگر بت پرستی نام کی کوئی شے ہے تو پھر یہی ہے۔ یہی ہے!! یہی ہے!!!

جس کی آنکھیں ہوں پڑھ لے! جس کے کان ہوں سن لے! جس کی ذہنی صلاحیتیں قائم ہوں غور و فکر کر لے!...... ابھی وقت ہے!

وال سنگھم...... انگلستان کی متنازعہ زیارت گاہ

وال سنگھم انگلستان میں واقع علاقہ نارفوک کا ایک خوشنما گاؤں ہے۔ سالانہ ایک لاکھ زائرین وہاں "ہماری خاتون" کے تبرکات کی زیارت کرنے جاتے ہیں۔ ایک درگاہ کے متولی رومن کیتھولک ہیں۔ دوسری کو کلیسیائے انگلستان نامی پروٹسٹنٹ فرقہ چلاتا ہے۔ اس امر نے متنازعہ صورتحال کو جنم دیا ہے۔

کلیسیائے انگلستان کے ایک مذہبی رہنما کا کہنا ہے کہ حالیہ برسوں میں "وال سنگھم کی قومی زیارت گاہ نے تکلیف دہ صورت اختیار کر لی ہے۔ زائرین کے جلوس پر...... غصیلے آوازے کسے جاتے ہیں...... مخالفین کا مجمع روز افزوں اور منظم ہوتا ہے۔"

کلیسیائے انگلستان کی درگاہ کے معترضین کہتے ہیں کہ "جہاں عیسائیت کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے وہ بت پرستی سے ہرگز کم نہیں ہے۔ حق کی اہانت ہے۔ خدا کی نظر میں نفرت انگیز ہے۔ ہمارے پروٹسٹنٹ ورثہ کی زبردست توہین ہے۔"

انگلستان میں ایسا مذہبی جوش و خروش شاذ ہی دیکھنے میں آتا ہے۔ وال سنگھم میں ایسے شدید

جذبات کا مظاہرہ کیوں ہوتا ہے؟ اس سوال کا جواب پانے کے لیے دونو آستانوں کا تاریخی مطالعہ ضروری ہے۔

پروٹسٹنٹ بمقابلہ کیتھولک

سولہویں صدی کی تحریک اصلاحِ کلیسا سے پہلے انگلستان رومن کیتھولک تھا۔ یہاں کئی زیارت گاہیں تھیں۔ قدیم ترین میں سے ایک وال سنگھم میں تھی۔ ملک بھر میں کنواری مریم کی یہ سب سے بڑی درگاہ تھی۔ 1061ء میں جب جاگیر کی مالکہ نے گاؤں میں ایک مکان تعمیر کیا تو اس کی بنیاد پڑی۔ روایت کی رو سے مکان کے نقشہ کی تفصیلات ایک کشف میں بتائی گئی تھیں۔ توہم پرست سمجھتے تھے کہ یہ مکان ناصرۃ کے اس گھر کی ہو بہو نقل تھی جس میں مسیح کی ماں مریم رہا کرتی تھی۔ قرونِ وسطیٰ میں مریم کی یہ زیارت گاہ بین الاقوامی اہمیت اور ہر دلعزیزی اختیار کر گئی۔

کیا شاہ، کیا گدا سبھی گروہ در گروہ وال سنگھم پہنچتے۔ باعث کشش کیا تھا؟ مریم کی لکڑی کی مورتی نے شیر خوار مسیح کو گھٹنوں پر بٹھایا ہوتا تھا۔ معافی نامے اور اولیاء کے تبرکات خوب فروخت ہوتے۔ بیماریوں سے شفا بھی سننے میں آتی۔ زائرین وال سنگھم کا ''معجزہ'' بھی ملاحظہ کرتے۔ ایک شیشی بارے مشہور تھا کہ اس میں مریم کے جمے ہوئے دودھ کے چند قطرے تھے۔ بعض کی رائے میں وہ مادہ چاک یا سفید سیسہ تھا۔ بائبل کے مشہور عالم ایراسمس کے نزدیک بھی اس تبرک کی صداقت مشکوک تھی۔ کچھ لوگوں کی رائے میں انڈے کی سفیدی میں پسا ہوا چاک لگتا تھا۔

ایراسمس ایسا ممتاز مصلح وال سنگھم کی زیارت کے لیے کیوں گیا تھا؟ بظاہر اسے اپنی منت پوری کرنی مطلوب تھی۔ کیتھولک انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ اگرچہ اس نے درگاہ کو تفصیلاً بیان کیا ''مجموعی طور پر اس کا بیان طنزیہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ درگاہ کے تقدس کا قائل نہیں تھا۔'' ایک معروف مورخ کے نزدیک اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ کہ ''وہ خود کنواری مریم کا پجاری تھا یا اس کے آستانہ کی زیارتوں کی تاثیر کا معتقد تھا۔''

تحریک اصلاح کلیسا کے دوران جب کلیسائے انگلستان نیا نیا قائم ہوا تو اس نے رومن کیتھولک مذہب کو خیر باد کہہ دیا۔ اس زیارت گاہ کو جسے ''وال سنگھم کی چڑیل'' پکارا جاتا تھا 1538ء میں نئے فرقہ کے سربراہ انگلستان کے بادشاہ ہنری ہشتم کے حکم سے تباہ کر دیا گیا اور وہ جگہ فروخت کر دی گئی۔ مجسمہ جو نفرت سے بھرپور بت پرستی کا نشان بن گیا تھا، 160 کلومیٹر دور لندن میں لے جا کر سرِعام جلا دیا گیا۔

پروٹسٹنٹوں کی کیتھولک نقالی

تاہم اس صدی کے شروع میں کلیسائے انگلستان نے ''وال سنگھم کی ہماری خاتون'' کو پروٹسٹنٹ زیارت گاہ کی حیثیت سے بحال کر دیا۔ 1921ء میں وال سنگھم کے مقامی گرجا میں اصل مجسمہ کی ہو بہو نقل آداب و رسوم کے ساتھ رکھ دی گئی۔ ایک سال بعد جدید دور کے زائرین جانے شروع ہو

گئے۔ آستانہ کی ہر دلعزیزی میں اضافہ کے ساتھ ساتھ کچھ شرکائے کلیسیا کی ناراضی بھی بڑھی ہے۔ ہر سال مئی کے مہینہ میں جب تیس منٹ کے جلوس کے ساتھ مورتی کو گلیوں میں پھرایا جاتا ہے تو وہ لوگ بت پرستی کے خلاف شدت سے احتجاج کرتے ہیں۔

کیتھولکوں نے 1934ء میں وال سنگھم میں "ہماری خاتون کی قومی زیارت گاہ" قائم کی۔ اس زیارت گاہ میں اصل ماں اور بچے کی مورتی کی نقل ثانی رکھی گئی ہے۔ اسے پرانی عبادت گاہ میں نصب کیا گیا ہے۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں زائرین گاؤں کی زیارت گاہ کو ننگے پاؤں جانے کے لیے جوتے اتارا کرتے تھے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ معترضین کا نشانہ صرف کلیسیائے انگلستان کی زیارت گاہ ہے۔ ان کی رائے میں یہ مریم پرستی کی ترقی اور کلیسیا کے پروٹسٹنٹ ورثہ سے ترک تعلق کا اظہار ہے۔

لیکن کیا احتجاج کرنے والوں کی زبردست مخالفت کی کوئی اور وجہ بھی ہے؟ بہتوں کے ہاں اس کا جواب اثبات میں ہے۔ اب زیادہ اعتراض کلیسیائے انگلستان کے ان افراد جن میں اکثریت پادریوں کی ہے' پر ہوتا ہے جو گذشتہ چند برس سے وال سنگھم میں اپنا سالانہ جلسہ منعقد کرتے ہیں۔ ایک باقاعدہ زائر کی رائے میں "یہ دنیا بھر میں جنس مخالف سے بدکاری کا ایک بہت بڑا اڈہ ہے۔"

صاف ظاہر ہے کہ ایسی جگہ جہاں شدید بت پرستی اور زبردست ہم جنسیت کا دور دورہ ہو اُس سے عیسائیوں کو دور ہی رہنا چاہیے۔ (اوّل کرنتھی 14:10,9:6 اوّل یوحنا 21:4) (اویک 12:75)۔

بائبل میں قدیم بت پرستیاں

"یہودیوں اور فی الحقیقت تمام نسل انسانی' سے متعلق یہودیوں کے ابتدائی بیانات جیسا کہ یہودی کتب مقدسہ میں مذکور ہیں قطعی ناقابلِ اعتبار ہیں۔ ان میں سے اکثر و بیشتر بے سروپا روایات ہیں۔ بہت سی روایات کی اصل کا کھوج بھی لگایا جاسکتا ہے۔" (The New Story of the Bible by William A. Leonard: 1904.p.16)

"پادری ڈبلیو این بینیٹ کہتے ہیں "یہودی کتب مقدسہ کی بہت سی اصطلاحات اور رسوم کی اصل الہامی مذہب میں نہیں تھی۔ وہ اس کے دائرہ سے باہر تھیں یا اس کی ابتدا سے پیشتر کی تھیں۔" بائبل بھی تو یہی کچھ کہتی ہے: "یعقوب کے گھرانے کے لوگ اہل مشرق کی رسوم سے پر ہیں۔" (یسعیاہ 6:25) تمام قدیم تہذیبیں یا کم از کم وہ جن کے بارے میں ہم کچھ نہ کچھ جانتے ہیں' دنیا کے اس حصہ میں مرتکز تھیں' وہ اپنی جنگجوئی میں زیادہ محتاط نہیں تھیں۔ لیکن میرے خیال میں یہ ایک حقیقت ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ایسی بلا اشتعال خباثتوں کی مرتکب نہیں ہوتی تھی جو کہ یہودی مورخین اپنے ہم وطنوں سے منسوب کرتے ہیں۔ ان تمام پرانی اقوام کے اپنے اپنے دیوتا تھے' ایسے ہی اسرائیلیوں کے بھی دیوتا تھے لیکن اسرائیلی دیوتا کا ٹائٹل اس کے ماننے والوں کے کردار کا عکاس ہے۔ موسیٰ کے گیت میں ہے "خداوند صاحب جنگ ہے' یہوواہ اس کا نام ہے" (خروج 3:15) جنگ اسرائیلیوں کے لیے مسرت انگیز

تھی۔" (صفحہ 17)

غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کی تعلیمات میں بھی یہوواہ کی عبادت کرنے کا طریقہ مذکور نہیں ہے۔ وہ بت پرستی' دوسرے دیوتاؤں اور بتوں کو قربانیاں پیش کرنے' کی مذمت تو کرتے ہیں لیکن اس کا متبادل نہیں بتاتے۔

میری رائے میں ان حکموں کا اصل مخرج دریافت کیا جاسکتا ہے۔ مصریوں کے ہاں موت کے بعد متوفی دوسری دنیا کے منصف' اوسرِس دیوتا کے حضور حاضر ہوتا۔ بخشش کے حصول سے پہلے اسے قسم اٹھانی پڑتی کہ:

"اس نے کسی کو رلایا نہیں تھا۔
وہ کسی کے بارے بری خبر نہیں لایا ہے
اس نے چوری نہیں کی تھی
وہ جھوٹ نہیں بولتا تھا
وہ یادِ خداوندی سے غافل نہیں رہا تھا"

پریسی پیپرس سے ثابت ہے کہ ماں باپ کی عزت کرنے کا حکم موسیٰ سے 2500 برس پیشتر مصر میں مروج تھا۔ مصریوں نے انسان پر تین فرائض عائد کیے تھے کہ وہ خدا سے محبت کرے' نیکی سے محبت کرے اور ساتھیوں سے محبت کرے۔ وہ خدا کو "واحد حقیقی زندہ خدا" مانتے تھے۔ "مردوں کی کتاب" موسیٰ کے وقتوں سے ہزاروں برس پہلے موجود تھی' جب ہم دیکھتے ہیں کہ مصر کے خیالات نے قدیم دنیا کو بہت متاثر کیا تھا' پھر ہم نوٹ کرتے ہیں کہ یہودیوں نے مصریوں سے تعلقات قائم کرنے کی مسلسل مساعی کیں' سلیمان نے اس ملک سے ایک بیوی بھی لی تو ہم پر دوسرے ذرائع منکشف ہوں گے جن سے مصری افکار نے یہودی لٹریچر پر اثر ڈالا تھا۔ (صفحہ 21)

"ہم ابراہیم کی طرح یعقوب کی کہانی میں بھی غیر ملکی مذہبی رسوم دیکھتے ہیں۔ ڈاکٹر پامر کے الفاظ میں "یعقوب نے قدیم بابلی مذہب یا اپنے آباؤ اجداد کا باطلی عقیدہ چھوڑ نہیں دیا تھا۔ اس نے کئی معتقدات اور رواجات اپنا رکھے تھے" جس عبرانی لفظ سلم کا ترجمہ سیڑھی کیا گیا ہے اس کا مطلب مینار بابل یا اونچا پہاڑ یا مندر تھا۔ لوگوں کے خیال میں وہاں ان کا دیوتا رہتا تھا۔ درحقیقت ڈاکٹر پامر کی رائے ہے "اس وقت خدا کا کوئی اور گھر تھا ہی نہیں جب یعقوب گھر سے نکلا تو اسحاق نے اسے خدا کا جو نام ایل شیدوائی' دے کر برکت دی تھی وہ اسیریا کا دیوتا ال شیدے تھا یا پہاڑ دیوتا یا مینار دیوتا۔"

(صفحہ 23)

المذاہب

بائبل میں یعقوب بارے لکھا ہے "اور خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک سیڑھی زمین پر کھڑی

ہے۔" (پیدائش 2:28)

"پادری جے ایف سمتھ پیدائش ب 38، گنتی ب 31، کتاب آستر وغیرہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں "بائبل میں نوشتے بلکہ کتابوں کی کتابیں مذہب اور اخلاق کے موجودہ معیار سے کمتر ہیں" اور یہ ماننا کہ کامل نیک اور الحق ان تحاریر اور کتابوں کا ملہم اور مصنف تھا ہمارے اچھائی اور نیکی کے عظیم الشان تصورات کے خلاف بلکہ صحیح تر الفاظ میں کفر والحاد ہے۔"

"جو لوگ بائبل کو خدا کا لفظی کلام قرار دیتے ہیں کیا وہ ان لوگوں کو ملامت کرنے کو تیار ہیں جنہیں بپتسمہ نہیں دیا گیا ہے؟ (مرقس 16:16) کیا وہ مانیں گے کہ پطرس کو زمین اور آسمان پر باندھنے اور کھولنے کا اختیار تھا؟ (متی 19:16) کیا یہ کوئی ماننے کی بات ہے کہ ایک بے انصاف قاضی کی طرح خدا کو ستا ستا کر ہماری دعائیں ماننے پر مجبور کیا جاسکتا ہے؟ (لوقا ب 18)۔ کیا غلامی کو عملی ضابطہ کے طور پر حق بجانب قرار نہیں دیا گیا ہے؟ (پیدائش 12:17، خروج 7:2، قضاۃ 46,44:25، دوم سلاطین 1:4، اوّل تموتھی 1:6 وغیرہ) کیا ہم لموئیل بادشاہ کی نصیحت پر عمل پیرا ہوں اور شراب کا کپ پی کر اپنے غم غلط کریں؟ (مثال 7,6:31) ان سب حقائق کے باوجود بائبل، جو کہ راسخ الاعتقاد نظریہ کے مطابق ساری کی ساری الہامی ہے، ان سب کی اجازت دیتی ہے۔"

(The New Story of the Bible by William A.Leonard: 1904, p.6)

....

"سینٹ پال پیرش سانگھڑ میں پہاڑی پر نصب مقدسہ مریم کا قد آدم خوبصورت مجسمہ اپنے عقیدت مندوں کو پر شفقت نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"مسز یوسیفس نے مقدسہ مریم کو دوپٹہ اوڑھایا اور مسز زینت خادم نے مقدسہ مریم کے سر پر چاندی کا تاج رکھا" (ماہنامہ "مکاشفہ" فیصل آباد جون 94ء)

عیسائیت باطنی بت پرست مذہب ہے

باطنی مذاہب کے بارے لکھا ہے "وہ افراد کو اپنی طرف کھینچتے تھے۔ ان میں کشش تھی جس نے بعد میں لوگوں کو عیسائیت کی طرف کھینچا۔ جسے ابتدائی دور میں ایک باطنی مذہب ہی سمجھا جاتا تھا"

(The Pelican History of the World by J.M.Roberts: 1982, p.359. Col.1)

باطنی مذاہب: یونانی دنیا میں عیسائیت سے پہلے "عام لوگ ایک ایسے دیوتا کی موجودگی کی پرجوش یقین دہانی چاہتے تھے جو ابدی شریعت کے تصوراتی اصولوں کی بجائے ان کی ذاتی تکالیف میں دلچسپی رکھے۔ وہ اس دنیا میں اچھی زندگی کو بہت مشکوک سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس دنیا کی خامیوں

اور ناانصافیوں کی اگلی دنیا میں ضرور تلافی کی جائے گی۔ ایسے میں وہ متھرا ازم یا آئسس اور اوسرس دیوتاؤں کی پوجا ایسے مشرقی باطنی مذاہب کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر مذاہب میں عشاء ربانی کی کوئی نہ کوئی شکل موجود تھی۔ جس کے ذریعہ سے معتقد کا دیوتا سے براہ راست تعلق ہوتا تھا۔ اکثر مذاہب ایک نجات دہندہ دیوتا پر ایمان رکھتے تھے جو نسل انسانی کو اپنی موت سے بچاتا تھا۔ سبھی مذاہب اگلی دنیا کی اہمیت پر زور دیتے تھے جس میں لوگ زمین پر کیے گئے اعمال کی بنا پر انعام یا سزا پاتے تھے۔ (The Middle Ages, 395-1500 By Joseph R. Stayer, Dana C.Munro, fifth edition, p.17)

المذاہب

اب تو کسی کو عیسائیت کے یونانی، باطنی بت پرست مذہب ہونے میں شک نہیں رہا۔

ہر باطنی مذہب میں باقاعدہ عبادت سے پہلے تیاری کا عرصہ ہوتا تھا۔ مثلاً آئسس دیوتا کے مذہب میں تقریب سے پہلے 11 روزے رکھے جاتے تھے جن میں کھانے، شراب اور فعل جنسی سے پرہیز لازم تھا۔

عبادت سے پہلے گناہوں کا اعتراف متوقع تھا۔ بعض امیدوار بپتسمہ تک اپنی ساری زندگی کے برے کام بتاتے تھے جو کہ عام طور پر عبادت کی تقریب کا حصہ ہوتا تھا۔ عبادت گذاروں کی جماعت اعتراف سنتی تھی۔

اعتقاد تھا کہ بپتسمہ کی رسم امیدوار تمام گناہوں کو دھو ڈالے گی۔ اور اس کے بعد اس کی زندگی میں بہتر تبدیلی آئے گی کیونکہ اس نے نجات دہندہ دیوتا کی عبادت میں اپنا نام درج کرا لیا تھا۔

مذہبی عبادت میں مرنے اور جی اٹھنے کے سوانگ بھرے جاتے تھے۔ اس ضمن میں شاہ ولی سے کام لیا جاتا تھا۔ بعض رسومات میں امیدوار کو دفن یا غار میں بند کر دیتے تھے۔ بپتسمہ آگ یا پانی سے دیتے تھے۔ رسومات عجیب وغریب طریقوں سے ادا کی جاتی تھیں۔

(انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا مطبوعہ 1985ء جلد 24 صفحہ 705 کالم 2)

افلاطون سے اور بھی بہت سی چیزیں لی گئیں جن میں موسیقی، روحوں کی ہجرت، ان کا آسمانی ابتدا کو یاد رکھنا اور راست بازوں کو انعام اور بدکاروں کی سزا شامل ہیں۔ افلاطون نے انہیں بہت خوبصورتی سے بیان کیا تھا۔ بعد کی باطنی سوسائٹیوں نے ان تصورات کو اختیار کرلیا۔ وہ افلاطون کی وضاحتوں سے شدید متاثر تھیں۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا مطبوعہ 1985ء جلد 24 صفحہ 703 کالم 2)

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ

عیسائیوں کے غیر معقول نظریات

عیسائی مذہب کی تمام شرمناک باتوں کا معتقد عیسائیوں کا سب سے بڑا اور کثیر التعداد فرقہ کیتھولک ہے، جس کی تعداد بعض پادریوں کے دعوے کے مطابق اس زمانہ میں بھی دوسو (1) ملین کے برابر ہے۔ مثلاً:

1۔ مریم علیہا السلام کی والدہ کو بھی بغیر خاوند کی صحبت کے مریم کا حمل رہا، یہ حقیقت ابھی تھوڑا عرصہ ہوا عیسائیوں پر منکشف ہوئی ہے۔

2۔ مریم علیہا السلام کا حقیقتاً خدا کی ماں ہونا (2)

3۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ تمام اطراف عالم کے پادری خواہ شمال میں ہوں یا جنوب میں، مشرق میں ہوں یا مغرب میں، سب ایک وقت میں عشاء ربانی کی رسم انجام دے رہے ہیں، تو کیتھولک عقیدے کے مطابق لازم آتا ہے کہ کروڑوں روٹیاں ایک آن میں مختلف مقامات پر اس مسیح میں حلول کر جاتی ہیں جو خدائی اور انسانی دونوں صفتوں میں کامل بھی ہے اور کنواری مریم کے پیٹ سے بھی پیدا ہوا ہے۔

4۔ ایک روٹی کو جب کوئی پادری توڑتا ہے، اگرچہ اس کے ایک لاکھ ٹکڑے کر دیئے اس کا ہر ٹکڑا کامل و مکمل طور پر مسیح بن جاتا ہے (3)، اگرچہ دانۂ گندم کا پایا جانا پھر اس کا پیسا جانا، پھر گوندھا جانا، پھر روٹی بننا، پھر ٹکڑے ہونا، یہ تمام باتیں محسوس اور مشاہد ہیں، مگر عیسائیوں کے خیال میں ان کاموں میں قوت حسیہ بے کار اور معطل ہو جاتی ہے۔

5۔ بت اور مورتیں بنانا اور ان کے سامنے سجدہ کرنا لازم اور ضروری ہے۔ (4)

6۔ اسقف اعظم (پوپ) پر ایمان لائے بغیر نجات ممکن نہیں ہے، اگرچہ وہ واقع میں کیسا ہی بدکار و بدذات (5) ہو۔

7۔ روم کا پادری ہی اسقف اعظم بن سکتا ہے، اس کے سوا اور کسی کے لیے یہ منصب روا نہیں ہے، وہی عبادت گاہ (گرجا) کا سردار اور غلطی سے پاک ہے۔

8۔ روم کا گرجا تمام گرجوں کی اصل اور جڑ ہے اور سب کا معلم ہے۔

مغفرت ناموں کی فروخت

9۔ پوپ اور اس کے متعلقین کے پاس زبردست خزانہ ہے جو ان کو پاک ہونے والوں کی جانب سے نذرانوں کی شکل میں ملتا ہے ان عطیوں اور نذرانوں کے عوض میں پوپ کی جانب سے ان کو مغفرت اور بخشش عطا کی جاتی ہے بالخصوص اس وقت جب کہ وہ اس کی گراں قیمت اور پورے پورے دام وصول کر لیں جس کا ان میں کافی رواج ہے۔ (6)

پوپ حرام کو حلال کر سکتا ہے

10۔ پوپ اعظم کو حرام چیزوں کے حلال کرنے اور حلال کو حرام بنا دینے کے مکمل اختیارات حاصل ہیں (7)، معلم میخائیل مشاقہ جو علماء پروٹسٹنٹ میں سے ہے اپنی کتاب "اجوبة الانجیلین علیٰ اباطیل التقلیدین" مطبوعہ بیروت 1852ء میں کہتا ہے:

"اب تم ان کو دیکھو گے کہ وہ چچا کی شادی بھتیجی سے اور ماموں کا نکاح بھانجی سے اور کسی شخص کی شادی اپنی صاحب اولاد بھاوج سے کتب مقدسہ کی تعلیم اور ان کے پاک اور مقدس جامعین کے حکم کے خلاف جائز کرتے ہیں یہ محرمات ان کے نزدیک اس وقت حلال اور جائز بن جاتے ہیں جب اس کام کے لیے ان کو رشوت کے طور پر کافی رقم مل جائے اسی طرح بہت سی پابندیاں اور بندشیں ہیں جو انہوں نے اہل کلیسا پر لگا دی ہیں اور بہت سی ان چیزوں کو حرام کر دیا ہے جن کا صاحب شریعت نے حکم کیا تھا۔"

اس کے بعد کہتا ہے:

"بہت سی کھانے کی چیزیں ہیں جن کو حرام کر دیا ہے پھر حرام کردہ کو دوبارہ حلال بنا دیا اور ہمارے زمانے میں بڑے روزے کے دن جس کی تحریم بڑے زور شور سے مدت تک رہی گوشت کا کھانا جائز کر دیا۔"

اور کتاب "تیرہ خطوط" کے دوسرے خط کے صفحہ 88 میں لکھا ہے کہ:

"فرانسیسی کارڈینل ذباڈیلا کہتا ہے کہ پوپ اعظم کو اس قدر اختیارات حاصل ہیں کہ وہ حرام چیز کو جائز قرار دے دے اور وہ خدائے تعالیٰ سے بھی بڑا ہے۔"

توبہ توبہ! اللہ تعالیٰ ان کے بہتانوں اور الزاموں سے پاک ہے۔

مردوں کی مغفرت پیسوں سے

11۔ صدیقین کی ارواح "مطہر" یعنی جہنم میں عذاب اور تکلیف میں مبتلا اور اس کی آگ میں

لوٹ پوٹ رہتی ہیں' یہاں تک کہ پوپ اعظم ان کو بخشش عطا کرے' یا پادری لوگ اپنی قداسات (Suffrages) (8) کی طاقت سے اس کی پوری قیمت وصول کرنے کے بعد ان کو رہائی عطا کریں' اس فرقے کے لوگ پوپ کے نائبین اور خلفاء سے حصول نجات کے لیے سندیں حاصل کرتے ہیں' مگر ان عقلمندوں پر تعجب ہوتا ہے کہ جب یہ اس معبود کے خلفاء سے حصول نجات کی سندیں خرید رہے ہیں کہ جس کا حکم آسمانوں اور زمین میں جاری اور نافذ ہے' تو جو لوگ اس عذاب سے نجات پاتے ہیں ان کی مہر لگی ہوئی رسیدیں کیوں طلب نہیں کرتے' اور چونکہ پوپ کی قدرت روزانہ روح القدس کے فیض سے برابر بڑھتی رہتی ہے' اس لیے پوپ لیودہم نے مغفرت اور بخشش کے لیے دستاویزی ٹکٹ ایجاد کیے' جو اس کی طرف سے یا اس کے وکیل کی جانب سے اپنی گذشتہ اور آئندہ خطاؤں اور گناہوں کی مغفرت کے خریدار کو دیئے جاتے ہیں' میں حسب ذیل مضمون لکھا ہوتا ہے:

''ہمارا رب مسیح یسوع تجھ پر رحم کرے گا' اور تجھ کو اپنی رحمت کاملہ سے معاف کرے گا' اما بعد مجھ کو سلطان الرسل پطرس و پولس اور اس علاقہ کے بڑے بڑے پوپ کی جانب سے جو اختیارات دیئے گئے ہیں ان کی بناء پر میں سب سے پہلے تیری خطاؤں کو بخشتا ہوں' خواہ کسی جگہ ان کو کیا گیا ہو' پھر دوسرے تیرے قصوروں کو اور کوتاہیوں کو اگرچہ وہ شمار سے زیادہ ہوں' بلکہ آئندہ کی لغزشوں کو جنہیں پوپ نے حلال کیا ہے' اور جب تک کنجیاں رومی کلیسا کے ہاتھ میں ہیں میں ان تمام عذابوں کو بخشتا ہوں' جن کا تو مطہر میں مستحق ہونے والا ہے' اور میں مقدس کلیسا کے اسرار اس کے اتحاد اور خلوص کی طرف سے تیری رہنمائی کروں گا' اور بپتسمہ کے بعد تو معصوم ہو جائے گا' یہاں تک کہ جب تو مرے گا تو تجھ پر عذابوں کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے' اور فردوس کے دروازے تیرے لیے کھول دیئے جائیں گے' اور اگر تجھ کو فی الحال موت نہ آئی تو یہ بخشش آخری دم تک اپنے پورے اثر کے ساتھ تیرے لیے باقی اور قائم رہے گی' باپ اور بیٹے اور روح القدس کے نام سے' آمین' یہ لکھا گیا ہے بھائی یوحنا کے ہاتھ سے جو وکیل دوم کا قائم مقام (9) ہے۔''

12۔ کہتے ہیں کہ جہنم زمین کے بیچوں بیچ ایک مکعب خلا ہے' جس کا ہر ضلع دو سو میل لمبا ہے۔

13۔ پوپ صلیب کا نشان اپنے جوتوں پر بناتا ہے' اور دوسرے لوگ اپنے چہروں پر' غالباً پوپ کے جوتے مرتبے میں صلیب سے اور دوسرے پادریوں کے چہروں سے کم نہیں قدیس کرسٹافر

14۔ بعض مقدس ہستیاں ایسی ہیں جن کی صورتیں تو کتے جیسی ہیں' اور جسم' انسانی جسم کی طرح' وہ اللہ کے یہاں بندوں کی شفاعت کریں گے' معلم میخائیل مذکور اپنی مذکورہ کتاب کے صفحہ

114 میں کیتھولک فرقہ پر طعن کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

"ان لوگوں نے بعض مقدس ہستیوں کا نقشہ اور صورت ایسی فرض کی ہے کہ اس قسم کی صورت اللہ نے کسی مخلوق کی نہیں بنائی' مثلاً سر کتے جیسا اور جسم انسان کا سا اس کا نام انہوں نے قدیس (10) خریسطفورس رکھ چھوڑا ہے' اس کے آگے قسم قسم کی عبادتیں کرتے ہیں' اس کے سامنے سجدے کرتے ہیں' اور اس کے آگے شمعیں جلاتے ہیں' خوشبوئیں لگاتے ہیں' اس کی شفاعت کی درخواست کرتے ہیں' کیا عیسائیوں کے لائق ہے کہ وہ کتے کے دماغ میں عقل ہونے کا اعتقاد رکھیں؟ اور اسے بزرگ سمجھیں؟ کہاں یہ فاسد اعتقادات اور کہاں ان کے کیسوں کی عصمت؟"

اس کا یہ کہنا کہ کیا عیسائی کے لائق ہے" یہ یقیناً سچ اور صحیح ہے' کیونکہ عیسائیوں کا یہ قدیس ہندوستان کے بعض مشرکین کے قدیس کے بالکل مشابہ ہے' شاید یورپ کے عیسائیوں کا کتے سے والہانہ اور شدید محبت رکھنا اسی لیے ہو' کیونکہ وہ اس محترم قدیس کے ہم شکل ہے۔

صلیب کی عظمت کیوں؟

15- صلیب کی لکڑی اور ازلی باپ اور بیٹے نیز روح القدس کی تصویروں کو حقیقی عبادت والا سجدہ کیا جاتا ہے' اور قدیس لوگوں کی تصویروں کو سجدۂ تعظیمی کیا جاتا ہے۔ میں حیران ہوں کہ پہلی قسم کی تصویروں کے سجدۂ عبادت کا مستحق ہونے کے کیا معنی ہیں؟ اس لیے کہ صلیب کی لکڑی کی تعظیم یا تو اس لیے کہ اس جیسی لکڑی مسیح کے جسم سے مس ہوئی تھی' اور ان کے خیال کے مطابق مسیح اس پر لٹکائے گئے تھے یا پھر اس لیے کہ وہ لکڑی ان کے کفارہ بننے کا ذریعہ ہوئی' یا اس لیے کہ آپ کا خون اس لکڑی پر بہا تھا' اب اگر پہلی وجہ ہے تو عیسائیوں کے نظریہ کے مطابق گدھوں کی ساری قوم صلیب سے زیادہ معبود ہونے کے لائق اور افضل ہے' کیونکہ مسیح علیہ السلام گدھے اور خچر پر سوار ہوا کرتے تھے۔ ان دونوں کو بھی آپ کے جسد مبارک سے مس ہونے کا شرف حاصل تھا' بلکہ انہوں نے تو آپ کو راحت پہنچائی' اور بیت المقدس تک لے جانے کی خدمت انجام دی تھی' اور گدھا ان کے ساتھ جنس قریب اور حیوانیت میں شریک بھی ہے' اس لیے کہ گدھا بھی جسم نامی حساس متحرک بالارادہ ہے' بخلاف اس لکڑی کے کہ جس میں کسی قسم کی حس اور حرکت کی قدرت موجود نہیں ہے۔

اور اگر دوسری وجہ ہے تو یہودا اسکریوتی تعظیم کا زیادہ مستحق ہے' کیونکہ مسیح کے قربان ہونے کا وہ سب سے پہلا واسطہ اور ذریعہ ہے' کیونکہ اگر وہ مسیح کو یہود کے ہاتھ گرفتار نہ کراتا تو یہودیوں کے لیے مسیح کو پکڑ کر سولی دینا ممکن نہ ہوتا' دوسرے وہ مسیح علیہ السلام کے ساتھ انسانیت کے وصف میں برابر

ہے' اور انسانی صورت وشکل پر بھی ہے جو اللہ کی صورت ہے' نیز وہ روح القدس سے "بھرا ہوا" صاحب کرامات ومعجزات بھی تھا' کتنی حیرت کی بات ہے کہ ایسا زبردست واسطہ جو پہلا واسطہ ہے وہ تو ان کے نزدیک ملعون ہے' اور ایک چھوٹا واسطہ مبارک اور معظم ہے۔

اور اگر صلیب کو مقدس ماننے کی تیسری وجہ ہے تو وہ بٹے ہوئے کانٹے جو مسیح کے سر پر تاج بنے ہوئے تھے وہ بھی اس اعلیٰ منصب پر فائز ہوئے ہیں' یعنی ان پر بھی مسیح علیہ السلام کا خون گرا ہے' پھر کیا وجہ ہے کہ ان کی تعظیم اور عبادت نہیں کی جاتی؟ بلکہ ان کو آگ میں جلایا جاتا ہے' اور اس لکڑی کی تعظیم کی جاتی ہے' سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ یہ بھی ایک بھید ہے تثلیث کے سمجھ میں نہ آنے والے بھید کی طرح' اور جس طرح مسیح میں حلول کر جانا انسانی عقلوں کے ادراک سے خارج ہے۔

اس سے زیادہ فحش بات باپ کی تصویر کی تعظیم کرنا ہے' کیونکہ آپ کو باب 4 کے مقدمہ کی تیسری اور چوتھی خصوصیت کے بیان میں معلوم ہو چکا ہے کہ نہ صرف اللہ تعالیٰ مشابہت سے بری اور پاک ہے بلکہ نہ اس کو کسی نے دیکھا ہے اور نہ دنیا میں کسی کو اس کے دیکھنے کی قدرت ہے' تو پھر کونسے پوپ نے اس کو دیکھا ہے؟ جو اس کی تصویر بنانے کا امکان ہو سکے' اور یہ بات کیسے معلوم ہوئی کہ یہ تصویر خدا کی اصل صورت کے مطابق ہے' اور کسی شیطان کی صورت یا کسی کافر کی صورت کے مطابق نہیں (11) ہے۔ پھر یہ لوگ ہر انسان کی عبادت کیوں نہیں کرتے' خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر' اس لیے کہ توریت کی تصریح کے مطابق انسان خدا کی شکل لیے ہوئے ہے' تعجب ہے کہ پوپ صاحب اس وہمی پتھر کی مورت کو تو سجدہ کرتے ہیں' جس میں نہ حس ہے نہ حرکت' اور اللہ کی بنائی ہوئی صورت یعنی انسان کی توہین اور تحقیر کرتے ہیں' کہ اس کے آگے اپنے پاؤں پھیلا دیتے ہیں کہ وہ ان کے جوتوں کو بوسہ دے۔ میرے نزدیک ان اہل کتاب اور ہندوستان کے مشرکین کے درمیان کوئی بھی فرق نہیں ہے' اور اس عبادت میں ان کے عوام مشرکین کے عوام کی طرح اور ان کے خواص مشرکین کے خواص کی طرح ہیں' ہندوستان کے مشرکین اہل علم بھی اپنی بت پرستی کے لیے اسی قسم کے عذر پیش کرتے ہیں۔

تفسیر کا حق صرف پوپ کو ہے

16۔ پوپ کتابوں کی تفسیر وتشریح میں سب سے بڑی اتھارٹی ہے' یہ عقیدہ آخر زمانے میں گھڑا گیا ہے' ورنہ اگر پہلے بھی یہ عقیدہ رائج ہوتا تو آگسٹین اور کریزوسٹم جیسے مفسرین اپنی تفسیریں نہ لکھ سکتے' کیونکہ نہ تو وہ پوپ تھے' اور نہ انہوں نے اپنے زمانے کے پاپاؤں سے تفسیر لکھنے کی اجازت حاصل کی تھی' اور ان کی تفسیریں اس زمانے کے کلیساؤں میں بہت مقبول ہوئیں' غالباً بعد کے پاپاؤں نے ان تفسیروں کے مطالعہ کے بعد ہی یہ منصب حاصل کیا ہے۔

17۔ اسقفوں اور شماسوں کو نکاح کی اجازت نہیں دی گئی' اسی لیے وہ لوگ وہ کام کرتے ہیں جو شادی شدہ لوگ نہیں کر سکتے' ان کے بعض معلمین نے پاپاؤں کے اس اجتہاد کا مقابلہ کیا ہے'

میں ان کے بعض اقوال کتاب ثلاث عشرہ رسالہ کے دوسرے رسالے ص 144 و 145 سے نقل کرتا ہوں، قدلیس بر بزدوس غزال الغزلات نے نغمہ نمبر 66 کے ذیل میں کہتا ہے:

''ان لوگوں نے کلیسا سے نکاح کی شریف رسم کو اڑا دیا' اور وہ ہمبستری جو کدورت اور میل سے پاک تھی اس کو برطرف کر دیا' اس کے بجائے خواب گاہوں کو لڑکوں' ماؤں' بہنوں کے ساتھ زنا کاری سے ملوث کر ڈالا' اور ہر قسم کی گندگیوں سے بھر دیا' اور فاروس بیلا جیوس جو پرتگال کے علاقے کا 1300ء میں بشپ رہا ہے' کہتا ہے کہ کیا اچھا ہوتا کہ کلیسا والے پاک دامنی کی نذر نہ مانتے' بالخصوص اندلس کے اہل کلیسا اس قسم کی پابندی عائد نہ کرتے' اس لیے کہ رعیت کی اولاد اس علاقے میں راہبوں اور پادریوں کی اولاد سے شمار میں کچھ ہی زیادہ ہے' اور پندرھویں صدی کا اسقف جان سالٹز برگ کہتا ہے کہ میں نے بہت تھوڑے راہب اور پادری پائے ہیں جو عورتوں کے ساتھ کثرت سے حرام کاری کے عادی نہ ہوں' اور راہب عورتوں کی خانقاہیں رنڈیوں کے چکلوں کی طرح حرام کاری کے اڈے بنی ہوئی ہیں۔''

بھلا پادریوں اور راہبوں کے بارے میں پاک دامنی کا تصور ایسی حالت میں کیونکر ممکن ہے جبکہ وہ لوگ بکثرت شراب نوشی کرتے ہیں' اور نوجوان بھی ہوں' اور جبکہ یعقوب علیہ السلام کا بیٹا روبن اس لعنت سے نہ بچ سکا' کیونکہ اس نے اپنے والد کی باندی بلہاہ سے زنا کیا' اور نہ ان کا دوسرا بیٹا یہوداہ' جس نے اپنے بیٹے کی بیوی سے زنا کیا' اور نہ ہی داؤد علیہ السلام جنہوں نے باوجود بہت سی منکوحہ بیویوں کے اُوریا کی بیوی سے زنا کیا' اور نہ ہی لوط علیہ السلام اس شنیع فعل سے محفوظ رہ سکے جنہوں نے شراب کے نشے میں اپنی دو حقیقی بیٹیوں کے ساتھ زنا کیا' وغیرہ وغیرہ' پھر جب عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق نبیوں اور ان کے بیٹوں کا حرام کاری اور زنا کاری میں یہ ریکارڈ ہے' تو پادریوں کی پاک دامنی کی کیا توقع کی جا سکتی ہے؟ سچی بات تو یہ ہے کہ فاروس بیلا جیوس اور جان دونوں اس بیان میں سچے ہیں کہ اس علاقے میں رعیت کی اولاد راہبوں اور پادریوں کی اولاد سے کچھ ہی زیادہ ہے' اور یہ کہ راہب عورتوں کی خانقاہیں رنڈیوں کے چکلوں کی طرح زنا کاری کی گندگی سے بھری ہوئی ہیں۔

اب مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ قرآن کریم میں اگر اس قسم کے مضامین عیسائی لوگ موجود پاتے تو شاید وہ اس کو اللہ کا کلام تسلیم کر لیتے اور قبول کر لیتے' اس لیے کہ ان کے محبوب اور دل پسند مضامین تو یہی ہیں' نہ کہ وہ جو قرآن نے بیان کیے ہیں' مگر جب وہ دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم ان کے من پسند اور مرغوب مضامین سے قطعی خالی ہے تو ایسے قرآن کو کس طرح قبول کر سکتے ہیں؟

حوالہ جات

-1 بلکہ تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق تو چار سو ملین سے بھی زیادہ یعنی پچپن کروڑ تین لاکھ ستاون ہزار ہو چکی ہے' (برٹانیکا ائیر بک 1957ء ص 424)

-2 یہ تصور تیسری صدی کے اختتام سے پایا گیا' اور بعد میں اس تصور کو فروغ حاصل ہوتا رہا یہاں تک کہ حضرت مریمؑ کو مستقلاً ''خدا کی ماں'' کہا جانے لگا۔ اس تخیل کے ارتقاء کی پوری تاریخ کے لیے ملاحظہ ہو انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ص 1000 ج 14

-3 عشاء ربانی کی تشریح میں شروع ہی سے عیسائی علماء کا شدید اختلاف رہا ہے' اس عقیدے کو آخری شکل سینٹ تھامس اکوئنس (ST Thomas Aquinas A.D 1227-74) نے دی ہے' اور اس نے اپنی مشہور کتاب (Summa Theoiogica) میں تصریح کی ہے کہ روٹی کا ہر ٹکڑا کامل طور پر مسیح بن جاتا ہے' دیکھئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا مقالہ "Bucharist" ص 797 ج 8

-4 ازالۃ الشکوک ص 62' ج اوّل بحوالہ ترجمہ قرآن کریم از پادری سیل' مطبوعہ 1836' آج بھی آپ ہر کلیسا میں حضرت عیسیٰؑ اور مریمؑ کی تصویریں لگی ہوئی پائیں گے جنہیں باقاعدہ سجدہ کیا جاتا ہے۔

-5 پوپ کے بارے میں کیتھولک عقیدہ یہ ہے کہ وہ حواریوں کے سردار پطرس کا نائب ہے اور وہ تمام اختیارات جو جناب پطرس کو حاصل تھے' اس کو حاصل ہیں' یہاں تک کہ انجیل میں پطرس کے جو فضائل بیان ہوئے ہیں مثلاً یہ کہ وہ مسیح کی بھیڑوں کے گلہ بان ہیں (یوحنا 16:21) یا یہ کہ وہ کلیسا کی چٹان ہیں اور ان کے پاس آسمان کی بادشاہی کی کنجیاں ہیں' (متی 18:16) یہ تمام فضائل ہر پوپ پر بھی صادق آتے ہیں' کیتھولک فرقہ نے پوپ کو جو وسیع اختیارات دیئے ہیں اور ان کا جس طرح غلط استعمال کیا گیا اور اس پر جس قدر احتجاج ہوا' اس کی تفصیلی تاریخ کے لیے دیکھئے برٹانیکا' ص 196 ج 17 مقالہ (Papacy) مختلف پاپاؤں کی بدکاری کا حال معلوم کرنے کے لیے دیکھئے تواریخ کلیسائے روم ص 141' اور Ciorke کی تاریخ کلیسا' ص 252

-6 پادری خورشید عالم لکھتے ہیں: ''مغفرت ناموں کی تجارت عام تھی جس کے باعث انسان بشپ صاحب کو گناہ کا بدل روپیہ دے کر سزا سے بری قرار دیا جاتا تھا'' تواریخ کلیسائے روم' ص 142 لاہور 61ء)

-7 ''پوپ کو بحیثیت واضع قانون (legislatov) اور بحیثیت قاضی' تمام اختیارات ہیں۔'' (برٹانیکا ص 222 ج 18 مقالہ (Pope)

-8 قداسات (Suffrages) قداس کی جمع ہے' ان دعاؤں اور رسموں کو کہا جاتا ہے جو نصرانی مذہب

میں انسانوں کو گناہوں سے پاک کرنے کے لیے کی جاتی ہے سی پی ایس کلیرک اپنی تاریخ کلیسا میں کڈ Kidd کے حوالے سے اس رسم کی تفصیل بتاتے ہوئے لکھتا ہے: ''اگر لوگ اس غرض کے لیے پیسے دینے کو تیار ہوتے تو جیسے ہی پادری کے صندوق میں سکوں کے گرنے کی آواز آئی تو مردہ کی وہ روح جسے نجات دلانے کے لیے پیسے ڈالے گئے ہیں فوراً سیدھی جنت میں پہنچ جاتی۔ Short

History of the Church p.270

9- مغفرت ناموں کی اسی طرح بہت سی تحریریں تاریخ میں ملتی ہیں' پوپ کو پیسے دے کر گناہ معاف کرانے کی یہ رسم سالہا سال سے بغیر کسی روک ٹوک کے جاری رہی ہے' اس کی دلچسپ تاریخ کے لیے ملاحظہ فرمایئے: انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج 12 ص 275 مقالہ Inulgehce اس رسم کے لیے کیسے کیسے گھناؤنے کاموں کا لائسنس دے دیا گیا تھا؟ تاریخ میں اس کے عجیب عجیب واقعات ملتے ہیں کلیرک نے تاریخ کلیسا میں کڈ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ: ''1517ء میں ایک پادری جان ٹیٹزل (Tetzel) نے عام اعلان کر دیا تھا کہ اگر کسی عیسائی نے اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کی ہو اور وہ کچھ رقم پوپ کے مغفرت کے صندوق میں ڈال دے تو پوپ کو دنیا اور آخرت دونوں میں یہ اختیار ہے کہ وہ اس کے گناہ معاف کر دے' اور اگر پوپ نے گناہ معاف کر دیا تو خدا کو ایسا ہی کرنا پڑے گا۔'' (شارٹ ہسٹری آف دی چرچ ص 270)

10- قدیس خریسطفوس (Saint Chirst Ptar) نصرانی حضرات اسے اپنی تاریخ کا ایک کردار مانتے ہیں' جس کے اعزاز میں لاطینی کلیسا 25 جولائی اور یونانی کلیسا 9 مارچ کو خاص رسمیں ادا کرتا ہے' اس کے کردار کے بارے میں مختلف کہانیاں مشہور ہیں' جن میں سے مشہور ترین روایت انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں یہ نقل کی گئی ہے کہ: ''یہ دراصل ایک بت پرست جن تھا' جو اپنے سے زیادہ طاقتور آقا کی تلاش میں پھرتا تھا' کچھ دنوں یہ شاہ کنعان کے پاس رہا' مگر چونکہ وہ جنات سے ڈرتا تھا اور یہ صلیب سے' اس لیے دونوں میں نبھاؤ نہ ہو سکا' یہ شاہ کنعان کے پاس سے چلا آیا' اور پھر ایک راہب نے اسے عیسائی بنا لیا' عیسائی ہو کر اس نے نماز روزے کے بجائے خدمت خلق کے کام میں لگنا پسند کیا' اور ایک ایسے دریا کے کنارے رہنے لگا جس پر پل نہیں تھا' جب بھی کوئی مسافر وہاں سے گذرتا' یہ اسے اپنی پشت پر لاد کر دوسرے کنارے پہنچا دیتا' ایک روز ایک چھوٹے سے بچے نے اس سے دوسرے کنارے جانے کی فرمائش کی' چنانچہ یہ حسب معمول اسے کندھے پر لاد کر چلا۔ آدھے راستے پر پہنچ کر اسے اسقدر زبردست بوجھ محسوس ہوا کہ وہ لڑکھڑانے لگا' جوں توں کر کے اس نے بچے کو کنارے پر پہنچایا' اور اس سے کہا کہ: ''اگر میں ساری دنیا کو پشت پر لاد لیتا تب بھی مجھے اتنا بوجھ محسوس نہ ہوتا' جتنا تجھے اٹھا کر محسوس ہوا ہے۔'' اس پر بچے نے جواب دیا کہ ''تعجب کی کوئی بات نہیں تم نے صرف دنیا کو نہیں بلکہ دنیا کے پیدا کرنے والے کو بھی پشت پر اٹھایا تھا۔'' کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد جب 250ء میں ڈیشس (Deeisus) نے عیسائیوں پر ظلم ڈھائے تو اسے بھی

مار دیا' (یہ تمام تفصیل برٹانیکا ج 5 ص 643 مقالہ: Christopher میں موجود ہے) عیسائیوں نے اس بچے کی کہانی پر ایمان لاکر اس قدیس کا ایک عجیب ہیبت کا بت بنا چھوڑا' اور ہر سال اس کی یاد میں خاص رسمیں منانے لگے' اگر کوئی اس انسانیت سوز حرکت پر احتجاج کرے تو وہ "ملحد" "بدعتی" اور آگ میں جلانے کے قابل ہے' معاذ اللہ:

-11 یہ خدا کی تصویر بنانا کسی پرانے زمانے کی بات نہیں ہے' آج کے مہذب دور میں امریکہ کے "مہذب ترین" رسالے لائف نے حال ہی میں "بائبل نمبر" شائع کیا ہے' جس میں خدا کی کئی تصویریں دکھائی گئی ہیں اور وہ تمام تصویریں اپنے مصوروں کی گھٹیا ذہنیت کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں (دیکھئے لائف شمارہ 19 اپریل 1965ء)

-12 شماس (Deacon) اسے اردو بائبل میں "خادم" کا نام بھی دیا گیا ہے (فلپیوں 1:1 اور اتیھیس 3:8 تا 13) یہ کلیسا کا ایک عہدہ ہے' جو اسقف (بشپ) سے نیچے ہوتا ہے' قدیم کلیساؤں میں ان لوگوں کے یہ فرائض تھے کہ کلیسا کی مملوکات کی دیکھ بھال کریں' بیماروں' یتیموں' بیواؤں اور غریبوں کی مدد کریں' جب ہسپتال اور دوسرے رفاہی ادارے وجود میں آگئے تو یہ رفاہی کام ان کے سپرد کر دیئے گئے' آخر دور میں ڈیکن کا عہدہ اس شخص کو دیا جانے لگا جو پادری بننے کا امیدوار ہو' ان کے فرائض بھی رسوم ادا کرنے اور انجیل کی تلاوت تک محدود کر دیئے گئے (برٹانیکا' ص 96 ج 7' مقالہ ڈیکن)

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ

امام رازیؒ اور ایک پادری کا دلچسپ مناظرہ

امام فخر الدین رازیؒ اور ایک پادری کے درمیان تثلیث کے مسئلہ پر خوارزم میں ایک مناظرہ پیش آیا تھا' چونکہ اس کا نقل کرنا فائدے سے خالی نہیں ہے اس لیے میں ان کو نقل کرتا ہوں' امام موصوفؒ نے اپنی مشہور تفسیر میں سورۂ آلِ عمران کی آیت ذیل کی تفسیر کے تحت فرمایا ہے:

فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْهِ مِنْ بَعْدِ مَاجَآءَ کَ مِنَ الْعِلْمِ' (آل عمران:61)

"تو جو شخص آپ کے پاس علم کے آنے کے بعد آپ سے مناظرہ کرے تو الخ"

"اتفاق سے جب میں خوارم میں تھا تو مجھ کو اطلاع ملی کہ ایک عیسائی آیا ہوا ہے' جو اپنے مذہب کا تحقیق اور عمیق علم رکھنے کا مدعی ہے' میں اس کے پاس پہنچا' ہم نے گفتگو شروع کی' کہنے لگا کہ محمد (ﷺ) کے نبی ہونے کی کیا دلیل ہے؟ میں نے کہا کہ جس طرح موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے ہاتھ سے خلاف عادت امور کا صادر ہونا ہم تک روایات کے ذریعہ پہنچا ہے اسی طرح محمد ﷺ کے ہاتھ سے خلاف عادت کاموں کا صدور ہم کو روایات کے ذریعہ پہنچا' لہٰذا اگر ہم تواتر کا انکار کریں یا اس کو تو تسلیم کریں لیکن یہ نہ مانیں کہ معجزہ نبی کی سچائی پر دلالت کرتا ہے تو اس صورت میں تمام انبیاء کی نبوت باطل ہو جاتی ہے' اور اگر ہم تواتر کی صحت بھی تسلیم کریں' اور یہ بھی مان لیں کہ معجزہ صدق نبوت کی دلیل ہے' اور اگر یہ دونوں چیزیں محمد ﷺ کے حق میں ثابت ہیں' تو پھر یقینی طور پر محمد ﷺ کی نبوت کا اعتراف واجب ہو گا' کیونکہ دلیل کی یکسانیت کی صورت میں مدلول کی یکسانیت ضروری ہے۔

اس پر وہ نصرانی کہنے لگا کہ میں عیسیٰؑ کو نبی نہیں کہتا' بلکہ خدا کہتا ہوں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے' ثبوت میں گفتگو کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے خدا کی پہچان ہو جائے' اور تم نے خدا کے بارے میں جو بات کہی ہے وہ اس لیے غلط ہے کہ

معبود اس ذات کو کہتے ہیں کہ جو موجود اور واجب الوجود بالذات ہو' نیز اس کے لیے ضروری ہے کہ نہ وہ جسم رکھتا ہو' نہ کسی احاطہ میں ہو' نہ عرض ہو' ادھر عیسیٰ علیہ السلام کی حالت یہ ہے کہ وہ ایک جسم رکھنے والے انسان ہیں' جو پہلے ناپید تھے پھر پیدا ہوئے' اور زندہ ہونے کے بعد قتل کر دیئے گئے' ابتداء میں بچے تھے پھر پھولے پھلے' پھر جوان ہوئے' کھاتے تھے' پیتے تھے' پاخانہ پیشاب کرتے' اور سوتے جاگتے تھے' اور یہ بات عقلاً بدیہی اور کھلی ہوئی ہے کہ حادث قدیم نہیں ہوسکتا' اور محتاج غنی نہیں ہوسکتا' متغیر ہونے والا دائمی نہیں ہوسکتا۔

دوسری وجہ اس دلیل کے باطل ہونے کی یہ ہے کہ تم یہ تسلیم کرتے ہو کہ یہود نے عیسیٰؑ کو گرفتار کیا اور سولی دی' اور تختہ پر لٹکا کر ان کی پسلیاں توڑ دیں' اور مسیحؑ نے ان سے چھوٹ کر بھاگنے کی امکانی کوشش بھی کی اور روپوش ہونے کی بھی' نیز ان واقعات کے پیش آنے پر گھبراہٹ اور جزع وفزع بھی ظاہر کیا' اب اگر وہ معبود تھے یا خدا ان میں سمائے ہوئے تھا' یا وہ خدا کا ایسا جزو تھے جو خدا میں سمایا ہوا تھا' تو پھر انہوں نے یہود کو اپنے سے کیوں دفع نہیں کیا؟ اور ان کو نیست و نابود کیوں نہ کیا؟ اور ان کو رونے دھونے اور گھبرانے کی کیا ضرورت تھی؟ اور ان سے نکل بھاگنے کی تدبیر کرنے کی کیا حاجت تھی؟ خدا کی قسم مجھ کو بے حد تعجب ہوتا ہے کہ کوئی عاقل اس قسم کی بات کس طرح کہہ سکتا ہے؟ اور اس کو صحیح بھی سمجھتا ہو' حالانکہ عقل اس کے باطل ہونے پر کھلی شہادت دے رہی ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ تین صورتوں میں سے بہر حال ایک شکل قبول کرنا پڑے گی' یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ خدا وہ یہی جسمانی شخص تھا جو دیکھا جاتا اور نظر آتا تھا' یا یہ کہا جائے کہ خدا پورے طور پر اس میں سمایا ہوا تھا' یا یہ کہ خدا کا کوئی جزو اس میں سمائے ہوئے تھا' مگر یہ تینوں شکلیں باطل ہیں:

پہلی تو اس لیے کہ عالم کا معبود اگر اس جسم کو مان لیا جائے تو جس وقت یہود نے اس کو قتل کر دیا تھا تو گویا یہ مان لیا جائے کہ یہود نے عالم کے خدا کو قتل کر دیا' پھر عالم بغیر خدا کے کس طرح باقی رہ گیا؟ پھر یہ چیز بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ یہود دنیا کی ذلیل ترین اور کمینی قوم ہے' پھر جس خدا کو ایسے ذلیل لوگ بھی قتل کر دیں گے تو وہ انتہائی عاجز اور بے بس خدا ہوا۔

دوسری صورت اس لیے باطل ہے کہ اگر خدا نہ جسم والا ہے نہ عرض والا' تو اس کا کسی جسم میں سمایا جانا عقلاً محال ہے' اور اگر وہ جسم رکھتا ہے تو اس کے کسی دوسرے جسم میں سمانے سے یہ مراد ہوسکتی ہے کہ اس خدا کے اجزاء اس جسم کے

اجزاء کے ساتھ مخلوط ہو جائیں' اور اس سے لازم آئے گا کہ اس خدا کے اجزاء ایک دوسرے سے جدا اور الگ ہیں' اور اگر وہ عرض ہو تو محل کا محتاج ہو گا' اور خدا دوسرے کا محتاج بنے گا' اور یہ تمام صورتیں نہایت ہی رکیک اور بودی ہیں۔

تیسری شکل یعنی یہ کہ خدا کا کچھ حصہ اور اس کے بعض اجزاء سما گئے ہوں' یہ بھی محال ہے' کیونکہ یہ جزو یا تو خدائی اور الوہیت میں قابلِ لحاظ اور لائق اعتبار ہے تو اس جزو کے علیحدہ اور خدا سے جدا ہونے کی شکل میں ضروری ہوا کہ خداوند رہے' اور اگر وہ ایسا جزو ہے' جس پر خدا کی خدائی موقوف نہیں تو وہ درحقیقت خدا کا جزو نہیں ہے لہٰذا تمام صورتوں کے بطلان کے ثابت ہونے پر عیسائیوں کا دعویٰ بھی باطل ہوا۔

چوتھی دلیل عیسائیوں کے باطل ہونے کی یہ ہے کہ متواتر طریق سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی عبادت اور فرمانبرداری کی طرف بے انتہا رغبت تھی' اور اگر وہ خود خدا ہوتے تو یہ بات محال ہوتی' کیونکہ خدا خود اپنی عبادت نہیں کیا کرتا' پس یہ دلائل ان کے دلائل کے فاسد ہونے کو نہایت بہترین طریقہ پر واضح کر رہے ہیں۔

پھر میں نے اس عیسائی سے کہا کہ تمہارے پاس مسیح کے خدا ہونے کی کیا دلیل ہے؟ کہنے لگا کہ ان کے ہاتھوں مردوں کو زندہ کر دینے' مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دینے جیسے عجائبات کا ظہور ان کے خدا ہونے پر دلالت کرتا ہے' کیونکہ یہ کام بغیر خدائی طاقت کے ناممکن ہیں۔

میں نے پوچھا' کیا تم اس بات کو تسلیم کرتے ہو کہ دلیل کے نہ ہونے سے مدلول کا نہ ہونا لازم نہیں آتا' یا یہ تسلیم نہیں کرتے؟ اگر تم کو یہ تسلیم نہیں ہے تو تمہارے قول سے یہ لازم آتا ہے کہ ازل میں جب عالم موجود نہ تھا تو خدا بھی موجود نہ تھا' اور اگر تم مانتے ہو کہ دلیل کا نہ ہونا مدلول کے نہ ہونے کا مستلزم نہیں ہے' تو پھر میں کہوں گا کہ جب تم نے عیسیٰؑ کے جسم میں خدا کے سمانے کو جائز مان لیا تو تم کو یہ کیونکر معلوم ہوا کہ خدا میرے اور تمہارے بدن اور جسم میں سمایا ہوا نہیں ہے' اسی طرح ہر حیوان کے بدن میں موجود نہیں ہے۔

کہنے لگا اس میں تو ظاہری فرق ہے' اس لیے کہ میں نے عیسیٰ میں جو خدا کے سمانے کا حکم لگایا ہے تو اس لیے کہ ان سے وہ عجائبات صادر ہوئے اور ایسے عجیب افعال میرے اور تمہارے ہاتھوں سے ظاہر نہیں ہوئے' معلوم ہوا کہ ہم تم میں یہ حلول موجود نہیں ہے۔

میں نے جواب دیا کہ اب معلوم ہوا کہ تم میری اس بات کو سمجھے ہی نہیں کہ عدم دلیل سے عدم مدلول لازم نہیں آتا' یہ اس لیے کہ ان خلاف عادت امور کا صادر ہونا عیسیٰؑ کے جسم میں خدا کے سمانے کی دلیل ہے' اور میرے اور تمہارے ہاتھوں سے ایسے افعال کا صادر ہونا سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ یہ دلیل نہیں پائی گئی۔ پس جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ دلیل موجود نہ ہونے سے مدلول کا موجود نہ ہونا لازم نہیں ہے تو پھر میرے اور تمہارے ہاتھوں ان افعال عجیبہ کے ظاہر نہ ہونے سے یہ بات بھی لازم نہیں آتی کہ مجھ میں اور تم میں خدا سمایا ہوا نہیں' بلکہ یہ بھی کہ وہ چوہے' کتے اور بلی میں سمایا ہوا نہیں ہے۔

پھر میں نے کہا کہ جس مذہب کے ماننے پر کتے اور بلی میں خدا کا سمایا ہوا ہونا تسلیم کرنا پڑے وہ مذہب نہایت ہی ذلیل اور رکیک ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ لکڑی کا سانپ بن جانا عقل کے نزدیک مردہ کے زندہ ہو جانے سے زیادہ بعید ہے' کیونکہ مردہ اور زندہ کے جسم میں جس قدر مشابہت اور یکسانیت ہے' اس قدر لکڑی اور اژدھے میں ہرگز نہیں' لہٰذا جب لکڑی کے اژدھا بن جانے سے موسیٰ علیہ السلام کا خدا ہونا یا خدا کا بیٹا ہونا ضروری نہیں ہوا تو مردہ کا زندہ کر دینا بدرجۂ اولیٰ خدا ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتا۔ اس موقع پر وہ عیسائی لاجواب ہوگیا' اور بول نہ سکا۔"

ڈاکٹر خالد محمود

عیسائیوں کا عقیدہ کفارہ

قربانی کا عیسائی تصور مسلمانوں کے قربانی کے تصور سے بالکل جدا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام مصلوب ہو کر ہمارے گناہوں کا کفارہ بنے۔ اس میں ان کے ہاں (ان عیسائیوں کی) اپنی نیت کا کوئی دخل نہیں۔ حضرت مسیح کی قربانی ان گناہگاروں نے پیش نہیں کی' نہ حضرت مسیح نے (حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح) خود اپنے آپ کو قربانی کے لیے پیش کیا۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ حضرت مسیح کو سولی چڑھنا پڑا۔ جب اس میں ان کی امت کے اپنے ارادہ اور نیت کا کوئی دخل نہیں تو یہ خونِ ناحق ان کے گناہوں کا کفارہ کیسے بن گیا؟ قربانی کسی کی ہوئی اور گناہ کسی کے جھڑ رہے ہیں۔ معلوم نہیں یہ کون سی قسم کا کفارہ ہے اور اس میں کون سا فلسفۂ زندگی ہے۔

ثانیاً قربانی کی بنیاد یہ ہے کہ ادنیٰ اعلیٰ پر قربان ہو...... یہاں گنگا الٹی بہہ رہی ہے کہ اعلیٰ ادنیٰ پر قربان مانا جا رہا ہے۔ خداوند یسوع مسیح اپنے بندوں پر قربان ہو کر سولی چڑھ رہا ہے یا پیغمبر خدا حضرت عیسیٰؑ بن مریم خود اپنے امتیوں پر قربان ہو رہے ہیں۔ دونوں صورتوں میں یہ قربانی اعلیٰ کی ادنیٰ کے لیے ہے ادنیٰ کی اعلیٰ کے لیے نہیں ہے اور یہ بات قربانی کے اصول کے خلاف ہے۔

اسلام میں جانور کی قربانی اس لیے انسان کے گناہوں کا کفارہ بنی تھی کہ ان انسانوں نے بعزمِ جہاد جانور کو بطورِ بدل ذبح ہونے کے لیے پیش کیا (اصل قربانی ان کی اپنی جان کی ہی تھی) مگر عیسائیوں میں تو جہاد نہیں۔ ان کے ہاں کوئی جانی قربانی کیسے دوسروں کے گناہوں کا کفارہ ہو سکتی ہے؟ کتاب مقدس میں صرف مالی قربانی انسان کے گناہوں کا فدیہ قرار دی گئی ہے اور نئے عہد نامے نے اس اصول کو منسوخ نہیں کیا۔ امثالِ سلیمان میں ہے۔

> آدمی کی جان کا فدیہ اس کا مال اور اسباب ہے۔ ورس 8۔ دانشمند کا قانون حیات کا چشمہ ہے تاکہ وہ موت کے پھندوں سے چھٹکارا پائے۔ ورس 14۔

عیسائیوں کا ایک سوال

گناہوں کی معافی کے لیے نیت اس وقت درکار ہے جب گناہ اپنے ہوں۔ یہاں ابن آدم

حضرت آدم کے شجر ممنوعہ پر جانے کے باعث پیدائشی طور پر گناہگار ٹھہرا۔ سو حضرت مسیح کا سولی چڑھنا اس پیدائشی گناہ کو دھونے کے لیے ہے خداوند یسوع مسیح نے سولی چڑھ کر اس گناہ کو دھویا ہے؟

جواب

عیسائیوں کے نزدیک اس پیدائشی گناہ کی سزا عورت کو یہ دی گئی تھی کہ وہ بچے کی پیدائش کے وقت ایک تکلیف سے گزرے...... تو اگر حضرت مسیح سولی چڑھ کر اس گناہ کو دھو گئے تو اس کا لازمی اثر یہ ہونا چاہئے تھا کہ اب عورتیں دردِ زہ سے بچہ نہ جنیں۔ خصوصاً وہ عورتیں جو عیسائی ہیں اور حضرت مسیح کے سولی کے کفارہ پر ایمان رکھتی ہیں۔ وہ کیوں اب تک اس تکلیف سے دو چار ہوتی ہیں۔ تورات کی کتاب پیدائش میں ہے۔ جنت کے اس گناہ کے باعث عورت کو یہ سزا دی گئی۔

میں تیرے حمل میں تیرے درد کو بہت بڑھاؤں گا اور درد سے تو لڑکے جنے گی۔

اور مرد کو یہ سزا ملی۔

تو اپنے منہ کے پسینے کی روٹی کھائے گا۔ جب تک زمین میں پھر نہ جائے کہ تو اس سے نکال دیا گیا ہے۔

اب کیا عیسائی مرد اپنے پسینے کی محنت سے روٹی نہیں کماتے؟ اگر یہ محنت سے روزی کمانا اس گناہ کی سزا تھی تو یہ عمل باوجود مسیح کے سولی چڑھنے کے اب تک کیوں باقی ہے؟

حضرت مسیح کی قربانی کا آغاز

عیسائیوں کے ہاں حضرت مسیح نے قربانی کا آغاز اپنے آخری کھانے عشائے ربانی (Last Supper) سے کیا' اس آخری کھانے کا ذکر تینوں ہم خیال انجیلوں میں ملتا ہے۔ ان کے ہاں قربانی (Eucharist) اس سے شروع ہوئی کہ روٹی مسیح کا گوشت اور شراب مسیح کا خون قرار دیئے گئے اور سب حواریوں نے قربانی کا (حضرت مسیح کا) گوشت کھایا اور حضرت مسیح کا خون چکھا۔ متی لکھتا ہے۔

اور جب شام ہوئی تو وہ بارہ شاگردوں کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھا تھا اور جب وہ کھا رہے تھے تو اس نے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک مجھے پکڑوائے گا' وہ بہت ہی دلگیر ہوئے...... جب وہ کھا رہے تھے تو یسوع نے روٹی لی اور برکت چاہ کر توڑی اور شاگردوں کو دیکھ کر کہا لو کھاؤ۔ یہ میرا بدن ہے پھر پیالہ لے کر شکر کیا اور انہیں دے کر کہا کہ تم سب اس میں سے پی لو کیونکہ یہ عہد کا میرا وہ خون ہے جو بہتروں کے لیے گناہ کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے میں تم سے کہتا ہوں کہ انگور کا یہ شیرہ پھر کبھی نہ پیوں گا۔ اس دن تک کہ تمہارے

ساتھ اپنے باپ کی بادشاہت میں نیا نہ پیوں۔ پھر وہ گیت گا کر باہر زیتون کے پہاڑ پر گئے۔

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آخری کھانا تھا۔ یہ عید فسح کا دن تھا جو یہودی تہوار تھا۔ متی یہودی روایات کو ساتھ رکھ کر آگے چلتا ہے۔ یہ آخری کھانا عیسائیوں کے ہاں ان کا نظامِ عبادت ہے۔ سو عیسائی اعتقاد کے مطابق عمل کفارہ حضرت مسیح کے سولی چڑھنے سے پہلے ہی شروع ہو گیا تھا۔ مشہور انگریز مصنف اے ٹرائی کاٹ A Tricot نے نئے عہد نامے کی ایک مختصر ڈکشنری لکھی ہے۔ اس میں وہ عیسائی اصطلاحات کا مذہبی مفہوم لکھتا ہے اس میں وہ Eucharist کے تحت لکھتا ہے۔

”آخری کھانا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بارہ حواریوں کے ساتھ کھایا۔

اس کے دوران آپ نے قربانی Eucharist کا آغاز کیا۔“

عیسائی عقیدہ میں اس قربانی کی تکمیل حضرت مسیح کے سولی پر جان دینے سے ہوئی۔ جب وہ باپ کہہ رہے تھے میرے خدا میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟

عیسائی اب اسی یاد میں گرجا میں ڈبل روٹی کاٹتے ہیں اسے زندگی کی روٹی کہا جاتا ہے' روٹی کے ساتھ یہ پانی پیتے ہیں جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خون کہا جاتا ہے' ان کے ہاں جو شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گوشت کھائے اور ان کا خون پیئے حقیقت عیسوی اس کے اندر اتر جاتی ہے اور وہ ہمیشہ کی زندگی پالیتا ہے۔

یہ حقیقت ہے یا شاعری؟ اس وقت کتنے عیسائی ہوں گے جن کے اندر حقیقت عیسوی اتری ہوئی ہے اور ان کے گرد و پیش کے عیسائی لوگ انہیں حضرت مسیح علیہ السلام کا مظہر سمجھتے ہیں۔ عام عیسائیوں کو جانے دیجئے' خود ان کے Priests پادریوں اور Nuns درویش خواتین کو ہی دیکھئے' ان میں کتنے ایسے انسان ملیں گے جو ہمیشہ کی زندگی پا چکے ہوں۔

اسلام صرف ان کو ہمیشہ کی زندگی پائے ہوئے کہتا ہے جو اللہ کی راہ میں مارے گئے۔ اور ان کی زندگی کا بھی ہمیں یہاں شعور حاصل نہیں ہوتا۔

سو اس پہلو سے عیسائیوں کا یہ عشائے ربانی کا عمل ایک ڈرامہ دکھائی دیتا ہے نہ کہیں حضرت مسیح کا گوشت اور خون ان کے پاس ہوتا ہے اور نہ وہ ان کے اندر اتر رہا ہوتا ہے۔ اور نہ اس روٹی اور پانی کے ان کے اندر جانے سے ان کے دل کی دنیا بدلتی ہے۔ وہ سوسائٹی میں اسی طرح کے عام انسان ہوتے ہیں جنہیں ہم اپنے ارد گرد عام چلتا پھرتا دیکھتے ہیں۔

عیسائیوں کا طریق عبادت

دور اول میں عیسائی اپنے آپ کو یہودیوں سے الگ نہ کرتے تھے' ان کا محدث متی پرانے عہد نامے سے وابستگی رکھتے ہوئے اپنی انجیل میں لکھتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری یہودی

ہیکلوں میں جا کر انہی کی طرح عبادت کرتے تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت مسیح تورات کو منسوخ کرنے کے لیے نہیں اس کی تکمیل کے لیے آئے تھے۔

علمائے یہود نے انہیں ملحد قرار دیا اور اپنے عبادت خانوں میں ان کے داخلے پر پابندی لگا دی اور پھر یہ دور تاریکی میں چلا گیا' سو نہیں کہا جا سکتا کہ پھر عیسائیوں نے اپنے علیحدہ عبادت خانے کب بنائے اور صلیب کب عبادت خانوں میں لٹکائی گئی۔ یہ تاریخ کا موضوع ہے دین کا نہیں۔ اسے ہم یہیں چھوڑتے ہیں۔

اس وقت ان کا طریق عبادت یہ ہے۔

(1) پادری کے آنے پر عبادت ایک گیت سے شروع ہوتی ہے جسے یہ سام Psalm کہتے ہیں۔

(2) اس کے بعد انجیل سے کچھ منتخب حصے پڑھے جاتے ہیں۔

(3) اس تلاوت کے دوران وقفے وقفے سے کچھ نظمیں پڑھی جاتی ہیں جن میں خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء کا بیان ہوتا ہے۔ Hymns and Psalms

(4) تلاوت کے بعد عقیدے کا بیان ہوتا ہے اور اس میں کبھی وعظ بھی کہا جاتا ہے۔

(5) پھر حاضرین کی طرف سے کلیسا کو نذرانے پیش کیے جاتے ہیں۔

(6) اس کے بعد عشاء ربانی کی باری آتی ہے۔ Last Supper

ایک خاص قسم کی میز پر جسے قربان گاہ کہتے ہیں ایک صاف ستھرا کپڑا بچھا دیا جاتا ہے اور اس پر پاک روٹی اور شراب رکھ دی جاتی ہے۔ روٹی پر ایک مہر لگاتے ہیں اور شراب میں کچھ پانی ملا دیا جاتا ہے اور ساتھ ساتھ دعائیں ہوتی ہیں۔ پھر بڑی ختم کی دعا Lords Prayer پڑھی جاتی ہے اور وہ مبارک روتی کاٹتے ہیں۔ اس روٹی کا ایک ٹکڑا شراب کے برتن میں ڈالا جاتا ہے پھر وہ عبادت ہوتی ہے جسے یہ خدا برا Agnus Deis کہتے ہیں اور پھر امن کا بوسہ دیا جاتا ہے اور اس کے بعد پادری اور سب حاضرین اس پانی کو جس میں متبرک روٹی ملائی گئی تھی کھاتے ہیں اور ان سب کا عقیدہ ہوتا ہے کہ وہ مسیح کا گوشت کھا رہے ہیں' اور اس کا خون پی رہے ہیں۔

وہ دم اور منتر کیا ہے جس سے پانی مسیح کا خون بن جاتا ہے

ایک کیتھ لک نوجوان کارڈنیل جیا سنٹو اشیلی Cardinal Giacento Ashillie نے پوپ سے کہا ہمیں بھی وہ منتر بتاؤ جس سے روٹی مسیح کا گوشت اور پانی مسیح کا خون بن جاتے ہیں تو اس نے یہ الفاظ بتائے:۔

HOC EST CORPUS MEUM

جب یہ الفاظ پڑھے جائیں تو اس کے بعد یہ صدا لگائی جاتی ہے۔ Surcum Corda جس کا معنی ہے (اپنے دلوں کو اٹھا لو) پھر ساتھ ہی جواب دیا جاتا ہے "ہم اپنے دل آقا کی طرف

لوٹاتے ہیں'' پھر شکرانے کا اعلان کیا جاتا ہے۔

پھر ایک مختصری حمد پر یہ عبادت ختم ہو جاتی ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہوتے ہیں

مقدس مقدس مقدس آقا خدا انسانوں کا خالق

یہ ترتیب عبادت اور اس کے ارکان و اعمال کا اگر آپ ان کی صحاح اربعہ (انجیل متیٰ انجیل مرقس، انجیل لوقا اور انجیل یوحنا) میں پتہ لگانا چاہیں تو شاید ہی ان کے عمل عبادت میں کوئی تواتر ملے تاہم ہمیں اس وقت یہ کہنا نہیں کہ ان کا مذہب خود ان کی کتابوں سے اس طرح نہیں ملتا جس طرح یہ اب اس پر عمل کرتے ہیں اور نہ ان کا یہ عقیدہ کہ ہر عیسائی ہر اتوار کو گرجا میں آ کر مسیح کا گوشت کھائے اور اس کا خون پئے۔ ان کی کتابوں میں موجود ہے اس وقت ہم صرف ان کے مطالعہ سے گزر رہے ہیں اور ان پر اپنا تنقید کا حق باقی رکھتے ہیں۔

ہمیں اناجیل کے اس قسم کے مختلف اور منتشر بیانات سے سروکار نہیں لیکن ایک بات جو ہم پرانے عہد نامے میں پاتے ہیں اور پھر نئے عہد نامے میں بھی اس کی قوی شہادت اور تائید ملتی ہے، وہ یہ ہے کہ باوجود یکہ یہ صحاح اربعہ جو ان کی حدیث کی کتابیں ہیں اور ان کے محدثین متی، مرقس، لوقا اور یوحنا نے جمع کی ہیں، وہ کتاب اصلی (انجیل عیسوی) جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی نہیں ہیں اور ان میں بھی قطع و برید کا عمل صدیوں سے جاری ہے پھر بھی یہ حضرت خاتم النبیین کی نبوت کا اعجاز ہے کہ اسے تسلیم کیے بغیر ان موجودہ اناجیل پر بھی کوئی شخص دیانۃً ایمان نہیں رکھ سکتا اور بائبل پر ایمان رکھنے کی واحد صورت یہی ہے کہ عیسائی حضرات بدل وجان حضرت خاتم النبیین کو وہ عہد کا رسول مان لیں جس کی خبریں تورات و انجیل میں صدیوں سے چلی آ رہی ہیں۔

یہ عشائے ربانی حقیقت ہے یا شاعری؟ مذہب ہے یا افسانہ؟ یہ اس وقت موضوع سخن نہیں آپ جو نام چاہیں اس دعوت کو دیں۔ ہم یہ سوال کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس عشائے ربانی میں قربانی کا کون سا پہلو مضمر ہے۔ حضرت مسیح کا خون بھی ابھی صلیب پر نہیں بہا، وہ ان حواریوں کے 'پیٹ' میں پہلے کیسے اتر گیا اور اب تک اس روٹی اور پانی کو حضرت مسیح کا گوشت اور خون قرار دینے میں کون سی سنجیدگی اور معقولیت شامل ہے یہ وہ صورت عمل ہے جسے عیسائی عبادت سمجھتے ہیں اور اس کے لیے ہر اتوار جمع ہوتے ہیں عقیدہ کا جیسا کہ پال نے اسے ترتیب دیا یہ ہے۔

مسیح کتاب مقدس کے بموجب ہمارے گناہوں کے لیے مرا اور دفن ہوا اور
تیسرے دن کتاب مقدس کے بموجب جی اٹھا۔

تیسرے دن جی اٹھا اور اپنے عنصری جسد سے آسمان پر چلا گیا اور قیامت سے پہلے ایک دن پھر آئے گا اور زندوں اور مردوں کا محاسبہ کرے گا...... اس دوران تمہاری عبادت یہی ہے کہ گرجا میں جا کر زندگی کی روٹی جو پادری کاٹے مسیح کا گوشت سمجھ کر کھاؤ اور پانی مسیح کا خون سمجھ کر پیو اور سمجھو کہ اس طرح مسیح تمہارے اندر اتر گیا اور تم اس کے ہو گئے۔

تاہم رومن کیتھولک مذہب کے مطابق پوپ کو اختیار ہے کہ وہ جب چاہے اپنے عیسائی عقیدے یا عمل کی نئی تشریح کرے پھر اس کی پابندی تمام کیتھولک عیسائیوں پر لازم ہے۔

لکھتا ہے:

عیسائیت شروع سے ہی نا قابل فہم رہی ہے۔ لوگ الجھن میں پڑ جاتے تھے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خواب کی سی حالت میں کہے گئے الفاظ کو توضیح کرنا یا انہیں سمجھنا کوئی آسان کام نہ تھا۔

عیسائی اپنے روحانی تصور میں کہاں کھڑے ہیں؟

عیسائیوں کی اتوار کی عبادت (Sunday Service) کا نقشہ آپ کے سامنے آچکا ہے یہ آخری عمل جس میں وہ روٹی کاٹتے ہیں اور اسے مسیح کا گوشت (Flesh) قرار دیتے ہیں اور پانی جسے مسیح کا خون (Blood) کہتے ہیں اور پھر دونوں کو ملا کر سب حاضرین پیتے ہیں کیا بتلاتا ہے اور ان کے کس عقیدے کی خبر دیتا ہے' اسے بھی ساتھ ہی جانتے چلیں۔

عیسائی اس سے یہ عقیدہ لیتے ہیں کہ اب مسیح کا گوشت اور خون ان کے اندر اتر گیا ہے اور ان میں بھی اب عیسائیت جاگ اٹھے گی مسیح اب ان کے اندر بسا ہوا ہے اور ان کی روح سے مل گیا ہے۔

عیسائیوں کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ روح القدس (Holy Spirit) حضرت مسیح پر کبوتر کی شکل میں اترا تھا' ان کے ہاں مسیح کے وسیلہ سے روح القدس اب ہر ایک عیسائی میں اترا ہوا ہے اس تصور سے پھر ہر عیسائی اپنے آپ کو مقدس سمجھتا ہے کہ اس میں روح القدس بسا ہوا ہے اور اب وہ پاک ہو چکا ہے۔

پال کا وہ خط جو اس نے کرنتھیوں کے نام لکھا وہ نئے عہد نامہ میں موجود ہے اس میں وہ یہی بات کہتا ہے:

کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارا بدن روح القدس کا مقدس (پاک کیا ہوا) ہے جو تم میں بسا ہوا ہے اور تم کو خدا کی طرف سے ملا ہے۔

عیسائیوں کا محدث لوقا اپنی کتاب رسولوں کے اعمال میں حواریوں پر روح القدس کا براہِ راست اترنا یوں بیان کرتا ہے۔

جب عید پنتیکست کا دن آیا تو وہ سب ایک جگہ جمع تھے کہ یکا یک آسمان سے ایسی آواز آئی جیسے زور کی آندھی کا سناٹا ہوتا ہے اور اس سے سارا گھر جہاں وہ بیٹھے تھے گونج گیا اور انہیں آگ کے شعلہ کی سی پھٹتی ہوئی زبانیں دکھائی دیں اور ان میں سے ہر ایک پر آ ٹھہریں اور وہ سب روح القدس سے بھر گئے اور غیر زبانیں بولنے لگے جس طرح روح نے انہیں بولنے کی طاقت بخشی۔

حواریوں کو جس طرح روح القدس نے یہ طاقت بخشی عیسائیوں کا اعتقاد ہے کہ اب ہر ایک عیسائی میں حضرت عیسیٰ کے گوشت اور ان کے وسیلہ سے حضرت مسیح اترے ہوئے ہیں یہ ان کا خون اسی لیے پیتے ہیں کہ ان کے اندر حضرت مسیح اتر جائیں۔

اس وقت ہمیں اس سے بحث نہیں کہ عیسائیوں کا اپنے بارے میں یہ روحانی تصور درست ہے یا نادرست، ہم یہاں صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ عیسائی اعتقاد کیا ہے اور عیسائی اپنے روحانی تصور میں کہاں کھڑے ہیں...... تاہم یہاں ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جب ہر مسیح میں مسیح کا گوشت اور خون بسا ہوا ہے اور ان میں (حضرت مسیح میں) روح القدس اترا ہوا تھا تو اب ہر عیسائی روح القدس کے اس فیض سے کیوں فیضیاب نہیں...... یہ بات کہنی اس لیے ضروری ہے کہ کوئی نادان کہیں آئندہ آنے والے کی آمد کو روح القدس کا اترنا گمان نہ کر بیٹھے، اسے پتہ رہے کہ روح القدس تو شروع ہی سے ہر عیسائی میں بسا ہوا ہے اور اس میں اترا ہوا ہے اب یہ جو کسی کی آمد کا انتظار ہے، یہ تو روح القدس نہیں بلکہ کوئی اور مددگار ہے جسے فارقلیط کہیں یا محمدؐ کہیں لیکن اس پیش گوئی کا مصداق روح القدس کو کسی طرح قرار نہیں دیا جا سکتا۔

پھر روح القدس کا اترنا اگر کسی روحانی کیفیت کا نام ہے تو پھر اس سے کسی انسانی آمد کی خلاف نہیں پر کی جا سکتی۔ مندرجہ ذیل پیشگوئی کے الفاظ کسی انسان کی آمد پتہ دیتے ہیں یا یہ کسی روحانی کیفیت کا بیان ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جاتے ہوئے فرمایا تھا:

> لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آ کر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا...... وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہ کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔

اب آپ ہی فرمائیں یہ کسی انسان کی آمد کی خبر دی جا رہی ہے یا یہ کسی روحانی کیفیت کے اُترنے کا پتہ دیا جا رہا ہے۔ میں اور وہ کے تقابلی الفاظ قابل غور ہیں۔ یہ کسی ایک جنس کا پتہ دیتے ہیں مسیح کے جسد خاکی کا روح القدس سے تقابل کسی پہلو سے درست نہیں بیٹھتا...... عیسائی خود کہتے ہیں کہ روح القدس صرف حواریوں پر اترا اور ظاہر ہے کہ آنے والا تو پوری دنیا کو قصوروار ٹھہرائے گا۔ سو یہ اگر کوئی انسان نہ ہوگا تو ساری دنیا کو کس طرح مخاطب کرے گا، یہ تو کسی ایسے فرد کی آمد کا بیان ہے جو نیک و بد اور مومن و کافر سب کو مخاطب کرے اور ظاہر ہے کہ یہ روح القدس نہیں ہو سکتا۔ جو صرف نیکوں پر (حواریوں پر) اترا...... پھر آخری ورسز میں یہ بھی ہے کہ وہ باتیں کرے گا، اب آپ ہی سوچیں کیا روح القدس کو بھی کبھی حیوان ناطق کہا گیا ہے یا حیوان ناطق صرف انسان کو کہتے ہیں پھر حضرت مسیح نے یہ بھی فرمایا کہ وہ تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا، خبریں کون دیتا ہے شخصیتیں یا کیفیتیں؟ اور عیسائی علم کلام میں تو

نبی کہتے ہی اسے ہیں جو آئندہ کی خبریں دے...... یہ سب نشان بتلا رہے ہیں کہ یہ کسی آنے والے نبی کی خبر دی گئی ہے نہ کہ یہاں کسی روحانی کیفیت کا اترنا بیان ہو رہا ہے۔

لیکن افسوس کہ عیسائیوں نے ورس 13 کے مندرجہ ذیل الفاظ میں اپنی طرف سے ایک یعنی داخل کر دیا' کہاں تیسرے لفظ کے بعد...... اصل عبارت یہ تھی:۔

لیکن جب وہ آئے گا تو تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا۔

یہاں تیسرے لفظ کے بعد یعنی سچائی کا روح کے لفظ بڑھا دیئے گئے ہیں لفظ یعنی خود بتلاتا ہے کہ یہ الحاقی الفاظ ہیں جو اپنی طرف تشریحاً داخل کیے گئے ہیں۔ یہ سمجھنے والے کا اپنا اوراج ہے یہ حضرت مسیح کے الفاظ نہیں ہیں عیسائی جب ان پیشگوئیوں سے عاجز آ جاتے ہیں تو وہ اسی طرح ان میں اپنے الفاظ داخل کر کے بات کا رخ دوسری طرف کر دیتے ہیں۔

یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عنداللہ

آخری کھانے کے بارے میں انجیلوں کے مختلف بیانات

یہ مختلف بیانات اس آخری کھانے کے بارے میں ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بارہ حواریوں کے ساتھ کھایا۔

عیسائی نظریہ کی رو سے حضرت مسیح نے آخری کھانے (Last Supper) کے دوران اپنی قربانی (Eucharist) کا آغاز کیا۔ اس کا ذکر تینوں ہم خیال (Synoptic) انجیلیں یوں کرتی ہیں۔

(1) اور جب شام ہوئی تو وہ بارہ شاگردوں کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھا تھا اور جب وہ کھا رہے تھے تو اس نے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک مجھے پکڑوائے گا...... جب وہ کھا رہے تھے تو یسوع نے روٹی لی اور برکت دے کر توڑی' اور شاگردوں کو دے کر کہا' لو کھاؤ یہ میرا بدن ہے پھر پیالہ لے کر شکر کیا اور ان کو دے کر کہا کہ تم سب اس میں سے پیئو' کیونکہ یہ میرا عہد کا وہ خون ہے جو بہتیروں کے لیے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے۔

(2) اور جب شام ہوئی تو وہ بارہ کے ساتھ آیا اور جب وہ بیٹھے کھا رہے تھے تو یسوع نے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے جو ایک میرے ساتھ کھاتا ہے وہ مجھے پکڑوائے گا...... اور وہ کھا ہی رہے تھے کہ اس نے روٹی لی اور برکت دے کر توڑی اور ان کو دی اور کہا لو یہ میرا بدن ہے پھر اس نے پیالہ لے کر شکر کیا اور ان کو دیا اور ان سبھوں نے اس میں سے پیا اور اس نے ان سے کہا یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لیے بہایا جاتا ہے۔

(3) اور جب وقت ہو گیا تو وہ کھانا کھانے بیٹھا اور رسول اس کے ساتھ بیٹھے...... پھر اس نے پیالہ لے کر شکر کیا اور کہا کہ اس کو لے کر آپس میں بانٹ لو...... پھر اس نے روٹی لی شکر کر کے توڑی اور یہ کہہ کر ان کو دی کہ یہ میرا بدن ہے جو تمہارے واسطے دیا جاتا ہے میری

یادگاری کے لیے تم یہی کیا کرو اور اسی طرح کھانے کے بعد پیالہ یہ کہہ کر دیا کہ یہ پیالہ میرے اس خون میں نیا عہد ہے جو تمہارے واسطے بہایا جاتا ہے۔

عیسائیوں کے ہاں اس آخری کھانے (Last Supper) سے حضرت مسیح کی کفارے کی قربانی شروع ہوتی ہے اور یہ واقعہ عیسائی عبادت میں اساسی حیثیت رکھتا ہے مگر تعجب ہے انجیل یوحنا میں اس کا ذکر تک نہیں' نہ اس شام کے کھانے کا کوئی ذکر ہے جس کی مجلس میں حضرت مسیح نے اپنے بارہ حواریوں کو اپنا بدن کھلانے اور اپنا خون پلانے کا سبق دیا ہو' ہاں ایک اور واقعہ مذکور ہے کہ یہودیوں کی ایک بھیڑ کی بھیڑ حضرت مسیح کے سامنے آئی اور آپ نے انہیں کہا:

> تمہارے باپ دادا نے بیابان میں من کھایا اور مر گئے۔ یہ وہ روٹی ہے جو آسمان سے اتری ہے تاکہ آدمی اس میں سے کھائے اور نہ مرے' اور میں ہوں وہ زندگی کی روٹی جو آسمان سے اتری اگر کوئی اس روٹی میں سے کھائے تو ابد تک زندہ رہے گا بلکہ جو روٹی میں جہاں کی زندگی کے لیے دوں گا وہ میرا گوشت ہے' پس یہودی یہ کہہ کر آپس میں جھگڑنے لگے کہ یہ شخص اپنا گوشت ہمیں کیوں کر کھانے کو دے سکتا ہے؟ یسوع نے ان سے کہا میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ جب تک تم ابن آدم کا گوشت نہ کھاؤ اور اس کا خون نہ پیو تم میں زندگی نہیں۔ جو میرا گوشت کھاتا اور میرا خون پیتا ہے وہ مجھ میں قائم رہتا ہے اور میں اس میں.....
> جو روٹی آسمان سے اُتری یہی ہے۔ باپ دادا کی طرح نہیں کہ کھایا اور مر گئے..... اس کے شاگردوں میں سے بہتوں نے سن کر کہا کہ یہ کلام ناگوار ہے۔

حضرت مسیح نے یہ باتیں آخری کھانے پر نہیں کہیں یہ کسی اور موقع کا وعظ ہے جسے حواریوں نے بہت ناپسند کیا اور بہت سے شاگرد اٹھ کر چلے گئے اور مسیح کے ساتھ نہ رہے۔ سو اس واقعہ کو کسی طرح بھی قربانی کا آغاز نہیں کہا جا سکتا' نہ اس موقع پر کوئی روٹی کاٹی گئی نہ شاگردوں کو دی گئی' نہ کوئی پیالہ آیا جسے مسیح کا خون ٹھہرا دیا گیا ہو اور پھر حواریوں نے اسے پیا ہو۔

آپ نے یہ کھانا گرفتاری سے ایک دن پہلے کھایا' اسی لیے اسے Eucharist عشائے ربانی کہتے ہیں۔ کھانا رات کا تھا اور بارہ حواری اس میں ساتھ تھے۔

عیسائی ہر اتوار کو گرجا میں یہ رسم بجا لاتے ہیں اس موقع پر ایک Bread (ڈبل روٹی) لائی جاتی ہے جسے حضرت مسیح کا Flesh گوشت کہتے ہیں اور ساتھ لائے پانی کو حضرت مسیح کا خون کہہ کر پیا جاتا ہے اور امام (پادری) اس کھانے اور پینے والے کو باپ بیٹے اور روح القدس کے نام سے برکت دیتا ہے۔ روٹی اور پانی دیکھنے میں تو روٹی اور پانی ہی نظر آتے ہیں مگر ان کا عقیدہ ہے کہ روح القدس کے اترتے ہی یہ روٹی اور پانی' گوشت اور خون بن جاتے ہیں عیسائی جب اسے کھاتے اور پیتے ہیں تو روح القدس ان میں اپنا اثر کرتی ہے اور اس سے ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

اتنی اہم بات جس کے بغیر ان کی گرجا میں سنڈے سروس نہیں ہو پاتی' اس کا ذکر حضرت مسیح کے Eucharist کے طور پر تین ہم خیال انجیلوں میں تو ہوں لیکن یہ انجیل یوحنا میں نہ ہو' یہ ہمارے لیے نہایت تعجب کی بات ہے' الا یہ کہ انجیل یوحنا کی اصلیت مخدوش ہو۔

آرینوس (177ھ) کلینٹ رومی (200ھ) اور آریجن (254ھ) انجیل یوحنا کا مؤلف یوحنا بن زبدی کو سمجھتے ہیں' مشترکہ عالمی ترجے کو مبصرین اسے یوحنا حواری کی تالیف نہیں مانتے' یہ ان کی بھی کوئی اپنی تحقیق نہیں' اس کا انکار دوسری صدی عیسوی میں ہی شروع ہو گیا تھا۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے:

> ایشیائے کوچک میں ایسے عیسائی بھی پائے گئے جو اس چوتھی انجیل کو یوحنا حواری کی تصنیف نہیں مانتے۔ یہ بات 165ء کے قریب کی ہے۔

انجیل یوحنا کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مؤلف کوئی عالم ہے جو یہودی روایات پر بڑی گہری نظر رکھتا ہے' لیکن یوحنا حواری کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ ایک ان پڑھ آدمی تھا۔ لوقا لکھتا ہے:۔

> جب انہوں نے پطرس اور یوحنا کی دلیری دیکھی اور معلوم کیا کہ یہ ان پڑھ اور ناواقف آدمی ہیں تو تعجب کیا۔ پھر انہیں پہچانا کہ یہ یسوع کے ساتھ رہے ہیں۔

آپ نے گرجاؤں میں حضرت مسیح کے کھانے (Last Supper) کی تصویر تو دیکھی ہوگی اس میں یوحنا حضرت مسیح کے بہت قریب بیٹھا ہے انجیل یوحنا میں اس کا ذکر یوں ملتا ہے:

> اس کے شاگردوں میں سے ایک شخص جس سے یسوع محبت رکھتا تھا' یسوع کے سینہ کی طرف جھکا ہوا کھانا کھانے بیٹھا تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس انجیل کا مؤلف وہ شاگرد نہیں جو اس وقت یسوع کے سینہ کی طرف جھکا ہوا بیٹھا تھا' اس کی تو یہاں حکایت بیان ہو رہی ہے' سو حکایت بیان کرنے والا کوئی اور ہے مگر انجیل یوحنا کے آخر میں یہ بھی ملتا ہے کہ اس نے ان باتوں کو لکھا ہے:

> پطرس نے مڑ کر اس شاگرد کو پیچھے آتے دیکھا جس سے یسوع محبت رکھتا تھا اور جس نے شام کے کھانے کے وقت اس کے سینے کا سہارا لے کر پوچھا تھا کہ اے خداوند بڑا پکڑنے والا کون ہے؟ پطرس نے اسے دیکھ کر یسوع سے کہا اے خداوند اس کا کیا حال ہوگا؟ یسوع نے اس سے کہا اگر میں چاہوں کہ یہ میرے آنے تک ٹھہرا رہے تو تجھ کو کیا؟ تو میرے پیچھے ہو لے پس بھائیوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ وہ شاگرد نہ مرے گا' بلکہ یہ کہ اگر میں چاہوں کہ یہ میرے آنے تک ٹھہرا رہے تو تجھ کو کیا؟
>
> یہ وہی شاگرد ہے جو ان باتوں کی گواہی دیتا ہے اور جس نے ان کو لکھا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی گواہی سچی ہے...... اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسوع

نے کیے اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں سمجھتا ہوں کہ جو کتابیں لکھی جاتیں ان کے لیے دنیا میں گنجائش نہ ہوتی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جو انجیل کا مؤلف ہے وہی اپنے بارے میں یہ تعبیر اختیار کرتا ہے:

''وہ جس سے محبت کرتا تھا۔''

عیسائی علماء بہت پریشان ہیں کہ کس شخص کو اس کا (انجیل یوحنا کا) مؤلف قرار دیں۔ عہد حاضر کے عیسائی پادری تقریباً اس پر متفق ہیں کہ انجیل یوحنا کا مؤلف یوحنا بن زبدی حواری نہ تھا اور یہ عبارت جو ہم نے انجیل یوحنا کے آخر سے نقل کی ہے اس کے بارے میں مشہور عیسائی فاضل ویسٹ کاٹ West Cot کہتا ہے کہ یہ آخری فقرے انجیل یوحنا کے نہیں ہیں، کسی نے اپنی طرف بڑھا دیئے ہیں۔ کئی پرانے نسخوں میں یہ دو فقرے موجود نہیں ہیں، مسٹر برنٹ ہیلمن (Brunt Helman) لکھتا ہے:

انجیل یوحنا کا یہ جملہ کہ یہ وہی شاگرد ہے جو ان باتوں کی گواہی دیتا ہے اور جس نے ان کو لکھا ہے۔ یہ ایک اختلاف کو حل کرنے کی ایک کوشش تھی، اس سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اس پہلے دور میں بھی انجیل کے بارے میں طرح طرح کے اختلاف اور شکوک موجود تھے۔

پادری برکت اللہ بھی لکھتے ہیں:

پس ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ روایت کہ انجیل چہارم مقدس یوحنا رسول بن زبدی کی تصنیف ہے، صحیح نہیں ہو سکتی۔

❁......❁......❁

ظہور نیازی

ایک عیسائی اور مسلم سکالر کا تاریخی مناظرہ

ایک منی کیب میں بیٹھ کر میں رائل البرٹ ہال کی جانب روانہ ہوا تو ڈرائیور سے نہ رہا گیا۔ رائل البرٹ ہال کا نام سنتے ہی پوچھنے لگا آج وہاں کیا پروگرام ہے؟ میں نے کہا۔ آج وہاں ایک مسلم اور عیسائی سکالر میں اس بات پر مناظرہ ہوگا کہ کیا حضرت عیسیٰؑ خدا ہیں؟ 120 کروڑ عیسائی کہتے ہیں ہاں! وہ خدا ہیں' جب کہ 100 کروڑ مسلمان کہتے ہیں نہیں' وہ رسول خدا ہیں۔ وہ حیرت سے میرا منہ تکنے لگا۔ اس کے لب بند تھے' لیکن اس کی آنکھوں میں یہ پیغام صاف پڑھ سکتا تھا کہ یہ عجیب بے وقوف آدمی ہے جو ایسے بے مزہ پروگرام میں جا رہا ہے تاہم وہ دیر تک ضبط نہ کر سکا اور کہنے لگا بڑا بور پروگرام ہوگا۔ اسے سننے کون آئے گا!

اس ہفتے سنڈے ٹیلی گراف کے میگزین میں برطانیہ میں مذہب سے لاتعلقی اور چرچوں کی زبوں حالی کے بارے میں ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے جس کی روشنی میں منی کیب ڈرائیور کے رویے کو سمجھنا قطعی دشوار نہیں ہے۔ رپورٹ کی رُو سے برطانیہ کی آبادی کا صرف 16 فیصد حصہ چرچ سے تعلق کو برقرار رکھے ہوئے ہے اور ان میں سے صرف 7 فیصد افراد کلیسا کا باقاعدگی سے رخ کرتے ہیں۔

چرچوں کی اچھی خاصی تعداد اجاڑ اور غیر آباد ہے۔ کئی شہروں میں مسلمان چرچ خرید کر انہیں مسجدوں میں اور تعمیراتی کمپنیاں متعدد دیگر چرچوں کو ہاؤسنگ اسٹیٹس میں تبدیل کر چکی ہیں۔

چرچ آف انگلینڈ کے اعداد و شمار کے مطابق اس صدی کے آغاز سے ہی حاضری دینے والوں کی تعداد بتدریج کم ہو رہی تھی لیکن 1960ء کی دہائی میں مادر پدر آزادی کا جو طوفان آیا جو معاشرے کو اس طرح بہا کر لے گیا کہ چرچ کا رخ کرنے والے صرف چند لوگ ہی رہ گئے۔ چرچ کا معاشرے سے رشتہ کٹ گیا۔ کلیسا کے ارباب حل وعقد کو خود بھی اندازہ لیتا ہے کہ انہیں معاشرے میں کیا کردار ادا کرنا ہے۔ چرچ آف انگلینڈ ان دنوں خواتین کی آرڈی نیشن اور حضرت عیسیٰؑ کی واپسی کی بحثوں میں الجھا ہوا ہے۔ چرچ کی اندرونی بیوروکریسی نہایت مضبوط ہے۔ اس میں بھی سرکاری بیوروکریسی کی طرح درجہ بندی ہوتی ہے۔ اس بیوروکریسی کے دروازے اب عورتوں پر کھولے جا رہے

ہیں یا بالفاظ دیگر یوں سمجھ لیں کہ عورتوں کو امامت کی اجازت دی جا رہی ہے۔ رپورٹ کی رو سے آہنی پردے (سوشلسٹ ملکوں) کے باہر آزاد دنیا میں چرچ جانے والوں کی تعداد کے لحاظ سے برطانیہ دنیا کا سب سے زیادہ "سیکولر ملک" ہے۔

شام کے ٹریفک کے رش اور جام سے بچنے کے لیے ڈرائیور نے چھوٹی چھوٹی سڑکوں سے ٹیکسی نکالی لیکن بالآخر جب کار ہائی اسٹریٹ کینزنگٹن پر پہنچی تو ٹریفک مشکل سے رینگ رہا تھا اور دوسری کاروں میں بھی زیادہ تر غیر گورے لوگ ہی نظر آ رہے تھے۔ ڈرائیور کہنے لگا لگتا ہے یہ سب لوگ بھی رائل البرٹ ہال جا رہے ہیں۔ بہرحال جب کار ہال کے قریب پہنچی تو چاروں طرف انسانوں کے سر نظر آ رہے تھے۔ میں نے ڈرائیور سے کہا اب تمہارا کیا خیال ہے؟ کہنے لگا شاید میرا خیال غلط تھا۔

رائل البرٹ ہال لندن کا سب سے مشہور اور نہایت خوبصورت ہال ہے جو فٹ بال کی طرح گول بنا ہوا ہے چھت تک چاروں طرف سات منزلوں میں نشستوں کا انتظام ہے۔ ناچ گانے کے کنسرٹ، حسن کے مقابلے اور باکنگ و کشتی کے مقابلے اکثر یہاں ہوتے ہیں۔ ہال کی گنجائش 6 سے 7 ہزار ہے پروگرام کی نوعیت کے اعتبار سے نیچے ارینا میں کرسیوں کی تعداد کم زیادہ ہوتی رہتی ہے۔

مناظرے کے لیے داخلہ مفت مگر بذریعہ ٹکٹ تھا مگر ہزاروں پاکستانی، جو ملک کو چلانے کے لیے کسی منصوبہ بندی کے عادی نہیں ہیں وہ ذاتی زندگی میں کب کسی منصوبہ بندی کو داخل ہونے دیتے ہیں، بلا ٹکٹ سینکڑوں کی تعداد میں ہر دروازے پر قطاریں بنائے ہوئے تھے۔ میرے پاس سٹیج کے قریب کا ٹکٹ تھا لہٰذا زیادہ وقت کے بغیر مخصوص دروازے سے اندر پہنچ گیا۔ بعد میں منتظمین نے بتایا کہ ساڑھے سات بجے ہال بھر جانے کے بعد تمام دروازے بند کر دیے گئے تھے اور دو ہزار کے لگ بھگ افراد باہر رہ گئے۔ ان میں سے بیشتر کے پاس ٹکٹ بھی تھے اور اس زعم میں وہ وقت سے پہلے نہیں پہنچے تھے لیکن ان کے لیے بھی داخلہ کی کوئی سبیل نہیں نکل رہی تھی اور وہ واپس مایوس لوٹ جانے پر بھی تیار نہیں تھے چنانچہ منتظمین کو پولیس بلانی پڑی اور پولیس نے صورت احوال کا مشاہدہ کرنے کے بعد کتے منگوا لیے۔ گھڑ سوار دستوں کی طرح یہ کتے بھی نہایت تربیت یافتہ ہوتے ہیں اور پل کے پل میں مجمع منتشر کر دیتے ہیں۔ اس موقع پر پولیس نے چند افراد کو نقص امن کے الزام میں تحویل میں بھی لیا لیکن بعد میں چھوڑ دیا۔ بڑی مشکل سے پولیس مایوس افراد کو گھروں کو لوٹنے پر آمادہ کر سکی۔ لوگ مناظرے کے منتظمین کو صلواتیں سناتے ہوئے لوٹے جب کہ ان کا کہنا ہے کہ دروازے بند کرنے اور پولیس بلانے کا کام ہم نے نہیں ہال کی انتظامیہ نے کیا۔

ہال کے اندر بھاری اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ مسلم خواتین کی بھی اچھی خاصی تعداد تھی اور دوران مناظرہ ہال کے متعدد اطراف سے ننھے بچوں کے رونے کی آوازیں کبھی کبھار آتی رہیں۔ عیسائی بھی ایک ہزار سے زائد تعداد میں موجود تھے۔

مناظرے کی نظامت اور صدارت کے فرائض اینگلیکن اور الائنس کے نوجوان جنرل سیکرٹری

ریورینڈ کلائیو کالور نے سنبھالے۔ شرائط وضوابط کا اعلان کیا اور سامعین کو کسی ایک مقرر کے حق یا مخالفت میں نعرے بازی، ہلڑ بازی اور ہوٹنگ سے باز رہنے کی تنبیہ کی اور کہا کہ جو جذبات میں آگے نکلے، انہیں ہال سے نکال دیا جائے گا۔

سٹیج کے دائیں طرف عیسائیوں نے مورچہ سنبھال لیا اور بائیں طرف مسلم نمائندوں کو بٹھایا گیا۔ درمیان میں اپنے ایک ایک ساتھی کے ساتھ دونوں مقرر بیٹھے۔ مسلم نمائندوں میں مشہور پاپ سنگر کیٹ سٹیون اور جمعیت اہل حدیث کے ممتاز رہنما اور صراط مستقیم کے مدیر مولانا محمود احمد میرپوری شامل تھے۔ کیٹ سٹیون اسلام قبول کرنے کے بعد یوسف اسلام کے نام سے تبلیغ و تدریس کے شعبوں میں سرگرم ہیں۔

اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر اس کے حلقہ میں داخل ہونے والے انگریز نومسلموں نے ایک شیر نارچ میں اپنی بستی بسا رکھی ہے جہاں وہ نہایت سختی سے گناہ کبیرہ وصغیرہ سے بچنے کی سعی کرتے ہیں۔ ان کے ایک نمائندے ڈاکٹر ٹامپسن نے مسلم سکالر جناب احمد دیدات کا تعارف کرایا کہ وہ اسلام پراپاگیشن سینٹر جنوبی افریقہ کے ڈائریکٹر ہیں اور گذشتہ چالیس برسوں سے عیسائیت کے مقابلے میں اسلام کی حقانیت ثابت کرنے میں سرگرم ہیں۔ وہ قرآن و بائیبل دونوں کے عالم ہیں۔

دوسری طرف ریورنڈ فریڈرک نے عیسائی مبلغ ڈاکٹر اے شروش کا تعارف کرایا جو فلسطین کی اس بستی میں پیدا ہوئے جہاں حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے تھے۔ بعد ازاں امریکہ جا کر انہوں نے بی اے اور دینیات میں پی ایچ ڈی کیا۔ ابتدائی تعارف کے بعد دونوں مقرروں کو پچاس پچاس منٹ اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کا موقع دیا گیا، پھر آٹھ آٹھ منٹ ایک دوسرے کے اعتراضات کے جواب کے لیے دیئے گئے۔ اس دوران حاضرین سے وصول ہونے والے دو سو کے لگ بھگ سوالات میں سے قرعہ اندازی کے ذریعہ فریقین کے لیے تین تین سوالات کا انتخاب کیا گیا اور فی سوال زیادہ سے زیادہ دو منٹ کے جواب کی اجازت دی گئی۔ مسلم سامعین نے شروع میں کئی مرتبہ اللہ اکبر کے نعرے لگائے لیکن انہیں جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ اس طرح وہ اپنے ہی مقرر کے بیان میں رخنہ اندازی کر رہے ہیں تو وہ خاموش ہو گئے البتہ عیسائی سامعین نے کئی مرتبہ جناب احمد دیدات کی تقریر میں کھڑے ہو کر شور مچانا چاہا۔

چیئرمین نے فیئر پلے کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ٹاس کرایا جو احمد دیدات نے جیت لیا اور انہوں نے ڈاکٹر شروش کو پہلے خطاب کی دعوت دی۔ انہوں نے نہایت منجھے ہوئے مقرر کی طرح اپنی تقریر پڑھنی شروع کی لیکن اس سے قبل وہ احمد دیدات سے آکر گلے ملے۔ انہیں تحفے میں ایک کتاب اور بیت المقدس کے مختلف مناظر اور ارض مقدس کے پھولوں کی تصاویر پر مشتمل بک مارک کی طرح کی پتیاں اور اپنے آبائی شہر کی طلائی کنجی پیش کی اور پھر تمام سامعین کو کھڑا کر کے چند منٹ کی دعا کرائی۔ ان کے دلائل کا لب لباب یہ تھا کہ خود بائیبل کی رُو سے خدا ایک ہے۔ لیکن وہ انسان کی محدود عقل کے پیش نظر تثلیث کی شکل میں ظاہر ہوا۔ باپ، بیٹا اور روح القدس۔ بیٹے کی حیثیت سے وہ انسان کی شکل میں

دنیا میں نمودار ہوا اور تمام انسانوں کی نجات کے لیے سولی پر لٹک گیا۔ اسے صلیب پر چڑھانے والوں کی نظر میں اس کا جرم یہ تھا کہ وہ خود کو خدا کا بیٹا کہتا تھا۔ خود قرآن نے اسے ذکیا کے لفظ سے یاد کیا ہے اب ہم یا تو یسوع مسیح کو جھوٹا اور پاگل تصور کریں اور از سر نو خدا کو تلاش کریں لیکن کیا خدا کہیں کھو گیا ہے جو ہم اسے تلاش کریں۔ وہ تو خود کرائسٹ کی شکل میں انسان کی تلاش میں آیا تا کہ محبت کا پیغام عام کرے۔ بائبل دنیا کی سب سے زیادہ عجیب وغریب کتاب ہے جو انسانی اقدار پر زبردست اثر انداز ہوئی ہے۔ اسے چیلنج ضرور کیا گیا ہے مگر تاریخ نے اس کی صداقت ثابت کی ہے اس کی 25 ہزار کاپیاں برٹش میوزیم میں موجود ہیں۔ جو چاہے اس کی صداقت کی تصدیق کر سکتا ہے۔ خدا نہ صرف خود تثلیث کی شکل میں ظاہر ہوا بلکہ اس نے اس پوری کائنات کا نظام تین عناصر پر مرتب کیا ہے یعنی ٹھوس، مائع اور گیس۔ گیس یعنی ہوا تین اجزاء آکسیجن ہائیڈروجن اور نائٹروجن پر مشتمل ہے۔ پانی کو لیجیے تو وہ مائع ہے اسے گرم کریں تو وہ گیس بن جاتا ہے ٹھنڈا کریں تو برف کی شکل میں ٹھوس ہو جاتا ہے۔ زمانہ ماضی، حال اور مستقبل کی تین حالتوں میں ہے۔ خود انسان تین اجزاء پر مشتمل ہے یعنی باپ، ماں اور بیٹا۔ جب حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے تو آسمان سے غیبی آواز آئی تم میرے بیٹے ہو۔ عیسیٰؑ نظر نہ آنے والے خدا کی امیج ہیں بلکہ خدا حقیقت میں عیسیٰؑ ہے جو انسان کی شکل میں آیا۔ وہ اپنی قوت سے پانی پر چلے، آسمان پر گئے، بیماروں کو شفا دی۔ مردوں کو زندہ کیا۔ خدا کو بلا جواز جسم و مکاں سے بالاتر قرار دیا جاتا ہے بائبل کے مطابق وہ انسان کی شکل میں ابراہیمؑ کے پاس آیا۔ اگر وہ لامکان تھا تو ابراہیمؑ کے سامنے کس طرح چلا گیا۔ احمد دیدات کا اپنی کتاب میں یہ کہنا کہ کھانا کھانے والی ہستی خدا نہیں ہو سکتی، لغو ہے۔ ہم کون ہوتے ہیں جو خدا سے کہیں کہ تم یہ کرو، اور یہ نہ کرو، اس کی مرضی جو چاہے کرے۔ مسلمانو! تم دن میں چالیس مرتبہ اللہ اکبر کہتے ہو مگر کب تک خدا کو ہم سے دور رکھو گے۔ عیسیٰؑ نے اپنے حواری کے دھوکہ دینے، سولی پر چڑھنے اور واپس آنے کی پہلے یہ پیش گوئی کر دی تھی خدا کے سوا کوئی اور یہ حقیقت جان سکتا تھا اور خود قرآن میں آیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ واحد ہستی ہیں جنہیں قیامت کی آمد کا علم ہے۔

جناب احمد دیدات نے اپنی تقریر کا آغاز اس سوال سے کیا کہ حضرت عیسیٰؑ کی خدائی کا مسئلہ بڑی آسانی سے طے ہو جائے گا۔ اگر کوئی یہ ثابت کر دے کہ حضرت عیسیٰؑ نے جب تک وہ اس زمین پر چلتے پھرتے رہے، ایک مرتبہ بھی یہ دعویٰ کیا ہو کہ میں خدا ہوں۔ بائبل کے 66 مختلف نسخوں میں اور 73 رومن کیتھولک نسخوں میں ایک جملہ بھی ایسا نہیں ملتا جس میں حضرت عیسیٰؑ نے کہا ہو، میں خدا ہوں۔ ہم انہیں سچا اور خدا کا پیغمبر سمجھتے ہیں قرآن کہتا ہے کہ عیسیٰؑ کو خدا کہنا کفر ہے اور کافروں پر جنت حرام ہو گی ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا یہ کونسی زبان ہے کہ خدا ایک ہے مگر وہ باپ بھی ہے بیٹا بھی ہے، روح القدس بھی ہے۔ تین بھی ہے اور ایک بھی ہے۔ تین مختلف شخصیتوں سے ایک شخصیت کس طرح وجود میں آ سکتی ہے؟ صرف ذہنی بیمار ہی یہ دعویٰ کر سکتے ہیں بائبل کے ایک باب میں حضرت عیسیٰؑ پہلے کئی مرتبہ کہتے ہیں کہ خدا تیرا یا تمہارا باپ ہے۔ پھر کہتے ہیں وہ میرا باپ ہے اور آگے کہتے ہیں کہ وہ سب کا باپ ہے۔ ایک جگہ

کہتے ہیں وہ اسرائیل کا باپ ہے۔ اگر یہاں باپ کے اصطلاحی معنی (یعنی خالق) کے بجائے لغوی معنی لیے جائیں تو پھر تنہا حضرت عیسیٰؑ خدا کے بیٹے قرار نہیں پائیں گے بلکہ بیٹوں کی تعداد سینکڑوں کے حساب سے ہوگی۔ اینگلیکن اور آرتھوڈاکس حضرت عیسیٰؑ کو تثلیث کا دوسرا پرسن قرار دیتے ہیں ایک ہزار سال قبل تک حضرت عیسیٰؑ کو باپ قرار دینا کفر تھا مگر ڈاکٹر شروش اپنی کتاب "برمنڈ فلسطین" میں عیسیٰؑ کو باپ کہتے ہیں۔ ہم یہ کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ کو تمام معجزے خدا نے دیئے۔ اگر وہ خدا ہوتے تو جب یہودی انہیں تنگ کرتے وہ ان کی نظروں کے سامنے سے غائب ہو جاتے گڑگڑا کر خدا کو نہ پکارتے اگر وہ خدا تھے تو پھر کس کو پکار رہے تھے؟ کیا نعوذ باللہ ڈرامہ رچا رہے تھے؟ حضرت عیسیٰؑ انسان تھے وہ 9 ماہ تک مادر رحم میں رہے۔ عام بچوں کی طرح پیدا ہوئے۔ 8 ویں روز ان کی بائبل کی رو سے ختنہ ہوئی انہیں بائبل میں 87 مرتبہ انسان کا بیٹا اور 13 مرتبہ خدا کا بیٹا قرار دیا گیا۔ آپ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب پر مر گئے اور تین روز اور تین راتوں کے بعد واپس آئے کیا خدا مر سکتا ہے؟ اگر خدا مر گیا تھا تو تین روز تک اس کائنات کو کون کنٹرول کر رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ گذشتہ سال جولائی میں اینگلیکن پادریوں کا برطانیہ میں جب جلسہ ہوا تو انہوں نے یہ اعلان کیا کہ حضرت عیسیٰؑ کو خدا ماننا ایمان کا جزو نہیں۔ عیسیٰؑ کی خدائی کا دعویٰ اس لحاظ سے بھی محلِ نظر ہے کہ خدا غیر خدائی کام نہیں کرسکتا۔ مثلاً خدا دوسرا خدا پیدا نہیں کرسکتا۔ وہ ازل سے تا ابد ہے مگر دوبارہ ازل پیدا نہیں کرسکتا۔ وہ کسی انسان کو اپنی خدائی سے باہر نہیں پھینک سکتا۔ اس لیے کہ اس کی خدائی سے باہر کوئی جگہ نہیں ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے اختیارات محدود ہیں بلکہ یہ اس کی قدرت کا اظہار ہے۔ اس موقع پر جناب احمد دیدات نے سامعین سے سوال کیا کہ کیا عیسیٰؑ نے خود کو خدا کہا ہے؟ تو ڈاکٹر شروش کے ساتھیوں میں سے ایک صاحب کھڑے ہوگئے اور کہا ہاں کہا ہے۔

"کہاں کہا ہے؟" دیدات نے سوال کیا۔

"کرائسٹ نے کہا ہے کہ "میں اور خدا ایک ہیں۔" اس کے لیے انہوں نے جس آیت کا حوالہ دیا وہ غلط تھا۔ جناب دیدات نے زبانی اس کی تصحیح کی اور سوال کیا کہ یہ جملہ کس پس منظر میں ہے؟ اس کا چالیس سال سے کوئی عیسائی جواب نہیں دے سکا ہے۔ میں بتاتا ہوں کہ اس جملے کا مقصد یہ ہے کہ ہم مقصد میں ایک ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ ہم وجود میں ایک ہیں۔ قرآن میں بارہا اللہ تعالیٰ جمع متکلم کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن آج تک کسی عرب نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ قرآن کی رُو سے ایک سے زائد خدا ہیں۔ جمع کا صیغہ تعدد اور احترام دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ پھر یہودی زبان کی بلاغت دیکھئے کہ ان میں تمام نبیوں کو خدا کہا گیا ہے مثلاً یہ کہ ہم نے موسیٰؑ کو خدا بنا کر فرعون کی طرف بھیجا حتیٰ کہ شیطان کو بھی خدا کہا گیا ہے۔ قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے اس میں ایسی کوئی اصطلاح استعمال نہیں کی گئی ہے جس سے غلط فہمی پیدا کی جاسکے اگر بلا باپ کے کنواری ماں سے پیدا ہونے پر حضرت عیسیٰؑ کو خدا مانا جاسکتا ہے تو پھر حضرت آدم کو بڑا خدا ماننا چاہیے کہ ان کا تو نہ باپ تھا اور نہ ماں۔ عیسائیوں کا

یہ استدلال لغو ہے کہ اگر حضرت عیسیٰؑ کو جھوٹا اور پاگل نہیں سمجھتے تو خدا مانو۔ ان دونوں حالتوں کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ یہ کیوں نہیں کہتے کہ وہ اللہ کے رسول اور بہترین آدمی تھے اور ان کی باتوں کی صحیح پیروی میں ہماری نجات ہے۔ جہاں تک ڈاکٹر شروش کے اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ قرآن میں یہ لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو قیامت کی آمد کا پتا ہے تو میں ان سے درخواست کروں گا کہ وہ مذکورہ آیت نکال کر دکھادیں لیکن ڈاکٹر شروش کے پاس اس چیلنج کا کوئی جواب نہیں تھا اور وہ پھر اس جانب نہیں آئے۔

جب وہ احمد دیدات کا 8 منٹ میں جواب دینے کھڑے ہوئے تو کہنے لگے کہ حضرت عیسیٰؑ جنسی تعلق کے نتیجے میں پیدا نہیں ہوئے بلکہ انہیں بیٹے کا روحانی ٹائٹل دیا گیا۔ پھر انہوں نے اعتراض کیا کہ قرآن میں خداوند قدوس کے جو 99 نام گنائے گئے ہیں ان میں کسی میں انہیں باپ نہیں کہا گیا۔ ہم جس خدا پر ایمان رکھتے ہیں وہ ڈکٹیٹر نہیں محبت کا پیامبر تھا اور اپنی جان دے کر ہم سب کے گناہ بخشوا گیا۔

آخر میں جب دونوں مقرروں سے تین تین سوال کیے گئے تو جناب احمد دیدات نے ان کے جواب دیئے لیکن ڈاکٹر شروش دوٹوک جواب سے گریز کرتے ہوئے دوسری باتیں کرتے رہے۔ مجمع نے جواب پر اصرار کیا تو چیئرمین نے کہا کہ کوئی بھی مقرر جواب دینے کا پابند نہیں۔ اگر وہ جواب سے گریزاں ہے تو رائے آپ خود قائم کرسکتے ہیں۔ بہرحال ڈاکٹر شروش نے امید ظاہر کی کہ ایک بار پھر وہ ایک پلیٹ فارم پر جناب احمد دیدات کے ساتھ جمع ہوں گے۔

جرأت اور دلیری

علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ نے ایک انگریز جرنیل کا ذکر کیا ہے جو اکثر ان کے پاس آیا کرتا اور مختلف مسائل پر تبادلہ خیال کیا کرتا تھا۔ ایک روز کہنے لگا "مجھے قرآن بہت پسند ہے اور اکثر میرے مطالعہ میں رہتا ہے" علامہ اقبالؒ نے دریافت کیا "آپ نے قرآن مجید میں ایسی کون سی چیز دیکھی ہے جو آپ کو اس قدر پسند آئی۔" جرنیل نے جواب دیا۔ "قرآن میں دلیری اور مردانگی کی باتیں ہیں، جنھیں پڑھ کر انسان میں جرأت اور بہادری کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔"

ابو ٹیپو خالد

مباہلہ

اگر کسی امر کے حق و باطل میں فریقین میں نزاع ہو جائے' تو نزاع کو طے کرنے کا صحیح طریقہ عقل اور استدلال ہے۔ لیکن جہاں عقل و استدلال کے تمام مرحلے طے ہو چکے ہوں۔ مخاطب دلیل و حجت سے بالکل عاری ہو۔ حق اس کے سامنے سورج کی طرح روشن ہو۔ اس کے لیے اس سے گریز و فرار کی کوئی راہ نہ ہو۔ لیکن وہ محض اپنی بات کی پچ اور ہٹ دھرمی کی آن رکھنے کے لیے اپنی بات پر اڑا ہوا سے اپنی یرقان زدہ آنکھوں سے ہر چیز زرد نظر آئے۔ تو پھر یہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے کہ سب مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ جو اس امر میں باطل پر ہو' اس پر خدا تعالیٰ کی طرف سے وبال اور ہلاکت پڑے۔ کیونکہ لعنت کے معنی رحمت حق سے بعید ہو جانا ہے۔ اور رحمت سے بعید ہونا قہر کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ پس اس کے معنی یہ ہوئے کہ جھوٹے پر قہر نازل ہو۔ سو جو شخص جھوٹا ہوگا وہ اس کا خمیازہ بھگتے گا۔ اس طور پر دعا کرنے کو "مباہلہ" کہتے ہیں۔ اس میں خود مباہلہ کرنے والوں کا جمع ہو کر دعا کرنا ہے۔ اپنے عزیز و اقارب کو جمع کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر جمع کیا جائے تو اس سے اور اہتمام بڑھ جاتا ہے۔

مباہلہ کا پس منظر یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اہل نجران کو یہ خط تحریر فرمایا: "باسم اللہ ابراھیم و اسحق و یعقوب و از محمد نبی و رسول اللہ کے' اسقف (عالم) نجران و اہل نجران کو معلوم ہو کہ میں حمد کرتا ہوں اس اللہ پاک کی جو ابراہیم و اسحٰق و یعقوب کا پروردگار ہے۔ امابعد پھر میں تمہیں بلاتا ہوں اس بات کی طرف کہ تم بندوں کی پرستش چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو۔ اور بندوں کی ولائت سے نکل کر اللہ تعالیٰ کو اپنا والی سمجھو۔ پھر اگر تم اس بات سے روگردانی کرو تو جزیہ دینا قبول کرو۔ اور اگر اس سے بھی انکار ہے۔ تو میں نے تم کو لڑائی کا اشتہار دیا۔ اور سلام ہے اس پر جو اللہ کا فرمانبردار ہو۔"

عرب کا نقشہ سامنے ہو تو جنوب میں جو علاقہ یمن کے نام سے موسوم ملے گا' اس میں ایک مقام نجران کا ہے۔ نجران مکہ معظمہ کی جانب یمن سے سات منزل کے فاصلے پر ایک بڑا شہر ہے' جو نجران

بن زید بن یشجب بن یعرب کے نام سے موسوم ہے۔ یہ شہر ملک عرب میں عیسائی مذہب کا مرکز تھا۔ اور تہتر گاؤں اس سے متعلق تھے۔ یہ خط جب اسقف کے پاس پہنچا' تو وہ سخت لرزاں ہوا۔ اور نجران کے ایک شخص شرجیل بن وداع کو بلا بھیجا۔ یہ ہمدان کا رہنے والا تھا۔ اور ہر اہم بات میں سب سے پہلے اس سے مشورہ لیا جاتا۔ اسقف نے اسے خط دیا۔ اور کہا اے ابو حریم۔ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ اس نے کہا کہ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ایک نبی برحق ہوگا۔ ہوسکتا ہے یہ وہی ہوں۔ میں نبوت کے بارے میں کوئی رائے نہیں دے سکتا۔ یہ دنیاوی معاملہ نہیں ہے۔ اس کے بعد اسقف نے عبداللہ بن شرجیل کو بلایا۔ یہ اہل نجران میں حمیر کا ایک بہت معزز آدمی تھا۔ اس نے بھی شرجیل کی مانند کلام کیا۔ پھر اسقف نے اہل نجران میں سے جبار بن قیض نامی شخص کو بلایا۔ یہ بنی حارث بن کعب کا ایک معزز شخص تھا۔ اس نے بھی خط پڑھنے کے بعد شرجیل اور عبداللہ کی مانند رائے دی۔ یاد رہے کہ یہ تینوں شخص عیسائی نہ تھے لیکن بہت دانشمند اور مخلص مانے جاتے تھے۔ جب ان معززین کی رائے معلوم ہوگئی تو اسقف نے پریشانی اور گھبراہٹ میں دستور کے مطابق ناقوس بجانے اور خوشبودار دھواں بلند کرنے کا حکم دیا۔ ناقوس کی آواز اور دھوئیں کے بلند ہونے پر تمام لوگ جمع ہوئے' تو اسقف نے پوری عیسائی آبادی کو بلایا۔ اور خط سنا کر مشورہ دریافت کیا۔ غور وفکر کے بعد متفقہ رائے یہ قرار پائی کہ شرجیل بن وداع ہمدانی' عبداللہ بن شرجیل اور جبار بن قیض حارثی کو مختار مجاز بنا کر مدینہ منورہ بھیجا جائے۔ اور جو فیصلہ مناسب سمجھیں کرائیں۔ وفد نجران دو دفعہ مدینہ طیبہ آیا۔ پہلا وفد رسول کریم ﷺ کا فرمان لے کر نجران لوٹا' تو اسقف کا چچیرا بھائی ابو علقمہ بشیر بن معاویہ یہ سن کر کہ رسول اللہ ﷺ نبی موعود ہیں راستے ہی سے پلٹ کر مدینہ منورہ پہنچا۔ اور رسول کریم ﷺ کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کرکے وہیں رہ پڑا۔ پھر اسقف اور نجران کے بڑے بڑے حاکم ساٹھ آدمیوں کا وفد لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' جن میں چودہ شخص ان کے سردار تھے جن کے نام تفسیر حقانی میں درج ذیل بیان ہوئے ہیں۔

(1) عاقب جس کا نام عبدالمسیح تھا' (2) سید جس کا نام ایہم تھا' (3) ابو حارثہ بن علقمہ جو بکر بن وائل کا بھائی تھا' (4) اویس بن حارث' (5) زید' (6) قیس' (7) یزید' (8) (9) یزید کے دونوں لڑکے (10) خویلد' (11) عمرو' (12) خالد' (13) عبداللہ' (14) محسن' یہ سب چودہ سردار تھے۔ لیکن پھر ان میں بڑے سردار تین شخص عاقب جو امیر قوم تھا اور عقلمند سمجھا جاتا تھا' اور صاحب مشورہ تھا۔ اور بغیر اس کی رائے کے نصاریٰ کوئی کام نہ کرتے تھے۔ دوسرا ایہم اور بقول بعض شرجیل تھا۔ جو ان کا لاٹ پادری تھا۔

اپنی قوم کا معتمد اعظم اور مالیات کا افسر اعلیٰ تھا۔ خورد ونوش اور رسدوں کے تمام انتظامات اسی کے حکم سے ہوتے تھے۔ تیسرا ابو حارثہ ابن علقمہ تھا۔ یہ شخص نصاریٰ کا مدرس اعلیٰ تھا۔ درحقیقت وہ ایک مرد عربی اور قبیلہ بنی بکر بن وائل سے تھا۔ لیکن بعد میں نصرانی بن گیا تھا' اور رومیوں کے ہاں اس کی بڑی آؤ بھگت تھی۔ اس کے لیے انہوں نے بڑے بڑے گرجے بنا دیئے تھے اور اس کے دین کی مضبوطی دیکھ کر

اس کی بہت کچھ خاطر مدارت اور خدمت و عزت کرتے تھے۔ یہ شخص حضور نبی کریم ﷺ کی صفت اور شان سے واقف تھا۔ اور اگلی کتابوں میں آپ کی صفتیں پڑھ چکا تھا۔ دل سے آپ کی نبوت کا قائل تھا۔ لیکن نصرانیوں میں حد درجہ اس کی تکریم و تعظیم تھی۔ اور وہاں اسے جو جاہ و منصب اور عزت و جلال حاصل تھا' اس کے چھن جانے کے خوف سے راہ حق کی طرف نہ آتا تھا۔ کیونکہ یہ نصاریٰ کے تمام علماء اور پادریوں کا پیشوائے اعظم تھا۔ اور سلاطین روم بھی اس کی بہت عزت کرتے تھے۔

یہ تمام لوگ عمدہ اور قیمتی پوشاکیں پہن کر بڑی شان و شوکت سے حضور سیّد عالم ﷺ سے مناظرہ کرنے کے قصد سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ابو حارثہ بن علقمہ کے خچر نے جس پر وہ سوار تھا' ٹھوکر کھائی' اور وہ گر پڑا۔ تو اس کے بھائی کرز نے کہا۔ جہاں کے لیے جا رہے ہیں' وہ بڑا (معاذ اللہ)...... ہے۔ ابو حارثہ نے کہا کہ تو کم بخت ہے۔ اس نے کہا بھائی صاحب یہ کیوں؟ اس نے کہا۔ کہ واللہ وہ شخص جس کے پاس ہم جا رہے ہیں۔ وہ نبی ہے' اور جس کا حضرت مسیح اور یوحنا کے عہد سے اب تک انتظار تھا۔ اور جس کی خبر موسیٰ نے تورات میں دی ہے۔ اور حضرت مسیح بھی مصلوبی کے وقت بشارت دے گئے تھے۔ کرز نے کہا۔ جب آپ یہ سب کچھ جانتے ہیں تو پھر اس کے دین کو قبول کیوں نہیں کر لیتے۔ ابو حارثہ نے کہا۔ بھائی اگر میں ایسا کروں گا تو جو کچھ بادشاہوں نے ہمیں دے رکھا ہے' سب واپس لے لیں گے۔ عزت و تکریم جاتی رہے گی۔ بہر حال نجران کے نصرانیوں کی یہ جماعت جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچی تو انہوں نے سفر کے کپڑے اتار ڈالے اور تکلف کے لباس پہن کر دامن جھاڑتے اور سونے کی انگوٹھیاں پہنے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور سلام کیا مگر آپ نے جواب نہ دیا' اور یہ لوگ بڑی دیر تک منتظر رہے کہ حضور ﷺ ہم سے کچھ کلام فرمائیں۔ مگر آپ نے کلام نہ کیا۔ پھر وہ لوگ چلے گئے۔ اور حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو تلاش کیا کہ ان دونوں سے کچھ شناسائی تھی۔ اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت علیؓ سے رابطہ قائم کیا اور کہا کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میری رائے یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے حلہ اور سونے کی انگوٹھیاں اتار کر اپنے سفری کپڑے پہن کر جائیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور جا کر حضور نبی کریم ﷺ کو سلام کیا۔ آپ نے ان کو جواب دیا۔ پھر فرمایا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے' اور جس نے مجھے رسول برحق بنا کر بھیجا کہ یہ لوگ پہلی مرتبہ میرے پاس آئے تو اس حال میں تھے کہ ابلیس ان کے ساتھ تھا۔ صحابہؓ فرماتے تھے کہ ان کے بعد ان جیسا باشوکت وفد کوئی نہیں آیا۔ محمد بن اسحاق نے محمد بن جعفر بن الزبیر سے روایت کی کہ یہ لوگ اس وقت حاضر ہوئے جب آپ مسجد نبوی میں نماز عصر ادا فرما رہے تھے۔ ان لوگوں کی نماز یا عبادت کا وقت بھی آ گیا۔ اور انہوں نے بھی مسجد شریف میں ہی جانب مشرق متوجہ ہو کر اپنی عبادت شروع کر دی۔ صحابہ کرامؓ منع کرنے لگے۔ مگر حضور اقدس ﷺ نے تالیف فرمائی اور توقع اسلام کو مد نظر رکھ کر ان سے تعرض کرنے سے منع فرمایا۔ عبادت کی فراغت کے بعد حضور نبی کریم ﷺ سے گفتگو شروع

کی۔ اور کہا کہ حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے اکلوتے بیٹے ہیں (نعوذ باللہ) مسیح کے خدا کا بیٹا ہونے کی دلیل تو ان کے پاس یہ تھی کہ وہ مردوں کو زندہ کر دیتا' اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دیتا تھا' غیب کی خبریں دیتا تھا اور مٹی کی چڑیا بنا کر پھونک مار کر اڑا دیا کرتے تھے۔ اور کہا کہ یہ خصوصیات خدا کے بیٹے کو ہی حاصل ہو سکتی ہیں۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ ایسے معجزات کمالات تو اس سے پہلے کئی انبیاء کرام کو عطا کیے گئے تھے۔ ان کے متعلق کیا خیال ہے؟ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اسلام قبول کر لو۔ کہنے لگے کہ ہم آپ سے پہلے اسلام لا چکے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ سب غلط ہے۔ یہ دعویٰ جھوٹا ہے۔ تمہیں ایمان لانے سے تمہارا دعویٰ روکتا ہے۔ کہ اللہ کے اولاد ہے۔ تمہاری صلیب پرستی تمہیں اس سے روکتی ہے' اور تمہارا خنزیر کھانا روکتا ہے۔ وہ لوگ حضور ﷺ سے کہنے لگے۔ آپ گمان کرتے ہیں کہ عیسیٰ اللہ کے بندے ہیں' فرمایا ہاں' اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں! یہ حقیقت سن کر بہت لال پیلے ہوئے۔ اور کہنے لگے یا محمدؐ' کیا تم نے بغیر باپ کا انسان دیکھا ہے۔ اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ (معاذ اللہ) انہوں نے کہا کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے بیٹے نہیں ہیں تو بتایئے کہ ان کا باپ کون تھا۔ اور سب کے سب بولنے لگے۔ حضور نبی کریم ﷺ اس پر خاموش رہے۔ اور سورۃ آل عمران کی شروع سے لے کر 80 کے اوپر اوپر تک کی ان آیات کے جواب میں نازل ہوئیں۔ پھر آپ نے فرمایا۔ کہ کیا تم نہیں جانتے کہ بیٹا باپ سے ضرور مشابہ ہوتا ہے۔ انہوں نے اقرار کیا۔ پھر فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا رب لا یموت ہے۔ اس کے لیے موت محال ہے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام پر موت آنے والی ہے' انہوں نے اس کا بھی اقرار کیا' پھر فرمایا۔ کہ کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا رب بندوں کا کارساز اور ان کا حافظ حقیقی ہے' اور روزی دینے والا ہے' انہوں نے کہا ہاں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی ایسے ہی ہیں تو کہنے لگے نہیں۔ فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ پر آسمان و زمین کی کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں۔ انہوں نے اقرار کیا۔ حضور علیہ التحیہ والثناء نے فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ حضرت عیسیٰ بغیر تعلیم الہٰی اس میں کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ انہوں نے کہا' ہاں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام محل میں رہے۔ پیدا ہونے والوں کی طرح پیدا ہوئے۔ بچوں کی طرح غذا دیئے گئے۔ کھاتے پیتے تھے' عوارض بشری رکھتے تھے اور پیشاب و پاخانہ کرتے تھے۔ ان سب سوالات کا جواب ان کے پاس ہاں ہاں کے سوا کچھ نہ تھا۔ فرمایا اللہ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی حالت آدم علیہ السلام کی حالت کی طرح ہے کہ رب تعالیٰ نے بغیر نطفے اور بغیر ماں باپ خشک مٹی سے ان کی صورت بنائی اور پھر ان سے کن فرمایا۔ تو وہ اچھے خاصے قوی اور توانا انسان بن گئے۔ اگر بغیر باپ خدا ہونے کی دلیل ہے تو کیا عیسائی آدم علیہ السلام کو بھی خدا مانیں گے؟ جب انہیں خدا نہیں مانتے' تو عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کیوں مانتے ہیں؟ آخر میں حضور انور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اگر یہ سب صحیح ہے اور تمہیں اقرار ہے تو بتاؤ کہ تمہارے اس خیال کی کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ ہیں' یا خدا کے بیٹے ہیں' کیا قیمت ہے؟ اس پر وہ سب حیران

وساکت اور سر بگریباں ہو گئے۔ اور ان سے کوئی جواب نہ بن آیا۔ باوجود اس کے کہ ان کے تمام شکوک و شبہات کا آپ نے تحقیقی اور حقیقی اور استدلالی جواب دے دیا۔ اور ایسے واضح اور روشن دلائل پیش فرمائے جن کے بعد کسی طالب حق کے لیے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ انہوں نے پھر بھی دعوت توحید کو قبول نہ کیا۔ اور اپنے عقیدہ تثلیث پر اُڑے رہے۔ تو آخر کار ان معاندین پر حجت قائم کرنے کے لیے آپ نے وہی کیا جو ایک سچا اور مخلص دیندار کرتا ہے۔ آپ نے فرمان خداوندی کے تحت عیسائیوں کو مباہلہ کی دعوت دے دی اور مندرجہ ذیل آیات پڑھ کر سنائیں کہ زبانی گفتگو تو بہت ہو چکی۔ اب آؤ ہم اور تم اپنے خاص عزیز و اقارب لے کر اپنے پروردگار سے ہی انتہائی خشوع وخضوع سے عرض کریں کہ اے الٰہی جو فریق ناحق ہو اس پر تیری لعنت ہو۔

ان مثل عیسیٰ عنداللہ کمثل آدم خلقه من تراب ثم قال له کن فیکونo الحق من ربک فلاتکن من الممترینo فمن حاجک فیه من بعد ماجاء ک من العلم فقل تعالوا ندع ابناء نا و ابناء کم ونساء نا و نساء کم وانفسنا وانفسکم ثم نبتهل فنجعل لعنت الله علی الکذبینo ان هذا لهوا القصص الحق وما من اله الا الله وان الله لهو العزیز الحکیم o فان تولوا فان الله علیم بالمفسدین o(سورۃ آلِ عمران:59 تا 63)

ترجمہ: ”بے شک مثال عیسیٰ (علیہ السلام) کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم (علیہ السلام) کی مانند ہے۔ بنایا اسے مٹی سے پھر فرمایا اسے ہو جا تو وہ ہو گیا (اے سننے والے) یہ حقیقت (کہ عیسیٰ علیہ السلام انسان ہیں) تیرے رب کی طرف سے (بیان کی گئی) پس تو نہ ہو جا شک کرنے والوں سے۔ پھر جو شخص جھگڑا کرے آپ سے اس بارے میں اس کے بعد کہ آ گیا آپ کے پاس یقینی علم تو آپ کہہ دیجئے کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو بھی اور تمہارے بیٹوں کو بھی اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی' اپنے آپ کو بھی اور تم کو بھی۔ پھر بڑی عاجزی سے (اللہ کے حضور) التجا کریں۔ پھر بھیجیں اللہ تعالیٰ کی لعنت جھوٹوں پر۔ بے شک یہی ہے واقعہ سچا۔ اور نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اور بے شک اللہ ہی غالب ہے اور حکمت والا ہے۔ پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے فساد برپا کرنے والوں کو۔“

یہ سن کر وہ کہنے لگے اے ابوالقاسم۔ ہمیں تین دن کی مہلت دی جائے۔ ہم اس معاملہ میں غور کر لیں۔ اور باہمی مشورہ سے آپ کو کوئی جواب دیں گے۔ چنانچہ ان کی یہ گذارش منظور کی گئی۔ اب تنہائی میں بیٹھ کر انہوں نے عاقب سے مشورہ لیا' جو بڑا دانا اور عقلمند سمجھا جاتا تھا۔ اس مجلس میں بنی نضیر

اور بنی قریضہ کو بھی شامل کیا گیا۔ عاقب نے اپنا حتمی فیصلہ ان الفاظ میں سنایا کہ اے جماعت نصاریٰ! تم نے یقین کے ساتھ یہ تو معلوم کر لیا کہ حضرت محمد ﷺ خدا تعالیٰ کے سچے رسول ہیں' اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ حضرت عیسیٰ کی حقیقت وہی ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کی زبانی تم سن چکے ہو۔ اور تمہیں بخوبی علم ہے کہ جو قوم نبی کے ساتھ "مباہلہ" کرتی ہے' نہ اس کے بڑے باقی رہتے ہیں' اور نہ چھوٹے بڑے ہوتے ہیں۔ بلکہ سب کے سب جڑ بنیاد سے اکھیڑ کر پھینک دیئے جاتے ہیں۔ یاد رکھو اگر تم نے مباہلہ کے لیے قدم بڑھایا تو تمہارا ستیاناس ہو جائے گا۔ پس یا تو تم اس دین اسلام کو قبول کر لو۔ اور اگر کسی طرح ماننا چاہتے ہی نہیں ہو تو اپنے دین پر اور حضرت عیسیٰ کے متعلق اپنے ہی خیالات پر قائم رہنا چاہتے ہو' تو حضور ﷺ سے صلح کر لو اور اپنے وطن کو لوٹ جاؤ۔ چنانچہ یہ مشورہ ہونے کے بعد یہ لوگ وقت مقررہ پر حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ ادھر سرور کائنات ﷺ اس طرح تشریف لائے کہ حضرت امام حسینؓ کو گود میں اٹھائے اور حضرت حسنؓ کو ہاتھ میں تھامے تشریف لا رہے ہیں' تاکہ مقام مباہلہ کی طرف چلیں۔ ان کے پیچھے سیّدنا حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ تشریف لا رہے ہیں۔ آپ نے ان سے فرمایا' کہ جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔ ان مقدس شخصیات کو دیکھ کر ابو حارہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "میں وہ صورتیں دیکھ رہا ہوں' کہ اگر وہ خدا سے دعا کریں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے تو بے شک ان کی دعا سے ٹل جائے گا۔ اس لیے تم ان سے مباہلہ نہ کرو' ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور رُوئے زمین پر قیامت تک کوئی عیسائی نہ رہے گا۔ اللہ کی قسم! تمہیں اس کی نبوت معلوم ہو چکی ہے اور وہ تمہارے صاحب (عیسیٰ) کے بارے میں قول فیصل لایا ہے۔ اللہ کی قسم۔ جس قوم نے پیغمبر سے مباہلہ کیا۔ وہ ہلاک اور نیست و نابود ہوگئی۔" اگر ہم نے ان سے مباہلہ کیا تو رُوئے زمین پر کسی نصرانی کا ایک بال یا ناخن بھی نظر نہ آوے گا۔ سب ہلاک ہوں گے۔" (مواہب الرحمٰن)

یہ سن کر عیسائی ڈر گئے اور مباہلہ کی جرأت نہ کر سکے۔ پھر انہوں نے آپ کی خدمت اقدس میں عرض کی کہ یارسول اللہ' ہم مباہلہ نہ کریں گے۔ آپ ہم سے عہد نامہ طے فرمالیں اور ہمیں اپنے دین پر رہنے دیں' آپ ہم پر لشکر کشی کریں نہ ہم کو خوف زدہ کریں۔ اس پر حضور نبی کریم ﷺ نے ان سے عدم جنگ اور جزیہ کی شرطوں پر صلح نامہ کر لیا' جس کی اہم دفعات مندرجہ ذیل تھیں۔

1- نجران کے تمام افلاک و احوال اور غلام سب اسلام کے محکوم ہیں۔ لیکن اہل اسلام نے اہل نجران پر فضل کیا اور یہ ساری چیزیں چھوڑ دیں۔

2- اہل نجران دو ہزار حلّے ہر سال ادا کریں گے۔ ایک ہزار ماہ رجب میں اور ایک ہزار ماہ صفر میں۔ حلہ کی قیمت ایک اوقیہ ہوگی۔

3- زرہیں' گھوڑے' اونٹ وغیرہ بھی اسی حساب سے لی جاسکتی ہیں۔

4- اہل اسلام کے قاصد کا قیام و طعام بذمہ اہل نجران ہوگا۔ قاصد کی مدت ایک ماہ سے زیادہ نہ ہوگی۔

5- اگر یمن میں کوئی جھگڑا ہو جائے تو اہلِ نجران پر لازم ہوگا کہ وہ اسلامی مملکت کو دفاع کی خاطر تیس زرہیں، تیس گھوڑے اور تیس اونٹ عاریہ دیں گے۔ ضائع ہو جانے کی صورت میں اسلامی مملکت ضمانت دے گی۔

6- اہل نجران کی جان، مذہب، اموال، جائیداد کے لیے اللہ کا جوار اور محمد رسول اللہ کی ذمہ داری ہوگی۔ بشرطیکہ موجودہ حالات میں کوئی تبدیلی نہ آئے۔

7- جاہلیت کے مقدمات میں ان پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔

8- ان پر کوئی حملہ ہوگا نہ کوئی فوج ان کے علاقہ میں جائے گی۔

9- حقوق کے معاملہ میں ظالم و مظلوم کے درمیان انصاف ہوگا۔

10- ایک شخص کو دوسرے کے ظلم کی پاداش میں نہ پکڑا جائے گا۔

11- ان تمام دفعات پر اللہ کا جوار اور محمد رسول اللہ کا ذمہ ہے۔

جب یہ دستاویز مکمل ہوگئی تو وفد نے کہا کہ آپ کے اور ہمارے درمیان معاملہ طے ہو چکا ہے۔ اور ہم نے آپ کی ساری باتیں مان لی ہیں، اب آپ اپنے اصحاب میں سے ایک شخص کو جسے آپ پسند فرماتے ہوں، بطور امین ہمارے ساتھ بھجوا دیں۔ حضور نے فرمایا۔ ہاں، میں تمہارے ساتھ مرد امین پورا امین بھیجوں گا۔ اس امارت کے واسطے رسول کریم ﷺ کے اصحاب سب سامنے منتظر ہوئے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے ابو عبیدہ بن الجراح تو اٹھ۔ اور جب ابو عبیدہ اٹھے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ یہ اس امت کا امین ہے۔ (مسلم شریف، ترمذی شریف)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ابو جہل مردود نے کہا کہ اگر میں محمد (ﷺ) کو کعبہ کے پاس نماز پڑھتے دیکھوں گا، تو آ کر اس کی گردن روندوں گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر وہ خبیث ملعون ایسا کرتا تو آنکھوں دیکھتے فرشتے اس کو عذاب الیم میں جکڑ لیتے۔ اور اگر ایسا ہوتا کہ یہود موت کی تمنا کرتے تو مرتے اور دوزخ کے اپنے اپنے ٹھکانے دیکھ لیتے۔ اور اگر وہ لوگ جو نبی کریم ﷺ سے مباہلہ کرنے کے لیے آئے تھے، میدان میں نکلتے تو اپنا مال اور اہل کچھ نہ پاتے۔ (بخاری، ترمذی، نسائی)

حضور سیّد عالم ﷺ نے فرمایا کہ اس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ نجران والوں پر عذاب قریب آچکا تھا۔ اگر وہ مباہلہ کرتے تو سؤروں اور بندروں کی شکل میں مسخ کر دیئے جاتے۔ اور جنگل آگ سے بھڑک اٹھتا۔ نجران اور وہاں کے رہنے والوں پر انسان تو انسان درختوں کے اوپر چڑیاں بھی نہ بچتیں۔ ایک سال کے عرصہ میں تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے۔ (روح المعانی و کبیر) صحیح بخاری اور ترمذی شریف میں ہے کہ جن نصرانیوں کو مباہلہ کی دعوت دی گئی اگر وہ نبی کریم ﷺ سے مباہلہ کے لیے نکلتے تو لوٹ کر اپنے مالوں اور بال بچوں کو نہ پاتے۔ (ابن کثیر)

روح المعانی جلد اوّل صفحہ 406 میں ہے کہ ابن عساکر نے امام جعفر الصادق سے اور انہوں نے اپنے والد محترم سے مندرجہ بالا آیات کے متعلق روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر

صدیقؓ کو بھی مع ان کی اولاد کے بلالیا تھا اور حضرت عمر کو بھی مع ان کی اولاد کے اور حضرت عثمانؓ کو بھی مع ان کی اولاد کے اور حضرت علیؓ کو بھی مع ان کی اولاد کے۔ ابن سعد کی روایت میں ہے کہ عبدالمسیح جو عاقب کے نام سے مشہور تھا اور سید جس کا نام الہیم تھا۔ کچھ دیر بعد جلد مدینہ آئے اور حضور نبی کریم ﷺ کے دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

بعض لوگوں نے یہاں یہ ثابت کرنے کی بے جا کوشش کی ہے کہ آقائے دو جہاں محمد مصطفی ﷺ کی صرف ایک صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہرہؓ ہی تھیں۔ ورنہ دوسری صاحبزادیاں بھی اس روز مباہلہ میں شرکت کرتیں۔ ان حضرات کی خدمت میں عرض ہے اور تاریخ کی تمام معتبر کتابوں میں درج ہے کہ نبی کریم ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ اور مباہلہ کے دن خاتون جنت حضرت فاطمہ الزہرہؓ کا ایسے تشریف لانا اس لیے تھا کہ باقی صاحبزادیاں انتقال فرما چکی تھی۔ حضرت رقیہؓ نے 2ھ میں، حضرت زینبؓ نے 8ھ میں اور حضرت ام کلثومؓ نے 9ھ میں انتقال فرمایا۔ اور یہ واقعہ 10ھ کا ہے۔

مندرجہ بالا واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں کی ہمت عین وقت پر جواب دے گئی اور عافیت اسی میں نظر آئی کہ جزیہ دے کر اور ذمی رعایا بن کر اسلام کی حکومت میں رہنا گوارا کرلیا جائے۔ سرولیم میور، مسلمان نہیں کافر ہیں۔ اپنے نہیں بیگانے ہیں معتقد نہیں، منتقد ہیں۔ انیسویں صدی کے عیسائی تھے۔ اور محض عیسائی ہی نہیں بلکہ مشنری بھی تھے۔ اور جن کے سر کے بال اسلام کی عداوت ہی میں سفید ہوئے۔ ان کے قلم سے ملاحظہ ہو۔ ''اس سارے واقعہ میں محمد ﷺ کے ایمان کی پختگی بالکل نمایاں ہے۔ نیز اس کے عقیدہ کی شہادت کہ ان کا تعلق عالم غیب سے جڑا ہوا ہے۔ اور اسی لیے حق بھی انہی کے ساتھ ہے۔ اور آنحالیکہ ان کے خیال میں عیسائیوں کے پاس بجز ظن وتخمین کے اور کچھ نہ تھا۔

(میور کی لائف آف محمد صفحہ 260، تفسیر ماجدی)

اس طرح یہ بات تمام عرب کے سامنے کھل گئی کہ نجرانی عیسائیت کے پیشوا اور پادری جن کے تقدس کا سکہ دُور دُور تک رواں ہے، دراصل ایسے عقائد کی اتباع کر رہے ہیں جن کی صداقت پر انہیں اعتماد نہیں ہے۔ نصاریٰ کا اس طرح مباہلہ سے گریز صاف بتا رہا ہے کہ اعدائے اسلام بھی حضور اقدس ﷺ کی دعا کی اجابت کے قائل تھے۔ اس مباہلہ سے ایک اور بڑا نتیجہ یہ نکلا کہ اگر (نعوذ باللہ) اسلام خدا کی طرف سے نہ ہوتا اور دانائے سبل، مولائے کل، ختم الرسل محمد مصطفی ﷺ برحق نہ ہوتے، تو ہرگز اپنے دعویٰ پر خدا کے حضور جھوٹے پر لعنت اور غضب الٰہی نازل ہونے کی بددعا کرنے کا حوصلہ اور جرأت نہ کرسکتے۔ کیا کوئی اپنی چالاکی سے خدا کو بھی دھوکا دے سکتا ہے، اگر ایسا ہوسکتا ہے تو پھر عیسائی علماء کیوں دعا مانگنے کی جرأت نہ کرسکے۔


بائبل کے
اہم مضامین کا
تنقیدی جائزہ

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ

بائبل کے جھوٹے واقعات

یہ بات سمجھنے کے بعد اب ہم کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک عہدِ عتیق اور جدید میں درج شدہ کوئی واقعہ منسوخ نہیں ہے البتہ ان میں سے بعض واقعات قطعی جھوٹے ہیں مثلاً یہ کہ:

1. لوط علیہ السلام نے اپنی دو بیٹیوں سے زنا کیا تھا' اور ان دونوں کو اپنے باپ کا حمل رہ گیا' جس کی تصریح پیدائش باب 19 میں موجود ہے:
2. یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہودا نے اپنے بیٹے کی بیوی تمر سے زنا کیا اور اس کو حمل رہ گیا' اور اس سے دو جڑواں لڑکے فارص اور زارح پیدا ہوئے جس کی تصریح کتاب مذکور کے باب 38 میں موجود ہے' حالانکہ داؤدؑ' سلیمانؑ اور عیسیٰؑ سب کے سب اسی فارص کی اولاد سے ہیں' جس کی تصریح انجیل متیٰ باب اول میں ہے۔
3. داؤد علیہ السلام نے اُوریا کی بیوی سے زنا کیا تھا' اور وہ ان سے حاملہ ہوئیں' پھر داؤدؑ نے اس کے شوہر کو دھوکہ اور فریب سے مروایا' اور اس کی بیوی کو اپنی بیوی بنا لیا' جس کی تصریح سموئیل ثانی باب 11 میں موجود ہے۔
4. سلیمان علیہ السلام اپنی آخری عمر میں مرتد ہو گئے تھے' اور مرتد ہونے کے بعد بت پرستی کرتے رہے' اور بت خانے تعمیر کیے' جس کی صریح سلاطین اول باب 11 میں موجود ہے۔
5. ہارون علیہ السلام نے گوسالہ پرستی کے لیے عبادت گاہ بنائی تھی اور خود بھی بچھڑے کی پوجا کی' اور بنی اسرائیل کو بھی گوسالہ پرستی کا حکم دیا' جس کی تصریح سفرِ خروج باب 32 میں موجود ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ تمام واقعات قطعی باطل اور جھوٹے ہیں۔ ہم ان کو منسوخ نہیں مان سکتے' اسی طرح امور قطعیہ' حسیہ یا عقلیہ اور احکام واجبہ واحکام مؤبدہ اور احکامِ وقتیہ کا اپنے مقررہ وقت سے قبل منسوخ ہونا' اور وہ احکامِ مطلقہ جن میں زمانہ اور مکلف اور صورت ایک ہی ہو'ان میں سے کسی میں بھی نسخ ممکن نہیں کہ قباحت لازم آئے۔ اسی طرح دعائیں منسوخ نہیں ہوسکتیں' اسی طرح وہ زبور جو خالص دعاؤں کا مجموعہ ہے اصطلاحی معنی کے لحاظ سے منسوخ نہیں ہے' اور نہ ہم یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں

کہ وہ توریت کے لیے...... ناسخ تھی اور خود انجیل سے منسوخ ہوگئی' جب کہ میزان الحق کے مصنف نے مسلمانوں پر یہی بہتان باندھا ہے' اور کہا ہے کہ اس کی تصریح مسلمانوں کے قرآن اور تفسیروں میں پائی جاتی ہے۔

اور ہم نے زبور اور دوسری عہد عتیق و جدید کی کتابوں پر عمل کرنے سے جو انکار کیا ہے وہ اس لیے کہ یہ سب کتابیں اسانید متصلہ کے نہ پائے جانے اور تحریف لفظی کی تمام قسموں کے ان کتابوں میں واقع ہونے کی وجہ سے یقینی طور پر مشکوک ہیں' جیسا کہ باب 2 میں معلوم ہوگیا ہے اور مذکورہ احکام کے علاوہ دوسرے ''احکامِ مطلقہ'' جن میں نسخ کی صلاحیت موجود ہے' ان میں نسخ ممکن ہے۔

پس ہم اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ توریت و انجیل کے وہ بعض احکام جن میں نسخ کی صلاحیت ہے شریعت محمدیہؐ میں منسوخ ہیں' ہمارا یہ دعویٰ ہر گز نہیں کہ توریت و انجیل کے جملہ احکام منسوخ ہیں' ہمارا دعویٰ ہر گز نہیں کہ توریت و انجیل کے جملہ احکام منسوخ ہیں' اور یہ بات کس طرح ہو سکتی ہے جبکہ توریت کے بعض احکام یقیناً منسوخ نہیں ہیں' مثلاً:

جھوٹی قسم' قتل' زنا' لواطت' چوری'' جھوٹی شہادت' پڑوسی کے مال میں خیانت کرنے' اور اس کی آبرو میں خیانت کرنے کی حرمت' والدین کی تعظیم کا واجب ہونا' باپ دادا بیٹوں' ماؤں' بیٹیوں' چچاؤں' پھوپھیوں' ماموؤں' خالاؤں سے نکاح کا حرام ہونا' اور دو حقیقی بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت وغیرہ بے شمار احکام ہیں' جو یقینی طور پر غیر منسوخ ہیں۔

ایس طرح انجیل کے بعض احکام یقیناً منسوخ نہیں ہوئے' مثلاً انجیل مرقس باب 12 فقرہ 29 میں یوں ہے کہ:

> ''یسوع نے جواب دیا کہ اول یہ ہے کہ اے اسرائیل سن' خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے' اور تو خداوند اپنے خدا سے' اپنے سارے دل' اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور ساری اپنی طاقت سے محبت رکھ۔ دوسرا یہ کہ تو اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ' ان سے بڑا کوئی اور حکم نہیں۔'' (فقرات 29 تا 31)

یہ دونوں حکم ہماری شریعت میں بھی بڑی تاکید کے ساتھ موجود ہیں' اور منسوخ ہر گز نہیں ہیں' اور پھر بات یہ ہے کہ نسخ کوئی ہماری شریعت کے ساتھ تو مخصوص نہیں ہے بلکہ گذشتہ شریعتوں میں بھی کثرت سے اپنی دونوں قسموں سمیت پایا جاتا ہے' یعنی ایک وہ نسخ کہ جو کسی نئے نبی کی شریعت میں کسی پہلے نبی کی شریعت کے حکم کی نسبت ہو' اور دوسرا وہ نسخ جو خود اسی نبی کی شریعت کے کسی سابقہ حکم کی نسبت جاری ہو' ان دونوں قسم کے نسخ کی مثالیں عہد عتیق و جدید دونوں میں بے شمار موجود ہیں۔ ہم اس جگہ صرف بعض مثالوں پر اکتفاء کرتے ہیں' پہلی قسم کے نسخ کی مثالیں حسب ذیل ہیں۔

کتب مقدسہ میں نسخ کی پہلی قسم

بھائی بہنوں میں شادی پہلی مثال

آدم علیہ السلام کے عہد میں بھائی بہنوں کے درمیان شادیاں ہوئیں' ابراہیم علیہ کی بیوی سارہ بھی ان کی علاتی بہن (یعنی باپ شریک) تھیں' جیسا کہ ابراہیمؑ کے اس قول سے جو پیدائش باب 20 فقرہ 12 میں درج ہے' سمجھ میں آتا ہے' فقرہ مندرجہ ذیل ہے:۔

''اور فی الحقیقت وہ میری بہن بھی ہے' کیونکہ وہ میرے باپ کی بیٹی ہے' اگرچہ میری ماں کی بیٹی نہیں' پھر وہ میری بیوی ہوئی۔''

حالانکہ بہن سے نکاح کرنا خواہ وہ حقیقی سگی بہن ہو' یا صرف باپ شریک ہو' یا صرف ماں شریک ہو' مطلقاً حرام اور زنا کے برابر ہے' اور نکاح کرنے والا ملعون ہے' اور ایسے میاں بیوی کو قتل کر دینا واجب ہے' چنانچہ کتاب احبار باب 18 فقرہ 9 میں کہا گیا ہے کہ:

''تو اپنی بہن کے بدن کو چاہے وہ تیرے باپ کی بیٹی ہو چاہے تیری ماں کی اور خواہ وہ گھر میں پیدا ہوئی ہو' خواہ کہیں اور بے پردہ نہ کرنا۔''

ڈی آکلی اور رچرڈ مینٹ کی تفسیر میں اس کی شرح کے ذیل میں یوں کہا گیا ہے کہ:

''اس قسم کا نکاح زنا کے برابر ہے''

نیز کتاب احبار ہی کے باب 20 فقرہ 17 میں کہا گیا ہے کہ:

اور اگر کوئی مرد اپنی بہن کو جو اس کے باپ کی یا اس کی ماں کی بیٹی ہو' لے کر اس کا بدن دیکھے تو یہ شرم کی بات ہے۔ وہ دونوں اپنی قوم کے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے قتل کیے جائیں' اس نے اپنی بہن کے بدن کو بے پردہ کیا' اس کا گناہ اسی کے سر لگے گا۔''

نیز کتاب استثناء باب 27 فقرہ 22 میں کہا گیا ہے کہ:

لعنت اس پر جو اپنی بہن سے مباشرت کرے' خواہ وہ اس کے باپ کی بیٹی ہو خواہ ماں کی' اور سب لوگ کہیں آمین۔''

اب اگر آدم علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کی شریعتوں میں اس قسم کے نکاح کو جائز نہ مانا جائے تو تمام انسانوں کا زنا کی اولاد ہونا اور شادی کرنے والوں کا زانی ہونا اور واجب القتل ہونا اور ملعون ہونا لازم آتا ہے' پھر انبیاء علیہ السلام کی شان میں ان باتوں کا کیونکر تصور کیا جا سکتا ہے' اس سے لا محالہ یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ ایسا نکاح دونوں کی شریعت میں جائز تھا' پھر منسوخ ہو گیا۔

عربی مترجم کی تحریف

عربی ترجمہ مطبوعہ 1811ء کے مترجم نے پیدائش باب 20 فقرہ 12 کا ترجمہ کس دلیری اور بے باکی سے یوں بگاڑ کر کیا ہے کہ:

"یہ میرے باپ کی رشتہ دار ہے نہ کہ میری ماں کی۔"

ظاہر یہی ہے کہ یہ تحریف جان بوجھ کر اس لیے کی گئی ہے کہ سارہ کے نکاح کے اعتبار سے نسخ لازم نہیں آسکے، کیونکہ باپ کی رشتہ دار میں چچا کی بیٹی پھوپھی کی بیٹی اور دوسری عورتیں بھی ہو سکتی ہیں۔

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ

بائبل کی چند خلافِ عقل باتیں

پہلی مثال

کتاب پیدائش باب 30 فقرہ 37 میں ہے:

''اور یعقوب نے سفیدہ اور بادام اور چنار کی ہری ہری چھڑیاں لیں' اور ان کو چھیل چھیل کر اس طرح گنڈے دار بنا لیا کہ ان چھڑیوں کی سفیدی دکھائی دینے لگی' اور اس نے وہ گنڈے دار چھریاں بھیڑ بکریوں کے سامنے حوضوں اور نالیوں میں جہاں وہ پانی پینے آتی تھیں کھڑی کر دیں (اور) (اظہار الحق میں یہاں یہ عبارت ہے: ''تا کہ جب وہ پانی پینے آئیں تو گابھن ہو جائیں'') جب وہ پانی پینے آئیں سو گابھن (ہو گئیں) اور ان چھڑیوں کے آگے گابھن ہونے کی وجہ سے انہوں نے دھاری دار چتلے اور ابلق (یعنی چتلے) بچے دیئے' اور یعقوب نے بھیڑ بکریوں کے ان بچوں کو الگ کیا' اور لابن کی بھیڑ بکریوں کے منہ دھاری دار اور کالے بچوں کی طرف پھیر دیئے' اور اس نے اپنے ریوڑوں کو جدا کیا' اور لابن کی بھیڑ بکریوں میں ملنے نہ دیا' اور جب مضبوط بھیڑ بکریاں گابھن ہوتی تھیں تو یعقوب چھڑیوں کو نالیوں میں ان کی آنکھوں کے سامنے رکھ دیتا تھا' تا کہ وہ ان چھڑیوں کے آگے گابھن ہوں' پر جب بھیڑ بکریاں دبلی ہوتیں تو وہ ان کو وہاں نہیں رکھتا تھا' سو دبلی تو لابن کی رہیں' اور مضبوط یعقوب کی ہو گئیں' چنانچہ وہ نہایت بڑھتا گیا' اور اس کے پاس بہت سے ریوڑ اور لونڈیاں اور نوکر چاکر اور اونٹ گدھے ہو گئے'' (فقرات 37 تا 43)

سنا آپ نے! آج تک تو یہ سنا جاتا تھا کہ اولاد رنگ و روپ میں عام طور پر اپنے ماں باپ اور آباؤ اجداد کے مشابہ اور ان کے ہمرنگ ہوتی ہے' یہ بالکل نیا تجربہ ہے کہ سامنے کھڑی ہوئی لکڑیوں کو

دیکھنے کا اثر حاملہ جانور کے بچے پر یہ ہو کہ وہ بھی اس کا ہمرنگ ہو جائے' اس کا تو تصور بھی کوئی عاقل نہیں کرسکتا' اور اگر اس اصول کو مان لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ موسم ربیع میں پیدا ہونے والے تمام بچے رنگ کے لحاظ سے سبز ہوں۔

دوسری مثال

کتاب احبار باب 13 فقرہ 46 میں ہے کہ:

''اور وہ کپڑا بھی جس میں کوڑھ کی بلا ہو خواہ وہ اُون کا ہو یا کتان کا' اور وہ بلا بھی خواہ کتان یا اون کے کپڑے کے تانے میں یا اس کے بانے میں ہو' یا وہ چمڑے میں ہو یا چمڑے کی کسی بنی ہوئی چیز میں ہو' اگر وہ بلا کپڑے میں یا چمڑے میں یا کپڑے کے تانے میں یا بانے میں یا چمڑے کی کسی چیز میں سبزی مائل یا سرخی مائل رنگ کی ہو تو وہ کوڑھ کی بلا ہے' اور کاہن کو دکھائی جائے اور کاہن اس بلا کو دیکھے' اور اس چیز کو جس میں وہ بلا ہے سات دن تک بند رکھے' اور ساتویں دن اس کو دیکھے' اگر وہ بلا کپڑے کے تانے میں یا بانے میں یا چمڑے پر یا چمڑے کی بنی ہوئی کسی چیز پر پھیل گئی ہو تو وہ کھا جانے والا کوڑھ ہے اور ناپاک ہے' اور اس اون یا کتان کے کپڑے کو جس کے تانے میں یا بانے میں وہ بلا ہے یا چمڑے کی اس چیز کو جس میں وہ بلا ہے' یا چمڑے کی اس چیز کو جس میں وہ ہے جلا دے' کیونکہ یہ کھا جانے والا کوڑھ ہے' وہ آگ میں جلایا جائے' اور اگر کاہن دیکھے کہ وہ بلا کپڑے کے تانے میں یا بانے میں یا چمڑے کی کسی چیز میں پھیلی ہوئی نظر نہیں آتی' تو کاہن حکم کرے کہ اس چیز کو جس میں وہ بلا ہے دھوئیں اور وہ پھر اسے اور سات دن تک بند رکھے' اور اس بلا کے دھوئے جانے کے بعد کاہن پھر اسے ملاحظہ کرے' اور اگر دیکھے کہ اس بلا کا رنگ نہیں بدلا اور وہ پھیلی بھی نہیں ہے تو وہ ناپاک ہے تو اس کپڑے کو آگ میں جلا دینا' کیونکہ وہ کھا جانے والی بلا ہے' خواہ اس کا فساد اندرونی ہو یا بیرونی' اور اگر کاہن دیکھے کہ دھونے کے بعد اس بلا کی چمک کم ہوگئی ہے تو وہ اسے اس کپڑے سے یا چمڑے سے' تانے یا بانے سے پھاڑ کر نکال پھینکے' اور اگر وہ بلا پھر بھی کپڑے کے تانے یا بانے میں یا چمڑے کی چیز میں دکھائی دے تو وہ پھوٹ کر نکل رہی ہے' بس تو اس چیز کو جس میں وہ بلا ہے آگ میں جلا دینا' اور اگر اس کپڑے کے تانے یا بانے میں سے یا چمڑے کی چیز میں سے جسے تو نے دھویا ہے وہ بلا جاتی رہے' تو وہ چیز دوبارہ دھوئی جائے اور وہ پاک ٹھہرے گی' اُورن یا کتان

کے تانے یا بانے میں یا چمڑے کی کسی چیز میں اگر کوڑھ کی بلا ہو تو اسے پاک یا ناپاک قرار دینے کے لیے شرع یہی ہے۔" (فقرات 46 تا 58)

غور کیجئے! یہ احکام کہاں تک عقل کے مطابق ہیں؟ سوائے اس کے کہ ان کو اوہام کا نتیجہ قرار دیا جائے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ کیا اس قسم کے بے ہودہ وساوس کی بناء پر قیمتی کپڑوں اور چمڑوں کا جلانا مناسب ہو سکتا ہے؟

تیسری مثال

کتاب احبار باب 14 فقرہ 34 میں ہے:

"جب تم ملک کنعان میں جسے میں تمہاری ملکیت کیے دیتا ہوں داخل ہو اور میں تمہارے میراثی ملک کے کسی گھر میں کوڑھ کی بلا بھیجوں تو اس گھر کا مالک جا کر کاہن کو خبر دے کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس گھر میں کچھ بلا سی ہے۔ تب کاہن حکم کرے کہ اس سے پیشتر کہ اس بلا کر دیکھنے کے لیے کاہن وہاں جائے لوگ اس گھر کو خالی کریں، تاکہ جو کچھ گھر میں ہو وہ ناپاک نہ ٹھہرایا جائے۔ اس کے بعد کاہن گھر دیکھنے کو اندر جائے اور اس بلا کو ملاحظہ کرے اور اگر دیکھے کہ وہ بلا اس گھر کی دیواروں میں سبزی یا سرخی مائل گہری لکیروں کی صورت میں ہے، اور دیوار میں سطح کے اندر نظر آتی ہے تو کاہن گھر سے باہر نکل کر گھر کے دروازے پر جائے اور گھر سات دن کے لیے بند کر دے۔ اور وہ ساتویں دن پھر آ کر اسے دیکھے اگر وہ بلا گھر کی دیواروں میں پھیلی ہوئی نظر آئے تو کاہن حکم دے کہ ان پتھروں کو جن میں وہ بلا ہے نکال کر انہیں شہر کے باہر کسی ناپاک جگہ میں پھینک دیں، پھر وہ اس گھر کو اندر ہی اندر چاروں طرف سے کھرچوائے اور اس کھرچی ہوئی مٹی کو شہر کے باہر کسی ناپاک جگہ میں ڈالیں، اور وہ ان پتھروں کی جگہ اور پتھر لے کر لگائیں، اور کاہن تازہ گارے سے اس گھر کی استرکاری کرائے، اور اگر پتھروں کے نکالے جانے اور اس گھر کے کھرچے اور استرکاری کرائے جانے کے بعد بھی وہ بلا پھر آ جائے اور اس گھر میں پھوٹ نکلے تو کاہن اندر جا کر ملاحظہ کرے اور اگر دیکھے کہ وہ بلا گھر میں پھیل گئی ہے، تو اس گھر میں کھا جانے والا کوڑھ ہے، وہ ناپاک ہے، تب وہ اس گھر کو اس کے پتھروں اور لکڑیوں، اور اس کی ساری مٹی کو گرا دے، اور وہ ان کے شہر کے باہر نکال کر کسی ناپاک جگہ میں لے جائے، ماسوا اس کے اگر کوئی اس گھر کے بند کر دیئے جانے کے دنوں میں اس کے اندر داخل ہو تو وہ شام تک ناپاک رہے گا،

اور جو کوئی اس گھر میں جائے وہ اپنے کپڑے دھو ڈالے اور جو کوئی اس گھر میں کچھ کھائے وہ بھی اپنے کپڑے دھوئے اور اگر کاہن اندر جا کر ملاحظہ کرے اور دیکھے کہ گھر کی استرکاری کے بعد وہ بلا اس گھر میں نہیں پھیلی تو وہ اس گھر کو پاک قرار دے کیونکہ وہ بلا دور ہو گئی" (فقرات 34 تا 48)

یہ احکام بھی سراسر اوہام کا نتیجہ اور ضعیف الاعتقادی کا کرشمہ ہیں' کیا بڑی بڑی عالی شان کوٹھیاں اور قیمتی بلڈنگیں محض اس قسم کے لایعنی اور مہمل وساوس کی وجہ سے گرائے جا سکتے ہیں؟ جو مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور اور بے اصل ہیں' کیا موجودہ زمانے کے یورپ کے عقلاء اور حکماء اس امر کو مان سکتے ہیں' کہ کوئی کپڑا یا چمڑا یا مکان برص کی بیماری میں مبتلا ہو اور اس کا جلانا یا گرانا مناسب ہو؟

چوتھی مثال

اور کتاب احبار باب 15 فقرہ 12 میں ہے:

"اور مٹی کے جس برتن کو جریان کا مریض چھوئے وہ توڑ ڈالا جائے' پر چوبی برتن پانی سے دھویا جائے۔"

آگے فقرہ 16 میں ہے:

"اور اگر کسی مرد کی دھات بہتی ہو تو وہ پانی میں نہائے اور شام تک ناپاک رہے۔"

اور فقرہ 23 میں ہے:

"اور اگر اس کا خون اس کے بستر پر یا جس چیز پر وہ بیٹھی ہو اس پر لگا ہوا ہو اور اس وقت کوئی اس چیز کو چھوئے تو وہ شام تک ناپاک رہے' اور اگر مرد اس کے ساتھ صحبت کرے اور اس کے حیض کا خون اسے لگ جائے تو وہ سات دن تک ناپاک رہے گا' اور ہر ایک بستر جس پر وہ مرد سوئے گا ناپاک ہوگا۔"

(فقرات 23' 24)

غور کیجئے پہلی صورت میں مٹی کے برتن کے توڑنے کا حکم سراسر اضاعت مال کا سبب ہے' اور یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ اس کو ہاتھ لگا دینے سے کوئی چیز اس کے اندر کس طرح داخل ہو گئی؟ اور بالفرض اگر اس میں نجاست اثر کر گئی' تو اس کو پانی سے دھونے کے حکم پر اکتفاء کیوں نہ کیا گیا؟ جس طرح لکڑی اور تانبے کا حکم ہے' دوسرے حکم میں یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ رات تک ناپاک رہے گا' جبکہ سارے بدن کو پانی سے دھولیا گیا' تیسرے حکم میں بھی اشکال ہے' اس لیے کہ بظاہر چھونے والے کے جسم میں اس کپڑے کو ہاتھ لگانے سے جس پر کوئی حائضہ بیٹھ گئی کوئی چیز کیسے گھس گئی' اور اگر بالفرض گھس گئی تو کپڑوں اور تمام جسم کو دھولینے کے باوجود اس کے رات تک ناپاک رہنے کا کیا مطلب ہوسکتا ہے؟ اور یہ بات حیرت انگیز ہے کہ اگر کوئی شخص بیوی سے صحبت کرے یا احتلام ہو جانے کی وجہ سے جنبی

ہو جائے تو اس پر کپڑوں کو دھونا واجب نہ ہو بلکہ محض بدن کا دھونا کافی ہو سکتا ہے اور یہاں محض کپڑوں کو ہاتھ لگانے کے نتیجہ میں اپنے تمام کپڑے ناپاک ہو جائیں اور چوتھا حکم تو پچھلے تینوں حکموں سے زیادہ تعجب انگیز ہے کیونکہ ایک شخص محض حیض کی چیز کے لگ جانے کی وجہ سے خود حائضہ کے حکم میں ہو جائے اور جس طرح وہ ایک ہفتہ تک ناپاک رہتی ہے یہ شخص بھی پورا ایک ہفتہ ناپاک رہے نیز حائضہ اور مستحاضہ کے سلسلے میں ان کے یہاں جو عجیب وغریب سختیاں ہیں ان کا ذکر بھی اسی باب میں موجود ہے۔

ان احکام کے پیش نظر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس وقت دنیا میں عیسائیوں سے زیادہ ناپاک اور گندی قوم کوئی دوسری نہیں ہوگی کیونکہ یہ لوگ اپنے یہاں کی پاکی کے احکام کو قطعاً نظر انداز کیے ہوئے ہیں اور کوئی عیسائی ان کا قطعی لحاظ نہیں رکھتا۔

پانچویں مثال

کتاب احبار باب 16 فقرہ 7 میں ہے:

"پھر ان دونوں بکروں کو لے کر ان کو خیمہ اجتماع کے دروازے پر خداوند کے حضور کھڑا کرے اور ہارون ان دونوں بکریوں پر چٹھیاں ڈالے ایک چٹھی خداوند کے لیے اور دوسری (عزازیل) کے لیے ہو اور جس بکرے پر خداوند کے نام کی چٹھی نکلے اسے ہارون لے کر خطا کی قربانی کے لیے چڑھائے لیکن جس بکرے پر (عزازیل) کے نام کی چٹھی نکلے وہ خداوند کے حضور زندہ کھڑا کیا جائے تاکہ اس سے کفارہ دیا جائے اور وہ (عزازیل) کے لیے بیابان میں چھوڑ دیا جائے"

یہ حکم بھی عجیب وغریب ہے اور بکری کو عزرائیل (عزرائیل نہیں موجودہ تراجم کے مطابق "عزازیل کے نام پر" واضح رہے کہ عزازیل ابلیس کا نام ہے) کے لیے قربانی بنا کر جنگل میں چھوڑ دینے کا مطلب قطعی سمجھ میں نہیں آتا یقیناً یہ غیر اللہ کے لیے قربانی ہوئی ہم نے ہندوستان کے مشرکین کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے بتوں کے نام پر بیلوں کو چھوڑ دیا کرتے ہیں مگر وہ لوگ ان بیلوں کو بازاروں میں چھوڑتے ہیں نہ کہ جنگل میں تاکہ بھوکے پیاسے نہ مر جائیں۔

چھٹی مثال

کتاب استثناء باب 25 فقرہ 5 میں ہے:

"اگر کئی بھائی مل کر ساتھ رہتے ہوں اور ایک ان میں سے بے اولاد مر جائے تو اس مرحوم کی بیوی کسی اجنبی سے بیاہ نہ کرے بلکہ اس کے شوہر کا بھائی اس کے

پاس جا کر (اپنے بھائی کی کھیتی کو قائم کرے) اور اس عورت کو جو پہلا بچہ ہو وہ اس آدمی کے مرحوم بھائی کے نام کا کہلائے' تاکہ اس کا نام اسرائیل میں سے مٹ نہ جائے۔

اور اگر وہ آدمی اپنی بھاوج سے بیاہ نہ کرنا چاہے تو اس کی بھاوج پھاٹک پر بزرگوں کے پاس جائے اور کہے میرا دیور اسرائیل میں اپنے بھائی کا نام بحال رکھنے سے انکار کرتا ہے' اور میرے ساتھ دیور کا حق ادا کرنا نہیں چاہتا' تب اس شہر کے بزرگ اس آدمی کو بلوا کر اسے سمجھائیں' اور اگر وہ اپنی بات پر قائم رہے اور کہے کہ مجھ کو اس سے بیاہ کرنا منظور نہیں تو اس کی بھاوج بزرگوں کے سامنے اس کے پاس جا کر اس کے پاؤں سے جوتی اُتارے اور اس کے منہ پر تھوک دے' اور یہ کہے کہ جو آدمی اپنے بھائی کا گھر آباد نہ کرے اس سے ایسا ہی کیا جائے گا' تب اسرائیلیوں میں اس کا نام یہ پڑ جائے گا کہ یہ اس شخص کا گھر ہے جس کی جوتی اتاری گئی تھی۔'' (فقرات 5 تا 10)

یہ حکم بھی نہایت عجیب ہے' کیونکہ مرنے والے کی بیوی ممکن ہے اندھی ہو' یا کانی ہو' یا لنگڑی ہو' یا بدصورت اور بدشکل ہو' یا پاکدامن نہ ہو' یا اور کسی عیب میں ملوث ہو تو ایسی عورت کو کوئی کیسے قبول کر سکتا ہے؟ اور یہ بھائی کی کھیتی کی نگرانی اور دیکھ بھال بھی عجیب ہے' اور اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ علماء پروٹسٹنٹ نے اس حکم کو قطعی چھوڑ دیا' اور یہ فیصلہ کیا کہ ''کسی شخص کو اپنے بھائی کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں''، جس کی تصریح کتاب الصلاۃ العامۃ' مطبوعہ 1840ء کے قرابت ونسب کے باب میں جو انگلستان اور آئرلینڈ کے موجود کنیسہ کے قوانین اور دینی طریقوں میں سے ہے' حالانکہ محرمات کا بیان انجیل میں قطعی نہیں پایا جاتا' اور عیسائیوں نے جو کچھ بھی لیا ہے وہ توریت سے لیا ہے۔

پانچویں بات

متشدد آدمی بالخصوص جبکہ اس کا بڑا مقصد ظلم و جور ہو وہ اس قسم کے اعتراضات مسیح اور ان کے حواریوں پر بھی کر سکتا ہے' انجیل لوقا باب 7 فقرہ 33 میں یوں ہے کہ:

''یوحنا بپتسمہ دینے والا نہ تو روٹی کھاتا ہوا آیا' نہ مے پیتا ہوا' اور تم کہتے ہو کہ اس میں بدروح ہے' ابن آدم کھاتا پیتا آیا' اور تم کہتے ہو کہ دیکھو' کھاؤ' اور شرابی آدمی' محصول لینے والوں اور گنہگاروں کا یا' .... پھر کسی فریسی نے اس سے درخواست کی کہ میرے ساتھ کھانا کھا' پس وہ اس فریسی کے گھر جا کر کھانا کھانے بیٹھا' تو دیکھو ایک بدچلن عورت جو اس شہر کی تھی' یہ جان کر کہ وہ اس فریسی کے گھر میں کھانا کھاتے بیٹھا ہے سنگِ مرمر کے عطردان میں عطر لائی'

اور اس کے پاؤں کے پاس روتی ہوئی پیچھے کھڑی ہو کر اس کے پاؤں آنسوؤں سے بھگونے لگی اور اپنے سر کے بالوں سے ان کو پونچھا' اور اس کے پاؤں بہت چومے' اور ان پر عطر ڈالا' اس کی دعوت کرنے والا...... فریسی یہ دیکھ کر اپنے جی میں کہنے لگا کہ اگر یہ شخص نبی ہوتا تو جانتا کہ جو اسے چھوتی ہے وہ کون اور کیسی عورت ہے' کیونکہ بدچلن ہے" (فقرات 33 تا 39)

آگے فقرہ 44 میں ہے:

"اور اس عورت کی طرف پھر کر اس نے شمعون سے کہا کیا تو اس عورت کو دیکھتا ہے' میں تیرے گھر میں آیا' تو نے میرے پاؤں دھونے کو پانی نہ دیا مگر اس نے میرے پاؤں آنسوؤں سے بھگو دیئے' اور اپنے بالوں سے پونچھے۔ تو نے مجھ کو بوسہ نہ دیا' مگر اس نے جب سے میں آیا ہوں میرے پاؤں چومنا نہ چھوڑا' تو نے میرے سر میں تیل نہ ڈالا' مگر اس نے میرے پاؤں پر عطر ڈالا ہے۔ اسی لیے میں تجھ سے کہتا ہوں کہ اس کے گناہ جو بہت تھے معاف ہوئے کیونکہ اس نے بہت محبت کی' مگر جس کے تھوڑے گناہ معاف ہوئے وہ تھوڑی محبت کرتا ہے' اور اس عورت سے کہا تیرے گناہ معاف ہوئے اس پر وہ جو اس کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھے تھے اپنے جی میں کہنے لگے کہ یہ کون ہے جو گناہ بھی معاف کرتا ہے؟ مگر اس نے عورت سے کہا تیرے ایمان نے تجھے بچا لیا ہے' سلامت چلی جا۔" (فقرات 44 تا 50)

اور انجیل یوحنا باب 11 فقرہ 1 میں ہے کہ:

"مریم اور اس کی بہن مرتھا کے گاؤں بیت عنیاہ کا لعزرم ایک آدمی بیمار تھا' یہ وہی مریم تھی جس نے خداوند پر عطر ڈال کر اپنے بالوں سے اس کے پاؤں پونچھے' اسی کا بھائی لعزر بیمار تھا' .... اور یسوع مرتھا اور اس کی بہن لعزر سے محبت رکھتا تھا۔" (فقرہ 1 تا 5)

اس سے معلوم ہوا کہ وہ مریم جس سے حضرت مسیحؑ کو محبت تھی' اسی نے حضرت مسیحؑ کے پاؤں کو پونچھا تھا' اور انجیل یوحنا باب 13 فقرہ 21 میں ہے:

"یہ باتیں کہہ کر یسوع اپنے دل میں گھبرایا' اور یہ گواہی دی کہ میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک شخص مجھے پکڑوائے گا' شاگرد شبہ کر کے کہ وہ کس کی نسبت کہتا ہے' ایک دوسرے کو دیکھنے لگے' اس کے شاگردوں میں سے ایک شخص جس سے یسوع محبت رکھتا تھا' یسوع کے سینہ کی طرف جھکا ہوا کھانا کھانے بیٹھا تھا' پس شمعون پطرس نے اس سے اشارہ کر کے کہا کہ بتا تو وہ کس کی نسبت کہتا

ہے؟ اس نے اسی طرح یسوع کی چھاتی کا سہارا لے کر کہا کہ اے خداوند! وہ کون ہے؟ (فقرات 21 تا 25)

اور اسی شاگرد کے بارے میں باب 19 فقرہ 26 اور باب 20 فقرہ 2 و باب 21 فقرہ 7 و 20 میں لکھا ہے کہ:

''جس سے یسوع محبت رکھتا تھا۔''

اور انجیل لوقا باب 8 فقرہ 1 میں ہے:

''تھوڑے عرصہ کے بعد یوں ہوا کہ وہ منادی کرتا اور خدا کی بادشاہی کی خوشخبری سناتا ہوا شہر شہر اور گاؤں گاؤں پھرنے لگا' اور وہ بارہ اس کے ساتھ تھے' اور بعض عورتیں جنہوں نے بری روحوں اور بیماریوں سے شفاء پائی تھی یعنی مریم جو مگدلینی کہلاتی تھی جس میں سے سات بدروحیں نکلی تھیں اور یونہ ہیرودیس کے دیوان خوزہ کی بیوی اور سوسناہ اور بہتیری اور عورتیں بھی تھیں جو اپنے مال سے ان کی خدمت کرتی تھیں۔'' (فقرات 1 تا 3)

اور ظاہر ہے کہ شراب ام الخبائث اور خدا کے نزدیک قبیح اور گمراہی اور کفر و ہلاکت کا سبب ہے' جس کا پینا متقیوں کے لیے ہرگز مناسب نہیں ہے' عقل و خرد کو برباد کر دینا اس کے لازمی خواص میں سے ہے' خواہ نبی ہو یا کوئی دوسرا' اسی لیے جب ہارونؑ اور ان کی اولاد نے خیمۂ اجتماع میں خدمت کے لیے داخل ہونا چاہا تو خدا نے ان کے لیے اس کو حرام کر دیا تھا' اور اس کو موت کا سبب قرار دیا' اور اس کی حرمت کو دائمی اور ابدی عہد ان کے لیے بنا دیا' کتاب احبار باب 10 فقرہ 8 میں ہے کہ:

''اور خداوند نے ہارونؑ سے کہا کہ تو...... یا تیرے بیٹے مے یا شراب پی کر کبھی خیمۂ اجتماع کے اندر داخل نہ ہونا' تاکہ تم مر نہ جاؤ' یہ تمہارے لیے نسل در نسل ہمیشہ تک ایک قانون رہے گا۔''

اور اسی وجہ سے خدا نے منوحہ کی بیوی کو حالت حمل میں شراب نوشی اور ہر نشہ آور چیز سے منع کیا تھا' تاکہ اس کا بچہ متقی ہو' اور مسکرات کی گندگی اس متقی لڑکے میں اثر نہ کرے' اور اس سلسلے میں اس کے خاوند کو بھی سخت تاکید کی تھی' کتاب قضاۃ باب 13 فقرہ 4 میں ہے کہ:

''سو خبردار! مے یا نشہ کی چیز نہ پینا' اور نہ کوئی ناپاک چیز کھانا۔''

اور فقرہ 13 میں ہے:

''خداوند کے فرشتہ نے منوحہ سے کہا ان سب چیزوں سے جن کا ذکر میں نے اس عورت سے کیا' یہ پرہیز کرے' وہ ایسی کوئی چیز جو تاک سے پیدا ہوتی ہے نہ کھائے اور مے یا نشہ کی چیز نہ پیے اور نہ کوئی ناپاک چیز کھائے' اور جو کچھ میں نے اسے حکم دیا یہ اسے مانے۔''

اور اسی لیے جب خدا کے فرشتہ نے زکریا کو یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری دی تھی تو یحییٰ ؑ کے تقویٰ کا حال یوں بیان کیا تھا کہ وہ نہ شراب پیے گا اور نہ کوئی دوسری نشہ والی چیز۔ انجیل لوقا باب 1 فقرہ 15 میں ہے کہ:

"کیونکہ وہ خدا کے حضور میں بزرگ ہوگا اور ہرگز نہ مے نہ کوئی اور شراب پیے گا۔"

اور اسی لیے اشعیاء علیہ السلام نے شراب اور نشہ پینے والوں کی مذمت کی ہے' اور شہادت دی ہے کہ انبیاء اور کاہن شراب پینے کی بدولت گمراہ ہو گئے۔

کتابِ اشعیاہ باب 5 فقرہ 22 میں ہے کہ:

"ان پر افسوس جو مے پینے میں زور آور اور شراب ملانے میں پہلوان ہیں۔"

اور اسی کتاب کے باب 28 فقرہ 7 میں ہے کہ:

"لیکن یہ بھی مے خواری سے ڈگمگاتے اور نشہ میں لڑکھڑاتے ہیں' کاہن اور نبی بھی نشہ میں چور اور مے میں غرق ہیں' وہ نشہ میں جھومتے ہیں' وہ رویا میں خطا کرتے اور عدالت میں لغزش کھاتے ہیں"

اس فصل کے شروع میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ نوح علیہ السلام نے شراب پی' اور ان کے ہوش و حواس جاتے رہے' اور اس حالت میں برہنہ بھی ہو گئے' اور لوط علیہ السلام نے شراب پی' اور وہ بھی ہوش و حواس کھو بیٹھے' اور اس حالت میں اپنی دونوں بیٹیوں کے ساتھ وہ شرمناک حرکت کی' جو کبھی کسی شرابی اور کمینہ انسان نے بھی نہ کی ہوگی۔ انجیل یوحنا باب 13 فقرہ 4 میں ہے کہ:

"دسترخوان سے اُٹھ کر کپڑے اتارے' اور رومال لے کر اپنی کمر میں باندھا' اس کے بعد برتن میں پانی ڈال کر شاگردوں کے پاؤں دھونے اور جو رومال کمر میں بندھا تھا اس سے پونچھنے شروع کیے"

اس موقع پر ہمارے ظریف و خوش طبع بزرگ نے الزاماً کہا: "یہ بات شبہ میں ڈالتی ہے کہ اس وقت عیسیٰ علیہ السلام میں 'شراب اپنا پورا تسلط کیے ہوئے تھی' یہاں تک کہ ان کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ میں کیا کر رہا ہوں' اور کیا کرنا چاہیے' کیونکہ پاؤں دھونے کے لیے بھلا کپڑے اتارنے کی کیا ضرورت ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے شراب کی مذمت میں اپنی کتابِ امثال باب 23 میں فرمایا ہے کہ:

"جب مے لال لال ہو' جب اس کا عکس جام پر پڑے' اور جب وہ روانی کے ساتھ نیچے اُترے تو اس پر نظر نہ کر' کیونکہ انجام کار وہ سانپ کی طرح کاٹتی اور افعی کی طرح ڈس جاتی ہے۔"

اور اسی طرح نوجوان اجنبی لڑکیوں کا نوجوان مردوں کے ساتھ اختلاط تو بہت ہی خطرناک اور آفت ہے' اور اس حالت میں پاک دامنی کی توقع بہت مشکل ہے بالخصوص جبکہ وہ مرد نوجوان' غیر

شادی شدہ اور شرابی بھی ہو اور عورت فاحشہ اور محبوبہ بھی ہو اور ہر وقت اس کے آگے گھومتی پھرتی ہو اور اپنی جان و مال سے اس کی خدمت کرتی ہو۔ داؤد علیہ السلام کی مثال سامنے رکھیے کہ محض ایک اُڑتی ہوئی نگاہ ایک اجنبی عورت پر پڑ جانے کا کیسا خطرناک انجام ہوا' حالانکہ ان کے پاس کافی بیویاں تھیں' اور ان کی عمر بھی اس وقت پچاس سے زیادہ ہو چکی تھی۔ اسی طرح سلیمان علیہ السلام کا حال بھی پیش نظر رکھیے کہ ان کو عورتوں نے کس حد تک مغلوب کر دیا تھا' کہ نبی اور عہد جوانی میں نیک و صالح ہونے کے باوجود بڑھاپے میں ان عورتوں نے ان کو مرتد اور بت پرست تک بنا ڈالا' اور جب ان کو اپنے ماں باپ اور بھائی بہن (یعنی امنون و تمر) اور اپنے بزرگوں روبیل' و یہوداہ کے حالات سے پے در پے تجربات حاصل ہوئے اور خاص طور پر اپنا تجربہ پیش آیا تب انہوں نے اس معاملہ میں سختی اور تشدد کافی کیا۔ کتابِ امثال باب 5 میں ہے کہ:

"(تو عورت) کے مکر پر کان مت دھر' کیونکہ بیگانہ عورت کے ہونٹوں سے شہد ٹپکتا ہے' اور اس کا منہ تیل سے زیادہ چکنا ہے' پر اس کا انجام ناگدونے کی مانند تلخ اور دودھاری تلوار کی مانند تیز ہے' اس کے پاؤں موت کی طرف جاتے ہیں' اس کے قدم پاتال تک پہنچتے ہیں' سواے زندگی کا ہموار راستہ نہیں ملتا' اس کی راہیں بے ٹھکانہ ہیں' پر وہ بے خبر ہے' اس لیے اے میرے بیٹو میری سنو اور میرے منہ کی باتوں سے برگشتہ نہ ہو' اس عورت سے اپنی راہ دُور رکھ اور اس کے گھر کے دروازے کے پاس بھی نہ جا" (فقرات 3 تا 8)

پھر فقرہ 20 میں ہے کہ:

"اے میرے بیٹے! تجھے بیگانہ عورت کیوں فریفتہ کرے؟ اور تو غیر عورت سے کیوں ہم آغوش ہو؟"

اور باب 6 فقرہ 24 میں ہے کہ:

"تا کہ تجھ کو بری عورت سے بچائے' یعنی بیگانہ عورت کی زبان کی چاپلوسی سے' تو اپنے دل میں اس کے حسن پر عاشق نہ ہو' اور وہ تجھ کو اپنی پلکوں سے شکار نہ کرے' (کیونکہ چھنال کے سبب سے آدمی ٹکڑے کا محتاج ہو جاتا ہے) اور زانیہ قیمتی جان کا شکار کرتی ہے۔ کیا ممکن ہے کہ آدمی اپنے سینہ میں آگ رکھے اور اس کے کپڑے نہ جلیں؟ یا کوئی انگاروں پر چلے اور اس کے پاؤں نہ جھلسیں' اور وہ بھی ایسا ہے جو اپنے پڑوسی کی بیوی کے پاس جاتا ہے۔ جو کوئی اسے چھوئے بے سزا نہ رہے گا۔" (فقرات 24 تا 29)

پھر باب 7 فقرہ 24 میں ہے:

"سو اب اے بیٹو!...... میری سنو! اور میرے منہ کی باتوں پر توجہ کرو' تیرا دل اس

کی راہوں کی طرف مائل نہ ہو' تو اس کے راستوں میں گمراہ نہ ہونا' کیونکہ اس نے بہتوں کو زخمی کر کے گرا دیا ہے' بلکہ اس کے مقتول بے شمار ہیں' اس کا گھر پاتال کا راستہ ہے' اور موت کی کوٹھریوں کو جاتا ہے۔" (فقرات 24 تا 27)

آگے باب 23 فقرہ 33 میں ہے:

"تیری آنکھیں عجیب چیزیں دیکھیں گی' اور تیرے منہ سے اُلٹی سیدھی باتیں نکلیں گی' بلکہ تو اس کی مانند ہو گا جو سمندر کے درمیان لیٹ جائے' یا اس کی مانند جو مستول کے سر پر سو رہے۔"

اسی طرح بے ریش لڑکوں کا اختلاط بڑا خطرناک ہے' بلکہ عورتوں کے اختلاط سے بھی زیادہ خطرناک اور قبیح ہے' جس کی شہادت تجربہ کار لوگوں نے دی ہے۔ اس کے بعد آپ غور کریں کہ عیسٰی علیہ السلام جبکہ شراب نوشی میں حد اعتدال سے اس قدر آگے نکلے ہوئے تھے کہ خود ان کے معاصرین ان کی نسبت یہ الفاظ کہتے ہیں کہ بہت کھانے والا اور بے انتہا شرابی ہے۔ پھر آپ کنوارے نیز نوجوان بھی تھے' پھر جب مریمؑ آپ کے قدموں کو اپنے آنسوؤں سے دھوتی ہے' اور جس وقت سے آپ کے پاس آتی ہے برابر آپ کو بوسے دیتی اور چومتی رہتی ہے' اور آپ کے پاؤں کو اپنے سر کے بالوں سے صاف کرتی جاتی ہے' بالخصوص اس حالت میں کہ وہ زمانہ میں مشہور فاحشہ اور رنڈی تھی۔ ایسی حالت میں عیسٰی علیہ السلام نے اپنے بزرگوں یہوداہؑ' داؤدؑ وسلیمانؑ کے واقعات کو کیسے فراموش کر دیا؟ اور سلیمانؑ کی مذکورہ نصیحتیں کیسے بھول گئے؟ اور کس طرح انہوں نے یہ بات نہ سمجھی کہ عورت کی قیمت تو محض ایک روٹی ہے' اور اس کو ہاتھ لگانے کے بعد بچنا ممکن نہیں ہے' جس طرح بغل میں آگ ہوتے ہوئے کپڑوں کا نہ جلنا غیر ممکن ہے' یا آگ کے انگاروں پر چلنے کے باوجود پاؤں کا نہ جلنا ناممکن ہے' تو پھر آپ نے اس عورت کو ان حرکات کی اجازت کیسے دے دی؟ یہاں تک کہ فریسی کو اعتراض کرنے کی نوبت آئی' اور کیونکر مانا جا سکتا ہے کہ یہ سب کام مقتضائے شہوت کے مطابق نہیں ہو رہے تھے؟ اور ان حرکات کے باوجود آپ نے اس کے گناہ کو کس طرح بخش دیا؟ کیا اس قسم کے افعال وحرکات خدا سے پاک وعادل کی شان کے لائق ہو سکتے ہیں؟

اسی بناء پر وہی ظریف بزرگ فرماتے ہیں کہ:

"اس زمانے میں حرام کاری اور زنا کاری جائز تھی تو کیا آج کوئی شریف عیسائی اگر اپنے کسی دوست کے یہاں مہمان ہو تو وہ بھرے مجمع میں کسی فاحشہ رنڈی کو اس کی بات کی اجازت دینے کے لیے تیار ہو گا کہ وہ اس کے پاؤں دھوئے حالانکہ اس سے قبل اس فاحشہ کا اپنے افعال وحرکات سے توبہ کرنا ثابت نہیں۔"

ادھر مسیحؑ' مریم سے بے حد محبت کرتے اور اپنے بارہ شاگردوں کے ساتھ دورہ کیا کرتے تھے جن کے ہمراہ بہت سی عورتیں بھی رہتی تھیں' جو ان کی اپنے اموال سے خدمت کرتیں' ایسی حالت میں

تصور نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے پاؤں صحیح راستہ سے نہ ڈگمگائے ہوں' اور اس قدر شدید ملاپ اور اختلاط کے باوجود وہ ناشائستہ حرکت سے بچے رہے ہوں' اس کے برعکس ان کے پھسل جانے کے امکانات اسی طرح ہیں جس طرح روبن کے پاؤں کو لغزش ہوئی' اور اس نے اپنی سوتیلی ماں سے زنا کر لیا' اسی طرح یہوداہ کے قدم کی لغزش ہوئی' اور اس نے اپنے بیٹے کی بیوی سے زنا کیا' اور داؤد کے پاؤں ڈگمگائے تو اوریا کی بیوی سے زنا کیا' امنون کے قدم لڑکھڑائے تو اپنی بہن سے زنا کیا' اسی لیے وہی ظریف بزرگ فرماتے ہیں کہ:

> "اس سے زیادہ عجیب وغریب وہ واقعہ ہے جو لوقا بیان کرتا ہے' کہ عیسیٰ مع اپنے شاگردوں کے دیہات میں دورہ کرتے اور ان کے ساتھ عورتیں ہوتیں جن میں مریم نامی مشہور زانیہ اور حرام کار عورت بھی تھی۔ یہ بات بھی معلوم ہے کہ مشرقی ملکوں میں بالخصوص دیہات میں ہر شخص کے لیے یہ بات ممکن نہیں ہوتی کہ وہ کسی خاص مقام پر اکیلا سوئے' تو لازمی بات ہے کہ یہ اولیاء بھی ان ولیات کے ساتھ سوتے ہوں گے"

اور حواریوں کی لغزش کا احتمال زیادہ قوی ہے' کیونکہ علماء نصاریٰ کے فیصلہ کے مطابق حواری حضرات عروجِ عیسیٰ سے قبل کامل الایمان نہیں تھے' اس لیے ان کے حق میں زنا کاری سے محفوظ رہنا کوئی ضروری نہیں۔

کیتھولک پادریوں کی شرمناک حرکات

اور یہ بات کون نہیں دیکھتا کہ کیتھولک فرقے کے بشپ اور ڈیکن صاحبان شادی نہیں کرتے' اور اس چیز کی وجہ سے پاک دامنی کا دعویٰ کرتے ہیں' حالانکہ اس پردے میں وہ حیاء سوز اور شرمناک حرکتیں کرتے ہیں جو دنیادار فاسق بھی نہیں کر سکتا' یہاں تک کہ ان کے گرجے زنا اور حرام کاری کے اڈے اور چکلے بنے ہوئے ہیں' کتاب الثلاث عشرہ رسالہ کے رسالہ نمبر 2 ص 144 وص 145 پر ہے کہ:

> "قدیس برنودوس کہتا ہے کہ: (1) وعظ نمبر 66 غزل الغزلات عیسائیوں نے گرجوں سے عزت والی شادی اڑادی' جس میں کوئی گندگی نہ تھی' اور ان کو لڑکوں' ماؤں اور بہنوں کے ساتھ زنا کاری سے بھر دیا' بلکہ ہر نوع کی گندگی سے' اور فاردوس بیلا جوس جو 1300ء میں پرتگالی شہروں کا پادری تھا وہ کہتا ہے کہ کاش اہلِ کلیسا پاک دامنی کی نذر نہ مانتے' اور علیحدگی کی منت نہ مانتے' بالخصوص اسپانیا کے اہلِ کلیسا' کیونکہ رعیت کی اولاد کاہنوں کی اولاد سے کچھ ہی زیادہ ہے' اور پادری جان سالٹز برگ پندرھویں صدی میں لکھتا ہے کہ میں نے بہت ایسے پادری پائے جو عورتوں کے ساتھ بہت سی نجاست کے عادی نہ ہوں' اور راہب

عورتوں کے قیام گاہ زنا کے مخصوص اڈوں کی طرح ملوث ہیں۔"

عیسائیوں کے اسلاف اور بزرگوں کی یہ شہادتیں ان پادریوں کے دعویٰ عصمت کو چاک چاک کرنے کے لیے کافی ہیں، ہم کو اس پر مزید تبصرہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، اس لیے ہم ان کا ذکر چھوڑتے ہیں، ہمارے نزدیک ان عصمت کے دعویداروں اور پاکدامنی کے جھوٹے مدعیوں کا حال ہندو جوگیوں کی طرح ہے، جو اسی طرح عصمت و عفت کے مدعی ہیں، اور شادی کرنا مہاپاپ شمار کرتے ہیں، حالانکہ وہ پرلے درجے کے فاسق و فاجر ہوتے ہیں، اور بدکار و بدمعاش امراء کو بھی بدکاری و بدمعاشی میں ان لوگوں نے شکست دے دی ہے۔

اس سلسلہ میں ہم کو ایک حکایت یاد آ گئی، کہ ایک مسافر چلتے چلتے کسی ہندوستانی گاؤں کے قریب پہنچا، تو اس نے ایک نوجوان لڑکی کو گاؤں سے آتے دیکھا تو اس نے سوال کیا کہ اے لڑکی! تو گاؤں کی بیٹیوں میں سے ہے یا بہوؤں میں سے؟ تو وہ لڑکی کہتی ہے کہ ہوں تو میں بیٹی، لیکن قضائے شہوت کے باب میں بہوؤں سے زیادہ نفع میں رہتی ہوں، مجھ کو تو خواب میں بھی وہ لطف و لذت نصیب رہتا ہے جو ان کو قطعی بھی میسر نہیں۔

اس لیے یہ کنوارے رہنے والے پادری بزرگ، شادی شدہ لوگوں سے زیادہ نفع میں رہتے ہیں، غرض منکرین کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام تو شادی سے مطلقاً بے نیاز تھے، رہے ان کے شاگرد تو وہ بھی عیسیٰ علیہ السلام کی طرح مطلقاً بے نیاز تھے، یا اس قدر کثیر مفت کی بیویاں ہونے کی وجہ سے ان کو شادی کی ضرورت نہ تھی، جیسا کہ کیتھولک اساقفہ اور ڈیکنوں کا حال ہے، یا جو پوزیشن ہندوستانی جوگیوں کی ہے۔

اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کا اپنے شاگرد لڑکے سے محبت کرنا محل تہمت ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک جو اس فعل قبیح میں مبتلا رہ چکے ہیں، اسی لیے وہی.......... ظریف الطبع بزرگ کہتے ہیں کہ:

> "انجیل کا یہ قول کہ پھر اس شاگرد نے یسوع کے سینہ پر تکیہ لگایا، گویا اس کی پوزیشن اس عورت کی طرح تھی جو اپنے عاشق سے کسی چیز کی طالب ہوتی ہے، اور اس کو اس سلسلے میں غمزہ و عشوہ اور ناز و نخرہ دکھلاتی ہے، اس موقع پر اس قسم کی حرکت اس سے صادر ہوتی ہے۔"

ہم دوبارہ پھر عرض کرتے ہیں کہ اس (پانچویں بات) میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ محض الزامی طور پر لکھا ہے، ورنہ ہم توبہ کرتے اور پناہ مانگتے ہیں، اس قسم کی شرمناک اور گستاخانہ باتوں سے حاشا و کلا، ہم ان میں سے کسی ایک بات کو بھی عیسیٰ علیہ السلام یا ان کے کسی حواری کے حق میں صحیح نہیں سمجھتے، جیسا کہ ہم مقدمۃ الکتاب اور کتاب کے متعدد مواقع پر بار بار تصریح کرتے آئے ہیں۔

چھٹی بات

تفسیر جلالین سورۂ تحریم میں ہے:

من الایمان تحریم الامة "باندی کو حرام کر لینا بھی ایک قسم کی قسم ہے"
لہٰذا آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد کہ میں نے ماریہؓ کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے' اسی نوع کی قسم ہے۔

ساتویں بات

جب حضور ﷺ کسی کام کی نسبت یہ فرمائیں کہ میں ایسا نہیں کروں گا' پھر آپؐ اس کام کو اس لیے کر لیتے ہیں کہ وہ اپنی اصل سے جائز تھا' یا خدا کی جانب سے آپؐ کو اس کے کرنے کا حکم ہوا تو ایسی شکل میں یہ کہنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا کہ آپؐ نے گناہ کیا' بلکہ دوسری صورت میں اگر آپؐ وہ کام نہیں کرتے ہیں تو خدا کے نزدیک نافرمان بنتے ہیں' اور عیسائیوں کے عہد عتیق کی کتابوں میں اس قسم کی بہت مثالیں خود اللہ تعالیٰ کے بارے میں موجود ہیں' چہ جائیکہ انبیاء کے بارے میں جیسا کہ باب 3 قسم 2 کی مثالوں میں معلوم ہو چکا ہے' اور باب 5 فصل 4 کے شبہ 5 میں گزر چکا ہے' عہد جدید میں عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں انجیل متی باب 15 میں لکھا ہے کہ ایک کنعانی عورت نے مسیحؑ سے اپنی بیٹی کو شفاء دینے کے لیے فریاد کی' مگر عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی درخواست قبول کرنے سے انکار کر دیا' پھر اس نے ایک بہترین جواب دیا جس کو عیسیٰ علیہ السلام نے بھی پسند کیا' اور اس کی بیٹی کے لیے دعا کر دی اور وہ اچھی ہو گئی' نیز انجیل یوحنا باب 2 میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ان سے قانائے گلیل کی ایک شادی کے موقع پر درخواست کی کہ پانی کو شراب بنا دیں' تو مسیحؑ نے جواب دیا کہ اے عورت! میرا تیرا کیا واسطہ؟ تو میرے پاس وقت پر نہ آئی' پھر آپ نے خود ہی اس پانی کو شراب بنا دیا۔

آٹھویں بات

اس امر میں کوئی بھی حرج نہیں کہ بعض باتوں کو اولیاء اللہ کے ساتھ مخصوص کر دیا جائے' آپ کو معلوم ہے کہ ہارونؑ اور ان کی اولاد کے ساتھ بہت سے کام مخصوص تھے' مثلاً خیمۂ اجتماع کی خدمت اور اس کے متعلقہ کام' اور یہ امور لاوی کی دوسری اولاد کے لیے قطعی جائز نہ تھے' چہ جائیکہ دوسرے اسرائیلیوں کے لیے۔ اب مذکورہ آٹھ باتوں کے ذہن نشین کر لینے کے بعد عیسائیوں کے پانچوں اعتراضات کے جوابات آپ پر منکشف ہو گئے ہوں گے۔

مگر ہم کو ان معاندین کی اس بے انصافی پر رہ رہ کر تعجب ہوتا ہے کہ یہ لوگ اگر کسی دوسری شریعت میں ایسی بات دیکھتے ہیں جو ان کے خیال میں قبیح اور بری ہے تو یا تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ حکم خدائے پاک حکیم و عادل کا نہیں ہو سکتا' یا پھر یہ کہتے ہیں کہ یہ چیز منصب نبوت کے لائق نہیں ہے' اگرچہ ان کی شریعت میں کوئی حکم یا فعل اس سے بھی زیادہ قبیح موجود ہو' جو ان کے نزدیک خدا کی طرف سے بھی ہے اور منصب نبوت کے بھی لائق ہے۔ اس سے بڑھ کر ہٹ دھرمی اور بے جا تعصب اور کیا ہو گا کہ حزقیال علیہ السلام کو خدا کا یہ حکم دینا کہ اسرائیل اور یہوداہ کی اولاد کے گناہ اپنے اوپر لادے اور 390

سال تک متواتر ایک روٹی کو انسان کی نجاست سے پکا کر کھاتے رہیں، اسی طرح اشعیاء علیہ السلام کو خدا کا یہ حکم کرنا کہ تین سال تک برابر عورتوں اور مردوں کے بھرے مجمع میں بقائمی ہوش وحواس برہنہ پھرتے رہیں، اسی طرح ہوشع علیہ السلام کو خدا کا یہ حکم دینا کہ کسی زانیہ فاجرہ حرام کار عورت کو بیوی بناؤ، اور زنا کی اولاد حاصل کرو، نیز ایک ایسی فاسقہ فاحشہ عورت سے عشق کرو، جو دوسرے کی منکوحہ اور محبوبہ ہے، وغیرہ وغیرہ۔

یہ تمام امور عیسائیوں کے نزدیک خدائے پاک وعادل وحکیم کے جاری کردہ بھی ہیں، اور ان مقدس پیغمبروں کی شانِ نبوت کے لائق بھی ہیں، اور ان شرمناک افعال میں ان کو کوئی برائی دکھائی نہیں دیتی، مگر حضرت زینبؓ کے نکاح کا اپنے شوہر سے باقاعدہ طلاق پانے اور عدت گذارنے کے بعد جائز ہونا نہ خدا کی طرف سے ہوسکتا ہے اور نہ یہ فعل شانِ نبوت کے لائق ہے۔

اسی طرح عیسائیوں کی نظر میں یعقوب علیہ السلام جو توریت کی نص کے مطابق خدا کے نوجوان بیٹے ہیں، راحیل سے عشق بازی کرنے اور اس کے باپ کی اس لالچ میں چودہ سال مسلسل خدمت کرنے، اور چار عورتوں سے مزید شادی کرنے اور دو حقیقی بہنوں کو اکٹھا بیوی بنانے کے باوجود نبوت کے بلند مقام سے نہیں گرتے۔

اسی طرح داؤد علیہ السلام، جو زبور کی نص کے مطابق خدا کے دوسرے نوجوان بیٹے ہیں، اُوریا کی بیوی سے زنا کرنے کے باوجود ان کی نبوت پر کوئی حرف نہیں آتا، حالانکہ پہلے سے ان کی بہت سی بیویاں تھیں، (بلکہ صحیح معنی میں یہ سب عورتیں خدا کی بخشی ہوئی اور اس کی رضا سے ملی ہوئی تھیں، اور داؤد علیہ السلام اس لائق تھے کہ خدا ان کی شان میں یہ کہتا ہے کہ اگر یہ عورتیں تیرے نزدیک کم ہیں تو مجھ سے کہہ میں اس قدر اور دے دوں گا، اور اس پر کثرتِ ازدواج کی وجہ سے کوئی عتاب نہیں کیا جاتا، بلکہ اس پر بھی کوئی ملامت نہیں کی جاتی کہ دوسرے کی بیوی سے زنا کیوں کیا؟ اور اس غریب کو حیلہ سے کیوں مروایا؟)

اسی طرح سلیمان علیہ السلام، جو کتب مقدسہ کی شہادت کے مطابق خدا کے بیٹے ہیں، باوجود ایک ہزار بیویاں اور باندیاں رکھنے کے آخر عمر میں مرتد ہو جانے اور بت پرستی کرنے کے منصب نبوت سے نیچے نہیں گرتے؟ بلکہ بدستور مسلم النبوت رہتے ہیں، اور ان کی تینوں کتابیں یعنی امثال، جامعہ اور نشید الانشاد خدا کی کتابوں کا درجہ پاتی ہیں۔

اسی طرح لوط علیہ السلام اپنی دونوں بیٹیوں سے زنا کرنے کے باوجود بدستور منصب نبوت پر فائز رہتے ہیں، آخر میں خدا کے اکلوتے...... اور چہیتے فرزند اور ان کے مقدس حواری فاحشہ زانیہ سے اور بعض شاگردوں سے محبت کرنے اور مشرقی شہروں میں ان کے ساتھ گھومنے پھرنے کے باوجود نہ صرف یہ کہ منصب نبوت سے نہیں گرتے، بلکہ باوجود اس شدید میل ملاپ اور بے تکلفی کے ساتھ خلا ملا کرنے اور شراب نوشی کے ان پر کچھ بھی اتہام نہیں لگایا جاتا۔

دوسری جانب محمد ﷺ محض کثرت ازدواج اور زینبؓ سے شادی کرنے اور ایک باندی کو حرام کرنے کے بعد اس کو حلال کرنے پر منصب نبوت سے ان کے نزدیک گرنے کے لائق ہو جاتے ہیں۔

غالباً منشاء اس اختلاف کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک چونکہ خدائے تعالیٰ یکتا اور حقیقتاً واحد ہیں' اپنی ذات میں کسی اعتبار سے بھی کثرت کی گنجائش نہیں رکھتے' اس لیے ان کی مقدس و پاک ذات کسی ایک ناشائستہ اور غیر مناسب فعل کی متحمل نہیں ہے' اس کے برعکس عیسائیوں کے نزدیک چونکہ خدا کی ذات ایسے تین اقنوم پر مشتمل ہے جن میں ہر ایک پورے طور پر الوہیت اور خدائی صفات سے متصف ہونے کے ساتھ ایک دوسرے سے حقیقتاً امتیاز بھی رکھتے ہیں' اس لیے کسی ناشائستہ اور غیر مناسب فعل کی گنجائش اس کے اندر موجود ہے' کیونکہ حقیقی امتیاز کی صورت میں تعدد اور کثرت لازم ہے' گرچہ وہ لوگ ظاہر میں اس کا اقرار نہیں کرتے ہیں' چنانچہ باب 4 میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے' اور تین بہر صورت ایک سے زیادہ ہوتے ہیں' شاید عیسائیوں کے نزدیک ان کا خدا مسلمانوں کے خدا سے زیادہ طاقتور ہے۔

اسی طرح کسی گناہ اور معصیت سے معصوم ہونا حتیٰ کہ شرک سے بھی' اور گوسالہ پرستی اور بت پرستی اور زنا کاری اور چوری اور جھوٹ سے خواہ بسلسلۂ تبلیغ ہو' یا کسی دوسرے طور پر' عیسائیوں کے نزدیک نبوت کی شرائط اور لوازمات میں سے نہیں ہے' اس لیے نبوت کا دائرہ عیسائیوں کے یہاں مسلمانوں کے نزدیک نبوت کے دائرے سے بہت زیادہ وسیع ہے۔

تاممکن ہے یہ وجہ ہو کہ یعقوبؑ' داؤدؑ' سلیمانؑ اور عیسیٰؑ چونکہ خدا کے بیٹے تھے اس لیے ان کو یہ حق تھا کہ اپنے باپ کی سلطنت میں جو چاہیں کریں' بخلاف محمد ﷺ کے' کیونکہ وہ خدا کے بندے اور اس کے بندے کے بیٹے تھے' اس لیے ان کو اپنے آقا اور مالک کی سلطنت میں اپنی مرضی سے کچھ کرنے کا حق نہیں ہو سکتا تھا' اس بے جا تعصب اور ہٹ دھرمی اور دھاندلی سے خدا کی پناہ!

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ

انبیاء علیہم السلام کی شان میں عیسائیوں کے ناپاک عقیدے اور شرمناک الزامات

پادری ولیم سمتھ نے جو علمائے پروٹسٹنٹ میں سے ہے' اردو زبان میں ایک کتاب لکھی تھی جو مرزا پور میں 1848ء میں طبع ہوئی' جس کا نام طریق الاولیاء رکھا' اس میں مصنف نے آدمؑ سے یعقوبؑ تک انبیاء علیہم السلام کے حالات کتاب پیدائش اور اس کی تفسیروں سے جو علمائے پروٹسٹنٹ کے نزدیک معتبر ہیں' نقل کر کے لکھے ہیں۔ ہم بعض موقعوں پر اس کتاب سے بھی نقل کریں گے۔

حضرت آدمؑ نے توبہ نہیں کی' الزام نمبر 1

آدم علیہ السلام کا واقعہ عیسائیوں میں مشہور اور کتاب پیدائش کے باب نمبر 3 میں مذکور ہے۔ ان کا اعتراف ہے کہ آدمؑ نے قصداً گناہ کیا' خدا کے مطالبہ کرنے کے بعد بھی انہوں نے اپنی غلطی اور جرم کا اعتراف نہیں کیا۔ عیسائیوں کے نزدیک آدمؑ سے تادمِ آخر توبہ کرنا ثابت نہیں۔ (1) طریق الاولیاء صفحہ 23 میں ہے:

"افسوس صد ہزار افسوس کہ آدمؑ سے توبہ کرنا ثابت نہیں اور مزید افسوس یہ کہ انہوں نے کبھی ایک بار بھی اپنی خطا کی معافی کی درخواست نہیں کی۔"

حضرت نوحؑ کا شراب پی کر برہنہ ہو جانا' الزام نمبر 2

کتاب پیدائش باب 9 فقرہ 18 میں ہے:

"نوحؑ کے بیٹے جو کشتی سے نکلے سم' حام اور یافت تھے' اور حام کنعان کا باپ تھا' یہی تینوں نوحؑ کے بیٹے تھے' اور انہی کی نسل ساری زمین پر پھیلی' اور نوحؑ کاشتکاری کرنے لگا' اور اس نے ایک انگور کا باغ لگایا اور اس نے اس کی مے پی'

اور اسے نشہ آیا' اور وہ اپنے ڈیرے میں برہنہ ہو گیا اور کنعان کے باپ حام نے اپنے باپ کو برہنہ دیکھا' اور اپنے دونوں بھائیوں کو باہر آ کر خبر دی'۔

(فقرات 18 تا 22)

پھر فقرہ 24 میں ہے:

''جب نوحؑ اپنی مے کے نشہ سے ہوش میں آیا تو جو اس کے چھوٹے بیٹے نے اس کے ساتھ کیا تھا اسے معلوم ہوا' اور اس نے کہا کہ کنعان ملعون ہو۔ وہ اپنے بھائیوں کے غلاموں کا غلام ہو گا۔''

اس میں یہ الزام شرمناک طریقہ پر لگایا جا رہا ہے کہ نعوذ باللہ نوحؑ نے شراب پی' بدمست ہوئے' اور برہنہ ہو گئے' اور سر پیٹنے کا مقام یہ ہے کہ اپنے باپ کو برہنہ دیکھنے کا قصوروار تو حام ہے جو کنعان کا باپ تھا' اور ملعون ہونے کی سزا دی جاتی ہے اس کے بیٹے غریب کنعان کو' ظاہر ہے کہ باپ کے قصور میں بیٹے کو پکڑنا قطعی عدل و انصاف کے خلاف ہے' جیسا کہ اس کی شہادت کے لیے حزقیال پیغمبر کا قول کافی ہے' جو ان کی کتاب کے باب 18 فقرہ 20 میں اس طرح درج ہے:

''بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا' اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ۔ صادق کی صداقت اسی کے لیے ہو گی اور شریر کی شرارت شریر کے لیے۔''

اور اگر تھوڑی دیر کے لیے ہم یہ مان بھی لیں کہ بیٹے پر باپ کا گناہ لادنا انصاف کے خلاف نہیں ہے' تو پھر ہم کو کوئی یہ سمجھا دے کہ پھر کنعان ہی کی تخصیص کیوں ہوئی؟ اس لیے کہ حام کے چار بیٹے تھے' کوش' مصر' فوط اور کنعان جیسا کہ باب 10 میں تصریح موجود ہے۔ (پیدائش 10 : 6)

حضرت ابراہیم کا شرک' الزام نمبر 3

طریق الاولیاء صفحہ 74 پر ابراہیم علیہ السلام کے احوال میں یوں کہا گیا ہے:

''ان کی ستر سالہ ابتدائی زندگی کا حال معلوم نہیں ہے' آپ کی پرورش بت پرستوں میں ہوئی' عمر کا بیشتر حصہ ان کی صحبت ہی میں بسر ہوا' ان کے باپ کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدائے برحق کو نہیں جانتے تھے' اور یہ بھی احتمال ہے کہ ابراہیمؑ بھی جب تک خدا نے ان کی رہنمائی نہیں کی' بت پرستی کرتے رہے ہوں' پھر جب ان پر حقیقت منکشف ہوئی تو خدا نے ان کو دنیا والوں میں سے منتخب کیا' اور اپنا خاص بندہ بنا لیا۔''

لیجئے عیسائیوں کے ناپاک حملے سے ابراہیم علیہ السلام کی ذاتِ گرامی بھی نہ بچ سکی' ان کا گمان ہے کہ ابراہیمؑ اپنی ابتدائی ستر سالہ زندگی میں بت پرستی کرتے رہے' بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ عیسائی اصول کے مطابق یہ صرف ظن و گمان کا درجہ نہیں ہے' بلکہ قریب قریب یقین کے ہے' اس لیے کہ ان کے

نزدیک اس وقت ساری دنیا بت پرست تھی' اور ابراہیمؑ کی نشوونما بھی انہی میں ہوئی۔ والدین بھی بت پرست تھے' اور اس وقت تک ابراہیمؑ پر اللہ کی الوہیت اور ربوبیت بھی منکشف نہیں ہوئی تھی' اور بت پرستی سے پاک ہونے کی شرط ان کے نزدیک نبی بننے کے بعد بھی نہیں ہے' چہ جائیکہ نبوت سے قبل شرط ہو' ان تمام باتوں کے پیش نظر ان کا اس عرصہ میں بت پرستی میں ملوث ہونا تقریباً یقینی ہے۔ جب انبیاء علیہم السلام کے جد امجد کا نبوت سے پہلے کا حال اور ستر سالہ زندگی کا نقشہ آپ دیکھ چکے تو اب نبوت کے بعد کا رخ ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت ابراہیمؑ کا لالچ' الزام نمبر 4

کتاب پیدائش باب نمبر 12 فقرہ نمبر 11 میں ہے کہ:

"اور ایسا ہوا کہ جب وہ (حضرت ابراہیمؑ) مصر میں داخل ہونے کو تھا تو اس نے اپنی بیوی سارہ سے کہا کہ دیکھ میں جانتا ہوں' سو وہ مجھے مار ڈالیں گے مگر تجھے زندہ رکھ لیں گے کہ تو دیکھنے میں خوب صورت عورت ہے اور یوں ہوگا کہ مصری تجھے دیکھ کر کہیں گے کہ یہ اس کی بیوی ہے' تو یہ کہہ دینا کہ میں اس کی بہن ہوں' تاکہ تیرے سبب سے میرے خیر ہو۔ اور میری جان تیری بدولت بچی رہے۔"

(فقرات 11 تا 13)

اس کلام سے معلوم ہوا کہ جھوٹ بولنے کی وجہ محض خوف ہی نہ تھا' بلکہ بھلائی کے حصول کی توقع اور طمع بھی بڑا سبب تھا' بلکہ وہی بڑا قوی سبب تھا' اسی لیے اس کا ذکر پہلے کیا' چنانچہ وہ متوقع خیر حاصل بھی ہوئی جس کی تصریح فقرہ 16 میں ہے۔(2) اس کے علاوہ ان کو قتل کا اندیشہ سراسر وہمی تھا' بالخصوص اس حالت میں کہ وہ سارہ کے چھوڑنے پر بھی راضی اور تیار تھے اس کے بعد تو پھر ڈرانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اب عقل سے پوچھا جا سکتا ہے کہ ابراہیمؑ اپنی بیوی کو چھوڑنے اور کافر دشمنوں کے حوالے کر دینے پر جہاں یقینی طور پر آبرو ریزی کا خطرہ ہے کیسے راضی اور تیار ہو سکتے ہیں؟ ایک ادنیٰ غیرتمند شخص بھی اس کے لیے تیار نہیں ہو سکتا' تو ابراہیمؑ جیسا باعزت انسان کیونکر اس بے غیرتی کو قبول کر سکتا ہے؟

الزام نمبر 5

کتاب پیدائش باب 20 (3) میں ہے:

اور ابراہام وہاں سے (تیمان) کی طرف چلا اور قادس اور شور کے درمیان ٹھہرا' اور جرار میں قیام کیا' اور ابرہام نے اپنی بیوی سارہ کے حق میں کہا کہ وہ میری بہن ہے' اور جرار کے بادشاہ ابی ملک نے سارہ کو بلوالیا' لیکن رات کو خدا ابی

ملک کے پاس خواب میں آیا اور اسے کہا کہ دیکھ تو اس عورت کے سبب سے جسے تو نے لیا ہے ہلاک ہوگا' کیونکہ وہ شوہر والی ہے' پر ابی ملک نے اس سے صحبت نہیں کی تھی' سو اس نے کہا اے خداوند کیا تو صادق قوم کو بھی مارے گا؟ کیا اس نے خود مجھ سے نہیں کہا کہ یہ میری بہن ہے؟ اور وہ آپ بھی یہی کہتی تھی کہ وہ میرا بھائی ہے۔" (فقرات 1 تا 5)

لیجئے اس جگہ ابراہیمؑ اور سارہؑ نے دوسری بار جھوٹ بولا۔ غالباً بڑا اور قوی سبب یہاں پر خوف کے علاوہ منفعت کے حاصل ہونے کی توقع اور لالچ تھا جس کی تصریح فقرہ 14 میں ہے' پھر جبکہ ابراہیم بغیر کسی مزاحمت کے سارہ کو حوالہ کرنے پر تیار تھے' پھر تو خوف کی کوئی وجہ ہی نہیں ہو سکتی' چنانچہ طریق الاولیاء صفحہ 99 میں ہے کہ:

"غالباً جب ابراہیمؑ نے پہلی بار سارہ کی بیوی ہونے کا انکار کیا' اس وقت دل میں پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ آئندہ اس قسم کے گناہ کا ارتکاب نہیں کروں گا مگر پھر غفلت کے سبب شیطان کے پرانے جال میں پھنس گئے۔" (4)

الزام نمبر 6

طریق الاولیاء کے صفحہ 92' 93 پر لکھا ہے:

"ابراہیمؑ ہاجرہؑ سے نکاح کرنے میں مجرم ہونے سے کسی حال میں نہیں بچ سکتے' کیونکہ ان کو مسیح" کا یہ قول جو انجیل میں لکھا ہوا ہے خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ ذات جس نے کائنات کو بنایا اس نے انسان کو مرد و عورت دو قسم کا پیدا کیا اور کہا کہ اسی لیے آدمی اپنے ماں باپ کو چھوڑ دیتا ہے اور بیوی کے ساتھ مل کر دونوں جسد واحد بن جاتے ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی بعینہٖ ہم بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابراہیمؑ سارہ سے نکاح کرنے میں بھی اسی طرح مجرم ہونے سے نہیں بچ سکتے' کیونکہ موسیٰ کا قول جو توریت میں لکھا ہے ان کو اچھی طرح معلوم تھا کہ:

"تو اپنی بہن کے بدن کو چاہے وہ تیرے باپ کی بیٹی ہو' چاہے تیری ماں کی اور خواہ وہ گھر میں پیدا ہوئی ہو خواہ کہیں اور بے پردہ نہ کرنا۔" (5)

نیز یہ ارشاد ہے کہ:

"اور اگر کوئی مرد اپنی بہن کو جو اس کے باپ کی یا اس کی ماں کی بیٹی ہو' لے کر اس کا بدن دیکھے تو یہ شرم کی بات ہے' وہ دونوں اپنی قوم کے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے قتل کیے جائیں' اس نے اپنی بہن کے بدن کو بے پردہ کیا' اس کا گناہ اسی کے سر لگے گا۔" (احبار 20 : 17)

اسی طرح تورات میں یہ بھی ہے کہ:

''لعنت اس پر جو اپنی بہن سے مباشرت کرے خواہ وہ اس کے باپ کی بیٹی ہو خواہ ماں کی۔'' (استثناء 27 : 22)

جیسا کہ اس کتاب کے باب 3 سے واضح طور پر معلوم ہو چکا ہے (ص 1815 ج 2) اس قسم کا نکاح علمائے پروٹسٹنٹ کے نزدیک زنا کے برابر ہے' اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نعوذ باللہ منہ ابراہیم علیہ السلام نبوت سے پہلے بھی زانی تھے' اور نبوت کے بعد بھی زانی رہے' اور ان کی جس قدر اولاد سارہ کے بطن سے ہے وہ سب زنا کی اولاد ہوئی' اور اگر اس اعتراض سے بچنے کے لیے عیسائی لوگ یہ بہانہ بنائیں کہ ان کی شریعت میں بہن سے نکاح جائز تھا تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ان کی شریعت میں تعدادِ ازواج بھی جائز تھا' اس لیے صحیح بات یہی ہے کہ نہ ہاجرہؓ سے نکاح میں کوئی اعتراض لازم آتا ہے' اور نہ سارہؓ سے نکاح کرنے میں' ہمارے نزدیک یہی مذہب حق ہے۔

البتہ عیسائی اصول کی بناء پر یہ بات ضرور لازم آتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جیسی مقدس ہستی جو انبیاء علیہم السلام کے جدِ امجد ہیں' وہ نعوذ باللہ جس طرح جھوٹے ثابت ہوئے اسی طرح شروع سے آخر تک ان کی پوری زندگی زنا کاری کی نذر ہوئی' اور اس کے باوجود وہ ''خلیل اللہ'' کے ممتاز منصب پر فائز ہیں' کیا اللہ کے خلیل ایسے ہی ہوتے ہیں؟ هذا بهتان عظيم!

حضرت لوط کا اپنی بیٹیوں سے زنا کرنا' الزام نمبر 7

کتابِ پیدائش باب 19 فقرہ 30 میں ہے:

''اور لوط ضغر سے نکل کر پہاڑ پر جا بسا اور اس کی دونوں بیٹیاں اس کے ساتھ تھیں' کیونکہ اسے ضغر میں بستے ڈر لگا' اور وہ اور اس کی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگے۔ تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بوڑھا ہے' اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے' آؤ ہم اپنے باپ کو مے پلائیں اور اس سے ہم آغوش ہوں تاکہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں' سو انہوں نے اسی رات اپنے باپ کو مے پلائی' اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی' پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی۔ اور دوسرے روز یوں ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھ کل رات کو میں اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی' آؤ آج رات بھی اس کو مے پلائیں' اور تو بھی جا کر اس سے ہم آغوش ہو تاکہ ہم اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں' سو اس رات بھی انہوں نے اپنے باپ کو مے پلائی اور چھوٹی گئی اور اس سے ہم آغوش ہوئی' پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی۔''

سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں' اور بڑی کے ایک بیٹا ہوا' اور اس کا نام موآب رکھا' وہی موآبیوں کا باپ ہے جو اب تک موجود ہیں' اور چھوٹی کے بھی ایک بیٹا ہوا' اور اس نے اس کا نام بن عمی رکھا' وہی بنی عمون کا باپ ہے' جو اب تک موجود ہیں۔" (فقرات 30 تا 38)

طریق الاولیاء کے صفحہ 128 میں اس حال کو نقل کرنے کے بعد کہا گیا ہے کہ:

"اس کی حالت پر سخت رونا آتا ہے' ہم سخت افسوس کے ساتھ اپنے دلوں میں خوف اور خشیت لیے ہوئے حیران ہیں کہ کیا یہی وہ شخص ہے کہ جو سدوم کی بستی کی تمام بدیوں اور گندگیوں سے پاک دامن رہا تھا' اور اللہ کی راہ چلنے میں بڑا مضبوط تھا' اس شہر کی تمام نجاستوں سے ہزاروں کوس دور رہا تھا' مگر جنگل میں نکل جانے کے بعد اس پر ایک دم بدی اور فسق کا اس قدر شدید غلبہ ہو گیا؟ پھر اس کے بعد کون شخص ہے جو کسی شہر یا جنگل و غار میں محفوظ رہ سکتا ہے۔"

اب جبکہ پادری صاحبان کو لوط کے حال پر خود ہی اس قدر رونا آ رہا ہے تو ہم کو کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں رہی۔ ان کا رونا ہی کافی ہے' مگر ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ موآب اور عمون جو دونوں زنا کی پیداوار ہیں' ان کو تو خدا نے قتل نہ کیا' اور اس بچہ کو جو داؤد علیہ السلام کے اُوریا کی بیوی کے ساتھ زنا کرنے سے پیدا ہوا تھا خدا نے قتل کر ڈالا۔ شاید یہ فرق ہو کہ دوسری کی بیوی سے زنا کرنا اپنی بیٹیوں سے زنا کرنے کی نسبت عیسائیوں کے یہاں زیادہ شدید و سنگین ہو گا۔

اصل یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ اللہ کے مقبول بندے تھے' موآب تو اس لیے کہ عوبید جو داؤد علیہ السلام کے دادا ہیں ان کی والدہ کا نام راعوت تھا (جیسا کہ انجیل متی کے باب 1 میں تصریح ہے) اور یہ راعوت موآبیہ ہیں' یعنی موآب کی اولاد ہیں۔ اس لیے وہ بھی داؤدؑ و سلیمانؑ و عیسیٰؑ کی دادی ہوتی ہیں' اور داؤدؑ خدا کے نوجوان بیٹے اور سلیمانؑ بھی خدا کے فرزند' اسی طرح عیسیٰؑ بھی خدا کے یکتا سپوت' بلکہ عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق خود خدا ہیں۔

رہے عمون تو ان کی مقبولیت کی دلیل یہ ہے کہ رجعام بن سلیمانؑ جو عیسیٰؑ کے اجداد میں سے ہیں (جیسا کہ انجیل متی کے باب 1 میں تصریح موجود ہے) ان کی والدہ بھی عمونیہ یعنی عمون کی اولاد میں سے ہیں' جن کی تصریح کتاب سلاطین اول باب 14 میں موجود ہے تو یہ بھی اللہ کے یکتا بیٹے کی دادی ہوئیں' بلکہ عیسائی عقیدے کے مطابق خود خدا کی۔

اور کتاب استثناء باب 2 فقرہ 19 میں ہے کہ:

"اور جب تو بنی عمون کے قریب جا پہنچے تو ان کو مت ستانا' اور نہ ان کو چھیڑنا کیونکہ میں بنی عمون کی زمین کا کوئی حصہ تجھے میراث کے طور پر نہیں دوں گا' اس لیے کہ اسے میں نے بنی لوط کی میراث میں دیا ہے۔"

پھر موآب اور عمون کے لیے جو دونوں ولد الزنا ہیں' اس سے بڑھ کر کیا شرف ہو سکتا ہے کہ پہلے کی بیٹیاں اللہ کے بیٹوں بلکہ خود خدا کی نانی قرار پائیں' اور دوسرے کی بعض بیٹیاں اللہ کے یکتا بیٹے کی بلکہ خود خدا کی نانی ہوں' حالانکہ خود خدا نے بنی اسرائیل کو جو توریت کی نص کے مطابق اللہ کے بیٹے ہیں' اس کی اولاد کی زمین کے وارث بنانے سے منع کیا تھا' البتہ ایک خدشہ باقی رہ جاتا ہے' وہ یہ کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کا نسب ان دونوں نانیوں کے لحاظ سے موآب اور عمون سے جا ملا تو عیسیٰ علیہ السلام بھی موآبی اور عمونی ہو جاتے ہیں' حالانکہ عمونیوں اور موآبیوں کے لیے یہ پابندی لگی ہوئی ہے کہ وہ کبھی بھی خدا کی جماعت میں داخل نہیں ہو سکتے' جیسا کہ کتاب استثناء باب 23 فقرہ 3 میں اس طرح ہے کہ:

"کوئی عمونی یا موآبی خداوند کی جماعت میں داخل نہ ہو' دسویں پشت تک ان کی نسل میں سے کوئی خداوند کی جماعت میں کبھی نہ آنے پائے۔"

سوال یہ ہے کہ پھر عیسیٰ علیہ السلام کس طرح نہ صرف خدا کی جماعت میں داخل ہو گئے' بلکہ ان کے سردار ہو گئے؟ بلکہ عیسائیوں کے خیال کے مطابق خدا کے بیٹے بن گئے؟

اور اگر یہ کہا جائے کہ نسب میں باپ کا اعتبار کیا جاتا ہے نہ کہ ماں کا' اس لیے عیسیٰ علیہ السلام نہ موآبی ہیں نہ عمونی' تو ہم عرض کریں گے کہ اگر ایسا ہی ہے تو لازم آئے گا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اسرائیلی ہوں نہ یہوداوی' نہ داؤدی' نہ سلیمانی کیونکہ یہ تمام نسبتیں اور اوصاف بھی ان کو ماں ہی کی جانب سے حاصل ہوئے ہیں نہ کہ باپ کی طرف سے' لہٰذا اگر ماں کی جانب کا اعتبار کیا جائے تو آپ مسیح موعود بھی نہیں ہو سکتے' ایک طرف آپ کے ابن داؤد ہونے کو ماں کی طرف سے معتبر بھی ماننا' اور دوسری طرف نانیوں کی جانب سے عمونی اور موآبی ہونے کا اعتبار نہ کرنا محض ترجیح بلا مرجح ہے' اور یہی اعتراض بعینہٖ داؤدؑ اور سلیمانؑ پر بھی راعوت کے اعتبار سے وارد ہوگا۔ مگر ہم اس بحث کو طویل کرنا نہیں چاہتے' اور اصل واقعہ کی جانب رجوع کرتے ہیں کہ لوط علیہ السلام جن کا یہ حال مذکور ہوا' عیسائیوں کے نزدیک اس لائق ہیں کہ ان پر رویا جائے۔ اس میں کوئی بھی شک نہیں کہ انجیل کے فیصلہ کے مطابق وہ پھر بھی نیک قدیس ہیں' ان کے نزدیک ان کی قدسیت میں ذرہ بھر کمی اور فرق نہیں ہوا باوجود اس کے کہ ایسی شنیع حرکت کے مرتکب ہوئے' جو ایسے کمینہ لوگوں میں بھی کبھی نہیں سنی گئی جو اکثر اوقات شراب میں بدمست رہتے ہیں' کیونکہ یہ لوگ بھی بدمستی کی حالت میں اپنی بیٹیوں اور اجنبی عورتوں میں فرق اور امتیاز کو سمجھتے ہیں۔

دوسرے جب شرابی کی حالت شدت نشہ سے اس درجہ پر پہنچ جائے کہ وہ اپنی بیٹیوں اور اجنبی عورتوں میں تمیز نہ کر سکے تو ایسی حالت میں وہ جماع کرنے پر بھی قادر نہیں ہو سکتا' جیسا کہ اس کی شہادت ان لوگوں نے دی ہے' جو دائمی طور سے شراب کے عادی ہیں' ہم نے آج تک ہندوستان میں یہ نہیں سنا کہ کسی کمینہ انسان نے شراب کی بدمستی میں اس قسم کی حرکت اپنی ماں بیٹی کے ساتھ کی ہو' اگر شراب کی مستی اس درجہ تک پہنچا سکتی ہے تو یورپ کے عیسائیوں کی حالت پر رونے کو جی چاہتا ہے' اور

افسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنی ماؤں بیٹیوں اور بہنوں کو اپنے ہاتھوں سے بچنے کی کیونکر امید کر سکتے ہیں؟ کیونکہ ان کی تو عورتیں اور مرد سب ہی اکثر اوقات شراب میں بدمست رہتے ہیں' بالخصوص جبکہ ان میں جو کمینے لوگ ہیں ان کو پیش نظر رکھا جائے تو کوئی بھی گارنٹی ان کے محفوظ رہنے کی نہیں ہو سکتی۔

تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ یہ قدیس (یعنی حضرت لوط علیہ السلام) پہلی شب میں اس شنیع حرکت میں مبتلا ہونے کے باوجود پھر اگلی رات بھی اسی طرح اس میں ملوث ہو جاتے ہیں سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ یہ اٹل تقدیری فیصلہ تھا کہ اللہ کے بیٹے بلکہ خود خدا بھی اس کے بعض بیٹوں سے پیدا ہوا' اور وہ خود بھی اللہ کے یکتا بیٹے کے سلسلہ نسب میں داخل ہونے کا شرف حاصل کرے' اس قسم کا واقعہ اگر کسی ادنیٰ انسان کو بھی پیش آتا تو اس کے لیے زمین باوجود اپنی فراخی اور کشادگی کے تنگ ہو جاتی پھر لوطؑ کی ذات پر بڑا ہی تعجب ہے' ہم اس تمام خرافات سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں' اور دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ قصہ بالکل جھوٹا اور من گھڑت ہے' پطرس کے رسالہ نمبر 2 کے باب 2 فقرہ 7 میں ہے کہ:

''اور راست باز لوطؑ کو جو بے دینوں کے ناپاک چال چلن سے دق تھا' رہائی بخشی' (چنانچہ وہ راست باز ان میں رہ کر اور ان کے بے شرع کاموں کو دیکھ دیکھ کر اور سن سن کر گویا ہر روز اپنے سچے دل کو شکنجہ میں کھینچتا تھا)۔''

اس میں پطرس نے لوط علیہ السلام کے لیے ''راست باز'' کا لفظ استعمال کیا ہے' اور ان کی مدح کی ہے' ہم بھی یہی شہادت دیتے ہیں کہ وہ بڑے نیکوکار اور ان الزامات سے پاک اور بری تھے' جو ان کی نسبت دشمنانِ خدا لگاتے ہیں۔

حضرت اسحٰق کا جھوٹ الزام نمبر 8

کتاب پیدائش باب 26 فقرہ 6 میں ہے:

''پس اضحاق جرار میں رہنے لگا' اور وہاں کے باشندوں نے اس سے اس کی بیوی کی بابت پوچھا' اس نے کہا وہ میری بہن ہے' کیونکہ وہ اسے اپنی بیوی بتاتے ہوئے ڈرا' یہ سوچ کر کہ کہیں ربقہ کے سبب سے وہاں کے لوگ اسے قتل نہ کر ڈالیں کیونکہ وہ خوبصورت تھی۔'' (فقرات 6 تا 8)

دیکھئے! یہاں ''اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ'' کا کیسا صاف نقشہ نظر آ رہا ہے کہ بیٹے نے بھی جان بوجھ کر باپ کی طرح جھوٹ بولا' اور بالکل اسی قسم کا' چنانچہ طریق الاولیاء صفحہ 168 پر لکھا ہے:

''اسحاق کا ایمان برباد ہو گیا' کیونکہ اس نے اپنی بیوی کو بہن بتایا۔''

پھر صفحہ 169 پر لکھا ہے کہ:

''ہائے افسوس! کسی انسان میں کوئی کمال نہیں پایا جاتا' سوائے وحدہٗ لاشریک بے نظیر کے' اور بڑا تعجب خیز ہے یہ معاملہ کہ وہی شیطانی جال جس میں ابراہیمؑ

پھنسے تھے اسی میں اسحاقؑ بھی جا پھنستے ہیں، اور بیوی کو بہن بتاتے ہیں، بڑا ہی افسوس ہوتا ہے کہ ایسے ایسے مقربین خداوند بھی نصیحت کے محتاج ہیں۔"

چونکہ پادری صاحبان نے اس بات پر اظہار افسوس کیا ہے کہ ان کا ایمان زائل ہو گیا تھا، انہیں کوئی کمال حاصل نہ تھا، وہ اسی شیطانی جال میں پھنس گئے جس میں ابراہیمؑ پھنسے تھے، اور وہ خود وعظ و نصیحت کے محتاج تھے، اس لیے ہم بھی اس گفتگو کو طویل نہیں کرتے۔

حضرت یعقوبؑ کی خود غرضی، الزام نمبر 9

کتاب پیدائش باب 25 فقرہ 29 میں ہے:

"اور یعقوب نے دال پکائی، اور عیسو جنگل سے آیا، اور بے دم ہو رہا تھا، اور...... عیسو نے یعقوب سے کہا کہ یہ جو لال لال ہے مجھے کھلا دے، کیونکہ میں بے دم ہو رہا ہوں، اس لیے اس کا نام ادوم بھی ہو گیا۔ تب یعقوب نے کہا کہ تو آج اپنا پہلوٹھے کا حق میرے ہاتھ بیچ دے، عیسو نے کہا دیکھ میں تو مرا جاتا ہوں پہلوٹھے کا حق میرے کس کام آئے گا۔ تب یعقوب نے کہا کہ آج ہی مجھ سے قسم کھا۔ اس نے اس سے قسم کھائی اور اس نے اپنا پہلوٹھے کا حق یعقوب کے ہاتھ بیچ دیا، تب یعقوب نے عیسو کو روٹی اور مسور کی دال دی، وہ کھا پی کر اٹھا اور چلا گیا یوں عیسو نے اپنے پہلوٹھے کے حق کو ناچیز جانا۔" (فقرات 29 تا 34)

ملاحظہ کیجئے! غریب عیسو کی دیانت کو جو اسحاق کے بڑے بیٹے ہیں کہ انہوں نے پہلوٹھے کے حق جیسی جلیل القدر دولت کو جس کے سبب سے نبوت کے منصب جلیل کا استحقاق ہوتا ہے، اور اس کی برکات کو روٹی اور مسور کی دال کے عوض فروخت کر ڈالا۔ شاید ان کی نگاہ میں نبوت اور برکت کی قدر و قیمت روٹی اور مسور کی دال سے کم تھی۔ پھر یعقوب علیہ السلام کی محبت پر بھی نظر ڈالئے اور ان کی سخاوت کا جائزہ لیجئے! کہ وہ اپنے ماں جائے بڑے بھائی کو جس کا بھوک سے دم نکل رہا ہے، اور جو جفاکشی و محنت کی وجہ سے کوفتہ بخستہ اور نڈھال ہے، کھانا دینے پر اس وقت تک راضی اور تیار نہ ہوئے جب تک بھائی نے حقوق منصب نبوت کو فروخت نہ کر ڈالا، اور رشتۂ اخوت کا یا بلا عوض احسان کرنے کا قطعی لحاظ نہ کیا۔

دسواں الزام

جس شخص نے بھی کتاب پیدائش کے باب 27 کو دیکھا ہوگا، اس کو یقینی طور پر معلوم ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے تین بار جھوٹ بولا، اور اپنے باپ کو دھوکہ دیا، اور ان کی فریب دہی جس طرح اسحاقؑ کے یہاں کارگر اور مؤثر ہو گئی، اسی طرح خدا کے یہاں بھی مؤثر ہوئی...... کیونکہ اسحاقؑ سچے دل سے اپنے بیٹے عیسو کے حق میں دعا مانگا کرتے تھے، نہ یعقوبؑ کے لئے، پھر جس طرح

اسحاقؑ دعا میں دونوں بھائیوں کے درمیان تمیز نہ کر سکے' اسی طرح دعاء کی قبولیت کے مرحلہ پر خدا بھی دونوں بھائیوں میں امتیاز نہ کر سکا۔

حیرت ہے کہ خدا کی ولدیت اور نبوت و صلاح جیسی چیزیں بھی محال ذرائع سے حاصل ہو جاتی ہیں۔ مجھ کو اس موقع کی مناسبت سے ایک واقعہ بے ساختہ یاد آ گیا کہ خرقہ بانوں کے ایک بدکار نے اپنے گھوڑے کے لیے کسی گدھے والے سے تھوڑی گھاس مانگی۔ گدھے والے نے انکار کر دیا' اس نے کہا اگر تو مجھ کو گھانس نہیں دے گا' تو میں گدھے کے لیے بد دعا کروں گا' اور آج رات ہی میں مر جائے گا۔ یہ کہہ کر چلا گیا' اسی رات خود اس کا گھوڑا مر گیا' بیدار ہونے پر اپنے گھوڑے کو مردہ دیکھ کر تعجب سے اپنا سر پکڑ کر آیا اور کہنے لگا ہائے تعجب بالائے تعجب کہ ہمارے خدا کو خدائی کرتے ہوئے لاکھوں سال بیت گئے' مگر آج تک اس کو گدھے اور گھوڑے میں امتیاز اور پہچان نہ ہو سکی' میں نے تو گدھے کو ہلاک کرنے کی دعا کی تھی اور ہلاک کر دیا میرا گھوڑا۔

اور اگر اسرائیلی پیغمبروں کے جد امجد کی دیانت کا یہ حال ہے' یا خدا کے علم کی یہ کیفیت ہے تو مخالف کو یہ کہنے کی گنجائش ہو سکتی ہے کہ اسرائیلی پیغمبروں کے معاملات کی بنیاد بھی خدا کے ساتھ فریب کاری اور دھوکہ بازی کی اسی طرح ہو سکتی ہے جس طرح ان کے جد امجد کی تھی' اور ممکن ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی خدا سے وعدہ کر لیا ہو کہ اگر آپ مجھ کو کرامات پر قدرت دے دیں تو میں مخلوق کو آپ کی خدائی اور ربوبیت کی طرف بلاؤں گا' لیکن اتفاق سے خدا عیسیٰؑ کے سچ اور جھوٹ میں امتیاز نہ کر سکا' اور ان کو قدرت دے دی' عیسیٰ علیہ السلام نے وعدہ شکنی کرتے ہوئے لوگوں کو اپنی خدائی کی دعوت دے دی' اور خدا کی نافرمانی کی' ہم ان خرافات اور واہیات باتوں سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں' البتہ بعض فقرے طریق الاولیاء ص 179 و ص 180 و ص 181 سے نقل کرتے ہیں' ابتداء میں کہتا ہے کہ:

> یہ انتہائی خوف کا مقام ہے کہ اس قسم کے شخص نے بھی پے در پے جھوٹ بولا اور اپنی فریب کاری میں خدا کے نام کو شامل کیا۔"

پھر کہتا ہے کہ:

> "یعقوبؑ نے ایک ایسی بات کہی جو انتہائی کفر کی ہے کہ خدا کا ارادہ یہ تھا کہ میں شکار جلد حاصل کروں۔"

پھر کہتا ہے کہ:

> "اس معاملہ میں ہم یعقوبؑ کی حمایت میں کوئی بھی عذر خواہی کرنا پسند نہیں کرتے' اور ہر شخص کو اس بات سے نفرت کرنی چاہئے' اور ایسی حرکت سے گریز کرنا ضروری ہے"

پھر کہتا ہے:

> "خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس نے بدی کا ارتکاب خیر کے حاصل کرنے کے لیے کیا'

اور انجیل کی رو سے اس قسم کی حرکت پر سزا واجب ہے۔"

پھر کہتا ہے کہ:

"جس طرح یعقوب نے گناہ کیا اسی طرح اس کی ماں نے اس سے زیادہ گناہ کیا تھا' کیونکہ وہی اس فساد کی بانی تھی۔ اسی نے یعقوب کو اس قسم کی فریب کارانہ حرکتوں کا حکم دیا تھا۔"

حضرت یعقوبؑ کے نکاح کا شرمناک قصہ' الزام نمبر 11

کتاب پیدائش باب 29 فقرہ 15 میں ہے:

"تب لابن (لابن حضرت یعقوبؑ کے ماموں کا نام ہے) نے یعقوب سے کہا' چونکہ تو میرا رشتہ دار ہے تو کیا اس لیے لازم ہے کہ تو میری خدمت مفت کرے؟ سو مجھے بتا کہ تیری اُجرت کیا ہو گی؟ اور لابن کی دو بیٹیاں تھیں۔ بڑی کا نام لیاہ اور چھوٹی کا نام راحل تھا۔ لیاہ کی آنکھیں چندھی تھیں' پر راحل حسین اور خوبصورت تھی' اور یعقوب راحل پر فریفتہ تھا' سو اس نے کہا کہ تیری چھوٹی بیٹی راحل کی خاطر میں سات برس تیری خدمت کروں گا' لابن نے کہا اسے غیر آدمی کو دینے کی جگہ تو تجھی کو دینا بہتر ہے۔ تو میرے پاس رہ چنانچہ یعقوبؑ سات برس تک راحل کی خاطر خدمت کرتا رہا' پر وہ اسے راحل کی محبت کے سبب سے چند دنوں کے برابر معلوم ہوئے' اور یعقوب نے لابن سے کہا کہ میری مدت پوری ہو گئی' سو میری بیوی مجھے دے' تاکہ میں اس کے پاس جاؤں' تب لابن نے اس جگہ کے سب لوگوں کو بلا کر جمع کیا' اور ان کی ضیافت کی' اور جب شام ہوئی تو اپنی بیٹی لیاہ کو اس کے پاس لے آیا' اور یعقوب اس سے ہم آغوش ہوا' اور لابن نے اپنی لونڈی زلفہ اپنی بیٹی لیاہ کے ساتھ کر دی' کہ اس کی لونڈی ہو' جب صبح کو معلوم ہوا کہ یہ تو لیاہ ہے' تب اس نے لابن سے کہا کہ تو نے مجھ سے یہ کیا کیا؟ کیا میں نے جو تیری خدمت کی وہ راحل کی خاطر نہ تھی؟ پھر تو نے مجھے کیوں دھوکا دیا؟ لابن نے کہا ہمارے ملک میں یہ دستور نہیں کہ پہلوٹھی سے پہلے چھوٹی کو بیاہ دیں' تو اس کا ہفتہ پورا کر دے' پھر ہم دوسری بھی تجھے دے دیں گے' جس کی خاطر تجھے سات برس اور میری خدمت کرنی ہو گی۔ یعقوب نے ایسا ہی کیا' کہ لیاہ کا ہفتہ پورا کیا۔ تب لابن نے اپنی بیٹی راحل بھی اسے بیاہ دی' اور اپنی لونڈی بلہاہ اپنی بیٹی راحل کے ساتھ کر دی کہ اس کی لونڈی ہو۔ سو وہ راحل سے بھی ہم آغوش ہوا' اور وہ لیاہ سے زیادہ راحل کو چاہتا تھا' اور

سات برس اور ساتھ رہ کر لابن کی خدمت کی۔" (فقرات 15 تا 30)

اس داستان پر تین اعتراض واقع ہوتے ہیں:

1۔ جبکہ یعقوب علیہ السلام لابن ہی کے گھر میں رہتے تھے' اور اس کی دونوں بیٹیوں کو ہزار بار دیکھا تھا تو ان کو ہر لحاظ سے چہرہ مہرہ بدن اور آواز غرض ہر اعتبار سے جانتے پہچانتے تھے' پھر لیاہ کے چہرہ میں ایک مخصوص علامتی نشان آنکھوں کا چندھا پن موجود تھا۔ ایسی صورت میں تعجب اور حیرت ہوتی ہے کہ لیاہ ان کے پاس ان کے بستر پر تمام رات موجود رہے' اور وہ اس کو نہ پہچان سکیں' اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ وہ بھی لوطؑ کی طرح نشہ میں بدمست ہوں گے' اور جس طرح لوطؑ نے اپنی بیٹی اور غیر عورت میں کوئی تمیز نہ کی اسی طرح یعقوبؑ بھی کوئی تمیز نہ کر سکے۔

2۔ یعقوبؑ کو صرف راحل سے محبت و عشق تھا' جس کی خاطر انہوں نے اس کے باپ کے سات برس تک خدمت کی' اور اسی لیے اس قدر طویل مدت بھی ان کو چند ایام سے زیادہ محسوس نہیں ہوئی' مگر جب ان کے خسر لابن نے ان سے دھوکہ کیا تو یعقوبؑ نے ان کے ساتھ جھگڑا کیا' اور مزید سات سال کی خدمت کے عوض راحل کو حاصل کر سکے' یہ سب حرکتیں عیسائیوں کے نظریہ کے مطابق نبوت جیسے جلیل القدر منصب اور ایک عظیم الشان پیغمبر کی شان سے گری ہوئی ہیں' مگر چونکہ یعقوبؑ نے اپنے باپ کو دھوکہ دیا تھا' اس لیے اس کی سزا میں ان کے خسر نے ان کو دھوکہ دیا۔

3۔ یعقوبؑ نے ایک بیوی پر اکتفاء نہیں کیا' حالانکہ دو عورتوں سے نکاح کرنا' بالخصوص دو بہنوں سے عیسائیوں کے نظریہ کے مطابق حرام اور ناجائز ہے۔(6)

طریق الاولیاء کا جواب

طریق الاولیاء کے مصنف نے صفحہ 189 میں حسب ذیل معذرت کی ہے کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر یعقوب سے ان کا خسر لابن فریب کاری اور دھوکہ بازی نہ کرتا تو شاید یعقوب دوسرا نکاح نہ کرتے' اس لیے ایسی مجبوری والی صورت کی بناء پر تعدد ازواج کے جواز پر استدلال نہیں کیا جا سکتا' کیونکہ نہ تو یہ بات حکم خداوندی کے تحت ہوئی' اور نہ یعقوب کی رضا سے۔

جواب الجواب

یہ عذر لنگ کسی درجہ میں بھی مفید ثابت نہیں ہو سکتا اور نہ یعقوبؑ کو ارتکاب حرام کے جرم سے نجات دے سکتا ہے' اس لیے یعقوبؑ دوسرا نکاح کرنے پر کسی طرح بھی مجبور نہیں تھے' نہ ان پر اس سلسلہ میں کوئی اکراہ یا جبر کیا گیا تھا' جس سے معذور خیال کیا جا سکے۔ ان کا فرض تھا کہ ایک نکاح پر قناعت

کرتے، اور مزید ہوس نہ کرتے۔ اس موقع پر ہم بھی وہی بات کہہ سکتے ہیں جو مصنف طریق الاولیاء نے ابراہیم علیہ السلام کے طعن کے سلسلہ میں کہی تھی، کہ یعقوبؑ کو مسیحؑ کا وہ قول جو انجیل میں لکھا ہے خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ جس ذات نے دنیا کو بنایا اسی نے مرد و عورت کو تخلیق کیا، اسی طرح ان کو موسیٰؑ کا وہ قول بھی خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا قطعی حرام ہے، جیسا کہ باب 3 میں معلوم ہو چکا ہے، اس لیے یقیناً یہ ایک نکاح باطل تھا، اور جس عورت کا نکاح بھی باطل کہا جائے گا اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد سب کا ولدالزنا ہونا لازم آئے گا، اور دونوں صورتوں میں ہزاروں اسرائیلی پیغمبروں کو نعوذ باللہ ولدالزنا تسلیم کرنا پڑے گا۔

اب ذرا عیسائیوں کی دیانت داری ملاحظہ کیجئے، کہ محض اپنے فاسد اور غلط اصولوں کے بچاؤ اور تحفظ کی خاطر کس بے باکی کے ساتھ پیغمبروں پر شرمناک الزام لگانے سے نہیں ڈرتے، اور ایسی گندی باتیں ان کی مقدس ہستیوں کی طرف منسوب کرنے میں شرم نہیں کرتے، لیکن بات دراصل یہ ہے کہ ”دروغ گورا حافظہ نباشد“ اس لیے کہ اس کھینچ تان کے باوجود یہ عذر اور بہانہ زلفا اور بلہا کے سلسلہ میں کچھ بھی کارآمد نہیں ہو سکتا جن سے یعقوب نے لیاہ اور راحیل کے اشارے اور کہنے پر نکاح کیا، جس کی تصریح کتاب پیدائش باب 30 میں موجود ہے۔ عیسائی اصول کے مطابق ان کی تمام اولاد بھی اسی طرح ولدالزنا قرار پاتی ہے۔

راحیل کی چوری، جھوٹ اور بت پرستی، الزام نمبر 12

کتاب پیدائش باب 31 فقرہ 19 میں ہے:

”اور لابن اپنی بھیڑوں کی پشم کترنے کو گیا ہوا تھا، سو راحل اپنے باپ کے بتوں کو چرا لے گئی، اور یعقوب لابن ارامی کے پاس سے چوری سے چلا گیا، کیونکہ اسے اس نے اپنے بھاگنے کی خبر نہ دی، سو وہ اپنا سب کچھ لے کر بھاگا، اور دریا پار ہو کر اپنا رخ کوہِ جلعاد کی طرف کیا اور تیسرے دن لابن کو خبر ہوئی، کہ یعقوب بھاگ گیا تب اس نے اپنے بھائیوں کو ہمراہ لے کر سات، منزل تک اس کا تعاقب کیا، اور جلعاد کے پہاڑ پر اسے جا پکڑا۔“

پھر فقرہ نمبر 29 (اظہار الحق میں ایسا ہی ہے، مگر صحیح فقرہ 26 ہے، موجودہ ترجموں میں یہ عبارت فقرہ 26 میں ہے) میں ہے:

تب لابن نے یعقوب سے کہا کہ تو نے یہ کیا کیا، کہ میرے پاس سے چوری سے چلا آیا اور میری بیٹیوں کو بھی اس طرح لے آیا گویا وہ تلوار سے اسیر کی گئی ہیں۔“

پھر فقرہ نمبر 30 میں ہے:

”خیر اب تو چلا آیا تو چلا آیا، کیونکہ تو اپنے باپ کے گھر کا بہت مشتاق ہے،

لیکن میرے بتوں کو کیوں چرا لایا؟ تب یعقوب نے لابن سے کہا.......... اب جس کے پاس تجھے تیرے بت ملیں وہ جیتا نہیں بچے گا' تیرا جو کچھ میرے پاس نکلے اسے ان بھائیوں کے آگے پہچان کر لے...... چنانچہ لابن' یعقوب اور لیاہ اور دونوں لونڈیوں کے خیموں میں گیا' پر ان کو وہاں نہ پایا...... اور راخل ان بتوں کو لے کر اور ان کو اونٹ کے کجاوہ میں رکھ کر ان پر بیٹھ گئی تھی' اور لابن نے سارے خیمہ میں ٹٹول ٹٹول کر دیکھ لیا' پر ان کو نہ پایا۔ تب وہ اپنے باپ سے کہنے لگی کہ اے میرے بزرگ! تو اس بات سے ناراض نہ ہونا کہ میں تیرے آگے اٹھ نہیں سکتی' کیونکہ میں ایسے حال میں ہوں جو عورتوں کو ہوا کرتا ہے سو اس نے ڈھونڈا پر وہ بت اس کو نہ ملے۔" (فقرات 30 تا 35)

غور کیجئے کہ راخل باپ کے بتوں کو چوری کرنے کے باوجود کس طرح صاف جھوٹ بول رہی ہے' اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے' کہ اس نے ان بتوں کو عبادت کرنے ہی کی غرض سے چوری کیا تھا' جب کہ کتابِ پیدائش باب نمبر 35 کی عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے' چنانچہ آنے والے شاہد میں آپ کو معلوم ہوا جاتا ہے' اور اس لیے بھی کہ یہ عورت بت پرست گھرانے کی لڑکی تھی' اس کا باپ بھی بت پرستی کرتا تھا جیسا کہ فقرہ 30 اور 32 اس پر دلالت کرتی ہیں' اس لیے یہ ظاہر یہی ہے کہ یہ عورت بھی اپنے باپ کے مذہب پر تھی' لیجئے یعقوبؑ کی محبوبہ بیوی چور بھی نکلی' جھوٹی بھی ثابت ہوئی اور بت پرست بھی۔

خاندانِ یعقوبؑ کی بت پرستی' الزام نمبر 13

کتابِ پیدائش باب 35 فقرہ 2 میں ہے:

"تب یعقوب نے اپنے گھرانے اور اپنے سب ساتھیوں سے کہا کہ بیگانہ دیوتاؤں کو جو تمہارے درمیان ہیں دور کرو' اور طہارت کر کے اپنے کپڑے بدل ڈالو...... تب انہوں نے سب بیگانہ دیوتاؤں کو جو ان کے پاس تھے' اور مندروں (بندے جو کانوں میں پہنتے جاتے ہیں) کو جو ان کے کانوں...... میں تھے یعقوبؑ کو دے دیا' اور یعقوبؑ نے ان کو اس بلوط کے درخت کے نیچے جو سکم کے نزدیک تھا دبا دیا۔" (فقرات 2 تا 4)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یعقوبؑ کی نہ صرف بیویاں بلکہ پورا گھرانہ اس وقت تک بت کدہ بنا ہوا تھا' اور یہ سب بت پرستی کر رہے تھے۔ یعقوبؑ کے گھرانے کی شان کو دیکھئے تو یہ حرکت بڑی ہی شنیع اور قبیح معلوم ہوتی ہے' کیا اس سے پہلے یعقوبؑ نے کبھی ان کو اس شیطانی فعل سے منع نہیں کیا؟ اور پھر جب ان لوگوں نے تمام بت یعقوبؑ کے حوالے کر دیئے تھے تو ظاہر یہی ہے کہ راخل نے

بھی وہ مسروقہ بت سپرد کر دیا ہوگا...... اب اصولاً یعقوبؑ پر واجب تھا کہ اس بت کو لابن کے پاس بھیج دیتے' نہ یہ کہ سکم کے پاس جو درخت تھا اس کے نیچے دفن کر ڈالیں' اور راحل کو بھی اس کے چوری کرنے پر قابلِ معافی قرار دے۔

حضرت یعقوبؑ کی اولاد پر تہمت' الزام نمبر 14

کتابِ پیدائش باب نمبر 34 فقرہ نمبر 1 میں ہے:

''اور لیاہ کی بیٹی دینہ جو یعقوبؑ سے اس کے پیدا ہوئی تھی اس ملک کی لڑکیوں کو دیکھنے کے لیے باہر گئی' تب اس ملک کے امیر حوی حمور کے بیٹے سکم نے اسے دیکھا اور اسے لے جا کر اس کے ساتھ مباشرت کی اور اسے ذلیل کیا' اور اس کا دل یعقوب کی بیٹی دینہ سے لگ گیا' اور خود اس نے دینہ کے دل میں جگہ کر لی (7) اور سکم نے اپنے باپ حمور سے کہا کہ اس لڑکی کو میرے لیے بیاہ لا دے۔''

آگے فقرہ میں ہے:

''تب حمور ان سے کہنے لگا کہ میرا بیٹا سکم تمہاری بیٹی کو دل سے چاہتا ہے۔ اسے اس کے ساتھ بیاہ دو۔ تب یعقوب کے بیٹوں نے...... جواب دیا اور کہنے لگے کہ ہم یہ نہیں کر سکتے کہ نامختون مرد کو اپنی بہن دیں کیونکہ اس میں ہماری بڑی رسوائی ہے' لیکن جیسے ہم میں اگر تم ویسے ہی ہو جاؤ کہ تمہارے ہر مرد کا ختنہ کر دیا جائے تو ہم راضی ہو جائیں گے۔''

پھر فقرہ 24 میں ہے:

''ان میں سے ہر مرد نے ختنہ کرایا اور تیسرے دن جب وہ درد میں مبتلا تھے تو یوں ہوا کہ یعقوبؑ کے بیٹوں میں سے دینہ کے دو بھائی شمعون اور لاوی اپنی اپنی تلوار لے کر ناگہاں شہر پر آ پڑے اور سب مردوں کو قتل کیا' اور حمور اور اس کے بیٹے سکم کو بھی تلوار سے قتل کر ڈالا' اور سکم کے گھر سے دینہ کو نکال کر لے گئے' اور یعقوب کے بیٹے مقتولوں پر آئے' اور شہر کو لوٹا اس لیے کہ انہوں نے ان کی بہن کو بے حرمت کیا تھا۔ انہوں نے ان کی بھیڑ بکریاں اور گائے بیل اور گدھے اور جو کچھ شہر اور کھیت میں تھا' لے لیا اور ان کی سب دولت لوٹی' اور ان کے بچوں اور بیویوں کو اسیر کر لیا اور جو کچھ گھر میں تھا سب لوٹ کھسوٹ کر لے گئے۔

(فقرات 24 تا 28)

ذرا یعقوب کی بیٹی دینہ کی پاک دامنی ملاحظہ کیجئے' جس کا مندرجہ بالا نقشہ عیسائیوں کا کھینچا ہوا

آپ کے سامنے ہے' کہ وہ زنا کرتی ہے اور سکم سے عشق بازیاں کرتی ہے' چنانچہ یہ الفاظ کہ ''خود دینہ کے دل میں اس نے جگہ کر لی'' اس دعوے کی واضح دلیل ہیں۔ پھر یعقوبؑ کے بیٹوں کا ظلم اور بربریت دیکھئے کہ شہر کے تمام مردوں کا قتل عام کیا' عورتوں اور بچوں کو غلام باندی بنایا' اور ان کے تمام اموال لوٹ لیے' ان ظالموں کا ظلم اور زیادتی محتاج دلیل نہیں ہے۔ البتہ ٹیپ کا بند یہ ہے کہ یعقوبؑ نے بھی ظلم میں کچھ کسر نہیں اٹھا رکھی' اس لیے کہ انہوں نے ذرہ برابر بھی اپنے بیٹوں کو اس شنیع حرکت کے ارتکاب سے نہیں روکا' اور یہ واقعہ پیش آنے کے بعد قانونی طور پر اس کا قصاص نہیں لیا' اور نہ چھینا ہوا مال و اسباب اور لونڈی غلام واپس کرائے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ یعقوبؑ اس معاملہ میں قطعی بے بس تھے' اور بیٹوں کی چھینی ہوئی اشیاء کے واپس کرانے کی ان کو قدرت نہیں تھی تو کم از کم ایسے ظالموں کا بائیکاٹ اور ان سے ترک تعلق تو کر سکتے تھے' اور ان کی ہمراہی اور رفاقت سے دستبردار تو ہو سکتے تھے۔ پھر یہ بات بھی بعید از عقل معلوم ہوتی ہے کہ اکیلے دو شخص پورے شہر کے ہزاروں لوگوں کو قتل کر دیں خواہ وہ لوگ ختنہ کی وجہ سے کتنے ہی بدحال اور کرب میں ہوں۔

باپ کی بیوی سے زنا' الزام نمبر 15

کتابِ پیدائش باب 35 فقرہ 22 میں ہے:

''روبن نے جا کر اپنے باپ کی حرم بلہاہ سے مباشرت کی اور اسرائیل کو یہ معلوم ہو گیا۔''

غور کیجئے! کہ یعقوبؑ کا بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیوی سے زنا کرتا ہے' اور پھر یعقوبؑ کو دیکھئے کہ انہوں نے نہ تو اپنے بیٹے پر حد جاری کی اور نہ تعزیر کی' اور نہ بلہاہ ہی کو کوئی سزا دی' حالانکہ بظاہر اس زمانہ میں زانی اور زانیہ کی سزا یہ تھی کہ دونوں کو آگ میں جلایا جائے' جیسا کہ کتاب پیدائش باب 38 فقرہ 24 سے یہی معلوم ہوتا ہے' البتہ اس بیٹے کے لیے صرف مرنے کے وقت بددعاء کی تھی' جیسا کہ باب 49 میں تصریح ہے:(8)

یہوداہ نے اپنی بہو سے زنا کیا' الزام نمبر 16

کتابِ پیدائش باب 38 فقرہ 6 میں ہے:

''اور یہوداہ اپنے پہلوٹھے بیٹے عیر کے لیے ایک عورت بیاہ لایا' جس کا نام تمر تھا' اور یہوداہ کا پہلوٹھا بیٹا عیر خداوند کی نگاہ میں شریر تھا' سو خداوند نے اسے ہلاک کر دیا' تب یہوداہ نے اونان سے کہا کہ اپنے بھائی کی بیوی کے پاس جا' او دیور کا حق ادا کرتا کہ تیرے بھائی کے نام سے نسل چلے' اور اونان جانتا تھا کہ یہ نسل میری نہ کہلائے گی' سو یوں ہوا کہ جب وہ اپنے بھائی کی بیوی کے پاس

جاتا تو نطفہ کو زمین پر گرا دیتا تھا کہ مبادا اس کے بھائی کے نام سے نسل چلے' اور اس کا یہ کام خداوند کی نظر میں بہت برا تھا' اس لیے اس نے اسے بھی ہلاک کیا' تب یہوداہ نے اپنی بہو تمر سے کہا کہ میرے بیٹے سیلہ کے بالغ ہونے تک تو اپنے باپ کے گھر بیوہ بیٹھی رہ' کیونکہ اس نے سوچا کہ کہیں یہ بھی اپنے بھائیوں کی طرح ہلاک نہ ہو جائے' سو تمر اپنے باپ کے گھر میں جا کر رہنے لگی' اور ایک عرصہ کے بعد ایسا ہوا کہ سوع کی بیٹی جو یہوداہ کی بیوی تھی مر گئی' اور جب یہوداہ اس کا غم بھولا تو وہ اپنے عدلامی دوست حیرہ کے ساتھ اپنی بھیڑوں کے پشم کے کترنے والوں کے پاس تمنت کو گیا' اور تمر کو یہ خبر ملی کہ تیرا خسر اپنی بھیڑوں کی پشم کترنے کے لیے تمنت کو جا رہا ہے تب اس نے رنڈاپے کے کپڑوں کو اتار پھینکا' اور برقع اوڑھا' اور اپنے کو ڈھانکا' اور عینیم کے پھاٹک کے برابر جو تمنت کی راہ پر ہے جا بیٹھی' کیونکہ اس نے دیکھا کہ سیلہ بالغ ہو گیا' مگر یہ اس سے بیاہی نہیں گئی' یہوداہ نے اسے دیکھ کر سمجھا کہ کوئی کسبی (''کسبی'' یعنی عصمت فروش' طوائف) ہے' کیونکہ اس نے اپنا منہ ڈھانک رکھا تھا سو وہ راستہ سے اس کی طرف کو پھرا' اور اس سے کہنے لگا کہ ذرا مجھے اپنے ساتھ مباشرت کر لینے دے' کیونکہ اسے بالکل نہیں معلوم تھا کہ وہ اس کی بہو ہے' اس نے کہا تو مجھے کیا دے گا تا کہ میرے ساتھ مباشرت کرے؟ اس نے کہا میں ریوڑ میں سے بکری کا ایک بچہ تجھے بھیج دوں گا' اس نے کہا کہ اس کے بھیجنے تک تو میرے پاس کچھ رہن کر دے گا؟ اس نے کہا اپنی مہر اور اپنا بازو بند اور اپنی لاٹھی جو میرے ہاتھ میں ہے۔

اس نے یہ چیزیں اسے دیں اور اس کے ساتھ مباشرت کی' اور وہ اس سے حاملہ ہو گئی' پھر وہ اٹھ کر چلی گئی' اور برقع اتار کر رنڈاپے کا جوڑا پہن لیا۔''

پھر فقرہ 24 میں ہے:

''اور قریباً تین مہینے کے بعد یہوداہ کو یہ خبر ملی کہ تیری بہو تمر نے زنا کیا' اور اسے چھنالے کا حمل بھی ہے' یہوداہ نے کہا کہ اسے باہر نکال لاؤ کہ وہ جلائی جائے' جب اسے باہر نکالا تو اس نے اپنے خسر کو کہلا بھیجا کہ میرے اسی شخص کا حمل ہے جس کی یہ چیزیں ہیں' سو تو پہچان تو سہی کہ یہ مہر اور بازو بند اور لاٹھی کس کی ہے؟ تب یہوداہ نے اقرار کیا اور کہا کہ وہ مجھ سے زیادہ صادق ہے' کیونکہ میں نے اسے اپنے بیٹے سیلہ سے نہیں بیاہا' اور پھر کبھی اس کے پاس نہ گیا۔

اور اس کے وضع حمل کے وقت معلوم ہوا کہ اس کے پیٹ میں توام ہیں اور جب

وہ جننے لگی تو ایک بچے کا ہاتھ باہر آیا' اور دائی نے پکڑ کر اس کے ہاتھ میں لال ڈورا باندھ دیا' اور کہنے لگی کہ یہ پہلے پیدا ہوا' اور یوں ہوا کہ اس نے اپنا ہاتھ پھر کھینچ لیا' اتنے میں اس کا بھائی پیدا ہو گیا' تب وہ دائی بول اٹھی کہ تو کیسے زبردستی نکل پڑا؟ سو اس کا نام فارض (عبرانی زبان کا لفظ ہے' اس کے معنی ہیں ''چاک'') رکھا گیا' پھر اس کا بھائی جس کے ہاتھ میں لال ڈورا بندھا تھا پیدا ہوا' اور اس کا نام زارح (عبرانی میں اس کے معنی ہیں ''طلوع آفتاب'') رکھا گیا۔'' (فقرات 1 تا 30)

اس موقع پر چند امور غور طلب ہیں:۔

1۔ اول یہ کہ خدا نے عیر کو محض اس لیے قتل کر دیا کہ وہ شریر تھا' مگر اس کی شرارت کی کوئی وضاحت نہیں کی جاتی' کیا اس غریب کی شرارت اس کے بڑے چچا کی شرارت سے بھی کچھ زیادہ تھی؟ جس نے اپنے باپ کی بیوی سے زنا کیا تھا' اور اپنے دوسرے دو چچاؤں شمعون اور لاوی سے بھی زیادہ تھی؟ جنہوں نے پورے شہر کے تمام مردوں کو قتل کر ڈالا تھا' اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام باندی بنایا تھا؟ اور کیا اس کا کمینہ پن اپنے باپ کی کمینگی سے بھی بڑھا ہوا تھا جس نے اس کی موت کے بعد اس کی بیوی سے زنا کیا؟ کیا یہ سب لوگ تو شفقت اور عنایت کے مستحق اور قتل کے لائق نہ تھے' اور عیر غریب واجب القتل تھا؟ جس کو خدا نے قتل کر دیا۔

2۔ دوسرے یہ کہ خدا نے اونان کو نطفہ کے زمین پر ڈال دینے کے جرم میں قتل کر دیا' مگر اس کے چچاؤں اور باپ کو مذکورہ سنگین جرائم کے باوجود جوان سے سرزد ہوئے قتل نہیں کیا' کیا محض نطفہ کا زمین پر ڈال دینا ان جرائم سے بھی زیادہ شدید تھا؟

3۔ تیسرے یعقوبؑ نے اپنے اس پیارے بیٹے پر نہ تو حد زنا جاری کی' اور نہ کوئی سزا دی اور نہ اس بدکار عورت کو کوئی سزا دی' بلکہ نہ تو اس باب سے اور نہ کسی اور باب سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یعقوبؑ ...... اپنے بیٹے کی اس سیہ کاری پر اس سے ذرا بھی رنجیدہ...... ہوئے ہوں' پیدائش کا باب 49 اس کے رنجیدہ نہ ہونے کا سچا گواہ موجود ہے کہ یعقوبؑ نے روبن و شمعون ولاوی کی حرکتوں پر تو کچھ مذمت بھی کی' مگر یہوداہ کی حرکت پر کچھ بھی برا نہیں مانا' بلکہ خاموشی اختیار کی اور اس کی بے شمار تعریف کی اور دوسرے بھائیوں پر اس کو ترجیح دی۔

4۔ چوتھے تمر جیسی فاحشہ زانیہ کے حق میں اس کا سسر یہوداہ بڑی نیک ہونے کی شہادت دیتا ہے' سبحان اللہ! کیا کہنے ہیں' فیصلہ کرنے والا بھی ماشاء اللہ خود اعلیٰ درجہ کا نیک اور وہ عورت بھی کمال درجہ کی پارسا' بھلا وہ عورت اعلیٰ درجہ کی نیک کیوں نہ ہو جس نے اپنی شرمگاہ اپنے سسر کے علاوہ اور کسی کے سامنے نہ کھولی ہو؟ اور زنا بھی کیا تو کسی اجنبی کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے

شوہر کے باپ سے' یا اس لیے کہ اس ہی زنا سے دو کامل فرزندوں کی ولادت عمل میں آئی۔

5۔ پانچویں یہ کہ داؤدؑ سلیمان اور عیسیٰ علیہم السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر سب کے سب فارض کی اولاد سے ہیں' جو خود زنا کی پیداوار ہے' چنانچہ انجیل متیٰ کے باب 1 میں تصریح موجود ہے۔

6۔ تعجب ہے کہ خدا نے فارض اور زارح کو قتل نہ کیا' حالانکہ یہ دونوں ولد الزنا تھے' بلکہ ان دونوں کو اور لوطؑ کے زنا سے پیدا ہونے والے دونوں بیٹوں کو زندہ رکھا' داؤد علیہ السلام کے بیٹے کی طرح قتل نہیں کیا' جو داؤد کے اُوریا کی بیوی سے زنا کرنے سے پیدا ہوا تھا' شاید یہ وجہ ہو کہ اجنبی عورت سے زنا کرنا بیٹے کی بیوی کے ساتھ زنا کرنے سے زیادہ شدید اور سنگین ہے۔

حضرت ہارونؑ نے بچھڑے کو دیوتا بنایا' الزام نمبر 17

کتابِ خروج باب 32 فقرہ 1 میں ہے:

"اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰؑ نے پہاڑ سے اترنے میں دیر لگائی' تو وہ ہارونؑ کے پاس جمع ہو کر اس سے کہنے لگے کہ اُٹھ ہمارے لیے دیوتا بنا دے جو ہمارے آگے آگے چلے' کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اس مرد موسیٰؑ کو جو ہم کو ملکِ مصر سے نکال کر لایا' کیا ہو گیا؟ ہارونؑ نے ان سے کہا تمہاری بیویوں اور لڑکوں اور لڑکیوں کے کانوں میں جو سونے کی بالیاں ہیں' ان کو اتار کر میرے پاس لے آؤ' اور اس نے ان کو ان کے ہاتھوں سے لے کر ایک ڈھلا ہوا بچھڑا بنایا' جس کی صورت چھینی سے ٹھیک کی' تب وہ کہنے لگے' اے اسرائیل یہی وہ تیرا دیوتا ہے جو تجھ کو ملک مصر سے نکال کر لایا' یہ دیکھ کر ہارونؑ نے اس کے آگے ایک قربان گاہ بنائی' اور اس نے اعلان کر دیا کہ کل خداوند کے لیے عید ہو گی' اور دوسرے دن صبح سویرے اٹھ کر انہوں نے قربانیاں چڑھائیں' اور سلامتی کی قربانیاں گذرانیں پھر ان لوگوں نے بیٹھ کر کھایا پیا اور اٹھ کر کھیل کود میں لگ گئے۔"

(فقرات 1 تا 6)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہارونؑ نے ایک بچھڑا بنایا تھا' اور اس کے آگے ایک قربان گاہ بھی بنائی تھی' اور اعلان کیا تھا کہ کل خدا کے لیے عید ہو گی پھر بچھڑے کی پوجا کی' اور بنی اسرائیل کو بھی اس کی عبادت کا حکم دیا' پھر لوگوں نے قربانی کی' اور جانوروں کو ہنکایا' یہ بات یقینی ہے کہ حضرت ہارونؑ رسول ہیں' پادری سمتھ نے اپنی کتاب مسمی تحقیق الدین الحق مطبوعہ 1842ء ص 42 قسم اول میں لکھا ہے کہ:

''جس طرح پر ان کے درمیان یعنی بنی اسرائیل کے درمیان کوئی بادشاہ نہیں تھا' اسی طرح سوائے موسیٰ اور ہارونؑ اور ان کے ستر مددگاروں کے کوئی نبی بھی نہ تھا۔''

پھر کہتا ہے کہ:

''ان کا موسیٰ اور ہارونؑ اور دونوں کے مددگاروں کے سوا کوئی نبی نہ تھا''

معلوم ہوا کہ حضرت ہارونؑ عیسائیوں کے نزدیک بھی نبی ہیں' ناظرین کو یہ بات خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ ہم نے یہ دونوں عبارتیں نسخہ مطبوعہ 1842ء سے نقل کی ہیں' اور اس نسخہ کا رد بھی لکھا ہے جس کا نام...... تقلیب المطاعن ہے' اسی طرح صاحب استفسار نے بھی اس نسخہ کا رد لکھا ہے میں نے سنا ہے کہ رد لکھے جانے کے بعد اس پادری نے اپنی کتاب میں تحریف کر ڈالی' اور بعض مقامات پر کمی بیشی اور بعض جگہ تبدیلی کی' جس طرح میزان الحق کے مصنف نے میزان کے نسخہ میں تحریف کی تھی۔ اب ہم کو علم نہیں کہ اس پادری نے ان دونوں عبارتوں کو بھی آخری محرف نسخہ میں باقی رکھا ہے یا نہیں؟ عہد عتیق کی عبارتیں بھی ہارونؑ کی نبوت پر دلالت کرتی ہیں' اور ہارونؑ کا موسیٰ کی شریعت کا تابع ہونا ان کی نبوت کے منافی نہیں ہے' جس طرح یوشعؑ' داؤد اور اشعیاءؑ وارمیاء اور حزقیال وغیرہ نبیوں کی نبوت کے منافی نہیں' جو موسیٰ اور عیسیٰ کے درمیان میں ہوئے ہیں۔

کتاب خروج باب 4 فقرہ 27 میں ہے:

''اور خداوند نے ہارون سے کہا کہ بیابان میں جا کر موسیٰ سے ملاقات کر' وہ گیا' اور خدا کے پہاڑ پر اس سے ملا۔''

اور کتاب گنتی باب 18 فقرہ 1 میں ہے:

''اور خداوند نے ہارون سے کہا کہ الخ''

اس پورے باب میں درحقیقت حضرت ہارونؑ ہی مخاطب ہیں' اور باب 2' 4' 14' 16' 19 میں یہ عبارت موجود ہے کہ:

''اور خدا نے موسیٰ اور ہارونؑ سے کہا:''

یہ عبارت چھ مقامات پر ہے اور کتاب خروج باب 6 فقرہ 13 میں ہے:

''تب خداوند نے موسیٰ اور ہارونؑ کو بنی اسرائیل اور مصر کے بادشاہ فرعون کے حق میں اس مضمون کا حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو ملک مصر سے نکال لے جائیں۔''

ان عبارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ نے ہارونؑ کے پاس تنہا بھی وحی بھیجی' اور موسیٰ کی شرکت میں بھی' اور انہیں فرعون و بنی اسرائیل کی جانب اسی طرح رسول بنا کر بھیجا' جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا تھا' نیز جو شخص بھی کتاب الخروج کا مطالعہ کرے گا اس پر یہ بات اچھی طرح روشن ہو جائے

گی کہ فرعون کے مقابلہ میں جس قدر بھی معجزات دکھائے گئے تھے ان میں سے بیشتر ہارونؑ کے ہاتھ سے ظاہر ہوئے اسی طرح ہارونؑ و موسیٰؑ کی بہن مریم بھی نبیہ تھیں جس کی تصریح کتاب خروج باب 15 فقرہ 20 میں یوں کی گئی ہے کہ:

''تب ہارون کی بہن مریم نبیہ نے دف ہاتھ میں لیا۔''

اور زبور نمبر 105 فقرہ 26 میں ہے:

''اس نے اپنے بندہ موسیٰ کو اور اپنے برگزیدہ ہارون کو بھیجا''

اور زبور نمبر 106 فقرہ 16 میں ہے:

''انھوں نے خیمہ گاہ میں موسیٰ کو ر خداوند کے مقدس مرد ہارون (کو غضبناک کر دیا) (موجودہ تمام ترجموں میں قوسین کی جگہ یہ الفاظ ہیں ''پر حسد کیا'')

ایسی شکل میں مصنف میزان الحق کا اپنی کتاب مسمی حل الاشکال مطبوعہ 1847ء میں حضرت ہارون علیہ السلام کی نبوت سے انکار کر دینا بالکل ہی غلط ہے۔

اٹھارہواں الزام

کتاب خروج باب 2 فقرہ 11 میں ہے:

''اتنے میں جب موسیٰ بڑا ہوا تو باہر اپنے بھائیوں کے پاس گیا اور ان کی مشقتوں پر اس کی نظر پڑی اور اس نے دیکھا کہ ایک مصری اس کے ایک عبرانی بھائی کو مار رہا ہے پھر اس نے ادھر ادھر نگاہ کی اور جب دیکھا کہ وہاں کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے تو اس مصری کو جان سے مار کر اسے ریت میں چھپا دیا۔''

(فقرات 11'12)

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس شخص کو محض قومی عصبیت کی بناء پر مار ڈالا تھا۔(9)

انیسواں الزام

کتاب خروج باب 4 فقرہ نمبر 10 میں ہے:

''تب موسیٰ نے خداوند سے کہا اے خداوند! میں فصیح نہیں نہ تو پہلے ہی تھا اور نہ جب سے تو نے اپنے بندے سے کلام کیا بلکہ رک رک کر بولتا ہوں تب خداوند نے اس سے کہا کہ آدمی کا منہ کس نے بنایا ہے؟ اور کون گونگا یا بہرا یا بینا یا اندھا کرتا ہے؟ کیا میں ہی جو خداوند ہوں یہ نہیں کرتا؟ سو اب تو جا اور میں تیری زبان کا ذمہ لیتا ہوں اور تجھے سکھاتا رہوں گا کہ تو کیا کیا کہے تب اس نے کہا

اے خداوند میں تیری منت کرتا ہوں۔ کسی اور کے ہاتھ سے جسے تو چاہے یہ پیغام بھیج' تب خداوند کا قہر موسیٰ پر بھڑکا" (فقرات 10 تا 14)

ذرا غور فرمایئے! اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کرتے ہیں' اور پورا اطمینان دلاتے ہیں' مگر اس کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کو وعدۂ خداوندی پر قطعی اعتماد اور بھروسہ نہیں ہوتا' اور وہ برابر نبوت سے انکار کیے جارہے ہیں' اور منصب نبوت کے قبول کرنے سے عذر کرتے ہیں' جس کے نتیجہ میں خدا ان پر ناراض اور غضبناک ہو جاتا ہے۔

تختیاں توڑ دیں' الزام نمبر 20

کتاب خروج باب 32 فقرہ 19 میں ہے:

"اور لشکر گاہ کے نزدیک آ کر اس نے وہ بچھڑا اور ان کا ناچنا دیکھا' تب موسیٰ کا غضب بھڑکا اور اس نے ان لوحوں کو اپنے ہاتھوں میں سے پٹک دیا اور ان کو پہاڑ کے نیچے توڑ ڈالا"

یہ دونوں تختیاں خدا کی صنعت تھیں' اور خدا کی تحریر کی حامل تھیں' جس کی تصریح اس باب میں موجود ہے' جن کو موسیٰؑ نے غلطی سے توڑ ڈالا' اور پھر اس جیسی تختیاں نصیب نہیں ہو سکیں' کیونکہ دو تختیاں جو بعد میں حاصل ہوئیں وہ موسیٰؑ کی بنائی ہوئی اور ان کے قلم کی لکھی ہوئی تھیں' جس کی تصریح سفر خروج باب 34 میں موجود ہے۔

موسیٰؑ و ہارونؑ کی نافرمانی' الزام نمبر 21

کتاب گنتی باب 20 فقرہ 12 میں ہے:

"موسیٰ و ہارون سے خداوند نے کہا چونکہ تم نے میرا یقین نہیں کیا کہ بنی اسرائیل کے سامنے میری تقدیس کرتے' اس لیے تم اس جماعت کو اس ملک میں جو میں نے ان کو دیا ہے نہیں پہنچانے پاؤ گے"

اور کتاب استثنا باب 32 فقرہ 48 میں ہے:

"اور اسی دن خداوند نے موسیٰؑ سے کہا کہ تو اس کوہ عباریم پر چڑھ کر (جو جبل مجازات ہے) (موجودہ ترجمہ میں یہ الفاظ نہیں ہیں) بنو کی چوٹی کو جا' جو یریحو کے مقابل ملک موآب میں ہے' اور کنعان کے ملک کو جسے میں میراث کے طور پر بنی اسرائیل کو دیتا ہوں دیکھ لے اور اسی پہاڑ پر جہاں تو جائے وفات پا کر اپنے لوگوں میں شامل ہو' جیسے تیرا بھائی ہارون ہور کے پہاڑ پر مرا اور اپنے لوگوں میں جا ملا' اس لیے کہ تم دونوں نے بنی اسرائیل کے درمیان دشت سین کے

قادس میں مریبہ کے چشمہ پر میرا گناہ کیا' کیونکہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان میری تقدیس نہ کی' سو تو اس ملک کو اپنے آگے دیکھ لے گا' لیکن تو وہاں اس ملک میں جو میں بنی اسرائیل کو دیتا ہوں جانے نہ پائے گا۔" (فقرات 48 تا 52)

اب ان دونوں عبارتوں میں صاف اس امر کی تصریح پائی جاتی ہے کہ موسیٰؑ اور ہارونؑ دونوں سے خطا صادر ہوئی' جس کے نتیجہ میں یہ دونوں ارضِ مقدس میں داخلہ سے محروم کر دیئے گئے' پھر خدا نے ان کو دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ نہ تم میری تصدیق کرتے ہو اور نہ میری پاکی بیان کرتے ہو' اور تم دونوں نے میری نافرمانی کی۔

شمسون اور دلیلہ کا قصہ' الزام نمبر 22

شمسون نبی نے ایک زانیہ عورت کے ساتھ زنا کیا جو غزہ میں رہتی تھی' پھر ایک دوسری عورت سے جس کا نام دلیلہ تھا' اور جو وادی سورق کی رہنے والی تھی' عشق بازی کی' اور اس کے پاس جایا کرتا تھا' اس عورت سے فلسطین کے کافروں نے کہا کہ تو اس سے دریافت کر کہ وہ کونسا طریقہ ہے جس سے فلسطین کے لوگ تجھ پر غالب آ سکیں؟ اور تجھ کو باندھ سکیں؟ اور پھر تو اس بندش کو نہ توڑ سکے؟ اور اس عورت کو بہت بڑے انعام کا لالچ دیا۔

چنانچہ اس زانیہ نے شمسون سے پوچھا' اس نے تین بار اس عورت سے جھوٹ بولا' اور غلط باتیں بتلاتا رہا' اس پر دلیلہ نے کہا کہ تو کیسے مجھ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے جبکہ تیرا دل میرے ساتھ نہیں ہے؟ یہی وجہ ہے کہ تو نے تین بار مجھ سے جھوٹ بولا' اور بہت روز تک وہ عورت اپنی باتوں سے اس کو مجبور کرتی رہی' آخر کار اس نے مجبور ہو کر اس عورت کو ہر بات بتا دی' اور کہا کہ اگر وہ لوگ میرے سر کے بال مونڈ دیں تو میری قوت و طاقت ختم ہو سکتی ہے' اور پھر میں ایک معمولی آدمی کے مانند ہو جاؤں گا' جب اس عورت کو یقین ہو گیا کہ اس نے اپنے دل کی سب بات بتا دی ہے تو فلسطین کے رؤسا کو بلایا' اور اس کو اپنے گھٹنے پر سلا دیا' اور نائی کو بلا کر اس کے سر کے بال مونڈ دیئے' جس سے اس کی قوت ختم ہو گئی پھر لوگوں نے اس کو پکڑ کر دونوں آنکھیں نکال ڈالیں' اور اس کو قید خانہ میں ڈال دیا آخر اسی جگہ اس کی وفات ہوئی۔

اس واقعہ کی تصریح کتاب قضاۃ کے باب 16 میں موجود ہے' اور شمسون نبی تھے' جن کی نبوت پر کتاب مذکور کے باب 13 کا فقرہ ("وہ لڑکا پیٹ ہی سے خدا کا نذیر ہوگا" (5:13) اور باب 14 کا فقرہ ("تب خدا کی روح اس پر زور سے نازل ہوئی" (6:14) اور بابت 15 کے فقرات ("تب خداوند نے اسے پکارا") 18 اور 19 اور عبرانیوں کے نام خط باب 11 کا فقرہ 32 دلالت کر رہے ہیں۔

حضرت داوٗدؑ کا جھوٹ' الزام نمبر 23

کتاب سموئیل اول باب 21 فقرہ 1 میں اس وقت کا حال لکھا ہے جب حضرت داوٗد علیہ السلام شاہِ اسرائیل ساؤل سے ڈر کر بھاگے اور نوب میں اخی ملک کاہن کے پاس پہنچے:

"اور داوٗد نوب میں اخیملک کاہن کے پاس آیا' اور اخیملک داوٗد سے ملنے کو کانپتا ہوا آیا' اور اس سے کہا تو کیوں اکیلا ہے؟ اور تیرے ساتھ کوئی آدمی نہیں؟ داوٗد نے اخیملک کاہن سے کہا کہ بادشاہ نے مجھے ایک کام کا حکم کرکے کہا ہے کہ جس کام پر میں تجھے بھیجتا ہوں' اور جو حکم میں نے تجھے دیا ہے وہ کسی شخص پر ظاہر نہ ہو' سو میں نے جوانوں کو فلانی فلانی جگہ بٹھا دیا ہے' پس اب تیرے ہاں کیا ہے؟ میرے ہاتھ میں روٹیوں کے پانچ گردے یا جو کچھ موجود ہوئے"

پھر فقرہ 6 میں ہے کہ:

"تب کاہن نے مقدس روٹی اس کو دی"

اور فقرہ 8 میں ہے کہ:

"پھر داوٗد نے اخیملک سے پوچھا کیا یہاں تیرے پاس کوئی نیزہ یا تلوار نہیں؟ کیونکہ میں اپنی تلوار اور اپنے ہتھیار ساتھ نہیں لایا' کیونکہ بادشاہ کے کام کی جلدی تھی"

دیکھئے داوٗد علیہ السلام نے پے در پے جھوٹ بولا' اور اس دروغ بیانی کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنی اسرائیل کے سفاک بادشاہ ساؤل نے شہر نوب کے تمام باشندوں کو قتل کر ڈالا' مردوں کو بھی' عورتوں کو بھی' بچوں کو بھی' یہاں تک کہ ان کے جانوروں' گائیوں' بکریوں اور گدھوں کو بھی' نیز اس حادثہ میں 850 کاہن بھی مارے گئے' اخیملک کا صرف ایک بیٹا جس کا نام ابیاتر تھا بمشکل جان بچا کر بھاگا اور داوٗد علیہ السلام کے پاس پہنچا' تب داوٗدؑ نے اقرار کیا' کہ میں تیرے سارے گھرانے کے قتل کا سبب ہوں' جس کی تصریح اسی کتاب کے باب 22 میں موجود ہے۔

حضرت داوٗدؑ کا زنا' الزام نمبر 24

سفر سموئیل ثانی باب 11 میں ایک قصہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ داوٗد علیہ السلام ظہر کے بعد اپنے بستر سے اٹھے اور شاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگے' اتفاقاً ان کی نگاہ ایک عورت پر پڑی جو غسل کر رہی تھی' اور بڑی ہی خوب صورت تھی' داوٗدؑ نے کسی آدمی کو بھیج کر اس عورت کی نسبت معلوم کرایا' تو لوگوں نے بتایا کہ یہ اوریا (اوریا حضرت داوٗد علیہ السلام کی فوج کا ایک جرنیل تھا' اور یوآب فوج کا سپہ سالار) کی بیوی بت سبع ہے' پھر داوٗدؑ نے آدمیوں کو بھیج کر اس عورت کو پکڑوا لیا' اور اس کے ساتھ صحبت

کی' پھر وہ اپنے گھر واپس چلی گئی اور حمل رہ گیا' عورت نے اس کو اس کی اطلاع دی اور کہا' کہ میں حاملہ ہوں' پھر داؤد نے یوآب کو اوریا کی جانب یہ کہہ کر روانہ کیا کہ اوریا کو میرے پاس بھیج دے' یوآب نے اوریاء کو داؤد کے پاس بھیجا' داؤدؑ نے اوریا سے یوآب اور قوم کی سلامتی اور لڑائی کے بارے میں سوالات کیے' پھر کہا تو اپنے گھر جا۔

اور یا نکلا اور شاہی محل کے دروازہ پر سو گیا' اور اپنے گھر نہ گیا' لوگوں نے داؤدؑ کو اطلاع دی' کہ اُوریا اپنے گھر نہیں گیا' حضرت داؤدؑ نے اُوریا سے پوچھا کہ تو اپنے گھر کیوں نہیں گیا؟ اوریا نے جواب دیا کہ اللہ کا تابوت اور اسرائیل اور یہوداہ تو خیموں میں ہوں اور میرا مالک یوآب اور اس کے خادم کھلے میدان میں پڑے ہوں' اور اس حالت میں میں اپنے گھر چلا جاؤں؟ اور کھاؤں پیوں؟ اور اپنی بیوی کے ساتھ سوؤں؟ نہیں! ہرگز نہیں؟! قسم ہے آپ کی جان کی! میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا' داؤد علیہ السلام نے کہا کہ تو آج یہاں قیام کر' اور کل میں تجھ کو بھیج دوں گا۔

اس دن اوریا یروشلیم میں رہا' اگلے روز داؤد علیہ السلام نے اس کو بلایا تاکہ اس کے سامنے کھائے پیے۔ پھر اس کو شراب پلائی' یہاں تک کہ شام کا وقت گذر گیا' اور وہ اسی جگہ اپنے آقا کے غلاموں کے پاس سو گیا' اور اپنے گھر نہ گیا' پھر جب صبح ہو گئی تو داؤدؑ نے ایک خط یوآب کو لکھا اور اوریا کے ہاتھ اس کو بھیجا' اور کہا کہ اوریا کو میدانِ جنگ کے اول صف میں بھیجو' اور لڑائی جب خوب گھمسان کی ہونے لگے تو لوٹ آؤ' اور اس کو اکیلا چھوڑ دو' تاکہ مارا جائے۔

پھر جب یوآب نے شہر کا محاصرہ کیا تو اوریا کو اس جگہ رکھا' جہاں کی نسبت معلوم ہوا کہ بہادر لوگوں کا اجتماع ہے' چنانچہ بستی والے نکلے اور یوآب سے لڑائی شروع کر دی' قوم کے بہت سے لوگ داؤدؑ کے غلام اور اُوریا گر پڑے' اور اوریا مارا گیا' یوآب نے داؤد علیہ السلام کے پاس آدمی بھیجا' اور اطلاع دی کہ اوریا مارا گیا' اس کی بیوی نے جب سنا کہ اس کا انتقال ہو گیا': تو اس پر نوحہ کرنے لگی' پھر جب نوحہ کے دن ختم ہو گئے تو داؤدؑ نے اس کو بلوا کر اپنے گھر رکھ لیا اور وہ اس کی بیوی بن گئی۔ اس سے ایک لڑکا بھی جنا' اور یہ حرکت بہت ہی بری ہوئی جو داؤد علیہ السلام نے خدا کے سامنے کی' کتاب سموئیل دوم باب 12 فقرہ 9 میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ناتن پیغمبر کی معرفت حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ پیغام بھیجا کہ:

> "تو نے کیوں خداوند کی بات کی تحقیر کر کے اس کے حضور بدی کی؟ تو نے حتی اوریا کو تلوار سے مارا' اور اس کی بیوی لے لی' تاکہ وہ تیری بیوی بنے' اور اس کو بنی عمون کی تلوار سے قتل کروایا۔"

پھر فقرہ 14 میں ہے:

> "تو بھی چونکہ تو نے اس کام سے خدا کے دشمنوں کو کفر بکنے کا بڑا موقع دیا ہے' اس لیے وہ لڑکا بھی جو تجھ سے پیدا ہو گا مر جائے گا"

غور فرمایئے! اس واقعہ میں داؤد علیہ السلام سے مسلسل آٹھ جرائم کا ارتکاب ہوا:

اول تو یہ کہ انہوں نے ایک اجنبی اور نا محرم عورت کو شہوت کی نظر سے دیکھا حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے کہ: "جو شخص شہوت کی نگاہ سے کسی عورت کو دیکھتا ہے تو گویا اس نے اپنے قلب سے زنا کا ارتکاب کر لیا۔" جس کی تصریح انجیل متی باب 5 میں موجود ہے۔

دوسرے یہ کہ انہوں نے صرف شہوت سے دیکھنے پر اکتفا نہیں کیا' بلکہ اس کو بلایا اور اس کے ساتھ زنا کیا' حالانکہ زنا کی حرمت قطعی ہے' اور احکام عشرہ میں سے ہے' چنانچہ خدا نے توریت میں فرمایا کہ: تو زنا مت کر"

تیسرے یہ کہ زنا بھی پڑوسی کی بیوی سے کیا' جو زنا کی شدید اور سنگین قسم ہے اور خود ایک مستقل دوسرا گناہ ہے۔

چوتھے یہ کہ حد زنا نہ اپنے اوپر جاری کی' اور نہ اس عورت پر' حالانکہ سفر احبار کے باب 20 فقرہ 10 میں یوں لکھا ہے کہ: "اور جو شخص دوسرے کی بیوی سے یعنی اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرے وہ زانی اور زانیہ دونوں ضرور جان سے مار دیئے جائیں۔" اور کتاب استثناء باب 22 فقرہ 22 میں ہے: "اگر کوئی مرد کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتے پکڑا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں" یعنی وہ مرد بھی جس نے اس عورت سے صحبت کی' اور وہ عورت بھی' یوں تو اسرائیل میں سے ایسی برائی کو دفع کرنا"

پانچویں یہ کہ داؤد علیہ السلام نے اُوریا کو لشکر سے بلایا اور اس کو گھر جانے کا حکم دیا' اور بڑی غرض داؤدؑ کی یہ تھی کہ اس طرح اس کو بھیج کر اپنے عیب پر پردہ ڈالے' اور یہ حمل اُوریا کی جانب منسوب ہو جائے' اور جب وہ اپنی دینداری کی وجہ سے نہ گیا' اور قسم کھا بیٹھا کہ میں نہیں جاؤں گا' تو اس کو داؤدؑ نے دوسرے روز بھی ٹھہرایا' اور اس کو بہت سی شراب پلا کر بدمست کر دیا' تاکہ خمار کی حالت میں گھر چلا جائے' مگر وہ اس حالت میں بھی اپنی دینداری میں پختہ رہا' اور اپنی اس حسین بیوی کی جانب جو شرعاً و عقلاً اس کے لیے جائز اور حلال تھی' قطعی متوجہ نہ ہوا' اللہ اکبر! کیا ٹھکانا ہے اہل کتاب کے یہاں عوام کی دینداری اور دیانتداری کا کہ ایک جائز کام کو محض دیانت کی وجہ سے چھوڑ دیتے ہیں' اور دوسری جانب اسرائیلی پیغمبروں کی بدکاریوں اور سیہ کاریوں کا یہ حال ہے کہ نہایت بے باکی سے اس گندگی میں ملوث ہوتے رہتے ہیں۔

چھٹے یہ کہ جب داؤد علیہ السلام کا مقصود اوریا کو شراب پلانے اور بدمست کرنے سے بھی حاصل نہ ہوا تو اس کے قتل کا ارادہ کیا' اور بنی عمون کی تلوار سے اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا' حالانکہ کتاب خروج کے باب 23 فقرہ 7 میں یوں ہے کہ: "بے گناہوں اور صادقوں کو قتل نہ کرنا"

ساتویں یہ کہ داؤد علیہ السلام پھر بھی اپنی غلطی پر متنبہ نہیں ہوئے' اور اس وقت تک توبہ نہیں کی جب تک ناتن پیغمبر نے ان کو ملامت نہیں کی۔

آٹھویں یہ کہ خدا کا حکم داؤدؑ کو پہنچ چکا تھا کہ یہ لڑکا مرے گا جو زنا سے پیدا ہوا ہے' اس کے

باوجود انہوں نے اس کی سلامتی کے لیے نہ صرف دعا مانگی بلکہ روزہ بھی رکھا اور زمین پر سوئے۔

پچیسواں الزام

کتاب سموئیل ثانی باب 13 میں یہ لکھا ہے کہ داؤدؑ کے بڑے صاحبزادے امنون نے تمر سے زبردستی زنا کیا' پھر اس سے کہا کہ نکل جا! اور جب اس نے نکلنے سے انکار کیا تو اپنے نوکر کو حکم دیا' اس نے اس کو نکال کر دروازہ بند کر لیا' وہ چیختی چلاتی ہوئی نکلی' داؤد علیہ السلام نے یہ تمام باتیں سنیں' اور ان کو گراں معلوم ہوئیں' مگر پدری محبت کی وجہ سے انہوں نے بیٹے کو کچھ بھی نہ کہا' اور نہ تمر ہی کو کچھ کہا' حالانکہ یہ تمر ابی سلوم بن داؤد کی بہن تھی' اسی لیے ابی سلوم امنون کا دشمن ہو گیا' اور اس کے قتل کا ارادہ کیا' اور جب اس کو موقع ملا اس نے اس کو قتل کر ڈالا۔

ابی سلوم کا زنا' الزام نمبر 26

کتاب سموئیل ثانی باب 16 فقرہ 22 میں ہے:

''سو انہوں نے محل کی چھت پر ابی سلوم کے لیے ایک تنبو کھڑا کر دیا' اور ابی سلوم سب بنی اسرائیل کے سامنے اپنے باپ کی حرموں کے پاس گیا''

اس کے بعد باب 18 میں یہ بھی مذکور ہے کہ ابی سلوم نے اس حرکت کے بعد اپنے والد حضرت داؤدؑ کے ساتھ جنگ کی' اور اس جنگ میں بیس ہزار بنی اسرائیل قتل ہوئے۔

لیجئے! داؤدؑ کا یہ بیٹا یعقوبؑ کے بڑے بیٹے روبن سے بھی تین وجوہات سے بازی لے گیا:

اول یہ کہ اس نے باپ کی تمام بیویوں سے زنا کیا' بخلاف روبن کے کہ اس نے باپ کی صرف ایک ہی بیوی سے زنا کیا تھا۔

دوم یہ کہ اس نے بنی اسرائیل کے بھرے مجمع میں علانیہ زنا کیا' جبکہ روبن نے پوشیدہ طور پر کیا تھا۔

سوم یہ کہ اس نے اپنے باپ کا مقابلہ کیا' اور لڑائی کی یہاں تک کہ بیس ہزار اسرائیلی مارے گئے' حالانکہ داؤد علیہ السلام نے اس ناخلف اور بدکار لڑکے کی ان بدکاریوں کے باوجود امراء لشکر کو حکم دیا تھا' کہ اس کو جان سے نہ مارا جائے (10) مگر یوآب نے اس کے حکم کی خلاف ورزی کی' اور اس ناخلف لڑکے کو قتل کر ڈالا' پھر جب داؤد علیہ السلام نے سنا تو دھاڑیں مار کر اس کو خوب روئے' اور بہت غمگین ہوئے۔(11)

ہم کو تو ان واقعات پر کچھ بھی تعجب نہیں ہے' اس لیے کہ اس قسم کے واقعات اگر انبیاءؑ کی اولاد سے بلکہ خود انبیاءؑ سے بھی صادر ہوں تو کتب مقدسہ کے فیصلہ کے بموجب اس میں کچھ بھی تعجب نہیں ہے' البتہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ بائبل کے بیان کے مطابق ابی سلوم کا اپنے باپ کی تمام بیویوں

سے زنا کرنا خدائی عدل کے عین مطابق تھا' اور درحقیقت خدا ہی نے اس کے جذبات برانگیختہ کر کے اسے اس فعلِ بد پر آمادہ کیا تھا' اس لیے کہ کتاب سموئیل دوم ہی کے باب 12 میں یہ تصریح موجود ہے کہ جب داؤد علیہ السلام نے (معاذ اللہ) اُوریا کی بیوی سے زنا کیا تھا' تو اللہ تعالیٰ نے ناتن نبی کی معرفت ان سے اسی بات پر تنبیہہ کی تھی' ملاحظہ ہو:

''سو خداوند یوں فرماتا ہے کہ دیکھ میں شر کو تیرے ہی گھر سے تیرے خلاف اٹھاؤں گا' اور میں تیری بیویوں کو لے کر تیری آنکھوں کے سامنے تیرے ہمسایہ کو دوں گا' اور وہ دن دہاڑے تیری بیویوں سے صحبت کرے گا' کیونکہ تو نے چھپ کر یہ کیا' پر میں اسرائیل کے رُوبرو دن دہاڑے یہ کروں گا'' (فقرات 11' 12)

حضرت سلیمانؑ کی فحاشی اور بت پرستی' الزام نمبر 27

کتاب سلاطین اول باب 11 فقرہ 1 میں ہے:

''اور سلیمان بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے یعنی موآبی' عمونی' ادومی' صیدانی' اور حتی عورتوں سے محبت کرنے لگا۔ یہ ان قوموں کی تھیں جن کی بابت خداوند نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ تم ان کے بیچ...... نہ جانا' اور نہ وہ تمہارے بیچ آئیں' کیونکہ وہ ضرور تمہارے دلوں کو اپنے دیوتاؤں کی طرف مائل کر لیں گی۔ سلیمان انہی کے عشق کا دم بھرنے لگا' اور اس کے پاس سات سو شاہزادیاں' اس کی بیویاں اور تین سو حرمیں تھیں' اور اس کی بیویوں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کر لیا' اور اس کا دل خداوند اپنے خدا کے ساتھ کامل نہ رہا' جیسا اس کے باپ داؤد کا دل تھا' کیونکہ سلیمان صیدانیوں کی دیوی عستارات (12) اور عمونیوں کے نفرتی ملکوم کی پیروی کرنے لگا' اور سلیمان نے خداوند کے آگے بدی کی' اور اس نے خداوند کی پوری پیروی نہ کی جیسی اس کے باپ داؤد نے کی تھی۔

پھر سلیمان نے موآبیوں کے نفرتی مکوس کے لیے اس پہاڑ جو یروشلم کے سامنے ہے' اور بنی عمون کے نفرتی مولک کے لیے بلند مقام بنا دیا' اس نے ایسا ہی اپنی سب اجنبی بیویوں کی خاطر کیا جو اپنے دیوتاؤں کے حضور بخور جلاتی اور قربانی گذرانتی تھیں۔

اور خداوند سلیمان سے ناراض ہوا' کیونکہ اس کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے پھر گیا تھا' جس نے اسے دوبارہ دکھائی دے کر اس کو اس بات کا حکم کیا تھا کہ وہ

غیر معبودوں کی پیروی نہ کرنے' پر اس نے وہ بات نہ مانی' جس کا حکم خداوند نے دیا تھا' اس سبب سے خداوند نے سلیمان کو کہا' چونکہ تجھ سے یہ فعل ہوا' اور تو نے میرے عہد اور میرے آئین کو جن کا میں نے تجھے حکم دیا نہیں مانا' اس لیے میں ضرور (ٹکڑے ٹکڑے کر کے) (موجودہ ترجمہ میں اس کی جگہ یہ الفاظ ہیں: ''تجھ سے چھین کر'') تیرے خادم کو دے دوں گا'' (فقرات 1 تا 11)

ملاحظہ کیجئے! سلیمان علیہ السلام سے پانچ خطاؤں کا صدور ظاہر ہو رہا ہے' اول! جو سب سے بڑی خطا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنی آخری عمر میں جو عام طور پر اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا زمانہ ہوتا ہے' مرتد ہو جاتے ہیں' اور موسوی شریعت میں مرتد کی سزا سنگساری ہے' چاہے اس کا ارتکاب کسی صاحب معجزات پیغمبر ہی سے کیوں نہ ہوا ہو' جس کی تصریح کتاب استثناء کے باب نمبر 13' 17 میں موجود ہے' توریت کے کسی مقام سے یہ بات بھی ثابت نہیں ہوتی' کہ مرتد کی توبہ قبول ہو سکتی ہے' اور اگر مرتد کی توبہ قبول ہونا ممکن ہو سکتا...... تو پھر موسیٰ علیہ السلام گوسالہ پرستوں کے قتل کا حکم نہ دیتے جس میں تئیس ہزار جانیں چلی گئی تھیں'

دوسرے سلیمان علیہ السلام نے بتوں کے لیے بڑے بڑے بت خانے یروشلم کے سامنے پہاڑ پر بنوائے جو دو سو سال تک باقی رہے' یہاں تک کہ یوسیاہ بن آمون شاہ یہودا نے اپنے دور سلطنت میں سلیمان علیہ السلام کی وفات کے 330 سال کے بعد ان بت خانوں کو گندہ کر کے بتوں کو توڑ ڈالا' جس کی تصریح کتاب سلاطین ثانی باب 23 میں موجود ہے۔

تیسرے یہ کہ سلیمانؑ نے ان قبیلوں کی لڑکیوں سے شادی کی جن کے ساتھ تعلق رکھنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا تھا' استثناء کے باب میں ہے کہ:

> ''تو ان سے کوئی عہد نہ باندھنا' اور نہ ان پر رحم کرنا' تو ان سے بیاہ شادی بھی نہ کرنا' نہ ان کے بیٹوں کو اپنی بیٹیاں دینا' اور نہ اپنے بیٹوں کے لیے ان سے بیٹیاں لینا''

چوتھے یہ کہ سلیمانؑ نے ایک ہزار عورتوں سے نکاح کیا' حالانکہ بنی اسرائیل کے بادشاہ کے لیے زیادہ شادیاں کرنا ممنوع تھا' کتاب استثناء کے باب 17 فقرہ 17 میں ہے کہ:

> ''وہ بہت سی بیویاں بھی نہ رکھے تا نہ ہو کہ اس کا دل پھر جائے''

''پانچویں (خروج 22:20) یہ کہ سلیمانؑ کی بیویاں بتوں پر خوشبوئیں لگاتیں اور ان کے لیے قربانی کیا کرتی تھیں' حالانکہ کتاب خروج باب 22 میں تصریح ہے کہ: ''جو کوئی واحد خداوند کو چھوڑ کر کسی اور معبود کے آگے قربانی چڑھائے' وہ بالکل نابود کر دیا جائے'' لہٰذا ان عورتوں کا قتل واجب تھا' نیز انہوں نے سلیمانؑ کے دل کو گمراہ کیا' اس لیے ان کو سنگسار کرنا ضروری تھا' جس کی تصریح کتاب استثناء باب 13 میں موجود (فقرات 6 تا 10) ہے حالانکہ سلیمان علیہ السلام نے ان عورتوں پر تاحیات کوئی سزا جاری

نہیں کی' پھر تعجب ہے کہ داؤدؑ و سلیمانؑ نے توریت کی مقرر کردہ سزائیں نہ اپنے اوپر جاری کیں' نہ اپنے گھر والوں پر' اس سے زیادہ بڑھ کر اور کیا مداہنت ہو سکتی ہے؟ کیا یہ تمام سزائیں خدائے تعالیٰ نے صرف غریب مفلس لوگوں پر جاری کرنے کے لیے مقرر کی تھیں؟ نیز عہد عتیق کے کسی مقام سے سلیمانؑ کا توبہ کرنا ثابت نہیں' بلکہ بظاہر توبہ نہ کرنا مفہوم ہوتا ہے' کیونکہ اگر وہ توبہ کرتے تو سب سے پہلے اپنے بنائے ہوئے بت خانے گراتے' اور ان بتوں کو توڑتے جن کو بت خانوں کی زینت بنا رکھا تھا' اور ان عورتوں کو سنگسار کرتے جنہوں نے گمراہ کیا تھا' گو پھر بھی توبہ قبول ہونے کے لائق نہیں ہو سکتی' کیونکہ توریت میں مرتد کی سزا سنگساری کے سوا کچھ نہیں ہے(13) مصنف میزان الحق' کتاب طریق الحیوٰۃ مطبوعہ 1847ء صفحہ 55 میں یہ دعویٰ کرنا کہ سلیمانؑ اور آدمؑ نے توبہ کی تھی محض جھوٹا دعویٰ ہے۔

اٹھائیسواں الزام

کتاب کے مقدمہ کے نمبر 7 میں یہ بات بھی معلوم ہو چکی ہے' کہ وہ نبی جو بیت ایل میں تھا' اس نے وحی کے پہنچانے میں کذب بیانی کی' اور اللہ کے مسکین بندے کو دھوکہ دیا' اور اس کو غضب خداوندی میں ڈال دیا' اور ہلاک کر ڈالا۔

انتیسواں الزام

کتاب سموئیل اول باب 10 میں اسرائیل کے خون ریز اور ظالم بادشاہ ساؤل کے بارے میں لکھا ہے کہ:

> "اور جب وہ ادھر اس پہاڑ کے پاس آئے تو نبیوں کی ایک جماعت اس کو ملی اور خدا کی روح اس پر زور سے نازل ہوئی' اور وہ بھی ان کے درمیان نبوت کرنے لگا' اور خدا کی روح اس پر زور سے نازل ہوئی' اور ایسا ہوا کہ جب اس کے اگلے جان پہچانوں...... نے یہ دیکھا کہ وہ نبیوں کے درمیان نبوت کر رہا ہے تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے قیس کے بیٹے کو کیا ہو گیا؟ کیا ساؤل بھی نبیوں میں شامل ہے؟ اور وہاں کے ایک آدمی نے جواب دیا کہ بھلا ان کا باپ کون ہے؟ تب ہی سے یہ مثل چلی' کیا ساؤل بھی نبیوں میں ہے؟ اور جب وہ نبوت کر چکا تو اونچے مقام میں آیا۔" (فقرات 10 تا 12)

اور سموئیل اول باب 11 فقرہ 6 میں ہے:

> "جب ساؤل نے یہ باتیں سنیں تو خدا کی روح اس پر زور سے نازل ہوئی اور اس کا غصہ نہایت بھڑکا۔"

ان عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ساؤل روح القدس سے مستفیض تھا' اور زمانہ آئندہ کی

خبریں دیا کرتا تھا' لیکن پھر سفر مذکور باب 16 میں لکھا ہے کہ:

''اور خداوند کی روح ساؤل سے جدا ہوگئی' اور خداوند کی طرف سے ایک بری روح اسے ستانے لگی۔'' (فقرہ نمبر 14)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ساؤل کو مقامِ نبوت سے معزول کر دیا گیا اور شیطانی روح اس پر مسلط ہوگئی' لیکن پھر کتاب مذکور باب 19 فقرہ 23 میں ہے:

''تب وہ ادھر رامہ کے نبوت کی طرف چلا اور خدا کی روح اس پر بھی نازل ہوئی' اور وہ چلتے چلتے نبوت کرتا ہوا رامہ کے نبوت میں پہنچا' اور اس نے بھی اپنے کپڑے اتارے اور وہ بھی سموئیل کے آگے نبوت کرنے لگا' اور وہ سارے دن اور ساری رات ننگا پڑا رہا' اس لیے یہ کہاوت چلی کیا ساؤل بھی نبیوں میں ہے؟''

دیکھئے! یہ نبی جسے نبوت کے مقام سے معزول کر دیا گیا تھا اس کو یہ جلیل القدر منصب دوبارہ حاصل ہوگیا' اور روح القدس اس پر اس قدر قوت کے ساتھ نازل ہوئی کہ کپڑے اتار کر بالکل ہی ننگا ہو گیا' اور ایک رات دن اسی حالت میں ننگ دھڑنگ پڑا رہا۔ یہ پیغمبر صاحب بھی جن میں روحِ شیطانی اور روحِ رحمانی دونوں کا حسین امتزاج تھا' پورے عجائب خانہ تھے' جو صاحب چاہیں ان کے ظلم وسفا کی کے حالات اسی کتاب میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

یہوداہ کی چوری' الزام نمبر 30

یہوداہ اسکریوتی بھی ایک حواری تھا' اور روح القدس سے مستفیض ہونے والا اور صاحب کرامات شخص تھا' جس کی تصریح انجیل متی کے باب 10 میں ہے' اس نبی نے اپنے دین کو دنیا کے عوض فروخت کر ڈالا' اور صرف تیس درہم کے لالچ میں عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کے حوالے کر دیا' پھر ان کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا' جس کی تصریح انجیل متی کے باب 27 میں موجود ہے' اور اس کے حق میں یوحنا نے اپنی انجیل کے باب 12 میں شہادت دی ہے کہ یہ شخص چور تھا' اور ایک تھیلا ساتھ رکھتا تھا' اور جمع شدہ مال لادے پھرتا تھا' کیا ایسا جرائم پیشہ چور جس نے دین جیسی دولت کو دنیا کے عوض فروخت کر ڈالا ہو وہ بھی کہیں نبی ہوسکتا ہے۔

حواریوں کی بیوفائی' الزام نمبر 31

وہ حواری حضرات جن کا درجہ عیسائیوں کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر رسول اور تمام اسرائیلی پیغمبروں سے بھی برتر ہے' اس رات کو جس میں یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کیا تھا' ان کو تنہا دشمنوں کے ہاتھوں میں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ غور کیجئے! کس قدر عظیم الشان جرم

ہے؟ اور اگر عذر گناہ کے طور پر عیسائی یہ کہیں کہ اس حرکت کا صدور ان سے بزدلی کی بناء پر ہوا‘ جو ایک طبعی چیز اور غیر اختیاری امر ہے‘ تو جواباً ہم عرض کریں گے کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو ایک دوسری چیز ایسی موجود ہے جس میں ان کا یہ عذر کسی طور پر بھی نہیں چل سکتا‘ حالانکہ وہ کام بہت ہی سہل اور آسان تھا‘ وہ یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام اس روز تمام رات بے چین رہے اور حواریوں سے فرمایا کہ میرا دل بہت غمگین ہے‘ اس لیے تم لوگ آج یہاں میرے پاس ٹھہرو اور میرے ساتھ جاگو‘ پھر نماز کے لیے آگے بڑھے‘ پھر ان کے پاس آئے تو ان کو سوتا ہوا پایا‘ اور پطرس سے فرمایا کہ کیا تم اتنا بھی نہ کر سکتے تھے کہ میرے ساتھ ایک گھڑی بھر جاگو؟ اس لیے تم لوگ جاگو اور نماز پڑھو‘ پھر دوبارہ نماز کے لیے تشریف لے گئے‘ پھر آئے تو ان کو بدستور سوتا ہوا پایا۔ پھر ان کو چھوڑ کر چل دیئے‘ اور اپنے شاگردوں کے پاس پہنچے‘ اور ان سے کہا کہ تم لوگ سو جاؤ اور آرام کرو۔“ جس کی تصریح انجیل متی کے باب 26 میں موجود ہے۔

دیکھیے اگر ان لوگوں کو ذرا بھی اپنے پیغمبر سے محبت ہوتی‘ تو ایسی حرکت نہیں کر سکتے تھے‘ کون نہیں جانتا کہ اگر دنیاداروں اور گنہگاروں کا کوئی مقتدا یا کوئی رشتہ دار بھی رات کو کسی بے چینی یا بیماری میں مبتلا ہوتا ہے تو خواہ وہ کتنا ہی فاسق و فاجر شخص کیوں نہ ہو اس رات سو نہیں سکتا۔

پطرس کا جھوٹ الزام نمبر 32

پطرس حواری جو رئیس الحوارین شمار کیے جاتے ہیں‘ اور فرقہ کیتھولک کے عقیدہ کی رو سے عیسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ ہیں‘ اگرچہ وہ بھی دوسرے حواریوں کے ساتھ گذشتہ بیان کردہ وصف میں برابر کے شریک ہیں‘ مگر ان کو دوسرے حواریوں پر اس لحاظ سے فوقیت حاصل ہے کہ یہودیوں نے جب عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کر لیا‘ تو یہ دُور سے ان کے پیچھے کائفا سردار کاہن کے مکان تک گئے‘ اور مکان کے باہر بیٹھ گئے‘ ایک باندی یہ کہتی ہوئی آئی کہ تو بھی یسوع کا ساتھی معلوم ہوتا ہے‘ تو انہوں نے تمام مجمع کے سامنے انکار کیا‘ پھر اس باندی نے ان کو دوبارہ دیکھا‘ تو پھر ان لوگوں سے جو وہاں موجود تھے کہنے لگی کہ یہ شخص بھی مسیح ناصری کا ساتھی ہے‘ پطرس نے حلف سے انکار کیا اور کہا کہ میں تو اس شخص کو جانتا بھی نہیں ہوں۔

کچھ دیر کے بعد نگراں لوگ آئے انہوں نے بھی پطرس سے کہا کہ یقیناً تو بھی انہی لوگوں میں سے ہے‘ تب پطرس نے عیسیٰ علیہ السلام پر لعنت برسانی شروع کی‘ اور قسم کھا کر کہا کہ میں اس شخص کو قطعی نہیں جانتا‘ اسی وقت ایک مرغا بولا تو پطرس کو عیسیٰ علیہ السلام کا قول یاد آیا‘ کہ تو مرغ کی آواز سے قبل تین بار مجھ کو جاننے سے انکار کرے گا‘ جس کی تصریح انجیل متی کے باب 26 میں موجود ہے‘ نیز عیسیٰ علیہ السلام نے انہی کے حق میں یہ الفاظ استعمال کیے کہ:

”اے شیطان میرے سامنے سے دُور ہو‘ تو میرے لیے ٹھوکر کا باعث ہے‘ کیونکہ تو خدا کی باتوں کا نہیں بلکہ آدمیوں کی باتوں کا خیال رکھتا ہے۔“

اس کی تصریح بھی انجیل متیٰ کے باب 16 میں موجود ہے' اور نصاریٰ کے مقدس پولس صاحب نے گلتیوں کے نام اپنے خط باب 2 فقرہ 11 میں ان کے بارے میں لکھا ہے:

"لیکن جب (پطرس) انطاکیہ میں آیا تو میں نے روبرو ہو کر اس کی مخالفت کی' کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا' اس لیے کہ یعقوب کی طرف سے چند شخصوں کے آنے سے پہلے تو وہ غیر قوم والوں کے ساتھ کھایا کرتا تھا' مگر جب وہ آ گئے تو مختونوں سے ڈر کر باز رہا' اور کنارہ کیا' اور باقی یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ ہو کر ریاکاری کی' یہاں تک کہ برنباس بھی ان کے ساتھ ریاکاری میں پڑ گیا' جب میں نے دیکھا کہ وہ خوش خبری کی سچائی کے موافق سیدھی چال نہیں چلتے تو میں نے سب کے سامنے (پطرس) سے کہا کہ جب تو باوجود یہودی ہونے کے غیر قوموں کی طرح زندگی گذارتا ہے' نہ کہ یہودیوں کی طرح' تو غیر قوموں کو یہودیوں کی طرح چلنے پر کیوں مجبور کرتا ہے؟ (فقرات 11 تا 14)

اور پطرس عام طور سے گفتگو میں تمام حواریوں سے آگے رہتے تھے' مگر بعض اوقات ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا بات کریں؟ جس کی تصریح انجیل لوقا کے باب 9 فقرہ 33 میں موجود ہے' (لیکن وہ جانتا نہ تھا کہ کیا کہتا ہے۔" (لوقا 9:33)' اور کتاب الثلاث عشرہ رسالہ مطبوعہ 1849ء بیروت کے دوسرے رسالہ ص 60 میں ہے کہ:

"ایک پوپ کہتا ہے کہ وہ بہت سخت ظالم اور مخالفت میں شدید تھا"

نیز صفحہ 61 پر ہے کہ:

"فم الذہب کہتا ہے کہ وہ بہت کمزور اور ناقص العقل تھا' اور سینٹ آگسٹائن پطرس کی نسبت بیان کرتا ہے کہ وہ کسی بات پر ثابت قدم نہ رہتا تھا' کیونکہ کبھی ایک بات پر یقین لاتا اور کبھی اس میں شک کرنے لگتا' کبھی اس کو یہ یقین ہو جاتا کہ مسیح مر چکے ہیں' اور کبھی ان کے مرنے کے تصور سے ڈرتا اور خوف کھاتا' مسیح بھی کبھی اس کی نسبت یوں فرماتے کہ تیرے لیے بشارت اور خوشخبری ہے اور کبھی اس کو کہتے کہ اے شیطان۔"

ملاحظہ کیا آپ نے کہ یہ حواری جو عیسائیوں کے نزدیک موسیٰ اور دوسرے تمام اسرائیلی پیغمبروں سے بھی افضل ہے' اس کا یہ کچا چٹھا ہے تو "قیاس کن گلستانِ من بہار مرا" بے چارے مفضولین کا کیا حال ہوگا؟

کائفا کی غداری' الزام نمبر 33

سردار کاہن کائفا بھی یوحنا کی شہادت کے مطابق نبی اور پیغمبر تھا' جیسا کہ انجیل یوحنا باب 11

فقرہ 51 (ترجمہ عربی مطبوعہ 1831ء و 1844ء) میں اس کے متعلق یوحنا کا یہ قول مذکور ہے:

"مگر اس نے یہ اپنی طرف سے نہیں کیا' بلکہ اس سال سردار کاہن ہو کر نبوت کی' کہ یسوع اس قوم کے واسطے مرے گا۔"

اس عبارت میں "نبوت کی" کے الفاظ کائفا کے نبی ہونے پر دلالت کر رہے ہیں' لیکن اس نبی نے عیسیٰؑ کے قتل کا فتویٰ دیا تھا' اور ان کے ساتھ کفر کیا' اور ان کی توہین کی تھی' اب اگر یہ افعال اور حرکتیں نبوت اور الہام الٰہی کے مطابق تھیں تو لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ عیسیٰ علیہ السلام کا انکار و کفر واجب تھا' اور اگر یہ باتیں شیطانی وساوس کا نتیجہ تھیں تو اس سے بڑھ کر اور کونسا جرم ہو سکتا ہے؟

اب ہم صرف اتنی ہی مثالوں پر اکتفاء کرتے ہیں' اور کہتے ہی کہ ان جرائم اور گناہوں کی تصریح دونوں عہد کی کتابوں میں موجود اور صاف مذکور ہیں' جب ایسے شدید معاصی اور گناہ بھی ان پیغمبروں کی پیغمبری اور نبوت کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے تو پھر ان کو محمد ﷺ پر معمولی معمولی باتوں پر اعتراض کرتے ہوئے شرم کیوں نہیں آتی؟

❁......❁......❁

حوالہ جات وحواشی

(جسٹس (ر) مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہٗ)

1- واضح رہے کہ حضرت آدمؑ سے اجتہادی لغزش صادر ہو جانے کے قائل مسلمان بھی ہیں' لیکن اوّل تو قرآن کریم میں اس بات کی تصریح ہے کہ یہ لغزش ایک اجتہادی غلطی تھی' جان بوجھ کر اس کا ارتکاب نہیں کیا گیا تھا' پھر قرآن کریم نے یہ بھی بتلایا ہے کہ حضرت آدمؑ نے اس لغزش پر بھی پورے خلوص دل کے ساتھ توبہ کر لی تھی۔ (سورۂ بقرہ)

2- "اور اس نے اس کی خاطر ابراہم پر احسان کیا' اور بھیڑ بکریاں اور گائے بیل اور گدھے اور غلام اور لونڈیاں اور گدھیاں اور اونٹ اس کے پاس ہو گئے۔" (پیدائش 16:12)

3- موجودہ اردو ترجمہ میں "تیمان" کی بجائے "جنوب کے مالک" کا لفظ ہے' واضح رہے کہ بائبل میں جنوبی ملک سے مراد ہمیشہ عرب یا یمن ہوتا ہے' اور تیمان یمن کا قدیم نام ہے۔

4- یہاں یہ واضح رہے کہ اس جگہ مصنفؒ یہ اعتراض التزامی طور پر کر رہے ہیں' اس لیے کہ خود عیسائی علماء (مثلاً مصنف طریق الاولیاء) نے اسے حضرت ابراہیمؑ کی غلطی قرار دیا ہے' ورنہ جہاں تک نفس

واقعہ کا تعلق ہے ہمارے نزدیک وہ غلط نہیں ہے' اور حضرت ابراہیمؑ نے حضرت سارہؑ کو اپنی بہن قرار دیا' وہ درحقیقت جھوٹ نہ تھا' بلکہ ایک قسم کا توریہ تھا' اس لیے کہ ایک طرف تو حضرت سارہ ان کی علاتی بہن تھیں' دوسری طرف چونکہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی' اس لیے وہ ان کی تنہا دینی بہن بھی تھیں' بہن سے حضرت ابراہیمؑ کی مراد یہی تھی' اور جہاں کفار کی طرف سے قتل ہو جانے کا اندیشہ ہو وہاں اس قسم کا توریہ باتفاق جائز' بلکہ بعض حالات میں واجب ہے' یہاں مصنف نے اس واقعہ کو حضرت ابراہیمؑ پر ایک الزام کی حیثیت سے صرف اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ یہ عیسائی علماء کے نزدیک ان کا گناہ تھا' دوسرے اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ علاتی بہن سے نکاح ابراہیمی شریعت میں جائز تھا' اور موسوی شریعت میں اسے منسوخ کر دیا گیا' یہ سطور تحریر کرنے کے بعد اس بات پر مصنف کی ایک عبارت مل گئی وہ ازالۃ الشکوک میں لکھتے ہیں: ''اور بعضے ہمارے نزدیک گو خطا نہیں' مگر یہ لوگ جو خطاء سمجھتے ہیں' تو الزاماً اس کو بھی نقل کیا گیا۔'' (ازالۃ المشکوک' ص 348 ج 2)

-5 احبار 9:18' واضح رہے کہ سارہ حضرت ابراہیمؑ کی باپ شریک بہن تھیں۔ (دیکھئے پیدائش 12:20)

-6 اس کے علاوہ اسی واقعہ کے اندر بائبل میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت یعقوب پہلی مرتبہ لابن کے گاؤں میں پہنچے تو ابھی لوگوں سے ان کے گھر کا پتہ پوچھ ہی رہے تھے کہ اتنے میں راحل اپنی بکریاں لے کر وہاں پہنچ گئی' اور یعقوب نے راحل کو چوما اور چلا چلا کر رویا' (پیدائش 29:10) یہ واقعہ شادی سے بہت پہلے کا ہے' سوال یہ ہے کہ ایک نامحرم کنواری لڑکی کو چومنا کہاں تک جائز ہے۔

-7 اظہار الحق میں یہاں یہ الفاظ ہیں: ''ووقع بقلبها'' لیکن موجودہ تمام (اردو' عربی اور انگریزی تراجم میں اس کی جگہ یہ جملہ ہے: ''اور اس نے اس لڑکی سے عشق میں میٹھی میٹھی باتیں کیں۔''

-8 ''تو پانی کی طرح بے ثبات ہے' اس لیے تجھے فضیلت نہیں ملے گی' کیونکہ تو اپنے باپ کے بستر پر چڑھا' تو نے اسے نجس کیا' روبن میرے بچھونے پر چڑھ گیا۔'' (پیدائش 4:49)

-9 واضح رہے کہ اس سلسلہ میں قرآن کریم کا بیان یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسرائیلی شخص کو قبطی کے ظلم سے چھڑانے کے لیے اسے ایک مکا مارا تھا' جس سے وہ مر گیا' گویا جان سے مارنے کا ارادہ تھا' لیکن اتفاقاً وہ مکا ہی اس کی موت کا باعث ہو گیا۔

-10 ''اور بادشاہ نے یوآب اور ابیشے اور اتی کو فرمایا کہ میری خاطر اس جوان ابی سلوم کے ساتھ نرمی سے پیش آنا۔'' (سموئیل 5:18)

-11 تب بادشاہ بہت بے چین ہو گیا' اور اس کوٹھڑی کی طرف جو پھاٹک کے اوپر تھی' روتا ہوا چلا اور چلتے چلتے یوں کہتا جاتا تھا' ہائے میرے بیٹے ابی سلوم' میرے بیٹے: میرے بیٹے ابی سلوم! کاش! میں تیرے بدلے مرتا! اے ابی سلوم: میرے بیٹے! میرے بیٹے: (سموئیل 33:18)

-12 عستارات' ملکوم' مکوس اور مولک اُن بتوں کے نام ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں مختلف اقوام نے بنا رکھے تھے۔

13- میں نے ایک عیسائی عالم سے ایک مرتبہ حضرت سلیمانؑ کے بارے میں بائبل کے ان الزامات کا ذکر کیا' اور کہا کہ انبیاء علیہم السلام سے کبیرہ گناہوں کا صدور تو آپ کے نزدیک ممکن ہے لیکن کیا نبی کے مرتد ہو جانے کو بھی آپ تسلیم کرتے ہیں؟

اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ نہیں! ہم نبی سے شرک کا صدور ممکن نہیں سمجھتے' میں نے اس پر حضرت سلیمانؑ کے اس قصہ کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگے کہ درحقیقت سلیمان ہمارے نزدیک پیغمبر ہی نہ تھے' وہ تو ایک بادشاہ تھے' اور بہت سے بادشاہ مرتد ہو جاتے ہیں۔

لیکن ان کا جواب بائبل سے ناواقفیت کی دلیل تھی' اس لیے کہ بائبل سے حضرت سلیمانؑ کا نبی ہونا ثابت ہوتا ہے' اوّل تو اس لیے کہ بائبل کے مجموعۂ کتب میں سے کم از کم کتاب امثال باتفاق نصاریٰ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہے' اور دوسری طرف عیسائیوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ بائبل کی تمام کتابیں صاحب الہام اشخاص کی لکھی ہوئی ہیں' دوسرے بائبل کے متعدد مقامات پر یہ تصریح موجود ہے کہ حضرت سلیمانؑ پر وحی نازل ہوتی تھی' مثلاً کتاب سلاطین اول میں ہے:

''اور خداوند کا کلام سلیمانؑ پر نازل ہوا کہ یہ گھر جو تو بناتا ہے' سو اگر تو میرے آئین پر چلے۔'' (سلاطین 11:6)

اس کے علاوہ جب جبعون کے مقام پر حضرت سلیمانؑ کو خواب میں خدا نظر آیا تھا تو اس نے ان سے یہ وعدہ کیا تھا کہ:

''میں نے ایک عاقل اور سمجھنے والا دل تجھ کو بخشا' ایسا کہ تیری مانند نہ تو کوئی تجھ سے پہلے ہوا اور نہ کوئی تیرے بعد تجھ سا برپا ہوگا۔'' (سلاطین 12:3)

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ آخر تک نیک رہیں گے اور کوئی ان کی طرح صاحب عقل وخرد اور صاحب دل نہ ہوگا۔

بات دراصل یہ ہے کہ عیسائی حضرات کو یہ بھی منظور ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کو صرف فاسق نہیں بلکہ کافر اور مرتد تک قرار دے دیں' اور یہ بھی منظور ہے کہ کسی نبی کی نبوت سے بلا دلیل انکار کر دیں' لیکن یہ منظور نہیں کہ وہ ایک مرتبہ جرأت کے ساتھ یہ کہہ دیں کہ بائبل ناقابل اعتماد ہے' اور اس میں بیان کیا ہوا یہ قصہ سراسر من گھڑت ہے' حق کو واشگاف کرانے کا یہ منصب تو درحقیقت قرآن کریم کا ہے: جس نے آج سے تیرہ سو سال پہلے ڈنکے کی چوٹ یہ اعلان کر دیا تھا کہ یہ پورا قصہ حضرت سلیمانؑ پر ایک شرمناک تہمت ہے' اور

ومن کفر سلیمان ولکن الشیاطین کفروا (بقرہ:102)

''سلیمان کافر نہیں ہوا تھا بلکہ شیاطین نے کفر کیا تھا۔''

راجہ محمد شریف قاضی

قرآن سے بائبل کے تضادات

جب ایک قاری قرآن مجید اور بائبل کا تقابلی مطالعہ کرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ ان کے بعض مضامین میں مطابقت پائی جاتی ہے، جس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کا ماخذ و مصدر ایک ہی ''الکتاب'' ہے، مگر بائبل کے بعض مقامات پر ایسے مضامین بھی بیان ہوئے ہیں جو صریحاً قرآن مجید کا متضاد ہیں۔ ان سے قاری اس اُلجھن میں پڑ جاتا ہے کہ وہ ان میں سے کسے درست قرار دے اور کسے غلط؟ اس سلسلے میں اگر وہ حسب ذیل چند امور کو مدنظر رکھے تو وہ بڑی آسانی سے معلوم کر سکتا ہے کہ ان میں سے کن پر کلامِ رحمٰن کا اطلاق ہو سکتا ہے اور کن پر نہیں؟

1- اس کتاب کے پہلے چار ابواب سے تو یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ موجودہ بائبل اب اپنی اصلی شکل و صورت میں محفوظ نہیں، بلکہ یہ ایک تحریف شدہ بائبل ہے، جبکہ اس کتاب کے پانچویں سے دسویں باب تک واضح دلائل سے ثابت ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید حقیقتاً کلامِ رحمٰن ہے اور جس رسول ﷺ پر یہ نازل ہوئی ہے، وہ بھی رسولِ برحق ہیں۔

2- موجودہ بائبل کے بارے میں کوئی بڑے سے بڑا عیسائی سکالر بھی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ یہ وہی کتب ہیں، جو انبیائے بنی اسرائیل پر نازل ہوتی رہی ہیں اور یہ اب بھی اپنی اسی الہامی زبان کے متن میں لکھی ہوئی موجود ہے۔ جب کہ قرآن مجید کے بارے میں خود عیسائیوں کے غیر متعصب سکالر اعتراف کرتے ہیں کہ یہ اب بھی اپنی اُس الہامی زبان (عربی) کے متن میں موجود و محفوظ ہے اور قیامت تک اس کے محفوظ ہونے کی ضمانت خود اللہ تعالیٰ نے سورۂ حجر کی آیت 9 میں دے رکھی ہے۔

3- عیسائی لٹریچر میں ایسا ریکارڈ بھی موجود ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عیسائی اپنی انجیلوں میں اپنی پسند کے مطابق دانستہ تغیر و تبدل کرنے کو بالکل جائز سمجھتے رہے ہیں، جب کہ قرآن میں ایسا کرنے کا اختیار خود اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کو بھی نہ تھا، چہ جائے کہ آپ کی امت کا کوئی فرد ایسی جرأت کرے، کیونکہ اسلام میں ایسا کرنا قطعاً حرام ہے اور ایسی حرکت

کرنے والا شخص دائرہ اسلام سے بھی خارج ہو جاتا ہے' حالانکہ عیسائیت میں ایسی حرکت کرنے والے کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسائیت کا بانی قرار دیا جاتا ہے' جیسا کہ سینٹ پال کو یہ اعزاز دیا گیا ہے۔

4- اگر ایک غیر جانب دار قاری ان دونوں کتابوں کے متن کا مطالعہ خالی الذہن ہو کر تلاشِ حق کی غرض سے کرے تو خود اس پر یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ کلام اللہ ہونے کی اطلاقی شان صرف اور صرف قرآنِ مجید کے عربی متن میں پائی جاتی ہے۔

5- ان وجوہ کی بنا پر یہ کہنا بالکل بجا اور درست ہے کہ آج دنیا میں کلام رحمٰن صرف قرآن مجید ہے اور تا قیامت سابقہ و جملہ الہامی کتابوں کے لیے معیارِ حق بھی یہی ہے۔ اس کے سوا دنیا میں اور کوئی کتاب معیارِ حق نہیں ہو سکتی' کیونکہ وہ اس وقت اپنی اصلی الہامی زبان کے متن میں موجود ہے ہی نہیں۔

1- تخلیق ارض وسما اور قرآن

''ہم نے زمین اور آسمانوں کو اور ان کے درمیان کی ساری چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کر دیا اور ہمیں کوئی تکان لاحق نہ ہوئی۔'' (سورۃ ق۔ آیت 38)

وضاحت: یعنی امر واقعہ یہ ہے کہ یہ پوری کائنات ہم نے چھ دن میں بنا ڈالی اور اس کو بنا کر ہم تھک نہیں گئے کہ اس کی تعمیر نو کرنا ہمارے بس میں نہ رہا ہو' اب اگر یہ نادان لوگ تم سے زندگی بعد موت کی خبر سن کر تمہارا مذاق اُڑاتے اور تمہیں دیوانہ قرار دیتے ہیں تو اس پر صبر کرو' ٹھنڈے دل سے ان کی ہر بیہودہ بات کو سنو اور جس حقیقت کے بیان کرنے پر تم مامور کیے گئے ہو' اُسے بیان کرتے چلے جاؤ۔

ساتویں دن اللہ تعالیٰ کا آرام فرمانا۔ بائبل

اس آیت میں ضمناً ایک لطیف طنز یہود و نصاریٰ پر بھی ہے' جن کی بائبل میں یہ افسانہ گھڑا گیا ہے کہ خدا نے چھ دنوں میں زمین و آسمان کو بنایا اور ساتویں دن آرام کیا۔ (پیدائش 2:2) اگرچہ اب عیسائی پادری اس بات سے شرمانے لگے ہیں اور انہوں نے کتابِ مقدس کے اردو ترجمے میں آرام کیا کو ''فارغ ہوا'' سے بدل دیا ہے' مگر کنگ جیمز کی مستند انگریزی بائبل میں (And he rested on the Seventh day) کے الفاظ صاف موجود ہیں اور یہی الفاظ اس ترجمے میں بھی پائے جاتے ہیں' جو 1954ء میں یہودیوں نے فلیڈلفیا سے شائع کیا ہے' عربی ترجمہ میں ''فاستراح فی الیوم السابع'' کے الفاظ ہیں۔

2- انسانی خلافت پر فرشتوں کا استفہام۔ قرآن

''پھر اس وقت کا تصور کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں زمین میں ایک

خلیفہ بنانے والا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا: کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں، جو اس کے انتظام کو بگاڑ دے گا اور خون ریزیاں کرے گا، آپ کی حمد وثنا کے ساتھ تسبیح اور آپ کے لیے تقدیس تو ہم کر رہے ہیں۔ فرمایا: میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے۔" (سورۃ البقرۃ۔ آیت 30)

اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے آدم علیہ السلام کی اولاد بد کا عدم ذکر۔ بائبل

آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت اللہ اور فرشتوں کی گفتگو کا ذکر تلمود میں بھی آیا ہے، مگر وہ بھی اس معنوی روح سے خالی ہے جو قرآن کے بیان کردہ قصے میں پائی جاتی ہے، بلکہ اس میں یہ لطیفہ بھی پایا جاتا ہے کہ جب فرشتوں نے اللہ سے پوچھا کہ "انسانوں کو آخر کیوں پیدا کیا جا رہا ہے؟" تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: "تا کہ ان میں نیک لوگ پیدا ہوں۔" بد لوگوں کا ذکر اللہ نے نہیں کیا، ورنہ فرشتے انسان کی تخلیق کی منظوری نہ دیتے۔

3- ابراہیم علیہ السلام کی جستجوئے حق۔ قرآن

"ابراہیم علیہ السلام کو ہم اسی طرح زمین اور آسمانوں کا نظام سلطنت دکھاتے تھے اور اس لیے دکھاتے تھے کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے، چنانچہ جب رات اس پر طاری ہوئی تو اس نے ایک تارا دیکھا۔ کہا: یہ میرا رب ہے، مگر جب وہ ڈوب گیا تو بولا: ڈوب جانے والوں کا تو میں گرویدہ نہیں ہوں، پھر جب چاند چمکتا نظر آیا تو کہا: یہ ہے میرا رب، مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا: اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ کی ہوتی تو میں بھی گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا ہوتا، پھر جب سورج کو روشن دیکھا تو کہا: یہ ہے میرا رب، یہ سب سے بڑا ہے، مگر جب وہ بھی ڈوبا تو ابراہیم پکار اٹھا: اے برادرانِ قوم! میں ان سب سے بیزار ہوں، جنہیں تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔" (سورۃ الانعام۔ آیات 7 تا 9)

ابتدائی تفکر کی وضاحت

یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس ابتدائی تفکر کی کیفیت بیان کی گئی ہے، جو منصب نبوت پر سرفراز ہونے سے پہلے ان کے لیے حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ بنا۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ ایک صحیح الدماغ اور سلیم النظر انسان، جس نے سراسر شرک کے ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں اور جسے توحید کی تعلیم کہیں سے حاصل نہ ہو سکتی تھی، کس طرح آثار کائنات کا مشاہدہ کر کے اور اُن پر غور وفکر اور صحیح استدلال کر کے امر حق معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ آثار کائنات سے جستجوئے حق کا آغاز کرنے کا سبب یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب ہوش سنبھالا تھا تو ان کے گرد وپیش ہر طرف چاند، سورج اور تاروں کی خدائی کے ڈنکے بج رہے تھے، اس لیے قدرتی طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جستجوئے حقیقت کا آغاز اسی سوال سے ہونا چاہیے تھا کہ کیا فی الواقع ان میں سے کوئی رب ہو سکتا ہے؟ اسی مرکزی سوال پر انہوں نے غور وفکر کیا اور آخر کار اپنی قوم کے سارے خداؤں کو ایک اٹل قانون کے

تحت غلاموں کی طرح گردش کرتے دیکھ کر وہ اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ جن جن کے رب ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے' ان میں سے کسی کے اندر بھی ربوبیت کا شائبہ تک نہیں ہے۔ رب صرف وہی ایک ہے' جس نے ان سب کو پیدا کیا اور بندگی پر مجبور کیا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کا سورج کی پرستش کرنا۔ بائبل

اس موقع پر یہ جان لینا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ یہ واقعہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم الشان پیغمبرانہ زندگی کا نقطۂ آغاز ہے' بائبل میں کوئی جگہ نہیں پاسکا ہے' البتہ تلمود میں اس کا ذکر موجود ہے لیکن اس میں دو باتیں قرآن سے مختلف ہیں: ایک یہ کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جستجوئے حقیقت کو سورج سے شروع کر کے تاروں تک اور پھر خدا تک لے جاتی ہے' دوسرے اس کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب سورج کو ھٰذَا رَبِّی کہا تو ساتھ ہی اس کی پرستش بھی کر ڈالی اور اسی طرح چاند کو بھی انہوں نے ھٰذَا رَبِّی کہہ کر اس کی پرستش کی۔

4- ابراہیم علیہ السلام کا اکلوتا بیٹا اسماعیل علیہ السلام ذبیح اللہ۔ قرآن

''ابراہیم نے کہا: میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں' وہی میری رہنمائی کرے گا۔ اے پروردگار! مجھے ایک بیٹا عطا کر جو صالحوں میں سے ہو۔'' (اس دعا کے جواب میں) ہم نے اس کو ایک حلیم (بردبار) لڑکے کی بشارت دی۔ وہ لڑکا جب اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا تو (ایک روز) ابراہیم نے اس سے کہا: بیٹا! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ اب تو بتا تیرا کیا خیال ہے؟'' اس نے کہا: ابا جان' جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اسے کر ڈالیے' آپ انشاء اللہ مجھے صابروں میں پائیں گے۔'' آخر جب ان دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو ماتھے کے بل پر گرا دیا اور ہم نے ندا دی کہ اے ابراہیم! تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ یقیناً وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا اور ہم نے اسے اسحاق کی بشارت دی' ایک نبی صالحین میں سے اور اسے اور اسحاق کو برکت دی۔ اب ان دونوں کی ذُرّیت میں سے کوئی محسن ہے اور کوئی اپنے نفس پر صریح ظلم کرنے والا ہے۔'' (سورۃ الصافات۔ آیات 99 تا 113)

حضرت اسماعیل اور اسحاق دونوں کو ابراہیم کا اکلوتا بیٹا بیان کرنا۔ بائبل

بائبل کا بیان ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر 86 برس کی تھی (پیدائش 16:16) اور حضرت اسحاق کے وقت سو برس کی۔ (5:21)

یہاں پہنچ کر یہ سوال ہمارے سامنے آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے جن صاحبزادے کو قربان کرنے کے لیے آمادہ ہوئے تھے اور جنہوں نے اپنے آپ کو خود اس قربانی کے لیے پیش کر دیا تھا' وہ کون تھا؟ سب سے پہلے اس سوال کا جواب ہمارے سامنے بائبل کی طرف سے آتا ہے'

جو یہ ہے کہ:

''خدا نے ابرہام کو آزمایا اور اسے کہا اے ابرہام! تو اپنے بیٹے اسحاق کو' جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے' ساتھ لے کر موریاہ کے ملک میں جا اور وہاں اسے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا' سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا۔'' (پیدائش 22:1-2)

اس بیان میں ایک طرف تو یہ کہا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق علیہ السلام کی قربانی مانگی تھی اور دوسری طرف یہ بھی کہا جارہا ہے کہ وہ اکلوتے تھے' حالانکہ خود بائبل ہی کے دوسرے بیانات سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام اکلوتے نہ تھے۔ اس کے لیے ذرا بائبل ہی کی حسب ذیل تصریحات ملاحظہ ہوں:

''اور ابرہام کی بیوی ساری کے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اس کی ایک مصری لونڈی تھی' جس کا نام ہاجرہ تھا اور ساری نے ابرہام سے کہا کہ دیکھ! خداوند نے مجھے تو اولاد سے محروم رکھا ہے' سو تو میری لونڈی کے پاس جا' شاید اس سے تیرا گھر آباد ہو اور ابرہام نے ساری کی بات مانی اور ابرہام کو ملک کنعان میں رہتے دس برس ہوگئے تھے' جب اس کی بیوی ساری نے اپنی مصری لونڈی اسے دی کہ اس کی بیوی بنے اور وہ ہاجرہ کے پاس گیا اور وہ حاملہ ہوئی۔'' (پیدائش 16:1-3)

''خداوند کے فرشتے نے اس سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور تیرے بیٹا پیدا ہوگا۔ اس کا نام اسمٰعیل رکھنا۔'' (16:11)

''جب ابرہام سے ہاجرہ کے اسماعیل پیدا ہوا تب ابرہام چھیاسی برس کا تھا (16:16) اور خداوند نے ابرہام سے کہا کہ ساری جو تیری بیوی ہے' اس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا۔ تو اس کا نام اضحاق رکھنا' جو اگلے سال اسی وقت معین پر سارہ سے پیدا ہوگا' تب ابرہام نے اپنے بیٹے اسماعیل کو اور گھر کے سب مردوں کو لیا اور اسی روز خدا کے حکم کے مطابق ان کا ختنہ کیا۔ ابرہام ننانوے برس کا تھا۔ جب اس کا ختنہ ہوا اور جب اسماعیل کا ختنہ ہوا تو وہ تیرہ برس کا تھا۔ (پیدائش 17:15-25)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سلسلۂ ہجرت

حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق میں اُر کے مقام پر پیدا ہوئے۔ آگ کے الاؤ سے بچ نکلنے کے بعد آپ وطن چھوڑ کر پہلے حران (یا حاران) تشریف لے گئے' پھر وہاں سے فلسطین کی طرف منتقل ہوئے اور بیت ایل' حبرون اور بیر شبع میں اپنی دعوت کے مراکز قائم کیے' پھر بحر لوط کے مشرق میں اپنے بھتیجے لوط علیہ السلام کو مامور کیا' وہاں سے آپ مصر تشریف لے گئے جو اس زمانے میں عراق کے بعد تہذیب وتمدن کا دوسرا عظیم الشان گہوارہ تھا' مگر یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ مصر میں بھی آپ کا کوئی تبلیغی مشن قائم ہوا یا نہیں۔ اس کے بعد آپ نے حجاز کا رخ کیا اور مکہ میں بیت اللہ تعمیر کرکے اپنے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس کی خدمت سپرد کی' پھر فلسطین میں حبرون کو اپنا مستقل مرکز بنایا اور یہیں

آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے بعد آپ کے دوسرے صاحبزادے حضرت اسحاق علیہ السلام اس مرکز میں آپ کے جانشین ہوئے اور ان سے یہ میراث حضرت یعقوب علیہ السلام کو پہنچی۔

5- ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو پاش پاش کرنا۔ قرآن

"اور خدا کی قسم! میں تمہاری غیر موجودگی میں ضرور تمہارے بتوں کی خبر لوں گا' چنانچہ اس نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور صرف ان کے بڑے کو چھوڑ دیا تا کہ شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ (انہوں نے آ کر بتوں کا یہ حال دیکھا تو) کہنے لگے: ہمارے خداؤں کا یہ حال کس نے کر دیا؟ بڑا ہی کوئی ظالم تھا وہ۔ (بعض لوگ) بولے: ہم نے ایک نوجوان کو ان کا ذکر کرتے سنا تھا' جس کا نام ابراہیم (علیہ السلام) ہے۔ انہوں نے کہا: تو پکڑ لاؤ اسے سب کے سامنے تا کہ لوگ دیکھ لیں (اس کی کیسی خبر لی جاتی ہے)۔ (ابراہیم علیہ السلام کے آنے پر) انہوں نے پوچھا: کیوں ابراہیم' تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ اس نے جواب دیا: بلکہ یہ سب کچھ ان کے اس سردار نے کیا ہے' ان ہی سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں۔ یہ سن کر وہ لوگ اپنے ضمیر کی طرف پلٹے اور (اپنے دلوں میں) کہنے لگے: واقعی تم خود ہی ظالم ہو' مگر پھر ان کی مت پلٹ گئی اور بولے: تو جانتا ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا: پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کو پوج رہے ہو' جو نہ تمہیں نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ نقصان۔ تف ہے تم پر اور تمہارے ان معبودوں پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر پوجا کر رہے ہو۔ کیا تم کچھ بھی عقل نہیں رکھتے؟ انہوں نے کہا: جلا ڈالو اس کو اور حمایت کرو اپنے خداؤں کی اگر تمہیں کچھ کرنا ہے۔ ہم نے کہا: اے آگ! ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیم (علیہ السلام) پر۔ وہ چاہتے تھے کہ ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ برائی کریں مگر ہم نے انہیں بری طرح ناکام کر دیا۔

(سورۃ الانبیاء آیات 57 تا 70)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوتِ حق کا بائبل میں عدم ذکر

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے اس اہم واقعے کا بائبل میں کوئی ذکر نہیں ہے' بلکہ ان کی زندگی کے عراقی دور کا کوئی واقعہ بھی اس کتاب میں جگہ نہیں پا سکا ہے۔ نمرود سے ان کی مڈبھیڑ' باپ اور قوم سے ان کی کشمکش' بت پرستی کے خلاف ان کی جدوجہد' آگ میں ڈالے جانے کا قصہ اور بالآخر ملک چھوڑنے پر مجبور ہونا' ان میں سے ہر چیز بائبل کی کتاب "پیدائش" کے مصنف کی نگاہ میں ناقابلِ التفات تھی۔ وہ صرف ان کی ہجرت کا ذکر کرتا ہے' مگر وہ بھی اس انداز سے کہ جیسے ایک خاندان تلاشِ معاش میں ایک ملک چھوڑ کر دوسرے ملک میں جا کر آباد ہو رہا ہے۔ قرآن اور بائبل کا اس سے بھی زیادہ دلچسپ اختلاف یہ ہے کہ قرآن کے بیان کی رُو سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مشرک باپ ان پر ظلم کرنے میں پیش پیش تھا اور بائبل کہتی ہے کہ ان کا باپ خود اپنے بیٹوں' پوتوں اور بہوؤں کو لے کر

حاران میں جابسا۔ (باب 11۔ فقرات 27 تا 32)

اس کے بعد یکایک خدا حضرت ابراہیم (علیہ السلام) سے کہتا ہے کہ تو حاران کو چھوڑ کر کنعان میں جا کر بس جا اور "میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا اور برکت دوں گا اور تیرا نام سرفراز کروں گا اور زمین کے سب قبیلے تیرے وسیلے سے برکت پائیں گے۔" (باب 12-7 فقرہ 31)۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اچانک حضرت ابراہیم (علیہ السلام) پر یہ نظر عنایت کیوں ہوگئی؟

تلمود کی لغویات

تلمود کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی پیدائش کے روز نجومیوں نے آسمان پر ایک علامت دیکھ کر نمرود کو مشورہ دیا تھا کہ تارح کے ہاں جو بچہ پیدا ہوا ہے' اسے قتل کر دے' چنانچہ وہ ان کے قتل کے درپے ہوا' مگر تارح نے اپنے ایک غلام کا بچہ ان کے بدلے میں دے کر انہیں بچالیا۔ اس کے بعد تارح نے اپنی بیوی اور بچے کو ایک غار میں لے جا کر چھپا دیا' جہاں 10 سال تک وہ رہے۔

گیارہویں سال حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو تارح نے حضرت نوح (علیہ السلام) کے پاس پہنچا دیا اور 39 سال تک وہ حضرت نوح (علیہ السلام) اور ان کے بیٹے سام کی تربیت میں رہے۔ اسی زمانے میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنی سگی بھتیجی سارہ سے نکاح کر لیا' جو عمر میں ان سے 42 سال چھوٹی تھیں (بائبل اس کی تصریح نہیں کرتی کہ سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بھتیجی تھیں نیز وہ دونوں کے درمیان عمر کا فرق بھی صرف 10 سال بتاتی ہے۔

(پیدائش' 11۔ فقرہ 29۔ اور باب 17۔ فقرہ 17)

قرآن سے تلمود کا تضاد

(1) تلمود کہتی ہے کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) پچاس سال کی عمر میں حضرت نوح (علیہ السلام) کا گھر چھوڑ کر اپنے باپ کے ہاں آگئے۔ یہاں انہوں نے دیکھا کہ باپ بت پرست ہے اور گھر میں سال کے بارہ مہینوں کے حساب سے 12 بت رکھے ہیں۔ انہوں نے پہلے تو باپ کو سمجھانے کی کوشش کی اور جب بات اس کی سمجھ میں نہ آئی تو ایک روز موقع پا کر اس گھریلو بت خانے کے بتوں کو توڑ ڈالا۔ تارح نے آ کر اپنے خداؤں کا جو یہ حال دیکھا تو سیدھا نمرود کے پاس پہنچا اور شکایت کی کہ 50 برس پہلے میرے ہاں جو لڑکا پیدا ہوا تھا' آج اس نے میرے گھر میں یہ حرکت کی ہے' آپ اس کا فیصلہ کیجئے۔ نمرود نے بلا کر حضرت ابراہیم (علیہ السلام) سے باز پرس کی' انہوں نے سخت جوابات دیئے' نمرود نے انہیں تو فوراً جیل بھیج دیا اور پھر معاملہ اپنی کونسل میں پیش کیا تا کہ صلاح مشورے سے اس مقدمے کا فیصلہ کیا جائے۔

کونسل کے ارکان نے مشورہ دیا کہ اس شخص کو آگ میں جلا دیا جائے' چنانچہ آگ کا ایک بڑا

الاؤ تیار کرایا گیا اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اس میں پھینک دیئے گئے۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ ان کے بھائی خسر' حاران کو بھی پھینکا گیا' کیونکہ نمرود نے تارح سے جب پوچھا کہ تیرے اس بیٹے کو تو میں پیدائش ہی کے روز قتل کرنا چاہتا تھا' تو نے اس وقت اسے بچا کر دوسرا بچہ کیوں اس کے بدلے قتل کرایا؟ تو اس نے کہا کہ میں نے حاران کے کہنے سے یہ حرکت کی تھی' اس لیے خود اس فعل کے مرتکب کو تو چھوڑ دیا گیا اور مشورہ دینے والے کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ آگ میں پھینکا گیا۔ آگ میں گرتے ہی حاران فوراً جل بھن کر کوئلہ ہو گیا مگر لوگوں نے دیکھا کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اندر اطمینان سے ٹہل رہے ہیں۔ نمرود کو اس معاملے کی اطلاع دی گئی۔ اس نے آ کر جب خود اپنی آنکھوں سے یہ ماجرا دیکھ لیا تو پکار کر کہا کہ ''آسمانی خدا کے بندے' آگ سے نکل اور میرے سامنے کھڑے ہو جا۔'' حضرت ابراہیم (علیہ السلام) باہر آ گئے' نمرود ان کا معتقد ہو گیا اور اس نے بہت سے قیمتی نذرانے انہیں دے کر رخصت کر دیا۔

(2) اس کے بعد تلمود کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیم (علیہ السلام) دو سال تک وہاں رہے' پھر نمرود نے ایک ڈراؤنا خواب دیکھا اور اس کے نجومیوں نے اس کی تعبیر یہ بتائی کہ ابراہیم تیری سلطنت کی تباہی کا موجب بنے گا' اسے قتل کرا دے۔ اس نے ان کے قتل کے لیے آدمی بھیجے' مگر حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے بھاگ کر حضرت نوح علیہ السلام کے ہاں پناہ لی' وہاں تارح آ کر ان سے خفیہ طور پر ملتا رہا اور آخر باپ بیٹوں کی صلاح ہوئی کہ ملک چھوڑ دیا جائے۔ حضرت نوح علیہ السلام اور سام نے بھی اس تجویز کو پسند کیا' چنانچہ تارح اپنے بیٹے ابراہیم علیہ السلام' پوتے لوط اور پوتی اور بہو سارہ کو لے کر اُر سے حاران چلا گیا۔ (منتخبات تلمود از ایچ پولانو' لندن' 30 تا 42)

(3) کیا اس داستان کو دیکھ کر کوئی معقول آدمی یہ تصور کر سکتا ہے کہ یہ قرآن کا ماخذ ہو سکتی ہے؟

6- حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب اور ان کے والد کی تعبیر۔ قرآن

''جب یوسف (علیہ السلام) نے اپنے باپ سے کہا: ابا جان! میں نے خواب دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے ہیں اور سورج اور چاند ہیں اور وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ جواب میں اس کے باپ نے کہا: بیٹا! اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا' ورنہ وہ تیرے درپے آزار ہو جائیں گے' حقیقت یہ ہے کہ شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے اور ایسا ہی ہو گا (جیسا تو نے خواب میں دیکھا ہے کہ) تیرا رب تجھے (اپنے کام کے لیے) منتخب کرے گا اور تجھے باتوں کی تہہ تک پہنچنا سکھائے گا اور تیرے اُوپر اور آلِ یعقوب پر اپنی نعمت اسی طرح پوری کرے گا' جس طرح اس سے پہلے وہ تیرے بزرگوں' ابراہیم اور اسحاق (علیہ السلام) پر کر چکا ہے' یقیناً تیرا رب علیم اور حکیم ہے۔'' (سورۃ یوسف۔ آیات 1 تا 6)

باپ کا یوسف علیہ السلام کو ڈانٹنا۔ بائبل

بائبل اور تلمود کا بیان قرآن کے اس بیان سے مختلف ہے۔ ان کا بیان یہ ہے کہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے خواب سن کر بیٹے کو خوب ڈانٹا اور کہا: ''اچھا! اب تو یہ خواب دیکھنے لگا ہے کہ میں اور تیری ماں اور تیرے سب بھائی تجھے سجدہ کریں گے۔''

لیکن ذرا غور کرنے سے بآسانی یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی پیغمبرانہ سیرت سے قرآن کا بیان زیادہ مناسبت رکھتا ہے' نہ کہ بائبل اور تلمود کا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب بیان کیا تھا' کوئی اپنی تمنا اور خواہش نہیں بیان کی تھی۔ خواب اگر سچا تھا اور ظاہر ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کی جو تعبیر نکالی وہ سچا خواب ہی سمجھ کر نکالی تھی' تو اس کے صاف معنی یہ تھے کہ یہ یوسف علیہ السلام کی خواہش نہیں تھی' بلکہ تقدیر الٰہی تھی کہ ایک وقت ان کو یہ عروج حاصل ہو' پھر کیا ایک پیغمبر تو درکنار ایک معقول آدمی کا بھی یہ کام ہوسکتا ہے کہ ایسی بات پر برا مانے اور خواب دیکھنے والے کو الٹی ڈانٹ پلائے؟ اور کیا کوئی شریف باپ ایسا بھی ہوسکتا ہے جو اپنے ہی بیٹے کے آئندہ عروج کی بشارت سن کر خوش ہونے کے بجائے اُلٹا جل بھن جائے؟

7۔ قصۂ یوسف کا سبق آموز پہلو۔ قرآن

حقیقت یہ ہے کہ یوسف اور اس کے بھائیوں کے قصے میں ان پوچھنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔ یہ قصہ یوں شروع ہوتا ہے کہ اس کے بھائیوں نے آپس میں کہا: یہ یوسف اور اس کا بھائی' دونوں ہمارے والد کو ہم سب سے زیادہ محبوب ہیں حالانکہ ہم ایک پورا جتھا ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ ہمارے ابا جان بالکل ہی بہک گئے ہیں' چلو یوسف کو قتل کردو یا اسے کہیں پھینک دو تاکہ تمہارے والد کی توجہ صرف تمہاری ہی طرف ہو جائے۔ یہ کام کرلینے کے بعد پھر نیک بن رہنا۔ اس پر ان میں سے ایک بولا: یوسف کو قتل نہ کرو' اگر کچھ کرنا ہی ہے تو اسے کسی اندھے کنویں میں ڈال دو' کوئی آتا جاتا قافلہ اسے نکال لے جائے گا۔

اس قرارداد پر انہوں نے جاکر اپنے باپ سے کہا: ابا جان! کیا بات ہے کہ آپ یوسف کے معاملے میں ہم پر بھروسہ نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کے سچے خیر خواہ ہیں۔ کل اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے' کچھ چر چگ لے گا اور کھیل کود سے بھی دل بہلا لے گا' ہم اس کی حفاظت کو موجود ہیں۔ باپ نے کہا: تمہارا اسے لے جانا مجھے شاق گزرتا ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں اسے بھیڑیا نہ پھاڑ کھائے' جب کہ تم اس سے غافل ہو۔ انہوں نے جواب دیا: ''اگر ہمارے ہوتے اسے بھیڑیے نے کھالیا' جبکہ ہم ایک جتھا ہیں' تب تو بڑے ہی نکمے ہوں گے۔ اس طرح اصرار کرکے جب وہ اسے لے گئے اور انہوں نے طے کرلیا کہ اسے ایک اندھے کنویں میں چھوڑ دیں' تو ہم نے یوسف کو وحی کی کہ ''ایک وقت آئے گا

جب تو ان لوگوں کو ان کی یہ حرکت جتائے گا' یہ اپنے فعل کے نتائج سے بے خبر ہیں۔ شام کو وہ روتے پیٹتے اپنے باپ کے پاس آئے اور کہا: ابا جان! ہم دوڑ کا مقابلہ کرنے میں لگ گئے تھے اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا کہ اتنے میں بھیڑیا آ کر اسے کھا گیا۔ آپ ہماری بات کا یقین نہ کریں گے' چاہے ہم سچے ہی ہوں اور وہ یوسف کے قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون لگا کر لے آئے تھے۔ یہ سن کر ان کے باپ نے کہا: بلکہ تمہارے نفس نے تمہارے لیے ایک بڑے کام کو آسان بنا دیا۔ اچھا! صبر کروں گا اور بخوبی کروں گا۔ جو بات تم بنا رہے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد مانگی جا سکتی ہے۔ ادھر ایک قافلہ آیا اور اس نے اپنے سقے کو پانی لانے کے لیے بھیجا۔ سقے نے جو کنویں میں ڈول ڈالا تو (یوسف کو دیکھ کر) پکار اٹھا: مبارک ہو' یہاں تو ایک لڑکا ہے۔ لوگوں نے اس کو مال تجارت سمجھ کر چھپا لیا' حالانکہ جو کچھ وہ کر رہے تھے خدا اس سے باخبر تھا۔ آخر کار انہوں نے اس کو تھوڑی سی قیمت پر چند درہموں کے عوض بیچ ڈالا اور وہ اس کی قیمت کے معاملہ میں کچھ زیادہ کے امیدوار نہ تھے۔

(سورۃ یوسف۔ آیات 7 تا 20)

بائبل اور تلمود کے تضادات

1- قرآن کا یہ بیان بھی بائبل اور تلمود کے بیان سے مختلف ہے۔ ان کی روایت یہ ہے کہ برادرانِ یوسف اپنے مویشی چرانے کے لیے سکم کی طرف گئے ہوئے تھے اور ان کے پیچھے خود حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے ان کی تلاش میں حضرت یوسف (علیہ السلام) کو بھیجا تھا' مگر یہ بات بعید از قیاس ہے کہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے یوسف (علیہ السلام) کے ساتھ ان کے حسد کا حال جاننے کے باوجود انہیں آپ اپنے ہاتھوں موت کے منہ میں بھیجا ہو' اس لیے قرآن کا بیان ہی زیادہ مناسب حال معلوم ہوتا ہے۔

2- بائبل اور تلمود اس ذکر سے خالی ہیں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے یوسف (علیہ السلام) کو کوئی تسلی بھی دی گئی تھی۔ اس کے بجائے تلمود میں جو روایت بیان ہوئی ہے' وہ یہ ہے کہ جب حضرت یوسف (علیہ السلام) کنویں میں ڈالے گئے' تو وہ بہت زیادہ بلبلائے اور خوب چیخ چیخ کر انہوں نے بھائیوں سے فریاد کی۔ قرآن کا بیان پڑھیے تو محسوس ہوگا کہ ایک ایسے نوجوان کا بیان ہو رہا ہے' جو آگے چل کر تاریخ انسانی کی عظیم ترین شخصیتوں میں شمار ہونے والا ہے۔ تلمود کو پڑھیے تو کچھ ایسا نقشہ سامنے آئے گا کہ صحرا میں چند بدو ایک لڑکے کو کنویں میں پھینک رہے ہیں اور وہ وہی کچھ کر رہا ہے جو ہر لڑکا ایسے موقع پر کرے گا۔

3- متن میں "صبر جمیل" کے الفاظ ہیں' جن کا لفظی ترجمہ "اچھا صبر" ہو سکتا ہے۔ اس سے مراد ایسا صبر ہے جس میں شکایت نہ ہو' فریاد نہ ہو' جزع فزع نہ ہو' ٹھنڈے دل سے اس مصیبت کو برداشت کیا جائے' جو ایک عالی ظرف انسان پر آ پڑی ہو مگر بائبل اور تلمود یہاں حضرت

یعقوب علیہ السلام کے تاثر کا نقشہ بھی کچھ ایسا کھینچتی ہیں' جو کسی معمولی باپ کے تاثر سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے۔

بائبل کا بیان یہ ہے کہ "تب یعقوب (علیہ السلام) نے اپنا پیراہن چاک کیا اور ٹاٹ اپنی کمر سے لپیٹا اور بہت دنوں تک اپنے بیٹے کے لیے ماتم کرتا رہا۔" تلمود کا بیان ہے کہ "یعقوب (علیہ السلام) بیٹے کی قمیص پہچانتے ہی اوندھے منہ زمین پر گر پڑا اور دیر تک بے حس وحرکت پڑا رہا' پھر اٹھ کر بڑے زور سے چیخا کہ ہاں یہ میرے بیٹے ہی کی قمیص ہے اور وہ سالہاسال یوسف کا ماتم کرتا رہا۔" اس نقشے میں حضرت یعقوب علیہ السلام وہی کچھ کرتے نظر آتے ہیں جو ہر باپ ایسے موقع پر کرے گا' لیکن قرآن جو نقشہ پیش کر رہا ہے اس سے ہمارے سامنے ایک ایسے غیر معمولی انسان کی تصویر آتی ہے' جو کمال درجہ بردبار و باوقار ہے' اتنی بڑی غم انگیز خبر سن کر بھی اپنا دماغی توازن نہیں کھوتا' اپنی فراست سے معاملے کی ٹھیک نوعیت کو بھانپ جاتا ہے کہ یہ ایک بناوٹی بات ہے جو ان حاسد بھائیوں نے بنا کر پیش کی ہے اور پھر عالی ظرف انسانوں کی طرح صبر اور خدا پر بھروسہ کرتا ہے۔

یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکال کر فروخت کرنے کے بارے میں بائبل کی متضاد روایات

اس معاملے کی سادہ صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ برادرانِ یوسف' حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینک کر چلے گئے تھے' بعد میں قافلے والوں نے آ کر انہیں وہاں سے نکالا اور مصر لے جا کر بیچ دیا۔ مگر بائبل کا یہ بیان ہے کہ برادرانِ یوسف نے بعد میں بنی اسماعیل کے ایک قافلے کو دیکھا اور چاہا کہ یوسف (علیہ السلام) کو کنویں سے نکال کر ان کے ہاتھ بیچ دیں' لیکن اس سے پہلے ہی مدین کے سوداگر انہیں کنویں سے نکال چکے تھے۔ ان سوداگروں نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو بیس روپے میں بنی اسماعیل کے ہاتھ بیچ ڈالا' پھر آگے چل کر بائبل کے مصنفین یہ بھول جاتے ہیں کہ اوپر وہ بنی اسماعیل کے ہاتھ حضرت یوسف (علیہ السلام) کو فروخت کرا چکے ہیں' چنانچہ وہ بنی اسماعیل کے بجائے پھر مدین ہی کے سوداگروں سے مصر میں انہیں دوبارہ فروخت کراتے ہیں (ملاحظہ ہو کتابِ پیدائش باب 37' فقرہ 25 تا 28' فقرہ 36)

اس کے برعکس تلمود کا بیان ہے کہ مدین کے سوداگروں نے یوسف (علیہ السلام) کو کنویں سے نکال کر اپنا غلام بنالیا' پھر برادرانِ یوسف نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو ان کے قبضہ میں دیکھ کر ان سے جھگڑا کیا' آخر کار انہوں نے 20 درہم قیمت ادا کر کے برادرانِ یوسف کو راضی کیا' پھر انہوں نے بیس ہی درہم میں یوسف (علیہ السلام) کو بنی اسماعیل کے ہاتھ بیچ دیا اور بنی اسماعیل نے مصر لے جا کر انہیں فروخت کیا۔ یہیں سے مسلمانوں میں یہ روایت مشہور ہوئی کہ برادران یوسف نے حضرت

یوسف (علیہ السلام) کو فروخت کیا تھا لیکن واضح ہونا چاہیے کہ قرآن اس روایت کی تائید نہیں کرتا۔

8- عورت کا یوسف علیہ السلام کی قمیص کو پیچھے سے پھاڑ دینا۔ قرآن

اور اس نے پیچھے سے یوسف (علیہ السلام) کی قمیص (کھینچ کر) پھاڑ دی۔ دروازے پر دونوں نے اس کے شوہر کو موجود پایا۔ اسے دیکھتے ہی عورت کہنے لگی: کیا سزا ہے اس شخص کی جو تیری گھر والی پر نیت خراب کرے؟ اس کے سوا اور کیا سزا ہوسکتی ہے کہ وہ قید کیا جائے یا اسے سخت عذاب دیا جائے۔ یوسف (علیہ السلام) نے کہا: یہی مجھے پھانسنے کی کوشش کر رہی تھی۔

اس عورت کے اپنے کنبہ والوں میں سے ایک شخص نے (قرینے کی) شہادت پیش کی کہ اگر یوسف (علیہ السلام) کی قمیص آگے سے پھٹی ہو تو عورت سچی ہے اور یہ جھوٹا' اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہو تو عورت جھوٹی ہے اور یہ سچا۔ جب شوہر نے دیکھا کہ یوسف کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو اس نے کہا: یہ تم عورتوں کی چالاکیاں ہیں۔ واقعی بڑے غضب کی ہوتی ہیں تمہاری چالیں۔ یوسف! اس معاملے سے درگزر کر اور اے عورت! تو اپنے قصور کی معافی مانگ' تو ہی اصل میں خطا کار تھی۔

(سورۃ یوسف آیات 23 تا29)

یوسف علیہ السلام کا پیراہن زلیخا کے ہاتھ میں۔ بائبل

(1) بائبل میں اس قصے کو جس بھونڈے طریقے سے بیان کیا گیا ہے' وہ ملاحظہ ہو:

''تب اس عورت نے اس کا پیراہن پکڑ کر کہا کہ میرے ساتھ ہم بستر ہو۔ وہ اپنا پیراہن اس کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگا اور باہر نکل گیا' جب اس نے دیکھا کہ وہ اپنا پیراہن اس کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگ گیا' تو اس نے اپنے گھر کے آدمیوں کو بلا کر ان سے کہا کہ دیکھو وہ ایک عبری کو ہم سے مذاق کرنے کے لیے ہمارے پاس لے آیا ہے' یہ مجھ سے ہم بستر ہونے کو اندر گھس آیا اور میں بلند آواز سے چلانے لگی۔ جب اس نے دیکھا کہ میں زور زور سے چلا رہی ہوں تو اپنا پیراہن میرے پاس چھوڑ کر بھاگا اور باہر نکل گیا' اور وہ اس کا پیراہن اس کے آقا کے گھر لوٹنے تک اپنے پاس رکھے رہی' جب اس کے آقا نے اپنی بیوی کی وہ باتیں جو اس نے اس سے کہیں' سن لیں کہ تیرے غلام نے مجھ سے ایسا ایسا کیا تو اُس کا غضب بھڑکا اور یوسف (علیہ السلام) کے آقا نے اس کو لے کر قید خانے میں جہاں بادشاہ کے قیدی بند تھے' ڈال دیا۔ (پیدائش 39:12-30)

اس عجیب و غریب روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے جسم پر لباس کچھ اس قسم کا تھا کہ ادھر زلیخا نے اس پر ہاتھ ڈالا اور ادھر وہ پورا لباس اس کے پاس چھوڑ کر یونہی برہنہ بھاگ نکلے اور ان کا لباس (یعنی ان کے قصور کا ناقابلِ انکار ثبوت) اس عورت کے پاس ہی رہ گیا۔ اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کے مجرم ہونے میں آخر کون شک کرسکتا تھا؟

یوسف علیہ السلام کو سزا

(2) یہ تو ہے بائبل کی روایت۔ رہی تلمود تو اس کا بیان ہے کہ فوطیفار نے جب اپنی بیوی سے یہ شکایت سنی تو اس نے یوسف کو خوب پٹوایا' پھر ان کے خلاف عدالت میں استغاثہ دائر کیا اور حکامِ عدالت نے حضرت یوسف کی قمیص کا جائزہ لے کر فیصلہ کیا کہ قصور عورت کا ہے کیونکہ قمیص پیچھے سے پھٹی ہے نہ کہ آگے سے' لیکن یہ بات ہر صاحب عقل آدمی تھوڑے سے غور و فکر سے باآسانی سمجھ سکتا ہے کہ قرآن کی روایت تلمود کی روایت سے زیادہ قرین قیاس ہے۔ آخر کس طرح یہ باور کر لیا جائے کہ ایک ایسا بڑا ذی وجاہت آدمی اپنی بیوی پر اپنے غلام کی دست درازی کا معاملہ خود عدالت میں لے گیا ہوگا۔

مستشرقین کی لغویت

(3) قرآن اور اسرائیلی روایات کے فرق کی یہ ایک نمایاں ترین مثال ہے' جس سے مغربی مستشرقین کے اس الزام کی لغویت واضح ہو جاتی ہے کہ محمد ﷺ نے یہ قصے بنی اسرائیل سے نقل کر لیے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ قرآن نے تو ان کی اصلاح کی ہے اور اصل واقعات دُنیا کو بتائے ہیں۔

9۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنا تعارف اور بندگی رب کی دعوت۔ قرآن

''یہاں جو کھانا تمہیں ملا کرتا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تمہیں ان خوابوں کی تعبیر بتادوں گا۔ یہ علم ان علوم میں سے ہے' جو میرے رب نے مجھے عطا کیے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے ان لوگوں کا طریقہ چھوڑ کر جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں' اپنے بزرگوں' ابراہیم' اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ ہمارا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں۔ درحقیقت یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر اور تمام انسانوں پر (کہ اس نے اپنے سوا کسی کا بندہ ہمیں نہیں بنایا) مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

اے زنداں کے ساتھیو! تم خود ہی سوچو کہ بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ' جو سب پر غالب ہے؟ اس کو چھوڑ کر تم جن کی بندگی کر رہے ہو' وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ بس چند نام ہیں' جو تم نے اور تمہارے آباء و اجداد نے رکھ لیے ہیں' اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نازل نہیں کی' فرماں روائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے۔ اس کا حکم ہے کہ خود اس کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی ٹھیٹھ سیدھا طریق زندگی ہے' مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ اے زنداں کے ساتھیو! تمہارے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تم میں سے ایک تو اپنے رب (شاہِ مصر) کو شراب پلائے گا' رہا دوسرا تو اسے سولی پر چڑھایا جائے گا اور پرندے اس کا سر نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ فیصلہ ہو گیا اس بات کا جو تم پوچھ رہے تھے۔'' (سورۃ یوسف۔ آیات 39 تا 41)

یوسف علیہ السلام کے پیغمبرانہ مشن کا عدم ذکر۔ بائبل

یہ تقریر جو اس پورے قصے کی جان ہے اور خود قرآن میں بھی توحید کے متعلق بہترین تقریروں میں سے ہے، بائبل اور تلمود میں کہیں اس کی طرف ادنیٰ اشارہ تک نہیں ہے۔ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو محض ایک دانشمند اور پرہیزگار آدمی کی حیثیت سے پیش کرتی ہیں، مگر قرآن صرف یہی نہیں کہ ان کی سیرت کے ان پہلوؤں کو بھی بائبل اور تلمود کی بہ نسبت بہت زیادہ روشن کر کے پیش کرتا ہے، بلکہ اس کے علاوہ وہ ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنا ایک پیغمبرانہ مشن رکھتے تھے اور اس کی دعوت و تبلیغ کا کام انہوں نے قید خانے ہی میں شروع کر دیا تھا۔

وضاحت

یہ تقریر ایسی نہیں ہے کہ اس پر سے یونہی سرسری گزر جایئے بلکہ اس کے متعدد پہلو ایسے ہیں، جن پر توجہ اور غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے:

1- یہ پہلا موقع ہے جب کہ حضرت یوسف علیہ السلام ہمیں دین حق کی تبلیغ کرتے نظر آتے ہیں۔ اس سے پہلے ان کی داستانِ حیات کے جو ابواب قرآن نے پیش کیے ہیں، ان میں صرف اخلاقِ فاضلہ کی مختلف خصوصیات مختلف مرحلوں پر اُبھرتی رہی ہیں، مگر تبلیغ کا کوئی نشان وہاں نہیں پایا جاتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلے مراحل محض تیاری اور تربیت کے تھے۔ نبوت کا کام عملاً اس قید خانے کے مرحلے میں ان کے سپرد کیا گیا ہے اور نبی کی حیثیت سے یہ ان کی پہلی تقریر دعوت ہے۔

2- یہ بھی پہلا ہی موقع ہے کہ انہوں نے لوگوں کے سامنے اپنی اصلیت ظاہر کی۔ اس سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ نہایت صبر و شکر کے ساتھ ہر اس حالت کو قبول کرتے رہے، جو انہیں پیش آئی۔ جب قافلے والوں نے انہیں پکڑ کر غلام بنایا، وہ مصر لائے گئے، عزیز مصر کے ہاتھ فروخت کیا گیا، جیل بھیجا گیا، ان میں سے کسی موقع پر بھی انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ میں ابراہیم و اسحاق علیہم السلام کا پوتا اور یعقوب علیہ السلام کا بیٹا ہوں۔ ان کے باپ دادا کوئی غیر معروف لوگ نہ تھے۔ قافلے والے خواہ اہلِ مدین ہوں یا بنی اسماعیل، دونوں ان کے خاندان سے قریبی تعلق رکھنے والے ہی تھے۔ اہلِ مصر بھی کم از کم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تو ناواقف نہ تھے (بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام جس انداز سے ان کا، حضرت یعقوب علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام کا ذکر کر رہے ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تینوں بزرگوں کی شہرت مصر میں پہنچی ہوئی تھی)، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے کبھی باپ دادا کا نام لے کر اپنے آپ کو ان حالات سے نکالنے کی کوشش نہ کی، جن میں وہ پچھلے چار پانچ سال

کے دوران مبتلا ہوتے رہے۔ غالباً وہ خود بھی اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ انہیں بنانا چاہتا ہے' اس کے لیے اُن کا اِن حالات سے گزرنا ہی ضروری ہے' مگر اب انہوں نے محض اپنی دعوت و تبلیغ کی خاطر اس حقیقت سے پردہ اٹھایا کہ میں کوئی نیا اور نرالا دین پیش نہیں کر رہا بلکہ میرا تعلق دعوتِ توحید کی اس عالمگیر تحریک سے ہے' جس کے ائمہ ابراہیم و اسحاق و یعقوب علیہم السلام ہیں۔ ایسا کرنا اس لیے ضروری تھا کہ داعیٔ حق کبھی اس دعوے کے ساتھ نہیں اُٹھا کرتا کہ وہ ایک نئی بات پیش کر رہا ہے جو اس سے پہلے کسی کو نہ سوجھی تھی' بلکہ پہلے قدم ہی پر یہ بات کھول دیتا ہے کہ میں اس ازلی و ابدی حقیقت کی طرف بلا رہا ہوں' جو ہمیشہ سے تمام اہلِ حق پیش کرتے رہے ہیں۔

-3 پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے جس طرح اپنی تبلیغ کے لیے موقع نکالا' اس سے ہمیں حکمت تبلیغ کا ایک اہم سبق ملتا ہے۔ دو آدمی اپنا خواب بیان کرتے ہیں اور عقیدت مندی کا اظہار کرتے ہوئے اس کی تعبیر پوچھتے ہیں۔ جواب میں آپ فرماتے ہیں کہ تعبیر تو میں تمہیں ضرور بتاؤں گا' مگر پہلے یہ سن لو کہ اس علم کا ماخذ کیا ہے' جس کی بنا پر میں تمہیں تعبیر بتاتا ہوں۔ اس طرح ان کی بات میں سے اپنی بات کہنے کا موقع نکال کر آپ ان کے سامنے اپنا دین پیش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ فی الواقع کسی شخص کے دل میں اگر تبلیغ حق کی دُھن سمائی ہوئی ہو اور وہ حکمت بھی رکھتا ہو تو کیسی خوبصورتی سے وہ گفتگو کا رخ اپنی دعوت کی طرف پھیر سکتا ہے۔ جسے دعوت کی دُھن نہ لگی ہو اس کے سامنے تو مواقع پر مواقع آتے ہیں اور وہ کبھی محسوس نہیں کرتا کہ یہ موقع ہے اپنی بات کہنے کا' مگر وہ جسے دُھن لگی ہو' وہ موقع کی تاک میں لگا رہتا ہے اور اسے پاتے ہی اپنا کام شروع کر دیتا ہے' البتہ حکیم کی موقع شناسی میں اور اس نادان مبلغ کی بھونڈی تبلیغ میں بہت فرق ہے جو موقع و محل کا لحاظ کیے بغیر لوگوں کے کانوں میں زبردستی اپنی دعوت ٹھونسنے کی کوشش کرتا ہے اور پھر ضد اور جھگڑالو پن سے الٹا انہیں متنفر کر کے چھوڑتا ہے۔

-4 اس سے یہ بھی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ لوگوں کے سامنے دعوتِ دین پیش کرنے کا صحیح ڈھنگ کیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام چھوٹتے ہی دین کے تفصیلی اصول اور ضوابط پیش کرنے شروع نہیں کر دیتے' بلکہ ان کے سامنے دین کے اس نقطۂ آغاز کو پیش کرتے ہیں' جہاں سے اہلِ حق کا راستہ اہلِ باطل کے راستے سے جدا ہوتا ہے یعنی توحید اور شرک کا فرق' پھر اس فرق کو وہ ایسے معقول طریقے سے واضح کرتے ہیں کہ عقلِ عام رکھنے والا کوئی شخص اسے محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا' خصوصاً جو لوگ اس وقت ان کے مخاطب تھے' ان کے دل و دماغ میں تو تیر کی طرح یہ بات اُتر گئی ہوگی' کیونکہ وہ غلام تھے اور اپنے دل کی گہرائیوں میں اس

بات کو خوب محسوس کر سکتے تھے کہ ایک آقا کا غلام ہونا بہتر ہے یا بہت سے آقاؤں کا' اور سارے جہان کے آقا کی بندگی بہتر ہے یا بندوں کی بندگی؟ پھر وہ یہ بھی نہیں کہتے کہ اپنا دین چھوڑو اور میرے دین میں آجاؤ' بلکہ ایک عجیب انداز میں ان سے کہتے ہیں کہ دیکھو! اللہ کا یہ کتنا بڑا فضل ہے کہ اس نے اپنے سوا ہمیں کسی کا بندہ نہیں بنایا' مگر لوگ اس کا شکر ادا نہیں کرتے اور خواہ مخواہ گھڑ گھڑ کر اپنے رب بناتے اور اُن کی بندگی کرتے ہیں' پھر وہ اپنے مخاطبوں کے دین پر تنقید بھی کرتے ہیں' مگر نہایت معقولیت کے ساتھ اور دل آزاری کے ہر شائبے کے بغیر بس اتنا کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ یہ معبود جن میں سے کسی کو تم اَن داتا' کسی کو خداوند نعمت' کسی کو مالک زمین اور کسی کو ربّ دولت یا مختارِ صحت و مرض وغیرہ کہتے ہو' یہ سب خالی خولی نام ہی ہیں' ان ناموں کے پیچھے کوئی حقیقی اَن داتائی و خداوندی اور مالکیت و ربوبیت موجود نہیں ہے۔ اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے جسے تم بھی کائنات کا خالق و رب تسلیم کرتے ہو' اور اس نے ان میں سے کسی کے لیے بھی خداوندی اور معبودیت کی کوئی سند نہیں اُتاری' بلکہ اس نے تو فرمانروائی کے سارے حقوق اور اختیارات اپنے ہی لیے مخصوص رکھے ہیں اور اس کا حکم ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔

-5 اس سے یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانے کی زندگی کے یہ آٹھ دس سال کس طرح گزارے ہوں گے؟ لوگ سمجھتے ہیں کہ قرآن میں چونکہ ان کے ایک ہی وعظ کا ذکر ہے' اس لیے انہوں نے صرف ایک ہی مرتبہ دعوتِ دین کے لیے زبان کھولی تھی' مگر اوّل تو ایک پیغمبر کے متعلق یہ خیال کرنا ہی سخت بدگمانی ہے کہ وہ اپنے اصل کام سے غافل ہوگا' پھر جس شخص کی تبلیغی دُھن کا یہ حال تھا کہ دو آدمی تعبیر خواب پوچھتے ہیں اور وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر دین کی تبلیغ شروع کر دیتا ہے' اس کے متعلق یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ اس نے قید خانے کے یہ چند سال خاموش ہی گزار دیے ہوں گے۔

10- یوسف علیہ السلام کو بادشاہ کی دعوت۔ قرآن

''بادشاہ نے کہا: اسے میرے پاس لاؤ' مگر جب شاہی فرستادہ یوسف کے پاس پہنچا تو اس نے کہا: اپنے رب کے پاس واپس جا اور اُس سے پوچھ کر ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے' جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے؟ میرا رب تو ان کی مکاری سے واقف ہی ہے۔ اس پر بادشاہ نے ان عورتوں سے دریافت کیا کہ تمہارا کیا تجربہ ہے اس وقت کا' جب تم نے یوسف کو رجھانے کی کوشش کی تھی؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا: حاشاللہ' ہم نے تو اس میں بدی کا شائبہ تک نہ پایا۔ عزیز کی بیوی بول اٹھی: اب حق کھل چکا ہے' وہ میں ہی تھی جس نے اس کو پھسلانے کی کوشش کی تھی' بے شک وہ بالکل سچا ہے۔ (یوسف نے کہا) اس سے میری غرض یہ تھی کہ (عزیز) یہ جان لے کہ میں نے درپردہ اس کی خیانت نہیں کی تھی

اور یہ کہ جو خیانت کرتے ہیں ان کی چالوں کو اللہ کامیابی کی راہ پر نہیں لگاتا۔ میں کچھ اپنے نفس کی برات نہیں کر رہا ہوں' نفس تو بدی پر اکساتا ہی ہے' الا یہ کہ کسی پر میرے رب کی رحمت ہو' بے شک میرا رب بڑا غفور و رحیم ہے۔" (سورۃ یوسف۔ آیات 50 تا 53)

بادشاہ کی طلبی پر حضرت یوسف علیہ السلام کی فوری تیاری۔ بائبل

یہاں سے لے کر بادشاہ کی ملاقات تک جو کچھ قرآن نے بیان کی ہے' وہ اس قصے کا ایک بے حد اہم باب ہے' جس کا کوئی ذکر بائبل اور تلمود میں نہیں ہے۔ بائبل کا بیان ہے کہ بادشاہ کی طلبی پر حضرت یوسف (علیہ السلام) فوراً چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ حجامت بنوائی' کپڑے بدلے اور دربار میں جا حاضر ہوئے۔

تلمود اس سے بھی زیادہ گھٹیا صورت میں اس واقعے کو پیش کرتی ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ "بادشاہ نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ یوسف کو میرے حضور پیش کرو اور یہ بھی ہدایت کر دی کہ دیکھو ایسا کوئی کام نہ کرنا کہ لڑکا گھبرا جائے اور صحیح تعبیر نہ دے سکے۔ چنانچہ شاہی ملازموں نے یوسف کو قید خانے سے نکالا' حجامت بنوائی' کپڑے بدلوائے اور دربار میں لا کر پیش کر دیا۔ بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھا تھا' وہاں زر و جواہر کی چمک دمک اور دربار کی شان دیکھ کر یوسف (علیہ السلام) ہکا بکا رہ گئے اور ان کی آنکھیں خیرہ ہونے لگیں۔ شاہی تخت کی سات سیڑھیاں تھیں اور قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی معزز آدمی بادشاہ سے کچھ عرض کرنا چاہتا تو وہ چھ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جاتا اور بادشاہ سے ہم کلام ہوتا تھا' اور جب ادنیٰ طبقے کا کوئی آدمی شاہی مخاطبہ کے لیے بلایا جاتا تو وہ نیچے کھڑا رہتا اور بادشاہ تیسری سیڑھی تک اتر کر اس سے بات کرتا۔ یوسف اس قاعدے کے مطابق نیچے کھڑے ہوئے اور زمین بوس ہو کر اس نے بادشاہ کو سلامی دی اور بادشاہ نے تیسری سیڑھی تک اُتر کر اس سے گفتگو کی۔"

اس تصویر میں بنی اسرائیل نے اپنے جلیل القدر پیغمبر کو جتنا گرا کر پیش کیا ہے' اُسے نگاہ میں رکھیے اور پھر دیکھیے کہ قرآن ان کے قید سے نکلنے اور بادشاہ سے ملنے کا واقعہ کس شان اور آن بان سے پیش کرتا ہے۔ اب یہ فیصلہ کرنا ہر صاحب نظر کا کام ہے کہ ان دونوں تصویروں میں سے کون سی تصویر پیغمبری کے مرتبے سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے' علاوہ بریں یہ بات بھی عقل عام کو کھٹکتی ہے کہ اگر بادشاہ کی ملاقات کے وقت تک حضرت یوسف (علیہ السلام) کی حیثیت اتنی ہی گری ہوئی تھی' جتنی تلمود کے بیان سے معلوم ہوتی ہے تو خواب کی تعبیر سنتے ہی یکا یک انہیں تمام سلطنت کا مختار کل کیسے بنا دیا گیا؟ ایک مہذب و متمدن ملک میں اتنا بڑا مرتبہ تو آدمی کو اُسی وقت ملا کرتا ہے جب کہ وہ اپنی اخلاقی و ذہنی برتری کا سکہ لوگوں پر بٹھا چکا ہو' پس عقل کی رُو سے بھی بائبل اور تلمود کی بہ نسبت قرآن ہی کا بیان زیادہ حقیقت کے مطابق معلوم ہوتا ہے۔

یوسف علیہ السلام اور زلیخا کی داستان بائبل کی تصنیف

سورۃ یوسف' آیت 79 میں لفظ "عزیز" جو حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے استعمال ہوا ہے صرف اس کی بنا پر مفسرین نے قیاس کرلیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اسی منصب پر مامور ہوئے تھے جس پر اس سے پہلے زلیخا کا شوہر مامور تھا۔ پھر اس پر مزید قیاسات کی عمارت کھڑی کرلی گئی کہ سابق عزیز مرگیا تھا' حضرت یوسف علیہ السلام اس کی جگہ مقرر کیے گئے' زلیخا ازسرنو معجزے کے ذریعے جوان کی گئی اور شاہِ مصر نے اس سے حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح کردیا۔ حد تو یہ ہے کہ شب عروسی میں حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کے درمیان جو باتیں ہوئیں' وہ تک کسی ذریعے سے ہمارے مفسرین کو پہنچ گئیں' حالانکہ یہ سب باتیں سراسر وہم ہیں۔ غالباً "عزیز" کے متعلق ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ یہ مصر میں کسی خاص منصب کا نام نہ تھا' بلکہ محض "صاحب اقتدار" کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ غالباً مصر میں بڑے لوگوں کے لیے اس طرح کا کوئی لفظ اصطلاحاً رائج تھا جیسے ہمارے ملک میں لفظ "سرکار" بولا جاتا ہے' اس کا ترجمہ قرآن میں "عزیز" کیا گیا ہے۔ رہا زلیخا سے حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح' تو اس افسانے کی بنیاد صرف یہ ہے کہ بائبل اور تلمود میں فوطیفرع کی بیٹی آسناتھ سے ان کے نکاح کی روایت بیان کی گئی ہے اور زلیخا کے شوہر کا نام فوطیفار تھا۔ یہ چیزیں اسرائیلی روایات سے نقل در نقل ہوتی ہوئی مفسرین تک پہنچیں اور جیسا کہ زبانی افواہوں کا قاعدہ ہے' فوطیفرع باآسانی فوطیفار بن گیا' بیٹی کی جگہ بیوی کو مل گئی اور بیوی لامحالہ زلیخا ہی تھی' لہٰذا اس سے حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح کرنے کے لیے فوطیفار کو ماردیا گیا اور اس طرح "یوسف زلیخا" کی تصنیف مکمل ہوگئی۔

11- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تربیت بذریعہ امراۃِ فرعون۔ قرآن

فرعون کی بیوی نے (اس سے) کہا: یہ میرے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے' اسے قتل نہ کرو' کیا عجب کہ یہ ہمارے لیے مفید ثابت ہو یا ہم اسے بیٹا ہی بنالیں اور وہ (انجام سے) بے خبر تھے۔ ادھر موسیٰ کی ماں کا دل اُڑا جا رہا تھا۔ وہ اس کا راز فاش کربیٹھتی اگر ہم اس کی ڈھارس نہ بندھا دیتے تاکہ وہ (ہمارے وعدے پر) ایمان لانے والوں میں سے ہو۔ اس نے بچے کی بہن سے کہا: اس کے پیچھے پیچھے جا' چنانچہ وہ الگ سے اس طرح دیکھتی رہی کہ (دشمنوں کو) اس کا پتہ نہ چلا اور ہم نے بچے پر پہلے ہی دودھ پلانے والیوں کی چھاتیاں حرام کر رکھی تھیں۔ (یہ حالت دیکھ کر) اس لڑکی نے ان سے کہا "میں تمہیں ایسے گھر کا پتہ بتاؤں جس کے لوگ اس کی پرورش کا ذمہ لیں اور خیرخواہی کے ساتھ اسے رکھیں؟ اس طرح ہم موسیٰ کو اس کی ماں کے پاس پلٹا لائے تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہو اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا تھا' مگر اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔

(سورۃ القصص۔ آیات 9 تا 13)

امرأۃ کی جگہ بنت فرعون۔ بائبل

بائبل اور تلمود کا بیان ہے کہ وہ عورت جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پالنے اور بیٹا بنانے کے لیے کہا تھا فرعون کی بیٹی تھی، لیکن قرآن صاف الفاظ میں اسے ''امرأۃ فرعون'' (فرعون کی بیوی) کہتا ہے اور ظاہر ہے کہ صدیوں بعد مرتب کی ہوئی زبانی روایات کے مقابلے میں براہِ راست اللہ تعالیٰ کا بیان ہی قابل اعتماد ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ خواہ مخواہ اسرائیلی روایات سے مطابقت پیدا کرنے کی خاطر عربی محاورہ واستعمال کے خلاف امرأۃ فرعون کے معنی ''فرعون کے خاندان کی عورت'' کیے جائیں۔

12- حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اتفاقیہ قتل۔ قرآن

''جب موسیٰ (علیہ السلام) اپنی پوری جوانی کو پہنچ گیا اور اس کی نشوونما مکمل ہو گئی تو ہم نے اسے حکم اور علم عطا کیا، ہم نیک لوگوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ (ایک روز) وہ شہر میں ایسے وقت داخل ہوا جب کہ اہلِ شہر غفلت میں تھے۔ وہاں اس نے دیکھا کہ دو آدمی لڑ رہے ہیں۔ ایک اس کی اپنی قوم کا تھا اور دوسرا اس کی دشمن قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کی قوم کے آدمی نے دشمن قوم والے کے خلاف اسے مدد کے لیے پکارا۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے اسے ایک گھونسا مارا اور اس کا کام تمام کر دیا (یہ حرکت سرزد ہوتے ہی) موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: یہ شیطان کی کارفرمائی ہے، وہ سخت دشمن اور کھلا گمراہ کن ہے۔ پھر وہ کہنے لگا: اے میرے رب، میں نے اپنے نفس پر ظلم کر ڈالا، میری مغفرت فرما دے۔ چنانچہ اللہ نے اس کی مغفرت فرما دی، وہ غفور رحیم ہے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے عہد کیا کہ اے میرے رب! یہ احسان جو تو نے مجھ پر کیا ہے اس کے بعد اب بھی میں کبھی مجرموں کا مددگار نہ بنوں گا۔

دوسرے روز وہ صبح سویرے ڈرتا اور ہر طرف سے خطرہ بھانپتا ہوا شہر میں جا رہا تھا کہ یکا یک کیا دیکھتا ہے کہ وہی شخص جس نے کل اسے مدد کے لیے پکارا تھا، آج پھر اُسے پکار رہا ہے۔ موسیٰ نے کہا: تو تو بڑا ہی بہکا ہوا آدمی ہے۔ پھر جب موسیٰ (علیہ السلام) نے ارادہ کیا کہ دشمن قوم کے آدمی پر حملہ کرے، تو وہ پکار اُٹھا: اے موسیٰ (علیہ السلام) کیا آج تو مجھے اسی طرح قتل کرنے لگا ہے جس طرح کل ایک شخص کو قتل کر چکا ہے، تو اس ملک میں جبار بن کر رہنا چاہتا ہے، اصلاح کرنا نہیں چاہتا۔ اس کے بعد ایک آدمی شہر کے پرلے سرے سے دوڑتا ہوا آیا اور بولا: موسیٰ (علیہ السلام) سرداروں میں تیرے قتل کے مشورے ہو رہے ہیں، یہاں سے نکل جا، میں تیرا خیر خواہ ہوں۔ یہ خبر سنتے ہی موسیٰ (علیہ السلام) ڈرتا اور سہمتا نکل کھڑا ہوا اور اس نے دعا کی کہ اے میرے رب! مجھے ظالموں سے بچا۔ (سورۃ القصص۔ آیات 14 تا 21)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک مصری کو عمداً قتل کر دینا۔ بائبل

بائبل کا بیان قرآن سے مختلف ہے۔ وہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل عمد کا مجرم ٹھہراتی

ہے۔ اس کی روایت یہ ہے کہ مصری اور اسرائیلی کو لڑتے دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ''ادھر ادھر نگاہ کی اور جب دیکھا کہ وہاں کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے' تو اُس مصری کو جان سے مار کر اسے ریت میں چھپا دیا۔'' (خروج 12:2)۔ یہی بات تلمود میں بھی بیان کی گئی ہے۔

اب ہر شخص یہ دیکھ سکتا ہے کہ بنی اسرائیل اپنے اکابر کی سیرتوں کو خود کس طرح داغدار کرتے ہیں اور قرآن کس طرح ان کی پوزیشن صاف کرتا ہے۔ عقل بھی یہی کہتی ہے کہ ایک حکیم و دانا آدمی' جسے آگے چل کر ایک اولوالعزم پیغبر ہونا تھا اور جسے انسان کو عدل و انصاف کا ایک عظیم الشان قانون دینا تھا' ایسا اندھا قوم پرست نہیں ہوسکتا کہ اپنی قوم کے ایک فرد سے دوسری قوم کے کسی شخص کو لڑتے دیکھ کر آپے سے باہر ہوجائے اور جان بوجھ کر اُسے قتل کر ڈالے۔ ظاہر ہے کہ اسرائیلی کو مصری کے پنجے سے چھڑانے کے لیے اسے قتل کر دینا تو روا نہ ہوسکتا تھا۔

دوسرے دن کا جھگڑا: دو اسرائیلیوں کے درمیان۔ بائبل

بائبل کا بیان یہاں قرآن کے بیان سے مختلف ہے۔ بائبل کہتی ہے کہ دوسرے دن کا جھگڑا دو اسرائیلیوں کے درمیان تھا' لیکن قرآن کہتا ہے کہ یہ جھگڑا بھی اسرائیلی اور مصری کے درمیان ہی تھا۔ قرین قیاس بھی یہی دوسرا بیان معلوم ہوتا ہے' کیونکہ پہلے دن کے قتل کا راز فاش ہونے کی جو صورت آگے بیان ہو رہی ہے' وہ اسی طرح رونما ہوسکتی تھی کہ مصری قوم کے ایک شخص کو اس واقعہ کی خبر ہو جاتی۔ ایک اسرائیلی کے علم میں اس کے آجانے سے یہ امکان کم تھا کہ اپنی قوم کے پشتیبان شہزادے کے اتنے بڑے قصور کی اطلاع پاتے ہی وہ جا کر فرعونی حکومت میں اس کی مخبری کر دیتا۔

13۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے جانب مدین۔ قرآن

(مصر سے نکل کر) جب موسیٰ (علیہ السلام) نے مدین کا رخ کیا تو اس نے کہا: امید ہے کہ میرا رب مجھے ٹھیک راستے پر ڈال دے گا اور جب وہ مدین کے کنوئیں پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ بہت سے لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور ان سے الگ ایک طرف دو عورتیں اپنے جانوروں کو روک رہی ہیں۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے ان عورتوں سے پوچھا: تمہیں کیا پریشانی ہے؟ انہوں نے کہا: ہم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا سکتیں' جب تک یہ چرواہے اپنے جانور نہ نکال لے جائیں اور ہمارے والد ایک بہت بوڑھے آدمی ہیں۔ یہ سن کر موسیٰ (علیہ السلام) نے ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا' پھر ایک سائے کی جگہ جا بیٹھا اور بولا: پروردگار! جو خیر بھی تو مجھ پر نازل کر دے میں اس کا محتاج ہوں۔ (کچھ دیر نہ گزری تھی کہ) ان دونوں عورتوں میں سے ایک شرم و حیا کے ساتھ چلتی ہوئی اس کے پاس آئی اور کہنے لگی: میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تا کہ آپ نے ہمارے لیے جانوروں کو جو پانی پلایا ہے' اس کا اجر آپ کو دیں۔ موسیٰ (علیہ السلام) جب اس کے پاس پہنچے اور اپنا سارا قصہ اُسے سنایا تو اس نے کہا: کچھ

خوف نہ کرو اب تم ظالم لوگوں سے بچ نکلے ہو۔ ان دونوں عورتوں میں سے ایک نے اپنے باپ سے کہا: ابا جان! اس شخص کو نوکر رکھ لیجئے' بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں وہی ہوسکتا ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو۔

14- مدین میں دس سال رہنا اور وہاں نکاح کرنا۔ قرآن

اس کے باپ نے (موسیٰ علیہ السلام سے) کہا: میں چاہتا ہوں کہ اپنی دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تم سے کردوں' بشرطیکہ تم آٹھ سال تک میرے ہاں ملازمت کرو اور اگر دس سال پورے کردو تو یہ تمہاری مرضی ہے' میں تم پر سختی نہیں کرنا چاہتا' تم انشاء اللہ مجھے نیک آدمی پاؤ گے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا: یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہوگئی۔ ان دونوں مدتوں میں سے جو بھی میں پوری کردوں اس کے بعد پھر کوئی زیادتی مجھ پر نہ ہو اور جو کچھ قول قرار ہم کر رہے ہیں' اللہ اس پر نگہبان ہے۔ (سورۃ القصص۔ آیات 22 تا 28)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھاگ کر حبش چلے جانا۔ بائبل

بائبل کا بیان اس امر میں قرآن سے متفق ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے نکل کر مدین کا رخ کیا تھا' لیکن تلمود یہ بے سروپا قصہ بیان کرتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے بھاگ کر حبش چلے گئے اور وہاں بادشاہ کے مقرب ہوگئے' پھر اس کے مرنے پر لوگوں نے ان کو اپنا بادشاہ بنالیا اور اس کی بیوہ سے ان کی شادی کر دی۔ 40 سال انہوں نے وہاں حکومت کی' مگر اس پوری مدت میں اپنی حبشی بیوی سے کبھی مقاربت نہ کی۔ 40 سال گزر جانے کے بعد اس عورت نے حبش کے باشندوں سے شکایت کی کہ اس شخص نے آج تک نہ تو مجھ سے زن وشو کا تعلق رکھا ہے اور نہ کبھی حبش کے دیوتاؤں کی پرستش کی ہے۔ اس پر امرائے سلطنت نے انہیں معزول کرکے اور بہت سا مال دے کر ملک سے با احترام رخصت کردیا' تب وہ حبش سے مدین پہنچے اور وہ واقعات پیش آئے جو آگے بیان ہو رہے ہیں اور اس وقت ان کی عمر 47 سال تھی۔

مستشرقین کے لیے باعث شرم بات

اس قصے کے بے سروپا ہونے کی ایک کھلی دلیل یہ ہے کہ اسی قصے میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ اس زمانے میں اسیریا (شمالی عراق) پر حبش کی حکومت تھی اور اسیریا والوں کی بغاوتیں کچلنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اور ان کے پیش رو بادشاہ نے بھی فوجی چڑھائیاں کی تھیں۔

اب جو شخص بھی تاریخ وجغرافیہ سے کوئی واقفیت رکھتا ہو' وہ نقشے پر ایک نگاہ ڈال کر دیکھ سکتا ہے کہ اسیریا پر حبش کا تسلط اور حبشی فوج کا حملہ یا تو اس صورت میں ہوسکتا تھا کہ مصر اور فلسطین وشام پر اس کا قبضہ ہوتا یا پورا ملک عرب اس کے زیر نگین ہوتا' پھر حبش کا بیڑا ایسا زبردست ہوتا کہ وہ بحر ہند اور

خلیج فارس کو عبور کر کے عراق فتح کر لیتا۔ تاریخ اس ذکر سے خالی ہے کہ کبھی حبشیوں کو ان ممالک پر تسلط حاصل ہوا ہو یا ان کی بحری طاقت اتنی زبردست رہی ہو۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کا علم خود اپنی تاریخ کے بارے میں کتنا ناقص تھا اور قرآن ان کی غلطیوں کی تصحیح کر کے صحیح واقعات کیسی منقح صورت میں پیش کرتا ہے' لیکن عیسائی اور یہودی مستشرقین کو یہ کہتے ذرا شرم نہیں آتی کہ قرآن نے یہ قصے بنی اسرائیل سے نقل کر لیے ہیں۔

وضاحت

یہ بھی ضروری نہیں کہ بیٹی کی بات سنتے ہی باپ نے فوراً حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بات کہہ دی ہو۔ قیاس بتاتا ہے کہ انہوں نے بیٹی کے مشورے پر غور کرنے کے بعد یہ رائے قائم کی ہوگی کہ آدمی شریف سہی' مگر جوان بیٹیوں کے گھر میں ایک جوان' تندرست توانا آدمی کو یونہی ملازم رکھ لینا مناسب نہیں' جب کہ یہ شریف' تعلیم یافتہ' مہذب اور خاندانی آدمی ہے (جیسا کہ حضرت موسیٰ کا قصہ سن کر انہیں معلوم ہو چکا ہوگا) تو کیوں نہ اسے داماد بنا کر ہی گھر میں رکھا جائے؟ اس رائے پر پہنچنے کے بعد انہوں نے کسی مناسب وقت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بات کہی ہوگی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنے میزبان کی بیٹی صفورہ پر نظر عنایت۔ بائبل

یہاں پھر بنی اسرائیل کی ایک کرم فرمائی ملاحظہ ہو' جو انہوں نے اپنے جلیل القدر نبی' سب سے بڑے محسن اور قومی ہیرو پر کی ہے۔ تلمود میں کہا گیا ہے کہ "موسیٰ رعذیل کے ہاں رہنے لگے اور وہ اپنے میزبان کی بیٹی صفورہ پر نظر عنایت رکھتے تھے' یہاں تک کہ آخر کار انہوں نے اس سے بیاہ کر لیا۔"

ایک اور یہودی روایت جو جیوئش انسائیکلوپیڈیا میں نقل کی گئی ہے' یہ ہے کہ "حضرت موسیٰ نے جب یتھرو کو اپنا سارا ماجرا سنایا تو اس نے سمجھ لیا کہ یہی وہ شخص ہے' جس کے ہاتھوں فرعون کی سلطنت تباہ ہونے کی پیشین گوئیاں کی گئی تھیں' اس لیے اس نے فوراً حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو قید کر لیا تا کہ انہیں فرعون کے حوالے کر کے انعام حاصل کرے۔ سات یا دس سال تک وہ اس کی قید میں رہے۔ ایک تاریک تہ خانہ تھا جس میں وہ بند تھے' مگر یتھرو کی بیٹی زفورا (یا صفورا) جس سے کنویں پر ان کی پہلی ملاقات ہوئی تھی' چپکے چپکے ان سے قید خانے میں ملتی رہی اور انہیں کھانا پانی بھی پہنچاتی رہی۔ ان دونوں میں شادی کی خفیہ قرارداد ہو چکی تھی۔ سات یا دس سال کے بعد زفورا نے اپنے باپ سے کہا کہ اتنی مدت ہوئی آپ نے ایک شخص کو قید میں ڈال دیا تھا اور پھر اس کی خبر تک نہ لی' اب تک اسے مر جانا چاہیے تھا' لیکن اگر وہ اب بھی زندہ ہو تو ضرور کوئی خدا رسیدہ آدمی ہے۔ یتھرو اس کی یہ بات سن کر جب قید خانے میں گیا تو حضرت موسیٰ کو زندہ دیکھ کر اسے یقین آ گیا کہ وہ معجزے سے زندہ ہیں' تب اس نے زفورا سے ان کی شادی کر دی۔"

مستشرقین کے لیے لمحہ فکریہ

جو مغربی مستشرقین قرآنی قصوں کے ماخذ ڈھونڈتے پھرتے ہیں' انہیں کہیں یہ کھلا فرق بھی نظر آتا ہے' جو قرآن کے بیان اور اسرائیلی روایات میں پایا جاتا ہے۔

15- حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طور کے راستے سفر مصر۔ قرآن

جب موسیٰ (علیہ السلام) نے مدت پوری کر دی اور وہ اپنے اہل و عیال کو لے کر چلا تو طور کی جانب اس کو ایک آگ نظر آئی۔ اس نے اپنے گھر والوں سے کہا: ٹھہرو' میں نے ایک آگ دیکھی ہے' شاید میں وہاں سے کوئی خبر لے آؤں یا اس آگ سے کوئی انگارہ ہی اٹھا لاؤں' جس سے تم تاپ سکو۔ وہاں پہنچا تو وادی کے داہنے کنارے پر مبارک خطے میں ایک درخت سے پکارا گیا کہ اے موسیٰ! میں ہی اللہ ہوں' سارے جہان والوں کا مالک اور (حکم دیا گیا کہ) پھینک دے اپنی لاٹھی' جوں ہی موسیٰ نے دیکھا کہ وہ لاٹھی ایک سانپ کی طرح بل کھا رہی ہے تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگا اور اس نے مڑ کر بھی نہ دیکھا (ارشاد ہوا) ''موسیٰ' پلٹ آ اور خوف نہ کر' تو محفوظ ہے۔ اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال' چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی تکلیف کے اور خوف سے بچنے کے لیے اپنا بازو کھینچ لے۔ یہ دو روشن نشانیاں ہیں تیرے رب کی طرف سے' فرعون اور اس کے درباریوں کے سامنے پیش کرنے کے لیے' وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔ (سورۃ القصص۔ آیات 29 تا 32)

اس سفر کا رخ طور کی جانب ہونے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اہل و عیال کو لے کر مصر ہی جانا چاہتے ہوں گے' اس لیے کہ طور اس راستے میں ہے جو مدین سے مصر کی طرف جاتا ہے' غالباً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خیال کیا ہوگا کہ دس سال گزر چکے ہیں۔ وہ فرعون بھی مر چکا ہے' جس کی حکومت کے زمانے میں وہ مصر سے نکلے تھے۔ اب اگر خاموشی سے وہاں چلا جاؤں اور اپنے خاندان والوں کے ساتھ رہ لوں تو شاید کسی کو میرا پتہ بھی نہ چلے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بکریاں چراتے ہوئے خدا کے پہاڑ حورب کے نزدیک آنکلنا۔ بائبل

بائبل کا بیان یہاں واقعات کی ترتیب میں قرآن کے بیان سے مختلف ہے۔ وہ کہتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے خسر کی بکریاں چراتے ہوئے ''بیابان کے پرلی طرف سے خدا کے پہاڑ حورب کے نزدیک'' آنکلے تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام کیا اور انہیں رسالت کے منصب پر مامور کر کے مصر جانے کا حکم دیا' پھر وہ اپنے خسر کے پاس واپس آ گئے اور ان سے اجازت لے کر اپنے بال بچوں کے ساتھ مصر روانہ ہوئے۔ (خروج: 3-1-4-8:4) اس کے برعکس قرآن کہتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدت پوری کرنے کے بعد اپنے اہل و عیال کو لے کر مدین سے روانہ ہوئے اور اس سفر میں اللہ تعالیٰ کی مخاطبت اور منصب نبوت پر تقرر کا معاملہ پیش آیا۔

16- موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم۔ قرآن

جا' تو اور تیرا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ اور دیکھو تم میری یاد میں تقصیر نہ کرنا' جاؤ تم دونوں فرعون کے پاس کہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔ اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا' شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے۔ دونوں نے عرض کیا: پروردگار! ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا پل پڑے گا۔ فرمایا: ڈرومت' میں تمہارے ساتھ ہوں' سب کچھ سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں' جاؤ اُس کے پاس اور کہو کہ ہم تیرے رب کی فرستادے ہیں' بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کے لیے چھوڑ دے اور ان کو تکلیف نہ دے۔ ہم تیرے پاس تیرے رب کی نشانی لے کر آئے ہیں اور سلامتی ہے اس کے لیے جو راہِ راست کی پیروی کرے۔ ہم کو وحی سے بتایا گیا ہے کہ عذاب ہے اس کے لیے جو جھٹلائے اور منہ موڑے۔ (سورۃ طٰہٰ۔ آیات 42 تا 48)

معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر پہنچ گئے اور حضرت ہارون عملاً ان کے شریک کار ہو گئے اور اس وقت فرعون کے پاس جانے سے پہلے دونوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ گزارش کی ہوگی۔

موسیٰ علیہ السلام کا انکارِ رسالت۔ بائبل اور تلمود

اس واقعے کو بائبل اور تلمود میں جس طرح بیان کیا گیا ہے' اُسے بھی ایک نظر دیکھ لیجئے تاکہ اندازہ ہو کہ قرآن مجید انبیاء علیہم السلام کا ذکر کس شان سے کرتا ہے اور بنی اسرائیل کی روایات میں ان کی کیسی تصویر پیش کی گئی ہے؟

بائبل کا بیان ہے کہ پہلی مرتبہ جب خدا نے موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا کہ اب میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں کہ تو میری قوم بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لائے' تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب میں کہا: میں کون ہوں جو فرعون کے پاس جاؤں اور بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لاؤں۔ پھر خدا نے حضرت موسیٰ (علیہ اسلام) کو بہت کچھ سمجھایا' ان کی ڈھارس بندھائی' معجزے عطا کیے مگر حضرت موسیٰ نے پھر کہا تو یہی کہا کہ اے خداوند! میں تیری منت کرتا ہوں کسی اور کے ہاتھ سے' جسے تو چاہے یہ پیغام بھیج۔ (خروج 4) تلمود کی روایت اس سے بھی چند قدم آگے جاتی ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے درمیان سات دن تک اسی بات پر رد و کد ہوتی رہی۔ اللہ کہتا رہا کہ نبی بن' مگر موسیٰ (علیہ السلام) کہتے رہے کہ میری زبان ہی نہیں کھلتی تو میں نبی کیسے بن جاؤں؟ آخر اللہ میاں نے کہا: میری خوشی یہ ہے کہ تو ہی نبی بن۔ اس پر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ لوط (علیہ السلام) کو بچانے کے لیے آپ نے فرشتے بھیجے' ہاجرہ جب سارہ کے گھر سے نکلی تو اس کے لیے پانچ فرشتے بھیجے اور اب اپنے خاص بچوں (بنی اسرائیل) کو مصر سے نکلوانے کے لیے آپ مجھے بھیج رہے

ہیں۔ اس پر خدا ناراض ہوگیا اور اس نے رسالت میں اُن کے ساتھ ہارون (علیہ السلام) کو شریک کردیا اور موسیٰ (علیہ السلام) کی اولاد کو محروم کر کے کہانت کا منصب ہارون کی اولاد کو دے دیا۔ یہ کتابیں ہیں جن کے متعلق یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن میں ان سے یہ قصے نقل کر لیے گئے ہیں۔

17- فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دینے کا مشورہ اور ایک مرد مومن کی حق گوئی۔ قرآن

1- ایک روز فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا: چھوڑو مجھے، میں اس موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کیے دیتا ہوں، اور پکار دیکھے یہ اپنے رب کو۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ تمہارا دین بدل ڈالے گا یا ملک میں فساد برپا کرے گا۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: میں نے تو ہر اس متکبر کے مقابلے میں جو یوم الحساب پر ایمان نہیں رکھتا اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ لے لی ہے۔ اس موقع پر آل فرعون میں سے ایک مومن شخص، جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، بول اٹھا: کیا تم ایک شخص کو صرف اس بنا پر قتل کردو گے کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے؟ حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس بینات لے آیا۔ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ خود اسی پر پلٹ پڑے گا لیکن اگر وہ سچا ہے تو جن ہولناک نتائج کا وہ تمہیں خوف دلاتا ہے، ان میں سے کچھ تو تم پر ضرور ہی آجائیں گے۔ اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا، جو حد سے گزر جانے والا اور کذاب ہو۔ اے میری قوم کے لوگو! آج تمہیں بادشاہی حاصل ہے اور زمین میں تم غالب ہو، لیکن اگر خدا کا عذاب ہم پر آگیا تو پھر کون ہے جو ہماری مدد کر سکے گا۔

2- فرعون نے کہا: میں تو تم لوگوں کو وہی رائے دے رہا ہوں، جو مجھے مناسب نظر آتی ہے اور میں اسی راستے کی طرف تمہاری رہنمائی کرتا ہوں، جو ٹھیک ہے۔

3- وہ شخص جو ایمان لایا تھا، اس نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! مجھے خوف ہے کہ کہیں تم پر بھی وہ دن نہ آجائے، جو اس سے پہلے بہت سے جتھوں پر آچکا ہے، جیسا دن قومِ نوح اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والی قوموں پر آیا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ اے قوم! مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم پر فریاد و فغاں کا دن نہ آجائے، جب تم ایک دوسرے کو پکارو گے اور بھاگے بھاگے پھرو گے، مگر اس وقت اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ سچ یہ ہے کہ جسے اللہ بھٹکا دے، اسے پھر کوئی راستہ دکھانے والا نہیں ہوتا۔

اس سے پہلے یوسف (علیہ السلام) تمہارے پاس بینات لے کر آئے تھے مگر تم ان کی لائی ہوئی تعلیم کی طرف سے شک ہی میں پڑے رہے، پھر جب ان کا انتقال ہوگیا تو تم نے کہا: اب ان کے بعد اللہ کوئی رسول ہرگز نہ بھیجے گا۔ اسی طرح اللہ ان سب لوگوں کو گمراہی میں ڈال دیتا ہے، جو حد سے

گزرنے والے اور شکی ہوتے ہیں اور اللہ کی آیات میں جھگڑے کرتے ہیں' بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی سند یا دلیل آئی ہو۔ یہ رویہ اللہ اور ایمان لانے والوں کے نزدیک سخت مبغوض ہے۔ اسی طرح اللہ ہر متکبر و جبار کے دل پر ٹھپہ لگا دیتا ہے۔ (سورۃ مومن۔ آیت 26 تا 35)

بائبل میں مردِ مومن کی حق گوئی کا عدمِ ذکر

یہاں سے جس واقعہ کا بیان شروع ہو رہا ہے' وہ تاریخ بنی اسرائیل کا ایک نہایت اہم واقعہ ہے' جسے خود بنی اسرائیل بالکل فراموش کر گئے ہیں۔ بائبل اور تلمود' دونوں اس کے ذکر سے خالی ہیں اور دوسری اسرائیلی روایات میں بھی اس کا کوئی نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ صرف قرآن مجید ہی کے ذریعے دنیا کو یہ معلوم ہوا ہے کہ فرعون اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی کشمکش کے دور میں ایک وقت یہ واقعہ بھی پیش آیا تھا۔ اس قصے کو جو شخص بھی پڑھے گا' بشرطیکہ وہ اسلام اور قرآن کے خلاف تعصب میں اندھا نہ ہو چکا ہو' وہ یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے گا کہ دعوتِ حق کے نقطہ نظر سے یہ قصہ بہت زیادہ قدر و قیمت رکھتا ہے اور بجائے خود یہ بات بعید از عقل و قیاس بھی نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شخصیت' تبلیغ اور ان کے ہاتھوں ظہور پذیر ہونے والے حیرت انگیز معجزات سے متاثر ہو کر خود فرعون کے اعیانِ سلطنت میں سے کوئی شخص دل ہی دل میں ایمان لے آیا ہو اور فرعون کو ان کے قتل پر آمادہ دیکھ کر وہ ضبط نہ کر سکا ہو' لیکن مغربی مستشرقین' علم و تحقیق کے لمبے چوڑے دعووں کے باوجود' تعصب میں اندھے ہو کر جس طرح قرآن کی روشن صداقتوں پر خاک ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں' اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں مضمون ''موسیٰ'' کا مصنف اس قصے کے متعلق لکھتا ہے:

''قرآن کی یہ کہانی کہ فرعون کے دربار میں ایک مومن موسیٰ کو بچانے کی کوشش کرتا ہے' پوری طرح واضح نہیں ہے۔ کیا ہمیں اس کا تقابل اس قصے سے کرنا چاہیے' جو ہگادا میں بیان ہوا ہے اور جس کا مضمون یہ ہے کہ یتھرو نے فرعون کے دربار میں عفو سے کام لینے کا مشورہ دیا تھا۔''

مستشرقین کا اندھا تعصب اور راہ حق سے فرار

گویا ان مدعیانِ تحقیق کے ہاں یہ بات تو طے شدہ ہے کہ قرآن کی ہر بات میں ضرور کیڑے ہی ڈالنے ہیں۔ اب اگر اس کے کسی بیان پر حرف زنی کی کوئی بنیاد نہیں ملتی تو کم از کم یہی شوشہ چھوڑ دیا جائے کہ یہ قصہ پوری طرح واضح نہیں ہے اور چلتے چلتے یہ شک بھی پڑھنے والوں کے دل میں ڈال دیا جائے کہ ہگادا میں یتھرو کا جو قصہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی پیدائش سے پہلے کا بیان ہوا ہے' وہ کہیں سے محمد ﷺ نے سن لیا ہو گا اور اسے لا کر یہاں اس شکل میں بیان کر دیا ہو گا۔ یہ ہے ''علمی تحقیق'' کا وہ انداز جو اُن لوگوں نے اسلام' قرآن اور محمد ﷺ کے معاملے میں اختیار کر رکھا ہے۔

18- موسیٰ علیہ السلام کا لاٹھی مار کر سمندر میں خشک راستہ بنانا۔ قرآن

1- ”ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) پر وحی کی کہ اب راتوں رات میرے بندوں کو لے کر چل پڑ اور ان کے لیے سمندر میں سے سوکھی سڑک بنالے' تجھے کسی کے تعاقب کا ذرا خوف نہ ہو اور نہ (سمندر کے بیچ سے گزرتے ہوئے) ڈر لگے۔ پیچھے سے فرعون اپنے لشکر لے کر پہنچا اور پھر سمندر ان پر چھا گیا جیسا کہ چھا جانے کا حق تھا۔ فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ ہی کیا تھا' کوئی صحیح رہنمائی نہیں کی تھی۔“ (سورۃ طٰہٰ۔ آیات 77 تا 79)

2- بڑے لطیف انداز میں کفارِ مکہ کو متنبہ کیا جارہا ہے کہ تمہارے سردار اور لیڈر بھی تمہیں اسی راستے پر لیے جارہے ہیں جس پر فرعون اپنی قوم کو لے جارہا تھا' اب تم خود دیکھ لو کہ یہ کوئی صحیح رہنمائی نہ تھی۔

3- اس قصے کے خاتمے پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بائبل کے بیانات کا بھی جائزہ لے لیا جائے' تاکہ ان لوگوں کے جھوٹ کی حقیقت کھل جائے' جو کہتے ہیں کہ قرآن میں یہ قصے بنی اسرائیل سے نقل کر لیے گئے ہیں۔ بائبل کی کتابِ خروج میں اس قصے کی جو تفصیلات بیان ہوئی ہیں' ان کے حسب ذیل اجزاء قابلِ توجہ ہیں:

19- موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی ہارون علیہ السلام کے پاس۔ بائبل (کتابِ خروج)

1- باب 4' فقرہ 2-5 میں بتایا گیا ہے کہ عصا کا معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا تھا اور فقرہ 17 میں انہی کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ”تو اس لاٹھی کو اپنے ہاتھ میں لیے جا اور اسی سے ان معجزوں کو دکھانا۔“ مگر آگے جا کر نہ معلوم یہ لاٹھی کس طرح حضرت ہارون علیہ السلام کے قبضے میں چلی گئی اور وہی اس سے معجزے دکھانے لگے۔ باب 7 سے لے کر بعد کے ابواب میں مسلسل ہمیں حضرت ہارون علیہ السلام ہی لاٹھی کے معجزے دکھاتے نظر آتے ہیں۔

بائبل میں دعوتِ توحید کا عدم ذکر

2- باب 5 میں فرعون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پہلی ملاقات کا حال بیان کیا گیا ہے' جس میں سرے سے اس بحث کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے' جو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ربوبیت کے مسئلے پر ان کے اور فرعون کے درمیان ہوئی تھی۔ فرعون کہتا ہے کہ ”خداوند کون ہے کہ میں اس کی بات مانوں اور بنی اسرائیل کو جانے دوں؟ میں خداوند کو نہیں جانتا۔“ مگر حضرت موسیٰ

اور ہارون علیہم السلام اس کے سوا کچھ جواب نہیں دیتے کہ "عبرانیوں کا خدا ہم سے ملا ہے۔"
(باب 5 فقرہ 2-3)

3- جادوگروں سے مقابلے کی پوری داستان بس ان چند فقروں میں سمیٹ دی گئی ہے:
"اور خداوند نے موسیٰ اور ہارون (علیہم السلام) سے کہا کہ جب فرعون تم کو کہے کہ اپنا معجزہ دکھاؤ تو ہارون (علیہ السلام) سے کہنا کہ اپنی لاٹھی کو لے کر فرعون کے سامنے ڈال دے تا کہ وہ سانپ بن جائے' اور موسیٰ اور ہارون (علیہم السلام) فرعون کے پاس گئے اور انہوں نے خداوند کے حکم کے مطاق کیا اور ہارون (علیہ السلام) نے اپنی لاٹھی فرعون اور اس کے خادموں کے سامنے ڈال دی اور وہ سانپ بن گئی' تب فرعون نے بھی داناؤں اور جادوگروں کو بلوایا اور مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادو سے ایسا ہی کیا' کیونکہ انہوں نے بھی اپنی اپنی لاٹھی سامنے ڈالی اور وہ سانپ بن گئیں' لیکن ہارون (علیہ السلام) کی لاٹھی ان کی لاٹھیوں کو نگل گئی۔" (باب 7- فقرہ 8-12)

4- جادوگروں کے ایمان لانے کا بائبل میں عدم ذکر

اس بیان کا مقابلہ قرآن کے بیان سے کر کے دیکھ لیا جائے کہ قصے کی ساری روح یہاں اس برح طرح فنا کی گئی ہے۔ سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ جشن کے دن کھلے میدان میں باقاعدہ چیلنج کے بعد مقابلہ ہونا اور پھر شکست کے بعد جادوگروں کا ایمان لانا' جو قصے کی اصل جان تھا' سرے سے یہاں مذکور ہی نہیں ہے۔

5- موسیٰ علیہ السلام کا مطالبہ فرعون سے صرف تین دن کے لیے تھا

قرآن کہتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مطالبہ بنی اسرائیل کی رہائی اور آزادی کا تھا۔ بائبل کا بیان ہے کہ مطالبہ صرف یہ تھا "ہم کو اجازت دے کہ ہم تین دن کی منزل بیابان میں جا کر خداوند اپنے خدا کے لیے قربانی کریں۔" (باب 5- فقرہ 3)

6- لاٹھی پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس

مصر سے نکلنے اور فرعون کے غرق ہونے کا مفصل حال باب 11 سے 14 تک بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً باب 14 کے فقرات 15-16 میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو حکم دیا جاتا ہے کہ "تو اپنی لاٹھی (جی ہاں' اب لاٹھی حضرت ہارون (علیہ السلام) سے لے کر پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام) کو دے دی گئی ہے) اٹھا کر اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھا اور اسے دو حصے کر اور بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں سے خشک زمین پر چل کر نکل جائیں گے۔" لیکن آگے چل کر فقرہ 21-22 میں کہا جاتا ہے کہ "پھر موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھایا اور خداوند نے رات بھر تند پوربی آندھی چلا کر' سمندر کو پیچھے ہٹا کر اسے خشک زمین بنا دیا اور پانی دو حصے ہو گیا' بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں سے خشک زمین پر چل کر

نکل گئے اور ان کے داہنے اور بائیں ہاتھ پانی دیوار کی طرح تھا۔" یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آیا یہ معجزہ تھا یا طبعی واقعہ؟ اگر معجزہ تھا تو عصا کی ضرب سے ہی رونما ہوگیا ہوگا' جیسا کہ قرآن میں کہا گیا ہے اور اگر بیچ میں سے خشک راستہ بنا دیا تو کیا ہوا بھی فطری طریقے سے ایسے کرشمے دکھاتی ہے؟

تلمود کا بیان نسبتاً بائبل سے مختلف اور قرآن سے قریب تر ہے' مگر دونوں کا مقابلہ کرنے سے صاف محسوس ہو جاتا ہے کہ ایک جگہ براہِ راست علم وحی کی بنا پر واقعات بیان کیے جارہے ہیں اور دوسری جگہ صدیوں کی سینہ بہ سینہ روایات میں واقعات کی صورت اچھی خاصی مسخ ہوگئی ہے۔ ملاحظہ ہو:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کی گوسالہ پرستی پر غضبناک ہونا۔قرآن

موسیٰ (علیہ السلام) سخت غصے اور رنج کی حالت میں اپنی قوم کی طرف پلٹا۔ جا کر اس نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! کیا تمہارے رب نے تم سے اچھے وعدے نہیں کیے تھے؟ کیا تمہیں دن لگ گئے ہیں؟ یا تم اپنے رب کا غضب ہی اپنے اوپر لانا چاہتے تھے کہ تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کی؟ انہوں نے جواب دیا: ہم نے آپ سے وعدہ خلافی کچھ اپنے اختیار سے نہیں کی' معاملہ یہ ہوا کہ لوگوں کے زیورات کے بوجھ سے ہم لد گئے تھے اور ہم نے بس ان کو پھینک دیا تھا۔ پھر اسی طرح سامری نے بھی کچھ ڈالا اور ان کے لیے ایک بچھڑے کی صورت بنا کر نکال لایا جس میں سے بیل کی سی آواز نکلتی تھی۔ لوگ پکار اٹھے: یہی ہے تمہارا خدا اور موسیٰ کا خدا' موسیٰ (علیہ السلام) اسے بھول گیا۔ کیا وہ دیکھتے نہ تھے کہ نہ وہ ان کی بات کا جواب دیتا ہے اور نہ ان کے نفع ونقصان کا کچھ اختیار رکھتا ہے؟

20- حضرت ہارون علیہ السلام کا اپنی ہمت کے مطابق قوم کو گوسالہ پرستی سے روکنا۔قرآن

ہارون (علیہ السلام) (موسیٰ کے آنے سے) پہلے ہی ان سے کہہ چکا تھا کہ لوگو! تم اس کی وجہ سے فتنے میں پڑ گئے ہو' تمہارا رب تو رحمٰن ہے' پس تم میری پیروی کرو اور میری بات مانو۔ مگر انہوں نے اس سے کہہ دیا کہ ہم تو اسی کی پرستش کرتے رہیں گے جب تک کہ موسیٰ (علیہ السلام) واپس نہ آجائے۔" (سورۃ طٰہٰ۔ آیات 86 تا91)

یہ ان لوگوں کا عذر تھا جو سامری کے فتنے میں مبتلا ہوئے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم نے زیورات پھینک دیئے تھے۔ نہ ہماری نیت کوئی بچھڑا بنانے کی تھی' نہ ہمیں معلوم تھا کہ کیا بننے والا ہے' مگر اس کے بعد جو معاملہ پیش آیا وہ تھا ہی کچھ ایسا کہ اسے دیکھ کر ہم بے اختیار شرک میں مبتلا ہوگئے۔

(1) زیور لوٹنے کا الزام اللہ اور اس کے رسول (علیہ السلام) پر۔ بائبل

"لوگوں کے زیورات کے بوجھ سے ہم لد گئے تھے۔" اس کا سیدھا مطلب تو یہ ہے کہ

ہمارے مردوں اور عورتوں نے مصر کی رسموں کے مطابق جو بھاری بھاری زیورات پہن رکھے تھے' وہ اس صحرانوردی میں ہم پر بار ہو گئے تھے اور ہم پریشان تھے کہ اس بوجھ کو کہاں تک لادے پھریں؟

لیکن بائبل کا بیان ہے کہ یہ زیورات مصر سے چلتے وقت اسرائیلی عورتوں اور مردوں نے اپنے مصری پڑوسی سے مانگ کر لے لیے تھے اور اس طرح ہر ایک اپنے پڑوسی کو لوٹ کر راتوں رات ''ہجرت'' کے لیے چل کھڑا ہوا تھا۔ یہ اخلاقی کارنامہ صرف اسی حد تک نہ تھا کہ ہر اسرائیلی نے بطور خود اسے انجام دیا ہو' بلکہ یہ کارِ خیر اللہ کے نبی حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اُن کو سکھایا تھا اور نبی کو بھی اس کی ہدایت خود اللہ تعالیٰ نے دی تھی۔ بائبل کی کتاب خروج میں ارشاد ہوتا ہے:

''خدا نے موسیٰ سے کہا: جا کر اسرائیلی بزرگوں کو ایک جگہ جمع کر اور ان کو کہہ کہ جب تم نکلو گے تو خالی ہاتھ نہ نکلو گے' بلکہ تمہاری ایک ایک عورت اپنی پڑوسن سے اور اپنے اپنے گھر کی مہمان سے سونے چاندی کے زیور اور لباس مانگ لے گی۔ ان کو تم اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو پہناؤ گے اور مصریوں کو لوٹ لو گے۔'' (باب 3- فقرہ 14 تا 22)

''اور خداوند نے موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا: سو اب تو لوگوں کے کان میں یہ بات ڈال دے کہ ان میں سے ہر شخص اپنے پڑوسی اور ہر عورت اپنی پڑوسن سے سونے چاندی کے زیور لے اور خداوند نے ان لوگوں پر مصریوں کو مہربان کر دیا۔'' (باب 11-2-3)

''اور بنی اسرائیل نے موسیٰ (علیہ السلام) کے کہنے کے موافق یہ بھی کیا کہ مصریوں سے سونے چاندی کے زیور اور کپڑے مانگ لیے اور خداوند نے ان لوگوں کو مصریوں کی نگاہ میں ایسی عزت بخشی کہ جو کچھ انہوں نے مانگا' انہوں نے دیا' سو انہوں نے مصریوں کو لوٹ لیا۔''

(باب 12 فقرہ 35-36)

افسوس ہے کہ ہمارے مفسرین نے بھی قرآن کی اس آیت کی تفسیر میں بنی اسرائیل کی اس روایت کو آنکھیں بند کر کے نقل کر دیا ہے اور ان کی اس غلطی سے مسلمانوں میں بھی یہ خیال پھیل گیا ہے کہ زیورات کا یہ بوجھ اسی لوٹ کا بوجھ تھا۔

آیت کے دوسرے ٹکڑے ''اور ہم نے بس ان کو پھینک دیا تھا'' کا مطلب ہماری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ جب اپنے زیورات کو لادے پھرنے سے لوگ تنگ آ گئے ہوں گے تو باہم مشورے سے یہ بات قرار پائی ہو گی کہ سب کے زیورات ایک جگہ جمع کر لیے جائیں اور یہ نوٹ کر لیا جائے کہ کس کا کتنا سونا اور کس کی کتنی چاندی ہے؟ پھر ان کو پگھلا کر اینٹوں اور سلاخوں کی شکل میں ڈھال لیا جائے تاکہ قوم کے مجموعی سامان کے ساتھ گدھوں اور بیلوں پر ان کو لاد کر چلا جا سکے' چنانچہ اس قرارداد کے مطابق ہر شخص اپنے زیورات لا لا کر ڈھیر میں پھینکتا چلا گیا ہو گا۔

(2) بچھڑا بنانے اور اسے معبود قرار دینے کا الزام حضرت ہارون علیہ السلام پر۔ بائبل

بائبل اس کے برعکس حضرت ہارون پر الزام رکھتی ہے کہ بچھڑا بنانے اور اسے معبود قرار دینے کا گناہ انہی سے سرزد ہوا تھا:

''اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے پہاڑ سے اترنے میں دیر لگائی تو وہ ہارون (علیہ السلام) کے پاس جمع ہو کر اس سے کہنے لگے کہ اٹھ! ہمارے لیے دیوتا بنادے' جو ہمارے آگے چلے کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اس مرد موسیٰ (علیہ السلام) کو' جو ہم کو ملک مصر سے نکال کر لایا' کیا ہوگیا۔ ہارون نے ان سے کہا: تمہاری بیویوں' لڑکوں اور لڑکیوں کے کانوں میں جو سونے کی بالیاں ہیں' ان کو اتار کر میرے پاس لے آؤ' چنانچہ سب لوگ ان کے کانوں سے سونے کی بالیاں اُتار اُتار کر ہارون (علیہ السلام) کے پاس لے آئے اور اس نے ان کو ان کے ہاتھوں سے لے کر ایک ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا' جس کی صورت چھینی سے ٹھیک کی' تب وہ کہنے لگے اے اسرائیل! یہی تیرا وہ دیوتا ہے جو تجھ کو ملک مصر سے نکال کر لایا۔ یہ دیکھ کر ہارون (علیہ السلام) نے اس کے آگے ایک قربان گاہ بنائی اور اس نے اعلان کردیا کہ کل خداوند کے لیے عید ہوگی۔ (خروج' باب 32' فقرہ 1-5)

مغربی مستشرقین کی ہٹ دھرمی

بہت ممکن ہے کہ بنی اسرائیل کے ہاں یہ غلط روایت اس وجہ سے مشہور ہوئی ہو کہ سامری کا نام بھی ہارون ہی ہو اور بعد کے لوگوں نے اس ہارون کو نبی ہارون علیہ السلام کے ساتھ خلط ملط کردیا ہو' لیکن آج عیسائی مشنریوں اور مغربی مستشرقوں کو اصرار ہے کہ قرآن یہاں بھی ضرور غلطی پر ہے۔ بچھڑے کو خدا ان کے مقدس نبی نے ہی بنایا تھا اور ان کے دامن سے اس داغ کو صاف کرکے قرآن نے ایک احسان نہیں' بلکہ الٹا قصور کیا ہے۔ یہ ہے ان لوگوں کی ہٹ دھرمی کا حال اور ان کو نظر نہیں آتا کہ اسی باب میں چند سطر آگے چل کر خود بائبل اپنی غلط بیانی کا راز کس طرح فاش کررہی ہے۔ اس باب کے آخری دس فقروں میں بائبل یہ بیان کرتی ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اس کے بعد بنی لاوی کو جمع کیا اور اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سنایا کہ جن لوگوں نے شرک کا یہ گناہ عظیم کیا ہے' انہیں قتل کیا جائے اور ہر ایک مومن خود اپنے ہاتھ سے اپنے اس بھائی' ساتھی اور پڑوسی کو قتل کرے جو گوسالہ پرستی کا مرتکب ہوا تھا' چنانچہ اُس روز تین ہزار آدمی قتل کیے گئے۔

اب سوال یہ ہے کہ حضرت ہارون (علیہ السلام) کیوں چھوڑ دیئے گئے؟ اگر وہی اس جرم کے بانی مبانی تھے تو انہیں اس قتل عام سے کس طرح معاف کیا جاسکتا تھا؟ کیا بنی لاوی یہ نہ کہتے کہ موسیٰ (علیہ السلام) ہم کو تو حکم دیتے ہو کہ ہم اپنے گناہ گار بھائیوں' ساتھیوں اور پڑوسیوں کو اپنے ہاتھوں سے

قتل کریں، مگر خود اپنے بھائی پر ہاتھ نہیں اٹھاتے، حالانکہ اصل گناہگار وہی تھا؟ آگے چل کر بیان کیا جاتا ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے خداوند کے پاس جاکر عرض کیا کہ اب بنی اسرائیل کا گناہ معاف کردے ورنہ میرا نام اپنی کتاب میں سے مٹا دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ "جس نے میرا گناہ کیا ہے، میں اسی کا نام اپنی کتاب میں سے مٹا دوں گا۔" لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ہارون (علیہ السلام) کا نام نہ مٹایا گیا بلکہ اس کے برعکس انہیں اور ان کی اولاد کو بنی اسرائیل میں بزرگ ترین منصب، یعنی بنی لاوی کی سرداری اور مقدس کی کہانت سے سرفراز کیا گیا (گنتی، باب 18، فقرہ 1-8) کیا بائبل کی یہ اندرونی شہادت خود اس کے اپنے سابق بیان کی تردید اور قرآن کے بیان کی تصدیق نہیں کر رہی؟

21- حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خدا کو دیکھنے کا مطالبہ۔ قرآن

یاد کرو جب تم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا تھا کہ ہم تمہارے کہنے کا ہرگز یقین نہ کریں گے، جب تک کہ اپنی آنکھوں سے خدا کو علانیہ (تم سے کلام کرتے) نہ دیکھ لیں۔ اس وقت تمہارے دیکھتے دیکھتے ایک زبردست صاعقے نے تم کو آلیا، تم بے جان ہو کر گر چکے تھے، مگر پھر ہم نے تمہیں جلا اُٹھایا، شاید کہ اس احسان کے بعد تم شکرگزار بن جاؤ۔ (سورۃ البقرۃ آیات 55-56)

بائبل کا تضاد

"انہوں نے اسرائیل کے خدا کو دیکھا، اس کے پاؤں کے نیچے نیلم کے پتھر کا چبوترا سا تھا، جو آسمان کی مانند شفاف تھا اور اس نے اسرائیل کے شرفا پر اپنا ہاتھ نہ بڑھایا، سو انہوں نے خدا کو دیکھا اور کھایا اور پیا۔" (خروج 24- فقرہ 10-11)

لطف یہ ہے کہ اسی کتاب میں آگے چل کر لکھا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے عرض کیا کہ مجھے اپنا جلال دکھا دے، تو اس نے فرمایا کہ تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔

(دیکھو خروج، باب 33- فقرہ 18-23)

22- حضرت ایوب علیہ السلام کا شفاء کے لیے اپنے رب کو پکارنا۔ قرآن

اور یہی (ہوشمندی اور حکمت و علم کی نعمت) ہم نے ایوب کو دی تھی۔ یاد کرو، جبکہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے بیماری لگ گئی ہے اور تو ارحم الراحمین ہے۔ ہم نے اس کی دعا قبول کی اور جو تکلیف اسے تھی، اس کو دُور کر دیا اور صرف اس کے اہل و عیال ہی اس کو نہیں دیئے، بلکہ ان کے ساتھ اتنے ہی اور بھی دیئے، اپنی خاص رحمت کے طور پر اور اس لیے کہ یہ ایک سبق ہو عبادت گزاروں کے لیے۔

(سورۃ الانبیاء- آیات 83 تا 84)

سفر ایوب متضاد بیانات کا مجموعہ۔ بائبل

اس قصے میں قرآن مجید حضرت ایوب علیہ السلام کو اس شان سے پیش کرتا ہے کہ وہ صبر کی

تصویر نظر آتے ہیں' اور پھر کہتا ہے کہ ان کی زندگی عبادت گزاروں کے لیے ایک نمونہ ہے' لیکن دوسری طرف بائبل کی سفر ایوب پڑھیے' تو وہاں آپ کو ایک ایسے شخص کی تصویر نظر آئے گی' جو خدا کے خلاف مجسم شکایت اور اپنی مصیبت پر ہمہ تن فریاد بنا ہوا ہے۔ بار بار اس کی زبان سے یہ فقرے ادا ہوتے ہیں: ''نابود ہو وہ دن جس میں میں پیدا ہوا۔'' ''میں رحم میں ہی کیوں نہ مرگیا۔'' ''میں نے پیٹ سے نکلتے ہی کیوں نہ جان دے دی۔'' اور بار بار وہ خدا کے خلاف شکایتیں کرتا ہے کہ ''قادرِ مطلق کے تیر میرے اندر لگے ہوئے ہیں' میری روح انہی کے زہر کو پی رہی ہے' خدا کی ڈراؤنی باتیں میرے خلاف صف باندھے ہوئے ہیں۔'' ''اے بنی آدم کے ناظر! اگر میں نے گناہ کیا ہے تو تیرا کیا بگاڑتا ہوں؟ تو نے کیوں مجھے اپنا نشانہ بنالیا ہے' یہاں تک کہ میں اپنے آپ پر بوجھ ہوں؟ تو میرا گناہ کیوں نہیں معاف کرتا اور میری بدکاری کیوں نہیں دُور کر دیتا؟ میں خدا سے کہوں گا کہ مجھے ملزم نہ ٹھہرا' مجھے بتا کہ تو مجھ سے کیوں جھگڑتا ہے؟ کیا تجھے اچھا لگتا ہے کہ اندھیر کرے اور اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیز کو حقیر جانے اور شریروں کی مشورت کو روشن کرے؟'' اس کے تین دوست اُسے آ کر تسلی دیتے ہیں اور صبر اور تسلیم و رضا کی تلقین کرتے ہیں' مگر وہ نہیں مانتا۔ وہ اُن کی تلقین کے جواب میں پے در پے خدا پر الزام رکھے چلا جاتا ہے اور ان کے سمجھانے کے باوجود اصرار کرتا ہے کہ خدا کے اس فعل میں کوئی حکمت و مصلحت نہیں ہے۔

یہ کتاب خود اپنے منہ سے بول رہی ہے کہ یہ نہ خدا کا کلام ہے نہ خود حضرت ایوب علیہ السلام کا' بلکہ یہ حضرت ایوب علیہ السلام کے زمانے کا بھی نہیں ہے۔ ان کے صدیوں بعد کسی شخص نے قصۂ ایوب کو بنیاد بنا کر ''یوسف زلیخا'' کی طرح ایک داستان لکھی ہے۔

23- حضرت داؤد علیہ السلام اور دُنبیوں کا تمثیلی مقدمہ۔ قرآن

ہم نے اس کی سلطنت مضبوط کر دی تھی' اس کو حکمت عطا کی تھی اور فیصلہ کن بات کہنے کی صلاحیت بخشی تھی' پھر تمہیں کچھ خبر پہنچی ہے ان مقدمے والوں کی' جو دیوار چڑھ کر اس کے بالا خانے میں گھس آئے تھے؟ جب وہ داؤد کے پاس پہنچے تو وہ انہیں دیکھ کر گھبرا گیا۔ انہوں نے کہا: ''ڈریے نہیں' ہم دو فریق مقدمہ ہیں' جن میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے' آپ ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ کر دیجیے' ناانصافی نہ کیجیے اور ہمیں راہِ راست بتائیے۔ یہ میرا بھائی ہے' اس کے پاس ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک ہی دنبی ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ یہ ایک دُنبی بھی میرے حوالے کر دے اور اس نے گفتگو میں مجھے دبا لیا۔ داؤد نے جواب دیا: اس شخص نے اپنی دنبیوں کے ساتھ تیری دنبی ملا لینے کا مطالبہ کر کے یقیناً تجھ پر ظلم کیا اور واقعہ یہ ہے کہ مل جل کر ساتھ رہنے والے لوگ اکثر ایک دوسرے پر زیادتیاں کرتے رہتے ہیں' بس وہی لوگ اس سے بچے ہوئے ہیں' جو ایمان رکھتے اور عمل صالح کرتے ہیں اور ایسے لوگ کم ہی ہیں؟ (یہ بات کہتے کہتے داؤد سمجھ گیا کہ یہ تو ہم نے دراصل اس کی آزمائش کی ہے' چنانچہ اُس نے اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گر گیا اور رجوع

کرلیا۔ تب ہم نے اس کا وہ قصور معاف کیا اور یقیناً ان کے لیے سخت سزا ہے کہ وہ یوم الحساب کو بھول گئے۔ (سورۃ ص۔ آیات 17 تا 26)

حضرت داؤد علیہ السلام پر زنا کا الزام۔ بائبل

جن لوگوں نے بائبل (عیسائیوں اور یہودیوں کی کتاب مقدس) کا مطالعہ کیا ہے' ان سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اس کتاب میں حضرت داؤد علیہ السلام پر اُوریاہ حتی (Uriah the Hittite) کی بیوی سے زنا کرنے اور پھر اُوریاہ کو ایک جنگ میں قصداً ہلاک کروا کر اس کی بیوی سے نکاح کر لینے کا صاف صاف الزام لگایا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہی عورت جس نے ایک شخص کی بیوی ہوتے ہوئے اپنے آپ کو حضرت داؤد (علیہ السلام) کے حوالے کیا تھا' حضرت سلیمان (علیہ السلام) کی ماں تھی۔

یہ پورا قصہ بائبل کی کتاب سموئیل دوم' باب 11-12 میں نہایت تفصیل سے درج ہے۔ نزولِ قرآن سے صدیوں پہلے یہ بائبل میں درج ہو چکا تھا۔ دنیا بھر کے یہودیوں اور عیسائیوں میں سے جو بھی اپنی اس کتابِ مقدس کی تلاوت کرتا یا اسے سنتا تھا' وہ اس قصے سے نہ صرف واقف تھا' بلکہ اس پر ایمان بھی لاتا تھا۔ انہی لوگوں کے ذریعے دُنیا میں یہ مشہور ہوا اور آج تک حال یہ ہے کہ مغربی ممالک میں بنی اسرائیل اور عبرانی مذہب کی تاریخ پر کوئی کتاب ایسی نہیں لکھی جاتی' جس میں حضرت داؤد علیہ السلام کے خلاف اس الزام کو دُہرایا نہ جاتا ہو۔

اس مشہور قصے میں یہ بات بھی درج ہے کہ:

"خداوند نے ناتن کو داؤد (علیہ السلام) کے پاس بھیجا۔ اس نے اس کے پاس آ کر اس سے کہا کسی شہر میں دو شخص تھے' ایک امیر' دوسرا غریب۔ اس امیر کے پاس بہت سے ریوڑ اور گلے تھے' اس غریب کے پاس بھیڑ کی ایک پٹھیا کے سوا کچھ نہ تھا' جسے اس نے خرید کر پالا تھا اور وہ اس کے اور اس کے بال بچوں کے ساتھ بڑھی تھی۔ وہ اسی کے نوالے میں سے کھاتی اور اس کے پیالے سے پیتی اور اس کی گود میں سوتی تھی اور اس کے لیے بطور بیٹی کے تھی اور اس امیر کے ہاں کوئی مسافر آیا' اس نے اس مسافر کے لیے جو اس کے ہاں آیا تھا' پکانے کو اپنے ریوڑ اور گلے میں کچھ نہ لیا بلکہ اس غریب کی بھیڑ لے لی اور اس شخص کے لیے پکائی جو اس کے ہاں آیا تھا۔ تب داؤد کا غضب اس شخص پر شدت سے بھڑکا اور اس نے ناتن سے کہا کہ خداوند کی حیات کی قسم! وہ شخص جس نے یہ کام کیا واجب القتل ہے' اس شخص کو اس بھیڑ کا چوگنا بھرنا پڑے گا کیونکہ اس نے ایسا کام کیا اور اسے ترس نہ آیا' تب ناتن نے داؤد (علیہ السلام) سے کہا کہ وہ شخص تو ہی ہے' تو نے حتی اُوریاہ کو تلوار سے مارا اور اس کی بیوی لے لی تا کہ وہ تیری بیوی بنے اور اس کو بنی عمون کی تلوار سے قتل کروایا۔ (2- سموئیل باب 12- فقرات 1 تا 11)

24- چیونٹی کی بات سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام کا شکر ادا کرنا۔ قرآن

(دوسری طرف) ہم نے داؤد و سلیمان (علیہم السلام) کو علم عطا کیا اور انہوں نے کہا کہ شکر

ہے اس خدا کا جس نے ہم کو اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا کی اور داؤد (علیہ السلام) کا وارث سلیمان (علیہ السلام) ہوا اور اس نے کہا: لوگو! ہمیں پرندوں کی بولیاں سکھائی گئی ہیں اور ہمیں ہر طرح کی چیزیں دی گئی ہیں' بیشک یہ (اللہ کا) نمایاں فضل ہے۔ سلیمان (علیہ السلام) کے لیے جن اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کیے گئے تھے اور وہ پورے ضبط میں رکھے جاتے تھے۔

(ایک مرتبہ وہ ان کے ساتھ کوچ کر رہا تھا) یہاں تک کہ جب یہ سب چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ' کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان (علیہ السلام) اور اس کے لشکر تمہیں کچل ڈالیں اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔ (سورۃ النمل۔ آیات 15 تا 18)

چیونٹیوں کا ذکر بائبل میں

بنی اسرائیل کی روایات میں یہ قصہ بھی پایا جاتا ہے' مگر اس کا آخری قصہ قرآن کے خلاف ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی شان کے خلاف بھی ہے۔ اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب ایک وادی سے گزر رہے تھے جس میں چیونٹیاں بہت تھیں' تو انہوں نے سنا کہ ایک چیونٹی پکار کر دوسری چیونٹیوں سے کہہ رہی ہے کہ "اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ' ورنہ سلیمان کے لشکر تمہیں کچل ڈالیں گے۔" اس پر حضرت سلیمان (علیہ السلام) نے اس چیونٹی کے سامنے بڑے تکبر کا اظہار کیا اور جواب میں اس چیونٹی نے ان سے کہا کہ تمہاری حقیقت کیا ہے' ایک حقیر بوند سے تو تم پیدا ہوئے ہو۔ یہ سن کر حضرت سلیمان (علیہ السلام) شرمندہ ہو گئے۔ (جیوئش انسائیکلوپیڈیا ج 11 ص 44)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن کس طرح بنی اسرائیل کی غلط روایات کی تصحیح کرتا اور ان گندگیوں کو صاف کرتا ہے' جو انہوں نے خود اپنے پیغمبروں کی سیرتوں پر ڈال دی تھیں۔

مستشرقین کی یاوہ گوئی

ان روایات کے متعلق مغربی مستشرقین بے شرمی سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن نے سب کچھ ان سے سرقہ کر لیا ہے۔

عقلی حیثیت سے یہ بات کچھ بھی بعید نہیں ہے کہ ایک چیونٹی اپنی جنس کے افراد کو کسی آتے ہوئے خطرے سے خبردار کرے اور بلوں میں گھس جانے کے لیے کہے۔ رہی یہ بات کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی بات کیسے سن لی' تو جس شخص کے حواس کلامِ وحی جیسی لطیف چیز کا ادراک کر سکتے ہوں' ان کے لیے چیونٹی کے کلام جیسی کثیف چیز کا ادراک کر لینا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔

25- ملکۂ بلقیس کا ایمان۔ قرآن

ملکہ جب حاضر ہوئی تو اس سے کہا گیا: کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ وہ کہنے لگی: یہ تو گویا وہی ہے' ہم تو پہلے ہی جان گئے تھے اور ہم نے سر اطاعت جھکا دیا تھا۔ (یا ہم مسلم ہو چکے تھے) اس کو

(ایمان لانے سے) جس چیز نے روک رکھا تھا' وہ اُن معبودوں کی عبادت تھی' جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتی تھی' کیونکہ وہ ایک کافر قوم سے تھی۔ اس سے کہا گیا کہ محل میں داخل ہو۔ اس نے جو دیکھا تو سمجھی کہ پانی کا حوض ہے اور اُترنے کے لیے اس نے اپنے پائینچے اُٹھا لیے۔ سلیمان (علیہ السلام) نے کہا یہ شیشے کا چکنا فرش ہے۔ اس پر وہ پکار اٹھی: اے میرے رب! (آج تک) میں اپنے نفس پر بڑا ظلم کرتی رہی اور اب میں نے سلیمان (علیہ السلام) کے ساتھ اللہ رب العالمین کی اطاعت قبول کر لی۔
(سورۃ النمل۔ 42 تا 44)

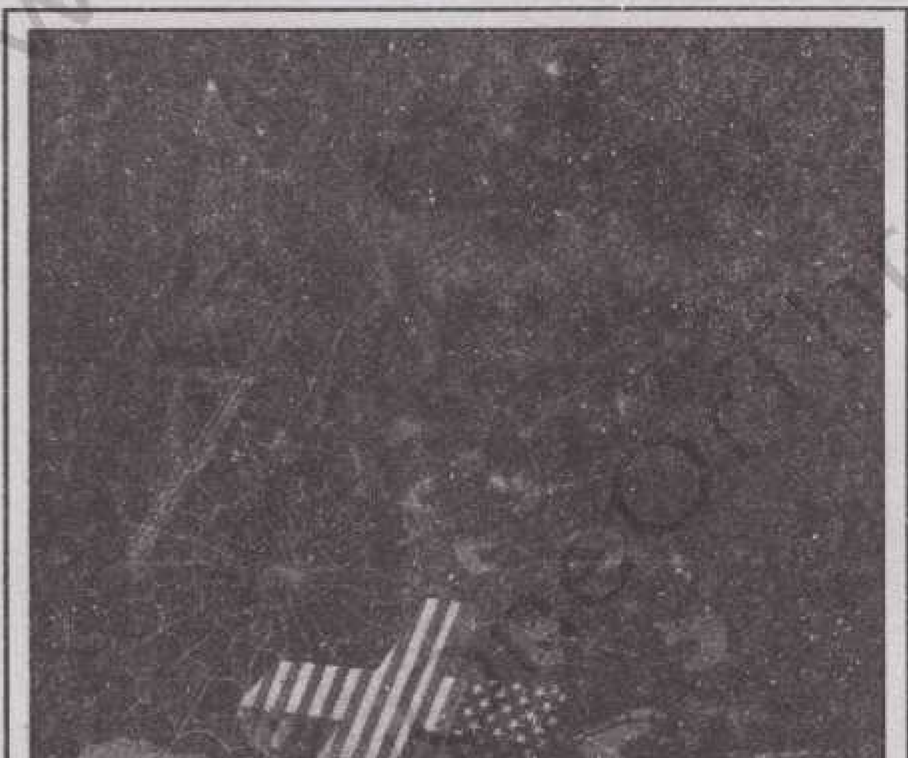
حضرت سلیمان علیہ السلام پر زنا کا الزام۔ بائبل

سب سے بڑھ کر غضب یہ ہے کہ ان ظالموں (یہودی ربیوں نے اپنی روایات میں) حضرت سلیمان علیہ السلام پر الزام لگایا ہے کہ انہوں نے ملکہ سبا کے ساتھ معاذ اللہ زنا کا ارتکاب کیا اور اسی حرامی نسل سے بابل کا بادشاہ بخت نصر پیدا ہوا' جس نے بیت المقدس کو تباہ کیا۔ (جیوئش انسائیکلوپیڈیا ج 11۔ صفحہ 443)

اصل معاملہ یہ ہے کہ یہودی علماء کا ایک گروہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا سخت مخالف رہا ہے۔ ان لوگوں نے ان پر تورات کے احکام کی خلاف ورزی' غرورِ حکومت' غرورِ عقل و دانش' زن مریدی' عیش پرستی اور شرک و بت پرستی کے گھناؤنے الزامات لگائے ہیں۔ (جیوئش انسائیکلو پیڈیا ج 11 ص 439-441) اور یہ اسی پروپیگنڈے کا اثر ہے کہ بائبل انہیں نبی کے بجائے محض ایک بادشاہ کی حیثیت سے پیش کرتی ہے اور بادشاہ بھی ایسا جو معاذ اللہ احکامِ الٰہی کے خلاف مشرک عورتوں کے عشق میں گم ہو گیا' جس کا دل خدا سے پھر گیا اور جو خدا کے سوا دوسرے معبودوں کی طرف مائل ہو گیا۔ (1۔ سلاطین 11-1:11) ان چیزوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن نے بنی اسرائیل پر کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے اکابر کا دامن خود ان کی پھینکی ہوئی گندگیوں سے صاف کیا اور یہ بنی اسرائیل کتنے احسان فراموش ہیں کہ اس پر بھی یہ قرآن اور اس کے لانے والے کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ بائبل میں بعض ایسی بے ہودہ باتوں کا ذکر کیا گیا ہے' جن سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ بائبل کو کتابِ مقدس یا کلامِ رحمٰن کہنا گویا اللہ تعالیٰ اور اس کے برگزیدہ پیغمبروں کی سخت توہین کرنا ہے۔ ملاحظہ ہو اس کے بعض اقتباسات۔

1- حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب پر حضرت یعقوب علیہ السلام کا خوش ہونے کے بجائے اُلٹا انہیں ڈانٹ پلانا۔ (بائبل اور تلمود)
2- حضرت ہارون علیہ السلام پر یہ الزام لگانا کہ انہوں نے گائے کا صرف بچھڑا ہی نہیں بنایا بلکہ اسے بنی اسرائیل کے لیے معبود بنا کر اس کی پرستش کی دعوت بھی دے دی تھی۔ (بائبل)
3- حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام پر زنا کا الزام لگانا۔ (بائبل)


تحریفِ بائبل

مولانا حکیم انیس احمد صدیقی

بائبل کی تصنیف وتحریف پر تحقیقی نظر

صحائف انبیاء زبور، تورات اور انجیل کا قرآن شریف میں کئی جگہ ذکر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل کو ہدایت اور نور سے تعبیر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

انا انزلنا التوراة فیها هدی و نور (مائده :44)

ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

وقفینا علی اثارهم بعیسی ابن مریم مصدقالما بین یدیه من التوراة واتینه الانجیل فیه هدی و نور (المائده:46)

اور ہم نے حضرت موسیٰ کے بعد حضرت عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا تصدیق کرنے والا تورات کا اور حضرت عیسیٰ کو انجیل دی جس میں ہدایت اور نور (روشنی) ہے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

نزل علیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیه وانزل التوراة والانجیل من قبل هدی للناس (آل عمران:3)

اس نے تجھ پر کتاب اتاری حق کے ساتھ جو تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے ہے اور توریت اور انجیل لوگوں کی ہدایت کے لیے پہلے نازل فرمائی تھی۔

ایک جگہ خاص اہل کتاب کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، جس میں مسلمانوں کو نصیحت کی گئی ہے:

ولا تجادلوا اهل الکتاب الا بالتی هی احسن الا لَذین ظلموا منهم وقولوا امنا بالذی انزل الینا وانزل الیکم والهنا والهکم واحد و نحن له مسلمون (عنکبوت:46)

اہلِ کتاب سے کوئی بحث لڑائی کی طرح نہ کرو لیکن حسن اخلاق کے ساتھ بات چیت کرو سوائے ان لوگوں کے جو تمہارے اوپر ظلم کرتے ہیں تم اہل کتاب سے

کہو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اس چیز پر جو ہمارے (نبی) پر نازل ہوئی اور تمہارے (انبیاء) پر نازل ہوئی ہے اور تمہارا اور ہمارا خدا ایک ہی ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم میں تورات' انجیل اور صحائف انبیاء کا کئی جگہ ذکر آیا ہے جس میں قرآن کریم کو کتب سابقہ کے مصدق اور مھیمن (نگہبان اور امین) قرار دیا گیا ہے اور کئی آیات میں اہلِ کتاب کو تورات اور انجیل کے احکام پر پوری طرح عمل کرنے کی دعوت دی گئی ہے لیکن اس کے ساتھ قرآن کریم نے ایک معجزہ کے طور پر تورات اور اناجیل کے متعلق تحریر کا دعویٰ پیش کیا ہے۔ اس معجزہ کو سمجھنے کے لیے کچھ تفصیل کی ضرورت ہے جو کہ پیش کرتا ہوں۔

قرآن کریم کا معجزہ

یعنی پہلی کتابوں میں تحریف کا دعویٰ

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت کے زمانہ کا اندازہ فرمائیے۔ عرب میں جہالت اور ظلمت کا دور دورہ تھا۔ خود آقائے دو جہاں ﷺ نے مروجہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی آپ اُمی تھے' فداہ ابی و امی' اور اہل کتاب میں بڑے بڑے علماء اور فضلا موجود تھے۔ عیسائیت کی پرورش بادشاہی خزانوں پر ہو رہی تھی۔ عیسائی احبار بادشاہوں کے مقرب اور مقتدا تھے' بیت المقدس پر اہلِ کتاب کا پرچم لہرا رہا تھا۔

ان حالات میں ایک اُمی قوم کا اُمی فرد (جس نے لکھنا اور پڑھنا نہیں سیکھا) عرب کے ریگستان وادی غیر ذی ذرع سے اُٹھ کر اعلان کرتا ہے کہ اہلِ کتاب نے اپنی کتابوں میں تحریف کر دی ہے۔ خدائی احکام کو خلط ملط کر دیا ہے حق اور باطل کو ملا دیا ہے۔ اس کے بعد اس دعویٰ یا اظہارِ حقیقت کو مسلمان علماء ہی نہیں بڑے بڑے عیسائی پادریوں نے تسلیم کیا ہے اور اس وقت سے آج تک تحریف کے ثبوت میں اضافہ ہی ہو رہا ہے یہ نبی اُمی ﷺ کا زندہ معجزہ اور قرآن کریم کا کھلا ہوا اعجاز نہیں تو اور کیا ہے؟

تورات (بائبل)

تورات عبرانی لفظ ہے۔ عبرانی اور عربی دونوں زبانیں قریب قریب ہیں چنانچہ تورات اہل عرب کے نزدیک وریٰ سے ہے اور کوفیوں کے نزدیک توریت تفعلة کے وزن پر ہے اور بصریوں کے نزدیک فوعلٌ کے وزن پر ہے اس کا اصل وَوْرَاةٌ تھا دو واؤ ثقیل جمع ہونے کی وجہ سے ایک واؤ کوت سے بدل لیا توراۃ ہوا (کذافی مفرودات راغب) وریٰ کے معنی وری الزند آگ نکالنا ہیں قرآن

شریف میں النار التی تورون۔ (الواقعہ) ورائت بمعنی سترت یعنی ایک چیز کو چھپانا۔ قرآن شریف میں ہے لباسا یواری سواتکم (اعراف) یاحتی تورات بالحجاب اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تورات کو تورات اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ پتھر سے آگ نکالنے کی مانند انسان کے لیے کچھ محنت کرنے سے روشنی اور ہدایت کا کام دیتی ہے جس طرح کہ پتھر کو رگڑنے سے مشقت ہوتی ہے اور اس سے آگ پیدا ہوتی ہے۔ اس سے شریعت موسویہ کے سخت ہونے کی طرف اشارہ ہے اور اس کے بعض مضامین پوشیدہ ہیں جیسے جزاء اور سزا کا مسئلہ، اسی طرح پتھر میں آگ پوشیدہ ہے بظاہر معلوم نہیں ہوتی۔

نکتہ: قرآن کریم نے قرآن کی روشنی کو اس کے مقابلہ میں عام اور آسان قرار دیا ہے۔

ارشادِ باری ہے:

یکادزیتھا یضئ ء ولو لم تمسسہ نار ط (نور :35)

یعنی اس کا تیل خود جل اٹھتا ہے گو اس کو نہ چھوئے۔

عہد حاضر میں توریت (اس مجموعہ کا نام ہے جس کو عہد نامۂ قدیم بھی کہتے ہیں، پرانے عبرانی نسخوں میں آج کل کی طرح پانچ کتابوں کی تقسیم نہیں ہے بلکہ چند بابوں پر منقسم ہے لیکن موجودہ صورت میں تورات پانچ کتابوں پیدائش، خروج، احبار، اعداد اور استثنا پر مشتمل ہے۔

عہد نامۂ قدیم

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تورات کا مصنف عزرا کاہن ہے لیکن یہ خیال بھی محکم نہیں ہے۔ پادری ولیم مچن نے لکھا ہے کہ تورات کو موسیٰ نے نہیں لکھا، وہ ان کے بعد کی تصنیف ہے، جیسا کہ آخر استثناء سے ظاہر ہے۔ (مسیحی مسائل ص 8)

بائبل کے عنوان سے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مطبوعہ 1768ء میں بتاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ شریعت 444 قبل مسیح سے پہلے مکمل نہیں ہوئی اور نہ ہی کتاب مقدسہ میں شامل کی گئی تھی، پیغمبروں کی کتابیں 250 سے 200 قبل مسیح کے قریب تکمیل پذیر ہوئیں اور تسلیم کی گئیں۔ سوانح عمریاں قریباً 150 سے 100 قبل مسیح کے درمیان رائج ہوئیں۔ غالب گمان ہے کہ اسرائیل کی ابتداء...... اور ابتدائی تاریخ کی عبرانی روایات کو سب سے پہلے دسویں یا نویں صدی قبل مسیح ایک نبی نے قلمبند کیا جو یہودیہ میں رہتا تھا۔

آرچ ڈیکن بی۔ اولکھتا ہے:

جب یروشلم 70ء میں برباد ہوگیا اور قومِ یہود خستہ حال اور پراگندہ ہوگئی، تو یہودی قائدین نے اپنی قومی روایات کو قائم رکھنے کے لیے 100ء میں ایک مجلس منعقد کی، اس مجلس میں ان تمام کتب عہد قدیم کو کتب مقدسہ قرار دے دیا۔ (صحت کتب مقدسہ ص 53 مطبوعہ 1952ء)

یہ عہد نامۂ عبرانی زبان میں لکھا گیا تھا۔ (تفسیر بائبل صفحہ XI)

گمشدہ الہامی کتابیں

بائبل میں کئی کتابوں کا ذکر آتا ہے لیکن وہ کتابیں مجموعۂ کتابِ مقدس میں شامل نہیں ہیں:

خداوند کا جنگ نامہ	گنتی باب 21	فقرہ 14
آشر کی کتاب	یشوع 10	فقرہ 13
ناتن نبی کی کتاب	تاریخ دوم 29:9	

ان کے علاوہ بھی اور کتابوں کا تذکرہ ہے۔ یہ کتابیں دنیا میں موجود نہیں ہیں۔ کیا یہ کتابیں الہامی نہ تھیں؟ اگر الہامی تھیں تو کہاں گئیں۔ جب وہ موجود نہیں ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کتابِ مقدس تمام کتب الہامی کا مکمل مجموعہ نہیں ہے اور ہوسکتا ہے کہ ان مفقود کتابوں میں ان سے زیادہ اہم چیزیں درج ہوں' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ موجودہ بائبل میں ان گمشدہ کتابوں سے مطلب کی چیزیں انتخاب کر کے باقی دیدہ و دانستہ تلف کردی گئی ہوں۔

بشپ صاحب اپنی کتاب کے صفحہ 28 پر لکھتے ہیں:

"بڑے بڑے علماء بھی یہ بات یقینی طور پر بتانے سے قاصر ہیں کہ ان میں سے چند کتابیں کب لکھی گئیں۔ مثلاً تورات (پہلی پانچ کتابیں) اور پیغمبروں کی کتابیں (جیسا کہ کتابِ یسعیاہ) پرانے نوشتوں سے تالیف کی گئی تھیں۔ تحریروں کو اکٹھا کرنے اور ترتیب دینے کے لیے ساؤل اور داؤد کی بادشاہت کے قیام کا زمانہ ہوگا۔ ممکن ہے کہ جلاوطنی کے بعد کا زمانہ ہو (عزرا 6:17 نحمیاہ 18:12-2) شاید تیسرا موقع مکابین کے عظیم مظالم کے بعد کا عرصہ ہو (دوسری اور پہلی صدی ق م)

(Bishop of Tauros the Gospel for Tomorrow)

پادری ڈملو اپنی تفسیر کے دیباچہ (صفحہ xiii) میں لکھتے ہیں:

عزرا اور نحمیاہ معاشرتی اور مذہبی مصلحین تھے' وہ قوم کے لیے صاف اور واضح قواعد وضوابط چاہتے تھے۔ اس طرح انہوں نے تورات کو ایمان اور اخلاقیات کے لیے معیار قرار دے دیا۔ اسی عرصہ میں کئی دوسرے انبیاء کی کتابیں بھی تواریخ کے ساتھ ہی محفوظ ہوں گی' انہیں بعد میں تورات کے ساتھ منسلک کردیا گیا ہوگا۔ اس کے بعد بہت بحث ومباحثہ کے بعد امثال اور ایوب وغیرہ شامل کی گئیں۔"

تورات کے ماخذ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"یہ تین نسخوں P.JE اور D سے تیار کی گئی ہے اور JE پیدائش 4:2 سے شروع ہوتا ہے۔ (صفحہ xxvii)

حاصلِ کلام یہ کہ پرانے عہد نامہ کی کتابوں کے مصنفین اور ان کے لکھے جانے کی تاریخ کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

جمع عہد عتیق کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ 458 قبل مسیح تا 70ء کے درمیان وقوع میں

آئی (صفحہ 98) اور اس زمانہ میں یہ کتب تحریر کی گئیں۔ تواریخ' عزرا' نحمیاہ' استر' زبور' امثال' یوناہ' وعظ اور غزل الغزلات' دانی ایل' ملاکی۔

بائبل کو کتاب مقدس مصنفین نے نہیں بلکہ بعد کے معتقدین نے بنالیا ہے۔ پادری ڈملو لکھتے ہیں:

> تین اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کتابوں کو مقدس قرار دیا گیا (1) کچھ کتابیں پرانے وقتوں سے چلی آرہی تھیں اور مشہور ومعروف تھیں یا (2) کچھ کتابیں بڑی بڑی ہستیوں کی طرف منسوب تھیں جیسا کہ موسیٰ کی کتابیں' داؤد کے زبور' سلیمان کی امثال۔ یا (3) کچھ کتابوں کا مذہبی تاریخ یا قومی تہواروں کے ساتھ قریبی تعلق تھا۔ کتابوں میں خدا تعالیٰ کی موجودگی یا جسے ہم الہامی عنصر کہتے ہیں' ان کو لوگوں کی نظروں میں الہامی اور مقدس بنادیتا تھا۔ (صفحہ xiii) پرانے عہد نامہ کو مقدس قرار دینے کی قطعی تاریخ غیر یقینی ہے۔ یہ زمانہ بہ مشکل دوسری صدی ق م کے آخر سے ذرا پہلے کا ہوگا۔ جب کہ دوسری صدی عیسوی تک یہودی ربی واعظ اور Canticles کے تقدس سے متعلق جھگڑ رہے تھے۔

(صفحہ xiv تفسیر بائبل)

بائبل میں انسانی اور خدائی دونوں کلام ہیں۔ ہمیں جاننا چاہیے کہ خدائی اور انسانی کلام ملے ہوئے ہیں۔ ہم کسی حصہ کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ "خدائی کلام ہے" کچھ حصوں مثلاً اناجیل میں خدائی کلام زیادہ ہے۔ دوسرے حصوں مثلاً تواریخ میں انسانی کلام زیادہ ہے۔ بائبل ایک قیمتی کان ہے جس میں سونے کے ساتھ پتھر اور مٹی بھی ملی ہوئی ہے۔ کان کا ایک حصہ دوسرے حصہ سے اچھا ہے لیکن کسی حد تک ساری کان میں سونے کی چمک دمک موجود ہے۔

(The Rev.S.R.Dumelows. A Commentary on the Holy Bible. Edition-1944)

پادری یوٹیمنسن صاحب بھی تفسیر متی کے 36 صفحہ پر لکھتے ہیں کہ:

"یہ مصنف رسول بشری ضعف ونقائص سے بری نہ تھے اور اسی طرح یہ تصنیفات بھی ان نائص سے بری نہیں ہیں۔" (ترجمہ' پادری ٹی۔ ڈی مطبوعہ 1928ء)

پادری ڈملو اپنی تفسیر بائبل میں لکھتے ہیں:

> "مگر غور سے تحقیق کرنے پر ماننا پڑتا ہے کہ کتب خمسہ میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو اس پرانے خیال سے کہ موجودہ صورت میں یہ موسیٰ علیہ السلام کی کتابیں ہیں مطابقت نہیں پاتیں۔ مثلاً یہ اطمینان سے تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ استثناء باب 34 میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنی موت کا حال خود نہیں لکھا۔ استثناء باب 16 میں

یہ بیان کردہ باتیں ہیں جو موسیٰ نے یردن کے اس پار بیابان کے میدان میں بنی اسرائیل سے کہیں، کسی ایسے شخص کے نقطہ نظر سے لکھی گئی ہیں جو کنعان میں رہتا تھا مگر موسیٰ کنعان میں کبھی نہیں گئے۔ اس قسم کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ چنانچہ یہ واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ تورات ایک شخص کی تصنیف نہیں ہے بلکہ پرانی تحریروں کو سامنے رکھ کر کئی اشخاص نے تالیف کی ہے۔ کتاب زبور جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل کی گئی تھی۔ لیکن اہل کتاب کے پاس جو کتاب موجود ہے وہ اسی طرح بے سند اور بے اصل ہے۔ سنی سنائی باتیں مولفین نے جمع کرلی۔ اس کے باوجود کچھ باتیں صحیح بھی موجود ہیں۔ یعنی سنگریزوں میں ہیرے جواہرات بھی ملے ہوئے ہیں جن کو ایک جوہری ہی الگ کرسکتا ہے۔ زبور عربی میں لکھی ہوئی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ کما یقال وانہ لفی زبر الاولین زبور اور مزبور کے معنی ایک ہی ہیں۔ کتاب مقدس عربی میں زبور کے بجائے مزمور کا لفظ استعمال ہوا ہے یہ بھی مزبور کے ہم معنی ہے۔

انجیل (عہد نامۂ جدید)

انجیل سریانی میں بھی اس سے ملتا جلتا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی خوشخبری ہیں۔ لغت عربی میں انجیل کا مادہ نجل تسلیم کرتے ہیں، نجل کے معنی ولد اور نسل کے ہیں۔ کمایقال انتجد الامر جس کے معنی ہیں استبان واضح ہوا۔ اور نجلت الارض کے معنی ہیں زمین کو کھیتی کے لیے جوتا؟ انجیل کی جمع اناجیل ہے۔ حدیث شریف میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ کے متعلق ہے۔ صدورھم اناجیلھم ان کے سینے ان کی انجیلیں ہیں۔ یہ انجیل بمعنی بشارت استعمال ہوا ہے۔ نیز اس کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ اناجیل میں حضور علیہ السلام کی جو پیشین گوئیاں موجود ہیں ان پر ایمان لانے والے صحابہ ہیں۔ گویا ان کے قلوب میں وہ روشنی جو انجیل نے روشن کی تھی موجود ہے۔

انجیل

قرآن کریم کے نزدیک وہ کتاب ہے جو حضرت عیسیٰ پر نازل ہوئی اور آج جس شکل اور صورت میں وہ عیسائیوں کے پاس موجود ہے اس کو بھی انجیل ہی کا نام دیا جاتا ہے۔ عیسائیوں کی اصطلاح میں اور ان کے عقیدہ کے مطابق کوئی انجیل بھی کلام خدا کے طور پر نازل شدہ ملہم من اللہ نہیں ہے، خدا کا کلام تو کیا اس کے رسول یا عیسیٰ ابن مریم کا کلام بھی نہیں ہے۔ عیسائیوں کے نزدیک انجیل چار الگ الگ اشخاص کی تصنیف ہیں۔ ایک مرقس کی ایک متی کی، ایک لوقا کی، ایک یوحنا کی۔

یہ بات بھی ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ کتاب مقدس یا بائبل (Bible) صرف تورات

اور اناجیل کا مجموعہ نہیں ہے۔ بائبل یونانی الاصل ہے جو قرون وسطیٰ کی لاطینی کے ذریعہ انگریزی میں پہنچا ہے' اس کے لفظی معنی ہیں کتابیں' یہودیوں کے نزدیک بائبل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پانچ کتابوں کے علاوہ حضرت ایوب علیہ السلام' حضرت یونس علیہ السلام' حضرت حزقیل علیہ السلام' حضرت دانیال علیہ السلام' حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت اسماعیل علیہ السلام کے صحیفے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور بھی اس ہی مجموعہ میں شامل ہے اور بعض کتب کی شمولیت کے متعلق اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ پروٹسٹنٹ عقیدہ کے مطابق 39 اور رومن کیتھولک عیسائیوں کے نزدیک 45 کتابوں کا مجموعہ۔ مختلف چند کتابوں کے متعلق پروٹسٹنٹ کہتے ہیں کہ یہ کتابیں یہودیوں کے پاس نہیں ہیں اور قدیم عیسائیوں نے انہیں رد کیا ہے۔ (میزان الحق 144) اور رومن کیتھولک کہتے ہیں کہ کلیسا کے فیصلہ سے یہ کتب منظور ہوئی ہیں اور یہ کہ اس بات کو پروٹسٹنٹ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ (بحثِ تعلیم ص 100)

- رومن کیتھولک کی زائد کتابیں یہ ہیں:

طوبیا' یہودیت' حکمت' یشوع بن سیراخ' نکابین اول' نکابین ودوم

عیسائی حضرات بائبل کو عہد نامۂ قدیم اور عہد نامہ جدید میں تقسیم کرتے ہیں۔ ابتدائی حصہ کو عہد نامۂ قدیم کہتے ہیں اور آخری حصہ کو جس میں چار اناجیل۔ اعمالِ حوارین۔ مکاشفات اور خطوط شامل ہیں' عہد نامہ جدید سمجھتے ہیں۔

یہ چاروں جو مستند اناجیل کہلاتی ہیں یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تالیف بھی نہیں ہیں' بلکہ جن حضرات کی طرف یہ منسوب ہیں ان کی تصنیف بھی نہیں ہیں' چنانچہ انجیل متی پر بحث کرتے ہوئے پادری ڈملو (The REV.I.R. Dummelows A Commentary on the Holy Bible. Edition 1944)

اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جو کچھ اوپر بیان ہوا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہے کہ اس انجیل کا براہ راست متی کی تصنیف ہونا غیر اغلب ہے (صفحہ 620) اور آگے چل کر کہتے ہیں کہ متی نے کچھ الفاظ حضرت عیسیٰ کے جمع کیے ہوں گے ان کو مصنف نے استعمال کیا ہے اور اس کا زمانہ تصنیف خود پادریوں کے نزدیک 70ء ہے مگر واقعات کی روشنی میں اناجیل کا کتابی صورت میں وجود 150ء سے قبل نہیں تھا۔ لوقا اور مرقس کی انجیل ان کی لکھی ہوئی سمجھی جاتی ہے۔ لیکن نئی تحقیقات کی بنا پر اس کا کوئی یقین باقی نہیں رہا۔ اور یہی حال یوحنا کی انجیل کا ہے جو پہلی صدی کے آخر زمانہ کی تصنیف سمجھی جاتی ہے۔ لوقا اور مرقس کے متعلق تو یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری نہیں ہیں۔ اور یوحنا کے متعلق بھی کئی اعتراضات کیے جاتے ہیں اور ان میں الحاقی حصے پائے جاتے ہیں۔ نیز ان میں اس قدر اختلاف اور تناقص موجود ہے جو ان کو پایۂ اعتبار سے ساقط کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں ان میں کئی ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جن کی کوئی اصل ہی نہیں ہے۔

سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جو زبان مروج تھی وہ عبرانی تھی۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ نے جو وعظ فرمائے ہیں یا اللہ تعالیٰ کے احکام سنائے ہیں وہ بھی یقیناً عبرانی میں تھے۔ ان کی والدہ محترمہ کی زبان بھی عبرانی تھی۔ حضرت عیسیٰ کے آخری الفاظ جو انجیل میں ملتے ہیں۔ ایلی ایلی لما سبقتانی یہ بھی عبرانی ہیں' جس کے معنی ہیں اے میرے خدا' اے میرے خدا' تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ اس لیے انجیل بھی اصل عبرانی میں ہونی چاہیے تھی لیکن عیسائیوں کو جو کتاب حاصل ہوتی ہے وہ یونانی میں ہے۔ یروشلم میں کسی نے یونانی کے متعلق دریافت کیا کہ کیا میں یونانی پڑھ سکتا ہوں۔ اس کو جواب دیا گیا کہ رات اور دن تمام اوقات میں عبرانی پڑھو پھر اس سے جو وقت بچے اس میں یونانی پڑھ سکتے ہو۔ یوسی فس مورخ عبرانی تھا وہ یونانی بھی جانتا تھا۔ مگر اس نے عذر کیا کہ یونانی حرام ہے' اچھا آدمی اس کو سیکھ نہیں سکتا۔ اس لیے عیسائی آج تک انجیل کی اصل زبان کا مسئلہ حل نہیں کر سکے۔ اور جب یہی معلوم نہ ہو کہ اصل کتاب کس زبان میں تھی تو کتاب کی اصلیت میں کس قدر شک کیا جا سکتا ہے اور یہ ایسی زبردست حقیقت ہے کہ جس کا جواب عیسائیوں کے پاس نہیں ہے' چونکہ اصل کتاب ہاتھ میں نہیں اور جو کچھ ہاتھ میں ہے وہ ترجمہ در ترجمہ ہے' اس لیے اور بھی غلطیاں در غلطیاں اس میں واقع ہو رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو چونکہ ان ادیان کا منسوخ کرنا مقصود تھا' اس لیے ان کے پاس سے وہ اصل کتاب ہی مفقود کر دی گئی اور اس کی تمام خوبیاں مزید اضافات کے ساتھ قرآن کریم میں پیش کر کے اس کی حفاظت اپنے ذمہ لے لی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (الحجر: 9)

ہم نے اپنا ذکر نازل کیا ہے' ہم اس کی حفاظت کریں گے۔

پادری ڈملو اپنی تفسیر کتاب مقدس میں لکھتے ہیں۔ اناجیل لکھنے والے حضرت عیسیٰ کے اقوال یونانی میں لکھتے ہیں' حالانکہ ان کی مادری زبان عبرانی تھی' نہ مصنف کا یہ خیال تھا کہ ان کی تحریریں ابتدائی کلیساؤں سے آگے جائیں گی۔ یہی حال پولوس کی تحریر کا ہے' جنہوں نے ان کو پہلے نقل کیا ہے وہ ان کو ہرگز ان معنی میں پاک نوشتے نہیں سمجھتے تھے جس طرح ہم سمجھتے ہیں۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

پچھلی صدیوں میں ہم مقدس الفاظ کی حفاظت میں وہ احتیاط کا خیال نہیں پاتے جو عہد نامۂ قدیم کو پہچاننے میں پایا جاتا ہے۔ ایک نسخہ کے نقل کرنے والا بعض اوقات وہ الفاظ درج نہیں کرتا جو اصل عبارت میں موجود ہوتے ہیں بلکہ وہ درج کر دیتا ہے جو اس کے خیال میں درج ہونے چاہئیں تھے۔ گویا وہ ایک ناقابل اعتبار حافظہ پر بھروسہ کرتا ہے۔ بعض اوقات اصل عبارت کو بدل کر اس فرقہ کے خیالات کے مطابق کر دیتا ہے جس میں وہ خود ہوتا ہے۔ ابتدائی عیسائی بزرگوں کی عبارات اور حوالہ جات کے علاوہ قریباً چار ہزار نئے عہد نامہ کے یونانی نسخے موجود ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اختلاف عبارات

بہت زیادہ ہے۔

انجیل کو انگریزی میں گوسپل Gospel کہتے ہیں۔ کسی بھی دینی یا علمی انسائیکلوپیڈیا (دائرۃ المعارف) کو اٹھا کر دیکھئے اس میں اس کی تشریح اس طرح ملے گی۔ یہ ان چارتذکروں کا نام ہے جو عہد نامہ جدید میں عیسیٰ کی زندگی، کردار، تعلیمات کے متعلق ملتے ہیں۔ ان میں سے پہلی تین اناجیل لوقا، مرقس اور متی مشترک کہلاتی ہیں۔ ان میں عیسیٰ کی زندگی کے اہم واقعات موجود ہیں۔ چوتھی انجیل یوحنا کی راہ منفرد ہے۔ گویا کلامِ الٰہی یا کلامِ رسول ہونے کا شائبہ تک نہیں ہے۔ انجیل کے مصنفوں کے متعلق کسی کو یہ بھی علم نہیں کہ ان کا سن ولادت کیا ہے، سن وفات کیا ہے، ان کی دیانت اور راستبازی کی شہادت دینے والے کون ہیں۔ ان کو خود حضرت عیسیٰ ابن مریم یا ان کے کسی حواری کی صحبت بھی میسر ہوئی یا نہیں۔ نیز عیسائی فاضل آج تک یہ گتھی بھی نہیں سلجھا سکے کہ ان چاروں میں کیا ربط ہے کون سی اول اور کون سی آخر ہے، اور کونسی کس سے ماخوذ ہے۔ نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کی علمی زبان عبرانی میں یہ کتاب حاصل نہیں ہوئی اور نہ ہی بول چال کی زبان سریانی یا شامی میں دستیاب ہوئی بلکہ ایک غیر مانوس اور ناپسندیدہ زبان یونانی میں حاصل ہوئی۔ اس طرح یہ کتاب اور اس کے مصنفین مجہول در مجہول ہیں اور ان کی حیثیت سیرۃ الرسول مصنفہ اسحٰق۔ کتاب المغازی مصنفہ امام واقدی سے بھی کمتر درجہ کی ہے، چونکہ ان کے مصنف معروف اور ثقہ ہیں اور ان کی تصنیف بھی اصل زبان میں ہے۔

عہد نامۂ جدید میں ستائیس کتابیں شامل ہیں

پطرس کے دوسرے خط کی الہامی حیثیت سینکڑوں برس سے مشکوک مانی جاتی ہے۔ مسیحی مسائل صفحہ 17) اس عہد کے مختلف اجزاء کی ابتداء ترتیب کے بارے میں پادری یوٹیشن صاحب تفسیر متی کے صفحہ 3 پر لکھتے ہیں:

> ''کلیسیا کے قائم ہو جانے کے بعد کچھ عرصے تک عہد نامۂ جدید کے نوشتوں کا جیسے کہ وہ موجودہ حالت میں نظر آتے ہیں وجود نہ تھا۔ رسول اور ان کے انصار انجیل کی منادی اور نو مریدوں کی تعلیم محض عیسیٰ کے کام کلام کے گواہ ہونے کے طور پر زبانی کیا کرتے تھے۔ جب عیسائیوں کی پہلی پشت گزر گئی تو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ ان کی زبانی روایات و تعلیمات کو قلمبند کیا جائے تا کہ وہ خاص طور سے محفوظ و قائم رہیں۔ ان عیسائی تصنیفات میں سب سے قدیم وہ خطوط ہیں جو رسولوں یا ان کے انصار نے ان کلیساؤں کے نام لکھے تھے جن کو انہوں نے خود قائم کیا تھا۔ اور ان کی غرض ان تصنیفات سے یہ تھی کہ ان کے ذریعے سے کلیساؤں کو ان کے دینی معاملات میں رہنمائی حاصل ہو اور وہ باطل تعلیمات و بداعمالی سے محفوظ رہیں۔ جس وقت یہ مصنفین حسب ہدایت الٰہی اپنی مخاطب

کلیساؤں کو ان کی خاص ضرورتوں کے لحاظ سے عیسیٰ کی زندگی سے مختلف سبق دے رہے تھے' اس وقت اسی روح نے بعضوں کو بذریعہ الہام (اس کام کے لیے مخصوص کیا تا کہ وہ خود عیسیٰ کی زندگی اور اس کی تعلیمات کو جن کی اب تک صرف زبانی طور پر اشاعت و تعلیم ہوتی تھی قلمبند کریں اور نیز انجیل کی ابتدائی اشاعت اور کلیسا کی ترقی کی تاریخ مرتب کریں۔ یوں چاروں اناجیل رسولوں کے اعمال اور مقدس پولس و پطرس و یعقوب و یوحنا کے خطوط و مکاشفات یوحنا معرض وجود میں آئے۔ مکاشفات یوحنا دراصل ایک گشتی خط کلیساؤں کے نام ہے۔

انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا بتاتا ہے کہ یہ کتب پہلی پشت کے زمانے میں اس لیے نہیں لکھی گئی تھیں کہ عیسائی روزانہ اس امید میں رہتے تھے کہ عیسیٰ آسمان سے واپس اتر آئے گا۔"

(صفحہ 872 مطبوعہ 11-1910ء)

پادری ڈملو کی تحقیقات کے مطابق اس کی دو وجوہات تھیں:

(1) پہلے عیسائی اعتقاد رکھتے تھے کہ روح القدس انہیں راستی کی طرف راہنمائی کرنے کے لیے نازل ہو چکا ہے۔ (2) ان کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ دنیا کا خاتمہ قریب ہے۔ (تفسیر بائبل صفحہ xiv)

پادری ڈملو (تفسیر بائبل صفحہ xiii) انسائیکلوپیڈیا برٹینکیا (جلد 2 صفحہ 872 مطبوعہ 11-1910ء)

پادری ولیم میچن (عیسائی مسائل صفحہ 10) وغیرہ معتبر و مستند اور روح القدس یافتہ علماء کا کہنا ہے کہ پولس کے خطوط بالخصوص تسلونکیوں کے نام عہد جدید کی سب کتب سے پہلے لکھے گئے اور اناجیل میں سے انجیل مرقس قدیم ترین ہے' ان اناجیل سے پیشتر بہت سے پارے اور رسالے عیسائیوں میں رائج تھے جن میں عیسیٰ کی زندگی کے مختلف پہلو درج تھے۔

"یہ سب کے سب بیانات آں خداوند کی وفات کے چند سالوں کے اندر اندر لکھے گئے (لوقا 1:1) یہ پارے اور رسالے جو ابتدائی ایام میں لکھے گئے تھے اناجیل کی تالیف کرنے والوں کے ہاتھوں میں انجیل نویسوں نے ان رسالوں اور پاروں کو جو مختلف کلیساؤں میں مروج تھے اپنی انجیلوں کے ماخذ بنایا کیونکہ وہ سب سے معتبر شمار کیے جاتے تھے۔"

یاد رہے کہ ان اناجیل کے ترجمے ہی دستیاب ہیں کیونکہ حوادث زمانہ کے ہاتھوں سے وہ نسخے نہ بچ سکتے تھے اور نہ بچے۔" (صحت کتب مقدسہ صفہ 145)

رسولوں نے مختلف کلیساؤں کے نام خطوط لکھے جن میں سے بعض گم ہو گئے' بعض کو بائبل میں شامل نہ کیا گیا اور بعض شامل کر لیے گئے۔ پادری ڈملو کہتے ہیں کہ:

موجودہ عہد جدید کی تمام کتب پہلی صدی کے خاتمہ سے پہلے یا فوراً بعد موجود تھیں۔"

(تفسیر بائبل صفحہ xiv)

ولیم میچن صاحب یوحنا کی انجیل کا سن تصنیف 95ء بتاتے ہیں (مسیحی مسائل صفحہ 9)
انجیل متی کو جناب متی نے 68ء تا 66ء میں تصنیف کیا ہے۔ متی اور یوحنا دونوں حضرت عیسیٰ کے حواری تھے' لیکن محققین کی نظر میں یہ بیان بھی مشکوک ہے۔ انجیل مرقس کو جناب مرقس 66 تا 68 اور انجیل لوقا کو جناب لوقا نے 75ء میں تحریر کیا۔ یہ دونوں حضرت عیسیٰ کی زیارت سے مشرف نہیں ہوئے۔

انتخابِ کتب عہد جدید

جیسے مقدس لوقا اپنی انجیل کے آغاز میں بیان کرتا ہے' بہت سے رسالے' پارے' خطوط' حواریوں کے اعمال اور مکاشفات مختلف کلیساؤں میں رائج تھے' ان میں سے کتب مقدسہ قرار دینے کے بارے میں عیسائی علما میں بڑے جھگڑے ہوتے رہے اور کہیں 397ء میں کارتھیج کی تیسری کونسل نے موجودہ عہد نامہ کو آخری شکل دی۔ اکثر فضلا مثلاً پادری ڈملو (تفسیر بائبل صفحہ 14) پادری یوسٹیمن (تفسیر متی صفحہ 5) فانڈر صاحب (میزان الحق صفحہ 104) اسی سن کا ذکر کرتے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینکا ایسی بہت سی مجلسوں کا ذکر کر کے لکھتا ہے کہ یہ معاملہ 450ء تک طول پکڑ گیا تھا (جلد 3 صفحہ 878 مطبوعہ 1610-11ء) نے عہد ناموں کی کتابوں کی اصل زبان کے بارے میں علماء میں زبردست اختلافات رہے ہیں' تاہم یونانی کو اصل زبان خیال کیا جاتا ہے۔

انجیل کیا ہے؟ انجیل کی شہادت

اور یسوع نے اور بہت سے معجزے شاگردوں نے سامنے دکھائے جو اس کتاب میں لکھے نہیں گئے۔ (یوحنا باب 20 فقرہ 30) اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسوع نے کیے۔ اگر جدا جدا لکھے جاتے تو میں سمجھتا ہوں کہ جو کتابیں لکھی جاتی ہیں ان کے لیے دنیا میں گنجائش نہ ہوتی۔ (یوحنا باب 21 فقرہ 25)

چونکہ بہتوں نے اس پر کمر باندھی ہے کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئی ہیں ان کو ترتیب وار بیان کریں۔ جیسا کہ انہوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے تھے اور کلام کے خادم نے ان کو ہم تک پہنچایا۔ اس لیے معزز تھیفلس مین نے مناسب جانا کہ سب باتوں کا سلسلہ شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کر کے ان کو تیرے لیے ترتیب سے لکھوں۔ (انجیل لوقا باب 1' فقرہ 1 تا 4)

ان تمام حوالہ جات سے صاف اور واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ اناجیل اربعہ درحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت اور کردار کی آئینہ دار ہیں۔ گویا حیاتِ عیسیٰ کا ایک مجموعہ ہیں' جو چار مؤلفوں نے ترتیب دیا ہے۔ ان کے علاوہ جو خطوط اور مکاشفات وغیرہ ہیں وہ اس حیثیت میں ہیں جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوباتِ گرامی یا اس قسم کی کوئی دوسری کتاب۔ ان کو بھی الہامی کتاب کا درجہ دینا انتہائی غلطی اور جسارت کا کام ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل انجیل مفقود ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مادری زبان عبرانی تھی۔ حضرت عیسیٰ نے اپنی انجیل نہ لکھوائی نہ لکھی نہ حفظ کرائی۔ اناجیل اربعہ کی زبان صفحہ 5 شائع کرنے والے خود اپنے خیال کے مطابق انجیل یونانی زبان میں شائع کرتے آئے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کے عبرانی اصل الفاظ کہیں بھی موجود نہیں ہیں' اس لیے لندن لائبریری میں اناجیل کے چار ہزار نسخے پائے جاتے ہیں جو آپس میں مختلف ہیں۔

ڈاکٹر ڈولمو اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''حق پسندوں کو حق عیسیٰ کے الفاظ نہیں مل سکتے۔''

اناجیل کے سلسلہ میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے' اس سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے کہ عیسائیوں کے نزدیک انجیل خدا کی کتاب نہیں ہے۔ خدا کی کتاب یا خدا کا کلام ہونا تو علیحدہ اور بڑی بات ہے یہ ان کے نزدیک حضرت عیسیٰ ابن مریم کا کلام بھی نہیں ہے۔ یعنی نہ قرآن شریف کے درجہ میں کلامِ خدا ہے اور نہ حدیث شریف کے درجہ میں کلام رسولِ خدا ہے' بلکہ بعد کی نسلوں نے اپنے بزرگوں سے سنے سنائے واقعات' پند و نصائح اور مثالیں وعظ و تذکیر نسب نامے خطوط لکھ لیے ہیں جن کی نہ کوئی سند ہے نہ اصل' نہ یہ معلوم کہ اصل کس زبان میں ہے' کس نے لکھے۔ کس سن میں لکھے۔ یہ تمام باتیں لاعلمی میں ہیں' گویا اناجیل کا وہ درجہ بھی نہیں جو اسلام میں تابعین کی تالیف کا ہے۔ مثلاً سیرۃ الرسول مولفہ ابن ہشام جو لغت کے لحاظ سے ہر طرح زیادہ معتبر ہے۔ موجودہ انجیل ایک وعظ اور تذکیر کی صورت میں مختلف اشخاص کے مواعظ کا مجموعہ ہے' جن میں کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بے سند اقوال یا اصل انجیل کے فقرات بھی موجود نہیں۔ جس طرح ایک واعظ اپنے وعظ میں حدیث اور قرآن شریف کی آیات پیش کرتا ہے' اس سے زیادہ انجیل کوئی چیز نہیں ہے۔ ہم نے انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال اور اصل انجیل کی آیات کا وجود اس لیے تسلیم کیا ہے کہ موجودہ محرف انجیل میں بعض مضامین بالکل قرآن شریف یا حدیث نبویؐ کے مطابق موجود ہیں۔ ورنہ عیسائیوں کے پاس کوئی دلیل اس امر کی بھی نہیں ہے کہ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال ہیں۔

انیسویں صدی میں ویٹی کن کے مشہور کتب خانہ سے متروک اناجیل کا ایک نسخہ برآمد ہوا تھا جس میں موجود چاروں انجیلوں سے بہت کچھ زیادہ موجود ہے' موجودہ نسخوں میں سینٹ لوقا کی انجیل میں خصوصیت کے ساتھ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کا واقعہ تفصیل سے درج ہے' لیکن سورۂ مریم میں قرآن عزیز نے اس واقعہ کو جس طرح حضرت مریم کی پیدائش اور ہیکل میں تربیت کے ذکر سے شروع کیا ہے نہ لوقا کی انجیل میں اس کا ذکر ہے اور نہ باقی تینوں انجیلوں میں مگر ویٹی کن کے اس نسخہ میں یہ واقعہ ٹھیک سورۂ مریم میں مذکور واقعہ کی طرح درج ہے (ترجمان القرآن جلد دوم) اس طرح سولہویں صدی میں روما کے مشہور پوپ سکسٹس (Sixtus) کے قدیم کتب خانہ میں ایک اور متروک انجیل کا نسخہ برآمد ہوا۔ جس کا

نام انجیل برناباس ہے۔ یہ نسخہ پوپ کے مقرب لاٹ پادری فرامرینو نے پڑھا اور پوپ کی اجازت کے بغیر کتب خانہ سے چرا لایا۔ چونکہ اس میں خاتم الانبیاء محمد ﷺ سے متعلق کثرت سے واضح اور صاف بشارتیں موجود تھیں، حتیٰ کہ "احمد" نام تک مذکور ہے۔ نیز الوہیت عیسیٰ کے خلاف عقیدہ کی تعلیم پائی جاتی تھی اس لیے وہ لاٹ پادری مسلمان ہو گیا۔ اس کا عربی ترجمہ مصر میں علامہ سید رشید رضا مرحوم نے المنار پریس سے شائع کیا ہے جو قابلِ مطالعہ ہے۔ ڈاکٹر سعادۃ نے اس مقدمہ میں جو قابل قدر علمی تحقیق قدریں پیش کی ہیں ان میں ہے کہ اس انجیل کا پتہ پانچویں صدی عیسوی کے اواخر میں اس تاریخی منشور (حکمنامہ) سے چلتا ہے جو خاتم الانبیاء محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے عیسائیوں کے پوپ گلیسیو کی جانب سے کلیساؤں کے نام بھیجا گیا تھا۔ ان ہی میں انجیل برناباس کا نام بھی شامل تھا۔

علاوہ ازیں محققین یورپ بھی آج اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کے بعد ابتدائی تین صدیوں میں ایک سو سے زائد انجیلیں پائی جاتی تھیں جو بعد میں چار کو چھوڑ کر باقی متروک کر دی گئیں اور کلیسا کے مطابق ان کا پڑھنا حرام کر دیا گیا۔ اس لیے آہستہ آہستہ وہ سب مفقود ہوتی چلی گئیں اور کہتے ہیں ان مفقود نسخوں میں ایک مشہور انجیل، انجیل کنفیس (انجیل اغطسی) بھی تھی جو اب ناپید ہو چکی ہے۔

نیز یہ بات بھی خصوصیت کے ساتھ قابل توجہ ہے کہ سینٹ پال (پولوس رسول) کے جو خطوط ہیں اور جن پر موجودہ لوگوں کی عیسائیت کی بنیادیں قائم ہیں ان کے مطالعہ سے جگہ جگہ یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگوں کو خبردار کرتا اور ڈراتا ہے کہ وہ ان انجیلوں کی جانب توجہ نہ دیں جو عیسیٰ کے نام کی بجائے دوسرے ناموں میں منسوب ہیں کیونکہ مجھ کو روح القدس نے اسی کے لیے مامور کیا ہے کہ میں انجیل عیسیٰ کی حمایت کروں، اسی کو اسوۃ بناؤں اور اس کی تعلیم کو تمام عیسائی دنیا میں پھیلاؤں، چنانچہ حسب ذیل جملے اس کی صراحت کرتے ہیں کہ اس کے نزدیک عیسیٰ کی انجیل عیسائیوں میں متروک ہو چکی تھی اور بعد کی بے سند انجیلوں کا عام رواج ہو گیا تھا اور ان ہی میں سے یہ چار ہیں جو نیقیہ کی کونسل نے بغیر کسی سند کے فال کے ذریعہ صحیح تسلیم کر لیں۔

اب ان چار کا حال بھی سنئے۔ ان میں سے سب سے قدیم متی کی انجیل تسلیم کی جاتی ہے با ایں ہمہ اس کے متعلق نصاریٰ میں سے علماء متقدمین تو بالاتفاق اور علمائے موجودہ میں سے اکثر اس کے قائل ہیں کہ موجودہ انجیل متی اصل نہیں ہے بلکہ اس کا ترجمہ ہے اس لیے کہ اصل کتاب عبرانی زبان میں تھی جو اب ناپید ہے اور ضائع ہو گئی لیکن یہ اصل کا ترجمہ ہے یا اس میں بھی تحریف ہوئی ہے اس کے متعلق کوئی تاریخی سند موجود نہیں حتیٰ کہ مترجم کا نام تک معلوم نہیں اور نہ یہ معلوم کہ کس زمانہ میں یہ ترجمہ ہوا' (اظہار الحق مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی (نور اللہ مرقدہ) جلد اوّل ص 161) اور مشہور عیسائی عالم جرجیس روبن النقوحی اللبانی نے اپنی کتاب میں تصریح کی ہے کہ متی نے اپنی انجیل بیت المقدس میں بیٹھ کر 39ء میں عبرانی میں تصنیف کی تھی جیسا کہ مقدس ایرونیموس نے کہا ہے کہ اوسیبوس نے ارادہ کیا تھا کہ وہ ہندوستان جا کر عیسائیت کی تبلیغ کرے تو اس نے متی کی انجیل کو عبرانی میں مکتوب الیہ سکندریہ کے کتب

خانہ قیصر میں محفوظ رکھا تھا مگر وہ نسخہ مفقود ہوگیا۔ اور نہیں کہا جاسکتا کہ کس زمانہ میں کس شخص نے یونانی زبان میں موجودہ ترجمہ کو روشناس کرایا۔

دوسری انجیل مرقس کی ہے اس کے مشہور عیسائی عالم پطرس گواماگ اپنی کتاب مروج الاخبار فی تراجم الابرار میں مرقس کی سوانح حیات پر لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ نسلاً یہودی لاوی اور پطرس حواری عیسیٰ (علیہ السلام) کا شاگرد تھا۔ رومیوں نے جب عیسائیت اختیار کرلی' تو ان کے مطالبہ پر یہ انجیل تصنیف کی۔ یہ الوہیت مسیح کا منکر تھا۔ اور اس نے اپنی انجیل میں اس حصہ کو بھی نہیں لیا جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پطرس کی مدح کرتے ہیں۔ یہ 68ء اسکندریہ کے قید خانہ میں قتل ہوا۔ تثلیث پرستوں نے اس کو قتل کردیا (قصص الانبیاء) اور عیسائی دنیا کو اس بارہ میں اختلاف ہے کہ مرقس کی انجیل کب تصنیف ہوئی' چنانچہ الفارق کے مصنف مرشد الطالبین ص 170 کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ علمائے نصاریٰ کا خیال ہی ہے کہ یہ پطرس کی نگرانی میں 61ء میں تصنیف ہوئی۔

تیسری انجیل سینٹ لوقا کی انجیل ہے۔ جس قدر اختلاف علمائے نصاریٰ میں متی کی انجیل سے متعلق ہے اس سے بھی زیادہ لوقا کی انجیل کی صحت وعدم کے متعلق اختلافات ہیں' چنانچہ الفارق کے مصنف نے اس سلسلہ میں خود علمائے نصاریٰ کے ہی اقوال نقل کیے ہیں۔ اور ثابت کیا ہے کہ یہ الہامی کتاب نہیں ہے' وہ فرماتے ہیں کہ مسٹر گڈل اپنے رسالۂ الہام میں دعویٰ کرتا ہے کہ لوقا کی انجیل الہامی نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ لوقا نے خود اپنی انجیل کی ابتداء میں یہ لکھا ہے کہ یہ (انجیل) اس نے تاوفیلس کے ساتھ خط وکتابت کی بنا پر لکھی ہے' وہ اس کو مخاطب کرکے لکھتا ہے کہ عیسیٰ کی باتیں جن لوگوں نے آنکھوں سے دیکھی تھیں انہوں نے ہم تک جس طرح پہنچائی ہیں ان کو بہت سے لوگ ہم سے نقل کر رہے ہیں' اس لیے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ان کو خود ہی صحیح طریقہ پر جمع کردوں تاکہ تم کو صحیح حقیقت معلوم ہو جائے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے اس نے حضرت عیسیٰ کا زمانہ نہیں پایا' اور محققین نصاریٰ یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ لوقا کی انجیل مرقس کی انجیل کے بعد وجود میں آئی ہے اور پطرس اور پولوس کے مرنے کے بعد تصنیف کی گئی ہے۔ (الفارق بین المخلوق والخالق جلد 1 ص 20 ماخوذ کتاب جرجیس زوین لبنانی' مطبوعہ بیروت۔)

اصل بات یہ ہے کہ لوقا انطاکیہ میں طبابت کرتا تھا' اس نے عیسیٰ کو نہیں دیکھا اور عیسائیت کو سینٹ پال (پولوس) سے سیکھا ہے اور پولوس کے متعلق یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ وہ دراصل متعصب یہودی اور عیسائیت کا بدترین دشمن تھا اور نصاریٰ کے خلاف علی الاعلان اپنی جدوجہد جاری رکھتا تھا مگر جب اس نے یہ دیکھا کہ اس کی ہمہ قسم کی مخالفتوں اور رکاوٹوں کے باوجود عیسائیت کی ترقی ہوتی جارہی ہے اور روکے نہیں رکتی تب اس نے یہودیانہ مکروفریب سے کام لیا اور اعلان کیا کہ عجیب معجزہ ہوا' میں بحالت صحت تھا کہ ایک دم اس طرح زمین پر گرا جیسا کہ کوئی کشتی میں پچھاڑ دیتا ہے' اور اس حالت میں حضرت عیسیٰ نے مجھ کو چھوا اور پھر سخت زجر وتوبیخ کی کہ تو ہرگز میرے پیروؤں کے خلاف کوئی کام نہ

کرنا۔ پس میں اسی وقت حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آیا اور پھر حضرت عیسیٰ کے حکم سے میں عیسائی دنیا کی خدمت کے لیے مامور ہوگیا۔ انہوں نے مجھ کو فرمایا کہ میں لوگوں کو عیسیٰ کی انجیل کی بشارت سناؤوں اور اس کے اتباع کی ترغیب دوں۔ چنانچہ اس نے آہستہ آہستہ کلیسا پر ایسا قبضہ کیا کہ دین عیسوی کی اصل صداقتوں کو مٹا کر بدعتوں اور برائیوں کا مجموعہ بنادیا' الوہیت مسیح' تثلیث و ابنیت اور کفارہ کی بدعت ایجاد کرکے عیسائیت کو وثنیت میں تبدیل کردیا اور شراب' مردار اور خنزیر سب کو حلال بنادیا۔ یہی وہ عیسائیت ہے پولوس کے صدقے میں جس سے آج دنیا روشناس ہے۔ اس کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ پولوس کے شاگرد لوقا کی انجیل ہے اور جیروم کہتا ہے کہ بعض قدیم علماء نصاریٰ اس کے قائل ہیں کہ لوقا کی انجیل کے دو ابتدائی باب الہامی نہیں الحاقی ہیں۔ کیونکہ یہ اس نسخہ میں موجود نہیں ہے جو مارسیون فرقہ کے ہاتھوں میں ہے اور مشہور نصرانی عالم الکہارن لکھتا ہے کہ لوقا کی انجیل کے باب 22' فقرات 43,47 الحاقی ہیں' وہ یہ بھی کہتا ہے کہ معجزات سے متعلق جو بیان ہے اس میں کذب بیانی اور شاعرانہ مبالغہ سے کام لیا ہے جو غالباً کاتب کی جانب سے اضافہ ہیں لیکن صدق کا کذب سے امتیاز حد درجہ دشوار ہے' اور کلی میشس لکھتا ہے کہ متی اور مرقس کی انجیلیں بہت جگہ آپس میں مخالف اور متضاد واقعات کی حامل ہیں لیکن جن معاملہ میں دونوں کا اتفاق ہوا اس کو لوقا کی انجیل کے بیان پر ترجیح (الفارق بین المخلوق والخالق) حاصل ہے اور یہ واضح رہے کہ لوقا کی انجیل میں بیس سے زیادہ مواقع پر متی کی انجیل سے اضافہ ہے اور مرقس کی انجیل سے تو اس سے بھی کہیں زیادہ (قصص الانبیاء ص 477) پس ان تمام دلائل سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ لوقا کی انجیل ہرگز الہامی نہیں ہے اور نہ کسی حواری کی تصنیف ہے۔

چوتھی انجیل یوحنا کی ہے' اس کے متعلق نصاریٰ کا عام عقیدہ یہ ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے محبوب شاگرد یوحنا زبدی کی ہے۔ زبدی صیاد' یوحنا کے والد کا نام تھا۔ جلیل کے بیت صدا میں ولادت ہوئی اور حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شرف حاصل ہوا اور نصاریٰ میں مشہور بارہ حواریوں میں سے سب سے زیادہ ان ہی کو تقدیس حاصل ہے جرجیس زوین البنانی لکھتا ہے کہ جس زمانہ میں شیر نیطوس اور بیسوں اور ان کی جماعت اپنے عقیدے کی تشہیر کررہی تھی کہ الوہیت مسیح کا عقیدہ باطل ہے وہ بشر تھے اور حضرت مریم کے بطن سے پیدا ہوئے اور حضرت مریم سے قبل وہ عالم وجود میں نہیں تھے۔ اس زمانہ میں 096 میں پادریوں لاٹ پادریوں کی مجلس مشاورات ہوئی اور انہوں نے یوحنا کی خدمت میں حاضر ہوکر درخواست پیش کی کہ وہ حضرت عیسیٰ کی باتیں تحریر کریں اور جو باتیں دوسری انجیلوں میں پائی جاتی ہیں' ان کے ماسوا جو کچھ معلوم ہو وہ لکھیں خصوصیت سے الوہیت عیسیٰ کا مسئلہ ضرور لکھیں تاکہ شیر نیطوس وغیرہ کی جماعت کے خلاف ہمارے ہاتھ مضبوط ہوں۔ تب یوحنا ان کی بات ٹال نہ سکے۔ اور یہ انجیل لکھنے پر مجبور ہوگئے۔ (ایضاً ص 477) مگر اس کے باوجود عیسائی علماء زمانہ تصنیف کی تعیین میں مختلف نظر آتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں 65ء میں تالیف ہوئی اور بعض 96ء اور بعض 98ء میں تصنیف ہونا بیان کرتے ہیں۔

ان کے مقابلہ میں ان عیسائی علماء کی بھی تعداد کم نہیں ہے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یوحنا کی انجیل، حواری یوحنا کی تصنیف ہر گز نہیں ہے، چنانچہ کیتھولک ہیرلڈ جلد 7 (قصص الانبیاء ص 477) میں پروفیسر لن سے منقول ہے کہ انجیل یوحنا از ابتدا تا انتہا مدرسۂ اسکندریہ کے ایک طالب علم کی تصنیف ہے اور برٹش نینڈر لکھتا ہے کہ انجیل یوحنا اور رسائل یوحنا ان میں سے کوئی ایک بھی حضرت عیسیٰ کے شاگرد و یوحنا کی تصنیف نہیں ہے بلکہ کسی شخص نے دوسری صدی کے اوائل میں اس کو تصنیف کر کے اس لیے یوحنا کی جانب منسوب کر دیا تاکہ وہ لوگوں میں مقبول و مشہور بن جائے اور صاحب الفارق کہتے ہیں کہ مشہور عیسائی عالم کروٹیس کا بیان ہے کہ یہ انجیل شروع میں بیس ابواب پر مشتمل تھی بعد میں اماس کے کنیسہ نے اس میں اکیسویں باب کا اضافہ کر دیا جبکہ یوحنا کا انتقال ہو چکا تھا۔ (مطبوعہ 1844ء) ان حوالہ جات سے یہ بخوبی آشکارا ہوتا ہے کہ بلاشبہ یوحنا حواری کی انجیل نہیں ہے اور صرف اس مقصد سے تصنیف کر کے یوحنا کی جانب منسوب کی گئی کہ الوہیت عیسیٰ کے عقیدۂ کنیسہ کو قوت پہنچائی جائے اور اصلاح عقیدہ کی جو آواز کبھی کبھی دنیا میں اٹھتی تھی اس کو دبایا جائے۔

چہارگانہ اناجیل کے متعلق مسطورہ بالا مختصر تنقیدات کے علاوہ ان کے الہامی نہ ہونے کے دو واضح دلائل یہ بھی ہیں کہ ان چاروں انجیلوں میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی زندگی کے وقائع درج ہیں کہ نصاریٰ کے زعم کے مطابق ان کی گرفتاری، صلیب، قتل، مر کر جی اٹھنے اور حواریوں پر ظاہر ہونے وغیرہ تک کے حالات بھی موجود ہیں، پس اگر یہ اناجیل انجیل مسیح یا اس کا کوئی حصہ ہوتیں تو ان میں ان باتوں کا قطعاً تذکرہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ وہ واقعات تو عیسیٰ کے بعد ان کے شاگرد علیحدہ جمع کرتے اور ان کو ایک تاریخی حیثیت حاصل ہوتی نہ کہ وہ کتاب اللہ کہلانے کے مستحق ہوتے، اور یہ کہ جس طرح ان انجیلوں کے مصنفین کے بارے میں اختلاف ہے، اسی طرح ان تصنیفات کے باہم روایات واقعات میں بھی تناقض اور سخت اختلاف پایا جاتا ہے یعنی بعض معجزات و عجیب واقعات ایسے ہیں جو ایک انجیل میں پائے جاتے ہیں اور دوسری انجیل میں ان کا اشارہ تک نہیں ہے۔ یا بعض میں ایک واقعہ جس طرح مذکور ہے دوسری میں کچھ زیادتی یا کمی کے ساتھ ایسے طریقہ پر بیان ہوا ہے کہ پہلی انجیل کے بیان میں اور اس میں صریح تضاد اور خلاف نظر آتا ہے، مثلاً صلیب عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ اناجیل میں تضادِ بیان کے ساتھ منقول ہے۔

یہ بات بھی کم حیرت کے لائق نہیں ہے کہ یہ اناجیل اربعہ جن جن زبانوں میں منقول ہوئی ہیں ان کی عبارات و کلمات کے بقا و تحفظ کی بھی پروا نہیں کی گئی بلکہ ایک ہی زبان کے مختلف ایڈیشنوں اور اشاعتوں میں بکثرت الفاظ اور جملوں کی تبدیلی، کمی اور بیشی موجود ہے خصوصاً جن مقامات پر علمائے اسلام اور علمائے نصاریٰ کے درمیان بشارت کے سلسلہ میں یہ بحث آگئی ہے کہ ان کا مصداق خاتم الانبیاء ﷺ ہیں یا حضرت عیسیٰ یا کوئی اور نبی نیز جن مقامات پر الوہیت مسیح کی صراحت میں فرق پڑتا نظر آتا ہو ان کو کافی تختہ مشق بنایا جاتا رہا ہے۔

اگر تحریفاتِ لفظی یا معنوی اور تضادِ بیان کی تفصیلات وتصریحات کو بہ نظر وسیع مطالعہ کرنا ہو تو اس کے لیے حضرت مولانا رحمۃ اللہ کیرانویؒ کی اظہار الحق، حضرت حافظ ابن قیم کی ہدایۃ الحیاریٰ باجہ جی زادہ کی الفارق بین المخلوق والخالق اور مولانا آلِ نبی امروہوی کی اظہارِ حق لائق وید کتابیں ہیں۔

غرض موجودہ، چاروں انجیلیں الہامی انجیلیں نہیں ہیں، نہ ان کے الہامی ہونے کی روایتی سند ہے اور نہ تاریخی، نہ ان کے مصنفین کے متعلق قطعی اور یقینی علم حاصل ہے اور نہ زمانہائے تصانیف ہی متعین ہیں بلکہ اس کے خلاف پولس کے بیانات، ان کتابوں کی تاریخی حیثیت، مضامین ومطالب کا باہمی تضاد وتغیر اسی پر شاہد ہیں کہ یہ ہرگز انجیل مسیح یا اس کا حصہ نہیں ہیں اور یہ کہ انجیل نصاریٰ کے ہی ہاتھوں اور تحریف لفظی ومعنوی کا شکار ہوئی اور اس کے بعد مفقود ہوگئی بلکہ ان چہارگان انجیلوں میں سے بھی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ یونانی اور اس سے منقول دوسری زبانوں کے تراجم ہیں جو تبدیلی وتغیر اور نقص وازدیاد کا برابر شکار ہوتے رہے ہیں اور صرف یہی نہیں کہ یہ اناجیل اربعہ انجیل مسیح نہیں ہیں، بلکہ کسی علمی، تاریخی اور مذہبی سند سے ان کا شاگردانِ عیسیٰ کی تصنیف ہونا بھی ثابت نہیں ہے بلکہ بعد کے مصنفین کی تصانیف ہیں البتہ ان تراجم میں مواعظ ونصائح اور مقالات حکمت کے سلسلے میں ایک حصہ ایسا ضرور ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشاداتِ عالیہ سے ماخوذ ہوسکتا ہے۔

بائبل میں تحریف کی مثالیں

قرآن کی پیش گوئی اور اس کی صداقت کا زندہ ثبوت

آیاتِ تحریف

فویل للذین یکتبون الکتب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عنداللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا۔ فویل لھم مما کتبت ایدیھم وویل لھم مما یکسبون (البقرہ:79)

ہلاکی ہے ان کے لیے جو اپنی طرف سے اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ خریدیں اس کے ذریعہ کچھ تھوڑا روپیہ، اس لیے ہلاکی ہے اس کے لیے جو انہوں نے لکھا اور ہلاکی ہے اس کے لیے جو انہوں نے کمایا۔

وقد کان فریق منھم یسمعون کلام اللہ ثم یحرفونہ من بعد ماعقلوہ وھم یعلمون (البقرہ:75)

اور ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اللہ کے کلام کو سنتے ہیں، پھر اس میں رد وبدل کرتے

ہیں۔ اس کے بعد وہ اس کو سمجھتے اور جانتے ہیں۔
یحرفون الکلم من بعد مواضعہ (المائدہ:41)
تحریف کرتے ہیں کلام کی اس جگہ جاننے کے بعد یعنی
ویحرفون الکلم عن مواضعہ (المائدہ:413)
کلام ضرور جانتے ہیں لیکن دوسری جگہ۔ چھپاں کرتے ہیں یا الفاظ کو عبارت میں سے بدل کر دوسری جگہ داخل کرتے ہیں۔
ولا تلبسو الحق بالباطل وتکتموا الحق وانتم تعلمون (البقرہ آیت 42)
اور سچ کو جھوٹ کے ساتھ نہ ملاؤ اور نہ سچ کو چھپاؤ اور تم جانتے ہو۔
تورات اور اناجیل وغیرہ میں جو پیش گوئیاں حضور نبی امی ﷺ کی بعثت' ہجرت اور فتح مکہ اور آپ کے شمائل وخصائل کے متعلق تھیں اہل کتاب ان کو چھپاتے تھے۔ اور رد و بدل کے ذریعے ان پیش گوئیوں کو ختم کرنا چاہتے تھے۔
قرآن کریم نے کئی مقامات پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ تورات اور انجیل میں اہل کتاب نے تحریف کردی ہے' حق اور باطل کو ملا دیا ہے اور آج اس دعویٰ کو مسلمان علماء اور فضلاء ہی نہیں بلکہ عیسائی احبار پادری صاحبان بھی بلاچون وچرا تسلیم کر رہے ہیں۔ اور خود اہل کتاب کی کتاب مقدس اس کی شہادت دے رہی ہے کہ یہ کتاب محرف ہے۔
پر خداوند کی طرف سے بار نبوت کا ذکر تم کبھی نہ کرنا' اس لیے کہ ہر ایک آدمی کی اپنی ہی باتیں اس پر بار ہوں گی' کیونکہ تم نے زندہ خدا رب الافواج ہمارے خدا کا کلام بگاڑ ڈالا ہے۔ عربی میں ہے **اذ قد حرفتم کلام الالہ الحی رب الجنود الھنا (باب 23 فقرہ 36 انجیل یرمیاہ)**
اسی انجیل کی ایک اور شہادت ملاحظہ کریں۔ ''تم کیونکر کہتے ہو کہ تم تو دانشمند ہو اور خداوند کی شریعت ہمارے پاس ہے لیکن دیکھ لکھنے والوں کے باطل قلم نے بطالت پیدا کی ہے۔
(انجیل یرمیاہ باب 8' فقرہ 8)
سرزمین ان کے نیچے جو اس پر بستے ہیں نجس ہوئی کہ انہوں نے شریعتوں کو عدول کیا۔ قانون کو بدلا۔ عہد ابدی کو توڑا اور عربی ایڈیشن میں ہے غیر الشریعۃ اور انگریزی میں ہے۔ **Change the Adience** **(انجیل یسعیاہ 24/5)**
جس کے کاتبوں نے میری شریعت کو بگاڑ ڈالا۔ **(حزقیل 22/26 تازہ تحریف کی)**
ہم بہتوں کے مانند خدا کے کلام میں ملونی نہیں کرتے۔ **(2 کرنتھیون 2/17)**
کتاب مقدس کی شہادت کے بعد تحریف کے لیے کیا ثبوت پیش کیا جائے اور اس سے بڑی کیا شہادت ہوسکتی ہے۔ یہ قرآن کریم کا اعجاز عظیم ہے جو اس طرح ظاہر ہو رہا ہے۔

شواہد تحریف

-1 انجیل متی باب 17 کا فقرہ 21 موجودہ اناجیل سے حذف کردی گئی ہے۔ باب 17 میں فقرہ 20 کے بعد فقرہ 22 درج ہے حالانکہ سابقہ نسخوں میں یہ فقرہ موجود ہے مگر اس طرح کے دیو بغیر دعا و روزہ کے نہیں نکالے جاتے' یہ فقرہ تمام ترمیم شدہ نسخوں سے خارج کردی گئی ہے۔

-2 انجیل متی باب 19 میں سابقہ نسخوں میں ہے' تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے؟ ترمیم شدہ ترجموں میں لکھا ہے تو مجھ سے نیکی کی بات کیوں پوچھتا ہے؟ (باب 19' فقرہ 17)

پادری ڈملو مفسر انجیل لکھتے ہیں۔ یہاں اصل عبارت سے اس لیے فرق کردیا گیا کہ قاری کو یہ خیال نہ ہو کہ عیسیٰ خود کو نیک نہیں مانتا حالانکہ دوسری جگہ ہے نیک تو صرف ایک ہے جس کے معنی ہیں پاک ذات تو صرف ایک ہی ہے۔ یا عربی میں کہا جائے۔ **سبحانہ لا شریک لہ۔**

-3 انجیل مرقس کے آخری باب کا فقرہ 9 تا 20 پادری ڈملو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ بعد میں اضافہ کی گئی ہیں۔ مرقس کا نسخہ ایک زمانہ کے بعد جب دستیاب ہوا تو نامکمل تھا' اس لیے حسب ضرورت تکمیل کے لیے آیات کا جابجا اضافہ کیا گیا۔

انجیل میں اس قسم کی ابتدائی تحریف کا چودہ سو سال قبل عیسائی علماء کو بھی علم نہیں تھا۔ لیکن نبی امی ﷺ کا یہ معجزہ ہے اور قرآن کریم کا یہ اعجاز ہے کہ تورات اور اناجیل کی تحریف کی تصدیق خود اہل کتاب علماء کر رہے ہیں۔ **الفضل ماشهدت به الاعداء۔** فضیلت وہ ہے جس کی شہادت دشمن بھی دے اور فارسی میں کسی نے خوب کہا ہے ۔

حسن آنست کہ ضرہ بکند خود اقبال

-4 انجیل کی تصریح کے مطابق حضرت مریم علیہ السلام کی شادی یوسف سے ہوئی اور یوسف زوج مریم کا نسب نامہ انجیل میں دو جگہ مذکور ہے' ایک انجیل متی باب اوّل میں ہے اس میں یوسف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک چالیس افراد ہیں' اور لوقا باب 3 میں جو نسب نامہ مذکور ہے اس میں یوسف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پچپن اشخاص کے نام ہیں۔ اکثر اصحاب کے نام میں بھی اختلاف ہے۔ اگرچہ نام میں مشہور نام اور اصل نام وغیرہ کا احتمال ہوسکتا ہے۔ بہر حال یہ نسب نامہ قطعی مختلف' متضاد اور متناقض ہے جو انجیل میں صریح تحریف کی بین دلیل ہے یا اس کا ثبوت ہے کہ یہ کتاب مختلف حضرات کے قلم اور فکر کا نتیجہ ہے۔

-5 یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ (باب 5' فقرہ 17)

عبرانیوں کا نام باب 7 فقرہ 17 میں ہے' غرض پہلا حکم کمزور اور بے فائدہ ہونے کے سبب منسوخ ہوگیا۔ یہ صریح متناقض انجیل کے محرف ہونے کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے؟

6- پس خداوند کے بندہ موسیٰ نے خداوند کے کہے موافق وہیں مواب کے ملک میں وفات پائی. اور اس نے مواب کی ایک وادی میں بیت فغفور کے مقابل دفن کیا پر آج تک کسی آدمی کو اس کی قبر معلوم نہیں اور بنی اسرائیل موسیٰ کے لیے مواب کے میدانوں میں تیس دن تک روتے رہے۔ استثناء باب 34 'فقرہ 8,7 فرمایئے یہ عبارت اس کتاب کی ہوسکتی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا نے دی ہے یا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے شاگردوں کو لکھائی ہے۔ یہ عبارت صاف اور واضح طور پر بتا رہی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد کسی نے لکھی ہے۔

7- اور یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ مرد خدا نے اپنے مرنے سے آگے بنی اسرائیل کو بخشی اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا' دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی۔ ہاں وہ اس قوم سے بڑی محبت رکھتا ہے۔ (باب 33 فقرہ 1 تا 2 استثناء)

(مطبوعہ بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور۔ کتاب مقدس مطبوعہ 1916ء)

اس کے بعد 1943ء کی چھپی ہوئی کتاب مقدس میں یہ عبارت اس طرح ہے:

اور مرد خدا موسیٰ نے دعائے خیر دے کر اپنی وفات پہلے بنی اسرائیل کو برکت دی۔ وہ یہ ہے اور اس نے کہا خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا اور کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدوسیوں میں سے آیا۔ اس داہنے ہاتھ پر ان کے لیے آتشی شریعت تھی۔ وہ بے شک قوموں سے محبت رکھتا ہے۔

پہلے نسخہ میں دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آنا اور تاریخ وحدیث میں فتح مکہ کے وقت آپ کے ساتھ دس ہزار صحابہ کا ہونا اس پیش گوئی کے نبی کریم ﷺ پر صادق کرنے کے لیے نہایت واضح اور صاف تھی لیکن موجودہ نسخہ میں دس ہزار کے بجائے لاکھوں کردیا اور ساتھ آیا کے بجائے میں سے آیا۔ گویا کسی فرشتے کا بیان ہے' جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں ان میں سے کوئی فرشتۂ رحمت زمین پر نازل ہوا اور چلا گیا۔ یہ تحریف کا بین ثبوت ہے جو چند سالوں صرف چوتھائی صدی کے زمانہ میں کی گئی ہے۔ ذرا غور فرمایئے اسی امت نے دو ہزار سال میں کیا کیا تحریف نہیں کی ہوگی۔

8- اور ابراہام نے خدا سے کہا کہ کاش اسمٰعیل ہی تیرے حضور جیتا رہے۔ تب خدا نے فرمایا کہ بیشک تیری بیوی سارہ کے تجھ سے بیٹا ہوگا تو اس کا نام اضحٰق رکھنا۔ (پیدائش باب 17' فقرہ 19,18۔) حضرت اسمٰعیل کے سلسلہ میں اس قبل دعا اور برکت وغیرہ کا مفصل بیان موجود ہے اور مزید یہ وضاحت موجود ہے کہ اس روز حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر 99 سال اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر 13 سال تھی۔ اس کے بعد حضرت اسحٰق کی ولادت ہوئی۔

لیکن انجیل پیدائش باب 22 فقرہ 1 تا 19 میں ہے' تب اس نے کہا کہ تو اپنے بیٹے اضحٰق جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے ساتھ لے کر موریاہ کے ملک میں جا اور وہاں اسے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا۔ پہلی آیات میں حضرت اسمٰعیل کے وجود باوجود کے ساتھ حضرت اضحٰق کے پیدا ہونے کی بشارت صاف الفاظ میں موجود ہے۔ لیکن دوسری فقرہ میں حضرت اضحٰق کو اکلوتا بیٹا کہا جارہا ہے' حالانکہ یہاں اکلوتے بیٹے حضرت اسمٰعیل کا نام ہونا چاہیے تھا' جیسا کہ قرآن کریم میں موجود ہے' لیکن عیسائیوں نے تحریف کرتے وقت صرف نام بدل دینا کافی سمجھا۔ حالانکہ جو صفت اکلوتا بیٹا لکھی ہے وہ ان پر صادق نہیں ہوتی' یہ بھی کتاب مقدس میں تحریف کی واضح دلیل ہے۔

9- اور میں باپ سے دریافت کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار (حاشیہ میں وکیل یا شفیع) بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔ (یوحنا باب 14 فقرہ 17)

قرآن کریم میں ہے:

ومبشرا برسول یاتی من بعدی اِسمهٗ احمد (الصف:6)

اور ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہے۔

انجیل یوحنا میں یہ پیش گوئی بڑی وضاحت اور تفصیل سے درج ہے' عیسائی حضرات اس کو روح القدس پر چسپاں کرتے ہیں۔ حالانکہ اس پیش گوئی میں آگے یہ بھی ہے۔

1- تھوڑی دیر باقی ہے کہ دنیا پھر مجھے نہ دیکھے گی۔

2- جسے باپ میرے (بشارت کے) نام سے بھیجے گا۔ وہ تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا وہ سب باتیں یاد دلائے گا۔

3- کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں اور۔

4- دوسری جگہ زیادہ وضاحت ہے کہ میرا جانا ہی تمہارے لیے مبارک ہے۔ میرے بعد آنے والا تمہیں مکمل دین سکھائے گا۔ کیا روح القدس حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت عیسیٰ کی موجودگی میں نہیں آئے۔ یا ان کے بعد حوارین کو تعلیم دینے کے لیے کب آئے اور حضرت ابن مریم کو خدا کا بیٹا ماننے کے بعد دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں' حالانکہ حضرت ابن مریم کی پیدائش روح القدس کے حضرت مریم پر نزول سے ہوئی ہے۔ (لوقا 1' فقرہ 35 قرآن کریم نے بھی اس کو نفخ جبرائیل بتایا ہے۔ حضرت عیسیٰ کی اس بشارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آنے والا حضرت عیسیٰ کی طرح بشکل انسان آئے گا' جو لوگوں میں رہ کر ان کو دین کی مکمل تعلیم دے گا۔

فقرہ مذکورہ میں دوسرا مددگار اور حاشیہ میں شفیع یا وکیل لکھا ہے۔ مطبوعہ 1916ء اور اس کے

بعد 1943ء کی مطبوعہ میں شفیع اور وکیل بھی ختم کر دیا گیا ہے۔ عیسائی علماء بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مددگار یا شفیع یا وکیل جو ترجمہ کیا گیا ہے' وہ دراصل یونانی لفظ پیراکلیٹ (پیرکلوطوس) فارقلیط) کا ترجمہ ہے۔ چنانچہ ابتدائی تراجم میں فارقلیط کا لفظ لکھا گیا ہے اور پیراکلیٹ کے معنی ستودہ اور محمودہ کے ہیں۔ اس لیے اس کا ترجمہ مددگار یا شفیع یا وکیل کرنا غلط ہے بلکہ عبرانی میں لفظ یقیناً احمد اور محمد تھا۔ جس کا ترجمہ یونانی میں کیا گیا اور پھر یونانی۔ سے انگریزی اور اُردو میں کیا گیا۔

اس پیش گوئی میں ہے کہ وہ آئندہ کی خبریں دے گا۔ خبریں دینے والے کو نبی کہتے ہیں۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنے والا نبی ہوگا فرشتہ نہیں ہوگا اور جو کچھ سنے گا وہی کہے گا۔ یہ بھی نبی کے آنے کی دلیل ہے۔ نبی جو خدا سے سنتا ہے وہی کہتا ہے: (النجم: 3) **وما ینطق عن الھوی ان ھوالاوحی یُوحی**۔ اگر روح القدس مراد لیں بقول عیسائیوں کے تو وہ خدا کا اقنومِ ثالث ہے خود خدا ہے وہ کسی سے سنتا ہے۔ نیز وہ باتیں جو حضرت عیسیٰ قوم کو نہیں بتاتے وہ آنے والا بتائے گا۔

کیا حضرت عیسیٰ کے فوراً بعد قوم میں اس قدر اعلیٰ صلاحیت پیدا ہو جائے گی کہ وہ ایسی باتیں قبول کر سکیں گے۔ یہ مطلب اس کا ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ آنے والا دین کی مکمل تعلیم دے گا اور ابد تک ساتھ رہے گا۔ اس کا مذہب منسوخ ہونے والا نہیں ہے' قیامت تک باقی رہے گا اور نبی آخرالزماں سردارِ دو جہاں ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔

قرآن کریم اہل کتاب مستشرقین کی نظر میں

"ہمیں علم ہے کہ دنیا بھر میں ایک بھی کتاب ایسی نہیں جو قرآن کی طرح کامل ہو' اور صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو۔" (سر ولیم میور)

الفضل ماشھدت بہ الاعداء

فضیلت ہے وہ جس کا دشمن بھی اقرار کرے۔

یا حسن آنست کہ ضرہ بلند خود اقبال کے مصداق اسے کہتے ہیں۔

10- انجیل اور تورات میں تحریف کا تازہ ثبوت

یروشلم کے غاروں میں کچھ مخطوطات دستیاب ہوئے ہیں جن میں اناجیل اور تورات کی الواح بھی موجود ہیں جو کانسی کی تختیوں پر کندہ ہیں۔ یہ تختیاں 1956ء مانچسٹر کالج آف ٹیکنالوجی کو بھیجی گئیں اور پروفیسر ایچ رائٹ بیکر نے ان کالے زنگ آلود صفحات کو الگ الگ کر کے بڑی کامیابی کے ساتھ ان کا ترجمہ کیا۔

یہاں یہ بات خالی از دلچسپی نہ ہوگی کہ ان الواح کی اشاعت پر پادریوں نے بڑا ہنگامہ برپا کیا اور عیسائی دنیا میں ان کی اشاعت ممنوع کرا دی گئی۔

اس کا انکشاف 1947ء میں ایک عرب گڈریے سے ہوا جو بحر احمر کے شمال مغربی ساحل پر گھوم رہا تھا۔ اتفاقیہ اس کی نظر ایک غار پر پڑی جس میں قدیم مسودات تھے جو اس نے بیت اللحم کے تاجروں کو فروخت کر دیئے، جن میں سے مخطوطات یروشلم کی عبرانی یونیورسٹی نے خرید لیے۔ باقی تین مرقس کی خانقاہ (یروشلم) میں داخل کر دیئے گئے۔ وہاں سے امریکہ پہنچے اور امریکہ کے سکول آف اورینٹل ریسرچ نے انہیں شائع کر دیا۔ مکرر 1949ء میں ان دستاویزات کے بارے میں امریکی جرنل میں مصور مضمون شائع ہوا۔ چنانچہ اس کی نشاندہی پر حکومت اردن کی جانب سے غار کی تلاش شروع ہوئی اور عرب لیجن نے بالآخر اس کو تلاش کر لیا۔ اردن کے محکمہ آثار قدیمہ نے فرانس کے محکمہ آثار قدیمہ کے تعاون سے غاروں کی تحقیق شروع کی اور کامیابی ہوئی۔ ایک بڑا ذخیرہ چمڑہ اور کانسی کی تختیوں پر لکھا ہوا ملا، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحائف کی ایک کتاب بھی شامل ہے۔ یہ تمام الواح جس وقت دنیا کے سامنے آئیں گی اس وقت عیسائی احبار کی تحریف سے دنیا پوری طرح باخبر ہوگی اور ہمیں امریکہ کے علم دوست حضرات سے یہ توقع ہے کہ بہت جلد ان کی اشاعت کی جائے گی۔ تلک عشرة کاملہ

11- تحریف کی ایک مثال:

قانون کو بدلا کے بجائے آئین منحرف ہوئے کے الفاظ لکھے ہیں: 24/5

(2) ''شریعت کو بگاڑا'' کی بجائے شریعت کو عدول کیا۔ حزقیل 22/301

12- بائبل مقدس میں اضافہ

اور گواہی دینے والے تین ہیں۔ روح اور پانی اور خون۔ اور یہ تینوں ایک ہیں۔ یوحنا 5.8

اس فقرہ پر بنجمن ولسن نے نوٹ لکھا ہے۔ یہ حوالہ جو آسمانی گواہوں کے بابت دیا ہوا ہے وہ پانچویں صدی سے پہلے لکھے ہوئے کسی بھی یونانی صحیفے میں درج نہیں ہے۔ مذہبی کتابوں کے یونانی مصنفوں نے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا اور نہ ہی قدیمی لاطین کے پادریوں نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اگر انہوں نے ایسے مضمون لکھے ہوتے تو ضرور تھا کہ وہ اس کا ثبوت بھی پیش کرتے۔ لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ یہ حوالہ اضافہ ہے۔'' (دی رمفک ڈایا گلاٹ گریک انگلش)

13- یوحنا 8/1 تا 11 جس میں ایک (زنا کار عورت کے پکڑے جانے کا ذکر ہے) کے متعلق لکھا ہے کہ یہ عبارت قلمی نسخوں میں نہیں پائی جاتی۔ یوحنا کا حوالہ ملاحظہ ہو۔ ''پھر ان میں سے ہر ایک اپنے گھر چلا گیا۔ مگر یسوع زیتون کے پہاڑ کو گیا۔ صبح سویرے ہی وہ پھر ہیکل میں آیا اور سب لوگ اس کے پاس آئے اور وہ بیٹھ کر انہیں تعلیم دینے لگا۔ اور فقیہ اور فریسی ایک عورت کو لائے جو زنا میں پکڑی گئی تھی اور اسے بیچ کھڑا کر کے یسوع سے کہا۔ اے استاد یہ عورت زنا میں عین فعل کے وقت پکڑی گئی ہے۔ توریت میں موسیٰ نے ہم کو دیا کہ ایسی

عورتوں کو سنگسار کریں۔ پس تو اس عورت کی نسبت کیا کہتا ہے' انہوں نے اسے آزمانے کے لیے یہ کہا تا کہ اس پر الزام لگانے کا کوئی سبب نکالیں۔ مگر یسوع جھک کر انگلی سے زمین پر لکھنے لگا' جب وہ اس سے سوال کرتے ہی رہے تو انہوں نے سیدھے ہو کر ان سے کہا کہ تم میں سے جو بے گناہ ہو وہی پہلے اسے پتھر مارے اور پھر جھک کر انگلی سے زمین میں لکھنے لگا۔ وہ یہ سن کر بڑوں سے لے کر چھوٹوں تک ایک ایک کر کے نکل گئے اور یسوع اکیلا رہ گیا اور عورت بیچ میں رہ گئی۔ یسوع نے سیدھے ہو کر اس سے کہا اے عورت یہ لوگ کہاں گئے' کیا کسی نے تجھ پر حکم نہیں لگایا۔ اس نے کہا۔ اے خداوند کسی نے نہیں۔ یسوع نے کہا میں بھی تجھ پر حکم نہیں لگاتا جا پھر گناہ نہ کرنا۔ اس تمام عبارت کے متعلق بائبل مقدس مطبوعہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور میں لکھا ہے کہ یہ قلمی نسخوں میں موجود نہیں۔

-14 حوالہ انجیل مرقس 10/2049

''ہفتہ کے پہلے روز جب وہ سویرے جی اٹھا تو مریم مگدلینی کو جس میں سے اس نے سات بدروحیں نکالی تھیں دکھائی دیا۔

غرض خداوند یسوع اپنے کلام کرنے کے بعد آسمان پر اٹھایا گیا اور خدا کی داہنی طرف بیٹھ گیا۔ پھر انہوں نے نکل کر ہر طرف منادی کی اور خداوند یسوع ان کے ساتھ کام کرتا رہا اور کلام کو ان معجزوں سے جو ساتھ ساتھ ہوتے تھے' ثابت کرتا رہا۔

لیکن اس عبارت کے متعلق نیو ورلڈ ٹرانسلیشن نیو ٹسٹمنٹ میں لکھا ہے کہ باب 16 کی 9 فقرہ سے لے کر 20 فقرہ تک قدیم نسخوں میں نہیں پائی جاتیں۔

(دی انگلش مین گریک کنکارڈنس آف دی نیو ٹسٹمنٹ زیر عنوان (ریُنس ریڈینگر) بانی اسلام کی زبانِ فیض ترجمان سے اللہ نے یہ اعلان کروایا کہ **یحرفون الکلم عن مواضعہ** کہ یہود نصاریٰ اپنی کتاب میں اب بھی تحریف کرتے ہیں اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے اور دوسری جگہ فرمایا: **لا یزال تطلع علی خائنۃ** اور ہمیشہ محمد ﷺ کے امتی نصاریٰ کی خیانت پر واقف رہیں گے۔

-15 (متی 1-11) یوسیاہ سے یکونیاہ اور اس کے بھائی پیدا ہوئے' حالانکہ تاریخ اوّل میں (16:3) یکونیا کو یوسیاہ کا پوتا لکھا ہے۔ نیز متی نے یکونیاہ کے بھائی لکھے ہیں حالانکہ تاریخ اوّل میں اس کے کسی بھائی کا ذکر نہیں بلکہ یکونیاہ اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔

-16 (متی 12:1) سیالتی ایل سے زربابل پیدا ہوا' حالانکہ زربابل سیالتی ایل کا بیٹا نہ تھا بلکہ اس کا بھتیجا تھا۔ وہ فدایاہ کا بیٹا تھا۔ دیکھو تاریخ اوّل 19:18:3

-17 (متی 13:1) ''زربابل سے ابیہود پیدا ہوا'' حالانکہ زربابل کے کسی بیٹے کا نام ابیہود نہ تھا۔ دیکھو تاریخ اوّل 19:3

(متی 6:1) میں حضرت عیسیٰ کو حضرت سلیمان کی اولاد میں شمار کیا گیا ہے اور لوقا 31:3 میں ناتن کی اولاد میں سے لکھا ہے۔ حالانکہ حضرات ناتن اور سلیمان دونوں بھائی تھے۔ دیکھو 2 سموئیل 14:5 ان کے علاوہ ان ہی ابواب میں اور بھی غلطیاں ہیں۔ ان غلطیوں کے بعد اختلافی آیات ملاحظہ فرمائیے:

-18 (متی 2:21) اپنے سامنے کے گاؤں میں جاؤ' وہاں پہنچتے ہی ایک گدھی بندھی ہوئی اور اس کے ساتھ بچہ پاؤ گے' انہیں کھول کر میرے پاس لے آؤ۔"

(مرقس 2:11) اور ان سے کہا کہ اپنے سامنے کے گاؤں میں جاؤ اور اس میں داخل ہوتے ہی ایک گدھی کا بچہ بندھا ہوا تمہیں ملے گا جس پر کوئی آدمی اب تک سوار نہیں ہوا۔ اسے کھول لاؤ۔" ان دونوں آیات سے اختلاف ظاہر ہے۔

-19 (متی 5:14) اور وہ ہر چند اسے قتل کرنا چاہتا تھا۔ مگر عام لوگوں سے ڈرتا تھا' کیونکہ وہ اسے نبی جانتے تھے۔" (مرقس 20:6) "کیونکہ ہیرودیس یوحنا کو راستباز اور مقدس آدمی جان کر اس سے ڈرتا اور اسے بچائے رکھتا تھا اور اس کی باتیں سن کر بہت حیران ہو جاتا تھا مگر سنتا خوشی سے تھا۔"

ان دونوں مقامات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

-20 (متی 10:9:10) "نہ سونا اپنے کمر بند میں رکھنا' نہ چاندی' نہ پیسے' راستے کے لیے نہ جھولی لینا۔ نہ دو دو کرتے' نہ جوتیاں' نہ لاٹھی' کیونکہ مزدور اپنی خوراک کا حقدار ہے۔"

(مرقس 9:8:6) "اور حکم دیا کہ راستہ کے لیے لاٹھی کے سوا کچھ نہ لو' نہ روٹی' نہ جھولی نہ اپنے کمر بند میں پیسے مگر جوتیاں پہنو اور دو دو کرتے نہ پہنو۔"

دیکھئے جناب متی کے فرمان کے مطابق سفر میں کچھ بھی نہیں لینا چاہیے اور جناب مرقس کے نزدیک سفر میں جوتیاں پہننی اور لاٹھی لینی چاہیے۔ دیکھو دونوں حکموں میں کتنا اختلاف ہے۔

تحریف و تضاد

سموئیل دوم	تاریخ
21- باب 8 فقرہ 4 اور داؤد نے اس کے ایک ہزار سال سو سوار اور بیس ہزار پیادے پکڑ لیے۔"	باب 8 فقرہ 4 اور داؤد نے اس کے ایک ہزار رتھ اور سات ہزار سوار اور بیس ہزار پیادے لے لیے۔"

دونوں میں ایک یقیناً غلط ہے

22- باب 10، فقرہ 18 اور ارامی اسرائیلیوں کے سامنے سے بھاگے اور داؤد نے ارامیوں کے سات سو رتھوں کے آدمی اور چالیس ہزار سوار قتل کر ڈالے اور ان کی فوج کے سردار سوبک کو ایسا مارا کہ وہ وہیں مر گیا۔

باب 19: فقرہ 18 ''اور ارامی اسرائیل کے سامنے سے بھاگے اور داؤد نے ارامیوں کے سات ہزار رتھوں کے سواروں اور چالیس ہزار پیادوں کو مار ڈالا اور لشکر کے سردار سوفک کو قتل کیا۔''

دیکھو اس جگہ بھی ایک غلط ہے

23- 13:24 ''سو جاد نے داؤد کے پاس جا کر اس کو یہ بتایا اور اس سے پوچھا کیا تیرے ملک میں سات برس قحط رہے یا تو تین مہینوں تک اپنے دشمنوں سے بھاگتا پھرے اور وہ تجھے رگیدیں یا تیری مملکت میں تین دن تک مری ہو۔''

21:11-12 ''سو جاد نے داؤد کے پاس آ کر اس سے کہا۔ خداوند یوں فرماتا ہے کہ تو جسے چاہے اسے چن لے یا تو قحط کے تین برس یا اپنے دشمنوں کے آگے تین مہینے تک ہلاک ہوتے رہنا۔ ایسے حال میں کہ تیرے دشمنوں کی تلوار تجھ پر وار کرتی رہے یا تین دن تک خداوند کی تلوار۔

اس مقام پر یقیناً ایک غلط ہے

سلاطین اوّل

24- 4:26 ''اور سلیمان کے ہاں اس کے رتھوں کے لیے چالیس ہزار تھان اور بارہ ہزار سوار تھے۔''

تاریخ دوم

9:25 ''اور سلیمان کے پاس گھوڑوں اور رتھوں کے لیے چار ہزار تھان اور بارہ ہزار سوار تھے۔''

دیکھئے اس مقام پر کتنی زبردست غلطی ہے

25- 5:15 ''اور سلیمان کے ستر ہزار بوجھ اٹھانے والے اور اسی ہزار درخت کاٹنے والے پہاڑوں میں تھے' ان کے علاوہ سلیمان کے تین ہزار تین سو خاص منصب دار تھے۔''

2:2 ''اور سلیمان نے ستر ہزار باربردار اور پہاڑ میں 80 ہزار پتھر کاٹنے والے اور تین ہزار چھ سو آدمی ان کی نگرانی کے لیے گن کر ٹھہرا دیئے۔''

اس مقام پر بھی ایک غلط ہے

26- 7:26 ''اور دل اس کا چار انگل تھا اور اس کا کنارہ پیالہ کے کنارہ کی طرح گل سوسن کی مانند تھا اور اس میں دو ہزار بت کی سمائی تھی۔

5:4 ''اس کی موٹائی چار انگل کی تھی اور اس کا کنارہ پیالے کے کنارہ کی طرح اور سوسن کے پھول کے مشابہ تھا۔ اس میں تین ہزار بت کی سمائی تھی۔''

اس جگہ بھی ایک غلط ہے

سلاطین دوم	تاریخ دوم
27- 26:7 ''اخزیاہ بائیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا اور اس نے یروشلم میں ایک برس سلطنت کی۔''	2:22 ''اخزیاہ بیالیس برس کا تھا' جب وہ سلطنت کرنے لگا تو اس نے یروشلم میں ایک برس سلطنت کی۔''

اگر تاریخ دوم 2:22 کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ اخزیاہ اپنے باپ یہورام سے دو سال بڑا تھا۔ جیسا کہ اسی کتاب 20:21 سے ظاہر ہے کہ اخزیاہ کا باپ یہورام چالیس سال کی عمر میں فوت ہوگیا تھا۔ اس وقت اخزیاہ کی عمر بیالیس برس تھی۔ اس پر لطف یہ کہ اخزیاہ اپنے باپ یہورام کا سب سے چھوٹا لڑکا تھا۔

28- 8:24 اور یہویاکین جب سلطنت کرنے لگا تو اٹھارہ برس کا تھا۔	9:36 ''یہویاکین آٹھ برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا۔

ان دونوں فقروں میں سے ایک ضرور غلط ہے

29-8:24 تین مہینے	9:36 تین مہینے دس دن

عزرا	نحمیاہ
30-8:2 ''بنی رتو نوسو پنتالیس''	13:7 ''بنی رتو آٹھ سو پنتالیس''

ان دونوں میں ایک یقیناً غلط ہے

31- 15:20 ''بنی عدن چارسو چون''	20:7 ''بنی عدین چھ سو پچپن۔''

اس جگہ بھی ایک یقیناً غلط ہے

32-12:2 ''بنی عزجاد ایک ہزار دوسو بائیس۔''	17:7 ''بنی عزجاد دو ہزار تین سو بائیس۔''

ان دونوں میں ایک یقیناً غلط ہے

سلاطین دوم	تاریخ دوم
33-17:14 میں صدقیاہ کو یہویاکین کا چچا لکھا ہے۔	1:36 میں صدقیاہ کو یہویاکین کا بھائی لکھا ہے۔

دیکھئے دونوں میں کس قدر اختلاف ہے

34-21:14 میں عزریاہ لکھا ہے۔	1:26 میں عزیاہ لکھا ہے۔

اس جگہ عزیاہ غلط ہے تسکین کے لیے دیکھئے تاریخ اول 12:3

35-24:8 میں اخزیاہ لکھا ہے	تاریخ دوم 17:21 میں یہوآخز لکھا ہے۔

اس جگہ اخزیاہ صحیح یہوآخز غلط ہے۔ دیکھئے تاریخ اوّل 3:11

36- تاریخ اوّل 21:1 میں ہے۔"اور شیطان نے اسرائیل کے خلاف اٹھ کر داؤد کو اُبھارا کہ اسرائیل کا شمار کرے۔"

سموئیل دوم 24:1 میں ہے۔"اس کے بعد خداوند کا غصہ اسرائیل پر پھر بھڑکا اور اس نے داؤد کے دل کو ان کے خلاف یہ کہہ کر ابھارا کہ جاکر اسرائیل اور یہودہ کو گن۔"

دیکھئے کہاں خداوند تعالیٰ اور کہاں شیطانِ لعین بعض لوگ سادہ لوحی کی وجہ سے فرما دیا کرتے ہیں کہ اس مقام پر شر کا ذکر اور شر کی نسبت شیطان ہی کی طرف ہو سکتی ہے اس لیے اس مقام پر خداوند کا لفظ شیطان پر بولا گیا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

بائبل کے الہامی ہونے پر ایک نظر

اہلِ کتاب حضرات بائبل کو الہامی کتاب ثابت کرنے کے لیے یہ فقرہ پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ نبوت کی کوئی بات آدمی کی خواہش سے کبھی نہیں ہوئی۔ بلکہ آدمی روح القدس کی تحریک کے سبب سے خدا کی طرف سے بولتے تھے۔ (2 پطرس 21:1)

عربی ایڈیشن میں ہے:

لانہ لم تات نبوۃ قط بمشیۃ انسان بل تکلم اناس اللہ القدیسون مسوقین من الروح القدس

اسی طرح عہد نامہ قدیم میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ خدا کا کلام مجھ پر نازل ہوا۔ خدا مجھ سے ہم کلام ہوا لیکن ان تمام آیات و الفاظ سے یہ ثبوت نہیں ملتا۔ یہ کتابیں خداوند تعالیٰ کی طرف سے یا روح القدس کی طرف سے لکھوائی گئی ہیں۔

اہل اسلام کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ تمام پیغمبر سچے تھے، اور انہوں نے شریعت کی تعلیم اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارشاد سے دی ہے اور منصب رسالت خود اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں۔ انسانی کوشش سے حاصل نہیں ہوتا۔

1- لیکن موجودہ کتب کے ملہم جن پر الہام کیا گیا اور کاتب جنہوں نے لکھی ہے ان کا بھی علم نہیں ہے۔ اس صورت میں ان کے الہامی ہونے کا دعویٰ سراسر باطل اور دریدہ دہنی ہے۔

2- عہد نامۂ قدیم میں کسی جگہ یہ نہیں ہے کہ یہ کتابیں روح القدس نے لکھوائی ہیں اور الہامی ہیں۔

3- اس زمانہ میں خداوند تعالیٰ تثلیث میں منقسم نہ تھا۔ روح القدس کا تو چند مقامات پر ذکر ہے لیکن کتابیں لکھوانے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

4- انبیاء روح القدس کی ہدایت سے بولتے تھے لیکن کتابیں لکھنے یا لکھوانے کا کوئی ذکر نہیں

ہے۔

5- واعظ 12-12 کا فقرہ ''بہت کتابیں بنانے کی انتہا نہیں اور بہت پڑھنا جسم کو تھکا دیتا ہے۔'' اس میں بے شمار کتابوں کے بنانے کا ذکر ہے۔ چند کتابیں کیوں انتخاب کی گئی ہیں۔ پھر یہ الفاظ کہہ رہے ہیں۔ یہ الہامی کتب کے متعلق نہیں ہے بلکہ وعظ و نصیحت کی زیادہ کتابوں سے کیا فائدہ' عمل کرنے اور نصیحت کرنے کی ضرورت ہے' چونکہ اس پہلے فقرہ میں ہے اے میرے بیٹے اس سے نصیحت پذیر ہو۔

6- پھر یہ خط بھی علماء نصاریٰ کے نزدیک مشکوک ہے' اس کو سند کا درجہ دینا ہرگز جائز نہیں ہو سکتا۔

7- بائبل کے تضاد' اغلاط اور اختلافات جو ہم نے بیان کیے ہیں' وہ اس کی بین دلیل ہیں کہ یہ کوئی الہامی کتاب نہیں ہے بلکہ چند نامعلوم اور مجہول مؤلفوں کی بے سند تالیف ہے' اس دلیل کی طرف قرآن کریم میں اشارہ موجود ہے کہ اگر یہ کلام الٰہی نہ ہوتا تو اس میں اختلاف پائے جاتے۔ چنانچہ بائبل کے اختلافات اس کے غیر الہامی ہونے کے لیے واضح ثبوت ہیں۔

عہد نامہ قدیم اور جدید کو کتب مقدسہ قرار دیتے ہوئے بنی اسرائیل نے روح القدس کی ہدایت پر عمل نہیں کیا بلکہ اس فقرہ کے مصداق ہے۔

''سن اے آسمان اور کان لگا اے زمین کہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ میں نے لڑکوں کو پالا اور پوسا پر انہوں نے مجھ سے سرکشی کی۔ بیل اپنے مالک کو پہچانتا ہے اور گدھا اپنے صاحب کی چرنی کو لیکن بنی اسرائیل نہیں جانتے۔ میرے لوگ کچھ نہیں سوچتے۔ آہ خطا کار گروہ' بدکاری لدی ہوئی قوم' بدکاروں کی نسل' مکار اولاد جنہوں نے خداوند کو ترک کیا اسرائیل کے قدوس کو حقیر جانا اور گمراہ و برگشتہ ہو گئے۔

(یسعیاہ 1:2-5)

اور انبیاء اور کاہنوں کا حال یہ ہے کہ:

''نبی جھوٹی نبوت کرتے ہیں۔'' (یرمیاہ 5:30)

''چھوٹوں سے بڑوں تک سب کے سب لالچی ہیں اور نبی سے کاہن تک ہر ایک دغاباز ہے۔'' (یرمیاہ 6:13)

وہ صرف ہونٹوں سے خدا کی تعظیم کرتے تھے لیکن ان کے دل خدا تعالیٰ سے دُور تھے۔ (یسعیاہ 29:13) وہ خدا کے کلام کو رد کرتے تھے۔ (یرمیاہ 8:9) یرمیاہ خود بھی جھوٹ بولتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو یرمیاہ آخر باب 38) یہ مشتے نمونہ از خروارے ہے۔

ایسے لوگوں کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کا کلام صحیح صحیح محفوظ رکھ کر ہم تک پہنچایا ہوگا اور انہیں الٰہی ہدایت حاصل ہوگی' ایک احمقانہ حرکت ہے۔ بنی اسرائیل اگر رحیم و کریم خدا باپ کو نہیں پہچانتے تھے تو ان کے کلام کی ان کے ہاں کیا وقعت ہوگی۔

یہودی علماء کی جو جماعت کتب مقدسہ تحریر کیا کرتی تھی اس کے بارے میں خدا فرماتا ہے:
''دیکھ لکھنے والوں کے باطل قلم نے بطالت پیدا کی۔'' (یرمیاہ 8:8)

روح القدس کی ہدایت پانے کا معیار بھی ایک معمہ ہے۔ پولس رسول اکرنتی 12:3 میں کہتے ہیں کہ جو کوئی خدا کی روح کی ہدایت سے بولتا ہے وہ نہیں کہتا کہ یسوع ملعون ہے لیکن گلتیوں کے نام خط میں خود ہی عیسیٰ کو لعنتی کہتے ہیں (13:3) بلکہ تمام عیسائی علماء بھی عیسیٰ کو لعنتی اور مردود کہتے ہیں۔ روحانی مسرت وانبساط محسوس کرتے ہیں۔ (نمونہ کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر مرقس صفحہ 231)

بعض عیسائی علماء کہتے ہیں کہ عیسیٰ ملعون نہیں تھا بلکہ وہ ہمارے واسطے ایسا بنا اور شمار کیا گیا۔

عیسائی علماء الہام کی جو تعریف کرتے ہیں۔ اس کی رو سے رسولوں کے خطوط الہام سے خارج ہو جاتے ہیں کیونکہ انہوں نے ان خطوط کا مواد دے کر کتابوں' رسالوں' پاروں اور طوماروں سے منتخب نہیں کیا بلکہ یہ ان کے اپنے جذبات اور خیالات ہیں۔

حسب ذیل دلائل کی بنا پر معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں کے روح القدس پانے اور بالخصوص اس کی ہدایت سے کتابیں لکھنے کا خیالِ خام محض ایک وہم اور ڈھکوسلا ہے۔

-1 بائبل کی کسی کتاب کا کوئی مصنف بھی یہ نہیں کہتا کہ میں روح القدس کی ہدایت سے لکھ رہا ہوں اور یہ کہ یہ الہامی کلام ہے بلکہ انہوں نے تو ان کتابوں کو یہ سوچ کر بھی نہیں لکھا تھا کہ ہم کسی مقدس کتاب کی بنیاد رکھ رہے ہیں۔ (ملاحظہ ہو انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا۔ جلد 3 صفحہ 872 مطبوعہ 11-1910ء) اب اگر کوئی ان کے بارے میں روح القدس کی ہدایت سے لکھنے کا عقیدہ رکھے تو مدعی سست گواہ چست کا مصداق ہوگا۔

-2 پادری ولیم میچن عیسائی مسائل کے صفحات 12-13 پر لکھتے ہیں:

''مسلمان علماء کے نزدیک خدا اپنا کلام بذریعہ وحی نازل کرتا ہے۔ یعنی اس کا ہر ہر لفظ خدا کی طرف سے نازل ہوتا ہے۔ اس کا دوسرا نام الہام باللفظ ہے' کیا عیسائیوں کو لازم ہے کہ بائبل کے حق میں ایسا ہی خیال کریں؟ بے شک ایک زمانہ تھا کہ تقریباً سب عیسائی علماء کا یہ اعتقاد تھا لیکن عیسائی کلیسا کے ابتدائی زمانے میں ایسا نہ تھا۔ اس وقت یہ خیال تھا کہ کتب مقدسہ کے مضامین خدا کے الہام سے لکھے گئے۔ پر جہاں تک معلوم ہوسکتا ہے یہ خیال نہ تھا کہ ہر لفظ روح القدس نے لکھا ہے۔''

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ عیسائی علماء کا خیال کبھی کچھ ہوتا ہے اور کبھی کچھ ہوتا ہے اگر انہیں روح القدس یا خداوند کی ہدایت حاصل تھی تو وہ اس طرح الکل پچو عقائد پر کیوں ایمان رکھتے؟

-3 کارتھیج کونسل جس نے عہد جدید کو کتب مقدسہ قرار دیا' یہ نہیں کہا تھا کہ ان کتابوں کو چننے میں روح القدس نے ہماری رہنمائی کی ہے۔ بلکہ جیسا کہ فاؤنڈر صاحب بتاتے ہیں انہوں نے

اپنے باپ دادا سے پایا تھا کہ یہ کتابیں کلیسا میں پڑھائی جاتی ہیں۔ اس سے زیادہ کونسل کے متعلق یہ دعویٰ کرنا کہ وہ روح القدس کی رہنمائی سے فیضیاب اور ہدایت یاب تھی، قطعی بے اصل اور بے سند ہے۔

-4 صفحہ 16 پر ولیم میچن صاحب گوہر فشانی فرماتے ہیں:

"پس سو برسوں کی کوششوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہم پاک نوشتوں کی بابت اپنے باپ دادا سے بہت زیادہ علم رکھتے ہیں۔ اب ہم جانتے ہیں کہ پاک نوشتے خاص کر عہد جدید کی کتابیں معتبر ہیں۔ نئے عہد نامہ کی صرف ایک کتاب مشکوک رہی ہے۔ یعنی پطرس کا دوسرا خط اور یہ کتاب سینکڑوں برس پیشتر مشکوک مانی جاتی تھی۔"

یہاں سوالات پیدا ہوتے ہیں:

(الف) اگر انہیں روح القدس کی ہدایت سے لکھا گیا تھا تو ان کے کم یا زیادہ معتبر ہونے کا کیا مطلب ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ پادری صاحبان نے محض اپنے آپ کو جھوٹی تسلی دینے اور سادہ لوح عوام کو بہکانے کے لیے یہ عقیدہ گھڑا ہے ورنہ اس کی حقیقت کچھ نہیں ہے۔

(ب) کارتھیج کونسل کو روح القدس کی ہدایت حاصل نہیں تھی اور اگر تھی تو پطرس کا دوسرا خط کیوں مشکوک سمجھا جاتا ہے؟ اور کس بنیاد پر؟ ادھر انسائیکلوپیڈیا برٹینکا بہت سی مجالس کا ذکر کر کے لکھتا ہے:

"اس پر دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ عیسائی کتب مقدسہ کا انتخاب منزہ عن الخطاء ہے۔"

(جلد نمبر 3، صفحہ 878 مطبوعہ 11-1910ء)

-5 ان کتابوں کو روح القدس کی ہدایت سے نہ لکھنے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ان کی بعض پیش گوئیوں کو وقت نے غلط ثابت کر دکھایا ہے مثلاً

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو یہاں کھڑے ہیں ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جب تک ابن آدم کو اس کی بادشاہی آتے ہوئے نہ دیکھ لیں گے موت کا مزہ ہرگز نہ چکھیں گے۔"

(متی 28:16)

پولس رسول کہتا ہے:

"چنانچہ ہم تم سے خداوند کے کلام کے مطابق کہتے ہیں کہ ہم جو زندہ ہیں اور خداوند کے آنے تک باقی رہیں گے سوئے ہوؤں سے ہرگز آگے نہ بڑھیں گے۔" (اتسلونیکیوں 15:4)

اگر یہ کلام روح القدس کی ہدایت سے لکھا جاتا تو ہرگز خلاف واقعہ نہ ہوتا۔

-6 جیسا کہ ڈملو صاحب اپنی تفسیر کے دیباچہ میں بتاتے ہیں ابتدائی عیسائی عقیدہ رکھتے تھے کہ عیسیٰ ان کی موجودگی میں ہی آئے گا۔

-7 بائبل کی کچھ کتابوں میں بعض انسانی صفات خدا تعالیٰ سے منسوب کی گئی ہیں۔ مثلاً خدا کا

ٹھنڈے وقت باغ میں ٹہلنا (پیدائش 8:3) خدا کا ملول ہونا (پید 6:6) کشتی لڑنے میں یعقوب کا خدا پر غالب آنا۔ (پیدائش 28:32) پادری ڈملو اپنی تفسیر میں آخری موقع پر لکھتے ہیں:

"بہ مشکل ہی شک کیا جاسکتا ہے کہ مصنف جسمانی کشتی خیال کر رہا تھا۔ اپنے زمانے کے لوگوں کی طرح خدا کی بالکل روحانی فطرت کے نظریہ کو وہ بھی نہیں سمجھتا تھا اور خدا کو جسم رکھنے والا ہی خیال کرتا تھا۔"

یہ لوگ جو خدا کے الہام اور اوصاف کو سمجھنے میں عوام کالانعام کی طرح تھے تو ان پر الہام اور ہدایت آنے سے کیا فائدہ۔

8- یہودی جن کی یہ کتابیں (عہد عتیق) ہیں وہ تو یہ عقیدہ نہیں رکھتے' کہ ان کو روح القدس خداوند نے لکھایا تھا۔

صحت متن

ان حقائق کا سب عیسائی علماء کو اعتراف ہے کہ بائبل کے بعض کلمات میں اختلاف موجود ہے۔ ایک کتاب کے فقرے دوسری کتاب کے فقروں سے متناقص ہے۔ کاتبوں کے حالات' اس زمانے کے مقاصد و غایات' زبانوں کا فرق' حالات کے تفرقہ اور کاتبوں کی غلطیوں وغیرہ نے متن کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو اثمار شیریں صفحہ 25۔ اور انسائیکلو پیڈیا برٹینکا جلد 3 مطبوعہ 1768ء مضمون Bible)

پادری صاحب صاف طور پر مانتے ہیں کہ بائبل انسانی ہاتھوں کا شکار رہی ہے اور وہ اس میں حسب خواہش گھٹاتے بڑھاتے رہے ہیں اور یہ کہ بائبل کا متن ہمارے پاس اپنی اصل شکل میں موجود نہیں ہے اور یہ کہ اسے حاصل کرنے کے لیے ہم آئے دن اس میں قطع و برید کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ چالیس علماء نے تیرہ سال کی عرق ریزی کے بعد عہد جدید کا جو انگریزی ترجمہ اس سال شائع کیا ہے اس میں تقریباً ایک ہزار الفاظ گھٹائے بڑھائے گئے ہیں اور کتاب مرقس کی آخری 12 آیات جعلی قرار دے کر متن سے خارج کردی ہیں۔

مختلف زبانوں کے تراجم کے اختلافات کو بھی علماء تسلیم کرتے ہیں۔ مثلاً استثناء 2:33 مطبوعہ 1916ء میں ہے۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔ اس کے بعد 1940ء کے ایڈیشن میں ہے "وہ لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔"

لیکن انگریزی تراجم میں:

"وہ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔"

لکھا ہے۔ مثلاً دیکھو۔ Scofield's Reference Bible: 1917

انگریزی ترجمہ کی رو سے فتح مکہ کی پیش گوئی ثابت ہوتی ہے۔ رومن کیتھولک اردو ترجمہ میں

یہ عبارت ہے۔

''وہ مریمؑ قادیش سے آیا'' نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

انجیل میں تحریف و تصریف کی زندہ مثال یوحنا فقرات 53:7 اور 8:1-11 ہیں۔ جن میں ایک زانیہ عورت کا قصہ ہے۔ اس کے بارے میں پادری سکافیلڈ لکھتے ہیں کہ یہ فقرات کچھ نہایت قدیم نسخوں میں نہیں ملتی۔ آگسٹائن بتاتا ہے کہ اس واقعہ کو مقدس کہانی کی کئی کاپیوں سے اس منافقانہ ڈر سے خارج کر دیا گیا تھا کہ اس سے بداخلاقی کا سبق ملتا ہے۔ دی نیو انگلش بائبل میں یہ واقعہ انجیل یوحنا کے آخر میں الگ پیراگراف کی صورت میں درج کیا گیا ہے۔

قدامت و اصلیت اناجیل اربعہ حصہ اوّل کے صفحہ 168 پر آرچ ڈیکن بیؔ اور منتخبہ اناجیل کی قدامت و اصلیت ثابت کرنے کے لیے پینترا بدلتے ہیں:

''گزشتہ ابواب سے ظاہر ہوگیا ہے کہ انجیل نویسوں نے چشم دید گواہوں کے بیانات کو قلم بند کیا ہے۔ ہر انجیل نویس کے پاس مختلف ماخذ تھے۔ اگرچہ ان میں سے بعض نے ایک ہی ماخذ استعمال کیا ہے۔ چونکہ یہ مختلف ماخذ مختلف چشم دید گواہوں کے بیانات تھے۔ پس قدرتاً ان کے بیانات کی تفصیل میں اختلاف تھا۔ پس جب یہ انجیل نویس ایک ہی واقعہ کو بیان کرتے ہیں تو چونکہ ان کے ماخذ مختلف تھے۔ لہٰذا ان اناجیل کے بیانات کی تفصیل میں اختلاف کا ہونا ایک لازمی اور ناگزیر امر تھا۔ مثلاً صلیبی واقعہ کی تفصیلات میں اختلاف ہے' چنانچہ پہلی تین انجیلوں میں مرقوم ہے کہ شمعون نے آں خداوند اپنی صلیب آپ اٹھائے ہوئے قتل گاہ کو گئے۔ اس قسم کے تفصیلی اختلافات ہر واقعہ کے چشم دید گواہوں کے بیانات میں پائے جاتے ہیں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اگر گواہوں کے بیانات کی تفاصیل میں اختلافات نہ ہوں تو عدالت کے فاضل جج ان بیانات کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہیں کیونکہ یہ قدرتی بات ہے کہ ہر گواہ اپنے خصوصی زاویۂ نگاہ سے واقعہ کو دیکھے اور اس کو بیان کرے اور یہ بیانات کے اختلاف کا موجب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ رائٹ آنریبل لارڈ شا جو لارڈ آف اپیل رہ چکے ہیں کہتے ہیں ''ہر شخص اور بالخصوص ہر جج پر (جس کا سابقہ شہادت اور گواہی سے پڑتا ہے) یہ بات فوراً ظاہر ہو جاتی ہے کہ اگرچہ صلیبی بیان کی تفصیل میں فرق ہے اور ہر انجیل نویس کے بیان کرنے کا طریقہ نرالا اور جداگانہ ہے اور چاروں بیان کرنے والوں کی سمجھ کے مطابق واقعۂ صلیب کے مختلف پہلوؤں پر زور دیا گیا ہے۔ تاہم صلیبی موت کا بیان وزن رکھتا ہے اور بیان کردہ واقعات کی صحت میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا۔ (یسوع مسیح کا مقدمہ صفحہ 8)

ابھی انجیل الہامی تھی اور اب عدالتی کارروائی کا رجسٹر بن گئی' جس میں شہادتیں قلم بند کی گئی ہیں۔ شہادتوں میں معمولی اختلاف ممکن ہے لیکن سچے گواہوں میں بنیادی اختلاف ناممکن۔ پھر الہامی گواہوں میں یہ بالکل ہی عجیب وغریب چیز ہے۔

یہ پادری صاحبان اپنے بزرگوں کے پیروکار اور سعادت مند شاگرد ہیں۔ ان کے اتباع میں سچ کو غلط اور غلط کو سچ کہہ رہے ہیں۔

اگر میرے جھوٹ کے سبب سے خدا کی سچائی اس کے جلال کے واسطے زیادہ ظاہر ہوئی' تو پھر کیوں گنہگار کی طرح مجھ پر حکم دیا جاتا ہے اور ہم کیوں برائی نہ کریں تاکہ بھلائی پیدا ہو۔

(رومیون باب 3' فقرہ 8)

کرنتھیوں کے نام پہلے خط میں جو لکھا ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے۔ 9-19 تا23 یہ اس شخص کے الفاظ ہیں جو عیسائیت میں بہت بڑے درجہ اور مقام کا مالک ہے اور عیسائیت کا بڑا ستون تصور کیا جاتا ہے۔

خواجہ حامد بن جمیل

تاریخ تحریف اناجیل اربعہ

"انجیل" کو عام طور پر یونانی زبان کا لفظ قرار دیا گیا ہے، جس کی اصل شکل Eu-angellion (قب Oxford Dictionary، تحت مادہٴ Evangel) یا Evangelium ہے (قب Chamber's Dictionary، تحت مادہ مذکور .Encyclo Brit، طبع 1950ء 536:10، تحت مادہٴ Gospel)۔ یونانی زبان میں اس لفظ کے لغوی معنی ہیں خوش خبری، بشارت۔ اوکسفورڈ ڈکشنری میں یہ بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ لفظ انجیل یونانی لفظ Anggelos سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں "پیغام بر"۔

بعض علمائے لغت نے "انجیل" کو عربی لفظ قرار دے کر اس کا مادہ ن ج ل بتایا ہے۔ نجل الشی (ینجلہ، نجلا) کے معنی ہیں اسے ظاہر اور روشن کیا اور نجل کے معنی اصل، بنیاد اور استخراج کے بھی ہیں (نیز علوم وحکم کا سرچشمہ، قب السجستانی: غریب القرآن، طبع محمد علی (مصر)، ص 29)، لیکن صاحب تاج العروس (138:8) نے اشتقاق کے بارے میں اس خیال کو 'قیل' کے لفظ سے بیان کر کے اس کی کمزوری کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ اسی طرح صاحب منتہی الارب نے بھی اس اشتقاق کو درست نہیں مانا۔ عربی میں انجیل کی ایک قرأت انجیل بھی ہے۔ انجل کے معنی ہیں عریض و وسیع۔ اسی بنا پر الاصمعی سے روایت کی گئی ہے کہ انجیل، افعیل کے وزن پر ہے اور انجیل اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں بہت سی سطریں ہوں (تاج العروس، 138:8)۔ یہ بھی اس کے عجمی ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ افعیل عربی زبان کے اوزان میں شامل نہیں (الکشاف، 336،335:1، مصر 1365ھ/1946ء) حدیث میں بھی یہ لفظ آیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کے متعلق فرمایا: "صدورھم اناجیلھم" یعنی وہ قرآن مجید کتاب کی مدد کے بغیر حفظاً پڑھ لیتے تھے جبکہ اہل کتاب اپنی کتاب صحیفوں کی مدد سے پڑھتے ہیں۔ (لسان، مادہ نجل)

الخفاجی م 1069ھ/ 1659ء) نے شفاء العلیل میں اس لفظ پر مفصل بحث کی ہے (نیز دیکھئے ابومنصور الجوالیقی: المعرب)۔ قدیم مفسرین میں سے جاراللہ الزمخشری (م538ھ/ 1143ء) نے، جو بلند پایہ زبان داں بھی تھا، اسے غیر عربی ہی قرار دیا ہے (الکشاف، 336:1) یہی رائے علامہ بیضاوی

(م685ھ/ 1286ء) (انوار التنزیل، ص 62) اور جدید مفسرین میں سے مفتی محمد عبدہٗ (م1323ھ/ 1905ء) تفسیر، طبع سیّد رشید رضا، 158:3) کی ہے۔ چونکہ انجیل اور اجزائے انجیل کے قدیم ترین تراجم سُریانی سے عربی میں ہوئے 'Encyclopedia Britannica' 517:3' کالم 1' تحت مادہ Encyclopaedia of Islam, Bible' لائڈن، طبع اوّل، تحت مادہ) اس لیے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ اصل یونانی لفظ سُریانی کی وساطت سے عربی میں آیا۔ سریانی اناجیل بھی Evangelionہی کے نام سے شائع ہوئی ہیں (قب طبع F.C.Burkitt' لنڈن 1904ء)۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ لفظ انجیل سریانی الاصل ہے (تاج العروس، 138:8)۔ حبشہ کی زبان میں انجیل کے لیے لفظ Wangel ہے۔

انجیل، بقول ابن منظور، عبرانی اسم ہے یا سُریانی (لسان، مادہ نجل)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواری نسلاً اور مذہباً اسرائیلی تھے اور ان کی مادری و مذہبی زبان عبرانی تھی یا مغربی آرامی (Ency.Brit. 522:3' عمود 2) پھر ابتدائی عیسائیوں نے اپنے مذہبی صحیفے نیز مقتدائے دین کے حالات کے لیے جو کتاب لکھی اس کا نام عبرانی کے بجائے یونانی میں کیوں رکھا؟ اس کا صحیح جواب اس وقت مل سکتا ہے جب ہم یہ پتا چلالیں کہ اناجیل اصلاً کس زبان میں تھیں؟ اگر عبرانی میں تھیں اور بعد میں ان کا ترجمہ یونانی میں کیا گیا تو ظاہر ہے کہ کتاب کا نام انجیل نہیں ہوگا جو یونانی لفظ ہے، لیکن جس طرح ہمارے پاس اصل عبرانی اناجیل موجود نہیں، اسی طرح اس کا اصل نام بھی ناپید ہو چکا ہے۔

انجیل کو بشارت اس لیے کہا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی آخرالزمان رسول اللہ ﷺ (جن کا ایک اسم مبارک احمد بھی تھا) کی بشارت دینے آئے تھے (ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد، الصف: 61) پھر یہ کہ خود حضرت عیسیٰ کا ظہور قدیم نوشتوں کی بشارتوں کے مطابق ہوا تھا۔

انجیل کو عہد نامہ جدید یا New Testament کا نام عیسائیوں نے دوسری صدی عیسوی کے اواخر میں دیا (.246:9 Jewish Ency)

لفظ بائبل ازمنۂ وسطیٰ کی لاطینی سے ماخوذ ہے، جو یونانی سے لیا گیا ہے اور اس کے معنی ہیں مجموعہ کتب۔ لاطینی میں یہ مفرد اور مؤنث ہے۔ اس طرح یہ لفظ لاطینی کے راستے یونانی سے انگریزی میں آیا ہے اور الہامی نوشتوں کے مجموعے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

عیسائیوں کے نزدیک آج کل بنیادی طور پر انجیل سے مراد وہ چار کتابیں ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالاتِ زندگی، معجزات اور تعلیمات کے متعلق مختلف وقفوں میں لکھی گئیں اور متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کی طرف منسوب ہیں، لیکن کبھی کبھی پورے عہد نامہ جدید کے لیے بھی انجیل کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ (زیر نظر مقالے میں لفظ انجیل عموماً اسی معنی میں استعمال ہوا ہے) اور اس طرح یہ موجودہ بائبل کا حصہ ہے۔

عیسائیت کے ابتدائی زمانے میں بہت سی اناجیل موجود تھیں، مگر اتھانسیوس (371-297

(Athanasius) کی کوششوں سے کلیسا کے مذہبی پیشواؤں نے مجلس نیقیہ (325,Nicaea ء) کے بعد ان میں سے چار اناجیل لے کر باقی ترک کر دیں' ان متروک اناجیل کو انگریزی میں Apocryphal یعنی غیر مستند' غیر موثق اور متروک حصے کہتے ہیں۔

انجیلی ذخیرۂ کتب:

عیسائی ادب میں مندرجہ ذیل اناجیل کا ذکر ملتا ہے:

انجیل طفولیت (منسوب بہ متی)' انجیل پطرس (مروّجہ)' انجیل اوّل یوحنا (مروّجہ)' انجیل دوم یوحنا' انجیل اندریاس' انجیل فیلبوس' انجیل بارتھالوی' انجیل اوّل طفولیت' منسوب بہ توما' انجیل دوم طفولیت' منسوب بہ توما' انجیل یعقوب' انجیل نیقودیس' انجیل متھیاس' انجیل مرقس (مصریوں کی)' انجیل مرقس (مروجہ)' انجیل برنباس' انجیل لوقا (مروجہ)' انجیل متی (مروجہ)' انجیل تھیڈیس' انجیل پولوس' انجیل بسی لیڈس یا بازی دس Besilides' انجیل سرتھس' انجیل ابیانی' انجیل یہودیہ' انجیل مارکیون (Mareion)' انجیل ناصرین' انجیل ٹاٹیان' انجیل ولن ٹینس' انجیل سی تھیئس' انجیل اپلس' انجیل انکاریٹس' انجیل ولادت مریم: انجیل جوڈرس' انجیل کاملیٹ (Ency. Brit. طبع یازدہم' تحت مادہ Apoeryphal Introduction to the Critical Study: Horne of the 'Literature Seriptures' لنڈن 1825ء 642:1)۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا Ency. Brit.' تحت مادہ Gospel میں بعض مزید نام ملتے ہیں۔

مذکورہ بالا اناجیل کے علاوہ ایک بڑی تعداد ایسے مکتوبات کی ہے جو حواریوں کی طرف منسوب ہیں اور ہر فرقہ اپنے خیالات کی تائید میں انہیں پیش کرتا تھا۔ ان خطوط کی تعداد ایک سو تیرہ تک شمار ہوئی ہے۔

اعمالِ حوارین کے سلسلے میں اندریاس کے اعمال' یوحنا کے اعمال' پولوس کے اعمال' پطرس کے اعمال' پطرس کی تعلیمات' توما کے اعمال' بارہ حواریوں کی تعلیمات وغیرہ کا ذکر ملتا ہے۔

اس تمام مذکورۂ بالا ادب میں باہم دگر شدید اختلاف ہے۔ ان کے طریق تدوین اور ان کے زمانے کی تعیین پر بھی اتفاق نہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے Jewish Ency. '247:9

عہد نامہ جدید کو مقدس اور الہامی کتاب قرار دینے کا تصور عیسویت میں یہودیت سے آیا (588:2, Ency. of Reli. and Ethics)

حضرت عیسیٰ اور ان کے حواریوں کی بائبل فقط عہد نامہ قدیم تھی۔ جہاں تک ہمارا موجودہ علم رہنمائی کرتا ہے وہ خود اور ان کے حواری عہد نامہ قدیم کو اپنے لیے بالکل کافی خیال کرتے تھے۔ اس سے حضرت عیسیٰ کی وفات کے بیس سال بعد تک کسی کو نئی کتاب کی تدوین کا خیال نہ آیا اور جب خیال آیا تو عہد نامہ قدیم کا نمونہ پہلے سے موجود تھا۔ اسی کو سامنے رکھ کر آہستہ آہستہ انجیل کی ترتیب کا کام شروع ہوا' جس نے رفتہ رفتہ عہد نامہ جدید کی صورت اختیار کر لی (انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا' طبع یازدہم' جلد 3' تحت

عنوان (New Testament)

موجودہ اناجیل کی ہیئت ترکیبی: ابتدائی عیسائی تاریخ میں اتھاناسیوس Athanasius (م 373ء) کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ نیقیہ (Nicea) کی مشہور مجلس منعقدہ 325ء کا بھی یہ اہم رکن تھا اور اسی کی کوششوں سے فیصلہ ہوا تھا کہ عیسیٰ کی شخصیت جامع الوہیت و ناسوتیت تھی۔ عہد نامہ جدید کی جمع و تدوین میں بھی اس کی جدوجہد بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اسی نے 367ء میں عہد نامہ جدید کو موجودہ شکل دی اور 382ء میں اس کے موجودہ اجزائے ترکیبی کا قطعی فیصلہ ہوا۔ اس سال روم میں پوپ دماسس Damasus (366 تا384ء) کے ماتحت ایک مجلس کلیسا منعقد ہوئی۔ اس میں عہد نامہ جدید کے لیے اتھانسیوس کی مجوزہ شکل تسلیم کر لی گئی۔ اس تجویز کے مطابق اس کی ہیئت ترکیبی یہ ہے: (الف) اناجیل اربعہ (ب) رسولوں کے اعمال' (ج) پولوس کے تیرہ مکتوب' (د) عبرانیوں کے نام کا خط' جس کے لکھنے والے کی تعیین نہیں ہوسکی۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ خط بھی پولوس کا ہے' لیکن محققین کی بڑی تعداد کی رائے میں یہ خط پولوس کے کسی شاگرد کا ہے' (ہ) یعقوب' پطرس' یوحنا اور یہودا کے آٹھ خطوط اور آخر میں (و) مکاشفہ یوحنا۔ ان کتب و رسائل کو مستند تسلیم کر کے باقی تمام انجیلیں اور خطوط Apocryphal یعنی متروک قرار دے دیئے گئے۔

روما میں 482ء کی مجلس نے جن کتب کو مستند تسلیم کیا تھا' پوپ گلاسیوس Gelasius (492-496ء) نے ان کی توثیق کی اور باضابطہ طور پر انہیں سندِ قبول عطا کی۔ دراصل ابتدا میں کوئی ایسا واضح خط نہیں تھا جس کے بعد کوئی صحیفہ عہد نامہ جدید میں شامل نہ کیا جاسکتا اور سمجھا جاسکتا کہ عہد نامہ جدید کا نسخہ مکمل ہو چکا ہے۔ اس عہد نامے کا معین تصور قائم ہونے میں مزید ایک صدی لگ گئی۔ بعد ازاں مزید دو صدیاں اس طرح صرف ہوئیں کہ بعض کتابوں کو اس مقدس مجموعے کا جزو بنا دیا جاتا اور بعض کو اس سے خارج کر دیا جاتا تھا۔ یا ایک گروہ ایک مجموعہ بناتا تھا اور دوسرا گروہ اس کے مقابلے میں ایک اور مجموعہ پیش کر دیتا تھا۔ چوتھی صدی کے اواخر میں جا کر ایک مکمل بائبل کلیسا کے ہاتھ میں آئی' لیکن اس وقت تک بھی سریانی بائبل نے کوئی معین شکل اختیار نہیں کی تھی۔ دراصل 692ء میں عیسائی دنیا کے سواد اعظم نے ایک مکمل بائبل پر اتفاق کیا۔ گو آج کل بھی مختلف گروہوں کی بائبلوں میں کتب کی تعداد مختلف ہے۔ مثلاً کیتھولک بائبل 72 کتب پر مشتمل ہے اور پروٹسٹنٹ بائبل 66 کتب پر۔ اس بائبل کا عہد نامہ جدید ذیل کے اجزائے ترکیبی پر مشتمل ہے: متی' مرقس' لوقا' یوحنا کی اناجیل' رسولوں کے اعمال' مکاتیب اور یوحنا عارف کا مکاشفہ۔ یہ وہی اجزا ہیں جن پر 382ء کی مجلس نے بہت حد تک اتفاق کر لیا تھا اور پانچویں صدی کے اختتام پر پوپ گلاسیوس نے اس کی توثیق کر دی تھی۔

ان اناجیل کی تفصیل کے لیے دیکھیے:

Jewish (2) Encyclopaedia of Religion and Ethics(1)
E.W. Barnes (4) کے علاوہ Encyclopaedia Brit. (3) اور Encyclopaedia

Introduction to the New Testament: (5) The Rise of Christianity Our Bible and: the Ancient F.G.Kenyon (6) مطبوعہ 1826ء de wette The: Origin of the New Testament A Harnack (7) 1897ء M/Ss.

تحریف انجیل:

عیسائی علماء نے عہد نامہ جدید کے متن کی تصحیح کے لیے گزشتہ صدیوں میں جان توڑ کوشش کی ہے۔ اس تلاش و تحقیق سے امید تھی کہ اناجیل کے کسی ایک متن پر ہمیشہ کے لیے اتفاق ہو جائے گا' لیکن نتیجہ برعکس نکلا۔ مشہور جرمن ڈاکٹر سمیل نے عہد نامہ جدید کے چند نسخے جمع کر کے مقابلہ کیا تو تیس ہزار اختلافات شمار کیے۔ جان جیمس وبلسطین نے مختلف ملکوں میں پھر کر متقدمین کی نسبت بہت زیادہ نسخے بچشم خود دیکھ کر جب مقابلہ کیا تو دس لاکھ اختلافات شمار کیے۔ یہ اختلافات زیادہ تر قرأت اور کتابت کے ہیں' لیکن ان میں بکثرت ایسے اہم اختلافات بھی ہیں جن سے حق و باطل اور اصلی اور غیر اصلی عبارات اور مضامین کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔ بعض حصے الحاقی ہیں۔ کہیں کچھ حصے کم ہیں' کہیں عبارت کو بدل دیا گیا ہے۔ نسخوں کے ان اختلافات نے متن انجیل سے تعلق رکھنے والے متعدد مشکل مسائل پیدا کردیے ہیں' جن کا قطعی نتیجہ یہ نکالا گیا ہے کہ انجیل میں تحریف ہوئی ہے۔ مل (Mill) نے 1707ء میں اور ویٹ شٹائن (Wetstein) نے 1751ء میں بڑی تحقیق و تدقیق سے ثابت کیا ہے کہ عہد نامہ جدید میں بڑی زبردست اور اہم تحریف ہوئی ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کا بائبل پر مضمون نگار F.C.Burkitt لکھتا ہے کہ ''مل اور ویٹ شٹائین نے ہمیشہ کے لیے ثابت کردیا ہے کہ عہد نامہ جدید میں جو اختلافات ہیں' جن میں سے بعض بہت بڑی اہمیت کے حامل ہیں' بالکل آغاز ہی میں پیدا ہو گئے تھے۔'' (Ency. Brit. 522:3)۔ ابتدائی عیسائی فرقوں میں سے مارکیون Marcion اور طیطین Tatien نے تحریف بائبل کے موضوع پر اہم کام کیا ہے۔ تحریف انجیل کے متعلق یہودی نقطہ نگاہ یہ ہے کہ عیسائیت کے ہر لحہ بدلنے والے رویے اور مزاج نے نوشتوں کو ہر مرحلے پر متاثر کیا ہے۔ مختلف اناجیل میں جو پہلو بہ پہلو متضاد بیانات موجود ہیں ان کی وجہ بھی یہی دخل اندازی ہے Jewish (Ency.' 947:9)۔ مضمون نگار نے اس موقع پر اناجیل کے متضاد بیانات کی متعدد مثالیں بھی دی ہیں' جن میں سے بعض اختلافات تو ایسے ہیں جن کی یقیناً کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی۔

تحریف بائبل کے وجوہ کیا ہیں؟ پادری ہارن (Horne) نے اپنی مشہور کتاب ''دیباچہ علوم بائبل'' 317:2 میں اس کی چار عالمانہ وجوہ قائم کی ہیں:

اوّل: ناقلوں کی غفلت: مثلاً (الف) عبرانی اور یونانی کے کئی حروف صوت اور صورت میں مشابہ ہیں۔ اس سبب سے بعض غافل اور بے علم ناقلوں نے کسی ایک لفظ یا حرف کے بجائے دوسرا لفظ یا حرف لکھ کر اختلاف پیدا کردیا' (ب) ابتدا میں کتابت بڑے (Capital) حروف میں کی جاتی تھی اور

لفظوں بلکہ فقروں کے درمیان اکثر اوقات بیاض نہ چھوڑی جاتی تھی۔ اس وجہ سے کہیں لفظوں کے جز لکھنے سے رہ گئے اور کہیں مکرر تحریر ہو گئے' (ج) اختصار کے نشان قدیم قلمی نسخوں میں بکثرت موجود ہیں۔ غفلت شعار نقل نویسوں نے ان کا صحیح مفہوم نہ سمجھا' (د) قدیم نسخوں میں ان کے لکھنے یا پڑھنے والوں نے بعض تشریحی اور تفسیری الفاظ اور فقرے اپنے طور پر تحریر کر دیئے تھے' انہیں متن کا حصہ سمجھ لیا گیا۔ قدیم نسخوں میں بین السطور یا حاشیے میں مشکل مقامات کی شرح لکھنے کا عام رواج تھا' وغیرہ۔

دوم: غلط نسخوں سے نقل: یہ غلطیاں بھی متعدد وجوہ سے پیدا ہوئیں' مثلاً (الف) سہو کتابت' (ب) بعض حروف کے شوشے کم ہو گئے یا مٹ گئے' (ج) یہ اغلاط چمڑے' بردی' جھلی اور کاغذ کے مختلف انواع کی وجہ سے بھی پیدا ہوئیں' مثلاً کاغذ یا چمڑا باریک ہوا تو اس میں سے ایک طرف کا لکھا ہوا دوسری طرف پھوٹ گیا اور دوسری طرف کے حرف کا جز معلوم ہونے لگا۔

سوم: اختلافات عبارت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ نکتہ چین محض قیاساً اصل متن کو بالارادہ بہتر اور درست کرنے کی نیت سے از خود تصحیح کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ میکلس نے تصریح کی ہے کہ ایک بہت بڑا سبب جس سے عہد نامہ جدید میں مشتبہ مقامات بکثرت پیدا ہو گئے ہیں' یہ ہے کہ ایک ہی واقعے کا ذکر جن مختلف جگہوں میں ہے ان میں اس طرح تبدیلی کرنے کی کوشش کی گئی جس سے ان میں ایک دوسرے سے زیادہ مطابقت ہو جائے۔ اناجیل اربعہ کو اس سے خصوصاً نقصان پہنچا۔ بعض لوگوں نے عہد نامہ جدید کے نسخوں میں اس لیے بھی تبدیلی کی کہ انہیں لاطینی ترجمہ ولگیٹ کے مطابق کر لیں۔

چہارم: یہ ایک ثابت شدہ امر ہے کہ بعض لوگوں نے از راہِ دُور اندیشی بھی کچھ تحریفات کیں تاکہ جو مسئلہ تسلیم کیا گیا اسے تقویت ہو یا جو اعتراض کسی مسئلے پر ہوتا ہو وہ دور ہو جائے۔

تحریف انجیل کی ایک وجہ یہ بھی بتائی گئی ہے کہ ابتدائی دور میں لکھنے لکھانے کا سامان کم یاب اور گراں تھا۔ بسا اوقات قدیم تحریروں کو مٹا کر پھر انہی پر نئی تحریریں لکھ دی جاتی تھیں اور بعض اوقات چار چار پانچ پانچ مرتبہ یہی عمل دہرایا جاتا تھا۔ یہی صورت انجیل کے ساتھ بھی پیش آئی اور بعض قدیم تحریریں بعد میں کسی وقت ابھر آئیں اور انجیل کی عبارتوں میں مل گئیں۔

بائبل کے متعلق مشہور مستند مصنف برکٹ (F.C.Burkitt) نے انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا (3:518,1950ء) میں تحریف کی بعض نمایاں مثالیں دی ہیں۔

اناجیل اربعہ کے قدیم ترین مخطوطات کو عموماً تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے: (1) بوزنطی' (2) اسکندری' (3) مغربی۔ ان مخطوطات میں متعدد جگہ شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔

شاہ جیمز اوّل نے بڑے اہتمام کے ساتھ 1611ء میں بائبل کا انگریزی میں ترجمہ کروایا تھا۔ اس کے متعدد مقامات ایسے ہیں جنھیں ستائیس مشہور عیسائی علماء کی ایک اہم مجلس نے الحاقی ثابت کیا ہے۔

انجیل کی حیثیت کے متعلق عیسائی نقطہ نگاہ:

اس وقت انجیل کے متعلق عیسائی حلقوں میں تین نقطہ ہائے نگاہ پائے جاتے ہیں: اوّل قدامت پسند عام عیسائیوں کا نقطہ نگاہ۔ یہ لوگ پوری بائبل کو خداوند کا بے خطا اور غلطی سے مبرا و منزہ کلام سمجھتے ہیں۔ ان کی تعلیم میں یہ بات داخل ہے کہ عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید خدا کا الہامی نوشتہ ہیں۔ خداوند نے اس کے ترتیب دہندوں کی روح القدس سے مدد کر کے اپنے پاک کلام کو ان کے ذریعے ظاہر کیا اور نہ صرف مضامین الہامی ہیں بلکہ الفاظ بھی الہامی ہیں۔ حواریوں اور رسولوں کے اندر بھی وہی روح جلوہ فرما تھی جو عہد نامہ قدیم کے انبیاء میں تھی اور انجیل کے لکھنے والے خواہ کوئی لوگ بھی ہوں' لیکن بہر حال وہ خدا کے ہاتھ میں بے مزاحم اور جامد آلہ کار تھے۔ قدیم مصنفوں میں سے یہی تصور Philo اور جوزیفس Josephus نے بیان کیا تھا۔

(Ency.Brit. ,1950ء, 3:500)

دوم: ان عیسائی علماء کا نقطہ نگاہ جو تحقیقاتِ جدیدہ کے اصول کے پیرو ہیں اور اس کے ساتھ پابند دین بھی ہیں۔ اس طبقے کا عام رجحان اس خیال کی طرف ہے کہ تاریخی اکتشافات' طبعیات اور سائنس کی دنیا کے ساتھ بائبل کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ کتاب انسان کے صرف معتقدات اور کردار کی راہ نمائی کے لیے ہے اور اس کا مطالعہ ذہنی تحفظات کے ساتھ نہیں بلکہ اس طرح کرنا چاہیے جس طرح دنیا کی دوسری کتابوں کا کیا جاتا ہے اور بائبل بھی تنقید کے عام اصول کے تحت ہے (Ency. Brit. ,1950ء 3:501)۔ ان کے نزدیک عہد نامہ جدید کو اس استناد کی حیثیت حاصل نہیں جو کسی قانونی ضابطے کو حاصل ہوتی ہے اور جو اپنے تمام پہلوؤں میں قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔ عہد نامہ جدید کے معجزات' جنہیں اب تک عیسائیت کی پشت پناہ سمجھا جاتا تھا' ایسی مشکلات لے کر آئے ہیں جن کے لیے جواب دہی کی ضرورت پیدا ہو گئی ہے۔ پھر یہ محض معجزات ہی نہیں' بلکہ پورا تاریخی حصہ تشریح و تاویل کا محتاج ہے۔ مزید برآں اٹھارہویں صدی کے مروجہ فلسفے نے حقیقی وحی کے لیے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اپنے مطالب کا اظہار ایسے طریق سے کرے جو ایک اوسط درجے کے سادہ آدمی کی سوجھ بوجھ کو' خواہ اس کا اپنا میلان کسی طرف ہی کیوں نہ ہو' تیقن و وثوق دے سکے۔ اور عہد نامہ جدید اس معیار پر پورا نہیں اترتا (Ency. Brit. ,1950ء 3:522 تا 524)۔ آئے دن جو ایسی انجیلیں شائع ہو رہی ہیں جنہیں موجودہ ذہنوں سے قریب کرنے کے لیے نئے سانچے میں ڈھالا جاتا ہے اور مصور کیا جاتا ہے تو اس کے پیچھے بھی یہی خیالات کارفرما ہیں۔ مشہور مصنف پروفیسر ہارنک' جو برلن یونیورسٹی جرمنی میں تاریخ کلیسا کا پروفیسر اور پروشیا کی رائل اکیڈمی کا ایک ممتاز رکن تھا' اسی گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ پروفیسر مذکور اپنی کتاب میں لکھتا ہے: "یہ سچ ہے کہ اوّل کی تین انجیلیں بھی چوتھی انجیل کی طرح تاریخی حیثیت نہیں رکھتیں' مگر یہ اس غرض سے تحریر نہیں ہوئیں کہ واقعات جس طور سے گزرے ہیں قلم بند کیے جائیں' بلکہ ان کے لکھنے کا مقصد یہ تھا

کہ ان کتابوں کے ذریعے عیسویت کی بشارت دی جائے" (پروفیسر مذکور کی کتاب کا انگریزی ترجمہ :What is Christianity) اس گروہ کے خیال میں صرف روحِ اناجیل پر غور کرنا چاہیے' الفاظ اور واقعات ایسے مہتم بالشان نہیں اور نہ وہ الہامی ہیں۔

سوم: ان آزاد خیال عیسائیوں کا نقطہ نگاہ جن میں سے اکثر طالب حق اور کچھ لامذہب ہیں۔ اس قسم کے طالبانِ حق کی ایک جماعت ٹوبنگن سکول کے نام سے مشہور ہے۔ اس جماعت کی تحقیقات کا ملخص یہ ہے کہ عہد نامہ جدید کی کتابیں زیادہ تر پولوس کے خیالات کا آئینہ ہیں۔ فلپ ڈیوین نے اپنی کتاب The Church and Modern Thought میں اسے وضاحت سے بیان کیا ہے۔ ان لوگوں کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ عہد نامہ جدید ایسے مصنفوں کی تحریریں ہیں جو سمجھتے تھے کہ وہ ایک ایسے دور میں زندگی بسر کر رہے ہیں جو بڑی سرعت سے ختم ہو رہا ہے اور عنقریب قیامت برپا ہو جائے گی۔ وہ اپنے بچوں کی پرورش تو کرتے تھے' لیکن بعد کی نسل پر ان کی نظر نہ تھی اور یہ سمجھا جانے لگا تھا کہ کل آئے گا ہی نہیں' بس آج کی روٹی کی فکر کرلو۔ اسی لیے ازدواج کی بھی حوصلہ شکنی کی جاتی تھی' بچوں کی تربیت سے غفلت برتی جاتی تھی۔ عوامی روح کا یکسر فقدان تھا اور معاملات دنیا میں دلچسپی نہیں لی جاتی تھی۔ عہد نامہ جدید میں یہ سب چیزیں نمایاں ہیں۔ پوری کتاب حضرت عیسیٰؑ کی شخصیت کے گرد چکر کھاتی ہے' لیکن حضرت عیسیٰؑ کے حالاتِ زندگی بھی حد درجہ ناقص اور متضاد طور پر بیان ہوئے ہیں۔ اوّل تو پوری زندگی میں سے صرف تین سال کا عرصہ منتخب کیا گیا' پھر ان تین سال کے واقعات بھی حد درجہ تشنہ ہیں۔

انجیل کس زبان میں لکھی گئی:

حضرت عیسیٰ نسل' مذہب اور وطن کے اعتبار سے اسرائیلی تھے۔ ماں کے توسط سے بھی آپ کا نسب نامہ حضرت داؤد علیہ السلام سے ملتا ہے (متی 1:1)' اس طرح حضرت عیسیٰؑ کی مادری' مذہبی اور وطنی زبان عبرانی تھی۔ Renen اسے عبرانی آمیز سُریانی بتاتا ہے (Jesus' ص48)۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ آرامی یا آرامی کی کوئی شاخ تھی۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینکا (1950ء'522:3) کے مضمون نگار نے لکھا ہے کہ عیسیٰ اور آپ کے حواری آرامی زبان بولتے تھے۔ ڈاکٹر Moses Buttenwieser نے' جو Cincinnati (امریکہ) کے یونین کالج میں عبرانی کے پروفیسر تھے' لکھا ہے کہ حضرت عیسی کی زندگی میں آرامی زبان بولی جاتی تھی (Jewish Ency. ,505:8' تحت مادہ Messiah) پھر اس امر کا کوئی قرینہ نہیں کہ 'ناخواندہ عیسیٰ' (قب Moffit کا ترجمہ عہد نامہ جدید: "Un-educated") یونانی زبان جانتے تھے اور یہی حال آپ کے حواریوں اور ابتدائی مریدوں کا تھا۔ Papias جو دوسری صدی میلادی کے اوائل کا ماخذ ہے' بتاتا ہے کہ متی نے عیسیٰ کے ملفوظات کا مجموعہ کسی تاریخی ترتیب کے بغیر عبرانی (یا آرامی) زبان میں تیار کیا تھا (بحوالہ Jewish ,247:9 .Ency)۔ یہی ماخذ بتاتا ہے کہ مرقس نے متفرق طور پر پطرس حواری سے جو کچھ سنا تھا' اسے مرتب کیا

(بحوالہ مذکور)، اور پطرس کی زبان بھی یونانی نہیں بلکہ عبرانی، سریانی یا آرامی تھی۔ گویا متی اور مرقس کے متعلق یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں صحیفے بھی دراصل یونانی میں نہیں لکھے گئے۔ بعض اہل تحقیق نے یوحنا کی انجیل کے اصلاً آرامی میں تحریر ہونے کا یقین دلایا ہے۔ (The Birth : of Chri. Religion Alfred Loisey، ص 366، تعلیقہ 60)۔ اناجیل کے ماخذ کی بحث میں اکثر "Q" کا ذکر آتا ہے اور برکٹ (F.C.Burkitt) نے بڑی دانش مندی سے اس امکان کا اظہار کیا ہے کہ "Q" کا اصل نسخہ دراصل آرامی میں تھا (524:3,Ency. Brit. طبع 1950ء) "محرف عیسائی ادب" میں ایک انجیل یہودیہ ہے یہ مغربی آرامی زبان میں تھی اور یہ انجیل عیسائیوں کے ابتدائی فرقوں میں سے ناصریوں (Nazerian) اور ابیاتیوں (Ebionites) میں دوسری صدی کے نصف (150ء) تک رائج رہی۔ بعد میں ان فرقوں کی تباہی کے ساتھ یہ انجیل بھی گم ہوگئی (Ency. Brit، تحت مادۂ Apocryphal Literature)۔ صاحب کشف الظنون (تحت مادۂ انجیل) نے لکھا ہے کہ اصل انجیل سریانی زبان میں تھی۔ یہی نقطہ نگاہ عیسائی سوسائٹی، واچ ٹاور (Watch Tower) کی مطبوعہ بائبل، طبع نیویارک، کے دیباچہ (ص viii) میں پیش کیا گیا ہے۔ ایک طرف مندرجہ بالا حقائق ہیں اور دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ عہد نامہ جدید کے جو قدیم ترین اجزا اب تک دست یاب ہوسکے ہیں ان میں سے کوئی بھی عبرانی، سُریانی اور آرامی میں نہیں بلکہ یونانی میں ہیں اور تمام اناجیل اس سے ترجمہ کی جاتی ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصل اناجیل ضائع ہوچکی ہیں اور تمام موجودہ یونانی نسخے اور اس سے تراجم اصل کتابوں سے ماخوذ اور ان کا ترجمہ یا ترجمہ در ترجمہ ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ انجیل نے جلد ہی فلسطین اور آرامی بولنے والی سرزمین کو چھوڑ دیا تھا اور عالمگیر مذہب بننے کی حیثیت سے (اس وقت کی) عالمگیر زبان یعنی یونانی کو اختیار کرلیا تھا، جو خود روم میں بھی بولی جاتی تھی (584،Ency. of Religion and Ethics)۔ عبرانی اور آرامی کے بجائے یونانی تراجم کے پائے جانے کی وجہ یہ بھی ہے کہ بالکل ابتدائی عہد (150-170ء) میں تمام عیسائی یونانی بولنے والے رومنوں کی رعایا تھے (1950, Brit. Ency.ء؛ 516:2)۔ رومیک یعنی زمانہ حال کی یونانی زبان قدیم یونانی زبان کی بگڑی ہوئی شکل ہے، لیکن اب اصل یونانی اور اس میں اس قدر فرق ہے کہ اسے ایک علیحدہ زبان کہنا چاہیے۔ عہد نامہ جدید کو اس زبان سے میکیسنس کلرجی Maxinus Calliergi نے منتقل کیا۔ یہ ترجمہ جینوا سے 1638ء میں شائع ہوا۔ ایک عمود میں اصل یونانی ترجمہ ہے اور دوسرے عمود میں رومیک زبان میں ترجمہ۔

انجیل کے تراجم:

عیسائی دنیا میں عہد نامہ جدید کے یونانی ترجمے کو اب بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔ یونانی سے لاطینی اور سُریانی میں تراجم ہوئے۔ سُریانی کے بعد اس زبان سے عربی میں انجیل کا ترجمہ ہوا۔ یہ کوئی

چوتھی صدی کے آخری حصے کا واقعہ ہے (517:3 ،1950ء,Ency. Brit) ابن العمری نے لکھا ہے کہ عمرو بن سعد کے حکم سے ایک ترجمہ 631ء اور 640ء کے درمیان بطریق یوحنا نے کیا۔ لائپزگ کے مخطوطات میں انجیل کے عربی ترجمے کا ایک مخطوطہ ہے۔ یہ بھی سُریانی سے کیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ 750ء اور 850ء کے درمیان کیا گیا ہوگا (الف الف، طبع اوّل، تحت مقالہ انجیل) 1671ء میں سب سے پہلی عربی بائبل روم میں طبع ہوئی۔ اس سے پہلے اناجیل اربعہ روم میں 1590-1591ء میں چھپ چکی تھیں۔

انجیل کا ترجمہ دنیا کی بیشتر زبانوں میں ہو چکا ہے۔ ان تراجم کے لیے دیکھیے Watt

Four: Gospel in: Darlow, Monle, Many Hundred Tongues (1)

History of the English: West Cott Bible (3) Years

انگریزی زبان پر عہد نامہ جدید کے اثرات کے لیے دیکھیے: The Literary Study:

The Bible: J.H. Gardiner as ؛1901ء ‘R.G. Moulton of the Bible (1)

The: H.H. Mellone N.T. and (3)؛1906ء ‘English Literature (2)

E. Von Dobschitz the Influence of the Bible (4)؛1921ء ‘Modern Life

Biblical Quotations in old English: A.S. (5)؛1913ء ‘on Civilization

The Bible in Scots Literature (6)؛1903-1898ء ‘Cook Prose Writers

Shakespeare's Knowledge and Use: C. (7)؛1920ء ‘Maffat

1864ء ‘Wordsworth of the Bible۔

عہد نامہ جدید کے تراجم کی تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ 600ء تک عہد نامہ جدید یا اس کے اجزاء کا آٹھ زبانوں میں ترجمہ ہوا تھا۔ پندرھویں صدی میلادی تک بیس زبانوں میں 1800ء تک یہ تعداد 71 تک پہنچی۔ اس کے بعد ایک صدی کے اندر اندر یہ تعداد 567 تھی۔ 1928ء میں عہد نامہ جدید کو 856 بولیوں میں منتقل کیا جا چکا تھا۔

انجیل کی شروح:

آبائے کلیسا (Palristiu) کا تشریحی مواد بہت حد تک ضائع ہو چکا ہے۔ جو کچھ محفوظ رہ گیا ہے اسے جمع اور مرتب کرنے کی کوشش کی گئی ہے (قب The: A. Souter Commentary ‘Pelagious on the Epp. of Parul 1907ء)۔ عہد نامہ جدید کی سب سے پہلی شرح اورائیزل یعنی غناسطیوں (Gnostics) نے کی۔ ازمنہ وسطیٰ کے شارحین میں سے دو نام قابل ذکر ہیں: Walafsid of Strabo اور Nicolaus of Lyra۔ قریبی زمانے کے شارحین میں سے ‘J.Sexell ‘Speaker ‘Josiars Bunsen ‘J.P. Lange ‘Meyer de Wette ‘Plummer ‘Driver ‘Haltzmann ‘(Pulpit Commentary) Dean Spence

(Bible Expositor's '(International Critical Commentary) Briggs کی بہت شہرت ہے۔ ان کی شروح علی الترتیب Robertson Nicoll 1903, 1890, 1895, 1832, 1836, 1857, 1871, 1880, 1889' اور 1906ء میں طبع ہوئیں۔ انجیل کی شروح کے لیے دیکھیے:(1) History of Interpretation F.W. Farrer '1885ء بعد' 1908, (2) Interpretation of the Bible: G.H. Gilbert ء ان شروح کے باہمی امتیازات کیا ہیں اور یہ کن اثرات اور مقاصد کے تحت لکھی گئیں اور شارحین کے پیش نظر کیا اصول شرح ہیں ان مباحث کی زیرِنظر مقالے میں گنجائش نہیں۔

بائبل سوسائٹی: بائبل اور عہد نامہ جدید کو مختلف زبانوں میں منتقل کرنے اور ان کی طبع و اشاعت کے سلسلے میں جو سوسائٹیاں قائم ہوئیں ان کے لیے دیکھیے:

1- History of the Bible Society: G. Browne 1859.

2- Gospel in Many years: R. Kilgon 1925.

3- History of and For Bible Society: W. Canton the Brit. 1904 'مجلدات'

4- Centennial History of the Bible Society : H. Dunght1916.

5- T.H Darlow اور H.F. Monle Historical Catalogue of the Printed Edition of the Scripture, 4 'مجلدات' 1903۔

انجیل اور تورات:

نئے اور پرانے عہد ناموں کا باہم کیا تعلق ہے؟ یہودی نقطہ نگاہ سے تو عہد نامہ جدید کوئی الہامی اور دینی صحیفہ ہی نہیں' نہ وہ اس کے تقدس کو تسلیم کرتے ہیں۔ عیسائی دونوں کتابوں کو تسلیم کرتے ہیں (متی' 17:5' نیز دیکھیے Ency. Brit. 1950ء' 500:3' Ency. of 589,582:2, Religion and Ethics)

تورات اور انجیل کے باہمی تعلق کے بارے میں اسلامی نقطہ نگاہ یہ ہے کہ انجیل کو تورات کی تصدیق کے لیے بھیجا گیا تھا' جیسے فرمایا: مصدق لما بین یدیه من التوراة (المائدة :46) اور یہی وہ نقطہ نگاہ ہے جو خود حضرت عیسیٰ ؑ نے پیش کیا ہے (متی 18,17:5)' نیز دیکھیے قرآن مجید (المائدة 68,66) (رک بہ مادہ تورات)

انجیل اور قرآن:

قرآن مجید نے اس کتاب کے بارے میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی' فرمایا

ہے: فیہا ھدی و نور (3 آل عمران: 46) پھر قرآن مجید نے ایمان کا جو بنیادی نقطہ قائم کیا ہے وہ یہ ہے: یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک (2 البقرۃ :4) وما انزل من قبلک میں توراۃ وغیرہ کے ساتھ انجیل بھی شامل ہے۔

قرآن مجید میں انجیل کی جو تعریف ملتی ہے وہاں لفظ انجیل سے وہ کتاب اور وہ تعلیم مراد ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ وہ کتابیں جو حضرت عیسیٰ کے بعد لوگوں نے تالیف کیں اور ان میں حضرت عیسیٰ کے حالات و اقوال کو صحیح یا غلط طور پر جمع کر دیا اور جسے اب عیسائی متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کی انجیل کہتے ہیں، وہ انجیل نہیں جس کا قرآن میں ذکر ہے، چنانچہ امام قرطبی نے الاعلام میں اس کی تصریح کی ہے اور یہی نقطہ نگاہ امام رازی نے بیان کیا ہے۔ وہ تاریخ انجیل پر بحث کرنے اور یہ بتانے کے بعد کہ کس طرح اسے تاریک دوروں میں سے گزرنا پڑا، فرماتے ہیں: فی خلال ذلک ذھب الانجیل المنزل من اللہ عزّوجل الاافصول یسیرۃ ابقاھا اللہ تعالیٰ حُجۃ علیھم وخزیانھم (العلل ,2:2-2-39) یعنی اس ابتری کے زمانے میں اصل انجیل جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھی وہ تو ضائع ہوگئی۔ اس میں سے صرف چند ایک حصے ہی باقی ہیں۔ انہی کی روشنی میں ان پر حجت تمام کی جا سکتی ہے۔

قرآن مجید میں جو انجیل کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کے بارے میں صدر اسلام کے بزرگوں کا کیا تصور تھا؟ اس کی وضاحت قتادہ بن جعفر اور ابن حمید ایسے تابعین کے اقوال سے ہوتی ہے۔ یہ فرماتے ہیں کہ انجیل سے وہ کتاب یا الٰہی احکام مراد ہیں جو عیسیٰ پر بذریعہ وحی نازل ہوئے (ابن جریر، 153:2، 103:1، 2,172) قریبی دور میں علامہ رحمت اللہ کیرانوی نے علمائے اسلام کے فتاویٰ کی روشنی میں تصریح کی ہے کہ قرآن مجید میں انجیل سے مراد وہ اصل کتاب ہے جو حضرت عیسیٰؑ پر وحی کی گئی تھی اور یہ عہد نامہ جدید انجیل عیسیٰ نہیں۔ شیعی مجتہدین کا بھی یہی فتویٰ ہے: ''این اناجیل متعارفہ بعینھا کلام ربانی نباشد، پس صلاحیت استناد نخواھد داشت۔'' مولانا عبدالحق حقانی فرماتے ہیں: آنحضرتؐ کے زمانے میں دراصل تورات اور انجیل موجود نہ تھی...... موجودہ فرضی مجموعے کو وہی تورات اور انجیل بتانا محض کم فہمی اور دھوکا ہے'' (فتح المنان، 46:4، لاہور 1364ھ) علامہ رشید رضا مصری لکھتے ہیں کہ چوتھی صدی عیسوی میں متعدد اناجیل موجود تھیں، جن میں سے چار انجیلیں منتخب کر کے موجودہ عہد نامے میں شامل کر لی گئیں۔ ان کتابوں کو ہم وہ انجیل نہیں کہہ سکتے جس کا قرآن میں ہر جگہ صیغہ واحد سے ذکر کیا گیا ہے اور جو حضرت عیسیٰ پر نازل کی گئی تھی (تفسیر المناز 158,59:3)، مصر 1234ء)

انجیل اور مسلمان مصنفین:

قدیم مسلمانوں میں متعدد افراد انجیل کا کچھ نہ کچھ علم رکھتے تھے۔ عبرانی عیسائیوں کی بھی کے میں کچھ آمد و رفت تھی۔ اس بنا پر انہوں نے اپنے ہاں بیت اللہ کے نمونے پر ایک گرجا بنایا تھا جو کعبۂ

نجران کہلاتا تھا پھر یمن میں ایک کلیسا' ''القلیس'' بھی تعمیر ہوا تھا' جو بعد میں بیت اللہ پر 570-571ء میں ابرہہ کے حملے کا بہانہ بنا۔ ان تعلقات کی بنا پر ابتدائی صحابہ کو انجیل اور اس کی تعلیمات سے کچھ واقفیت تھی۔ مدنی دور میں عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ کے اسلام لانے کی وجہ سے بائبل سے مزید واقفیت ہوئی ہوگی۔ تابعین اور تبع تابعین کے حوالے بھی احادیث اور تفاسیر میں ملتے ہیں۔ بعد کے مصنفین میں سے الیعقوبی اناجیل سے آگاہ تھا۔ اس نے اناجیل اربعہ کا خلاصہ اپنی تاریخ (تالیف 359ھ/ 1358ء ص 56) میں دیا ہے۔ اس نے انجیل اور قرآن مجید کے بیانات کے فرق پر بھی غور کیا ہے۔ المسعودی (م 345ھ/ 956ء) کا بیان ہے کہ کس طرح وہ ناصرہ کے ایک گرجے میں گیا اور وہاں اس نے اناجیل کے بہت سے قصے حاصل کیے۔ اس نے پطرس اور پولوس کے قتل کا ذکر دو بار کیا ہے۔ توما حواری کے متعلق اس نے وضاحت سے لکھا ہے کہ ہندوستان جانے والا حواری وہی تھا' اس کے الفاظ یہ ہیں:

''ومضی توما وکان من الاثنی عشر الی بلاد الھند داعیا الی شریعة المسیح فمات ھناک''۔ مسعودی عیسائیت کے آغاز اور اس کی عہد بعید کی تاریخ سے بھی خوب آگاہ کیا تھا۔ اس نے عیسائی عقائد و بیانات کے متناقض اور مشکوک حصوں پر گرفت بھی کی ہے (مروج الذھب' 2:297 بعد) البیرونی کی (م 440ھ/ 1048ء) معلومات المسعودی سے بھی زیادہ ہیں۔ اپنی کتاب الآثار الباقیہ لکھنے کی خاطر اس نے نسطوری عیسائیوں سے بھی معلومات حاصل کی ہیں۔ اس نے داریشوع (Jesudad) کی شرح پر عمدہ تنقید لکھی ہے۔ وہ بڑی تحقیق کے ساتھ بتاتا ہے کہ اناجیل اربعہ (متی' مرقس' لوقا اور یوحنا) دراصل انجیل کے چار نسخے ہیں۔ ان کا موازنہ اس نے عہد نامہ قدیم کے ان نسخوں سے کیا ہے جو یہودیوں' عیسائیوں اور سامریوں کے پاس تھے۔ اس نے ان دوسری انجیلوں کا بھی ذکر کیا ہے جنھیں نیقیہ کی مجلس نے مسترد کر دیا تھا۔ اور جو مختلف عیسائی فرقوں کے پاس تھیں۔ اس نے اناجیل کے باہمی اختلافات کا بھی ذکر کیا ہے اور متی (1:1-17) اور لوقا (3:23) نے عیسیٰ کے جو مختلف نسب نامے بیان کیے ہیں ان کا اختلاف بیان کر کے سوال کیا ہے کہ عیسائی لوگ اس اختلاف کی توضیح کس طرح کرتے ہیں۔ پھر لکھا ہے کہ ان اختلافات کے پیش نظر اناجیل کے الہامی ہونے پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ علامہ ابن حزم (م 456ھ/ 1064ء) نے عہد نامہ جدید پر قابل قدر تنقید کی ہے۔ عیسائی معتقدات کے متعلق ان کا علم بڑا وسیع تھا۔ انہوں نے تحریف بائبل کے متعلق بڑا قیمتی مواد فراہم کیا ہے: (الفصل' 2:2-39) اخوان الصفاء (موجود 373ھ/ 983ء)' الکندی (م تقریباً 260ھ/ 873ء)' الغزالی (م 478ھ/ 1085ء) اور صاحب عوارف المعارف سہروردی (م 632ھ/ 1234ء) کی تالیفات سے بھی ان لوگوں کے اناجیل سے آگاہ ہونے کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ کچھ اختصار کی خاطر اور کچھ اس وجہ سے کہ ابتدائی عہد میں اناجیل کے زیادہ تراجم نہیں ہوتے تھے اور نہ بکثرت ان کی اشاعت ہوتی تھی۔ ان مصنفین نے اناجیل کے جو حوالے دے ہیں وہ بیشتر حاصل مطلب کے طور پر ہیں اور چونکہ اناجیل میں مسلسل تغیر و تبدل اور تحریف ہوتی رہتی ہے' اس لیے موجودہ اناجیل میں ان کتب میں مندرج

بعض حوالے نہیں بھی ملتے' یا ملتے ہیں تو خاصی بدلی ہوئی شکل میں۔

شہاب الدین القرافی (م 684ھ/ 1285ء) نے الاجوبۃ القاخرۃ کے نام سے رد عیسائیت میں کتاب لکھی۔ ان کے بعد علامہ ابن تیمیہ 728ھ/ 1325ء) نے متکلمانہ انداز میں الجواب الصحیح فی من بدل دین المسیح مرتب فرمائی۔ اس کی تیسری جلد میں عیسائیت کی مفصل سرگذشت ہے اور بتایا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے ہی عیسائیت بگڑ چکی تھی اور تائید میں صحیح مسلم کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ اہل کتاب نے الہی کتاب کے مطالب اور حلال وحرام کے احکام بدل دیئے ہیں اور حق و باطل کو اس طرح ملتبس کردیا کہ موضوعات سے اصل تعلیم کا جدا کرنا ممکن نہیں رہا۔ نیز لکھا ہے کہ خود عیسائی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کی مذہبی کتابوں میں خواہ غلطی سے اور خواہ عمداً تحریف ہوئی ہے۔ ان کے شاگرد علامہ ابن قیم (م 751ھ) کی کتب مثلاً ھدایۃ الحباری بھی بڑی قابلِ قدر ہیں۔ حاجی خلیفہ (م 1068ھ/ 1685ء) نے کشف الظنون میں مادۂ انجیل کے تحت دلچسپ بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ انجیلیں تحریفات سے بھری ہوئی ہیں۔ 1270ھ/ 1854ء میں مولوی رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی نے ازالۃ الشکوک مکمل کی (مدراس 1288ھ)۔ اسی طرح عبدالحق دہلوی نے اپنی تفسیر فتح المنان (لاہور 1364ھ) میں بعض مفید بحثیں کی ہیں اور ثابت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں اصل انجیل موجود نہ تھی (46:4)

مآخذ

(2) '(1885ء بعد) History of Interpretation, F.W Farrar (1)
The (3) '1900ء History of the Higher Criticism of the N.T.H.S. Nazh
History of the (4) '1905ء Bible, Its Origin and Nature: M.Dods
How to Read the Bible, (5) '1908ء Vulgate Gospels: J. Chapman
History of the Origin and: J.Owen the first (6) '1896ء W.F. Adeney
Four Hundred Tongues: (7) 1816ء ten Years of the Band F.B. Soc.
Our Bible and (8) مختلف زبانوں میں بائبل کے تراجم کے لیے' 1899ء ' J.G. Watt
Canon of the N.T.: B.F. (9) '1897ء 'the Ancient MSS: F.G.Kenyon
Historical Catalogue T.H.Darlow ' H.F.Monle (10) '1855ء West Cott
Gospel in many: (11) '1903ء 'of the Printed Edition of Holy Scriptue
The Influence: E. von Dobschitz of the (12) '1925ء 'R.Kilgon years
The N.T and Modern Life: Mollone (13) Bible on Civilization 1913
' The Literary Study of the Bible: R.G Moulton (14) '1921ء ' S.H
(16) '1882ء 'The Reviser's : G.Washington Moon English (15) '1901ء

(17)؛1891ء 'On a Fresh: J.B. Lightfoot Revision of the English N.T.
G.G. The Synaptie (18) 'West History of the English Bible: Cott
An Introduction to the Literature (19)؛1927ء 'Gospels: Montefiore
Beginning of: F./C. Burkitt (20)؛1918ء 'of the: J.Moffatt N.T.
انگریزی ترجمہ؛1905ء ' The words of Jesus: G.Dalman (21) 'Christianity
(انگریزی ترجمہ ' The Quest: A.Schweitzer of the Historical Jesus (22)
'The N.T. in the Original Greek: B.F. West Cott (23) '(1910ء
The old (25)؛1924ء 'The Four: B.H. Streeter Gospels (24)؛1896-1881ء
General Survey: B.F. West (26)؛1910ء 'Syriac: A.S. Lewis Gospels
The Text (27)؛1874ء 'Cott of the History of the Canon of the N.T.
The Origin of the (28) ؛1913ء ' and of the N.T.: A.cannon Souter
Principles Suggested for the: H.E. (29)؛1925ء 'N.T.: A. Harnack
H.U.Weitbrecht the Urdu (30) 'Perkins Revision of the Urdu Bible
'The Bible of Every Land Bagstero (31)؛1900ء لنڈن 'New Testament
الہ آباد 1916ء؛ 'M. Louis Jacolliot انگریزی ترجمہ از 'Bible in India (32)؛1860ء
سیّد (34)؛1900ء لنڈن 'The Urdu New: H.U. Weitbrecht Testament (33)
نواب علی: صحف سماوی' (35) سر سیّد احمد خان: تبیین الکلام' غازی پور 1862ء؛ (36) نعمان خیرالدین
آلوسی: الجواب الفسیح' (37) ابن قیم: ہدایۃ الحیاری لاجوبۃ الیھود والنصاریٰ' (38) رحمت اللہ کیرانوی:
اظہار الحق' (39) وہی مصنف: اعجازِ عیسوی' (40) ابوالبقا وصالح: تخجیل الاناجیل' (41) موسیٰ جاراللہ:
الصحف السماویۃ۔

خواجہ حامد بن جمیل

بائبل میں مسیح کے نسب نامے

جب ہم بائبل میں حضرت مسیح ؑ کے شجرۂ نسب کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں بے حد مایوسی ہوتی ہے، کیونکہ انجیل مرقس کے مصنف اور انجیل یوحنا کے مصنف نے تو اس کا ذکر کرنا ہی مناسب نہیں سمجھا جبکہ انجیل متی اور انجیل لوقا کے مصنفوں نے یہ فریضہ انجام دینے کی کوشش کی مگر زبردست ٹھوکریں کھائیں، جن کی بنا پر وہ دو مختلف نسب ناموں کی طرف چل پڑے۔ اور مقام افسوس ہے کہ دونوں کے پیش کردہ نسب ناموں میں کسی طرح مطابقت نہیں پائی جاتی۔

عیسائی علماء کا کہنا ہے کہ ایک نسب نامہ مریم کا ہے۔ (لوقا کا) اور دوسرا یوسف کا۔ لیکن یہ جواب ان تمام غلطیوں کا ازالہ نہیں کرتا جو کہ ان نسب ناموں میں پائی جاتی ہیں۔

ذیل میں ہم متی اور لوقا کی اناجیل کے مصنفین کی طرف سے پیش کردہ سب ناموں کو آمنے سامنے رکھ کر ان کا موازنہ کر رہے ہیں۔ نیز ان کے تضادات کو سمجھنے کے لیے آسانی کی خاطر دو حصوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔

حصہ اول

از یوسف تا زربابل

انجیل لوقا (3: 22-28)	انجیل متی 1: 13-16)
یوسف	یوسف
عیلی	یعقوب
متات	متان
لاوی	-
ملکی	-
ینا	-

یوسف	-
متتیاہ	-
عاموس	-
ناحوم	-
اسلیاہ	-
نوکہ	-
ماعت	الیعزر
متتیاہ	الیہود
شمعی	اخیم
یوسیخ	صدوق
یوداہ	عارور
یوحناہ	الیاتیم
ریسا	ابیہود
زربابل	زرِبابل
میزان = 20	میزان = 11

لوقا کی انجیل نے یوسف سے زر بابل تک 20 نسلیں اور انجیل متی نے 11 نسلیں درج کی ہیں جن میں سے ایک یقیناً غلط ہے۔ دونوں نسب نامے اس قدر مختلف ہیں کہ انجیل لوقا اور انجیل متی کے بیان کردہ اسماء میں یوسف اور زرِبابل کے سوا کوئی مشابہت نہیں ہے۔

بعض عیسائی علماء کا کہنا ہے۔ کہ لوقا میں مریم کا نسب نامہ ہے۔ اور متی میں یوسف کا جو کہ غلط ہے کیونکہ لوقا کے نسب نامہ میں مریم کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

لوقا کا نسب نامہ ریسا بن زر بابل اور متی کا نسب نامہ ابیہود بن زرّ بابل پر ختم ہوتا ہے۔ اور یہ ممکن تھا کہ یوسف اور مریم زرّ بابل کے دو بیٹوں (ریسا اور ابیہود) کی نسل سے ہوں۔ لیکن ریسا اور ابیہود نام کی کوئی اولاد زرِبابل کی نہ تھی کیونکہ 1۔تواریخ 3: 19-20 میں زر بابل کے بیٹوں اور بیٹی کے نام تو ملتے ہیں۔ لیکن ریسا اور ابیہود زرِبابل کے بیٹے نہیں تھے۔

متی اور لوقا کے مصنفوں نے بالاتفاق زرّ بابل کو سیالتی ایل کا بیٹا لکھا ہے۔ مگر 1۔تواریخ 3:19-18 سے ثابت ہوتا ہے کہ زرِبابل تو فدایاہ کا بیٹا تھا۔

حصہ دوئم

اس حصہ میں ہم سیالتی ایل سے داؤدؑ تک کے نام لکھ رہے ہیں۔ نیز حصہ دوئم میں انہی

ناموں کے سامنے 1۔ تواریخ باب 30 کے اسی خاندان ونسل کے پیش کردہ نام بھی لکھ رہے ہیں تاکہ ایک تیسری الہامی کتاب سے بھی موازنہ ہو جائے۔

انجیل لوقا	انجیل متی	تواریخ
سیالتی ایل	سیالتی ایل	سیالتی ایل
نیری	یکونیاہ	یکونیاہ
ملکی	-	-
اَدّی	-	یہویقیم
قوسام	یوسیاہ	یوسیاہ
المودام	امون	امون
عیر	منسی	منسی
یشوع	حزقیاہ	حزقیاہ
الیعزر	آخز	آخز
یوریم	یوتام	یوتام
متات	عزیاہ	عزریاہ
لاوی	-	امصیاہ
شمعون	-	یوآس
یہوداہ	-	اخزیاہ
یوسف	یورام	یورام
یونان	یہوسفط	یہوسفط
الیاقیم	آسا	آسا
ملے آہ	ابیاہ	ابیاہ
مناہ	-	-
متتاہ	رحبعام	رحبعام
ناتن	حضرت سلیمان علیہ السلام	حضرت سلیمان علیہ السلام
حضرت داوٗد علیہ السلام	حضرت داوٗد علیہ السلام	حضرت داوٗد علیہ السلام
میزان = 22	میزان = 16	میزان = 20

سیالتی ایل سے داوٗد علیہ السلام تک لوقا نے 22' متی نے 16 اور تواریخ نے بیس نسلیں شمار کی ہیں۔ ایک ہی شخص کے مختلف نسب ناموں میں اتنا فرق ناقابلِ فہم ہے۔ انجیل لوقا میں سیالتی ایل کو ناتن

بن داؤد کی نسل سے بتایا گیا ہے۔ مگر متی اور تواریخ نے انہیں سلیمانؑ بن داؤدؑ کی نسل سے لکھا ہے۔

(ایک گفتگو کے دوران ایک عیسائی نے اس کے جواب میں کہا:۔ کہ سلیمانؑ کو ہی ناتن کہتے ہیں مگر 1۔تواریخ 3 باب کا فقرہ 5۔ اس کا رد کرتی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ "سمعا اور سوباب اور ناتن اور سلیمان یہ چاروں عمی ایل کی بیٹی بنت سوع کے بطن سے تھے")

لوقا اور متی کی اناجیل نے پہلے کی طرح دوسرے حصہ میں بھی سیالتی ایل اور داؤدؑ کے درمیان جتنے نام دیئے ہیں وہ ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔

حصہ اوّل میں بھی ایسا ہی اختلاف تھا۔ اس وقت یہ توجیہ گھڑ لی گئی تھی کہ ایک نسب نامہ یوسف کا ہے اور دوسرا بی بی مریم کا' لیکن یہ دونوں نسب نامے زربابل پر آ کر جمع ہو جاتے ہیں اب سیالتی ایل شخص واحد کے نسب نامے کسی طرح دو نہیں ہو سکتے۔

یہ ناممکن ہے کہ سیالتی ایل کو ناتن بن داؤدؑ کی نسل سے بھی بتایا جائے اور سلیمانؑ بن داؤدؑ کی نسل سے بھی۔

متی اور تواریخ کے پیش کردہ نسب ناموں میں کچھ نہ کچھ مطابقت پائی جاتی ہے۔ مگر لوقا کی انجیل کے نسب نامہ کی ان دونوں سے ذرا بھی تائید نہیں ہوتی۔ حالانکہ انجیل لوقا کے مصنف نے تحریر کیا ہے کہ اس نے سب واقعات صحیح طور پر دریافت کر کے لکھے ہیں۔ (لوقا 3:1)

یہ نہایت خوشی کی بات ہے کہ متی کی انجیل اور 1۔تواریخ کا بہت سارے ناموں پر اتفاق پایا جاتا ہے۔ مگر افسوس اس بات کا بھی ہے کہ یہ مکمل طور پر مطابقت نہیں رکھتے اور متی کے پیش کردہ نسب نامہ میں بھی بہت ساری غلطیاں ہیں۔ مثلاً متی کی انجیل نے یوسیاہ اور یکونیاہ کے درمیان کوئی نام نہیں لکھا لیکن 2۔تواریخ 5:36 میں ایک نام موجود ہے اور یہ باب پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسیاہ کے بعد الیاقیم بن یوسیاہ تخت نشین ہوا اور اس کا شاہی نام یہویقیم تھا۔ اس کے بعد 1۔تواریخ 16:3 سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یکونیاہ یہویقیم کا بیٹا تھا نہ کہ یوسیاہ کا جس طرح کہ انجیل متی نے لکھا ہے۔

پھر متی 9:1 میں لکھا ہے کہ عزیاہ سے یوتام پیدا ہوا۔ ان الفاظ سے تو یقیناً یہی پتہ چلتا ہے کہ یوتام عزیاہ کا صلبی بیٹا تھا' لیکن 1۔تواریخ 3:10-11 سے پتہ چلتا ہے کہ

یورام	سے	اخزیاہ	پیدا	ہوا	تھا
اخزیاہ	سے	یوآس	پیدا	ہوا	تھا
یوآس	سے	امصیاہ	پیدا	ہوا	تھا
امصیاہ	سے	عزریاہ	پیدا	ہوا	تھا

اس واضح ثبوت سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں بھی انجیل متی کے مصنف کے قلم سے تین نسلوں کے نام رہ گئے تھے۔

بعض عیسائی عالم یہ کہتے ہیں کہ اس انجیل کے مصنف نے جان بوجھ کر اخزیاہ' یوآس اور

امصیاہ کے نام چھوڑ دیئے تھے' اس لیے کے ان تینوں شخصوں کے اعمال و افعال ایسے برے تھے کہ ان کو اس پاک نسب نامے میں جگہ نہیں دینی چاہیے' یہ عذر صحیح بھی ہو سکتا تھا۔ غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا مصنف نے اس اصول پر عمل کیا۔ "تواریخ" میں ہر ایک بادشاہ کے حالات زندگی پر مختصر اشارات موجود ہیں۔ مثلاً ان تینوں کے متعلق ذیل کی عبارات تواریخ میں مرقوم ہیں۔

اخزیاہ:۔ "وہ بھی اخی اب کے خاندان کی راہ پر چلا کیونکہ اس کی ماں اس کو بدی کی مشورت دیتی تھی۔" (2۔ تواریخ 3:22)

یوآس:۔ "وہ خداوند اپنے باپ دادا کے خدا کے گھر کو چھوڑ کر یسیرتوں اور بتوں کی پرستش کرنے لگے۔" (2۔ تواریخ 18:24)

امصیاہ:۔ "اس نے وہی کیا جو خداوند کی نظر میں ٹھیک ہے پر کامل دل سے نہیں۔" (2۔ تواریخ 2:25)

ان سے پتہ چل گیا کہ ان اشخاص کے جن کے نام انجیل متی کے مصنف نے جان بوجھ کر چھوڑے' کیا اعمال تھے اور بائبل کی کتاب تواریخ نے ان کے بارے میں کیا کہا ہے۔

امون' منسی' اخز' عزیاہ' یورام' آسا اور رجعام کے نام انجیل متی کے نسب نامہ میں درج ہیں۔ ذیل میں ہم ان کے بارے میں بھی بائبل کی کتاب تواریخ ہی سے ریمارکس پیش کرتے ہیں۔

آمون اور منسی:۔ "جو خداوند کی نظر میں برا ہے وہی اس نے کیا جیسا اس کے باپ منسی نے کیا تھا۔" (2۔ تواریخ 22:33)

آخز:۔ "اسرائیل کے بادشاہوں کی راہوں پر چلا اور بعلیم کی ڈھالی ہوئی مورتیں بھی بنوائیں۔" (2۔ تواریخ 2:28)

عزیاہ:۔ "وہ خداوند کے گھر سے کاٹ ڈالا گیا تھا۔" (2۔ تواریخ 22:26)

یہورام:۔ "اس نے وہی کیا جو خداوند کی نظر میں برا ہے۔" (2۔ تواریخ 6:21)

آسا:۔ اپنی بیماری میں وہ خداوند کا طلب گار نہیں' بلکہ طبیبوں کا خواہاں ہوا۔ (2۔ تواریخ 12:16)

رجعام:۔ اور یوں ہوا کہ جب رجعام کی سلطنت مستحکم ہو گئی اور وہ قوی بن گیا تو اس نے اور اس کے ساتھ سارے اسرائیل نے خداوند کی شریعت کو ترک کر دیا۔ (2۔ تواریخ 1:12)

ان حوالہ جات سے ثابت ہو جاتا ہے کہ انجیل متی کے مصنف نے اخزیاہ' یوآس اور امصیاہ کو بدکار ہونے کی بنا پر نسب نامہ سے خارج نہیں کیا تھا' کیونکہ اس نے نہ صرف ان اشخاص سے زیادہ شدید نوعیت کے جرائم و بداعمال کے حامل اشخاص کے ناموں کو اپنے نسب نامہ میں جگہ دی بلکہ ایک حرامی (ولد الزنا جس کا نام فارص اور جس کا قصہ پیدائش باب 38 میں ہے) کو بھی مسیح کے آباء و اجداد میں شامل کیا ہے۔

اس لیے اس نے اگر کوئی نام دیدہ دانستہ چھوڑنا ہوتا تو وہ فارص کے نام کو اس پاک پوتر نسب نامہ میں شامل نہ کرتا' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انجیل متی کے مصنف کو مسیح کے آباؤ اجداد کے صحیح نام بھی

نہ معلوم ہو سکے۔ اور اس نے اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے ہوئے خانہ پری کر دی' لہٰذا ثابت ہوا کہ انجیل متی کا نسب نامہ بھی درست نہیں۔

مسیح" کے نسب نامے کے تضادات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ موجودہ اناجیل (جن میں نسب نامے اور مسیح" کے حالاتِ زندگی درج ہیں) کلامِ الٰہی نہیں ہیں' بلکہ ایسے اشخاص کی تصانیف ہیں' جنہیں کبھی مسیحؑ کی صحبت کا شرف بھی حاصل نہیں ہوا' اور انہوں نے مسیحؑ کے کافی عرصہ بعد بگڑی بگڑائی شکل میں واقعات کو نقل کیا۔

اس حقیقت کی تصدیق انجیل لوقا میں بھی ہے۔ (اس کا مصنف لوقا بھی حضرت عیسیٰ مسیحؑ کے حواریوں (شاگردوں) میں شامل نہیں تھا۔ (متی 10:2-4) اور مرقس 3:6-19 میں شاگردوں کی جو فہرست دی گئی ہے' اس میں بھی اس کا نام نہیں اور یہ بھی مسلم ہے کہ اسے کبھی مسیحؑ کی صحبت حاصل نہ تھی) لوقا کا بیان (لوقا 1:1-4 اور اعمال 1:1) ظاہر کرتا ہے کہ اس نے یہ رسائل محض ایک شخص تھیفلس کی خاطر لکھے اور اس نے اس میں محض سنے سنائے واقعات کو اپنے انداز سے رقم کیا۔ (یہ واقعات اس کے سامنے ظہور پذیر نہیں ہوئے اور نہ ہی ان کا وہ عینی شاہد ہے اور نہ کسی الٰہی قوت نے اس سے یہ سب چیزیں لکھوائیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ ان اناجیل کے مصنفین نہایت غیر ذمہ دار اشخاص تھے' جنہوں نے اتنی زحمت بھی گوارا نہیں کی کہ تحقیق و جستجو کر کے مسیحؑ کا صحیح نسب نامہ ہی لکھ دیتے' لطف کی بات تو یہ ہے کہ انجیل لوقا کا نسب نامہ تو غلط مسلط تھا ہی تحریف سے پاک بھی نہیں ہے۔

اس ضمن میں انسائیکلو پیڈیا رقم طراز ہے:۔

> "انجیل متی 1:1-17 اور انجیل لوقا 3:23-38 میں مسیحؑ کے دونوں نسب ناموں میں شدید اختلافات کی وجہ سے اکثر فرض کرنا پڑتا ہے کہ ان میں سے ایک یوسف کا ہے اور دوسرا مریم کا۔ یہ امر اس صریح بیان کے خلاف ہے کہ دونوں نسب نامے یوسف کے ہیں۔ مزید برآں ان میں سے کسی کو بھی مریمؑ کی طرف منسوب کرنے کا سوال اس لیے بھی شروع ہی سے خارج از بحث قرار پاتا ہے کہ لوقا 1:36 کے مطابق مریمؑ ہارون کے خاندان کی الیشع کی رشتہ دار ہے' تاہم اگر یہ صحیح بھی ہو کہ دونوں میں ایک نسب نامہ مریمؑ کا ہے تو پھر بھی دوسرا یوسف کا رہے گا' اس طرح اس کی موجودگی اس امر کا ثبوت مہیا کرتی رہے گی جو فی الحقیقت دونوں ہی بہم پہنچاتے ہیں کہ جب وہ لکھے گئے تھے تو ان دنوں مسیحؑ کی کنواری مریمؑ سے پیدائش کا کوئی گمان نہیں تھا۔ بنابریں ایک انجیل کے اندر ہی جو اس اصول کی علم بردار ہو جیسا کہ فرض کیا جاتا تھا' لوقا 3:23 کا اضافہ بالکل ناگزیر تھا۔ لیکن اگر ایسی تحریف شروع میں سوچ لی جاتی تو نسب نامہ بنانے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ (ENCYCLOPAEDIA BIBLICA

EDITED BY THE REV. T.K. CHEYNE D. LITT, D.D. AND J, SUTHERLAND BLACK M.A.,D.D. VOL. III COL. 2957)

حرفِ آخر

مسیحؑ کے نسب ناموں کے تضادات کی تفصیل میں جانے کا مقصد یہ بتانا تھا کہ جو اناجیل و عیسائیت اپنی داستانِ صلیب و کفارہ کے ہیرو کے نسب نامہ پر ہی متفق نہیں ہیں' اور ان کے اختلافات اتنے اُلجھے ہوئے ہیں کہ ان کا کوئی سرا ہی نہیں ملتا۔ ان سے بنی نوع انسان کو دنیاوی و روحانی تسکین' کامرانی' مکمل ضابطہ حیات' عرفان الٰہی' نجات اور رضائے الٰہی کا مستقیم و احسن راستہ دکھانے کی توقع رکھنا عبث ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

اور ہمارے ذمہ سوائے کھول کر پہنچا دینے کے اور کچھ نہیں

قرآن کی عظمت کا اعتراف

1882ء میں برطانیہ کا وزیر اعظم گلیڈسٹون اپنے ہاتھ میں قرآن پاک لیے ہوئے پارلیمنٹ میں داخل ہوا اور دارالعوام کے اراکین سے کہا "جب تک یہ کتاب مصریوں کے ہاتھ میں موجود ہے' ہم اس ملک میں نہیں جم سکتے۔" گویا وہ قرآن پاک کو ایسی چٹان قرار دے رہا تھا جس سے سامراج کو ٹکرانا تھا۔ مصر پر مکمل قبضہ کرنے کے لیے مصریوں کی عملی زندگی سے قرآن پاک کو خارج کرنا ضروری تھا۔ اس پالیسی پر عمل کرنے کے لیے ایک بڑے پادری ڈنلپ کو مصر کے لیے نیا نظام تعلیم تشکیل دینے کا حکم دیا گیا جس نے مصریوں کے ہاتھ سے قرآن پاک چھین لیا اور مصریوں کو سیکولر بنا دیا۔ غور کریں کہ ایک اسلامی ملک کا نظام تعلیم ایک پادری بنائے اور یہ صرف مصر کی بات نہیں' برطانیہ کے تمام مقبوضہ مسلم ممالک میں یہی سیاست رہی ہے کہ وہاں کے مسلمانوں کو بتدریج قرآن پاک سے دور کر دیا گیا۔

خواجہ حامد بن جمیل

تحریف بائبل، قدیم نسخوں کی روشنی میں

یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ بائبل نہ تو خدا کا کلام ہے اور نہ ہی ان لوگوں کی تصنیف و تالیف ہے، جن کی طرف اس کی مختلف کتب منسوب کی جاتی ہیں۔ یہ ایک محرف، علمی اعتبار سے کھوکھلی اور تاریخی لحاظ سے غیر معتبر کتاب ہے۔ جب بائبل کے مختلف نسخوں میں تحریف کی نشاندہی کی جاتی ہے تو عیسائی بائبل کے ان منتشر، خستہ اور نامکمل نسخوں کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیتے ہیں، جو ان ادوار کے بہت بعد میں تحریر یا نقل ہوئے، جن میں کہ یہ کتب لکھی گئیں۔ (1)

عیسائی اپنی تحریروں میں بائبل کے پرانے نسخوں کے متن اور ان کی دیگر خصوصیات کا سرسری تذکرہ، بائبل کو غیر محرف ثابت کرنے کے لیے کوشش تو کرتے ہیں، مگر ان تمام نسخوں کے باہمی تقابل و موازنہ اور اس کے نتائج کو عام نہیں کرتے، اس لیے کہ ہر نسخہ کا متن دوسرے سے کافی مختلف ہے اور پھر مکمل موازنہ سے اس قدر اختلافات سامنے آئیں گے کہ موجودہ بائبل کی ہر سطر کے ایک ایک حرف کو کہیں ٹکانے کی جگہ نہ ملے گی، لہٰذا تھوڑے بہت موازنے سے جو نتائج سامنے آتے ہیں، ان کی روشنی میں عافیت اسی میں سمجھی جاتی ہے کہ ان نسخوں کو عجائب گھر کی زینت ہی بنا کر رکھا جائے اور صرف دو مختلف بائبلوں (کیتھولک اور پروٹسٹنٹ) ہی پر اکتفا کیا جائے۔

بائبل کے پرانے مخطوطوں پر عیسائیوں کے ہاں بلا وجہ فخر کیا جاتا ہے، اس لیے کہ ان کے پاس اگر مصنفین کے اصل تحریر کردہ نسخے موجود ہوتے تبھی یہ فخر بجا ہوتا، مگر انہی کے معدوم ہوجانے کے باعث تو انہیں اب تک بائبل کا اصل متن ڈھونڈنے میں مشکلات پیش آرہی ہیں، جیسا کہ آرچ ڈیکن برکت اللہ اپنی کتاب میں لکھ رہے ہیں:۔

"انجیل جلیل کو تحریر ہوئے انیس سو سال ہو گئے ہیں۔ اگر اس کے مصنفوں کے وہ نسخے جو انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھے تھے، اس وقت تک محفوظ ہوتے تو ہمیں انجیل جلیل کی اصلی عبارت کے معلوم کرنے میں کسی قسم کی دِقت نہ پڑتی، لیکن یہ ایک انہونی بات ہے کیونکہ آخر یہ اشیاء فانی ہوتی ہیں، حوادثِ زمانہ کے ہاتھوں

وہ نسخے نہ بچ سکتے تھے اور نہ بچے۔"(2)

اصل نسخوں کے معدوم ہو جانے کی وجہ سے "انجیل جلیل" کا متن مشکوک ٹھہرتا ہے' کیونکہ اس کی حقانیت اور متن کی صحت ثابت کرنے کے لیے اب جن نسخوں پر تکیہ کیا جا رہا ہے' وہ ترجمہ در ترجمہ ہیں۔ اسی طرح اصل نسخوں کے معدوم ہونے سے ان کتب کو ان لوگوں کی تصنیف یا تالیف قرار دینا اور مشکل ہو جاتا ہے' جن کی طرف یہ کتب منسوب کی جاتی ہیں۔

آج کے جدید دور میں (جبکہ بائبل کثیر تعداد میں چھپتی ہے) عیسائی بڑی دیدہ دلیری سے کبھی کسی سطر کو نکال دیتے ہیں اور کسی کو شامل کر رہے ہیں' تو ایک عام فہم آدمی بھی اس سے سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ قدیم دور میں جب کتابت اور کتب کی نشر و اشاعت کے ساتھ ساتھ ان کی دستیابی بھی بسہولت ممکن نہ تھی' تو اس وقت ان پر کیا بیتی ہو گی۔

ذہن میں اٹھنے والے اس سوال کا جواب F. C. Brukitty (3) کی اس تحریر سے ملتا ہے کہ

"The editions of Mill (1707) and Wetstein (1751) proved once for all that variations in the text, many of them serious, has existed from the earlist time"(4)

(مل (1707) اور ویٹ سٹین (1751) کی ترتیب نے حتمی طور پر ثابت کر دیا کہ (بائبل کے) متن میں اہم تحریفات و اختلافات ابتدائی وقت سے ہی ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے)

ایک محتاط شمار کے مطابق

"No less than thirty thousand various readings of scriptures of Old and New Testament have been discovered."(5)

(عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید میں کم از کم تیس ہزار مختلف اختلافات دریافت ہو چکے ہیں)

عیسائیوں ہی کی تحریروں میں بائبل کے مختلف نسخوں کی اندرونی حقیقت' آپسی تضاد اور تحریف کی جو جھلک نظر آتی ہے' اس کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے:۔

بقول **Herbert George Wood (6)**

"The study of Hebrew and Greek texts dissolved at last the cement by which the doctrine of inspiration has held together the Bible as a homogeneous divine product. The discrepancies and swarmonies in the scriptures could no longer

be disguised"

(بائبل کے عبرانی اور یونانی متون کے مطالعہ نے آخر کار اس کے الہامی اور یکساں خدائی کلام ہونے کے عقیدہ کی جمی تہہ کو اکھاڑ ڈالا ہے' اب مزید دیر تک اس کے اختلافات پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا)

نسخۂ سینا

یہ نسخہ چوتھی صدی عیسوی کی پہلی چوتھائی کا بتایا جاتا ہے' 1859ء میں جرمن عالم ٹشنڈاف نے کوہ سینا کی خانقاہ مقدسہ کیتھرین سے ایک راہب سے حاصل کیا پھر 1934ء میں برطانیہ نے روس سے ایک لاکھ پونڈ کے عوض خریدا۔ اب برطانیہ کے عجائب گھر میں محفوظ ہے' یہ یونانی ترجمہ سبعیہ کی نقل ہے' اب اس کے متن سبعیہ کے متعلق پادری برکت اللہ لکھتے ہیں:

''اس نسخہ میں نہ صرف عہد عتیق کا ایک بہت بڑا حصہ موجود تھا بلکہ عہد جدید تمام وکمال نہایت اعلیٰ حالت میں محفوظ تھا۔'' (7)

یعنی اتنے ''معتبر نسخہ'' میں بھی مکمل عہد عتیق موجود نہیں ہے بلکہ اکثریتی حصہ ہی موجود ہے۔ پادری صاحب اور پروفیسر یوسف جلیل کی کتاب سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس نسخہ کے مطابق ''عہد جدید کا اتمام واکمال'' برناباس کے خط کے ساتھ ہوتا تھا اور یہ خط نسخۂ سینا میں دیگر انجیلی خطوط کے ایک ہی جلد میں جملہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خط کو کس احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔(8)

لیکن اب عیسائیوں نے برناباس سے منسوب اس خط کو عہد جدید سے نکال کر اپاکریفل ادب میں شامل کر رکھا ہے۔(9) بہر حال اس نسخہ میں اس خط کی موجودگی یہ ظاہر کرتی ہے کہ یہ خط بھی کسی وقت بائبل کا حصہ ہی سمجھا جاتا تھا مگر اب نہیں۔

نسخۂ ویٹی کن

یہ نسخہ بھی چوتھی صدی کا بتایا جاتا ہے' اس میں تمام یونانی بائبل محفوظ ہے اور یہ نسخہ غالباً مصر میں لکھا گیا تھا' لیکن اس ''قدیم ترین اور معتبر'' قلمی نسخہ میں:

''صرف عبرانیوں 14:9 تا آخر اور مقدس پولس کے پاسٹرل خطوط اور مکاشفات کی کتاب نہیں ہے۔'' (10)

یہ نسخہ اب روم میں ویٹی کن کے پوپ صاحب کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

عیسائیوں کے ہاں یہ قلمی نسخہ یونانی بائبل کے نسخوں میں سب سے زیادہ معروف نسخہ ہے' اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ نسخہ سکندریہ کے پیٹریارک سرل لوکر (از 1602ء تا 1621ء) کے کتب خانہ میں تھا جس نے 1625ء میں اس کو جیمس اوّل شاہ انگلستان کی نذر کر دیا۔

اس میں عہد جدید کی کتب میں سے متی 6:25 تک، یوحنا 50:6 تا 52:8 اور 2۔ کرنتھیوں 13:4 تا 6:12 موجود نہیں ہیں (11) کہا جاتا ہے کہ یہ نسخہ پانچویں صدی کے پہلے حصے میں لکھا گیا تھا۔ اس کے آخر میں عربی زبان میں ایک نوٹ لکھا ہے "کہتے ہیں کہ یہ کتاب شہید خاتون تھیکلہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔" عیسائیوں کے ہاں اس نسخہ کی صحت نہایت بلند پایہ کی ہے۔

نسخۂ واشنگٹن

1907ء میں ایک امریکن فریئر کے ہاتھ چند نسخے آئے جو جھلی نما قرطاس پر لکھے ہوئے تھے، یہ نسخے واشنگٹن میں ہیں، ان نسخوں میں ایک نسخہ اناجیل اربعہ پر بھی مشتمل ہے اور غالباً چوتھی صدی کا ہے۔ نیز ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مختلف اناجیل کے متن الگ الگ نسخوں سے نقل کیے گئے ہیں۔ آرچ ڈیکن برکت اللہ قدرے تفصیل سے اس کے متن کے بارے میں معلومات فراہم کرتے ہیں:

> اس نسخہ میں مقدس مرقس کی انجیل کے آخری باب کی چودھویں فقرے کے بعد ایک تتمہ لکھا ہے جو بالکل نیا ہے۔ اس نسخہ میں ایک اور امر قابلِ غور ہے عام طور پر مرقس 26:2 میں سردار کاہن کا نام "ابیاتر" لکھا ہوتا ہے جو غلط ہے۔ (دیکھو 1۔ سموئیل 21 باب) بعض اہم نسخوں میں اس جگہ کوئی نام لکھا ہوا نہیں ملتا۔
>
> اس نسخہ میں بھی کوئی نام لکھا ہوا نہیں ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظ "ابیاتر" اس انجیل کے اصل متن کا حصہ نہیں تھا بلکہ قدیم زمانہ کے کسی کاتب نے اس نام کو حاشیہ میں لکھ دیا تھا جس کو مابعد کے کاتبوں نے حاشیہ سے متن میں نقل کر دیا۔
>
> اس نسخہ میں یوحنا 53:7 تا 11:8 کے فقرات موجود نہیں ہیں، بعض دیگر نسخوں میں یہ فقرات دوسری انجیلوں میں پائی جاتی ہیں مثلاً فریئر کے ایک نسخہ میں یہ فقرات لوقا 38:21 کے بعد لکھی ہیں۔ نسخۂ واشنگٹن میں جیسا کہ ہم ابھی بتلا چکے ہیں یہ فقرات نہیں پائے جاتے۔ یہ فقرات مصر کے قدیم صمیری ترجمہ میں بھی موجود نہیں ہیں، جس سے ظاہر ہے کہ یہ فقرات دراصل انجیل یوحنا کا حصہ نہیں تھیں۔
>
> "نسخۂ واشنگٹن میں یوحنا 38:9 کے الفاظ اور 39 فقرہ کے ابتدائی الفاظ "یسوع نے کہا" موجود نہیں ہیں۔" (12)

پادری صاحب کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بائبل میں تحریف کے دیگر اسباب کے ساتھ ساتھ کاتبوں کی لاپرواہی بھی اس کا متن مزید بگاڑنے میں ایک بڑا باعث بنی۔ اس طرح مصنفین کی تحریروں کی اصل صورت مزید بگڑتی گئی۔ اسی بات کی کچھ مثالیں تحریر کرتے ہوئے پادری صاحب لکھتے ہیں:

ہر شخص جانتا ہے کہ پہلی تین انجیلوں کے الفاظ بہت حد تک یکساں ہیں لہٰذا بعض اوقات کاتب ایک انجیل کو نقل کرتے وقت کسی دوسری انجیل کے الفاظ حافظہ سے لکھ دیتے ہیں' اگرچہ نقل کرتے وقت نسخہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی تین انجیلیں ایک ہی واقعہ کا بیان تقریباً یکساں الفاظ میں کرتی ہیں۔ مثلاً کاتب نے انجیل اول کے 17 باب کا بیسواں فقرہ نقل کرتے وقت مرقس 29:9 کو اس کے بعد لکھ دیا یا مرقس 40:12 اور لوقا 47:20 کو متی 13:23 کے بعد لکھ دیا یا لوقا 37:22 کو مرقس 37:15 کے بعد لکھ دیا یا متی 40:24 کو لوقا 35:17 کے بعد لکھ دیا یا مرقس 6:15 کو لوقا 16:23 کے بعد لکھ دیا یا لوقا 10:19 کو متی 11:18 کے بعد لکھ دیا یا متی 19:11 کو لوقا 35:7 کے الفاظ کے مطابق لکھ دیا۔ متی 13:16 کے الفاظ کو مرقس 27:8 اور لوقا 18:9 کے مطابق لکھ دیا لوقا 48:6 کو متی 25:7 کے الفاظ کے مطابق لکھ دیا۔" (13)

یہ تو ہیں چند مثالیں ورنہ اس اندھیر نگری میں نہ جانے کیا کچھ ہو چکا ہے اور کہاں کی چیزیں کہاں کہاں پہنچ چکی ہیں' اس لیے اصل ماخذ جو کہ معدوم ہو چکے ہیں ان کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے کہ ان میں کیا لکھا تھا؟ اور موجودہ بائبل جس کی بنیاد اسی قسم کے ترجمہ در ترجمہ اور متضاد متن کے حامل نسخوں پر چلی آرہی ہے' کس طرح ان اصل تحریروں کے مطابق ثابت کی جا سکتی ہے۔ پھر کم از کم اس بات کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے کہ جو نسخے آج موجود ہیں یہ واقعی ان تراجم سے نقل شدہ ہیں جن کو اصل نسخوں سے ترجمہ کیا گیا' یعنی عیسائیوں کے پاس بائبل کے متن کی صداقت جانچنے کے لیے محض ثانوی در ثانوی ماخذ ہیں۔

اناجیل کے مصنفین کے سامنے ان کی تحریر کے لیے کوئی اصول' مستند مواد' ثقہ راوی' مثبت سوچ یا ایسی ہدایت موجود نہ تھی' جس کے باعث وہ غلطیوں کے ارتکاب سے محفوظ رہتے۔ William Sanday (14) کے بقول تو

> "ان (اناجیل) کے لکھنے کی ان کے (مصنفین) سامنے قطعاً کوئی معقول وجہ نہ تھی۔" (15)

کینن ڈبلیو ایچ ٹی گیرڈنر بھی واضح طور پر لکھتے ہیں:

> "ایسا معلوم پڑتا ہے کہ ان کے مصنفوں نے یونہی یا اپنی مرضی سے حسب موقع ان کو تحریر کیا ہے۔" (16)

یعنی ان اناجیل کی تحریر فوری ضرورت اور وقتی اغراض و مقاصد کو پورا کرنے کے لیے کی جاتی تھی۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی اہم ہے کہ ان کے مضامین کی طوالت یا اختصار کسی الٰہی منشا کے مطابق

نہیں بلکہ کاغذ کی مقدار کے تابع ہوتی تھی' پادری برکت اللہ لکھتے ہیں:۔

''چونکہ طومار کی لمبائی عموماً 30 فٹ سے زیادہ نہیں ہوتی تھی' لہٰذا انجیل نویس اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ ان کو جو کچھ لکھنا ہے' وہ 30 فٹ کے اندر اندر آ جائے' لہٰذا وہ اختصار کو مدنظر رکھتے تھے' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خداوند مسیح کے کلمات طیبات اور معجزات وغیرہ میں سے وہ صرف چیدہ چیدہ باتیں ہی لکھ سکتے تھے تاکہ ضخامت طومار سے بڑھ نہ جائے۔'' (17)

اس مختصر جائزہ سے پتہ چلتا ہے کہ بائبل کی کتب چونکہ مختلف لوگوں نے محض اپنے طور پر لکھی تھیں' اس لیے اس کی تدوین وتحریر کے کسی مرحلہ میں الٰہی ہدایت شامل نہیں ہوئی' لہٰذا ان کی حفاظت بھی اس قدر نہ ہو سکی جس طرح کہ ایک مقدس کتاب کی ہوتی ہے۔ ابتدائی دور سے ہی اختلافات اور تحریفات شروع ہو گئیں' جو کہ آج تک جاری ہیں' لوگوں کی خواہشات اور کاتبوں نے بھی ان کا حلیہ مزید خراب کیا' مختلف علاقوں میں مختلف نوعیت کے متن کی حامل کتب رائج تھیں اور آج ان کی دریافت نے عیسائیوں کو مزید الجھا کر رکھ دیا ہے۔

ایسے حالات میں بائبل کو ہر قسم کی غلطی سے مبرا قرار دینے کے لیے قدیم نسخوں کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دینا دانشمندانہ کام نہیں ہے' اس لیے کہ ان میں صرف دو نسخے بھی آپس میں مطابقت اور ہم آہنگی نہیں رکھتے اور اوریجن (220ء) کے بقول تو:۔

''اناجیل میں اتنے اختلافات ہیں کہ ان سے آدمی کا سر گھومنے لگ جاتا ہے۔'' (18)

حوالہ جات

-1 ملاحظہ ہو پادری ولیم میچن کا یہ بیان: ''افسوس تو یہ ہے کہ قدیم زمانہ کی کسی بھی کتاب کی اصل جو مصنف نے خود لکھی تھی' کہیں بھی موجود نہیں اکثر پرانی کتابوں کے سب سے پرانے نسخے ان کی تاریخ تصنیف کے بہت بعد لکھے تھے۔'' (غیر انجیل لوقا (پنجاب رلیجس بک سوسائٹی' لاہور' 1959ء' ص 23)

-2 صحت کتب مقدسہ' (مسیحی اشاعت خانہ' لاہور' 1989ء' ص 184)

3- Prof of Divinity in Cambridge University (1905-35)

4- Encyclopaedia Britannica, (Britannica Ltd, London, 1950, 522/3)

5- John Kitto: Ilisutrated History of the Bible, The S.S Sorator Company, London 1902, p:38)

6- (How.D.D), Prof of Theology, University of Birmingham, England, (1940-46)

7- صحت کتب مقدسہ، ص 224

8- برکت اللہ: صحت کتب مقدسہ، ص 271، جعلی انجیل برنباس (کرسچین سٹڈی، راولپنڈی، بدون تاریخ، ص 69)

9- Encyclopaedia Britannica, (1950), 107/3

10- برکت اللہ: صحت کتب مقدسہ، ص 228

11- برکت اللہ: صحت کتب مقدسہ، ص 229

12- صحت کتب مقدسہ، ص 231-230

13- صحت کتب مقدسہ، 190-189

14- (Prof of Divinity in Christ Church, Oxford)

15- Encyclopaedia Britannica, (1910), 872/3

16- الہام (پنجاب ریلجس بک سوسائٹی، لاہور، 1958ء)، ص 58

17- صحت کتب مقدسہ، ص 210

18- ڈاکٹر پیٹرسن سمائتھ: بائبل کا الہام، ص 76

خواجہ حامد بن جمیل

تحریف بائبل' جدید نسخوں کی روشنی میں

بائبل کے وقتاً فوقتاً شائع ہونے والے انگریزی' اُردو' فارسی' عربی اور دیگر زبانوں میں مختلف ایڈیشنوں کے تقابلی مطالعہ سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ بائبل میں تبدیلی' ترمیم اور حک و اضافہ کا عمل جاری ہے' کبھی ایک فقرہ دو سطروں پر مشتمل تھا' پھر یہی فقرہ ایک سطر پر آ گیا یا سرے سے غائب ہو گیا۔ اسی طرح بعض فقرات کا مفہوم بدل گیا ہے اور اس صورتِ حال سے عیسائی اہلِ علم کو بھی تشویش ہے۔ کئی راسخ العقیدہ عیسائیوں کی جانب سے "R.S.V" ایسے نئے تراجم کی اشاعت پر سخت اعتراض کیا جاتا رہا ہے' جس سے کہ عہد نامہ قدیم و جدید سے 41 فقرات خارج کر دیئے گئے ہیں۔

پادری عنایت ایس گل نے اس ترجمہ پر ایک تحقیقی مقالہ تحریر کر کے اس پر سخت تنقید کی ہے' آپ لکھتے ہیں:

> "اس ترجمہ کے ذریعہ کلیسیا میں بدعتی تعلیم رائج کی جا رہی ہے' کلامِ مقدس کی بیشتر آیات جو خداوند یسوع مسیح کی الوہیت' کفارہ اور خداوند کے آسمان پر اٹھائے جانے سے متعلق ہیں' اس نئی امریکی بائبل آر ایس وی سے کسی وجہ اور تشریح کے بغیر نکال دی گئی ہیں۔"

ذیل میں 1881ء کے "Revised Version" کو بنیاد بنا کر Revised Standard Version سے عہد نامہ جدید کے حصہ سے 32 خارج شدہ فقرات کا تقابل و موازنہ بائبل کے دیگر ایڈیشنز اور تراجم سے ایک چارٹ کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اس تقابل سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قدیم ایڈیشنز اور تراجم میں یہ فقرات موجود ہیں لیکن بائبل کے مزید یونانی و عبرانی مخطوطوں کی دریافت کے باعث بائبل مقدس کے متن پر نظرثانی کے بعد جو مختلف جدید نسخے شائع ہوئے ہیں ان میں کسی میں سے تو انہیں بالکل خارج کر دیا گیا ہے' کسی میں انہیں مشکوک ٹھہرایا گیا ہے اور کسی میں انہیں بریکٹ یا حاشیہ میں دے کر یہ وضاحت کی ہے کہ یہ اصل متن میں

شامل نہیں تھے بلکہ بعد میں تشریحی نوٹ کو متن کا حصہ سمجھ کر شامل کر لیا گیا ہے۔

اس چارٹ کی تیاری میں بائبل مقدس کے جو نسخے اور ان کے لیے جو مخففات استعمال ہوئے ہیں، ان کی تفصیل اس طرح ہے:

(1) R.V= Holy Bible (Revised Version) London, Eryre and Spothis Woode, 1881.

(2) عہد نامہ جدید (اردو ترجمہ) لندن، ولیم واٹس پریس، 1860ء

(3) کتاب مقدس (اردو ترجمہ)، لاہور، بائبل سوسائٹی، 1916ء

(4) کتاب مقدس (اردو ترجمہ) لاہور، پاکستان بائبل سوسائٹی، 1952ء

(5) R.S.V= Holy Bible,
New york, American Bible Society, 1967.

(6) G.N.B= Good News Bible,
London, British and Foreign Bible Society, 1980.

(7) کلام مقدس (اردو ترجمہ رومن کیتھولک) روم، سوسائٹی آف سینٹ پال، 1958ء

(8) J.T= German Translation,
Bonn, Ferdinand Schorich, 1953.

(9) G.F.M= Good News For Modern Men
New york, United Bible Society, 1980.

(10) کتاب مقدس (عربی ترجمہ)
اوکسفورڈ، الجمعیۃ البرطانیہ والاجنبیہ لاجل انتشار الکتاب المقدسۃ، 1871ء

(11) کتاب مقدس (فارسی ترجمہ) لندن، ولیم واٹس پریس، 1860ء

(12) N.W.T= New World Translation
New York, Watch Tower Bible and Tracts Society, 1984.

(13) G.N.I= Good News International,
New York, National Bible Press, 1980.

(14) N.E.B= The New English Bible,
Cambridge, Cambridge University Press, 1961.

(15) N.I.V= Holy Bible (New International Version)
London, Hodder and Stoughton, 1994.

R V(1881)	اُردو ترجمہ 1860ء	اُردو ترجمہ 1916ء	اُردو ترجمہ 1952ء	RSV	GNB	اُردو ترجمہ رومن کیتھولک	JT	GFM	عربی ترجمہ 1871ء	فارسی ترجمہ 1860ء	NWT	GNI	NEB
1 متی 44:5	موجود	غائب	غائب	غائب	غائب	موجود	بریکٹ میں	غائب	موجود	موجود	غائب	مشکوک	موجود
2 13:6 "	"	"	بریکٹ میں	"	"	غائب	غائب	"	"	"	"	"	"
3 21:17 "	مشکوک	"	"	"	"	بریکٹ میں	"	بریکٹ میں	"	"	"	"	غائب
4 11 : 18 "	موجود	"	"	"	"	"	"	"	"	"	"	"	"
5 14 : 23 "	"	"	"	"	"	موجود تغیر	"	"	"	"	"	"	"
6 23 : 20 "	"	"	غائب	"	"	غائب	"	غائب	"	"	"	"	موجود
7 مرقس 16 : 7	"	"	بریکٹ میں	"	"	موجود	"	بریکٹ	"	"	"	"	غائب
8 44 : 9 "	"	"	"	"	"	بریکٹ میں	"	"	"	"	"	"	"

	RV(1881)	اُردو ترجمہ 1860ء	اُردو ترجمہ 1916ء	اُردو ترجمہ 1952ء	RSV	GNB	اُردو ترجمہ رومن کیتھولک	JT	GFM	عربی ترجمہ 1871ء	فارسی ترجمہ 1860ء	NWT	GNI	NEB
9	مرقس 26 : 11	بریکٹ	غائب	بریکٹ میں	غائب	غائب	موجود	غائب	بریکٹ	موجود	موجود	غائب	مشکوک	غائب
10	" 49 : 9	موجود	"	"	"	"	"	بریکٹ میں	غائب	"	"	"	غائب	موجود
11	" 14 : 13	"	"	"	"	"	"	غائب	"	"	"	"	"	"
12	" 28 : 15	"	"	"	"	"	بریکٹ میں موجود	"	بریکٹ میں	"	"	"	مشکوک	غائب
13	لوقا 54 : 9	"	"	"	"	"	"	"	غائب	"	"	"	"	موجود
14	" 6 : 55 : 9	بریکٹ میں	"	"	"	"	"	بریکٹ میں	"	"	"	"	"	"
15	" 36 : 17	موجود	"	"	"	"	غائب	غائب	بریکٹ	"	"	"	"	غائب
16	" 2 : 11 (پہلا حصہ)	"	"	غائب	"	"	"	"	غائب	"	"	"	"	موجود

RV(1881)	اُردو ترجمہ 1860ء	اُردو ترجمہ 1916ء	اُردو ترجمہ 1952ء	RSV	GNB	اُردو ترجمہ رومن کیتھولک	JT	GFM	عربی ترجمہ 1871ء	فارسی ترجمہ 1860ء	NWT	GNI	NEB
17 لوقا 11 : 2 (دوسرا حصہ)	موجود	غائب	غائب	غائب	غائب	غائب	غائب	غائب	موجود	موجود	غائب	غائب	موجود
18 " 11 : 4	"	"	"	"	"	"	"	"	"	"	"	"	"
19 " 23 : 17	بریکٹ	"	بریکٹ میں	"	"	بریکٹ	موجود	"	"	"	"	مشکوک	غائب
20 " 24 : 42	موجود	"	"	"	"	غائب	"	"	"	"	"	غائب	موجود
21 یوحنا 5 : 3	"	"	غائب	"	"	موجود تغیر	غائب	بریکٹ میں	"	"	"	"	"
22 " 5 : 4	"	"	بریکٹ میں	"	"	بریکٹ	"	"	"	"	"	مشکوک	غائب
23 " 7 : 53 ۔ 8 : 11	مشکوک	بریکٹ میں	"	"	"	موجود	"	"	"	"	حاشیہ پر	غائب	"
24 اعمال 8 : 37	موجود	غائب	موجود تغیر	"	"	موجود تغیر	بریکٹ میں	"	"	"	غائب	مشکوک	"

RV(1881)	اُردو ترجمہ 1860ء	اُردو ترجمہ 1916ء	اُردو ترجمہ 1952ء	RSV	GNB	اُردو ترجمہ رومن کیتھولک	JT	GFM	عربی ترجمہ 1871ء	فارسی ترجمہ 1860ء	NWT	GNI	NEB
25 اعمال 15 : 34	موجود	غائب	بریکٹ میں	غائب	غائب	موجود	بریکٹ میں	بریکٹ میں	موجود	موجود	غائب	مشکوک	غائب
26 " 24 : 7	"	"	"	"	"	موجود تغیر	"	"	"	"	"	"	"
27 " 24 : 6	"	"	"	"	"	"	"	"	"	"	"	غائب	موجود
28 " 24 : 8	"	"	"	"	"	بریکٹ میں	"	"	"	"	"	مشکوک	غائب
29 " 28 : 29	"	"	"	"	"	"	"	"	"	"	"	"	"
30 رومیوں 16 : 24	"	"	"	"	"	غائب	"	"	"	"	موجود تغیر	"	مشکوک
31 مرقس 16 : 9 - 20	نہایت مشکوک	موجود	موجود	موجود	بریکٹ میں	بریکٹ میں	غائب	"	"	"	غائب	"	"
32 1 یوحنا 5 : 7	بریکٹ	غائب	غائب	غائب	غائب	"	بریکٹ میں	غائب	"	"	"	غائب	موجود

پادری عنایت ایس۔ مل
پیش کش: خواجہ حامد بن جمیل

بائبل کے ”نظر ثانی شدہ معیاری ترجمے“ پر تحقیقی نظر

تعارف

کتابِ مقدس کے ”سٹینڈرڈ ورژن“ سے مراد انگریزی زبان میں وہ ترجمہ ہے جو 1611ء میں شائع ہوا تھا۔ بالفاظ پادری مینلی ”یہ ادبی خوبیوں اور بہترین طرزِ تحریر کے لحاظ سے گویا شاہکار ہے اور انگریزی ادبیات اور اسلوبِ زندگی میں پورے طور سے سرایت کر گیا“ ہے تاہم اس پر نظر ثانی کی گئی اور 20 ستمبر 1952ء کو کتابِ مقدس کا ”ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورژن“ (نظر ثانی شدہ معیاری ترجمہ) چھپا۔

پادری مینلی کے الفاظ میں ”انٹرنیشنل کونسل آف ریلجس ایجوکیشن نے ایک سٹینڈرڈ بائبل کمیٹی مقرر کی اور عبرانی اور یونانی زبانوں کے 32 زبردست اور مستند علماء نے اس کمیٹی پر کام کیا۔ 1611ء سے لے کر 1952ء تک انگریزی زبان کے بعض الفاظ کے معانی میں کچھ تبدیلی آ چکی تھی' لہٰذا اس امر کی ضرورت تھی کہ بائبل کو موجودہ بامحاورہ اور ٹکسالی انگریزی زبان میں ترجمہ کیا جائے۔“

”نظر ثانی شدہ معیاری ترجمہ“ کے متن میں مغربی دُنیا کے ساتھ ساتھ وطن عزیز کے پروٹسٹنٹ کلیسیاؤں میں اختلاف رائے پیدا ہوا' تاہم حسب ذیل اداروں اور کلیساؤں نے اسے قبول کر لیا تھا۔

- کلیسیائے پاکستان جس میں سابق اینگلیکن چرچ' یونائیٹڈ میتھوڈسٹ چرچ' لوتھرن چرچ' سیالکوٹ چرچ کونسل (قدیم سکاچ مشن) شامل تھے۔
- امریکی یو۔ پی مشن
- پاکستان بائبل سوسائٹی
- پاکستان کرسچن کونسل
- گوجرانوالہ تھیولاجیکل سیمنری' گوجرانوالہ

آنجہانی پادری عنایت ایس مل کا مقالہ انٹرنیشنل کونسل آف کرسچین چرچز پاکستان' گوجرانوالہ' بدون تاریخ نے بھی شائع کیا تھا' نیز یہ مقالہ ڈاکٹر محمد نادر رضا صدیقی کی تالیف پاکستان میں مسیحیت (مسلم اکادمی' لاہور' 1979ء) کے حصہ اول میں تقریباً پورا نقل کیا گیا ہے۔ (صفحات 111-116)

مسیحی ماہنامہ ''کلام حق'' (تھیولاجیکل سیمنری' گوجرانوالہ) نے 1969ء اور 1971ء کے درمیان ''نظر ثانی شدہ ترجمہ'' پر کچھ تنقیدی مقالات شائع کیے تھے۔ پادری خورشید عالم کا مقالہ ''مقدس کتاب کی کانٹ چھانٹ اور موجودہ امریکن ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن پر تبصرہ'' (کلامِ حق' جلد نمبر 4' شمارہ نمبر 8' (تھیولاجیکل سیمنری' گوجرانوالہ' اپریل 1969ء)' ص 3' ص 14) بالخصوص اہم ہے۔

''نظر ثانی شدہ معیاری ترجمہ'' کے حامیوں کا نقطہ نظر بھی ''کلامِ حق'' میں پیش کیا گیا تھا۔ دیکھیے آر۔ پارک جانسن: بائبل کے ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن کی بابت حقیقت حال' (کلامِ حق' جلد نمبر 4' شمارہ نمبر 9' (مئی 1969ء) ص 25۔ ص 26)

مولانا عبداللطیف مسعود نے اپنے کتابچے ''تحریف بائبل بزبانِ بائبل'' (عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت' ڈسکہ' ضلع سیالکوٹ' بدون تاریخ) جس میں ''نظر ثانی شدہ معیاری ترجمہ'' کے حوالہ سے متی کی انجیل میں ترمیم و تنسیخ کا ذکر کیا ہے۔

ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن میں جو ردو بدل کیا گیا ہے' اسے دیکھ کے عیسائیت کا ہر طالب عالم یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ دورِ حاضر میں جبکہ بائبل کی نشر و اشاعت کی سہولتیں عام ہیں اور ہر شخص نئے تبدیل شدہ نسخہ کا کسی بھی دوسرے پرانے نسخے سے با آسانی موازنہ کرسکتا ہے' تو قدیم زمانے میں جب بائبل کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے طومار بہت تھوڑی تعداد میں مخصوص لوگوں کے ہاتھ میں ہوتے تھے' تو اس میں کیا ردوبدل نہ ہوا ہوگا۔ (خواجہ حامد بن جمیل)

''اس ترجمے کے ذریعے کلیسیا میں بدعتی تعلیم رائج کی جا رہی ہے۔ کلام مقدس کی بیشتر آیات جو خداوند مسیح کی الوہیت' کفارہ اور خداوند کے آسمان پر اٹھائے جانے سے متعلق ہیں' اس نئی امریکی بائبل (یعنی Revised Standard Version (نظر ثانی شدہ معیاری ترجمہ) مختصراً RSV میں سے بغیر کسی وجہ اور تشریح کے نکال دی گئی ہیں۔ مغربی پاکستان کے تمام مشنری اور ان کے زیر اثر کلیسیائیں اور ان کے رہنما اس ترجمہ کی حمایت کر رہے ہیں۔ انہوں نے اس گمراہ کن ترجمہ سے تعلیم یافتہ طبقہ اور نوجوان طلباء کو جو پاکستان کلیسیا کی ریڑھ کی ہڈی ہیں' مانوس کرنے کا مکروہ فعل جاری رکھا ہوا ہے۔ ذیل میں انجیل کی وہ آیات پیش کی جاتی ہیں جو اس ترجمہ میں انجیل میں سے نکال دی گئی ہیں' تاکہ پاکستان کلیسیا حقیقت حال سے بخوبی واقف ہو جائے۔

انٹرنیشنل کونسل آف کرسچن چرچز جو تمام دنیا میں اس مذموم حرکت کے خلاف صف آرا ہے اور پاکستان کی کلیسیا میں بھی جو اس کونسل سے ملحق ہیں اور جن میں یو۔ پی۔ سنڈ آف پاکستان پیش پیش ہے' اس ملک میں اس بدعتی ترجمہ کے خلاف کمر بستہ ہیں۔

متی کی انجیل

47:12 کسی نے اس سے کہا دیکھ تیری ماں اور تیرے بھائی باہر کھڑے ہیں اور تجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔

21:17 لیکن ہر قسم دعا کے سوا اور کسی طرح نہیں نکل سکتی۔

11:18 کیونکہ ابن آدم کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈنے اور نجات دینے آیا ہے۔

9:19 اور میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے' اور دوسری سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے اور جو کوئی چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے' وہ بھی زنا کرتا ہے۔ ____ (خط کشیدہ حصہ آر۔ایس' وی سے حذف کر دیا گیا ہے۔)

44:21 اور جو اس پتھر پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا' لیکن جس پر وہ گرے گا' اسے پیس ڈالے گا۔ ____ یہاں پتھر سے مراد خداوند یسوع ہے' لیکن آر۔ایس۔وی کے خیال میں یہ درست نہیں۔

14:23 اے ریا کار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ ایک مرید کرنے کے لیے تری اور خشکی کا دورہ کرتے ہو اور جب وہ مرید ہو چکتا ہے تو اسے اپنے سے دُونا جہنم کا فرزند بنا دیتے ہو۔

مرقس کی انجیل

16:7 اگر کسی کے سننے کے کان ہوں تو وہ سن لے۔

44:9 جہاں ان کا کیڑا نہیں مرتا اور آگ نہیں بجھتی۔

49:9 کیونکہ ہر شخص آگ سے نمکین کیا جائے گا۔ اور ہر ایک قربانی نمک سے نمکین کی جائے گی۔ ____ (خط کشیدہ جملہ حذف کر دیا گیا ہے۔)

24:10 جو لوگ دولت پر بھروسہ کرتے ہیں' ان کے لیے خدا کی بادشاہت میں داخل ہونا کیا ہی مشکل ہے۔ ____ (خط کشیدہ جملہ حذف کر دیا گیا ہے۔)

26:11 اور اگر تم معاف نہ کرو گے تو تمہارا باپ جو آسمان پر ہے تمہارے قصور بھی معاف نہ کرے گا۔

68:14 اس نے انکار کیا اور کہا کہ میں تو نہ جانتا اور نہ سمجھتا ہوں کہ تو کیا کہتی ہے۔ پھر وہ باہر ڈیوڑھی میں گیا اور مرغ نے بانگ دی ____ (خط کشیدہ جملہ حذف کیا گیا ہے۔)

28:15 تب اس مضمون کا وہ نوشتہ کہ وہ بدکاروں میں گنا گیا پورا ہوا۔

20-9:16 تمام آیات اس ترجمہ سے نکال دی گئی ہیں۔

لوقا کی انجیل

55:9 مگر اس نے پھر کر انہیں جھڑکا اور کہا تم نہیں جانتے کہ تم کیسی روح کے ہو۔ ____ (خط

کشیدہ حصہ حذف کر دیا گیا ہے۔)

19:22 پھر اس نے روٹی لی اور شکر کر کے توڑی اور یہ کہہ کر ان کو دی۔ یہ میرا بدن ہے جو تمہارے
واسطے دیا جاتا ہے۔ میری یادگاری کے لیے یہی کیا کرو۔ ____ (خط کشیدہ جملہ حذف کر
دیا گیا ہے۔)

20:22 اور اسی طرح کھانے کے بعد پیالہ یہ کہہ کر دیا کہ یہ پیالہ میرے اس خون میں نیا عہد ہے جو
تمہارے واسطے بہایا جاتا ہے۔

17:23 اسے ہر عہد میں ضرور تھا کہ کسی کو ان کی خاطر چھوڑ دے۔

3:24 مگر اندر جا کر یسوع کی لاش نہ پائی۔

6:24 وہ یہاں نہیں ہے بلکہ جی اٹھا ہے۔

12:24 اس پر پطرس اٹھ کر قبر تک دوڑ گیا اور جھک کر نظر کی اور دیکھا کہ صرف کفن ہی کفن ہے اور
اس ماجرے سے تعجب کرتا ہوا اپنے گھر چلا گیا۔

40:24 اور یہ کہہ کر اس نے انہیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے۔

51:24 اور جب وہ انہیں برکت دے رہا تھا تو ایسا ہوا کہ ان سے جدا ہو گیا' اور آسمان پر اٹھایا گیا۔
____ (خط کشیدہ جملہ حذف کیا گیا ہے)

52:24 اور وہ اس کو سجدہ کر کے بڑی خوشی سے یروشلم کو لوٹ گئے۔ ____ (خط کشیدہ جملہ حذف کیا
گیا ہے۔)

یوحنا کی انجیل

14:1 اور کلام مجسم ہوا اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا' اور ہم نے اس کا ایسا
جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال۔ (لفظ اکلوتا حذف کیا گیا۔)

13:3 اور آسمان پر کوئی نہیں چڑھا' سوا اس کے جو آسمان سے اترا یعنی ابن آدم جو آسمان میں
ہے۔ ____ (آخری خط کشیدہ جملہ حذف کیا گیا۔)

16:3 کیونکہ خدا نے دنیا سے ایسی محبت رکھی کہ اس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا' تاکہ جو کوئی اس پر
ایمان لائے ہلاک نہ ہو۔ بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔ ____ (لفظ اکلوتا حذف کیا گیا تاکہ
کنواری سے پیدا ہونے کی حقیقت کو چھپایا جائے۔)

3:5 ان میں بہت سے بیمار' اندھے اور لنگڑے اور پژمردہ لوگ پانی کے ہلنے کے منتظر ہو کر پڑے
تھے۔ ____ (خط کشیدہ پانی کے ہلنے کے منتظر حذف کر دیا گیا ہے۔)

4:5 کیونکہ وقت پر خداوند کا فرشتہ حوض پر اتر کر پانی ہلایا کرتا تھا۔ پانی ہلتے ہی جو کوئی پہلے اترتا
سو شفا پاتا' اس کی جو کچھ بیماری کیوں نہ ہو۔

53:7 تا 11:8 (اس عورت کا قصہ جو زنا میں پکڑی گئی۔ سارے کا سارا نکال دیا گیا ہے۔)

35:9 اور جب اس سے ملا تو کہا۔ کیا تو خدا کے بیٹے پر ایمان لاتا ہے۔ ____ خدا کے بیٹے کی جگہ ابن آدم لکھ دیا گیا ہے۔

رسولوں کے اعمال

37:8 پس فلپس نے کہا کہ اگر تو دل و جان سے ایمان لائے تو بپتسمہ لے سکتا ہے اس نے جواب میں کہا' میں ایمان لاتا ہوں کہ یسوع مسیح خدا کا بیٹا ہے۔

29:28 جب اس نے یہ کہا تو یہودی آپس میں بہت بحث کرتے چلے گئے۔

رومیوں کے نام خط

2:5 جس کے وسیلے سے ایمان کے سبب سے اس فضل تک ہماری رسائی ہوئی۔ ____ (لفظ ایمان حذف)

24:16 ہمارے خداوند یسوع مسیح کا فضل تم سب کے ساتھ ہو۔

کرنتھیوں کے نام پہلا خط

29:11 کیونکہ جو کھاتے پیتے وقت خداوند کے بدن کو نہ پہچانے وہ اس کھانے پینے سے سزا پائے گا۔ ____ (لفظ خداوند حذف کیا گیا ہے۔)

عبرانیوں کے نام خط

7:2 تو نے اسے فرشتوں سے کچھ ہی کم لیا۔ تو نے اس پر جلال اور عزت کا تاج رکھا اور اپنے ہاتھوں کے کاموں پر اسے اختیار بخشا۔ ____ (خط کشیدہ جملہ حذف)

یوحنا پہلا خط عام

9:4 جو محبت خدا کو ہم سے ہے وہ اس سے ظاہر ہوئی کہ خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو دنیا میں بھیجا تاکہ ہم اس کے سبب سے زندہ رہیں۔ ____ (لفظ اکلوتا حذف کر دیا گیا۔)

پرانے عہد نامہ کی حذف شدہ آیات

زبور

12:2 بیٹے کو چومو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ قہر میں آئے۔ ____ ("بیٹے کو چومو" کی بجائے "اس کے پاؤں چومو" لکھ دیا ہے۔)

6:45 اے خدا تیرا تخت ابدالاباد ہے۔ تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے۔ ____ (خط کشیدہ جملہ حذف۔)

یسعیاہ

14:7 لیکن خداوند اب تم کو ایک نشان بخشے گا۔ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہو گی اور بیٹا پیدا ہو گا۔ ____ (کنواری کی جگہ جوان عورت)

زکریاہ

9:9 اے بنت صیہون تو نہایت شادمان ہو۔ اے دختر یروشلم خوب للکار' کیونکہ دیکھ تیرا بادشاہ تیرے پاس آتا ہے۔ وہ صادق ہے اور نجات اس کے ہاتھ میں ہے۔ ____ (خط کشیدہ جملہ حذف کر دیا گیا ہے۔)

حذف شدہ آیات پر غور کرنے سے ایک حقیقت واضح ہے کہ آر۔ایس۔وی کے مترجمین کے سامنے ایک ہی مقصد تھا کہ جہاں تک ہو سکے' بائبل میں سے وہ تمام آیات حذف کر دی جائیں' جن سے خداوند یسوع مسیح کا تجسم الوہیت' کفارہ' مردوں میں سے زندہ ہونا اور آسمان پر صعود فرمانا ثابت ہوتا ہے' تاکہ خداوند یسوع مسیح کی دوبارہ آمد مشکوک ہو جائے اور خداوند کو وہی حیثیت حاصل ہو جو دوسرے انبیاء کو حاصل ہے اور انہوں نے اس طرح خداوند مسیح کی الوہیت اور پاکیزگی اور فوق البشر ہونے کا انکار کیا ہے اور یہ ایک ایسی مذموم جسارت ہے کہ اس کی موجودگی میں عیسائیت کی ساری عمارت دھڑام سے گر جاتی ہے اور اس طرح ان نئے نام نہاد علماء نے مسیح کے مخالفین کا کردار ادا کیا ہے۔"

موریس بوکائلے
ترجمہ: ثناالحق صدیقی

اناجیل اربعہ: مآخذ اور تاریخ

ان تحریروں میں جو عیسائیت کے ابتدائی ادوار سے ہم تک پہنچی ہیں' اناجیل کا سینٹ پال کی کتابوں کے کافی عرصہ بعد تک کہیں ذکر نہیں ملتا۔ دوسری صدی عیسوی کے وسط تک اور زیادہ صحت کے ساتھ کہا جائے تو 140ء کے بعد تک عیسائی تحریروں کے مجموعوں کے متعلق بیانات منظر عام پر آنے شروع نہیں ہوئے۔ اس کے باوجود دوسری صدی عیسوی کے شروع میں بہت سے عیسائی مصنفین صاف طور پر اس امر کا اظہار کرتے ہیں کہ انہیں پال کے بہت سے خطوط کا علم تھا۔ یہ بیانات بائبل کے عالمی ترجمہ عہد نامۂ جدید کے ابتدائیہ میں پیش کیے گئے ہیں۔ (1972ء) وہ بالکل ابتدا ہی میں ذکر کر دیئے جانے کے قابل ہیں۔ اور ان کی یہاں نشاندہی کر دینا مفید ہوگا کہ جس تحریر کا حوالہ دیا جا رہا ہے وہ ایک اجتماعی کوشش کا نتیجہ ہے جس میں سو سے زیادہ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ ماہرین خصوصی باہم مجتمع ہوئے تھے۔

اناجیل جو بعد میں چل کر سرکاری یعنی شرعی حیثیت اختیار کر گئیں' کافی عرصہ بعد تک علم میں نہیں آئیں' حالانکہ وہ دوسری صدی عیسوی کے شروع میں مکمل کی جا چکی تھیں۔ عالمی ترجمہ کے مطابق ان سے متعلق کہانیاں دوسری صدی عیسوی کے وسط میں بیان کی جانے لگی تھیں۔ اس کے باوجود ''یہ بات طے کرنی تقریباً ہمیشہ مشکل رہی ہے کہ ان کے اقتباسات' تحریری متون سے حاصل کیے گئے جو مصنفین کے پاس ان کے علاوہ تھے یا موخر الذکر زبانی روایت کے ٹکڑوں اور فقروں کی یاد کو قائم رکھنے پر قانع رہے۔''

''140ء سے قبل'' بائبل کے اس ترجمہ میں شامل تبصروں میں ہم پڑھتے ہیں کہ ''کسی حالت میں بھی کوئی ایسا بیان موجود نہیں تھا جس سے کوئی شخص انجیل سے متعلق تحریروں کے کسی مجموعے کے بارے میں تمیز کر سکتا۔'' یہ بیان اس تحریر کے خلاف ہے جو اے ٹری کوٹ نے عہد نامۂ جدید کے اپنے ترجمہ میں تبصرہ کرتے ہوئے دی تھی۔ (1960ء) ''دوسری صدی عیسوی کے شروع ہونے سے بہت پہلے'' انجیل کا لفظ استعمال کرنا ایک عادت بن گیا تھا جس سے مراد وہ کتابیں تھیں جن کو سینٹ جسٹن نے

150ء کے لگ بھگ حواریوں کی یادداشتیں قرار دیا تھا۔'' بدقسمتی سے اس قسم کے بیانات پبلک کے لیے اناجیل کی تاریخ کے بارے میں خیال قائم کرنے کے سلسلے میں کافی عام ہیں جو غلط ہیں۔

اناجیل ''بہت پہلے'' ایک مکمل مجموعہ کی شکل میں ظہور پذیر نہیں ہوئیں۔ یہ وقوعہ یسوع مسیح کے تبلیغی مشن کے اختتام کے ایک صدی سے بھی زیادہ بعد میں رونما ہوا۔ بائبل کا عالمی ترجمہ اس تاریخ کا جس میں چاروں انجیلوں نے شرعی لٹریچر کا درجہ حاصل کیا، تعین 170ء کے لگ بھگ کا کرتا ہے۔

جسٹن کا وہ بیان بھی جس میں مصنفین کو ''حواری'' کہا گیا ہے، آئندہ معلوم ہو جائے گا کہ قابل قبول نہیں ہے۔

جہاں تک کہ اس تاریخ کا تعلق ہے جس میں اناجیل لکھی گئیں، اے ٹری کوٹ کا کہنا ہے کہ متی کی، مرقس کی اور لوقا کی انجیلیں 70ء سے پہلے لکھی گئیں۔ لیکن یہ بات قابلِ قبول نہیں ہے، سوائے مرقس کی انجیل کے۔ بہت سے اور مصنفین کی پیروی کرتے ہوئے یہ شارح بھی اپنی راہ سے یہ بتانے میں دور ہٹ جاتا ہے کہ اناجیل کے مصنفین رسول یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری تھے۔ اسی وجہ سے وہ ان کے تحریر کیے جانے کی ان تاریخوں کا تعین کرتا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے قریبی زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں۔

جہاں تک یوحنا کا تعلق ہے، ان کے بارے میں اے ٹری کوٹ ہمیں یقین دلاتا ہے کہ وہ تقریباً 100ء تک زندہ رہے۔ عیسائی اس بات کے عادی رہے ہیں کہ وہ ان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بہت قریب کے زمانہ میں بتائیں۔ لیکن یہ اعتراف کرنا نہایت دشوار ہے کہ وہ اس انجیل کے مصنف ہیں جو ان کے نام سے منسوب ہے۔ دوسرے شارحین کی طرح اے ٹری کوٹ کے نزدیک یوحنا حواری (متی کی طرح) ان حقائق کے جو وہ بیان کرتے ہیں، قانونی حیثیت سے شاہد تھے۔ اگرچہ ناقدین کی اکثریت اس نظریہ کی حمایت نہیں کرتی کہ انہوں نے ہی چوتھی انجیل کو تحریر کی شکل دی۔

لیکن اگر چاروں انجیلیں جو زیر بحث ہیں، دلائل سے رسولوں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی یادداشتیں قرار نہیں پا سکتیں تو پھر یہ سوال اٹھتا ہے کہ وہ آئیں کہاں سے؟

اوکلمان اپنی تصنیف ''عہد نامۂ جدید'' میں اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ انجیلوں کے مرتبین محض ''ابتدائی دور کے اس عیسائی فرقہ کے ترجمان تھے جس نے زبانی روایتوں کو تحریر کیا۔'' تیس چالیس سال تک انجیل قریب قریب محض زبانی روایت کی شکل میں موجود رہی اور زبانی روایت نے صرف اقوال کو آئندہ کے لیے منتقل کیا اور بیانات کو ان سے علیحدہ کر دیا۔ اناجیل اربعہ کے مصنفین نے ان کو باہم مربوط کیا۔ ہر ایک نے اپنے مزاج کی افتاد اور سابقہ دینی رجحان کے مطابق اپنا جداگانہ طریقہ اختیار کیا۔ مشہور روایتوں کی روشنی میں جو بیانات اور اقوال ان تک پہنچے تھے ان کو آپس میں ملا دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشادات کو یکجا کرنے اور اسی طرح روایتوں کو ترتیب دینے کا کام مبہم فقروں مثلاً ''اس کے بعد جب ایسا ہوا'' وغیرہ کے ذریعہ ملا کر کیا گیا ہے۔ یہ الفاظ دیگر کتب متفقہ (متی، مرقس اور یوحنا کی

انجیلیں جن کی ترتیب یکساں ہے) کا ڈھانچہ خالص ادبی ترتیب پر ہے اور اس کی بنیاد تاریخ پر نہیں۔"

وہی مصنف بیان جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے:

یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ تبلیغ' عبادت اور تعلیم کی اہمیت سوانحی بیانات سے زیادہ ہے اور یہی وہ ضرورتیں تھیں جنہوں نے ابتدائی اقوام کی اس وقت رہبری کی جب انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات سے متعلق روایت کو قلم بند کیا۔ حوارین نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے واقعات بیان کرنے کے سلسلہ میں عقیدہ کی سچائی کو ظاہر کیا ہے۔ ان کے مواعظ وہ ہیں جو ان بیانات کو ضبط تحریر میں لانے کا موجب ہوئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشادات خصوصیت سے ابتدائی دور کے کلیسا کے سوال و جواب نامہ کی شکل میں منتقل کیے گئے۔"

ٹھیک یہی وہ طریقہ ہے جس سے بائبل کے عالمی ترجمہ کے شارحین' اناجیل کی تحریر کو بیان کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں اور دیگر مبلغین کی تبلیغ سے متاثر زبانی روایت کی تشکیل اس مواد کا تبلیغ کے ذریعہ محفوظ رکھنے کا عمل جو اناجیل میں فی الحقیقت پایا جاتا ہے اور دین عیسوی کے ماننے والوں کی تبلیغ' عبادت کے دوران دعائیں مانگنے کا طریقہ اور تعلیم کسی قدر ضعیف امکان کے ساتھ وہ مرئی شکل جو دین کے چند احکامات کے تحریر میں آجانے سے بنی' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشادات مثلاً مصائب مسیح کے جو صلیب پر آپ نے برداشت کیے' بیانات' یہ حقیقت کہ انجیلوں کے مرتبین کا مدار مختلف تحریری شکلوں پر بھی رہا' وہ مواد ہے جو زبانی روایت میں شامل ہے۔ وہ لوگ ان متون کی تخلیق میں ان چیزوں پر انحصار کرتے ہیں جو "مختلف حلقوں کے لیے موزوں ہیں جو کلیسا کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں۔ صحیفوں کے فقروں کی توضیح وتشریح کرتے ہیں' غلطیوں کی تصحیح کرتے ہیں اور موقع بہ موقع مخالفین کے اعتراضات کا جواب بھی پیش کر دیتے ہیں۔ اس طرح انجیلوں کے مرتبین میں سے ہر ایک نے اپنے نقطہ نظر سے اس مواد کو جو انہیں زبانی روایت سے ملا' جمع کیا اور ترتیب دیا ہے۔"

یہ صورت ایک سو سے زیادہ ماہرین نے مجموعی طور پر عہد نامہ جدید کی تفسیر کے سلسلہ میں اختیار کی ہے اور اس میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دونوں ہی شامل ہیں۔ اس میں اس روش سے زبردست اختلاف کیا گیا ہے جو دوسری ویٹی کن کونسل نے وحی و الہام پر 1962ء اور 1966ء کے مابین اپنے اصولی آئین میں قائم کی ہے۔ اس مشاورتی دستاویز کا حوالہ ایک مرتبہ پہلے دیا جا چکا ہے۔ جب عہد نامۂ قدیم پر گفتگو کی جا رہی تھی۔ موخر الذکر کے بارے میں کونسل یہ اعلان کر سکی کہ "جن کتابوں میں اس کو ترتیب دیا گیا ہے ان میں وہ مواد شامل ہے جو نامکمل اور متروک ہے۔" لیکن اس نے یہی پابندیاں اناجیل کے بارے میں ظاہر نہیں کی ہیں۔ اس کے برخلاف جیسا کہ ہم ذیل میں پڑھتے ہیں۔

"کوئی شخص بھی اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتا کہ تمام صحیفوں میں یہاں تک کہ عہد نامۂ جدید میں بھی اناجیل کو ایک اعلیٰ و برتر مقام حاصل ہے۔ یہ بات اس حقیقت کے لحاظ سے ہے کہ ان میں کلمۃ اللہ یعنی ہمارے نجات دہندہ کی حیات اور تعلیمات کی انتہائی فائق و برتر شہادت ملتی ہے۔ تمام

زمانوں میں اور تمام مقامات پر کلیسا نے چاروں انجیلوں کی پیغمبرانہ حیثیت کو برقرار رکھا ہے اور ہنوز برقرار رکھے ہوئے ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احکام کی رسولوں نے حقیقت میں جو تبلیغ کی اس کو انہوں نے اور ان کے متبعین و مقلدین نے روحانی کیفیت سے سرشار ہو کر ان تحریروں میں آئندہ نسلوں کو منتقل کیا جو عقیدہ کی بنیاد ہیں یعنی اناجیل اربعہ جو متی، مرقس، لوقا اور یوحنا سے مروی ہیں۔

"ہماری مادرِ مقدسہ یعنی کلیسا نے نہایت مستحکم طریقہ پر اس بات کو برقرار رکھا ہے اور انتہائی استقامت کے ساتھ برقرار رکھے ہوئے ہے کہ یہ چاروں انجیلیں جن کو یہ بلا جھجک تاریخی اعتبار سے مستند مانتی ہے، دیانتداری سے بالکل وہی کام اور وہی کلام ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن اللہ نے لوگوں کے درمیان رہتے ہوئے اپنی حیات میں ان کی دائمی نجات کے لیے اس دن تک کیے جب ان کو (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو) آسمان پر اٹھایا گیا...... لہٰذا ان مقدس و برگزیدہ مصنفین نے اناجیل اربعہ کو اس طریقہ سے مرتب کیا کہ ان سے حضرت یسوع مسیح کی حیات سے متعلق صحیح اور واضح معلومات ملتی رہے۔"

یہ اس صحت کا ایک غیر مبہم اقرار ہے جس سے اناجیل حضرت یسوع مسیح کے اعمال اور اقوال کو منتقل کرتی ہیں۔

کونسل کے بیان میں اور جو کچھ مذکورہ بالا مصنفین دعویٰ کرتے ہیں اس میں بمشکل ہی کوئی مطابقت دکھائی دیتی ہے، خصوصیت سے حسب ذیل بیان میں۔

اناجیل کو "لفظی اعتبار سے نہیں لینا چاہیے۔" وہ "موقع اور محل کی مناسبت سے تحریریں" یا "مناظراتی تحریریں" ہیں۔ ان کے مصنفین حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق خود اپنی قوم کی روایات کو ضبط تحریر میں لا رہے ہیں۔ (فادر کینن ٹی ایسے)

اناجیل ایسے متن ہیں جو "مختلف حلقوں کے لیے موزوں ہیں۔ کلیسا کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں۔ صحیفوں کے متعلق بیانات کی توضیح و تشریح کرتے ہیں۔ غلطیوں کی اصلاح کرتے ہیں اور یہاں تک کہ موقع پڑنے پر مخالفین کے اعتراضات کا جواب بھی دے دیتے ہیں۔ اس طرح انجیلوں کے مرتبین میں سے ہر ایک نے اپنے نقطہ نظر سے اس مواد کو جو زبانی روایت سے اس کو ملا، جمع کیا اور ترتیب دے دیا۔" (بائبل کا عالمی ترجمہ)

یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہاں ہمیں متضاد بیانات ملتے ہیں۔ کونسل کا اعلان ایک طرف ہے اور نہایت جدید دور کا اختیار کیا ہوا موقف دوسری طرف۔ دوسری ویٹی کن کونسل کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے افعال و اقوال کا ایک صحیح بیان اناجیل میں ملتا ہے لیکن اس کی مطابقت تضادات اور ناممکنات پر مشتمل ان تحریروں کے ساتھ پیدا کرنا ناممکن ہے جو ایسی چیزیں ہیں کہ معنوی اعتبار سے غیر ممکن ہیں۔ یا ایسے بیانات ہیں جو پورے طور پر تسلیم شدہ حقیقت کے منافی ہیں۔

اگر دوسری طرف کوئی شخص اناجیل کو ایسی تحریریں مان لے جو ان لوگوں کے نقطہ نظر کو پیش

کرتی ہیں جنہوں نے مختلف فرقوں کی زبانی روایتوں کو جمع کیا' یا ایسی تحریریں سمجھ لے جو موقع کے مناسب یا مناظراتی تحریریں تھیں تو اناجیل میں کوتاہیوں کا بار پانا کوئی تعجب خیز امر نہیں رہ جاتا۔ یہ تمام کوتاہیاں علامت ہیں اس بات کی کہ لوگوں نے ان کو ایسے ہی حالات میں تحریر کیا۔ اس کے باوجود کہ مصنفین نے واقعات کو ان کی عدم صحت پر شبہ کیے بغیر ان کو لکھ دیا پھر بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے کام میں پوری طرح مخلص ہوں۔ ان سے ہمیں ایسی تحریریں دستیاب ہوتی ہیں جو دوسرے مصنفین کے بیانات کی تردید کرتی ہیں یا وہ مختلف فرقوں کے مابین ہونے والے مذہبی مناقشات کے دلائل سے متاثر ہیں۔ لہٰذا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات سے متعلق ایسے قصے بیان کرتے ہیں جو ان کے مخالفین کے زاویہ نظر سے بالکل مختلف ہیں۔

یہ بات پہلے ہی ظاہر کی جا چکی ہے کہ اناجیل سے متعلق دوسرا موقف کس طرح تاریخی سیاق سے مطابقت رکھتا ہے۔ متون سے متعلق ہمارے پاس جو مواد موجود ہے' وہ اس بات کی پوری طرح توثیق وتصدیق کرتا ہے۔

متی کی انجیل (1)

عہد نامہ جدید میں موجود اناجیل اربعہ میں متی سب سے پہلے آتے ہیں۔ ان کا یہ مقام اس حقیقت کی روشنی میں بالکل حق بجانب ہے کہ یہ عہد نامہ قدیم ہی کا ایک بڑھا ہوا حصہ ہے۔ یہ انجیل اس بات کے اظہار کے لیے لکھی گئی تھی کہ "حضرت عیسیٰ علیہ السلام" نے اسرائیل کی تاریخ کی تکمیل کی۔" جیسا کہ بائبل کے عالمی ترجمہ کے شارحین لکھتے ہیں اور جس کو ہم تفصیل سے بیان کریں گے۔ اس مقصد کے لیے متی برابر عہد نامہ قدیم سے ایسے حوالے دیئے جاتے ہیں جن سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہی عمل کرتے رہے جو وہ مسیح کرتے جن کا یہودی انتظار کر رہے تھے۔

یہ انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نسب نامے سے شروع ہوتی ہے۔ متی نے اس کو حضرت داؤد علیہ السلام کے واسطے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پہنچایا ہے۔ ہم ابھی متن میں اس کوتاہی کی نشاندہی کریں گے جو بیشتر شارحین خاموشی سے نظر انداز کر دیتے ہیں' تاہم متی کا مقصد یہ سلسلہ نسب پیش کرنے سے اپنے کام کے عمومی انداز کو ظاہر کرنا تھا۔ مصنف موصوف یہودی شریعت کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے موقف کو برابر سامنے لاکر اپنے اس خیال کے سلسلہ کو جاری رکھتے ہیں۔ اس شریعت کے خاص اصول (نماز روزہ اور زکوٰۃ کی ادائیگی) یہاں مختصراً بیان کیے جاتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی تعلیمات کی اشاعت سب سے پہلے اپنے لوگوں میں کرتے ہیں۔ یہ طریقہ ہے جس سے آپ اپنے بارہ حواریوں سے گفتگو فرماتے ہیں۔

"غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا" (متی 1:5-6) "میں اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے

سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔" (متی 24:15) انجیل کے اخیر میں ایک دوسری جگہ متی یسوع مسیح کے پہلے شاگردوں کے تبلیغی مشن کو تمام اقوام تک وسیع کر دیتے ہیں۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حسب ذیل حکم دلواتے ہیں "پس تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ" (متی 28:19) لیکن مقصد اولین اسرائیل کا گھرانہ ہونا چاہیے۔ اے ٹری کوٹ کا اس انجیل کے بارے میں کہنا ہے کہ "اس کے یونانی لبادے کے نیچے اس کتاب کے گوشت و استخوان یہودی ہیں اور یہی اس کی روح ہے: اس میں یہودی احساس جاری وساری ہے اور اس کی اپنی امتیازی علامات ہیں۔"

"صرف ان ہی مشاہدات کی بنیاد پر متی کی انجیل کے ماخذ یہودی وعیسائی فرقہ کی روایت میں قایم کیے جاسکتے ہیں۔ اوکلمان کے بموجب یہ فرقہ "یہودیت سے رسے تڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن ساتھ ہی عہدنامہ قدیم کے تسلسل کو قائم رکھے ہوئے تھا۔ اس انجیل کے پہلے کے مخصوص عقائد اور اس کا عمومی انداز ایک تناؤ کی کیفیت کی جانب اشارہ کرتا ہے۔"

متن میں سیاسی اجزاء بھی پائے جاتے ہیں۔ فلسطین پر رومیوں کے قبضہ نے قدرتی طور پر اس ملک کی حصول آزادی کی خواہش کو بہت بڑھا دیا تھا۔ وہ لوگ خدا سے دعا کرتے تھے کہ جن لوگوں کو اس نے دوسرے تمام لوگوں میں منتخب کیا ہے ان کی نصرت فرمائے۔ اور بادشاہ علی الاطلاق کی طرح جو نوع بشر کے امور میں براہِ راست مدد کرسکتا ہے ان کی مدد کرے، جس طرح اس نے تاریخی ادوار میں بارہا مدد کی ہے۔

متی کس قسم کے بزرگ تھے؟ ہم برملا یہ بات کہتے ہیں کہ وہ اب ہرگز بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں شمار نہیں کیے جاتے۔ تاہم اے ٹری کوٹ عہد نامۂ جدید کے ترجمہ پر اپنے تبصرہ میں ان کو حواریوں میں شمار کرتے ہیں۔ (1960ء) "متی المعروف بہ لیوی اس زمانہ میں جب حضرت یسوع مسیح نے اس کو اپنی شاگردی میں لیا' اس وقت کاپورناؤم کے مقام پر ناکہ پر یا کسٹم ہاؤس میں بحیثیت کسٹم افسر کے ملازم تھا۔" یہ کلیسا کے فادرز اور یگن' جیروم اور اپی فینس کی رائے ہے۔ اس رائے کو آج کل قطعاً تسلیم نہیں کیا جاتا۔ ایک نکتہ جو غیر اختلافی ہے' یہ ہے کہ مصنف لکھ رہا ہے "ان لوگوں کے لیے جو یونانی زبان بولتے ہیں لیکن پھر بھی یہودیوں کے طور طریقوں اور آرامی زبان سے واقف ہے۔"

اس بات کا پتہ چل جائے گا کہ عالمی ترجمہ کے شارحین کے نزدیک اس انجیل کے ماخذ حسب ذیل ہیں۔

"یہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اس کی تحریر کا کام شام میں اور غالباً انطاکیہ کے مقام پر (......) یا فنیقیہ میں ہوا ہے' کیونکہ ان ممالک میں بے شمار یہودی آباد تھے (......) ہمیں عبادت گاہ کی کٹر یہودیت اور فریسیوں کے خلاف ایک ایسے ہی مناظرے کے شواہد ملتے ہیں' جس طرح کے جامنا کے مقام پر 80ء کے قریب صیہونیتی اسمبلی میں رونما ہوئے تھے۔" ان حالات میں ایسے بہت سے مصنفین ہیں جو اناجیل میں سب سے پہلی انجیل کا تعین 80ء تا 90ء کے لگ بھگ کرتے ہیں' بلکہ غالباً اس سے بھی

کچھ پہلے کا۔ اس کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ کہنا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ ہمیں مصنف کا صحیح نام معلوم نہیں ہے۔ لہٰذا ہمیں ان چند خاکوں پر مطمئن ہو جانا پڑے گا جو خود انجیل میں دیئے گئے ہیں۔ مصنف کو خود اس کے پیشے سے پہچانا جاسکتا ہے۔ وہ یہودی تحریرات اور روایات کا ماہر ہے۔ وہ اپنی قوم کے مذہبی رہنماؤں کو جانتا' ان کی عزت کرتا لیکن سختی سے ان کو چیلنج کرتا ہے۔ وہ تعلیم و تلقین کے فن میں مہارت رکھتا ہے اور اپنے سامعین کے لیے یسوع مسیح کی باتوں کو قابلِ فہم بنانے کا اس کو ملکہ ہے۔ وہ اپنی تعلیمات کے عملی نتائج پر ہمیشہ زور دیتا ہے۔ وہ ایک پڑھے لکھے یہودی کے جس نے عیسائیت قبول کر لی ہو واقعات کو نہایت خوبی سے منضبط کر دیتا ہے۔ جیسا کہ متی کا بیان ہے گھر کا مالک ''جو اپنے خزانہ میں سے نئی اور پرانی چیزیں نکالتا ہے۔'' (52:13) یہ کاپورناؤم کے اس سول ملازم سے نہایت بعید بات ہے جس کو مرقس اور لوقا' لیوی کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور جو بارہ حواریوں میں شامل ہو چکا ہے۔

ہر شخص اس خیال سے متفق ہے کہ متی نے انہی کے ماخذوں کو کام میں لا کر انجیل لکھی جن کو مرقس اور لوقا کام میں لائے۔ ان کا بیان جیسا کہ ہم دیکھیں گے کئی ضروری نکات میں مختلف ہے۔ اس کے باوجود متی نے مرقس کی انجیل سے بہت کچھ مستعار لیا ہے۔ حالانکہ موخر الذکر یسوع مسیح کے حواریوں میں سے نہیں تھے۔ (اوکلمان)

متی متن کے سلسلہ میں بے انتہا آزادی کو کام میں لاتے ہیں۔ اس بات کو ہم اس وقت دیکھیں گے جب ہم یسوع مسیح کے نسب نامہ کے سلسلہ میں عہد نامۂ قدیم پر بحث کریں گے' جو ان کی انجیل میں شروع ہی میں مذکور ہے۔ وہ اپنی کتاب میں ایسے بیانات درج کرتے ہیں جو لفظاً قطعاً ناقابل یقین ہیں۔ یہ وہ صفت ہے جو اس کتاب میں استعمال کی گئی ہے جس کا حوالہ صدر میں فادر کینن ڈی ایسے نے اس موقع پر دیا ہے جب وہ رفع مسیح کے سلسلہ میں ایک حواری کا تذکرہ کر رہے تھے۔ یہ محافظ دستہ کے حواری تھے۔ وہ اس قصہ کے ناممکن ہونے کو بتا رہے تھے جس میں مقبرہ پر متعین فوجی محافظین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ''یہ غیر بھرتی شدہ سپاہی'' جو ''اپنے مذہبی سرداروں کو نہیں بلکہ ان اعلیٰ پادریوں کو رپورٹ دیتے ہیں جو ان کو کذب بیانی کا معاوضہ ادا کرتے ہیں۔'' لیکن وہ یہ بھی بتا دیتے ہیں ''کسی کو ان پر ہنسنا نہیں چاہیے۔ کیونکہ متی کا مقصد انتہائی سنجیدگی پر مبنی تھا۔ وہ زبانی روایت سے قدیم مواد لے کر اپنی تحریر میں داخل کر لیتے ہیں تاہم یہ مخلوط عبارت یسوع مسیح کے شایانِ شان ہے۔''

ہمیں یہ بات نہ بھولنی چاہیے کہ متی کے بارے میں یہ ایک مشہور عالم دین کی شہادت ہے جو پیرس کے کیتھولک عقیدہ کے ایک ادارے میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

متی اپنے بیان میں ان واقعات کا ذکر کرتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رحلت کے ساتھ رونما ہوئے۔ یہ ان کے قیاس کی ایک اور مثال ہے۔

''اور دیکھو۔ مقدس پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ اور زمین لرزی اور چٹانیں تڑک گئیں اور قبریں کھل گئیں۔ اور بہت سے جسم ان مقدسوں کے جو سو گئے تھے جی اٹھے اور اس

کے جی اٹھنے کے بعد قبروں سے نکل کر مقدس شہر میں گئے اور بہتوں کو دکھائی دیئے۔"

متی کی انجیل سے یہ اقتباس (27:51-53) ایسا ہے جس کا متناظر ٹکڑا کسی دوسری انجیل میں موجود نہیں ہے۔ یہ بات سمجھنا مشکل ہے کہ زیر بحث سینٹس کی جماعت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رحلت کے ٹھیک بعد سے کیسے وجود میں آ گئی (اناجیل کے بموجب یہ واقعہ سبت کے موقع پر رونما ہوا) اور رفع مسیح کے بعد وہ اپنے مقبروں سے اُبھرے (اسی ماخذ کے مطابق یہ واقعہ سبت کے اگلے دن ہوا۔)

سب سے زیادہ قابلِ غور ناممکن بات غالباً متی کے ہاں دکھائی دیتی ہے۔ ان تمام باتوں کی توجیہ کرنا' جو اناجیل کے مصنفین کے دعویٰ کے بموجب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہیں' تقریباً دشوار ہے۔ وہ باب 12 فقرات 38-40 میں یوحنا کی علامت کے بارے میں واقعہ کو بیان کرتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت ان کاہنوں اور فریسیوں کے درمیان موجود تھے' جب ان لوگوں نے آپ کو مندرجہ ذیل الفاظ میں مخاطب کیا۔

"اے استاد ہم تجھ سے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں۔" اس نے جواب دے کر ان سے کہا "اس زمانے کے برے اور زنا کار لوگ نشان طلب کرتے ہیں لیکن یوناہ نبی (حضرت یونس علیہ السلام) کے نشان کے سوا کوئی نشان ان کو نہ دیا جائے گا۔ کیونکہ یوناہ تین دن اور تین رات مچھلی کے پیٹ میں رہا۔ ویسے ہی ابن آدم تین دن اور تین رات زمین کے اندر رہے گا۔"

لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ اعلان فرماتے ہیں کہ وہ تین دن اور تین رات زمین کے اندر رہیں گے۔ چنانچہ متی' لوقا اور مرقس کی ہمنوائی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رحلت اور تدفین کو سبت کی شام میں ہونا قرار دیتے ہیں۔ اس سے وہ وقت جو زمین کے اندر گزرا یقیناً تین دن ہوتا ہے (یونانی متن میں' ترے ایس ایمراس ہے") لیکن یہ مدت صرف دو راتوں پر مشتمل ہو سکتی ہے نہ کہ تین پر (یونانی متن میں' ترے ایس نوکتاس ہے) (2)

انجیل کے شارحین اکثر اس واقعہ کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ تاہم فادر روگے اس غیر امکانی بات کی نشان دہی کرتے ہیں۔ جب وہ یہ بات بتاتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام "قبر میں رہے تین دن (ان میں سے ایک چیز مکمل) اور دو راتیں (3)"۔ لیکن وہ اس بات کا اضافہ کرتے ہیں۔ "یہ ایک بندھا ٹکا محاورہ ہے اور اس کا مطلب حقیقتاً تین یوم ہوتا ہے۔" یہ بات دیکھ کر پریشانی ہوتی ہے کہ شارحین ایسے دلائل پیش کرنے پر اتر آتے ہیں جن کا کوئی مثبت مفہوم نہیں ہوتا۔ عقلی اعتبار سے یہ کہنا زیادہ اطمینان بخش ہوگا کہ اس قسم کا ایک واضح سہو کسی کاتب کی غلطی کا نتیجہ ہے۔

ان ناممکنات سے ہٹ کر جو چیز متی کی انجیل کو سب سے زیادہ ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ انجیل ایک یہودی عیسائی فرقہ کی تحریر ہے جو اس دوران وجود میں آئی جب یہ فرقہ عہد نامۂ قدیم کے ساتھ وابستہ رہ کر یہودیت سے رسے تڑا رہا تھا۔ یہودی عیسائی تاریخ کے نقطہ نظر سے اس کی بڑی اہمیت ہے۔

مرقس کی انجیل (4)

اناجیل اربعہ میں یہ سب سے مختصر ہے۔ یہ قدیم ترین بھی ہے لیکن اس کے باوجود یہ حواری کی لکھی ہوئی کتاب نہیں ہے زیادہ سے زیادہ اس کو ایک حواری کے شاگرد نے قلمبند کیا ہے۔

اوکلمان نے لکھا ہے کہ میں مرقس کو یسوع کا شاگرد نہیں سمجھتا۔ اس اعتراف کے باوجود مصنف ان لوگوں کو بتاتا ہے' جو اس انجیل کا انتساب مرقس حواری سے کرنے کی غلطی کرتے ہیں کہ ''متی اور لوقا اس انجیل کو اس طور پر کام میں نہ لاتے جس طرح وہ اس کو کام میں لائے ہیں۔ اگر ان کو یہ معلوم نہ ہوتا کہ وہ حقیقتاً ایک حواری کی تعلیمات پر مبنی ہے۔'' یہ استدلال کسی طرح بھی فیصلہ کن نہیں ہے۔ اوکلمان ان تحفظات کی حمایت میں جو وہ یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ میں عہد نامہ جدید سے اکثر اوقات کسی ایک شخص یوحنا اور المعروف بہ مرقس کے اقوال کا حوالہ دیتا ہوں۔ لیکن یہ اقتباسات انجیل کے کسی مصنف کے نام کا حوالہ نہیں پیش کرتے ہیں اور مرقس کا متن خود بھی کسی مصنف کا نام نہیں ظاہر کرتا۔

اس نکتہ پر معلومات کا فقدان شارحین کو ان تفصیلات کے بیان کرنے کی طرف لے گیا کہ جو قدرے نامعقول معلوم ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر یہ عذر پیش کر کے کہ مرقس ہی تنہا مصائب مسیح کے تذکرہ میں اس نوجوان کا قصہ بیان نہیں کرتے جس کے جسم پر ململ کے ایک کپڑے کے سوا اور کچھ بھی نہیں تھا۔ اور جب وہ پکڑا گیا تو ململ کا وہ کپڑا بھی وہیں چھوڑا' اور برہنہ ہی فرار ہوگیا (مرقس 14,15-52) وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ وہ نوجوان یقیناً مرقس ہی ہوگا۔ ''وہ تابعدار شاگرد جس نے اپنے استاد کی اتباع کرنے کی کوشش کی۔'' (عالمی ترجمہ) دوسرے شارحین اس ''ذاتی یادداشت کو اس استاد کی ایک علامت اور ایک نامعلوم نشان'' محسوس کرتے ہیں۔ ''اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ ایک عینی شاہد تھا۔'' (اوکلمان)

اوکلمان کا خیال ہے کہ ''ترکیب الفاظ کی کافی الٹ پھیر سے اس کلیہ کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ مصنف ایک یہودی تھا۔'' لیکن لاطینی کی عبارتوں سے اس بات کی نشان دہی ہو سکتی ہے کہ اس نے اپنی انجیل روم میں بیٹھ کر تحریر کی تھی۔ ''اس کے علاوہ وہ ان عیسائیوں سے خطاب کرتا ہے جو فلسطین میں نہیں رہ رہے ہیں اور اس بات کی احتیاط رکھتا ہے کہ جو آرامی عبارتیں وہ استعمال کرتا ہے ان کی تشریح کر دے۔''

روایت کافی الحقیقت یہ رجحان ہے کہ وہ مرقس کو روم کے مقام پر پطرس کے ساتھیوں میں بتائے۔ اس کی بنیاد پطرس کے پہلے خط کے آخری حصے پر ہے۔ (ہمیشہ اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ وہ واقعی مصنف تھا) پطرس نے اپنے خط میں تحریر کیا۔ ''بابل کے مقام پر موجود فرقہ جو اسی طرح انتخاب کیا ہوا ہے تمہیں مبارکباد دیتا ہے۔ اور اسی طرح میرا بیٹا مرقس بھی تبریک پیش کرتا ہے۔'' ''بابل سے جس سے غالباً روم مراد ہے۔'' ہم عالمی ترجمہ کی شرح میں پڑھتے ہیں اس سے اس وقت شارحین یہ نتیجہ اخذ

کرنے میں خود کو حق بجانب خیال کرتے ہیں کہ مرقس جس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ پطرس کے ساتھ روم میں تھا وہی انجیل کا مرتب تھا...... یہ امر موجب حیرت ہے کہ استدلال کا یہ وہ انداز تو نہیں ہے جو ہیراپولس کے بشپ پاپیاس کو 150ء کے لگ بھگ اس انجیل کو پطرس کے ترجمان اور پال کے امکانی شریک کار مرقس سے منسوب کرنے کی جانب راجع ہوا تھا۔

اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو مرقس کی انجیل کی تدوین کے کام کو پطرس کی وفات کے بعد قرار دیا جاسکتا ہے، جو عالمی ترجمہ کے مطابق 62ء اور 70ء کے درمیان کا اور اوکلمان کے بموجب 70ء کے لگ بھگ کا زمانہ ہے۔

خود متن سے واضح طور پر ایک بڑی کوتاہی کی نشان دہی ہوتی ہے۔ یہ تاریخی ترتیب کو قطعاً نظر انداز کرتے ہوئے لکھی گئی ہے۔ اس لیے مرقس اپنی تحریر کے شروع میں (20-16:1) ان چار ماہی گیروں کے واقعہ کو جن کو یسوع مسیح اپنے اتباع پر آمادہ کرتے ہیں، محض اتنا کہہ کر ختم کر دیتے ہیں۔ ''میں تمہیں انسانوں کو قابو میں کرنے والا بناؤں گا۔'' حالانکہ وہ لوگ ان کو (حضرت یسوع مسیح کو) جانتے تک نہیں۔ انجیل کا مرتب دوسری باتوں کے ساتھ بظاہر معقولیت کے مکمل فقدان کو ظاہر کرتا ہے۔

جیسا کہ فادر روگے نے کہا ہے ''مرقس ایک بے سلیقہ مصنف ہے۔ انجیل کے مرتبین میں کمزور ترین ہے۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ کسی بیان کو کس طرح قلم بند کیا جائے۔'' یہ شارح اپنے اس جائزہ کو ایک عبارت دے کر تقویت پہنچاتا ہے۔ یہ عبارت اس بارے میں ہے کہ بارہ حواریوں کا انتخاب کیسے عمل میں لایا گیا۔

یہاں ایک لفظی ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

''اور پھر وہ پہاڑ پر چڑھ گیا اور جن کو وہ آپ چاہتا تھا ان کو پاس بلایا اور وہ اس کے پاس چلے آئے اور اس نے بارہ کو مقرر کیا تاکہ وہ اس کے ساتھ رہیں اور وہ ان کو بھیجے کہ تبلیغ کریں اور بدروحوں کو نکالنے کا اختیار رکھیں اور اس نے بارہ کو بنایا اور شمعون کا نام پطرس رکھا۔ (مرقس 3:13-16)

وہ متی اور لوقا کی تردید کرتا ہے جیسا کہ صدر میں پہلے ہی یونس علیہ السلام (یوناہ) کے نشان کے سلسلے میں دیکھا جا چکا ہے۔ نشانوں کے موضوع پر جو یسوع نے اپنے مشن کے سلسلہ میں لوگوں کو دیئے تھے مرقس (8:11-13) ایک ایسا واقعہ بیان کرتا ہے جو بہ مشکل ہی قابل یقین کہا جاسکتا ہے۔

''پھر فریسی نکل کر اس سے بحث کرنے لگے اور اس کو آزمانے کے لیے اس سے کوئی آسمانی نشان طلب کیا۔ اس نے اپنی روح میں آہ کھینچ کر کہا، اس زمانے میں لوگ کیوں نشان طلب کرتے ہیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہیں دیا جائے گا اور وہ ان کو چھوڑ کر پھر کشتی میں بیٹھا اور پار چلا گیا۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اقرار خود حضرت یسوع مسیح کی جانب سے اپنے اس عزم و ارادہ کے سلسلہ میں ہوا ہے کہ آپ کسی ایسے عمل کا وعدہ کریں جو مافوق الفطرت اور اعجاز ہو۔ اس لیے عالمی

ترجمہ کے شارحین جو اس بات پر حیرت زدہ ہیں کہ لوقا تو کہتے ہیں کہ یسوع مسیح صرف ایک نشان دیں گے (وہ نشان یونس یا یوناہ کا ہے' دیکھئے متی کی انجیل) وہ اس بات کو متناقص قرار دیتے ہیں کہ مرقس یہ کہیں: اس زمانے کے لوگوں کو کوئی نشان نہیں دیا جائے گا۔ اسی کے ساتھ یہ بھی دیکھتے ہیں' حضرت یسوع مسیح خود بطور نشان معجزات پیش کرتے ہیں (لوقا' 7-220 (5) اور 11-20) (6)

مرقس کی انجیل کو مجموعی طور پر قانونی حیثیت سے تسلیم کرلیا گیا ہے۔ پھر بھی مرقس کی انجیل کے آخری حصے (16:19-20) کے بارے میں جدید مصنفین کی رائے یہ ہے کہ یہ اصل کتاب میں الحاق کیا گیا ہے۔ عالمی ترجمہ اس کے بارے میں بالکل صریح اور واضح ہے۔

یہ آخری خبر انجیل کے دو قدیم ترین مکمل مخطوطات میں شامل نہیں ہے۔ یعنی مخطوطہ ویٹی کن اور مخطوطہ سینٹی کس جن کا زمانہ چوتھی صدی عیسوی کا ہے۔ اوکلمان اس موضوع کے بارے میں بیان کرتے ہیں "زیادہ جدید یونانی مخطوطات اور اس نقطہ پر بعض اختلافات نے ظہور سے متعلق ایک ایسے نتیجہ کا اضافہ کر دیا جو مرقس کی انجیل سے نہیں بلکہ دوسری اناجیل سے اخذ کیا گیا ہے۔ حقیقت میں آخری اضافوں کے یہ متون نہایت کثیر ہیں۔ متون میں طویل وقصیر عبارتیں دونوں بائبل' نظر ثانی شدہ معیاری اشاعت 1952ء میں دہرائی گئی ہیں۔ بعض اوقات طویل عبارت میں کچھ اضافی مواد ہے۔

فادر کینن جی اے خاتمۃ الکتاب پر حسب ذیل تبصرہ کرتے ہیں۔ "آخری آئتیں اس وقت دبا دی گئی ہوں گی جب کہ اس کے کام کو (یا اس کے عمومی نسخے کو) سرکاری طور پر اس فرقہ نے قبول کیا' جس نے اس کی صداقت وحقانیت کی ضمانت دی' نہ متی نے' نہ لوقا نے اور نہ یوحنا نے اس گمشدہ حصہ کو دیکھا تاہم یہ خلا ناقابلِ قبول رہا۔ ایک طویل مدت کے بعد جب متی' لوقا اور یوحنا کی تحریریں جو تمام کی تمام اسی جیسی تھیں' اشاعت پذیر ہوئیں۔ اس وقت مرقس کی انجیل میں ایک موزوں خاتمے کا اضافہ کردیا گیا۔ اس کے اجزاء ان ماخذوں سے لیے گئے جو دوسری انجیلوں میں موجود تھے۔ مرقس کی انجیل کا جائزہ لے کر ان تمام اجزاء کو بہ آسانی شناخت کیا جاسکتا ہے۔ (16:9-20) اس سے بھی زیادہ واضح تصور اس آزاد طریقہ کا جس میں انجیلوں کے مضمون کے بیان کرنے کا یہ ادبی طرز دوسری صدی عیسوی کے آغاز سے چل کر آیا تھا' حاصل کیا جاسکتا ہے۔"

یہاں ہمارے لیے اس بات کا کتنا کھلا اعتراف موجود ہے کہ ایک عظیم ماہر دینیات کے خیال میں صحیفوں کے متن میں انسانوں کی کی ہوئی قطع و برید موجود ہے۔

لوقا کی انجیل (7)

اوکلمان کے نزدیک لوقا کی حیثیت ایک وقائع نگار کی ہے اور فادر کینن جی اے کے بقول ان کی حیثیت ایک حقیقی ناول نگار کی ہے۔ تمہید میں تھیوفیلس کو مخاطب کر کے لوقا اس امر سے آگاہ کرتے ہیں کہ میں خود ان دوسرے حضرات کی پیروی کرتے ہوئے جنہوں نے یسوع مسیح کے بارے میں

واقعات قلمبند کیے ہیں' ان حقائق کا بیان ضبط تحریر میں لا رہا ہوں جس میں عینی شاہدوں کے بیانات اور ان کی فراہم کردہ معلومات کو کام میں لایا جا رہا ہے...... یہ اشارہ دیتے ہوئے کہ میں خود عینی شاہدوں میں نہیں ہوں...... اس میں وہ معلومات شامل ہیں جو رسولوں کے مواعظ سے حاصل ہوئی ہیں لہٰذا یہ ایک باقاعدہ ادب پارہ ہے جس کو وہ خود حسب ذیل انداز میں پیش کرتے ہیں۔

''چونکہ بہت سے لوگوں نے اس امر پر کمر باندھی ہے کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں ان کو ترتیب وار بیان کریں۔ جیسا کہ انہوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے سننے والے تھے ان کو ہم تک پہنچایا' اس لیے اے معزز تھیوفلیس میں نے بھی مناسب جانا کہ سب باتوں کا سلسلہ شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کر کے ان کو تیرے لیے ترتیب سے لکھوں تا کہ جن باتوں کی تو نے تعلیم پائی ہے' ان کی پختگی تجھے معلوم ہو جائے۔''

پہلی ہی سطر سے وہ تمام باتیں معلوم کی جا سکتی ہیں جو لوقا کو ''روئی دھنکنے والے'' مرقس سے جدا کرتی ہیں جس کی کتاب کا ہم ابھی ابھی حوالہ دے چکے ہیں۔ لوقا کی انجیل مسلسل طور پر ایک ادبی تحریر ہے جو نیم وحشی انداز سے ہٹ کر کلاسیکی یونانی میں لکھی گئی ہے۔

لوقا ایک مہذب صابی تھے جو تبدیلِ مذہب کر کے عیسائیت میں داخل ہوئے۔ یہودیوں کے ساتھ ان کا برتاؤ پوری طرح واضح ہے' جیسا کہ اوکلمان اشارہ کرتے ہیں۔ لوقا' مرقس کی انتہائی یہودوی آیتوں کو ترک کر دیتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح کے الفاظ پر یہودیوں کی بے اعتقادی کو نمایاں کر کے پیش کرتے ہیں اور سامریوں کے ساتھ جن کو یہودی ذلیل سمجھتے ہیں' اپنے اچھے تعلقات کو ظاہر کرتے ہیں۔ دوسری طرف متی' یسوع مسیح کی زبانی حواریوں کو یہ ہدایت کراتے ہیں کہ وہ ان سے گریز اختیار کریں۔ یہ ان بہت سی واضح مثالوں میں سے ایک ہے جن سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ انجیل کے مرتبین حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے وہی بات کہلواتے ہیں جو ان کے اپنے ذاتی نظریہ کے مطابق ہوتی ہے۔ وہ غالباً خلوص' نیت سے ایسا کرتے تھے۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ کا وہی مفہوم ہمیں بتاتے ہیں جو ان کے فرقہ کے نقطہ نظر سے مطابقت رکھتا ہے۔ اس شہادت کی موجودگی میں اس بات سے کیسے انکار کیا جا سکتا ہے کہ انجیلیں مناظراتی تحریریں ہیں یا ایسی تحریریں ہیں جو کسی موقع اور محل کی مناسبت سے وجود میں لائی گئی ہیں' جیسا کہ پہلے ہی ذکر کیا جا چکا ہے۔ لوقا کی انجیل اور متی کی انجیل کے عام لہجہ کے درمیان موازنہ اس اعتبار سے ایک اچھا ثبوت ہے۔

لوقا کون تھے؟ ان کو اسی نام کے ان طبیب سے جن کا سینٹ پال نے اپنے کئی خطوط میں حوالہ دیا ہے' ملانے کی کوشش کی گئی ہے۔ عمومی ترجمہ میں بتایا گیا ہے کہ بہت سے شارحین کے نزدیک اس انجیل کے مصنف کے پیشہ طبابت کی تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ وہ بیماریوں کے متعلق صحت اور قطعیت سے گفتگو کرتا ہے۔ یہ تشخص فی الحقیقت انتہا سے زیادہ مبالغہ آمیز ہے۔ لوقا کے بارے میں سچ پوچھیے تو وہ ''اس نوع کی باتیں بیان نہیں کرتے۔'' ''جو الفاظ و اصطلاحات وہ استعمال کرتے ہیں وہ

ایسی ہیں جو اس زمانہ کا کوئی بھی مہذب آدمی استعمال کرتا تھا۔" ایک لوقا وہ بھی تھا جو سینٹ پال کا شریک سفر رہا۔ لیکن کیا یہ (لوقا) وہی شخص ہے؟ اوکلمان کا خیال ہے کہ یہ وہی ہے۔

لوقا کی انجیل کے زمانہ کا اندازہ کئی عوامل سے لگایا جاسکتا ہے۔ لوقا نے مرقس اور متی کی انجیلوں سے کام لیا ہے۔ ہم جو کچھ عالمی ترجمہ میں پڑھتے ہیں' اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے 70ء میں ٹیٹس (8) کی فوجوں کے ہاتھوں یروشلم کے محاصرہ اور اس کی تباہی کا منظر اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔ انجیل کا زمانہ غالباً اس سنہ کے بعد کا ہے۔ آج کل کے ناقد اس زمانہ کا تعین اس طرح کرتے ہیں کہ یہ تقریباً 90-80ء میں لکھی گئی۔ لیکن بعض حضرات زمانہ کا تعین اس سے بھی قبل کا کرتے ہیں۔

لوقا کی انجیل کا موازنہ جب ان کے پیشرووں سے کرتے ہیں تو بہت سے بیانات میں اہم اختلافات دکھائی دیتے ہیں۔ اس چیز کا ایک خاکہ پیشگی دیا جاچکا ہے۔ عمومی ترجمہ میں ان اختلافات کو صفحات 181 وغیرہ پر ظاہر کیا گیا ہے۔ اوکلمان اپنی کتاب "عہد نامۂ جدید" (لونووتیستاماں) صفحہ 18 پر لوقا کی انجیل سے وہ تحریریں نقل کرتے ہیں' جو کسی دوسری جگہ دکھائی نہیں دیتیں' اور وہ غیر وقیع جزوی نکات سے متعلق نہیں ہیں۔

یسوع مسیح کے بچپن کے حالات لوقا کی انجیل میں عجیب وغریب ہیں۔ متی یسوع مسیح کے بچپن کو لوقا سے مختلف طریقے پر بیان کرتے ہیں اور مرقس اس کا بالکل ذکر ہی نہیں کرتے۔

متی اور لوقا دونوں یسوع مسیح کے نسب نامے ایک دوسرے سے مختلف بتاتے ہیں اور سائنسی نقطہ نظر سے اختلافات اتنے زیادہ اور ناممکنات کا احاطہ اس قدر وسیع ہے کہ اس کتاب کا ایک مخصوص باب اسی موضوع کے لیے وقف کر دیا گیا ہے۔ اس بات کی تشریح کرنا تو آسان ہے کہ متی جن کا تخاطب یہودیوں سے تھا وہ نسب نامہ کی ابتدا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کرتے اور حضرت داؤد کو اس میں شامل کرتے اور یہ کہ لوقا چونکہ ایک نو عیسائی صابی تھے' انہیں اس سے پہلے سے شروع کرنا چاہیے تھا۔ لیکن ہم دیکھیں گے کہ دونوں نسب نامے حضرت داؤد علیہ السلام سے آگے چل کر بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ حضرت یسوع مسیح کے مشن کو لوقا' متی اور مرقس نے بہت سے مقامات پر ایک دوسرے سے مختلف بتایا ہے۔

عیسائیوں کے نقطہ نظر سے اس قدر اہمیت کا ایک واقعہ جیسا کہ عشائے ربانی کا قانون ہے' لوقا اور باقی دو انجیلوں کے مرتبین (9) کے درمیان اختلافی دکھائی دیتا ہے۔ فادر روگے اپنی کتاب "انجیل کے لیے ابتدائیہ" (انی تیاسیوں آلیوانژائل) میں صفحہ 76 پر بیان کرتے ہیں کہ عشائے ربانی کی رسم میں جو الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں' وہ متی کی انجیل (26:26-69) کے الفاظ (10) سے لوقا کے یہاں مختلف طریقہ پر بیان کیے گئے ہیں (22:19-24) اور مرقس کے (11) یہاں (14:22-24) تقریباً وہی ہیں۔ (12) وہ لکھتے ہیں۔ اس کے برخلاف لوقا سے جو جو الفاظ منتقل ہو کر آئے وہ بعینہ وہی ہیں جو سینٹ پال نے ادا کیے تھے۔ (کرنتھیوں کے نام پہلا خط (11,23-25) (13)

جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے لوقا نے اپنی انجیل میں رفع مسیح کے موضوع پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ ان سے مختلف ہے جو وہ رسولوں کے اعمال میں بیان کرتے ہیں۔ لوقا کو ان (اعمال) کا مصنف سمجھا جاتا ہے اور یہ عہد نامۂ جدید کا جزو لاینفک ہیں۔ انجیل میں رفع مسیح کے واقعہ کو ایسٹر کے دن قرار دیتے ہیں اور اعمال میں چالیس دن بعد ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ اس تضاد اور اختلاف نے عیسائی ماہرین کو تشریحات و تفاسیر میں کیسی عجیب تاویلات کرنے کی طرف مائل کیا ہے۔

شارحین جو معروضی طریقہ اختیار کرنے کے خواہشمند تھے جیسے کہ بائبل کے عالمی ترجمہ کے شارحین۔ وہ ایک عام اصول کے طور پر یہ حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ لوقا کے لیے ''خاص کام یہ نہیں تھا کہ وہ حقائق کو پوری صحت کے ساتھ بیان کریں۔'' جب فادر کینن ڈی ایسے رسولوں کے اعمال کے بیانات کا جو خود لوقا نے تحریر کیے ہیں' یسوع کے بارے میں اسی قسم کے رفع مسیح کے واقعات کے بیان سے جو پال کا مرتبہ ہے' مقابلہ کرتے ہیں تو وہ لوقا کے بارے میں حسب ذیل رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ ''لوقا چاروں انجیلوں کے مرتبین میں سب سے زیادہ حساس اور ادبی ذوق رکھنے والے ہیں اور ان میں ایک حقیقی ناول نویس کی جملہ خصوصیات پائی جاتی ہیں۔''

یوحنا کی انجیل (14)

یوحنا کی انجیل بنیادی طور پر باقی تین سے بالکل مختلف ہے۔ یہ اختلاف حقیقت میں اس حد تک ہے کہ فادر روگے اپنی کتاب ''انجیل کا ابتدائیہ'' میں باقی تین پر تبصرہ کرنے کے فوراً بعد چوتھی انجیل کے لیے چونکا دینے والا بیان پیش کرتے ہیں۔ وہ اس کو ''ایک مختلف دنیا'' قرار دیتے ہیں۔ واقعی یہ ایک منفرد کتاب ہے۔ ترتیب میں مختلف' موضوع کے انتخاب میں مختلف' بیان اور زبان میں مختلف' طرزِ بیان' جغرافیہ' نسب نامہ میں مختلف' یہاں تک کہ دینی تصورات و نظریات میں بھی اختلافات موجود ہیں۔ (اوکلمان) چنانچہ یوحنا نے یسوع مسیح کے الفاظ کو بھی دیگر انجیل کے مرتبین سے مختلف طریقہ پر درج کیا ہے۔ اس معاملے میں فادر روگے کا بیان ہے کہ جہاں پہلے تین مرتبین انجیل (سنوپٹکس) (15) یسوع کے الفاظ کو ایسے انداز میں پیش کرتے ہیں جو جاذبِ توجہ اور روایتی طرز سے قریب تر ہے' وہیں یوحنا کے ہاں سب کچھ تخیلی ہے۔ اس حد تک ترغیب و تحریص دینے والا کہ ''بعض اوقات ایسا شخص اچنبھے میں پڑ جاتا ہے کہ کیا یسوع اب بھی ہمکلام ہو رہے ہیں یا ان کے خیالات غیر محسوس طور پر انجیل کے مرتب کے اپنے خیالات کے ذریعہ توسیع تو نہیں پا گئے ہیں۔''

مصنف کون تھا؟ یہ ایک نہایت اہم سوال ہے۔ اور اس موضوع پر انتہائی مختلف رائیں پیش کی گئی ہیں۔

اے ٹریسٹ اور فادر روگے ایک ایسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں جن کو اس بارے میں ذرہ بھر شک و شبہ نہیں ہے کہ یوحنا کی انجیل ایک عینی شاہد کا کام دیتی ہے۔ اس کے مصنف یوحنا بن زبدی

ہیں جو جیمز کے بھائی ہیں۔ اس حواری کے بارے میں بہت سی تفصیلات معلوم ہیں اور کتابوں میں عام اشاعت کے لیے درج کی گئی ہیں۔ عام تصاویر میں انہیں یسوع کے بہت قریب دکھایا جاتا ہے جیسا کہ دور ابتلا سے قبل آخری دعوت کے موقع پر۔ اس بات کا کون تصور کرسکتا ہے کہ یوحنا کی انجیل ان یوحنا حواری کی تصنیف نہیں ہے جو اس قدر مانوس شخصیت کے مالک ہیں۔

یہ حقیقت کہ چوتھی انجیل اس قدر تاخیر سے لکھی گئی' اس رائے کے خلاف ایک اہم دلیل نہیں ہے اس کا فیصلہ کن نسخہ غالباً پانچویں صدی عیسوی کے اختتام کے لگ بھگ لکھا گیا۔ وقت کا یہ تعین کرنا کہ یہ یسوع سے ساٹھ سال بعد تحریر کیا گیا اس امر کو مستلزم ہے کہ وہ حواری حضرت یسوع کے وقت میں نہایت نوعمر تھے اور ان کا سن تقریباً سو سال کا ہوا۔

فادر کینن ڈی ایسے اپنی تصنیف ''رفع مسیح کا مطالعہ'' میں اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ عہد نامۂ جدید کے مصنفین میں سے سوائے پال کے اور کوئی بھی رفع مسیح کے عینی شاہد ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ تاہم یوحنا نے ظہور کے متعلق کئی حواریوں کے ایک مجمع کو جس کا غالباً وہ ایک رکن تھا طامس کی غیر حاضری میں بتایا (20:19-24) پھر آٹھ دن بعد حواریوں کے مکمل اجتماع کے سامنے بیان کیا۔ (20:25-29)

اوکلمان اپنی تصنیف ''عہد نامۂ جدید'' میں اس نظریہ کی حمایت نہیں کرتے۔ بائبل کے عالمی ترجمہ سے پتہ چلتا ہے کہ ناقدین کی اکثریت اس مفروضہ کو تسلیم نہیں کرتی کہ انجیل یوحنا نے تحریر کی ہے۔ اگرچہ امکان کو کلیۃً مسترد نہیں کیا جاسکتا۔ غرض ہر چیز اس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہے کہ جو متن اس وقت ہمارے علم میں ہے اس کے کئی مصنفین ہیں۔ غالب گمان ہے کہ انجیل جس شکل میں آج ہے مصنف کے شاگردوں کے درمیان چکر لگاتی رہی ہو جنہوں نے باب 21 اور اسی طرح کئی امکانی تحشیئے (یعنی 204 اور 104:4404:3707:2011: 35019) کا اضافہ کیا ہو۔ جہاں تک کہ بدکار عورت کا تعلق ہے (5807-1180) ہر شخص اس بات پر متفق ہے کہ یہ ایک ایسا ٹکڑا ہے جس کا ماخذ نامعلوم ہے اور بعد میں داخل کیا گیا ہے (لیکن پھر بھی مستند صحیفہ سے تعلق رکھتا ہے) پارہ 19:35 ایک عینی شاہد کے دستخط کے طور پر دکھائی دیتا ہے۔ (اوکلمان) جو یوحنا کی تمام انجیل میں صرف ایک ہی علیحدہ دستخط ہیں لیکن شارحین کو یقین ہے کہ یہ بعد میں ایزاد کیے گئے ہیں۔

اوکلمان کا خیال ہے کہ اس انجیل میں بعد کے اضافے بالکل ظاہر ہیں۔ جیسے باب 21 جو غالباً حواری کے کسی ایک شاگرد کا کام ہے جس نے انجیل کے اصل متن میں خفیف سی تبدیلیاں خاصی تعداد میں کی ہیں۔

ان تمام نظریات و مفروضات کا حوالہ دینا ضروری نہیں ہے جو ماہرین نے تفسیروں میں بتائے ہیں۔ جو رومارک عیسائی مذہب کے نہایت سربرآوردہ مصنفین نے چوتھی انجیل کے مرتب کے سوالات پر کیے ہیں اور جو یہاں درج کیے جاچکے ہیں' وہ یہ بات بتانے کے لیے کافی ہیں کہ اس کی ترتیب و تالیف

کے موضوع کے سلسلہ میں کس قدر الجھن پائی جاتی ہے۔

یوحنا کے بیان کردہ قصوں کی تاریخی قدر و قیمت بڑی حد تک بحث اور نزاع کا موضوع بن چکی ہے۔ ان قصوں اور دوسری تین انجیلوں میں تناقض قطعاً بدیہی ہے۔ اوکلمان اس کے لیے ایک وضاحت پیش کرتے ہیں۔ وہ یوحنا کے یہاں دوسری انجیلوں کے مصنفین سے مذہب کا ایک مختلف نظریہ بتاتے ہیں۔ یہ مقاصد قصوں کے انتخاب کو ان الفاظ سے مختلف کر دیتے ہیں۔ جو درج کیے گئے ہیں۔ نیز اس طریقے سے پھیر دیتے ہیں جس میں وہ بیان کیے گئے ہیں۔ اس طرح مصنف اکثر ان خطوط کو طول دے دیتا اور تاریخ یسوع سے وہی کچھ کہلواتا ہے جو روح القدس نے خود ان پر القا کیے تھے۔" تفسیر زیر غور کے لیے یہ وہ دلیل ہے جو تضاد کے سلسلہ میں پیش کی گئی ہے۔

یہ امر یقیناً قابلِ فہم ہے کہ یوحنا نے جنھوں نے دوسری انجیلوں کے مصنفین کے بعد لکھنا شروع کیا اپنے لیے بعض ایسے قصے منتخب کر لیے تھے جو ان کے نظریات کی وضاحت کے لیے موزوں و مناسب تھے۔ یہ امر تعجب خیز نہیں ہونا چاہیے کہ بعض بیانات جو دوسری انجیلوں میں شامل ہیں۔ یوحنا کی انجیل میں موجود نہیں۔ عالمی ترجمہ نے ایسی چند مثالوں کی نشاندہی کی ہے (صفحہ 282) لیکن بعض خلا بمشکل قابلِ فہم نظر آتے ہیں۔ مثلاً یہ واقعہ کہ عشائے ربانی کی رسم کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ یہ بات ناقابلِ تصور ہے کہ ایک ایسا واقعہ جو عیسائیت کے لیے اس قدر بنیادی حیثیت رکھتا ہو یعنی اس کی رسم اس کا ذکر یوحنا جو انجیل کے مصنفین میں اس قدر مستند سمجھے جاتے ہیں بالکل نہ کریں۔ واقعہ یہ ہے کہ دور ابتدا سے قبل کی دعوتِ طعام کے ذکر میں وہ خود کو محض حواریوں کے پاؤں دھلانے کے تذکرہ' یہوداہ کی غداری اور پطرس کے انکار تک ہی محدود رکھتے ہیں۔

اس کے مقابلہ میں ایسے قصے موجود ہیں جن میں یوحنا منفرد ہیں اور جو دوسرے تین حضرات کے یہاں نہیں پائے جاتے۔ عالمی ترجمہ میں ان کا ذکر کیا گیا ہے (صفحہ 282) یہاں پھر اس بات پر نظر کی جاسکتی ہے کہ تین مصنفین نے ان قصوں کی وہ اہمیت نہیں سمجھی جو یوحنا نے سمجھی تھی۔ لیکن یہ امر مشکل ہے کہ کوئی شخص اس صورت میں چونک نہ پڑے جب وہ یوحنا کے یہاں یسوع کے ظہور کا تذکرہ دیکھے کہ کیونکر وہ بحیرۂ طبریہ کے قریب اپنے حواریوں کے سامنے مردوں میں سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے (یوحنا 14-1,21) یہ بیان کسی طرح بھی مچھلیاں پکڑنے کے اس معجزہ سے کم نہیں ہے (جس میں متعدد اضافی تفصیلات موجود ہیں) جو لوقا (11-10:6) ایک قصہ کے طور پر جو یسوع کی زندگی میں واقع ہوا تھا' پیش کرتے ہیں۔ اپنے بیان میں لوقا یوحنا حواری کی موجودگی کا حوالہ دیتے ہیں' جو روایت کے بموجب انجیل کے ایک مرتب تھے۔ چونکہ یوحنا کی انجیل میں یہ تذکرہ باب 21 کا ایک حصہ ہے جس پر سب کا اتفاق ہے کہ بعد کا اضافہ ہے' اس لیے یہ بات آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے کہ لوقا کے ہاں یوحنا کا حوالہ چوتھی انجیل میں اس کے مصنوعی اضافہ کی دلیل ہے۔ یسوع کی زندگی ایک معلوم تذکرہ کی شکل میں ایک بیان کو ڈھالنے کی ضرورت کسی طرح بھی انجیل کے مصنف کی عبارت کو تحریف سے نہیں بچا سکتی تھی۔

ایک اور اہم نکتہ جس پر یوحنا کی انجیل میں باقی تین سے اختلاف پایا جاتا ہے' وہ ہے یسوع کے مشن کی مدت۔ مرقس' متی اور لوقا اس مدت کو ایک سال بتاتے ہیں یوحنا اس کو دو سال پر پھیلا دیتے ہیں۔ اوکلمان اس حقیقت کو نوٹ کرتے ہیں۔ اس موضوع پر عالمی ترجمہ کا بیان حسب ذیل ہے:

''مرقس اور لوقا کی انجیلیں جیل (گیلیلی) کے مقام پر قیام کو طویل بتاتی ہیں' جس کے بعد کوچ ہوتا ہے' جو کم وبیش جودیس کی جانب ممتد ہوتا چلا جاتا ہے اور آخر کار یروشلم میں ایک مختصر قیام ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف یوحنا ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی جانب اکثر اسفار کا تذکرہ کرتے ہیں اور جودیس کے مقام پر قیام کو طویل بتاتے ہیں۔ خصوصاً یروشلم میں (31-20:14,47-1:5,30-13:2: 51-19-1) وہ کئی عید مسیح کی تقریبات کا بھی ذکر کرتے ہیں (56:11,4:6,1:5,19:2) اور اس طرح ایک دور وزارت قرار دیتے ہیں جو دو سال سے زیادہ مدت تک قائم رہا۔''

ان میں سے کس ایک پر کوئی یقین کرے...... مرقس پر' متی پر' لوقا پر یا یوحنا پر؟

انجیلوں کے مآخذ

انجیلوں کا یہ عمومی خاکہ جو یہاں دیا گیا ہے اور جو متون کے تنقیدی جائزے سے ابھرتا ہے کسی فرد کو بھی ایک ایسے لٹریچر کے بارے میں سوچنے کی جانب مائل کرتا ہے جو ایک ایسے پلان کے ساتھ کاٹا گیا ہے جس میں تسلسل کی کمی ہے اور بظاہر ناقابلِ عبور تناقض پایا جاتا ہے۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو اس فیصلہ میں استعمال ہوئے ہیں جو بائبل کے عالمی ترجمہ کے شارحین نے ان پر نافذ کیا ہے۔ ان کی سند پر غور کرنا ضروری ہے کیونکہ اس مضمون کی جانچ پڑتال کے نتائج نہایت شدید اور اہم ہیں۔ یہ بات پہلے ہی دیکھی جاچکی ہے کہ جس زمانہ میں انجیلیں لکھی گئی تھیں اس وقت کی مذہبی تاریخ سے متعلق بعض تصورات نے کس طرح اس ادب کے کچھ بدحواس کرنے والے پہلوؤں کی تشریح کرنے میں غور وفکر کرنے والے قاری کو مدد دی تھی۔ تاہم ضروری ہے کہ اس بات کو جاری رکھتے ہوئے اس امر کا پتہ لگائیں کہ موجودہ زمانے کی کتابیں ان ماخذوں کے بارے میں کیا اطلاع دیتی ہیں جو اپنے متون کو تحریر کرتے وقت انجیلوں کے مرتبین کام میں لائے تھے۔ یہ جاننا بھی دلچسپ ہوگا کہ آیا متون کی اس وقت کی تاریخ جب وہ قائم کیے گئے تھے بعض ان پہلوؤں کی تشریح میں مدومعاون ثابت ہوسکتی ہے جو یہ متون موجودہ زمانے میں پیش کررہے ہیں۔

کلیسا کو قائم کرنے والوں کے زمانہ میں ماخذوں کے مسئلہ تک رسائی نہایت سیدھے سادے انداز میں ہوئی تھی۔ عیسائیت کی ابتدائی صدیوں میں وہ واحد ماخذ جو دستیاب تھا انجیل تھی جس کا مکمل مخطوطہ پہلے پہل پیش کیا گیا تھا' یعنی متی کی انجیل۔ ماخذ کا مسئلہ بھی صرف مرقس اور لوقا سے متعلق تھا اسی لیے کہ یوحنا کا معاملہ تو بالکل ہی جداگانہ تھا۔ سینٹ آگسٹائین کا کہنا ہے کہ مرقس جو روایتی ترتیب میں

دوسرے نمبر پر آتے ہیں متی سے متاثر ہوئے تھے اور انہوں نے ان ہی کی کتاب کی تلخیص کردی تھی۔ انہوں نے مزید بتایا کہ لوقا نے جو مخطوطات کے اعتبار سے تیسرے درجہ پر آتے ہیں' ان دونوں سے مواد حاصل کیا۔ ان کا ابتدائیہ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے اور اس پر پہلے ہی بحث کی جا چکی ہے۔

اس زمانہ کی تفسیریں بیان کرنے والے ماہرین اس بات کا اندازہ لگانے کی اتنی ہی صلاحیت رکھتے ہیں جتنی ہم کہ متون اور دو یا تین کتب متفقہ کی مشترک آیات کی کثیر تعداد کے مابین کس درجہ مطابقت ہے۔ آج کل بائبل کے عالمی ترجمہ کے شارحین مندرجہ ذیل اعداد فراہم کرتے ہیں۔

مرقس' لوقا اور متی کی تینوں انجیلوں کی مشترک آیات 330

مرقس اور متی کی مشترک آیات 178

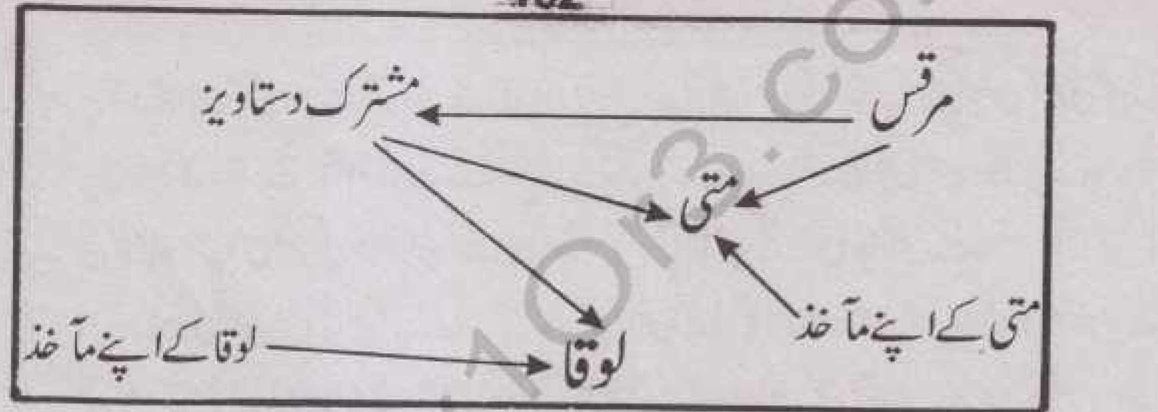
مرقس اور لوقا کی مشترک آیات 100

متی اور لوقا کی مشترک آیات 230

پہلی تین انجیلوں میں سے ہر ایک کے ساتھ منفرد آیات کی تعداد حسب ذیل ہے: متی 330' مرقس 53 اور لوقا 500۔

ابتدائی دور کے عیسائی مصنفین (فادرز آف دی چرچ) کے زمانہ سے لے کر اٹھارہویں صدی عیسوی کے اختتام تک ڈیڑھ ہزار سال کی مدت گذر گئی اور کوئی مسئلہ کھڑا نہیں ہوا کہ انجیلوں کے مرتبین کے ماخذوں کا پتہ چلایا جائے۔ لوگ روایت پر چلتے رہے۔ ازمنۂ جدید میں جا کر ان اعداد کی بنیاد پر کہیں یہ بات محسوس کی گئی کہ انجیل کے ہر مصنف نے دوسروں سے مواد لیا اور اپنے ذاتی نظریات کے مطابق اپنے مخصوص انداز میں اس کو ترتیب دے دیا۔ زیادہ زور بیان کرنے کے لیے مواد کے جمع کرنے پر دیا گیا۔ یہ مواد ایک طرف تو ان قوموں کی زبانی روایات پر مبنی تھا جن سے یہ حاصل ہوا تھا اور دوسری طرف اس تحریری آرامی ماخذ سے حاصل ہوا تھا جو دوبارہ منظر عام پر نہیں آ سکا۔ یہ تحریری ماخذ یا تو یکجا مواد تھا یا مختلف روایتوں کے بہت سے ٹکڑے تھے جن کو ترتیب دے لیا گیا اور اسی کو انجیل کے ہر مرتب نے اپنے جدید کام کو تشکیل دینے میں استعمال کیا۔

تقریباً گذشتہ سو سال سے زیادہ گہرے مطالعہ نے ان نظریات تک پہنچایا ہے جو زیادہ تفصیلی ہیں اور جو امتدادِ زمانہ سے اور بھی زیادہ پیچیدہ ہو جائیں گے۔ جدید نظریات میں پہلا نام نہاد "ہولٹز ماں کا دو ماخذی" نظریہ ہے (1868ء) اوکلمان اور عالمی ترجمہ اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ اس نظریہ کے بموجب متی اور لوقا دونوں ایک مرقس سے متاثر ہوئے ہوں اور دوسری جانب کسی دوسری مشترک دستاویز سے جو اس کے بعد ضائع ہوگئی ہے۔ علاوہ ازیں پہلے دو میں سے ہر ایک کے اپنے ذاتی ماخذ بھی ہیں اس بات سے مندرجہ ذیل خاکہ کی جانب رہبری ہوتی ہے۔



اوکلمان محولہ بالا پر حسب ذیل نکات کو سامنے رکھ کر تنقید کرتے ہیں:

(1) مرقس کی تصنیف جس کو لوقا اور متی دونوں کام میں لائے' وہ غالباً مصنف کی انجیل نہیں تھی بلکہ اس کا ایک ابتدائی نسخہ تھا۔

(2) اس خاکہ میں زبانی روایت پر کافی زور نہیں دیا گیا ہے۔ یہ بے انتہا اہمیت کا حامل دکھائی دیتا ہے' کیونکہ تنہا اسی میں یسوع کے الفاظ کو محفوظ رکھا گیا ہے اور تیس یا چالیس سال کی مدت کے دوران اس کے مشن کے تذکرے کو قائم و برقرار رکھا گیا ہے کیونکہ انجیل کے مرتبین میں سے ہر ایک اس عیسائی فرقہ کا محض ایک ترجمان تھا جس نے زبانی روایت کو تحریر کا جامہ پہنایا۔

یہی وہ چیز ہے جس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا ممکن ہوا کہ جو انجیلیں اس وقت موجود ہیں وہ پرتو ہیں اس واقفیت کا جو ابتدائی عیسائی فرقے یسوع مسیح کی حیات اور پادریوں کی جماعت کے بارے میں رکھتے ہیں۔ وہ ان عقائد اور دینی تصورات کی آئینہ دار بھی ہیں جن کے انجیلوں کے مرتبین ترجمان تھے۔

اناجیل کے ماخذوں پر متن سے متعلق تنقید کے جدید ترین مطالعہ نے یہ امر صاف طور پر واضح کر دیا ہے کہ متون کی تشکیل میں اور بھی زیادہ پیچیدگی اختیار کی گئی ہے۔ فادر بے نوے اور بواسمار نے جو یروشلم کے بائبل سکول کے پروفیسر ہیں (1972-1973ء) ایک کتاب میں جس کا نام "اناجیل اربعہ کا خاکہ" ہے' اس بات پر زور دیا ہے کہ متن کا ارتقا ان مدارج سے ہوا جو روایت کے ارتقاء کے متوازی اور پہلو بہ پہلو ہے۔ یہ ان نتائج پر دلالت کرتا ہے جو فادر بے نوے نے فادر بواسمار کی تحریر کے حصہ کے ابتدائیہ میں قائم کیے ہیں۔ وہ ان کو حسب ذیل الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

> "(......) اس بیان وعبارت کے الفاظ اور شکل جو روایت کے ایک طویل ارتقاء سے برآمد ہوئے ہیں' اس قدر مستند نہیں جیسے کہ شروع کی عبارت کے ہیں۔ اس کتاب کے بعض قارئین غالباً یہ جان کر متحیر یا متوحش ہوں گے کہ یسوع کے بعض اقوال' حکایتیں یا اپنے انجام کے متعلق ان کی پیش گوئیاں اس انداز سے بیان نہیں کی گئی تھیں' جس انداز سے ہم آج ان کو پڑھتے ہیں' بلکہ وہ ان لوگوں کے ہاتھوں بدل دی گئی ہیں یا تحریف کر دی گئی ہیں جنہوں نے ان کو ہم تک منتقل کیا ہے۔ یہ بات ان لوگوں کے لیے جو اس قسم کی تاریخی تحقیق کے خوگر نہیں ہیں حیرت کا موجب یا ایک شرمناک واقعہ ہوگی۔"

متون میں تبدیلیاں یا تحریفات جو ان لوگوں کے ہاتھوں ہوئے جنہوں نے ان متون کو ہم تک منتقل کیا ایک ایسے طریقہ سے انجام پائیں جس کی فادر بو اسمار ایک انتہائی پیچیدہ شکل کے ذریعہ سے تشریح کرتے ہیں۔ یہ ایک نام نہاد ''دو ماخذی نظریہ'' کی ارتقائی شکل ہے۔ اور یہ متون کی جانچ اور ان کے موازنہ کا ایک ایسا ماحصل ہے جس کی تلخیص یہاں کرنا ممکن نہیں۔ جو قارئین مزید تفصیلات حاصل کرنے کے خواہشمند ہیں وہ اس ابتدائی تحریر سے رجوع کریں جو ''لے ایدی تیون وسرف پاری'' نے شائع کی ہے۔

چار بنیادی دستاویزات۔ اے۔ بی۔ سی اور کیو انجیلوں کے ابتدائی ماخذات کو ظاہر کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو عام شکل صفحہ 29-1)

دستاویز ''اے'' ایک یہودی عیسائی ماخذ سے حاصل ہوئی ہے۔ متی اور مرقس دونوں کو اس سے تحریک ملی۔ دستاویز ''بی'' دستاویز ''اے'' کی ایک وضاحت ہے۔ جو بے دین' مع عیسائی کلیساؤں میں استعمال کیے جانے کے لیے تیار کی گئی تھی۔ سوائے متی کے' انجیلوں کے جملہ مرتبین کو اس سے تحریک ہوئی ہے۔

دستاویز ''سی'' سے مرقس' لوقا اور یوحنا کو تحریک ہوئی۔

''دستاویز'' ''کیو'' متی اور لوقا کے مشترکہ ماخذات میں سے اکثر پر مشتمل ہے۔

یہ اس ''دو ماخذی نظریہ'' میں مشترک دستاویز ہے جس کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے۔

ان بنیادی دستاویزات میں سے کسی سے بھی وہ قطعی اور فیصلہ کن متون تیار نہیں ہوئے جو آج ہمارے علم میں ہیں۔ ان اشاعتوں اور آخری اشاعتوں کے درمیان' متوسط قسم کی اور اشاعتیں ہیں۔ متوسط متی' متوسط مرقس' متوسط لوقا اور متوسط یوحنا۔ ان چار متوسط دستاویزات سے ہی چاروں انجیلوں کے آخری نسخے تیار ہوئے۔ نیز ان ہی نے دوسری انجیلوں کے آخری متناظر نسخوں کے لیے تحریک پیدا کی۔ صرف اس شکل پر نظر ڈالنا ہے۔ اسی سے اس پیچیدہ تعلق کا پتہ چل جائے گا جس کا اظہار مصنف نے کیا ہے۔

صحیفوں کی تحقیق کے یہ نتائج بڑی اہمیت کے حامل ہیں' ان سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ کس طرح انجیل کے متون کی ایک تاریخ ہے۔ فادر بو اسمار کے الفاظ میں ایک ماقبل تاریخ بھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آخری نسخوں کے ظہور میں آنے سے پہلے ان کو متوسط دستاویزی درجہ کی تبدیلی سے بھی گزرنا پڑا ہے۔ اس طرح مثال کے طور پر اس بات کی تشریح کرنا ممکن ہے کہ مسیح کی زندگی سے ایک نہایت معروف قصہ جیسے مچھلی پکڑنے کا معجزہ' لوقا کی انجیل میں ایک ایسے واقعہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے جو مسیح کی زندگی میں پیش آیا تھا اور یوحنا کے ہاں اس کی رفع مسیح کے بعد ان کے ظہور کے طور پر دکھایا گیا ہے۔

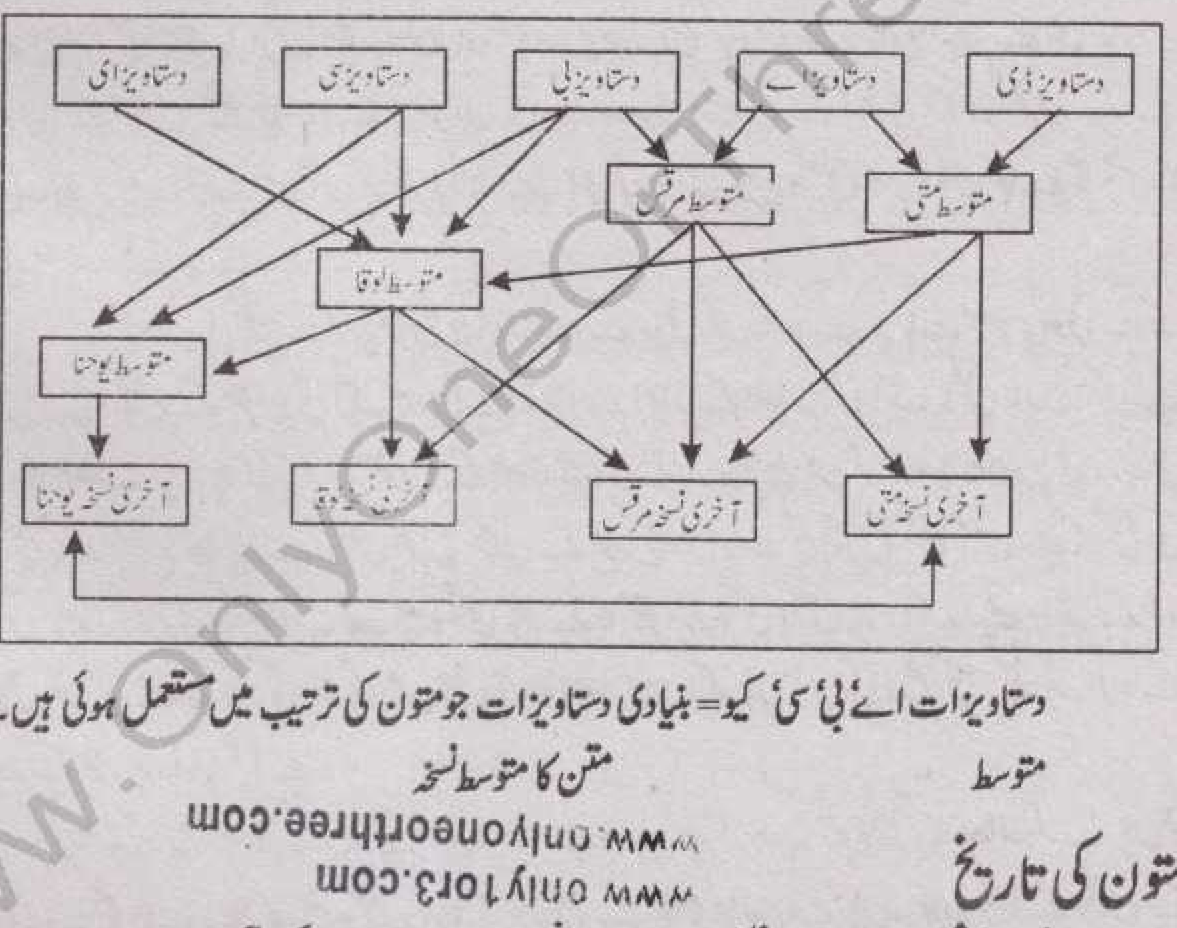
مذکور بالا بحث سے جو نتیجہ مستنبط ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جب ہم انجیل کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ذرا بھی اس بات کا یقین نہیں ہوتا کہ ہم مسیح کے الفاظ پڑھ رہے ہیں۔ فادر بینوائے انجیل کے

قارئین سے خطاب کرتے ہیں اور ان کو متنبہ کرتے ہوئے حسب ذیل صلہ ان کو دیتے ہیں۔ ''اگر قاری ایک سے زیادہ حالت میں اس خیال کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے پر مجبور ہو جائے کہ وہ یسوع کی آواز براہ راست سن رہا ہے تب بھی یہ سمجھ لے کہ وہ کلیسا کی آواز تو سنتا ہے اور وہ اس پر اسی طرح مالک کے روحانی مقررہ ترجمان پر بھروسہ کرے کہ اسی نے طویل عرصہ تک اس سطح ارض پر گفتگو کی تھی اور اب وہ اپنے جمال روحانی کے پردے سے ہم سے ہم کلام ہے۔''

بعض متن کی غیر مستند عبارتوں کو دوسری ویٹی کن کونسل کے ذریعہ حاصل ہونے والے الہام پر مبنی اعتقادی آئین میں مستعمل عبارت کے ساتھ کیسے اس طرح مطابقت دی جاسکتی ہے کہ ہمیں مخالف بیان پر یقین آجائے۔ یعنی یسوع کے الفاظ کے صحیح طور پر منتقل ہونے کا۔ ''یہ چاروں انجیلیں جن کو یہ (کلیسا) نہایت تیقن کے ساتھ تاریخی اعتبار سے مستند قرار دیتا ہے' نہایت دیانتداری سے وہ باتیں منتقل کرتی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن اللہ نے نوع انسانی کے درمیان رہتے ہوئے اپنی حیات میں واقعی کی' یا بتائی تھیں تاکہ ان کی ابدی نجات ممکن ہو۔ اور یہ سلسلہ اس دن تک جاری تھا جب ان کو آسمان پر اٹھایا گیا۔''

یہ بالکل واضح ہے کہ یروشلم کے بائبلیکل سکول کا کام کونسل کے اعلان کی قطعاً تردید کرتا ہے۔

ایم۔ ای بوسمار۔ چاروں انجیلوں کا خاکہ۔ عمومی نقشہ سنوپس وے کیترایوانژالیہ



دستاویزات اے' بی' سی' کیو = بنیادی دستاویزات جو متون کی ترتیب میں مستعمل ہوئی ہیں۔

متوسط متن کا متوسط نسخہ

متون کی تاریخ

اگر کوئی شخص یہ سمجھے تو وہ غلطی کرے گا کہ انجیلیں جب ایک مرتبہ لکھی گئیں تو ان میں نوزائیدہ

عیسائیت کے بنیادی صحیفے شامل تھے اور لوگ ان سے اسی طرح رجوع کرتے تھے جس طرح عہد نامۂ قدیم سے۔ اس وقت اوّلین سند زبانی روایت تھی جس کو یسوع کے ارشادات اور حواریوں کی تعلیمات کا ذریعہ قرار دیا جاتا تھا۔ اشاعت کے لیے پہلی تحریریں پال کے خطوط تھے اور وہ انجیلوں سے کافی عرصہ پہلے سے رواج پا چکے تھے۔ وہ بہرحال کئی دہ سالہ پہلے ضبط تحریر میں آ چکے تھے۔

یہ بات پہلے ہی بتائی جا چکی ہے کہ اس بات کے برعکس جو آج بھی بعض شارحین لکھ رہے ہیں' 140ء سے پہلے کوئی بھی ایسا شاہد موجود نہیں تھا جس کو یہ علم ہو کہ انجیل کے کسی مجموعہ کا کوئی نسخہ موجود تھا۔ 170ء کے بعد جا کر کہیں یہ معلوم ہوا کہ چاروں انجیلوں نے شریعت کے لٹریچر کا درجہ پایا۔

عیسائیت کے ابتدائی ایام میں' یسوع کے حالات کے سلسلہ میں بہت سی تحریریں رائج تھیں۔ وہ بعد کے زمانہ میں استناد کے طور پر محفوظ نہیں رکھی گئیں اور کلیسا نے ان کو چھپا دینے کا حکم دے دیا اور اس لیے ان کا نام ''اسفارِ محرفہ'' پڑ گیا۔ ان کتابوں کے بعض متون اچھی طرح باقی رہ گئے۔ ان کو اس حقیقت سے فائدہ پہنچ گیا کہ وہ مقبول عام تھے۔ یہ مقولہ ہے عمومی ترجمہ کا۔ یہی بات برناباس کے خطوط کے لیے بھی صحیح تھی کہ بدقسمتی سے دوسری تحریریں نہایت درندگی سے نکال ڈالی گئیں اور ان کے صرف ٹکڑے باقی رہ گئے۔ ان کو غلطی کے نامہ برقرار دے دیا گیا اور عقیدت مندوں کی نظروں سے چھپا دیا گیا۔ ایسی کتابیں جیسی نظارت کی انجیلیں' عبرانیوں کی انجیلیں اور مصریوں کی انجیلیں' جن کا علم ابتدائی پادریوں کے اقتباسات سے ہوتا تھا پھر بھی مستند شرعی انجیلوں سے خاصا گہرا تعلق رکھتی تھیں۔ یہی بات طامس کی انجیل اور برناباس کی انجیل پر صادق آتی ہے۔

ان اسفارِ محرفہ قسم کی تحریروں میں بعض فرضی تفصیلات ہیں جو عوامی نوعیت کی داستانوں کی پیداوار ہیں۔ اسفارِ محرفہ کے سلسلہ میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کے مصنفین پورے وثوق کے ساتھ ایسی عبارتیں بھی دہراتے ہیں جو سچ مچ مضحکہ خیز ہیں۔ تاہم اس قسم کی عبارتیں تمام انجیلوں میں دکھائی دیتی ہیں۔ ذرا ان واقعات کے فرضی بیانات پر غور کیجیے جو متی کے ادعاء کے بموجب مسیح کی رحلت کے موقع پر رونما ہوئے تھے۔ اس بات کا امکان موجود ہے کہ عیسائیت کی تمام ابتدائی تحریروں میں ایسی عبارتیں مل جائیں جن میں سنجیدگی کی کمی ہو۔ اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے کافی دیانتداری کا اظہار کرنا پڑے گا۔

مسیح سے متعلق لٹریچر کی کثرت نے کلیسا کو اس جانب مائل کیا کہ جب موخرالذکر ترتیب کے مرحلہ سے گزر رہا تھا۔ اس وقت اس میں قطع و برید سے کام لے۔ غالباً ایک سی انجیلیں دبا دی گئیں۔ صرف چار کو باقی رکھا گیا۔ اور عہد نامۂ جدید کی تحریرات کی سرکاری فہرست میں اس طرح ان کو جگہ دی گئی کہ وہی مسلمہ و مصدقہ کتب کہلائی جانے لگیں۔

دوسری صدی عیسوی کے وسط میں سنوپ (17) کے ماسیون نے کلیسائی مقتدرین پر بڑا زور ڈالا کہ وہ اس بارے میں سخت رویہ اختیار کریں۔ یہ صاحب یہودیوں کے پکے دشمن تھے اور اس وقت انہوں نے سارے عہد نامۂ قدیم اور ان تحریروں میں سے جو یسوع کے بعد وجود میں آئی تھیں اور عہد

نامۂ قدیم سے کافی قریبی تعلق رکھتی تھیں یا جو یہودوی عیسائی روایت سے حاصل ہوئی تھیں' ہر ایک کو مسترد کردیا۔ ماسیون نے صرف لوقا کی انجیل کی اہمیت کو تسلیم کیا اس لیے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ لوقا پال اور ان کی تحریروں کے ترجمان ہیں۔

کلیسا نے مارسیون کو گمراہ قرار دے دیا اور اپنی مستند کتاب میں پال کے تمام خطوط شامل کرلیے۔ لیکن متی' لوقا' مرقس اور یوحنا کی دوسری انجیلیں شامل کرلیں۔ انہوں نے کئی دوسری تحریروں کا بھی اضافہ کرلیا۔ جیسے رسولوں کے اعمال۔ بایں ہمہ پہلی صدی عیسوی کے دوران وقت کے ساتھ ساتھ سرکاری فہرست میں ردو بدل ہوتی رہی۔ کچھ عرصہ وہ تحریریں جو بعد میں مستند نہیں سمجھی گئیں (یعنی اسفار محرفہ) وہ اس میں شامل رہیں۔ جب کہ دوسری تحریریں جو آج کل کے عہد نامہ جدید کے مستند نسخے میں شامل ہیں' اس وقت اس سے خارج کردی گئی تھیں۔ یہ کشمکش کونسل آف ہپوریگیس (Hippo Regius) تک جو 393ء میں اور کارتھیج میں 397ء میں ہوئی' جاری رہی۔ تاہم چاروں انجیلیں اس میں شامل رہیں۔

فادر بواسمار کے ساتھ اس کثیر مقدار لٹریچر کے معدوم ہونے پر افسوس کا اظہار کیا جائے جس کو کلیسا نے اسفار محرفہ قرار دے دیا تھا' حالانکہ اس کی ایک تاریخی اہمیت تھی۔ مذکورہ بالا مصنف نے اس چیز کو اپنی چار انجیلوں کے خلاصہ میں سرکاری انجیلوں کے ساتھ جگہ دی ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ یہ کتابیں چوتھی صدی عیسوی کے اختتام کے لگ بھگ زمانہ تک موجود تھیں۔

یہ وہ صدی تھی جس میں ان چیزوں کو باقاعدگی نصیب ہوئی۔ انجیلوں کے قدیم ترین مخطوطے اسی زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس سے پہلے کی دستاویزات یعنی تیسری صدی عیسوی کے طومار اور غالباً ایک دوسری صدی عیسوی کا مخطوطہ ہم تک صرف جزوی طور پر پہنچے ہیں۔ دو قدیم ترین چرمی مخطوطے یونانی زبان میں ہیں اور چوتھی صدی عیسوی کے ہیں۔ وہ کوڈیکس ویٹیکانس (کتاب ویٹی کن) ہے جس کو کتب خانہ ویٹی کن میں محفوظ رکھا گیا ہے۔ اور اس کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ وہ کہاں سے دستیاب ہوا تھا اور کوڈیکس سینائیکس (کتاب سینائی) ہے جو کوہ سینا پر ملا تھا اور اب برٹش میوزیم لندن میں محفوظ ہے۔ ثانی الذکر میں دو اسفار محرفہ کی کتابیں شامل ہیں۔

عالمی ترجمہ کے مطابق دو سو پچاس دوسرے معلوم طومار دنیا بھر میں موجود ہیں' جن میں سب سے آخری پندرہویں صدی عیسوی کا ہے لیکن عہد نامۂ جدید کے ان تمام نسخوں میں جو ہم تک پہنچے ہیں یکسانیت نہیں ہے۔ اس کے برعکس ان کے درمیان مختلف درجہ کے اہمیت رکھنے والے فرق نظر آنا ممکن ہے لیکن وہ خواہ کتنے ہی اہم ہوں' ان کی تعداد ہمیشہ بہت زیادہ رہی ہے۔ ان میں سے بعض کا تعلق محض قواعد زبان کی جزئیات کے اختلاف سے ہے اور بعض کا لغات سے یا ترتیب الفاظ سے۔ تاہم مخطوطات کے مابین کہیں ایسے بھی اختلافات دکھائی دے جاتے ہیں جو تمام عبارتوں کے مفہوم کو متاثر کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص چاہے کہ وہ متن کے اختلافات کی وسعت کا پتہ چلائے تو اس کو صرف ایک نظر "نووم

ٹیسٹامینٹم گریس" (یونانی کا عہد نامہ جدید) پر ڈالنی ہوگی۔ اس کتاب میں برائے نام یونانی متن کا "درمیان کا راستہ" اختیار کیا گیا ہے۔ یہ مختلف تحریروں کو ملا کر ایک نسخہ تیار کیا گیا ہے جس میں ایسے حواشی دیئے گئے ہیں جن میں مختلف نسخوں میں پائے جانے والے تمام اختلافات شامل ہیں۔ کسی متن کے مستند ہونے کا اور سب سے زیادہ مخطوطے کا مسئلہ بھی ہمیشہ بحث و تمحیص کے لیے کھلا رہتا ہے۔ کوڈیکس ویٹکانس (کتاب ویٹی کن) اس کی ایک اچھی مثال ہے۔ جو چہ بہ ویٹی کن سٹی نے 1965ء میں مرتب کیا تھا اس میں مرتبین کی جانب سے ایک ایسا حاشیہ شامل ہے جس میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ "اس کے نقل کیے جانے کے کئی صدی بعد (جو یقین ہے کہ دسویں یا گیارہویں صدی کے قریب کا زمانہ ہے) ایک کاتب نے سوائے ان کے جن کو اس نے غلط سمجھا تمام حروف پر سیاہی پھیر دی۔" متن میں ایسی عبارتیں موجود ہیں جن میں ابتدائی حروف ہلکے بادامی رنگ کے نیچے سے اب بھی نظر آتے ہیں جو باقی عبارت سے جو گہرے بادامی رنگ میں ہے واضح طور پر مختلف معلوم ہوتی ہے۔ اس بات کی کوئی علامت دکھائی نہیں دیتی کہ یہ اصل کا صحیح نمونہ ہے۔ اس کے علاوہ حاشیہ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ "کئی صدیوں کے دوران مخطوطہ میں جو صحت کی گئی ہے یا حاشیہ چڑھایا گیا ہے اس میں جو مختلف ہاتھ لگے ان کو ابھی تک تیقن کے ساتھ نہیں پہچانا گیا ہے۔ جب متن پر سیاہی پھیری گئی اس وقت چند تصحیحات ضرور کی گئی تھیں۔" تمام مذہبی نوشتوں میں متن کو چوتھی صدی کی نقل بتایا جاتا ہے۔ یہ معلوم کرنے کے لیے کہ ہوسکتا ہے مختلف ہاتھوں نے صدیوں بعد متن میں تبدیلی کی ہو، ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ ویٹی کن میں دستیاب ہونے والے ماخذوں سے رجوع کرے۔

اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ مقابلہ کے لیے دوسرے متون کو کام میں لایا جاسکتا ہے لیکن ان تبدیلیوں کے درمیان انتخاب کرنا کس طرح ممکن ہے جو مفہوم کو بدل دیتی ہیں؟ یہ ایک اچھی طرح جانی پہچانی حقیقت ہے کہ ایک نہایت ہی قدیم کاتب کی تصحیح سے اصلاح شدہ متن کو فیصلہ کن انداز میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ ہم بعد میں دیکھیں گے کہ فارقلیط سے متعلق یوحنا کی ایک عبارت میں صرف ایک لفظ کی تبدیلی سے اس کے معنی بدل جاتے ہیں اور دینی نقطہ نظر سے دیکھیے تو اس کے مفہوم میں بالکلیہ تبدیلی ہو جاتی ہے۔

اوکلمان اپنی کتاب "عہد نامۂ جدید" میں اختلافات کے موضوع پر حسب ذیل تحریر پیش کرتے ہیں۔

"بعض اوقات موخر الذکر نتیجہ ہوتے ہیں بلا قصد سہو کا۔ نقل کرنے والے سے کوئی لفظ چھوٹ جاتا ہے۔ یا اس کے برعکس دو مرتبہ لکھا جاتا ہے، یا ایک جملہ کا پورا ٹکڑا لاپرواہی کے سبب ترک ہو جاتا ہے، کیونکہ مخطوطہ میں، جس کی نقل کی جا رہی ہے، یہ ٹکڑا بالکل ایک سے ہی دو الفاظ کے درمیان استعمال ہوا تھا۔ بعض اوقات دیدہ و دانستہ تصحیحات کی گئی ہیں جو یا تو اس لیے ہوئی ہیں کہ نقل کرنے والے کو یہ آزادی رہی ہے کہ وہ متن کو اپنے خیالات کے مطابق درست کرلے یا اس کو کسی دوسرے رائج الوقت

متن سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے کچھ ایسی استادانہ سعی وکوشش کی ہے کہ کوتاہیاں کم سے کم ہوگئیں۔ جب آہستہ آہستہ عہد نامہ جدید کی تحریریں ابتدائی عیسائی لٹریچر سے الگ ہوگئیں' اور انہوں نے صحیفہ کا درجہ حاصل کرلیا' تو اب نقل کرنے والوں نے وہ آزادی برتنے میں تذبذب اختیار کیا جو ان کے اسلاف برت چکے تھے۔ انہوں نے یہ خیال کرنا شروع کردیا کہ ہم ایک مستند متن کی نقل کر رہے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں وہ ان تحریفات کو لکھتے چلے آرہے ہیں۔ آخر میں یہ ہوا کہ نقل کرنے والے نے بعض اوقات ایک مبہم عبارت کی وضاحت کے لیے حاشیہ میں تحریری نوٹ چڑھا دیئے۔ بعد میں نقل کرنے والے نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ وہ جملے جو حاشیہ میں دکھائی دے رہے ہیں' میرے پیشرو سے اصل عبارت میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے ضروری سمجھا کہ حاشیے کے ان نوٹوں کو متن میں شامل کردے۔ اس عمل نے نئے متن کو اکثر اوقات اور بھی زیادہ مبہم کردیا۔"

بعض مخطوطوں کے لکھنے والوں نے کبھی کبھی متون کے معاملے میں ضرورت سے زیادہ ہی آزادی برتی۔ یہ حال محولہ بالا دو مخطوطات کے بعد اکثر مخطوطوں میں سے ایک کا ہوا۔ اور وہ ہے چھٹی صدی کا "کوڈیکس بزائی کینٹا برگیانس" (Codex Bazae Cantabrigiensis) لکھنے والے نے غالباً لوقا اور متی کے یہاں مسیح کے نسب نامہ میں فرق محسوس کیا۔ لہٰذا اس نے اپنے لوقا کے نسخہ میں متی کے نسب نامے کو درج کردیا۔ لیکن چونکہ ثانی الذکر میں اوّل الذکر کے مقابلہ میں کم نام شامل تھے تو اس نے زائد ناموں کے ساتھ (توازن قائم رکھے بغیر) ان کو جوڑ دیا۔

کیا یہ کہنا ممکن ہے کہ لاطینی ترجمے جیسے کہ سینٹ جیروم کا چھٹی صدی کا ولگیٹ یا قدیم تر تراجم (ویٹس اٹالا) یا شامی اور قبطی ترجمے بنیادی یونانی مخطوطات کی بہ نسبت زیادہ مطابق اصل ہیں؟ ہوسکتا ہے کہ وہ ایسے مخطوطات سے تیار کیے گئے ہوں جو محولہ بالا مخطوطات سے زیادہ پرانے ہوں' اور آج کے دن مفقود ہوگئے ہوں۔ ہمیں اس کا علم نہیں ہے۔

یہ امر بھی ممکن رہا ہے کہ ان نسخوں میں بہت سوں کی اس طرح جماعت بندی کردی جائے کہ ان سب میں مشترک علامات کی ایک خاص تعداد موجود ہو۔ اوکلمان کے بیان کے بموجب اسے اس طرح واضح کیا جاسکتا ہے۔

......ایک نام نہاد شامی متن جس کا ڈھانچہ قدیم ترین مخطوطات کی اکثریت کی جانب رہبری کرتا ہے۔ یہ متن وسیع پیمانے پر فن طباعت کی بدولت چھٹی صدی عیسوی سے عصر مابعد تک یورپ بھر میں پھیلتا رہا۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ یہ غالباً بدترین متن ہے۔

......ایک نام نہاد مغربی متن مع قدیم لاطینی نسخے اور "کوڈیکس بزائی کینٹا برگیانس" (Codex Bazae Cantabrigiensis) جو یونانی اور لاطینی دونوں زبانوں میں ہے...... عالمی ترجمے کے بموجب اس کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ اس کا واضح رجحان تشریحات' غلط مواد اور ہم آہنگی پیدا کرنا (تاویلات) ہے۔

...... وہ نام نہاد غیر متعین متن جس میں کتاب ویٹی کن اور کتاب سینا شامل ہیں اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بڑے پیمانہ پر پاک اور بے میل ہے۔ عہد نامہ جدید کے جدید ایڈیشن اس کے فوراً بعد وجود میں آجاتے ہیں۔ اگرچہ اس کے اپنے نقائص ہیں۔ (عالمی ترجمہ)

متن سے متعلق جدید دور کی تمام تنقید اس اعتبار سے جو کچھ کرسکتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ کوشش کرے اور ''ایک ایسے متن کو تشکیل دے جس میں اس بات کا سب سے زیادہ امکان ہو کہ وہ ابتدائی متن کے بالکل قریب آجائے۔ کسی حالت میں بھی خود ابتدائی متن کی جانب مراجعت کرنے کی کوئی امید نہیں ہوسکتی۔'' (عالمی ترجمہ)

حوالہ جات

1- کاپورناؤم کے مقام پر محصول وصول کرنے پر تعینات تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور پر ان کے پیروؤں میں شامل ہو گئے۔ بارہ حواریوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ عام طور پر لیوی کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ روایت کے بموجب پہلی انجیل کے مرتب ہیں۔ (مترجم)

2- اس انجیل کے اور حصہ میں متی پھر اس واقعہ کا حوالہ دیتے ہیں۔ لیکن زمانے کے بارے میں صحیح تعین نہیں کرتے (401,16) یہی بات لوقا کے بارے میں صحیح ہے (32-29,11) ہم بعد میں دیکھیں گے کہ کس طرح مرقس (کی انجیل) میں یسوع کو یہ اعلان کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ اس نسل کو کوئی نشان نہیں دیا جائے گا۔ (مرقس 11,8) اصل عبارت یہ ہے:

> ''پھر فریسی نکل کر اس سے بحث کرنے لگے اور اسے آزمانے کے لیے اس سے کوئی آسمانی نشان طلب کیا۔ اس نے اپنی روح میں آہ کھینچ کر کہا ''اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان طلب کرتے ہیں؟ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہیں دیا جائے گا۔''

3- پورا نام جان مارک ہے۔ ان کا شمار انجیل کے مرتبین میں ہوتا ہے۔ پال یا پولوس کے رفیق کار تھے۔ پہلی صدی عیسوی کے دوسرے ربع میں موجود تھے۔ روایت ہے کہ انہوں نے دوسرے نمبر کی انجیل مرتب کی تھی۔ (مترجم)

4- اسی گھڑی اس نے بہتوں کو بیماریوں اور آفتوں اور بری روحوں سے نجات بخشی اور بہت سے اندھوں کو بینائی عطا کی۔

-5 میں بدروحوں کو بعلزبوں کی مدد سے نکالتا ہوں تو خدا کی بادشاہی تمہارے پاس آ پہنچی۔

-6 سینٹ لوقا۔ انجیل کے مرتب ایک فرانسیسی اور سینٹ پال کے حواری۔ روایتی طور پر تیسری انجیل انہوں نے مرتب کی۔ اس کے علاوہ رسولوں کے اعمال کے مرتب بھی وہی خیال کیے جاتے ہیں۔ (مترجم)

-7 پورا نام ٹیٹس فلاویٹس سالی ویسپاسیانس تھا رومتہ الکبریٰ کا دوسرا فلادی شہنشاہ تھا۔ اپنے باپ کے دور حکومت میں 70ء میں یروشلم کا محاصرہ کیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ اس کا دورِ حکومت رعایا کی خوشحالی کا دور سمجھا جاتا ہے۔ (مترجم)

-8 یوحنا کے ساتھ مقابلہ کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ وہ مصائب مسیح کے قبل آخری کھانے کے دوران عشائے ربانی کی رسم کا کوئی حوالہ نہیں دیتے۔

-9 اس نے اس سے کہا "تو نے خود کہہ دیا۔ جب وہ کھا رہے تھے تو یسوع نے روٹی لی اور برکت دے کر توڑی اور شاگردوں کو دے کر کہا لو کھاؤ۔ یہ میرا بدن ہے۔ پھر پیالہ لے کر شکر کیا اور ان کو دے کر کہا تم سب اس میں سے پیو' کیونکہ یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لیے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے۔" (متی کی انجیل 26-26-29)

-10 پھر اس نے روٹی لی اور شکر کر کے توڑی اور یہ کہہ کر ان کو دی کہ "یہ میرا بدن ہے جو تمہارے واسطے دیا جاتا ہے۔ میری یادگاری کے لیے یہی کیا کرو اور اسی طرح کھانے کے بعد پیالہ یہ کہہ کر دیا کہ یہ پیالہ میرے اس خون میں نیا عہد ہے جو تمہارے واسطے بہایا جاتا ہے۔ مگر دیکھو میرے پکڑوانے والے کا ہاتھ میرے ساتھ میز پر ہے کیونکہ ابن آدم تو جیسا اس کے واسطے مقرر ہے پکڑا جاتا ہے مگر اس شخص پر افسوس ہے جس کے وسیلہ وہ پکڑوایا جاتا ہے۔" اس پر وہ آپس میں پوچھنے لگے کہ ہم میں سے کون ہے جو یہ کام کرے گا اور ان میں یہ تکرار بھی ہوئی کہ ہم سے کون بڑا سمجھا جاتا ہے۔ (لوقا کی انجیل 22:19-24)

-11 اور وہ کھا ہی رہے تھے کہ اس نے روٹی لی اور برکت دے کر توڑی اور ان کو دی اور کہا میرا یہ بدن ہے پھر اس نے پیالہ لے کر شکر کیا اور ان کو دیا اور ان سبھوں نے اس میں سے پیا۔ (مرقس کی انجیل 14:22-24)

-12 کیونکہ یہ بات مجھے خداوند سے پہنچی اور میں نے تم کو بھی پہنچا دی کہ خداوند یسوع نے جس رات کو وہ پکڑوایا گیا روٹی لی اور شکر کر کے توڑی اور کہا یہ میرا بدن ہے اور تمہارے لیے ہے۔ میری یادگاری کے واسطے یہی کیا کرو۔ اسی طرح اس نے کھانے کے بعد پیالہ بھی لیا اور کہا "یہ پیالہ میرے خون میں نیا عہد ہے جب کبھی پیو میری یادگار کے لیے یہی کیا کرو۔" 11:22-25)

-13 انجیل کے مرتب' زبیدی کے بیٹے اور بارہ حواریوں میں سے تھے۔ وہ چوتھی انجیل کے مرتب سمجھے جاتے ہیں۔ کتابِ وحی بھی ان ہی سے منسوب کی جاتی ہے۔ (مترجم)

14- کتب متفقہ یعنی متی، مرقس اور لوقا کی انجیلیں جن کی ترتیب یکساں ہے برخلاف یوحنا کی انجیل کے جو ان سے کسی قدر مختلف ہے۔ (مترجم)

15- فلسطین کا جنوبی حصہ جو یہودہ کے بعد ایرانی، یونانی اور رومی سلطنتوں میں شامل رہا ہے مغرب میں یہ علاقہ بحیرۂ روم تک پھیلا ہوا تھا۔ پومپی کی فتح کے بعد یہ علاقہ رومہ کا ایک حصہ بن گیا۔ (مترجم)

16- ایشیائی ترکی کے شمال میں بحیرۂ اسود کے ساحل پر ایک بندرگاہ ہے۔ پہلے اس نام کی ایک ولایت بھی تھی۔ اور اس کا دارالحکومت بھی۔ یونانی دور میں اس کو کافی فروغ حاصل رہا۔ ابتدائی دور میں عیسائیت کا بھی یہ ایک اہم مرکز تھا۔ (مترجم)

17- دوسری صدی عیسوی میں ایک عیسائی راہب تھا۔ کٹر عیسائی اس کو گمراہ قرار دیتے ہیں۔ اس نے ایک نیا فرقہ ایجاد کیا۔ جو اس کے نام پر مارسیونک کہلاتا ہے۔ اس فرقہ کے گرجا شمالی افریقہ، گالیہ، ایشیائے کوچک اور مصر میں قائم ہوئے۔ وہ مادہ کے ازلی ہونے کا قائل ہے۔ (مترجم)

نادر عقیل انصاری

انجیل متی کی تاریخ تصنیف

عہد نامہ جدید (1) کے مختلف حصوں کی تاریخ تصنیف کا تعین بائبل کے علوم کے ماہرین کے لیے غیر معمولی دلچسپی کا حامل رہا ہے اور اسے ہر دور کے جید عیسائی علماء اور محققین نے تحقیق و توجہ کا مرکز بنایا ہے۔ بے یقینی اور ارتیاب کے اس میدان میں دو ہزار سال کی کوشش بھی کوئی حتمی جواب نہیں پیش کر سکی۔ ایک نئے قاری کو جب اس سوال سے سابقہ پڑتا ہے تو وہ اختلاف آرا اور ظن وتخمین کے اس حیرت کدے میں قدم رکھتے ہی وحشت زدہ ہو کر رہ جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب امریکی ہفت روزہ 'ٹائم' (Time) کے ایک شمارے (23 جنوری 1995ء) میں کارسٹن پیٹر تھائیڈی (Carston Peter Thiede) کی اس تحقیق کا تعارف شائع ہوا جس میں اس نے انجیل متی (The Gospel of Matthew) کی تصنیف کا سال '70ء کو قرار دیا' تو اسے محض ایک اور رائے سمجھ کر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔ اس جرمن محقق کا دعویٰ ہے کہ متی کے سن تصنیف کے بارے میں مشہور قول جو اسے 80ء کی تصنیف قرار دیتا ہے' نظر ثانی کا محتاج ہے۔ اس کے خیال میں اسے 70ء کی تصنیف سمجھنا زیادہ قرین قیاس ہے۔ اس سلسلے میں اس کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے۔

انجیل متی کے یونانی نسخے کے تین پرزے جو 1901ء میں مصر میں دریافت ہوئے اور 1953ء میں شائع ہوئے اس انجیل کے وہ قدیم ترین باقیات ہیں جو ہمارے پاس موجود ہیں۔ یہ آکسفورڈ کے مگدلینی کالج میں محفوظ ہیں اور مگدلینی پارے (Magdalen Fragments) کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ بمشکل چند مربع انچ کے برابر ہوں گے۔ ان پر متی کے باب 26 کی کچھ آیات کے اجزا اب بھی پڑھے جاسکتے ہیں۔ تھائیڈی ان کے رسم الخط کو پہلی صدی عیسوی کے رسم الخط سے مماثل پا کر یہ استدلال کرتا ہے کہ یہ وہ رسم الخط ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد ہی میں متروک ہونا شروع ہو گیا تھا۔ لہٰذا اسے 80ء کی تصنیف بتانا درست نہیں ہے' کیونکہ اگر یہ انجیل 80ء میں لکھی گئی تھی' تو یہ ممکن نہیں ہے کہ اس قدر جلد اس کا اتنا ابتدائی نسخہ مصر جا پہنچا ہو۔ لہٰذا یہ بات زیادہ قرین قیاس ہوگی کہ یہ انجیل اس

سے کم از کم دس برس پہلے لکھی گئی ہو۔ تھائیڈی کی اس تحقیق کے نتائج اس لیے اہم ہیں کہ ان کے درست ہونے کی صورت میں یہ امر ثابت ہو جائے گا کہ متی کی تصنیف کے وقت حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی کے کئی چشم دید گواہ موجود تھے اور ان کے اصحاب کی زندگی میں شائع ورائج ہونے والی انجیل ظاہر ہے کہ بڑی حد تک ثقہ ہوگی اور وہ سنی سنائی اور بے بنیاد روایت نہیں ہو سکتی' جیسا کہ اب اکثر خیال کیا جاتا ہے۔

تھائیڈی کا استدلال ان نسخوں کے مخصوص یونانی رسم الخط کی جانچ پرکھ پر منحصر ہے۔ وہ خود بھی اعتراف کرتا ہے کہ قدیم مخطوطات کی تاریخ تصنیف متعین کرنے کا یہ طریقہ خطرات سے بھرپور ہے۔ تاریخ تصنیف طے کرنے کی غرض سے قدیم نسخوں کے تجزیے (Dating) کے لیے اب کیمیائی عمل کے نت نئے طریقوں سے مدد لی جاتی ہے' جو اپنی سائنسی خوبیوں کے باوجود حتمی نہیں ہوتے۔ رسم الخط کے راستے سے تاریخ تک پہنچنے کا تو ذکر ہی کیا' کیونکہ یہ تو کسی اعتبار سے بھی ایک معروضی تکنیک نہیں ہے۔ اب تک جن قدیم نسخوں کی کسی حد تک درست تاریخ متعین کی جا سکی ہے اس میں ریڈیو کاربن (Radio Carbon Dating) اور پوٹاشیم آرگون (Potassium Argon Dating) کے ذرائع کا بڑا ہاتھ ہے۔ (2) ان ہی طریقوں سے کسی قطعیت کے ساتھ مگدلینی پاروں کی قدامت کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا تھا' لیکن تھائیڈی نے اعتراف کیا ہے کہ یہ مخطوطات اس قدر خستہ حالت میں ہیں کہ ان دونوں میں سے کسی بھی کیمیائی عمل کے متحمل نہیں ہو سکتے اور ان مخطوطات کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے۔ لہٰذا یہ سائنسی طریقے بھی اس مسئلے کو حل کرنے میں ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ اور ان کی تاریخ تصنیف کے بارے میں یہ نئی رائے بھی ظن وتخمین کے درجے سے آگے نہیں بڑھتی۔

دراصل بائبل کی کسی بھی تحریر کے بارے میں خواہ وہ پرانے عہد نامے کی ہو یا نئے کی' بنیادی سوال یہ نہیں ہے کہ اس کا سن تحریر کیا ہے بلکہ بنیادی اہمیت ان سوالات کی ہے کہ:

(الف) کتاب کا مصنف کون ہے؟ (کیونکہ تحریر کی ثقاہت کا انحصار اس پر ہے)۔

(ب) کیا مصنف چشم دید واقعات بیان کر رہا ہے اور الہام کا مدعی ہے؟

(ج) اگر وہ کسی اور کی شہادت پر انحصار کر رہا ہے تو اس صورت میں اس راوی کا حال اور اس کا عینی شاہد ہونا معلوم ہے یا نہیں؟

(د) واقعے کے بیان کا انحصار ایک شخص پر ہے یا اس کی تائید کے لیے اضافی مواد موجود ہے؟

(ہ) یہ تمام سوالات تحریر کے بارے میں خارجی شہادت کو سامنے لاتے ہیں۔ اس کے بعد یہ بھی دیکھا جائے گا کہ خود تحریر کا متن اس سلسلے میں کیا دعویٰ کرتا ہے؟ (یعنی داخلی شہادت پر بحث ہوگی)۔

اگر ان سوالات کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو انجیل متی' یکسر ناقابل اعتبار ٹھہرتی ہے۔ نہ تو اس کے مصنف کا نام معلوم ہے' نہ اس کے حالات (یعنی اس کا ثقہ یا غیر ثقہ ہونا)' نہ وہ الہام کا دعویٰ کرتا ہے' نہ چشم دید واقعات بیان کرنے کا مدعی ہے' اور نہ وہ کسی چشم دید راوی ہی کا حوالہ دیتا ہے۔ اس

کے علاوہ ان تمام واقعات کی صحت کا انحصار ان ہی دو چار اناجیل پر ہے‘ جو ہر باب اور ہر آیت پر ایک دوسرے سے کثرتِ اختلاف کی وجہ سے پکار پکار کر کہتی ہیں کہ یہ محض سنی سنائی کہانیاں ہیں اور بس۔ اور جب ہم اس کے متن پر غور کرتے ہیں تو تاریخی اغلاط‘ تضادات‘ غلط بیانیوں‘ غلط حوالوں اور خیال آرائیوں کی ایک دنیا آباد پاتے ہیں۔ یہ جملہ معترضہ ضروری تھا‘ تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ انجیل متی کی صحت و اصلیت اور مبنی بر وحی ہونے کا معاملہ یہاں زیرِ غور نہیں ہے اور نہ وہ تھائیڈی کے دعوے کی صداقت پر منحصر ہے‘ بلکہ یہاں تو فقط متی کی اس انجیل کا سن تصنیف زیرِ بحث ہے‘ جو ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ بالفرض اگر یہ ثابت ہو بھی جائے کہ یہ انجیل عہد مسیح میں یا اس کے معاً بعد لکھی گئی‘ تو بھی اس انجیل کا الہامی اور مستند ہونا ثابت نہیں ہوگا۔

انجیل متی کے لکھے جانے کی درست تاریخ معلوم کرنے سے پہلے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ یہ انجیل‘ اصلاً کس زبان میں لکھی گئی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آرامی زبان بولتے تھے‘ جو عبرانی (Hebrew) کی ایک شکل تھی‘ جبکہ متی کی انجیل کا قدیم ترین نسخہ‘ جواب موجود ہے‘ یونانی زبان میں ہے۔ اس کی دو ہی ممکن توجیہات ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ انجیل‘ اصلاً یونانی (Greek) زبان میں لکھی گئی‘ اور دوسری یہ کہ اصلاً تو یہ آرامی (Aramaic) زبان میں تھی‘ لیکن بعد میں اس کا ترجمہ یونانی میں کیا گیا اور اب اصل آرامی نسخہ معدوم ہو جانے کے بعد اس کا انحصار فقط یونانی ترجمے ہی پر رہ گیا۔

پہلی توجیہ ماننے کی صورت میں بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں:

اس سے متن کی ثقاہت مزید مشکوک ہو جاتی ہے اور اس میں منقول حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کی روایت باللفظ کے بجائے‘ بالمعنی قرار پاتی ہے۔ یہ طے کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ مصنف نے کہاں تک نفس مضمون کی حفاظت کی ہے۔ خاص طور پر زیرِ غور معاملے میں تو یہ شک اور بھی قوی ہو جاتا ہے‘ کیونکہ یہاں نہ تو مصنف کا نام معلوم ہے‘ جو حضرت مسیح کے آرامی زبان میں ادا کیے گئے اقوال کو یونانی میں منتقل کر رہا ہے اور نہ تاریخی معلومات میسر ہیں جن سے اس کی قابلیت کا اندازہ لگایا جا سکے۔ جس متی نامی شخص کا خود متی کی انجیل میں ذکر ہے‘ اس کے حالات پڑھنے سے تو یہ امر تقریباً ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ اس قسم کی ادبی تصنیف کا اہل نہیں۔ (3) دوسرے یہ کہ جس یہودی تہذیب کی کوکھ سے یہ نیا مسلک جنم لے رہا تھا اس میں مذہبی صحیفوں کو بالعموم‘ عبرانی زبان میں محفوظ کیا جاتا تھا۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم انجیل متی کے بارے میں فرض کریں کہ وہ اس روایت کے علی الرغم‘ یونانی میں لکھی گئی ہوگی‘ بالخصوص جبکہ پہلی صدی کے عیسائی مبلغوں کے مخاطب صرف آرامی بولنے والے اسرائیلی ہی تھے اور انہیں غیر قوموں کو دعوت دینے سے صراحت کے ساتھ روکا گیا تھا۔ تیسرے یہ کہ قدیم عیسائی بزرگ پیپیاس (Papias) (4) کا جو قول مورخ یوسی بیس (Eusebius) نے نقل کیا ہے‘ اس کا انکار لازم آتا ہے۔ حالانکہ یہ اس ضمن کی قدیم ترین خارجی شہادت ہے:

"Matthew compiled the Sayings in Aramaic

language and everyone translated them as well as he could." (Eusebius: The History of the Church. 3:39 Penguin Classics 1965)

"متی نے اقوال کو آرامی زبان میں جمع کیا اور ہر کسی نے اپنی استعداد کے مطابق، بہترین انداز میں، اس کے تراجم کیے۔"

عیسائی رہنما آرینیوس (Irenaeus) اور اوریگن (Origen) کی بھی یہی رائے ہے۔ معلوم نہیں ہوتا کہ اقوال سے پیپیاس کی کیا مراد ہے، لیکن غالب گمان یہی ہے کہ اس سے حضرت مسیح کے اقوال مراد ہیں، جنھیں بعد میں اناجیل اربعہ (جن میں انجیل متی بھی شامل ہے) کے مصنفین نے اپنے رسائل میں موقع بہ موقع، استعمال کیا ہے۔ لگتا ہے کہ اصل میں یہی وہ انجیل ہے جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے اور جو حضرت مسیح کے ان اقوال کا مجموعہ تھی جو مبنی بر وحی تھے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ تحریر ہم تک نہیں پہنچ سکی، لیکن اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اوّل اوّل انجیل آرامی زبان ہی میں لکھی گئی، جس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ موجودہ انجیل، جو یونانی میں ہے اور اس میں حضرت مسیح کے اقوال کے علاوہ بھی بہت کچھ اضافے ہو چکے ہیں، حضرت مسیح کے بہت بعد وجود میں آئی اور یہ ان کی تعلیمات کو جاننے کا اوّلین ماخذ نہیں ہے، بلکہ اسے زیادہ سے زیادہ ایک ثانوی ماخذ کے طور پر قبول کیا جاسکتا ہے۔

اس صورت میں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ اگر یہ انجیل، اصلاً آرامی زبان میں تحریر ہوئی تو اس کا یونانی ترجمہ جسے تھائیڈی 70ء سے متعلق کرتا ہے، ہرگز 70ء کا تصنیف شدہ نہیں ہوسکتا، کیونکہ قدیم مذہبی کتب اور صحائف کے بارے میں ان کے ماننے والوں کے رویے ہمارے سامنے ہیں۔ بالعموم ان کو دوسری زبانوں میں منتقل کرنے کی شدید مخالفت ہوتی رہی ہے۔ بالخصوص ابتدائی دور میں تو اس طرح کی کسی بھی کوشش کو ہر ممکن طریقے سے دبایا گیا ہے۔ یہودیوں نے صدیوں کے بعد جب سکندریہ میں عہد نامہ عتیق کا پہلا یونانی ترجمہ کیا، جو نسخہ سبعینہ (Septuagint) کے نام سے مشہور ہے (5) تو قدامت پسندوں نے اس کی شدید مخالفت کی۔ بعض یہودی ربی کہتے تھے کہ جب یہ ترجمہ کیا گیا تو تین دن تک زمین پر اس کی نحوست کی وجہ سے اندھیرا چھایا رہا۔ دوسروں نے کہا کہ یہ دن بنی اسرائیل کی زندگی میں ایسا ہی افسوسناک تھا، جیسا وہ دن جب انھوں نے موسیٰ کی غیر موجودگی میں بچھڑے کی عبادت کی تھی (میکنزی۔ قاموسِ بائبل ص788) اس ردِعمل کی روشنی میں یہ امر خاصا مستبعد ہے کہ متی کی انجیل کا ترجمہ اتنے ابتدائی دور میں یونانی زبان میں کردیا گیا ہو۔

انجیل متی میں موجود داخلی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مروج نسخہ یروشلم کی تباہی کے بعد لکھا گیا، جو 70ء کا واقعہ ہے۔ عیسائی علما کا اس بات پر تقریباً اجماع ہے کہ انجیل متی، انجیل مرقس کے بعد لکھی گئی اور یہ کہ انجیل مرقس 65ء سے 70ء کے درمیان کسی وقت لکھی گئی۔ (6) اس وجہ سے بھی یہ کہنا درست ہے کہ انجیل متی کا سن تصنیف 70ء سے پہلے نہیں ہوسکتا۔ دوسرے الفاظ میں یہ انجیل حضرت مسیح

کے انتقال کے کم از کم چالیس برس بعد ضبط تحریر میں آئی ہوگی۔

اس سے یہ تاثر نہ پیدا ہو کہ عیسائی علما کو کسی درجے یقین کے ساتھ یہ تاریخ معلوم ہے' بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ نظریہ محض اٹکل کی بنیاد پر قائم ہے اور عیسائی مورخوں میں مختلف آرا متداول رہی ہیں جن میں سے بعض اس انجیل کو 100ء کی تصنیف قرار دیتے ہیں۔ یہاں یہ اضافہ بھی کر دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اس نوعیت کے اختلافات انجیل متی کے ساتھ ہی خاص نہیں' بلکہ عہد نامہ جدید کی تمام کتابوں کا یہی حال ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کتب کی تاریخی صحت کا کوئی تقابل قرآن مجید' سنت یا حدیث سے نہیں ہوسکتا۔ اگر قواعد روایت کی روشنی میں بغور دیکھا جائے تو تورات اور انجیل کی حیثیت ایک ضعیف روایت سے زیادہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عیسائی محققین کسی ایسی دریافت کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہتے جس سے ان مذہبی صحیفوں کی تاریخ تصنیف دو چار سال اور پیچھے لے جائی جاسکے۔ ان صحیفوں کا یہی کمزور تاریخی پہلو اور ان کے مندرجات کا ناقابل اعتبار ہونا اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ اللہ بندوں پر اپنی مرضی ظاہر کرنے کے لیے' ہدایت کا ایک اور راستہ کھولتا اور اس کو ہر قسم کی تبدیلی' تحریف اور تغیر سے محفوظ رکھتا۔ عیسائی علما کو قرآن پر اسی نقطہ نظر سے تدبر کرنا چاہیے لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے محض تعصب کی وجہ سے' اپنے آپ کو ہدایت کے ایسے بیش قیمت خزانے سے محروم رکھا ہوا ہے۔

حوالہ جات

-1 عہد نامہ جدید (New Testament) جسے اسلامی لٹریچر میں 'انجیل' کہا جاتا ہے' دراصل اس الہامی کتاب کی موجودہ شکل کا نام ہے جو قرآن کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول 'انجیل' دراصل نام ہے ان الہامی خطبات اور اقوال کا جو مسیح علیہ السلام نے اپنی زندگی کے آخری ڈھائی تین برس میں' بحیثیت نبی' ارشاد فرمائے۔ وہ کلمات طیبہ آپ کی زندگی میں لکھے اور مرتب کیے گئے تھے یا نہیں' اس کے متعلق اب ہمارے پاس کوئی ذریعہ معلومات نہیں ہے۔ ممکن ہے بعض لوگوں نے انہیں نوٹ کرلیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ سننے والے معتقدین نے ان کو زبانی یاد رکھا ہو۔ بہرحال ایک مدت کے بعد جب آپ کی سیرت پر مختلف رسالے لکھے گئے تو ان میں تاریخی بیان کے ساتھ ساتھ' وہ خطبات اور ارشادات بھی جگہ جگہ حسب موقع درج کر دیئے گئے' جو ان رسالوں کے مصنفین تک زبانی روایات اور تحریری یادداشتوں کے ذریعے سے پہنچے تھے۔ آج متی' مرقس' لوقا اور یوحنا کی جن کتابوں کو اناجیل کہا جاتا

ہے' دراصل انجیل وہ نہیں' بلکہ حضرت مسیح کے وہ ارشادات ہیں جو ان کے اندر درج ہیں۔ ہمارے پاس ان کو پہچاننے اور مصنفین سیرت کے اپنے کلام سے ان کو ممیز کرنے کا اس کے سوا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ جہاں سیرت کا مصنف کہتا ہے کہ مسیح نے یہ فرمایا یا لوگوں کو یہ تعلیم دی' صرف وہی مقامات اصل انجیل کے اجزا ہیں۔ قرآن انہی اجزا کے مجموعے کو انجیل کہتا ہے اور انہی کی تصدیق کرتا ہے۔ آج کوئی شخص ان بکھرے ہوئے اجزا کو مرتب کر کے قرآن سے ان کا مقابلہ کر کے دیکھے تو وہ دونوں میں بہت ہی کم فرق پائے گا اور جو تھوڑا بہت فرق محسوس ہوگا' وہ بھی غیر متعصبانہ غور و تامل کے بعد بآسانی حل کیا جاسکے گا'

(تفہیم القرآن' جلد اوّل صفحہ 232)

-2 (Radio Carbon Dating) نامیاتی مادوں میں تابکاری عناصر کے تناسب کو ماپنے سے قدیم نسخوں اور دیگر اشیا کی تاریخ متعین کرنے میں بہت مدد ملی ہے۔ آثارِ قدیمہ کے میدان میں کاربن (14) کے ذریعے سے بڑی حد تک درست تاریخیں معلوم کی گئی ہیں۔ اس طریقے کو "Carbon dating" کہتے ہیں۔ تمام نامیاتی مادوں (یعنی جانوروں اور درختوں) میں کاربن کی دو شکلیں ایک متعین تناسب کے ساتھ موجود ہوتی ہیں۔ ایک کاربن (12) تاربکاری نوعیت کا مادہ ہے' اور وقت کے ساتھ نامیاتی انحطاط (Decay) کے عمل کی وجہ سے اس کی مقدار میں کمی ہو جاتی ہے۔ ہمیں اس کے نامیاتی انحطاط (Decay) کے عمل کی رفتار معلوم ہے۔ چنانچہ اگر ہم کسی قدیم شے میں کاربن (12) اور کاربن (14) کی مقدار کا تناسب معلوم کرلیں تو اس شے کی قدامت کا بڑی حد تک درست اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

-3 متی کی علمی قابلیت۔ جو شخص انجیل متی کا مصنف سمجھا جاتا ہے' اس کا ذکر عہد نامہ جدید میں پہلی دفعہ اس طرح کیا گیا ہے:

'یسوع نے وہاں سے آگے بڑھ کر متی نام کے ایک شخص کو محصول کی چوکی پر بیٹھے دیکھا اور اس سے کہا میرے پیچھے ہو لے۔ وہ اٹھ کر اس کے پیچھے ہو لیا'

(متی باب 9' فقرہ 9)

مفسرین نے اس پر بحث کی ہے کہ محصول لینے والا یہ متی' عبرانی زبان کی ایسی استعداد اور تورات و صحف انبیاء کے فہم کے فن کی ایسی مہارت کا حامل نہیں ہوسکتا' جو ایک ادبی و علمی تصنیف کے لیے درکار ہے۔

-4 پیپاس (Papias of Hierapolis) قدیم ترین عیسائی مصنفین میں شمار کیا جاتا ہے۔ وہ ایشیائے کوچک میں مقیم رہا اور شاید 130ء میں اس نے اپنی مشہور کتاب 'شرح اقوالِ مسیح' تالیف کی جس کے اجزا آج بھی موجود ہیں۔ عیسائی مورخین کے مطابق اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے حواری اور ایک انجیل کے مصنف یوحنا سے تعلیم و تربیت حاصل کی تھی۔ پیپاس قدیم عیسائی بزرگوں

کی اس جماعت سے تعلق رکھتا ہے جن کی تحریریں ایک زمانے تک عہد نامہ جدید کی الہامی تحریروں میں شامل کی جاتی تھیں۔ ان میں پیپاس کے علاوہ اوریگن (Origen) کلیمنٹ (Clement) ہرمس (Hermas)، اگنیشیس (Ignatius) پولیکارپ (Polycarp) اور دوسرے بزرگ شامل ہیں۔ ان تمام کے بارے میں خیال ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے کسی نہ کسی حواری کی صحبت پائی۔ اصطلاح میں انہیں 'Apostolic Fathers' کہا جاتا ہے۔ یہ گویا عیسائی تاریخ کے 'تابعی' ہیں۔

5- نسخہ سبعینہ (Septuagint) عہد نامہ قدیم کا یونانی زبان میں پہلا ترجمہ ہے جو سکندریہ کے یہودیوں نے 250ق م سے 100 ق م کے دور میں عبرانی نسخے سے کیا۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ روایت ہے کہ اس کام میں 70 علماء نے حصہ لیا۔ یہودیوں کے نزدیک یہ مستند ترین تراجم میں سے ہے۔

6- **Commentary on Gospel according to Mark: Edward Mally p.21**

لاجواب

گھنٹہ گھر دہلی پر ایک پادری صاحب مزاحیہ اور تمسخرانہ لہجہ میں فرما رہے تھے کہ مسلمانوں کے پیغمبرؐ حبیب اللہ کہلاتے ہیں لیکن جب ان پیغمبرؐ کے نواسوں کو مخالفین نے قتل کیا تو اس وقت پیغمبر صاحب نے خدائے تعالیٰ سے فریاد نہ کی حالانکہ حبیب کا محبوب زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ اگر پیغمبر صاحب فریاد کرتے تو خدائے تعالیٰ ان کی ضرور سنتا۔

مولانا شرف الحق ؒ بھی اس مجمع میں پادری کی تقریر سن رہے تھے۔ جب اس نے یہ کہا تو آپ کو برداشت نہ ہو سکا۔ تقریر سے کبھی واسطہ نہ پڑا تھا۔ آپ سیدھے سادے الفاظ میں پادری سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ آپ غلط کہتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدائے تعالیٰ سے فریاد نہیں کی۔ فریاد کی اور ضرور کی۔ نواسوں پر ظلم ہوئے ان کو تمام و کمال بیان کیا مگر جواب ملا بیشک تمہارے نواسہ کو مخالفین نے شہید کر ڈالا اور اس پر انتہائی ظلم ہوئے ہیں لیکن اس وقت مجھے اپنے اکلوتے بیٹے یسوع مسیح کا صلیب پر چڑھنا یاد آ رہا ہے اور اس کا غم بے چین کیے ہوئے ہے۔ اس جواب سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو گئے کہ واقعی اکلوتے بیٹے سے بڑھ کر میرا نواسہ نہیں ہو سکتا۔ جب بیٹا نہ بچ سکا تو میرا نواسہ کس گنتی میں ہے۔ اس جواب سے مجمع میں جان پڑ گئی اور خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ آخر پادری صاحب اس وقت اپنا بستہ اٹھا کر رفو چکر ہو گئے۔

مولانا عبداللطیف مسعود

انجیل متی کا تعارف اور اس کے مندرجات

مروجہ عہد جدید کے 27 رسائل میں سے سب سے اوّل نمبر پر انجیل متی ہے۔ اگرچہ سب سے اوّل مرقس کی انجیل تحریر ہوئی اور اس کے بعد متی تحریر کی گئی' لیکن غیر معلوم وجوہ کی بنا پر متی کو سرفہرست رکھا گیا۔

اس انجیل کا مصنف متی حواری بتلایا جاتا ہے' مگر اس انجیل کا طرز تحریر اس کی تائید نہیں کرتا۔ کیونکہ اگر یہ وہی متی ہو جس کا ذکر متی 9:9 میں آیا ہے تو پھر اس کا انداز تحریر بصیغہ متکلم ہونا چاہیے تھا' جیسا کہ خطوط پولوس میں یہ چیز نمایاں ہے یا کم از کم ایک آدھ دفعہ ہی اس کا تذکرہ ہو جاتا جیسا کہ انجیل لوقا کی ابتداء میں ہے۔ تو جب ان میں سے کوئی بات بھی ساری انجیل میں نہیں ملتی تو اس متی کو ہم اس انجیل کا مصنف کیسے تسلیم کرلیں اس لیے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں اس انجیل کی متی کی طرف نسبت کو غلط قرار دیا گیا ہے۔ ایسے ہی قاموس الکتاب ص 878' کالم 1 میں اس روایت کو غیر معتبر قرار دیا گیا ہے۔

اس انجیل کے 28 ابواب اور 1068 فقرے ہیں۔ اس کے مصنف نے اسے انجیل مرقس سے اخذ کیا ہے حتیٰ کہ پادری برکت اللہ ایم اے نے اپنی کتاب ''اصلیت و قدامت اناجیل'' میں لکھا ہے کہ متی نے مرقس کے 661 فقروں سے تقریباً تمام ہی کو اخذ کیا ہے۔

زمانہ تحریر

اناجیل کے مصنفین کی طرح ان کا زمانہ تحریر بھی پردۂ خفا میں ہے' ہر جگہ ظن وتخمین ہی سے کام نکالا جاتا ہے۔ ویسے یہ امر حقیقت ہے کہ چاروں اناجیل خطوط پولوس کے بعد تحریر کی گئی ہیں ورنہ ان میں کہیں کوئی نہ کوئی اقتباس ضرور ہوتا۔

اناجیل کا زمانہ ظہور

پادری ایف ایس خیر اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ یہ دستاویزات سب سے پہلے کہاں اور کب عوام کو دی گئیں' اس کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ (دیکھئے قاموس الکتاب ص 92 کالم 1)

گویا ان کا زمانہ ظہور بھی مستور ہے۔ یہ ہے بھی حقیقت کہ واقعتاً ان کا زمانہ تحریر صاحب تحریر اور زمانہ ظہور سب کچھ پردۂ خفا میں ہے کیونکہ غیر معلوم الاسم لوگوں نے غیر معلوم زمانہ میں ان کو تحریر کیا اور وہ بھی متن الٰہی یا مذہبی احکام کے طور پر نہیں بلکہ محض ایک تاریخی اور سوانحی سطح پر جیسا کہ کیتھولک بائبل کے انڈیکس میں ان کو اسفار تواریخی ہی کا عنوان دیا گیا ہے۔

اناجیل کا زمانہ استناد

یہ بات مسلم اور مشہور ہے کہ سب سے اوّل ان کو الہامی قرار دے کر عہد قدیم کا ہم پلہ قرار دینا دوسری صدی کے آخر میں جناب ٹرٹولین کی طرف سے واقع ہوا۔ (دیکھیے پادری جی ٹی مینلی کی کتاب ''ہماری کتب مقدسہ'' ص 65 مطبوعہ لاہور)

پھر باقاعدہ طور پر ان کو مستند 397ء میں قرار دیا گیا اور کئی کلیساؤں میں اس کے بھی مدت بعد۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ یہ رجسٹریشن اجمالی تھی' ویسے موجودہ مروجہ ہر ایک رسالے کا یہ معاملہ نہیں تھا۔ کئی ایسے رسائل بھی تھے جن کو اکثر کلیساؤں نے مدت تک تسلیم نہیں کیا بلکہ ان پر جرح وقدح کرتے رہے۔

انجیل متی کی غرض وغایت

مصنف اس انجیل کو عہد قدیم سے مسلسل اور مربوط کرنے کے لیے اس کے متعدد اقتباسات پیش کرتا ہے اور بارہ ایسے حوالجات بھی درج کرتا ہے جس میں یوں کہتا ہے: ''جیسا کہ نبی کی معرفت لکھا گیا'' یا ''یہ اس لیے ہوا تاکہ جو نبی کی معرفت لکھا گیا تھا' وہ پورا ہو۔'' اس میں مسیح کے حق میں عہد قدیم کی متعدد پیش گوئیاں درج کی گئی ہیں' اگرچہ فی الحال اکثر کی فٹنگ ناممکن ہے۔

کہا جاتا ہے کہ مصنف نے اسے ان عیسائیوں کے لیے تحریر کیا ہے جو کہ یہودیت سے عیسائی ہوئے تھے۔ مصنف کی غرض یہ ہے کہ وہ یہ بات ثابت کرے کہ مسیح یہودی امید کی تکمیل تھے اور وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ آپ صرف بنی اسرائیل کے لیے ہادی تھے۔ (متی 6:10 و 24:15) انہی کی تبلیغ اور ہدایت کے لیے آئے تھے نہ کہ دوسری اقوام کے لیے۔ ملاحظہ فرمائیں' مسیح نے کہا:

> ''میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔'' (متی 24:15)

ایسے ہی آپ نے شاگردوں کو تبلیغ پر بھیجتے ہوئے یہ ہدایات دیں کہ:

> ''غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔'' (متی 6:10)

معلوم ہوا کہ آپ کے مشن کی یہ بنیادی بات تھی کہ آپ صرف بنی اسرائیل کی ہی ہدایت کے

لیے آئے تھے۔ مسیح کی رسالت اور دعوت صرف بنی اسرائیل کے لیے تھی۔ خدا کی آخری لاریب کتاب بھی یہی حقیقت بیان کرتی ہے۔ (سورۃ الصف :6 وغیرہ)

قبل از ولادت پیش گوئی

انجیل میں لکھا ہے کہ:

1- ”جب مریم کے منگیتر یوسف نے مریم کو حاملہ پا کر چھوڑ دینے کا ارادہ کیا تو خواب میں ایک فرشتے نے اس سے کہا ”اے یوسف ابن داؤد! اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے مت ڈر کیونکہ وہ روح القدس سے حاملہ ہے کہ وہ بیٹا جنے گی اور تو اس کا نام یسوع رکھنا کیونکہ وہی اپنے لوگوں (بنی اسرائیل) کو ان کے گناہوں سے نجات دے گا۔“ (متی 1:19 تا 21)

مگر ساتھ ہی 1:23 میں اس کے نام کے متعلق عمانویل لکھا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسیح کسی موروثی گناہ کے کفارہ کے لیے نہیں بلکہ بنی اسرائیل کو ہر قسم کی اعتقادی اور عملی برائی اور گناہ سے نجات دینے کے لیے آئے تھے۔ (رومیوں 11:26،27 اعمال 5:31 وغیرہ)

2- ”کیونکہ نبی کی معرفت یوں لکھا ہے کہ اے بیت لحم یہوداہ کے علاقے! تو یہوداہ کے حاکموں میں ہرگز چھوٹا نہیں کیونکہ تجھ سے ایک سردار نکلے گا جو میری امت اسرائیل کی گلہ بانی کرے گا۔“ (متی 2:5،6)

3- ”مگر فرشتے نے ان سے کہا ڈرو نہیں! کیونکہ دیکھو میں تمہیں بڑی خوشی کی بشارت دیتا ہوں جو ساری امت کے واسطے ہوگی کہ آج داؤد کے شہر میں تمہارے لیے ایک منجی پیدا ہوا ہے، یعنی مسیح خداوند۔“ (لوقا 2:10)

4- ”یہ نہ سمجھو کہ میں توراۃ یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔“ (متی 5:17)

معلوم ہوا کہ آپ کی نبوت صرف توراۃ کے متعلق تھی اور توراۃ صرف یہود کے لیے تھی۔

5- ”مسیح نے کہا: تم اسرائیل کے سب شہر نہ پھر چکو گے کہ ابن آدم آ جائے گا۔“ (متی 10:23)

پھر عالمی رسالت کیسی؟

6- پطرس کی گواہی: ”اس (یسوع) کو خدا نے مالک اور منجی ٹھہرا کر اپنے داہنے ہاتھ سے سربلند کیا تاکہ اسرائیل کو (نہ کہ سب کو۔ ناقل) توبہ کی توفیق اور گناہوں کی معافی بخشے۔“ (نہ کہ کسی مزعومہ موروثی گناہ کا کفارہ بنا کر) (اعمال 5:31)

”جو کلام اس نے بنی اسرائیل کے پاس بھیجا جبکہ یسوع مسیح کی معرفت صلح کی

خوش خبری دی۔" (اعمال 10: 36 نیز ملاحظہ فرمائیں متی 15: 31 لوقا
2:10,34 یوحنا7- کتاب اعمال 10:42 متی 18:17)
امت سے مراد صرف بنی اسرائیل ہے۔ (دیکھئے اعمال 13:17- 26:17 ,23-28 :17
وغیرہ) اس طرح جہاں جہاں عموم کا گمان ہوتا ہے وہاں بھی صرف اسرائیل ہی مراد ہے۔ (اعمال
25:4) نیز علاقائی عموم سے بھی صرف فلسطین کے ہی علاقہ جات مراد ہیں۔ گویا خود اناجیل کی داخلی
شہادت سے آپ کی دعوت صرف بنی اسرائیل تک ہی محدود ثابت ہوتی ہے۔

انجیل متی کی تاریخی اور حوالجاتی غلطیاں

حقیقت یہ ہے کہ جب ان اناجیل وغیرہ کا ابتدائی ثبوت ہی کوئی نہیں اور نہ ہی مسیح کے ساتھ ان کا کوئی مستند رابطہ ثابت ہے حتیٰ کہ یہ رسائل تو اپنے منسوب کردہ مصنفین تک بھی مربوط نہیں ہو سکتے تو ان کے مندرجات کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟ اسی بنا پر زمانہ حال کے علماء عیسائیت کے ایک گروہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اناجیل میں بیان کردہ اقوال مسیح کی 80 فیصد نسبت مشکوک ہے۔ لہٰذا جب اقوال مسیحؑ کی یہ پوزیشن ہے تو پیش گوئیوں کی کیفیت کتنی نازک ہوگی؟

مسیحؑ کا نسب نامہ

چنانچہ متی کے ابتداء میں مسیح کا بیان کردہ نسب نامہ ہی علمائے عیسائیت کے دردِ سر کا باعث بنا ہوا ہے۔

1- اس میں ابراہیم علیہ السلام سے مسیحؑ تک 14-14 پشتوں کے تین حصے بیان کیے گئے ہیں؛ جن کا مجموعہ 14×3=42 ہوتا ہے۔ مگر ہر شخص اس کی بیان کردہ پشتیں گن سکتا ہے جو صرف 41 ہی بنتی ہیں۔ بیالیسویں کا وجود نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اس کے درمیانی گھپلے ان کو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کس قدر ہیں۔ درمیان میں تین تین پشتیں چھوڑ کر پڑپوتے کو پڑدادا کا بیٹا ظاہر کیا گیا ہے؛ جیسے متی 1:8 میں لکھا ہے کہ یورام سے عزیاہ پیدا ہوا جب کہ اصل یوں ہے کہ یورام سے اخزیاہ اور اس سے یوآس اور یوآس سے اخزیاہ پیدا ہوا اور یہ تینوں بنی اسرائیل کے بادشاہ ہوئے ہیں جن کے حالات سلاطین ثانی کے باب 8,12,14 میں اور تواریخ ثانی باب 22,24,25 میں مذکور ہیں۔ بتلائیے ان تین پشتوں کو کیوں ساقط کیا گیا؟ جب کہ کوئی وجہ بھی نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ متی نے یہ زبردست تاریخی غلطی کی ہے۔ لہٰذا اگر اناجیل الہامی ہوتیں تو اس میں ایسے گھپلے نہ ہوتے۔

2- متی 1:11 میں لکھا ہے کہ بابل کی جلاوطنی میں یوسیاہ سے یکونیاہ اور اس کے بھائی پیدا ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زمانہ جلاوطنی میں یوسیاہ زندہ تھا۔ حالانکہ یوسیاہ اس سے 12 سال قبل فوت ہو گیا تھا کیونکہ اس کی وفات کے بعد یہوآخز تین ماہ بادشاہ رہا پھر اس کا دوسرا بیٹا یہویقیم گیارہ سال تخت

نشین رہا۔ پھر یہویقیم کا بیٹا یکونیاہ تین ماہ بادشاہ رہا جس کو بخت نصر نے قید کیا تھا اور دوسرے اسرائیلیوں کے ساتھ اس کو بھی جلاوطن کیا تھا۔ یہ یکونیاہ یوسیاہ کا پوتا ہے' بیٹا نہیں۔ پھر یکونیاہ کا دوسرا کوئی بھائی نہ تھا' ہاں اس کے باپ کے تین بھائی تھے' چنانچہ انہی مشکلات کے پیش نظر آدم کلارک صاحب مفسر بائبل اپنی تفسیر میں یوں لکھتا ہے کہ:

"کامتھ کہتا ہے کہ فقرہ 11 کو اس طرح پڑھا جائے کہ: یوسیاہ سے یہویقیم اور اس کے بھائی پیدا ہوئے اور یہویقیم سے یکونیاہ جلاوطنی کے زمانہ میں پیدا ہوا۔"

ملاحظہ فرمائیں بقول عیسائیاں یہ اناجیل الہامی کلام ہے مگر اس کی غلطیوں کی اصلاح غیر الہامی مفسرین کر رہے ہیں۔ عجیب تماشہ ہے۔ اس کے بعد انگلش تراجم میں کچھ ترمیم کردی گئی ہے۔ اب ان میں یہ عبارت ہے: "یوسیاہ کے ہاں یکونیاہ اور اس کے بھائی اس وقت کے قریب قریب پیدا ہوئے جبکہ انہیں بابل لے جایا گیا۔" دیکھیے اس میں قریب قریب کا لفظ بڑھا کر بائبل کی کتنی عظیم خدمت سرانجام دی گئی ہے۔ اس کے بعد 1961ء سے لے کر تاحنور انگلش تراجم میں بین طور پر ترمیم کردی گئی کہ: "اور یوسیا بابل کی جلاوطنی کے قریب یکونیاہ کا باپ تھا۔"

لیجیے سارا جھگڑا ہی ختم کردیا کہ وہ کب پیدا ہوا' بس اتنا ہی کافی ہے کہ یوسیاہ اس کا باپ تھا۔ ملاحظہ فرمایئے۔ یہ ہے وہ کلام مقدس جس کے لیے ہمیں مجبور کیا جاتا ہے کہ اسے الہامی تسلیم کرو' اس کی ایک ایک بات کو صحیح مانو۔ کسی غریب آدمی کو جو عبرانی یا یونانی نہیں جانتا' ہرگز یہ حق نہیں کہ وہ ان باپوں پر کسی قسم کی کوئی حرف گیری کرسکے۔ ان مقدسین کو ہر قسم کی ہیرا پھیری کرنے کی کھلی چھٹی ہے۔ کیونکہ کلیسا اصل ہے اور بائبل اس کے تابع۔ جو الفاظ یا مفہوم کلیسیا بتلائے گی' بس وہی روح القدس کا الہام ہے۔ یاللعجب!

3- ایک اور عجوبہ یہ ہے کہ وہ تین اقسام جن کو متی نے ذکر کیا ہے' ان میں سے دوسری قسم کے اندر پشتوں کی صحیح تعداد 18 ہے نہ کہ 14' جیسا کہ تواریخ ثانی کے باب سوم سے واضح ہوتا ہے۔ اس بنا پر نیوٹن بڑی حسرت سے کہتا ہے کہ اب تک تو مذہبی راہنما تین اور ایک کا اتحاد (تثلیث) ضروری سمجھتے تھے' مگر اب یہ بھی ماننا پڑے گا کہ 18 اور 14 بھی ایک ہی ہیں' اس لیے کہ کتب میں غلطی کا امکان نہیں۔ وہ تو غلطی سے مبرا ہیں۔

ناظرین کرام! اس طرح کے عجوبے متی کے بیان کردہ نسب نامہ میں کافی ہیں۔ اس کے بعد درج کردہ پیش گوئیوں اور دیگر امور میں تو کہنا ہی کیا ہے؟ دیکھیے "اظہار الحق" اور "اعجاز عیسوی" وغیرہ جن میں مروجہ بائبل کا دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرکے دکھا دیا گیا ہے۔

پیش گوئیاں

1- "یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ

دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور اس کا نام عمانوئیل رکھیں گے۔"
(متی 23:1)

مگر مسیح کا نام کبھی بھی عمانوایل نہیں رکھا گیا نہ ہی خود آپ نے اپنا یہ نام ظاہر کیا۔
نیز اگر اس کو صحیح تسلیم کرلیں تو فرشتہ کی وہ بات غلط ہو جائے گی جو اس نے یوسف کو کہی تھی کہ "تو اس کا نام یسوع رکھنا۔" (متی 21:1) جبکہ وہاں اس کا نام عمانوئیل رکھنا بتلایا گیا ہے۔

2۔ "اور خواب میں ہدایت پا کر گلیل کے علاقے کو روانہ ہوا اور ناصرہ نام ایک شہر میں جابسا تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائے گا۔" (متی 23,22:2)

ملاحظہ فرمایئے کہ موجودہ بائبل میں یہ بات کہیں بھی مذکور نہیں تو ظاہر ہے یا تو سابقہ قدیم عہد محرف ہو چکا ہے یا یہ انجیل متی میں تحریف ایزادی ہو چکی ہے۔
ایسے ہی متی کی ذکر کردہ اکثر پیش گوئیاں ثابت نہیں ہوسکتیں بلکہ وہ خلاف واقعہ ہیں۔ مزید سنئے۔

3۔ متی ایک جگہ لکھتا ہے کہ مسیح نے کہا:
"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم اسرائیل کے سب شہروں میں نہ پھر چکو گے کہ ابن آدم آجائے گا۔" (متی 23:10)

مگر زمانہ گواہ ہے کہ مسیح کے شاگرد سارا اسرائیل پھر چکے' آس پاس کے جزائر بھی پھر چکے مگر مسیح نے وعدہ وفا نہ کیا اور نہ آیا۔ اسی طرح اس کا چہیتا فرزند پولوس بھی کافی علاقے روند چکا مگر مسیح نہ آیا۔ اس کے بعد دو ہزار سال میں عیسائی مشنریاں دنیا کے کونے کونے میں پولوی عیسائیت پھیلانے میں مصروف ہیں مگر مسیح ابھی تک نہ آیا۔ اس کے باوجود بھی مسیح کی باتیں اٹل ہیں' آسمان و زمین ٹل جائیں مگر مسیح کی باتیں نہ ٹلیں گی۔ یاللعجب!
کیا یہ حقائق اس چیز کی غمازی نہیں کر رہے کہ یہ تحریرات کسی الہام سے نہیں نہ کسی راست باز کے قلم سے نکلی ہیں ورنہ یہ خلاف واقعہ کیوں ہوتیں۔ فافہم!

4۔ متی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ:
"کیونکہ ابن آدم اپنے باپ کے جلال میں اپنے فرشتوں کے ساتھ آئے گا۔ اس وقت ہر ایک کو اس کے کاموں کے موافق بدلا دے گا۔ (اب کفارہ کدھر گیا؟ ناقل) میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو یہاں کھڑے ہیں ان میں بعض ایسے ہیں کہ جب تک ابن آدم کو اس کی بادشاہت میں آتے ہوئے نہ دیکھ لیں' موت کا مزہ ہرگز نہ چکھیں گے۔" (متی 29,28:16)

اسی طرح یہ پیش گوئی مرقس باب 8 میں اور لوقا باب 9 میں بھی مذکور ہے۔ اب فرمایئے کیا یہ

پیش گوئی پوری ہوئی، جبکہ آپ کے مخاطب دو ہزار سال کے فوت ہو چکے ہیں؟

توحید خالص اور انجیل متی

ملحوظِ خاطر رہے کہ ہم اناجیل یا بائبل کے ایک ایک جملہ کو محرف نہیں مانتے بلکہ وہ حصہ جو حقائق کے خلاف ہے۔ ویسے اس میں صحیح باتیں بھی ہیں مگر ان کی چھانٹی بہت مشکل ہے سوائے اس کے کہ ہم خدا کی آخری دائمی اور لاریب کتاب قرآن حکیم کے ساتھ موازنہ کر کے صحیح اور غلط کا فیصلہ کر لیں۔ اس کے سوا دوسری کوئی صورت نہیں۔ چنانچہ متی میں اصل توحید بھی مذکور ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ مسیح نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا کہ:

> ''خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھ۔ بڑا اور پہلا حکم یہی ہے اور دوسرا اس کی مانند یہ ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ۔ انہی دو حکموں پر تمام توریت اور انبیاء کے صحیفوں کا مدار ہے۔'' (متی 22:34 تا40- نیز مرقس 12:29 تا32- ولوقا 10:25 تا27)

اس کے بعد اس انجیل کا باب 23 قابلِ مطالعہ ہے۔ نیز اناجیل کا گہرا اور دوسری انجیل سے موازنہ قابلِ تعجب نتائج کا حامل ہے۔ علاوہ ازیں بائبل کی انگلش تفاسیر بھی قابلِ دید ہیں۔

انجیل متی کے اسناد کے متعلق مزید تحقیق

سکاٹ چرچ کے ریورینڈ ڈبلیو سی، سومروائل، پی ایچ ڈی نے دلیرانہ شہادت دی ہے کہ یہ انجیل کسی غیر معروف مؤلف نے 90ء میں تالیف کی۔ یہ کسی ایسے ذہن کی پیداوار ہے جو یہودیت اور عہدِ عتیق میں گہری دلچسپی رکھتا ہوگا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کی تیاری میں غالباً یہ امر پیشِ نظر رکھا گیا کہ اسے ایسے مرکز میں استعمال کیا جائے جہاں ان عیسائیوں کی کثرت ہو جو قبل ازیں یہودی تھے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ انجیل کسی ایسے مؤلف کی تالیف ہے کہ جو نہ تو مسیح کا شاگرد تھا اور نہ ہی اس نے براہ راست آپ سے تعلیم حاصل کی تھی، بلکہ حضرت مسیح اور ان کی تعلیمات کے متعلق اس کی معلومات کا سرچشمہ محض عوامی روایات ہیں۔ نیز یہ دعویٰ کہ یہ آسمانی ہے، محض بے ہودہ اور بے بنیاد ہے۔ اس سلسلہ میں ریورینڈ ڈملو کے مندرجہ ذیل الفاظ قابلِ قدر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ:

> ''جو کچھ بیان کیا گیا ہے، اس سے عیاں ہے کہ متی کا اس انجیل کو براہ راست تالیف و تدوین کرنا بعید از قیاس ہے۔

بقولِ عیسائی علماء اس کا ماخذ مرقس کی انجیل مرکزی حیثیت رکھتی ہے مگر جہاں تک حقائق کا تعلق ہے، مرقس کو بھی مستند دستاویز کی حیثیت حاصل نہیں۔

پھر یہ امر بھی قابلِ وثوق ہے کہ متی کا مؤلف مرقس کی تالیف سے مطمئن نہ تھا اور وہ اس سے جامع تر انجیل لکھنا چاہتا تھا۔ مثال کے طور پر مرقس نے نہ پیدائش کی تفصیلات کا ذکر کیا۔ نہ ہی اس نے متی والے پہاڑی وعظ کا متن درج کیا اور نہ ہی متی کی طرح عہد عتیق کے اتنے حوالہ جات پیش کیے۔ تاہم باوجود واضح اختلافات کے ان دونوں میں گہری مشابہت بھی پائی جاتی ہے۔ لہٰذا قیاس یہی ہے کہ متی کی انجیل یا عبرانی نسخہ کا یونانی ترجمہ ہے یا اس پر نظرثانی کی گئی ہے مگر یہ نتیجہ بھی جزوی ہی ہوسکتا ہے کیونکہ اگر یہ عبرانی انجیل کا ترجمہ یا نظرثانی شدہ نسخہ ہوتا تو کلیسا اسے بدعت کا لیبل لگا کر اسے غیر مستند قرار نہ دیتی۔

جیمز ہیسٹینگز نے تحریر کیا ہے کہ سینٹ متی نے عبرانی زبان میں انجیل لکھی یا نہیں، تاہم داخلی شہادتوں سے جواب تک موجود ہیں' یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ کلیسیا کے ابتدائی دور میں یہودیہ و جنوبی فلسطین میں رائج عبرانی زبان میں ایک انجیل موجود تھی۔" (منقول از حقیقت عیسائیت از پروفیسر عبدالحمید قادری ایم اے)

انجیل متی کے متعلق ایک تحقیقی پیراگراف

کیا یہ الہامی ہے؟ انجیل متی متقدمین اور جمہور علمائے متاخرین کے قول کے مطابق اصل میں یہ عبرانی زبان اور عبرانی حروف میں تھی اور اب وہ ناپید اور معدوم ہے۔ اور جو آج کل موجود ہے' وہ اس کا ترجمہ ہے جو کسی طرح الہامی نہیں ہوسکتا۔ (منقول از اظہار الحق ص 540' ج 1)

ناظرین کرام یہ ہے متی کا مختصر سا تبصرہ جس سے قارئین بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ کس قدر الہامی اور مستند ہوسکتی ہے؟ اور پھر اس کے مندرجات کی کیا حیثیت طے کی جاسکتی ہے۔ دنیائے عالم میں کوئی بھی ماخذ اس قدر کمزور نہیں ہوسکتا۔ اب آپ ہی فیصلہ فرمالیں کہ ایسی بے ثبوت اور موہوم تحریر سے کسی نظریہ یا عمل کا استخراج کیسے صحیح ہوسکتا ہے اور اس پر دوسروں کو عمل پیرا ہونے کے لیے کیسے دعوت دی جاسکتی ہے؟

انجیل متی کی امتیازی خصوصیات

ویسے تو اناجیل کی استنادی حیثیت یکساں غیر مستند اور غیر معتبر ہے' کسی ایک کو بھی قابلِ قبول اور صحیح مقامِ اعتماد و اسناد حاصل نہیں مگر ان کی کچھ باہمی خصوصیات' امتیازات اور تفرد و انفرادیت بھی ہے جن کی بنا پر ان کی مجموعی پوزیشن پر مزید زد پڑتی ہے۔ ذیل میں اپنے حاصلِ مطالعہ کے تحت متی کی کچھ خصوصیات کا تذکرہ ملاحظہ فرمایئے۔

1- انجیل متی مسیح" کے نسب نامہ کے بیان میں اگرچہ اصولی اور اجمالی طور پر انجیلِ لوقا کے

ساتھ ہم عمل ہے' مگر تفصیلات میں اس کے مقابلہ میں نہایت منفرد ہے جیسا کہ اس تحریر کی ابتداء میں ان کے کچھ اختلافات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ دیگر اناجیل مرقس اور یوحنا میں نسب نامہ سرے سے مذکور ہی نہیں۔

2- یہ انجیل مسیح کے نام کے بارے میں بھی تمام دیگر اناجیل سے مختلف ہے' نیز اپنے بیان میں بھی مختلف ہے۔ دیکھئے' متی میں حضرت مسیح کے متعلق لکھا ہے کہ:

"یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا' وہ پورا ہو کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور اس کا نام عمانویل رکھیں گے۔"

(متی 23,22:1)

یہ پیش گوئی دیگر کسی انجیل میں نہیں ہے۔ نیز ان کا یہ نام کبھی بھی نہیں رکھا گیا۔ نیز متی 23:2 والی پیش گوئی کہ وہ ناصری کہلائے گا' یہ بھی کسی انجیل میں نہیں اور نہ ہی بائبل کے کسی رسالہ میں اس کا حوالہ مذکور ہے اور نہ ہی آپ عموماً ناصری کہلائے۔ سب باتیں غیر صحیح ثابت ہوئیں۔

3- ایسے ہی متی کا بیت لحم کا حوالہ اور سفر مصر بھی دیگر اناجیل میں نہیں ہے۔ اس بیان میں جناب متی منفرد ہیں' حالانکہ یہ اکثر و بیشتر انجیل دوم مرقس سے ماخوذ ہے مگر وہاں ایسی کوئی بات مذکور نہیں۔

4- لوقا میں مذکور مریم و زکریا کی مناجات اور حمد و ثنا بھی متی میں مذکور نہیں ہیں۔

5- عیسائیوں کا مایہ ناز پہاڑی وعظ جو متی 2:5 سے شروع ہو کر 27:7 تک کل 105 آیات پر مشتمل ہے' لوقا میں اس کے چند جملے متفرق طور پر تو پائے جاتے ہیں لیکن اور کسی انجیل میں یہ مذکور نہیں' نہ الفاظ اور نہ ہی یہ عنوان۔

اس وعظ میں اتباع شرائع موسوی کی عمدہ تلقین ہے نیز باہمی اخوت و محبت' انفاق فی سبیل اللہ' اخلاص و تقویٰ کی بہترین تعبیر فرمائی گئی ہے جس سے اب عیسائیت محروم ہے۔

6- اس انجیل میں مسیح کی پیدائش کا عام نارمل سطح پر تذکرہ ہے' ماسوا اس کے کہ وہ خدا کی قدرت سے بلا پدر پیدا ہوئے۔ (20:1) مگر لوقا میں اس سے کافی تفصیل ہے جو متی میں نہیں ہے۔ پھر اس کے بچپن کا مختصر ذکر ہے جبکہ لوقا نے اس کو کچھ تفصیل سے بیان کیا ہے جس سے آپ کی انسانیت اور بشریت مزید نمایاں ہو جاتی ہے اور اس کی الوہیت کی مکمل نفی ہو جاتی ہے' جیسے ختنہ' عقیقہ وغیرہ۔

7- مسیح صرف بنی اسرائیل کے لیے نبی تھے۔ یہ بات بھی اس میں نمایاں طور پر مذکور ہے' جیسے لکھا ہے: "کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو (یا اپنی امت کو) ان کے گناہوں سے نجات دے گا۔"

دوسری جگہ بطور سابقہ پیش گوئی کے لکھا ہے کہ: "کیونکہ تجھ سے ایک سردار نکلے گا جو میری امت اسرائیل کی گلہ بانی کرے گا۔" (متی 6:2) متی 16,15:4 بھی اسی کا مؤید ہے۔

متی 5:10 میں ہے کہ جب مسیح نے شاگردوں کو تبلیغ کے لیے بھیجا تو ان کو بھی صرف بنی

اسرائیل تک جانے کا ہی حکم دیا' نیز خود اپنے متعلق صاف کہہ دیا کہ: "میں اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑیوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔" (24:15)

یہ اور اس جیسے مزید حوالجات اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ رسالت مسیح صرف بنی اسرائیل کے لیے تھی' عالمگیر نہ تھی۔ موجودہ عیسائی مشنریاں اپنی تبلیغ دوسری اقوام تک بالخصوص اہلِ اسلام تک پہنچانے میں سراسر مخالف مسیح ہیں جس کا انہیں حق نہیں۔ یہ تو صرف پولوس نے اپنی پوزیشن بنانے کے لیے نیز بنی اسرائیل میں غیر معتبر اور غیر موثر ہو جانے کی وجہ سے غیر قوموں کو دعوت دینا شروع کی جس کی عام حواری تائید نہ کرتے تھے۔ اس نے خود کہا کہ میں غیر قوموں کا رسول (مبلغ ہوں) اور نہ ہی اسے بارھواں رکن بنایا گیا تھا۔ یہ خود آپ ہی آپ اپنی ہوشیاری سے حواریوں میں گھس گیا تھا۔

مسیح خدا کا بیٹا نہیں ہے

انجیل نویسوں نے پولوس سے متاثر ہو کر متعدد مشتبہ عنوانات اختیار کیے ہیں جو کہ محض مغالطہ آمیز ہیں۔ ان میں ایک ابن خدا کا عنوان بھی ہے۔ مگر یہ عنوان محض غلط ہے۔ دیکھئے:

> "جب یسوع قیصریہ فلپی کے علاقہ میں آیا تو اپنے شاگردوں سے یہ پوچھا کہ لوگ ابن آدم کو کیا کہتے ہیں' انہوں نے کہا (یعنی لوگوں کے تاثرات بیان کیے کہ) بعض یوحنا بپتسمہ دینے والا کہتے ہیں۔ (یہ بھی انسان تھے) بعض ایلیا (یہ بھی انسان تھے) بعض یرمیاہ نبیوں میں سے کوئی (جو کہ سب انسان ہی تھے) اس نے ان سے کہا مگر تم مجھے کیا کہتے ہو؟ شمعون پطرس نے جواب میں کہا تو زندہ خدا کا بیٹا مسیح ہے۔" (متی 16:13 تا 16)

اب غور فرمائیے کہ مسیح خود اپنے آپ کو ابن آدم کا خطاب دے کر سوال فرما رہے ہیں کہ لوگوں کے تاثرات میرے متعلق کیا ہیں تو حواریوں نے دائرہ مخلوق کے اندر ہی رکھ کر جواب دیا۔ پھر اپنے حواریوں کو سمجھانے اور پکا کرنے کے لیے پوچھا تم مجھے کیا کہتے ہو تو پطرس کا جواب تھا کہ تو ہمارے نزدیک زندہ خدا کا بیٹا مسیح ہے۔

اب ظاہر ہے کہ اس جواب کو مسیح کے اپنے اظہار (ابن آدم) کے ساتھ فٹ نہیں کیا جا سکتا یا کر بھی لیں تو وہی اعزازی طور پر کہ خدا کا بیٹا یعنی اس کا پیارا نبی اور رسول" لیکن موجودہ مفہوم دے کر ان کو خدا کا بیٹا نہیں کہہ سکتے' ورنہ سنئے:

یہی سوال و جواب دوسری اناجیل مثلاً مرقس 8:29 اور لوقا 9:20 میں بھی مذکور ہیں مگر وہاں جواب میں یہ لفظ بیٹا مذکور نہیں۔ معلوم ہوا یہ محض مصنف متی کی اپنی ذہنی اختراع ہے جیسے کہ (اعمال 8:37) کسی کاتب یا پادری نے اسی مطلب کے لیے گھڑ کر داخل کر لیا تھا۔ (دیکھئے پادری ولیم ینگ کی کتاب "رسول کے نقش قدم پر" ص 218)

اسی طرح کسی کاتب یا بشپ یا پوپ بہادر نے اسی اہمیت کو ثابت کرنے کے لیے مرقس کے پہلے فقرے میں "خدا کے بیٹے" کا مرکب ناقص داخل کر دیا۔ ایسے ہی (یوحنا 35:9) میں کسی سینہ زور نے ابن آدم کی بجائے ابن خدا کر لیا تھا۔ اسی قسم کی تخریبی اور انقلابی کارروائیاں اناجیل وغیرہ عیسائی لٹریچر میں عام ملتی ہیں۔ یہ تو خدا کے پیاروں کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

کیا مسیح خدا کا بیٹا ہے؟

اس عنوان کے متعلق بھی اس انجیل میں کافی مواد موجود ہے، اس کی وجہ تسمیہ اور اس کا اطلاق، پھر دونوں کی روشنی میں عیسائیوں کا انہیں خدا کا بیٹا قرار دے کر مرتبہ الوہیت پر فائز کرنے کی لگن نفی ہو جاتی ہے۔ درمیان میں صاحب انجیل کی غلط بیانی اور سینہ زوری سے مسیح کو خدا کا بیٹا قرار دینے کا رد بھی ہو جاتا ہے۔ قدرے تفصیل یہ ہے:

وجہ تسمیہ

انجیل میں مذکور ہے کہ:

1۔ "کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے۔" (20:1)

مقام نبوت پر فائز فرماتے وقت خدا کا اعلان:

"یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔" (17:3)

گویا خدا سے مولود نہیں بلکہ بوجہ محبوبِ خدا ہونے کے خدا نے اسے بیٹا کہا نہ کہ خدا کی صفات حاصل ہونے کی بنا پر۔ جبکہ اس بنا پر تو یہ بھی لکھا ہے کہ:

"مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے۔" (9:7)

معلوم ہوا کہ یہ اعزازی طور پر بیٹا کہا گیا ہے، اس میں مسیح کی کوئی خصوصیت نہیں، وہاں تو سب بنی اسرائیل بھی خدا کے بیٹے کہلاتے ہیں۔ (استثناء ب 14)

اگر کہو مسیح نے خدا کو باپ کہہ کر پکارا ہے اس لیے وہ اس کا بیٹا ہے تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ مسیح نے خدا کو سب کا باپ بھی کہا ہے۔ (45:5 وغیرہ)

ظاہر ہے کہ باپ کے مقابلہ پر لوگ بیٹے ہی کہلائیں گے۔ تو یہی اعزازی صورت مسیح کی ہے اسی لیے مسیح کو ابن داؤد اور ابن انسان بار بار کہا گیا ہے کہ درحقیقت تو وہ انسانی نسل ہی سے ہے، مریم کا بیٹا ہے جس کا نسب نامہ حضرت آدم تک جاتا ہے، ہاں اعزازی طور پر اسے خدا کا بیٹا یعنی اس کا پیارا کہا گیا ہے اور یہ نام دوسرے انسانوں کو بھی عطا فرمایا گیا ہے۔ مسیح کی اس میں کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ چنانچہ مسیح نے خود اپنے آپ کو نبی اور راستباز کے عنوان سے تو ظاہر کیا ہے مگر خدا یا اس کے بیٹے کے

عنوان سے پیش نہیں فرمایا۔ (دیکھئے متی 10:40 تا42)

لہٰذا یہ اصطلاح عیسائیوں کی سینہ زوری ہے' یہ اصطلاح ویسے بھی غیر اسرائیلی ہے۔ (دیکھئے قاموس الکتاب ص361)

ایک اور مغالطہ آمیز حوالہ

انجیل متی میں مذکور ہے کہ بوقت گرفتاری جب سردار کاہن نے مسیح سے سوال کیا کہ:

''میں تجھے زندہ خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اگر تو خدا کا بیٹا مسیح ہے تو ہم سے کہہ دے۔ یسوع نے اس سے کہا تو نے خود کہہ دیا۔ بلکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اس کے بعد تم ابن آدم کو قادر مطلق کی دہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے۔'' (متی 26:63,64)

ملاحظہ فرمائیں اس اقتباس میں مسیح نے اپنے متعلق کیا اظہار کیا ہے (ابن آدم) اور خدا کا بیٹا کس نے کہا؟' اس اقتباس کے بغور مطالعہ سے حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ مسیح نے خود اپنے آپ کو خدا کا بیٹا نہیں فرمایا بلکہ سابقہ حوالہ (متی 16:16) کی طرح یہاں بھی اپنے آپ کو ابن آدم ہی فرمایا ہے۔ یہ خطاب دوسرے لوگ استعمال کر رہے ہیں جس کی نفی خود مسیح نہایت حکمت سے فرما رہے ہیں کہ بغیر جتلانے کے اپنے آپ کو اس اہم موقع پر ابن آدم کے خطاب سے یاد فرمایا ہے۔ بات وہی بنی کہ اگر مسیح کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے تو محض محبوب کے معنی میں اعزازی طور پر لیکن اس طرح دوسرے لوگ بھی خدا کے بیٹے بن سکتے ہیں بلکہ تمام لوگ خدا کے بیٹے ہی ہیں کیونکہ اس کی پیدائش میں اور اس کی تربیت انتظام میں ہیں۔ مگر اس طرح کا بیٹا کہلانا یا کسی کو کہنا کہ وہ بھی خدائی صفات کا حامل ہو' وہ بھی ازلی ابدی مربی و مالک ہو' مستحق عبادت ہو' یہ سراسر خدائی کلام و منشا میں تحریف و دجل ہے جس کا کوئی جواز نہیں۔ یہی مسئلہ مسیح انجیل (یوحنا 10:30 تا34) میں حل فرما رہے ہیں کہ خدا نے اپنے نبیوں کو مجازاً خدا بھی کہا ہے تو اس کہنے سے وہ نبی واقعی خدا بن گئے؟ اب ان کو خدا کا لقب و خطاب دے دیا جائے گا جیسے مسیح کو بیٹے کا دیا گیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس لیے مسیح نے اس مغالطہ کی نفی کرتے ہوئے اپنے آپ کو بیسیوں مرتبہ ابن آدم کہا۔ دوسرے انسانوں کو اپنا بھائی فرمایا۔ خدا کو اپنا اور سب کا باپ بھی فرمایا۔ منشا یہی تھا کہ اس بیٹے کے لفظ سے کوئی غلط نظریہ نہ قائم کر لینا۔ یہ لقب صرف اعزازی ہے۔ خدا نے تو سلیمان' داؤد' افراہیم علیہم السلام وغیرہ بیشتر افراد مقدسین کو اپنے بیٹے بلکہ اکلوتے بیٹے کے لقب سے بھی یاد فرمایا ہے تو کیا ان کے متعلق بھی یہ عنوان مستقل طور پر اختیار کر لیا گیا ہے؟ تو جب ان کے متعلق نہیں تو پھر مسیح کے متعلق کیسے؟

انجیل متی پر ایک متبحر عیسائی عالم کا تبصرہ مع تجزیہ

کیتھولک کلیسا کی دو ہزار سالہ تاریخ نامی کتاب (از جان سی دوائیا) کو اس کے مترجم جناب عمانویل نینو نے ایک انمول خزانہ قرار دیتے ہوئے اس کی ترجمانی پر اپنی بڑی خوش بختی کا اظہار کیا ہے۔

ذیل میں مصنف مذکور کی تحقیق کا اختصار ملاحظہ فرمائیے۔ مصنف لکھتا ہے:

"اس انجیل کے مصنف کے متعلق اکثر کہا جاتا ہے کہ وہ لاوی ہے جو محصول لینے والا تھا اور جس کی تبدیلی کا ذکر خود اسی انجیل میں ہے۔ (متی باب 9 فقرہ 9) یہ بھی دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس کا مصنف وہ لاوی تھا جس کا دوسرا نام متی تھا اور وہ رسولوں کی فہرست میں شامل ہے۔ تاہم یہ روایت قابل اعتماد نہیں۔ خود اس انجیل کے مطالعہ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اس کا مصنف وہ شخص نہیں جو آپ کے پیچھے ہو لیا تھا۔ (یعنی متی مذکور) یا مسیح کی زندگی کا چشم دید گواہ ہو۔

درحقیقت اس کا مصنف ایک رجعت پسند یہودی ہے جو دوسری یا تیسری پشت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں جانتے۔ یا اس کا مصنف وہ متی نام کا آدمی ہے جس کی انجیل پہلے نمبر پر رکھی گئی ہے فقط۔ (یعنی اس کے مصنف کا تعین ناممکن ہے، صرف شراکت اسمی کا ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا ہے) پھر اس انجیل کا مصنف شریعت کے بارہ میں بڑا سنجیدہ معلوم ہوتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ یہودی کلام کا بڑا ماہر معلوم ہوتا ہے۔ یہی اس زمانہ میں ایک مسیح کے منتظر تھے تو یہ مصنف عہد عتیق کی رو سے متعدد پیش گوئیاں نقل کر کے یہ باور کرانے کی سعی کر رہا ہے کہ تمہاری امیدوں کا مرکز مسیح یہی یسوع ہے اور اسی مناسبت سے مصنف اپنی انجیل میں شریعت کی نہایت تاکید ظاہر کرتا ہے اور مسیح کو بھی ایک پابند شرع ہستی ثابت کر رہا ہے۔ اسی ۔۔ ے اس انجیل کی طرح دوسری اناجیل میں شریعت کی اتنی اہمیت و تاکید واضح نہیں دی گئی۔ پھر یہ مصنف مسیح کو ایک راست باز انسان اور مقدس نبی کی حیثیت میں ظاہر کرنے پر زور دیتا ہے۔ اس بنا پر اس نے اگرچہ مرقس کو ماخذ بنایا ہے مگر اس کے نظریات کو اپنی سطح پر لا کر پیش کیا ہے۔"

زمانہ تحریر کے بارہ میں ایک نہایت سنجیدہ جملہ لکھ کر مصنف موصوف فن پرستی کا ثبوت یوں دیتا ہے:

"مرقس کی انجیل لکھے جانے کے ستر برس بعد شام ار فلسطین کی کلیساؤں کے درمیان ایک اور دستاویز گردش کرنے لگی۔ اگرچہ یہ بھی انجیل کہلاتی تھی مگر اپنے مقصد اور وسعت کے اعتبار سے مرقس کی انجیل سے مختلف تھی۔"

پھر اس کے ماخذ کے تحت لکھتا ہے:

''متی نے اس تحریر میں مرقس کا سہارا لیا۔ اور پھر مسیح خداوند کے تحریری اقوال کا بھی استعمال کیا جس کا فی حد ذاتہ کوئی وجود نہیں مگر اس کو'' کیو Q'' کا نام دیا جاتا ہے۔

یہ بھی روایت ہے کہ اس نے ایک آرامی زبان کی دستاویز کو بھی استعمال کیا ہے جسے کسی حواری نے لکھا تھا اور یہ آرامی دستاویز اتنی ہی قدیم ہے جتنی پپاس کی تصانیف یعنی تقریباً 130ھ کی تصنیف کردہ، مگر پپاس کے دیگر ریمارکس کی طرح اس کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں۔ اب ظاہر ہے کہ جب یہ دستاویز 130ھ کی ہے تو انجیل متی لازماً اس کے بعد کی تحریر ہوگی۔ یہ متی ابتدا میں یونانی زبان میں تحریر ہوئی تھی۔'' (ملاحظہ ہو کتاب تاریخ کلیسا از جان سی دوائیا ترجمہ عمانویل نینوص 87 تا 90 مطبوعہ کیتھیلکل سنز کراچی مارچ 1993ء)

تبصرہ

اس سے معلوم ہوگیا کہ دیگر اناجیل کی طرح یہ بھی کوئی الہامی رسالہ نہیں بلکہ ایک تاریخی اور خفیف سا سوانحی مواد ہے نہ الہامی ہے نہ مذہبی متن۔ پھر نہ تو اس کے مصنف کا تعین ممکن ہے اور نہ ہی زمانہ تحریر و ماخذ وغیرہ کا۔ تو جب اس کی یہ حیثیت ہے تو عیسائی پادریوں کا ایسے مبہم رسائل پر اپنے عقائد و مسائل کی بنیاد رکھنا کہاں کی عقل مندی ہے؟ نیز ایک متعین و مشخص اور مستند کلامِ الٰہی کے تقابل میں پیش کرنا کہاں کی سنجیدگی اور معقولیت ہے۔

بائبل کی مجموعی پوزیشن ایک مستند عیسائی عالم کی نظر میں

ڈاکٹر پیٹرسن سمائتھ لکھتے ہیں کہ:

''اب کیا رسولوں اور نبیوں اور ہمارے خداوند (یسوع مسیح) نے کبھی یہ وعدہ دیا ہے کہ کتاب ایسی باتوں سے بری ہونی چاہیے؟ کیا بائبل نے کہیں اپنے لکھنے والوں کی نسبت ایسا عالمگیر کیا ہے؟ کیا کسی بائبل کے صحیفے کے لکھنے والے نے یہ دعویٰ کیا ہے یا اس کے کلام سے یہ مستنبط ہوسکتا ہے کہ اسے خدا کی طرف سے ایسی راہنمائی حاصل تھی کہ وہ اپنی کتاب کی چھوٹی چھوٹی تفصیلی باتوں میں بھی خطا و غلطی کے امکان سے محفوظ رہے گا یا کیا ان میں سے بعض مصنفوں نے اپنے سے پہلے مصنفوں کے حق میں اس قسم کی شہادت دی ہے؟ یا کوئی مصنف اس قسم کی تحریر چھوڑ گیا ہے کہ اسے خاص الہام کے ذریعے سے یہ حکم ملا ہے کہ

باقیوں کے سہو و خطا سے مبرا ہونے پر گواہی دے۔ یقیناً اس قسم کا کوئی بیان دکھایا نہیں جاسکتا۔"

اور مزید تاکید سے لکھتے ہیں کہ:

"اور میں پھر کہے دیتا ہوں کہ اس قسم کا دعویٰ کتاب مقدس میں کہیں نہیں کیا گیا۔ لکھنے والے کبھی اس امر کے دعوے دار نہیں ہوئے کہ ان کی یہ تحریر غلطی سے مبرا ہے۔ اگر ہم ان کے حق میں اس قسم کے دعوے کرنے لگ جائیں تو یقیناً اس میں ان کا کوئی قصور نہیں۔" (بائبل کا الہام ص 136,134)

صاف ظاہر ہے کہ بائبل کے کسی بھی رسالہ یا حصہ کے متعلق کسی قسم کا کوئی وعدہ یا دعویٰ ہرگز نہیں۔ یہ پادری حضرات محض اپنے پاس سے اپنے نظریات اور تقدس کے غلاف بائبل پر چڑھاتے پھرتے ہیں اور پھر اس کے خلاف ثابت ہو جانے پر سیخ پا ہونے لگتے ہیں' ورنہ دراصل نہ یہ بائبل کا مقام ہے اور نہ یہ ثابت ہوسکتا ہے۔ یہ شان تو صرف اور صرف خدا کے آخری' عالمگیر اور دائمی کلام اور برحق کی ہے کہ ذاتی اور خارجی اور مشاہداتی ہمہ قسم کے شواہد و براہین سے مزین ہے اور ان کو کسی بھی سطح پر چیلنج نہیں کیا جاسکتا اور نہ کیا جاسکا ہے۔ ھل من مبارز لہٰذا ہم پورے خلوص اور اعتماد سے تمام اقوام عالم کو اس مینارۂ نور کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

مسیحؑ اور تحریف بائبل کا اعلان

گزشتہ صفحات میں آپ نے تحریف بائبل پر بے شمار داخلی اور خارجی شہادات ملاحظہ فرمائیں۔ یہ گواہی دینے والے انبیاء بھی ہیں اور علمائے بائبل بھی نیز خود بائبل بھی۔ اب ذیل میں آپ خود حضرت مسیحؑ کی گواہی بھی سماعت فرمائیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ:

ایک موقع پر آپ اپنے شاگردوں کے ہمراہ کھانے پر بیٹھے تھے تو کچھ یہودی علماء نے آپ کے سامنے یہ شکایت کی کہ آپ تو موسیٰؑ اور بعد کے انبیاء کی تعلیم کے برحق ہونے کے مدعی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ان تعلیمات کی روشنی میں آپ کے شاگرد کھانا کھاتے وقت ہاتھ نہیں دھوتے؟ تو حضرت مسیحؑ نے ان کو جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ تم نے میرے شاگردوں پر ایک ادنیٰ سی حکم عدولی کا الزام لگایا مگر تم بتاؤ کہ کیوں تم اپنے من گھڑت قوانین کے تحت خدا کے ایک اہم حکم کو ٹالتے اور شرک کرتے ہو؟ پھر آپ نے اس حکم کو یوں بیان فرمایا کہ دیکھو خدا تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ تو اپنے ماں باپ کی عزت کرنا (خروج ب20) اور جو کوئی اپنے باپ یا ماں کو برا کہے وہ ضرور جان سے مارا جائے (متی 15: 1 تا 6 و مرقس 7: 1 تا 13) یہ خدا کا اہم اور لازمی حکم تھا مگر تم نے اسے یوں باطل کیا کہ تم کہتے ہو کہ جو کوئی ماں باپ یا ماں سے کہے کہ جس چیز (خدمت) سے تجھے مجھ سے فائدہ پہنچ سکتا تھا وہ خدا کی نذر ہو چکی تو وہ اپنے ماں باپ کی عزت نہ کرے۔ پس تم نے اپنی روایت سے خدا کا کلام باطل کر دیا۔ (متی 15: 6,5) یعنی

والدین کی تعظیم و خدمت سے سبک دوش ہو کر خدمت دین کے لیے وقف ہو گئے۔

مزید وضاحت کے لیے انجیل مرقس کا مطالعہ فرمائیں۔ حضرت مسیحؑ نے یہود کے اعتراض کے جواب میں فرمایا کہ:

"تم خدا کے حکم کو ترک کر کے آدمیوں کی روایت کو قائم رکھتے ہو اور اس نے ان سے کہا کہ تم اپنی روایت کو ماننے کے لیے خدا کے حکم کو باطل رد کر دیتے ہو کیونکہ موسیٰ نے فرمایا ہے کہ اپنے باپ کی اور اپنی ماں کی عزت کر اور جو کوئی باپ یا ماں کو برا کہے وہ ضرور جان سے مارا جائے۔ لیکن تم کہتے ہو کہ اگر کوئی باپ یا ماں سے کہے کہ جس چیز کا تجھے مجھ سے فائدہ پہنچ سکتا تھا' (یعنی عزت و خدمت) وہ قربان (یعنی خدا کی نذر) ہو چکی۔ تو تم اسے پھر باپ یا ماں کی عزت نہیں کرنے دیتے۔ یوں تم خدا کے کلام کو اپنی روایت سے جو تم نے جاری کی ہے باطل کر دیتے ہو۔" (انجیل مرقس 7:8 تا 13)

مطلب واضح ہے کہ خدا کا توراۃ میں حکم یوں تھا کہ تم خدا کو ایک ماننا' اس کی تعظیم و توقیر کرنا' دوسرے نمبر پر ماں باپ کی عزت کرنا۔ آخر میں پڑوسی کے حقوق کا ذکر فرمایا۔ یہ توراۃ کے احکام عشرہ تھے جو کتاب خروج باب 20 کے شروع میں مذکور ہیں۔

چنانچہ قرآن مجید نے بھی یوں بیان ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ تم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو گے اور والدین کے ساتھ عمدہ سلوک کرو گے۔ ((84:2) مگر بدفطرت یہود نے اس حکمِ الٰہی کے بارہ میں یہ تحریف کر دی کہ خدا کا یہ حکم اٹل تو ہے مگر جو شخص اپنے آپ کو دین کے لیے وقف کر دے تو وہ والدین کو اس تعظیم و خدمت کو منتقل کر کے خدا کے کھاتے میں داخل کر دے۔ گویا وہ اپنے اس فرض کو والدین سے ہٹا کر خدا کے ساتھ وابستہ کر دے تو اب وہ اس حق کو والدین کے ساتھ وابستہ نہ رکھے یعنی ان کی خدمت اور تعظیم سے سبک دوش اور فارغ ہو گیا ہے' حالانکہ یہ سراسر کلام الٰہی میں تحریف تھی کیونکہ توراۃ میں خدا تعالیٰ کے حقوق الگ تھے اور والدین کے الگ' مگر ظالموں نے اس میں گڑبڑ کر دی جبکہ ایسے خدا پرست کو والدین کی زیادہ تعظیم اور حق ادائی کرنی چاہیے تھی؟ کیونکہ خدا نے ہی والدین کی تعظیم اور خدمت کا حکم دیا ہے۔

انجیل والوں کی تحریف اور ظلم

ناظرین کرام! اوپر آپ نے بزبانِ عیسیٰ علیہ السلام یہود کی گڑبڑ تو ملاحظہ فرمائی۔ اب ذیل میں انجیل والوں کا ظلم بھی ملاحظہ فرمایئے:

متی' مرقس اور لوقا تینوں انجیلوں میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ ایک موقع پر کسی یہودی عالم نے حضرت مسیحؑ سے سوال کیا کہ فرمایئے توراۃ کا سب سے اوّل اور بڑا حکم کون سا ہے؟ تو تینوں انجیلوں

میں مسیح کا یہی جواب مذکور ہے کہ:

"تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھ' بڑا اور پہلا حکم یہی ہے اور دوسرا اس کی مانند یہ ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ۔ انہی دو حکموں پر تمام توریت اور انبیاء کے صحیفوں کا مدار ہے۔" (متی 22:34 تا 40- مرقس 12:28 تا 34- لوقا 10:25 تا 28)

حالانکہ خدا کے بعد والدین کا نمبر ہے کیونکہ عالم اسباب میں وجودِ انسان کا باعث والدین ہی ہیں۔ اب ملاحظہ فرمائیے محولہ کتاب خروج باب 20' وہاں دس احکام بالتفصیل یوں مذکور ہیں کہ پہلے تین نمبروں میں توحید الٰہی کی تعلیم اور بت پرستی سے ممانعت مذکور ہے' چوتھے نمبر میں سبت یعنی ہفتہ کی تعظیم کا حکم ہے۔ یہ بھی عبادت الٰہی کے ساتھ ہی متعلق ہوا' اس کے بعد پانچویں نمبر پر یہ مذکور ہے کہ:

"تو اپنے باپ اور اپنی ماں کی عزت کرنا کہ تیری عمر اس ملک میں جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے' دراز ہو۔" (خروج 20:12)

یعنی تعظیم والدین دنیا میں خیر و برکت کا باعث ہے۔ پھر چھٹے نمبر پر ہے۔

"تو خون نہ کرنا' تو زنا کرنا' تو چوری نہ کرنا۔"

ان کے بعد نویں اور دسویں نمبر میں پڑوسی کے حقوق کی تلقین ہے۔ (دیکھئے خروج 20:16،17)

اب انجیل نویسوں کا ظلم دیکھئے کہ دوسرا اہم حکم توراۃ میں تعظیم والدین کا تھا یا پڑوسی کے حقوق کا؟ وہ تو آخری درجہ پر تھا۔ لیکن انہوں نے دیگر تمام احکام کو رد کر کے آخری نمبر کو جا دبوچا جو کہ سراسر ظلم ہے اور تحریف ہے۔ لہٰذا بقولِ مسیح " یہود نے خدا کے اس عظیم حکم کو اپنی روایت سے باطل کردیا ہے تو عیسائیوں نے اس کا بالکل کانٹا ہی نکال دیا ہے کیونکہ یہود نے اصل حکم تو توراۃ میں باقی رکھا تھا جبکہ عیسائیوں نے اس کا نشان ہی گم کردیا' ظالموں نے یہ ظلم مسیح کے ذمہ لگا دیا کہ انہوں نے پہلا حکم توحید کا اور دوسرا پڑوسی کے حقوق کا بیان فرمایا۔ الامان والحفیظ' استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔ اللہ تعالیٰ ایسے ظلم سے محفوظ فرمائے۔

ناظرین کرام! بندہ کے پیش کردہ مندرجہ بالا حقائق کو بنظر غائر بار بار مطالعہ فرمائیے اور انجیل نویسوں نیز عیسائی پادریوں کی اس فن کاری کی داد دیجئے کہ یہ کتنے بے باک اور نڈر ہیں کہ نہ ظالموں نے متن الٰہی کو معاف کیا اور نہ خود اپنے مسیح " کو کہ وہ جس بات کا الزام اور طعن یہود کو دے رہے ہیں' وہ انہوں نے سو درجہ بڑھ کر خود اپنا لیا اور ستم بالائے ستم یہ کہ پھر شور بھی مچاتے ہیں کہ ہماری اناجیل لاتبدیل اور غیر محرف ہیں۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی بددیانتی اور بے اصولی دنیا میں ممکن ہے؟ اگر میرے پیش کردہ

حقائق درست نہیں تو ہے کوئی عیسائی جیالا جو اس انجیلی ابواب کی صحیح تشریح کر کے اہل راستی و دیانت کو مطمئن کر سکے۔ علاوہ ازیں اس بحث کے ضمن میں کتاب ہدیٰ (قرآن کریم) کی صداقت اور حقانیت بھی اظہر من الشمس ہو گئی جس کا ذکر البقرہ آیت 84 میں کیا گیا ہے۔

اب فرمایئے مسیح اور انجیل نے تمہارے جرم تحریف پر مہر تصدیق لگائی یا نہیں؟ اب کہاں ہے بڑھ بڑھ کر لاف وگزاف مارنے والے پادری سی جی فانڈر' برکت اللہ اور ان کے ہم نوا کہ ہماری بائبل بے خطا اور غیر محرف ہے' یہ علمائے اسلام کو ویسے ہی الزام دیتے رہتے ہیں۔ بندۂ خادم نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی سامنے کر دیا ہے' لہٰذا اپنی سعادت یا شقاوت کا فیصلہ کرنا آپ کے اختیار میں ہے۔

اب یا تو اناجیل کو محرف مان کر خدا کی آخری لاتبدیل کتاب برحق سے وابستہ ہو کر سعادت اور نجاتِ دائمی سے مالا مال ہو جاؤ یا وہی مرغ کی ایک ہی ٹانگ کا شور مچاتے ہوئے بدبختی اور شقاوت کے اندھے گڑھے میں ہمیشہ کے لیے رونا اور دانت پیسنا اختیار کر لو۔ رب رحیم طالبانِ راستی کا حامی و ناصر ہو' آمین۔

انجیل متی کے زیر بحث فقرے

باب	فقرہ نمبر
5	44
6	18,13
12	40,39,47,35,8
16	3,2
17	21
18	11
19	17,16,9
20	23,22,16
21	44
23	14
24	15
25	13
27	49,35,23,9
28	19

تفصیلی جائزہ

حوالہ نمبر (1)

-1 انجیل متی اردو مطبوعہ 1875ء میں باب 5 فقرہ 44 یوں درج ہے:
"پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں کو پیار کرو اور جو تم پر لعنت کریں ان کے لیے برکت چاہو۔ اور جو تم سے کینہ رکھیں ان کا بھلا کرو۔ اور جو تمہیں دکھ دیں اور ستائیں' ان کے لیے دعا مانگو۔"

-2 اردو بائبل مطبوعہ 1908ء و 1926ء تا حال یہ فقرہ صرف اتنا ہے کہ:
"لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والوں کے لیے دعا مانگو۔"
بقیہ تین جملے حذف کر دیئے گئے ہیں:

-3 فارسی بائبل (مطبوعہ 1986ء) میں فقرہ یوں درج ہے:
"لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور لعنت کرنے والوں کے لیے برکت چاہو اور جو تم سے نفرت کریں' ان کے ساتھ بھلا کرو اور جو تمہیں ستاویں اور ظلم کریں' ان کے لیے دعائے خیر کرو۔"

-4 نیو ٹسٹامنٹ انگلش مطبوعہ 1937ء اور آرتھورائزڈ ورشن میں بھی یہ فقرہ اسی طرح ہے۔

-5 دی نیو انگلش بائبل میں یہ فقرہ مثل 1908ء کے ہے مگر حاشیہ میں زائد الفاظ کے متعلق درج کردیا ہے کہ کچھ قدیم نسخوں میں یہ الفاظ پائے جاتے ہیں۔

-6 بقیہ تمام انگلش' گورمکھی' جرمن وغیرہ بائبلوں میں خط کشیدہ الفاظ حذف ہیں۔

-7 رومن کیتھولک اردو بائبل مطبوعہ 1950ء و 1958ء میں یہ فقرہ یوں ہے کہ:
"لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں کو پیار کرو۔ اور اپنے ستانے والوں کے لیے دعا مانگو۔"
بقیہ الفاظ فقرہ 45 میں ڈال دیئے گئے ہیں کہ "اور جو تمہیں ستائیں اور بدنام کریں ان کے لیے دعا مانگو۔"

-8 دی نیو ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن' کیتھولک ایڈیشن فار انڈیا میں صرف دو جملے ہیں مثل 1908ء وغیرہ کے مگر دی نیو کنگ جیمس ورشن مطبوعہ 1990ء میں یہ فقرہ مکمل الفاظ میں مثل 1875ء کے درج ہے لیکن حاشیہ میں وضاحت کردی گئی ہے کہ بعض نسخوں میں صرف دو جملے ہی مذکور ہیں۔ بقیہ خارج کر دیئے گئے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیے کہ 1875ء اور دیگر کئی نسخوں میں یہ فقرے چار ڈبل جملوں پر مشتمل ہے بعد میں صرف دو جملوں پر مشتمل رہ گئی' گویا صرف آدھے بلکہ آدھے سے بھی کم الفاظ باقی رہ گئے۔ اب پادری صاحبان وضاحت فرمائیں کہ چار جملوں والی بائبلیں درست اور بے خطا ہیں یا دو والی' پھر یہ بھی فرمائیں کہ یہاں اضافہ ہوا ہے یا کسی نے کمی کردی ہے۔ نیز بتائیں کہ یہ کمی بیشی اور گڑبڑ کس نے کی ہے' کب کی ہے اور کیوں کی ہے؟ یہ بھی بتایا جائے کہ جب رومن کیتھولک بائبل اردو میں 1959ء تک یہ الفاظ پورے تھے اگرچہ دیگر بائبلو کے خلاف دو فقروں میں تقسیم کر دیئے گئے تھے مگر 1993ء والے انگلش ایڈیشن سے یہ کیوں خارج کردیئے گئے؟ کیا یہ گڑبڑ محترم پوپ کی مرضی سے ہوئی؟ روح القدس کے مشورے سے؟ یا کسی بشپ یا کاتب کی حرکت ہے؟ مکمل وضاحت فرمائی جائے۔

ایک ضروری وضاحت

آپ مندرجہ بالا حوالہ میں اور پھر آخر انا جیل تک سینکڑوں حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں گے کہ 1875ء میں ایک فقرہ بمع نمبر موجود تھی مگر بعد میں اسے کسی ایڈیشن سے نکال دیا گیا ہے اور کسی میں بریکٹ لگادی گئی ہے۔ اس طرح یہ لمبا چوڑا چکر ہے' مگر ایک عجیب بات یہ بھی ہے کہ آپ ان مناظر کو صرف انگلش کی دو بائبلوں میں بھی ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ وہ یوں کہ دی نیو جیمس کنگ ورشن مطبوعہ 1990ء میں آیات زیر بحث مطابق 1875ء کے ہو بہو مندرج ہیں مگر صرف تین سال بعد کے ایڈیشن دی نیو ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن کیتھولک ایڈیشن فار انڈیا سے بالکل خارج کردی گئیں۔

یہ حوالہ جات اس موازنہ میں مسلسل نہیں کیونکہ یہ دونوں نسخے مسودہ مرتب ہو جانے کے بعد موصول ہوئے اس لیے یہاں ان کی اس پوزیشن کی اصولی وضاحت کردی گئی ہے۔ نیز یہ تو چند نسخوں کا موازنہ ہے' شاید بعد میں اور بھی قدیم یا جدید نسخے ہو جائیں۔ ان کا معاملہ دیگر ہوگا۔

حوالہ (2)

1- بائبل انجیل متی اردو مطبوعہ 1875ء میں باب 6 فقرہ 13 یوں درج ہے:
"اور ہمیں آزمائش میں نہ ڈال بلکہ برائی سے بچا کیونکہ بادشاہت اور قدرت اور جلال ہمیشہ تیرے ہی ہیں۔ آمین"

2- اردو بائبل مطبوعہ 1908ء و 1926ء میں صرف اتنے الفاظ ہیں: "اور ہمیں آزمائش میں نہ لا' بلکہ برائی سے بچا۔" بقیہ الفاظ نکال دیئے گئے ہیں۔

3- رومن کیتھولک اردو بائبل مطبوعہ 1958ء میں یوں ہے: "اور ہمیں آزمائش میں نہ پڑنے دے بلکہ ہمیں برائی سے چھڑا۔" بقیہ حذف

4- پروٹسٹنٹ اردو بائبل مطبوعہ 1952ء تا حال سے خط کشیدہ الفاظ بریکٹ میں کر دیئے گئے

ہیں۔

5- عربی اور فارسی بائبل میں خط کشیدہ الفاظ بلا بریکٹ درج ہیں؛ یعنی یہ 1875ء کے مطابق ہیں۔

6- دی گڈ نیوز انٹرنیشنل ایڈیشن میں خط کشیدہ الفاظ مشکوک حالت (اٹیلکس) میں درج ہیں۔

7- جرمن اور انگلش بائبلوں سے یہ الفاظ خارج کردیئے گئے ہیں۔

8- آتھورائزڈ ورشن اور انگلش نیو ٹسٹامنٹ مطبوعہ 1937ء میں یہ فقرہ مثل نسخہ 1875ء کے مکمل طور پر مذکور ہے۔ ایسے ہی دی نیو کنگ جیمس ورشن 1990ء میں بھی۔

اب فرمایئے یہ ہے تحریف (کمی بیشی) لہٰذا پادری صاحبان فیصلہ کریں کہ یہ کس نے کی؛ کب کی؛ کیوں کی؟ نیز بتایا جائے کہ دی نیو ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن مطبوعہ 1993ء سے خارج ہے جبکہ اسی فرقہ یعنی کیتھولک کی مطبوعہ اردو بائبل میں یہ بریکٹ میں یا بلا بریکٹ موجود ہے۔ نیز اس نسخہ سے خارج لیکن صرف تین سال پہلے دی نیو کنگ جیمس ورشن میں یہ الفاظ ہو بہو درج ہیں۔ تو کیا صرف تین سال میں روح القدس نے اس کے اخراج کا مشورہ دے دیا؟ اور ساتھ ہی فرمایا کہ خبردار بائبل کی تحریف کا اقرار نہ کرنا۔ یہ تو بے خطا اور غیر محرف کلام الٰہی ہے۔ سبحان اللہ! پادری صاحبان اس الجھن کا قابل فہم حل پیش فرمائیں۔

ناظرین کرام! سابقہ حوالہ کی طرح یہ بات مسلسل ذہن نشین رکھیں کہ اس مسودہ کے بعد بھی کئی نسخے ملے نیز اور بھی ملتے رہیں گے جن کا موازنہ موجودہ حالت کے علاوہ ہے۔ ممکن ہے دوسرے ایڈیشن میں شامل ہو جائے۔ آپ بھی اس تلاش میں میرا تعاون کریں۔

(13:6) اس فقرہ کے متعلق سلطان المناظرین علامہ رحمت اللہ کیرانویؒ اپنی مایہ ناز کتاب اعجاز عیسوی میں لکھتے ہیں کہ رومن کیتھولک والے اس فقرہ کے اس حصہ کو الحاقی قرار دیتے ہیں۔ لاطینی ترجمہ اور رومن کیتھولک کے تمام انگلش تراجم میں یہ الفاظ نہیں۔ اور نہ ہی 1671ء و1831ء کے عربی ترجمہ میں۔ اس کی عبارت اتنی ہی ہے: ولا تدخلنا فی التجارب ونجنا من الشر آمین۔

1839ء و 1844ء کے اردو ایڈیشن میں اس پر علیحدگی کا نشان لگادیا گیا ہے یعنی بریکٹ۔

وارڈ اپنی کتاب اغلاط نامہ کے ص 18 پر لکھتے ہیں کہ:

> ''متی باب 6 فقرہ 13 میں یہ جملہ ''کیونکہ بادشاہی اور قدرت الخ'' الحاقی ہے ارزامس نے اسے ناپسند کیا ہے اور بلنجر کا کہنا ہے کہ یہ ٹکڑا بعد میں ملایا گیا ہے اور ملانے والے کا کوئی پتہ نہیں۔ لارن شش ولانے لاطینی ترجموں میں اس جملہ کے متروک ہونے کی وجہ سے اعتراض کیا تھا (کہ یہ جملہ کیوں نکالا گیا) اس کے جواب میں بلنجر نے اس کو ملامت کرتے ہوئے کہا ہے کہ لارن شش کا یہ کہنا بلا دلیل ہے کہ کلام خدا سے یہ جملہ کٹ گیا ہے۔ اس کو تو چاہیے تھا کہ وہ ان

لوگوں پر لعنت کرتا جنہوں نے یہ جملہ بے احتیاطی سے اپنی بات کو خداوند کی نماز کا جزو بنادیا ہے۔" (ص 397 تا 399)

ناظرین، بائبل میں کمی بیشی کرنے والوں کی حالت کا اندازہ لگالیں کہ ایک داخل کرنے والے پر لعنت کرتا ہے دوسرا نکالنے والے پر۔ اب فیصلہ ہمارے دیسی پادری کریں کہ کون لعنتی ہے؟ یا دونوں ہی روح القدس سے مامور ہیں؟

حوالہ (3)

-1 بائبل انجیل متی اردو مطبوعہ 1875ء باب 6 فقرہ 18 یوں درج ہے:

"تا کہ تو آدمی پر نہیں بلکہ تیرے باپ پر جو پوشیدہ ہے، روزہ دار ظاہر ہو اور تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے، آشکارا تجھے بدلہ دے۔"

-2 اردو بائبل مطبوعہ 1908ء و 1916ء تا حال میں یہ فقرہ یوں درج ہے:

"تا کہ آدمی نہیں بلکہ تیرا باپ جو پوشیدگی میں ہے تجھے روزہ دار جانے۔ اس صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے، تجھے بدلہ دے گا۔"

یعنی فقرہ کے آخر میں لفظ "آشکارا" (علانیہ) جو پہلے تھا، بعد میں نکال دیا گیا۔

-3 عربی اور فارسی بائبلوں میں اب بھی یہ لفظ موجود ہے۔

بقیہ تمام بائبلوں سے یہ لفظ خارج کردیا گیا ہے۔ ہاں بقول مصنف کتاب "تحریف کے یہ مجرم"، قدیم انگلش بائبلوں میں یہ لفظ موجود تھا، مگر اب تمام سے خارج کردیا گیا۔ اگر یہ واقعی خدائی کلام تھا اور الہام پر مشتمل تھا تو عیسائی محققین نے کیوں کہا کہ یہ الحاقی ہے۔ ایڈم کلارک اس فقرے کی شرح کرتے ہوئے اور الحاقی ثابت کر کے کہتا ہے کہ:

"چونکہ اس لفظ کی کوئی پوری سند نہیں تھی اس لیے کریساخ، کروٹیس اور مل و ہنجل نے اس کو متن سے خارج کردیا۔"

لہٰذا اگر یہ عبارت صحیح ہے تو قدیم نسخے غلط اور محرف قرار پائیں گے اور اگر قدیم صحیح ثابت ہو جائیں تو موجودہ نسخے محرف اور مبدل قرار پائیں گے۔ اب فیصلہ پادری صاحبان کے ہاتھ میں ہے۔ بالخصوص دیسی پادریوں کے جو عنوان تحریف پر بڑے سیخ پا ہو جاتے ہیں۔

صرف قدیم اور جدید پر معاملہ منحصر نہیں بلکہ قابلِ تشویش تو موجودہ عربی، فارسی، بائبل ہے کہ جس میں اب بھی یہ لفظ برملا موجود ہے۔ اب اس صورت میں جناب عیسائی روح القدس کی ذمہ داری مزید بڑھ جاتی ہے۔

حوالہ (4)

-1 بائبل انجیل متی اردو مطبوعہ 1875ء میں باب 12 فقرہ 8 یوں درج ہے کہ:
"کیونکہ ابن آدم سبت کے دن کا بھی خداوند ہے۔"

-2 اردو بائبل مطبوعہ 1908ء و1926ء میں یہ فقرہ یوں ہے: "کیونکہ ابن آدم سبت کا مالک ہے۔"

-3 رومن کیتھولک بائبل اردو مطبوعہ 1958ء میں 1875ء کی طرح "بھی" کا لفظ موجود ہے۔

-4 عربی اور فارسی بائبل نیز آتھورائزڈ ورشن اور انگلش نیو ٹسٹامنٹ 1937ء میں بھی "بھی" کا لفظ موجود ہے۔

-5 اردو بائبل (پروٹسٹنٹ) 1952ء تا حال میں "بھی" کا لفظ نہیں ہے۔

-6 علاوہ ازیں تمام انگلش بائبلوں سے یہ لفظ نکال دیا گیا ہے۔

-7 حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اعجازِ عیسوی میں لکھتے ہیں کہ:
"یہ لفظ ستاسی قلمی نسخوں اور بیشتر مطبوعہ نسخوں، سریانی، عربی اور پالی گلاٹ بشپ والٹن کے فارسی ترجمہ، کا تھیک ترجمہ اور قدیم روسی و اطالوی ترجموں میں موجود نہیں۔ گریس بیک نے بہت اچھا کیا جو اس الحاقی لفظ کو نکال دیا۔" (ص395)

اب الزام تحریف بائبل کے لفظ پر سیخ پا ہونے والے پادری صاحبان بتائیں کہ جب آپ کے پہلے فاضل مفسر بلا جھجک تحریف کا اقرار کر رہے ہیں تو آپ کیوں ناراض ہوتے ہیں؟

حوالہ (5)

-1 بائبل انجیل متی اردو مطبوعہ 1875ء باب 12 فقرہ 35 یوں درج ہے:
"اچھا آدمی دل کے اچھے خزانے سے اچھی چیزیں نکالتا ہے اور برا آدمی برے خزانے سے بری چیزیں باہر لاتا ہے۔"

-2 اردو بائبل مطبوعہ 1908ء و1926ء میں یہ فقرہ یوں درج ہے: "اچھا آدمی...... اچھے خزانے سے اچھی چیزیں نکالتا ہے اور برا آدمی برے خزانے سے بری چیزیں نکالتا ہے۔" یعنی اس بائبل سے "دل کو" خارج کر دیا گیا۔

-3 عربی اور فارسی بائبل میں اب بھی یہ حذف شدہ لفظ "دل کے" موجود ہے۔

-4 بقیہ بائبلوں میں یہ لفظ موجود نہیں۔

-5 آتھورائزڈ ورشن میں یہ لفظ "دل کے" موجود ہے۔

کتاب "تحریف کے یہ مجرم" کے مصنف مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی لکھتے ہیں کہ بعض قدیم

انگلش تراجم میں یہ لفظ موجود ہے۔ مسٹر ہورن اپنی تفسیر ص 330، ج 2 پر اس کے الحاقی ہونے پر دلائل دے رہے ہیں۔ اگر "دل کے" کے الفاظ واقعی الہامی تھے تو موجودہ ترجمہ سے ان کو کیوں نکال دیا گیا اور پہلوں نے اپنی طرف سے کیوں داخل کیا؟

نیز اب جن تراجم (عربی، فارسی) میں ہے، اس کا کیا جواز ہے؟

حوالہ (6)

-1 بائبل انجیل متی اردو مطبوعہ 1875ء باب 12، فقرہ 47 یوں درج ہے کہ:

"تب کسی نے اس سے کہا کہ دیکھ تیری ماں اور تیرے بھائی باہر کھڑے تجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

-2 اسی طرح یہ فقرے تمام اردو بائبلوں میں بمع نمبر موجود ہیں۔

-3 دی نیو ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن اور دی یروشلم بائبل سے یہ فقرہ بمع نمبر نکال دیا گیا ہے۔

-4 گڈ نیوز بائبل کے متن میں یہ فقرہ موجود ہے مگر حاشیہ پر درج ہے کہ بعض نسخوں میں یہ فقرہ موجود نہیں ہے۔

-5 دی نیو یروشلم بائبل، دی امریکن بائبل (کیتھولک) اور گورکھی بائبل میں یہ فقرہ بریکٹ میں ہے۔

-6 دی گڈ نیوز انٹرنیشنل نیو ٹسٹامنٹ میں یہ فقرہ بحالت مشکوک (اٹیلیکس) موجود ہے۔

-7 بقیہ تمام انگلش بائبلوں میں بمع جرمن بائبل، عربی اور فارسی بائبل یہ فقرہ بلا بریکٹ موجود ہے۔

-8 نئے امریکی ترجمہ (R.S.V) سے یہ فقرہ نکال دیا گیا ہے۔

ناظرین کرام! اب دیسی پادریوں سے دریافت فرمائیں کہ کونسی بائبل صحیح اور غیر محرف ہے۔ آیا وہ بائبل جس میں یہ آیت درج ہے یا وہ جن سے یہ فقرہ خارج کر دیا گیا ہے؟

حوالہ (7)

-1 بائبل انجیل متی اردو مطبوعہ 1875ء باب 12 فقرہ 39 اور 40 یوں مندرج ہے:

"اس نے انہیں جواب دیا اور کہا کہ اس زمانے کے بد اور حرامکار لوگ نشان ڈھونڈتے ہیں، پس یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی نشان انہیں دکھایا نہ جائے گا۔ کیونکہ جیسا یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا، ویسا ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا۔"

-2 بائبل مطبوعہ 1887ء و 1908ء تا حال میں اسی طرح درج ہے کہ "جیسا یونس تین رات دن

مچھلی کے پیٹ میں رہا۔"

3- رومن کیتھولک اردو بائبل 1959ء میں بھی ایسے ہی ہے۔

4- فارسی بائبل مطبوعہ 1986ء میں ہے: "زیراکہ ہمچنانکہ یونس سہ شبانہ روز در شکم ماہی ماند۔"

5- گڈ نیوز بائبل' گڈ نیوز فار ماڈرن مین میں ہے: "تین راتیں اور دن" یعنی راتوں کے ساتھ تو تین لگایا گیا مگر دن کے ساتھ نہ لگایا گیا۔

6- اس کے بعد عربی بائبل میں ہے: ثلثه ایام و ثلاث لیال۔ یعنی تین دن اور تین راتیں۔

7- ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن' نیو ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن' دی نیو ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن کیتھولک ایڈیشن' کرسچین کیمونٹی بائبل' دی یروشلم بائبل' نیو انٹرنیشنل ورشن' نیو ورلڈ ٹرانسلیشن' آرتھورائزڈ ورشن' نیو انگلش بائبل' نیو کنگ جیمس ورشن' جرمن بائبل وغیرہ میں یوں درج ہے: "تین دن اور تین راتیں۔"

8- پھر یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ یہ مدت یونس نبی کی کتاب میں بھی اسی طرح درج ہے یعنی جس بائبل میں (متی 12:40) میں تین دن رات ہے' اس میں یونس 1:17 میں بھی ایسا ہی کردیا گیا ہے مگر جس میں تین دن اور راتیں ہے' وہاں یونس 1:17 میں بھی ایسا ہی ہے سوائے فارسی بائبل کے۔ اس میں (متی 12:40) کے خلاف یوں لکھا ہے کہ "یونس سہ روز و سہ شب در شکم ماہی ماند۔" (یونس نبی کی کتاب 1:17)

دونوں تحریروں میں فرق یہ ہے کہ اگر اردو بائبل اور بعض انگلش بائبلوں کی رُو سے تین رات کہا جائے تو مفہوم یہ ہوگا کہ مدت 3x12=36 گھنٹے کی ہے۔ یعنی دو رات اور ایک دن یا دو دن اور ایک رات' کل تین ٹائم مراد لیے جاسکتے ہیں۔ مگر جب دوسرا جملہ بولا جائے کہ تین دن اور تین رات تو یہ وقت دگنا ہوجائے گا کہ تین پورے دن اور تین مکمل راتیں۔ تو کل مدت 6x12=72 گھنٹے ہوگی۔

وجہ تبدیلی یہ ہے کہ اس مقام پر جو مسیح نے نشان بتلایا کہ ابن آدم بھی یونس کی طرح زمین میں (مصلوب ہونے کے بعد) تین دن اور تین رات رہے گا گویا 72 گھنٹے' مشاہدہ اس کے خلاف ہے یعنی از روئے واقعہ اور اناجیل' مسیح کا مصلوب ہونے کے بعد اتنی مدت زمین کے اندر رہنا ثابت نہیں ہوسکتا جس کے نتیجہ میں مسیح کا معجزہ مکمل اور سچا ثابت نہیں ہوتا لہٰذا اصحاب بائبل نے اس کو واقعہ کے مطابق کرنے کے لیے انجیل میں تبدیلی کردی کہ بجائے "تین دن اور تین رات" کے "تین دن رات" کردیا۔ اردو تراجم میں یہ تبدیلی میرے خیال میں 1831ء کے بعد کی گئی ہے جبکہ تمام انگلش بائبلوں میں ابھی معاملہ حسب سابق ہی ہے۔ شاید آہستہ آہستہ وہاں بھی کرلی جائے۔ مگر اب ان کی اس تحریف سے کیا فرق پڑے گا کیونکہ ان کی چوری طشت از بام ہوچکی ہے۔ یہ لوگ بائبل میں اپنے خیالات کی تائید کے لیے یا بائبل کو خارج کے مطابق کرنے کے لیے ایسی کارروائیاں کرتے ہی رہتے ہیں جن کے اظہار ہی کے لیے بندہ نے یہ طویل اور قیمتی محنت برداشت کی ہے۔

اب یہ بھی سماعت فرمائیں کہ عیسائیوں کا عقیدۂ صلیب مسیح اور پھر ان کا قبر سے جی اٹھنا ایک بنیادی اور مرکزی عقیدہ ہے جس پر تمام عیسائیت کا دارومدار ہے اسی لیے اس کے لیے انہوں نے اتنی رسوا کن محنت بھی کی ہے۔ مگر آپ دیکھ رہے ہیں کہ ان کی بات بن نہ سکی لہٰذا اب نہ تو مسیح کی صلیب ہی ثابت ہوئی ہے اور نہ جی اٹھنا' اور نہ ہی مسیح کا کوئی معجزہ ثابت ہوسکا کیونکہ ازروئے اناجیل مسیح کو جمعہ کے دن پچھلے ٹائم صلیب دی گئی اور رات تک قبر میں رکھ دیا گیا۔ اگلے دن ہفتہ یعنی یہود کا سبت تھا جس میں وہ کوئی کام نہ کرسکتے تھے۔ بروز اتوار جب کچھ خواتین قبر پر گئیں تو قبر خالی تھی۔ لہٰذا مشہور کر دیا گیا کہ وہ تو جی اٹھا ہے۔ اب خدا جانے ابھی اٹھا ہے یا کل ہی کا اٹھ چکا ہے' بالفرض اگر اتوار صبح بھی اٹھے تو بھی ایک دن اور دو راتیں بنتی ہیں۔ اصل پیش گوئی تین دن اور تین رات پوری نہ ہوسکی' لہٰذا انہوں نے اس عبارت کو نہایت ہوشیاری سے بدلنے کی ناکام کوشش کی۔

ایک مزید وضاحت یہ ہے کہ یہ واقعہ صرف متی ہی میں درج ہے۔ دوسری اناجیل اس سے خاموش ہیں۔ تو اگر یہ واقعہ اسی طرح ہوتا تو لازماً دوسری اناجیل بھی بیان کرتیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ یار لوگوں کا اپنا ہی منصوبہ ہے ورنہ حقیقت میں نہ مسیح نے یہ پیش گوئی فرمائی' نہ وہ مصلوب ہوئے اور نہ ہی قبر سے جی اٹھے۔ جیسا کہ بندہ نے اپنے رسالہ "کسر صلیب" میں تفصیل سے مسیح کے مصلوب ہونے کی نفی مدلل طور پر پیش کردی ہے۔

ایک حیران کن اور دلچسپ موازنہ

اوپر آپ نے متی 12:39' 40 کے حوالہ سے لوگوں کا طلب نشان اور مسیح کا تفصیلی جواب ملاحظہ فرمالیا کہ ان کو صرف یونس نبی والا معجزہ دیا جائے گا مگر وہ بھی پورا نہ ہوا۔ اب یہی سوال و جواب دوسری انجیل مرقسؔ سے سنئے۔ وہاں لکھا ہے کہ:

> "پھر فریسی (یہود کا ایک فرقہ) نکل کر اس سے بحث کرنے لگے اور اسے آزمانے کے لیے اس سے کوئی آسمانی نشان طلب کیا' اس نے اپنی روح میں آہ کھینچ کر کہا' اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان طلب کرتے ہیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا۔ اور وہ انہیں چھوڑ کر پھر کشتی میں بیٹھا اور پار چلا گیا۔" (مرقس 8:11،12)

انجیل لوقا میں یہ واقعہ یوں لکھا ہے کہ:

> "بعض اور لوگ آزمائش کے لیے اس سے ایک آسمانی نشان طلب کرنے لگے مگر اس نے ان کے خیال کو جان کر ان سے کہا کہ جس کسی بادشاہت میں پھوٹ پڑے' وہ ویران ہو جاتی ہے۔" (11:16،17)

ناظرین کرام! آپ ان دونوں اقتباسات کو بھی ملاحظہ فرمائیں اور بتلائیں کہ کیا مرقس جو کہ

سب سے پہلی انجیل ہے' اس میں یونس نبی کے معجزہ کے مشابہ کسی نشان کا ذکر ہے کہ مسیح بھی زمین میں تین رات دن رہے گا۔ اور لوقا تو اس سے بھی مختصر بیان کرتا ہے۔ اب فرمائیے کہ متی کے اس بیان میں کتنی صداقت باقی رہ جاتی ہے۔ یہ ہے ان کے عقیدہ صلیب اور جی اٹھنے کی بنیاد اور حقیقت۔ جب یہ ہی بے حقیقت ثابت ہوئی تو پھر باقی کیا رہا جس پر یہ لوگ اپنے نظریہ کی بنیاد رکھ سکتے ہیں۔

حوالہ (8)

-1 بائبل انجیل متی اردو مطبوعہ 1875ء میں باب 16 فقرہ 3،2 بلا بریکٹ درج ہیں:
''اس نے جواب میں ان سے کہا کہ جب شام ہوئی تو کہتے ہو کہ کل پر چھا ہوگا کیونکہ آسمان لال ہے۔ اور صبح کو کہتے ہیں کہ آج آندھی چلے گی کیونکہ آسمان لال اور دھندلا ہے۔ اے ریاکارو! تم آسمان کی صورت کو امتیاز کر سکتے ہو۔ پر وقتوں کی نشانیاں نہیں دریافت کر سکتے۔''

-2 رومن کیتھولک اردو بائبل اور تمام اردو پروٹسٹنٹ بائبلوں میں بھی یہ آیات بلا بریکٹ ہیں۔

-3 دی نیو انگلش بائبل سے فقرہ 2 کا آخری حصہ اور فقرہ 3 مکمل طور پر نکال دی گئی ہے۔

-4 گور کھی بائبل' نیو امریکن بائبل' کرسچین کیمونٹی بائبل میں یہ آیات بریکٹ میں موجود ہیں۔

-5 نیو ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن' گڈ نیوز بائبل' اور نیو انٹرنیشنل ورشن میں نمبر بمع الفاظ موجود ہیں۔ مگر حاشیہ پر نشاندہی کی گئی ہے کہ اتنا حصہ کچھ نسخوں میں موجود نہیں۔

-6 دی گڈ نیوز انٹرنیشنل ایڈیشن میں مشکوک حالت میں (اٹیلیکس) موجود ہیں۔

-7 ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن' یروشلم بائبل' نیو یروشلم بائبل' نیو ورلڈ ٹرانسلیشن' گڈ نیوز فار ماڈرن مین ایڈیشن' گڈ نیوز کلر ایڈیشن میں بلا بریکٹ موجود ہیں۔

-8 عربی' فارسی اور جرمن بائبل میں بھی بلا بریکٹ موجود ہیں۔

حوالہ (9)

-1 بائبل' انجیل متی اردو مطبوعہ 1875ء باب 17' فقرہ 21 یوں درج ہے:
''مگر اس طرح کے دیو (جن) بغیر دعا اور روزہ کے نہیں نکالے جاتے۔''

-2 اردو بائبل مطبوعہ 1908ء' 1926ء سے یہ آیت بمع الفاظ و نمبر آیت خارج کردی گئی ہے۔ فقرہ 20 کے بعد فقرہ نمبر 22 درج کردی گئی ہے۔ پھر اس کے 1935ء کے ایڈیشن میں یہ آیات بریکٹ میں کردی گئی ہیں۔

-3 رومن کیتھولک اردو بائبل (ڈوائے ورشن) مطبوعہ 1958ء میں یہ الفاظ بمع نمبر فقرہ بریکٹ کے اندر یوں درج ہیں: ''مگر یہ جنس سوائے روزہ اور دعا کے نہیں نکل سکتی۔'' جبکہ 1950ء

کے ایڈیشن میں یہ بلا بریکٹ ہیں۔

4- پروٹسٹنٹ اردو بائبل مطبوعہ 1952ء تا حال تمام ایڈیشنوں میں یہ فقرہ بریکٹ میں درج کردی گئی ہے۔اور یہ بریکٹ کا چکر سب سے پہلے 1935ء کے ایڈیشن سے شروع ہوا۔

5- عربی اور فارسی بائبل میں یہ آیات بلا بریکٹ درج ہیں۔

6- کرسچین کمیونٹی بائبل اور جرمن بائبل میں بھی یہ فقرہ بلا بریکٹ مندرج ہے۔

7- ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن' گڈ نیوز بائبل' دی نیو انگلش بائبل' دی یروشلم بائبل' نیو انٹرنیشنل ورشن اور نیو ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن سے بھی یہ فقرہ خارج کردیا گیا ہے۔

8- نیو ورلڈ ٹرانسلیشن' دی نیو یروشلم بائبل' نیو امریکن بائبل (کیتھولک) سے الفاظ خارج کردیے گئے' مگر نمبر فقرہ موجود ہے۔

9- گڈ نیوز کلر نیوٹسٹامنٹ اور گڈ نیوز فار ماڈرن مین ایڈیشن میں یہ فقرہ بریکٹ میں درج ہے۔

10- دی گڈ نیوز انٹرنیشنل نیوٹسٹامنٹ میں یہ فقرہ بمع نمبر مشکوک (اٹیلکس) حالت میں درج ہے۔

11- امریکی ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن سے یہ فقرہ حذف کردیا گیا ہے۔

12- گورمکھی بائبل مطبوعہ 1978ء میں یہ فقرہ بریکٹ میں ہے۔

پادری صاحبان ارشاد فرمائیں کہ آیت درج والی بائبلیں غیر محرف ہیں یا وہ صحیح اور بے خطا ہیں جن سے یہ آیت خارج کردی گئی؟

رومن کیتھولک اور ایڈیشن 1959ء میں جو آیات بریکٹ میں ہیں وہ 1950ء کے ایڈیشن میں بلا بریکٹ ہیں۔

حوالہ (10)

1- بائبل انجیل متی اردو مطبوعہ 1875ء باب 18 فقرہ 11 یوں درج ہے کہ:
"کیونکہ ابن آدم آیا ہے کہ کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈھ کے بچاوے۔"

2- اردو ایڈیشن 1908ء سے یہ آیت بمع نمبر خارج کردی گئی۔ آیت 10 کے بعد نمبر 12 لگا دیا گیا۔

3- رومن کیتھولک اردو بائبل میں بریکٹ کے اندر یہ فقرہ یوں ہے کہ: "کیونکہ ابن انسان (مسیح) اس لیے آیا ہے کہ کھوئے ہوئے بچائے۔"

4- اردو پروٹسٹنٹ بائبل 1952ء تا 1989ء تمام ایڈیشنوں میں یہ فقرہ بریکٹ میں یوں ہے:
(کیونکہ ابن آدم کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈنے اور نجات دینے آیا ہے۔)

5- عربی اور فارسی بائبل میں نیز جرمن اور کرسچین کمیونٹی انگلش بائبل میں یہ فقرہ بلا بریکٹ موجود ہے۔

6- گورمکھی کے قدیم ایڈیشن سے یہ فقرہ بمع نمبر غائب ہے مگر 1978ء کے ایڈیشن میں بریکٹ کے اندر موجود ہے۔
7- انگلش ایڈیشنوں میں سے ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن گڈ نیوز بائبل' نیو انگلش بائبل' دی نیو یروشلم بائبل' نیو انٹرنیشنل ورشن' نیو ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن سے یہ فقرہ بمع نمبر نکال دیا گیا ہے۔
8- نیو ورلڈ ٹرانسلیشن' دی نیو یروشلم بائبل' نیو ٹسٹامنٹ میں یہ فقرہ بریکٹ کے اندر ہے۔
9- گڈ نیوز فار ماڈرن مین ایڈیشن اور گڈ نیوز کلر نیو ٹسٹامنٹ میں یہ فقرہ بریکٹ کے اندر ہے۔
10- دی گڈ نیوز انٹرنیشنل نیو ٹسٹامنٹ میں یہ نمبر مشکوک حالت میں موجود ہے۔ (اٹیلیکس)
11- ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن آف امریکہ سے بھی یہ فقرہ نکال دیا گیا ہے۔
12- آتھورائزڈ ورشن نیو ٹسٹامنٹ 1937ء میں بھی یہ بلا بریکٹ موجود ہے۔

اب عیسائی پادری وضاحت فرمائیں کہ کونسی بات درست ہے۔ آیا یہ آیت جعلی تھی اس لیے وہ بائبلیں درست ہیں جن سے یہ نکال دی گئی۔ یا وہ جن میں اسے صحیح سمجھ کر باقی رکھا گیا ہے۔ نیز بریکٹ میں باقی رکھنے کا کیا جواز ہے؟ نمبر باقی رکھ کر الفاظ خارج کرنے کی کیا توجیہ ہے؟ محض بیچارے کاتبوں کے سر الزام تھوپ کر جان چھڑانے کی کوشش نہ کیجئے بلکہ پادری اور پوپ حضرات روح القدس سے معمور ہو کر صحیح اور دو ٹوک فیصلہ کریں۔

حوالہ (11)

1- بائبل انجیل متی اردو مطبوعہ 1875ء میں باب 20 فقرہ 16 یوں درج ہے:
''اسی طرح پچھلے پہلے ہوں گے اور پہلے پچھلے۔ کیونکہ بہت سے بلائے گئے پر برگزیدہ تھوڑے ہیں۔''
2- اردو بائبل مطبوعہ 1908ء و 1926 تا حال میں یہ فقرہ اتنی درج ہے: ''اسی طرح آخر اوّل ہو جائیں اور اوّل آخر۔'' بقیہ حذف کر دی گئی۔
3- رومن کیتھولک بائبل مطبوعہ 1958ء اور جرمن بائبل میں آخری حصہ ''کیونکہ بہت سے بلائے گئے'' بریکٹ میں درج ہے۔
4- عربی' فارسی' آتھورائزڈ ورشن اور انگلش نیو ٹسٹامنٹ میں یہ حصہ بلا بریکٹ درج ہے۔
5- بقیہ تمام بائبلوں سے یہ حصہ بالکل خارج کر دیا گیا ہے۔

وارڈ اپنی کتاب اغلاط نامہ میں لکھتا ہے کہ:
''جان کالون کے عقیدہ میں یہ شبہ تھا کہ آیا یہ انہی کا بنایا ہوا ہے یا نہیں۔ اسی بنا پر اس نے متی باب 20' فقرہ 16 سے یہ جملہ ''کیونکہ بہت سے بلائے گئے' پر چنے ہوئے تھوڑے ہیں'' غلط قرار دے کر نکال دیا ہے۔''

ملاحظہ کیجئے کہ پروٹسٹنٹ فرقہ کے پیشوا جان کالون نے ہمیں یہ دو باتیں عنایت کیں:
1- حواریوں کا یہ عقیدہ جس کو ہمارے زمانے کے عیسائی مدارِ ایمان قرار دیتے ہیں' اس کی حواریوں کی طرف نسبت قطعی دلیل سے ثابت نہیں۔
2- انجیل میں سے مذکورہ بالا جملہ غلط ہونے کی بنا پر نکال دینے کے قابل ہے۔ (اعجازِ عیسوی ص 447)

ملاحظہ فرمائیں یہ ہے پادری کی وہ بے خطا کتاب' جس کا اغلاط نامہ بھی شائع کر دیا گیا ہے جس میں لاکھوں غلطیاں ہیں۔ جس کی سینکڑوں آیات آپ کے سامنے مشکوک' الحاقی اور جعلی ثابت ہو چکی ہیں۔ ہمارے دیسی پادری صاحبان اس کو لاتبدیل کلام الٰہی کہنے پر تلے ہوئے ہیں' حالانکہ اس حالت میں کوئی بھی کتاب یا تحریر ہرگز قابل وثوق نہیں رہ سکتی۔

حوالہ (12)

1- بائبل انجیل متی اردو مطبوعہ 1875ء میں باب 27 فقرہ 23 یوں درج ہے:
"اور ایک مقام گلگتا نامی یعنی کھوپری کی جگہ پر پہنچ کر۔" الخ

2- اردو بائبل مطبوعہ 1908ء و 1926ء تا حال میں یوں ہے: "اور اس جگہ جو گلگتا یعنی کھوپڑی کی جگہ کہلاتی ہے' پہنچ کر۔"

3- رومن کیتھولک بائبل اردو میں یہ فقرہ یوں درج ہے: "اور جب اس مقام پر پہنچے جو جلجتا یعنی کھوپڑی کی جگہ کہلاتا ہے۔"

4- نیو ٹرانسلیشن ورشن' نیو امریکن بائبل' نیو انگلش بائبل' ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن اور نیو ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن میں خط کشیدہ الفاظ بریکٹ میں ہیں۔

5- عربی' فارسی اور بقیہ انگلش بائبلوں میں بلا بریکٹ درج ہے۔

حوالہ (13)

1- انجیل متی اردو مطبوعہ 1875ء باب 21' فقرہ 44 یوں مذکور ہے کہ:
"جو اس پتھر پر گرے گا' چور ہو جائے گا' پر جس پر وہ گرے گا اسے پیس ڈالے گا۔"

2- اس کے بعد تمام اردو بائبلوں میں یہ فقرہ بلا بریکٹ درج ہے۔

3- عربی' فارسی' نیو ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن' نیو انٹرنیشنل ورشن' نیو ورلڈ ٹرانسلیشن اور جرمن بائبل میں یہ فقرہ بلا بریکٹ درج ہے۔

4- دی نیو یروشلم بائبل میں نمبر موجود مگر الفاظ غائب۔

5- گڈ نیوز کلر نیو ٹسٹامنٹ' گڈ نیوز فار ماڈرن مین' کرسچین کمیونٹی بائبل (کیتھولک)' نیو امریکن بائبل' گورمکھی بائبل میں یہ فقرہ بریکٹ میں ہے۔

6- ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن' دی نیو انگلش بائبل' گڈ نیوز بائبل' دی یروشلم بائبل سے یہ فقرہ بمع نمبر خارج کر دی گئی ہے۔

7- دی گڈ نیوز انٹرنیشنل ایڈیشن میں یہ فقرہ بحالت مشکوک (اٹیلکس) موجود ہے۔

8- امریکن سٹینڈرڈ ورشن میں بتایا گیا ہے کہ اس فقرہ کا مصداق مسیح نہیں ہے۔

حوالہ نمبر (14)

1- بائبل انجیل متی اردو مطبوعہ 1875ء باب 19 فقرہ17,16 یوں درج ہے کہ:

"دیکھو ایک نے آ کر اس سے کہا۔ اے نیک استاد میں کون سا نیک کام کروں کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں o اس نے اس سے کہا کہ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے؟ نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا' پر اگر تو زندگی میں داخل ہونا چاہتا ہے تو حکموں (توراۃ کے دس مشہور احکام) پر عمل کر۔"

2- اردو بائبل مطبوعہ 1908ء و1926ء تا حال میں فقرہ 17 یوں کر دیا گیا ہے: "اس نے اس سے کہا تو مجھ سے نیکی کی بابت کیوں پوچھتا ہے' نیک تو ایک ہی ہے۔"

3- عربی اور فارسی بائبل میں بھی75ء کی طرح مذکور ہے۔ یعنی مسیح نے کہا کہ مجھے نیک (بے عیب) کیوں کہتا ہے؟ چونکہ یہ الفاظ مسیح کی عبدیت اور رسالت پر واضح دلالت کرتے ہیں اس لیے ان کو بدلنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے مگر بے سود' کیونکہ اگلا جملہ کہ "نیک تو ایک ہی ہے" ان کی اس کارستانی کو ملیامیٹ کر رہا ہے۔

علاوہ ازیں عربی' فارسی بائبل میں اس تبدیلی کو قبول نہیں کیا گیا۔ وہاں اب بھی موجود ہے:

لماذا تدعوننی صالحا یعنی تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے؟

نیز انجیل مرقس 18:10' لوقا 19:18 میں بھی یہی ہے کہ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے؟ قدیم و جدید انگلش بائبلو میں بھی یہی لفظ پایا جاتا ہے۔

ناظرین کرام پادری صاحبان کا مرکزی عقیدہ ہے کہ انسان کے موروثی گناہ کے کفارہ کے لیے ایک بے عیب قربانی کی ضرورت تھی جو کہ بالکل بے عیب ہو اور وہ مسیح ہے۔ اسی نے مصلوب ہو کر انسانیت کا کفارہ ادا کیا۔ لہٰذا عیب ہو اور وہ مسیح ہے۔ اسی نے مصلوب ہو کر انسانیت کا کفارہ ادا کیا۔ لہٰذا کفارہ پر ایمان لانا ضروری ہے۔

اب بتلائیں کہ مسیح تو خود کہہ رہے ہیں کہ بے عیب ذات صرف خدائے واحد کی ہے۔ میں بے عیب نہیں' کیونکہ مخلوق میں کوئی نہ کوئی کمی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا تمہارا کفارہ تو بے بنیاد رہ گیا۔ تم نے الفاظ

میں رد و بدل کی (تحریف) کی کوشش بھی کی مگر سب کچھ بے سود۔ نیز بتلایئے کہ یہ تحریف کس نے کی؟ کب کی؟ کس غرض سے کی؟ صاحبان چوری آپ کے سامنے ہے لہٰذا چور کا پکڑنا تمہارا کام ہے۔ اسی طرح اس مسئلہ کی دوسری بنیادیں مثلاً متی 4:12 عبرانیوں 5:10 بھی بوجہ تحریف کے بے مقصد ثابت ہوچکی ہیں۔ (ملاحظہ ہو رسالہ کسر صلیب جو کہ اسلامی مشن لاہور سے مل سکتا ہے۔)

حوالہ (15)

1- بائبل انجیل متی اردو مطبوعہ 1875ء میں باب 19، فقرہ 9 اس طرح درج ہے کہ:
''اور میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی جورو (بیوی) کو سوا زنا کے اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے، زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی عورت کو بیاہے، زنا کرتا ہے۔''

2- عربی، فارسی اور اردو کی بائبلوں میں یہ فقرہ اسی طرح موجود ہے۔

3- اردو بائبل 1908ء و 1926ء میں یہ خط کشیدہ الفاظ موجود ہیں مگر حاشیہ پر لکھا ہے کہ یہ الفاظ یونانی متن میں موجود نہیں۔ کیا ہم عیسائی علماء سے دریافت کرسکتے ہیں کہ جب یہ الفاظ یونانی متن (جس کو تم اصل متن کہتے ہو) میں موجود نہیں تو آپ لوگوں نے یہ کہاں سے لے کر موجودہ بائبلوں میں داخل کرلیے ہیں؟

4- بقیہ تمام انگلش، گورمکھی اور جرمن نسخوں میں یہ عبارت موجود ہے۔

5- امریکی ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن سے بھی یہ الفاظ خارج کردیئے گئے۔

حوالہ (16)

1- بائبل انجیل متی اردو مطبوعہ 1875ء میں باب 20 فقرہ 23,22 یوں مذکور ہے:
''یسوع نے جواب میں کہا تم نہیں جانتے کہ کیا مانگتے ہو۔ کیا وہ پیالہ جو میں پینے کو ہوں، پی سکتے ہو اور وہ بپتسمہ جو میں پاتا ہوں، تم پاسکتے ہو؟ وے اس سے بولے، ہم سکتے ہیں۔ اس نے ان سے کہا۔ تم البتہ میرا پیالہ پیو گے اور وہ بپتسمہ جو میں پاتا ہوں، پاؤ گے لیکن میری دہنی اور میری بائیں طرف بٹھانا میرے اختیار میں نہیں کہ کسی کو دوں۔ مگر جن کے لیے میرے باپ کی طرف سے تیار کیا گیا، انہیں کے لیے ہے۔''
گویا اس ایڈیشن سے دو جملے نکال دیئے گئے۔

2- اردو بائبل مطبوعہ 1908ء و 1926ء میں یہ دونوں فقرے اسی طرح درج ہیں۔

3- رومن کیتھولک اردو بائبل اور پروٹسٹنٹ اردو بائبل کے بقیہ تمام ایڈیشن 1926ء کے مطابق

ہیں۔

4- عربی، فارسی بائبلز میں بھی یہ جملے بلا بریکٹ موجود ہیں۔

5- بقیہ انگلش بائبلز میں یہ جملے موجود نہیں۔

حوالہ (17)

1- انجیل متی اردو مطبوعہ 1875ء میں باب 24 فقرہ 15 یوں درج ہے کہ:
"پس جب تم اس ویران کرنے والی مکروہ چیز کو جس کی خبر دانیال نبی نے دی، پاک جگہ کھڑے دیکھو۔ (جو پڑھے سو سمجھ لے)"

2- رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کی تمام اردو بائبلز میں یہ فقرہ اسی طرح درج ہے، یعنی آخری جملہ بریکٹ میں ہے۔

3- مگر عربی اور فارسی بائبل میں یہ جملہ بلا بریکٹ درج ہے۔ بقیہ تمام بائبلز میں یہ جملہ بریکٹ میں ہے۔ (بائبل میں رد و بدل حصہ دوم، ص 13)

حوالہ (18)

1- بائبل انجیل متی اردو مطبوعہ 1875ء باب 27 فقرہ 35 یوں درج ہے کہ:
"اور اسے صلیب پر کھینچ کر اس کے کپڑوں پر چٹھی ڈال کے انہیں بانٹ لیا تاکہ جو نبی نے کہا تھا پورا ہو کہ انہوں نے میرے لباس آپس میں بانٹ لیے اور میرے کپڑوں پر چٹھی ڈالی۔"

2- اردو بائبل مطبوعہ 1908ء و 1926ء میں یہ فقرہ یوں درج ہے: "اور انہوں نے اسے صلیب پر چڑھایا اور اس کے کپڑے قرعہ ڈال کر بانٹ لیے۔" باقی تمام خط کشیدہ الفاظ خارج کر دیئے۔

3- پروٹسٹنٹ اردو بائبل مطبوعہ 1952ء تا حال سے یہ الفاظ بالکل خارج کر دیئے گئے۔

4- رومن کیتھولک اردو بائبل مطبوعہ 1958ء میں یہ الفاظ بریکٹ میں ہیں۔ اسی طرح جرمن بائبل میں بھی یہ الفاظ بریکٹ کے اندر ہیں۔

5- دی گڈ نیوز انٹرنیشنل ایڈیشن میں یہ الفاظ بحالت مشکوک موجود ہیں۔ (اٹیلکس)

6- عربی اور فارسی بائبل میں یہ الفاظ بلا بریکٹ موجود ہیں۔

7- نیو ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن کے متن سے یہ الفاظ خارج مگر حاشیہ پر ان کی نشاندہی موجود ہے۔

8- بقیہ تمام بائبلز انگلش اور گورمکھی بائبل سے یہ الفاظ خارج کر دیئے گئے۔

9- آتھورائزڈ ورشن میں یہ فقرہ مثل 1875ء بلا بریکٹ درج ہے۔ "تحریف کے یہ مجرم" کے

مصنف فرماتے ہیں کہ:

''1871ء سے پہلے کے انگلش تراجم میں بھی یہ فقرہ عربی بائبل کی طرح ہے۔ یعنی ''تا کہ وہ پورا ہو جو نبی کی معرفت کہا گیا تھا۔''

عیسائی محققین کے ہاں یہ بالکل قطعی محرف ہیں' اور ان الفاظ کو حذف کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ گریسباخ نے اس جملہ کو بالکل حذف کر دیا۔ مسٹر ہورن نے بھی قطعی دلائل سے ان کا الحاقی ہونا ثابت کیا ہے۔ پھر کہتا ہے کہ گریسباخ نے یہ جھوٹ ثابت ہو جانے پر اس کو حذف کر کے بہت اچھا کام کیا ہے۔ اسی طرح مفسر آدم کلارک نے اپنی تفسیر نمبر 5 میں اسی فقرہ کے تحت لکھا ہے کہ اس عبارت کا ترک کرنا واجب ہے۔ صحیح تراجم میں اس کو ترک کر دیا گیا ہے۔ بہت سے متقدمین نے بھی اس کو ترک کیا ہے یہ صاف الحاقی ہے۔''

اب ملاحظہ فرمائیں کہ کتنی صفائی سے اناجیل میں کمی بیشی اور تحریف کا اقرار کیا جا رہا ہے لیکن پھر بھی موجودہ کئی تراجم میں مثلاً عربی' فارسی میں یہ جعلی الفاظ موجود ہیں۔ اب پادری صاحبان فرمائیں کہ یہ کیا چکر ہے؟ یہ تحریف یہ اضافے کس نے' کس غرض سے اور کب کیے ہیں؟ اور اب تک ان کو عربی فارسی بائبل سے کیوں نہیں نکالا گیا۔ کوئی ہے اس گتھی کو سلجھانے والا؟

حوالہ (19)

-1 بائبل انجیل متی اردو مطبوعہ 1875ء باب 23' فقرہ 14 یوں درج ہے کہ:

''اے ریاکار فقیہو اور فریسیو' تم پر افسوس کہ بیواؤں کے گھر نگل جاتے ہو اور مکر سے لمبی چوڑی نماز پڑھتے ہو۔ اس سبب سے تم زیادہ سزا پاؤ گے۔''

-2 اردو بائبل 1908ء و 196ء سے یہ فقرہ بمع نمبر خارج کر دیا گیا۔ فقرہ 13 کے بعد 15 لگا دی گئی۔

-3 رومن کیتھولک اردو بائبل میں یہ فقرہ چھوٹی بریکٹ میں بایں الفاظ درج ہے کہ: ''تم پر افسوس' اے فقیہو اور فریسیو۔ اے ریاکارو' جو بیواؤں کے گھروں کو نگلتے ہو اور دکھاوے کے لیے نمازوں کو طول دیتے ہو۔ تم اس لیے زیادہ سزا پاؤ گے۔'' جبکہ 1950ء کے ایڈیشن میں بلا بریکٹ ہے۔

-4 پروٹسٹنٹ اردو بائبل مطبوعہ 1952ء تا حال 10 ایڈیشنوں میں اور جرمن ایڈیشن میں بھی یہ فقرہ بریکٹ میں ہے۔

-5 عربی' فارسی' کرسچین' کمیونٹی بائبل (کیتھولک) میں یہ فقرہ بلا بریکٹ درج ہے۔

-6 گورنکھی بائبل مطبوعہ 1978ء میں بھی یہ فقرہ بریکٹ میں ہے۔

-7 نیو ورلڈ ٹرانسلیشن' نیو امریکن بائبل' (کیتھولک) سے یہ الفاظ نکال دیئے گئے مگر نمبر موجود ہیں۔

-8 گڈ نیوز فار ماڈرن مین ایڈیشن' اور گڈ نیوز کلر نیو ٹسٹامنٹ میں بھی یہ فقرہ بریکٹ میں ہے۔

-9 دیگر انگلش بائبلوں سے یہ فقرہ بمع نمبر خارج کردیا گیا ہے۔

-10 دی گڈ نیوز انٹرنیشنل نیو ٹسٹامنٹ میں یہ فقرہ بحالت مشکوک (اٹیلکس) موجود ہے۔

-11 ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن آف امریکہ سے بھی یہ فقرہ خارج کردیا گیا ہے۔

-12 آتھورائزڈ بائبل میں یہ فقرہ بلا بریکٹ درج ہے' اس طرح دی نیو کنگ جیمس ورشن میں۔

-13 دی نیو ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن کیتھولک ایڈیشن فار انڈیا 1993ء سے یہ فقرہ بمع نمبر خارج کردیا گیا۔

پادری صاحبان فرمائیں کہ آیا اس فقرہ کے اندراج والی بائبلیں بے خطا اور غیر محرف ہیں یا اخراج والی۔ نیز فرمائیے کہ یہ گڑبڑ کس نے کی؟ کب کی؟ کیوں کی؟ آیا یہ گڑبڑ کسی پوپ نے کی ہے یا کسی بشپ اور پادری صاحب نے یا کسی کاتب یا ناشر کی شرارت ہے؟

نیز کیتھولک والے بتائیں کہ جب 1950ء میں یہ فقرہ بلا بریکٹ درج تھی تو صرف 9 سال بعد بریکٹ میں کیوں کردی گئی؟ کیا مسیح کے حکم سے یا روح القدس کے مشورہ سے۔ فرمائیے اب بھی تحریف ثابت ہوئی یا نہیں؟

حوالہ (20)

-1 بائبل انجیل متی اردو مطبوعہ 1875ء باب 27 فقرہ 9 یوں مذکور ہے:

"تب وہ جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا پورا ہوا کہ انہوں نے وہ تیس روپے لے لیے' اس کی ٹھہرائی ہوئی قیمت جس کی قیمت بنی اسرائیل میں سے بعض نے ٹھہرائی۔"

-2 اردو بائبل مطبوعہ 1908ء و 1926ء میں یہ فقرہ یوں مذکور ہے:

"اس وقت جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہوا کہ جس کی قیمت ٹھہرائی گئی تھی انہوں نے اس کی قیمت کے وہ تیس روپے لے لیے۔ (اس کی قیمت بعض بنی اسرائیل نے ٹھہرائی تھی۔)"

یعنی اس کا آخری حصہ بریکٹ میں ہے۔

-3 رومن کیتھولک اردو بائبل مطبوعہ 1959ء میں یہ فقرہ یوں مذکور ہے:

"تب وہ پورا ہوا جو ارمیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا کہ انہوں نے وہ تیس مثقال لیے یعنی وہ لگان جو اس پر لگایا گیا۔ انہوں نے لگایا جو بنی اسرائیل میں سے

تھے۔"

4- رومن کیتھولک بائبل اردو بائبل مطبوعہ 1950ء میں یوں مذکور ہے:
"تب وہ جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا' پورا ہوا کہ انہوں نے وہ تیس روپے لیے اس کی ٹھہرائی ہوئی قیمت' جس کی قیمت بنی اسرائیل نے ٹھہرائی۔"
یعنی ان دونوں میں تمام عبارات بلا بریکٹ ذکر ہے' جیسے 1875ء کے نسخہ میں ہے۔

5- عربی بائبل مطبوعہ 1863ء لندن میں یہ فقرہ یوں مذکور ہے: ترجمہ: "اور اس وقت وہ پورا ہوا جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا۔ سو انہوں نے وہ تیس درہم لے لیے جو اس کی طے شدہ قیمت تھی جسے بنی اسرائیل نے مقرر کیا تھا۔"
اسی طرح عربی بائبل مطبوعہ 1985ء میں بھی اس کے قریب قریب تمام فقرے بلا بریکٹ درج ہے۔

6- نیو انگلش بائبل میں آخری حصہ بریکٹ میں ہے۔
اس حوالہ میں دو طرح کی بحث ہے: (1) اقتباس کا حوالہ (یرمیاہ نبی) (2) آخری حصے کا معاملہ' بریکٹ بلا بریکٹ۔ تو ملحوظ خاطر رہے کہ یہ اقتباس یرمیاہ نبی کی کتاب میں کہیں بھی مذکور نہیں بلکہ یہ زکریا 11:12 میں مذکور ہے مگر اس کا مصداق بلکہ الفاظ بھی یہ نہیں ہیں۔ وہاں یہ لفظ ہیں:
"اور میں نے ان سے کہا کہ اگر تمہاری نظر میں ٹھیک ہو تو یہ میری مزدوری مجھے دو۔ نہیں تو مت دو اور انہوں نے میری مزدوری کے لیے تیس تول کر دیئے۔"
گویا یہاں اس مفہوم کا نام و نشان ہی نہیں جس کے پیش نظر مصنف انجیل یہ سینہ زوری کر رہا ہے۔ چنانچہ ساری انجیلوں میں تقریباً ہر جگہ ایسی ہی سینہ زوری کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ نہ الفاظ' وہاں کے ہوتے ہیں اور نہ ہی مصداق اور مفہوم۔ پھر اسی بل بوتے پر پادری صاحبان کہتے پھرتے ہیں کہ عہد قدیم میں مسیح کی 235 پیش گوئیاں مذکور ہیں۔ جبکہ وہاں شاید چند ایک ہوں تو ہوں' سینکڑوں بلکہ بیسیوں کا بھی وجود نہیں ملتا۔
حاصلِ کلام یہ ہے کہ یہاں حوالہ بھی غلط ہے کیونکہ یہ عبارت یرمیاہ میں نہیں۔ پھر الفاظ بھی متغائر اور اس کے نتیجہ میں اس کے مفہوم کا تو وہاں دور دور تک کوئی نشان ہی نہیں۔
عالمِ عیسائیت کے مشہور اور نہایت عیار پادری فنڈر نے اپنی کتاب "حل الاشکال" میں صاحب کشف الاستار کا (جنہوں نے یہ غلطی نکالی تھی) نہایت بھونڈے طریقہ پر دفاع کیا ہے کہ ایسی چیز تحریف سے متعلق نہیں ہوتی بلکہ تحریف تو تب ہو جبکہ کسی مقام پر مفہوم بدل دیا جائے۔ کوئی بنیادی تعلیم متاثر ہو گئی ہو۔ (حل الاشکال ص 64 مطبوعہ 1847ء اکبر آباد)
اس کے بعد حسب عادت نہایت چابک دستی سے اور عجیب طریقہ سے الزام تحریف کو دبانے کی کوشش کرتا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ کسی کی کتاب میں ہی مذکور ہو بلکہ دوسرے لوگ نقل تواتر کے

ذریعے اس کو نقل کرتے ہیں۔ (دیکھئے کتاب مذکور 65) مگر یہ کوئی جواب نہیں' محض ہوشیاری اور سینہ زوری ہے۔ جبکہ وہاں تو حوالہ بھی غلط' الفاظ بھی دیگر اور بریکٹ اور عدم بریکٹ کا بھی چکر ہے۔ بتلایئے کس کس دفعہ کا دفاع کرو گے۔ لہٰذا سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ شرافت کے ساتھ اقرار تحریف کرلو۔ حقیقت واقعی کا انکار کوئی معقول حرکت نہیں۔

حوالہ (21)

-1 انجیل متی اردو مطبوعہ 1875ء میں باب 27 فقرہ 49 یوں مذکور ہے:
''باقیوں نے کہا رہ جاہم دیکھیں۔ الیاس اسے چھڑانے آتا ہے یا نہیں؟''

-2 اردو بائبل مطبوعہ 1908ء و1926ء تا حال میں یوں ہی درج ہے۔

-3 نیو ورلڈ ٹرانسلیشن میں مزید یہ عبارت ہے۔ (ڈبل بریکٹ میں) ''ایک دوسرے آدمی نے نیزہ لیا اور اس کے پہلو میں چبھو دیا' تو اس سے خون اور پانی نکلا۔''

-4 عبرانی نسخہ میں بھی یہاں بریکٹ موجود ہے۔

حوالہ (22)

انجیل متی (13:25) بھی عبرانی نسخہ میں جزوی بریکٹ کا شکار ہے۔

حوالہ (23)

-1 انجیل متی اردو مطبوعہ 1875ء باب 28 فقرہ 19 یوں درج ہے:
''اس لیے تم جاکر سب قوموں کو شاگرد بناؤ اور ان کو باپ اور بیٹے اور روح القدس کے نام سے بپتسمہ دو۔''
پادری ڈملو صاحب لکھتے ہیں کہ:
''بعض جدید نقاد اس فقرہ کو الحاقی یا کم از کم مسیح کا ایک غیر مستند قول قرار دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ عہد جدید میں تمام بپتسمے یسوع کے نام پر بنائے گئے ہیں' تثلیث کے نام پر نہیں۔ ملاحظہ فرمایئے (اعمال 5:19,38:10,16:8,38:2)''
چنانچہ تثلیثی مسئلہ لازمی طور پر مسیح کے شاگردوں کے زمانہ کے بعد کی پیداوار ہے۔

پروفیسر پیک اپنی کتاب ص 94 پر لکھتے ہیں کہ کئی نقاد اس مقولہ ''اور انہیں باپ اور بیٹے اور روح القدس کے نام سے بپتسمہ دو'' کو مشکوک سمجھتے ہیں۔

یعنی اگر یہ واقعی فرمان مسیح ہوتا تو شاگرد مسیح باپ' بیٹا اور روح القدس کے نام سے بپتسمہ دیتے مگر کتاب اعمال میں جتنے بپتسمے منقول ہیں وہ صرف مسیح کے نام پر ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ قول مسیح کا نہیں ورنہ شاگردان مسیح لازماً اس کے مطابق تثلیث کے نام سے بپتسمہ دیتے۔ جب ایسے نہیں دیا تو

معلوم ہوا کہ یہ قول بعد میں مسیح کے نام لگایا گیا ہے۔ جیسے کہ یوحنا 7:5 بھی بنا کر داخل کر دیا گیا۔ ایسے ہی اعمال 37:8 خدا کا بیٹا ہونے کی تائید میں گھڑ کر داخل کر دی گئی ہے۔

مقامِ حیرت اور افسوس

مقامِ حیرت اور افسوس یہ ہے کہ اس فقرہ کے الحاقی ہونے کی اس داخلی اور خارجی شہادت کے باوجود دنیائے عیسائیت کا مایہ ناز عالم پادری سی۔ سی فانڈر صاحب اس فقرہ کو مسئلہ تثلیث کی دلیل قرار دیتے ہوئے کہتا ہے کہ: ''تثلیث کی تعلیم (متی 19:28) اور بہت سے مقامات میں نہایت صفائی اور صراحت کے ساتھ دی گئی ہے۔'' (میزان الحق ص 143,142) اسی طرح نیو امریکن بائبل (رومن کیتھولک) میں اس فقرہ کے حاشیہ پر بھی اسے تثلیث کی دلیل قرار دیا گیا ہے۔

حالانکہ یہ حسب تصریح پادری ڈملو مسیح کے مدتوں بعد کا عقیدہ ہے۔ جس کی تائید کے لیے (یوحنا 7:5) والی آیت بنا کر داخل کی گئی مگر اس کو محققین نے جعلی قرار دے کر خارج کر دیا۔ جیسے کہ مسیح کو خدا کا بیٹا ثابت کرنے کے لیے (اعمال 37:8) کسی ہوشیار کاتب نے شامل کر دی۔ اگرچہ آج بھی کئی ترجموں (عربی، آتھورائزڈ ورشن اور انگلش نیو ٹسٹامنٹ 1937ء) میں اسی طرح موجود ہیں۔ مگر اکثر نسخوں سے یہ فقرہ خارج کر دیا گیا اور بعض میں بریکٹ میں درج ہے۔

پھر ایک عجیب بات یہ ہے کہ اس کو کسی نے تثلیث کی دلیل بھی نہیں قرار دیا۔ نیز انہوں نے مزید آیات کی نشاندہی نہیں کی جو مسئلہ تثلیث کی تائید میں ہوں۔ محض سینہ زوری سے یہ بات کہہ دی ہے اور یہی ان لوگوں کی عادت ہے۔

محمد اسلم رانا

انجیل نویسوں کی بے خبری

عیسائی کتب کے مجموعہ بائبل کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ دراصل یہودیوں کی کتابیں ہیں۔ عیسائی اس حصہ کو عہد عتیق، پرانا عہد نامہ یا عہد قدیم کہتے ہیں۔

دوسرے حصے کو صرف عیسائی ہی سمجھتے ہیں۔ اور اسے عہد جدید یا نیا عہد نامہ کہتے ہیں۔

مسیح علیہ السلام اور ان کے شاگرد یہودی تھے۔ یہودی شریعت تورات پر عمل کرتے تھے۔ پیغام مسیحؑ بھی فقط یہودیوں ہی کے لیے مخصوص تھا۔ ان کی بائبل یا کتاب مقدس یہودی کتب مقدسہ ہی تھیں۔

یہودیوں نے مسیحؑ کو قبول نہ کیا۔ اور بزعم خویش صلیب کی لعنتی موت مار کر دم لیا۔ پولوس ایک یہودی تھا۔ پہلے وہ علماء یہود کی اجازت سے مسیحؑ پر ایمان لانے والوں کو ستاتا اور قتل بھی کر دیتا تھا۔ (اعمال 4:22)

پھر وہ خود ایک سازش کے تحت عیسائی ہو گیا۔ اور یہودیوں کو مسیح پر ایمان لانے کی ترغیب دینے لگا۔ یہودیوں نے اس کی دعوت کو ٹھکرایا۔ اس پر وہ غیر یہود بت پرست اقوام کی طرف متوجہ ہوا۔ اور ان میں مسیحؑ کی منادی کرنے لگا۔

جب عیسائیت بت پرستوں میں پہنچی تو مسیحؑ کی زندگی، کام، معجزات اور تعلیمات ان میں مشہور ہوئیں۔ یہ سب روایات زبانی شائع ہوا کرتی تھیں۔ جب ان کی حفاظت اور تحریر کا خیال پیدا ہوا، تو یہ روایات بگڑ چکی تھیں۔ اپنی اصلیت سے کوسوں دور پہنچ چکی تھیں۔ ان میں بت پرست اقوام کے توہمات اور خیالات سرایت کر چکے تھے۔ سچی جھوٹی روایات خلط ملط ہو گئیں۔ بت پرستوں نے مسیحؑ کو بھی اپنے دیوتاؤں کا سا ایک دیوتا اور خدا ہی سمجھ لیا۔ اور ان کی داستانیں مسیحؑ کی طرف منسوب کر ڈالیں۔ چنانچہ رومی بت پرست انہیں خدا سمجھ کر پوجا کیا کرتے تھے۔ (Lessons in the History of India by Macmillan & Company London. 1913, p.10)

مسیحؑ کی زندگی کا اصل حال صرف انجیلوں میں ہی مرقوم ہے۔ بہت ساری انجیلیں لکھی

گئیں۔ اصل حالات واقعات سے ناواقف نامعلوم مصنفین نے مسیحؑ کے بارے میں لوگوں سے جو کچھ سنا اور ان سے متعلق عوام میں جو داستانیں گردش کر رہی تھیں، سب کچھ بلا سوچے سمجھے اور بغیر کسی تحقیق کے (جس کا ان کے پاس موقع بھی نہیں تھا) درج کر دیا۔ بعد ازاں بھی مختلف وجوہات کی بنا پر ان میں رد و بدل ہوتا رہا۔ مختلف انجیلیں اپنے اپنے عیسائی گروہوں، جماعتوں اور علاقوں میں رائج تھیں۔ ان میں باہمی اختلافات بہت تھے۔ کلیسا یعنی عیسائی قوم نے پہلی بار عیسائی رومی بادشاہ قسطنطین کی بلائی ہوئی نیقہ کونسل منعقدہ ۳۲۵ء میں موجودہ چار انجیلوں کو الہامی مقدس، مستند اور خدا کا کلام قرار دے کر باقی کو مردود اور جعلی قرار دے دیا۔ ہم ان تمام حقائق کو معتبر و مستند اور مشاہیر عیسائی علماء اور محققین کے حوالے سے بیان کریں گے۔

تاریخ کلیسا کے مشہور امریکی محقق پروفیسر ڈاکٹر جارج پارک فشر ڈی ڈی ایل۔ ایل ڈی لکھتے ہیں:

''مسیحؑ نے کچھ نہ لکھا۔ اس کے تربیت یافتہ شاگرد ادبی تصانیف کی اہلیت کے حوالہ سے نہیں چنے گئے تھے۔ طبعی طور پر ان کا رجحان اس طرف تھا بھی نہیں۔ شاگردوں بشمولیت پولوس کی تحریریں ان کی زبانی تعلیمات کا تتمہ ہوتی تھیں۔ وہ ہنگامی ضروریات کی پیداوار تھیں۔ خطوط کو قاصد لے جاتے تھے۔ زبانی پیغامات ان کے علاوہ ہوتے تھے۔ ان خطوط یا انجیلوں کو یکجا کتابی شکل میں اکٹھا کرنے کا کسی کو وہم تک نہ تھا۔ شروع شروع میں عہد قدیم کی کتابیں مقدس صحیفے سمجھی جاتی تھیں۔ ان کے ساتھ خداوند مسیح کے الفاظ الٰہی سند کی حیثیت سے بولے جاتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ 150ء میں جسٹن شہید کی زبانی ہم سنتے ہیں کہ مستند چاروں انجیلیں اتوار کو عیسائی عبادات میں پڑھی جاتی تھیں۔ جب بدعتی فرقے اٹھے اور خصوصاً جب انہوں نے شاگردوں کی کتابوں کی اشاعت شروع کر دی تو ان کی اصل کتابوں کو جمع اور محفوظ کرنے کا ایک نیا ذوق جاگ اٹھا۔ بنیادی روایتی عقیدہ انہی کی مدد سے تحریف اور بگاڑ سے بچایا جاسکتا تھا۔ **(History of the Christian Church by Prof. Dr. George Park Fisher D.D, LL.D. 1888. p.78)**

چاروں انجیلوں کے مصنفین کا کچھ پتہ نہیں۔ مفسرین نے انجیل مرقس کے مصنف کی بحث چھیڑی ہی نہیں۔ اس طرف بالکل نہیں گئے۔ بس انجیل نویس کہہ کر گزارہ کر لیا۔ انجیل متی کا مصنف نامعلوم ہے۔ انجیل لوقا کا مصنف بعد میں لوقا قرار دیا گیا۔ اسے پولوس کا ساتھی کہنا خدا معلوم درست ہے یا نہیں۔ انجیل یوحنا کا مصنف یوحنا کیوں قرار دیا گیا؟ علماء میں متنازعہ فیہ مسئلہ ہے۔ تفصیلات کے لیے دیکھئے۔ **(The New Jerome Biblical Commentry 1990 p 1046 col.2 paragraph No. 81)**

-1 مشہور مفسّر پادری ڈملو لکھتے ہیں:

''نہ ہی یہ خیال کرنا موزوں ہے کہ مصنفین یا نقلیں کرنے والے یہ سمجھتے تھے کہ

ان کی کتابیں ان کی واقف کار ابتدائی کلیساؤں کے بعد بھی کارآمد ہوں گی۔
مقدس پولوس کا کیس بھی ایسا ہی ہے۔
اس کے خطوط جن کی آج کل اتنی قدر و منزلت ہے، صرف ان کی مخاطب کلیساؤں کے لیے ہی پیغامات تھے۔ جن لوگوں نے پہلے پہل نقل کیا۔ وہ انہیں ہماری طرح مقدس نہیں سمجھتے تھے۔" (تفسیر ڈملو صفحہ 16 کالم 1)

2- انسائیکلو پیڈیا کی دانست میں تو یہ سوچ کر بھی نہیں لکھا تھا کہ وہ کسی مقدس کتاب کی بنیاد رکھ رہے تھے۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹینکا مطبوعہ 11-1910ء جلد 3 صفحہ 872)

3- کونیکٹی کٹ کالج (امریکہ) میں شعبہ مطالعہ مذاہب کے چیئرمین پروفیسر آر فرانسس جانسن لکھتے ہیں: عہد جدید (بائبل کی خاص عیسائی کتابوں) کے مصنفین نے قصداً عیسائی بائبل وجود میں لانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ابتدائی کلیسیا کے پاس پہلے سے ہی ایک بائبل "یہودیوں کا عہد عتیق" موجود تھی۔ تاہم پہلی صدی مسیحی کے اواخر میں مسیحی ایمان میں مختلف نظریات نے عہد جدید کی کتابوں کو مستند قرار دینے کی راہ سجھائی۔ (The Worldbook Encyclopedia: 1979 vol 2, p.222 B. Col.1)

4- ڈاکٹر برینڈن لکھتے ہیں: انجیل کے معنی ہوتے ہیں "اچھی خبریں" دراصل یہ اصطلاح مسیح کی زندگی کے حالات بیان کرنے کی غرض سے استعمال کی گئی تھی۔ (مثلاً مرقس 1:1) یونانی زبان میں لکھی گئی، اور روایتی طور پر متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کی طرف منسوب کر دی گئی۔ علماء مغرب نے ایک صدی سے زائد عرصہ کے دوران اس کے اصل ماخذات اور صداقت کا تنقیدی مطالعہ کیا ہے۔ اس پر وسیع لٹریچر فراہم ہو گیا ہے۔ (A dictionary of Comparative Religion by Prof Dr. S.G.F. Brandon M.A.D.D.1971 p.310. Col.1)

5- پروفیسر جانسن کی رائے میں "گمان غالب ہے کہ ابتدائی کلیسیا (عیسائی قوم) نے چاروں انجیلوں کو مستند مان لیا۔ اگرچہ ان کے لکھنے والے معلوم نہ تھے۔ آہستہ آہستہ کلیسیا نے دو انجیلیں مسیح " کے شاگردوں کے ساتھیوں مرقس اور لوقا سے منسوب کر دیں۔ روایتی طور پر وہ انجیلوں کے مضامین خیال کیے جاتے ہیں۔ (ایضاً کالم 2 صفحہ 222)

6- انسائیکلوپیڈیا رقم طراز ہے۔ عہد جدید 27 کتابوں پر مشتمل ہے۔ یہ پہلی دو صدیوں کے درمیان لکھی گئی بہت سی تحریروں کا جنہیں عیسائی جماعتیں مقدس سمجھتی تھیں، باقی ماندہ حصہ ہیں۔ ان مختلف نوشتوں میں ابتدائی کلیسیا نے اپنی روایات، اپنا تجربہ، عقل سمجھ یسوع کو مسیح ماننے کی وضاحت اور خیالات پیش کیے ہیں۔ تاریخی اور مذہبی امور کے پیچیدہ طریق کار کے ایک دوسرے پر اثر انداز ہونے سے کلیسیا نے ان 27 نوشتوں کو اپنی زندگی اور تعلیمات کے

معیار کی حیثیت سے منتخب کیا۔ دیگر دستاویزات، خطوط، مکاشفے، مثلاً 12 رسولوں کی تعلیم، پطرس کی انجیل، پطرس کا مکاشفہ، ہرماس کا چرواہا موجود ہیں۔ لیکن ایک مشکل عمل کے ذریعے کہیں چوتھی صدی میں مشرقی اور مغربی کلیسیاؤں کے لیے مستند کتب کی نشاندہی کی گئی۔ مقدس کتابوں میں چار اناجیل (متی، مرقس، لوقا، یوحنا) کتاب اعمال 21 خطوط اور مکاشفہ شامل ہیں۔ یہ لازماً قدیم تحریریں نہیں تھیں، نہ برابر کی الہامی تھیں، نہ ہی عام کلیسیا سے مخاطب تھیں۔

(انسائیکلو پیڈیا برٹینکا مطبوعہ 1974ء جلد 2 صفحہ 938 کالم 2)

-7 پادری رینفرڈ لکھتے ہیں۔ ”مسیح“ نے خود کچھ نہ لکھا۔ نہ لکھنے کا حکم دیا۔ اس نے ایک کلیسیا مقرر کی۔ جسے حکم ملا تھا کہ تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ۔ اور ان کو یہ تعلیم دو کہ ان سب باتوں پر عمل کریں جن کا میں نے تم کو حکم دیا ہے۔ کلیسیا انجیل لکھی جانے سے پہلے بن گئی تھی۔ اس کے بعد جب کلیسیا بڑی ہو کر پھیل گئی تو کلیسیا کے شاگردوں نے مخصوص عیسائی کتب مقدسہ کو لکھا۔ اس وقت کلیسیا کی عمر 60 برس تھی۔ ان 60 برسوں میں لوگوں کو پوری تعلیم شاگردوں کی زبانی، روایات اور رسومات کے ذریعہ پہنچی۔

انہوں نے کوئی نئی بات نہیں لکھی تھی۔ کلیسیا میں مروّج زبانی تعلیمات کو قلمبند کیا تھا۔

(کلیسیا دی تواریخ مصنفہ فادر رینفرڈ او ایف کپ مطبوعہ 1958ء صفحات 13-14)

-8 ریوپرٹ چارلس یونیورسٹی آف ہیڈل برگ میں مطالعہ عہد جدید کے فاضل پروفیسر گنتھر بارن کم لکھتے ہیں:

”مسیح“ کے بارے میں ابتدائی کلیسیا کے ایمان میں مروّجہ مذہبی خیالات اور پہلے سے قائم مفروضات کی وجہ سے یقین کے ساتھ مسیح“ کی زندگی کے صحیح حالات لکھنا مشکل ہے۔“ (انسائیکلو پیڈیا برٹینکا مطبوعہ 1974ء جلد 10 صفحہ 145 کالم 1)

یعنی چاروں انجیلوں میں مسیح“ کی تعلیم اور زندگی کی جو قلمی تصویر پیش کی گئی ہے، پایۂ اعتبار سے گری ہوئی ہے۔ ان تحریروں کی بنیاد مسیح“ کی تعلیمات اور اقوال نہیں ہیں۔ بلکہ یہ کتابیں لکھے جانے کے وقت کلیسیا میں جو عقائد، خیالات اور معتقدات مشہور تھے، مصنفین نے انہیں تحریر کر دیا۔ ان میں کلیسیا کے فرضی خیالات بھی شامل ہیں۔

-9 ڈی پال یونیورسٹی امریکہ میں مذہب کے پروفیسر ڈومینک کروسن لکھتے ہیں:

”انجیلیں فقط وہ ہی نہیں بتاتیں جو مسیح“ نے کہا اور کیا۔ ان میں وہ کچھ بھی لکھا ہے جو لوگ سمجھتے تھے کہ مسیح“ نے کہا تھا۔ وہ انسانی باتیں بھی درج ہیں، جن کے بارے میں خیال ہے کہ مسیح“ نے کہی تھیں، یا اسے کہنی چاہیے تھیں۔“

(Newsweek/October 31, 1988)

انجیل نویسوں کی بے خبری کی چند مثالیں

1- جیسا کہ مذکور ہوا کہ انجیلیں لکھنے والے بت پرستوں میں سے عام آدمی تھے' جنھوں نے سنی سنائی اور غلط ملط روایات لکھ ڈالیں مثلاً بائبل کی کتاب 1 سموئیل 1:21 میں ہے:

''اور داؤد' نوب میں اخیملک کاہن کے پاس آیا۔''

اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بمطابق انجیل مرقس مسیح" نے کہا۔''وہ کیونکر ابیاتر سردار کاہن کے دنوں میں خداوند کے گھر میں گیا۔'' (مرقس 26:2)

یہاں عیسائیوں کے خدا مسیح کی طرف دو غلط بیانیاں منسوب ہیں۔ (1) اخیملک کی بجائے ابیاتر کہا۔ (2) اوّل الذکر کاہن تھا لیکن اسے سردار کاہن کہا۔

اس موقع پر پادری ڈملو اپنی تفسیر بائبل میں لکھتے ہیں۔''یہ ایک مشہور مشکل مقام ہے۔ کیونکہ ان دنوں اخیملک سردار کاہن معلوم ہوتا ہے۔''

سویٹ کی رائے میں سارا جملہ متی اور لوقا دونوں انجیلوں میں نہیں ہے نسخوں کے ایک بہت اہم گروپ سے غائب ہے۔ کسی ایڈیٹر کا نوٹ ممکن ہے۔ اگر اسے قائم رکھا جائے تو یہ محض غلطی ہی نہیں عہد عتیق کی تسلیم شدہ تضاد بیانیوں میں سے ایک ہے۔ کیونکہ جہاں 1- سموئیل 1:21 میں اخی ملک کو سردار کاہن لکھا گیا ہے اور جلد ہی بعد 1 سموئیل 1:22 میں اسے داؤد کا دوست ہونے کی بنا پر قتل کر دیا جاتا ہے۔ 2 سموئیل 1,17:8 تواریخ 16:18 اور 6:24 میں اپنی مفروضہ موت کے مدتوں بعد صدوق کے ساتھ کاہن کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔ وہاں سے ابیاتر کے باپ کی بجائے۔ ابیاتر کا بیٹا لکھا گیا ہے۔ پس مرقس کا بیان عہد عتیق کے دو متضاد بیانات میں سے ایک سے ملتا ہے۔ ناموں کا اس طرح گڈمڈ ہونا عہد عتیق میں عام ہے۔ (صفحہ 725 کالم 2)

2- سامری مسافر

انجیل لوقا کے دسویں باپ میں مسیح" کی تمثیل مندرج ہے''ایک آدمی یروشلم سے یریکو کی طرف جارہا تھا۔ ایک سامری سفر کرتے کرتے وہاں آنکلا۔''

یہودی انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے۔''یریکو اور یروشلم کی درمیانی سڑک پر کسی سامری کے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (یہودی انسائیکلو پیڈیا جلد 7 صفحہ 162 کالم 2)

واضح ہو کہ سامریوں اور یہودیوں کی آپس میں سخت دشمنی تھی۔ سامری یہودیوں سے جدا علاقہ میں رہتے تھے۔ ان کا باہمی کوئی میل جول نہیں تھا۔ (انجیل یوحنا 9:4)

3- کوڑھیوں کا قصہ

یہودیوں میں کوڑھ انتہائی قابل نفرت مرض سمجھا جاتا تھا۔ بائبل کی کتاب احبار کے ابواب 14،13 میں کوڑھیوں سے متعلق احکام بیان ہوئے ہیں۔ لکھا ہے۔ ''اور جو کوڑھی اس بلا میں مبتلا ہوا' اس کے کپڑے پھٹے اور اس کے سر کے بال بکھرے رہیں اور وہ اپنے اوپر کے ہونٹ کو ڈھانکے اور چلا چلا کر کہے۔ ناپاک' ناپاک' جتنے دنوں تک وہ اس بلا میں مبتلا رہے۔ وہ ناپاک رہے گا۔ اور وہ ہے بھی ناپاک۔ پس وہ اکیلا رہا کرے۔ اس کا مکان لشکر گاہ کے باہر ہو۔'' (احبار 46،45:13) جبکہ انجیل مرقس میں ہے۔ اور ایک کوڑھی نے اس کے پاس آ کر منت کی۔ (مرقس 4:1) انجیل لوقا میں ہے۔ جب وہ ایک شہر میں تھا۔ تو دیکھو کوڑھ سے بھرا ہوا ایک آدمی یسوع کو دیکھ کر منہ کے بل گرا۔ (لوقا 12:5)

مزید پڑھیں ''اور ایسا ہوا کہ یروشلم کو جاتے ہوئے وہ سامریہ اور گلیل کے بیچ میں سے ہو کر جا رہا تھا۔ اور ایک گاؤں میں داخل ہوتے وقت دس کوڑھی اس کو ملے۔ انہوں نے دور کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا: ''اے یسوع! اے صاحب! ہم پر رحم کر۔'' (لوقا 12،11:17)

یہودی ملک اور یہودی معاشرہ اور بستیوں میں کوڑھیوں کا اس طرح عام لوگوں کے ساتھ رہنا ناممکنات سے تھا۔ ایسے لوگ قابل نفرت ہونے اور چھوت چھات کے ڈر سے بستیوں' ڈیروں دیہات اور شہروں سے دور رہا کرتے تھے۔

انجیل نویس کے یہ بیانات یہودیوں کی کوڑھ سے نفرت' شرعی احکام سے لاعلمی اور یہودی سماج کی ریت سے ناواقفیت کے مظاہر ہیں' ناقابل قبول ہیں۔ الہامی اور خدا کے کلام کی شان کے شایان نہیں ہیں۔

4- مصلوبیت مسیح

قارئین کرام یہ جان کر ضرور حیران ہوں گے کہ انجیلوں میں مصلوبیت مسیح کا بیان غیر یہودی مصنفین کی یہودی رسوم و رواجات اور شرعی احکام سے حد درجہ کی عدم واقفیت کا جیتا جاگتا شہکار ہے۔ جس سے ظاہر و باہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام مصلوب نہیں ہوئے تھے۔

(الف) یہودیوں کا مشہور تہوار عید فسح تھا۔ یہ عید بنی اسرائیل کی مصریوں کی غلامی سے رہائی کی یاد میں یہودی سال کے پہلے مہینہ نیسان (مارچ' اپریل) کی 15 تاریخ کو منائی جاتی تھی۔ ہر یہودی خاندان کو یک سالہ بے عیب نر بکرا 15 کی شب کو ہیکل میں ذبح کرنا پڑتا تھا۔ فی بکرا دس افراد کی تعداد لازمی تھی۔ جو کمی کی صورت میں ہمسایوں کی مدد سے پوری کی جاتی تھی۔ گوشت راتوں رات کوئلوں پر بھون کر کھانا اور ختم کرنا ضروری تھا۔ بچا کھچا گوشت صبح سے پہلے آگ پر رکھ کر جلا دیا جاتا تھا۔ ساری قوم یہود اس رات ہیکل میں اکٹھی ہو کر عید

فسح مناتی تھی۔ فسح کھاتی تھی۔

یہودی قبیلہ لاوی کے لوگ جانور ذبح کرتے اور کھالیں کھینچتے" کاہن ان کے ہاتھ سے لے کر خون چھڑکتے' سوختنی قربانیاں اور چربی چڑھانے میں رات بھر مشغول رہتے۔ عید فسح اور عید فطیر یکے بعد دیگرے اکٹھی منائی جاتی تھیں۔

حوالہ جات: بائبل کی کتاب خروج ب 12' 22:17- احبار ب 23 گنتی 6:28 استثنا 13:16 حزقی ایل 2,21:45 تواریخ ب 35

(1) A Guide to Jewish Knowledge by Chaimpearl and Reuben S. Brookes: 1978, p.8)

(2) Pentateuch and Haftorahs edited by Dr. J.H.Hertz C.H late chief Rabbi of the British empire: 1979, p.254)

(ب) فسح گھر میں کھانا

شرعی احکام اور یہودی روایات کے قطعی برعکس مسیح" نے فسح ہیکل کی بجائے ایک شاگرد کے گھر میں کھائی۔

انجیل متی

میں لکھا ہے: "اور عید فطیر کے پہلے شاگردوں نے یسوع کے پاس جا کر کہا۔ "تو کہاں چاہتا ہے کہ ہم تیرے فسح کھانے کی تیاری کریں۔"

اس نے کہا۔ شہر میں فلاں شخص کے پاس جا کر اس سے کہنا۔ استاد فرماتا ہے کہ میرا وقت نزدیک ہے۔ میں اپنے شاگردوں کے ساتھ تیرے ہاں عید فسح کروں گا۔ اور جیسا یسوع نے شاگردوں کو حکم دیا تھا' انہوں نے ویسا ہی کیا اور فسح تیار کیا۔ جب شام ہوئی تو وہ بارہ شاگردوں کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھا تھا۔ (متی 26:17-20)

انجیل مرقس

کا بیان واضح تر ہے۔ عید فطیر کے پہلے دن یعنی جس روز فسح کو ذبح کیا کرتے تھے' اس کے شاگردوں نے اس سے کہا "تو کہاں چاہتا ہے کہ ہم جا کر تیرے لیے فسح کھانے کی تیاری کریں؟"

اس نے اپنے شاگردوں میں سے دو کو بھیجا اور ان سے کہا۔ شہر میں جاؤ۔ ایک شخص پانی کا گھڑا لیے ہوئے تمہیں ملے گا۔ اس کے پیچھے ہو لینا اور جہاں وہ داخل ہو' اس گھر کے مالک سے کہنا۔ استاد کہتا ہے کہ میرا مہمان خانہ جہاں میں اپنے شاگردوں کے ساتھ فسح کھاؤں کہاں ہے؟ وہ آپ تم کو ایک بڑا بالاخانہ آراستہ اور تیار دکھائے گا۔ وہیں ہمارے لیے تیار کرنا۔"

پس شاگرد چلے گئے اور شہر میں آ کر جیسا اس نے اُن سے کہا تھا ویسا ہی پایا، اور فسح تیار کیا۔
جب شام ہوئی تو وہ ان بارہ کے ساتھ آیا اور جب وہ بیٹھے کھا رہے تھے۔

(مرقس 14:12-18)

انجیل لوقا

کا بیان بھی ایسا ہی وضاحتی اور قریباً انہیں الفاظ میں ہے۔ (لوقا 22:7-13) کھانا کھا کر ساری پارٹی زیتون کے پہاڑ گتسمنی باغ چلی گئی۔ (متی 26:30,36) (مرقس 13 :26,32) (لوقا22:39) ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ مسیحؑ اور اس کے شاگرد عید فسح منانے اپنے اپنے گھروں کو نہ گئے۔ فسح ہیکل میں نہ کھائی گئی۔ فسح کا کھانا ایک شاگرد کے گھر میں ہوا۔ کھا کر سب ساتھی کوہ زیتون کو گئے۔ ہیکل کی طرف نہیں گئے۔

جو کہ سب کچھ یہودی دستور وقواعد کے خلاف ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔
فسح صرف ہیکل میں کھائی جا سکتی تھی۔ یہ کوئی عام دعوت یا کھانا نہیں تھا کہ جس کے ہاں جی چاہا کھالیا۔

مسیحؑ کی گرفتاری

کے انجیلی بیانات سے بھی ظاہر ہے کہ یہ واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ اس ساری رات قوم ہیکل میں جمع تھی۔ لیکن اناجیل نویس یہودی رسوم وقواعد سے عدم واقفیت کی بنا پر شہر یروشلم کو حسب معمول بستا رستا اور بدستور پر رونق دکھاتے ہیں۔ گویا لوگ اپنے گھروں میں موجود تھے۔

انجیل متی

میں مرقوم ہے:

"وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ یہوداہ جو ان بارہ میں سے ایک تھا آیا اور اس کے ساتھ ایک بھیڑ تلواریں اور لاٹھیاں لیے سردار کاہنوں اور قوم کے بزرگوں کی طرف سے آ پہنچی۔" (متی 26:47)

یسوعؑ کے پکڑنے والے اس کو کائفا نام سردار کاہن کے پاس لے گئے۔ جہاں فقیہ اور بزرگ جمع ہو گئے تھے اور سردار کاہن اور سب صدر عدالت والے یسوع کو مار ڈالنے کے لیے اس کے خلاف جھوٹی گواہی ڈھونڈنے لگے۔ مگر نہ پائی گو بہت سے جھوٹے گواہ آئے۔ (متی 26:57,59,60) (مرقس 14:43,53) (لوقا 22:47,54)

یوحنا کا بیان ہے

پس یہوداہ (مسیحؑ کا ایک مرتد شاگرد) سپاہیوں کی پلٹن اور سردار کاہنوں اور فریسیوں سے

پیادے لے کر مشعلوں، چراغوں اور ہتھیاروں کے ساتھ وہاں آیا...... اور پہلے اسے حنا کے پاس لے گئے۔ کیونکہ وہ اس برس کے سردار کاہن کائفا کا سسر تھا۔ (انجیل یوحنا 13,3:18)

ہیکل میں سردار کاہن (سب سے بڑا پروہت یا پادری) ایک ہی ہوتا تھا۔ بہت سارے نہیں، جبکہ اناجیل "سردار کاہنوں" کا ذکر بصیغہ جمع کرتی ہیں۔ یہ امر بھی واضح طور پر یہودی شریعت سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ اس لیے اناجیل کے مذکورہ واقعات غلط ہیں۔ (یہودی انسائیکلو پیڈیا مطبوعہ 1907ء جلد 7 صفحہ 166، کالم 1)

خیال رہے کہ انجیل یوحنا (31:19) کی رُو سے یہ سارا واقعہ عید فسح کی رات سے پیشتر کی رات کو ہوا تھا۔ فسح منانے کے لیے عید کی ساری رات سب یہودیوں کی ہیکل میں حاضری لازم ولابد تھی، جبکہ انجیلوں کے بیانات بتاتے ہیں کہ یروشلم کے باشندے اور ہر طبقہ کے لوگ ہیکل سلیمانی کے باہر حسب معمول شہر میں موجود تھے۔ سب کے سروں پر مسیح کو مجرم گردانے اور مصلوب کروانے کا بھوت سوار تھا۔

پس ثابت ہوا کہ انجیلوں کے مصنفین یہودی شریعت اور رسوم و روایات سے کما حقہ واقفیت نہ رکھتے تھے۔ ان کی معلومات سطحی تھیں اور سنی سنائی باتوں پر مشتمل تھیں۔ ان کی یہ لاعلمیاں مصلوبیت مسیح کے بیانات کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑتی ہیں۔

نیز انسائیکلوپیڈیا ببلیکا (کالم 2 ص 245) رقم طراز ہے مصلوبیت مسیح کی کہانی کی خواہ کتنی ہی تاریخ حیثیت مان لیں۔ جدید نقادوں کے نزدیک بالکل درست نہیں ہے۔ سچائی اور روایت کا ملغوبہ معلوم ہوتی ہے جسے جب تنقید کے ترازو پر تولا جائے تو جیسا کہ حال ہی میں ڈاکٹر برانڈ نے کہا ہے۔ متعلقہ بیانات میں سے کوئی بھی پورا نہیں اترتا۔"

مسیح کی گرفتاری کے بیان میں انجیل لوقا باب ۲۲ کی آیات 44,43 خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

> "اور آسمان سے ایک فرشتہ اس کو دکھائی دیا۔ وہ اسے تقویت دیتا تھا۔ پھر وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہو کر اور بھی دل سوزی سے دعا کرنے لگا۔ اور اس کا پسینہ گویا خون کی بڑی بڑی بوندیں ہو کر زمین پر ٹپکتا تھا۔"

علماء اور محققین کے ہاں یہ دونوں آیات جعلی اور الحاقی ہیں۔ یعنی انجیل لوقا کے مصنف نے نہیں لکھی تھیں۔ کسی اور شخص نے لکھ کر شامل کر دی تھیں۔

پادری ڈملو لکھتے ہیں۔ یہ آیات صرف انجیل لوقا میں ہیں۔ متعدد قدیم نسخے انہیں حذف کرتے ہیں۔ (تفسیر ڈملو صفحہ 767 کالم 2)

ایک دوسری تفسیر میں لکھا ہے:

"فقرات 44,43:22 مغربی متن میں نہیں ہیں۔ ممکن ہے لوقا کی اپنی لکھی ہوئی

نہ ہوں۔

(Wycliff Bible Commenary New Testament, p.1065, col.1)

تفسیر جیروم کے مطابق ''ان آیات کی سچائی کو انتہائی مشکوک سمجھا گیا ہے۔''

(تفسیر جیروم ص 717 کالم 1)

ان اہم آیات کا الحاقی ہونا بھی مصلوبیت مسیح کے کیس کو کمزور کرتا ہے اللہ پاک کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج ہمیں قرآنی فرمان وَمَاقَتَلُوْهُ وَمَاصَلَبُوْهُ کہ یہودیوں نے مسیح کو قتل کیا نہ صلیب دیا۔

(سورۃ نساء آیت 157)

کی صداقت عیسائی کتب کی زبانی ثابت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

5- عشاء ربانی

مسیح کی طرف منسوب 'عشاء ربانی' عیسائیوں کی ایک بڑی اہم بنیادی اور قدیم ترین رسم ہے۔ اس نے مختلف ادوار میں مختلف معانی اور روپ اختیار کیے۔ یہ خاص عبادت ہے۔ غیر عیسائیوں کو دیکھنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

پادری ای چرچ لکھتے ہیں: ''نیا عہد نامہ عشاء ربانی کے قواعد وضوابط کے بارے میں خاموش ہے کہ اس موقع پر صدارت کون کرے؟ یہ رسم کہاں اور کس جگہ منائی جائے' وغیرہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلی صدی میں شام کے کھانے کے آخر میں روٹی اور مے میں شریک ہونے کا رواج تھا۔ دوسری صدی کے بعد کلیسیا کی تنظیم کے تحت یہ رواج ہوگیا کہ بزرگ اس خدمت کو انجام دیں۔

میز کے سرے پر ایک خالی کرسی رکھی جاتی ہے۔ کیونکہ ان کا ایمان ہے کہ عید فسح کی کسی رات کو مسیح موعود آجائے گا۔ (تعلیم الٰہی مصنفہ جے۔ ای چرچ ترجمہ ڈبلیو ڈی چوہدری مطبوعہ 1966ء صفحات 137,136)

اکثر اتواروں اور اہم عبادات میں میدے کی ایک گول ٹکیہ اور گہرے بھورے رنگ کا مشروب پیا جاتا ہے۔ چھوٹی سی ٹکیہ ہر شخص کو ملتی ہے جسے عبادت گذار انتہائی عقیدت سے وصول کرتا ہے۔ مشروب (جسے ہمارے ہاں انگور کا شیرہ کہتے ہیں۔ مغربی اور دیگر اکثر ممالک میں شراب ہوتی ہے) جگ میں ڈالا ہوتا ہے۔ چھوٹے سے گلاس میں ذرا سا الٹ کر دیا جاتا ہے۔ پلانے سے پیشتر گلاس کو منہ کی طرف سے کپڑے کے ساتھ پونچھ دیتے ہیں۔

عیسائیوں کا بالاختلاف عقیدہ ہے کہ روٹی مسیح کے بدن اور شراب خون میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور مسیح اس مجلس میں بنفس نفیس یا روحانی طور پر حاضر ہو جاتے ہیں۔ اور یوں عشاء انسان کے گناہوں کی حقیقی قربانی بن جاتی ہے۔

قاموس الکتاب میں لکھا ہے: ''اس کی تاریخی اہمیت اس واقعہ سے ابھرتی ہے کہ مسیح خداوند

نے اپنے پکڑوائے جانے سے پیشتر رات کو فسح کھاتے ہوئے اپنے شاگردوں کو اسے منانے کا حکم دیا۔
"جب وہ کھا رہے تھے تو یسوع نے روٹی لی اور برکت دے کر توڑی اور شاگردوں کو دے کر کہا لو کھاؤ۔ یہ میرا بدن ہے۔ پھر پیالہ لے کر شکر کیا اور ان کو دے کر کہا۔ تم سب اس میں سے پیو کیونکہ یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لیے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے۔" (متی 26:26-28 (مرقس 14:22-24) (لوقا 22:19,20)

(قاموس الکتاب مصنفہ پادری ایف۔ ایس خیر اللہ مطبوعہ 1984ء صفحہ 648 کالم 2)

سورج پرستی کا مذہب متھرا ازم ایران سے اٹھا تھا۔ تیسری صدی مسیحی کے آخری 25 برسوں کے دوران دنیا بھر میں پھیل گیا۔ عیسائیت کا عروج اس کے زوال کا سبب بنا تھا۔ عیسائیت اس مذہب سے شدید متاثر ہے۔ عیسائیوں نے یہ عبادت اس سے اختیار کی تھی۔ اس مذہب میں متھرا دیوتا کی عبادت میں روٹی اور شراب کے ذریعے نجات تلاش کی جاتی تھی۔ اصل الفاظ کا ترجمہ یوں ہے جسے مندرجہ بالا وضاحتوں کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے گی۔

"متھرا دیوتا دائمی خون بہا کر اپنے پیروکاروں کو بچاتا تھا۔ صرف وہی انہیں بچا سکتا تھا۔ وہ کھانے (روٹی اور شراب) کے ذریعے اس نجات کے حقدار بنتے تھے۔"

(A Lion Handbook: The World's Religions: 1982,p.89,col.1)

انجیلیں مسیحؑ کو عشاء مناتے دکھاتی ہیں۔ جبکہ مسیح یہودی تھا۔ (انجیل متی 1:1) اور یہودیوں میں اس قسم کی کوئی رسم ریت نہیں تھی۔ اس حقیقت سے بے خبر انجیل نویسوں نے بغیر سوچے سمجھے اور خطرناک نتائج کی پرواہ کیے بغیر سورج پرستوں کی یہ عبادت مسیحؑ کی طرف منسوب کر ڈالی۔

6- بپتسمہ

بپتسمہ وہ رسم ہے جس کے ذریعے کوئی شخص عیسائی جماعت میں شریک ہو جاتا ہے۔ (پنجابی سوال و جواب شائع کردہ پنجاب رلیجس بک سوسائٹی انار کلی لاہور صفحہ 24)

بپتسمہ یا اصطباغ تین طریقوں سے دیا جاتا ہے۔

(i) پانی میں غوطہ دینے سے

(ii) پانی کو اوپر انڈیلنے سے

(iii) پانی کو اوپر چھڑکنے سے

بپتسمہ خداوند یسوع مسیحؑ کے وسیلے ہمارے گناہوں کے دھوئے جانے کا ایک نشان ہے۔
قدیم کلیسیا مثلاً بعد از وفات مسیحؑ پہلی صدی میں جسٹن شہید جیسے بزرگان نے عیسائیوں کے بیچ میں اسے ایک مشترکہ رسم کے طور پر قائم کیا ہے۔" (کتاب مقدس کے اہم عقائد مصنفہ جے بلاؤ ترجمہ میجر برکت مسیح مطبوعہ 1960ء صفحات 74,75)

عیسائیت

سے پہلے یونانی بت پرستوں میں ''باطنی مذاہب'' رائج تھے۔ جب پولوس کی کوششوں سے عیسائیت ان میں پہنچی' تو اس کا تعلق اپنی اصلیت اور بنیاد یہودیت اور تورات کی شریعت سے کٹ گیا۔ یونانیت کے سمندر میں مدغم ہوگئی۔ ایک باطنی مذہب بن کے رہ گئی۔ انہیں کے عقائد و عبادات اور رسومات اختیار کرلیں۔

انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے:

تمام باطنی مذاہب میں شامل ہونے کا طریقہ یہ تھا کہ مذہب قبول کرنے والا راز داری کا حلف اٹھاتا تھا۔ آئسس دیوتا کے مذاہب کا حلف نامہ پیرس میں محفوظ ہے۔ باطنی مذہب قبول کرنے کی رسم میں امیدوار سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرے۔ کبھی امیدوار بپتسمہ تک اپنی زندگی کے گناہوں کی کہانی کھول کر بیان کرتا عموماً یہ اس رسم کا ایک حصہ ہوتا تھا۔

عبادت گذاروں کی جماعت اعتراف کو سنتی تھی۔ یہ اعتقاد تھا کہ بپتسمہ امیدوار کے سب گناہوں کو ڈھو ڈالے گا۔ اور اس کے بعد اس کی زندگی تبدیل ہو کر بہتر طریق سے گزرے گی۔ اب وہ نجات دہندہ دیوتا کے خدمت گزاروں میں شریک ہوگیا تھا۔ بپتسمہ پانی یا آگ سے دیا جاتا۔ عجیب قسم کی رسوم ادا کی جاتیں۔ رسم میں گندھک کی مشعلیں استعمال ہوتیں۔ انہیں پانی میں ڈبو دیا جاتا۔ پھر تماشائیوں کی توقعات کے برعکس باہر نکال کر روشن کردی جاتیں۔

(دی نیو انسائیکلو پیڈیا برٹینکا مطبوعہ 1985ء جلد 24 صفحہ 705 کالم 2)

القصہ بپتسمہ یونانی بت پرستوں کی ایک مذہبی رسم تھی۔ ابراہیمؑ تورات موسیٰؑ اور انبیاء بنی اسرائیل کی تعلیم نہیں تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ یہودی بت پرست یونانیوں سے متاثر ضرور تھے۔ یونانیوں کے عادات و اطوار اختیار کرلیتے تھے۔ (Jewish Guide, p.80) یہودی کتب مقدسہ تک یونانیت سے متاثر ہیں۔ تاہم ان میں بپتسمہ کا حکم نہیں ہے۔ یہودی روایات میں بھی اس کا سراغ نہیں ملتا۔

یوحنا (حضرت یحییٰؑ) اور مسیحؑ یہودیوں کو تورات کی شریعت پر چلانے' توحید کا سبق دینے اور ان میں سے غیر شرعی رسوم کو مٹانے آئے تھے۔ نہ کہ بت پرستوں کی رسوم اپنانے' ان پر عمل کرنے اور قوم میں ان کو رائج کرنے کے لیے۔ خیال رہے کہ انجیل متی میں مسیحؑ کی طرف منسوب بپتسمہ لینے کا حکم الحاقی ہے۔ تحریف ہے۔ (تفصیلات تفسیر ڈملو وغیرہ)

عبداللہ

عہد نامۂ عتیق اور عہد نامہ جدید

بنی اسرائیل کے نبیوں اور پیغمبروں پر جو صحائف نازل ہوئے' یا الہام کے ذریعے انہوں نے ان کو دوبارہ مرتب کیا' یا اپنی یادداشتوں کے حوالے سے لکھا' یا نبیوں کے علاوہ ان کے ماننے والوں نے جو کچھ تحریر کیا' اسے ''عہد نامۂ قدیم'' یا عہد نامۂ عتیق (Old Testament) کا نام دیا گیا ہے۔

صدیوں سے یہ کتاب ان گنت انسانوں کے مطالعے میں رہی ہے۔ اس کتاب کے اثرات ہمہ گیر ہیں۔ عہد نامۂ عتیق کو اس لیے بھی ایک خاص اہمیت حاصل ہے کہ عیسائی اسے اپنی اناجیل اور مقدس کتب کے مجموعے ''عہد نامۂ جدید'' کے ساتھ منسلک رکھتے ہیں اور ان پر ایمان بھی۔ اس اعتبار سے یہ کتاب جہاں یہودیوں میں ایک طویل عرصے سے زیر مطالعہ رہی ہے' اس طرح عیسائی بھی اس کا مطالعہ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ یوں اس کتاب کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

عہد نامۂ عتیق کیا ایک الہامی کتاب ہے؟ اس کے بارے میں اب کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ عہد نامۂ عتیق کے حوالے سے یہودیوں کے ہاں الہام کا تصور بے حد ناقص اور نامکمل ہے۔ قرآن پاک نے تورات' زبور کی تصدیق کی کہ وہ الہامی کتابیں تھیں لیکن یہودیوں نے ان میں تحریف کردی۔

عیسائی آج بھی عہد نامۂ عتیق کو ایک مقدس کتاب کی حیثیت دیتے ہیں' جبکہ عیسائی علماء اور محققین نے جو کام طویل عرصے سے کیا ہے' اس سے یہی نتائج برآمد ہوتے ہیں کہ بھلے اپنی اصلی صورت میں عہد نامۂ عتیق ایک الہامی کتاب ہو لیکن اپنی موجودہ صورت میں اسے کسی طرح بھی الہامی کلام قرار نہیں دیا جاسکتا۔

عہد نامۂ عتیق کی پہلی پانچ کتابوں' پیدائش' خروج' احبار' گنتی اور استثناء کو یہودی تورات کہتے ہیں۔ اور ان پانچ کتابوں کا خالق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قرار دیتے ہیں۔ لیکن قدیم اور جدید تحقیق نے اس دعوے کو باطل قرار دیا ہے۔ یہ کتابیں دراصل عظیم انسانی دانش' فہم اور تجسس اور یادداشتوں کا مجموعہ ہیں۔ عہد نامہ عتیق کے خالق ان گنت ذہین اور غیر معمولی انسان ہیں' جنہوں نے اپنے اپنے دور کی یادداشتوں حکمت اور تاریخ کو صدیوں تک لکھا۔ یاد رہے کہ یہ اصول اس عہد نامۂ عتیق پر اطلاق کرتا ہے

جو آج دنیا میں موجود ہے اور جسے ان گنت انسان پڑھتے ہیں۔ اس وقت پوری دنیا میں عہد نامہ عتیق کے صرف تین معتبر نسخے محفوظ ہیں۔

1- یونانی نسخہ 2- عبرانی نسخہ 3- سامری نسخہ

یونانی نسخے کو ساتویں صدی عیسوی تک عیسائی معتبر تسلیم کرتے رہے۔ تب عبرانی نسخہ کو تحریف شدہ کہا جاتا تھا۔ بہرحال عہد نامہ عتیق کا یہ یونانی نسخہ آج بھی یونانی اور مشرقی کلیساؤں میں معتبر مانا جاتا ہے۔

2- عبرانی نسخہ وہ ہے جس کو یہودی بھی معتبر مانتے ہیں اور عیسائیوں کا پروٹسٹنٹ فرقہ بھی۔

عبرانی اور یونانی نسخے ہی وہ نسخے ہیں جن میں عہد نامہ عتیق کی تمام کتابیں شامل ہیں۔

سامری نسخہ صرف سات کتابوں پر مشتمل ہے اور اسے یہودیوں کا سامری فرقہ معتبر و مقدس تسلیم کرتا ہے۔

ان تینوں نسخوں میں بھی بے حد اختلافات ہیں جس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ عہد نامہ قدیم الہامی نہیں ہے۔

عبرانی نسخہ میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر طوفانِ نوح کا زمانہ 1656 سال بتایا جاتا ہے جبکہ یونانی نسخے میں حضرت آدم علیہ السلام سے طوفانِ نوح کا زمانہ 2262 برس بتایا گیا ہے اور سامری نسخہ میں یہ زمانہ 1307 برسوں پر مشتمل ہے۔

ہنری واسکاٹ نے Commentry (جلد اوّل) میں اس حوالے سے لکھا ہے کہ:

"یہودی تحریف کرنے میں کسی طرح کی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتے تھے۔ عیسائی دشمنی میں بھی انہوں نے اپنی ہی مقدس کتابوں کی تحریف کر ڈالی۔ کہا جاتا ہے کہ تورات میں یہودیوں نے تحریف 130ء میں کی ہے۔"

جدید محققین اور علماء نے تاریخی شواہد، اسناد اور آثار قدیمہ کے حوالے سے یہ ثابت کیا ہے کہ عہد نامہ قدیم ایک تاریخ ہے۔ اس کی ابتدائی پانچ کتب پر مصری تہذیب اور عقائد کی گہری چھاپ ہے۔ قدیم ترین دور کے علماء، دانشور اور فہم رکھنے والے ان گنت انسانوں نے اس کی تصنیف میں حصہ لیا ہے۔ اس اعتبار سے عہد نامہ عتیق ایک بے مثل اور منفرد کتاب ہے جس کی تخلیق ان گنت دانشوروں، علماء اور حکماء کی مرہونِ منت ہے۔ عظیم مورخین جن میں لیکی، براہنٹن جیسے محقق شامل ہیں، انہوں نے تاریخ کے حوالے سے عہد نامہ عتیق کے بارے میں یہ فیصلہ دیا ہے کہ خود یہودیوں کی اپنی تاریخ اور ان کی بد اعمالیاں اس امر کی شہادت دیتی ہیں کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ مقدس کتابوں میں تحریف کی بلکہ اصل کتابیں ناپید ہو چکی ہیں۔ لیکی نے "تاریخ اخلاق یورپ" میں لکھا ہے:

"یہود اپنی عملی زندگی میں سے زیادہ تر اور سب سے زیادہ فتنہ ساز تھے۔"

عہد نامہ عتیق میں ایک کتاب "قضاۃ" (Judges) کے نام سے ہے۔ اگر عہد نامہ عتیق کے حوالے سے اور اس کے بعد کی تاریخ کو سامنے رکھا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ "قاضیوں"

کے عہد کے بعد یہود میں سلاطین (Kings) کے دور کی ابتدا ہوئی۔ ان سلاطین میں سب سے زیادہ شہرت حضرت داؤد علیہ السلام نے پائی۔ ان کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام آئے اور حضرت سلیمان کے بعد یہود سلطنت کا زوال شروع ہوگیا۔ یہود میں نفاق پیدا ہوا' وہ ایک دوسرے سے لڑنے لگے۔ 586ق م میں بابل کے شاہ بخت نصر نے یہود کی جنوبی حکومت کو تباہ کردیا۔ اس حکومت کا پایۂ تخت یروشلم تھا' جس کی تباہی کا نوحہ عہد نامۂ عتیق میں شامل ہے اور جسے یرمیاہ نبی کے نام منسوب کیا جاتا ہے۔ یروشلم میں ہیکل سلیمانی میں حضرت سلیمانؑ نے تورات اور دیگر تبرکات کی الواح کو محفوظ کیا تھا۔ بخت نصر نے ہیکل سلیمانی کو بھی آگ لگادی۔ اس نے تمام مذہبی کتابیں جلادیں۔ جو یہودی زندہ بچے ان کو اپنے ساتھ بابل لے گیا۔

ہیکل سلیمانی کی تباہی' تورات اور مقدس تبرکات کے ضیاع کی شہادت خود عہد نامۂ عتیق (کتاب سلاطین باب24:11-17) میں ملتی ہے۔ تقریباً نصف صدی کے بعد شاہِ ایران خورش نے بابلیوں کو شکست دی تو اس نے یہودیوں کو بیت المقدس کی تعمیر کی اجازت دے دی۔ یہود کے نبیوں عزرا اور نحمیاہ کی کوششوں سے اس کی تعمیر 532ق م میں ہوئی۔ لیکن تورات اور مقدس تبرکات کا سراغ نہیں ملتا۔ سکندر اعظم کے زمانے میں یہودی ایرانی اقتدار کے زیر سایہ زندہ رہے ایرانیوں کے بعد وہ یونانیوں کے زیر حکومت رہے۔

168ق م میں انطاکیہ کا واقعہ پیش آتا ہے' جس کا ذکر عہد نامۂ عتیق میں موجود ہے کہ شاہ انٹوکس نے یروشلم فتح کیا اور اسے وہاں عہد نامہ عتیق کے جتنے نسخے ملے سب پھاڑ دیئے یا جلا دیئے۔ اور حکم دیا کہ جس سے عہد نامۂ عتیق کا کوئی نسخہ برآمد ہوگا وہ مار ڈالا جائے گا۔ کہا جاتا ہے کہ ہر مہینے یہود کی تلاشی لی جاتی اور جس سے عہد نامۂ عتیق کا کوئی نسخہ ملتا' اسے جان سے مار دیا جاتا اور نسخہ تلف کردیا جاتا۔

اس کے بعد کچھ عرصے تک یہودی حکومت پھر قائم ہوئی لیکن 70ء میں رومی حکمران ٹیٹس (Tetus) نے یروشلم کو پھر برباد کیا۔ ہیکل سلیمانی ایک بار پھر تاراج ہوا۔ اس کے بعد یہودیوں کی طویل غلامی اور ذلت کا دور شروع ہوتا ہے۔

مورخین اور محققین نے اس تاریخی پس منظر کے حوالے سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے بعد یہود کی تخریب اور بربادی اور بداعمالیوں کی سزا کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا اس کو دیکھتے ہوئے یہ کسی طور پر بھی تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے دینی صحیفے اپنی اصلی حالت میں برقرار رہے ہوں گے۔

یہودیوں کے ایک مذہبی رہنما یعنی ربی (Rabbi) یہودا نے حضرت عیسیٰؑ کے سو برس کے بعد احبار اور دوسری کتب کے احوال کو جمع کیا' جس کا نام Mishna یعنی زبانی تعلیم ہے۔ یہ گویا تورات کی تفسیر ہے۔ اصل تورات ناپید ہے اور جن کتب کو یہود تورات کہتے ہیں' وہ الہامی کلام نہیں' بلکہ انسانوں کا جمع کردہ اور عقل وفہم اور یادداشتوں پر مبنی ہے۔ ''مشنا'' کی بھی ایک تفسیر کی گئی' یعنی تفسیر کی بھی تفسیر

ہوئی اور اس کا نام گومرا (Gomra) رکھا گیا۔ ان دونوں ضخیم مجموعوں کو تالمود کا نام دیا گیا۔

”تالمود‘ بھی ایک نہیں ہے‘ ایک لاطینی اور دوسری بابلی۔ ’تالمود‘ کو یہود عہد نامہ عتیق کے بعد دوسرا درجہ دیتے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا اور ’جیوئش انسائیکلوپیڈیا‘ میں یہ تفصیل موجود ہے جس سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ تورات کا اصل نسخہ غائب اور ناپید ہو گیا ہے۔

عہد نامہ عتیق میں شامل کتابوں کے نام یہ ہیں:

پیدائش‘ خروج‘ احبار‘ گنتی‘ استثناء‘ یسوع‘ قضاۃ‘ روت‘ سموئیل (1) سموئیل سلاطین (2) سموئیل (2) تواریخ (1) تواریخ (2) عزرا‘ نحمیاہ‘ آستر‘ ایوب‘ زبور‘ امثال (سلیمان) واعظ غزل الغزلات‘ یسیناہ‘ یرمیاہ‘ نوحہ‘ حزقیل‘ دانیال‘ ہوسیع‘ یوایل‘ عاموس‘ عبدیاہ‘ یوناہ‘ میکاہ‘ ناحوم‘ حبقوق‘ حیفقاہ‘ حجی‘ زکریا‘ ملاقیا۔

عہد نامہ عتیق کی یہ کل 39 کتابیں ہیں جو یہودیوں کے علاوہ عیسائی پروٹسٹنٹ فرقے کے نزدیک بھی معتبر و مسلم ہیں لیکن رومن کیتھولک فرقے کے عہد نامہ عتیق میں کتابوں کی تعداد 39 نہیں بلکہ 46 ہے۔ رومن کیتھولک عیسائی جس عہد نامہ عتیق کو معتبر مانتے ہیں ان میں یہ کتابیں بھی شامل ہیں۔

طوبیاہ‘ یہودیت‘ حکمت‘ یسوع بن سیراخ‘ باروک مکابین (1)‘ مکابین (2)

یہود اور عیسائی ان متذکرہ بالا کتابوں کے بارے میں یہ دعوے کرتے ہیں کہ یہ کتابیں اپنی اصلی زبانوں یعنی عبرانی اور کالدی میں جھوٹی ہیں‘ اور نہ ہی یہ کتابیں اپنے اصل زمانے میں کبھی موجود تھیں۔ ربی شمعون ایلیاہ جو یہودیوں کے بڑے نامور مذہبی عالم اور محقق ہوئے ہیں‘ ان کا کہنا ہے کہ یہ جھوٹی کتابیں ہیں۔

عہد نامہ عتیق‘ صدیوں سے ساری دنیا میں‘ مختلف زبانوں میں پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ اس کتاب کی حیثیت ایک تاریخ کی ہے‘ اور ایک طویل رزمیے اور حکایت کی بھی۔ اس کتاب کے حوالے سے دنیا میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ دنیا کے ان گنت انسان اپنے عقیدے کی وجہ سے عہد نامہ عتیق کو ایک خدائی کتاب مانتے ہیں۔

عہد نامہ عتیق‘ انسانی جستجو‘ تجسس‘ فہم اور دانش کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ عہد نامہ عتیق کے حوالے سے انسانی تاریخ کا قدیم ترین دور سامنے آتا ہے۔ اس کا آغاز تو کائنات کی تخلیق کی داستان سے ہوتا ہے کہ یہ دنیا کس طرح بنی اور کس طرح بڑھی پھولی۔

اس میں خدا کے برگزیدہ پیغمبروں کے حالات ہیں‘ ان کے بارے میں حکایات ہیں۔ قدیم ترین دور کا تہذیبی منظر بھی موجود ہے۔ انسانوں کی عادات اور ان کے رسم و رواج پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

عہد نامہ عتیق میں تنوع ہے‘ انسانی تجربے کا ایک جہان آباد ہے۔ عہد نامہ عتیق نے دنیا بھر کے علوم و فنون کو متاثر کیا ہے اس کے اقوال اور تمثیلیں‘ اس کی حکایات نے ہر دور کو متاثر کیا ہے۔ علوم و

فنون کے لیے عہد نامۂ عتیق ایک لازوال سرچشمہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

'عہد نامۂ عتیق' میں اجتماعی انسانی' دانش اور حکمت کے وہ بے مثل شہہ پارے بھی ملتے ہیں جن کی مثال کوئی کتاب پیش نہیں کر سکتی۔ مذہبی اعتبار سے آج اس کی جو حیثیت ہے' اس پر تفصیل سے گفتگو ہوئی ہے۔ لیکن ایک اہم انسانی دستاویز کے حوالے سے عہد نامۂ عتیق ایک ایسی کتاب ہے جس سے ہر دور کا ہر انسان بہت کچھ حاصل کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا۔

'عہد نامۂ عتیق' کی زبان اس کا شکوہ' اس کا حسن تراجم میں بھی وہ تاثیر رکھتے ہیں کہ جو دلوں کو مسحور کر لیتی ہے۔ ''عہد نامۂ عتیق'' میں جہاں تاریخ ہے پیغمبروں کے قصے اور حکایات ہیں' وہاں سلیمان کے نام سے منسوب 'امثال' بھی ہیں جو حکمت و دانش کا بے مثل خزانہ ہیں۔ اس میں غزل الغزلات جیسی بے مثل شاعری بھی ہے۔ یرمیاہ نبی کا نوحہ بھی ہے اور رُوت' ایک عام عورت کی وفا شعاری' انسانیت دوستی اور بے مثل خدمت گزاری کی دلگداز داستان بھی۔ اس میں انسانی زندگی کا وہ سارا کرب بھی موجود ہے جو انسان اس وقت محسوس کرتا ہے جب وہ مصائب کا شکار ہوتا ہے۔

عہد نامۂ عتیق کی کتاب ''ایوب'' انسان اور خدا کا ایک ایسا مکالمہ ہے یا انسانی آلام و مصائب میں مبتلا انسان کا ایسا نقشہ ہے جو تخلیق اور تاثیر کے اعتبار سے شاید ہی اپنی مثال رکھتا ہو۔ 'عہد نامۂ عتیق' دنیا کے قدیم ترین دانشوروں' شاعروں' حکیموں' علماء اور انسانوں کا ایک عظیم اور بے مثل ورثہ ہے۔ یہ انسانی تاریخ کے آغاز سے بھی پہلے کائنات کے آغاز سے شروع ہوتا ہے اور ہزاروں برسوں تک پھیلا ہوا ہے۔ عہد نامہ عتیق کو اس اعتبار سے بھی دنیا کی عظیم کتاب کا درجہ حاصل ہے کہ جہاں ان گنت لوگ اپنے عقیدے کے تحت اسے ایک الہامی اور مقدس کتاب کی حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں۔ وہاں ایسا عقیدہ نہ رکھنے والوں کے لیے بھی یہ تاریخ اور عقل و دانش کا ایک بے مثل خزینہ ہے۔ ان گنت انسانوں کے فہم و دانش کا مجموعہ۔

عہد نامہ عتیق نے صدیوں سے انسانی اذہان کو محظوظ کیا ہے۔ وہاں ہر دور میں یہ کتاب کسی نہ کسی پہلو سے انسانوں کو متاثر کرتی رہے گی۔

عہد نامۂ جدید

عہد نامۂ جدید جسے عرف عام میں انجیل کا نام دیا گیا ہے' وہ کتاب ہے جسے دنیا بھر کے کروڑوں عیسائی اپنی مذہبی اور رہنما مقدس کتاب تسلیم کرتے ہوئے اپنے عقیدے کے مطابق اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ یقینی امر ہے کہ وہ لوگ جو اس کتاب پر مذہبی عقیدہ استوار نہیں کرتے اور نہ ہی اسے الہامی کتاب تسلیم کرتے ہیں' وہ بھی اس کتاب کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتے' کیونکہ یہ کتاب حکمت و دانش کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس سے ہر مذہب اور ہر نقطۂ خیال کا پڑھنے والا اپنے اپنے انداز میں کسب فیض کر سکتا ہے۔

عہد نامۂ جدید ستائیس (27) کتابوں پر مشتمل ہے۔ ان میں چار اناجیل ہیں۔ متی کی انجیل' مرقس کی انجیل' لوقا کی انجیل' یوحنا کی انجیل' ان چار اناجیل کے علاوہ ایک کتاب ''رسولوں کے اعمال'' ہے جس کا مصنف لوقا کو بتایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ پولوس رسول کے چودہ خطوط ہیں۔ جو رومیوں (ایک کرنتھیوں (2) گلتیوں (ایک) افسیوں (ایک) فلپیوں (ایک) کلسیوں (ایک) تھسلنیکیوں (۲) تیمتھیس (۲) ططس (ایک) فلیمون (ایک) اور عبرانیوں (ایک) کے نام خطوط ہیں۔ پولوس رسول (سینٹ پال) کے ان چودہ خطوط کے علاوہ ایک ''یعقوب کا عام خط'' ہے۔ پطرس کے دو عام خط' یوحنا کے تین خطوط اور ایک یہوداہ کا عام خط ہے۔ آخری کتاب یوحنا عارف کا مکاشفہ ہے جس میں پیشگوئیاں کی گئی ہیں اور عیسائیوں کا ایک بڑا طبقہ۔ یوحنا عارف کے مکاشفے کو الہام قرار دیتا ہے۔

عہد نامۂ جدید میں برناباس کی انجیل شامل نہیں کی گئی ہے' جس کا ذکر قدرے تفصیل سے آئے گا۔ عہد نامۂ جدید کا پس منظر اور صحیح مقام سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پولوس رسول کا کچھ ذکر کیا جائے جسے عیسائی محققین' مورخین اور مذہبی علماء ایک طرح سے عیسائیت کا بانی قرار دیتے ہیں جو آج مختلف شکلوں میں رائج ہے اور پولوس رسول کو اس کا سب سے بڑا ستون قرار دیا جاتا ہے۔ پولوس رسول کا اصلی نام شاؤل تھا۔ وہ ایک یونانی یہودی تھے۔ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ یونانی فلسفہ پر بھی عبور رکھتے تھے۔ پولوس رسول نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں دیکھا۔ وہ عیسائیوں کا جانی دشمن تھا۔ ان پر شدید ترین ظلم و تشدد روا رکھنا اسے بے حد مرغوب تھا۔ عیسائیوں کے دلوں پر اس کی دہشت سوار تھی۔ وہ اس کے نام تک سے لرزتے تھے۔ ایک دن حالت سفر میں شاؤل نے سورج کی روشنی سے بھی زیادہ روشن نور دیکھا اور اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آواز سنی کہ تو مجھے کیوں ستاتا ہے۔ شاؤل تائب ہوا اور اس نے مسیح کو اپنا نجات دہندہ تسلیم کر لیا۔ لیکن حضرت عیسیٰ کے حواری اور ماننے والے اسے اپنے گروہ میں شامل کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ ایک تو وہ اس سے خائف تھے' دوسرے وہ اسے نیک نیت تسلیم نہ کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے برگزیدہ حواری برناباس نے اس کا تعارف حواریوں اور معتقدین سے کروایا اور برناباس کی سعی سے ہی اسے قبول کیا گیا۔ مسیح کو اپنا نجات دہندہ تسلیم کر لینے کے بعد بتایا جاتا ہے کہ کم و بیش تین برس تک پولوس رسول کی سرگرمیوں کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ قرائن یہ بتاتے ہیں کہ ان تین برسوں میں پولوس رسول نے گہرا غور و خوض کیا کہ اسے عیسائیت کو کن بنیادوں پر استوار کرنا ہے۔ پولوس کو جدید عیسائیت کا بانی قرار دیا جاتا ہے' کیونکہ اس سے پہلے کی تعلیمات مسیح میں اس کی وجہ سے تحریف کا آغاز ہوا۔ پولوس رسول کے حوالے سے چند اہم حقائق خاص طور پر بڑی اہمیت کے حامل ہیں ایک زمانے میں وہ اور برناباس دونوں تبلیغ کے لیے ایک ساتھ جاتے تھے۔ وہ دونوں انطاکیہ اور ایشیائے کوچک کے کئی علاقوں میں ایک ساتھ خلوص اور جوش کے ساتھ نئے مذہب کی تبلیغ میں مصروف اور صعوبتیں برداشت کرتے رہے لیکن بعد میں ایسے گہرے مراسم کے باوجود ان دونوں کے مابین ایک معمولی سی وجہ سے اختلافات کا ایسا آغاز ہوا کہ پولوس رسول نے برناباس کو حرف غلط کی طرح

مٹادینے کی کوشش کا کامیاب آغاز کیا۔

اب ذرا یہ دیکھیے کہ یہ عہد نامۂ جدید کس ترتیب سے لکھا گیا اور مکمل ہوا۔ اناجیل اربعہ کو دراصل "خدا کا کلام" کہا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ پولوس رسول کے خطوط پہلے لکھے گئے اور اناجیل بعد میں۔ برنٹین نے "سولائزیشن آف دی ویسٹ" میں لکھا ہے:

سینٹ پال (پولوس رسول) کا خط کرنتھیوں کے نام 55ء میں لکھا گیا۔ رسولوں کے اعمال کا زمانہ تحریر 60ء سے 66ء ہے۔ مرقس کی انجیل کا سن تصنیف 65ء ہے۔ متی اور لوقا کی اناجیل 80ء اور 82ء کے درمیان لکھی گئیں، جبکہ یوحنا کی انجیل 100ء میں لکھی گئی۔

ایک اور عیسائی عالم اور محقق جیمس ڈیٹیل کا بیان بھی دیکھیے:

"عیسائیت میں فرقے پیدا ہوئے۔ ہر فرقہ خود کو مسیح کا صحیح مقلد بتاتا ہے اور اپنی تائید میں پیش گوئیاں، رسائے، اناجیل اور مکتوبات پیش کیا کرتا تھا۔ ایسی اناجیل کی تعداد 270 تک پہنچ گئی جن میں سے چار کو منتخب کیا گیا۔"

قرآن پاک میں ذکر آیا ہے اور شہادت ملتی ہے کہ اناجیل میں تحریف کی گئی جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم مسخ کر دی گئی۔ اگر عیسائیت کے بارے میں ایک عام سوال پوچھا جائے کہ عیسائیت کیا ہے تو اس کا سادہ جواب یہ دیا جائے گا کہ عیسائیت کی بنیاد تثلیث، حلول وتجسیم اور کفارے پر رکھی گئی ہے جبکہ حضرت عیسیٰ کی تعلیمات میں یہ تینوں عنصر موجود نہیں اور نہ ہی ایسا کوئی اشارہ ملتا ہے۔ دراصل یہ پولوس رسول تھا، جس نے عیسائیت کو اپنے اندازِ فکر کے مطابق اپنے سانچے میں ڈھال کر ایک مذہب بنا دیا۔ اناجیل اور عہد نامۂ جدید کے مشمولات کے بارے میں خود عیسائیوں میں ہی اختلافات و شکوک کا سلسلہ ابتدائی زمانوں میں ہی شروع ہو گیا تھا۔ سب سے زیادہ بحث یوحنا کی انجیل پر ہوتی ہے، جس کا کچھ خلاصہ پیش خدمت ہے۔

دوسری صدی عیسوی میں ہی عیسائیوں کے ایک بڑے طبقے نے یوحنا رسول کی انجیل کو ان کی تصنیف ماننے سے انکار کر دیا۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (جلد 13) میں اس پر طویل بحث وحقائق موجود ہیں۔ اصل یوحنا جو عیسیٰ علیہ السلام کے حواری تھے وہ ان پڑھ اور ماہی گیر تھے جبکہ یوحنا کی انجیل تعلیم یافتہ اور اثر ورسوخ رکھنے والے کسی بلند رتبے کی لکھی ہوئی ہے۔

فرانسیسی انسائیکلوپیڈیا میں تو یہ صاف نتیجہ نکالا گیا ہے کہ یوحنا کی انجیل دراصل خود پولوس رسول کی تصنیف ہے، جس نے اسے یوحنا کے نام سے منسوب کر دیا۔ کیونکہ یوحنا پولوس رسول کا چہیتا تھا۔ عیسائی علماء اور محققین میں سے ہلمین سٹریٹر، بشپ گورر اور ویسکاٹ جیسے عالمی شہرت یافتہ محقق یوحنا کی انجیل کو یوحنا کی تصنیف تسلیم نہیں کرتے، بلکہ پورے عہد نامۂ جدید میں تحریف کے قائل ہیں۔

اناجیل کی تعداد چار نہ تھی۔ اس کی شہادت تو خود لوقا کی انجیل سے بھی ملتی ہے۔ خود لوقا نے اعتراف کیا ہے کہ بہت سے لوگوں نے اناجیل لکھی تھیں۔ خود لوقا کا یہ حال ہے کہ اس نے حضرت عیسیٰ کو

دیکھا تک نہ تھا۔ اس نے یہ انجیل پولوس رسول کے زیر اثر لکھی۔ لوقا کی انجیل میں متی اور مرقس کی اناجیل کے مقابلے میں مواد بھی کہیں زیادہ ہے۔ یوحنا کی انجیل کا ذکر پہلے آچکا ہے اس کے بارے میں پادری برکت اللہ کہتے ہیں:

''ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ روایت کہ انجیل چہارم مقدس یوحنا ابن زبدی کی تصنیف ہے۔ صحیح نہیں ہو سکتی۔''

(قدامت و اصلیت اناجیل جلد دوم صفحہ 131)

بیشتر عیسائی علماء اور محقق اس بات پر متفق ہیں۔ یوحنا کی انجیل دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری یوحنا ابن زبدی کی نہیں، بلکہ ایک دوسرے فرد یوحنا بزرگ (Elder) کی تصنیف ہے اور عہد نامۂ جدید میں جو خطوط یوحنا کے نام سے شامل ہیں دراصل وہ بھی اسی یوحنا بزرگ کے ہیں جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کبھی نہ دیکھا تھا۔ رسولوں کے اعمال کا مصنف لوقا کو بتایا جاتا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا فیصلہ ہے، ان میں سے صرف دس خطوط پولوس رسول کے ہیں۔ چار خطوط کسی اور کے لکھے ہیں۔ (ریڈرز ڈائجسٹ اکتوبر 1966ء کی اشاعت میں ایک مضمون میں بتایا گیا ہے کہ:

''پال (پولوس رسول) کے خطوط 51ء لکھے گئے، جب ابھی اناجیل نہ لکھی گئی تھیں۔ عہد نامۂ جدید میں جو خطوط پطرس کے ہیں ان کی اصلیت بھی سامنے آچکی ہے۔ ایک تو یہ کہ پطرس ان پڑھ تھے اور پھر انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (جلد 17 مقالہ ''پیٹر'') کے مطابق۔ پطرس کا پہلا خط اس زمانے سے تعلق رکھتا ہے جب پطرس خود زندہ نہ تھے۔ گویا خط ان کے نام سے ان کی موت کے بعد تحریر کیا گیا تھا۔

تحریف و ترمیم کی بحث اور اس کے متعلق حقائق کو کچھ دیر کے لیے چھوڑ کے اب اس انجیل کی طرف آیئے جو برناباس کی انجیل کے نام سے مشہور ہے لیکن وہ عہد نامۂ جدید میں شامل نہیں۔ یہ انجیل برناباس سولہویں صدی میں پوپ اسکٹس پنجم کے خفیہ کتب خانے سے ملی تھی۔ ایک زمانے سے اس انجیل کو مٹانے کی کوشش جاری تھی۔ پوپ جیلاشش اوّل نے تو نبی کریم ﷺ کی پیدائش سے بھی کئی برس پہلے برناباس کی انجیل کے بارے میں یہ حکم صادر کیا تھا کہ اس کو پاس رکھنے والا اور اس کو پڑھنے والا مجرم سمجھا جائے گا۔ اور اس کی نجات کبھی نہ ہوگی۔ برناباس کی انجیل کی مخالفت بلاوجہ نہ تھی۔ جب پولوس رسول نے اصلی اور حقیقی عیسائی تعلیمات کو مسخ کرنا شروع کیا تو پولوس رسول اور برناباس کے درمیان اختلافات نے جنم لیا۔ برناباس، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حواری تھا۔ (اب اسے کیا کہیے کہ اناجیل میں بارہ اسماء کے بارے میں ساری اناجیل متفق نہیں بلکہ ان میں اختلاف ہے۔ اعمال اور متی کے تضادات اس کے سوا ہیں) برناباس اپنی انجیل میں ان عقائد سے انکار کرتا ہے جو دیگر اناجیل اور پولوس رسول کی تعلیمات میں ہیں۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا تسلیم نہیں کرتا۔ عہد نامہ قدیم کے صحیفوں میں جس مسیح کی آمد کی نوید دی گئی تھی۔ برناباس کی انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں میں وہ نہیں بلکہ وہ محمد (ﷺ) ہیں۔ انجیل برناباس میں حضور کا اسم مبارک محمد (ﷺ) موجود ہے۔ برناباس کی انجیل میں حضرت عیسیٰ کو

مصلوب ہوتے ہوئے بھی نہیں دکھایا جاتا' بلکہ برناباس کہتا ہے کہ وہ غدار یہودا' اسکریوتی کی صورت بدل دی گئی تھی اور اسے عیسیٰ علیہ السلام سمجھا گیا ہے۔ اسی طرح برناباس یہ بھی کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے وہ صاحبزادے حضرت اسحاق علیہ السلام نہیں تھے' بلکہ حضرت اسماعیل تھے جن کو رضائے خداوندی کے لیے قربانی کے لیے لے جایا گیا تھا جب کہ عہد نامۂ قدیم میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کو ''ذبیح اللہ'' کا مرتبہ دیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ برناباس کی انجیل کی تعلیمات دیگر اناجیل سے مختلف ہیں اور پولوس رسول کی تعلیم کی نفی کرتی ہیں۔ اسی لیے برناباس کی انجیل کو چھپانے اور مٹانے کی کوشش کی گئی اور یہاں تک کہا گیا کہ برناباس کی انجیل کسی مسلمان کی تصنیف ہے جو عیسائیوں میں تفرقہ اور انتشار پیدا کرنے کے لیے ''گھڑی'' گئی۔

یہ بحث اپنی جگہ۔ اب آیئے عہد نامۂ جدید کی طرف۔ اناجیل میں دراصل حضرت عیسیٰ کی سوانح حیات قلم بند کی گئی ہے اور تحریف اور ترمیم کے باوجود اس میں حضرت عیسیٰ کی اصلی تعلیمات کا ایک بڑا حصہ موجود ہے۔ اگرچہ اس پر بھی بعض عیسائی علماء کو خاصے اعتراضات ہیں۔ برنٹین کی کتاب ''تہذیب یورپ'' کو ایک مسلمہ حقیقی اور تاریخی مطالعہ اور کارنامہ قرار دیا جاتا ہے۔ اردو میں مولانا غلام رسول مہر نے اس کا ترجمہ کیا تھا۔ اس کا ایک اقتباس دیکھیے جو فرانس کے عظیم ناول نگار ادیب اور نوبل انعام یافتہ مصنف اناطول فرانس کے حوالے سے ہے۔ اناطول فرانس کا قول یوں ہے:

> ''یہودی عہد نامۂ قدیم کو لفظاً لفظاً درست سمجھتے ہیں۔ یہی کیفیت عہد نامۂ جدید کے متعلق عیسائیوں کی ہے۔ اگر یہ کتابیں خدا کی طرف سے ایسا ہی الفاظ کا مجموعہ ہیں تو کسی اور چیز کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اگر عہد نامۂ جدید کو اس کی موجودہ صورت میں دورِ حاضر کے اسی طور طریق پر پرکھا جائے جن کے متعلق اور مذہبی رسائل سے حاصل کردہ دستاویزوں کو پرکھا جاتا ہے تو ماہرین فن کی متفقہ رائے یہ ہے کہ متفق علیہ اناجیل کو حضرت مسیح کی زندگی کے متعلق معاصر دستاویز قرار نہیں دیا جاسکتا۔'' (تہذیب یورپ برنٹن۔ ترجمہ مولانا غلام رسول مہر)

اناجیل یقیناً خدا کا کلام نہیں ہیں۔ اگر یہ خدا کا کلام ہیں تو پھر اس کے بار بار Revised Authorised Version کیوں شائع ہوتے ہیں۔ 1948ء تک مکمل عہد نامۂ عتیق و جدید کے جو انگریزی کے تراجم ہوئے ان کو پچاس سے زائد مرتبہ Revise کیا گیا اور عہد نامۂ جدید کا صرف انگریزی ترجمہ 110 مرتبہ Revise ہو چکا ہے۔ اب رہی سہی کسر ریڈرز ڈائجسٹ والوں نے نکال دی ہے کہ وہ عہد نامۂ عتیق و جدید کی ایک تلخیص شائع کر رہے ہیں۔

تحریف کی دو نمایاں صورتیں ہیں۔ تحریف معنوی کہ اصل کو مسخ کیا جائے اور تحریف لفظی کہ الفاظ بدل دیے جائیں۔ جرمن محقق ڈاکٹر سیسل نے عہد نامۂ جدید کے چند نسخے جمع کر لیے ان کا

موازنہ اور مقابلہ کیا تو اس نے تیس ہزار اختلافات عبارت شمار کیے۔

بائبل کا جو نیا ترجمہ چند برس پہلے امریکہ سے شائع ہوا اور پاکستان کے متعدد کلیساؤں کو اس کی سرپرستی کا شرف حاصل ہے اور وہاں اسے پڑھا جاتا ہے' اس کے بارے میں پادری عنایت ایس مل لکھتے ہیں:

''اس ترجمہ کے ذریعے کلیسا میں بدعتی تعلیم رائج کی جارہی ہے۔ کلام مقدس کی بیشتر آیات خداوند مسیح کی الوہیت' کفارہ اور خداوند کے آسمان پر اٹھائے جانے کے متعلق ہیں۔ اس نئے امریکی بائبل آر ایس وی سے کسی وجہ اور تشریح کے بغیر نکال دی گئی ہیں۔

....

اپنے اس پس منظر کے باوجود ان گنت عیسائی جو پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اس کتاب کو اپنی مذہبی اور الہامی کتاب کی حیثیت سے مانتے ہیں۔ تاہم اصل انجیل مفقود ہوچکی ہے۔ عہد نامۂ جدید میں جو کچھ موجود ہے' اس میں حکمت و دانائی اور ہدایت کا خزانہ موجود ہے۔ بھلا پہاڑی کے وعظ کی تاثیر سے کون انکار کرسکتا ہے۔ عہد نامۂ جدید دنیا میں بہت زیادہ پڑھی جانے والی عظیم کتاب ہے لیکن سب سے زیادہ پڑھی جانے والی نہیں۔

جے۔ ڈبلیو۔ سی وانڈ (Wand) نے اپنی تازہ کتاب ''دی چرچ ٹوڈے'' (The Church Today) میں لکھا ہے۔

کیا یہ افسوسناک صورتِ حال نہیں کہ ہمارے کیتھولک علماء کی ایک کثیر تعداد جو ہمارے پادری بھی ہیں انہوں نے بائبل کو کبھی پورا نہیں پڑھا' حتیٰ کہ عہد نامۂ جدید کو بھی۔

❁......❁......❁

مولانا محمد تقی عثمانی

تاریخی مناظرہ

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ عیسائی مشنریوں نے ہندوستان میں اپنی اسلام دشمن سرگرمیاں تیز کر رکھی تھیں' پادری فانڈر (Rev.C.C.P. Fonder) عیسائیوں کا سرکردہ تھا' وہ جگہ جگہ اسلام کے خلاف دلخراش تقریریں کر رہا تھا' اور اس نے "میزان الحق" نامی اپنی کتاب میں جو شبہات و تلبیسات پیدا کیے تھے' ان کی وجہ سے مسلمانوں میں خوف و ہراس پیدا ہو رہا تھا' پادری علماء کی خاموشی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے تھے۔

حضرت مولانا کیرانویؒ نے محسوس فرمایا کہ اس سیلاب کا مؤثر مقابلہ اس وقت تک نہ ہو سکے گا' جب تک کہ پادری فانڈر کے ساتھ کسی مجمع عام میں ایک فیصلہ کن مناظرہ کر کے عیسائیت کی کمر نہ توڑ دی جائے' تاکہ عوام کے دلوں میں عیسائیت کا جو خوف مسلط ہونے لگا ہے وہ بالکل دُور ہو جائے' اور وہ پہچان لیں کہ دلیل و حجت کے میدان میں عیسائیت کے اندر کتنی سکت ہے؟

فانڈر سے مناظرہ

چنانچہ مولاناؒ اپنے دوست مولوی محمد امیر اللہ صاحب میر مختار راجہ صاحب بنارس کی معرفت پادری فانڈر سے ملنے تشریف لے گئے تاکہ مناظرہ کے لیے گفتگو کریں۔ پادری مکان پر نہ ملے' چنانچہ 23 مارچ 1854ء سے حضرت مولاناؒ نے پادری فانڈر سے خط و کتابت شروع کی' فانڈر شروع میں پہلو تہی کرتا رہا' بالآخر 7 اپریل 54ء کے آخری خط میں مناظرہ طے پا گیا' طرفین کے اتفاق سے ابتدائی مراحل کی تکمیل کے بعد پیر کے دن 11 رجب 1270ھ مطابق 10 اپریل 1854ء کو علی الصباح کٹرہ عبدالمسیح اکبر آباد آگرہ میں مناظرے کا پہلا اجلاس منعقد ہوا' حضرت مولاناؒ کے ساتھ جناب ڈاکٹر محمد وزیر خاں صاحب مرحوم معاون تھے' اور فانڈر کے ساتھ پادری فرنچ۔ مناظرہ کی مجلس میں پہلے دن حاکم صدر دیوانی مسٹر سمتھ' صدر صوبہ بورڈ مسٹر کرسچن سیکنڈ' مجسٹریٹ علاقہ فوج مسٹر ولیم' ترجمان حکومت مسٹر لیڈلی' پادری ولیم گلبن' مفتی ریاض الدین صاحب' منشی خادم علی صاحب مہتمم مطلع الاخبار وغیرہ بطور خاص

قابلِ ذکر ہیں۔

ان کے علاوہ تقریباً چھ سو مسلمان، عیسائی، ہندو اور سکھ موجود تھے، مناظرے کے لیے پانچ مسائل طے ہوئے تھے (1) تحریف بائبل، (2) وقوعِ نسخ، (3) تثلیث، (4) رسالت محمد ﷺ اور (5) حقانیت قرآن، اور شرط یہ طے پاوی تھی کہ اگر مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ غالب آئے تو فانڈر مسلمان ہو جائے گا، اور اگر فانڈر غالب آئے تو مولاناؒ عیسائی ہو جائیں گے۔

مناظرے کا پہلا دن

پہلے تین مسائل میں طے یہ ہوا تھا کہ مولاناؒ اعتراضات کریں گے اور فانڈر جواب دے گا، اور آخری دو مسئلوں میں برعکس صورت ہو گی، سب سے پہلے "نسخ" کے مسئلے پر بحث شروع ہوئی، مولاناؒ نے پہلے "نسخ" کی حقیقت واضح فرمائی، اور بتایا کہ مسلمانوں کے نزدیک اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کے بعد مسلمانوں کا دعویٰ معین کیا، کہ انجیل کے بعض احکام منسوخ ہیں، اور بعض منسوخ نہیں۔ فانڈر نے دونوں کی مثالیں پوچھیں، تو آپ نے بتایا کہ مثلاً انجیل میں طلاق کی ممانعت کا جو حکم ہے وہ منسوخ ہو چکا ہے، مگر انجیل مرقس باب 12 میں جو توحید کا حکم دیا گیا وہ منسوخ نہیں ہوا، اس پر فانڈر نے کہا کہ انجیل کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ انجیل لوقا باب 21 فقرہ 33 میں حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہے کہ:

"زمین و آسمان ٹل جائیں گے، مگر میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی"

مولاناؒ نے جواب دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد اپنی تمام باتوں کے لیے نہیں تھا، بلکہ خاص ان باتوں کے لیے تھا جو اکیسویں باب میں مذکور ہیں۔

فانڈر نے کہا: "لیکن الفاظ تو عام ہیں۔"

اس پر مولاناؒ نے ڈی آئلی اور رچرڈ مینٹ کی تفسیر انجیل کا حوالہ دیا، جس میں خود عیسائی علماء نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اس قول میں "میری باتیں" سے مراد وہ باتیں ہیں جو اوپر ذکر ہوئیں۔

تھوڑی سی گفت و شنید کے بعد فانڈر مولاناؒ کے اس اعتراض کا جواب نہ دے سکا اور اس نے پطرس کے پہلے خط کے باب اول فقرہ 23 کی یہ عبارت پیش کی:

"کیونکہ تم فانی تخم سے نہیں بلکہ غیر فانی سے خدا کے کلام کے وسیلے سے جو زندہ اور قائم ہے"

فانڈر نے کہا کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کا کلام ہمیشہ قائم رہے گا اور منسوخ نہ ہو گا۔

اس پر حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ بعینہٖ اسی قسم کا جملہ تورات کی کتاب یسعیاہ میں بھی مذکور ہے کہ:

"گھاس مرجھاتی ہے، پھول کملاتا ہے، پر ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم ہے"

لہٰذا اگر "کلام کے زندہ اور قائم" ہونے سے اس کا کبھی منسوخ نہ ہونا لازم آتا ہے تو آپ کو توراۃ کے بارے میں بھی یہ کہنا چاہئے کہ وہ منسوخ نہیں ہو سکتی' حالانکہ اس کے سینکڑوں احکام کو آپ خود منسوخ کہتے ہیں۔

فانڈر نے لاجواب ہو کر کہا کہ: میں اس وقت صرف انجیل کے نسخ سے بحث کر رہا ہوں"......

اس پر ڈاکٹر وزیر خاں صاحب نے کہا کہ حواریوں نے اپنے زمانے میں بتوں کی قربانی' خون' گلا گھونٹے ہوئے جانور اور حرامکاری کے سوا تمام چیزوں کو حلال کر دیا تھا' (حواریوں کا یہ فتویٰ اعمال 15:29 میں مذکور ہے) اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے انجیل کے دوسرے احکام بھی منسوخ قرار دیئے تھے' اس کے علاوہ اب آپ کے نزدیک ان چیزوں میں سے بھی صرف حرامکاری ناجائز رہ گئی ہے۔

فانڈر نے کہا کہ اصل میں ان اشیاء کی حرمت میں ہمارے علماء کا اختلاف ہے' اور ہم بتوں کی قربانی کو اب بھی حرام کہتے ہیں۔

اس پر مولانا نے فرمایا کہ آپ کے مقدس پولس نے رومیوں کے نام خط کے باب 14 فقرہ 14 میں لکھا ہے کہ:

> "مجھے یقین ہے کہ کوئی چیز بذاتہٖ حرام نہیں' لیکن جو اس کو حرام سمجھتا ہے اس کے لیے حرام ہے"

اور ططس کے نام خط کے باب اول فقرہ 15 میں بھی اس قسم کی عبارت ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام چیزیں حلال ہیں' پھر آپ انہیں حرام کیوں کہتے ہیں!

فانڈر نے زچ ہو کر کہا کہ انہی آیات کی بناء پر ہمارے بعض علماء نے ان چیزوں کو حلال کہا ہے۔

اس کے بعد مولانا رحمۃ اللہ اور ڈاکٹر وزیر خاں مرحوم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام سے نسخ کی کچھ اور مثالیں پیش کیں' آخر میں فانڈر نے یہ تسلیم کر لیا کہ انجیل کے احکام کا منسوخ ہونا ممکن ہے' البتہ نسخ کے وقوع کو تسلیم نہ کیا۔ مولانا نے فرمایا کہ فی الحال ہم آپ سے یہی چاہتے تھے کہ آپ نسخ کے امکان کو تسلیم کر لیں' رہا اس کا وقوع' سو اس کا اثبات انشاء اللہ اس وقت ہو جائے گا جب آنحضرت ﷺ کی رسالت کی بحث آئے گی۔

فانڈر نے کہا: ٹھیک ہے! اب آپ دوسرے مسئلہ یعنی تحریف کو لے لیجئے۔

تحریف کی بحث شروع ہوئی تو سب سے پہلے مولانا نے فانڈر سے پوچھا کہ: آپ پہلے یہ بتایئے کہ میں کونسی قسم کی تحریف کے شواہد پیش کروں کہ آپ اسے تسلیم کر سکیں؟"

فانڈر نے اس کا کوئی واضح جواب نہ دیا' تو مولانا نے پوچھا:

> "یہ بتایئے کہ بائبل کی کتابوں کے بارے میں آپ کا کیا اعتقاد ہے؟ کیا کتاب پیدائش سے لے کر کتاب مکاشفہ تک ان کا ہر فقرہ اور ہر لفظ الہامی اور اللہ کا

کلام ہے؟"

فانڈر نے کہا: نہیں! ہم ہر لفظ کے بارے میں کچھ نہیں کہتے، کیونکہ ہمیں بعض مقامات پر کاتب کی غلطی کا اعتراف ہے۔"

مولانا نے فرمایا! "میں اس وقت کاتب کی غلطیوں سے صرف نظر کر کے ان کے علاوہ دوسرے جملوں اور الفاظ کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں۔"

فانڈر نے کہا: "میں ایک ایک لفظ کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

اس پر مولانا نے کہا کہ "مورخ یوسی بیس نے اپنی تاریخ کی چوتھی کتاب کے اٹھارہویں باب میں لکھا ہے کہ جسٹس شہید نے طریفون یہودی کے مقابلے میں بعض بشارتوں کی عبارتیں نقل کر کے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہودیوں نے بائبل کے عہد نامۂ قدیم سے یہ بشارتیں ساقط کر دی تھیں۔"

یہ کہہ کر مولانا نے واٹسن ج 3، ص 32 اور تفسیر ہورن ج 4 ص 62 کے حوالے بھی دکھائے کہ اس میں بھی جسٹن کا یہ دعویٰ مذکور ہے، اور آئرینوس، کریب سلپر جیس، وائی ٹیکر اور کلارک نے بھی جسٹن کی تصدیق کی ہے۔

اس کے بعد مولانا نے فرمایا: اب بتایئے کہ جسٹن نے جو یہ بشارتیں ذکر کی تھیں، اور ان کے کلام الٰہی ہونے کا دعویٰ کر کے یہودیوں پر انہیں مٹانے کا الزام لگایا تھا، اس معاملے میں وہ سچا تھا یا جھوٹا؟ اگر سچا تھا تو ہمارا دعویٰ ثابت ہو گیا کہ یہودیوں نے تحریف کی ہے، اور اگر جھوٹا تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جسٹن جو آپ کا اتنا بڑا عالم ہے، اپنی طرف سے چند جملے گھڑ کر انہیں خدا کا کلام ثابت کر رہا تھا"

اس پر فانڈر نے کہا کہ: "جسٹن ایک انسان تھا، اس سے بھول ہو گئی"

مولانا نے فرمایا: "ہنری واسکاٹ کی تفسیر کی جلد اول میں تصریح ہے کہ آگسٹائن بھی یہودیوں کو یہ الزام دیا کرتا تھا کہ انہوں نے اکابر کی عمروں میں تحریف کی، اور اس طرح عبرانی نسخے کو بگاڑ دیا، اس کے علاوہ تمام متقدمین اس معاملے میں آگسٹائن کے ہم نوا تھے، اور مانتے تھے کہ یہ تحریف واقع ہوئی تھی"

فانڈر نے جواب دیا: "ہنری اور واسکاٹ کے لکھنے سے کیا ہوتا ہے؟ یہ دونوں مفسر تھے، اور ان کے علاوہ سینکڑوں نے تفسیریں لکھی ہیں۔"

مولانا نے فرمایا: "مگر یہ دونوں اپنی رائے نہیں لکھ رہے، بلکہ جمہور علمائے متقدین کا مذہب بیان کر رہے ہیں۔"

فانڈر نے کہا: "یسوع مسیح نے انجیل یوحنا 5:46 و لوقا 24:27، 16:31 میں عہد نامہ قدیم کی حقانیت کی شہادت دی ہے، اور یسوع مسیح سے بڑھ کر کسی کی شہادت نہیں ہو سکتی"

ڈاکٹر وزیر خان نے کہا: "تعجب ہے کہ آپ اسی کتاب سے استدلال کر رہے ہیں جس کی اصلیت میں سارا جھگڑا ہے، جب تک بائبل کی اصلیت ثابت نہ ہو جائے آپ اس کی کسی عبارت سے

اسی کی اصلیت پر کیسے استدلال کر سکتے ہیں؟ اور اگر فرض کیجئے اس وقت ہم اس پہلو سے قطع نظر بھی کر لیں تو اناجیل کی جو عبارتیں آپ نے پیش کی ہیں ان کے بارے میں محقق پیلی اپنی کتاب مطبوعہ لندن 1850ء کی قسم سوم اور باب سوم میں اقرار کرتا ہے کہ ان عبارتوں سے اس سے زائد کچھ ثابت نہیں ہوتا کہ عہد قدیم کی یہ کتب یسوع مسیح کے وقت موجود تھیں' لہٰذا ان سے کتب عہد قدیم کی حرف بحرف اصلیت ثابت نہیں ہوتی۔"

فانڈر نے کہا: "اس معاملے میں ہم پیلی کی بات نہیں مانتے۔"

مولانا نے فرمایا: "اگر آپ پیلی کی بات نہیں مانتے تو ہم آپ کی بات نہیں مانتے' ہمارے نزدیک پیلی کا کہنا درست ہے۔"

تھوڑی سی بحث و تمحیص کے بعد فانڈر نے کہا:

"میں نے تورات کی اصلیت کے لیے انجیل سے استدلال کیا ہے' اگر آپ انجیل کو درست نہیں سمجھتے تو انجیل کی تحریف ثابت کیجئے۔"

ڈاکٹر وزیر خان نے کہا:

"اگرچہ آپ کی یہ بات اصول کے خلاف ہے' کہ آپ انجیل سے استدلال کریں' تاہم اگر آپ انجیل کی تحریف کے دلائل سننا چاہتے ہیں تو سنئے"

یہ کہہ کر ڈاکٹر صاحب نے انجیل اٹھائی' اور انجیل متی 17:1 پڑھنی شروع کی' جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کے نسب نامے کے سلسلے میں کئی فحش غلطیاں ہیں۔

فانڈر نے یہ سن کر کہا: "غلطی اور چیز ہے اور تحریف دوسری چیز۔"

ڈاکٹر صاحب نے کہا: "اگر انجیل پوری الہامی ہے تو اس میں غلطی کی کوئی گنجائش نہ ہونی چاہیے' لہٰذا اگر اس میں کوئی غلطی پائی جاتی ہے تو لازماً وہ تحریف کا نتیجہ ہوگی۔"

فانڈر نے کہا: "تحریف صرف اس وقت ثابت ہوسکتی ہے کہ آپ کوئی ایسی عبارت دکھلائیں کہ جو پرانے نسخوں میں نہ ہو' اور موجودہ نسخوں میں موجود ہو۔"

اس پر ڈاکٹر صاحب نے یوحنا کے پہلے خط باب 5 فقرہ 7' 8 کا حوالہ دیا۔ (1)

فانڈر نے کہا: "ہاں! اس جگہ تحریف ہوئی ہے' اور اسی طرح دوسرے ایک دو مقامات پر بھی۔"

دیوانی عدالت کا صدر جج سمتھ جو پادری فرنچ کے برابر میں بیٹھا تھا' جب اس نے یہ سنا تو اس نے پادری فرنچ سے انگریزی میں پوچھا:

"یہ کیا بات ہے؟"

فرنچ نے جواب دیا:

"ان لوگوں نے ہورن وغیرہ کی کتابوں سے چھ سات مقامات نکالے ہیں' جن میں تحریف کا اقرار موجود ہے۔"

اس کے بعد فرنچ نے ڈاکٹر وزیر خان صاحب سے کہا:

''پادری فانڈر بھی اعتراف کرتے ہیں کہ سات آٹھ مقامات پر تحریف ہوئی ہے۔''

اس پر بعض مسلمانوں نے ''مطلع الاخبار'' کے مہتمم سے کہا کہ آپ کل کے اخبار میں پادری صاحب کا یہ اعتراف شائع کر دیں، تو فانڈر بولا:

''ہاں! شائع کر دیں، مگر اس قسم کی معمولی تحریفات سے بائبل کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، خود مسلمان انصاف کے ساتھ اس کا فیصلہ کر لیں۔''

یہ کہہ کر وہ مفتی ریاض الدین صاحب کی طرف دیکھنے لگا، تو مفتی صاحب نے فرمایا:

''اگر کسی وثیقے میں ایک جگہ جعل ثابت ہو جائے تو وہ قابلِ اعتماد نہیں رہتا، اور آپ تو سات آٹھ جگہ تحریف کا اعتراف کر رہے ہیں، اس بات کو جج صاحبان اچھی طرح سمجھیں گے۔''

یہ کہہ کر مفتی صاحب نے سول جج سمتھ کی طرف دیکھا، مگر سمتھ خاموش رہا، تو مفتی صاحب نے فرمایا:

''دیکھیے! مسلمانوں کا دعویٰ یہی تو ہے کہ بائبل کو یقینی طور پر اللہ کا کلام نہیں کہا جا سکتا اور آپ کے اعتراف سے بھی یہی بات ثابت ہوئی ہے۔''

اس پر فانڈر نے کہا: ''اجلاس کا وقت آدھا گھنٹہ زائد ہو چکا ہے باقی بحث کل ہو گی۔''

مولانا رحمت اللہ صاحبؒ نے فرمایا:

''آپ نے آٹھ جگہ تحریف کا اعتراف کیا ہے، ہم کل انشاء اللہ پچاس ساٹھ مقامات پر تحریف ثابت کریں گے، لیکن تین باتوں کا خیال رکھئے، ایک تو یہ کہ ہم آپ سے بائبل کے بعض صحیفوں کی سندِ متصل کا مطالبہ کریں گے، وہ آپ کو بیان کرنی ہو گی، دوسرے ہم جن پچاس ساٹھ مقامات پر تحریف ثابت کریں گے، آپ کے ذمے لازم ہو گا کہ یا ان کی تحریف کو تسلیم کریں، یا اس میں کوئی تاویل کریں، تیسرے جب تک ان مقامات کی تحریف کی بحث ختم نہ ہو جائے، آپ بائبل کی کسی عبارت سے استدلال نہیں کریں گے۔''

فانڈر نے کہا: ''ہمیں یہ شرطیں منظور ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ آپ یہ بھی بتلائیں کہ آپ کے نبیؐ کے زمانے میں انجیل کونسی تھی؟

مولاناؒ نے فرمایا: ''یہ شرط منظور ہے، ہم انشاء اللہ کل یہ بتا دیں گے۔''

ڈاکٹر وزیر خان بولے: ''اگر آپ فرمائیں تو یہ بات مولانا ابھی بتا دیں؟''

فانڈر نے کہا: ''نہیں! اب دیر ہو گئی ہے، کل ہی سنیں گے۔''

اس پر پہلے دن کی نشست برخاست ہوگئی۔

مناظرے کا دوسرا دن

پہلے دن کے مناظرے کی شہرت دُور دُور تک پھیل چکی تھی' اس لیے دوسرے دن حاضرین کی تعداد ایک ہزار سے زائد تھی' انگریز حکام' عیسائی' ہندو' سکھ اور مسلمان عوام بھی کافی تعداد میں آئے تھے۔

اس دن کی بحث میں سب سے پہلے فانڈر نے ایک طویل تقریر میں قرآن کریم کی بعض آیات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے تک انجیل اپنی اصل شکل میں محفوظ تھی' اور قرآن نے اسی پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے' لیکن مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ اور ڈاکٹر وزیر خاں صاحب مرحوم نے نہایت معقول اور مدلل جوابات دے کر ان کے تمام دلائل پر پانی پھیر دیا' اور اس کے بعد پہلے دن کی طرح بائبل کے بہت سے مقامات پر تحریف ثابت کی' بالآخر فانڈر اور فرنچ نے کہا کہ یہ تمام غلطیاں کاتب کا سہو ہیں' اور ہم اسے تسلیم کرتے ہیں' لیکن ان غلطیوں سے ''متن'' کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا''

حاضرین نے پوچھا: ''متن'' سے آپ کا کیا مطلب ہے؟''

فانڈر نے کہا: ''وہ عبارتیں جن میں تثلیث' الوہیت مسیحؑ' کفارہ' اور شفاعت کا بیان ہے۔''

مولانا نے فرمایا: یہ بات ناقابلِ فہم ہے کہ جب اتنے سارے مقامات پر آپ تحریف کا اعتراف کر چکے ہیں' تو اب اس کی آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ (بقول آپ کے) ''متن'' ان تحریفات سے محفوظ رہا ہے۔''

فانڈر نے کہا؟ اس لیے کہ خاص ان عبارتوں کے محرف ہونے پر کوئی دلیل ہونی چاہئے' اور وہ صرف اس وقت ثابت ہو سکتی ہے کہ آپ کوئی قدیم نسخہ دکھلائیں' جس میں تثلیث وغیرہ کا عقیدہ مذکور نہ ہو۔''

مولانا نے فرمایا: ''آپ نے جن تحریفات کا اعتراف کیا ہے ان سے یہ پوری کتاب مشکوک ہو چکی ہے' اب اگر کسی عبارت کے بارے میں آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ یقیناً اللہ کا کلام ہے' تو اسے اللہ کا کلام ثابت کرنے کی دلیل آپ کے ذمہ ہے۔

فرنچ نے کہا: آپ نے بائبل کے جن مفسرین کے حوالہ سے تحریف ثابت کی ہے' وہی مفسرین یہ کہتے ہیں کہ تثلیث وغیرہ کے عقائد تحریف سے محفوظ رہے ہیں۔

مولانا نے فانڈر سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''آپ نے ابھی تفسیر کشاف اور تفسیر بیضاوی کے حوالے دیئے تھے نا؟''

فانڈر نے کہا: ''جی ہاں!''

مولانا نے فرمایا: ''انہی مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ انجیل میں تحریف ہوئی ہے' محمد ﷺ اللہ

کے رسولؐ ہیں، اور آپؐ کے منکر کافر ہیں، کیا ان کی یہ باتیں بھی آپ مانتے ہیں!"

فانڈر نے کہا: "نہیں!"

مولاناؒ نے فرمایا: "اسی طرح ہم آپ کے علماء کی یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ بائبل میں اتنی ساری تحریفات کے باوجود عقیدۂ تثلیث وغیرہ تحریف سے یقینی طور پر محفوظ ہے، اصل بات یہ ہے کہ ہم نے آپ کے علماء کے اقوال الزامی طور سے نقل کیے تھے، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ ہم ان کی ہر بات تسلیم کرتے ہیں۔"

فانڈر نے کہا: "بہرحال: عقیدۂ تثلیث وغیرہ میں تحریف نہیں ہوئی، اور اس میں کوئی نقص واقع نہیں ہوا، اس لیے جب تک آپ اس بات کو نہیں مانیں گے، میں آگے بحث نہیں کروں گا، کیونکہ تثلیث کے عقیدے میں ہم بائبل ہی سے استدلال کرتے ہیں۔"

حاضرین میں سے مولانا فیض احمد نے کہا: "یہ عجیب بات ہے کہ آپ ایک کتاب کے اتنے بڑے حصے میں تحریف کا اقرار کرتے ہیں، اس کے باوجود آپ کو اس پر بھی اصرار ہے کہ اسے بے نقص مانا جائے۔"

اس پر بحث ختم ہوگئی، اور فانڈر تیسرے دن مناظرے کے لئے نہیں آیا، اس کے بعد پہلے ڈاکٹر وزیر خاں صاحب مرحوم اور اس کے بعد حضرت مولاناؒ سے اپریل 1854ء تک اس کی کافی طویل خط و کتابت رہی، مگر زبانی مناظرے کی طرح قلمی بحث میں بھی وہ اپنی ہٹ دھرمی پر جما رہا، اور ان حضرات کے اتمامِ حجت کر دینے کے باوجود اپنی ضد پر قائم رہا، یہ تحریری بحث بھی مناظرے کی مطبوعہ روداد میں موجود ہے، جو "مباحثہ مذہبی" اور "مراسلات مذہبی" کے نام سے سید عبداللہ صاحب اکبر آبادی نے منشی محمد امیر صاحب کے اہتمام سے مطبعۂ منعمیہ اکبر آباد 1271ھ میں چھپوایا، پہلا حصہ فارسی میں تقریری مناظرے کی روداد ہے، اور دوسرے حصے میں ڈاکٹر محمد وزیر خان صاحب مرحوم اور پادری فانڈر کا تحریری مناظرہ اردو میں ہے، اور اس کا عربی ترجمہ اظہار الحق کے بہت سے نسخوں میں حاشیے پر چھپا ہوا ہے۔

اس مناظرے کی عالمگیر شہرت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ مکہ مکرمہ کے شیخ رفاعی خولی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

> "میں نے اس مناظرے کا حال مکہ معظمہ میں اُن بے شمار لوگوں سے سنا، جو اس مناظرے کے بعد حج کے لیے آئے، یہاں تک کہ یہ بات تواترِ معنوی کی حد تک پہنچ گئی کہ پادری فانڈر اس میں مغلوب ہوا تھا۔"

حوالہ جات

1- ان آیات کی عبارت عربی ترجمہ مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی پریس 1956ء و کیتھولک بائبل ناکس ورژن (انگریزی) مطبوعہ میکملن لندن 1963ء و کنگس جیمس ورژن مطبوعہ بائبل سوسائٹی نیویارک 1958ء میں اس طرح ہے:

''آسمان میں گواہ تین ہیں' باپ' کلمہ اور روح القدس' اور یہ تین ایک ہیں' اور زمین کے گواہ تین ہیں' روح' پانی اور خون' اور تینوں متفق ہیں۔''

اس میں خط کشیدہ عبارت تمام علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک الحاقی ہے' یعنی کسی نے اپنی طرف سے بڑھا دی ہے' کرلیباخ اور شولز اس کے محرف ہونے پر متفق ہیں' اور ہورن نے اسے کاٹ ڈالنے کا مشورہ دیا ہے' چنانچہ اردو ترجمہ بائبل مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور 1959ء اور جدید انگریزی ترجمہ مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس 1961ء میں یہ جملہ ساقط کر دیا گیا۔ (تقی)

ثروت اصمعی

ایک دلچسپ مناظرے میں امریکی بشپ کی شکست

کیا بائبل کلامِ الٰہی ہے؟ کے موضوع پر دلچسپ علمی مناظرے کا آغاز' جس کی دھوم ہفتوں سے مچی ہوئی تھی' 3 نومبر کو شام ساڑھے چھ بجے لوئزیانا یونیورسٹی کی سب سے بڑی سماعت گاہ میں ہوا۔ وقت مقررہ تک' ہزاروں عیسائیوں' مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے ماننے والے حاضرین سے اجتماع گاہ کھچا کھچ بھر چکی تھی۔

جمی سواگرٹ چونکہ امریکہ کا بشپ اعظم اور مبلغ ہے' کئی کتابوں کا مصنف ہے' مناظرے اور گفتگو کے فن کا ماہر ہے' ہر اتوار کو تین گھنٹے امریکی ٹیلی ویژن پر اس کا پروگرام نشر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ذہنوں پر اس کی علمیت اور لیاقت کا سحر طاری ہے۔ اس لیے عام تاثر یہ تھا کہ شیخ دیدات کے لیے یہ مقابلہ نہایت کٹھن ثابت ہوگا۔ یہی سبب تھا کہ عیسائی سامعین بہت پر اعتماد اور مطمئن نظر آ رہے تھے۔ اپنا اپنا موقف پیش کرنے کے لیے مناظرین میں سے ہر ایک کے لیے 30 منٹ کا وقت مقرر تھا۔

مناظرے کا آغاز جمی سواگرٹ نے جارحانہ انداز میں ان الفاظ سے کیا کہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ نہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور نہ محمدؐ اللہ کے نبی ہیں۔'' اس کے ساتھ ہی اس نے یہ اعتراف بھی کیا کہ اسلام کے بارے میں اس نے بہت زیادہ نہیں پڑھا ہے' اور اس معاملے میں اس کی معلومات سطحی نوعیت کی ہیں۔ اس طرح بیک وقت جارحانہ اور دفاعی انداز اختیار کرتے ہوئے وہ اصل موضوع پر آیا یعنی یہ کہ ''بائبل اللہ کا کلام ہے یا نہیں؟'' شیخ دیدات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا:

''میں نے اِس شخص کی کتاب پڑھی جس کا نام ہے ''کیا بائبل کلامِ الٰہی ہے؟'' مجھے توقع تھی کہ اس میں مضبوط دلائل کی بنیاد پر بات کی گئی ہوگی' لیکن معاملہ اس کے برعکس نکلا۔ اس کے بعد اس نے عیسائیوں کے نقطۂ نظر سے انجیل کے کلامِ الٰہی ہونے کے حق میں بعض دلائل اور اپنی تائید میں چند آراء پیش کیں۔ پھر اس نے شیخ دیدات کی مذکورہ بالا کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اس میں کہا گیا ہے کہ بائبل پہلی بار شاہ جیمز کے زمانے میں 1611 میں طبع ہوئی اور یہ اپنے سے پہلے کی بائبلوں سے مختلف تھی۔ اس موقع پر بائبل کے تمام سابقہ نسخے نذرِ آتش کر دیے گئے۔ سواگرٹ نے کہا کہ یہ بیان

گمراہ کن ہے۔ موجودہ انجیل بالکل درست ہے اور شاہ جیمز نے اس کا صحیح ترین نسخہ طبع کرایا تھا۔

اس کے بعد اس نے کوئی علمی دلیل دینے کے بجائے عیسائی سامعین کی نفسیات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا کہ:

"حاضرین کرام! اگر انجیل واقعی اللہ کا کلام نہیں ہے جیسا کہ اس شخص کا دعویٰ ہے تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ دنیا کے کروڑوں عیسائی تباہ و برباد ہوگئے اور گرد و غبار بن کر ہوا میں اُڑ گئے۔"

اس کے بعد اس نے حضرت عیسیٰ کے "ابن اللہ ہونے کے عیسائی عقیدے کا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ: مسیح اللہ کے بیٹے ہیں اور اس معاملے میں بالکل منفرد ہیں۔ وہ فرشتوں کو حکم دیا کرتے تھے۔"

جمی سواگرٹ نے اس مرحلے پر جارحانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا:

"اے مسلمانو! اگر تم کہتے ہو کہ بائبل اللہ کا کلام نہیں ہے تو ہم بھی کہتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ خود تمہارے ہاں یہ روایات موجود ہیں کہ قرآن سات طریقوں پر نازل ہوا ہے جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور موجودہ قرآن وہ ہے جو عثمان بن عفان کے عہد میں لکھا گیا اور ان کے حکم پر اُس وقت موجود قرآن کے تمام نسخے نذرِ آتش کر دیئے گئے۔" اس نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ آج قرآن کے مختلف ترجمے مسلمانوں میں رائج ہیں۔ امریکہ میں انگریزی کا سب سے مشہور ترجمہ یوسف علی کا ہے اس کے علاوہ مارماڈیوک پکتھال کا ترجمہ بھی رائج ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں میں بھی ایک نہیں بلکہ مختلف قرآن موجود ہیں۔"

وقت پورا ہو جانے کے سبب اس مرحلے پر سواگرٹ کا بیان ختم ہوگیا۔

اب شیخ دیدات کی باری آئی جو اپنے ساتھ بائبل کے دس مختلف اور عیسائیوں کی جانب سے بیک وقت درست قرار دیئے جانے والے نسخے لے کر آئے تھے اور اپنے سامنے رکھ کر بیٹھے تھے۔ انہوں نے اپنی گفتگو کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کیا اور پھر قرآن کی آیت پڑھی:

> فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عنداللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا فویل لھم مما کتبت ایدیھم وویل لھم مما یکسبون (البقرہ: 79)
>
> ("پس ہلاکت اور تباہی ہے اُن لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھ سے شرع کا نوشتہ لکھتے ہیں، پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے تاکہ اس کے معاوضے میں تھوڑا سا فائدہ حاصل کرلیں۔ ان کے ہاتھوں کا یہ لکھا بھی ان کے لیے تباہی کا سامان ہے، اور ان کی یہ کمائی بھی ان کے لیے موجب ہلاکت۔")

شیخ دیدات نے عربی میں یہ آیت پڑھنے کے بعد انگریزی میں اس کا ترجمہ بیان کیا جو "کیا بائبل کلامِ الٰہی ہے؟" نامی اُن کی کتاب میں اصل عربی متن کے ساتھ درج ہے۔ پھر کہا کہ بہتر ہوگا کہ

ہم ابتداء میں اپنی گفتگو کی کچھ بنیادیں متعین کر لیں، پھر ان کے ذریعے کسی نتیجے تک پہنچنے کی کوشش کریں۔ انہوں نے کہا کہ وہ بنیادی باتیں یہ ہیں:

کسی مسلمان کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہوتا جب تک کہ وہ تمام انبیاء و رسل اور ان کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی معجزانہ پیدائش پر یقین نہ رکھتا ہو۔

عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان بہت سے عقائد مشترک ہیں، ان کے درمیان اصل اختلاف حضرت عیسیٰ کی معجزانہ پیدائش کی تفصیلات اور انہیں خدا کا بیٹا قرار دینے کے بارے میں ہے۔

ان بنیادی امور کو بیان کرنے کے بعد شیخ دیدات نے قرآن کے مختلف نسخوں کے بارے میں جمی سواگرٹ کے دلائل کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ قرآن تمام مسلمانوں کے درمیان ایک ایک حرف کی صحت کے ساتھ متفق علیہ ہے اور وہ آج بھی ٹھیک اُن ہی الفاظ میں اور اُسی عربی زبان میں دنیا بھر میں موجود ہے جس میں وہ نازل ہوا تھا۔ قرآن کے سات قرأتوں پر نازل ہونے سے مراد وہ مختلف لہجے ہیں، جو اہلِ عرب میں رائج تھے۔ الفاظ کا اختلاف نہ پہلے کبھی تھا نہ آج ہے۔ آج جو قرآن مسلمانوں کے درمیان موجود ہے، وہ ٹھیک وہی نسخہ ہے جو اللہ کی طرف سے حضرت محمد ﷺ کو بذریعہ وحی عطا کیا گیا تھا۔ یہی نسخہ حضرت عثمانؓ کے دور میں مروج تھا اور اسلامی ریاست میں مسلسل وسعت کی بناء پر قرآن میں ترمیم و اضافے کے خدشے کا سدباب کرنے کے لیے ان لاکھوں صحابہ کی موجودگی میں، جن کی زندگیوں میں قرآن نازل ہوا، حضرت عثمان نے ان کے مشورے سے ایک معیاری نسخہ تیار کرا کے اس کی نقول تمام مفتوحہ علاقوں میں تقسیم کرائیں تا کہ وہ اپنی اصل شکل میں محفوظ رہے۔ شیخ دیدات نے مزید کہا کہ جہاں تک انگریزی اور دوسری زبانوں میں قرآنِ کریم کے تراجم کا تعلق ہے تو یہ اصل قرآن نہیں قرآن کے معانی کا ترجمہ ہے۔ تمام مسلمان اصل قرآن ٹھیک ان ہی الفاظ میں جن میں وہ نازل ہوا، عربی زبان میں پڑھتے ہیں۔ جو لوگ عربی جانتے ہیں وہ اس سے براہِ راست استفادہ کرتے ہیں، جو عربی نہیں جانتے وہ اپنی زبانوں میں قرآن کے تراجم کے ذریعے الفاظ قرآنی کے معانی سے واقفیت حاصل کرتے ہیں۔ اس لیے یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ مسلمانوں میں قرآن کے مختلف نسخے رائج ہیں۔

اب شیخ دیدات نے حضرت عیسیٰ کے "ابن اللہ" ہونے یا نہ ہونے کے مسئلے کو چھیڑتے ہوئے کہا کہ میں گزشتہ چالیس برس کے دوران بہت سے پادریوں اور عیسائی علماء سے پوچھ چکا ہوں کہ مسیح "ابن اللہ" یا "ابن المولود للہ" یعنی خدا کے بیٹے تھے یا "صنع اللہ" یعنی خدا کے تخلیق کردہ تھے۔ اس سوال کا جواب مجھے ہمیشہ یہ ملا کہ مسیح "ابن المولود للہ" تھے "صنع اللہ" نہیں تھے۔

انہوں نے کہا کہ یہ جواب پانے کے بعد میں ہمیشہ یہ پوچھتا رہا کہ "دونوں کے معنی میں کیا فرق ہے؟ لیکن کوئی بھی جواب دینے کے لیے اپنا منہ کھولنے کی ہمت نہیں کر سکا لیکن آج یہ امریکی پادری کہتا ہے کہ مسیح "ولد اللہ" تھے، جبکہ یہ بات صریحاً اللہ کی شان کے خلاف ہے۔ توالد و تناسل وہ افعال ہیں جنہیں انسان اور حیوان انجام دیتے ہیں۔ اللہ رب العالمین خالق اور صانع ہے۔ وہ تخلیق اور صناعی کا کام

انجام دیتا ہے۔ توالد وتناسل کے وظائف کو اللہ سے منسوب کرنا اس کی شان میں کھلی گستاخی اور بے ادبی ہے' اس حیوانی فعل کو اللہ سے کس طرح نسبت دی جاسکتی ہے؟

سواگرٹ کے اٹھائے ہوئے سوالوں کا جواب دینے کے بعد شیخ دیدات مناظرے کے اصل موضوع پر آئے۔ اپنے سامنے رکھے ہوئے بائبل کے دس مختلف نسخوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ تمام نسخے اپنے مندرجات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور بیک وقت مروّج ہیں' اب ہمیں بتایا جائے کہ ان میں سے ہم کسے سچا تسلیم کریں؟

انہوں نے مزید کہا کہ بائبل پہلی بار بادشاہ جیمز اوّل کے عہد میں 1611ء میں طبع ہوئی اور اس موقع پر اس سے پہلے کی بائبلوں کے تمام نسخے جس میں رومن اور یونانی زبانوں کے قدیم نسخے بھی شامل تھے نذرِ آتش کر دیئے گئے اور اب ان میں سے کچھ بھی موجود نہیں ہے۔ شیخ دیدات نے کہا کہ اگر معاملہ یہیں تک رہتا تب بھی غنیمت تھا لیکن اس کے بعد بھی بائبل میں ترامیم واضافے کا سلسلہ بڑے پیانے پر جاری رہا' چنانچہ 1952ء اور پھر 1972ء میں بائبل کے نئے اصلاح شدہ ایڈیشن منظر عام پر آئے۔ اب ہمیں بتایا جائے کہ ہم ان میں سے کسے درست سمجھیں؟ جب ہم ان مختلف انجیلوں کی طرف رجوع کرتے ہیں تو یہ ہمیں شدید باہمی اختلافات اور تضادات سے پُر نظر آتی ہیں' اس لیے آخر ہم ان میں سے کس کو اللہ کا کلام قرار دیں؟

اس موقع پر شیخ دیدات نے یہ وضاحت بھی کی کہ بائبل سے عیسائیوں کے نزدیک وہ کتاب مراد ہے جو تورات اور انجیل دونوں کا مجموعہ ہے اور کتاب کے یہ دونوں حصے بالترتیب عہد نامۂ قدیم اور عہد نامۂ جدید کہلاتے ہیں۔

اس کے بعد شیخ دیدات نے عملی دلائل دیتے ہوئے کہا کہ بائبل میں تین قسم کا کلام موجود ہے ایک تو وہ جو بظاہر خدا کے الفاظ پر مشتمل معلوم ہوتا ہے۔ دوسرا وہ جو حضرت عیسیٰ کی جانب سے اپنے شاگردوں سے کی جانے والی گفتگو' انہیں دی جانے والی تعلیم اور ان کی طرف سے بیان کی جانے والی مثالوں اور حکایات پر مبنی ہے۔ تیسری قسم کا کلام وہ ہے جو کسی تیسرے شخص' کسی راوی یا کسی مورخ کا بیان نظر آتا ہے اور اسے کسی طرح بھی اللہ یا حضرت عیسیٰ کا کلام قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس کے باوجود دعویٰ کیا جاتا ہے کہ بائبل اللہ کا کلام ہے۔ جبکہ ہم مسلمانوں کے ہاں تینوں قسموں کے یہ کلام الگ الگ محفوظ ہیں' اللہ کا کلام قرآن کی شکل میں' رسول کی ہدایات وتعلیمات مجموعہ ہائے احادیث کی صورت میں اور راویوں اور مورخوں کے بیانات تاریخ کی کتابوں میں مدوّن ہیں۔

اب اپنی گفتگو کو سمیٹتے ہوئے شیخ دیدات نے کہا کہ اس کتاب میں جو بائبل کہلاتی ہے' ایسی ایسی شرمناک عبارتیں موجود ہیں جنہیں کسی طرح اللہ کا کلام قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہ بیانات اتنے فحش ہیں کہ انہیں کوئی آدمی اپنے گھر والوں' اپنی بیٹیوں اور بچوں کے سامنے پڑھنے کی ہمت نہیں کرسکتا۔ مثلاً صحیفہ حزقی ایل کا 23 واں باب لے لیجیے جس میں دو بدکار بہنوں کی حکایت' کلامِ الٰہی کے طور پر اتنے غلیظ

اور فحش انداز میں بیان کی گئی ہے کہ ہمیں اس کا ذکر کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے اور ایک حیا دار آدمی کے لیے اس کی تلاوت بھی مشکل ہے۔

شیخ دیدات نے اپنی جیب سے سو ڈالر نکالتے ہوئے کہا کہ اگر پادری سواگرٹ اس عبارت کو اس مجمع میں پڑھ کر سنادیں تو میں یہ سو ڈالر انہیں دینے کو تیار ہوں۔ انہوں نے مزید کہا کہ اگر استطاعت ہوتی تو میں ان کی خدمت میں ایک ہزار ڈالر پیش کرتا لیکن میں ایک غریب انسان ہوں۔

شیخ دیدات کی اس پیش کش کے باوجود سواگرٹ نے اس عبارت کو پڑھنے کی جرأت نہیں کی۔

شیخ دیدات کے پیہم اصرار پر جمی سواگرٹ نے اس عبارت کو شکست خوردہ اور پست آواز میں بڑی خجالت کی کیفیت میں پڑھا۔ اس دوران انتہائی شرمندگی کی بناء پر تمام عیسائی سامعین اپنے چہرے اپنے ہاتھوں سے چھپاتے رہے اور سماعت گاہ میں کامل سکوت طاری رہا۔

اس کے بعد شیخ دیدات نے پوچھا کہ کیا یہی وہ کلام ہے جسے تم کلام الٰہی قرار دیتے ہو؟ کیا یہ الفاظ اللہ رب العالمین کے شایانِ شان ہیں؟

جمی سواگرٹ اس سوال کا جواب دینے کے بجائے خاموش کھڑا رہا اور عیسائیت کا یہ مناظرہ حق اور سچائی کی شاندار کامیابی کے ساتھ اپنے اختتام کو پہنچا۔

مناظرے کے بعد عیسائی سامعین کو عام طور پر یہ اعتراف کرتے ہوئے پایا گیا کہ مسلمانوں کی جانب سے گفتگو بڑے علمی انداز میں اور مسکت دلائل کے ساتھ ہوئی۔ شیخ دیدات، سواگرٹ کی طرح لفاظی کے مظاہروں اور نفسیاتی حربوں کو اختیار کرنے کے بجائے موضوع پر پوری طرح جم کر بولے اور اپنی برتری تسلیم کرانے میں کامیاب رہے۔

اس تاثر کا عملی مظاہرہ اس طرح ہوا کہ سماعت گاہ کے باہر ہزاروں کی تعداد میں انجیل کے جو نسخے برائے فروخت رکھے گئے تھے، بیشتر عیسائی سامعین نے اس سمت جانے کے بجائے نہایت دلچسپی کے ساتھ شیخ دیدات کی کتاب حاصل کی۔


تاریخ
انجیل برناباس

خواجہ حامد بن جمیل

انجیل بارناباس کی حقیقت

ایک مشہور مستشرق جارج سیل نے اپنے ترجمۂ قرآن میں انجیل بارناباس کا تعارف کروایا' جس کے بعد اطالوی متن سے اس کا انگریزی میں ترجمہ سامنے آیا جو کہ لانس ڈیل اور لورا ریگ کا کیا ہوا تھا۔ یہ انگریزی ترجمہ 1907ء میں شائع ہوا پھر انگریزی سے قاہرہ کے ایک عیسائی ڈاکٹر خلیل سعادت بک نے 1908ء میں عربی ترجمہ کیا اور اس عربی ترجمہ سے 1916ء میں پہلا اردو ترجمہ مولوی محمد حلیم انصاری نے کیا' پھر یہی ترجمہ کشمیر بک ڈپو' اوکاڑہ سے 1961ء میں شائع ہوا۔

1973ء کے آغاز میں جب قرآن کونسل آف پاکستان کراچی کی طرف سے انجیل بارناباس کا انگریزی ترجمہ وسیع پیمانہ پر دوبارہ شائع ہوا' تو اس پر از سر نو غور وفکر کرنے کی راہیں کھل گئیں۔

اس کی بازیافت سے اس کی اشاعت' اس کے تراجم اور اس پر موافق ومخالف تبصروں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

عیسائی حلقوں کی طرف سے بارناباس کی تردید میں کوئی پمفلٹ اور مضامین زیادہ تر تردید برائے تردید کی ذیل میں آتے ہیں' جن میں مفروضوں اور دُور از کار حوالوں کی بنیاد پر تردید وتنقیص کی عمارت تعمیر کرنے کی کوششیں ملتی ہیں۔ بعض مقامات پر تو کھلی کھلی علمی اور تحقیقی بددیانتی حد درجہ تعجب انگیز ثابت ہوتی ہے۔

زیر نظر اوراق میں اس انجیل کے انگریزی مترجمین' ٹمپل گارڈنز' سلیم عبدالاحد' ڈاکٹر جین سلومپ' اور بالخصوص پادری برکت اے جان (سیالکوٹ) کے نکات اور اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ نیز یہ کوشش کی گئی ہے کہ معروضی انداز میں تعصب وعناد سے بالاتر ہو کر حقائق کا کھوج لگایا جائے' اس کے لیے اکثر وبیشتر انہی کتب سے حوالے پیش کیے گئے ہیں' جو عیسائی دنیا میں معتبر ومستند سمجھی جاتی ہیں۔

اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کے لیے راقم کے ایم۔ اے (علوم اسلامیہ) کے تحقیقی مقالہ بعنوان: انجیل بارناباس کے مضامین کا تحقیقی جائزہ ...... اسلامی تعلیمات کی روشنی میں'' (غیر مطبوعہ) کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔ یہ مقالہ ادارہ علومِ اسلامیہ کی علامہ علاء الدین صدیقی لائبریری' نیو کیمپس'

پنجاب یونیورسٹی' لاہور میں محفوظ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے کرم سے شاہراہِ حقیقت پر گامزن ہونے کی توفیق بخشے۔

1۔ سینٹ پال کی شخصیت کا ایک جائزہ

بارناباس کے مطالعے کے سلسلے میں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سینٹ پال کی شخصیت اور اس کی سرگرمیوں کا مختصر سا جائزہ پیش کیا جائے تاکہ معلوم ہو جائے کہ سینٹ پال نے کس طرح عیسائی مذہب میں شامل ہو کر اس کا بنیادی نقشہ ہی بدل دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیدھی سادی تعلیمات کو مسخ کر کے رکھ دیا' اور خود عیسائیت کی سب سے بڑی شخصیت بن بیٹھا۔ ویسے بھی پادری صاحب نے جس ''مقدس پولس'' کا تذکرہ فرمایا ہے' اس کی کچھ اصلیت واضح ہو جانی چاہیے۔ اس لئے ہم اپنی بات کا آغاز سینٹ پال ہی سے کرتے ہیں۔

1.1۔ پال حضرت عیسیٰؑ کے پیروکاروں کو اذیتیں دیتا تھا

سینٹ پال (عبرانی نام ساؤل' رومی نام پولس یا پولوس) عیسائی ادبیات کی ایک نہایت اہم شخصیت سمجھی جاتی ہے۔ موجودہ عیسائیت جس شکل و صورت میں قائم ہے' وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے برعکس سینٹ پال کے نظریات کا نتیجہ ہے۔ اُسے حضرت عیسیٰؑ کی ملاقات اور صحبت نصیب نہیں ہوئی تھی۔

ایک روایت کے مطابق پال نے 35ء میں حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لانے کا دعویٰ کیا تھا۔ اس وقت انہیں دنیا سے رخصت ہوئے کم و بیش پانچ برس کا عرصہ گزر چکا تھا۔ وہ ایک پکا یہودی فریسی حضرت تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان پانچ برسوں میں بطور خاص عیسیٰؑ کے پیروکاروں اور عقیدت مندوں کو تنگ کر کے اور اذیتیں دے کر خوش ہوتا رہا۔

''اعمال'' میں ہے:۔

(1) ساؤل کلیسیا کو اس طرح تباہ کرتا رہا کہ گھر گھر گھس کر اور مردوں اور عورتوں کو گھسیٹ کر قید کراتا تھا۔ (8 : 3)

(2) اور ساؤل جو ابھی تک خداوند کے شاگردوں کے دھمکانے اور قتل کرنے کی دُھن میں تھا' سردار کاہن کے پاس گیا اور اس سے دمشق کے عبادت خانوں کے لیے اس مضمون کے خط مانگے کہ جن کو وہ اس طریق پر پائے خواہ مرد' خواہ عورت' ان کو باندھ کر یروشلم میں لائے۔

(2 - 1 : 9)

(3) (پال کا اپنا بیان ہے کہ) میں یہودی ہوں اور کلکیہ کے شہر ترسس میں پیدا ہوا۔ مگر میری تربیت اس شہر میں گملی ایل کے قدموں میں ہوئی اور میں نے باپ دادا کی شریعت کی خاص

پابندی کی تعلیم پائی، اور خدا کی راہ میں ایسا سرگرم تھا، جیسے تم سب آج کے دن ہو۔ چنانچہ میں نے مردوں اور عورتوں کو باندھ باندھ کر اور قید خانے میں ڈال ڈال کر عیسائی طریق والوں کو یہاں تک ستایا کہ مروا ڈالا۔ (22 : 3 - 4)

لیکن اس طریق کار سے پال کو اپنے مقصد میں کامیابی نصیب نہ ہوئی اور اس نے محسوس کیا کہ حضرت عیسیٰؑ کے پیرو کاروں میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ اس نے خود اس دین میں داخل ہونے کا اعلان کیا، اور اپنے آپ کو حضرت عیسیٰؑ کا رسول اور نائب ظاہر کرنا شروع کر دیا۔

یہاں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ عیسائیت اختیار کرنے کے اعلان کے فوراً بعد پال کی سرگرمیوں کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کے پاس جانے کی بجائے تین سال تک علاقہ عرب میں مقیم رہا، اس کا اپنا بیان ہے کہ

> "جس خدا نے مجھے میری ماں کے پیٹ ہی سے مخصوص کر لیا اور اپنے فضل سے بلا لیا۔ جب اس کی یہ مرضی ہوئی کہ اپنے بیٹے کو مجھ میں ظاہر کر دے تاکہ میں غیر قوموں میں اس کی خوش خبری دوں تو نہ میں نے گوشت اور خون سے صلاح لی اور نہ یروشلم میں ان کے پاس گیا۔ جو مجھ سے پہلے رسول تھے بلکہ فوراً عرب کو چلا گیا۔ پھر وہاں سے دمشق کو واپس آیا۔ پھر تین برس بعد میں کیفا سے ملاقات کرنے کو یروشلم گیا اور پندرہ دن اس کے پاس رہا۔" (گلتیون۔ 1 : 15 - 18)

گویا تین برس تک اس نے حواریوں سے رابطہ قائم کرنا ضروری خیال نہیں کیا۔ حالانکہ تبدیل مذہب میں خلوصِ نیت کی صورت میں اسے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں اور شاگردوں کا دامن تھام لینا چاہیے تھا جنہیں بہ نفسِ نفیس حضرت عیسیٰؑ سے تعلیم و تربیت پانے کا شرف حاصل تھا۔

1.2۔ پال کو کلیسیا میں بارنا باس نے متعارف کرایا

بہر کیف جب تین سال کے بعد پال حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کے پاس آیا تو وہ اس سے خوف زدہ تھے۔ انہوں نے اس کے سابق طریق عمل کی وجہ سے اسے پسند نہیں کیا، بلکہ اس سے ڈرتے رہے۔ لیکن جناب بارناباس کی سفارش اور تشفی آمیز گفتگو سے اہلِ کلیسیا نے پال کو اپنے ساتھ ملنے جلنے اور اٹھنے بیٹھنے کی اجازت دی۔ دیکھئے "اعمال"

> "اس نے (پال نے) یروشلم میں پہنچ کر شاگردوں میں مل جانے کی کوشش کی۔ اور سب اس سے ڈرتے تھے، کیونکہ ان کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے۔ مگر برناباس نے اسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لے جا کر ان سے بیان کیا کہ اس نے اس طرح راہ میں خداوند کو دیکھا۔" (9 : 26 - 27)

یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ شروع شروع میں پال نے ضرور اپنے عقیدت مندانہ جوش و

خروش کا مظاہرہ کیا ہوگا اور خود کو حضرت عیسیٰؑ کا سچا نیاز مند اور مقلد ثابت کر کے لوگوں کو متاثر کیا ہوگا۔

''اعمال'' میں ہمیں بارناباس اور پال کے تبلیغی سفروں کے بارے میں بھی بتایا جاتا ہے۔ لیکن یہاں پال کی شخصیت کو ابھار کر اور بارناباس کی شخصیت سے بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے۔ اس سے یہی تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ بارناباس تو پال کے محض ایک معاون یا نائب تھے۔

حالانکہ ''اعمال'' ہی میں بارناباس کی شخصیت کے بارے میں جو مندرجات ملتے ہیں ان سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ کلیسیا کی ایک بلند مرتبت' قابلِ تقلید اور غیر معمولی شخصیت تھی۔ مثلاً جب یروشلم کی کلیسیا نے تبلیغ کے لیے جماعتیں باہر بھیجنے کا فیصلہ کیا تو انتخاب کی پہلی نظر بارناباس ہی پر پڑی تھی اور پھر بارناباس نے ہی پال کو تبلیغی سفر میں اپنے ساتھ لیا تھا۔ دیکھئے ''اعمال''

> ''ان لوگوں کی خبر یروشلم کی کلیسیا کے کانوں تک پہنچی اور انہوں نے برناباس کو انطاکیہ تک بھیجا۔ وہ پہنچ کر اور خدا کا فضل دیکھ کر خوش ہوا اور ان سب کو نصیحت کی کہ دلی ارادے سے خداوند سے لپٹے رہو کیونکہ وہ نیک مرد اور روح القدس اور ایمان سے معمور تھا اور بہت سے لوگ خداوند کی کلیسیا میں آ ملے۔ پھر وہ ساؤل کی تلاش میں ترسس کو چلا گیا اور جب وہ ملا تو اسے انطاکیہ میں لایا اور ایسا ہوا کہ وہ سال بھر تک کلیسیا کی جماعت میں شامل ہوتے اور بہت سے لوگوں کو تعلیم دیتے رہے اور شاگرد پہلے انطاکیہ ہی میں عیسائی کہلائے''
>
> (11 : 22 - 26)

عیسائی تبلیغ کی تاریخ کس قدر ناانصافی سے کام لیتی ہے اور بارناباس کے اس سفر کو پال کا تبلیغی سفر قرار دیتی ہے اور یہ دراصل بارناباس کی قدر و منزلت گھٹانے کی دانستہ کوششوں میں سے ایک ہے۔ عہد حاضر کے ایک مشہور مورخ اور مصنف وِل ڈیوراں نے اس پر یوں گرفت کی ہے:۔

> ''کلیسیا کے بزرگوں نے یہ کام بارناباس اور پال کے سپرد کیا اور انہیں اس سفر پر روانہ کیا جسے تاریخ بارناباس کی ناروا طوار پر تخفیف کرتے ہوئے سینٹ پال کا پہلا تبلیغی سفر قرار دیتی ہے'' (45 : 47)

یہاں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مضمون نگار کا یہ نوٹ بھی ضرور پیش نظر رہنا چاہئے کہ بارناباس محض ایک اعلیٰ کردار کے مالک ہی نہ تھے بلکہ وہ بڑے صاحب بصیرت انسان بھی تھے۔ ان کا دل خلوص اور ہمدردی سے معمور تھا۔ کلیسیا کے ابتدائی دنوں میں ان کا کردار بے حد اہمیت کا حامل رہا اور ظاہر ہے کہ یروشلم کی کلیسیا ان جیسے صاحب بصیرت و تحکم ہی کو انطاکیہ روانہ کر سکتی تھی جہاں کئی بڑے بڑے مسائل کا سامنا تھا۔

1.3۔ سینٹ پال۔ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کا ناسخ

سینٹ پال نے کلیسیا میں داخل ہو کر رفتہ رفتہ اپنا اثر و رسوخ قائم کر لیا اور حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات میں تاویل و گنجائش کی مختلف صورتیں پیدا کر دیں بلکہ ان کی کئی تعلیمات کو منسوخ قرار دیا چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کی شخصیت اور ان کی بنیادی تعلیمات پس منظر میں جا پڑیں۔ پال نے ان کے ارشادات و فرمودات کو نہ صرف نظر انداز کر دیا بلکہ ان میں طرح طرح کی تحریفات بھی کیں اور پھر ان کی بجائے اپنے ہی بیانات کو دین کی بنیاد بنا کر پیش کیا۔ چنانچہ آج بھی بیانات عیسائیت کے نام سے مشہور اور رائج ہیں۔

پال کے کلیسیا میں داخلے کے ساتھ ہی فلسطین کی بجائے رومی سلطنت عیسائی سرگرمی کا مرکز بن گئی اور عیسائیت یہودیت کے زیر اثر رہنے کے برعکس صرف یہودیت کے اثر سے ہی آزاد نہیں ہو گئی بلکہ خود حضرت عیسیٰؑ سے بھی کنارہ کش ہوتی چلی گئی۔ البتہ دعویٰ یہی رہا کہ پال اپنے معلم حضرت عیسیٰؑ کا ہمیشہ مرید و مطیع رہا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ذرا رک کر اناجیل میں حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات پر ایک نظر ڈال لیں اور پھر دیکھیں کہ ان کے برعکس پال نے کیا کیا بیانات جاری کیے جو ان کے فرمودات سے صاف صاف ٹکراتے نظر آتے ہیں۔ ایسی صورت حال میں حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات سے متصادم بیانات عیسائیوں کے لیے بھلا کس طرح قابل قبول اور قابل اعتماد ٹھہرتے ہیں؟ مثال کے طور پر انجیل متی میں حضرت عیسیٰؑ کے دو ارشادات ملاحظہ ہوں:

1- غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔ (6:10)

2- میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ (24:15)

اب دو بیانات پال کے اس خط میں سے ملاحظہ ہوں۔ جو اس نے "رومیوں کے نام" لکھا تھا:

1- میں یہ باتیں تم غیر قوموں سے کہتا ہوں۔ چونکہ میں غیر قوموں کا رسول ہوں۔ اس لیے اپنی خدمت کی بڑائی کرتا ہوں۔ (13:11)

2- مجھ کو غیر قوموں کے لیے خدا کی طرف سے عیسیٰ یسوع کے خادم ہونے کی توفیق ملی ہے۔ (15:15)

پال یہاں صریحاً اس بات کا اعلان کر رہا ہے۔ جس سے حضرت عیسیٰؑ نے منع فرمایا ہے۔
متی کی انجیل ہی میں حضرت عیسیٰؑ کا یہ مشہور فرمان درج ہے کہ:

"یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک

نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا۔ جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔ پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا۔ وہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے چھوٹا کہلائے گا۔" (19-7:5)

گویا حضرت عیسیٰؑ کے فرمان کے مطابق توریت منسوخ نہیں کی گئی تھی۔ اور اس کے ایک چھوٹے سے چھوٹے حکم کی اطاعت بھی ضروری تھی۔ انہی حکموں کو شریعت کہا جاتا تھا۔ جسے پال نے منسوخ قرار دیا اور ایک ایک حکم پر خط تنسیخ کھینچتا چلا گیا۔ "رومیوں کے نام" اپنے خط میں پال یوں لکھتا ہے کہ:

> "اب ہم جانتے ہیں کہ شریعت جو کچھ کہتی ہے۔ ان سے کہتی ہے جو شریعت کے ماتحت ہیں۔ تا کہ ہر ایک کا منہ بند ہو جائے اور ساری دنیا خدا کے نزدیک سزا کے لائق ٹھہرے۔ کیونکہ شریعت کے اعمال سے کوئی بشر اس کے حضور راست باز نہیں ٹھہرے گا۔ اس لیے کہ شریعت کے وسیلے سے تو گناہ کی پہچان ہی ہوتی ہے مگر اب شریعت کے بغیر خدا کی ایک راست بازی ظاہر ہوئی ہے جس کی گواہی شریعت اور نبیوں سے ہوتی ہے۔ یعنی خدا کی وہ راست بازی جو یسوع مسیح پر ایمان لانے سے سب ایمان لانے والوں کو حاصل ہوتی ہے...... چنانچہ ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ انسان شریعت کے اعمال کے بغیر ایمان کے سبب سے راست باز ٹھہرتا ہے۔" (28-19:3)

چلو چھٹی ہوئی _ نہ شریعت کی ضرورت باقی رہی' نہ اعمال کی۔ شریعت کے حکموں میں سے ایک حکم ختنے کا تھا' پال نے اس حکم کو حرف غلط کی طرح مٹا کے رکھ دیا۔

ملاحظہ ہوں اس کے اپنے بیانات:

(1) وہ یہودی نہیں جو ظاہر کا ہے اور نہ وہ ختنہ ہے جو ظاہری اور جسمانی ہے بلکہ یہودی وہی ہے جو باطن میں ہے اور ختنہ وہی ہے جو دل کا اور روحانی ہے' نہ کہ لفظی۔

(رومیوں۔ 2 : 28 - 29)

(2) نہ ختنہ کوئی چیز ہے نہ نامختونی _ بلکہ خدا کے حکموں پر چلنا ہی سب کچھ ہے۔

(1۔ کرنتھیوں۔ 7 : 19)

(3) دیکھو! میں پولس تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم ختنہ کراؤ گے تو عیسیٰؑ سے تم کو کچھ فائدہ نہ ہوگا' بلکہ میں ہر ایک ختنہ کرانے والے شخص پر گواہی دیتا ہوں کہ اسے تمام شریعت پر عمل کرنا فرض ہے اور مسیح یسوع میں نہ تو ختنہ کچھ کام کا ہے' نہ نامختونی' مگر ایمان جو محبت کی راہ سے اثر کرتا ہے۔

(گلتیون۔ 5 : 2 ، 3 ، 6)

حضرت عیسیٰؑ کے فرمودات و ارشادات کے برعکس پال نے جس طرح اپنے طریق کار اور

تبلیغی جدوجہد کی وضاحت کی ہے وہ بھی غور طلب ہے اور محتاج توجہ ہے۔ اس کے اپنے بیانات میں سے مندرجہ ذیل دو ملاحظہ ہوں:

(1) اگر ہماری ناراستی خدا کی راست بازی کی خوبی کو ظاہر کرتی ہے تو ہم کیا کہیں؟ کیا یہ کہ خدا بے انصاف ہے جو غضب نازل کرتا ہے۔ (میں یہ بات انسان کی طرح کہتا ہوں) ہرگز نہیں ورنہ خدا کیونکر دنیا کا انصاف کرے گا۔ اگر میرے جھوٹ کے سبب سے خدا کی سچائی اس کے جلال کے واسطے زیادہ ظاہر ہوئی تو پھر کیوں گنہگار کی طرح مجھ پر حکم دیا جاتا ہے اور ہم کیوں برائی نہ کریں تا کہ بھلائی پیدا ہو۔ چنانچہ ہم پر یہ تہمت لگائی بھی جاتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ان کا یہی مقولہ ہے مگر ایسوں کا مجرم ٹھہرنا انصاف ہے۔ (رومیوں۔ 3 : 5 - 8)

(2) میں یہودیوں کے لیے یہودی بنا تا کہ یہودیوں کو کھینچ لاؤں۔ جو لوگ شریعت کے ماتحت ہیں ان کے لیے میں شریعت کے ماتحت ہوا تا کہ شریعت کے ماتحتوں کو کھینچ لاؤں؛ اگرچہ خود شریعت کے ماتحت نہ تھا۔ بے شرع لوگوں کے لیے بے شرع بنا تا کہ بے شرع لوگوں کو کھینچ لاؤں؛ (اگرچہ خدا کے نزدیک بے شرع نہ تھا۔ بلکہ عیسیٰؑ کی شریعت کے تابع تھا) کمزوروں کے لیے کمزور بنا تا کہ کمزوروں کو کھینچ لاؤں۔ میں سب آدمیوں کے لیے سب کچھ بنا ہوا ہوں تا کہ کسی طرح سے بعض کو بچاؤں اور سب کچھ انجیل کی خاطر بنا ہوا ہوں تا کہ اوروں کے ساتھ اس میں شریک ہوں۔ (1۔ کرنتھیوں۔ 9 : 20 - 23)

کیا حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لانے والا شخص اور ان کے سادہ اور آسان دین کی تبلیغ کے لیے ایسے حربے استعمال کرنے کو کسی بھی صورت جائز اور روا قرار دے سکتا ہے۔

انگریزی کا معروف مصنف ایچ جی ویلز اپنی "مختصر تاریخ عالم" میں صاف صاف بتاتا ہے کہ پال کو یہودیت؛ آفتاب پرستی اور سکندریہ کے مروجہ مذہب کا خوب ادراک تھا چنانچہ اس نے ان کے بہت سارے خیالات اور ان کی اصطلاحات عیسائیت میں داخل کر دیں۔ اس نے حضرت عیسیٰؑ کی اصل تعلیم؛ آسمان کی بادشاہت کی ترقی و توسیع کے لیے تو کچھ نہیں کیا مگر جو تعلیم دیتا رہا وہ یہ تھی کہ حضرت عیسیٰ نہ صرف مسیح موعود تھے اور یہودیوں کے موعودہ سردار بلکہ یہ کہ ان کی موت بنی نوع انسان کی نجات کے لیے ایک قربانی تھی۔

مذاہب عالم کے مصنفین لکھتے ہیں کہ پال ان سادہ ماہی گیروں سے بالکل مختلف طرح کا انسان تھا جو حضرت عیسیٰؑ کے ابتدائی پیروکار تھے۔ پال ایک رومی شہری تھا اور اس کی تعلیم یونانی اثرات کے ماتحت ہوئی تھی لیکن وہ اپنی پیدائش اور نشوونما کے اعتبار سے ایک یہودی تھا اور فریسیوں کے معتقدات میں تربیت یافتہ تھا۔

عہد حاضر کے مشہور فرانسیسی سائنس دان اور محقق موریس بوکائے رقم طراز ہیں کہ عیسائیت میں سب سے متنازعہ شخصیت پال کی ہے۔ حضرت عیسیٰ کے گھرانے کے لوگ اور وہ حواری جو یروشلم میں

حلقہ جیمز سے وابستہ تھے پال کو عیسوی تعلیمات سے غداری کرنے والا گردانتے تھے۔ جن لوگوں کو حضرت عیسیٰ نے اپنی تعلیمات کی اشاعت کے لیے اکٹھا کیا ہوا تھا' پال نے انہیں نظر انداز کر کے عیسائیت کی تخلیق کی حالانکہ وہ حضرت عیسیٰ کی زندگی میں ان سے آشنا تک نہ تھا۔

چنانچہ اپنے مخصوص ذہنی اور نظریاتی پس منظر کے زیر اثر پال نے عیسائی تعلیمات کی بنیادیں ہلانا شروع کر دیں۔ اس نے آہستہ آہستہ کلیسیا پر ایسا قبضہ کر لیا کہ دین عیسوی کی اصل صداقتوں کو مٹا کر بدعتوں اور برائیوں کا مجموعہ بنا دیا۔

الوہیت مسیح' تثلیث و ابنیت اور کفارے کی بدعت ایجاد کر کے عیسائیت کو وثنیت میں تبدیل کر دیا اور شراب' مردار اور خنزیر سب کو حلال بنا دیا۔ یہی عیسائیت ہے' پولوس کے صدقے میں' جس سے دنیا آج روشناس ہے۔

اس بحث کو سمیٹتے ہوئے یہ بآسانی کہا جا سکتا ہے کہ آپ انجیلوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تقریروں اور ارشادات کا گہرا مطالعہ کریں اور پھر ان کا مقابلہ سینٹ پال کی تحریروں سے کر کے دیکھیں جہاں جہاں اس کی تحریریں صریح طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ان تعلیمات سے جو خود انجیل میں موجود ہوں' متصادم ہو رہی ہیں وہاں لازماً یہ ماننا پڑے گا کہ سینٹ پال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم و ہدایت سے منحرف ہو گیا تھا۔ اب یہ کام عیسائیوں کا اپنا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کو صحیح مانیں یا سینٹ پال کو...... نیز اس فرق کے واضح ہو جانے کے بعد عیسائیوں ہی کو یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ جو باتیں سینٹ پال کی تعلیم میں ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم میں نہیں ہیں' ان پر وہ کہاں تک اعتماد کریں کیونکہ جس شخص کی تعلیمات متعدد امور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ عقل یہ کہتی ہے کہ دین میں اس کے کیے ہوئے اضافے قابلِ اعتماد نہیں ہونے چاہئیں۔

1.4۔ سینٹ پال کی سخت مخالفت ہوئی

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے چند ہی سال بعد ان کی تعلیمات میں اس طرح ردّ و بدل ہونے لگا کہ اصل حقیقت مسخ ہو کے رہ گئی' حالانکہ اس وقت ان کے حواریوں میں سے بعض سلامت اور موجود بھی تھے تو کیا سینٹ پال کی ایسی سرگرمیوں اور کاروائیوں کا کوئی نوٹس نہیں لیا گیا؟ اس کی حرکتوں پر کسی نے آواز بلند نہیں کی اور کسی نے بڑھ کر اسے روکا ٹوکا نہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ پال کی سرگرمیوں کی سخت مخالفت ہوئی۔ نئے عہد نامے میں پال کے خطوط کا مطالعہ کر لیجئے وہ جگہ جگہ اپنی مخالفتوں کا ذکر کرتا ملتا ہے۔ کہیں اپنی صفائی بیان کرتا دکھائی دیتا ہے' کہیں اختلاف کرنے والوں پر لعن طعن کرتا نظر آتا ہے۔ حتیٰ کہ حواریوں کے مدّ مقابل صف آرائی کرتا معلوم ہوتا ہے۔ صاف پتہ چلتا ہے کہ پال کو گردوپیش سے مخالفت کا سامنا ہے اور وہ طرح طرح سے اپنے بچاؤ اور جوابی حملے کی تدابیر اختیار کرتا ہے۔

ڈاکٹر احسان الحق رانا اپنی معرکتہ الآراء کتاب ''یہودیت و مسیحیت'' میں بتاتے ہیں کہ پولوس اور اس کے وضع کردہ دین عیسائیت کی مخالفت حضرت عیسیٰؑ کے پیروکاروں کی جماعت یعنی یسوعی کلیسیا نے کھل کر کی۔ پولوس کے بارے میں یوحنا رسول نے یہ کہا:

''اے لڑکو! یہ اخیر وقت ہے اور جیسا تم نے سنا ہے کہ مخالف مسیح آنے والا ہے۔ اس کے موافق اب بھی بہت سے مخالف مسیح پیدا ہو گئے ہیں وہ نکلے تو ہم ہی میں سے ہیں مگر ہم سے نہیں۔ اس لیے کہ اگر ہم میں سے ہوتے تو ہمارے ساتھ رہتے۔ لیکن نکل اس لیے گئے کہ یہ ظاہر ہو کہ وہ سب ہم میں سے نہیں ہیں۔

(1۔ یوحنا۔ 2 : 18 - 19)

اسی طرح 1۔ یوحنا۔ 4 : 1 - 3 میں یوحنا نے جو پولوس کا ہم عصر اور یسوع کا منتخب کردہ حقیقی رسول تھا' واضح طور پر بتلایا ہے کہ یسوع خدا کی طرف سے بھیجا ہوا مجسم انسان تھا۔ جو کوئی اقرار نہیں کرتا' بلکہ انکار کرتا ہے وہ مخالفِ مسیح ہے اور پولوس جو اس وقت موجود تھا وہ مخالف مسیح ہی ہے۔ اسی طرح یعقوب 2 : 17 - 26 اور یعقوب 4 : 11 - 15 کا مطالعہ کیجئے۔ صاف معلوم ہوگا کہ پولوس کے بیانات کی تردید کی جارہی ہے۔

مولانا محمد تقی عثمانی ''بائبل سے قرآن تک'' میں رقم طراز ہیں کہ تاریخ عیسائیت کی ابتدائی تین صدیوں میں پولس اور اس کے نظریات کی شدید مخالفت کی گئی تھی اور اس زمانے میں پولس کے مخالفین کی تعداد اور ان کا اثر و رسوخ پولس کے اثرات سے کسی طرح کم نہیں تھا۔ لیکن اتفاق سے جب تیسری صدی عیسوی میں عیسائیت بازنطینی سلطنت کا سرکاری مذہب قرار پایا تو پولس کی حامی جماعت حکومت پر غالب آگئی اور اس نے نہ صرف یہ کہ اپنے مخالفوں کو بزور کچل ڈالا بلکہ وہ تمام مواد بھی ضائع کرنے کی کوشش کی' جس سے پولس کے مخالفین استدلال کر سکتے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا میں پولس کا دین پھیلتا چلا گیا اور رفتہ رفتہ اصل دین عیسوی کا نام و نشان بالکل مٹ گیا۔

بیامد دیو و دامِ کفر بنهاد　　　همه گیتی بداں دام اندر افتاد

پولس کی مخالفت ٹھیک اس وقت سے شروع ہو گئی تھی جب اس نے یروشلم کونسل کے فیصلے سے ناجائز فائدہ اٹھا کر تورات کو بالکلیہ منسوخ کرنے کا اعلان کیا تھا۔ انہی مخالفین کے جواب میں پولس نے گلتیون کے نام اپنا معرکتہ الآراء خط لکھا تھا۔ پولس کے ان مخالفین کا کہنا یہ تھا کہ وہ اصل حواریوں کی تعلیم سے لوگوں کو برگشتہ کر رہا ہے۔ یہ مخالفت کرنے والے قدیم کلیسیا کی یہودی عیسائی جماعت سے تعلق رکھتے تھے' اور ان لوگوں کی سرکردگی بعض ممتاز افراد کر رہے تھے۔

یہ مخالفت پولس کے خطوط کے بعد کم نہیں ہوئی' بلکہ بڑھتی چلی گئی۔ مسٹر جیمس میک کنن ہمیں بتاتے ہیں کہ ابتدائی کیتھولک چرچ کے اخلاقی مذہب نے بہت جلد پولوسی خیالات کو نکال باہر کیا تھا۔

پولس نے عیسائیت کا جو تصور پیش کیا تھا وہ حواریوں کے زمانے میں بھی کسی طرح معیاری تصور نہ تھا۔

(فرام کرائسٹ ٹو کانسٹنٹائن باب ہفتم)

دوسری صدی عیسوی کی ابتدا میں آرینوس، ہپولینس، اپی فانیس اور آریجن ایک فرقے کا تذکرہ کرتے ہیں جسے نصرانی اور ابیونی فرقہ کہا جاتا ہے۔ مسٹر جے ایم رابرٹسن ان لوگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ لوگ مسیح کی خدائی کا انکار کرتے تھے اور پولس کو رسول تسلیم نہ کرتے تھے۔

(ہسٹری آف کرسچینٹی، لندن 1913ء، ص 5)

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار آرینوس سے نقل کر کے بیان کرتا ہے:

"ان لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ مسیح ایک انسان تھے جسے معجزات دیئے گئے تھے۔ یہ لوگ پولس کے بارے میں یہ تسلیم نہ کرتے تھے کہ وہ موسوی دین سے برگشتہ ہو کر عیسائی ہو گیا تھا۔ یہ لوگ خود موسوی شریعت کے احکام اور رسوم، یہاں تک کہ ختنے پر بھی مضبوطی کے ساتھ کاربند تھے۔ (برٹانیکا ج 7 ص 881)

قصہ مختصر یہ کہ عیسائیت کی ابتدائی تین صدیوں میں پولس کے نظریات کے بے شمار مخالفین موجود تھے اور اس وقت تک کثیر تعداد میں باقی رہے، جب تک کہ حکومت نے انہیں بزور ختم نہیں کر دیا۔

2۔ کیا سولہویں صدی سے پیشتر انجیل برناباس کا کوئی وجود نہ تھا

پادری برکت نے صفحہ 19 پر ارشاد فرمایا ہے کہ سولہویں صدی عیسوی سے پیشتر اس جعلی انجیل کا کوئی سراغ اور نام و نشان کہیں نظر نہیں آتا۔

پادری برکت کی سادہ لوحی اور بے اعتنائی پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ جس کتاب پر تبصرہ فرما رہے ہیں اس کی اصلیت سے بالکل نابلد ہیں۔ انہوں نے ذرا اس کتاب کی تاریخ کے مطالعہ کی زحمت گوارا فرمائی ہوتی، تحقیق و تجسس کا تھوڑا سا دامن تو پھیلایا ہوتا۔ اس دور میں ایسی بے علمی کی بات اور بلا فکر و تفتیش تبصرہ وغیرہ قابل اعتنا نہیں ٹھہر سکتا۔ یہاں پادری برکت کے ملاحظہ کے لیے صرف تین حوالے پیش کیے جاتے ہیں۔ اگر وہ ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے تو انہیں سولہویں صدی سے بہت پہلے بھی انجیل برناباس کا وجود صاف دکھائی دے گا اور انہیں اپنے بیان پر نظر ثانی کرنا پڑے گی:

(الف) سینٹ آرینوس کی تحریر میں انجیل برناباس کے حوالے

سینٹ آرینوس (St. Irenaeus) (130ء - 200ء) قدیم کلیسیا کی مشہور شخصیت تصور ہوتی ہے۔ اس نے بدعتوں کے خلاف قلمی جہاد کیا۔ اس کی کئی تحریریں اب بھی یونانی، لاطینی اور آرمینی زبانوں میں محفوظ ہیں۔ روایت ہے کہ اس نے اپنی کم از کم ایک تحریر میں برناباس کی انجیل کے حوالے دیئے تھے اور پال کے نظریات کی مخالفت کی تھی۔ چنانچہ آرینوس کی اسی تحریر کے مطالعہ سے سولہویں صدی کے اطالوی راہب فرا مرینو کو انجیل برناباس کی تلاش ہوئی تھی۔ اور ایک مدت کے بعد

اسے یہ انجیل پوپ سکسٹس پنجم (1585ء - 1590ء) کی لائبریری سے دستیاب ہوئی۔ تفصیل کے لیے انگریزی ترجمۂ قرآن از جارج سیل ملاحظہ ہو۔

(ب) بارناباس کی نعش کے ساتھ انجیل بارناباس کا نسخہ

شہنشاہ زینو کے عہد میں 478ء میں جب بارناباس کے جسد خاکی کا سراغ ملا تو ان کے سینے پر انجیل بارناباس کا وہ نسخہ بھی پڑا ہوا دستیاب ہوا تھا جو انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ دیکھیے:

Acia sanctorum Bolan Junii Tom II, pages 422 and 450, Antwerp, 1698.

لیکن بعض نئے عیسائی علماء نے اس حوالے کے ضمن میں بارناباس کی انجیل کی بجائے متی کی انجیل کا نام لکھا ہے۔ مثال کے طور پر ایک کتاب "Life of St. Barnabas" میں بتایا گیا ہے کہ بارناباس کی نعش کو سلامیز سے ڈیڑھ میل دور ایک غار میں ڈال دیا گیا تھا۔ ان کے سینے پر انجیل متی کا وہ نسخہ تھا جو مؤلف کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ اس واقعے کے قریباً چار سو سال بعد شہنشاہ زینو کے عہد میں یہ نعش صحیح سالم برآمد ہوئی اور سینے پر وہ انجیل ویسے ہی موجود پائی گئی۔ انجیل کا یہ نسخہ شہنشاہ کے کتب خانے کی زینت بنانے کے لیے قسطنطنیہ بھیجا گیا مگر یہ دوسری بہت ساری قیمتی چیزوں کے ساتھ ترکوں کے حملے کے وقت تباہ و برباد ہو گیا۔

ڈاکٹر جین سلومپ نے بھی اس دعوے کی تائید میں مزید یہ لکھا تھا کہ بارناباس کی نعش کے ساتھ دستیاب ہونے والی انجیل اصل میں متی ہی کی تھی جسے بارناباس نے خود اپنے ہاتھ سے نقل کیا تھا۔

گویا اس خیال اور دعوے کے مطابق بارناباس خود انجیل متی کا مطالعہ فرماتے تھے اور دوسروں کو اسی کی تعلیم دیتے ہوں گے۔

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بارناباس کی زندگی میں انجیل متی کا کوئی وجود تھا بھی کہ نہیں؟ اس سوال کے جواب کے لیے ہمیں پہلے تو بارناباس کی وفات یا شہادت کا سال معلوم کرنا ہوگا اور پھر اس کے ساتھ دیکھنا ہوگا کہ انجیل متی کب معرض تحریر میں آئی؟

2.1 بارناباس کا سنِ وفات

پہلے بارناباس کی وفات یا شہادت کا سال متعین کیجیے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل حوالے قابلِ توجہ ہیں:

(الف) چیمبرز انسائیکلوپیڈیا: ان کی وفات کے بارے میں مختلف بیانات ملتے ہیں کہ وہ روم، سکندریہ یا قبرص میں 61ء میں طبعی موت مرے یا شہید ہوئے۔ رومن کیتھولک چرچ میں ان کا تہوار 11۔ جون کو منایا جاتا ہے۔

(ب) انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے پرانے اڈیشن میں بتایا گیا ہے کہ ان کی وفات کی تاریخ یقینی نہیں لیکن شاید کتاب ''اعمال'' کی تحریر سے بہت پہلے اور ''اعمال'' کی تحریر برٹانیکا ہی کی تحقیق کے مطابق سن 75 اور 80ء کے درمیان مکمل ہوئی۔ دیکھئے جلد 1 ص 116۔ چنانچہ ''اعمال'' کی تحریر سے بہت پہلے کا سال 61ء یا اس کے آس پاس کا کوئی سال تصور کیا جا سکتا ہے۔ اس حوالے سے بہر حال سن 61ء کی تردید نہیں ہوتی۔

(ج) ایوری مینز انسائیکلو پیڈیا: بارناباس کے بارے میں یہی خیال کیا جاتا ہے کہ وہ 61ء میں قبرص کے مقام سلیمز میں شہید کیے گئے تھے لیکن بعض روایات میں میلان، روم یا سکندریہ بتایا جاتا ہے۔ بہر کیف بارناباس کی وفات یا شہادت کا سال 61ء ہی ہمارے سامنے آتا ہے۔

2.2 انجیل متی کا سنِ تحریر

انجیل متی کی تحریر کے سال کے سلسلے میں یہ شہادتیں پیش کی جاتی ہیں ملاحظہ فرمائیے:

(الف) ڈکشنری آف دا بائبل: اس بات پر اکثریت کا اتفاق ہے کہ یہ انجیل 70ء کے بعد لکھی گئی ہے اگرچہ اس کی سند زیادہ مضبوط نہیں تاہم انجیل متی کے اس جملے سے اس امکان کی حمایت ہوتی ہے کہ یہ انجیل یروشلم کے سقوط کے بعد کسی سال میں لکھی گئی:

''بادشاہ غضب ناک ہوا اور اس نے اپنا لشکر بھیج کر ان خونیوں کو ہلاک کر دیا اور ان کا شہر جلا دیا'' (22 : 7)

(ب) انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا نے اس امکان کی تردید کی ہے کہ یہ انجیل حواری متی نے پہلے عبرانی میں تحریر کی ہو گی۔ برٹانیکا بتاتا ہے کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کا لکھنے والا حواری متی خود نہیں ہے بلکہ بعد کے زمانے کا کوئی مصنف ہے جس نے متی کی سند کا دعویٰ کیا۔ اگر ہم تحریری شواہد، روایات اور مسیحیات سے متعلق اعتقادی اور عباداتی ضابطہ کاریوں پر بھروسہ کریں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ یہ انجیل عیسائیت کی تیسری نسل میں سے کسی شخص نے سن 75ء اور 100ء کے درمیان تصنیف کی ہے۔

(ج) چیمبرز انسائیکلو پیڈیا کا بیان ہے کہ یہ انجیل حواریوں کے عہد کے بعد کی لکھی ہوئی ہے اور شاذ ہی کوئی محقق اس کی تاریخ 75-80ء سے پہلے بتائے گا۔

(د) ایوری مینز انسائیکلو پیڈیا پہلے تو ہمیں اس انجیل کے عنوان کے بارے میں یہ بتاتا ہے کہ اس میں ''سینٹ متی کے مطابق'' کے الفاظ کا اضافہ بعد میں ہوا، جیسا کہ دوسری اناجیل کے عنوانات کے سلسلے میں ہوا۔

(سچ پوچھیے تو کہنا پڑے گا کہ چاروں اناجیل ہی نامعلوم مؤلفین کی کتابیں ہیں) اس انجیل کی تصنیف کا سال کہیں تو 40ء تک بتایا گیا ہے اور کہیں سن 80ء سے 100ء تک اور اس تعین کا

زیادہ تر انحصار آپ کی اس رائے پر ہوتا ہے کہ اس کا مصنف کون ہے۔ اس سلسلے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن بلاشبہ اس انجیل کا کچھ نہ کچھ قریبی تعلق حواری متی سے ضرور رہا ہے اور ہو سکتا ہے کہ متی کے لکھے ہوئے کسی ماخذ نے موجودہ انجیل متی کا روپ دھار لیا ہو۔

(ر) انسائیکلوپیڈیا امیر کانا کا کہنا ہے کہ ہم یہ بات وثوق سے نہیں کہہ سکتے کہ پہلی انجیل کا مصنف متی ہی تھا۔ انجیل کا فقرہ 22 : 7 اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ سن 71ء میں معبد کی تباہی کا واقعہ پہلے ہی گذر چکا ہے' اس لیے نتیجے کے طور پر اس انجیل کی تاریخ عموماً سن 80ء یا 85ء کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔

چنانچہ ان حوالوں سے معلوم یہ ہوا کہ سن 75ء یا 80ء سے قبل انجیل متی کا وجود ماننے میں عیسائی علماء کو سخت تامل ہے۔ اگر ہم بھی 75ء سے 80ء تک کوئی سال تسلیم کر لیں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اس وقت بارناباس کی وفات پر پندرہ سے بیس برس کا عرصہ گذر چکا تھا۔ ہم یہ قیاس بھی نہیں کر سکتے کہ انہوں نے متی کی انجیل دیکھی ہو گی۔ لہٰذا جو انجیل بارناباس کے ساتھ دفن کی گئی تھی۔ وہ متی کی انجیل ہر گز نہیں ہو سکتی تھی۔

اپنے مفروضات کو ثابت کرنے کے لیے محض جوش و جذبے میں آ کر بے سروپا باتوں کا سہارا لینا کوئی علمی یا دینی خدمت نہیں کہلا سکتا اور اس طرح کا عمل کسی طور بھی تحقیق کے ضمن میں نہیں آ سکتا۔ یہاں یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ بارناباس کی نعش کے ساتھ جو انجیل برآمد ہوئی تھی وہ موجودہ چار انجیلوں میں سے کوئی بھی نہیں ہو سکتی بلکہ خود بارناباس کی انجیل ہی ہو سکتی ہے اور معلوم یہی ہوتا ہے کہ وہ انجیل دریافت ہوتے ہی غائب کر دی گئی تھی۔

اب اس سلسلے کا تیسرا حوالہ ملاحظہ کیجیے:

(ج) پوپ جیلاشیس کے فرمان میں انجیل بارناباس کا تذکرہ

پوپ جیلاشیس مارچ 492ء سے نومبر 496ء تک پوپ کے عہدے پر فائز رہے۔ انہوں نے اپنے زمانۂ پاپائیت میں کئی فرامین جاری کیے اور چھ دینی رسالے قلم بند کیے۔ علاوہ ازیں قریباً ساٹھ خطوط ان کی یادگار سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے ایک ایسا فرمان جاری کیا تھا جس کی رو سے بعض کتابوں کے پڑھنے کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ ان کتابوں کی فہرست میں ایک نام انجیل بارناباس کا بھی تھا۔ انسائیکلوپیڈیا امیر کانا میں یہ عبارت موجود ہے کہ بارناباس کی ایک انجیل بھی ہوا کرتی تھی' جس کا حوالہ کئی قدیم مصنفین کے ہاں ملتا ہے خصوصاً جیلاشیس کے فرمان میں۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے پرانے اڈیشن میں بھی یہ فقرہ درج تھا کہ ہم عہد قدیم کی تحریروں میں (مثلاً جیلاشیس کے فرمان میں) بارناباس کی انجیل کا تذکرہ پڑھتے ہیں' جسے مسترد قرار دیا گیا تھا۔ برٹانیکا کے نئے اڈیشن میں انجیل بارناباس کا ذکر سرے سے غائب ہی کر دیا گیا ہے۔ اسی

طرح پہلے جیلاشیس کے تذکرے میں اس کے فرمان کا ذکر بھی ہوتا تھا۔ اگرچہ ساتھ یہ درج کر دیا جاتا تھا کہ یہ فرمان جعلی ہے اور غلط طور پر اس کے نام منسوب کیا گیا ہے۔ اب فرمان کا ذکر بھی حذف کر دیا گیا ہے۔ اس سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ اس قسم کے بیانات کی قلعی کھل جانے پر جب مزید دروغ گوئی سے کام لینا ممکن نہیں رہا تو دنیا کے اس ''مستند علمی خزانے'' نے ان کے بیان کو حذف کر دینے ہی میں عافیت سمجھی۔ اس طریق کار کو بھلا کون تحقیقات کا نام دے گا اور علمی دیانت تصور کرے گا؟

بہر حال ان حوالوں سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ سولھویں صدی سے پہلے انجیل بارنا باس کا صاف صاف تذکرہ ملتا ہے۔ یہ انجیل نہ صرف یہ کہ دنیا میں موجود تھی بلکہ اپنا ایک اہم درجہ اور مقام رکھتی تھی۔ جب عیسائیت سینٹ پال کی تعلیم و تبلیغ کی وجہ سے اپنی اصلیت کھو بیٹھی تو پھر اسی کی ہدایات پر عمل درآمد شروع ہوا۔ چنانچہ انجیل بارنا باس جیسی کتابیں غائب کر دی گئیں اور انہیں نابود کرنے کی تمام کوششیں بروئے کار لائی گئیں لیکن قدرت کو یہی منظور تھا کہ گیارہ بارہ سو سال کے بعد یہ انجیل پھر اپنی اصل حالت میں دنیا کے سامنے جلوہ گر ہو۔ اور اس کی دریافت اور اشاعت کا کام بھی اللہ تعالیٰ نے پادری صاحبان ہی سے لیا۔

3۔ انجیل بارنا باس کو عیسائی علماء نے ہی متعارف کرایا

سولھویں صدی میں پوپ کی لائبریری سے انجیل بارنا باس کے ایک نسخے کی دریافت کے ساتھ ہی اس کے تعارف، ترجمے اور اس کی اشاعت کا جس قدر کام عیسائی علماء نے کیا ہے، اس کا عشر عشیر بھی مسلمانوں نے نہیں کیا۔ پادری صاحب محض عناد سے اپنے کتابچے کے ص 20 پر تحریر فرماتے ہیں کہ ''اس جعلی برناباس کی اشاعت کی ذمہ داریاں شروع ہی سے مسلمانوں نے اپنے سر پر اٹھا رکھی ہیں۔''

پادری برکت کو تحقیق اور تلاشِ حق کی تھوڑی سی فرصت اور توفیق بھی ارزانی ہوئی ہوتی تو وہ اس طرح بے پر کی نہ اُڑاتے۔ ایک سیدھی اور سچی بات کو چھپانے کے لیے کئی طرح کے پردے تیار کرنا پڑتے ہیں لیکن جھوٹ کے دبیز پردوں سے بھی اصلیت اور صداقت کی کرن پھوٹ پڑتی ہے اور اِخفاء کی ساری کوششیں بے کار ثابت ہوتی ہیں۔ آیئے حقیقت کی ایک ہلکی سی جھلک دیکھیں:

(1) سولھویں صدی تک انجیل بارنا باس کا ایک نسخہ جہاں محفوظ رہا وہ دنیائے عیسائیت کی سب سے بڑی اور مقدس، شخصیت یعنی پوپ کی لائبریری تھی۔

(2) سولھویں صدی میں پوپ سکسٹس کی لائبریری سے یہ انجیل جس نے برآمد کی وہ ایک عیسائی راہب فرامرینو تھا۔

(3) فرامرینو نے ہی اس کا ترجمہ اطالوی زبان میں کیا۔

(4) اطالوی سے جو ترجمہ ہسپانوی میں کیا گیا تھا وہ بقول پادری جارج سیل ایک اردغانی مسلمان مصطفیٰ عرندی نے کیا تھا لیکن وہ ترجمہ دستبرد زمانہ سے محفوظ نہیں رہ سکا۔

(5) ہسپانوی ترجمہ کچھ عرصہ جارج سیل کے پاس رہا۔ اس کے بعد یہ کتاب کوئنز کالج آکسفورڈ کے ایک رکن ڈاکٹر منک ہاؤس کے ہاتھ لگی۔ اس نے اس کا انگریزی ترجمہ تیار کیا اور یہ ترجمہ مع اصل ہسپانوی کتاب کے 1784ء میں پروفیسر ڈاکٹر ہیوٹ کو پیش کر دیا۔

(6) انجیل برناباس کا پہلا تعارف جارج سیل نے اپنے ترجمۂ قرآن مجید میں کرایا۔ اسی تعارف سے ہی مسلمانوں کو اس انجیل کی موجودگی اور اس کی اصلیت کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں۔

(7) اس کا ایک انگریزی ترجمہ پادری لورا ریگ نے اپنی بیوی لانس ڈیل کے ساتھ مل کر کیا جو اطالوی متن کے ساتھ 1907ء میں کلیرنڈن پریس آکسفورڈ میں شائع ہوا۔

(8) اس کا عربی ترجمہ ایک مصری عیسائی عالم ڈاکٹر خلیل سعادت نے کیا جو 1908ء میں علامہ رشید رضا نے قاہرہ سے شائع کیا۔

(9) اسی عربی ترجمہ سے اس کا پہلا اردو ترجمہ مولوی محمد حلیم انصاری نے غالباً 1910ء میں کیا تھا۔

انجیل برناباس پر اس طائرانہ نظر سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اس انجیل کی دریافت اور اشاعت کا قریب قریب سارا کام پادری حضرات کے ہاتھوں سرانجام پایا ہے۔ پھر اسے چھپانے دبانے اور جعلی ثابت کرنے کی کاوشوں اور اس سلسلے کی تحریروں نے اس انجیل کی حیثیت، حقیقت اور اہمیت کو اجاگر کرنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں پادری برکت کا یہ فرمانا کہ اس انجیل کی اشاعت کی ذمہ داریاں شروع ہی سے مسلمانوں نے اپنے سر پر اٹھا رکھی ہیں، محض بے سروپا دعویٰ ہے۔

4۔ جعلی انجیل برناباس

پادری برکت نے اپنے کتابچے میں انجیل برناباس کو جگہ جگہ جعلی انجیل کہا ہے، اگرچہ وہ بے چارے اس ضمن میں کوئی دلیل یا ثبوت پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ یہ ایک عام منطقی بات ہے کہ کسی چیز کے جعلی ہونے کا تصور اسی وقت ابھرتا ہے جب وہ چیز اپنی اصل شکل صورت میں بھی موجود ہو یا موجود رہی ہو۔ اگر اصلی انجیل برناباس کا کوئی وجود نہ ہوتا تو کسی کے ذہن میں جعلی انجیل کا تصور ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر یہ جعلی انجیل برناباس ہے؟ تو کیا محترم پادری ہمیں بتائیں گے کہ اصلی انجیل برناباس کہاں ہے؟

4.1۔ انجیل برناباس کے مصنف کے متعلق عیسائی علماء کے مفروضے

انجیل برناباس کے مصنف کے بارے میں عیسائی علماء کے ہاں بہت سے مبہم اور متضاد مفروضے ملتے ہیں یہاں پادری برکت کی اطلاع اور توجہ کے لیے نہایت اختصار کے ساتھ چند مفروضے درج کیے جاتے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ اس قسم کے مفروضوں کی کیا حیثیت

ہے:

(1) جارج سیل اپنے ترجمۂ قرآن میں لکھتا ہے کہ انجیل بارناباس دراصل مسلمانوں کی جعلی بنائی ہوئی کتاب معلوم نہیں ہوتی لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے بعد میں اپنی مطلب برآری کے لئے اضافہ اور رد و بدل کیا ہے۔

(2) مسٹر اور مسز ریگ نے ایک امکان یہ پیش کیا ہے کہ یا تو اس کا کوئی اطالوی نقشِ اوّل موجود تھا یا یہ موجودہ قلمی نسخہ سولہویں صدی کے نصف آخر کا ایک من گھڑت جعلی نسخہ ہے (شاید 1565ء سے 1590ء تک کا) اور ممکن ہے کہ فرامرینو کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہو۔

(3) اس انجیل کے عربی مترجم عیسائی عالم ڈاکٹر سعادت نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس انجیل کا مصنف ازمنۂ وسطیٰ کا کوئی اندلسی یہودی ہو گا جو عیسائی ہو گیا ہو گا اور پھر مسلمان ہو گیا ہو گا اور یہ کہ اس شخص نے کتب عہدِ عتیق و جدید (بائبل وغیرہ پر) عبور حاصل کرنے کے بعد عربی زبان پر عبور حاصل کیا اور پھر قرآن و سنت کا علم کماحقہٗ حاصل کیا ہو گا اور اس شخص نے عہد قدیم و جدید کے سفر ناموں اور تلمود کے وسیع علم سے کام لے کر استدلال کیا۔

(4) ٹمپل گارڈنر کا کہنا ہے کہ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ سولہویں صدی میں ایک اطالوی راہب تھا جس کا نام فرامرینو تھا تو اس کی شہادت کی بنیاد پر یہی ماننے کو جی چاہتا ہے کہ وہ ایک مکار آدمی تھا اور ممکن ہے کہ وہ انجیل بارناباس کا مرتب ہو یا اس میں جعل سازی کرنے والا ہو۔

(5) ڈاکٹر جین سلومپ یہ مفروضہ پیش کرتی ہیں کہ فرامرینو کا اسلامی نام شاید مصطفیٰ عرندی تھا۔ وہ کہتی ہیں کہ میری رائے میں اس میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ جعلی بارناباس کے مصنف کا پس منظر ہسپانیہ کے موروں کی مظلوم اقلیت میں تلاش کرنا چاہئے...... انگریزی متن کے مرتبین اسے جعل سازی قرار دیتے ہیں غالباً ایک ایسی شخص کی جو کبھی عیسائی تھا اور بعد میں مسلمان ہو گیا یا کسی ایسے مسلمان کی جسے بزور عیسائی بننے پر مجبور کیا گیا تھا۔ پادری برکت نے بھی اپنے کتابچے کے ص 62 پر یہ فرمایا ہے کہ ظاہر ہے کہ جعلی انجیل برناباس کا مؤلف مسلمان ہے۔

اس قسم کی خیال آرائیوں سے پڑھنے والا اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ کوشش اس امر کی ہو رہی ہے کہ ایک صاف اور سیدھی بات کو کسی نہ کسی طرح مشکوک بنا دیا جائے لیکن محض مفروضوں سے حقیقت کو ابہام و شبہات کے دھند لکے میں غائب کرنا ممکن نہیں۔ اس طرح بات کو الجھایا تو جا سکتا ہے لیکن تلاشِ حق کی راہ سجھائی نہیں دیتی۔ یہ طریق و انداز کسی طرح بھی علمی تحقیق کا درجہ حاصل نہیں کر سکتا۔

اگر بالفرض ہم مان بھی لیں کہ موجودہ انجیل بارناباس جعلی ہے یا اس میں اضافے کیے گئے

ہیں یا ردوبدل کا عمل ہوا ہے تو پھر بھی یہ سوال اپنی جگہ موجود رہتا ہے کہ اصل انجیل بارناباس کہاں ہے؟ عیسائی علماء اسے آج تک دنیا کے سامنے پیش کیوں نہ کر سکے؟

4.2۔ ڈیڑھ سو سال پہلے پادری حضرات کو چیلنج

آج سے تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے کے ایک برطانوی مصنف گوڈ فری ہنجز (1773ء-1833ء) نے بڑی جرأت مندی سے پادری حضرات کو چیلنج کیا تھا کہ وہ اس انجیل، کا وہ اصل نسخہ سامنے لائیں جس میں ترمیم و اضافہ نہ کیا گیا ہو...... اس کی کتاب ''این اپولوجی فار محمدؐ'' لندن سے پہلی بار 1829ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب میں اس نے ڈاکٹر وائٹ اور جارج سیل کے اعتراضات کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ''میں اُن کے اس دعویٰ کو قابلِ قبول نہیں سمجھتا کہ بارناباس کی انجیل میں' جیسے کہ وہ اب موجود ہے' کسی قسم کے اضافے ہوئے ہیں۔ میں ان کی رائے اس وقت تک تسلیم کرنے کو تیار نہیں جب تک کہ وہ مختلف نسخوں کے اختلافات ظاہر نہ کر دیں یا اسی قسم کی کوئی معقول دلیل پیش نہ کریں اور چونکہ اب تک انہوں نے اس قسم کی کوئی دلیل پیش نہیں کی' اس لیے میں یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں کہ ان کے پاس ایسی کوئی دلیل موجود ہی نہیں۔ اگرچہ میں انجیل بارناباس کو وحیٔ الٰہی بھی تسلیم نہیں کرتا لیکن میں یہ بات بھی پورے وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ اصل نسخے میں بشارت موجود نہیں تھی...... تیسری یا چوتھی صدی میں ہماری اناجیل میں الحاقی مواد شامل کیے جانے کے خلاف جو دلائل دیئے جاتے ہیں۔ وہی دلائل اسی طرح بلکہ زیادہ موثر طور پر انجیل بارناباس میں الحاقی مواد شامل کیے جانے کے خلاف پیش کیے جا سکتے ہیں خصوصاً اس دلیل کے خلاف کہ یہ الحاق ساتویں صدی میں عمل میں آیا۔ جس قدر بعد کا زمانہ ہوگا' اسی قدر یہ عمل مشکل معلوم ہو گا۔ محمد (مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے زمانے سے بہت پہلے یہ انجیل عیسائیوں میں عام طور پر معتبر سمجھی جاتی تھی۔ یہ تصور کرنا کہ مسلمان علماء جو دوسری صدی ہجری میں بڑی تعداد میں موجود تھے' اس میں الحاقی عبارات کا کھوج نہیں لگا سکے خصوصاً اگر وہ ویسے ہی تند مزاج تھے جیسے کہ انہیں پیش کیا جاتا ہے۔ یہ بات ناقابلِ توجیہ معلوم ہوتی ہے کہ احیائے علوم کے دور میں کلیسائے روم کے پادری یونانی عربی' سُریانی یا قبطی زبان میں کوئی پرانا نسخہ دریافت نہیں کر سکے۔ جس میں وہ عبارات درج نہ ہوں جن کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ یہ بات یقیناً ناقابلِ توجیہ ٹھہرتی ہے کہ یونان شام اور مصر وغیرہ کے بے شمار عیسائی صومعوں میں سے

ایسا ایک بھی نسخہ پیش نہیں کیا جا سکا۔ میں مسلمانوں کی طرف سے عیسائی پادریوں کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ اس انجیل کا کوئی ایک ایسا نسخہ لے آئیں جس میں ایسی عبارات درج نہ ہوں۔ اگر اس قسم کے نسخے دانستہ مٹا نہیں دیئے گئے تو انہیں ان اسلامی ملکوں میں اب بھی موجود ہونا چاہئے' جہاں عیسائی صومعے بڑی تعداد میں ہیں۔"

سیدھی سی بات جو واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہے' صرف اس قدر ہے کہ انجیل بارناباس قطعاً جعلی نہیں اور نہ کسی مسلمان نے اس میں کوئی ترمیم یا اضافہ کیا۔ یہ تو صدیوں تک پوپ کی لائبریری میں محفوظ رہی۔ وہیں سے برآمد ہوئی اور رفتہ رفتہ دنیا میں پھیل گئی۔

اگر کسی مسلمان نے اس میں تحریف کی ہوتی یا یہ کسی مسلمان نے لکھی ہوتی تو مسلم ممالک میں خوب مشہور ہوتی اور مسلمانوں کی قدیم کتابوں میں اس کا ضرور تذکرہ ملتا۔ لیکن صورت حال بالکل مختلف ہے۔

5۔ انجیل بارناباس کی چند اہم خصوصیات

(1) اس انجیل کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ یہی وہ واحد انجیل ہے' جو حضرت عیسیٰؑ کے ایک حواری کی لکھی ہوئی ہے۔ ہم گزشتہ صفحات میں معلوم کر چکے ہیں کہ موجود و مروجہ چاروں انجیلوں کے مصنفین نامعلوم اشخاص تھے اور ان میں سے ایک بھی حواری نہ تھا۔ بارناباس کی انجیل کے علاوہ اور کسی انجیل سے اس کے مصنف و مؤلف کے بارے میں کچھ معلومات حاصل نہیں ہوتیں جب کہ اس میں برناباس صاف بتاتے ہیں کہ میں یہ انجیل حضرت عیسیٰؑ کے ارشاد کے مطابق لکھ رہا ہوں۔ ان کے اس بیان کے تسلیم نہ کرنے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔

(2) ہم گذشتہ صفحات میں یہ بھی معلوم کر آئے ہیں...... کہ بارناباس کی وفات کا سال 61ء ہے اور ظاہر ہے کہ ان کی وفات یا شہادت سے قبل یہ انجیل لکھی جا چکی ہو گی اس اعتبار سے یہ سب انجیلوں سے قدیم ٹھہرتی ہے۔

(3) اس انجیل کا ایک نسخہ پوپ صاحب کی لائبریری میں محفوظ رہا۔ اس طرح اس انجیل میں ترمیم و اضافے کا عمل نہیں ہو سکا۔ چنانچہ یہ انجیل اپنی اصل حالت میں موجود رہی۔

(4) یہ انجیل دوسری انجیلوں کے مقابلے میں مفصل ہے...... جو واقعات اور بیانات دوسری انجیلوں میں نہیں ملتے یا اختصار سے ملتے ہیں۔ یہاں تفصیل سے درج کر دیئے گئے ہیں۔

(5) بارناباس حضرت عیسیٰؑ کی زندگی اور تبلیغی سرگرمیوں کے کم و بیش سبھی واقعات کے عینی شاہد تھے اس لیے ان کے بیانات زیادہ اعتماد کے لائق ٹھہرتے ہیں۔

(6) مروجہ چاروں انجیلیں سینٹ پال کے معتقدات و اثرات کے ماتحت لکھی گئی ہیں، اس لیے ان میں اور باتوں کے علاوہ بارناباس کا نام بطور حواری نہیں آنے دیا گیا۔ اسی طرح کتاب ''اعمال'' میں بھی ان کا تذکرہ نامکمل صورت میں ملتا ہے۔ انجیل بارناباس ان معتقدات و اثرات کی آلودگی سے پاک رہی، بلکہ اس میں تو سینٹ پال کے عقائد و تصورات سے خبردار کیا گیا ہے۔ انہی وجوہ سے یہ انجیل ارباب کلیسا کے نزدیک ناقابل قبول ٹھہری اور اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔

(7) یہ انجیل اخلاقی افادیت اور اہمیت کے لحاظ سے بہت بلند مرتبہ رکھتی ہے۔ اس انجیل کے عربی مترجم ڈاکٹر خلیل سعادت اس پر کئی اعتراضات وارد کرنے کے باوجود لکھتے ہیں کہ:

''اس انجیل کا مقصد انسانی جذبات کو بہت ہی بلند درجے پر پہنچا دینے کی کوشش ہے۔ یہ آدمی کو حیوانی خواہشات سے پاک بنانا چاہتی ہے اور اسے نیک کام کا حکم دیتی ہے اور برے کاموں سے منع کرتی ہے۔ عمدہ عادتوں پر رغبت دلاتی، کمینی حرکتوں کی خرابیاں بتاتی اور انسان کو خلقِ خدا کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرنے میں ایثار کی دعوت دیتی ہے تاکہ اس سے انانیت کا اثر بالکل مٹ جائے اور وہ اپنی زندگی محض بنی نوع انسان کی بہی خواہی پر وقف کر سکے۔''

اسی طرح انسائیکلو پیڈیا مذہب و اخلاقیات میں بھی یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ انسانی ہمدردی اور رواداری کا وسیع جذبہ اس کتاب کے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے ہے۔

(8) اس انجیل کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس میں پیغمبر آخر الزمان حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی تشریف آوری کی واضح بشارتیں موجود ہیں۔ یوں تو عہد نامۂ قدیم کی مختلف کتابوں اور اناجیل میں بھی حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کے اوصاف جلیلہ اور آپ کی تشریف آوری کے بارے میں پیش گوئیاں پائی جاتی ہیں لیکن انجیل بارناباس میں بڑی صراحت اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسم گرامی کے ساتھ بشارات ملتی ہیں۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برق

تعارف انجیل برناباس

برناباس کے لفظی معنی ہیں: "نبوت، موعظت یا تسکین کا فرزند" (1) یہ نام حواریانِ مسیح نے قبرص کے ایک یہودی یوسف کو دیا تھا جو حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لانے کے بعد تین سو برس تک بعض عیسائی فرقوں کے ہاں حواریوں میں شمار ہوتا رہا۔ جب طرسوس (ایشیائے صغیر) کا ایک سردار (2) پال نامی ایمان لایا تو حواریوں سے اس کا تعارف برناباس ہی نے کرایا تھا "رسولوں کے اعمال" سے مزید پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں مل کر ایشیائے صغیر، قبرص اور انطاکیہ میں تبلیغ کرتے رہے، بعد میں یہ ایک دوسرے سے الگ ہو گئے، برناباس اپنے وطن (قبرص) میں چلا گیا اور 80ء کے قریب وہیں شہادت یا وفات پائی۔

اناجیل۔ عیسوی تقویم کی ابتدائی تین صدیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات، حالات اور معجزات پہ مشتمل بہت سی اناجیل لوگوں کے پاس تھیں، ان کی تعداد چالیس کے قریب بتائی جاتی ہے، بعض نام یہ ہیں:

انجیلِ پطرس	انجیلِ اندریاس	انجیلِ بارتھالوی	انجیل فیلیبوس
" لوقا	" یعقوب	" نیقودیس	" تھیڈیکس
" پولس	" سرتھس	" یہودیہ	" مارکیون
" برناباس وغیرہ			

325ء میں اتھانیسیس (3) کی مساعی سے نیقیہ (4) میں عیسائی اولیاء و صوفیاء کی ایک مذہبی کونسل منعقد ہوئی، جس میں صرف چار اناجیل کو منتخب اور باقی تمام کو مسترد کر دیا گیا، ان میں انجیل برناباس بھی شامل تھی، اسی قسم کا اختلاف عہد نامۂ قدیم کے متعلق بھی تھا، جس فرقے یا پادری کا جی چاہتا اپنا پسندیدہ صحیفہ صحائفِ بائبل میں داخل کر دیا۔ آخر 692ء میں کسی حد تک یہ اختلاف بھی ختم ہو گیا اور بائبل کو صرف 66 صحائف کا مجموعہ قرار دے دیا گیا، ان میں 39 پرانے تھے اور 27 نئے، جو بعثت عیسیٰؑ کے بعد مرتب ہوئے تھے لیکن کیتھولک آج بھی بائبل کو 72 صحائف کا مجموعہ سمجھتے ہیں۔

انجیل برناباس۔ لور پول (انگلستان) کے ایک محقق لائٹ فٹ کی تحقیق یہ ہے (برطانیکا۔ ج۔

3 ص 118) کہ یہ انجیل رومہ کے شہنشاہ وسپاسین (Vespasian - 69 تا 79ء) کے عہد میں لکھی گئی تھی لیکن نیقیہ کے فیصلوں کے بعد اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر جلایا گیا اور اسے پاس رکھنا جرم قرار پایا' ان سختیوں کے باوجود اس کا کوئی نہ کوئی نسخہ بچ رہا' ان میں سے ایک کا ترجمہ کسی نے اطالوی زبان میں کرڈالا' جسے بعد میں ارائدہ(5) (ہسپانیہ میں بارسلونہ کا ایک شہر) کے ایک مسلم مصطفیٰ نے ہسپانوی میں منتقل کر دیا' یہ نسخہ 222 ابواب اور 425 صفحات پہ مشتمل تھا۔

اطالوی نسخہ پوپ سکسٹس پنجم Sixtus-V (1585ء تا 1590ء) کی لائبریری میں تھا' ایک دن ایک مانک (Monk۔ چھوٹا پادری یا چیلہ) فرامرینو (Framarino) اس پوپ کے پاس بیٹھا تھا کہ پوپ کی آنکھ لگ گئی اور مرینو اُٹھ کر اس کی لائبریری کو دیکھنے لگا' اتفاقاً یہ نسخہ سامنے آ گیا' اسے مرینو نے اپنی آستین میں چھپا لیا اور پوپ جاگا تو اس سے اجازت لے کر چلتا بنا' یوں یہ نسخہ پوپ کے محل سے باہر آ گیا۔

اس انجیل کے امتیازی اوصاف یہ ہیں:

اول: اس میں صرف توحید کی تعلیم ہے' تثلیث اور کفارے کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔

دوم: حضرت عیسیٰؑ کی جگہ ان کے ایک منافق حواری یہوداہ کے مصلوب ہونے کا ذکر ہے۔

سوم: حضور ﷺ کی آمد کی بشارت واضح الفاظ میں موجود ہے۔

عیسائیوں کی رائے: عیسائی علماء کی متفقہ رائے یہ ہے کہ یہ ایک محرف صحیفہ ہے' جس میں حضور ﷺ کی متعلق بشارات کا ذکر کسی مسلمان کی جعل سازی ہے' لیکن وہ یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ کس مسلمان نے کب یہ اضافہ کیا تھا؟ اور نہ وہ آج تک اس انجیل کا کوئی ایسا نسخہ پیش کر سکے جس میں یہ بشارات موجود نہ ہوں۔

دوسری طرف مسلم محققین بھی اس انجیل کا کوئی ایسا مخطوطہ تلاش کرنے میں ناکام رہے ہیں جو حضور ﷺ کی ولادت سے پہلے کا ہو اور اس میں یہ بشارات موجود ہوں۔

حوالہ جات

-1 ڈکشنری آف دی بائبل' تدوین ولیم سمتھ لندن یونیورسٹی' طبع نیویارک' ص 74

-2 اعمال 9 : 27

-3 اتھانیسیس (Athanasius) اسکندریہ کا ایک دینی رہنما تھا' ولادت 297ء اور وفات 373ء

326ء میں یہ اسکندریہ کا بشپ مقرر ہوا 336ء - 363ء قیصر قسطنطین (305ء - 337ء) اور اس کے جانشینوں کے قہر وغضب کا شکار رہا۔ 363ء میں اسے بحال کر دیا گیا اور دس برس بعد اسکندریہ میں ہی اس کی وفات ہوئی۔

(سٹینڈرڈ انسائیکلوپیڈیا' کلکتہ' 1936ء' ص 84)

4- ایشیائے صغیر کا ایک شہر' جس کی بنا جھیلیا (ایشیائے صغیر) کے ایک بادشاہ اینٹگونس (Antigonus) نے 316ء میں ڈالی تھی۔ (ایضا ص 933)

5- ڈکشنری آف اسلام' طبع لاہور' 1944ء' ص 36


تاریخ کلیسا

ڈاکٹر نادر رضا صدیقی (پی ایچ ڈی)

کلیسائی درجہ بندی اور عیسائی فرقے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فوراً ہی بعد عیسائیوں میں فرقہ آرائیوں کا بازار گرم ہوگیا تھا۔ وہ یہودی جو حضرت عیسیٰ کے پیرو بن گئے تھے اور وہ غیر یہودی جو پیرو بنتے جارہے تھے (جنہیں جنٹائلز کہتے ہیں) میں کشاکش شروع ہوگئی تھی۔ یروشلم کی کونسل کے بعد پولوس نے ختنہ نہ کرنے اور سور کا گوشت کھانے کی اباحت کردی تھی' اس اباحت سے راسخ العقیدہ عیسائیوں میں بے چینی بڑھنے لگی۔ یہاں تک کہ عقائد میں اختلاف شروع ہوگیا۔ لوگوں کی جتنی رائیں تھیں اتنے ہی عقائد تھے۔ جس طرف میلانِ طبیعت ہوتا ویسے ہی نظریات بن جاتے۔ عیسائیت اطراف و اکناف میں وسعت پارہی تھی' حضرت عیسیٰ کی اصل تعلیمات مسخ ہورہی تھیں اور جوں جوں نئے افراد اس دائرے میں داخل ہورہے تھے' وہ اپنے پرانے مذہب کی روایات وخصوصیات کے ساتھ آرہے تھے۔ اس طرح فرقے بنتے جارہے تھے اور ان کی جدا جدا کلیسائیں وجود میں آرہی تھیں۔ چنانچہ اس وقت صرف امریکہ میں عیسائی فرقوں کی تعداد ڈھائی سو کے قریب ہے اور اسی نسبت سے کلیسائیں بھی ہیں۔(1)

جنوبی افریقہ کے بانتو قبائل میں تو فرقہ بازی کی انتہا ہوگئی۔ وہاں 1910ء سے اب تک 14 سو عیسائی فرقے بن چکے ہیں۔(2) فرقوں اور کلیساؤں کی اتنی کثیر تعداد کی مثال کسی اور مذہب میں کم ہی ملے گی۔ یہ کلیسائیں صرف عقائد کی پیچیدگی کی وجہ سے ظہور میں نہیں آئیں' بلکہ مختلف وجوہات کی بنا پر ایسا ہوا' جن میں سے ایک زبان بھی ہے۔ پادری برکت اللہ لکھتا ہے کہ زبان کے لحاظ سے دو قسم کی نمودار ہوئیں اوّل وہ جو یونانی (Hellenistic) تھیں ان کی عبادت کی زبان یونانی تھی۔ انطاکیہ (شام) ان کا مرکز بن گیا۔ دوسری وہ جو شامی تھیں اور جو سُریانی یا آرامی زبان میں عبادت کرتی تھیں' اڈیسہ ان کلیساؤں کا مرکز بن گیا۔ پھر ان کلیساؤں کی شاخیں اور مزید حصے بنتے گئے۔ چنانچہ یہی مصنف لکھتا ہے۔

مبداء ومخرج کے لحاظ سے مشرقی کلیسا بھی چار قسم کی ہیں:

1- ہولی آرتھوڈوکس (Holy Orthodox) پاک راسخ العقیدہ کلیسا جس کو گریک (یونانی) کلیسا بھی کہتے ہیں۔ یہ قدیم ترین کلیسا ہے۔

2- قومی یا ملکی کلیسا جو پانچویں یا چھٹی صدیوں میں اِفسس اور خلقدونیہ (کیلسیڈون) کی کونسلوں کے خلاف وجود میں آئیں۔ یہ کلیسائیں حسب ذیل ہیں:
(الف) نسطوری کلیسا (ب) آرمنی یا گریگوری کلیسا (ج) قبطی یا مصری کلیسا (د) حبشہ ابی سینیا کلیسا (ہ) قدیم شامی یا جیکو بائٹ کلیسا (یعقوبی کلیسا)۔

3- تیسرے وہ تمام کلیسائیں ہیں جو دوسرے طبقہ کی کلیساؤں کو چھوڑ کر مغرب کی رومی کلیسا کے ماتحت ہو گئیں۔ ان کو یونی یونائٹڈ باڈیز کہتے ہیں۔ گو یہ کلیسائیں رومی کلیسا کے پوپ کی متابعت کرتی ہیں تاہم اپنی قدیم خصوصی طرز عبادت کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ ان میں 6 کلیسائیں ہیں۔

4- چوتھا گروہ صرف لبنان کی قدیم ملکی یا قومی کلیسا پر مشتمل ہے جس کو میرونائٹ (Maronite) کلیسا کہتے ہیں۔(3) گویا مشرقی کلیسا کی 13 شاخیں ہوئیں۔

افسس (Ephesus)

افسس (Ephesus) کی پہلی کونسل 431ء میں منعقد ہوئی۔ اس میں شرکت کے لیے قسطنطنیہ کا پیٹریارک نسطوریس (Nestorius) انطاکیہ سے آیا۔ اس کی تعلیم یہ تھی کہ "یسوع مسیح میں دو فطرتیں متحد نہیں تھیں، بلکہ اپنی الٰہی فطرت کو خدا باپ سے ورثہ میں پایا تھا اور انسانی فطرت کو اپنی ماں مقدسہ مریم سے۔ اور یہ کہ مقدسہ مریم خدا کی ماں نہیں تھیں۔ یہ کانفرنس شہنشاہ تھیوڈورس (Theodorus) نے شہر افسس میں بلوائی تھی۔ اس کانفرنس کا صدر اسکندریہ کا بشپ سیرل تھا۔ اس کونسل میں نسطوریس کے خلاف فتویٰ دیا گیا اور اسے پیٹریارک کے عہدہ سے خارج کیا گیا۔ اسی اثناء میں انطاکیہ کے بشپ بھی وہاں پہنچ گئے۔ جب انہیں اس کارروائی کا علم ہوا تو انہوں نے اس کونسل کے مدمقابل دوسری کونسل بلوائی اور جواباً سیرل کو اس کے عہدہ سے معزول کر دیا۔ اس پر طرفین نے تھیوڈورس کو اپنی اپنی اپیل بھیجی۔ شہنشاہ نے سیرل کا ساتھ دیا اور نسطوریس کو ملزم گردانا، اور وہ جلاوطنی کے عالم میں 444ء میں مر گیا۔(4)

اِفسس کی دوسری کونسل 449ء میں بلوائی گئی۔ یوٹیکس (Eutyches) اسکندریہ کے راہب خانہ کا صدر تھا۔ اس نے مسیح کی ان دو فطرتوں کے خلاف جس کو اب نسطورین ازم کہا جانے لگا تھا، تعلیم دینی شروع کی کہ مسیح کی انسانی فطرت اس طرح الٰہی فطرت میں معدوم ہو گئی، جس طرح سرکے کا قطرہ سمندر میں کھو جاتا ہے اس کو مانوفسٹی ازم (Monophysitism) کہتے ہیں۔(5)

اسقف اعظم فلیوین نے اس کی تصدیق نہیں کی۔ اس خیال کو کہ مسیح میں دو جدا ذاتیں ہیں، رد کر دیا گیا۔ تب مصری بشپ اور راہب یہ کہہ کر چلائے کہ جو مسیح کی ذات پاک کے ٹکڑے کرتا ہے اس کے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ فلیوین کو بارسوماس کے راہبوں نے دبایا۔(6) فلیوین (Flavin) بے

چارے کو اتنی بے رحمی سے پیٹا کہ وہ اس کے نتیجہ میں مرگیا۔ دوسرے بشپوں نے کونسل سے فرار کی کوشش کی۔ انہوں نے بینچوں کے نیچے چھپنے کی کوشش بھی کی لیکن انہیں کھینچ کھینچ کر باہر نکالا گیا۔ اور خوب زدو کوب کیا گیا۔ ان سے دستاویز پر بالجبر دستخط کرائے گئے...... جب پوپ لیو کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اعلان کیا کہ یہ کونسل کسی طرح بھی درست قرار نہیں دی جاسکتی۔ اس کا ایک ہی نام ہوسکتا ہے: ڈاکوؤں کی کونسل۔ (7)

چالسیڈون کونسل 451ء (Council of Chalcedon)

شاہ تھیوڈورس دوم مذکورہ واقعہ کے بعد جولائی 450ء میں مرگیا۔ (8) اس کے بعد اس کی بہن ملکہ پورکریا تخت نشین ہوئی۔ اس نے کونسل آف چالسیڈون کا اہتمام کیا۔ اس کونسل نے گذشتہ تمام کارگذاریوں کو اُلٹا دیا۔ دوبارہ کیتھولک تعلیم کا اعلان کیا کہ "خداوند مسیح ایک کامل خدا اور ایک کامل انسان ہے۔" (9) یہ کونسل 8 اکتوبر تا یکم نومبر 451ء جاری رہی۔ اس میں 600 بشپوں نے شرکت کی۔ پوپ کے نمائندوں نے ڈیاس کورس اور اس کے ہم نواؤں کی مخالفت کرتے ہوئے یہ قرارداد پاس کی کہ وہ مجلس میں علیحدہ بیٹھیں۔ انہیں رائے دہی کا حق نہیں ہے۔ اس پر ڈیاس کورس اور اس کے رفقاء نے شور مچایا کہ شاہ یہودی ہے اور مسیح کا مخالف ہے۔ ڈیاس کورس اسکندریہ کا اسقف اور سیرل کا جانشین تھا۔ اس نے ہی اِفسس کی پہلی کونسل کی صدارت کی تھی۔

اس کونسل میں بھی ہنگامہ برپا ہوگیا۔ بہرحال کونسل نے فیصلہ دیا کہ "مسیح کی شخصیت ایسی متحدہ شخصیت ہے جس میں الٰہی اور انسانی دونوں ذاتیں موجود ہیں۔ یہ دو جدا ذاتیں نہ پیوستہ ہیں نہ مخلوط اور نہ ہی ان میں کسی ہیئت کی تبدیلی ہوئی ہے۔ دونوں جدا جدا قائم رہتی ہیں اور دونوں ذاتوں سے دو اشخاص مراد نہیں بلکہ ایک واحد بیٹا مراد ہے جو خدا کا کلمہ اور ہمارا نجات دہندہ ہے...... اس طرح اس عقیدہ کا تصفیہ ہوا اور اب پھر مسلمہ عقیدہ کے خلاف ہر نئی تعلیم و تحریر کو ناجائز قرار دے دیا گیا اور فیصلہ ہوا کہ جو بشپ، فادر، راہب اور کلیسا کا فرد کسی نئی تعلیم کی نشر و اشاعت کرے اسے تعزیری سزائیں دی جائیں اور معزول کر کے اسے لعنتی گردانا جائے۔" (10)

مشرقی کلیسائیں

مشرقی کلیساؤں کی مختصر تفصیلات حسب ذیل ہیں:

1- گریک آرتھوڈوکس کلیسا

اس قدیم کلیسا کا پورا نام ہے "سات کونسلوں کا عالمگیر پاک جامع رسولی کلیسا" The Church of the Seven Councils, Ecumenical, Holy Catholic, and

The Holy Orthodox لیکن عام طور پر اس کو پاک راسخ العقیدہ Apostolic Church یا مشرقی کلیسا .The Eastern Church اور یونانی کلیسا (The Greek Church) کہا جاتا ہے۔ اس کلیسا کی بھی متعدد شاخیں ہیں' جو ایک دوسرے کے ماتحت نہیں۔ تاہم ان کا بنیادی عقیدہ ایک ہی ہے کہ یسوع مسیح' دنیا کے واحد منجی ہیں اور ان کا اِس دنیا میں کوئی خلیفہ یا نائب نہیں۔ نیز روح القدس صرف باپ سے صادر ہوئی نہ کہ بیٹے سے۔ حالانکہ پروٹسٹنٹوں کے نزدیک یہ کفر ہے۔ یہ فرقہ پوپ کو منزہ عن الخطا نہیں سمجھتا۔

جب گیارہویں صدی میں اس واحد عالم گیر عیسائی کلیسا میں پھوٹ پڑ گئی' اور اس کے مشرقی و مغربی دو ٹکڑے ہو گئے تو رومی یا لاطینی یا مغربی کلیسا اپنے آپ کو کیتھولک (بمعنی جامع اور عالمگیر) کلیسا کہنے لگی۔ اور یونانی یا مشرقی کلیسا کا نام آرتھوڈوکس (راسخ العقیدہ) پڑ گیا۔(11)

2۔ نسطوری یا کلدی کلیسا (Nestorian Church)

یہ ایڈیسہ میں جڑ پکڑ چکا تھا۔ شاہ زینو نے نسطورین ازم کا سکول ایڈیسہ میں حکماً بند کر دیا تو نسطورین ازم ہندوستان اور چین میں پھولتا پھیلتا رہا۔(12)

اس کلیسا کے زوال کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ 1450ء سے اس کلیسا کے پیٹریارک نسل درنسل گدی پر بیٹھتے چلے آئے۔ چچا کے بعد اس کا بھتیجا پیٹریارک ہوتا تھا۔ اس عہدہ کے لیے یہ شرائط ہوتی تھیں کہ امیدوار کنوارا ہو' گوشت خور نہ ہو بلکہ اس کی ماں نے بھی حمل اور رضاعت کے زمانہ میں گوشت سے پرہیز کیا ہو...... بعض اوقات یہ پیٹریارک 12 سالہ یا اس سے بھی کم عمر کے لڑکے ہوتے تھے۔ (13) اس کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ میں دو ذاتیں تھیں۔ ابن اللہ اور ابن آدم۔ بیٹا خالص خدا ہے اور مسیح خالص انسان یعنی دو شخصیتیں دو حقیقتیں۔

مونوفی زائٹ کلیسا

اس کو جیکو بائٹ (یعقوبی) کلیسا اور قدیم شامی کلیسا بھی کہتے ہیں۔ اس کلیسا کا صدر مقام مرون کے قریب دیر الزاعفران (Deir-ez-Zaferan) کی خانقاہ ہے۔

اِفسس کی کونسل منعقدہ 431ء کیلیڈون کی کونسل منعقدہ 451ء اور قسطنطنیہ کی تیسری کونسل منعقدہ 680ء نے ان کلیساؤں کو بدعتی قرار دیا تھا۔ اس کے باوجود یہ کلیسائیں اپنے عقائد پر قائم رہیں...... کسی زمانہ میں اس کلیسا اور نسطوری کلیسا دونوں کے شرکاء کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ ان ''بدعتیوں'' کا وجود کلیسائے جامع کے لیے خطرے کا باعث بن گیا تھا۔(14)

ارمنی کلیسا یا گریگورین کلیسا

کلیسائی روایت کے مطابق مقدس تدی اور برتلمائی' حضرت عیسیٰ کے دو رسولوں نے پہلی

صدی کے نصف حصہ میں ارمنی کلیسا کی بنیاد ڈالی تھی۔ ارمنی کلیسا کا درخشندہ ستارہ گریگوری تھا جو عیسائی ہوگیا تھا۔ اس نے کلیسا کو ایسا مستحکم اور استوار کردیا کہ اس کو آرمینیا کو منور کرنے والا گریگوری کہا جانے لگا۔ اسی کے نام کی نسبت سے ارمنی کلیسا کو "گریگورین کلیسا" بھی کہتے ہیں۔ گریگوری ارمنی کلیسا کا پہلا پیٹریارک تھا۔ اس نے دارالسلطنت میں پہلا گرجا کوہ ارارات کے قریب تعمیر کیا۔ اس کلیسا نے بھی چالسیڈون کونسل کے فیصلوں کو رد کردیا۔ ارمنی کلیسا رومی کلیسا کے اس دعویٰ کی تردید کرتی ہے کہ وہ تمام دنیا کی کل کلیساؤں کی ماں ہے اور اس کا پوپ دیگر پیٹریارکوں سے درجہ اور مرتبہ میں افضل و اعلیٰ ہے' بلکہ یہ کلیسا پوپ کو دیگر پیٹریارکوں میں سے ایک پیٹریارک مانتی ہے اور پوپ کے خطا سے منزہ ہونے سے انکار کرتی ہے' نہ اس کو حضرت عیسیٰ کا نائب یا خلیفہ سمجھتی ہے۔(15) علاوہ ازیں نہ صرف مسیح کے کفارہ کے قائل نہیں' بلکہ مریم کے تہوار میں نہ صرف اپنی بلکہ اپنے عزیز کی طرف سے قربانیاں کرتے ہیں۔

رومن کیتھولک کلیسا

روم والوں کا کہنا ہے کہ روم میں کلیسا کی بنیاد پطرس اور پال رسولوں نے رکھی اور ہم ان رسولوں کے مقبروں کے مجاور ہیں۔ قسطنطنیہ اور روم والوں میں اختلاف اس وقت اور بھی زیادہ ہوا جب کہ تھیوڈوسیس نے 315ء میں انتقال کیا' جو پوری سلطنت کا واحد حکمران تھا۔ اس کی سلطنت اس کے بیٹوں میں تقسیم ہوگئی۔ ارکاڈیوس (Arcadius) مشرقی حصہ کا فرمان روا رہا اور ہونوریوس (Honorius) مغربی حصہ کا بشمول اٹلی بادشاہ ہوا۔ اس طرح مشرق و مغرب کے بشپ بھی نہ صرف جغرافیائی لحاظ سے بلکہ سیاسی وفاداریوں کے اعتبار سے بھی تقسیم ہوگئے۔ 1054ء میں مغربی و مشرقی کلیسائیں بالکل علیحدہ ہوگئیں۔

مغربی کلیسا نے اپنا نام "رومن کیتھولک" رکھا اور مشرقی کلیسا یعنی قسطنطنیہ والوں نے "آرتھوڈوکس" کلیسا نام رکھا۔ رومی ولاطینی یا مغربی کلیسا کا صدر پاپائے اعظم کہلاتا تھا' جب کہ دوسری کلیساؤں کا صدر پیٹریارک کے نام سے موسوم تھا۔ یہ سب سے قدیم فرقہ ہونے کا دعویدار ہے۔ اس کی آبادی اس وقت تمام عیسائیوں میں زیادہ ہے۔ اس وقت اس کا پاپائے اعظم پوپ پال ششم ہے۔ پروٹسٹنٹ فرقہ کے لوگ اس فرقہ پر الزام لگاتے ہیں کہ یہ بت پرست فرقہ ہے۔

یونانی مشرقی کلیسا

چوتھی صلیبی جنگ کے وقت 1204ء میں قسطنطنیہ پر خود یورپی عیسائیوں نے یلغار کر کے قبضہ کرلیا حالانکہ یہ بھی عیسائی ملک تھا۔ آٹھ دن تک یہاں لوٹ مار قتل وغارت گری اور آتش زنی کا بازار گرم رہا جس کی وجہ سے تاریخ اور فنونِ لطیفہ کا سب سے بہترین ذخیرہ تباہ ہوگیا۔ رومی عیسائی بادشاہوں نے یہاں حکومت شروع کردی تو یونانی عیسائی بادشاہ ایشیائے کوچک میں نائس چلے گئے اور وہاں سے

حکومت کرنے لگے۔ 1261ء میں یونانی عیسائیوں نے دوبارہ قسطنطنیہ پر قبضہ کرلیا' اور رومیوں کی حکومت ختم کی۔ 29 مئی 1453ء کو مسلمانوں نے اسے فتح کیا۔ اس طرح مشرقی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ مسلمان حکمرانوں نے قسطنطنیہ کے پیٹریارک کو اجازت دی کہ وہ اپنے مذہبی معاملات جاری رکھے۔

1829ء میں جب روسی استعمار کے سہارے یونان کی خودمختار حکومت قائم ہوئی' تو یونان نے خود کو قسطنطنیہ کے پیٹریارک سے علیحدہ کرلیا۔ 1833ء میں یونانیوں نے ہر غیر ملکی کلیسائی اقتدار سے علیحدگی کا اعلان کرکے اپنے آپ کو مختار بنالیا۔ اس نئے خودمختار کلیسا نے ہولی سائنوڈ (Holy Synod) قائم کی جو کلیسا کا انتظام سنبھالے۔ 1850ء میں قسطنطنیہ کے پیٹریارک نے گریک یا ہیلینک (Hellenic) کلیسا کی خودمختاری کو تسلیم کرلیا۔ آج کل "نیشنل چرچ آف گریس" ایتھنز کے آرچ بشپ کے تحت ہے لیکن شمالی یونان کے متعدد ڈایوسس (Dioceses) قسطنطنیہ (استنبول) کے پیٹریارک کے ماتحت ہیں۔

روسی کلیسا

نویں صدی عیسوی میں قسطنطنیہ کے پیٹریارک نے روس میں مشن بھیجے۔ 955ء میں روس کی مشہور شہزادی اولگا یعنی ڈیوک ایگر کی بیوی نے مشرقی کلیسا میں بپتسمہ لیا۔ اس کے باوجود بجائے اس کے کہ ان پر عیسائیت کی گہری چھاپ پڑتی وہ اپنے پرانے عقائد سے چمٹے رہے۔ روسی کلیساؤں کا مورخ یوجینوس گلوبین سکی (Eugenius Globinsky) کہتا ہے "روس نے نویں صدی میں بپتسمہ لیا تھا لیکن وہ عیسائی نہیں ہوا تھا۔(16)

1453ء میں قسطنطنیہ جب مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا تو فوراً روسیوں کو خیال پیدا ہوا کہ ماسکو کو تیسرا روم بننا چاہیے' کیونکہ روس کے ایک زار نے آخری بازنطینی شہنشاہ کی لڑکی سے شادی کی تھی۔ اس طرح وہ بازنطینی شہنشاہیت کے وارث ہیں۔ چنانچہ ٹوئن بی نقل کرتا ہے کہ "قدیم رومہ کا کلیسا اس لیے زوال پذیر ہوا کہ وہ الحاد کا مرتکب تھا۔ دوسرے روما یعنی قسطنطنیہ کے دروازے "کافر ترکوں" کی کلہاڑیوں سے اکھاڑ دیئے گئے۔ لیکن ماسکو کا کلیسا جو نئے روما کا کلیسا ہے' پوری کائنات میں آفتاب سے بھی بڑھ کر تاباں و درخشاں ہے۔ تیسرا روم اپنی جگہ مضبوطی سے قائم ہے۔ چوتھا وجود میں نہیں آسکتا۔(17)

عیسائیت ماسکو میں منتقل ہوگئی تھی' اس کے باوجود کلیسائی نظام مکمل طور پر خودمختار نہ تھا۔ 1657ء تک ماسکو کے پیٹریارک' قسطنطنیہ کی رضامندی حاصل کرنے کی کوششیں کرتے تھے۔ 1660ء میں روسی سفیر نے پیٹریارک قسطنطنیہ ڈایونی سس دوم اور دوسرے یونانی پیٹریارکوں سے یہ دستاویزی اعلان وصول کیا کہ روسی پیٹریارک خود اپنے اہلِ کلیسا سے منتخب ہوا کرے گا' جس کے لیے کسی یونانی پیٹریارک سے منظوری کی ضرورت نہ ہوگی۔ رومن پوپ صاحبان نے خاص طور پر لیو دہم' کلیمنٹ ہفتم اور

گریگوری سیز دہم نے سولہویں صدی میں اپنی کوششیں شروع کر دیں کہ روسی کلیسا کا ان کے رومن کیتھولک کلیسا سے اتحاد ہو جائے۔ (18)

روس کے بادشاہ پیٹر اعظم (1690-1725ء) نے کلیسا کے عہدۂ پیٹریارک کو ختم کر دیا اور اس کی جگہ ایک مجلس مقرر کی۔ اس مجلس کی صدارت غیر مذہبی شخص کرتا تھا۔ اس طرح کلیسا حکومت کے زیر اثر آ گیا۔ (19) نومبر 1917ء کے روسی انقلاب کے بعد حکمران پارٹی نے کلیساؤں کی جائیداد اور اہل کلیسا کے اثاثوں کو ضبط کرنا شروع کر دیا اور اعلان کیا کہ "مذہب لوگوں کے لیے افیون" ہے۔ اس کے باوجود جب انہوں نے دیکھا کہ مذہب کو ختم کرنا دشوار ہے تو اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے انہوں نے کلیسا کو استعمال کرنا شروع کیا۔

1945ء میں ماسکو کے نواح میں "رشین آرتھوڈوکس چرچ کونسل" کی میٹنگ ہوئی، جس کی وجہ سے مذہبی عہدیداروں میں مذہب کے مستقبل کے بارے میں اچھی امیدیں قائم ہوئیں۔ میٹروپالیٹن بنجامن سابقہ آرک بشپ، ماسکو پیٹریارکسٹ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ روسی دارالخلافہ۔ ماسکو اب "تیسرا روم" بن گیا، اور مستقبل میں "ماسکو" تمام کلیساؤں کی میٹنگوں کا مرکز ہوگا۔

ماسکو کو اہم مقام بنانے کے خیال سے روسیوں نے ماسکو کے پیٹریارک الیکسس (Alexis) کو امداد دی اور اس کی ہمت افزائی کی کہ اپنے تعلقات بیرونِ ملک زیادہ سے زیادہ بڑھائے، تاکہ وہ خود اور پھر روسی آرتھوڈوکس کلیسا عیسائی دنیا میں اپنے قائدانہ مقام کا دعویٰ کر سکے۔ اس دُور اندیشانہ خیال کے ساتھ روسی کلیسا نے "عالمی کونسل برائے کلیسا" میں داخلہ کی درخواست بھی دی۔ اس کونسل کی تیسری اسمبلی 18 نومبر تا 6 دسمبر 1961ء نئی دہلی میں ہوئی تھی۔ اس کونسل میں پچاس سے زائد ملکوں کے 175 ممبر کلیساؤں کے 265 مندوبین شریک ہوئے۔ اس اسمبلی میں 23 نئے کلیسائی گروپوں کو "ورلڈ کونسل" کا ممبر بنایا گیا۔ ان میں چار اشتراکی ملکوں کے ہیں یعنی روسی آرتھوڈوکس چرچز، پولینڈ، بلغاریہ، رومانیہ۔ ان کے علاوہ 19 گروپس امریکہ، افریقہ، ایشیا اور لاطینی امریکہ کے تھے۔ اس داخلہ سے "ورلڈ کونسل" کے کلیسائی ممبروں کی تعداد 196 ہوگئی جو 60 سے زائد ملکوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ (20) ادھر کمیونسٹ روس اور عیسائی رومن کیتھولک کے تعلقات اس حد تک بڑھے کہ پوپ جان 23 نے خلاف توقع الیکسی ایڈزیوف (Aleksie Adzhubel) کو اپنی لائبریری میں بلایا۔ یہ ملاقات 18 منٹ جاری رہی۔ الیکسی روسی وزیر اعظم خروشیف کا سالا ہے اور کمیونسٹ اخبار ازوستیا کا ایڈیٹر ہے۔ (21)

ایک اور اخبار نے بعنوان "پوپ کمیونسٹ سے ملاقات کرتا ہے۔" خبر شائع کی۔

"تاریخ میں پہلی مرتبہ رومن کیتھولک کے پوپ نے ایک اعلیٰ سوویٹ لیڈر کا استقبال کیا۔ جس ملاقات کے بارے میں کہا گیا کہ "روم اور ماسکو کے درمیان یہ پرجوش تعلقات ہیں۔" (22)

پروٹیسٹنٹ کلیسا

سولہویں صدی میں مارٹن لوتھر کی سرکردگی میں ایک تحریک رومن کیتھولک کے معافی ناموں کی فروختگی کے خلاف چلی حالانکہ وہ خود رومن کیتھولک پادری تھا۔ اس نے 95 نکات احتجاج کے طور پر لکھ کر ولٹن برگ (Wiltenberg) جرمنی کے کیسل چرچ (Castle Church) کے دروازے پر ایک کیل ٹھونک کر لٹکا دیئے۔ اس پر بڑے ہنگامے ہوئے۔ بالآخر رومن کیتھولک سے علیحدہ ایک اور فرقہ وجود میں آ گیا۔ پھر یہ فرقہ بھی مختلف جماعتوں میں بٹ گیا اور ہر گروہ نے اپنا اپنا کلیسا الگ بنالیا۔ اراسمس کو پروٹسٹنٹ نے اپنی مدد کے لیے بلایا۔ یہ ایک انقلابی مصلح سمجھا جاتا تھا۔ اس نے کتاب A مقدس کا لاطینی میں نیا ترجمہ کر کے قدیم غلطیوں سے پاک کیا تھا۔ لیکن اراسمس پروٹسٹنٹ پارٹی پر اعتبار نہ کرتا اور وہ لوتھر کی تعلیم کا لازمی نتیجہ بغاوت سمجھتا تھا۔ (23)

اگرچہ ہر فرقہ میں اختلافات موجود ہیں۔ کوئی مسیح کو صرف بشر مانتا ہے تو کوئی ابن اللہ' کسی کے نزدیک ایک سے زیادہ بیوی رکھنا جرم ہے تو کسی کے نزدیک بارہ بیویاں بھی جائز ہیں' جیسا کہ مورمن فرقہ سمجھتا ہے جو امریکہ کی سرحدوں پر آباد ہے۔ لیکن ہولناک اختلافات رومن کیتھولک اور پروٹیسٹنٹس میں ہیں جن کی وجہ سے یورپ میں جنگوں کا سلسلہ سالوں تک چلا تھا۔ مختصراً حسب ذیل ہیں:

رومن کیتھولک	پروٹیسٹنٹ
1- خدا نے اپنا منشاء بائبل میں ظاہر کیا۔ لیکن اس کے اظہار اور تفسیر کا حق صرف اسی کو ہے۔ اس کلیسا کے احکام خاص خدا کے احکام ہوتے ہیں' بے خطا اور بھول چوک سے پاک۔	1- صرف بائبل ہی احکام خدا کی آئینہ دار ہے۔ ہر عیسائی بائبل کا منشا سمجھ سکتا ہے۔
2- تقدیس شدہ پادری خدا اور انسان کے درمیان واسطہ ہیں۔ انہیں گناہ معاف کرنے کے اختیار ہیں۔ پوپ کی نافرمانی مسیح کی نافرمانی ہے۔ پوپ معصوم اور بے گناہ ہوتا ہے۔ وہ مختلف عقائد کم یا زیادہ کرنے کا مجاز ہے اور کوئی اس پر حرف گیری نہیں کر سکتا۔	2- پوپ اور پادریوں کو اس خودساختہ مرتبہ کا قطعی حق نہیں۔
3- خدا اولیاء کے ذریعہ معجزات ظاہر کرتا ہے جس سے اس کی قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔	3- صرف مسیح کے معجزے صحیح و درست ہیں۔ باقی لوگوں کے معجزوں کا پروٹسٹنٹ مضحکہ اڑاتے ہیں۔

4- مقدس مریم اور ولیوں کے مجسمے بنا کر ان کی پرستش کرتے ہیں۔

4- پروٹسٹنٹ اس بت پرستی کے قطعی خلاف ہیں۔

5 - کئی کلیسائی رسموں اور تہواروں کے دن مناتے ہیں۔

5- ان کی رسمیں بجز انجلیکن چرچ کے سادہ ہیں اور صرف بپتسمہ کے قائل ہیں۔

6- عیسیٰ مسیح عشائے ربانی میں بذات خود حاضر ہوتا ہے۔ روٹی اور شراب حقیقت میں مسیح کے بدن اور خون میں بدل جاتے ہیں۔

6- اس کا اعتقاد ہے کہ روٹی اور شراب مسیح میں تبدیل نہیں ہوتے۔

7- مختلف ولیوں اور مسیح و مریم کے مجسمے اور بت اپنے کلیسا میں رکھتے ہیں۔

7- یہ لوگ اسے صریحا بت پرستی سمجھتے ہیں۔ بہت سے فرقے-تقدیر اور نجات بالایمان کے قائل ہیں یعنی صرف مسیح پر ایمان لانا ہی نجات کے لیے کافی ہے۔

انجلیکن کلیسا

انجلیکن (انگریزی) کلیسا عیسائیت کی تاریخ میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ سینٹ آگسٹائن کی کوششوں سے چھٹی صدی عیسوی کے اواخر میں انگلستان جو پہلے بت پرست تھا عیسائی ہوگیا۔ اس وقت وہاں رومن کیتھولک کی ایک شاخ قائم کردی گئی۔ یہ الحاق سولھویں صدی تک قائم رہا۔ وقتاً فوقتاً یہاں اصلاحِ مذہب کی تحریکیں اٹھتی رہیں مگر ظلم و تشدد سے دبا دی جاتی رہیں۔ سولھویں صدی میں بادشاہِ انگلستان ہنری ششم اور پوپ کے درمیان کشمکش شروع ہوگئی۔ اس کے نتیجے میں ہنری نے رومی کلیسا سے تمام تعلقات ختم کردیئے اور 1534ء میں وہ خود کلیسا کا حاکم اعلیٰ بن بیٹھا۔ تاہم عبادات اور مذہبی رسومات میں انگریزی کلیسا رومی طریقہ کا پیرو رہا۔ جرمنی اور فرانسیسی عوام کے برعکس انگلستان کے لوگوں کو رومی کلیسا سے زیادہ شکائتیں نہیں تھیں۔ انگریزی کلیسا میں دعائیں وغیرہ انگریزی زبان میں رائج ہوگئیں...... ملکہ الزبتھ اوّل کے زمانہ میں انگریزی کلیسا رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے عقائد کے درمیانی راستہ پر چلتا رہا۔ سترھویں صدی میں پیورٹین (Puritan) فرقہ نے متعدد کوششیں کیں کہ کسی طرح انگریزی کلیسا رومن کیتھولک سے دست بردار ہو جائے...... دوسری جانب مارٹن لوتھر کے ہم نواؤں کے ساتھ بڑا تشدد برتا گیا۔ "آخر کار 1701ء میں طے پایا کہ برطانیہ کا بادشاہ ہمیشہ پروٹسٹنٹ رہے گا۔" (24)

یہ چند مشہور کلیساؤں کی مجمل تاریخ ہے۔ ورنہ لاتعداد عیسائی فرقے ہیں اور تقریباً ہر فرقہ کا الگ کلیسا ہے۔ اس وقت صرف امریکہ میں تقریباً ڈھائی سو فرقے موجود ہیں۔

کلیساؤں کے باہمی جھگڑے

یہ ایک فطری امر ہے کہ جب کلیساؤں نے اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے سے الگ ہو کر اپنی انفرادیت قائم کرنے کی کوشش کی تو ان کے پیروؤں میں شدید اختلاف پیدا ہوا' اور ہر فریق خود کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش میں دوسرے کو غلط اور بدعتی بتانے لگا۔ اس طرح اختلاف' عداوت اور دشمنی میں تبدیل ہوگیا۔ مذہبی اختلافات کے علاوہ اقتدار کا بھی مسئلہ تھا جس کے حصول کے لیے عیسائی ملکوں میں خوفناک جنگیں ہوئیں۔

عیسائیوں کے آپس کے مکروہ اور گھناؤنے جھگڑوں کو ایک پادری اس طرح بیان کرتا ہے:

''گو ابتداء سے کلیسا میں تفرقہ بندی چلی آ رہی ہے...... لیکن تھوڑے عرصہ بعد یگانگت پیدا ہوگئی تھی...... اب تفرقہ بندی میں صدیاں گذر چکی ہیں' نفاق کی خلیج بڑھتی ہی جاتی ہے...... اوّل الذکر مشرق و مغرب (یعنی بازنطینی اور رومی) کلیسا کی تفریق ہے جو بارھویں صدی سے جاری ہے اور موخرالذکر وہ فرقہ بندی ہے جس نے کلیسائے روم کو انگلستان' جرمنی اور دیگر یورپی ممالک کی کلیساؤں میں بانٹ دیا ہے۔ اس تفرقہ بندی کو چارسو برس گذر چکے ہیں۔ ہر علاقہ کا کلیسا اپنے آپ کو کامل' خود مختار' ایمان کا محافظ' مسائل کا پاسدار اور خطا سے پاک سمجھتا ہے۔ ہر ایک کا دعویٰ ہے۔ ''ہم چوں ما دیگرے نیست۔'' 25)

کلیساؤں کے باہمی جھگڑوں کے کچھ واقعات بالخصوص مشرقی و مغربی کلیسا کے افتراق و اختلاف کے کچھ حالات تحریر کیے جاتے ہیں جن سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان عیسائی حضرات کے پیشِ نظر حضرت عیسیٰؑ کے پیغامِ امن کی زیادہ وقعت تھی یا اپنے اقتدار کی۔

چند دعوے اور ان کے جواب

مشرقی کلیسا کے مقابلہ میں مغربی کلیسا یعنی روم والوں نے دعویٰ کیا کہ:

1- ''ہماری کلیسا تمام کلیساؤں کی ماں اور ان کی ملکہ ہے۔'' یہ دعویٰ پوپ نے قسطنطنیہ کی کونسل منعقدہ 382ء کے موقع پر ایک خط کے ذریعے کیا۔ لیکن آریئنس نے یروشلم کی نسبت یہ جواب دعویٰ پیش کیا کہ وہ نئے عہد نامہ کے باشندوں کا دارالسلطنت ہے یا بمنزلہ ماں کے ہے۔''

2- ''کلیسائے روم کا دعویٰ ہے کہ وہ مقدس پطرس کی مقرر کردہ ہے۔'' اس کا جواب دیا گیا کہ ''اس دعویٰ کا تاریخی ثبوت نہیں کیونکہ مقدس پولوس کے شہر روما پہلی مرتبہ 61ء میں جانے سے پیشتر ہی وہاں عیسائی مقیم تھے۔ اور مقدس پولوس نے کتاب روم 1:1-12 میں روما جانے کی خبر دی ہے۔ اس خط میں وہ مقدس پطرس کا کوئی ذکر نہیں کرتا لہٰذا ممکن نہیں کہ اس

نے وہاں کسی کلیسا کی بنیاد رکھی ہو۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ پولوس نے دورانِ قید مقدس پطرس کو وہاں آنے کی دعوت دی ہوتا کہ آ کر رومی کلیسا کو منظم کرنے میں اس کی مدد کرے۔"

-3 کلیسائے روم کا دعویٰ ہے کہ مقدس پطرس پچیس سال تک روما کا بشپ رہا ہے۔ جواب میں کہا جاتا ہے کہ یہ دعویٰ بدعتی ناشک کی کتاب کلیمنٹائن ہوملیز اینڈ ریگوگ نیشنز (Clementine Homiles and Recognitions) سے ماخوذ ہے۔ دیگر غیر مستند کتب میں بھی بیان ہے۔ مثلاً پطرس اور پولوس کے اعمال انجیل جو پطرس کی معرفت لکھی گئی...... مقدس یوسیبئس چوتھی صدی میں ان کتب کے متعلق رقم طراز ہے کہ ہم ان کتابوں کو قدیم کیتھولک کتب میں شامل نہیں کرتے۔ پوپ گلیسیس (492-496ء) ان کو باطل اور فرضی تحریریں کہتا ہے۔

-4 کلیسائے روم کا یہ دعویٰ ہے کہ ہمارے خداوند نے مقدس پطرس کو اپنے دیگر حواریوں پر کامل اختیار عطا فرمایا تھا' اور اپنی کلیسا کو کلیتًا اس کے ماتحت کر دیا تھا۔ اس دعویٰ کے ثبوت میں وہ متی 16:18-19 لوقا 22:31-32 اور یوحنا 22:15-17 پیش کرتے ہیں۔ جواب دعویٰ یہ ہے۔"متی 18:18 سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ باقی تمام رسولوں سے بھی کہے گئے ہیں نیز یہ کہ قدیم مصنفین مذکورہ بالا دعویٰ میں اختلاف رکھتے ہیں۔"

-5 پوپوں کا دعویٰ ہے کہ وہ الہٰی شریعت و قوانین کو منسوخ کرنے کی بھی طاقت و اختیار رکھتے ہیں۔ کلیسائے روم کے مقنّوں نے یہ فیصلہ بھی کیا ہے کہ پوپ کو اختیار ہے کہ وہ قانونِ قدرت کے خلاف' پولوس رسول کے خلاف' اور عہد نامۂ جدید کے خلاف عمل کرسکتا ہے۔ اگر چاہے تو عہد نامۂ عتیق اور عہد نامۂ جدید کے جملہ احکام کو بھی منسوخ کرسکتا ہے۔ 1567ء میں کارڈینل زابریلا نے پوپوں کو خدا سے بھی برتر بنادیا۔"
اس دعویٰ کا کوئی جواب دعویٰ ان صفحات پر نہیں ہے (صدیقی)

-6 پوپوں کا دعویٰ ہے کہ وہ کلیسا میں افضل ترین ہیں' بلکہ کلیسا کی تمام کونسلوں پر کامل اختیار رکھتے ہیں۔ جواب دعویٰ میں کہا گیا۔"اگر دیکھا جائے تو اس کے برعکس یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ کونسلوں نے کئی پوپوں کو ان کے عہدہ سے برطرف کیا اور کلیسا سے خارج کر کے ملعون ٹھہرایا۔ (26)

یہ وہ دعویٰ اور جوابِ دعویٰ ہیں جو کلیساؤں کے درمیان چلتے رہے۔ ہر دعویٰ کے ثبوت اور تردید میں بھی اناجیل کے حوالے ہی پیش کیے گئے ہیں۔ اگر دونوں صحیح ہیں اور دونوں کا ماخذ اناجیل ہی ہیں' تو یہ امر اور زیادہ پختہ ہو جاتا ہے کہ عہد جدید کی کتب تضاد اور تناقض سے بھری ہوئی ہیں۔

ان کلیساؤں میں 850ء میں مسودہ قوانین پر جھگڑا تھا جس میں لکھا تھا کہ پوپ کلیسا کا ناظم اعلیٰ اور دستور ساز ہے۔ لیکن اس مسودہ میں وہ قوانین درج نہیں تھے جن کو کلیسائی کونسلوں نے نافذ کیا تھا'

بلکہ وہ قوانین تھے جن کو پاپائے روم نے خود وقتاً فوقتاً نافذ کیا تھا...... ان کو جعلی حکم نامے (Decretals) کہتے ہیں۔ ان کو پوپوں نے اصلی قرار دے کر اپنے اقتدار کی مضبوطی اور وسعت کے لیے استعمال کیا تھا۔ پادری برکت اللہ لکھتا ہے۔ ''روم کے پوپ نکولس اوّل (858 تا 867ء) نے انہیں نقلی اور جعلی کے بجائے اصلی قرار دے دیا اور کہا کہ یہ اصلی دستاویزیں ہیں جو روم کے قدیم بشپوں کے خطوں اور فیصلوں پر مشتمل ہیں۔ اس نے ان کو قانون کلیسا کا جزو لاینفک قرار دے دیا۔'' (27)

پادری خورشید عالم کہتا ہے کہ ''نکولس اوّل کے بعد تمام پوپوں نے ان جعلی حکم ناموں کو اپنے اختیار و اقتدار کے لیے استعمال کیا۔ لیکن پندرھویں صدی میں ان کے جعلی اور باطل ہونے کے بین ثبوت مل گئے۔'' (28)

دساتیر اور عقائد میں اختلاف

ان دعاوی کے علاوہ مختلف دستور و عقائد پر بھی اختلاف بڑھا...... مثلاً

1- ہفتہ کو روزہ رکھنا۔
2- روزہ میں دودھ پینا اور پنیر کھانا۔
3- خادمانِ دین کا لازمی تجرد۔
4- خادمانِ دین کا بلا ریش (بلا ڈاڑھی) ہونا۔
5- خادمِ دین کی اُسقفیت کے لیے براہِ راست تقدیس۔
6- یہ عقیدہ کہ روح القدس باپ اور بیٹے سے صادر ہے۔
7- یہودی دستور کے مطابق برہ کی تقدیس کرنا۔
8- سر منڈانا اور سامنے بال نہ رکھنا۔
9- عشائے ربانی میں فطیری (بے خمیر) روٹی کا استعمال۔
10- مورت (مجسمہ) کی پرستش۔
11- صلیب کی تعظیم۔
12- وحدتِ محض کا مسئلہ (29)

رنگ و نسل کے جھگڑے

اس کے علاوہ گورے عیسائیوں میں نسلی غرور کا احساس پیدا ہوگیا۔ رنگ دار اقوام کو اگرچہ ''آسمانی بادشاہت'' میں جگہ مل گئی۔ لیکن دُنیوی بادشاہت میں کوئی خاص مقام حاصل نہ ہوسکا۔ سفید فام عیسائیوں کے معاشرہ میں انہیں برابری کی جگہ نہ دی گئی۔ بالکل قریبی زمانہ کی ایک مثال اتھیوپیا کی ہے۔ یہ قدیم ترین کلیساؤں میں سے ہے۔ اس کے باوجود یورپ کی سفید فام عیسائی قوم اٹلی نے (جو خود بھی

مقدس رسول پطرس کی قائم کردہ ہونے کی دعویدار ہے) ایتھوپیا پر چڑھائی کر کے غریب حبشیوں کا قتل عام کیا' اور کئی سال تک انہیں غلام بنائے رکھا۔

عیسائی تاریخ کا ایک باب یہ بھی ہے کہ عیسائیوں نے اپنے ہی ہم عقیدہ لوگوں پر اس وقت بھی ظلم و تشدد کے پہاڑ توڑے جب یہ "مقدس صلیبی جنگوں" میں مصروف تھے۔

ایل ایم لینگر کہتا ہے کہ "1204ء میں صلیبی جنگجوؤں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کرلیا اور اسے بری طرح لوٹا۔" (30)

مخفی نہ رہے کہ قسطنطنیہ اس وقت مشرقی کلیسا کا مرکز تھا۔

پادری خورشید عالم نے بڑے نرم الفاظ میں لکھا ہے۔ "چوتھی صلیبی مہم کا سرغنہ مشہور واعظ پوپ انوسینٹ سوم تھا۔ اس صلیبی مہم میں شہزادے بھی شریک ہوئے۔ لیکن ان میں ملک گیری کی ہوس تھی' اور وہ فوجی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے۔ جو شہر ان کی زد میں آیا اس پر قبضہ کرلیا۔ انہوں نے عیسائی تاجروں کے مشہور شہر وینس پر دھاوا بول دیا...... اور 1201ء میں وہ مصر کی طرف لپکے۔ وہاں تاخت و تاراج کیا...... 1203ء میں وہ عیسائی سلطنت کے دارالخلافہ قسطنطنیہ پر رومی سلطنت قائم کرنے کے لیے قابض ہوگئے...... 1204ء میں یونانی عیسائیوں کو لوٹا کیونکہ وہ دوسرے عیسائی بادشاہ کو دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ سو مشرقی عیسائی انہیں مسلمانوں سے بدتر سمجھنے لگے کیونکہ یہ عیسائیوں کو دکھ دیتے تھے بلکہ اپنے مقصد سے دُور ہٹ گئے تھے...... قسطنطنیہ پر 1261ء تک اطالوی (عیسائی) حکومت کرتے رہے۔" (31)

اس جگہ یورپ کی ایک مشہور جنگ کا تذکرہ نامناسب نہ ہوگا جو تیس سال تک محض اس لیے ہوتی رہی کہ ایک عیسائی فرقہ کو نیست و نابود کردیا جائے۔ تاریخ میں اس جنگ کا عنوان ہے۔ "یورپ کی تیس سالہ جنگ"۔ لینگر کہتا ہے "یورپ کی تیس سالہ جنگ کے چار دَور ہوئے...... پہلے دو دَور محض اس لیے ہوئے کہ پروٹسٹنٹوں کو یورپ سے ختم کردیا جائے۔ فرڈی ننڈ ثانی شہنشاہِ جرمنی اس کے شروع کرنے کا ذمہ دار تھا۔" (32)

رین سن (Ranson) لکھتا ہے "جب ہندوستان پر پرتگیزوں کا غلبہ ہوا تو رومی کلیسا نے جبرا ان عیسائیوں کو پوپ کے ماتحت کردیا اور یوں کلیسا میں پھوٹ پڑ گئی' جو اب تک موجود ہے۔" (33) یہ اُن عیسائیوں کے بارے میں ہے جو شامی کلیسا کہلاتی تھی۔

کلیساؤں کی باہمی چپقلش و تنازعات کی یہ چند مثالیں واضح کرتی ہیں کہ ان عیسائیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ کی تعلیمات اتنی اہم نہیں تھیں جتنے کلیساؤں کے اپنے ذاتی اغراض و مقاصد۔ یہ تنازعات مختلف النوع اور مختلف الاقسام ہیں۔" "دی چرچ ٹوڈے میں" "تحریر ہے۔" دوسری جانب کلیساؤں کے اختلافات مختلف سمتوں میں بہت بڑھے۔ ان کا طریق حکومت' ان کی عبادت' اُن کے عبادات کے متعلقات اور ملحقات غرضیکہ سب ہی مختلف ہیں۔ اب کوئی معجزہ ہی ان کو متحد کرسکتا ہے۔ (34)

دوسری عیسائی گروہ بندیاں

جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے' ابتدا سے ہی عیسائیوں میں دین کے نام پر تفرقے بڑھے۔ ان میں گروہ بندیاں ہوئیں۔ وہ ایک دوسرے کو دائرۂ مذہب سے خارج کرنے لگے۔ اس میں نہ بادشاہوں کی تخصیص تھی' نہ پوپوں کی' نہ عوام کی۔ ان کے عقائد' عبادات' رسومات اور تعلیمات غرض سب باتوں میں اختلاف ہوتا گیا۔ حد یہ ہے کہ بیت اللحم اور یروشلم کے مقدس مقامات پر یہ جھگڑے ابھی تک جاری ہیں۔ بیت اللحم کے چرچ آف نیٹویٹی (Nativity) کے یونانی و رومی کلیساؤں کے بشپوں کی وجہ سے جنگ کریمیا برپا ہوئی۔

عیسائیوں کے مقدس مقامات پر جھگڑے روکنے میں مسلمانوں نے نہایت اہم کردار انجام دیا۔ مسلمان بیت اللحم کے مذکورہ صدر گرجے کی حفاظت کرتے رہے۔ پادری برکت اللہ مسلمانوں کے کردار کے بارے میں لکھتا ہے:

''اس صدی کے اوائل کا ذکر ہے کہ زائرین میں سے ایک نے (مسلمان) سپاہی سے سوال کیا کہ تم ہمیشہ اس خاص مقام پر ستون کی طرح کیوں کھڑے رہتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں اس کیل کی نگرانی کرتا رہتا ہوں جو دیوار میں لگا ہے۔ یہ کیل آرمینی عیسائیوں نے گاڑا تھا اور فخریہ کہا تھا کہ ہم یہاں ایک مقدس تصویر لٹکائیں گے۔ لیکن یونانی کلیسا کے عیسائیوں نے ان کو دھمکی دے کر کہا کہ ہم یہ ہرگز نہ ہونے دیں گے۔ اب میرا فرض ہے کہ میں کسی کو اس کیل کے پاس نہ پھٹکنے دوں۔ جب میری ڈیوٹی کا وقت ختم ہو جائے گا' تو دوسرا سپاہی اس کی نگہداشت کرے گا۔''

پادری برکت اللہ آگے لکھتا ہے۔ ''ارضِ مقدس کے مقامات کا انتظام مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہی رہا ہے۔ چنانچہ دورِ حاضرہ میں منجی عالمین (حضرت عیسیٰ) کے روضہ اقدس کی چابیاں ایک مسلمان کے پاس ہیں۔ وہی اس گرجا کو کھولتا اور بند کرتا ہے۔ جس طرح اس کے آباء و اجداد صدیوں سے یہ فرض ادا کرتے چلے آئے ہیں۔''

پادری برکت اللہ یہ بھی لکھتا ہے۔ ''یروشلم کے گریک اور رومی کلیساؤں کے عیسائی اس سوال پر جھگڑتے رہتے ہیں کہ یہ مقدس کس کی ملکیت ہے...... اس کے علاوہ جب کبھی زیارت گاہ کے اردگرد کے فرش کی مرمت کی ضرورت پڑتی ہے تو رومی' یونانی اور آرمینی کلیساؤں کے عیسائیوں میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔ بیسویں صدی کے شروع میں یونانی اور فرانسیسکی پریسٹوں میں یہ جھگڑا پیدا ہوا کہ صحن کے سیڑھیوں کے زینہ کی صفائی کا کس کو اختیار حاصل ہے۔ اس سوال کو اس قدر اہمیت دی گئی کہ ترکی گورنر اور ''فرانسیسکی کونسل'' کو فیصلہ کرنا پڑا۔ ان کا فیصلہ سننے کے لیے طرفین پہروں تک کھڑے رہے۔ ایک بے پناہ ہجوم جمع ہو گیا' جس نے قسیسوں اور رہبانوں پر پتھروں کی بوچھاڑ شروع کردی...... گریک کلیسا کے پادری اپنی عباؤں اور لبادوں میں کلہاڑے چھپا کر لائے تھے۔ (35) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو

کتابِ مذکورہ کے صفحات 44 تا 47۔

جب مقدس روضہ اور گرجے کی معمولی معمولی باتوں پر عیسائیوں کے درمیان اس قدر سنگین اور افسوسناک جھگڑے ہوتے رہتے ہیں تو یہ معلوم کر کے کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ ”کولمبیا میں 1948ء اور 1956ء کے درمیان صرف آٹھ سالوں میں رومن کیتھولکوں نے پروٹسٹنٹوں کے 47 گرجے اور چیپل آتش زنی اور ڈائنامیٹ سے مکمل طور پر تباہ کر دیئے۔ باقی متعدد گرجے بند کر دیئے۔ 78 کولمبیائی پروٹسٹنٹ مرد، عورت اور بچے محض اپنے پروٹسٹنٹ عقیدہ کی وجہ سے مارے گئے۔“ (36) شمالی آئرلینڈ میں پروٹسٹنٹ اور کیتھولکوں کے درمیان گذشتہ کئی سالوں سے قتل و غارت گری کا جو طوفان برپا ہے اس کو تقریباً سب ہی جانتے ہیں۔

ان جھگڑوں کے علاوہ کالے اور گورے عیسائیوں کا جھگڑا، ملکی اور غیر ملکی عیسائیوں کا جھگڑا خود برصغیر پاک و ہند میں رہا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ گوروں کے قبرستانوں میں کالے عیسائی دفن نہیں کیے جاتے...... پاکستان میں بھی دیسی عیسائیوں کو مسلسل شکایت ہے کہ غیر ملکی عیسائی ان کے حقوق غصب کرتے ہیں۔ ان کا حق ہونے کے باوجود انہیں اہم مناصب سے محروم کرنے کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔

ایک پادری...... جارج نے راقم الحریر کو بتایا کہ حال ہی میں غیر ملکیوں کے خلاف تحریک یہاں تک زور پکڑ گئی تھی کہ باضابطہ بڑے بڑے پلے کارڈ، کارٹون، اور بینرز بنائے گئے تھے، جن میں غیر ملکیوں کے ہاتھوں میں زنجیر ڈالے ہوئے انہیں جہاز پر سوار کرتے اور مغرب کی طرف روانہ ہوتے دکھایا گیا تھا۔ اس کی تصدیق ایک اور پاکستانی عیسائی...... فرانسس نے بھی کی۔ خود پادری برکت اللہ نے جو کالے عیسائی ہیں، اس موضوع پر یوں لکھا ہے کہ ہندوستان کی کلیسا ہمیشہ پردیسی مبلغین اور پردیسیوں کی قوت زر، رسوخ، اقتدار اور بل بوتے پر ہی بھروسہ کرتی رہی ہے اور تباہ حال ہوتی رہی ہے...... ہر کلیسا یورپ اور امریکہ کی کلیساؤں کی نقش ثانی بن گئی ہے...... اور اقتصادی غلامی کے ساتھ ساتھ ذہنی اور روحانی غلامی کی زنجیروں میں جکڑی پڑی ہے.... مغرب کی تبلیغی انجمنوں کے زر و دولت اور اقتدار نے ہندوستان کی کلیسا میں اس قدر تفرقے ڈال رکھے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ دورِ حاضرہ میں تعداد کے لحاظ سے رُوئے زمین کے تمام ملکوں سے زیادہ ہمارے ملک میں عیسائی فرقے موجود ہیں۔“ (37) مزید تفصیل کے لیے کتاب مذکور کے صفحات 14-18 دیکھیے۔

مغربی عیسائیوں کے اثر و نفوذ کے خلاف ایک تحریک پاکستان میں مسلسل زور پکڑ رہی ہے۔ پاکستان کے عیسائی سمجھنے لگ گئے ہیں کہ مغرب کے عیسائیوں اور وہاں کی مشن پالیسیوں کی وجہ سے پاکستانی عیسائیوں کے حقوق پر نہ صرف ڈاکہ پڑ رہا ہے بلکہ وہ روحانی احساسِ کمتری میں مبتلا ہو رہے ہیں چنانچہ ایک قومی کلیسا مکاشفہ کے بانی تجمل وحید نے کہا کہ مغرب کے روحانی مرکزوں کے مقابلہ میں مشرق کے روحانی مرکزوں کی زیادہ اہمیت ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی مشرق میں پیدا ہوئے

تھے اور یہیں سے روحانیت کا آغاز ہوا تھا۔ نیز حضرت عیسیٰ مشرقی تہذیب وتمدن کے مبلغ تھے۔ مغربی ممالک مشرق کے انمول خزانوں پر قبضہ جما کر نجات دہندہ ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں چونکہ خود مشرقی ہوں اس لیے میں نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ مغربی ممالک کی مشنریوں کی پالیسی نے ہمارے عیسائی عوام کو روحانی احساسِ کمتری میں مبتلا کر رکھا ہے' یہ ضرورت سمجھی ہے کہ ہم یہاں اپنا کلیسا بنائیں اور خود اپنا ایک آرچ بشپ مقرر کریں۔" (38)

عیسائی فرقے

حضرت عیسیٰ کے فوراً بعد ہی ان کے پیروؤں کے درمیان عقائد اور نظریات میں اختلاف پیدا ہوگیا تھا۔ بعض اہم ترین حواری مثلاً برنباس اور پطرس الزام لگاتے تھے کہ پولوس حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کے خلاف جا رہا ہے۔ اور ادھر پولوس ان حواریوں پر الزام لگاتا تھا کہ وہ منافق و ریاکار ہیں۔ (39) ہر فرقہ خود کو حضرت عیسیٰ کی صحیح تعلیمات کا علمبردار کہتا تھا اور دوسرے کو بدعتی قرار دیتا تھا۔ پھر ان فرقوں کے اندر مزید فرقے پیدا ہوتے چلے گئے۔ مشہور مورخ فلپ کے حتی بھی اعتراف کرتا ہے کہ چوتھی یا پانچویں صدی میں عیسائیت کے متعلق جو اختلافات پیدا ہوئے' ان کی وجہ سے شامی عیسائیت بھی مختلف فرقوں میں بٹ گئی۔ (40)

عیسائیت کی تاریخ فرقوں سے بھری ہے۔ آج کے روشن دور میں صرف امریکہ میں ڈھائی سو کے قریب فرقے ہیں' جب کہ افریقہ کے صرف بانٹو قبائل میں ایسوسی ایٹیڈ پریس جوہانسبرگ نے اپنے 12 اگست 1957ء کے اعلامیہ میں چودہ سو فرقوں کی اطلاع دی ہے۔

تمام عیسائی فرقوں کا احاطہ ممکن نہیں۔ صرف چند مشہور فرقوں کے بارے میں مختصراً لکھا جاتا ہے' خصوصاً جو پاکستان میں بھی موجود ہیں اور تبلیغی مساعی میں مصروف ہیں۔ ان میں سے بعض فرقے اس وقت بہت زیادہ مستعد ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ لوگ کلیسا میں داخل ہو کر عیسائیوں کی تعداد میں اضافہ کریں۔

جب میں نے بعض عیسائیوں سے پوچھا کہ آپ لوگ اتنے فرقوں میں کیوں بٹے ہوئے ہیں؟ اور پھر ہر فرقہ صرف اپنے آپ کو صحیح عیسائی کہتا ہے۔ اگر کوئی شخص عیسائیت قبول کرنا چاہے تو وہ کس فرقہ کی عیسائیت کو قبول کرے؟ جواب ملا جس طرح مسلمانوں میں سنی شیعہ ہیں اسی طرح عیسائی دو فرقے ہیں۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ۔ پھر میں نے کہا مسلمانوں کے صرف بہتر (72) فرقے بیان کیے جاتے ہیں۔ پھر ان میں بہت سے معدوم ہو چکے ہیں۔ اب مشکل ہی سے مسلمانوں کے چند فرقے ہوں گے اور آپ کے ہاں تو اس زمانہ میں بھی نئی نئی کلیسائیں وجود میں آ رہی ہیں۔ اس کا مجھے کوئی تسلی بخش جواب نہیں ملا۔

امریکہ میں عیسائی فرقے

امریکہ میں موجود عیسائی فرقوں کا ایک خاکہ یہاں دیا جاتا ہے تاکہ فرقوں کی تعداد سمجھنے میں آسانی ہو۔ ہر فرقہ کی تفصیل کے لیے کہ یہ کس طرح وجود میں آیا؟ اختلاف کی بنیاد کیا تھی؟ کب قائم ہوا؟ فرانک ایس میڈ کی ہینڈ بک آف ڈینامی نیشن ان یو ایس اے کو دیکھا جاسکتا ہے۔

1- ایڈوینٹسٹ	اس فرقہ کی 15 شاخیں ہیں
2- بپٹسٹس	اس فرقہ کی 26 شاخیں ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے 1960ء ایڈیشن میں اس کی 27 شاخیں بتائی گئی ہیں (41)
3- بریدرین (ڈنکرس)	اس کی 5 شاخیں ہیں
4- ریور بریدرین	اس کی 16 شاخیں ہیں
5- چرچ آف گاڈ	اس کی 16 شاخیں ہیں
6- کانگریگیشین کرسچین چرچز	اس کی 5 شاخیں ہیں
7- ایسٹرن آرتھوڈوکس چرچ	اس کی 24 شاخیں ہیں
8- ایونجلیکل ایسوسی ایشن	اس کی 14 شاخیں ہیں
9- فرینڈس	اس کی 13 شاخیں ہیں
10- سینٹر ڈے سینٹس یا مارمونس	اس کی 8 شاخیں ہیں
11- لوتھران	اس کی 17 شاخیں ہیں (وانڈ نے اس کی بیس شاخیں لکھی ہیں۔ حوالہ پچھلے اوراق پر دیا جاچکا ہے)
12- مینونائٹس	اس کی 16 شاخیں ہیں
13- میتھوڈسٹس	اس کی 19 شاخیں ہیں
14- موراوینس	اس کی 15 شاخیں ہیں
15- اولڈ کیتھولک چرچز	اس کی 5 شاخیں ہیں
16- پنٹیکوسٹل باڈیز	اس کی 10 شاخیں ہیں
17- پریس بی ٹیرین	اس کی 12 شاخیں ہیں (وانڈ نے اس کے 10 فرقے لکھے ہیں۔)
18- ریفارمڈ باڈیز	اس کی 9 شاخیں ہیں
19- سپرچوالسٹ	اس کی 6 شاخیں ہیں
20- یونائیٹڈ بریدرین	اس کی 7 شاخیں ہیں (42)

گویا ان بیس فرقوں کی جملہ 248 شاخیں ہیں۔

فرقوں میں اتحاد کی کوشش

عیسائی فرقوں میں جوں جوں اختلاف بڑھتا جارہا تھا اور نئے نئے فرقے پیدا ہو رہے تھے بالخصوص برصغیر پاک و ہند میں فرقوں کی تعداد (پادری برکت اللہ کے بیان کے مطابق) تمام عیسائی ملکوں سے زیادہ ہے۔ سلیم الطبع اور سنجیدہ عیسائی حضرات فرقوں کی اس کثرت پر دل مسوس کر کے رہ جاتے ہیں' اور خیال کرتے ہیں کہ کوئی معجزہ ہی ان فرقوں کو متحد کر سکتا ہے...... بالآخر وہ معجزہ رونما ہوا' اور مختلف فرقوں میں اتحاد کی راہیں کھلیں۔ اتحاد کے لیے طویل مذاکرات ہوئے' رپورٹوں کا تبادلہ ہوا۔ چنانچہ پاکستان میں چار پروٹسٹنٹ مختلف فرقوں کا اتحاد یکم نومبر 1970ء کو عمل میں آیا۔ یعنی پروٹسٹنٹ چرچز' انجیلیکن چرچ' متھوڈسٹ چرچ' لوتھرن چرچ اور چرچ آف سکاٹ لینڈ ایک دوسرے میں مدغم ہوئے۔ اس تقریب میں امریکہ' برطانیہ' کینیڈا اور افریقہ وغیرہ کے عیسائی علماء آئے تھے۔ (43) ان چاروں کلیساؤں کے ادغام کے بعد اب اس کا نام چرچ آف پاکستان (کلیسائے پاکستان) ہے۔

اسی طرح ہندوستان میں بھی انڈین کرسچین' متھوڈسٹ' کانگریگیشنلیسٹ اور انجیلیکن مدغم ہوئے۔ (44) اتحاد نہ صرف پروٹسٹنٹوں کے درمیان ہو رہا ہے بلکہ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ بھی اتحاد کی کوشش کر رہے ہیں' جیسا کہ گذشتہ صفحات میں آپ نے پڑھا ہوگا کہ انگریزی بولنے والے کیتھولک اور پروٹسٹنٹوں کا بالآخر بائبل کے ایک ترجمہ پر اتفاق ہو گیا ہے۔

اس موقع پر چند عیسائی مصلحین کا ذکر بے محل نہ ہوگا جو اصلاح احوال کے لیے اٹھے۔ لیکن بعد میں خود ایک فرقہ کے بانی بن گئے۔

مارٹن لوتھر (1483-1546ء)

مارٹن لوتھر ایک غریب گھرانے میں 1483ء میں پیدا ہوا۔ 1505ء میں وہ سینٹ آگسٹائن کے راہب خانہ کا راہب بن گیا۔ اس راہب خانہ کی تعلیمات نے اس پر کافی اثر ڈالا جو پولوسی نظریات پر زور دیتا ہے یعنی کسی انسان کی نجات اس کے اچھے کاموں پر منحصر نہیں بلکہ یسوع پر عقیدہ رکھنے کی وجہ سے اس کی نجات ہوتی ہے۔

مارٹن لوتھر روما بھی گیا۔ اس نے کیتھولکوں کے اعمال و رسوم پر نظر ڈالی تو اس نے محسوس کیا کہ جو کچھ ہو رہا ہے غلط ہو رہا ہے...... معافی ناموں کی فروختگی کا مسئلہ سرفہرست تھا۔ اُنہی دنوں جان ٹیٹزل پوپ لیو دہم کی جانب سے روما میں سینٹ پطرس کے گرجے کی تعمیر اور معافی نامے فروخت کرنے کے لیے 1517ء میں جرمنی بھی گیا۔ لوتھر طیش میں آ گیا اور اس نے پچانوے (95) نکات کیتھولکوں کے خلاف لکھ کر گرجے کے دروازے پر لٹکا دیئے۔ (45)

لوتھر کو 1518ء میں پوپ کے ایک نمائندے کے سامنے بلایا گیا اور ہدایت کی گئی کہ معافی

ناموں کے بارے میں اپنی بعض تجاویز واپس لے لے۔ لوتھر نے انکار کردیا۔ اس پر اسے دائرۂ مذہب سے خارج کردیا گیا۔ (46)

اس نے بائبل کا جرمن زبان میں ترجمہ کیا۔ رہبانیت کی زندگی ترک کر کے شادی کرلی۔ اس طرح جرمنی میں ایک نیا کلیسا اور نیا فرقہ وجود میں آ گیا...... رومن کیتھولک چرچ اب مزید پروٹسٹنٹ کلیسا میں بٹ گیا' اور دونوں ایک دوسرے کے بدترین دشمن بن گئے۔ آگے ان کی بھی مزید شاخیں ہوتی گئیں۔ اصلاح کا نتیجہ متحدہ پروٹیسٹزم کے بجائے دو مختلف شاخوں میں نکلا۔ یعنی تبلیغی تعلیمات ''لوتھران'' کی شکل میں اور اصلاحی مساعی ریفارمڈ چرچ کی صورت میں ظاہر ہوئیں۔ ان کے قائدین کیلون' زونگلی اور جان ناکس تھے۔ (47)

جان کیلون John Calvin

جان کیل وِن (1509-1564ء) فرانس میں پیدا ہوا۔ اس کی سرکردگی میں پروٹسٹنٹ تحریک ایک مذہب بن گئی۔ اس نے 1536ء میں مذہب کے متعلق Institute of the Christian Religion شائع کی۔ اس سے پروٹسٹزم کی بنیادیں اور مستحکم ہوگئیں اس نے جنیوا میں بیٹھ کر کام کیا جو پروٹسٹنٹوں کے لیے روما کا درجہ حاصل کرنے والا تھا۔ ایک دو پشتوں کے اندر کیل وِن کا مذہب سکاٹ لینڈ میں پھیل گیا جہاں اس کا بڑا داعی اور منتظم جان ناکس (John Knocks) بنا۔ (48) اس کے فرقہ کا نام کال ونی فرقہ ہے۔

جان کیل وِن نے بھی دوسرے مصلحین کی طرح بائبل کو اپنے عقیدہ اور رہنمائی کا منبع قرار دیا۔ اسی لیے اس نے عبادت و رسومات کے تمام طریقوں حتیٰ کہ عینیت عیسیٰ کو بھی مسترد کردیا' کیونکہ اس نے بائبل میں ان کی کوئی سند نہیں پائی۔ وہ صرف عشائے ربانی اور بپتسمہ کا قائل تھا۔ اس نے عقیدۂ تقدیر پر بہت زور دیا اور یہی کیل وِن ازم کی بنیاد ہے۔ اور یہی چیز اس کو دوسرے پروٹسٹنٹوں سے ممتاز کرتی ہے۔ (49) اس کا عقیدہ ہے کہ ''خدا دُنیا پر حکومت کرتا ہے۔ انسان مکمل طور پر اس کا محتاج ہے۔ انسان خراب ہونے کی وجہ سے خود کو نہیں بچا سکتا۔ خدا ان میں کچھ کو بچانے کے لیے منتخب کرلیتا ہے اور دوسروں کی تقدیر میں گمراہی لکھ دیتا ہے۔'' کیل وِن اور زونگلی کے ماننے والوں کے اتحاد سے اصلاح شدہ کلیسا (Reformed Church) وجود میں آیا جو لوتھر کے فرقہ سے امتیاز کرنے کے لیے استعمال کیا گیا۔

کلیسائے موراوین (Moravin Church)

جان ہس کی تعلیمات نے بھی ویکلف کی طرح رومی کلیسا کے ایوانوں کو ہلا دیا۔ اس کی پاداش میں اس کو آگ میں جلا کر ختم کردیا گیا۔ اس کی موت کے بعد اس کے شاگرد ایک گروہ کی شکل

میں رہے' اوران کی اولاد نے موراوین کلیسا قائم کرلیا۔ انہوں نے بوہیمیا کو چھوڑ کر جرمنی میں سیکسنی آباد کیا۔ اس کلیسا نے خاص طور پر مشنری کی طرف توجہ دی۔ آج تک ان کا عظیم ترین کام یہی ہے۔ وہ ایسی ایسی جگہ جاتے ہیں' جہاں کوئی دوسری عیسائی جماعت مصروف تبلیغ نہیں ہوتی۔(50) یہ فرقہ بھی اپنے قیام کے بعد مختلف حصوں میں بٹ گیا۔ برطانیہ میں 1749ء میں اسے باقاعدہ تسلیم کرلیا گیا۔ امریکہ میں اس نے حبشی غلاموں میں تبلیغی کام کیا۔ یہ فرقہ اپنے پرانے اصول پر قائم ہے کہ کتاب مقدس ہی ہمارے عقائد اور عملی زندگی کا دستور ہے۔"(51)

متھوڈسٹ (Methodist)

جان ویزلی (1703-1791ء) اور اس کے دوستوں نے اس کی بنیاد رکھی۔ دُعا اور کلیسائی عبادتوں میں حاضر ہونے کے لیے ان کے باقاعدہ اوقات تھے۔ وہ ہفتہ وار شرکتوں میں حصہ لیتے تھے' قیدیوں اور بیماروں سے ملتے تھے اور بچوں کو تعلیم دیتے تھے۔ ابتداء میں انہیں کوئی علیحدہ فرقہ بنانے کا خیال نہ تھا۔(52) عیسائی اربابِ مذہب نے جب ان کو منبر (Pulpit) سے وعظ کی اجازت نہ دی تو انہوں نے کھلی جگہ میں تبلیغی تقریریں شروع کردیں۔ یہ سلسلہ مقبول ہوا۔ یہی تبلیغی مقامات بعد میں چیپل کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ مذہب کا ذاتی تجربہ اور خدا سے محبت بہت اہم ہے۔ یہ تثلیث کو ایک فارمولا کی حیثیت سے قبول کرتے ہیں' جس سے خدا اور یسوع جانا جائے۔ زیادہ متھوڈسٹ کنواری ماں سے پیدائش کے قائل ہیں۔(53) آکسفورڈ کے ان دو نوجوانوں نے اپنے خیالات کی تبلیغ گلی کوچوں میں کی۔ ان پر چرچ آف انگلینڈ کے دروازے بند کردیے گئے۔ انہوں نے ہمت نہ ہاری۔ کارنوال اور شاہراہوں میں ان کی تبلیغ جاری رہی۔ اونچا طبقہ ان پر ہنستا تھا' لیکن غریب کان لگا کر ان کی آواز سنتے تھے۔ یہ تحریک کیمپس سے شروع ہوئی اور پوری دنیا میں پھیل گئی۔ بالآخر یہ ایک علیحدہ فرقہ بن گیا۔(54)

پریس بی ٹیرین کلیسا (Presbyterian)

جان ناکس خود کیل ون کی تعلیمات سے متاثر ہوا تھا۔ اس نے کیل ونی طرز کے ایک کلیسا کی بنیاد رکھی' مگر کچھ فرق کے ساتھ۔ چنانچہ جان ناکس کا یہ کلیسا پریس بی ٹیرین کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کلیسا کا انتظام ایلڈر کے سپرد کیا جاتا ہے' جن میں پادری اور عوام دونوں شامل ہوتے ہیں۔ ان میں کسی کو دوسرے پر کوئی برتری حاصل نہیں ہوتی۔(55)

ریڈرز ڈائجسٹ کی انسائیکلوپیڈیا میں ہے کہ تمام ایلڈرز برابر درجہ کے ہوتے ہیں۔ یہ ایلڈرز صوبائی پریس بی ٹیرین کے تحت ہوتے ہیں جو جنرل اسمبلی میں آتے ہیں۔(56) گویا عوام کے حقوق کو تحفظ حاصل ہوگیا۔ جان ناکس کے مطابق حکومت اور کلیسا کے انتظام میں زمانہ کے لحاظ سے تبدیلی کرنی

چاہیے۔ کوئی ایسا نظام جو ہر زمانہ میں، ہر جگہ یکساں مفید اور قابلِ عمل ہو، ممکن نہیں۔ زمانہ کے تقاضوں کے ہم آہنگ نظام کلیسا کرنا چاہیے۔

یہ لوگ ایک خدا کی قادریت تین ذاتوں میں مانتے ہیں اور یہ قادریت اس کے بیٹے یسوع مسیح میں ظاہر ہوئی اور روح القدس کی طاقت میں اور مذہبی خیالات و ترجمانی میں قابلِ لحاظ آزادیِ فکر رکھتے ہیں۔ (57) یہ طویل عرصہ سے مشنری کی حیثیت سے غیر ملکوں میں کام کر رہے ہیں۔ یورپی اور امریکی جماعتیں ان کے مشن میں روپیہ پیسہ سے، افرادی اور فنی مہارت سے مدد دیتی ہیں۔ پاکستان، افریقہ، لاطینی امریکہ اور کوریا وغیرہ میں ان کے چرچ بہت زیادہ ہیں۔ پروٹسٹنٹوں کے ساتھ ان کا ادغام ہوا تاکہ متحدہ چرچز قائم کیے جاسکیں۔ (58)

کانگریگیشنلسٹ کلیسا (Congregationalist Church)

کانگریگیشن کا مطلب ایسا مجمع ہے جو مذہبی عبادت کے لیے جمع ہو یا ہمیشہ ایک ہی چرچ کو جانے والا ہو۔ یہ نام سب سے پہلے سولہویں صدی کے آخر میں انڈی پنڈنٹس کو دیا گیا تھا۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اپنے معاملات میں اپنے ہی فیصلے صحیح ہوتے ہیں۔ اس کی ضرورت نہیں کہ ان فیصلوں یا معاملات کو کسی دوسری اعلیٰ شخصیت کے سامنے پیش کیا جائے۔ (59) نیز ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ہر فرد خدا کے کلام کی ترجمانی میں آزاد ہے جو عیسائی مکاشفہ کے اندر ہو۔

اس طرح عقیدے میں اختلاف رکھتے ہیں۔ (60)

کویکرز (Quakers)

اس گروہ نے انگریزی کلیسا کی مخالفت میں بڑی سرگرمی دکھائی۔ (Quakers) کے معنی خائف (ڈرنے والے) کے ہیں کیونکہ جب فاکس (Fox) ایک عدالت میں پیش کیا گیا تو اس نے جج سے کہا تھا۔ ''خدا سے ڈرو'' چنانچہ اس کے حامی Quakers کے نام سے موسوم کیے جانے لگے۔ لیکن یہ خود کو ''انجمن احباب'' ''دی سوسائٹی آف فرینڈز'' یا ''احباب حق و صداقت'' کہتے تھے۔ اس فرقہ میں پادری اور کلیسا کے لیے کوئی گنجائش نہ تھی۔

جارج فاکس سچائی اور امن کا متلاشی تھا۔ جب اس نے اپنے دور کے کلیساؤں میں اسے نہ پایا تو کہا میری تمام امیدیں گرجے اور گرجے والوں سے ختم ہوگئیں تو میں نے ایک آواز سنی۔ یہ اندرونی آواز یا نور داخلی تھی۔ جارج فاکس اور اس کے ابتدائی پیروکاروں نے نہ صرف چرچ جانے سے انکار کیا بلکہ تقریر کی آزادی، جمع ہونے اور عبادت کی آزادی پر اصرار کیا۔ وہ عدالت میں حلف نہ اٹھاتے تھے، جنگ میں جانے سے انکار کرتے تھے۔ ان پر بڑے مظالم ہوئے۔ وہ جیلوں میں ڈالے گئے، قتل کیے گئے، انہوں نے تمام اذیتیں برداشت کیں۔ (61) معاشرتی لحاظ سے یہ فرقہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ مساوات

کا علمبردار ہے۔ مرد و عورت کو برابر کے حقوق دیتا ہے۔ برنٹن کہتا ہے کہ یہ فرقہ مذہبی معاملات میں بڑا ہی سخت ہے۔(62)

بپٹسٹ (Baptist)

1611ء میں تھامس ہیلوز (Thomas Helwes) نے اصطباغی کلیسا کی بنیاد رکھی۔ اس کو قید کر دیا گیا۔ وہ قید خانہ ہی میں مر گیا۔ لیکن اس کی تحریک بڑی شدت سے بڑھی۔ اس کے ہم خیالوں میں بہت اضافہ ہوا...... یہ فرقہ اور ان کا کلیسا بھی متعدد فرقوں میں بٹ گیا۔

تھامس ہیلوز کا عقیدہ ہے کہ بپتسمہ صرف اعتقاد رکھنے والوں کو دیا جانا چاہیے' بچوں کو نہیں۔ بپتسمہ غوطہ دے کر دینا چاہیے۔(63) اس کے علاوہ یہ لوگ اور کوئی رسمی و رواجی (Formal) عقائد نہیں رکھتے بلکہ ایک غیر رسمی (Informal) اتحاد عقائد رکھتے ہیں۔ ہر فرد کو عقائد کی ترجمانی کی آزادی ہے۔ عام طور پر تثلیث اور کنواری سے پیدائش کے قائل ہیں اور یہ کہ یسوع کلیسا کا سردار ہے۔(64) ان کی عبادات انگلستان کے قدیم پیورٹین فرقوں سے ملتی جلتی ہیں۔ یہ لوگ خطبوں میں سکرپچرز کو مرکزی اہمیت دیتے ہیں۔ ان کی عبادت کا اہم جز وقافیہ بندی سے گانا ہے۔ ان کے نمایاں پہلو یہ ہیں:

1- عقائد اور عمل کے تمام معاملات میں بائبل کی حکمرانی۔
2- صرف عقائد رکھنے والوں کو بپتسمہ دینا۔
3- اعتقاد رکھنے والوں ہی سے چرچ بنتے ہیں۔
4- چرچ کی زندگی میں تمام عیسائیوں کی مساوات۔
5- مقامی کلیسا کا خود مختار ہونا۔
6- نیز یہ کہ چرچ اور سٹیٹ علیحدہ علیحدہ ہیں۔(65)

مکتی فوج (Salvation Army)

سالویشن آرمی کا بانی ولیم بوتھ متھوڈسٹ مذہبی پیشوا انگلینڈ میں رہتا تھا۔ اس نے آزادانہ طور پر تبلیغ عیسائیت کی ٹھانی۔ چنانچہ وہ غریبوں اور محتاجوں میں کام کرنے لگا۔ اس کے بعد اس نے سماجی اور رفاہی سکیم بنائی۔ غریب و ناداروں کے قیام و طعام کا انتظام کیا تاکہ روحانی اعتبار سے بھی ان کا معیار زندگی بلند کرے۔ 1878ء میں اس کا نام سالویشن آرمی یا مکتی فوج رکھا گیا۔ اس نے فوجی طرز پر جماعت کی تنظیم کی۔ بوتھ نے مشنری جماعتیں روانہ کرنا شروع کیں۔ یہ جماعت رفاہی کاموں میں مریضوں کی خدمت' ہسپتالوں کا قیام' کنواری ماؤں کی نگہداشت اور تفریحی مراکز کا بندوبست کرنے لگی۔ اس کے علاوہ ملازمین کے لیے کلب' گشتی کنٹین اور ہوٹلوں کا انتظام کرنے لگی۔ نیز گم شدہ افراد کی تلاش کے بیورو' شرابیوں' قیدیوں اور ان کے اہل خاندان کے ساتھ ہمدردی' اور اس قسم کے کاموں میں ہاتھ

بتانے لگی۔

اس جماعت نے نادار، غریب اور قحط زدہ لوگوں میں تدریسی اور طبی کام بھی شروع کیا۔ افریقہ اور برصغیر پاک و ہند میں سینکڑوں سکولوں میں ہزاروں طلبہ کی تعلیم و تدریس کا کام کر رہی ہے۔

ولیم بوتھ سمجھتا تھا کہ روح کی نجات کے لیے ساکرامینٹس قطعی ضروری نہیں۔ اس نے غریب اور محتاجوں کو مائل کرنے کے لیے رسوم و عبادات میں تبدیلی کی۔ عشائے ربانی کی رسم بھی غیر ضروری قرار دے دی۔ یہ جماعت لوگوں کو نجات کی طرف بلانے کے لیے گلیوں اور بازاروں میں تبلیغ کرتی ہے۔ ان کی شادیاں جھنڈے (Flag) تلے ہوتی ہیں۔ لڑکوں کو سپاہی بننے کے لیے وقف کر دیا جاتا ہے۔ یہ لوگ عورتوں کی مساوات کا لحاظ کرتے ہیں۔

ان کے ماہانہ رسائل ''نعرۂ جنگ'' (انگریزی) اور ''چھوٹا سپاہی'' ہیں۔ ایک سہ ماہی رسالہ ''افسر'' کے نام سے نکالتے ہیں جو مخصوص تقسیم کے لیے ہوتا ہے۔ (66) ان کی رپورٹ ''سالویشن آرمی'' سالانہ شائع ہوتی ہے۔ (67)

ان کے عقائد یہ ہیں کہ خدا ایک ہے جو تمام مخلوق کا خالق اور باپ ہے...... پھر باپ، بیٹا، روح القدس اور یسوع مسیح خدا کا بیٹا۔ گناہ انسان کی روح اور سوسائٹی کو تباہ کر دیتا ہے۔ ان کا سرمایہ رضاکارانہ طور پر جمع کیا جاتا ہے۔ (68)

اناباپٹسٹ (Anabaptist)

یہ تحریک بھی انگلستان کی ان تحریکوں کی طرح ہے، جن کا مقصد انگریزی کلیسا کو رومن کیتھولک عناصر سے پاک کرنا تھا۔ ان میں سب سے زیادہ اہم تحریک اناباپٹسٹ کی ہے۔ اس کے لفظی معنی ہیں ''دوبارہ بپتسمہ لینے والے۔'' یہ لوگ بالغوں کے بپتسمہ کیے جانے پر زور دیتے تھے، خواہ ان کا لڑکپن میں بپتسمہ ہو گیا ہو۔ یہ خود کو عموماً ''کرسچین برادر'' کہلاتے ہیں۔ شدت و سختی کے قائل نہیں۔ حضرت عیسیٰ کے احکام ماننے میں اتنے سخت ہیں کہ وہ عام طریقہ کی حلف اٹھانے سے انکار کرتے ہیں۔ (69)

یہ لوگ عقوبت کے دور میں تمام یورپ میں پھیل گئے۔ گویا یہ پروٹسٹنٹ انقلاب کا بایاں بازو ہے۔ سولہویں صدی میں یہ فرقہ سرسری حیثیت سے اناباپٹسٹ کہلاتا تھا۔ زونگلی کے پیروؤں میں بعض کا عقیدہ یہ ہو گیا تھا کہ کیتھولک میں بچہ کو بپتسمہ دینے کا جو رواج ہے اس کے لیے کوئی سند موجود نہیں کیونکہ بچہ کے لیے کوئی عقیدہ رکھنا بالکل ممکن نہیں۔ ان کے ہاں بالغ افراد کو دوبارہ بپتسمہ دیا جاتا۔ بعد میں بالغ ہونے تک بپتسمہ دیا ہی نہیں جاتا تھا...... چنانچہ اناباپٹسٹ سے ''انا'' کا سابقہ لفظ حذف کر دیا گیا اور صرف بپٹسٹ ہی رہ گیا۔ (1)''

یہوواہ وِٹنیس (Jehovah's Witness)

اس تنظیم کو 1879ء میں چارلیس تیزرسل نے امریکہ میں قائم کیا تھا۔ اس کے معتقدین دوسرے تمام مذہبی اداروں کو شیطانی کام سمجھتے ہیں۔ اپنی تعلیمات کی بنیاد بائبل کو بتاتے ہیں۔ اور تمام عیسائی روایات کو ختم کر کے یہووا پر اعتقاد رکھتے ہیں۔(71)

ان کا عقیدہ ہے کہ ایک وقت ایسا بھی تھا جب خدا (اصلی نام یہوواہ) اکیلا تھا' وہ مکمل تھا' کسی چیز کی کمی محسوس نہ کرتا تھا۔ اس میں تمام تر زندگی' اختیار اور قوتِ متخیلہ تھی...... یسوع خدا کی سب سے پہلی مخلوق ہے (تثلیث پرستوں کے برعکس کہ یسوع عیسائی ازلی و ابدی اور خدا کے برابر ہے) وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ خدا نے سب سے پہلے یسوع کو پیدا کیا۔ اور بعد میں کائنات کی تخلیق میں یسوع کو اپنا شریک کار بنالیا۔ مختصر یہ کہ وہ یسوع مسیح کو خدا کے برابر خیال نہیں کرتے۔ اسی طرح حضرت مریم کو خدا کی ماں کہنا ان کے نزدیک سخت گستاخی ہے۔

ان کا ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ 1914ء تک شیطان کی حکمرانی رہی۔ اس کے بعد یسوع روحانی طور پر اس دُنیا میں آچکے ہیں۔ ان کے نزدیک سبت سے مراد ہفتہ یا ہفتہ کا دن نہیں بلکہ سبت سات ہزار سالہ دن ہے۔ جب یہ ختم ہوگا تو تمام افراد پاکیزہ بن جائیں گے۔

اسی طرح یہ لوگ عام عیسائیوں کی طرح کفارہ پر ایمان نہیں رکھتے۔ یہ صرف یہوواہ ہی کو نجات دہندہ سمجھتے ہیں۔

1966ء میں ان کے ممبروں کی تعداد دنیا کے ننانوے (99) ملکوں میں 11,18,665 بتائی گئی ہے۔ یہ ان سب کو منسٹر آف گاسپل شمار کرتے ہیں۔ اور قدیم عیسائیت کی بحالی کا عقیدہ رکھتے ہیں...... یہ لوگ رومن کیتھولک کے سخت خلاف ہیں۔ اپنے ملکی قومی جھنڈوں کو سلامی نہیں دیتے۔ امریکہ میں انہیں اس سے مستثنیٰ کردیا گیا ہے۔ یہ شادی کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے کہ دنیا کا جلد خاتمہ ہونے والا ہے۔(72)

ان کا پہلا صدر چارلس تیز ایک عام منتظم کی حیثیت سے ہوا۔ یہ لوگ یسوع کی دوبارہ آمد کا پختہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ ان کے ریڈیو سٹیشن کا نام ڈبلیو بی بی آر ہے' جو بروکلین میں 1924ء سے کام کر رہا ہے۔(73)

سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ (Seventh day Adventist)

اس فرقہ کا بانی ولیم ملر ایک بپٹسٹ عیسائی تھا۔ اس نے عیسائیت کی تبلیغ شروع کی۔ ابتداء میں حضرت عیسیٰ کے آنے کی تاریخ 21 مارچ 1843 اور 21 مارچ 1844 مقرر کی۔ جب وہ نہیں آئے تو ایک تیسری تاریخ مقرر کی۔ پھر جب 22 اکتوبر 1844ء کو بھی ''آنکھوں سے نظر آنے والی آمد'' نہ ہوئی

تو یہ لوگ دو حصوں میں بٹ گئے۔ سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ کا یہ عقیدہ ہوا کہ پیشین گوئی کی تاریخ صحیح تھی۔ یہ بجائے اتوار کے سنیچر کے دن کا اہتمام کرتے ہیں۔ 1874ء میں انہوں نے بیرون ملک پہلی مشنری بھیجی۔ 1903ء میں ان کا ہیڈکوارٹر واشنگٹن منتقل ہوا۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ ایک خدا میں اور بھی شامل ہیں باپ' بیٹا اور روح القدس

ان کے کاموں کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1- آٹھ سو زبانوں میں تبلیغ عیسائیت۔

2- بڑے بڑے ملکوں میں اشاعتی پریس لگا کر لٹریچر کی طباعت اور اس لٹریچر کو تربیت یافتہ افراد سے گھر گھر فروخت۔

3- ایک علیحدہ نظام کے تحت پرائمری اور سیکنڈری سکول' کالج اور میڈیکل کالج وغیرہ قائم کرنا۔

4- طبی اداروں کا ایک سلسلہ قائم کرنا۔(74)

اس کے علاوہ اندھوں کے لیے بریل میں لٹریچر شائع کرنا۔ 1953ء میں انہوں نے ایک کروڑ ساٹھ لاکھ ڈالر کی قیمت کا لٹریچر فروخت کیا تھا۔ میڈیکل اور ڈینٹل کالجوں کے علاوہ سمنری بھی چلاتے ہیں۔ امریکہ اور اس کے باہر سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ کے 212 میڈیکل یونٹ ہیں۔ 20 سرکاری طور پر مستند نرسنگ ٹریننگ سکول ہیں۔ ان کے کالجوں اور ثانوی سکولوں کی تعداد 303 ہے۔ جب کہ 4568 ابتدائی سکول چلاتے ہیں۔ ہر ہفتہ 1050 بار ریڈیو پروگرام ہوتا ہے۔ بین الاقوامی طور پر" وائس آف پرافیسی" کے عنوان سے 856 ریڈیو سٹیشنوں سے 15 زبانوں میں 52 ملکوں میں کام ہوتا ہے۔ ان کے بائبل خط و کتابت کورس کے لیے بیس لاکھ طلبہ نے خود کو رجسٹرڈ کرایا۔ پوری دنیا میں تقریباً دس لاکھ ان کے ممبر ہیں' جو شراب اور تمباکو سے پرہیز کرتے ہیں۔(75)

یسوعی فرقہ (Society of Jesus Jesuits)

اگنیشس لیولا اور اس کے ساتھیوں نے 1534ء میں پیرس میں یہ سوسائٹی قائم کی۔ اس کا مقصد رومن کیتھولک چرچوں کی مدافعت کرنا تھا' اور بت پرستوں میں عیسائیت پھیلانا تھا۔ یاد رہے عیسائی اپنے سوا ہر ایک کو بت پرست (Pagan & Heathen) سمجھتے ہیں۔ اس تشدد پسند سوسائٹی کو گورنر چلاتا ہے جو صرف پوپ کو جواب دہ ہوتا ہے۔

یہ جماعت سترہویں صدی میں بہت طاقتور بنی اور سیاسیات میں بھی دخیل ہوگئی۔ دنیا کے ہر حصہ میں اس نے اپنے ممبر بھیجے۔ اس کے ممبر قابل اور سختی و شدت سے تربیت دیئے ہوئے ہوتے ہیں۔(76) ابتدائی زمانہ میں اس جماعت پر الحاد کا الزام لگایا گیا۔ انہوں نے تعلیم کے ذریعہ نوعمر بچوں پر اثر ڈالا۔ انہوں نے جامعات میں آہستہ آہستہ اپنا دائرہ اثر بڑھایا' اور پروفیسروں کی کرسی سنبھالی۔ پھر معاشرت و سیاسیات میں بھی دخل دینے لگے۔ یہ لوگ جس کو یہ ناپسند سمجھتے' اس کو تباہ کرنے کی سازشیں

کرتے تھے۔(77)

یہ لوگ کم عمر بچوں کے لیے تعلیم کا انتظام محض اس لیے کرتے ہیں کہ کم سنی میں ان کے ذہنوں میں چرچ کی اہمیت بڑھا دیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے سکول عیسائی دنیا میں بہترین مقام رکھتے ہیں۔ رومن کیتھولک کے مددگار ہونے کے باوجود پرتگالی اور رومن کیتھولک بادشاہوں نے اٹھارہویں صدی میں انہیں اپنے ملکوں سے نکال باہر کیا۔ 1773ء میں پوپ نے اس سوسائٹی کو ختم کردیا...... دوبارہ 1814ء میں قائم ہوئی اس وقت سے خاص طور پر تعلیمی اداروں میں اپنا اثر ونفوذ بڑھا رہی ہے۔ (78)

(1856ء سے 22 جون 1935ء تک یہی فرقہ سندھ میں مشن کا انچارج رہا۔ پاکستان میں اس کے مختلف اداروں کے علاوہ لاہور کے لیولا ہاؤس سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ مرتب)

حوالہ جات

1- Frank S. Mead, Handbook of Denomination in the U.S. pp, 4-12, Index

-2 Associated Press Johannesberg, S. Africa, Aug, 12, 1957

-3 مغلیہ سلطنت اور مسیحیت صفحہ 27-28

-4 تواریخ کلیسا کا مجمل بیان۔ ڈورتھیا جین سٹیفن۔ ترجمہ اصغر فضل الٰہی پال صفحہ 26-27

-5 ایضاً صفحہ 30

-6 تواریخ کلیسائے رومۃ الکبریٰ صفحہ 9 پادری خورشید عالم

-7 تواریخ کلیسا کا مجمل بیان صفحہ 59' ڈورتھیا جین سٹیفین

-8 تواریخ کلیسا رومۃ الکبریٰ صفحہ 9' پادری خورشید عالم

-9 تواریخ کلیسا کا مجمل بیان صفحہ 6 ڈورتھیا جین سٹیفن

-10 تاریخ رومۃ الکبریٰ صفحہ 10 پادری خورشید عالم

-11 مغلیہ سلطنت اور مسیحیت صفحہ 29' پادری برکت اللہ

-12 تواریخ کلیسائے رومۃ الکبریٰ ص 11 پادری خورشید عالم

-13 مغلیہ سلطنت اور مسیحیت صفحہ 38' پادری برکت اللہ

14- ایضاً صفحہ 40-30

15- سلطنت مغلیہ اور مسیحیت صفحہ 44-40

16- Babylon the Great has fallen, pp 585-586

17- تاریخ یورپ جلد اوّل برنٹن صفحہ 514-513

18- Babylon the Great has fallen, p. 489

19- عالمی انسائیکلوپیڈیا جلد دوم صفحہ 307

20- Babylon the greet has fallen p. 491

21- Associated Press despatch, March 7, 1963

22- Times Magazine, March 15, 1963

23- تواریخ کلیسا رومۃ الکبریٰ صفحہ 180' پادری خورشید عالم

24- انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم جلد دوم صفحہ 327

25- تاریخ کلیسائے رومۃ الکبریٰ صفحہ 63' پادری خورشید عالم

26- تواریخ کلیسائے رومۃ الکبریٰ صفحہ 65-67' پادری خورشید عالم

27- مغلیہ سلطنت اور مسیحیت صفحہ 33 پادری برکت اللہ

28- تواریخ کلیسائے رومۃ الکبریٰ صفحہ 68' پادری خورشید عالم

29- تواریخ کلیسائے رومۃ الکبریٰ صفحہ 68' پادری خورشید عالم

30- انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم حصہ دوم 205

31- تواریخ کلیسائے رومۃ الکبریٰ صفحہ 106' پادری خورشید عالم

32- انسائیکلوپیڈیا عالم جلد دوم صفحہ 292

33- Ranson, C.W. The Christian Minister in India. p. 16 Trans: Padri Barkatullah.

34- وانڈ جے۔ ڈبلیو۔ سی۔ دی چرچ ٹوڈے صفحہ 73

35- مغلیہ سلطنت اور مسیحیت صفحہ 46-45' پادری برکت اللہ

36- گلور۔ دی پروگریس آف ورلڈ وائیڈ مشنز صفحہ 392

37- مغلیہ سلطنت اور مسیحیت صفحہ 15-14

38- روزنامہ "حریت" کراچی 19 مارچ 1975ء

39- گلتیون 2:11-13

40- تاریخ شام صفحہ 269۔ حتی

41- انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا جلد سوم صفحہ 139

42- Frank, S. Mead. Handbook of Denominations in the USA, pp. 4-12 Index.

43- روزنامہ ڈان 2 نومبر 1970ء

44- واٹڈ جے جے۔ ڈبلیو سی۔ دی چرچ ٹوڈے۔ صفحہ 73

45- S. Reed Brett: Europe since the Renaissance, part I pp, 50,51

46- The New Cambridge Modern History, Vol, II, p.70

47- فرانک ایس میڈ۔ ہینڈ بک آف دی نامی نیشن ان دی یو ایس اے صفحہ 129

48- تاریخ تہذیب جلد اوّل صفحہ 627 برنٹن

49- S.Reed Brett: Europe since the Renaissance, Part I

50- تواریخ کلیسا کا مجمل بیان صفحہ 134 'ڈورتھیا جین سٹیفن

51- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد 15 صفحہ 825

52- ایضاً صفحہ 301-302

53- دی ورلڈ گریٹ ریلجینس۔ ٹائمز انک صفحہ 204

54- فرانک ایس میڈ۔ ہینڈ بک آف دی نامی نیشن ان دی یو ایس اے صفحہ 148

55- تاریخ مذاہب صفحہ 400 'رشید احمد

56- Great Encyclopaedic Dictionary, Reader's Digest, Vol: 2, p. 713

57- The World Great Religion: Times Inc, p. 204

58- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد 18 صفحہ 466

59- Great Encyclopaedia Dictionary, Reader's Digest. Vol:2, p.713

60- The World Great Religion: Times Inc. p.204

61- فرانک ایس میڈ۔ ہینڈ بک آف دی نامی نیشن ان دی یو ایس اے صفحہ 106

62- تاریخ تہذیب حصہ اوّل صفحہ 632

63- Great Encyelpaedic Dictionary, Reader's Digest

64- The World Great Religion: Times Inc, p.204

65- Encyclopaedia Britannica, Vol. 3, pp. 12, 143

66- بورڈ آف ماس کمیونیکیشن ڈبلیو پی سی سی۔ 32 بی شارع فاطمہ جناح عیسائی ناشرین کی فہرست کتب 1974ء صفحہ 28

67- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد 19 صفحہ 973-974 'مقالہ سالویشن آرمی

68- فرانک ایس میڈ۔ ہینڈ بک آف دی نامی نیشن ان دی یو ایس اے صفحہ 196

69- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد 1 صفحہ 838

70- تاریخ یورپ جلد اوّل صفحہ 631' برنٹن

Great Encyclopaedic Dictionary, Reader's Digest, Vol.3, p. 1369

Neill: The Concise Dictionary of the World Christian Missions, p.308 Seventh day Adventist

Frank S. Mead, Hand-book of the Denominations in the U.S.A, p.118

74- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد 1 صفحہ 179

75- فرانک ایس میڈ۔ ہینڈ بک آف دی نامی نیشن ان دی یو ایس اے صفحہ 18

Great Encyclopaedic Dictionary the Reader's Digest Vol. 1, p.467

77- یورپ سولہویں صدی میں۔ جانسن اے ایچ' ترجمہ رحیم الدین صفحہ 325

S. Reed Brett, Europe Since Renaissance, Part I, pp.77, 89

ڈاکٹر نادر رضا صدیقی (پی ایچ ڈی)

پاپائیت اور اس کی مختصر سرگذشت

"پوپ" (Pope) لاطینی لفظ ہے اور "پیٹریارک" یونانی لفظ ہے۔ ان دونوں کے معنی باپ کے ہیں جیسے جیسے عیسائیت پھیلتی جا رہی تھی' ویسے ویسے ضرورت پیدا ہو رہی تھی کہ مذہبی امور کی نگرانی کے ذمہ دار لوگ مقرر کیے جائیں اور چونکہ حکومتی نظام کی طرح مذہبی نظام میں بھی مرکزیت پیدا ہوتی جا رہی تھی اس لیے بڑے بڑے شہروں میں بڑے بڑے پادری یا اُسقف اردگرد کے وسیع علاقے کی نگرانی کے لیے مقرر کیے گئے۔ انسائیکلوپیڈیا کا مؤلف لکھتا ہے کہ 341ء میں پوری عیسائی دنیا کے اندر پانچ بڑے پیٹریارک (Patriarch) مانے گئے۔ ان میں سے چار مشرق یعنی قسطنطنیہ' یروشلم' انطاکیہ' اسکندریہ میں تھے اور پانچواں اسقف روما میں تھا۔ انہیں 425ء تک عام طور پر پاپا کہا جاتا تھا۔ (1) لیکن کلیسائی جھگڑوں کی وجہ سے مشرقی (یعنی قسطنطنیہ کے کلیسا) کا اثر مغرب کی سرزمین میں کم ہونے لگا جس کی وجہ سے روما کلیسائے مغرب کا واحد بڑا مذہبی مرکز رہ گیا۔

روما کے اسقفوں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو انہوں نے روما کے کلیسا کی عظمت اور بزرگی بڑھانے کے لیے یہ کہنا شروع کر دیا کہ روما والے پطرس رسول اور پولوس رسول کے مقبروں کے مجاور ہیں اور پطرس رسول نے روما میں ہی شہادت پائی تھی۔ اس کے علاوہ روما کے قرب و جوار میں کوئی سیاسی حریف ان سے مقابلہ کرنے والا نہ تھا۔ روما کے مذہبی پیشواؤں کے پاس دولت بھی زیادہ جمع ہو گئی تھی اور خیراتی اداروں کا کاروبار بھی ان کے حوالے تھا۔ ان حالات نے خود بخود ان اسقفوں کو ایک اعلیٰ مقام دے دیا۔ پھر یہ اسقف اپنے دائرۂ اختیار سے تجاوز کر کے باہر کے مذہبی امور میں بھی دخل دینے لگے۔ اس طرح ان کے اختیارات میں بھی بے پناہ اضافہ ہو گیا۔

پوپ سلسٹائن اوّل (Celestine I) 432-422ء نے پطرس نظریۂ کلیسا کو سب سے پہلے متعارف کرایا۔ متی کی انجیل میں بعض ایسے کلمات تھے جن سے یہ مطلب نکالا گیا کہ پطرس رسول کو حضرت عیسیٰ نے کلیسائی نظام کی بنیاد قرار دیا تھا۔ اس طرح روما کا اسقف محض ایک اسقف نہ رہا بلکہ سب سے فائق مذہبی پیشوا بن گیا۔ (2) ایک اور پوپ لیو اعظم (Leo the Great) نے کوششیں

کر کے شہنشاہ سے یہ فرمان حاصل کیا کہ پوپ کی طرف سے جو فیصلے صادر ہوں انہیں قانون کا درجہ حاصل ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ پطرس رسول کے جانشین جو کچھ کہتے اور جو کچھ کرتے ہیں' اسے خود پطرس رسول کی طرف سے سمجھا جائے۔

اس طرح پوپ اور پیٹر یارک کو لامحدود اختیارات حاصل ہوگئے۔ اب وہ زمین پر حضرت عیسیٰ کا نائب اور پطرس رسول کا جانشین بن گیا اور اس کا ہر قول ناطق اور ہر عمل منزہ عن الخطا سمجھا گیا۔ عیسائی تعلیم کے عجائبات میں واضح طور پر بتایا کہ ایمان اور اخلاق کے بارے میں کلیسا تعلیم دینے میں غلطی نہیں کرسکتی کیونکہ مسیح نے ان دونوں امور میں عیسائیوں کی رہنمائی کے لیے اسے منزہ عن الخطا کہا ہے۔(3) حالانکہ اسی کتاب میں اس بات کا بھی اعتراف ہے۔ "سچ ہے کہ بد پوپ بھی ہوئے یعنی ایسے پوپ جن کے اخلاق ان کے اعلیٰ عہدے کے لائق نہ تھے۔(4)

پوپ کے اختیارات

پوپ کو رفتہ رفتہ وسیع اختیارات حاصل ہوتے گئے۔ اختیارات حاصل کرنے میں بعض پوپوں نے بڑی مستعدی دکھائی۔ پوپ لیو اعظم کے علاوہ اور پوپ بھی اپنے دائرۂ اختیارات کو بڑھاتے رہے۔ گریگوری ہفتم جو 1023ء میں پوپ بنا تھا اس نے جن اصولوں پر زور دیا تھا ان میں دو حسب ذیل ہیں:

1- رومی کلیسا سے نہ کبھی غلطی ہوئی ہے نہ کبھی غلطی ہوسکتی ہے۔

2- پوپ تمام معاملات کے فیصلہ کا آخری مجاز ہے اور اس کے فیصلہ کے خلاف کوئی اپیل بھی نہیں ہوسکتی۔(5)

حضرت عیسیٰ کے متعلق عیسائی سمجھتے ہیں کہ وہ تین قسم کے اختیارات کے مالک تھے (1) وضع قوانین (لیجسلیٹو) (2) انتظامیہ (ایگزیکٹو) اور (3) عدلیہ (جوڈیشل)۔

فرانسیس لکھتا ہے حضرت عیسیٰ نے یہ تینوں اختیارات اپنے حواریوں کو عطا کیے' اور ان حواریوں نے اپنے جانشینوں کو۔(6) چونکہ پوپ جناب پطرس حواری کی جانب سے مقرر کردہ نائب ہوتا ہے' اس لیے ان تمام اختیارات کا مالک پوپ ہے۔ پاپائے اعظم روما کا اُسقف کہلاتا ہے' کیونکہ روما کا اُسقف ہونے کی وجہ سے وہ مقدس پطرس کا جانشین' مسیح کا قائمقام اور عالمگیر کلیسا کا سردار ہے۔(7) اسی لیے پوپ حضرات نے دعویٰ کیا کہ وہ الٰہی شریعت یا قوانین کے منسوخ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ ایک مشہور عیسائی عالم کے یہ الفاظ قابل غور ہیں:

> "کلیسائے روم کے مقننوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ پوپ کو اختیار ہے کہ وہ قانونِ قدرت کے خلاف پولوس رسول اور عہد نامۂ جدید کے خلاف عمل کرے اور اگر وہ چاہے تو عہد نامۂ عتیق اور عہد نامۂ جدید کے جملہ احکام کو منسوخ کردے۔ 1567ء میں کارڈینل زابیلا نے پوپوں کو خدا سے بھی برتر بنا دیا

ہے۔(8)

پوپ اور اس کے مقرر کردہ پادری عیسائیوں کو دین سے خارج کر سکتے ہیں اور توبہ کرنے پر معاف کر کے پھر دین میں داخل کر سکتے ہیں۔

سخت اور سنگین گناہ کی معافی کا اختیار پاپائے اعظم کے پاس ہے۔

وہ زندوں کے گناہوں کو معاف کر سکتے ہیں۔

مردہ لوگوں کو جہنم سے نکال کر بہشت میں داخل کر سکتے ہیں۔

بائبل کی تعبیر و توضیح کا حق صرف پوپ کو حاصل ہے۔

پوپ حرام چیزوں کو حلال اور حلال چیزوں کو حرام قرار دینے کے مکمل اختیارات رکھتے ہیں۔

اس سلسلہ میں میکائل کی یہ تحریر پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے جو اس نے اپنی کتاب "اجوبة الانجیلین علی اباطیل التقلیدین" میں شائع کی۔

"اب تم ان کو دیکھو گے کہ وہ چچا کی شادی بھتیجی سے اور ماموں کا نکاح بھانجی سے اور کسی شخص کی شادی اپنی صاحب اولاد بھاوجہ سے کتب مقدسہ کی تعلیم اور ان کے پاک اور مقدس جامعین کے حکم کے خلاف جائز کرتے ہیں۔ یہ محرمات ان کے نزدیک اس وقت حلال اور جائز بن جاتے ہیں، جب اس کام کے لیے ان کو رشوت کے طور پر کافی رقم مل جائے۔ اسی طرح بہت سی پابندیاں اور بندشیں ہیں جو انہوں نے اہلِ کلیسا پر لگادی ہیں۔ اور بہت سی چیزوں کو حرام کر دیا ہے جب کہ صاحب شریعت نے ان کا حکم دیا تھا۔"

یہ مصنف اس کے بعد لکھتا ہے۔ "بہت سی کھانے کی چیزیں ہیں جن کو حرام کر دیا ہے۔ اور پھر حرام کردہ کو حلال بنا دیا ہے۔ اور ہمارے زمانے میں بڑے روزے کے دن جس کی تحریم مدت تک بڑے زور و شور سے رہی گوشت کھانا جائز کر دیا۔(9) ان بے حد وسیع اختیارات کی وجہ سے اگر پوپ لیوسیزدہم یہ دعویٰ کرتا ہے تو کیا غلط کرتا ہے کہ "پوپ زمین پر خدائے قادرِ مطلق کا درجہ رکھتا ہے۔" اس لیے اس کو فضیلت کے تین تاج حاصل ہیں۔ بہشت کا بادشاہ، زمین کا بادشاہ اور اسفلی طبقہ کا بادشاہ۔(10)

اس میں شک نہیں کہ بعض پوپ اچھے اخلاق اور اعلیٰ کردار کے مالک تھے اور صاحب علم و فضل بھی تھے۔ انہوں نے بڑی اچھی اصلاحات بھی کیں۔ لیکن پاپائیت کی تاریخ میں ایسی صاحب علم و کردار شخصیتیں بہت کم ہیں۔ متعدد پوپ صاحبان پر طرح طرح کے الزامات لگائے گئے ہیں اور یہ بہت ہی افسوسناک امر ہے۔

پوپ صاحبان کے کردار کا جائزہ

پوپ صاحبان کے کردار اور اعمال کا اندازہ مشہور عیسائی عالم پادری برکت اللہ کی اس تحریر سے کیجئے:

''رومی کلیسا کا بشپ ژاک ڈی ویطری (Jacques de Vitry) صلیبی جنگوں کے ایام میں عکرہ (Acra) کا 1216ء سے 1225ء تک بشپ تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ مشرقی کلیسا بدکاری اور بداخلاقی اور زناکاری کے باعث کمزور اور شیطان کی غلام ہو چکی تھی۔

آگے چل کر پادری برکت اللہ لکھتے ہیں۔''ان کے مذہبی رہبر قسیس اور بشپ بلکہ بعض صدر بشپ بھی ان خرابیوں کا شکار ہو گئے۔ عیسائی قسیس اور بشپ تک بددل، پست ہمت اور بداخلاق ہو رہے تھے۔ ان میں سے بعض بدکار بھی تھے...... اُن دنوں میں ان صاحبان کی روحانی زندگی بدھ بھکشوؤں کے مقابلہ میں ہیچ تھی۔ ان کے قسیس رشوت لیتے اور دیتے تھے...... اس کا قدرتی اثر یہ ہوا کہ کلیساؤں کی حالت بد سے بدتر ہو گئی۔

عیسائی مورخ ان تینوں پٹریارکوں کی نسبت لکھتا ہے۔''یہ تینوں زناکار تھے اور گرجاؤں کے مقدس ظروف اور اشیاء پر ناجائز قبضہ کرتے تھے اور اوقات کا ناجائز استعمال کرتے تھے۔''

یہی پادری اعتراف کرتا ہے جب ہم یہ پڑھتے ہیں تو ہمیں کوئی حیرت نہیں ہوتی کہ یہ قسیس جادو منتر ٹونہ ٹوٹکہ کیا کرتے تھے اور یہ کہ کلیسا کے اکثر شرکاء شرابی، سود خور اور زناکار ہوتے تھے۔ جو شرکاء تاتاریوں میں رہتے تھے، وہ متعدد عورتوں سے نکاح کر لیتے تھے اور اپنے قبائل کے دستور کے مطابق باپ کی وفات کے بعد اس کی بیویوں (یعنی سوتیلی ماؤں) پر قبضہ کر لیتے تھے۔(11)

مشہور امریکی مورخ وِل ڈیورانٹ لکھتا ہے کہ''931ء میں ماروزیہ نے جان یازدہم کو پوپ کی حیثیت سے بلند کیا جس کے بارے میں عام تاثر یہ تھا کہ یہ سرگیوس سوم کا ناجائز بیٹا ہے۔ 932ء میں اس کے لڑکے البریک نے جان کو قید خانہ میں ڈال دیا۔ یہ البریک 22 سال تک حکمران رہا۔ 955ء میں ماروزیہ کا پوتا جان دوازدہم بنا۔ اور اس کی اُسقفیت اپنی رنگ رلیوں اور عیاشیوں کی وجہ سے لٹیران محل میں ممتاز ہوئی۔(12)

پادری خورشید عالم کہتے ہیں۔''کلیسا کی روحانی اور اخلاقی حالت دن بدن ابتر ہو رہی تھی۔ پوپ صاحبان کا اخلاقی کردار گر چکا تھا۔ (13) وِل ڈیورانٹ بیان کرتا ہے کہ 963ء میں اوٹو روم واپس آیا۔ اس نے جان کو کلیسائی کونسل کے سامنے مقدمہ چلانے کے لیے بلایا۔ کارڈینلوں نے الزام لگایا کہ پوپ جان دوازدہم نے تقدیس کے لیے بشپوں سے رشوت لی یہاں تک کہ ایک دس برس کے لڑکے کو بشپ بنا ڈالا۔ اپنے باپ کی داشتہ کے ساتھ اس نے دادِ عیش دی۔ باپ کی بیوہ اور اس کی بھتیجی سے ناجائز تعلقات قائم کیے۔ اس نے پاپائی محل کو چکلے میں تبدیل کر دیا۔(14)

پطرس رسول کی گدی روم سے منتقل کی جاتی ہے

پوپ بونی فیس ہشتم انگلستان اور فرانس کے بادشاہوں سے ناراض ہو گیا۔ اس نے حکم جاری کیا کہ خدام الدین سرکار کو مالیہ و لگان نہ دیں۔ اس کے ردعمل کے طور پر ان دونوں بادشاہوں نے نذر و

نیاز کا روپیہ روما بھیجنے پر پابندی لگادی۔

فرانس کے بادشاہ فلپ چہارم نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ فرانس کا روپیہ فرانس سے باہر نہیں جاسکتا۔ اس نے اپنے ایک کارندے کو حکم دیا کہ پوپ بونی فیس کو گرفتار کرلے۔ اس نے ویٹی کن محل کو تباہ و برباد کیا۔ اس کی حراست میں پوپ ایک ماہ کے اندر مرگیا۔ اس کے بعد دوسرا پوپ جانشین ہوا' تو پادری خورشید عالم کے قول کے مطابق وہ بھی فرانسی زہر سے ایک مہینہ کے اندر ہی ختم کردیا گیا۔ اس پوپ کے بعد گیارہ مہینے تک کوئی پوپ نہ بنا۔ پوپ کی گدی اتنی مدت تک بالکل خالی رہی۔ اس طرح مقدس پطرس کی گدی دریائے اونیون چلی گئی۔ اس دوران ہر جگہ رومیوں کے بجائے فرانسیسی کارڈینل اور خدام الدین چھا گئے۔ فرانس کی اقتصادی حالت بہتر ہونے لگی۔ کیونکہ وہ روپیہ بچ گیا جو پوپ کی نذر و نیاز کے لیے فرانس سے بھیجا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں ایک ہی وقت میں دوٗ دو پوپ ہوئے۔ مگر ''ان دونوں میں کون ساخلیفۃ المسیح تھا یہ کوئی نہیں جانتا۔''(15)

دائرۂ مذہب سے اخراج

یورپ کے بادشاہوں اور پوپوں میں آئے دن کشمکش رہنے لگی۔ اگر بادشاہوں کو موقع ملتا تو وہ پوپوں کے خاص علاقوں اور جاگیروں کو تباہ و برباد کردیتے' پائمال کرتے اور اپنی رعایا سے کہتے کہ یہ مذہبی پیشوا نہیں بلکہ دجال ہیں۔ دوسری جانب پوپ بادشاہوں سے اس طرح بدلہ لیتے کہ ان کو دائرۂ مذہب سے ہی خارج کردیتے۔ کسی بادشاہ یا کسی اور شخص کو بلکہ کسی پورے ملک کو کلیسا سے خارج کردینا تقریباً روز کا معمول تھا۔

انسائیکلوپیڈیا میں ہے کہ ہنری چہارم نے 1076ء میں جرمنی کے بشپوں کی ایک مجلس بلائی اور پوپ گریگوری کی معزولی کا اعلان کردیا۔

ادھر گریگوری نے ہنری چہارم کو مذہب کے دائرہ سے خارج کردیا۔ ہنری نے اٹلی پر یلغار کی۔ 1084ء میں جب وہ روما پہنچ گیا تو گریگوری کو شہر چھوڑنا پڑا...... گریگوری 1085ء میں جلاوطنی کی حالت میں ہی فوت ہوگیا۔(16)

پوپ پائس پنجم نے انگلستان کی ملکہ الزتھ کو مذہب سے خارج کردیا تھا۔(17)

پوپ اس کے بجائے کہ اپنے کلیسا کی ساختہ عیسائیت ہی کو ترویج دیتے اور اس کی تعلیمات پر چلتے عام اخلاقی انحطاط کا شکار ہوگئے اور بادشاہوں کی اکھاڑ پچھاڑ میں رہنے لگے۔ ایسی ہی ایک پاپائی سازش چارلس شاہِ انگلستان کے عہد میں ہوئی جس میں پانچ بڑے بڑے کیتھولک امیر گرفتار ہوئے۔ انہیں لندن کے ایک قلعہ میں پہنچا دیا گیا۔ جیمز ڈیوک آف یارک کی بیوی کے ''خاص پادری'' پر مقدمہ چلا اور اسے موت کی سزا دی گئی۔

اس کے بعد ایک قانون بنایا گیا جس کی رُو سے رومن کیتھولکوں کو پارلیمنٹ میں بیٹھنے کی

ممانعت ہوگئی۔ یہ قانون 1829ء میں منسوخ ہوا۔ (18)

ان پوپوں نے اپنی ناعاقبت اندیشی سے ایسی حرکتیں کیں جن سے گرجے ہی بند رہے۔ اور ان میں علانیہ عبادت تک نہیں ہوتی تھی۔ یہ حالت ایک دو روز یا ایک دو مہینے نہیں۔ بلکہ مسلسل پانچ برس تک رہی۔ اس دوران اگر کوئی عیسائی مر جاتا تو رسم جنازہ تک ادا نہ ہوتی تھی۔

یہ واقعہ اس طرح ہے کہ 1205ء میں ہربرٹ والٹر آرچ بشپ کنٹربری کے مرنے کے بعد نئے آرچ بشپ کے چناؤ پر جھگڑا شروع ہوا۔ شاہ جان نے راہبوں کی فرمائش پر اپنے ایک دوست کو آرچ بشپ بنایا۔ اس کے خلاف چند بشپوں نے روما میں پوپ انوسنٹ کو اپیل کردی۔ پوپ نے دوسرے شخص کو آرچ بشپ بنادیا۔ شاہ جان انگلستان نے پوپ کے اس فیصلہ کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ پوپ نے اس جرأت پر 1208ء میں تمام انگلستان کو کلیسا سے خارج کردیا۔ اس اخراج کے بعد پانچ برس تک گرجے بند رہے اور علانیہ عبادت بند ہوگئی۔ خادم دین دروازے بند کرکے بپتسمہ دیتے تھے۔ جب کوئی مر جاتا تو رسم جنازہ ادا نہ کرتے تھے۔ مبارک جمعہ کو وہ صلیب گرجا کے صحن سے باہر رکھ دیتے تھے تاکہ لوگ یہیں تعظیم کرسکیں۔ (19)

پوپ صاحبان کی بربریت

پوپوں کا ظلم وستم عوام اور "بدعتیوں" پر دہشت و بربریت کی ایک علامت کی حیثیت سے وقت کے سینہ میں محفوظ ہے۔ ان کے قائم کردہ "محکمۂ احتساب" کے جور و استبداد کو خود عیسائی مورخوں نے انتہائی ناپسندیدہ الفاظ سے یاد کیا ہے۔ ان پاپاؤں نے عوام اور تجدد پسندوں کے علاوہ اپنے ہی رُتبہ یا اس سے کچھ کم حیثیت کے افراد کے ساتھ جو سلوک کیا' اس کی ایک جھلک وِل ڈیورانٹ کے تحریر کردہ ان واقعات میں دیکھی جاسکتی ہے:

897ء میں پوپ سٹیفن نے پوپ فارموسس (891-896ء) کی نعش قبر سے نکلوائی' اس کو ارغوانی قبا پہنا کر کلیسائی کونسل کے سامنے رکھا اور اس مردہ لاشہ پر چرچ کے قوانین توڑنے کے جرم میں مقدمہ چلایا۔ وہ نعش مجرم قرار دی گئی۔ اس مردہ کو کوڑے لگائے گئے۔ اس کے اعضاء کاٹے گئے۔ اس کے بعد اسے دریائے تبر (Tiber) میں پھینک دیا گیا۔ خدا کی قدرت دیکھئے' اسی سال روم میں ایک سیاسی انقلاب نے سٹیفن کو اکھاڑ پھینکا۔ اس کا جیل میں گلا گھونٹا گیا۔ اس کے بعد کئی سال تک پاپائی مسند رشوت' قتل یا ایسی عورتوں کی آماجگاہ رہی جو اونچے درجہ لیکن بدتر اخلاق کی تھیں۔ (20)

یہی عیسائی مورخ آگے چل کر لکھتا ہے کہ "پوپ گریگوری نے کرسنٹیوس (Crescentius) کو دائرۂ مذہب سے خارج کردیا۔ جان شانز دہم کو پوپ بنانے کے لیے انتخابات کا انتظام کیا۔ اوٹو واپس آیا۔ اس نے جان کو معزول کیا' اس کی آنکھیں نکالیں' ناک کاٹی' زبان کھینچی اور اس کا سر ایک گدھے کی دُم سے باندھ کر روم کے گلی کوچوں میں گھمایا۔

کرسینیکس اور بارہ لیڈروں کی گردنیں ماری گئیں اور ان کی نعشوں کو سینٹ اینگلو کی فصیل پر لٹکایا گیا۔ (898ء) گریگوری نے پاپائیت کا عہدہ حاصل کیا' تو 999ء میں غالباً زہر کی موت مرا۔" (21)

پوپ صاحبان کی علم دشمنی

اس کردار کے باوجود قرونِ وسطیٰ میں پوپ صاحبان کا بڑا زور تھا۔ وہ خود کو حضرت عیسیٰ کا جانشین اور نائب خیال کرتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو جامع علوم دینی و دُنیوی سمجھتے تھے حالانکہ...... پورے یورپ میں کلیسا کے صرف (چند لوگ علم کی محض مبادیات جانتے تھے۔ (22) اس کے باوصف پوپ جن علوم پر مہر تصدیق ثبت کرتے' وہی رواج پاتے۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ ان روائتی علوم سے تجاوز کرے۔ ان بے جا پابندیوں کی وجہ سے ان کے زیر اثر ملکوں میں جہالت اور علم کی تاریکی کا دور دورہ تھا' جب کہ اسی دور میں دوسری جانب مسلمانوں نے علوم وفنون' تہذیب و ثقافت' ادب اور سائنس میں کافی ترقی کی تھی۔ مسلمانوں نے انسانی زندگی کا معیار بلند کیا تھا۔ انہوں نے نہ صرف کتابیں لکھیں بلکہ جگہ جگہ کتب خانے بھی تعمیر کیے۔

حتی اپنی مشہور کتاب "عرب اور اسلام" میں لکھتا ہے کہ دسویں صدی میں جب حاجب منصور خلیفہ تھا تو مسلمانوں کا شہر قرطبہ یورپ کا مہذب ترین شہر بن گیا تھا۔ شہر میں ایک لاکھ تیرہ ہزار مکان' اکیس نواحی محلے' ستر کتب خانے' کتابوں کی بہت سی دکانیں' اور لاتعداد مسجدیں تھیں۔ قرطبہ میں پختہ شاہراہیں تھیں جن پر رات کے وقت روشنی کی جاتی تھی۔ حالانکہ اس کے سات سو سال بعد تک شہر لندن کی کسی شاہراہ کو کوئی پبلک لیمپ نصیب نہ ہوا۔ خود پیرس کی سڑکوں کی صدیوں تک یہ حالت رہی کہ بارش کے موسم میں جو کوئی گھر کی دہلیز سے نیچے اترتا تو اس کے پاؤں ٹخنوں تک زمین میں دھنس جاتے۔ (23)

مسلمانوں کی اس علمی ترقی اور بلندی کو دیکھ کر یورپ کے کچھ افراد میں علمی تحقیق و تفتیش کا شوق پیدا ہوا۔ جب انہوں نے پوپوں کے روایتی علم کے خلاف نئے خیال اور جدید نظریے کو ظاہر کیا' تو پوپ صاحبان کی جانب سے فوراً ان کی گرفت کی جانے لگی۔ لیکن مسلمانوں کی ترقی سے متاثر ان شوریدہ سر افراد نے ان کے غیظ وغضب کی پرواہ نہ کی اور اپنی تحقیقات میں مصروف رہے۔

کوپرنیکس' گلیلو' برونو وغیرہ کے ساتھ پوپ صاحبان کا ظالمانہ سلوک تاریخوں میں محفوظ ہے۔ گلیلو کی کتابوں کو پوپ صاحبان نے "فہرست کتب ممنوعہ" میں شامل کر دیا۔ اس پر مقدمہ چلایا گیا' اس کو شکنجہ میں کس کر ایذائیں پہنچائیں...... اس کی آخری عمر انتہائی تنگی میں گذری۔ وہ اندھا ہو گیا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کی لاش کو بھی عیسائی قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا گیا۔ (24)

سائنس دان "برونو" کو پوپ اور اس کے ماتحتوں نے اتنا تنگ کیا کہ وہ ملک ملک پھرتا رہا۔ 1600ء میں وہ پکڑا گیا تو نئے خیالات کی وجہ سے اس کو راس الملاحدہ قرار دیا گیا۔ اسے دو سال تک قید رکھا گیا۔ اس کے بعد اسے دینی عدالت نے دُنیوی حکام کے سپرد کیا کہ اسے نہایت نرمی سے سزا دی

جائے۔ اس کے خون کا ایک قطرہ بھی گرنے نہ پائے۔ اس سزا کا مطلب یہ تھا کہ اس کو آگ میں ڈال کر جلادیا جائے۔(25)

یہ نرم سزا تھی۔ غور کیجئے سخت سزا کیا ہوگی۔ تعجب ہے کہ ایسی سزائیں اُس یسوع مسیح کے جانشینوں نے دیں، جس نے اپنے مذہب کی بنیاد محبت کے اصولوں پر رکھی تھی۔

اربابِ کلیسا کی دُنیا پرستی

اربابِ کلیسا زر طلبی اور دُنیا پرستی میں بھی کسی سے پیچھے نہ تھے۔ ان میں بڑا طبقاتی فرق تھا۔ اونچے درجے کے اہل کلیسا دولت کے انبار جمع کرتے تھے جبکہ نچلے درجہ کے پادری دال روٹی کے لیے پریشان رہتے تھے۔

پروفیسر سولومنی لکھتا ہے۔ ''امراء کی طرح پادریوں کو بھی خاصی مراعات حاصل تھیں۔ وہ زر، زمین اور آسائش زندگی کے معاملہ میں دنیاداروں سے مقابلہ کرتے تھے..... پادریوں کی ملکیت میں کاسل محل، گرجا محل (Cathedral) بیش قیمت تصاویر، سونے کے بڑے بڑے پیالے، وقف زمینوں کی آمدنی اور بھاری ٹیکس شامل تھے۔ روہان کے کارڈینل کی آمدنی دو کروڑ پچاس لاکھ لیور تھی۔ آرچ بشپ آف سٹراس برگ کی آمدنی تین لاکھ ڈالر سالانہ تھی۔ وہ ایک شاندار محل میں عدالت کرتا تھا۔ ایک وقت میں دو سو مہمانوں کی ضیافت کرتا تھا۔ اس کے باورچی خانہ کے چمچنی کے برتن (Saucepans) چاندی کے تھے۔ اس کے اصطبل میں ایک سو اسی گھوڑے تھے۔

چرچ کی حیثیت ''ریاست کے اندر ایک ریاست'' کی تھی۔ چرچ کی بیشتر آمدنی اعلیٰ مرتبہ کے پادریوں کے حصہ میں آتی تھی۔ اعلیٰ مرتبہ کے پادریوں کا یہ طبقہ ایک سو چونتیس بشپ، آرچ بشپ، کچھ ربی، کینن اور دوسرے بڑے مرتبہ والے پادریوں پر مشتمل تھا۔ ان کی مجموعی تعداد پانچ چھ ہزار سے زیادہ نہ تھی (مجموعی طور پر ایک لاکھ تیس ہزار پادری تھے۔ مگر وہ سب کمتر درجہ کے تھے) نچلے درجہ کے پادریوں کی حالت نہایت خراب تھی۔ ان کے ساتھ تحقیر آمیز سلوک کیا جاتا تھا۔ وہ اپنی گذر اوقات بڑی مشکل سے کرتے تھے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ فرانس میں بڑے عہدے والے پادریوں اور امراء کی جائیدادیں ملک کی کل زمین کے پانچویں حصہ پر مشتمل تھیں اور ان پر ٹیکس بھی معاف تھا۔(26)

معافی نامے

Indulgence

''معافی نامے'' پوپ صاحبان، اور ان کے مقرر کردہ مذہبی ''ٹھیکیداروں'' کے پاس حصولِ دولت کا ایک ایسا ذریعہ تھے جس کی وجہ سے ان کے خزانے بھر جاتے تھے۔ یہ مذہبی عہدیدار نذرانے اور

عطیے وصول کرتے اور ان کے عوض نہ صرف زندوں بلکہ مردوں کی بھی بخششیں اور مغفرت کے پروانے جاری کرتے جن سے ارواح' جہنم کے عذاب سے نکل کر آرام کی جگہ پہنچ جاتی تھیں۔

کڈ (Kidd) کے حوالہ سے سی پی ایس کلارک اپنی تاریخ کلیسا میں اس رسم کی تفصیل بتاتے ہوئے بیان کرتا ہے۔ "اگر لوگ اس غرض کے لیے پیسے دینے کو تیار ہوتے تو جیسے ہی پادری کے صندوق میں سکوں کے گرنے کی آواز آتی تو مردے کی روح جسے نجات دلانے کے لیے پیسے ڈالے گئے ہیں' فوراً سیدھی جنت میں پہنچ جاتی۔" (27)

پادری خورشید عالم کے اپنے الفاظ میں...... "مغفرت ناموں کی تجارت عام تھی' جس کے باعث انسان بشپ صاحب کو گناہ کا بدل روپیہ دے کر سزا سے بری قرار دیا جاتا تھا...... اربن دوم نے پہلی صلیبی مہم کے لیے مغفرت نامہ تقسیم کر کے عبادت و ریاضت کی مطلوبہ حد کو اُڑا دیا...... تب عوام نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ دھڑا دھڑ مغفرت نامے خریدنے شروع کر دیئے تاکہ ان کے عزیزوں کی روحیں جو اعراف میں محبوس ہیں رہائی پائیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پوپی خزانہ معمور ہوگیا۔ بشپوں کو روپیہ کمانے کا حربہ ہاتھ آ گیا اور کلیسا بد اخلاق بن گئی۔" (28)

"معافی نامے" اس زور شور سے فروخت کیے جانے لگے کہ تاجروں نے ان کی فروخت کے لیے باقاعدہ ایجنسیاں قائم کر لی تھیں اور ہر ایجنسی والا آواز لگا لگا کر لوگوں کو معافی نامے خریدنے کی ترغیب دیتا۔ عام طور پر پسماندگان کی توجہ مبذول کرانے کے لیے اس قسم کے الفاظ سے مخاطب کیا جاتا۔

"آؤ بڑھو۔ جنت کے دروازے کھل رہے ہیں۔ اگر تم اب بھی نہ داخل ہو گے تو کب داخل ہو گے۔ تم بارہ پنس کے عوض اپنے باپ کی روح کو جہنم سے نکلوا سکتے ہو۔ کیا تم ایسے ناخلف ہو کہ اپنے باپ کے لیے اس قدر سستی نجات نہیں خرید سکتے...... اگر تمہارے پاس اور کچھ نہیں فقط ایک کوٹ ہے تو وہی اتار دو' تاکہ یہ گراں بہا متاع خرید سکو۔" (29)

اس قسم کے جملوں سے عوام کو اکسایا جاتا کہ وہ بہرحال کچھ نہ کچھ سکے ان پادریوں یا ان کے ایجنٹوں کے حوالے کر دیں۔

ہر قسم کے گناہ کی معافی کے لیے نرخ مقرر تھے۔ گناہ کیسا ہی کیوں نہ ہو' صرف مقرر شدہ رقم پادریوں کو دی جائے اور فوراً بخشش کرالی جائے۔ کتنا سستا سودا تھا۔ چاہے کسی کو قتل کر دو' چوری کرلو' چند سکے ادا کر کے "آسمانی بادشاہ" کے مقرب بن جاؤ۔ مختلف گناہوں کے مختلف نرخ تھے۔ مثلاً اسقاطِ حمل کی معافی کے لیے ساڑھے تین شلنگ' عدالت میں جھوٹی قسم کے 9 شلنگ' چوری کے 12 شلنگ' کسی عفیفہ کی عصمت دری کرنے پر 9 شلنگ' زنا کی دوسری بھیانک صورتوں پر ساڑھے سات شلنگ' لونڈی رکھنے کے لیے صرف ساڑھے دس شلنگ۔ (30)

معافی اور مغفرت صرف زبانی ہی نہیں ہوتی تھی بلکہ تحریری بھی ہوتی تھی۔ اور پھر یہ صرف اُن گناہوں ہی کے بارے میں نہ ہوتی تھی جو ہو چکے۔ بلکہ آئندہ جو گناہ کرنا ہوتا اس کی بھی معافی اور

بخشش پیشگی کردی جاتی' جیسا کہ حسب ذیل اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے:

''ہمارا ربّ یسوع عیسیٰ تجھ پر رحم کرے گا۔ اور تجھ کو اپنی رحمت کاملہ سے معاف کرے گا۔ امابعد مجھ کو سلطان الرسل پطرس و پولوس اور اس علاقہ کے بڑے پوپ کی جانب سے جو اختیارات دیئے گئے ہیں' ان کی بنا پر میں سب سے پہلے تیری خطاؤں کو بخشتا ہوں...... خواہ کسی جگہ ان کو کیا ہو۔ پھر دوسرے تیرے قصوروں اور کوتاہیوں کو اگرچہ وہ شمار سے زیادہ ہوں' بلکہ آئندہ کی لغزشوں کو جنہیں پوپ نے حلال کیا ہے اور جب تک کنجیاں رومی کلیسا کے ہاتھ میں ہیں' میں ان تمام عذابوں کو بخشتا ہوں جن کا تو مطہر میں مستحق ہونے والا ہے۔ اور میں مقدس کلیسا کے اسرار اس کے اتحاد اور خلوص کی طرف سے تیری رہنمائی کروں گا اور بپتسمہ کے بعد تو معصوم ہو جائے گا' یہاں تک کہ جب تو مرے گا تو تجھ پر عذابوں کے دروازے بند کردیئے جائیں گے۔ اور فردوس کے دروازے تیرے لیے کھول دیئے جائیں گے اور اگر تجھ کو فی الحال موت نہ آئی تو یہ بخشش آخری دم تک اپنے پورے اثر کے ساتھ تیرے لیے باقی اور قائم رہے گی۔ باپ' بیٹے اور روح القدس کے نام سے۔ آمین! یہ لکھا گیا ہے بھائی یوحنا کے ہاتھ جو وکیل دوم کا قائم مقام ہے۔(31)

یہ ان معافی ناموں کی ایک نقل ہے۔ مغفرت کے ان پروانوں کے ذریعہ جب ہر گناہ معاف کیا جانے لگا تو اخلاق و کردار کی کیا حالت ہوسکتی ہے؟ اس پر زیادہ غور و فکر کی ضرورت نہیں۔

''1517ء میں ایک پادری جان ٹیٹزل (Tetzel) نے اعلان کردیا تھا کہ اگر کسی عیسائی نے اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کی ہو اور وہ کچھ پوپ کے مغفرت کے صندوق میں ڈال دے تو پوپ کو دنیا اور آخرت دونوں میں یہ اختیار ہے کہ وہ اس کے گناہ معاف کردے اور اگر پوپ نے گناہ معاف کردیا تو خدا کو ایسا ہی کرنا پڑے گا۔(32)

کلیسا کا محکمۂ احتساب و تفتیش

حضرت عیسیٰ نے جو دین پیش کیا تھا' اس کو ان کے جانشینوں نے بالخصوص پال نے بدل دیا۔ پھر پال کا جو دین عیسائیت تھا اس کو کونسلوں نے اور خاص طور پر نیقیہ کونسل نے تبدیل کردیا۔ اس کے بعد تو یہ عام دستور ہوگیا کہ کچھ سالوں بعد کونسلیں منعقد ہوتیں۔ ان میں ازسر نو عقائد و ایمانیات پر بحث ہوتی۔ مباحثوں پر ایک سے زیادہ فریق بن جانا معمول کی بات ہے۔ کونسلوں میں جب کوئی ایک فریق کسی طرح سے غالب ہو جاتا تو مخالف فریقوں کو یا تو کلیسا سے خارج کردیتا یا انہیں بدعتی قرار دے دیتا۔ بدعتی کی تعریف عیسائی تعلیمات میں یہ کی گئی ہے۔ ''جو ارادہ اور اصرار کے ساتھ کلیسا کی تعلیم کے کسی منکشف مسئلہ سے انکار کرے وہ بدعتی ہے۔ (33) اس طرح رومن کیتھولک کے نزدیک پروٹسٹنٹ بھی بدعتی تھے بلکہ ہر وہ عیسائی بدعتی تھا جو کیتھولک عقائد کے تحت نہ تھا۔

ایک غیر کیتھولک پادری خورشید عالم کا بیان ہے۔ ''عیسائی درست ایمان اور مسائل میں اجنبی

خیالات کے پیوند کرنے کو بدعت کہتے ہیں۔(34) اس تعریف کی روشنی میں کیتھولک فرقہ پر یہ الزام آتا ہے کہ اس نے بدعت کو رائج کیا اور اجنبی خیالات کی پیوندکاری کی۔ ایک دوسرے کے سر بدعت کا الزام تھوپنے کے نتیجہ میں بیسیوں بلکہ سینکڑوں فرقے ظہور پذیر ہو گئے' وہ بھی اس دعوے کے ساتھ کہ وہی اصلی تعلیمات کے محافظ اور علم بردار ہیں۔ باقی سب بدعتی ہیں' نتیجہ یہ ہوا کہ کلیسائیں بھی علیحدہ بنتی گئیں۔ اور حضرت عیسیٰ کی تعلیمات سینکڑوں دعوے داروں میں بٹتی چلی گئیں۔

روما کے بعض پوپ صاحبان نے اپنی تمام تر بدکرداری' دُنیا پرستی' بد اخلاقی' دینی و دُنیوی اور روحانی پراگندگی کے علم الرغم اپنے نقادوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ کر رکھ دیئے۔ اور اس سلسلۂ جبر و تعدی' ستم اور جور کو ایک دو سال' پانچ پچاس سال نہیں بلکہ صدیوں تک پھیلایا۔ اپنی متزلزل پاپائیت کو سنبھالنے' اپنی بداعمالی کو جائز قرار دینے' اپنی جہالت کو تقدس میں چھپانے اور اپنے اخلاقی انحطاط کو اپنی عظمت میں سنوارنے کی کوششوں میں انہوں نے بربریت کو مات کر دیا۔

لیکی لکھتا ہے کہ ''سپین کے محکمہ احتساب کے حکم سے اکیلے تورکیڈا کی زیر صدارت دو ہزار نفوس زندہ جلائے گئے۔ اور سترہ ہزار اشخاص جنہوں نے مختلف شدائد کے بعد اپنے عقائد سے توبہ کرلی ان کا ذکر نہیں۔ چارلس پنجم کے عہد میں ہونے والے شہداء کا شمار تقریباً پچاس ہزار تک پہنچا ہے آگ میں زندہ جلانا خصوصاً جشن یا تہواروں کے موقع پر عیسائی احتساب کا خاص کارنامہ ہے۔''(35)

اس محکمۂ احتساب نے بڑے لرزہ خیز مظالم خود عیسائیوں پر ڈھائے' جس کے نتیجہ میں لاکھوں افراد کو اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اپنی جائیدادوں اور مال و منال کو چھوڑنا پڑا۔ یہاں تک بھی ہوا کہ اس محکمہ نے محض کسی مالدار کی مال و دولت اور جائیداد کو دیکھ کر اس کے مرنے کے کئی مہینوں بعد اس کی لاش کو قبر سے نکلوایا' اس پر نام نہاد مقدمہ چلایا' اس پر جرم ثابت کیا اور پھر اس کی ہڈیاں جلا کر اس کی جائیداد اور دولت ضبط کرلی۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں انکوئیزیشن کے تحت ہے۔ ''پہلی تین صدیوں میں بدعتیوں کے خلاف انہیں مذہب سے نکال دینے کی سزا تھی۔ چوتھی صدی عیسوی میں بدعتیوں کو حکومت اور قانون کا دشمن سمجھا جانے لگا۔ اس وقت ضبطی جائداد اور شہری حقوق چھین لینے کی سزا دی جانے لگی۔''

کاتھری نظریہ جس کو فرانس میں البی جنسز (Albigenses) کہا جاتا تھا' 1022ء میں فرانس کے رابرٹ دوم نے ان کے تیرہ ''بدعتیوں'' کو ارلینس (Irleans) میں زندہ جلا دیا۔ ہنری سوم نے چند کو گوسلر میں پھانسی دی۔''

محکمہ احتساب کے تفتیش کنندہ کے اختیارات بہت وسیع تھے' یہ اپنے نائب' مددگار' مشیر اور پولیس بھی رکھتے تھے۔ بہت سے تفتیش کنندگان زیادتی ظلم وتشدد میں مشہور تھے۔ مثلاً کونارڈ (Konard) جس کو گریگوری نہم نے تفتیش کنندہ مقرر کیا تھا۔ تاریخ میں بدعتیوں کے بے رحم (Heartless) شکاری کے نام سے مشہور ہوا۔ اسی طرح رابرٹ لی بوغ (Robert-le-Bougre) کا نام بھی نفرت سے یاد

رکھا جائے گا۔" (36)

جانسن لکھتے ہیں کہ "اشخاص کو ترغیب و تحریص دلائی جاتی تھی اور دھمکیاں دے کر مجبور کیا جاتا تھا کہ اپنے دشمن' اپنے دوست بلکہ اپنے عزیز و اقارب پر لعنت و ملامت کرتے رہیں...... اس طرح ایک جاسوسی نظام قائم کیا گیا۔" (37)

پھر یہ مذہبی عدالتیں سیاسی جرموں کی بھی سزا تجویز کرتی تھیں۔ تیرھویں سے پندرھویں صدی تک عوام پر کلیسا کے مظالم نہایت عروج پر تھے۔ رومن کیتھولک چرچ نے بدعتیوں کے خلاف ایک زبردست مہم چلائی۔ پوپ گریگوری نہم نے 1232ء میں اس کا آغاز کیا۔ اس نے ہر حلقہ میں نقیب مقرر کیے جو معمولی سے معمولی شبہ پر لوگوں کو سخت سے سخت سزائیں دیتے تھے۔ ان کے فیصلوں کا مرافعہ صرف پوپ کے سامنے کیا جاسکتا تھا۔ سزایافتہ اور جرائم پیشہ لوگوں کی شہادت بھی بدعتی کے خلاف قابل قبول سمجھی جاتی ...... جو لوگ اظہارِ ندامت کرلیتے ان کے ساتھ نرمی برتی جاتی یعنی صرف دُرّے لگانے یا روزے رکھنے یا مقدس مقام کی زیارت کرنے کی سزا دینے پر اکتفا کی جاتی تھی۔ لیکن جو لوگ اپنے کیے پر پشیمانی کا اظہار نہ کرتے ان کے ساتھ بہیمانہ سلوک کیا جاتا جس سے ان کی موت واقع ہو جاتی۔ (38) 1483ء میں فرڈیننڈ اور ازابیلا نے یہودیوں کے خلاف اس کو سپین میں رائج کیا۔" (39)

"1075ء میں جب کمبرائے کے بشپ نے بعض کاتھریوں پر فتویٰ لگایا تو مجمع ان پر ٹوٹ پڑا اور ان سب کو ایک کمرے میں بند کرکے آگ لگادی۔ 1114ء میں ایک مجمع از خود بدعتیوں کو جیل خانہ سے گھسیٹ کر باہر لے گیا اور انہیں آگ کے سپرد کردیا۔ ایسا ہی واقعہ کالون میں ہوا۔ اسی طرح 1145ء میں لیئج کے مقام پر ایک بدعتی کو جلا دیا۔ بدعتیوں کی نسبت کوئی قانونی تحفظ نہ تھا۔ حکومت ان کی محافظ نہ تھی۔ پھانسی پر چڑھانا عام تھا۔ پوپ انوسینٹ سوم اور ہنوریس سوم نے 1198-1227ء میں اپنے مشنری تفتیش کے لیے بھیجے تا کہ البی جینسز اور والڈنسیانی کو جرمنی کے اطراف سے ختم کردے۔" یہی پادری آگے چل کر لکھتا ہے کہ "بدعات کی تفتیش کا طریقہ رومن کیتھولک کلیسا پر گھناؤنا دھبہ ہے۔ اس کا جاسوسی کا طریقہ' آگ سے جلانا اور دکھ دے کر توبہ کی طرف مائل کرنا' مسیح خداوند کی روح کے خلاف تھا۔" (40)

فرانس' جرمنی' اٹلی اور سپین جیسے یورپی ممالک میں "مقدس محکمۂ احتساب" (The Holy office of the Inquisition) کے کارناموں کی اس جھلک کے بعد ہم برعظیم پاک و ہند میں اس محکمہ کی کارگذاریوں پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں' کیونکہ تشدد و بربریت میں یہ تمام ملکوں سے بازی لے گیا تھا۔

پادری برکت اللہ لکھتا ہے: مقامِ افسوس ہے کہ اس محکمہ کے قیام میں فرانسیس زیویئر جیسے مقدس شخص کا بھی ہاتھ تھا۔ اس نے 10 نومبر 1545ء کے روز شاہِ پرتگال یوحنا (جان) سوم سے درخواست کی کہ یہ محکمہ ان پرتگیزی مقبوضات میں بھی قائم کیا جائے جو ہندوستان میں ہیں۔ یہ تجویز بادشاہ

کے حسب دلخواہ تھی۔ چنانچہ 400 سال قبل یہ محکمہ 1560ء میں گوا میں قائم کیا گیا جو قریباً دو صدیوں تک اپنے فرائض نہایت تشدد سے ادا کرتا رہا...... اس محکمہ کے افسر اعلیٰ کا رتبہ صدر اسقف اور وائسرائے سے بھی اونچا تھا۔ یہاں تک کہ وہ صدر اسقف اور وائسرائے کو بھی شاہِ پرتگال کو اطلاع دے کر اور لزبن کے محکمہ احتساب کے احکام آنے کے بعد قید کر کے جیل میں ڈال سکتا تھا۔

محکمہ احتساب کی نسبت آنجہانی لارڈ ایکٹن (Acton) لکھتا ہے۔ یہ مشہور انگریزی مورخ گذرا ہے، اور رومی کلیسا کے ممتاز اہل قلم میں سے تھا۔ "محکمہ احتسابِ عقائد کا اصول یہ ہے کہ پوپ کو زندگی اور موت پر اختیار ہے۔ جو شخص اس کے احکام کی خلاف ورزی کرے اس کو ایذائیں دی جائیں اور آگ میں جلادیا جائے۔ اگر اس مقصد کو سرانجام دینے کے لیے کوئی باقاعدہ کارروائی نہ ہو سکے، تو تمام ضابطوں کو پس پشت پھینک کر ملزم کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔" بالفاظ دیگر کہ اس محکمہ کا اصول یہ ہے کہ ایسے شخص کو جہاں کہیں پاؤ جان سے مار ڈالو۔

برصغیر پاک و ہند میں یہ محکمہ تشدد اور بے رحمی کے لحاظ سے تمام مغربی ممالک کے محکموں پر گوئے سبقت لے گیا تھا...... ہندوستان میں یہ محکمہ نہ صرف ان عیسائیوں کو عقوبت دیتا تھا جو رومی کلیسا کے ماتحت نہ تھے بلکہ ہندو مسلم اور دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو بھی نہ چھوڑتا تھا۔

اس محکمہ کو نہ صرف زندوں پر بلکہ مردوں پر بھی اختیار تھا، اس کو ہر مجرم کے مال و جائیداد کو چھین لینے اور ضبط کرنے کا حق حاصل تھا۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ کسی کی موت کے مہینوں بعد اس پر فردِ جرم لگائی جاتی، اس کی قبر کھدوا کر اس کی ہڈیاں سرعام جلائی جاتیں، اس کا زر و مال ضبط کر لیا جاتا اور جائداد چھین لی جاتی۔

اس محکمہ نے تقریباً ڈھائی سو سال تک ہندوستان کے پرتگیزی مقبوضات میں قیامت برپا رکھی۔ سیاح پائیرینڈ (Pyrand) بتلاتا ہے کہ ہندوستان میں اس محکمہ کی عقوبتیں پرتگال اور سپین کے ممالک کے محکموں کے مظالم سے بھی بڑھ چڑھ کر تھیں۔ ہندوستان میں اس نے ہزاروں بے گناہوں کو ایذائیں دے دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ہزارہا افراد کو آگ میں زندہ جلادیا۔ لاکھوں کو ایسے زندانوں میں مدت مدید تک ڈال رکھا جہاں قیدی موت کو زندگی پر ترجیح دیتے تھے۔ بالآخر 252 برس بعد 16 جون 1812ء کے دن ڈون جوسے (Don Jose) نے گوا کا یہ محکمہ ختم کر دیا۔(41)

حوالہ جات

-1 انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم جلد دوم صفحہ 152

-2 انسائیکلوپیڈیا واقعات عالم جلد دوم صفحہ 153

3- مسیحی تعلیم کے حجابات صفحہ 92

4- مسیحی تعلیم کے حجابات صفحہ 98

5- انسائیکلوپیڈیا واقعاتِ عالم صفحہ 191

6- فرانسیس سومرویل۔ کرائسٹ از کنگ صفحہ 9

7- مسیحی تعلیم کے حجابات صفحہ 97-98

8- تواریخ کلیسائے رومۃ الکبریٰ۔ پادری خورشید عالم۔ صفحہ 66

9- اظہار الحق جلد دوم صفحہ 434-444۔ علامہ رحمت اللہ کیرانوی

10- تحقیقاتی رپورٹ۔ عیسائی مشنری سرگرمیوں کے بارے میں حکومت مدھیہ پردیش بھارت 1956ء ص 31

11- قرونِ وسطیٰ کی ایشیائی اور ہندوستانی کلیسائی تلخیص صفحہ 416-419

12- ایج آف فیتھ جلد 4 صفحہ 538۔ وِل ڈیورانٹ

13- تواریخ کلیسائے رومۃ الکبریٰ صفحہ 141

14- ایج آف فیتھ جلد 4 صفحہ 538۔ وِل ڈیورانٹ

15- تواریخ کلیسائے رومۃ الکبریٰ صفحہ 149 پادری خورشید عالم

16- انسائیکلوپیڈیا واقعاتِ عالم جلد دوم صفحہ 192

17- انسائیکلوپیڈیا واقعاتِ عالم جلد دوم صفحہ 287

18- انسائیکلوپیڈیا واقعاتِ عالم صفحہ 319

19- تواریخ کلیسائے رومۃ الکبریٰ صفحہ 125۔ پادری خورشید عالم

20- ایج آف فیتھ جلد 4 صفحہ 438۔ وِل ڈیورانٹ

21- ایج آف فیتھ جلد 4 صفحہ 539 وِل ڈیورانٹ

22- عرب اور اسلام۔ حتی۔ ترجمہ مبارز الدین و معین خان صفحہ 166

23- عرب اور اسلام۔ حتی صفحہ 162

24- مسیحیت و سائنس صفحہ 4 پادری برکت اللہ

25- مسیحیت و سائنس صفحہ 4

26- تاریخ یورپ 1789ء تا حال۔ تعلیمی ادارہ۔ لاہور صفحہ 14-15 بحوالہ پروفیسر سالومینی فرنچ ایولیوشن

27- اظہار الحق جلد دوم صفحہ 444 علامہ رحمت اللہ کیرانوی۔ حاشیہ بحوالہ شارٹ ہسٹری آف دی چرچ سی پی ایس کلارک صفحہ 270

28- تواریخ کلیسائے رومۃ الکبریٰ صفحہ 141-142۔ پادری خورشید عالم

29- معارف القرآن حصہ چہارم صفحہ 41 از غلام احمد پرویز بحوالہ بک کی دینیاتی لغت

Buck's Theological Dictionary

-30 ایضاً ایضاً ایضاً

-31 اظہار الحق جلد دوم صفحہ 445-446 علامہ رحمت اللہ کیرانوی

-32 ایضاً بحوالہ شارٹ ہسٹری آف دی چرچ سی پی ایس کلارک صفحہ 270

-33 مسیحی تعلیم کے حجابات صفحہ 80

-34 تواریخ کلیسائے رومۃ الکبریٰ صفحہ 149۔ پادری خورشید عالم

-35 تاریخ اخلاق یورپ جلد اوّل صفحہ 390۔ لیکی

-36 انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد 12 صفحہ 270-271

-37 یورپ سولہویں صدی میں 1494ء تا 1598ء جانسن اے ایچ ترجمہ رحیم الدین صفحہ 341

-38 تاریخ مذاہب صفحہ 392-393۔ رشید احمد

39- S. Reed Brett: Europe since the Renaissance, Part. 10, p. 85

-40 تاریخ کلیسائے رومۃ الکبریٰ صفحہ 158-160۔ پادری خورشید عالم

-41 مغلیہ سلطنت اور مسیحیت صفحہ 77-79۔ پادری برکت اللہ

ڈاکٹر جان ولیم ڈریپر

ترجمہ: مولانا ظفر علی خاں

لاطینی عیسائیت اور تمدنِ جدید کا تعلق

ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ تک لاطینی عیسائیت نے یورپ کے عقل و ادراک پر قبضہ کیے رکھا جس کے نتائج کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے۔

ان نتائج نے جو شکل اختیار کی وہ اصلاح کنیسہ کے وقت شہر روما کی حالت اور خانگی و عمرانی زندگی میں یورپ کی حالت سے ظاہر ہوتی ہے۔ اقوام یورپ کے کندھوں پر دُہری حکومت کا جوا رکھا ہوا تھا یعنی ایک طرف انہیں حکام دینوی کی متابعت کرنی پڑتی تھی دوسری طرف حکام دینی کی۔ اہل یورپ جہالت' اوہام پرستی اور تکالیف مدنیہ میں مبتلا تھے۔ رومن کیتھولک مذہب کی ناکامیابی کی وجہ' پاپائیت کی سیاسی تاریخ' دینی و روحانی حکومت سے ترقی کر کے یہ مطلق العنان شخصی حکومت کی شکل میں بدل گئی۔ کردینالوں کی انجمن اور کیوریا کی کارروائی۔ پاپائے خزانہ کے لیے بیش قرار محاصل کی ضرورت بد اخلاقی کی محرک ہوتی ہے۔

جو فائدے یورپ کو کیتھولک عہد حکومت میں پہنچے ان میں حکومت کے منشا کو کچھ دخل نہ تھا بلکہ وہ محض اتفاقی یا ضمنی تھے۔

عام نتیجہ یہ ہے کہ پاپائیت کا سیاسی اثر موجودہ زمانہ کے تمدن کے حق میں مضر تھا۔

لاطینی عیسائیت چوتھی سے لے کر سولھویں صدی تک یورپ کی مادی' اخلاقی اور عقلی حالت کی ذمہ دار ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس فرض سے یہ کس طرح عہدہ برآ ہوئی۔

موجودہ بحث کی اغراض کے لحاظ سے ہم جو کچھ لکھیں گے صرف یورپ ہی کے متعلق لکھیں گے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ پاپائیت کا یہ دعویٰ کہ اسے الوہیت کے ساتھ ایک نسبت قریبہ ہے اور ساری دنیا کو اس کی اطاعت کرنی چاہیے اسے کل بنی نوع انسان کی حالت کا جواب دہ ٹھہراتا ہے۔ جنوبی و مشرقی ایشیا کے عظیم الشان اور قدیم مذاہب کے مقابلہ میں اس کے اثر کا فقدان ایک اہم اور نکتہ خیز بحث پیدا

کرتا ہے۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس کا اثر وہیں تک پہنچا جہاں رومۃ الکبریٰ کا شہنشاہانہ اقتدار نافذ تھا لیکن اس سیاسی نتیجہ کو وہ ازراہ غایت استحقار رد کر دیتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اصلاح کنیسہ کے آغاز پر بہت سے لوگ ایسے تھے جو اس وقت کی تمدنی حالت کو زمانہ قدیم کی حالت سے مقابلہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ نہ تو یورپ کے اخلاق میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے' نہ بلحاظ عقل و ادراک اس نے کوئی ترقی کی ہے اور نہ لوگوں کی حالت میں کوئی اصلاح ہوئی ہے۔ خود رومۃ الکبریٰ کی عظمت و شوکت صفحہ تمدن سے محو ہو گئی تھی۔ سنگ مرمر کی وہ سڑکیں جن پر قیصر آگسٹس کو ایک زمانہ میں ناز تھا نابود ہو چکی تھیں۔ اُجڑے ہوئے ہیکل' ٹوٹے ہوئے مینار کھنڈروں سے پٹے ہوئے کیمپنیا کی عظیم الشان نہروں کی طویل مسقف محرابیں حسرت ناک ویرانی کا مرقع نگاہ کے سامنے پیش کرتی تھیں۔ کیپٹل کا برج مشید جس پہاڑی پر واقع تھا اس کا نام اب کوہ گوسفند ہو گیا تھا اس لیے کہ یہاں بکریوں کے گلے رکھے جاتے تھے۔ جس مقام پر فورم کی وہ عالیشان عمارت قائم تھی جہاں روما کے آئین و قوانین وضع ہو کر دنیا میں نافذ ہوئے تھے اسے اب احاطہ گاؤ کہتے تھے اس لیے کہ یہاں گائیں بندھتی تھیں۔ قیاصرہ کا پرتکلف محل مٹی کے ڈھیروں میں چھپ گیا تھا جن پر جھاڑ جھنکار اُگ آئے تھے۔ کراکلا کے حمام اپنے جلوخانوں' چمنوں اور حوضوں سمیت خزانہ آب کے برباد ہو جانے کے باعث جس سے انہیں پانی پہنچا کرتا تھا' مدت کے ویران ہو چکے تھے۔ اس عظیم الشان عمارت کے کھنڈروں میں بلند محرابوں اور وسیع چبوتروں پر پھولدار بیلیں اور خوشبودار جھاڑیاں ہر طرف اُگی ہوئی تھیں۔ رومۃ الکبریٰ کی ویران عمارتوں میں سب سے زیادہ عظیم الشان عمارت یعنی کاشیرئم کا صرف ایک تہائی حصہ باقی رہ گیا تھا۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ اس میں نوے ہزار تماشائیوں کی نشست کی گنجائش تھی لیکن انقلاب روزگار نے ازمنۂ وسطیٰ میں اسے قلعہ بنا دیا اور اس کے بعد روما کے ناخلف و نالائق فرمانرواؤں نے اس کی دیواریں توڑ توڑ کر اپنے محلوں کے لیے پتھر کی سلوں کا ذخیرہ فراہم کیا۔ پاپایان روما میں سے بعض نے اس میں پشمینہ بافی اور شورہ سازی کے کارخانے قائم کیے اور بعض نے یہ تجویز کی کہ اس کے عالیشان چھتوں اور کمانچوں میں بیوپاروں کی دکانیں لگائی جائیں۔ وہ لوہے کے قبضے جن سے اس کے پتھر جڑے ہوئے تھے چوری کیے جا چکے تھے۔ ۱؎ دیواروں میں دراڑیں پڑ گئی تھیں اور سلسلہ شکست و ریخت جاری تھا۔ خودرو نباتات کی جو مختلف قسمیں اس عظیم الشان کھنڈر میں پیدا ہو گئی تھیں' ان کی ماہیت پر متعدد کتابیں زمانہ حال میں لکھی گئی ہیں۔ چنانچہ "دی فلورا آف دی کاشیرئم" (نباتات کاشیرئم) میں چار سو بیس انواع کا حال موجود ہے۔ پرانی پرانی وسیع و دلکشا عمارتوں کے کھنڈروں میں ٹوٹے ہوئے ستون' صنوبر اور عرعر اور بوسیدہ دستکاری کے ابھرویں نقش دیواروں سے جدا ہو ہو کر گرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ عالم نباتات بھی اس حسرت اندوز تغیر میں شریک تھا۔ ریحان جو ایک زمانہ میں ایونٹائن کے کنارے بہ کثرت پھولتا تھا تقریباً معدوم ہو گیا تھا۔ لارل (شجرۃ الغار) کی جگہ جس کے پتے کبھی تاجداروں کی پیشانی کو زینت بخشتے تھے' عشق پیچاں کی بیل اُگ آئی تھی جو موت کی علامت ہے۔

لیکن شاید اس کے جواب میں یہ کہا جائے کہ اس تمام ویرانی و بربادی کے ذمہ دار پاپایانِ روما نہیں قرار دیئے جاسکتے اور اس ادعا کی تائید میں بیان کیا جائے کہ ایک سو چالیس برس سے کم کے عرصہ میں روما کو الیرک، جنسرک، ارسیمز، ویٹیجز اور ٹائیلا نے یکے بعد دیگرے مسخر کیا اور اس کی بہت سی بڑی بڑی عمارتیں قلعوں اور برجوں کی شکل میں بدل دی گئیں۔ ویٹیجز نے کمپنیا کو برباد کر کے نہروں کو ضائع کردیا۔ ٹائیلا نے قیاصرہ کے محلوں کو تاخت و تاراج کیا۔ پھر قوم لامبرڈ نے اس کے محاصرہ پر محاصرے کیے۔ اس کے بعد رابرٹ گسکارڈ اور اس کی نارمن فوج نے شہر کو انٹونائن مینار سے لے کر فلیمنٹن دروازہ تک اور لیٹرن سے لے کر کیپٹل تک جلا دیا۔ بعدازاں کانسٹیبل بوربون نے اسے لوٹا اور اُجاڑا۔ کئی دفعہ دریائے ٹائبر کی طغیانی نے اسے غرقاب کیا اور بارہا اس کو زلزلہ کے صدمے سہنے پڑے۔ یہ سب سچ ہے لیکن ہم مکیاولی ؔ کے الزام کو بھی نہیں فراموش کر سکتے جو اپنی تاریخ فلارنس میں لکھتا ہے کہ اٹلی پر شمال کی وحشی اقوام نے جس قدر حملے کیے سب پاپایان روما کی تحریک سے کیے۔ اس لیے کہ انہوں نے ہی ان وحشیوں کو اٹلی پر چڑھائی کرنے کی دعوت دی تھی۔ روما کی تباہی و بربادی کا باعث گاتھ یا ونڈل یا نارمن یا عرب قوم کی حملہ آوری نہیں ہے، بلکہ خود پاپاؤں اور ان کے چیلوں چانٹوں نے اس خوبصورت شہر کو غارت کیا۔ اپنی چونے کی بھٹیوں کے لیے انہوں نے اس کے کھنڈروں سے مصالحہ بہم پہنچایا۔ اپنے محلوں کی تعمیر کے لیے انہوں نے قدیم عالیشان عمارات کے پتھر اکھڑوا اکھڑوا کر منگوائے۔ پرانے مندروں اور ہیکلوں کی غارت گری سے گرجاؤں کی آرائش کا سامان لیا۔

اس وحشیانہ پن کا بھی کوئی ٹھکانا ہے کہ مندر توڑ توڑ کر گرجا بنائے جائیں! اس الزام اور اسی طرح کے دوسرے الزامات کا دھبہ پاپایانِ روما کے دامن سے نہیں چھوٹ سکتا۔ عالیشان کارنتھی وضع کے ستونوں کو خراد پر چڑھا کر ان بزرگواروں نے عیسائی اولیا کی مورتیں بنوا ڈالیں۔ شاندار مصری چوکو نے میناروں کی پاپائی کتبوں کے انتقاش سے بے حرمتی کی گئی۔ قیصر سیویرس کے عہد کی بے نظیر عمارت سپٹیزونیم کو اس غرض سے منہدم کیا گیا کہ اس کے ملبے سے سینٹ پیٹر کا گرجا تعمیر کیا جائے۔ پنتھیئن کی کانسی کی چھت گلا کر وہ ستون ڈھالے گئے جن سے سینٹ پیٹر کے مزار کو آراستہ کیا گیا۔

کیپٹل کے برج میں وٹربو کا گھنٹہ اپنی ماتمی گونج سے بہت سے پاپاؤں کی موت کا اعلان کر چکا تھا اور عمارات کی بے حرمتی اور لوگوں کی فاسد الاخلاقی کا سلسلہ بدستور جاری تھا۔ غرض پاپائی روما کو قدیم روما کا کچھ پاس نہ تھا بلکہ اُور اس سے الٹی نفرت تھی جس کا رہ رہ کا اظہار ہوا۔ پاپایانِ روما اوّل اوّل فرمان روایانِ قسطنطنیہ کے ماتحت تھے۔ پھر تاجدارانِ فرانس کے مددگار ہو گئے اور اس کے بعد یورپ کی عنان فرمان روائی ان کے ہاتھ میں آ گئی۔ گویا ان کی حکومت نے بھی ہمسایہ اقوام کی حکومت کی طرح تغیر و انقلاب کے مختلف مدارج طے کیے اور ان کے اغراض و مقاصد اور مطالبات و دعاوی یک قلم بدل گئے۔ پاپائیت کو تغیر نہیں ہوا تو صرف ایک بات میں نہیں ہوا یعنی اس کا تعصب بدستور قائم رہا۔ چونکہ اسے یورپ کی مذہبی زندگی کے مرکز ہونے کا دعویٰ تھا لہٰذا اس نے پاپائیت سے خارج ہر مذہبی وجود کے

تسلیم کرنے سے اصرار کے ساتھ انکار کیا حالانکہ اس میں ذرا بھی کلام نہیں کہ سیاسی اور دینی ہر ایک اعتبار سے وہ ازسرتاپا بوسیدہ اور متعفن ہو رہی تھی۔ ارمس اور لوتھر نے جب روما کی بے دینی اور دہریت پر نظر ڈالی تو ان کے اندام اعتقاد و ارادت پر لرزہ طاری ہو ہو گیا۔

ان واقعات میں سے اکثر کی تفصیل کے لیے ہم رینکی 3 کی وقایع نویسی کے رہین منت ہیں جس نے اپنی تاریخ میں روما کے اخلاقی مفاسد و ذمائم کی تصویر کھینچ دی ہے۔ انتخاب کے وقت پاپایان روما عموماً عمر رسیدہ اور سالخوردہ ہوتے تھے۔ اس لیے عنانِ اقتدار ہمیشہ نئے ہاتھوں میں منتقل ہوتی رہتی تھی۔ ہر انتخاب امیدوں اور تمناؤں کا انقلاب ہوتا تھا۔ جس جماعت کے تمام افراد کو بام ترقی پر پہنچنے کا موقع حاصل ہو اور ہر شخص کو اپنے دامن میں دولت اور طاقت کے گنج شائگان کا سمیٹنا ممکن نظر آئے اس کا ہر فرد بھلا کیوں نہ دوسروں کے حقوق کی پامالی کی دھن میں لگا ہوا ہو! اگرچہ واقعہ اصلاح کنیسہ کے وقت روما کی آبادی گھٹتے گھٹتے 80 ہزار رہ گئی تھی پھر بھی عہدہ داروں کی تعداد بہت بڑی تھی اور ان عہدوں کے امیدواروں کی تعداد اور بھی زیادہ تھی۔ کامیاب پاپا ہزاروں خدمتیں عطا کر سکتا تھا اور یہ وہ خدمتیں ہوتی تھیں جن سے بہت سے بے قصور ملازم نہایت بے دردی سے برطرف کر دیئے جاتے تھے اور بہت سی جدید خدمتیں اس غرض سے قائم کی جاتی تھیں کہ امیدواران ملازمت کے ہاتھ فروخت کی جائیں۔ کسی امیدوار کی دیانت یا قابلیت کو ہرگز پیش نظر نہ رکھا جاتا تھا بلکہ صرف ان امور پر دھیان ہوتا تھا کہ وہ فریق مقتدر کی کیا خدمت کر چکا ہے یا کر سکتا ہے اور ماموری کے معاوضہ میں کس قدر نذرانہ پیش کرنے کی استطاعت رکھتا ہے۔ ہمارے امریکن ناظرین ان حالات کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔ امریکہ کے پریزیڈنٹ کے انتخاب کے موقع پر بھی اسی قسم کے واقعات پیش آتے ہیں۔ مجلس انتخاب پاپائے روما' جماعت نامزدگی پریزیڈنٹ ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے چنداں مغائر نہیں ہے۔ قرعۂ انتخاب جس کے نام پر پڑتا ہے اسے دونوں صورتوں میں بہت سے عہدوں کے عطیہ کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔

ولیم ساکن مامسبری کا بیان ہے کہ اس کے زمانہ میں اہلِ روما نے صداقت اور تقدس کا اچھا خاصا بیوپار قائم کر رکھا تھا۔ کوئی پاک یا مقدس شے ایسی نہ تھی جس کا بھاؤ سونے چاندی میں مقرر نہ ہو۔ اس کے زمانے کے بعد بھی کوئی اصلاح نہ ہوئی بلکہ کلیسا کی حالت اور بدتر ہو گئی اور کلیسا آلۂ جلب منفعت بن گیا۔ اٹلی میں اس طور پر بیش قرار رقمیں جمع کی گئیں اور ممالک ملحقہ سے ان کی خواہش اور مرضی کے خلاف بہ لطائف الحیل بڑی بڑی رقمیں وصول کی گئیں۔ روپیہ جمع کرنے کا سب سے زیادہ ناپاک حیلہ فروخت تذکرات الغفران تھا جنہیں خرید کر مشتری من مانے گناہ کر سکتا تھا۔ غرض اطالوی مذہب لوگوں کو لوٹنے کا فن بن گیا تھا۔

ایک ہزار سال سے زیادہ مدت تک روما پاپاؤں کے زیرنگین رہا۔ اس میں شک نہیں کہ اس عرصہ میں اس پر بہت سی تباہیاں ایسی آئیں جن کے وہ جواب دہ نہیں ٹھہر سکتے لیکن یہ ذمہ داری یقیناً ان پر عائد ہوتی ہے کہ ان کی طرف سے کبھی کوئی پرزور یا مستقل کوشش اس شہر کی مادی و اخلاقی اصلاح کے

لیے عمل میں نہیں آئی۔ بجائے اس کے کہ اس بارے میں روما کوئی ایسی نظیر قائم کرتا جو دنیا کے لیے واجب التقلید ہو اس نے ایک ایسی حالت کی مثال پیش کی جو ہر طرح سے قابل نفرت ہے۔ القصہ روما کی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ جب واقعۂ اصلاح ظہور پذیر ہوا تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ کوئی صاحب اتقا اجنبی یہاں آ کر بیزار اور متنفر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔

پاپایانِ روما نے سائنس سے تو اس بنا پر قطع تعلق کر لیا تھا کہ یہ ان کے دعاوی سے بالکل مغائر ہے۔ البتہ اخیر اخیر میں فنونِ لطیفہ کی سرپرستی شروع کی تھی۔ لیکن موسیقی و نقاشی گو بجائے خود سرمایۂ لذت و آرائش حیات ہوں پھر بھی ان میں کوئی ایسی زندہ طاقت موجود نہیں ہے جو ایک کمزور قوم کو شہزور بنا دے یا جماعت انسانی کی مادی راحت و آسائش میں بالاستقلال اضافہ کر سکے۔ اسی لیے اصلاح کے وقت اس شخص کی نظروں میں جو روما کی حالت پر نظر غائر ڈال چکا تھا اس شہر کی تمام زندہ توانائی سلب ہو چکی تھی۔ وہ اس قابل نہ رہا تھا کہ دنیا کی دُینوی یا دینی ترقی میں حصہ لے سکے۔ نظام جمہوری و شہنشاہی کے ترقی پذیر قواعد کے بجائے اس نے پاپائیت کے جامد و غیر متحرک اصول قائم کر لیے تھے۔ اس کی دینی حالت تو یہ تھی کہ اس پر زہد و اتقا کا ایک غیر حقیقی ملمع چڑھا ہوا تھا اور دُینوی ترقیات کی قسم سے اس کے قبضہ میں فنونِ لطیفہ تھے۔ اس لحاظ سے گویا وہ کسی راہب کی اس لاش کے مشابہ تھا جو ہمیں ابھی تک کپوشینی طبقہ کے راہبوں کے مدفن میں بھورے رنگ کی کفنی اوڑھے اور ہاتھ میں دعاؤں کی کتاب یا کچھ مرجھائے ہوئے پھول لیے نظر آتی ہے۔

''مدینۃ البقا'' (روما) کی تصویر کا یہ رخ دکھانے کے بعد اور لاطینی عیسائیت نے اس کے ساتھ جو جو سلوک کیے ان پر نظر ڈالنے کے بعد اب ہم کل براعظم یورپ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ وہ مذہب جو جماعت انسانی کے پیشوا اور رہنما ہونے کا مدعی تھا اپنے نتائج کے لحاظ سے کیا قدر و قیمت رکھتا ہے۔

اقوام کی حالت باعتبار ان کے سود و بہبود کے نہایت صحیح طور پر ان کی آبادی کی کمی و بیشی سے ظاہر ہوتی ہے۔ آبادی پر طرز حکومت (یعنی اس کی جمہوریت یا شخصیت) کا اثر بہت کم پڑتا ہے۔ البتہ تدبیر مملکت و طریقہ نظم و نسق کا اثر اس کے شمار و اعداد پر چھا جاتا ہے۔

جن مصنفین نے اس مضمون پر غور کیا ہے انہوں نے قابلِ اطمینان طور پر ثابت کر دیا ہے کہ آبادی کا گھٹنا بڑھنا جماعت انسان کی قوت تولید اور قوت مدافعت حیات کے باہمی توازن پر منحصر ہے۔

قوتِ تولید سے مراد وہ مقتضیاتِ فطرت ہیں جو توفیر نسل انسانی کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ایک حد تک اس قوت کا دارومدار آب و ہوا پر ہے لیکن چونکہ یورپ کی آب و ہوا میں چوتھی اور سولہویں صدیوں کے درمیان کوئی محسوس تغیر نہیں ہوا لہٰذا ہم تسلیم کر سکتے ہیں کہ براعظم یورپ میں یہ قوت زمانہ زیر بحث میں بحالت اصلی قائم رہی۔

قوتِ مدافعت حیات سے مراد وہ تمام اسباب ہیں جن سے بقائے افرادِ انسانی مشکل ہو

جائے۔ اس قسم کے اسباب میں غذا کا ناکافی ہونا' لباس کا غیر مکتفی ہونا اور مسکن کا ناقص ہونا شامل ہیں۔

ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ اگر قوتِ مدافعت گھٹ کر غیر محسوس ہو جائے تو قوتِ تولید آبادی کو 25 سال میں دگنا کر سکتی ہے۔

قوتِ مدافعت کے عمل میں آنے کے دو طریقے ہیں۔ جسمانی و دماغی' مدافعت کی جسمانی قوت اولاد کی تعداد کو کم کر دیتی ہے اور زندگی کا اوسط گھٹا دیتی ہے۔ مدافعت کی دماغی قوت ان لوگوں کو جن پر اخلاق اور خصوصاً مذہب کا گہرا اثر ہو اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ تاوقتیکہ ان میں بیوی بچوں کی خبر گیری و پرورش کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی قابلیت نہ پیدا ہو جائے شادی نہ کریں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مدتِ معینہ میں جس قدر شادیاں ہوتی ہیں ان کی تعداد کو خوراک کی قیمت کی شرح کے ساتھ ایک خاص نسبت ہوتی ہے۔

خوراک میں جس نسبت سے اضافہ ہوتا ہے' اسی نسبت سے آبادی بھی بڑھ جاتی ہے اور قوتِ تولید اس درجہ طاقتور ہے کہ وہ ذرائع معاش سے تجاوز کر جاتی ہے اور ان پر مسلسل دباؤ ڈالے رکھتی ہے۔ ایسی حالت میں ضروری ہے کہ افلاس کی ایک خاص مقدار دُنیا میں موجود ہو یعنی جماعت انسانی کے ایک طبقہ کے لیے فاقہ کشی کرنا ضروریات سے ہے۔

مختلف ممالک کی آبادی میں جو تغیرات واقع ہوئے ہیں' ان کا ثبوت مفصلہ ذیل مثالوں سے مل سکتا ہے۔ جسٹینین کی فوج کشی نے اٹلی کی آبادی کو بے حد گھٹا دیا۔ شمالی افریقہ مذہبی جھگڑوں کی وجہ سے قریب قریب ویران ہو گیا۔ لیکن جب یہاں اسلامی حکومت قائم ہوئی تو آبادی پھر ترقی کر گئی۔ طریقۂ جاگیرداری کے رواج سے تمام یورپ کی آبادی بڑھ گئی۔ اس لیے کہ جاگیریں بمقابلہ ان متوسلین کی تعداد کے جن کی قوت بسری کا وہ ذریعہ تھیں زیادہ وقیع ہوگئیں۔ حروبِ صلیبیہ نے آبادی کو بہت کچھ گھٹا دیا اس کی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ لڑائیوں میں بہت سے آدمی مارے گئے اور کچھ یہ کہ بہت سے تندرست اور صحیح البدن لوگوں کو متاہلانہ زندگی سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی۔ اسی طرح کے انقلابات براعظم امریکہ میں بھی ہوئے ہیں۔ میکسیکو کی آبادی ہسپانویوں کی اس وحشیانہ سفاکی اور ظالمانہ دست برد کی وجہ سے جس نے یہاں کے تہذیب یافتہ باشندوں کی عافیت تنگ کر دی اور انہیں زندگی کی طرف سے ناامید کر دیا' بقدر بیس لاکھ کے گھٹ گئی۔ یہی حال پیرو کا بھی ہوا۔

انگلستان کی آبادی نارمن فتوحات کے وقت تقریباً بیس لاکھ تھی۔ پانچ سو سال میں یہ بمشکل دگنی ہو سکی۔ اس جمود کی ذمہ دار ایک حد تک غالباً وہ پاپائی مصلحت تھی جس نے پادریوں کو تجرد کی زندگی اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ اس میں شک نہیں کہ اس مصلحت نے قانونی قوتِ تولید پر تو ضرور اثر ڈالا لیکن حقیقی قوتِ تولید پر اس سے خاک اثر نہ پڑا۔ اس مسئلہ پر جن لوگوں نے نظر غائر ڈالی ہے' وہ مدت کے مطمئن ہو چکے ہیں کہ علانیہ تجرد خفیہ عیاشی کا مترادف ہے۔ یہی وجہ تھی کہ تمام انگلستان چیخ اٹھا کہ ملک میں ایک لاکھ عورتیں ایسی موجود ہیں جنہیں پادری خراب کر چکے ہیں اور اسی بنا پر عامہ خلائق اور نیز

حکومت انگلستان نے ان خانقاہوں کو جو رہبانیت کا مرکز تھیں' بند کر دینے کا قصد کر لیا۔

ہم نے اپنی کتاب "تاریخ خانہ جنگی امریکہ" میں اسی مسئلہ پر بعض خیالات ظاہر کیے ہیں جن کا اقتباس اس مقام پر خالی از لطف نہ ہوگا۔ "آبادی کی اس جامد اور استقراری حالت کا مفہوم یہ ہے کہ لوگوں کو خوراک بصد دقت و زحمت حاصل ہو۔ تن ڈھانپنے کو کافی کپڑا میسر نہ آئے۔ جسم غلاظتوں سے آلودہ ہو۔ رہنے کے لیے جھونپڑیاں ایسی بنائی جائیں کہ موسم کی سختی سے بچاؤ نہ ہو سکے۔ سردی گرمی کے تباہ کن اثر کے سد باب کی کوئی صورت نہ ہو۔ غلیظ اور وبائی بخارات پھیلے ہوئے ہوں۔ حفظان صحت کی تدابیر مفقود ہوں۔ اطبا و معالج نام کو دکھائی نہ دیں۔ گنڈے تعویذ ٹونے ٹوٹکے کی چارہ گری بے سود ثابت ہو۔ معجزوں اور کرامتوں کی اونچی دکان کا پکوان پھیکا اور سیٹھا نکلے۔ غرض مصیبتوں' تکلیفوں اور حاجتوں کی اس طویل فہرست کا اگر خلاصہ کیا جائے تو آبادی کے جامد و غیر متحرک ہونے کا مفہوم یہ ہوگا کہ شرح اموات کا اوسط غیر معمولی طور پر بڑھ گیا ہے۔ لیکن یہ مفہوم ابھی مزید تفصیل کی گنجائش رکھتا ہے' یعنی اس کے یہ بھی معنی ہیں کہ شرح پیدائش کا اوسط معمول سے گھٹا ہو یا بالفاظ دیگر مناکحت کا دروازہ بند ہوگیا۔ عیاشی کی گرم بازاری ہو۔ در پردہ فسق و فجور ہوتا ہو۔ اخلاق کا قوام بگڑ گیا ہو۔

"باشندگانِ امریکہ کے لیے جو ایک ایسے ملک میں رہتے ہیں جہاں کل تک ایک وسیع اور ناقابلِ نفوذ جنگل چھایا ہوا تھا مگر جہاں آج اس آبادی کا ہجوم ہے جو ہر پچیس سال کے بعد مقررہ رفتار کے مطابق دگنی ہو رہی ہے حقیقی و اضافی زندگی کی یہ خوفناک تضییع ایک نہایت ہی حیرت انگیز واقعہ ہے۔ وہ بہ تقاضائے تحیر دریافت کریں گے کہ آخر وہ کس قسم کا طرز نظم و نسق تھا جس کا دعویٰ تو یہ تھا کہ انسان کے معاش و معاد کی اصلاح و ترقی اس کا نصب العین ہے لیکن جب نتیجہ پر نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جو خوفناک تباہی اور مصیبت انسان پر نازل ہوئی وہ ہمہ گیری میں جنگ' وبا اور قحط کی سہ گانہ بلاؤں کے متفقہ اثر سے کہیں بڑھی ہوئی تھی اور اس پر طرہ یہ کہ لوگوں کو گمان تھا کہ اس طرزِ حکومت میں ان کی دُنیوی بھلائی کا راز چھپا ہوا ہے۔ اس زمانہ کی حالت اور آج کل کی حالت کا اگر مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ انگلستان کی اسی جغرافیائی سطح پر آج دس حصہ زیادہ لوگ آباد ہیں اور آبادی کے روز افزوں اضافہ کی یہ حالت ہے کہ ہجرت کرنے والوں کے انبوہِ کثیر دنیا کے مختلف حصوں میں جا جا کر آباد ہو رہے ہیں۔ جو شخص عہد گزشتہ کو ادب و احترام کی نظر سے دیکھتا ہے اسے خود قیاس کر لینا چاہیے کہ اس قسم کے طرز نظم و نسق و تدبیر مملکت کی کیا قدر و منزلت ہو سکتی ہے۔"

یورپ کی آبادی کے ان تغیرات کے ساتھ ساتھ آبادی کی تقسیم بھی متغیر ہوتی رہی ہے۔ سلطنت روما میں عیسائیت کے شائع ہونے کے بعد سے آبادی کا مرکز شمال کی طرف منتقل ہوگیا اور وہاں سے صنعت و حرفت کی ترقی کے باعث مغرب کی طرف چلا گیا۔

اب کسی قدر زیادہ تفصیل و وضاحت کے ساتھ ان مدافعانہ قوتوں کی نوعیت پر نظر ڈالتے ہیں جنہوں نے یورپ کی آبادی کو ایک ہزار سال تک حالتِ جمود و سکون میں رکھا۔ براعظم یورپ کی سطح کا

بہت بڑا حصہ لق و دق اور بے راہ جنگلوں سے گھرا ہوا تھا۔ کہیں راہبوں کی خانقاہیں اور بستیاں آباد تھیں۔ نشیبی مقامات اور دریاؤں کے دونوں جانب سینکڑوں میل لمبی دلدلیں پھیلی ہوئی تھیں جن میں سے عفونت انگیز بخارات نکل نکل کر دُور دُور تک وبا پھیلاتے تھے۔ پیرس اور لندن میں مکانات لکڑی کے تھے جن کی درزوں پر گارا لپا ہوا تھا۔ اور چھتیں پرال یا سرکنڈوں کی تھیں۔ ان مکانوں میں روشن دان اور کھڑکیاں نہ ہوتی تھیں اور آرہ کی کل کے زمانہ ایجاد تک بہت کم مکان ایسے تھے جن کا فرش چوبی ہو۔ دری یا قالین ایک ایسا سامانِ آرائش تھا جسے کوئی جانتا تک نہ تھا۔ اس کا قائم مقام پرال تھا جس کی کچھ مقدار فرش پر بچھا دی جاتی تھی۔ گھروں میں دُودکش بھی نہ ہوتے تھے۔ اس چولہے کا دھواں جو کافی ایندھن کے میسر نہ آنے سے بے رونق نظر آتا تھا' چھت کے ایک سوراخ میں سے باہر نکل جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے جھونپڑے موسم کی سختی کو کس طرح روک سکتے تھے۔ بدر رَوئیں بالکل موجود نہ تھیں اور صفائی کا مطلق انتظام نہ تھا۔ سڑے ہوئے فضلہ اور کوڑے کرکٹ کا دروازے پر ڈھیر لگا رہتا تھا۔ مرد عورت اور بچے ایک ہی کوٹھری میں سوتے تھے اور اکثر گھر کے جانور بھی اسی حجرے میں ٹھونس دیئے جاتے تھے۔ اس طوفان بدتمیزی میں ممکن نہ تھا کہ حیا اور اخلاق قائم رہ سکے۔ بستر بالعموم پرال کا ایک تھیلا ہوتا تھا اور لکڑی کا ایک گول کندا تکیہ کا کام دیتا تھا۔ جسمانی صفائی سے لوگ مطلق ناآشنا تھے۔ بڑے بڑے ارکان دولت یہاں تک کہ کنٹربری کے لاٹ پادری جیسے جلیل القدر حکام اس درجہ گندے ہوتے تھے کہ ان کے کپڑوں میں جوئیں بخیہ کے ٹانکوں سے سوا تھیں۔

چنانچہ انگلستان کے ایک تاجدار کے حریف ٹامس بیکٹ کی یہی حالت بیان کی گئی ہے۔ جسمانی عفونت کے چھپانے کے لیے عطریات کا بکثرت استعمال کیا جاتا تھا۔ عوام الناس کا لباس چرمی ہوتا تھا جو سالہاسال تک کام دیتا تھا اور جس میں جسم کا میل برابر جمع ہوتا رہتا تھا۔ 4 ہفتہ میں جس شخص کو کھانے کے لیے ایک دفعہ گوشت مل جاتا تھا وہ فارغ البال اور آسودہ حال متصور ہوتا تھا۔ گلیوں میں کوئی بدررو نہ ہوتی تھی۔ سڑکیں نہ تو کٹی ہوئی ہوتی تھیں نہ ان پر روشنی کا انتظام ہوتا تھا۔ رات کے وقت کوٹھریوں کے دروازے کھول دیئے جاتے تھے اور کوڑا کچرا دھوون بلاتکلف باہر پھینک دیا جاتا تھا۔ جو بیچارہ شامت کا مارا راہگیر تنگ و تاریک گلی میں سے ہاتھ میں مدھم ٹمٹماتی ہوئی لالٹین لیے گزر رہا ہوتا تھا وہ اس آلائش کے سیلاب سے لت پت اور شرابور ہو جاتا تھا۔

اینئس سلوئیس نے جو آگے چل کر پائیس ثانی کے نام سے مسند پاپائی پر متمکن ہوا اور جس کی تحریر اس لحاظ سے نہایت قابلانہ و غیر متعصبانہ سمجھی جائے گی' اپنی سیاحت جزائر برطانیہ کے مشرح حالات قلمبند کیے ہیں۔ یہ سفر اس نے 1430ء کے قریب اختیار کیا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ کسانوں کے مکانات خشک چنائی کے پتھروں کے تھے جن میں چونا نہیں لگایا گیا تھا۔ چھتیں گھاس پھونس کی تھیں اور بیل کی ایک اینٹھی ہوئی کھال دروازے کا کام دیتی تھی۔ خوراک کی قسم سے وہ ساگ پات موٹھ مٹر یہاں تک کہ درختوں کی چھال تک کا استعمال کرتے تھے۔ بعض مقامات کے باشندے روٹی کے نام تک

سے ناواقف تھے۔

گارے سے لیے ہوئے سرکنڈوں کی کوٹھریاں' بھدے اور بے ڈھنگے ٹٹروں کے گھر' بے دُودکش کے بے رونق دھواں دھار انگیٹھیاں' جوؤں' کھٹملوں اور پسوؤں سے بھرے ہوئے جسمانی اور اخلاقی غلاظتوں کے بھٹ' سردی سے بچنے کے لیے اعضا کے گرد پرال کے لپٹے ہوئے مٹھے' بخار سے سسکتے ہوئے کسان کے لیے عاملوں اور سیانوں کی چارہ گری کے سوا اور کسی تدبیر کا نہ ہونا۔ ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے کیونکر ممکن تھا کہ آبادی میں ترقی ہو سکے؟

جب حالت یہ ہو رہی ہو تو کون سی تعجب کی بات ہے کہ 1030ء کے قحط میں انسان کا گوشت پکایا اور بیچا گیا اور 1257ء کے قحط میں لندن کے 15 ہزار باشندے بھوکوں مر گئے یا وبا کے بعض حملوں میں لوگ اتنے مرے کہ لاشوں کی تجہیز و تکفین کرنے والا کوئی نظر نہ آتا تھا۔ 1348ء کی وبا میں جو مشرق سے اٹھی اور تجارتی رستہ سے ہوتی ہوئی یورپ پر چھا گئی فرانس کی ایک تہائی آبادی ضائع ہو گئی۔

دیہات اور شہروں کے عوام الناس کی تو یہ حالت تھی ہی لیکن امراء کی حالت بھی کچھ بہتر نہ تھی۔ اینگلو سکسن قوم کی بداطواریوں کا ذکر کرتے ہوئے ولیم ساکن ماممس بری کہتا ہے کہ "اس قوم کے امرا پیٹو اور عیاش تھے اور کبھی گرجے نہیں جاتے تھے۔ نماز فجر اور نماز قدآس کے ادا کرنے کا انہوں نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ ان کا پادری جس کو ان کی کاسہ لیسی نے ان کی نظروں سے گرا رکھا تھا ان کی خوابگاہ میں جا کر بیدار ہونے سے قبل جلد جلد نماز کے الفاظ دہرا جاتا تھا اور ان کے کان میں ایک لفظ بھی نہ پڑتا تھا۔ عام لوگ طاقتور امرا کے پنجہ ظلم میں پھنسے ہوئے تھے۔ ان کی جائیدادیں چھین لی جاتی تھیں۔ وہ دور و دراز ممالک میں جبراً بھیج دیئے جاتے تھے۔ ان کی لڑکیوں کو یا تو دارالاقامہ میں بٹھا دیا جاتا تھا اور یا وہ لونڈیاں بن کر بیچ ڈالی جاتی تھیں۔ دن رات شراب کے دور پیا پے چلتے رہتے تھے اور جو برائیاں بدمستی کی رفیق ہیں وہ ظاہر ہو کر مردوں کو نامرد بناتی جاتی تھیں۔" جاگیرداروں کے قلعے گویا ڈاکوؤں کے گھر ہو رہے تھے۔ چنانچہ یہی مورخ جس کی تحریر سے ہم نے اوپر اقتباس کیا ہے' بیان کرتا ہے کہ مرد اور عورتیں ان قلعوں میں پکڑ بلائی جاتی تھیں۔ ان کے ہاتھ کے انگوٹھوں یا پاؤں میں رسی باندھ کر انہیں لٹکا دیا جاتا تھا۔ ان کے اعضاء آگ سے جھلسے جاتے تھے۔ گرہ دار رسیوں کو ان کے سر کے گرد لپیٹ کر مروڑا جاتا تھا۔ غرض زر فدیہ وصول کرنے کے لیے طرح طرح کے عذاب انہیں پہنچائے جاتے تھے۔

یورپ بھر میں بیش قرار مشاہرہ اور ذمہ داری کی بڑی بڑی سیاسی خدمتوں پر پادری مامور تھے۔ ہر ملک میں دُہری حکومت تھی۔ ایک تو مقامی یعنی دنیوی حکومت اور دوسری غیر ملکی حکومت جس کے اقتدار کا مصدر و مرکز پاپائے روما تھا۔ روما کے اثر کا مقامی اثر پر غالب ہونا ایک لازمی امر تھا۔ اس لیے کہ اس کے ذریعہ سے ایک شخص واحد کا شہنشاہانہ ارادہ یورپ کی تمام اقوام کے متحدہ و منطقہ ارادہ کے

مقابلہ میں کامیابی کے ساتھ ظاہر ہوتا تھا اور بوجہ اپنی وحدت و اکتناز کے بے انتہا طاقتوں کا جامع تھا۔ علی ہذا القیاس مقامی اثر کا ضعیف ہونا بھی لازمی تھا کیونکہ اوّل تو خود ہمسایہ سلطنتوں کی باہمی رقابتیں اسے کمزور کر دیتی تھیں اور رہی سہی طاقت کے سلب کرنے کے لیے رومائی رقیب کی حیل آفرین تفرقہ پردازیاں کافی تھیں۔ ایک بھی ایسا موقع پیش نہیں آیا کہ مختلف دول یورپ نے اپنے مشترکہ حریف کو زک دینے کے لیے آپس میں اتحاد قائم کیا ہو۔ جب کبھی کسی بحث کے چھڑنے سے اتحاد کا خدشہ پیدا ہوتا تھا تو نہایت چالاکی سے یہ جھگڑا علیحدہ علیحدہ چکا دیا جاتا تھا اور ہر حکومت کو بالعموم پاپائے روما کے سامنے گردن جھکائے ہی بنتی تھی۔ پاپائی مداخلت کا ظاہری و بادی النظری مقصد تو مختلف اقوام کے اخلاقی و روحانی حقوق کی نگہداشت ہوتا تھا لیکن اصلی وحقیقی غایت یہ ہوتی تھی کہ ذرائع آمدنی میں توفیر کا پہلو نکالا جائے اور پادریوں کے جم غفیر کی شکم پروری کی سبیل پیدا کی جائے۔ جو محاصل اس طور پر پاپائی خزانہ میں داخل ہوتے تھے' وہ بسا اوقات مقامی حکومت کے مداخل سے بدارج بڑھے ہوئے ہوتے تھے۔ مثلاً جب انوسنٹ رابع نے یہ مطالبہ کیا کہ کلیسائے انگلستان تین سو مزید اطالوی پادریوں کا متکفل ہو اور لنکن کے گرجا میں اس کا ایک بھتیجا جو سن بلوغ کو بھی نہ پہنچا تھا ایک بڑی خدمت پر مامور کیا جائے تو معلوم ہوا کہ جو رقم پہلے ہی سے ہر سال غیر ملکی پادریوں پر صرف ہوتی تھی وہ اس رقم کے مقابلہ میں جو شاہی خزانہ میں داخل ہوتی تھی تگنی تھی۔

اعلیٰ طبقہ کے پادریوں نے تو ہر ملکی خدمت پر جو کچھ بھی باعث منفعت تھی قبضہ کر ہی رکھا تھا اور ہر دیر کا صدر راہب کثیر التعداد غلاموں کے مالک ہونے کے لحاظ سے بڑے بڑے امیروں اور جاگیرداروں کا مقابلہ کرتا تھا۔ چنانچہ بعض صدر راہبوں کے پاس بیس بیس ہزار غلام موجود تھے لیکن گدائی پیشہ راہبوں کے لیے بھی معاش کے وسیع ذرائع موجود تھے۔ ملک کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جہاں یہ نظر نہ آتے ہوں اور غربا کے قوت لایموت میں اپنا حصہ نہ بٹا لیتے ہوں۔ نکمے اور نکھٹو پادریوں کا ایک انبوہ کثیر جس کے ارادت میں ممالک غیر مسلک تھے ایسا تھا جس کی زندگی کاہلی اور بے کاری میں کٹتی تھی اور جو اپنا پیٹ محنت مزدوری کرنے والوں کے پسینے سے پالتا تھا۔ ایسی حالت میں کیونکر ممکن تھا کہ چھوٹے چھوٹے کھیت بڑی بڑی جاگیروں میں ضم نہ ہوتے چلے جائیں' غرباء کا افلاس روز بروز نہ بڑھتا جائے اور جماعت انسانی کی حالت رُو بہ اصلاح ہونے کے بجائے پایہ اخلاق سے ساقط نہ ہوتی چلی جائے۔ دیروں صومعوں اور خانقاہوں سے باہر تحصیل علم کی کوئی کوشش نہ کی جاتی تھی اور کیونکر کی جاتی؟ کلیسا کی مصلحت اسی میں تھی کہ لوگ جاہل رہیں۔ چنانچہ یہ اصول عام طور سے تسلیم کر لیا گیا تھا کہ جہالت زہد و اتقا کی ماں ہے۔

روما نے جمہوریت اور شہنشاہیت کے زمانہ میں ہمیشہ اس اصول پر عمل کیا تھا کہ محکم پلوں اور پختہ سڑکوں کے ذریعہ سے اپنے دُوردست صوبوں کے ساتھ سریع السیر تعلقات قائم رکھے جائیں۔ پلوں اور سڑکوں کی تعمیر اور مرمت افواج رومۃ الکبریٰ کے اہم فرائض میں داخل تھی۔ اس اصول پر کاربند ہونے

سے اس کا فوجی تفوق برقرار رہا۔ لیکن پاپائیت کے زمانہ میں چونکہ روما کی حکومت ایک بالکل جداگانہ اصول پر مبنی تھی اور اس کو اگلی سی ضرورتیں درپیش نہ تھیں' لہٰذا اس فرض کی بجا آوری کو اس نے دول مقامی کی بے اعتنائی کے لیے چھوڑ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ بھر میں کوئی سڑک ایسی نہ تھی جو سال کا اکثر حصہ بند نہ رہتی ہو۔ حمل و نقل کے عام ذرائع بیلوں کے بے ڈھنگے چھکڑے ہوتے تھے جو گھنٹہ میں تین چار میل سے زیادہ نہ جاسکتے تھے۔ جہاں کشتیاں بہم نہ پہنچ سکتی تھیں مال تجارت کہ وہ بھی کیف وکم کے اعتبار سے چنداں قابل لحاظ نہ ہوتا تھا' گھوڑوں اور خچروں پر لاد کر ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچایا جاتا تھا۔ جب فوج کے بڑے بڑے دستوں کو نقل و حرکت کی ضرورت پیش آتی تھی تو مشکلات اس قدر بڑھ جاتی تھیں کہ ان پر غالب آنا دشوار ہو جاتا تھا۔ چنانچہ حروب صلیبیہ کے مجاہدین اودنی کے کوچ کی کہانی ان مشکلات کا مرقع ہے۔ نقل وحرکت بین الممالک کی یہ دقتیں اور زحمتیں اس تاریکی اور جہالت کی ایک بڑی حد تک ذمہ دار تھیں جو عام طور سے پھیلی ہوئی تھی۔ اکیلا اکیلا مسافر جان جوکھوں میں ڈالے بغیر سفر نہ کرسکتا تھا۔ اس لیے کہ کوئی دلدل یا جنگل ایسا نہ تھا جہاں ڈاکو اور لٹیرے موجود نہ ہوں۔

جہالت اور لاعلمی ہر جگہ پھیلی ہوئی تھی جس کی وجہ سے لوگ اوہام پرستی میں مبتلا تھے۔ یورپ میں شرمناک کرامتوں اور معجزوں کی بھرمار تھی۔ سڑک ایسی نہ تھی جس پر زائروں کے ٹھٹ کے ٹھٹ اولیا کی ان خانقاہوں کی طرف ارادت کی باگیں اٹھائے نہ جاتے ہوئے دکھائی دیتے ہوں جو اپنی مسیحائی اور شفا بخشی کی وجہ سے شہرہ آفاق تھیں۔ کلیسا نے ہمیشہ اسی مصلحت کو پیش نظر رکھا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو لوگوں کو طبیب یا اس کے پیشہ سے مانوس نہ ہونے دیا جائے۔ اس لیے کہ وہ خانقاہوں کو آلۂ جلب منفعت بننے سے بہت کچھ روکتا ہے۔ زمانہ اس منفعت رساں زور وتلبیس کی آخری قلعی کھول کر رہا۔ یورپ میں آج کتنی خانقاہیں ہیں جن کی دکانداری کا سلسلہ بدستور قائم ہے؟

جو مریض اس قدر ناتواں ہوتے تھے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ نہ پہنچائے جاسکتے تھے ان کا خدا ہی حافظ تھا۔ بجز روحانی علاج یعنی ان لاطینی دعاؤں کے جو ان پر دم کر دی جاتی تھیں ان کے لیے اور کوئی شکل مداوا نہ تھی۔ امراض کے روکنے کے لیے گرجاؤں میں دعائیں لٹکا دی جاتی تھیں۔ لیکن حفظ صحت کی کوئی تدبیر عمل میں نہ لائی جاتی تھی۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ شہر فرط عفونت سے سنڈاس بنا ہوا ہے اور وبا چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے لیکن پادری صاحب انسداد وبا کا سامان دعا سے کر رہے ہیں۔ مینہ کی جھڑی تھمنے میں نہیں آتی یا امساک باران کی وجہ سے قحط سالی کا اندیشہ ہے لیکن یہ بزرگوار اپنے چند دعائیہ جملوں کے زور سے مینہ کو رکوا یا برسوا دینے کے مدعی ہیں۔ سورج یا چاند کو گہن لگ گیا ہے یا کوئی دُمدار ستارہ نمودار ہوا ہے لیکن یہ عقل کے اندھے ان قدرت کے کرشموں کو بلائے آسمانی سمجھ کر دعائے ماثورہ سے ان کی نحوست ٹالنے کی فکر میں ہیں۔ جب 1456ء میں وہ دُمدار ستارہ جو ہیلی کے نام سے موسوم ہے نمودار ہوا تو اس کی شکل ایسی خوفناک اور اس کا منظر ایسا مہیب تھا کہ خود تقدس مآب الوہیت انتساب جناب کیلکسٹس خامس پاپائے روما کو اپنی روح القدس قوت سے اس کی مدافعت پر ہونا پڑا۔

چنانچہ آپ نے ایک ایسا زبردست عمل پڑھا اور اتنی لعنتیں بھیجیں کہ مارے ڈر کے یہ خبیث ستارہ دُم دبا کر ہانپتا کانپتا جوفِ فضا میں غائب ہوگیا اور کہیں پچھتر سال کے بعد اس کے ہوش و حواس اس حد تک بجا ہوئے کہ اس نے دوبارہ نمودار ہونے کی جرأت کی۔

اولیاء کے تصرفاتِ رُوحانی اور دعاؤں کے ذریعہ سے مریضوں کو جو شفا ہوتی تھی' اس کا طبیعی اندازہ اگر لگانا مقصود ہو تو اس زمانہ کی اور آج کل کی شرحِ اموات کا مقابلہ کر لینا کافی ہوگا۔ ان دنوں تیس میں ایک آدمی مرتا تھا۔ لیکن موجودہ زمانہ میں جب کہ روحانیت کے بجائے چاروں طرف مادیت کا عمل ہے بحسابِ اوسط چالیس میں ایک آدمی مرتا ہے۔

یورپ کی اخلاقی حالت روزِ روشن کی طرح وقت آشکارا ہوگئی۔ جب کولمبس کے ساتھی جزائر غرب الہند سے مرض بادِ فرنگ اپنے ساتھ لگاتے لائے تو یہ بیماری حیرت انگیز سرعت کے ساتھ یورپ بھر میں پھیل گئی۔ ادنیٰ و اعلیٰ غریب و امیر سب کے سب اس شرمناک مرض میں مبتلا ہوگئے اور تو اور پاپائے مقدس حضرت لیو دہم بھی طوطا پال بیٹھے اور نیم کی ٹہنی ہلاتے ہوئے پائے گئے۔ اکثر لوگ جو شامت اعمال سے یہ دکھ بھر رہے تھے یہ عذر پیش کرتے تھے کہ یہ ایک وبائی مادہ ہے' جو سمیت اجزائے ہوا کی وجہ سے پھیل گیا ہے۔ لیکن اگر سچ پوچھا جائے تو اس مادہ کی اشاعت کا باعث ہوا کی سمت نہ تھی بلکہ فطرت انسانی کی ایک خاص کمزوری تھی جسے وہ روحانیت بھی زائل نہ کر سکتی تھی جو انسان کے صدہا سال سے بمنزلہ چراغ ہدایت تھی۔

خانقاہوں کے طبی کرشموں پر خاص خاص تبرکات کی معجزنما شفا گستری مستزاد تھی۔ ان میں سے بعض تبرکات ایسے تھے جن کی نوعیت عقل کو محوِ حیرت کر دیتی تھی۔ متعدد دَیر اور خانقاہیں ایسی تھیں جن میں جنابِ مسیح کا کانٹوں کا تاج موجود تھا۔ گیارہ دَیروں میں وہ برچھا رکھا ہوا تھا' جس سے آپ کا پہلو چھیدا گیا تھا۔ اگر کوئی شخص ازراہِ جسارت یہ سوال کر بیٹھتا کہ ان سب کا اصلی ہونا کیونکر ممکن ہے تو وہ دہریہ اور مرتد قرار دیا جاتا۔ حروبِ صلیبیہ کے دوران میں طبقہ ہیکلینین 5 کے سورماؤں نے یورشلیم سے مقدس دوشیزہ کے دودھ کی بوتلیں لا لا کر صلیبی افواج کے سپاہیوں کے ہاتھ من مانے اور منہ مانگے داموں بیچیں اور خوب ہی نفع کمایا۔ یہ بوتلیں ازراہ عایت ارادت و عقیدت بعض بڑے بڑے مذہبی اماکن میں مدتوں نہایت احتیاط کے ساتھ محفوظ رکھی ہیں۔ لیکن دیدہ دلیری اور ڈھٹائی میں بیت المقدس کی اس خانقاہ کا درجہ شاید سب سے بڑھا ہوا تھا جس کے تبرکات میں روح القدس کی ایک انگلی بھی داخل تھی۔ اس شرم ناک بطلان پرستی کو زمانہ موجودہ نے حقارت آمیز خموشی کے ساتھ رد کر دیا ہے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ یہی تبرکات ہزار ہا خوش عقیدہ لوگوں کی کشت ارادت کو اپنے روحانی چھینٹوں سے سیراب کرتے تھے لیکن آج وہ اس درجہ ناپاک اور ذلیل خیال کیے جاتے ہیں کہ کسی عجائب خانہ میں بھی انہیں جگہ نہیں ملتی۔

آخر اس حرمان کی کیا وجہ ہے جو یورپ کی امانت سے عہدہ برآ نہ ہونے کی شکل میں کلیسا کو نصیب ہوا؟ اگر روما نے یورپ کی روحانی و مادی ترقی کو حقیقت میں اپنا نصب العین قرار دیا ہوتا۔ اگر

جانشین پطرس یعنی ساری دنیا کے گڈریے نے صدقِ دل سے واحد الغرض ہو کر اپنے گلہ کی بھیڑوں کی رکھوالی کی ہوتی اور ان کی دنیاوی آسائش اور دینی نجات کو اپنی غایت الغایات سمجھا ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ کلیسا کو اس ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا۔

یہ وجہ بڑی آسانی سے معلوم ہو سکتی ہے اور اگر اسے قلمبند کیا جائے گا تو حیا سوز معصیت کا ایک طومار تیار ہو جائے گا۔ فقرات ذیل میں ہم توجیہاً جو واقعات سپردِ قلم کرتے ہیں وہ کیتھولک مصنفین کی تحریرات سے ماخوذ ہیں اور ہم کوشش کریں گے کہ جہاں تک ممکن ہو ان واقعات کا اعادہ مصنفین مذکور ہی کے الفاظ میں کیا جائے۔

جو داستان ہم اب بیان کرتے ہیں اس سے معلوم ہوگا کہ کیونکر ایک جماعت متحدہ نے ترقی کرتے کرتے مطلق العنان حکومت شخصی کی شکل اختیار کر لی۔

قدیم الایام میں ہر گرجا اس توافق کی نفی کیے بغیر جو جملہ اصولی امور میں اسے کلیسائے عمومی کے ساتھ ہوتا تھا اپنا انتظام کامل آزادی کے ساتھ جداگانہ طور پر خود کرتا تھا اور اپنی روایات و تادیبات کو انفرادی حیثیت سے برقرار رکھ کر ان تمام مسائل کو جنہیں کلیسائے عمومی کے اغراض سے تعلق نہ ہوتا تھا' یا جن میں کوئی اصولی بحث مضمر نہ ہوتی تھی' خود مقامی طور پر فیصل کر دیتا تھا۔

نویں صدی کے آغاز تک یہی حالت قائم رہی اور کلیسائے روما کے طرزِ عمل میں کوئی تبدیلی نہ ہونے پائی۔ لیکن 845ء کے قریب سینٹ اسی ڈور (ساکن اشبیلیہ) کے مرتب کیے ہوئے فتاویٰ بہت کچھ تصرف و تدلیس کے بعد فرانس کے مغربی علاقہ میں شائع کیے گئے' جن میں پاپایانِ زمانہ سابق کے تقریباً ایک سو وضعی فرمان اور دوسرے حکامِ کلیسا کی بناوٹی تحریرات اور عیسائی کونسلوں کے فیصلہ جات شامل تھے۔ ان جعلی فتاویٰ کی اشاعت نے پاپائیت کے اقتدار کو بہت کچھ وسیع کر دیا۔ کلیسائی حکومت کے پرانے طریقہ کو بدل دیا اور اسے جمہوریت کے پیرایہ سے عاری کر کے مطلق العنان حکومت کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ سب کے سب اساقف روما کے حلقہ بگوش ہو گئے اور اسقف اعظم یعنی پاپائے روما کل عیسائی دنیا کے پادریوں کا حاکم اعلیٰ بن گیا۔ ہلڈ برینڈ (پاپائے گریگوری سابع) نے بعد میں اسی بنا پر یہ مہتم بالشان کوشش کی کہ دولِ یورپ کو ایک ربانی الاصل قسیسی حکومت کی صورت میں بدل دیا جائے جس کا شہنشاہ پاپائے روما ہو۔

گریگوری سابع جو اس مہتم بالشان منصوبہ کا بانی تھا' جانتا تھا کہ اس کی تجویز کے کامیاب ہونے کی بہترین تدبیر یہی ہے کہ قسیسی مجالس کے ذریعہ سے کام نکالا جائے۔ چنانچہ اس نے ایک فرمان اس مضمون کا جاری کیا کہ قسیسی مجالس کے انعقاد کا حق پاپاؤں اور ان کے نائبوں کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں ہے۔ مزید تقویت کی غرض سے انسلم ساکن لکانے کچھ تو قدیم اسیڈوری منسوبات اور کچھ نو تراشیدہ فتاویٰ کی بنا پر قانونِ کلیسا کا ایک نیا مجموعہ تیار کیا۔ روما کی فوقیت اور برتری کے برقرار رکھنے کی غرض سے نہ صرف ایک جدید ضابطہ دیوانی و دینی کی تیاری ضروریات سے تھی' بلکہ ایک نئی تاریخ کا کریڈٹ لیا جانا

بھی لازمی تھا۔ اس تاریخ میں بادشاہوں کے تخت حکومت سے اُتارے اور عیسائی برادری سے خارج کیے جانے کے فرضی واقعات اس غرض سے درج کر دیئے گئے کہ یہ بات ثابت ہو جائے کہ وہ ہمیشہ سے پاپایانِ روما کے مطیع و منقاد تھے۔ پاپاؤں کے فرامین واجب العمل ہونے کے لحاظ سے کتب مقدسہ کی آیات کے ہم درجہ قرار دیئے گئے۔ ان کوششوں کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ ارضِ مغرب میں یہ عقیدہ عام طور سے پھیل گیا کہ عیسائیت کی ابتدا ہی سے پاپایانِ روما کلیسائے عمومی کے واضعانِ قوانین رہے ہیں۔ چونکہ مطلق العنان فرمانروا مجالس شوریہ کے روادار نہیں ہو سکتے لہٰذا پاپائیت نے بھی جب مطلق العنان ہونا چاہا تو قصد کر لیا کہ بعض قومی کلیساؤں کی مجالس جو زیادہ آزاد اور سرچڑھی ہیں، توڑ دی جائیں اور صرف انہی مجالس کو قائم رہنے دیا جائے جو پاپائے اعظم کی بلاواسطہ نگرانی میں ہیں۔ یہ بجائے خود ایک بہت بڑا انقلاب تھا۔

آٹھویں صدی میں ایک اور روایت روما میں تراشی گئی جو بہت سے اہم نتائج کی ذمہ دار ہے۔ وہ روایت یہ تھی کہ چونکہ پاپائے سلویسٹر نے قیصر قسطنطین کو مرضِ جذام سے اچھا کر دیا تھا اور اصطباغ بھی دیا تھا لہٰذا قیصر نے اس کے شکرانہ میں اٹلی اور مغربی صوبے نذرانہ کے طور پر پاپائے مقدس کی خدمت میں پیش کیے تھے اور نیز بطور اظہار اطاعت حضرتِ پاپا کی سائیسی کی خدمت انجام دی تھی اور حضرت اقدس کے گھوڑے کی باگ تھام کر کچھ دُور چلا تھا۔ اس تزویر کا مقصد یہ تھا کہ تاجدارانِ فرانس اپنی اصلی قدر پہچان جائیں اور انہیں معلوم ہو جائے کہ جو علاقے وہ کلیسا کو دے رہے ہیں اس میں ان کا کچھ احسان نہیں ہے بلکہ محض حق کو حقدار تک پہنچا رہے ہیں۔

حکومت پاپائی کے جدید نظام کا سب سے زیادہ زبردست حربہ ''فتاوائے گریشین'' تھا۔ یہ کتاب جو بارہویں صدی کے وسط میں شائع ہوئی، افترا و تزویر کا ایک بہت بڑا مجموعہ تھی۔ اس کی رُو سے کل عیسائی دنیا بوساطت پاپائے روما اطالوی پادریوں کی ملکیت ہوگئی۔ اس نے یہ اصول قائم کر دیا کہ انسان کو اعمالِ حسنہ پر غور کرنا اور ملاحدہ و زنادقہ کو عذاب دینا، قتل کرنا اور ان کی جائیداد قرق کر لینا جائز و مستحسن ہے۔ جو شخص عیسائی برادری سے خارج کیا جا چکا ہو اسے مار ڈالنا قتل انسان مستلزم سزا نہیں ہے اور پاپائے مقدس بلحاظ اس غیر محدود برتری کے جو اسے قانون پر حاصل ہے ابن اللہ کا ہمپایہ ہے۔

اجتماع قوت کی یہ نئی تحریک جوں جوں ترقی پذیر ہوتی گئی ان اصولوں کا جو زمانہ قدیم میں منافی عیسائیت سمجھے جاتے، بے محابا اعلان ہوتا گیا۔ مثلاً کمال بے باکی اور جسارت سے یہ دعویٰ کیا جانے لگا کہ کل کلیسا پاپائے مقدس کی جائیداد ہے اور وہ اس سے جو کام چاہے لے سکتا ہے۔ سیمونیت 6 دوسروں کے حق میں گناہ ہے لیکن اس کے حق میں گناہ نہیں ہے۔ وہ قانون سے بالا اور برتر از احتساب ہے۔ جو شخص اس کی نافرمانی کرے، وہ گردن زدنی ہے۔ ہر اصطباغ یافتہ شخص اس کی رعیت ہے اور خواہ وہ شخص چاہے یا نہ چاہے عمر بھر تک اس کی رعیت رہے گا۔ بارہویں صدی کے ختم تک پاپایان روما پطرس کے نائب تھے انوسنٹ ثالث کے زمانہ کے بعد وہ نائب مسیح ہو گئے۔

لیکن ہر مطلق العنان فرمان روا کو خزانے کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور اس کلیہ سے پاپایانِ روما مستثنیٰ نہ تھے۔ نائبانِ پاپا کا عہدہ ہلڈیبرنڈ کے زمانہ ہی میں قائم ہو چکا تھا۔ ان کا فرض بعض دفعہ تو یہ ہوتا تھا کہ کلیساؤں کا معائنہ و تنقیح کریں اور بعض دفعہ کسی خاص خدمت پر مامور کیے جاتے تھے لیکن ہر صورت میں انہیں ممالک آن رُوے کوہ الپس سے روپیوں اور اشرفیوں کی پوٹلیاں باندھ کر لانے کے غیر محدود اختیارات حاصل ہوتے تھے۔ چونکہ پاپائے مقدس قوانین وضع کرنے کے علاوہ ان کے منسوخ و معطل کرنے پر بھی مقتدر تھا لہٰذا ایک قانون اس مضمون کا نافذ کیا گیا کہ جو شخص چاہے نذرانہ ادا کر کے پروانۂ نقض قانون حاصل کر سکتا ہے۔ جو افراد روما کو خراج ادا کرتے تھے ان کے اختیارات میں پاپا کی طرف سے دست اندازی نہ ہوتی تھی۔ غرض پاپائے روما اسقف عالم ہو گیا۔ ہر ابرشیہ (اسقف کا حلقۂ اختیار) پاپائی حدود ارضی میں داخل تھا اور پاپا بوجہ متصادم الاختیار ہونے کے ہر مقدمہ کی مثل اپنی عدالت میں طلب کر سکتا تھا۔ اساقف کے ساتھ اس کے تعلقات وہی تھے جو ایک مطلق العنان بادشاہ کے اپنے ارکان سلطنت کے ساتھ ہوتے ہیں۔ کسی اُسقف کو اجازت نہ تھی کہ بغیر اس کی اجازت کے مستعفی ہو اور جو ابرشیہ استعفے کی وجہ سے خالی ہوتا تھا اس پر جدید اُسقف کے تقرر کا اختیار بجز اس کے اور کسی کو حاصل نہ ہوتا تھا۔ اس غرض سے کہ اسے پروانہ نقض قانون کے اختیار اجرا کے استعمال کا موقع ملے عدالت ہائے ماتحت کے فیصلوں کی ناراضی سے عدالت العالیہ پاپائیہ میں اپیل دائر کرنے کی بات بات پر فریق متعلقہ کو ترغیب دی جاتی تھی۔ ہزاروں ڈگریاں بغرض تعمیل جاری ہوتی تھیں، جن کی بدولت روما میں ڈھیروں روپیہ کھنچا ہوا چلا آتا تھا۔ جب کسی ابرشیہ کے لیے بہت سے امیدوار ہوتے تھے تو پاپا اکثر ان سب کو ٹکا سا جواب دے کر کسی اپنے پٹھو کو اس عہدہ پر مقرر کر دیتا تھا۔ پادریوں کو بسا اوقات روما میں سالہا سال تک ملازمت کے لیے امیدواری کرنی پڑتی تھی اور وہ یا تو امیدواری کرتے کرتے دوسری دنیا کو سدھار جاتے تھے، اور یا بوریا بدھنا باندھ کر پاپائیت کی خباثت وارتشا کا داغ سینے پر لیے ہوئے ٹھنڈے گھروں کو لوٹ جاتے تھے۔ جرمنی کو اس بارے میں بمقابلہ تمام دوسرے ممالک کے زیادہ رنج ناکامی برداشت کرنا پڑا اور یہی وجہ تھی کہ تخم اصلاح کی روئیدگی کے لیے یہاں کی زمین میں سب سے زیادہ قابلیت پیدا ہو گئی۔ تیرھویں اور چودھویں صدی میں پاپاؤں نے اپنے اقتدار کو غیر معمولی طور پر بڑھا لیا۔ بجائے اس کے کہ پہلے کی طرح وہ کسی خالی شدہ ابرشیہ پر اپنے کسی منظور نظر کے مقرر کیے جانے کی سفارش کرتے، اب وہ ایسے تقررات کے متعلق قطعی احکام جاری کرنے لگے۔ چونکہ ان کے اطالوی طرفداروں کی دہان دوزی ضرور تھی لہٰذا بجز اس کے اور کوئی علاج نہ تھا کہ ممالک غیر میں ان کے لیے عہدے تجویز کیے جائیں۔ ایک ایک خدمت کے لیے روما میں سینکڑوں پادری امیدواری کرتے کرتے مر جاتے تھے۔ اور جب حضرت عزرائیل کی توجہ سے اس طور پر جگہ خالی ہوتی تھی تو پاپا اس جگہ کا انتظام استحقاقاً خود کرتا تھا۔ اوّل اوّل یہ استحقاق روما تک محدود رہا۔ بالآخر یہ دعویٰ پیش کیا گیا کہ پاپائے مقدس کو بلا تفریق و امتیاز کل کلیسائی خدمتوں کے انتظام کا حق حاصل ہے اور بروقت تقرر اسقف کا یہ حلف

اٹھاتا کہ وہ پاپا کی اطاعت اور فرمانبرداری کرے گا، قسیسی اور سیاسی دونوں مفہوم رکھتا ہے۔ جو ممالک مثنوی الحکومت تھے ان میں اس طور پر روحانی عنصر کی طاقت بدرجہ غایت بڑھ گئی۔

پاپائی قوت کے اس اکتناز و اجتماع کے لیے ہر قسم کے حقوق نہایت بیدردی سے پامال کیے گئے۔ گدائی پیشہ راہبوں کے طبقوں سے پاپائیت کو اس مقصد کی تکمیل میں بہت بڑی مدد ملی۔ گویا پاپا اور یہ طبقے ایک طرف تھے اور اسقف اور ان کے ماتحت پادری دوسری طرف۔ پاپائے روما کے دربار نے تمام وہ حقوق غصب کر لیے جو مجالس عامہ، مجالس مطرانیہ (کونسل متعلق بہ دار السلطنت)، اساقف اور قومی کلیساؤں کو حاصل تھے۔ چونکہ پاپا کے نائب بات بات پر دست اندازی کرتے تھے لہٰذا اساقف نے اپنے ماتحتوں کو ان کے بے عنوان ہونے پر روک ٹوک کرنا ہی چھوڑ دیا۔ اور چونکہ گدائی پیشہ راہبوں کی مداخلت حد سے بڑھ گئی تھی اس لیے دیہاتی پادریوں کے اختیار بالکل سلب ہو گئے اور جو رہا سہا اثر تھا اسے ان راہبوں نے پاپائی تذکرات الغفران اور پروانہ جات نقض قانون بیچ بیچ کر زائل کر دیا۔ ان حرام کو حلال اور ناجائز کو جائز کر دینے والی سندوں کی فروخت سے جو روپیہ وصول ہوتا تھا وہ سیدھا روما پہنچ جاتا تھا۔

مالی ضرورتوں سے مجبور ہو کر بہت سے پاپا اس ذلیل حیلہ جوئی پر اتر آئے کہ جب کسی فرمانبروا یا اسقف یا رئیس ہیکلیین کا مقدمہ پاپائی عدالت میں پیش ہوتا تھا تو اس سے کہا جاتا تھا کہ ایک جام طلائی جس میں دوکات بھرے ہوئے ہوں بطور نذرانہ پیش کرے۔ اسی قسم کی ضرورتیں جشن جوبلی 7 کے انعقاد کی محرک ہوئیں۔ پاپائے سکسٹس رابع نے بہت سے جدید عہدے قائم کیے اور ہر عہدہ بعوض تین یا چار سو دوکات کے فروخت کر ڈالا۔ پاپائے انوسنٹ ثامن نے اکلیل پاپائی رہن رکھا۔ پاپائے لیو دہم کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے تین پاپاؤں کی آمدنی اُڑا ڈالی یعنی جو رقم اس کا پیشرو خزانہ میں چھوڑ مرا تھا اول تو اس پر ہاتھ صاف کیا اس کے بعد اپنی دولت پر دست تبذیر دراز کیا اور جب یہ بھی کافی نہ ہوئی تو اپنے جانشین کے مترقبہ مداخل کو پہلے سے وصول کر کے لیکھا چوکھا برابر کر دیا۔ اس نے دو ہزار ایک سو پچاس جدید خدمتیں قائم کر کے فروخت کیں۔ مشتریوں کے لیے روپیہ لگانے کی اس سے بہتر ترکیب نہ تھی، اس لیے کہ اصل سرمایہ پر بارہ فیصد سود کہیں گیا ہی نہ تھا۔ اس سود کے استحصال کے لیے وہ ممالک موجود تھے جہاں کیتھولک مذہب رائج تھا۔ یورپ بھر میں کوئی شہر ایسا نہ تھا جہاں سرمایہ اس قدر بامنفعت طور پر لگایا جاسکتا ہو جیسے روما میں۔ اخلاق الرہن کے ذریعہ سے اور نیز عہدوں کو نہ صرف ایک دفعہ بلکہ مکرر فروخت کر کے بڑی بڑی رقمیں وصول کر لی جاتی تھیں۔ عہدہ داروں کا اضافہ اس غرض سے کیا جاتا تھا کہ وہ اپنے عہدہ کو دوبارہ بیچ ڈالیں۔

اگرچہ سود خواری پاپائی اجتہاد کی رو سے ممنوع تھی لیکن پھر بھی پاپائی عدالت العالیہ کے متعلق ایک بہت بڑا بنک قائم ہو گیا تھا جو پادریوں، ملازمت کے امیدواروں اور اہل مقدمہ کو نہایت سخت شرح سود پر روپیہ قرض دیتا تھا۔ پاپائی مہاجنوں کے لیے تو گویا سود لینا مباح تھا اور باقی سود خوار مطرود و مردود

تھے۔ پاپائی عدالت العالیہ کو یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ یورپ بھر کے پادری اگر اس کے مقروض ہوں گے تو پاپائیت کی اغراض کو بہت کچھ نفع ہوگا اس لیے کہ عدالت ان پر من مانا دباؤ ڈال سکے گی اور اگر وہ دباؤ نہ مانیں گے تو عدم ادائے سود کی علت میں انہیں کلیسا کے حلقہ سے خارج کر سکے گی۔ 1327ء میں جب حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ نصف عیسائی دنیا حلقۂ کلیسا سے خارج ہو چکی ہے۔ اساقف کا اخراج اس لیے عمل میں آیا کہ وہ پاپا کے نائبوں کے مطالبات سے عہدہ برآ نہ ہو سکے تھے اور عام اشخاص اس لیے خارج کیے گئے کہ وہ مجبور ہو کر تذکرات الغفران یا اجازت نامۂ نقض قانون خریدیں اور پاپائی کارندوں کو ان کی منہ مانگی قیمت ادا کریں۔ تمام یورپ کے قسیسی مداخل روما کی طرف کھنچے ہوئے چلے جاتے تھے جو ارتشا' سیمونیت' سود خواری' بددیانتی اور استحصال بالجبر کا مرکز بنا ہوا تھا۔ 1066ء سے جو تحریک اجتماع و اکتناز قوت کی تاریخ آغاز ہے۔ پاپاؤں نے اپنے خاص گلے کی بھیڑوں کی دیکھ بھال بالکل چھوڑ دی تھی یعنی روما کی آبادی کی روحانی غور و پرداخت اور کلیسائے روما کے اندرونی انتظامات کی طرف توجہ کرنے کی انہیں مطلق فرصت نہ تھی۔ ممالک غیر کے ہزاروں معاملات جن میں سے ہر ایک بجائے خود بہت بڑا ذریعہ آمدنی تھا انہیں ہر وقت مصروف رکھتے تھے۔ اسقف الویرو پلابو کا بیان ہے کہ ”میں جب کبھی ایوان عدالت العالیہ پاپائیہ میں داخل ہوتا تھا تو ارکانِ عدالت یعنی پاپا کے گماشتوں کو اشرفیاں گنتے ہوئے پاتا تھا جن کے ڈھیر کے ڈھیر ہر طرف لگے رہتے تھے۔“ پاپائی عدالت کی حدود ارضی کی توسیع کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا جاتا تھا۔ قانون سے مستثنیٰ کرنے کا ڈھنگ ایسا ڈالا گیا تھا کہ جو شخص مستثنیٰ ہوتا تھا اسے ہر وقت ایک نیا استثنا حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی تھی۔ اساقف کو مجمع الاکلیروس کے مقابلہ میں خاص خاص رعائتیں حاصل تھیں تو مجمع الاکلیروس بھی بمقابلہ اساقف خاص رعایات سے مستفیض تھا۔ علی ہذا القیاس اساقف خانقاہیں عام اشخاص نائبانِ پاپا کے استحصال سے مستثنیٰ تھے۔ غرض استثنا کا یہ سلسلہ پاپائے مقدس کی خواہش جلب منفعت کی طرح کہیں ختم ہوتا ہی نہ تھا۔

پاپائیت کا مدار اب جن دو طاقتوں پر تھا ان میں سے ایک تو کردینالوں کی مجلس تھی اور ایک ”کیوریا“ یعنی عدالت العالیہ پاپائیہ۔ 1059ء میں پاپا کا انتخاب کردینالوں کی کثرتِ رائے سے ہونے لگا۔ اس سے پہلے یہ انتخاب کل رومن کیتھولک پادریوں کی طرف سے عمل میں آتا تھا اور روما کے مجسٹریٹوں اور سربرآوردہ باشندوں کا استصواب بھی لازمی ہوتا تھا۔ لیکن پاپائے نکولس ثانی نے حق انتخاب کو مجلس کردینالان کی آرا کے دو ثلث پر محدود کر کے توثیق انتخاب کا حق شہنشاہِ جرمنی کو عطا کر دیا۔ تقریباً دو سو سال تک کردینالوں کی حکومت مختصہ و مجتمعہ اور پاپا کی حکومت مطلقہ و منفردہ میں ایک دوسرے پر غالب آنے کے لیے کشمکش ہوتی رہی اور آپس میں خوب خوب داؤ پیچ ہوئے۔ کردینال اس بات پر تو راضی تھے کہ پاپا کی حکومت خارجہ مطلق العنان ہو اور اس کے اقتدار کے اس شعبہ میں مطلق دست اندازی نہ کی جائے۔ لیکن بوقت انتخاب اس کے موافق رائے دینے سے پہلے وہ اس سے یہ اقرار لے لیتے تھے کہ حکومت میں ان کو بھی ایک خاص حصہ دیا جائے گا۔ انتخاب کے بعد اور رسم تطہیر کے ادا ہونے

سے پہلے وہ خاص خاص مراعات پر کاربند ہونے کی قسم کھاتا تھا مثلاً یہ کہ مداغل میں کردینالون کو بھی شریک کرے گا' ان کو برطرف نہ کرے گا اور سال میں دو مرتبہ اس بحث کے لیے ان کی مجلس کے منعقد ہونے کی اجازت دے گا کہ آیا وہ اپنے عہد و پیمان پر قائم رہا ہے یا نہیں۔ لیکن پاپا اپنے عہد پر کبھی قائم نہ رہے اور متواتر پیمان شکنی کے مرتکب ہوئے۔ کردینال چاہتے تھے کہ کلیسائی حکومت اور آمدنی میں انہیں زیادہ حصہ ملے لیکن پاپا قوت اور دولت کی اس علیحدگی کے کسی طرح روادار نہ تھے۔ کردینالون کی آرزو تھی کہ شکوہ و طمطراق اور اسراف و تبذیر میں سربرآوردہ نظر آئیں اور اس کے لیے ظاہر ہے کہ رقم خطیر درکار تھی۔ ان میں سے ایک کے اختیار میں ایک دفعہ پانچ سو عہدے تھے۔ ان کے اعزا و اقربا اور ملازمین و متوسلین کا تکفل بھی لازمی تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مملکت فرانس کی پوری آمدنی بھی ان کے اخراجات کے لیے کافی نہ ہوتی تھی۔ بعض دفعہ ان کی رقابتوں کی وجہ سے سالہاسال تک کسی پاپا کا انتخاب نہ ہوتا تھا۔ گویا اپنے اس طرز عمل سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ نائب مسیح کے بغیر بھی کلیسا کا کام بآسانی چل سکتا ہے۔

گیارہویں صدی کے خاتمہ پر کلیسائے روما دربار روما ہوگیا۔ بجائے اس کے کہ عیسائی بھیڑیں ممیاتی ہوئی اپنے گڈریے کے پیچھے پیچھے روما کے مقدس باڑے میں پھرتی ہوئی نظر آئیں' محرروں' کارندوں' محصلوں اور نوشتہ جات داد و ستد کی تصدیق کرنے والے عہدہ داروں کا ایک محکمہ قائم ہوگیا۔ جس میں مراعات ناموں تذکرات الغفران اور استثناؤں کا لین دین ہوتا تھا اور اہلِ مقدمہ ہاتھوں میں عرضیاں لیے صیغہ بصیغہ پھرتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ روما ہر قوم و ملک کے امیدوارانِ ملازمت کا نقطۂ اجتماع بن گیا تھا۔ دینی ڈگریوں' پاپائی نوازش ناموں' عفو و غفران کے تذکروں' ارتکابِ گناہ کے اجازت ناموں' فرمانوں اور فیصلوں کے طومار نے جو یورپ اور ایشیا کے ہر حصہ کے لوگوں کے نام شب و روز جاری رہتا تھا کلیسائے مقامی کے فرائض اور ذمہ داریوں کو پس پشت ڈال دیا سینکڑوں ایسے اشخاص اس خدمت کی بجا آوری پر مامور تھے جو سکونت ہی ''کیوریا'' میں رکھتے تھے۔ ان کی زندگی کا مقصد صرف اسی قدر تھا کہ پاپائی خزانہ کی آمدنی کی توفیر سے مستحق ترقی قرار پائیں۔ تمام عیسائی دنیا ''کیوریا'' کی باج گزار ہو رہی تھی۔ مذہب کا یہاں نام و نشان تک باقی نہ تھا۔ ''کیوریا'' کے عہدہ داروں کو سیاسی مباحث' فصل حضوات اجرا و تعمیل ڈگریات دینی سے اتنی فرصت کہاں تھی کہ روحانی امور میں اپنا وقت ضائع کریں' ہر کشش قلم کی ایک خاص قیمت مقرر تھی۔ تذکرات الغفران اجازت نامہ جات نقض قانون' سندات نجات' پروانہ جاتِ حلت محرمات و ممنوعات کی خرید و فروخت' مال تجارت کی طرح ہوتی تھی۔ اہل مقدمات کو چپراسی سے لے کر پاپا تک سب کی مٹھی گرم کرنی پڑتی تھی۔ ورنہ مقدمہ جیتنا محال تھا۔ غیر مستطیع لوگوں کو نہ ترقی مل سکتی تھی اور نہ ملنے کی امید تھی' نتیجہ یہ ہوا کہ ہر پادری یہ سمجھنے لگا کہ اسے روما کی مثال کی تقلید کا حق حاصل ہے اور اپنے مقتدیوں کی روحانی تواضع اور عشائے ربانی کے ذریعہ سے جائز و ناجائز طور پر جس قدر روپیہ بھی وصول ہوسکتا' ہے وصول کرنا چاہیے۔ جلب منفعت کا یہ استحقاق اس نے

روما میں وہ رقم ادا کر کے خریدا تھا جو مہاجن سے قرض لی گئی تھی۔ اگر اس طور پر روپیہ نہ وصول کیا جاتا تو یہ قرض کیونکر ادا ہوتا۔ جب "کیوریا" کا مستقر روما سے ایوینان 8 میں منتقل ہوا اور اطالویوں کی طاقت فرانسیسیوں کے پاس چلی گئی' تو پھر بھی قدیم حالت بدستور قائم رہی۔ فرق صرف اتنا ہوا کہ اطالویوں کو بصد حسرت معلوم ہوا کہ سونے کی چڑیا ان کے ہاتھ سے اُڑ کر فرانسیسی اڈے پر جا بیٹھی ہے۔ ان کے ذہن میں یہ بات سما گئی تھی کہ پاپائیت ان کا موروثی حق ہے اور جس طرح شریعت موسوی کے دور میں یہودی خدا کے خاص بندے تھے اسی طرح شریعت عیسوی کی رُو سے خدا کا فیضان خاص انہی پر نازل ہوا ہے۔

تیرہویں صدی کے خاتمہ پر ایک جدید مملکت دریافت ہوئی جس میں بہت بڑی آمدنی کا ذریعہ ہونے کی قابلیت موجود تھی۔ اس مملکت کا نام مطہر تھا۔ عقل کے اندھوں اور گانٹھ کے پوروں کو یہ یقین دلا دیا گیا کہ حضرتِ پاپا اس سرزمین کی گنہگار آبادی کو تذکرات الغفران کے اجرا سے خالی فرما سکتے ہیں۔ اس کے لیے کسی دام تزویر کا بچھایا جانا ضروری نہ تھا۔ دن دہاڑے لوگوں کی چشم اعتقاد میں خاک جھونکی جاتی تھی۔ غرض اسی طاقت کے ابتدائی جراثیم نے نشوونما پا کر رفتہ رفتہ ایک بڑی زبردست شخصی سلطنت کی شکل اختیار کر لی۔

محکمہ احتسابِ عقائد نے پاپائی قوت کو ایسا زبردست بنا دیا کہ اس کی مزاحمت و مدافعت محال ہوگئی۔ جو شخص مخالفت کرتا تھا آگ میں زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ کسی شخص کے دل میں مخالفانہ خیال کا ناشی ہونا عام اس سے کہ اس خیال کا اظہار کسی خارجی علامت سے ہوا ہو یا نہ ہوا ہو' جرم سمجھا جاتا تھا۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا محکمہ احتسابِ عقائد کا طرز عمل زیادہ وحشیانہ ہوتا گیا۔ محض شبہ کی بنا پر ملزم کو شکنجہ کی سزا دی جاتی تھی۔ ملزم کو الزام لگانے والے کا نام تک نہ بتایا جاتا تھا۔ اسے کسی قانون دان شخص سے مشورہ لینے کی اجازت تک نہ دی جاتی تھی۔ اس محکمہ کے فیصلہ کی نہ داد تھی نہ فریاد۔ افسران محکمہ یعنی ارکان احتساب کو حکم تھا کہ رحم و انسیت کو دل میں مطلق نہ آنے دیں۔ ملزم کا عقائد منسوبہ سے توبہ کرنا بھی بے سود اور لاحاصل تھا۔ ملزم کے ناکردہ گناہ خاندان کا مال و اسباب ضبط کر لیا جاتا تھا' جس میں سے آدھا پاپا کے خزانہ میں چلا جاتا تھا اور آدھے سے ارکانِ احتساب اپنے دوزخ کی تواضع کرتے تھے۔ پاپائے انوسنٹ ثالث کا قول تھا کہ ملاحدہ کی اولاد کی صرف جان بخشی کرنی چاہیے اور وہ بھی محض بہ تقاضائے رحم۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نکولس ثالث جیسے ڈاکو پاپاؤں نے اس مقدس عدالت کی لوٹ کے مال سے اپنے خاندانوں کو نہال اور مالا مال کر دیا اور ارکانِ احتساب کو تو ہر روز اس کی بدولت تر لقمے ملتے رہتے تھے۔

پاپائیت کے قبضہ کے لیے فرانسیسیوں اور اطالویوں میں جو جدوجہد ہوئی' وہ چودھویں صدی کے مشہور مذہبی تفرقہ کی ذمہ دار ہے۔ چالیس سال تک دو رقیب پاپا ایک دوسرے پر سب و شتم کرتے رہے اور وہ رقیب پاپائی عدالتیں بہ تقاضائے جلب منفعت اقوام یورپ کو جونک بن کر چمٹی رہیں۔ بالآخر پاپاؤں کی تعداد دو سے بڑھ کر تین ہوگئی اور امتثال امر و ادائے خراج ربانی کے لیے تین جداگانہ مرکز قائم

ہو گئے۔ لوگوں کی ارادت و عقیدت ضغطہ میں پڑ گئی۔ وہ حیران تھے کہ کس پاپا کو جنابِ مسیح کا اصلی اور سچا نائب تصور کریں اور عشائے ربانی و سر القدوس جیسی پاک مذہبی رسموں کی تطہیر کے متعلق کس سے اور کیونکر استناد کریں۔ عیسائی انجمن میں جائز مجتہدانہ قیاس کی کرسی صدارت خالی تھی۔ ہر شخص مجبور تھا کہ اپنا مجتہد خود بنے۔ لوگوں کو محسوس ہونے لگا کہ کلیسا کے پاؤں میں عدالت عالیہ پاپائیہ کی جو زنجیر پڑی ہوئی ہے اس کا ٹوٹنا اور ایک مجلس عمومی کا قائم ہونا کلیسا کی سلامتی کے لیے ضروریات سے ہے چنانچہ مجلس عمومی کے قیام کی کوشش بار بار کی گئی۔ اس کوشش کی غایت یہ تھی کہ اس مجلس کو عیسائی دنیا کی پارلیمنٹ بنا دیا جائے جس کا اعلیٰ عہدہ دار انتظامی پاپا ہو۔ لیکن وہ ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشیں جو مدت ہائے مدید کے ذمائم و مفاسد کا نتیجہ تھیں کیونکر یک بیک علاج پذیر ہو سکتیں۔ عدالت عالیہ پاپائیہ کا بازار پھر گرم ہو گیا اور پادریوں کا وہی اگلا سا تجارتی لین دین پھر شروع ہو گیا۔ اہلِ جرمنی نے جنہیں عدالت عالیہ پاپائیہ کے اقتدار میں کبھی حصہ نہ ملا تھا اصلاح کی ان کوششوں میں سب سے بڑھ کر حصہ لیا۔ لیکن جب حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی تو ان کو بھی ماننا ہی پڑا کہ مجالس عمومی کے ذریعہ سے اصلاحِ کینہ کی توقع رکھنا لاحاصل ہے۔ چنانچہ ارسمس کی زبان سے بے اختیار یہ کلمات نکلے کہ ''اگر مسیح اپنے بندوں کو ان گونا گوں قسیسی مظالم سے نجات نہ دلائیں گے، تو ترکوں کے ظلم کی سختی کم ہو جائے گی۔''9 غرض کلیسا کی حالت اس درجہ ابتر ہو گئی تھی کہ کردینالون کا منصب علانیہ فروخت ہونے لگا تھا اور پاپائے اگرہم کے عہد میں تو ہر قسیس و مذہبی خدمت نیلام ہوتی تھی۔ زندگی کا اصولِ موضوعہ یہ ہو گیا تھا کہ اوّل دولت بعدہ عزت۔ عہدہ داروں میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو آنکھ سے اوجھل ایماندار ہو یا گواہ لائے بغیر پاکبازی کا ادعا کر سکے۔ کردینالون کے ارغوانی رنگ کی مخملی عبائیں اور سفید سنجاب کے طیلسان دھوکے کی ٹٹی ہو رہے تھے جن کی آڑ میں کوئی خباثت نہ تھی جس کا یہ بزرگوار ارتکاب نہ کرتے ہوں اور کوئی گناہ نہ تھا جو ان حضرات سے صادر نہ ہوتا ہو۔

کلیسا کی وحدت (اور اس لحاظ سے اس کی طاقت) اس امر کی مقتضی تھی کہ لاطینی کا استعمال بطور زبانِ مقدس عام طور سے ہو۔ لاطینی ہی کے استعمال کے بدولت روما یورپ کا جزو لاینفک بنا رہا اور تعلقاتِ بین الاقوام کے قائم رکھنے میں کامیاب ہوا۔ لاطینی زبان کے بین الاقوامی استعمال نے روما کو جو قوت بخشی اس کے مقابلہ میں ان اقتدارات کے اثر کی کوئی حیثیت نہیں، جن کے سماوی الاصل ہونے کا پاپائیت کو ادعا تھا اور اگرچہ اس کو اپنے کارناموں پر بڑا ناز ہے لیکن وہ اس الزام سے کسی طرح بچ نہیں سکتی کہ باوجود اتنی بڑی طاقت کے جو آئندہ اس کے کسی جانشین کو حاصل نہ ہو سکے گی، اس نے کچھ اس سے بھی زیادہ کیوں نہیں کر دکھایا۔ اگر پاپایانِ روما اپنی ہوس رانیوں اور دنیا پرستیوں میں مبتلا نہ ہوتے تو وہ اس بات پر قادر تھے کہ ان کے ایک اشارے پر تمام براعظم بالاتفاق ایسی ترقی کرتا کہ دنیا دنگ رہ جاتی۔ ان کے نائب بے روک ٹوک ہر ملک میں جا سکتے تھے اور آئرلینڈ سے لے کر بوہیمیا اور اٹلی سے چل کر سکاٹ لینڈ تک بلا تکلف آپس میں بات چیت کر سکتے تھے۔ ایک زبان ہونے کی وجہ سے وہ بین

الاقوامی امور کے نظم ونسق میں دخیل ہو گئے تھے اور ہر ملک میں انہیں ایسے ہوشیار اور معاملہ فہم حلیف ہاتھ آ گئے تھے جو ایک ہی زبان بولتے تھے اور مہمات الامور میں ان کا ہاتھ بٹانے کے لیے تیار تھے۔

ایسی حالت میں یونانی زبان کے احیا اور عبرانی زبان کی ترویج پر روما نے جس نفرت و عداوت کا اظہار کیا' وہ کچھ بے وجہ نہ تھا۔ اور جو تشویش اسے یہ دیکھ کر دامنگیر ہوئی کہ السنۂ جدیدہ کی دیوار گنوار بولیوں کی بنیاد پر چنی جا رہی ہے' وہ بیجا نہ تھی۔ پیرس کے مدرسۂ الٰہیات کے اس تردد آمیز استفسار کو کہ اگر یونانی وعبرانی کے پڑھنے کی اجازت دی جائے گی تو مذہب کا کیا حشر ہوگا۔ اگرچہ کارڈینل زمینز کے عہد کے خیالات کی گونج سے تشبیہ دے سکتے ہیں لیکن اس کی تہ میں ایک حقیقی خدشہ بھی مضمر تھا۔ لاطینی کے رواجِ عام پر روما کی طاقت کا انحصار تھا۔ اس کے انحطاط کے ساتھ اس کا زوال وابستہ تھا۔ اس کے عدم استعمال کے یہ معنی تھے کہ روما کی حد اثر اٹلی کے ایک چھوٹے سے صوبہ تک محدود ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ یورپین زبانوں کی ترقی روما کی بربادی کا باعث ہوئی ہے۔ یہ زبانیں گدائی پیشہ راہبوں اور ان پڑھ عوام الناس کے درمیان تبادلۂ خیالات کا موثر ذریعہ بن گئیں اور ان میں سے ایک زبان بھی ایسی نہ تھی جس نے اپنی اوّلین تصانیف میں روما کو نشانۂ حقارت و آماجگاہِ ملامت نہ بنایا ہو۔

غرض یورپ کے مختلف الالسنہ لٹریچر کی ترقی پاپائی عیسائیت کے زوال کی ہمعصر ہے۔ پاپائی عہد حکومت میں ناممکن تھا کہ یورپ کا لٹریچر وجود میں آ سکے اس لیے کہ مذہبی وحدت علمی وحدت کی متقاضی تھی جس کا مفہوم یہ تھا کہ صرف ایک ہی علمی زبان ہر جگہ رائج ہو۔

اگرچہ ایک زبانِ واحد کے مالک ہونے کی وجہ سے کلیسا کی قوت میں ایسا حیرت انگیز اضافہ ہو گیا لیکن اس کی طاقت کا اصلی راز اس دسترس میں پوشیدہ تھا جو اس نے نہایت چالاکی سے لوگوں کی خانگی زندگی پر حاصل کر لی تھی۔ اس کے فقدان کے ساتھ اس کا اثر بھی گھٹ گیا اور ساتھ ہی بین الاقوامی امور میں اس کی سیاسی مداخلت بھی برائے نام رہ گئی۔

عیسائیت سے پہلے جب تاجدارانِ روما کا نیر اقبال نصف النہار پر تھا تو سلطنت کے صوبوں میں جہاں رومن افواج کی چھاؤنیاں قائم ہوتی تھیں وہ سب مقامات تہذیب وشائستگی کے مرکز بن جاتے تھے۔ صنعت وحرفت اور امن وامان کی جو حالت ان مقامات میں پائی جاتی تھی اس کی مثال گرد ونواح کی وحشی اقوام پر جو برطانیہ فرانس اور جرمنی میں آباد تھیں' اپنا اثر ڈالے بغیر نہ رہی اور اگرچہ حکام روما کا یہ فرض نہیں تھا کہ اقوامِ مفتوحہ کی فلاح و بہبود میں نمایاں دلچسپی ظاہر کریں بلکہ ان کا فائدہ اسی میں تھا کہ ان اقوام کی حالت ذلیل رہے۔ کیونکہ پست حالت حلقہ بگوشی واطاعت کیشی کی ممد ومعاون ہوتی ہے لیکن پھر بھی رعایا کی تمدنی ومعاشرتی حالت میں منفرداً ومجتمعاً برابر اصلاح ہوتی گئی۔

جب روما میں پادریوں کا دور دورہ ہوا تو اسی قسم کے نتائج خود بخود ظہور میں آنے شروع ہوئے۔ بیرونجات میں فوجی چھاؤنیوں کی جگہ دَیر قائم ہو گئے۔ گاؤں یا شہر میں گرجا روشنی اور تہذیب کا

مرکز بن گیا۔ اوّل الذکر کے سامانِ عیش و عشرت اور ثانی الذکر کے مواعظ و نصائح نے لوگوں پر ایک زبردست اثر ڈالا۔

خاندانوں کے نظامِ معاشرت کی تنظیم، حکومت ملکی کے ضابطہ کی تعیین اور دولِ یورپ کی ترکیب میں پاپائیت کے طرزِ عمل نے جو حصہ لیا اس کے محاسن پر نظر ڈالتے وقت ہم اس امر کو فراموش نہیں کرسکتے کہ قسیسی حکمت عملی کا خاص مقصد اصلاحِ تمدن نہ تھا بلکہ اعتلائے کلیسا تھا۔ پس دنیادار لوگوں کو جو فوائد پہنچ گئے وہ مقصود بالذات و معہود بالنہایت نہ تھے بلکہ ذیلی و اتفاقی تھے۔

اقوام کی مادی حالت کی اصلاح و ترقی کے لیے کوئی نتیجہ خیز و مستقل بالذات تدبیر پاپاؤں کی طرف سے اختیار نہیں کی گئی۔ ان کے نشوونمائے عقلی کے لیے کوئی طریقہ عمل میں نہیں لایا گیا اور انہیں اَن پڑھ بلکہ جاہلِ مطلق رکھنے کی کوشش کی گئی۔ صدیوں پر صدیاں گزرتی چلی گئیں لیکن کسانوں کی حالت کھیت کے چوپایوں سے بہتر نہ ہونے پائی۔ وسائلِ نقل و حرکت اور ذرائع رسل و رسائل کو جو توسیع خیالات کے ممد و معین ہوا کرتے ہیں جامد و غیر متحرک رہنے دیا گیا۔ آبادی کا اکثر حصہ ایسا تھا جسے ساری عمر اپنے گھر سے باہر قدم نکالنے کا اتفاق نہ ہوا۔ اس بدنصیب طبقہ کو نہ اصلاح حالت کی امید تھی نہ کسی ترقی کی توقع۔ افلاس کے سدباب اور قحط کے اندفاع کے لیے بڑے پیمانہ پر کوئی تجویز نہ سوچی گئی۔ وبا کو اجازت تھی کہ کھلے بندوں جہاں چاہے پھرے اور جس شہر پر چاہے چھاپہ مارے۔ بہت ہی روک ٹوک ہوئی تو کسی پادری نے دو چار لاطینی دعائیں بڑبڑا دیں۔ بری خوراک، ناقص لباس اور ناکافی مکان برابر اپنا اثر کیے چلے گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہزار سال کے بعد یورپ کی آبادی دگنی بھی نہ ہونے پائی۔

اگر کسی حکومت کا فن تدبیر مملکت پیدائش کو روکنے اور اموات کا باعث ہونے کے اعتبار سے قابلِ مواخذہ ٹھہر سکتا ہے تو پاپائیت پر کتنا بڑا مواخذہ عائد ہوتا ہے۔

کیتھولک مذہب کے اس عام اثر کی تنقید کرتے ہوئے ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ اس نے اپنے آپ کو تو خیر جو کچھ نفع پہنچایا وہ ظاہر ہے لیکن اس کے مقابلہ میں دوسروں کے ساتھ کیا بھلائی کی ہے۔ راہب کی خانقاہ کی شاندار تصویر پردۂ تصویر پر کھینچو۔ اس میں عیش و عشرت اور راحت و آسائش کا ہر ایک سامان تمہیں نظر آئے گا۔ ترشی ہوئی گھاس کے زمردیں تختے، پھولوں کے چمن، میوہ دار درختوں کے حدیقے، اچھلتے ہوئے فوارے، ترنم آفرین نہریں سبھی کچھ پاؤ گے۔ لیکن ان نعمتوں کا تعلق بیچارے وبا زدہ کسان سے نہ ہوگا جو کسی دلدل کے کنارے ایک ٹوٹے چھپر کے نیچے بے یار و مددگار سسکیاں بھرتا ہوا دم توڑ رہا ہوگا بلکہ ان کا تعلق خانقاہ کے سجادہ صاحب سے ہوگا جن کے ٹانگن کی چھلبل جن کی ترمتیوں، شکروں اور تازی کتوں کی صید افگنی جن کے نعمت خانہ اور خم خانہ کے اطعمہ لذیذہ و اشربہ نفیسہ کی حکایت سے تاریخ کے ورق بھرے پڑے ہیں۔ یہ عیش پرست راہب اسی مذہبی نظام کا ایک جزوِ لاینفک ہے، جس کا مرکز اٹلی ہے۔ وہ روما کا باجگذار اور مطیع و منقاد ہے اور اس کا کوئی فعل ایسا نہیں ہوتا جس سے روما کے فوائد کا کوئی پہلو نہ نکلتا ہو۔ جب ہم اس زمانہ کے عالیشان گرجاؤں اور کنیساؤں پر نظر دوڑاتے ہیں جن

کا شمار فن تعمیر کی معجز نمائی کے کرشموں میں ہے اور جنہیں دیکھ دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ پاپائیت کے حقیقی معجزات یہی عمارتیں ہیں اور جب ہم ان مہتم بالشان اور دل پر رعب طاری کرنے والے مذہبی مراسم کو جو ان گرجاؤں میں ادا کیے جاتے تھے' اس دھندلے نور کو جو رنگا رنگ آئینوں والے دریچوں میں سے چھنتا تھا' ان سریلی آوازوں کو جن کے الاپ کی سامعہ فریبی ملائکہ کے نغموں سے کسی طرح کم نہ تھی۔ ان پادریوں کو جو اپنے مقدس خلعت ہائے فاخرہ زیب تن کیے ہوئے تھے اور سب سے زیادہ ان سربسجدہ عبادت گزاروں کو جو ایک اجنبی اور نامعلوم زبان میں دعائیں اور نمازیں سن رہے ہوتے تھے۔ غرض جب ہم اس تمام عالیشان مذہبی نظارہ کو اپنے تصور میں لاتے ہیں تو بے اختیار یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ سب کچھ عبادت گزاروں کی روحانی فلاح کی خاطر تھا یا روما کی زبردست اور ہمہ گیر طاقت کا پایہ جلال و عظمت اور بھی اونچا کرنے کی غرض سے؟

لیکن شاید کوئی شخص اس کے جواب میں یہ کہے کہ انسانی مساعی محدود ہیں۔ بعض امور ایسے ہیں جنہیں کوئی سیاسی نظام اور کوئی انسانی طاقت خواہ اس کا ارادہ کیسا ہی نیک کیوں نہ ہو انجام نہیں دے سکتی۔ انسان وحشیانہ حالت سے ترقی کر کے دفعتہً شائستہ نہیں بنایا جاسکتا۔ ایک وسیع براعظم ایک ہی دن میں مہذب نہیں ہوسکتا۔

یہ سب سچ ہے مگر پاپائیت کے جانچنے کے لیے اس قسم کا معیار پہلے ہی مقرر نہیں کیا گیا۔ کیتھولک طاقت کی نسبت جو اعتراض ہے وہ یہ ہے کہ وہ از راہ غایت استحقار انسانی الاصل ہونے سے منکر ہوئی بلکہ اس وقت تک منکر ہے۔ اس کا دعویٰ یہ ہے کہ اس کا ماخذ ربانی ہے اور اس کو الوہیت کے ساتھ بلاواسطہ نسبت ہے۔ پاپائے اعظم خلیفۃ اللہ فی الارض ہے۔ اس کا اجتہاد خطا سے پاک ہے۔ اس کو یہ قدرت حاصل ہے کہ اگر ضرورت آپڑے تو معجزے کے ذریعے سے اَن ہونی بات کو ہونی کر دکھائے۔ ایک ہزار سال تک اس نے یورپ کے عقل وادراک پر جابرانہ اور قاہرانہ حکومت قائم رکھی اور اگرچہ بعض تاجداروں نے سرکشی کی راہ سے کبھی کبھی اس کی مخالفت کی۔ لیکن مجموعی حیثیت سے یہ مخالفت ایسی بے حقیقت تھی کہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یورپ کے حل وعقد و بست و کشاد کا مدار علیہ پاپائے روما ہی تھا۔

جو واقعات اس فصل میں بیان کیے گئے ہیں ان پر بلاشبہ سولھویں صدی کے پروٹسٹنٹ علم برداران اصلاح کی نظر غائر پڑ چکی تھی اور وہ یہ نتیجہ نکال چکے تھے کہ رومن کیتھولک مذہب اپنے فرائض مذہبی کی انجام دہی سے بالکل عہدہ برآ نہیں ہوسکا۔ بلکہ ضلالت' افترا اور ریاکاری کا مجموعہ بن گیا ہے۔ پس سچی عیسائیت کے احیاء کی صرف یہی شکل ہے کہ قرون اولیٰ کے عقائد و مراسم کو از سرنو تازہ کیا جائے۔ اس فیصلہ پر حامیان اصلاح دفعتہً و بغتتہً نہیں پہنچے تھے۔ ایک مدت مدید سے بہت سے پیشوایان مذہب اور روشن خیال علماء فضلاء کی یہی رائے تھی۔ چنانچہ ازمنہ وسطیٰ میں فرانسسکن طبقہ کے متقی اور پرہیزگار راہب اس خیال کو صاف طور سے ظاہر کیے بغیر نہ رہ سکے کہ روما کے ایک قیصر کی لن ترانیوں نے سچے مذہب کا خاتمہ کردیا۔ غرض اصلاح کے لیے مواد ایک عرصہ سے تیار ہو رہا تھا۔ سرنگ بچھائی جاچکی

تھی' صرف بتی دکھانے کی دیر تھی۔ لوتھر کی آواز کا بلند ہونا تھا کہ تمام شمالی یورپ نے فیصلہ کرلیا کہ مریم عذرا کی پرستش' اولیا سے مراد طلبی' معجزہ نمائی' مریضوں کا کراماتی علاج' ارتکاب گناہ کے لیے تذکرۃ الغفران کی خرید اور پاپا پرستوں کی مٹھی گرم کرنے والے باقی کے تمام ان اعمالِ سیئہ کا جو عیسائیت سے منسوب کر دیئے گئے تھے' لیکن اس سے حقیقت میں تعلق نہ رکھتے تھے' یک قلم خاتمہ کر دیا جائے۔ کیتھولک مذہب کو ایک ایسی طاقت ہونے کی حیثیت سے جس کی غایت فلاح و ترقی انسان تھی' اپنے اس دعوے میں کہ اس کا طرزِ عمل معطل بہ تائید آسمانی ہے' صاف ناکامی ہوئی۔ اس کے کارناموں اور اس کے ادعاؤں میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ ایک ہزار سال تک اسے انسان کی اصلاحِ حالت کا موقع دیا گیا۔ لیکن جب اس کی کارگزاری کا جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ بنی نوع انسان کی جس جماعت کثیر کو اس کے حوالہ کیا گیا تھا اس کی حالت جسمانی و عقلی ترقی کے اعتبار سے اس حالت کے مقابلہ میں بہت ہی پست تھی جس میں یہ جماعت پائی جانی چاہیے تھی۔

✿......✿......✿

حوالہ جات

1- پروفیسر اڈورڈ ٹیلر فیلو آف دی رائل سوسائٹی اپنی کتاب ''انتھروپالوجی'' (علم الانسان) کے صفحہ 233 پر ترقی فن تعمیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آج کل پتھر کی عمارت کے طریقہ تعمیر کے متعلق ہمارا عام خیال یہی ہے کہ پتھر کی سلوں کو جوڑنے کے لیے ان کے درمیان چونے یا گچ کی ایک تہ بچھا دی جائے لیکن مصر اور یونانِ قدیم کی خوبصورت شاندار عمارتوں کو جب ہم دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں خشک چنائی کا رواج تھا۔ سلیں تلے اوپر چن دی جاتی تھیں اور ان کی پیوستگی کے لیے چونے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ ہاں جب پتھروں کو خاص طور سے جوڑنا منظور ہوتا تھا تو دھات کے قبضے استعمال کیے جاتے تھے۔ (مترجم)

2- نکولو مکیاولی پاپائے لیو دہم کا معاصر اور پندرہویں صدی کے مشاہیر اہل تدبر سے ہے۔ لیکن اگرچہ وہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا فلسفی اور سب سے بڑا مدبر سمجھا گیا ہے پھر بھی اس کی شہرت قابل رشک نہیں خیال کی جاتی۔ اس لیے کہ اس نے فن تدبیر مملکت اور حکمت عملی کی بنیاد بے ایمانی' چالاکی' بدعہدی اور بے اصولی پر رکھی ہے۔ اسی لیے اس کا نام غدارانہ چال بازی کا مترادف ہوگیا ہے۔ لارڈ میکالے مکیاولی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ لوگ اس کے اصل نام سے بدمعاش اور اس کے مسیحی نام سے شیطان مراد لینے لگے۔ مترجم

3- لیو پولڈوان اینکی زمانہ حال کا ایک بہت بڑا جرمن مورخ۔ 1795ء میں پیدا ہوا اور 1886ء میں وفات پائی۔ اس کی تاریخ نویسی کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ واقعات کو بے رُو و رعایت بلاکم و کاست درج کرتا ہے اور ذاتی رائے یا رجحان کو وقائع نگاری میں مطلق دخل نہیں دیتا۔ اگر دوسرے یورپین مورخین بھی اسی اصول پر چلتے تو تاریخ تدلیس و تصرف کے ان عیوب سے پاک ہوتی جو یورپ کے عارضِ تہذیب پر بمنزلہ ایک بدنماسہ کے ہیں۔
تاریخ پاپایان روما کی نسبت جس کا ڈریپر نے متن میں حوالہ دیا ہے لارڈ میکالے لکھتے ہیں کہ پروفیسر اینکی کی تصنیف ان حلقوں میں جہاں جرمن لٹریچر کا رواج ہے قدر و منزلت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے اور یہ ایک ایسے شخص کی مشق قلم کا نتیجہ ہے جو نکتہ رسی و دقیقہ سنجی اور وسیع النظری کے اعتبار سے اقران و اماثل میں سربرآوردہ ہے۔ کتاب کا طرز تحریر نہایت دلپسند اور دل نشین ہے۔ متانت و رزانت اس کے حرف حرف سے مترشح ہے۔ تعصب اور چھچھورا پن اس میں نام کو نہیں پایا جاتا اور ابتدا سے لے کر انتہا تک رواداری کے ساتھ بلا رُو و رعایت لکھی گئی ہے۔ اس تاریخ کا ترجمہ انگریزی میں ہو چکا ہے اور اس کے انگریزی ترجمہ ہی کی تنقید کرتے ہوئے جو لیڈی سارا آسٹن کا کیا ہوا ہے' لارڈ میکالے نے یہ رائے ظاہر کی ہے۔ مترجم

4- قرونِ متوسط کے عیسائیوں کی اس گندگی اور گھناؤنے پن کی اگر تحلیل کی جائے تو اس کا عنصر غالب وہ مجنونانہ تعصب ثابت ہوگا جو پادریوں کو اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ تھا۔ چونکہ جسمانی طہارت مسلمانوں کا مذہبی فریضہ تھی لہٰذا ضرور تھا کہ پادری شست و شو سے البتہ ابا کریں اور اپنے چیلوں کو بھی یہی پٹی پڑھائیں چونکہ مسلمان صاف ستھرے رہتے تھے اس لیے لازم تھا کہ پادری گندے رہیں۔ غرض من تشبہ بقول فھو منھم کے اصول پر انہوں نے اس حد تک عمل کیا تھا کہ مسلمان اگر دن کو دن کہتے تو پادری کہتے تھے کہ نہیں رات ہے۔ یہی وجہ تھی کہ کئی صدیوں تک مسیحی دنیا غلاظت اور نجاست میں لتھڑی رہی۔ مترجم

5- جب بیت المقدس اور کل ارضِ مقدس کو مسلمانوں کے قبضہ میں دیکھ کر مسیحی دنیا کی غیرت یعنی تعصب کا دریا جوش میں آیا اور حروبِ صلیبیہ کا خونریز سلسلہ شروع ہوا تو چند مسیحی برادریاں اس غرض سے قائم ہوگئیں کہ جو مسیحی زائر ارضِ مقدس کا سفر اختیار کریں ان کے جان و مال کی حفاظت کی جائے۔ یہ جماعتیں طبقہ ہیکلین کے نام سے موسوم ہیں۔ بعد میں اس طبقہ کا مقصد دین مسیحی کی حمایت اور مسلمانوں کا استیصال ہوگیا۔ اس طبقہ کے جانباز اراکین اگرچہ رہبانیت اور زہد و اتقا کا دم بھرتے تھے لیکن ان سے بسا اوقات ایسی ایسی حرکتیں سرزد ہوتی تھیں جو بڑے سے بڑے فاسق و فاجر کو بھی عرقِ انفعال میں ڈبو دینے کے لیے کافی ہوتیں۔ مترجم

6- کلیسا کے عہدوں کی خرید و فروخت۔ مترجم

7- ڈھائی روپے کا ایک سکہ جو وینس میں چلتا تھا۔ مترجم

جب اقبالمندی اسرائیل کے ساتھ تھی اور حکومت ان کے ہاتھ میں تھی تو ان کے سلاطین کا یہ دستور تھا کہ ہر پچاسویں سال ایک بہت بڑا تہوار مناتے تھے اور اس موقع پر رعایا کے ساتھ طرح طرح کے سلوک اور احسان کرتے تھے۔ تمام غلام آزاد کر دیئے جاتے تھے۔ تمام قیدیوں کو رہائی دے دی جاتی تھی' تمام قرض معاف کر دیئے جاتے تھے۔ تمام جائیدادیں جو اصلی مالکوں کے ہاتھ سے گذشتہ نصف صدی میں نکل چکی تھیں۔ انہیں واپس دے دی جاتی تھیں۔ اسی تیوہار کا نام جوبلی ہے جس کے عام معنی خوشی کے ہیں۔ لفظ جوبلی ایک عبرانی لفظ یوبل سے مشتق ہے جس کے معنی نفیری کے ہیں۔ چونکہ جشن جوبلی کا اعلان نفیری یا ترئی کی صدا سے کیا جاتا تھا اس لیے اس کا نام یوبل یا جوبلی پڑ گیا۔

یہودیوں کی دیکھا دیکھی کلیسائے رومن کیتھولک نے بھی جشن جوبلی منانا شروع کیا چنانچہ پہلے جشن کے انعقاد کا اعلان پاپائے بونی فیس ثامن نے 1299ء میں کیا۔ یہ جشن اوّل پنجاہ سالہ قرار پائے پھر حضرت مسیح کی عمر کے اعداد کی مناسبت سے سی دسہ سالہ ہو گئے اور بست و پنج سالہ قرار دیئے گئے۔ اصلی غایت اس جشن کے انعقاد کی جیسا کہ مصنف نے بیان کیا ہے' یہ تھی کہ اس موقع پر عقل کے اندھے اور گانٹھ کے پورے عیسائیوں سے پاپاؤں کو نذرانہ وصول کرنے کا حیلہ ہاتھ آ جائے۔ چنانچہ ان موقعوں پر پاپائی خزانہ میں کروڑوں ہی روپیہ داخل ہو جاتا تھا۔ جشن جوبلی کلیسا کی خوشی میں پاپا کی طرف سے ہر اس شخص کو جو اعتراف سری کے بعد عشائے ربانی کی صحبت میں شریک ہوتا تھا خاص خاص گرجاؤں میں داخل ہونے کی شرط کے ساتھ پروانہ مغفرت عطا کیا جاتا تھا۔ مترجم

8- فرانس کے جنوبی و مشرقی حصہ میں دریائے رائن کے بائیں کنارے پر واقع ہے اور اس ریلوے کا سٹیشن ہے جو لائن سے مارسیل کو جاتی ہے۔ مسیحی معابد' مقابر اور اماکن یہاں کثرت سے موجود ہیں اور ان کی شاندار عمارتیں قسیسیت کے اس مرکز کی خصوصیات سے ہیں۔ چنانچہ پاپائے جان بست و دہم کا مقبرہ سولھویں صدی کے فن تعمیر کی بہترین یادگار ہے۔ 1305ء سے 1317ء تک ادنیان پاپائیت کا صدر مقام رہا۔ 1872ء میں یہاں کی آبادی 27,409 تھی۔ 1901ء میں 46,209 ہوگئی۔ آج یہ شہر اپنی تجارت خصوصاً ریشمی کپڑوں کے کارخانوں کی وجہ سے مشہور ہے۔ مترجم

9- ارسمس کا یہ فقرہ تعصب' نفرت اور عناد کے ان سہ گانہ جذبات کا نچوڑ ہے جن کا خون پادریوں کی آنکھوں میں مسلمانوں اور خصوصاً ترکوں کو دیکھ کر رہ رہ کر اُترتا چلا آیا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ قسطنطنیہ کے تخت پر سلطان سلیمان قانونی جیسا عادل و بیدار مغز فرماں روا متمکن تھا جسے یورپ بھی عالیشان کا لقب دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ سلطان سلیمان کا چھل وشش سالہ عہد حکومت اس حسن سلوک و مراعات کے لحاظ سے جو عیسائی رعایا کے ساتھ کی گئی' ٹرکی کی تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہے تو ارسمس کی حق ناشناسی پر ہمیں ضرب المثل والی اس آنکھ کی پھبتی سوجھتی ہے جس کی شان میں "عیب نماید ہنرش درنظر" کہا گیا ہے۔ سرایڈورڈ کریسی اپنی تاریخ ٹرکی میں لکھتے ہیں کہ

''سلیمان نے اپنے ہر نائب حاکم کے نام فرمان جاری کیا کہ قیامِ امن و امان کی فوری تدابیر اختیار کی جائیں۔ امیر و غریب مسلم و ذمی سب کے ساتھ مساوات کا برتاؤ کیا جائے اور عدل و انصاف سے سرمو تجاوز نہ کیا جائے۔ اس کے اس فرمان کو ساری دنیا نے سراہا اور اس کی عام طور سے تعمیل کی گئی۔ لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ ان پر ایک زبردست اور ساتھ ہی ساتھ مہربان حکومت کا سایہ ہے۔'' یہ تو یورپ کا خیال ہو اور ارمس صاحب ترکوں کو ظالم اور جابر قرار دیں۔ پھر یہ ان کا پادریانہ تعصب نہیں تو کیا ہے!

یکم مئی 1502ء وہ تاریخ ہے جس کا واقعہ کسی طرح واقعہ کربلا سے کم نہیں اس لیے کہ اس دن مسلمانوں کو اندلس سے جہاں انہوں نے آٹھ سو سال تک بڑے کروفر اور آن بان کے ساتھ سلطنت کی تھی' طرح طرح کے عذاب کے ساتھ نہایت غدارانہ و سفاکانہ طور پر دیس نکالا دیا گیا۔ سلطان سلیمان صاحبقران کا زمانہ حکومت 1530ء سے لے کر 1556ء تک ہے اور یہ وہ زمانہ تھا جس میں ترک آج کل کی طرح دولِ یورپ کے چوگان کی گیند نہ بنے ہوئے تھے بلکہ خود ان سے ہر نصرانی حکومت کی کور دبتی تھی۔ سپین کے مسیحی طرز عمل کو پیش نظر رکھ کر اگر سلیمان جس کی شمشیر آبدار ہنگری کے جگر میں پیر چکی تھی' اپنی سلطنت سے عیسائیوں کو اسی طرح نکال دیتا یا زبردستی مسلمان بنا لیتا جس طرح اس کے معاصرین فرڈینینڈ و ازابیلا نے کیا تھا تو وہ ہر طرح سے حق بجانب ہوتا۔ گو ارمس کی خاطر ہم اسے کچھ دیر کے لیے ''ظالم'' کہہ لیتے لیکن اس کی انسانیت اور شرافت نفس اس سے ظاہر ہے کہ جب اس نے جزیرہ روڈس کو طبقہ سینٹ جان کے ہیکلین سے فتح کیا جنہوں نے اس کا مقابلہ مدت تک جم کر نہایت بے جگری سے کیا تھا تو بجائے اس کے کہ وہ اسکندر کی طرح غیظ و غضب میں آ کر ان کو نیست و نابود کر دیتا یا فرڈی ننڈ و ازابیلا کی طرح ان کے آثار اور یادگاروں کو مٹا دیتا اس نے روڈس کے مسیحی باشندوں کو پوری مذہبی آزادی عطا کی اور حکم دیا کہ ان کے گرجاؤں کی بے حرمتی نہ کی جائے' بچے ان کے الدین سے نہ چھینے جائیں اور ان کے تمام مذہبی اماکن اور قومی علامات کو برقرار رہنے دیا جائے۔ چنانچہ مارشل مارمانٹ جس نے 1837ء میں روڈس کا سفر کیا۔ لکھتا ہے کہ ''تین سو پندرہ سال کا زمانہ ہوتا ہے کہ طبقہ سینٹ جان کے جلیل القدر ہیکلین کو دو سو بارہ سال تک اس جزیرہ پر قابض رہ کر آخری اپنی سپر ڈالنی پڑی۔ ترکوں نے اپنے بہادر حریفوں کا یہاں تک ادب کیا ہے کہ ہیکلین کا محلہ ابھی تک قائم ہے اور ہر گھر کے دروازے پر ابھی تک اپنے سابق مکین کا طغرائی اور معرکہ ابھی تک ثبت ہے۔ ہیکلین کی بنائی ہوئی عمارات بھی بدستور موجود ہیں اگرچہ ان میں آج کل کوئی رہتا نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان بہادروں کی روحیں یہاں مقیم ہیں۔'' مترجم

محمد عطا اللہ صدیقی

عیسائی یورپ میں عدم رواداری

قرونِ وسطیٰ کے عیسائی یورپ کو عدم رواداری کے جس بھیانک اور انسانیت سوز ادوار سے گزرنا پڑا' پوری اسلامی تاریخ سفاکانہ مذہبی جبر و استبداد کے ان واقعات سے ناآشنا و خالی ہے۔ جو لوگ پاکستان میں حالیہ برسوں میں ایک مختصر گروہ کی فرقہ وارانہ انتہا پسندی کو جواز بناتے ہوئے پورے عالم اسلام کو "غیر متحمل" اور خود اسلام کو "عسکریت پسند" (Militant) مذہب قرار دینے کا لغو پراپیگنڈہ کرتے ہیں' انہیں اٹھارہویں صدی سے پہلے کلیسا کی وحشت و بربریت کے ان تاریک ابواب کا مطالعہ ضرور کر لینا چاہیے' جس کا ادنیٰ سا تصور بھی انسان پر کپکپی طاری کر دینے کے لیے کافی ہے۔ یہ کلیسا کی ظالمانہ عدم رواداری ہی تھی کہ جس کے ردعمل میں یورپ کے دانشوروں نے رواداری کی تبلیغ کا آغاز ہی اس قابلِ فخر اعلان سے کیا تھا: "دین میں کوئی جبر نہیں" (البقرہ) اسلامی تاریخ کی مہتم بالشان رواداری ہی نے یورپی مفکرین کو فکری غذا فراہم کی تھی۔ اس احسان مندی کا اظہار یورپ کے کئی مورخین نے کھل کر کیا ہے۔

قرونِ وسطیٰ کے یورپ میں مذہب کے نام پر تشدد اور خون ریزی کا بازار گرم تھا' مذہبی اختلاف کی بناء پر برسر اقتدار طبقہ کے لوگ مخالفین کو آگ کے الاؤ میں جھونک دیتے تھے۔ معمولی معمولی سے اختلاف پر انسانوں کے سر قلم کر دیئے جاتے تھے۔ بعض اوقات مخالف فرقہ کے لوگوں کی بستیاں نذرِ آتش کر دی جاتی تھیں۔ اقتدار کے نشے میں سرشار کلیسا دوسروں پر اپنے نظریات کو بالجبر ٹھونسنا ایک اعلیٰ دینی خدمت تصور کرتا تھا۔ وہ مصر تھا کہ دنیاوی فلاح اور اُخروی نجات صرف اسی طریقے سے ممکن ہے' جو پادریوں کے تنگ نظر ٹولے نے ایجاد کر رکھا تھا' چاہے اس کا عیسائیت کی بنیادی تعلیمات سے تعلق ہو یا نہ ہو' وہ عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کی تعبیر و تشریح کا حق کسی اور کو دینے کے لیے بالکل تیار نہ تھا۔ عیسائی یورپ میں فرقہ واریت کی کئی صورتوں نے جنم لیا۔ پندرہویں اور سولہویں صدی کے دوران یورپ فرقہ وارانہ آگ کے تنور میں بحیثیت مجموعی جلتا رہا۔ سولہویں صدی میں جنیوا (اٹلی) پر کالون (Calvin) چرچ کو اجارہ داری حاصل تھی۔ اس دور کا حال بیان کرتے ہوئے اس دور کا ایک مورخ لکھتا ہے:

''دین سے انحراف' دین کی اہانت' یا سفلی عمل کی سزا موت تھی۔ بدکاری کی سزا بھی موت تھی' لیکن یہ سزا دیتے وقت بھی جنس کا امتیاز کیا جاتا تھا۔ ملزمہ کو پانی میں ڈبویا جاتا اور مرد کا سر قلم کر دیتے تھے۔ البتہ سخت ترین سزائیں دین سے انحراف یا ارتداد کے مجرموں کے لیے تھیں'' (حوالہ: پاکستان' معاشرہ اور عدم رواداری' تالیف حسن عابدی' صفحہ نمبر 31)

کالون کے نظریات کے مطابق انسان پیدائشی طور پر گمراہ اور گناہ کا پتلا ہے اور ان چند افراد کے سوا جنہیں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر منتخب کر لیا ہے' باقی ساری انسانی نسل کی بخشش نہیں ہوگی۔ کالون چرچ کے ماننے والوں میں رواداری انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ 1554ء میں کالون کے حکم پر اس چرچ کے مخالف فلسفی و سائنسدان سرویٹس (Servetus) کو الحاد کے الزام میں زندہ جلا دیا گیا۔ اس طرح کے وحشیانہ اقدامات کے خلاف شروع شروع میں دبے لہجے میں صدائے احتجاج بلند ہونا شروع ہوئیں اور دانشوروں نے رواداری کی تلقین شروع کی۔

سولہویں صدی میں رواداری کی موثر ترین اور غالباً اکلین وکالت کاسٹیلین (Constellion) کی تحریروں میں ملتی ہے۔ سرویٹس کے جلائے جانے کے چند ماہ بعد اس کتاب De Haereticis an Perequendi کے نام سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں کاسٹیلین نے دعویٰ کیا کہ خدا کے نزدیک صرف وہی ایمان قابلِ قدر ہے' جو روح کی گہرائیوں سے جنم لے۔ باہر سے ٹھونسا جانے والا ایمان کبھی سچا نہیں ہوتا۔ خدا کے نزدیک اس کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ خدا عادل ہے' لہٰذا وہ اس کو نجات کی شرط نہیں بنا سکتا کہ انسان ان غیر یقینی عقیدوں کو قبول کرے' جن پر عیسائی عرصہ دراز سے ایک دوسرے کے گریبان پھاڑ رہے تھے۔ انسانوں کو اگر ان عقیدوں کے لیے سزا دی جانے لگی' جن کا وہ اقرار کرتے ہیں تو پھر یہ خدشہ رہے گا کہ مخلص اور سچے کو سزا مل جائے اور منافقین سزا سے بچ جائیں۔ رومن کیتھولک چرچ کی جانب سے وحشت ناک عدم رواداری کا مظاہرہ کیا گیا۔ کیتھولک چرچ کا ٹریبونل اپنے مخالفین' جنہیں وہ ملحد کا نام دیتے تھے' سے پوچھ گچھ (Inquisition) کے بعد انہیں عبرتناک سزائیں دیتا۔ کیتھولک چرچ کی اسی مذہبی انتہا پسندی کے خلاف مارٹن لوتھر نے اصلاحی تحریک (Reformation) شروع کی تھی۔ قرونِ وسطیٰ کے زمانے کے یورپ میں دو تصورات قبول تھے۔ ایک کا تعلق نجات یا دوسری زندگی کے ساتھ ملاپ سے تھا۔ نجات کا دارو مدار محض اچھی اور نیک زندگی بسر کرنے پر نہ تھا بلکہ خدا اور انسان کے ساتھ اس کے رابطوں سے متعلق مخصوص عقیدوں کو قبول کرنا بھی ضروری تھا۔ دوسرے کا تعلق چرچ سے تھا۔ سمجھا یہ جاتا تھا کہ خدا نے صرف چرچ کو ان عقائد کی تعلیم دینے کا اختیار دے رکھا ہے جو نجات کے لیے ضروری ہیں۔ مارٹن لوتھر نے اس تصور کو چیلنج نہیں کیا کہ نجات کا انحصار مخصوص عقائد پر ہے۔ درحقیقت اس نے پوپ اور کلیسا کے ان تمام اعلیٰ حکام کی بالادستی کو مسترد کر دیا جو اس سے اختلاف رکھتے تھے۔ اس نے یہ دعویٰ کیا کہ ہر عیسائی کو لازمی طور پر ان مذہبی صحیفوں کی تعبیر و توجیہ خود کرنی چاہیے' جن میں نجات کے تصور سے متعلق معاملات درج ہیں۔ مگر یہ امر

حیران کن ہے کہ کیتھولک چرچ کی آمریت کے خلاف بغاوت کا علم بلند کرنے والا مارٹن لوتھر بالآخر خود بھی اسی مذہبی تنگ نظری کی طرف مائل ہوگیا۔ آخر میں لوتھر نے یہ ماننے سے انکار کردیا کہ اس کی اپنی تفسیر وتوجیہ سے گہرا اختلاف رکھنے والے مسلمہ عیسائیوں کو بھی اپنے عقیدوں کے پرچار کا حق حاصل ہونا چاہیے۔

پاپائیت کے خلاف مارٹن لوتھر کی بغاوت نے یورپ میں مذہبی عدم رواداری کے شعلوں کو مزید بھڑکایا۔ مختلف مذاہب کے درمیان تصادم کا ایک طویل عہد شروع ہوگیا۔ مغربی یورپ کے بڑے حصے میں جلد ہی عیسائیوں کی ایسی کئی منظم انجمنیں بن گئیں، جن میں ہر کوئی سچائی پر اجارہ داری کی دعویدار تھی۔ یہ انجمنیں اس امر کا فیصلہ بھی کرنے لگیں کہ کون سے چھوٹے عقیدے ناقابلِ برداشت ہیں۔ ان میں اکثر انجمنیں تنگ نظر اور غیر روادار تھیں۔ جن میں تھوڑی بہت رواداری موجود تھی، وہ بھی اصل میں مصلحت کے تحت روادار تھیں کیونکہ ان کو دوسروں کا نشانہ بننے کا خطرہ لاحق تھا۔ (حوالہ: انسان دوستی، لبرل ازم، جمہوریت، از اقبال خان)

عدم رواداری کی صورت اس قدر گھمبیر ہوگئی کہ بالآخر برطانوی پارلیمنٹ کو 1680ء میں رواداری ایکٹ (Toleration Bill) منظور کرنا پڑا۔ انگریزی قوم کلیسا کے تشدد سے اس قدر بیزار تھی کہ "برطانوی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے یہ بل بغیر کسی بحث وتمحیص کے منظور کردیا" (لارڈ میکالے) اس ایکٹ کا لب لباب یہ تھا کہ مخالف رائے رکھنے والوں کو ہر طرح کی سزا سے مبرا قرار دے دیا گیا۔ اس کا اہم اصول یہ تھا کہ مذہبی اختلاف کی بناء پر مجسٹریٹ کو سزا دینے کا اختیار نہیں ہے۔ اس ایکٹ نے لوگوں کو چرچ سے باہر بھی عبادت کرنے کے حق میں ضمانت دی۔ (حوالہ آکسفورڈ ڈکشنری + انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا)۔

یہ ایکٹ یونہی منظور نہ ہوگیا، اس کے پس منظر میں برطانوی دانشوروں کی انتھک کاوشیں کارفرما تھیں۔ شہرہ آفاق برطانوی فلاسفر جان لاک، جسے دورِ جدید کی جمہوری آزادیوں کا باوائے آدم سمجھا جاتا ہے، نے 1869ء میں اپنی معروف کتاب "A Letter Concerning Toleration" (رواداری کے بارے میں ایک مراسلہ) کے عنوان سے شائع کی۔ جان لاک نے اپنی اس مختصر مگر مؤثر کتاب میں کلیسا کے ظلم وستم کی بیحد المناک تصویر کھینچی۔ اس نے قوت کے زور پر مخالفین کو دبانے کے تصور کی مخالفت کی۔ کاسیلین کی طرح اس نے بھی جبر وتشدد سے دوسروں کے عقائد مسلط کرنے کو غلط قرار دیا۔ وہ اپنی اس کتاب کے آغاز میں لکھتا ہے:

"یہ تو اس شخص کی بڑی زیادتی ہے، جسے خود اپنی نجات کی تو کوئی فکر نہیں، لیکن بڑی شدت سے مجھے یہ باور کرا رہا ہے کہ میری نجات کے لیے وہ بے حد فکر مند ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے عیسائی عقیدے کو تہہ دل سے قبول نہیں کیا، یہ کیسے ممکن ہے کہ وہی لوگ پورے اخلاص اور قلبی تعلق کے ساتھ دوسروں کو عیسائی بنانے کے لیے ہمہ تن سرگرم ہو جائیں۔ اگر آسمانی کتاب کو اور جناب مسیح کو برحق مان لیا

جائے تو کوئی شخص اس وقت تک عیسائی نہیں ہو سکتا جب تک وہ خیرات نہ کرے اور اس کے اندر وہ ایمان نہ ہو جو بزورِ طاقت نہیں بلکہ محبت سے پیدا ہوتا ہے۔ اب میں ان لوگوں سے اپیل کرتا ہوں کہ جو مذہب کو بہانہ بنا کر دوسروں کو سزا اور اذیت دیتے ہیں' قتل کرتے اور تباہی پھیلاتے ہیں کہ کیا وہ ستم زدہ لوگوں کے ساتھ یہ سلوک دوستی اور محبت کے جذبے سے کرتے ہیں یا نہیں کرتے؟ اور میں اس وقت تک ان کے کسی دعویٰ پر یقین نہیں کروں گا' جب تک یہ نہ دیکھ لوں کہ یہ پرجوش مبلغ صحیفۂ آسمانی سے انکار اور گناہ گار ہونے کی بناء پر اپنے دوستوں اور شناساؤں کی اصلاح بھی اسی طرح کرتے ہیں۔ اور اپنی برادری کے لوگوں کو بھی جو کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہیں' اسی طرح آگ میں جلاتے ہیں اور ان کے سر قلم کرتے ہیں' کیونکہ اصلاح کے بغیر یہ گناہگار ہمیشہ جہنم میں پڑے رہیں گے اور جب میں ان کی روحانی نجات کی خاطر یہ دیکھوں گا کہ یہ مصلح صاحبان خود اپنے لوگوں کو بھی اسی طرح اذیت دیتے اور ان پر طرح طرح کے ظلم توڑتے ہیں تو مجھے ان کے بیان پر یقین آ جائے گا۔"

جان لاک مذہبی جنونیوں کی بربریت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"وہ دوسرے لوگوں کو گھر بار سے بے دخل کرتے ہیں' سنگین اذیت دے کر انہیں مفلوج کر دیتے ہیں' انہیں بھوکا مارتے ہیں' انہیں پاگل خانوں میں پھینکتے ہیں اور آخر کار ان کی جان لے لیتے ہیں۔ وہ اپنے دعوے کے بموجب یہ سب کچھ خیر کے جذبے سے اور دوسرے لوگوں کی روحانی تطہیر کی خاطر اور ان سے محبت کی بناء پر کرتے ہیں۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ اگر یہ سب کچھ انہیں بہتر عیسائی بنانے کے لیے اور ان کی روحانی ترقی کی ضرورت سے کیا جاتا ہے تو پھر ایسا کیوں ہے کہ وہ اپنے درمیان جسم فروشی کی لعنت کو' کینہ پروری اور فریب دہی اور ایسی ہی دیگر بھیانک برائیوں کو برداشت کر لیتے ہیں...... پھر خدائے بزرگ کے لیے کلیسا کے لیے' اور انسانی روحوں کی نجات کے لیے ان لوگوں کے اندر یہ خواہش آگ کی طرح کیوں دہک رہی ہے۔ سچ مچ کی آگ اور الاؤ دوسروں کو جلانے کے لیے" (ترجمہ: حسن عابدی۔ کتاب "پاکستان' معاشرہ اور عدم رواداری" صفحہ 141)

لاک رواداری کی ترغیب دیتے ہوئے اسلام کے تصورِ رواداری کے بہت قریب پہنچا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ وہ لکھتا ہے: "اگرچہ ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ دوسروں کو ان عقیدوں کی طرف مائل کرنے کی کوشش کرے' جن کو وہ درست اور اہم سمجھتا ہے' لیکن اس مقصد کی خاطر قوت استعمال کرنے کا حق کسی کو نہیں" (ایضاً)

ایک اور مقام پر وہ بے حد مؤثر اسلوب میں لکھتا ہے:

"حکمرانوں کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ عقیدوں کا فیصلہ کریں اور عوام کو کسی خاص مذہب کو ماننے یا رد کرنے کی ترغیب دیں۔ عقائد سے حاکموں کا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ اگر حکمران جبر و تشدد سے کام لے کر عوام کو کوئی عقیدہ ماننے پر مجبور کر دیں تو بھی وہ اُن کی روحوں کو نہ بچا سکیں گے۔ اس کی وجہ سیدھی سادی ہے' اور وہ یہ ہے کہ عقیدے کو رضامندی اور خلوصِ دل سے قبول کرنے پر ہی نجات حاصل ہو سکتی

ہے۔"

جان لاک پادریوں کے عیسائی معاشرے میں کردار کو ناگزیر تسلیم نہیں کرتا۔ اس کے الفاظ میں:

"کچھ لوگ یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ کوئی سوسائٹی یا جمعیت صحیح معنوں میں کلیسا نہیں ہو سکتی جب تک اس میں ایک بشپ نہ ہو یا کوئی پادری نہ ہو، جسے بالاتر اختیار حاصل ہو یعنی انہی آسمانی صحیفوں کے ذریعے جو کسی مداخلت کے بغیر زمانہ قدیم سے تاحال منتقل ہوتے چلے آئے۔ معترضین کو میرا جواب یہ ہے) سب سے پہلے تو ہمیں وہ فرمان دکھایا جائے جس میں حضرت عیسیٰ نے کلیسا پر یہ قانون نافذ کیا ہو" (ایضاً...... صفحہ 150)

معروف اطالوی فلسفی سپنوزا جسے خود کلیسا کے ظلم و ستم کا نشانہ بننا پڑا، 1670ء میں شائع ہونے والی اپنی کتاب میں ان خیالات کا اظہار کرتا ہے: "وہ ہر شے کے بارے میں آزادی سے سوچنے کا حق رکھتا ہے، اگر حکمران عوام کے لیے مذہبی عقیدوں کا تعین کرنے لگیں تو پھر اس سے انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ اسی زمانے میں ایک اور مفکر Bell نے اسی امر کی وکالت کی کہ عقیدے کے معاملے میں سختی سے کام لیا جائے تو پھر منافقت پروان چڑھتی ہے، یوں معاشرے کی بنیاد کو نقصان پہنچتا ہے کیونکہ منافقت کی بنیاد پر کوئی اچھا معاشرہ تعمیر نہیں کیا جا سکتا۔ Bell بذاتِ خود ملحد نہیں تھا۔ اس کا عقیدہ تھا: ایمان بہت اہم شے ہے لہٰذا اگر بدعت، الحاد اور شرع کی خلاف ورزی جرائم ہیں تو انہیں سنگین جرائم سمجھنا چاہیے۔ گویا ان کی سزا بھی سخت ہونی چاہیے۔ دوسری طرف اگر یہ جرائم نہیں ہیں تو پھر ان کی کوئی سزا نہیں ہونی چاہیے۔ وہ الحاد کو بہت بڑا جرم نہیں سمجھتا تھا۔ اسی لیے اس نے یہ تصور پیش کیا کہ غلطی کرنے والا ضمیر بھی اتنے ہی حقوق رکھتا ہے جتنے صاحب ضمیر اور وہ موخر الذکر کی طرح عزت و احترام کا حقدار ہے، یہاں تک کہ ملحدوں کو بھی برداشت کرنا چاہیے۔ وہ کہتا ہے: "البتہ جو شخص رواداری کا قائل نہ ہو اس کے ساتھ عدم رواداری بجا ہو سکتی ہے۔ مذہب سے انحراف کرنے والوں کو سزا دینے کا نظریہ مذہبی نہیں بلکہ سیاسی ہے۔"

کلیسا کے مذہبی معاملات میں اس تشدد پسندی کے رجحان نے بالآخر یورپ میں مذہب کے خلاف باغیانہ رویوں کو جنم دیا۔ یورپی دانشور ریاست کے معاملات میں مذہب کی ہر طرح کی مداخلت کی مخالفت پر اتر آئے۔ اسی طرح یورپ کا تشخص مذہبی سے سیکولر ہو گیا۔ اقبال خان کا درج ذیل تجزیہ بیحد مناسب ہے:

"قرونِ وسطیٰ کی مغربی دنیا میں ایمان کی حفاظت اور اس کی تعلیم و اشاعت کا کام ریاست کی بجائے کلیسا کے سپرد تھا۔ بس یہ تھا کہ پادری جن لوگوں کو مجرم قرار دیتے تھے، ریاستی اہلکار (مجسٹریٹ) ان کو سزا دیا کرتے تھے۔ اس طرح دنیائے مغرب میں یہ نظریہ مقبول ہوا کہ مذہبی امور ریاست کے دائرہ کار سے خارج ہیں۔ ریاست کا یہ کام نہیں کہ وہ لوگوں کے عقیدوں کا حساب کرتی پھرے۔"

(انسان دوستی، لبرل ازم، جمہوریت، صفحہ 32)

اٹھارہویں صدی کے آغاز تک یورپ فرقہ وارانہ بہیمیت سے تنگ آچکا تھا۔ بالآخر عرصہ دراز تک مخالفانہ عقائد رکھنے والوں کے درمیان بھیانک جنگوں کے بعد یورپ میں رواداری کے نظریات کو پذیرائی ملنا شروع ہوئی۔ اہل یورپ نے رواداری کو ایک آزادانہ انتخاب کی بجائے ایک کڑوی گولی سمجھ کر قبول کیا۔ یہ حالات کا جبر تھا کہ وہ رواداری اختیار کرنے پر مجبور ہوئے' انہوں نے مصلحت کوشی کے تحت اپنے مخالفین کو برداشت کرنا سکھایا۔ اقبال خان کے بقول: ''جب یہ یقین بڑھا کہ رواداری میں فائدہ ہے تو ساتھ ہی اسے اچھا بھی خیال کیا جانے لگا۔ پھر بھی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حالیہ زمانے تک رواداری کو مصلحت کے تحت ہی قبول کیا جاتا رہا ہے۔ حکومتوں نے تجربے سے یہ سبق سیکھا کہ جب کبھی وہ مختلف عقیدوں کی موجودگی برداشت کرنے کی بجائے قوت کے بل بوتے پر کسی ایک عقیدے کو مسلط کرنے کی کوشش کرتی ہیں تو اس سے بدنظمی بڑھ جاتی ہے۔ دوسری طرف مذہبی رہنماؤں نے تجربے سے یہ سیکھا کہ اگر وہ قوت حاصل ہونے پر دوسروں کو ظلم کا نشانہ نہ بنائیں تو بدلے میں انہیں بھی کمزور ہونے کی صورت میں دوسروں کے ظلم کا نشانہ نہ بننا پڑے گا...... بہر طور مغرب کی تاریخ سے ہم یہ نتیجہ اخذ نہیں کرسکتے کہ ایذا رسانی اور تنگ نظری کے زمانے کے بعد ہمیشہ رواداری اور آزادی اظہار کا عہد طلوع ہوتا ہے۔ یہاں ہم صرف اس حقیقت کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ ایک حصہ میں' جہاں مذہب کو ایک عجیب سی اہمیت دی جاتی تھی' ظلم ڈھانے والوں اور تبلیغی فرقوں اور کلیساؤں کے درمیان طویل عرصہ تک شدید کشمکش جاری رہی' اس کشمکش میں کسی ایک فرقے یا کلیسا کو مکمل بالادستی حاصل نہ ہوسکی اور پھر وہیں رواداری اور آزادی اظہار کو باقی ساری دنیا کے مقابلے میں زیادہ اہم سمجھا جانے لگا۔'' (صفحہ 29-31)

یہ تو تھا پاکستان کے ایک ''لبرل'' کا تبصرہ۔ اب ذرا مندرجہ بالا سطور میں یورپ میں عدم رواداری سے رواداری کے سفر پر غور سے تجزیہ کیجئے اور پھر اس کا موازنہ اسلامی تاریخ کے روشن ادوار سے کیجئے۔ خدالگتی تو یہی ہے کہ عیسائی یورپ اور اسلامی تاریخ قابل موازنہ ہی نہیں ہیں' اسلامی تاریخ میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے کہ کسی مذہبی عالم' فقیہ یا محدث کی ہدایت پر کسی مذہب مخالف دانشور کو کسی سرکاری اہلکار نے آگ میں جھونکنے یا کسی سخت سزا سے دوچار کرنے کا حکم دیا ہے۔ بلکہ اسلامی تاریخ کا تو معاملہ اس کے برعکس ملتا ہے۔ مسلمانوں کی عظیم مذہبی شخصیات کو محض اس بناء پر کوڑے مارے گئے یا گدھے کی سیر کرائی گئی کہ انہوں نے خلیفۂ وقت کی مذہبی معاملات میں مداخلت کی تائید نہیں کی تھی۔ عباسی خلیفہ مامون الرشید نے معتزلہ' جو کہ اُس دور کے ''روشن خیال'' کہلاتے تھے' کے عقائد کو قبول کرنے کے بعد حکم دیا کہ جو ان عقائد کو تسلیم نہیں کرے گا' اسے سخت سزا دی جائے گی۔ امام احمد بن حنبل نے ''خلق قرآن'' کے عقیدے کو ماننے سے صریحاً انکار کردیا تو ان کی پیٹھ پر کوڑے مارے گئے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کو بھی حکمرانوں کے ظلم وستم کا نشانہ بننا پڑا۔ مگر اس کے مقابلے میں ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی تاریخ میں کسی ایسے فلاسفر کو کوڑے نہ مارے گئے جن کے نظریات اسلام سے متصادم تھے۔

اسلامی تاریخ کے معروف فلاسفر' فارابی' ابن یعقوبی' ابن رشد' ابن سینا نے سقراط' افلاطون اور

ارسطو کے نظریات کے زیر اثر ایسے نظریات بھی اپنا لیے تھے' جو اس وقت کے جید علماء کے نزدیک الحاد پر مبنی تھے۔ مگر ان میں سے کسی کو بھی اذیت ناک سزاؤں سے نہ گزرنا پڑا' بلکہ ابن رشد تو کافی عرصہ تک قرطبہ کے قاضی کے عہدے پر بھی فائز رہا۔ مسلمانوں کی غیر مسلموں سے رواداری کی ایک شاندار مثال یہ ہے کہ مشرق وسطیٰ میں ان کے چودہ سو سال حکمرانی کے باوجود لبنان' عراق اور یمن وغیرہ میں عیسائیوں کی ایک کثیر تعداد ابھی تک موجود ہے۔ اہل یورپ تو اپنی تمام تر روشن خیالی اور رواداری کے دعوؤں کے باوجود آج بھی یورپ کے مسلمانوں کی موجودگی کو برداشت نہیں کر رہے۔ فرانس' جرمنی اور برطانیہ میں مسلمانوں کو نکالنے کی تحریکیں چل رہی ہیں۔ آج سے دو سو سال پہلے تو یورپ میں مسلمانوں کی موجودگی تقریباً ناممکن تھی۔ سپین میں جس طرح انہوں نے مسلمانوں کا قلع قمع کیا وہ انسانی تاریخ کا ایک افسوسناک باب ہے۔ حالیہ تاریخ میں یورپ کی مہذب ترین قوم یعنی جرمن نے یہودیوں کا جو حشر کیا یہودی اب بھی اس Haulocast کا ہر سال ماتم کرتے ہیں۔ یورپ میں اب بھی فرقہ وارانہ فسادات کبھی کبھار سر اٹھاتے ہیں۔ 1994ء اور 1997ء میں آئر لینڈ میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں میں خونی تصادم کے نتیجہ میں سینکڑوں افراد جاں بحق ہوگئے۔ یہ وہ ننگے حقائق ہیں جن سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ آج کی عیسائی قیادت اپنے آباؤ اجداد کے وحشیانہ ظلم و ستم پر آج بھی نادم ہے۔ مارچ 2000ء میں پوپ پال دوم نے ماضی میں کلیسا کے ظلم و ستم پر یہودیوں' مسلمانوں اور ہر قوم سے معافی مانگی جو اس ظلم کا شکار ہوئی' مگر مسلمانوں کو اپنی شاندار تاریخ پر فخر ہے' انہیں مذہب کے نام پر کسی قوم پر ڈھائے جانے والے کسی ظلم پر آج بھی کسی سے معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔

عبدالوحید خان

عیسائیت عالمی مذہب نہیں ہے

جنابِ یسوع مسیح ؑ کی تعلیمات خود منہ سے بولتی ہیں کہ وہ نہ ساری دنیا کے لیے پیامِ ہدایت کی حیثیت رکھتی ہیں، نہ ہر دَور اور ہر زمانے کے لیے رہنمائی کا سامان مہیا کرتی ہیں۔ جہاں تک اس کی بنیادی تعلیمات اور پیغام کا تعلق ہے، جنابِ یسوع کا دین اسلام سے مختلف کوئی دین نہیں تھا لیکن اس میں زندگی کے ہر شعبہ اور ہر پہلو، ہر دور اور ہر زمانے اور روئے زمین کے ہر حصہ کے لیے جامع ہدایت و رہنمائی موجود نہیں ہے۔ تاریخ انسانیت کے صدیوں پر پھیلے ہوئے ریکارڈ پر نظر ڈالیے تو پتہ چلتا ہے کہ انسانیت ہزاروں سال اس حال سے دو چار رہی ہے کہ مختلف قومیں اور نسلیں مختلف علاقوں کے اندر محدود تھیں اور آپس میں ایک دوسرے سے ربط ضبط اور میل جول کے ایسے ذرائع موجود نہیں تھے کہ لوگ آسانی سے ایک دوسرے سے مل سکیں یا ایک دوسرے کی علمی، تمدنی اور روحانی ترقی سے باہم استفادہ کر سکیں۔ چنانچہ اس دور میں اللہ تعالیٰ نے بھی مختلف خطوں اور اقوام میں الگ الگ انبیاء مبعوث کیے۔ جنابِ یسوع بھی اسی طرح ایک قوم کے لیے ہادی و رہبر اور معلم اخلاق بنا کر بھیجے گئے، بلکہ زیادہ واضح الفاظ میں حقیقت یہ ہے کہ جنابِ یسوع بنی اسرائیل کے لیے مسیحا بن کر آئے تھے۔ یہ محض ہمارا دعویٰ نہیں عیسائی محققین خود بھی اسی نتیجے پر پہنچے ہیں اور اسی حقیقت کے معترف ہیں۔ عیسائیت کا ایک مستند عالم ڈاکٹر سی جے کیڈوکس جنابِ یسوع کے محدود قومی مشن پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> ''یسوع اپنے آپ کو مسیحائی کے جس منصب پر فائز سمجھتے تھے اس سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ وہ پوری انسانیت کے بجائے صرف اپنی قوم کی اصلاح کو اپنا فریضہ اور اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جنابِ یسوع اور ان کے شاگرد اپنی تبلیغ اور مسیحائی قوتوں کے مظاہرے صرف یہودیوں کے علاقوں تک محدود رکھتے نظر آتے ہیں۔ اور ایک موقع پر جب ایک غیر قوم کی لڑکی ان کے پاس شفا کے لیے لائی جاتی ہے تو وہ اس کے علاج سے ہچکچاتے ہیں۔''

پہلے ہر قوم میں کم و بیش اسی میں سے نبی اور ہادی بھیجے جاتے رہے یہاں تک کہ دنیا ذہنی اور

مادی ارتقاء کے اس مقام پر پہنچ گئی جہاں مشیت الٰہی نے ایک ایسے پیغمبر اور ہادی کو بھیجنا موزوں اور مناسب جانا جو نہ صرف پوری دنیا کی ہدایت و رہنمائی کرے بلکہ اپنے بعد کے آنے والے تمام زمانوں کے لیے قیامت تک اس کی ہدایت اور اس کی تعلیمات بالکل کافی، مکمل اور جامع ہوں یعنی انسانیت کو ایک عالمی اور آفاقی مذہب عطا کردیا جائے۔ چنانچہ جب دنیا مختلف پہلوؤں سے ترقی کرکے ایک بڑی وحدت اور اکائی میں تبدیل ہوگئی تو خدائے علیم وخبیر نے حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خاتم النبیین اور تمام پچھلے پیغمبروں کی تعلیمات کا جامع بنا کر دُنیا میں بھیجا۔ یہ پیغامِ ہدایت رنگ و نسل، قوم اور زبان ساری حدود سے بلند و بالا ایک عالمی ضابطۂ ہدایت تھا جس نے ان تمام تحریفات اور حذف و اضافہ کے جنگل کو صاف کردیا جو گوناگوں انسانی اغراض و مفادات نے کلامِ الٰہی میں مختلف زمانوں میں پیدا کردیا تھا اور اللہ کا پیام اور بندوں کے لیے زمین پر زندگی گزارنے اور آخرت میں فلاح و کامرانی سے ہمکنار ہونے کا بے لاگ نسخہ ہدایت، ہر رطب و یابس سے پاک اور آئندہ ہر ترمیم اور مداخلت سے محفوظ کرکے عالم انسانیت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میسر آگیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام محدود مذاہب اور الگ الگ اقوام کے ضابطہ ہائے ہدایت کو ایک عالمی ضابطۂ ہدایت میں تبدیل کردیا اور انسانیت کو رنگ، نسل، زبان اور جغرافیائی حدود کی تنگنائیوں سے نکال کر ایک عالمی برادری اور آفاقی اخوت کے سانچے میں ڈھال دیا۔

یہاں بجاطور پر ہمارے عیسائی دوست یہ سوال اٹھا سکتے ہیں کہ آخر وہ عالمی برادری اور وہ عالمگیر ضابطۂ ہدایت اسلام کیوں ہے؟ عیسائیت کیوں نہیں؟ اور جناب یسوع کو کیوں ساری دنیا کے لیے نجات دہندہ اور ہادی و رہبر نہ مانا جائے؟ اس کا جواب ہم خود نہیں دیں گے۔ اس کا جواب انجیل سے معلوم کیجئے۔ جنابِ یسوع کا ارشاد ہے:

> ''یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں، کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا۔ جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔'' (متی 5-18،17)

جنابِ یسوع سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے پیغمبروں اور نبیوں نے جو تعلیمات دیں وہ اس وقت مذاہب عالم کی تاریخ کا ایک حصہ بن چکی تھیں لیکن جنابِ یسوع اس تاریخ میں کسی تبدیلی کا داعیہ یا پروگرام لے کر تشریف نہیں لائے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ یہ نہ کہتے کہ میں تو اسی پروگرام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے آیا ہوں جو اس سے پہلے تمہیں دیا جاچکا ہے۔ کوئی نیا پروگرام میرے پیش نظر نہیں ہے۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ جنابِ یسوع کا مقصود اور نصب العین کیا تھا۔ خدا نے کس غرض کے لیے انہیں دنیا میں بھیجا۔ اس بات کو کسی اور سے معلوم کرنے کے بجائے بہترین اور صحیح ترین طریقہ یہ ہے کہ خود ارشاداتِ جنابِ مسیح سے یہ حقیقت اخذ کی جائے۔ جنابِ یسوع اس موضوع پر نہایت بے لاگ اور

دو ٹوک انداز میں ارشاد فرماتے ہیں:

"میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔" (متی 15-24)

اس کے بعد دوسری جگہ اسی کی توثیق کی جاتی ہے کہ:

"ابن آدم کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈنے اور نجات دینے آیا ہے۔" (متی 18-11)

اس سے واضح ہوا کہ جناب یسوع کی تعلیمات کے مخاطب صرف بنی اسرائیل تھے' دوسری اقوام ہرگز ان کی مخاطب نہ تھیں۔ بعض عیسائی دوست یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جناب یسوع نے اپنے پیروکاروں کو یہ بھی تلقین کی تھی کہ وہ دوسری اقوام کو بھی ان کا پیامِ ہدایت پہنچائیں اور اس کی دلیل کے طور پر وہ انجیل متی کی یہ آیت پیش کرتے ہیں:

"پس تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ اور ان کو باپ بیٹے اور روح القدس کے نام سے بپتسمہ دو۔" (متی 28-29)

لیکن اس سے یہ کس طرح اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جناب یسوع نے اپنے پیروکاروں کو بنی اسرائیل کے علاوہ دوسری اقوام تک اپنا پیام پہنچانے کی ہدایت کی ہے۔ اناجیل کی تمام تعلیمات و تفصیلات کی روشنی میں زیادہ سے زیادہ اس آیت کا جو مفہوم لیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ جناب یسوع نے اپنے پیروکاروں کو ہدایت کی کہ وہ بنی اسرائیل کی تمام شاخوں اور تمام قبیلوں تک جناب یسوع کا پیغام پہنچا دیں۔ تمام اقوامِ عالم اس سے مراد نہیں لی جاسکتیں جبکہ جناب یسوع کا اپنا ہی ایک واضح ارشاد یہ ظاہر کر رہا ہے کہ وہ صرف بنی اسرائیل کی اصلاح و ہدایت کے مشن پر دنیا میں بھیجے گئے ہیں۔ جناب یسوع نے اس پہلو سے کوئی ابہام باقی ہی نہیں رہنے دیا۔ آپ کا ارشاد ملاحظہ ہو:

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب ابن آدم نئی پیدائش میں اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا تو تم بھی جو میرے پیچھے ہو لیے ہو بارہ تختوں پر بیٹھ کر اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انصاف کرو گے۔" (متی 19-28)

ایک کنعانی عورت اپنی لڑکی کے علاج کے لیے یسوع کے پاس آتی ہے تو جناب یسوع علیہ السلام ان الفاظ میں اس کے علاج سے پہلوتہی کا سبب بیان فرماتے ہیں کہ:

"میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔" (متی 15-24)

اور اس کے بعد اس عورت کے اصرار کے جواب میں یوں کہا کہ:

"لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں۔" (متی 15-26)

ایک اور مقام پر جناب یسوع اپنے شاگردوں کو واضح الفاظ میں ہدایت دیتے ہیں:

"غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ

اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔" (متی 10-6,5)

ظاہر ہے کہ اس ہدایت کا یہ مفہوم کسی طرح بھی نہیں لیا جاسکتا کہ عیسائی مبلغ پہلے بنی اسرائیل کی بستیوں میں جائیں اور پھر دوسری اقوام کی آبادیوں کا رخ کریں کیونکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانے کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ عیسائی مبلغ ان بستیوں کی سیر کریں' بلکہ مقصود یہ ہے کہ انہیں عیسائی تعلیمات کا قائل کریں اور انہیں عیسائی بنائیں اور جب تک بنی اسرائیل عیسائیت قبول نہیں کرلیتے اس وقت تک کسی اور قوم کی طرف ہرگز توجہ نہ دی جائے۔ جناب یسوع نے اپنے ارشادات میں یہ حقیقت بھی واضح کردی ہے کہ بنی اسرائیل میں عیسائیت کی تبلیغ اور انہیں ان عقائد کا حلقہ بگوش بنانے کا کام ان کے دوبارہ ظہور کے بعد ہی پایہ تکمیل کو پہنچ سکے گا۔ جناب یسوع کا ارشاد ملاحظہ ہو:

"لیکن جب تم کو ایک شہر میں ستائیں تو دوسرے کو بھاگ جاؤ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم اسرائیل کے سب شہروں میں نہ پھر چکو گے کہ ابن آدم آجائے گا۔" (متی 10-23)

اس ہدایت سے یہ حقیقت اور نکھر جاتی ہے کہ یسوع کا منشاء یہ ہے کہ عیسائی مبلغ اس وقت تک اس جدوجہد میں مصروف رہیں جب تک کہ بنی اسرائیل کی تمام بستیاں عیسائیت قبول نہ کرلیں۔ ان کا منشاء یہ نہیں ہے کہ مبلغ ان بستیوں میں گھوم آنے کی محض رسم پوری کردیں۔ اور بنی اسرائیل کی تمام بستیاں اس وقت تک عیسائیت قبول نہیں کریں گی جب تک کہ جناب یسوع آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد دوبارہ ظاہر نہ ہو جائیں۔ اب ہمارے عیسائی دوست خود ہی فیصلہ کرلیں کہ تمام بنی اسرائیل کے عیسائیت قبول کرلینے سے پہلے جو جناب یسوع کے دوبارہ ظہور سے قبل ممکن نہیں' غیر اقوام میں تبلیغ عیسائیت کر کے وہ جنابِ یسوع کی تعلیمات پر عمل کر رہے ہیں یا ان کی نفی اور خلاف ورزی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

جناب یسوع ہی نہیں ان کے بعد ان کے ولی جنہیں عہد نامۂ جدید میں رسول کہا گیا ہے' وہ بھی اس روش کو غلط قرار دیتے ہیں کہ جنابِ یسوع کی تعلیمات غیر بنی اسرائیل اقوام میں پھیلائی جائیں۔ رسولوں کے اعمال کے باب 11' فقرہ 19 کا یہ حوالہ ملاحظہ ہو:

"پس جو لوگ اس مصیبت سے پراگندہ ہو گئے تھے جو ستفنس کے باعث پڑی تھی وہ پھرتے پھرتے فینیقیہ' قبرص اور انطاکیہ میں پہنچے مگر یہودیوں کے سوا اور کسی کو کلام نہ سناتے تھے۔" (اعمال 11-19)

اسی طرح جب یسوع کے ان رسولوں کو پتہ چلا کر پطرس نے ایک جگہ غیر قوموں کو خدا کا کلام سنایا ہے تو وہ اس پر سخت برہم ہوئے:

"جب پطرس یروشلم میں آیا تو مختون اس سے یہ بحث کرنے لگے کہ تو نامختونوں کے پاس گیا اور ان کے ساتھ کھانا کھایا۔" (اعمال 11-3,2)

اس کے برعکس جناب محمد مصطفےٰ نے اپنی دعوت کا آغاز ہی اس حیثیت سے کیا کہ وہ تمام عالم انسانیت کے لیے ہادی ورہبر بن کر آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ اعلان فرمادیں:

"کہ لوگو میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا (یعنی اس کا رسول) ہوں۔"

(سورہ اعراف: 158)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اور (اے محمدؐ) ہم نے تم کو تمام جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

(سورۂ الانبیاء: 107)

اس سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے نزول کا مقصد ہی یہ تھا کہ مذاہب عالم کا اختلاف ختم کر کے انسانیت کو مختلف گروہوں اور فرقوں میں تقسیم ہونے سے بچایا جائے۔ یہ تقسیم اس سے قبل مختلف اقوام میں الگ الگ نبیوں کے ظہور اور مختلف علاقوں میں محدود تعلیمات کے باعث ناگزیر طور پر دنیا میں موجود تھی۔ اگر قرآن مجید نازل نہ ہوا ہوتا تو مختلف مذہبی گروہوں میں بٹا رہنا ہی انسانیت کا مقدر بن جاتا۔ ایک خدا' ایک رسول' ایک نظام کے تصور سے دُنیا کبھی آشنا نہ ہو سکتی' نہ ہی عالم انسانیت میں یہ احساس اُبھر سکتا کہ اس کا خالق ایک ہے اور اس پوری کائنات کی غایت تخلیق بھی ایک ہی ہے۔ اسلام کے طلوع سے قبل حالات عالم پر نظر ڈالیے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ مختلف مذاہب کے درمیان اختلاف وعناد اس انتہا کو پہنچ گیا تھا جہاں ایک ایسا دین ناگزیر ضرورت بن گیا جو ساری انسانیت کو مختلف نسلوں' برادریوں اور قوموں میں تقسیم کرنے کے بجائے ایک عالمی برادری کا علمبردار ہو۔

عیسائی بھی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل خدا کی چہیتی قوم ہیں اور خدا نے اپنی کتب ہدایت اور اپنے رسول اور پیغمبر صرف بنی اسرائیل ہی میں پیدا کیے ہیں۔ عیسائی حضرات تسلیم ہی صرف ان رسولوں کو کرتے ہیں جو بنی اسرائیل میں پیدا ہوئے۔ غیر اسرائیلی انبیاء ورسل کو وہ نبی اور پیغمبر تسلیم ہی نہیں کرتے۔ لیکن اسلام ہدایت کی اس نسلی اجارہ داری کو تسلیم نہیں کرتا کیونکہ اس اجارہ داری کو تسلیم کرنے کے معنی یہ ہوں گے کہ خدا تمام عالم انسانیت کا پروردگار اور مالک نہیں صرف ایک نسل اور ایک قوم کا خدا ہے' اسی لیے اس نے اپنے سارے پیغمبر اور نبی صرف بنی اسرائیل سے پیدا کیے ہیں۔

انجیل کا خدا صرف ایک قوم کا معبود ہے

انجیل سے واضح طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس میں خدا کا تصور صرف بنی اسرائیل کے مالک ومعبود کا تصور ہے۔ پوری کائنات اور ساری انسانیت کے خالق' مالک اور پروردگار کا تصور نہیں ہے۔ عہد نامۂ قدیم میں کہا گیا ہے:

"داؤد نے ابیجیل سے کہا کہ خداوند اسرائیل کا خدا مبارک ہو جس نے تجھے آج کے دن مجھ سے ملنے کو بھیجا۔" (سیموئیل 25-32)

"اور بادشاہ نے بھی یوں فرمایا کہ خداوند اسرائیل کا خدا مبارک ہو جس نے ایک وارث بخشا کہ وہ میری آنکھوں کے دیکھتے ہوئے آج میرے تخت پر بیٹھے۔"

(1- سلاطین 1-48)

"خداوند اسرائیل کا خدا ازل سے ابد تک مبارک ہو اور سب لوگ بول اٹھے۔ آمین۔ اور انہوں نے خداوند کی ستائش کی۔" (1- تواریخ 16-36)

"سو اس نے کہا خداوند اسرائیل کا خدا مبارک ہو جس نے اپنے منہ سے میرے باپ داؤد سے کلام کیا۔" (2- تواریخ 6-4)

"خداوند خدا اسرائیل کا خدا مبارک ہو۔ وہی عجیب و غریب کام کرتا ہے۔"

(زبور 72-18)

جناب یسوع علیہ السلام خود بھی اپنے آپ کو بنی اسرائیل کے لیے معلم اخلاق قرار دیتے ہیں اور اگر غیر اسرائیلی ان کی طرف ہدایت کے لیے رجوع کرتے ہیں تو وہ ان کو جواب دے دیتے ہیں۔ انجیل متی میں اس کی تفصیل ملاحظہ ہو:

"پھر یسوع وہاں سے نکل کر صور اور صیدا کے علاقے کو روانہ ہوا۔ اور دیکھو ایک کنعانی عورت ان سرحدوں سے نکلی اور پکار کر کہنے لگی۔ اے خداوند ابن داؤد! مجھ پر رحم کر۔ ایک بد روح میری بیٹی کو بہت ستاتی ہے۔ مگر اس نے اسے کچھ جواب نہ دیا اور اس کے شاگردوں نے پاس آ کر اس سے یہ عرض کیا کہ اسے رخصت دے کیونکہ وہ ہمارے پیچھے چلاتی ہے۔ اس نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ مگر اس نے آ کر اسے سجدہ کیا اور کہا اے خداوند میری مدد کر۔ اس نے جواب میں کہا لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں۔"

(متی 15-21-26)

غرض عہد نامہ جدید ہو یا عہد نامہ قدیم دونوں اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ ان کی تعلیمات اور ان کو پیش کرنے والے رسول اور پیغمبر صرف بنی اسرائیل ہی کو اپنی دعوت اور اپنی اصلاح کا مخاطب تصور کرتے تھے۔ ان کے پیش نظر اپنی تعلیمات تمام اقوامِ عالم تک پہنچانا ہرگز نہیں تھا۔

نادر عقیل انصاری

کرسمس کے تہوار کا تاریخی پس منظر

ہر سال 25 دسمبر کو دنیا بھر کے عیسائی 'کرسمس' یعنی یومِ ولادتِ مسیح علیہ السلام مناتے ہیں۔ یہ تہوار، دراصل، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یومِ پیدائش کی مناسبت سے منایا جاتا ہے، جو اپنے اندر ایک معجزانہ پہلو رکھنے کے ساتھ ساتھ عیسائیوں کے نزدیک ایک غیر معمولی روحانی خوشی کا موقع بھی ہے۔ ان کے عقیدے کے مطابق، جناب یسوع مسیح، کنواری مریم کے بطن سے پیدا ہوئے اور ابتدا ہی میں ان سے معجزات ظاہر ہونا شروع ہوئے۔ پھر انہوں نے یہودیت کی فرسودہ رسوم کی اصلاح کا کام سنبھالا اور شریعت کی روح کو نظر انداز کرنے اور ظاہری رسوم پر نجات کو منحصر سمجھنے پر یہود کے خلاف آواز بلند کی۔ عقیدہ و عمل کی گمراہیوں پر اس تنقید کی وجہ سے یہودیوں کے مذہبی پیشوا ان کے خلاف ہوگئے اور انہوں نے رومی حکمرانوں کو حضرت عیسیٰ کے خلاف بھڑکایا، یہاں تک کہ حکمرانوں نے رفع فساد کے ارادے سے انہیں صلیب دینے کا فیصلہ کرلیا۔ اگرچہ مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق یہود اور رومی حکام اپنے عزم میں کامیاب نہ ہوسکے اور اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے ہاتھوں سے بچالیا، لیکن عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے (جو ان کی چاروں اناجیل میں قدرے اختلاف کے ساتھ بیان ہوا ہے) کہ یسوع مسیح لوگوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کرتے ہوئے صلیب پر قربان ہوگئے اور تین دن کے بعد جی اُٹھے۔ اس طرح انہوں نے تمام لوگوں کے گناہوں کا بوجھ اور صلیب کا دکھ خود اٹھا کر، انسانوں کی فلاح کا راستہ کھول دیا۔ اب نجات کا واحد راستہ یہ ہے کہ انسان اس قربانی پر ایمان لائے، تاکہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوسکے۔ اس پس منظر میں ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ کی شخصیت اور ان کا یوم ولادت، دونوں ہی عیسائیوں کے لیے غیر معمولی مذہبی اور تاریخی اہمیت اختیار کر جاتے ہیں۔

تیسری صدی عیسوی کے عیسائی ماہرین تقویم کے نزدیک دنیا کی تخلیق مارچ کی 23 تاریخ کو ہوئی تھی۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش، عیسائیوں کے لیے، تخلیق عالم سے کم اہم واقعہ نہیں ہے، لہٰذا ان کا قیاس تھا کہ ان کی تاریخ پیدائش بھی 23 مارچ ہی ہونی چاہیے۔ گو تاریخ سے یقینی طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ یہ تہوار پہلی مرتبہ کس سن میں منایا گیا، لیکن 336ء میں روم میں اس تہوار کا سراغ ملتا

ہے اور یہ اس سلسلے کی قدیم ترین تاریخی شہادت ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ رومی حکمران کانسٹنٹائن نے کرسمس کے تہوار کی بنیاد رکھی۔ اصل میں روم کے عیسائی علماء نے تجویز کیا کہ مقامی بت پرستوں کے مقابلے میں عیسائیوں کی شناخت کے لیے بھی ایک تہوار ہونا چاہیے۔ چونکہ روم کے مشرکین ۶ جنوری کو اپنے ایک دیوتا کے احترام میں تہوار مناتے تھے' لہٰذا عیسائیوں نے بھی یہی تاریخ اپنے مقدس دن کے لیے منتخب کی۔ ابتدا میں مشرق کی تمام عیسائی دنیا کرسمس کا تہوار 6 جنوری کو مناتی تھی' لیکن یہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے بجائے ان کو بپتسمہ دیے جانے کی خوشی میں منایا جاتا تھا۔ البتہ یروشلم میں 6 جنوری کا تہوار ان کی ولادت کی یاد دلانے ہی کے لیے منایا جاتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اکثر عیسائی مکاتب فکر نے یہ تہوار 25 دسمبر کو منانے پر اتفاق کرلیا۔ اس تبدیلی کی وجہ یہ تھی کہ 25 دسمبر روم میں سورج دیوتا کے ظہور کا دن تصور کیا جاتا تھا۔ ان کا مشاہدہ تھا کہ 25 دسمبر کے بعد دن طویل ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور سورج کا ظہور نمایاں سے نمایاں تر ہوتا جاتا ہے۔ نیز یہ سال کی ابتدا کی نوید بھی دیتا ہے۔ قدیم مصری بھی اس تاریخ کو سورج کی پیدائش کے حوالے سے ایک نوزائیدہ بچے کی تصویر یا بت کی نمائش کرکے مناتے تھے۔ شروع کے زمانے میں عیسائی متکلمین کے ذہن میں' اس معاملے میں کوئی اشتباہ نہیں تھا کہ 25 دسمبر کی تاریخ کا انتخاب مشرکین (Pagans) سے متاثر ہو کر کیا گیا ہے اور اسی لیے آگسٹائن (Saint Augustine) لوگوں کو سمجھاتا نظر آتا ہے کہ 25 دسمبر کو سورج دیوتا کے بجائے اس ذات کی شان میں منایا جانا چاہیے جس نے سورج کو پیدا کیا۔ مشہور ماہر علم البشریات سر جیمس فریزر (Sir James George Frazer) نے اپنی کتاب "شاخ زریں" (The Golden Bough) میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ چرچ نے 25 دسمبر کو کرسمس منانے کا فیصلہ اس لیے کیا' تاکہ وہ مشرک جو نئے عیسائی ہوئے تھے' ان کی مذہبی عقیدت کو سورج دیوتا سے حضرت عیسیٰ کی شخصیت کی طرف منتقل کیا جاسکے اور تبدیلی مذہب کی راہ ہموار کی جاسکے۔ بہرحال ان وجوہ کی بنا پر روم اور مصر میں کرسمس 25 دسمبر کو منایا جانے لگا۔ یروشلم کے مذہبی حلقوں نے کافی عرصے تک 6 جنوری کی تاریخ پر اصرار کیا لیکن بالآخر پانچویں صدی عیسوی میں اکثریت کی رائے اختیار کرلی۔ البتہ آرمینیائی چرچ نے پرانا مسلک اختیار کیے رکھا اور وہاں آج بھی عید میلاد مسیح' یعنی کرسمس 6 جنوری ہی کو منائی جاتی ہے۔

چونکہ کرسمس کا خمیر یورپی مشرکین کے مذہبی تہواروں سے اٹھا تھا' اس لیے عیسائیوں نے اس میں بہت سی قدیم رسومات کو معمولی تغیر کے ساتھ اختیار کرلیا۔ ایک قدیم رومی تہوار سیٹر نیلیا (Saturnalia) 17 دسمبر کو منایا جاتا تھا۔ اس موقع پر خوشی منانے اور تحفے تحائف کے تبادلے کی روایت کو کرسمس کی رسم کے طور پر اختیار کرلیا گیا۔ 25 دسمبر ایرانی دیوتا متھرا کا یوم پیدائش تھا۔ رومیوں کا سال نو یعنی یکم جنوری بھی گھروں پر چراغاں اور مستحقین میں خیرات تقسیم کرکے منایا جاتا تھا۔ ان کو بھی عیسائی تہوار کا حصہ بنالیا گیا۔ کرسمس کے درخت (Christmas Tree) اور کیک وغیرہ کی روایت جرمنی کے قدیم قبائل سے مستعار لی گئی ہے۔ سدابہار درختوں کی شاخوں سے گھروں کو مزین کرنا اور آگ روشن کرنا' حیات

جاوداں اور زندگی کی حرارت کی علامت کے طور پر موسم سرما کے تمام یورپی تہواروں کا حصہ رہے ہیں۔ چنانچہ عیسائیوں نے بھی انہیں رفتہ رفتہ کرسمس کی مذہبی رسومات کا حصہ بنالیا۔ تاہم کرسمس کے درخت کے بارے میں بعض عیسائی علماء کا خیال ہے کہ یہ حضرت آدم اور حضرت حوا کی گم گشتہ جنت کے اس درخت کی علامت ہے، جس کے قریب جانے سے انہیں روکا گیا تھا۔

پہلا کرسمس کارڈ 1843ء میں برطانیہ میں ایک شخص ہارسلے (J.C.Horsley) نے اپنے دوست سرہنری کول (Sir.Henry Cole) کے لیے بنایا۔ اس کے بعد سے اپنے اعزہ واقارب کو کرسمس کارڈ بھیجنا عیسائی روایت بن گیا ہے اور ہر سال کروڑوں ڈالر کے کارڈ بھیجے جاتے ہیں۔ مسلمانوں میں عید کارڈ بھیجنے کا رواج بھی اسی رسم کی پیروی کا نتیجہ ہے۔

انجیل، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم پیدائش کے بارے میں بالکل خاموش ہے۔ اس کے مصنفین نے ایسی علامات، بہرحال بیان کی ہیں جن سے ان کی پیدائش کا سال اور عہد تو متعین ہو جاتا ہے، لیکن تاریخ کے بارے میں کوئی واضح اشارہ نہیں ملتا۔ یہی وجہ ہے کہ عیسائی دنیا آج تک ان کی تاریخ پیدائش پر متفق نہیں ہو سکی، اور جن تاریخوں پر یوم ولادت منایا جاتا رہا، ان کے انتخاب کی بھی کوئی ٹھوس دلیل پیش نہیں کی جاتی۔ ہمارے خیال میں ایسے قرائن موجود ہیں جن سے تقریباً یقینی طور پر واضح ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم پیدائش 25 دسمبر نہیں ہے۔ یہ شواہد قرآن اور تاریخ کے علاوہ خود بائبل میں بھی موجود ہیں۔

بائبل میں حضرت عیسیٰ کی پیدائش کا واقعہ مسیح کی پیدائش متی اور لوقا کی اناجیل میں قدرے تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ لوقا کا درج ذیل بیان خاص طور سے اہم ہے:

"اُن دنوں میں ایسا ہوا کہ قیصر اوگوستس کی طرف سے یہ حکم جاری ہوا کہ ساری دنیا کے لوگوں کے نام لکھے جائیں۔ یہ پہلی اسم نویسی سوریہ کے حاکم کورنیس کے عہد میں ہوئی اور سب لوگ اپنے نام لکھوانے اپنے اپنے شہر کو گئے۔ پس یوسف بھی گلیل کے شہر ناصرہ سے داؤد کے شہر بیت لحم کو گیا، جو یہودیہ میں ہے، اس لیے کہ وہ داؤد کے گھرانے اور اولاد سے تھا، تاکہ اپنی منگیتر مریم کے ساتھ جو حاملہ تھی نام لکھوائے جب وہ وہاں تھے تو ایسا ہوا کہ اس کے وضع حمل کا وقت آ پہنچا۔ اور اس کا پہلوٹھا بیٹا پیدا ہوا اور اس نے اس کو کپڑے میں لپیٹ کر چرنی میں رکھا، کیونکہ ان کے واسطے سرائے میں جگہ نہ تھی۔

اس علاقے میں چرواہے تھے، جو رات کو میدان میں رہ کر اپنے گلے کی نگہبانی کر رہے تھے۔ اور خداوند کا فرشتہ ان کے پاس آ کھڑا ہوا اور خداوند کا جلال ان کے چوگرد چمکا اور وہ نہایت ڈر گئے۔" (لوقا 2:1-10)

بائبل کا یہ بیان اس لحاظ سے توجہ طلب ہے کہ فلسطین اور اس کے اردگرد کے علاقے میں

سردیوں کا موسم شدید بارشوں کا زمانہ ہوتا ہے۔ اسی لیے جغرافیہ دان ان تمام ممالک کو موسم سرما کی برسات کے علاقے (Winter Rain Areas) قرار دیتے ہیں یا بحیرہ رومی موسم کے خطے (Mediterranean Climate Region) کے نام سے موسوم کرتے ہیں' کیونکہ یہ علاقے بحیرۂ روم کے ساحل پر واقع ہیں اور بارشوں میں جانوروں کو رات بھر کھلے آسمان تلے رکھنا انتہائی نامناسب بات ہے۔ اُس دور میں گلہ بانی کا پیشہ اس علاقے کے لوگوں کی زندگی کا حصہ تھا جس پر ان کی گزر اوقات تھی اور وہ اس معاملے میں تساہل نہیں برت سکتے تھے۔ اس لیے سردیوں میں چرواہے اپنے جانوروں کو کھلے میدان میں نہیں' بلکہ حفاظت سے کسی چھت کے نیچے رکھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایک دو چرواہے تو شاید یہ غلطی کر لیتے' لیکن لوقا کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک دو کا ذکر نہیں کر رہا۔ برناباس کی انجیل (باب 4) سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس علاقے میں تمام پہاڑوں پر گلے اسی طرح کھلے آسمان تلے پھیلے ہوئے تھے۔ اور لوقا اور برناباس دونوں کی گواہی یہ ہے کہ دراصل ابتداً انہی چرواہوں نے آسمان پر چمکنے والی روشنی اور فرشتوں کے اعلان سے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی خبر پائی اور سارے بیت لحم میں اس کی منادی کی۔ چنانچہ یہ باتیں اس امر کی صراحت کرتی ہیں کہ ان کی ولادت 25 دسمبر کو نہیں ہوئی۔

قرآن کے بیان کے مطابق تو ولادتِ مسیح کے لیے 25 دسمبر کی تاریخ بالکل ہی نامناسب ہے۔ سورۂ مریم میں اس واقعے کی تفصیل ہمیں اس طرح ملتی ہے:

فحملته فانتبذت به مكانا قصيا، فاجاء ها المخاض الى جذع النخلة قالت يليتني مت قبل هذا وكنت نسيا منسيا، فنادها من تحتها الاتحزني قد جعل ربک تحتک سريا ،وهزى اليک بجذع النخلة تسقط عليک رطبا جنيا ،فكلى واشربى وقرى عينا (مریم: 20 تا 26)

"پس اس نے (یعنی مریم علیہا السلام نے) اس کا حمل اٹھالیا اور وہ اس کو لے کر ایک دُور کے مقام کو چلی گئی۔ بالآخر یہ ہوا کہ دردِ زِہ اس کو کھجور کے تنے کے پاس لے گیا۔ اس وقت اس نے کہا' اے کاش میں اس سے پہلے ہی مر کھپ کے بھولی بسری چیز ہو چکی ہوتی۔ پس (کھجور کے) نیچے سے فرشتے نے اس کو آواز دی کہ مغموم نہ ہو۔ تمہارے پائیں سے تمہارے پروردگار نے ایک چشمہ جاری کر رکھا ہے اور تم کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ' تم پر تروتازہ خرمے جھڑیں گے' پس کھاؤ پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو۔"

ان آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ کھجوروں کے پکنے کا موسم تھا۔ فلسطین میں کھجوریں جون یا جولائی کے مہینے میں تیار ہوتی ہیں۔ اور لگتا ہے کہ انہی مہینوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی ہوگی۔

راشد الحق سمیع حقانی

پوپ جان پال کا اعترافِ جرم

گزشتہ ماہ 11 مارچ کو عالم عیسائیت کے روحانی مرکز' ویٹی کن سٹی' میں کیتھولک عیسائی فرقے کے مذہبی راہنما پوپ جان پال نے چرچ سے وابستہ سینکڑوں پادریوں اور کارڈینلوں کے ہمراہ تیسرے عیسوی میلینم کے آغاز کی مناسبت سے ایک بہت بڑی تقریب میں دنیا بھر کے مظلوموں سے عالم عیسائیت اور کلیسا کی طرف سے گزشتہ دو ہزار سال میں ڈھائے گئے مظالم کی معافی مانگی اور پوپ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے اپنی مغفرت کے لیے دعائیں طلب کیں۔ ہم عالم عیسائیت کے روحانی پیشوا پوپ جان پال اور کیتھولک چرچ کے ''اعترافِ گناہ'' (یعنی اعترافِ جرم) کو تسلیم کرنے پر وسیع القلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس بڑے اقدام کا محتاط انداز میں خیر مقدم کرتے ہیں۔ یہ یقیناً ایک اچھی مثال ہے کہ انسان اپنے گناہوں اور اپنے مظالم کا اعتراف کر لے۔ بالآخر عالم عیسائیت کو اپنے بدترین دو ہزار سالہ مظالم کو تسلیم کرنا پڑا۔ ضمیر کی خلش اور جرائم کا بوجھ اٹھائے ہوئے عالم عیسائیت دو ہزار سال تک ڈھٹائی کے ساتھ اپنے غلط موقف پر ڈٹی رہی۔ لیکن آخر کار انہیں یہ بھاری بھرکم بوجھ مظلوموں کی چوکھٹ پر رکھنا ہی پڑا۔ تاریخ عالم کی مجروح کتاب اٹھا کر دیکھیے تو آپ کو اس میں ایک ایسے مذہب کے ظلم وستم کی خون ریز داستانیں دیکھنے کو ملیں گی جس کی بنیاد امن وسلامتی' ایثار اور جذبۂ برداشت کے اصولوں پر رکھی گئی تھی اور جس کے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ''اگر کوئی تمہیں ایک تھپڑ مارے تو تم دوسرا گال بھی اس کے سامنے پیش کرو مگر اسے ضرر نہ پہنچاؤ۔'' لیکن اس کے برعکس عالم عیسائیت نے ظلم وستم' غصب' چھینا جھپٹی' قتل وغارت گری' اور انتہا پسندی کو اپنا شعار بنایا۔ آغاز یہودیوں کے قتل عام سے کیا گیا اور بعد میں دیکھتے ہی دیکھتے انہیں مسلمانوں کے خونِ ناحق کی چاٹ لگ گئی۔ لیکن پندرہ سو برس سے آج تک ان کی خونی پیاس نہ بجھ سکی۔ گزشتہ دو ہزار سال کے آخری ادوار کی دہلیز بھی انہوں نے بوسنیا' کوسوو اور چیچنیا میں مسلمانوں کے مقدس خونِ ناحق میں ڈبو دی۔ تھوڑا عرصہ قبل جب نیٹو سرب جارحوں پر برائے نام حملے کر رہی تھی تو اسی پوپ جان پال اور کیتھولک چرچ نے نیٹو سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار بار بار کیا۔ لیکن جب یورپ ہی کے بے گناہ

مسلمانوں کو کوسوو میں تہ تیغ کیا جارہا تھا تو پوپ جان پال اور چرچ دونوں خاموش رہے۔ یہ عدل و انصاف کے ماپنے کے چرچ کے پاس کیسے بے مثال پیمانے ہیں؟ بقول ایک عیسائی رہنما بشپ واصل ''بوسنیا کے مسلمانوں کے خلاف لڑی جانے والی جنگ 'جنگ مقدس' ہے'' (اگست 1992ء) اسی لیے انہوں نے بوسنیا اور کوسوو وغیرہ میں دُہرا معیار اپنائے رکھا۔ اسی طرح تعصب کی دوسری مثال ہمارے سامنے ہے جب چند ماہ پیشتر امریکی صدر بل کلنٹن روم کے دورے پر آئے تو وہاں کے لاکھوں متعصب عیسائیوں نے ویٹی کن چرچ کے زیر سایہ تشدد آمیز مخالفانہ مظاہرے امریکی صدر کے خلاف کیے کہ اس نے کیوں سربوں کا ہاتھ روکا کیونکہ اس نے بظاہر مسلمانوں کی طرف داری کی ہے (جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں تھا) عالم عیسائیت کی مسلم دشمنی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ صحابہ کرامؓ کے عہد مبارک سے ہی عالم عیسائیت نے مسلمانوں کے خلاف طبل جنگ بجا دیا تھا۔ پھر بعد میں صلیبی جنگوں کی صورت میں عالم عیسائیت نے عالم اسلام کو مٹانے کی بھرپور کوششیں شروع کردیں۔ لیکن اس میں شکست کے کچھ عرصے بعد انہوں نے مسلمانوں پر نئے سرے سے یلغار کردی، جو آج تک مسلسل ہمیں کسی نہ کسی صورت میں ہر جگہ نظر آتی ہے۔ خصوصاً سوویت یونین کی شکست و ریخت اور کمیونزم کی ناکامی کے بعد تو مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کردیا گیا ہے۔ مغربی میڈیا میں مسلمانوں کے خلاف بنیاد پرستی (Fundamentalism) انتہا پسندی، قدامت پرستی، رجعت پسندی اور تنگ نظری کا مستقل پرچار کیا جارہا ہے۔ مسلمانوں کو دہشت گردی وغیرہ کا طعنہ دینے والے ذرا انصاف سے کام لیں کہ گزشتہ دو ڈھائی سو برسوں میں کسی ایک مسلمان ملک نے کسی دوسرے مذہب سے وابستہ ملک پر حملہ کیا ہے؟ یہ عالم عیسائیت اور مغربی ممالک ہی ہیں جو آئے روز عالم اسلام کو اپنا شکار بنا رہے ہیں۔ دنیا کے دوسرے مذاہب اور اقوام نے بھی اس تعصب کو اب پہچان لیا ہے۔ شاید اسی لیے اب ویٹی کن سٹی کے زیر اہتمام یہ تازہ کھیل تماشہ منعقد کیا گیا ہے۔ معلوم نہیں کہ اس کی تہہ میں کیا چھپا ہے؟

عالم عیسائیت کے ماضی کی عیارانہ چالیں کیا عالم اسلام فراموش کرسکتا ہے؟ آج بھی عالم اسلام کے قلب و جگر (کوسوو اور چیچنیا) عالم عیسائیت کی دست اندازیوں اور سازشوں کے طفیل بری طرح مجروح نہیں ہو رہے؟ کیا پوپ اور چرچ ان ظالم قوتوں کو روک نہیں سکتے؟ یا ان قوتوں سے اپنے آپ کو بری الذمہ قرار نہیں دے سکتے؟ عالم اسلام کی تباہی اور بربادی میں کیتھولک چرچ ہمیشہ پیش پیش رہا ہے۔ آیئے اس کا ایک مختصر سا جائزہ لیتے ہیں۔

1095ء میں عالم عیسائیت کے روحانی پیشوا پوپ اربن ثانی نے عالم اسلام کے خلاف صلیبی جنگوں کا آغاز کیا اور ان جنگوں کو ''مقدس جنگ'' قرار دیا گیا اور ان میں لاکھوں مسلمانوں کو بیدردی سے قتل کیا گیا۔ (گو کہ ان جنگوں میں کامیابی مسلمانوں کا مقدر بنی اور عظیم جرنیل سلطان صلاح الدین ایوبی نے ان کا غرور خاک میں ملادیا) ایک عیسائی مورخ نے اپنے ہم مذہبوں کی سفاکی کی داستان یوں بیان کی ہے ''کہ اس وقت القدس کی گلی گلی کوچوں میں مظلوم شہریوں کا اتنا خون بہایا گیا کہ گلی کوچوں میں

گھوڑوں کے ٹخنے خون میں ڈوب جاتے تھے اور ان گلی کوچوں میں مسلمان عورتوں اور بچوں کی لاشیں خون کی ندیوں میں تیرتی ہوئی نظر آتی تھیں۔" ڈیڑھ سو سالہ صلیبی جنگوں کے بعد بھی عیسائیوں نے ایک خاص حکمت عملی سے عالم اسلام اور سلطنت عثمانیہ کی عالمگیر خلافت کو پاش پاش کرایا۔ (اس سلسلے میں برٹش جاسوس ہیمفرے کے اعترافات پڑھنے کے لائق ہیں) بعد میں عالم عیسائیت نے عالم اسلام کو اپنی کالونیز (نوآبادیوں) کے جال میں دبوچا اور تقریباً کئی سو سال تک برصغیر ان کے زیر تسلط رہا۔ اسی طرح ان لوگوں نے نہ عالم عرب کو بخشا اور نہ افریقہ کو۔ جب استعمار سے عالم اسلام نے ایک طویل اور صبر آزما جدوجہد کے بعد اس صدی میں بالآخر آزادی حاصل کر لی تو عالم عیسائیت نے ظلم و بربریت اور اجارہ داری کا کام امریکہ کے سپرد کر دیا جو گزشتہ ساٹھ ستر برس سے مسلمانوں کو بری طرح جھنجھوڑ رہا ہے۔ لیکن اطمینان بخش بات یہ ہے کہ الحمدللہ مسلمانوں میں جذبۂ جہاد اور حق خودارادیت کا عنصر بیدار ہو چکا ہے۔ رومن چرچ اور پاپائیت نے دوسرے مذاہب پر مظالم ڈھانے کے علاوہ خود اپنے ہم مذہبوں کو بھی نہیں بخشا۔

کلیسا اور پاپائیت کے عیسائیوں پر مظالم

خود کلیسا اور پاپائیت نے اپنے ہی ہم مذہبوں پر جو مظالم ڈھائے ہیں وہ بھی تاریخ کا ایک عبرتناک باب ہے۔ کلیسا نے اپنی اجارہ داری اور من مانی کے خلاف مختلف ہتھکنڈے اپنائے۔ اسی سلسلہ میں مذہبی عدالتیں جو 1231ء میں پوپ گریگری نہم نے قائم کیں اور اسی طرح سپین میں بھی 'قسطیلہ' میں 1290ء میں یہ عدالتیں شروع کی گئیں۔ ان عدالتوں میں دو طرح کے مجرم پیش کیے جاتے تھے۔ (1) پوپ کے طریق زندگی اور اس کے مذہب سے مخالفت کرنے والے (2) مروجہ مذہب کے خلاف علمی و تمدنی ترقی میں حصہ لینے والے۔

ان عدالتوں نے تین لاکھ سے زائد مذہبی دانشوروں اور دیگر اصلاح پسندوں کو قتل کیا۔ آزادیٔ نسواں کے "علمبرداروں" نے ہزاروں عورتوں کو زندہ جلایا۔ سائنس و ٹیکنالوجی کے نام لیوا یورپ نے ہزاروں سائنس دانوں کو نہ صرف طرح طرح کی اذیت ناک سزائیں دیں بلکہ انہیں بیدردی سے قتل بھی کیا گیا۔ اٹلی کے معروف سائنس دان گیلیلیو گیلیلی (1642ء - 1564ء) کو زمین کے سورج کے گرد گھومنے کے نظریے کی پاداش میں طویل ترین قید و بند کی صعوبتوں سے گزارا گیا۔ اسی طرح "وینی نی" جو مسئلہ ارتقاء پر ایمان رکھتا تھا اس کی زبان کاٹ لی گئی اور آگ میں زندہ جلا دیا گیا۔ "ہپاشیہ" افلاطون کی تصانیف کی معروف مفسرہ تھیں، اس کو بھی سزائے موت دی گئی۔ "کوپرنیکس" نے زمین کی گردش اور آسمان کا ساکت ہونا ثابت کرنے کی کوشش کی تو اس کو بھی ذلیل کیا گیا اور وہ کسمپرسی کی حالت میں ہلاک ہوا۔ "برونو" جو "کوپرنیکس" کے نظریے کی تائید کرتا تھا اسے بھی سات برس تک جیل میں ڈالا گیا اور پھر آگ میں زندہ جلا دیا گیا۔ اسی طرح یورپ میں بے شمار عورتوں کو جادو اور دیگر علوم سیکھنے کے الزام

میں بیدردی کے ساتھ قتل کر کے ان کی لاشیں تک جلا دی گئیں، تا کہ دوسرے لوگ ان سزاؤں سے عبرت حاصل کر سکیں۔

کلیسا اور پاپائیت نے علم و فضل کے ہزاروں ستاروں کو اپنے اقتدار کے بھینٹ ہمیشہ کے لیے بجھا کر رکھ دیا۔ (یہ صرف چند مثالیں ہیں جو اختصار کے ساتھ بیان کی گئیں) آخر کار کلیسا کے ان مظالم کے خلاف جرمن نژاد پادری مارٹن لوتھر (1546-1483) نے علم بغاوت بلند کیا۔ اور روم جا کر 31 دسمبر 1517ء کو "وٹن برگ" کے گرجا کے دروازے پر اپنا پچانوے نکات پر مشتمل تنقیدی مضمون چسپاں کر دیا۔ مارٹن لوتھر جہاں پاپائیت کے تسلط اور بعض مذہبی قوانین کا باغی تھا وہیں اس نے کلیسا کی طرف سے جاری کیے گئے "معافی ناموں" کی بھرپور مخالفت کی۔ یہ معافی نامے جو ہر شخص چند روپوں میں حاصل کر سکتا تھا، ہر قسم کے گناہ کی معافی کے لیے چرچ نے ان کے نرخ مقرر کر رکھے تھے۔ مثلاً کسی کی عصمت دری پر 9 شلنگ، اسقاطِ حمل کی معافی کے لیے ساڑھے 3 شلنگ، عدالت میں جھوٹی قسم کے 9 شلنگ، لونڈی رکھنے کے ساڑھے 10 شلنگ۔ اس کے علاوہ آئندہ جو گناہوں کا ارادہ رکھتا ہو اس کی معافی بھی پیشگی وصول کی جا سکتی تھی۔ یہ معافی نامے "جنت کے پروانے" باقاعدہ تحریری طور پر سرٹیفکیٹ کی صورت میں جاری کیے جاتے تھے۔ مارٹن لوتھر نے اس پہلو کو بہت زیادہ اُچھالا۔ آخر چرچ نے 1521ء میں اسے بدعتی قرار دیا لیکن اس کی تحریک پھر بھی آگے بڑھتی رہی اور باقاعدہ عیسائیت کی ایک شاخ پروٹسٹنٹ فرقے کے نام سے معرض وجود میں آئی۔ مارٹن لوتھر سے پہلے بھی پاپائیت کے خلاف کئی لوگوں نے مختلف ادوار میں آوازیں اٹھائیں جیسے "بوہیمیا" میں جان ہس اور چودھویں صدی عیسوی میں انگریز عالم جان وینکلف اور فرانسیسی پیٹر والڈو وغیرہ نے کافی اصلاحی کوششیں کیں۔ پادری وینکلف جو آکسفورڈ میں پروفیسر بھی تھا اور اس نے سب سے پہلے انجیل کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا (اس سے پہلے بائبل کا ترجمہ انگریزی یا دوسری زبانوں میں ممنوع تھا) اس کو کلیسا کی مخالفت اور ترجمہ کرنے کی پاداش میں مرنے کے 31 برس بعد 1415ء میں کلیسا کی ایک مجلس کے فیصلے کے مطابق سزا کے طور پر قبر سے اس کی ہڈیاں نکلوا کر آگ میں جلا دی گئیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم و تعصب ہو سکتا ہے؟ اسی طرح چیکوسلواکیہ کے جان ہس جو "برگیگ" یونیورسٹی کا صدر مدرس تھا اس نے بھی کلیسا کی من مانیوں کی مخالفت وینکلف کی طرح جاری رکھی۔ شہنشاہ نے اسے جان کی امان دے کر سوئٹزرلینڈ کی مجلس کلیسا میں طلب کیا، اور اس کو اپنے نظریے سے انحراف کرنے کے لیے کہا گیا۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔ بادشاہ اور کلیسا نے جان کی امان دینے کے باوجود اس محبوب اور ہر دلعزیز علمی شخصیت کو لوگوں کے سامنے 1415ء میں زندہ جلا دیا۔

مارٹن لوتھر کی تحریک انہی باغی صداؤں کی بازگشت کا نتیجہ تھی۔ اس کے علاوہ عالم عیسائیت کے کیتھولک، آرتھوڈیکس اور پروٹسٹنٹ فرقوں نے اب تک لاکھوں افراد کو تعصب کی بناء پر خود قتل کیا۔ یہ کشمکش اب بھی آپ کو انگلینڈ اور آئرلینڈ میں دیکھنے کو ملے گی۔ بعد میں پروٹسٹنٹ مذہب کے بھی دو فرقے ہو گئے اور ان میں بھی پھوٹ پڑ گئی، ایک فرقہ لوتھر اور دوسرا کالوین سے منسوب ہوا۔ اسی طرح عیسائیت کے گڑھ

یورپ کی باہمی تیس سالہ جنگ (1648-1618) میں بھی مختلف پادریوں نے گھناؤنا کردار ادا کیا۔ جیسے فرانس کے کارڈینل ویٹر نے برطانیہ کے خلاف سیاسی دباؤ کو مزید اُبھارا۔ عہد حاضر میں مسلمانوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ پوپ جان پال یا رومن چرچ پر عالم عیسائیت کا مکمل اتفاق ہے حالانکہ پروٹسٹنٹ فرقہ نے تاج برطانیہ کو کلیسا کا سربراہ تسلیم کیا ہوا ہے اور یہ انہی کو اپنا "قبلہ" مانتے ہیں۔ اس سے قبل بھی ماضی میں 1378ء میں مجلس کلیسا میں اختلاف ہو گیا تھا۔ اور دونوں فرقوں نے اپنے اپنے جدا پوپ منتخب کر لیے تھے۔ ایک پوپ روم (ویٹی کن سٹی) میں رہائش پذیر تھا جسے مقدس رومی سلطنت کا شہنشاہ اور شمالی یورپ کے بیشتر ممالک پوپ تسلیم کرتے تھے اور دوسرا "مخالف پوپ" کے نام سے مشہور ہوا۔ "وہ ادیبوں میں رہتا تھا" اسے فرانس کے بادشاہ اور چند دوسرے طبقے تسلیم کرتے تھے۔ تقریباً چالیس سال تک یہ مخاصمت کی صورتحال جاری رہی۔ دونوں پوپوں نے ایک دوسرے کو ملعون اور کافر قرار دیا۔ بعد میں اگرچہ 1417ء میں صلح ہوگئی لیکن یورپ پر اس تنازعہ نے بھی گہرا اثر ڈالا۔ تب سے یورپ لامذہبیت' میٹریل ازم اور ماڈرن ازم کی شاہراہ پر چل رہا ہے جو کہ سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔ مذہب میں اعتدال اور جدیدیت اور قوتِ برداشت کا عنصر لازمی طور پر ہونا چاہیے۔ لیکن سراسر بغاوت' اعراض اور مخالفت پہلے زندیقیت اور بعد میں دہریت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ انسان اور مذہب کے درمیان کا تعلق ایک لازوال رشتہ کا سا ہے۔ اس لیے ڈاکٹر "رینان" نے کہا ہے کہ "مذہبی جبلت انسان میں ایسی ہی فطری ہے جیسے چڑیوں میں گھونسلے بنانے کا جذبہ فطری ہے۔" اور باقی مغرب کے فلسفی اور دانشور جیسے نیٹشے' کانٹ' استوری وغیرہ برملا کہتے ہیں کہ "نفس انسانی کا جوہر مذہبی احساس ہے اور تمدنی زندگی کے لیے مذہب بمنزلہ روح کے ہے

عیسائیت اور نسلی ولسانی تعصب

عالم عیسائیت نے دوسری جنگ عظیم میں تقریباً آٹھ لاکھ یہودیوں کو قتل کیا۔ اس کے پیچھے مارٹن لوتھر کی پھیلائی گئی نفرت کارفرما تھی' کیونکہ اسے سامیوں سے شدید نفرت تھی۔ مارٹن لوتھر کی یہی تعصب سے پر نفرت آمیز تحریریں نازیوں کے لیے مہمیز ثابت ہوئیں۔ اسی وجہ سے یہودیوں پر بے شمار مظالم ڈھائے گئے گو کہ یہودیوں نے جو بویا تھا وہی کاٹا۔ اسی طرح مسلمانوں کے قتل عام اور دشمنی میں عیسائیوں کی صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کا انتقام ہمیشہ سے کارفرما رہا ہے۔ ماضی میں پرتگالیوں' ولندیزیوں' فرانسیسیوں اور برطانویوں کی عالم اسلام کے خلاف وقفے وقفے سے شورشیں اور استعمار کی صورت میں عالم اسلام پر قابض ہونے میں وہی پرانی مخاصمت اور تعصب کارفرما رہا ہے۔ اور ابھی حال ہی میں سوویت یونین کی شکست کے بعد امریکی نیو ورلڈ آرڈر کا آنا اور مسلمانوں کے خلاف اس کا بنیاد پرستی' انتہا پسندی' تخریب کاری جیسے منفی پروپیگنڈے کا پرچار کرنا پرانے تعصب ہی کا ایک تسلسل ہے۔ اسی طرح ابھی حال ہی میں متحدہ یورپ کا معرضِ وجود میں آنا بھی دراصل مسلمانوں کے

خلاف نئی صلیبی جنگوں اور اس کی حاکمیت تسلیم کرانے کا عندیہ دینا ہے۔ امریکہ اور بھارت کے نئے تعلقات میں بھی مابہ الاشتراک مسلمانوں کی دشمنی ہی ہے۔ امریکی صدر بل کلنٹن نے حالیہ دورۂ جنوبی ایشیا میں نئی دہلی میں بھارت کو اپنا فطری حلیف قرار دیا ہے۔ امریکی صدر سے پہلے یہ نظریہ ایک بہت بڑے امریکی دانشور نے نئی دہلی میں ببانگ دہل پیش کیا تھا ''بھارت ہمارا فطری حلیف ہے۔ ہمارا کلچر اقتصادی اور سیاسی نظام بھی بہت قریب قریب ہے۔ اور اسی طرح ہم مسلمانوں کی دشمنی میں ایک ہی موقف رکھتے ہیں اور ہم ہندو ازم کو عیسائیت کے بہت قریب سمجھتے ہیں۔'' یہ تمام حالات مسلمانوں کے پیش نظر ہیں لیکن اس کا مقابلہ کرنے کے لیے ان میں کوئی تیاری نہیں پائی جاتی۔ پوپ اور کلیسا نے مسلمانوں سے بظاہر معافی تو مانگ لی ہے لیکن مفاہمت' صلح جوئی اور باہمی اخوت اور مساوی حقوق کا کوئی بھی پہلو اس تقریب کی زینت نہ بن سکا۔ نہ ہی انہوں نے کوئی صلح وصفائی کا ایجنڈا پیش کیا اور نہ ہی زمانہ حال کے مظلوم اور قہر زدہ مسلمانوں کے زخموں کے لیے کوئی مداوا پیش کیا۔

سید ریاست علی ندوی

یولوجیس کی خطرناک اسلام دشمن تحریک

اندلس میں عیسائیوں کو اپنے مذہبی مراسم' آزادی سے انجام دینے کی جو رعائتیں حاصل تھیں' ان کے طبائع کی کج روی سے اس کا عجیب برعکس قسم کا نتیجہ ظاہر ہوا' اندلس کے پادری' کلیساؤں کے پچھلے اقتدار کو بحال کرنے کے خواہاں تھے لیکن اسلامی حکومت کی اس روادارانہ روش سے ان کو عیسائیوں کے جذبات برانگیختہ کرنے کا موقع نہ مل سکتا تھا' اس لیے انہوں نے چند غالی عیسائیوں میں یہ خیالات پیدا کیے کہ مذہب کی اصل روح' تکلیفیں اٹھانے سے پیدا ہوتی ہے' اس لیے حکمرانوں کو مشتعل کر کے انسانی جسم اور گوشت پوست کو تکلیفیں پہنچائی جائیں تاکہ روح کا تزکیہ و تقدس ہو سکے۔ اس تحریک کا بانی قرطبہ کا ایک راہب یولوجیس (Eulogius) تھا۔ وہ اپنی مشقت و مجاہدہ کی راہبانہ زندگی سے' عیسائیوں میں عقیدت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اس نے چند نوجوانوں میں فدائیت کا جذبہ پیدا کیا کہ اپنی روح کو پاک کرنے کے لیے اس "نئے" دین اسلام اور اس کے داعی (علیہ السلام) پر سب و شتم کریں۔ اسلامی قانون کی رُو سے اسلامی حکومت میں شاتم رسول ﷺ کی سزا قتل ہے۔ حکومت انہیں گرفتار کرے گی اور گویا یہ نوجوان حضرت مسیح علیہ السلام کی پیروی کریں گے اور اپنی جانوں کو قربان کر کے جامِ شہادت نوش کریں گے۔

یولوجیس کی تحریک کو کامیاب بنانے میں قرطبہ کے ایک دولت مند عیسائی نوجوان الوارو (Alvaro) اور ایک حسین دوشیزہ فلورا (Flora) نے نمایاں حصہ لیا' الوارو' یولوجیس اور دوسرے پادریوں کے ساتھ مل کر اس تحریک کی رہنمائی کرتا رہا۔ فلورا کا باپ مسلمان اور ماں عیسائی تھی۔ باپ کا انتقال ہو چکا تھا۔ ماں نے بچوں کو تعلیم و تربیت دی۔ فلورا کا بھائی تو اپنے آبائی دین پر قائم رہا مگر ماں نے لڑکی کو اپنی تربیت سے در پردہ عیسائی بنا لیا۔ یولوجیس کی تلقین اور بائبل کی اس عبارت سے کہ وہ شخص جو لوگوں کے سامنے مجھ سے انکار کرے گا' میں اس باپ کے سامنے جو آسمان میں ہے' اس سے انکار کردوں گا' اس کے جذبات برانگیختہ ہوئے' وہ بھائی کے گھر سے نکل بھاگی اور عیسائیوں میں جا کر پناہ گزین ہو گئی۔ جب اس کے فرار ہونے کی ذمہ داری عیسائی پادریوں کے سر ڈالی گئی تو وہ گھر واپس آئی اور علانیہ دین عیسائیت قبول کرنے کا اعلان کیا' بھائی نے اس کو سمجھایا مگر وہ اپنے عقیدہ پر استوار رہی تو

اس کا معاملہ شرعی عدالت میں لایا گیا۔ قاضی نے اس کو درے لگوائے اور شرعی حکومت کے مطابق اس کو گھر واپس کیا کہ اس کے سامنے دوبارہ اسلام پیش کیا جائے اور اس دین کے قبول کرنے کی تلقین کی جائے۔ فلورا کچھ دنوں تک عیسائیوں کے حلقہ میں روپوش اور کلیسا میں حاضری دیتی رہی۔ اس کے بعد یولوجیس کی تحریک کے عملی مظاہرے شروع ہوئے چنانچہ ایک پادری پرفکٹس (Perfectus) عین عید کے دن مسلمانوں کے ایک مجمع میں گھس آیا اور دین اسلام اور داعی اسلام علیہ السلام کی شان میں نالائم کلمات زبان سے نکالے۔ مجمع میں اشتعال پیدا ہوا' لوگ جذبہ اشتعال میں اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کا کام تمام کر دیا۔ قرطبہ کا بشپ اس کی لاش اٹھا لے گیا اور سینٹ اکسکس (Saint Aciscas) میں عیسائی تبرکات کے ساتھ اس کو دفن کیا گیا اور عیسائیوں نے اس شہید ملت کو ولی کا درجہ عطا کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اسی دن دو مسلمان دریا میں ڈوب گئے جس کو خوش عقیدہ عیسائیوں نے مسلمانوں سے خدائی انتقام قرار دیا اور پھر اسی سال عبدالرحمٰن ثانی کے نہایت مقرب خادم نصر کی وفات ہوئی اور یہ گویا نعوذ باللہ مسلمانوں سے خدا کا دوسرا انتقام تھا۔

اس کے بعد ایک دوسرا پادری آئزک (Asac) سامنے آیا۔ یہ قاضی کی عدالت میں حاضر ہوا کہ وہ اسلام قبول کرنا چاہتا ہے جیسے ہی اس کو مسلمان کرنے کے لیے دینی عقائد اس کے سامنے بیان کیے جانے لگے' اس نے اسلام پر سب وشتم شروع کردی' قاضی کے لیے برداشت کرنا دشوار ہوگیا۔ اس نے ایک طمانچہ مار کر کہا' جانتا ہے اسلام میں اس کی سزا قتل ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ جان بوجھ کر یہاں آیا ہے' اس لیے کہ خدا فرماتا ہے کہ مبارک ہیں وہ لوگ جو دینداری کے لیے ستائے جاتے ہیں۔ آسمان کی بادشاہت ان کے لیے ہے۔ آئزک نے اپنے جرم کی سزا پائی اور عیسائی اولیاء کی صف میں ایک دوسرے ولی کا اضافہ ہوا۔

اس کے بعد قصر شاہی کے ایک عیسائی پہرے دار سینکو (Sancho) کے دماغ میں یہ سودا سمایا۔ اس نے آنحضرت ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخیاں کیں اور اپنے کیفر کردار کو پہنچا۔ پھر چھ عیسائی دیوانے پادری قاضی کی عدالت میں آئے' جو کچھ آئزک اور سینکو نے کہا' انہوں نے دہرایا اور آنحضرت ﷺ کو برملا نالائم الفاظ میں یاد کرنا شروع کیا۔ ان سب کی گردنیں بھی اُڑا دی گئیں' ان کے اتباع میں تین دیوانے پادری اور آئے اور وہ بھی جہنم واصل ہوئے' اسی طرح ایک سال 851ء/ 237ھ میں گیارہ عیسائیوں نے گندہ دہنی و بدزبانی کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھ کر اپنی جانیں گنوائیں۔

لین پول کا بیان ہے کہ اگرچہ گیارہ آدمی اس احمقانہ تحریک کے سبب لقمہ اَجل بن گئے۔ بایں ہمہ' قرطبہ کے عیسائیوں کی بڑی جماعت اس حرکت کو ناروا سمجھتی رہی اور وہ تحریک پادریوں سے نکل کر عوام میں مقبول نہ ہوسکی۔ سمجھ دار عیسائیوں نے اسلامی حکومت کی رواداری اور ان کے ساتھ مسلمانوں کے شریفانہ طرزِ عمل کو یاد دلایا اور باور کرایا کہ وہ اپنی وسعت قلب کے باوجود اس بدزبانی کو برداشت نہ کریں گے اور نہ اس کی انہیں پروا ہوگی کہ بہرحال اسلام میں شاتم رسول ﷺ کی سزا قتل ہے۔ علاوہ ازیں ایسی خودکشی عیسائیت کے نقطہ نظر سے بھی روا نہیں' انجیل کی یہ بھی تعلیم ہے کہ بدزبانیاں کرنے والے

والے آسمانی بادشاہت میں داخل نہ ہوں گے۔

یولوجیس نے انجیل کی عبارتوں اور عیسائی علماء کی سوانح عمریوں سے، ان اعتراضوں کے جوابات دیئے مگر پادریوں کی ایک متعصب جماعت کے سوا وہ کسی کو متاثر نہ کر سکا۔ پھر پادریوں میں بھی اس کی مخالفت کی تحریک شروع ہوئی چنانچہ اشبیلیہ کے لاٹ پادری نے کلیسا میں ایک مجلس منعقد کی جس میں اسی سلسلہ میں نذر اجل ہو جانے والوں کو شہادت کے مرتبہ پر فائز رکھا گیا مگر اس تحریک کو جاری رکھنے کی مذمت کی گئی اور عام عیسائیوں کو اس کے قبول کرنے سے منع کیا گیا۔

اس کے بعد اس تحریک کے سرگرم ارکان گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیئے گئے۔ اس کے بعد پادریوں کی جماعت میں سے کسی نے اس فعل شنیع کا ارتکاب نہیں کیا۔ لیکن اتفاق سے وہ دوشیزہ فلورا جو کسی عیسائی گھر میں روپوش تھی، ایک دن کلیسا گئی۔ وہاں اس کی ملاقات ایک دوسری عیسائیہ میری (Mary) سے ہوئی جو مقتول پادری آئزک کی بہن تھی۔ میری، اپنے بھائی کی موت سے بہت متاثر تھی۔ اس نے فلورا سے کہا کہ وہ اپنے بھائی کے پاس آسمان کی بادشاہت میں جانا چاہتی ہے۔ یہ سن کر فلورا کی دبی ہوئی آرزو بھی جاگ اٹھی اور اس نے بھی میری کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا چنانچہ دونوں لڑکیاں قاضی کے پاس آئیں اور آنحضرت ﷺ کی شان میں نا ملائم کلمات پے درپے کہے۔ قاضی نے ان کو اس سے باز رہنے کی تلقین کی، پھر گرفتار کر کے قید خانہ میں بھیج دیا کہ شاید وقتی جوش و خروش ٹھنڈا ہو جائے اور یہ راہ راست پر آ جائیں لیکن ان کا قید خانہ میں آنا، ان کے لیے ہلاکت کا باعث ہوا۔ تحریک کا بانی یولوجیس قید خانہ میں موجود تھا۔ اس نے وعظ و پند سے انہیں اپنے مقصد پر استوار رہنے کی تلقین کی اور اس نے فلورا کے لیے ایک پورا رسالہ لکھا جس میں مذہب کے لیے شہادت حاصل کرنے کے فضائل سمجھائے گئے تھے۔ چنانچہ یہ دونوں لڑکیاں اپنے عزم میں استوار رہیں اور 24 نومبر 851ء (237ھ) کو قتل کر دی گئیں۔ یولوجیس نے فلورا کے واقعہ شہادت پر ایک پر درد گیت لکھا ہے جو عیسائیوں کے مذہبی حلقہ میں ایک مدت تک پڑھا پڑھایا گیا۔

عبدالرحمٰن کے زمانہ میں عیسائیوں کی طلب شہادت کا یہ آخری واقعہ تھا، اس کے بعد حالات پر سکون ہو گئے اور تحریک کے رہبر یولوجیس وغیرہ رہا کر دیئے گئے اور اس کے دوسرے سال عبدالرحمٰن نے وفات پائی۔

لین پول کا خیال ہے کہ عبدالرحمٰن نے اپنی نرم خوئی سے اس تحریک کا مقابلہ کیا، اس کے لیے خصوصاً اس وقت جب کہ اشبیلیہ میں پادریوں نے متفقہ طور پر اس کو ناروا قرار دے دیا تھا، یولوجیس کو صرف قید کرنے کے بجائے اس کی زندگی کا خاتمہ کرا دینا چاہیے تھا لیکن اس نے رحم دلی سے کام لے کر ان کے ان افعال شنیعہ کو مجنونانہ حرکتوں پر محمول کیا اور صرف ان ہی لوگوں کو سزائیں دیں جنہوں نے اپنے پے در پے عمل سے اپنے کو شاتم رسولؐ کی سزا کا مستوجب ٹھہرایا اور اسی سبب سے عبدالرحمٰن اس تحریک کو دبانے میں کامیاب ہوا اور اس کی حیثیت چند متعصب پادریوں کی مجنونانہ حرکتوں سے کچھ زیادہ قرار نہ پائی لیکن آگے چل کر یولوجیس نے پھر سر اٹھایا اور امیر محمد بن عبدالرحمٰن ثانی کے ہاتھوں اپنے کیفر کردار کو پہنچا۔


مسلمانوں کے
ساتھ عیسائیوں
کا رویہ

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

صلیبی جنگیں کل اور آج

دو سو سال تک جاری رہنے والے معرکۂ صلیب و (ہلال) اسلام کا آغاز پانچویں صدی ہجری میں ہوا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب جنوبی یورپ میں مسلمانوں کی قوت کمزور پڑ چکی تھی۔ جزیرہ صقلیہ (سسلی) مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور ہسپانیہ (سپین) میں مسلم قوم کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ مسلمانوں کی بڑی اور متحد قوت آپس کی لڑائیوں کے سبب مختلف چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ چکی تھی اور ان کے مابین وقتاً فوقتاً نزاعات و خانہ جنگی کے واقعات ہوتے رہتے تھے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ ان میں سے بعض نے عیسائیوں سے مدد لے کر اپنے مسلم بھائیوں پر شب خون مارا اور انہیں کمزور کرنے کے لیے دشمن سے دوستی میں "قومی مفاد" تلاش کر لیا۔ اس کا لازمی اثر یہ تھا کہ اندلس میں مسلم قوت روز بروز کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی جا رہی تھی جبکہ صلیبیوں کے حوصلے بلند ہو رہے تھے اور انہوں نے اپنی متعدد حکومتیں قائم کر لی تھیں۔ مشرقی سپین میں واقع صلیبیوں کی حکومت اپنی طاقت کے بل بوتے پر قرب و جوار کی چھوٹی چھوٹی اسلامی حکومتوں سے ٹیکس (خراج) وصول کرنے لگی تھی۔

379ھ/ 989ء میں شمالی افریقہ میں مرابطین کے نام سے مسلم حکومت قدرے طاقتور تھی اور اس کے نامور مجاہد یوسف بن تاشفین صلیبیوں کے مقابلہ میں اندلس پہنچے تھے۔ مقابلے میں صلیبی کمانڈر الفانسو دوم تھا جسے یوسف نے شکست فاش سے دوچار کیا اور اندلس پر صلیبی قبضے کا خواب چکنا چور ہو گیا۔

ادھر ترکانِ آل سلجوق نے بغداد پر قبضہ کر کے اسلامی شان و شوکت کو چار چاند لگا دیئے' شام و فلسطین بھی ان کے زیر نگیں ہو گئے۔ مسلمانوں کی ان کامیابیوں سے یروشلم کی زیارت کو آنے والے عیسائیوں کو بڑی تکلیف تھی' کیونکہ مسلمانوں نے ان زائرین پر کچھ پابندیاں عائد کی تھیں۔ معروف فرانسیسی مورخ موسیو لیبان کے بیان کے مطابق زائرین کے گروہ بسا اوقات ایک لشکر کی صورت میں آتے' رچرڈ اپنے ساتھ سات سو افراد لایا تھا جو وہاں پہنچ نہ سکے جبکہ شیر فرائے میالس کا بطریق اور چار دیگر بطریق سات ہزار زائرین کا گروہ لے کر روانہ ہوئے۔ ان میں سے بہت سے سردار اور امراء تھے جو راستے میں ملنے والے دیہاتی مسلمانوں اور ترکوں سے لڑتے بھی تھے اور انہیں قتل کر ڈالتے۔ زائرین کی

تعداد میں روز بروز اضافہ کے ساتھ ساتھ ان کے اطوار کے بگاڑ میں بھی اضافہ ہونے لگا' چنانچہ مسلمان حکمرانوں نے ان پر بعض پابندیاں عائد کیں۔" (تمدنِ عرب از موسیو لیبان)

اسی دور میں فرانس کا ایک راہب (پیٹر) بیت المقدس کی زیارت کو آیا تو بیت المقدس پر مسلمانوں کے قبضہ و تسلط کو دیکھ کر دم بخود رہ گیا۔ بیت المقدس کے ایک بطریق نے اسے فرضی داستان سنا کر اور بھی پریشان کر دیا۔ جب اس نے اس سے کہا کہ مدفنِ مسیح پر مسلمان قابض ہیں اور عیسائیوں پر سخت مظالم ڈھاتے ہیں۔ تمدنِ عرب کے مصنف موسیو لیبان کے بقول پیٹر نے یہاں سے روم کا راستہ لیا اور پاپائے روم (اربن دوم) کو داستانِ غم سنا کر بیت المقدس کی مسلمانوں سے رہائی کے لیے تحریک چلانے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ پیٹر نے بڑی تیزی سے یورپ کا دورہ کر کے عیسائی لیڈروں کو بیت المقدس پر حملہ کے لیے اکسایا۔ پاپائے روم سے حاصل کردہ سفارشی خطوط پیٹر نے یورپ کے حکمرانوں تک پہنچائے اور عیسائی دنیا کو "مقدس جہاد" کے نام پر برانگیختہ کیا۔ بیت المقدس کے عیسائی زائرین پر مسلمانوں کے (فرضی) مظالم کی داستان کو رنگین انداز میں بیان کیا گیا اور یوں مسلمانوں کے خلاف نفرت کی فضا پیدا کر کے صلیبی جنگوں کے آغاز کی راہ ہموار کی گئی۔

چنانچہ اس سلسلہ میں 1055ء میں فرانس کے شہر کلرمون میں عیسائیوں کی ایک عظیم الشان کانفرنس ہوئی جس میں دنیا بھر سے صلیبی نمائندے شریک ہوئے۔ پوپ نے اس کانفرنس سے خطاب کر کے صلیبیوں کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی اور بائبل کی آیات کی غلط تاویل کرتے ہوئے یہ حکم سنایا کہ "اس وقت جو شخص اپنی صلیب کو نہ اٹھائے گا اور میرے ساتھ نہ چلے گا' وہ میرا پیروکار نہیں۔" (دیکھیے تاریخ یورپ' اے جے گرانٹ' ص 355) پوپ کی تقریر سے حاضرین میں جوش و ولولہ پیدا ہوا اور وہ سب بیک زبان کہنے لگے' ہاں خدا کی مرضی یہی ہے۔" چنانچہ سرخ کپڑے کی صلیبیں سینوں پر سجائے ایک لشکر جرار پیٹر کی قیادت میں مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لیے تیار ہو گیا۔ خود صلیبی مورخین کا بیان ہے کہ پیٹر اور ایک مفلس سردار گوتیر کی قیادت میں تیرہ لاکھ افراد پر مشتمل ایک ہجوم بے ہنگم مسلمانوں پر چڑھائی کے لیے انتہائی جوش و جذبے کے ساتھ قسطنطنیہ کی جانب روانہ ہوا۔ (دیکھیے تاریخ یورپ' اے' جے گرانٹ 355) مسلمانوں کے خلاف اس لاؤ لشکر کی نفرت کا عالم یہ تھا کہ راستے میں عیسائی آبادیوں نے شرکاء کو مقدس مشن کے راہی خیال کرتے ہوئے ان پر پھول نچھاور کیے اور ان کی پوری آؤ بھگت کی' اور ان شرکاء نے جہاں کہیں کوئی مسلم آبادی دیکھی اسے لوٹا اور وہاں کے مسلمانوں کو تہہ تیغ کیا۔ ایشیائے کوچک پہنچتے پہنچتے ان کی درندگی کا عالم یہ تھا کہ اگر کوئی بچہ انہیں نظر آ جاتا تو یہ اس کی تکا بوٹی کر کے آگ پر جلاتے۔ والیِ قونیہ کو ان کی اس دہشت گردی کا علم ہوا تو اس نے ان کے قتل عام کا حکم جاری کیا' چنانچہ پورے پورے جتھے قتل کیے گئے۔

ادھر یورپ کے حاکموں نے ایک باقاعدہ فوج تیار کر کے مسلمانوں پر چڑھائی کا منصوبہ مکمل کر لیا چنانچہ شمالی فرانس کی افواج' جنوبی فرانس کی افواج' برطانیہ اور جرمنی کی افواج اٹلی و سسلی کی فوجیں

اپنے حکمرانوں اور شہزادوں کی زیر قیادت روانہ ہوئیں۔ مقصد سب کا ایک اور مشن سب کا واحد تھا یعنی مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت اور پھیلتی ہوئی سلطنت کا خاتمہ اور صلیب کی حکمرانی۔ ان افواج کی مجموعی تعداد دس لاکھ تھی۔

1057ء میں صلیبی فوجیں گاڈفری کی قیادت میں باسفورس کو عبور کر کے ایشیائے کوچک پہنچیں اور قونیہ کا محاصرہ کرلیا۔ یہاں کے مسلمان حاکم قلیچ ارسلان سلجوقی نے بڑی جرأت مندی سے دفاع کیا مگر صلیبی فوجوں کے مقابلہ میں زیادہ دیر ٹھہر نہ سکا اور صلح کا راستہ اختیار کر کے باجگزاری قبول کرنا پڑی۔ قونیہ کی فتح کے بعد صلیبی افواج نے شام کا رخ کیا جہاں انہوں نے انطاقیہ کا محاصرہ کر کے ایک محافظ کو رشوت سے خریدا اور شہر پناہ کا دروازہ کھلوا کر شہر میں داخل ہوگئیں۔ صلیبیوں نے یہاں کے تمام باشندوں کا قتل عام کیا' مکانات ڈھادیئے اور پوری مسلم آبادی کو ختم کر کے دم لیا۔

پھر یہ لشکر صلیب معرۃ النعمان پہنچا جہاں تین دن تک قتل عام ہوا۔ ایک لاکھ سے زائد مسلمان قتل اور اتنے ہی گرفتار کر کے غلام بنائے گئے۔

1099ء میں صلیبیوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ مسلمان اس بڑے لشکر کا مقابلہ اپنی کمزوریوں اور باہمی رنجشوں کی بنا پر نہ کر سکے۔ فاطمیہ مصر جو اس وقت بیت المقدس کے بھی حاکم تھے' اپنے ساتھ دیگر مسلم اقوام و بلاد کو ملانے اور ایک وحدت مرکزیہ قائم کرنے میں ناکام رہے۔ چنانچہ 42 (بیالیس) روز محاصرہ رہنے کے بعد صلیبی بیت المقدس پر قابض ہوگئے۔ کئی ہفتے بیت المقدس میں قتل عام جاری رہا ستر ہزار سے زائد مسلمان قتل کیے گئے جو مسجد اقصیٰ میں پناہ لیے ہوئے تھے' ان میں ایک بڑی تعداد علماء و مشائخ کی تھی۔

ہزاروں مسلمانوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح مسلمانوں کی لاشوں پر گرا کر ذبح کیا گیا۔ آگ لگانے اور مکانوں کی چھتوں سے گرا کر مارنے کے واقعات الگ ہیں۔

صلیبی لشکر کے قائدین نے بیت المقدس کی فتح کی خبر پوپ کو روانہ کی تو اس میں یہ الفاظ بھی تحریر تھے:

> "خدا ہمارے عجز و انکسار سے رام ہوگیا اور ہمارے عجز و الحاح کے آٹھویں روز اس نے شہر کو دشمنوں سمیت ہمارے حوالہ کیا۔ اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہیں کہ جو دشمن (مسلم) وہاں موجود تھے ان کے ساتھ ہم نے کیا کیا تو اس قدر لکھنا کافی ہے کہ جب ہمارے سپاہی حضرت سلیمان کے معبد میں داخل ہوئے تو ان کے گھوڑوں کے گھٹنوں تک مسلمانوں کا خون تھا۔" (تاریخ یورپ' ص 357)

ہم نہیں کہتے مگر آج کے مہذب کہلانے والے عیسائیوں کے مہذب آباؤ اجداد کے بارے میں خود لیبان نے لکھا ہے کہ:

"صلیبیوں کی فوج کشیوں میں ان کے افعال بالکل رذیل ترین اور احمق ترین

وحشیوں کے سے تھے' ان کا برتاؤ شرکاء جنگ کے ساتھ' دشمنوں کے ساتھ' بے قصور رعایا کے ساتھ' سپاہیوں کے ساتھ' یکساں تھا یعنی وہ سب کو بلا امتیاز لوٹتے اور قتل کرتے تھے۔" (تمدنِ عرب' ص 290)

مزید برآں یہ کہ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے صلیبیوں نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی' مورخ لین پول کے بقول:

"صلیبیوں نے مسلمانوں پر زندگی تنگ کردی' انہوں نے اپنے سرداروں کو اشتعال دلایا کہ وہ مسلمانوں پر بلاوجہ اور بلا سبب لوٹ مار کے حملے اور دھاوے شروع کردیں' بارہویں صدی کی پہلی چوتھائی کے حالات بیان کرتے ہوئے مورخین لکھتے ہیں کہ افرنجیوں کی تاخت و تاراج اور رہزنی روز بروز بڑھتی ہی چلی گئی۔ انہوں نے مسلمانوں کو ایسا نقصان پہنچایا جس کا بیان کرنا دشوار ہے۔ عراق پہنچ کر انہوں نے لوٹ مار کا بازار گرم کیا اور جتنی دولت' زیور' جنس مسلمانوں کے پاس تھی سب لوٹ لی۔ حران اور رقہ پہنچ کر مسلمانوں کی سخت تذلیل کی اور شرمناک انداز میں مسلمانوں کا قتل عام کیا۔

(دیکھیے: صلاح الدین از لین پول' ص 29)

یہ اس طویل تاریخ کا خلاصہ ہے جو پہلی صلیبی جنگ کے عنوان سے مؤرخین نے مرتب کی ہے اور جس کا ہر ہر صفحہ خونِ مسلم کی ایک خونچکاں داستاں سے عبارت ہے۔ شاہ معین الدین ندوی تاریخ اسلام میں اس دردناک داستان کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بیت المقدس پر صلیبی قبضے اور مسلمانوں کے وحشیانہ قتل عام سے ساری دنیائے اسلام میں اضطراب پیدا ہوگیا' ان کی مرکزی حکومت خلافت بغداد میں کوئی دم خم باقی نہ تھا' اس کے سلجوقی منتظم خانہ جنگی میں مبتلا تھے' اس لیے وہاں سے انہیں کوئی مدد نہ پہنچ سکی۔ شام' مصر' دیارِ بکر' دیارِ ربیعہ' موصل وغیرہ کے مسلمان فرمانرواؤں سے جہاں تک ہوسکا فرنگیوں کے مقابلہ کی کوشش کی مگر صلیبیوں نے جنگوں کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ شروع کردیا۔ ان لڑائیوں میں وقتاً فوقتاً مسلمان حکمران بھی کامیاب ہوئے لیکن ان میں باہم اتحاد نہ تھا اور صلیبیوں کو یورپ کی حکومتوں کی پشت پناہی حاصل تھی' جہاں سے امداد کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ اس لیے چند برسوں کے اندر انہوں نے قریب قریب پورے شام و فلسطین پر قبضہ کرلیا۔"

بیت المقدس کی فتح کے بعد تین عیسائی ریاستیں اس علاقہ میں قائم کی گئیں' بیت المقدس پر گاڈ فری حاکم ہوا' الرہا کی حکومت بولون کے شہزادے بالڈون کو ملی جبکہ انطاکیہ پر بوہمنڈ کو مقرر کیا گیا۔ بیت

المقدس کی فتح کے چند برسوں کے اندر ہی صلیبیوں نے فلسطین کا بڑا حصہ بھی فتح کرلیا اور مسلمانوں میں خونریزی کر کے اپنا رعب اور نفسیاتی تسلط قائم کر دیا۔

مندرجہ بالا معرکہ صلیب و اسلام کے حوادث و واقعات پڑھ کر ایک شخص یہ سوچ سکتا ہے کہ آخر مسلمانوں کو اس معرکہ میں ایسی ہزیمت کیوں اٹھانا پڑی۔ اس سوال کے جواب کے لیے ہمیں ان اسباب وعوامل پر ایک نظر ڈالنا ہوگی جو مسلمانوں کی اس ذلت و رسوائی اور نقصانِ عظیم کا باعث ہوئے۔ مورخین کے بقول اس کا بڑا سبب مسلمانوں کا چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہونا اور آپس میں اتحاد و یگانگت کی بجائے نزاعات و رنجشوں کا پروان چڑھنا ہے' اگر مسلمانوں کی کوئی ایک متحدہ حکومت ہوتی اور وہ کسی بڑی سلطنت کے اس طرح مالک ہوتے کہ ان کا ایک خلیفہ یا امیر ہوتا تو یہ صورتحال ہرگز پیش نہ آتی۔ صلیبیوں نے جس چیز سے فائدہ اٹھایا وہ مسلمانوں کی باہمی رنجشیں اور لامرکزیت ہی تھی۔ سلجوقی شہزادے باہم دست و گریباں تھے اور ان میں سے اکثر خود مختار بننے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ ان میں کوئی بھی ایسا باہمت نہ تھا جو آگے بڑھ کر سب کو اپنی کمان میں جمع کرتا اور دشمن کے خلاف صف آرا ہوسکتا۔

بقول سٹینلے لین پول:

> ''اگر اہلِ یورپ کا یہ حملہ ایک پشت پہلے ہوتا تو سلجوقی ایسے نہ تھے کہ کوئی گھونسا دکھاتا اور وہ چپ بیٹھے رہتے۔ یورپ کی یہی فوج کشی اگر ایک پشت بعد پیش آتی تو عماد الدین اور نورالدین زنگی (جو سلجوقیوں کے اقتدار کو ختم کر کے اسلامی قوت کو بحال کر چکے تھے) یورپ کے ان حملہ آوروں کو سمندر میں غرق کر دیتے۔'' (صلاح الدین از لین پول' ص 21)

دوسری صلیبی جنگ

بارہویں صدی عیسوی میں موصل کا فرمانروا اتابکی زنگی مسلم خاندان ہوا' عماد الدین اور نورالدین اس خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ عماد الدین شہزادوں کا استاذ (اتالیق) تھا۔ اس نے پہلی صلیبی جنگ میں مسلمانوں کی نسل کشی ہوتے دیکھی اور وہ صلیبیوں کی فتح کو مسلمانوں کی کمزوریوں کے حوالہ سے دیکھتا اور پرکھتا تھا۔ چنانچہ اس نے بکھری ہوئی مسلم ریاستوں کو یکجا کرنے کے لیے سرتوڑ کوششیں کیں۔ اس میں اسے بعض ریاستوں کے والیوں کی جانب سے شدید مزاحمت کا سامنا بھی کرنا پڑا مگر وہ اپنے مشن یعنی اتحادِ امت مسلمہ اور خاتمہ تفریق پر ڈٹا رہا حتیٰ کہ بعض مسلم والی اور امراء عیسائیوں کے ساتھ مل کر عماد الدین کے خلاف صف آرا ہوئے تاہم اس نے اس کی پروا کیے بغیر بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں (جیسے بنج' حصن' بزاعۂ حلب' حماۃ اور حمص وغیرہ) کو زیر کر کے عیسائیوں کے قلعہ اثارب کو فتح کرلیا۔ مسلم امت کو متحد کرنے کی کوششوں میں عماد الدین کو مصروف پا کر عیسائیوں نے سازش کی

اور موصل میں خانہ جنگی شروع کرا دی جسے فرد کرنے میں عمادالدین کو دس برس لگ گئے۔ 1137ء میں اس نے شام کا رخ کیا اور کئی علاقے فتح کر کے اپنی قلمرو میں شامل کر لیے۔

1144ء میں عمادالدین نے الرہا کے عیسائی قلعہ پر قبضہ کر لیا جو پہلی صلیبی جنگ میں عیسائیوں کے زیر تسلط آ گیا تھا اور جہاں عیسائیوں نے مسلمانوں پر مظالم کی انتہا کر دی تھی۔ اس قلعہ کی فتح سے عیسائی دنیا میں کہرام مچ گیا اور یورپ نے پھر سے اسلام کے خلاف صف آراء ہونے کی ٹھانی۔ چنانچہ دوسری صلیبی جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ادھر عمادالدین کے غلاموں نے صلیبیوں کے اکسانے پر اور بظاہر ذاتی عناد کی بناء پر عمادالدین کو قتل کر دیا۔ عمادالدین اگرچہ انتقال کر گیا مگر بقول لین پول وہ ایسے کام کر گیا تھا کہ ساری نصرانی دنیا مل کر بھی اس کے کام کو ختم نہ کر سکتی تھی۔ (صلاح الدین از لین پول، ص54) اس کے نمایاں کارناموں میں نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی جیسے جوانوں کی تربیت اور مسلم اُمہ میں بیداری کی ایک لہر پیدا کرنے کے علاوہ مسلمانوں کی مرکزیت بحال کرنا بھی ہے۔

الرہا کی ریاست پر مسلمانوں کے قبضے کو یورپ آسانی سے ہضم نہیں کر سکتا تھا چنانچہ پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ لکھتے ہیں:

> "پہلے صلیبی حملے کے لیے جو کردار پیٹر راہب نے ادا کیا، اب وہ کردار قدیس برنارڈ نے ادا کیا۔ پوپ یوجینیوس ثالث نے وہ خدمات سرانجام دینے کا عزم کیا جو خدمات پہلے صلیبی حملہ کے وقت اوربان ثانی نے انجام دی تھیں۔"

(ضیاء النبی، جلد ششم)

چنانچہ اس نے 1146ء میں عیسائیوں کی ایک کانفرنس طلب کی جس سے خطاب کر کے اس نے صلیبیوں کے جذبات بھڑکانے اور ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کی آگ جلانے کا کام کیا، جس کے نتیجے میں وہ مسلمانوں کے خلاف دوسری صلیبی جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اس کانفرنس کے نتیجے میں فرانس کے بادشاہ لوئی ہفتم اور جرمنی کے فرماں روا کانراڈ نے مشترکہ طور پر کئی لاکھ کی فوج شام پر حملہ کے لیے روانہ کی۔ مگر اس بار معین الدین آرنر (بعلبک کا جاگیردار جو پہلی صلیبی جنگ میں عمادالدین کی مخالفت میں صلیبیوں سے مل گیا تھا) نے صلیبیوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ یورپ کے یہ سورما لڑے بغیر ہی اپنے اپنے وطن واپس ہو گئے۔ (صلاح الدین، ص50) تاہم شام کے عیسائیوں نے نورالدین کے خلاف علم بغاوت بلند کیا جس میں انہیں شکست دے کر نورالدین زنگی نے شام پر قبضہ کر لیا۔

نورالدین زنگی عمادالدین زنگی کا بیٹا تھا۔ وہ ایک متقی صالح باپ کا متقی صالح اور بہادر بیٹا ثابت ہوا اور اپنے تاریخی کارناموں کی بناء پر تاریخ میں نیک نام بہادر کی شہرت پا گیا۔ نورالدین نے صلیبیوں کے مقابلہ کے لیے مسلمانوں کی وحدت و مرکزیت پر خاص توجہ دی چنانچہ اس نے شام، الجزیرہ اور مصر کی چھوٹی ریاستوں کو ایک ہی پرچم تلے جمع کرنے اور متحد کرنے کی شاندار کوشش کی۔ 1171ء

میں فاطمی حکومت کا مصر سے خاتمہ ہوگیا اور یوں نورالدین زنگی نے ایک بڑی قوت منظم کر کے صلیبیوں کے ساتھ فیصلہ کن معرکہ کی تیاری شروع کردی۔ اس نے بیت المقدس کو صلیبیوں کے پنجۂ استبداد سے چھڑانے کے لیے انتھک محنت کی۔ اسے یقین تھا کہ وہ ضرور بیت المقدس کو فتح کرلے گا مگر اس کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ 1174ء میں انتقال کرگیا۔ نورالدین زنگی نے صلیبیوں کے حملوں کا خوب مقابلہ کیا اگرچہ اسے شمال میں حلب کے علاقہ باشرعین تاب اور عزاز فتح کرنے میں کامیابی نہ ہوسکی اور صلیبی کمانڈر جوسلن کے ہاتھوں اسے سخت ہزیمت اٹھانا پڑی تاہم اس نے جوسلن کو بالآخر گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا اور اس کی حکومت کے بڑے حصے پر اسلامی پھریرا لہرادیا۔ اس صلیبی خطے کو جو جوسلن کے زیر تسلط تھا آزاد کرانے میں نورالدین کو دس سال لگے۔ جوسلن کی گرفتاری و شکست پر یورپ میں بھونچال آگیا اور صلیبی فوجوں نے ایک خونریز جنگ لڑی جس میں نورالدین فتح یاب اور اسلام کا بول بالا ہوا۔

نورالدین ان حکمرانوں میں سے ایک تھا جو دن گھوڑے کی پیٹھ پر اور رات مصلیٰ عبادت پر گزارا کرتے تھے۔ یہ وہی نورالدین ہے جس کے بارے میں علامہ سمہودی (م 911ھ) نے وفاء الوفاء میں حسب ذیل واقعہ نقل کیا ہے اور اسے شیخ جمال الدین عبدالرحیم اسنوی شافعی (متوفی 772ھ) کی کتاب انتصارات اسلامیہ سے منسوب کیا ہے۔ اس واقعہ سے عیسایوں کی اسلام و مسلمانوں سے نفرت اور پیغمبر اسلام سے دشمنی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

سلطان عادل نورالدین شہید کے عہد سلطنت میں نصاریٰ کے نفسوں نے انہیں ایک برے امر پر آمادہ کیا۔ ان کا گمان تھا کہ وہ پورا ہو جائے گا اور اللہ اپنی روشنی پورا کیے بغیر نہیں رہتا' خواہ منکر برا مانیں۔ وہ امر یہ ہے کہ سلطان مذکور رات کو تہجد اور وظائف پڑھا کرتا تھا۔ ایک روز تہجد کے بعد سوگیا۔ خواب میں نبی ﷺ کو دیکھا کہ دو سرخ رنگ شخصوں کی طرف اشارہ کر کے فرمارہے ہیں۔ میری مدد کر اور مجھے ان دو سے بچا۔ وہ ڈر کر جاگ اٹھا۔ پھر وضو کیا نماز پڑھی اور سوگیا۔ پھر اس نے وہی خواب دیکھا' جاگ اٹھا اور نماز پڑھ کر سوگیا۔ پھر تیسری بار وہی خواب دیکھا۔ پس جاگ اٹھا اور کہنے لگا۔ نیند باقی نہیں رہی۔ اس کا وزیر ایک صالح شخص تھا' جس کا نام جمال الدین موصلی تھا' رات کو اسے بلایا اور تمام ماجرا اسے کہہ سنایا۔ اس نے کہا تم کیسے بیٹھے ہو۔ اسی وقت مدینۃ النبی کی طرف روانہ ہو جاؤ اور اپنے خواب کو پوشیدہ رکھو۔ یہ سن کر اس نے بقیہ شب میں تیاری کرلی اور سبکسار سواریوں پر بیس آدمیوں کے ساتھ نکلا۔ وزیر مذکور اور بہت سا مال بھی اس کے ساتھ تھا۔ سولہ دن میں وہ مدینے پہنچا۔ شہر سے باہر غسل کیا اور داخل ہوا۔ روضہ منورہ میں نماز پڑھی اور زیارت کی۔ پھر بیٹھ گیا۔ حیران تھا کہ کیا کرے۔ جب اہل مدینہ مسجد میں جمع تھے تو وزیر نے کہا۔ سلطان نبی ﷺ کی زیارت کے ارادے سے آیا ہے اور خیرات کے لیے اپنے ساتھ بہت سا مال لایا ہے' جو یہاں کے رہنے والے ہیں' ان کے نام لکھو۔ اس طرح تمام اہل مدینہ کے نام لکھے گئے۔ سلطان نے سب کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ جو خیرات لینے آتا سلطان اسے بغور دیکھتا

تا کہ وہ صفت و شکل جو نبی ﷺ نے اسے دکھائی تھی معلوم کرے، جس میں وہ حلیہ نہ پاتا اسے صدقہ دے کر کہتا کہ چلے جاؤ۔ یہاں تک کہ سب لوگ آ چکے۔ سلطان نے پوچھا کہ کیا کوئی باقی رہ گیا ہے جس نے صدقہ نہ لیا ہو۔ انہوں نے عرض کی نہیں۔ سلطان نے کہا غور و فکر کرو۔ اس پر انہوں نے کہا اور تو کوئی باقی نہیں مگر دو مغربی شخص جو کسی سے کچھ نہیں لیتے۔ وہ پارسا اور دولت مند ہیں اور محتاجوں کو اکثر صدقہ دیتے رہتے ہیں۔ یہ سن کر سلطان خوش ہوگیا اور حکم دیا کہ ان دونوں کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ وہ لائے گئے۔ سلطان نے انہیں وہی دو شخص پایا جن کی طرف نبی ﷺ نے ارشاد کر کے فرمایا تھا کہ میری مدد کر اور مجھے ان سے بچا۔ پس ان سے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو۔ انہوں نے کہا ہم دیارِ مغرب سے حج کرنے کے لیے آئے ہیں۔ اس لیے اس سال ہم نے نبی ﷺ کی مجاورت اختیار کی ہے۔ سلطان نے کہا سچ بتاؤ مگر وہ اپنی بات پر قائم رہے۔ پھر لوگوں سے پوچھا۔ یہ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ عرض کیا گیا کہ حجرہ شریف کے قریب رباط میں رہتے ہیں۔ یہ سن کر سلطان نے دونوں کو گرفتار کر لیا اور ان کے مکان میں آیا۔ وہاں بہت سا مال، دو قرآن مجید اور وعظ و نصیحت کی کتابیں پائیں۔ ان کے سوا اور کچھ نظر نہ آیا۔ اہل مدینہ نے ان کی بڑی تعریف کی کہ یہ بڑے سخی اور فیاض ہیں۔ صائم الدہر ہیں اور روضہ شریف میں صلوٰۃ اور نبی ﷺ کی زیارت کے پابند ہیں۔ ہر صبح جنت البقیع کی زیارت کو جاتے ہیں اور ہر ہفتہ قباء کی زیارت کرتے ہیں۔ کسی سائل کا سوال رد نہیں کرتے۔ ان کی فیاضی سے اس قحط سالی میں مدینہ میں کوئی محتاج نہیں رہا۔ یہ سن کر سلطان نے کہا۔ سبحان اللہ! اور اپنے خواب کو ظاہر نہ کیا۔ سلطان بذاتِ خود اس مکان میں پھرتا رہا۔ اس میں ایک چٹائی جو اٹھائی تو اس کے نیچے تہہ خانہ دیکھا جو حجرہ شریف کی طرف کھود رکھا تھا۔ لوگ یہ دیکھ کر ڈر گئے۔ اس وقت سلطان نے کہا تم اپنا حال سچ سچ بتاؤ اور انہیں بہت مارا۔ پس انہوں نے اقرار کیا کہ ہم عیسائی ہیں۔ ہم کو نصاریٰ نے مغربی حاجیوں کے بھیس میں بھیجا ہے اور ہمیں بہت سا مال دیا ہے اور کہا ہے کہ اسے حجرہ شریف تک پہنچے اور جسد مبارک نکالنے کا حیلہ و وسیلہ ٹھہراؤ۔ بھیجنے والے عیسائیوں کا یہ وہم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس بات پر قادر کر دے گا اور وہ، وہ کریں گے جو شیطان نے انہیں سمجھایا تھا۔ اس لیے وہ دونوں حجرہ شریف کے سب سے قریب رباط میں اترتے تھے اور انہوں نے وہ کیا جو اوپر ذکر ہوا۔ وہ رات کو کھودا کرتے تھے اور ہر ایک کے پاس مغربیوں کے لباس کے مطابق ایک چمڑے کی تھیلی تھی جو مٹی جمع ہوتی ہر ایک اپنی تھیلی میں ڈال لیتا اور دونوں زیارت بقیع کے بہانے سے نکل جاتے اور قبروں میں پھینک آتے۔ کچھ مدت وہ اسی طرح کرتے رہے۔ جب کھودتے کھودتے حجرہ شریف کے قریب پہنچ گئے تو آسمان میں گرج پیدا ہوئی، بجلی چمکی اور ایسا زلزلہ عظیم پیدا ہوا کہ گویا پہاڑ جڑ سے اکھڑ گئے ہیں۔ اسی رات کی صبح کو سلطان نورالدین آ پہنچا۔ اور دونوں کی گرفتاری اور اعتراف وقوع میں آیا۔ جب دونوں نے اعتراف کر لیا اور اس کے ہاتھ پر ان کا حال ظاہر ہوگیا اور اس نے اللہ کی یہ عنایت دیکھی کہ یہ کام اس سے لیا تو وہ بہت رویا اور اُن کی گردن زنی کا حکم دیا۔ پس وہ اس جالی کے نیچے قتل کیے گئے جو حجرۂ شریف کے قریب بقیع سے متصل ہے۔ پھر اس نے بہت سی رانگ

منگوائی اور تمام حجرہ شریف کے گرد پانی کی تہہ تک ایک بڑی خندق کھدوائی وہ رانگ پگھلائی گئی اور اس سے خندق بھر دی گئی۔ اس طرح حجرۂ شریف کے گرد پانی کی تہہ تک رانگ کی دیوار تیار ہوگئی۔ پھر سلطان مذکور اپنے ملک کو چلا آیا اور حکم دیا کہ نصاریٰ کمزور کردیئے جائیں اور کوئی کافر عامل نہ بنایا جائے۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد سلطان نورالدین کا انتقال ہوگیا۔ (سیرت رسول عربیؐ نور بخش توکلی)

نورالدین زنگی کی وفات کے بعد صلیبی قوتوں نے پھر سر اٹھانا شروع کیا مگر چونکہ نورالدین نے صلیبیوں کو حمص وحماۃ میں شکست دی تھی اور بانیاس کے صلیبی فرمانروا ہمفرے کو ہزیمت سے دوچار کیا تھا اور انطاکیہ' طرابلس اور لوسکنان کے عیسائی فرمانرواؤں کو گرفتار کرلیا تھا اس لیے ان کی کمر ہمت ٹوٹ گئی تھی' تاہم مصر پر قبضہ کرنے کی تمنا ان کے دلوں میں انگڑائی لے رہی تھی۔ نورالدین زنگی نے مصر کے حکمران اسدالدین کی مدد کرکے صلیبیوں کے لیے فتح مصر کی خواہش کی تکمیل ممکن نہ رہنے دی۔ صلیبیوں نے ایک چال چلتے ہوئے مصری حکومت کو درپردہ صلح پر آمادہ کرلیا مگر نورالدین زنگی نے آگے بڑھ کر مصر پر قبضہ کرلیا اور صلاح الدین ایوبی کو وزیر مصر مقرر کردیا۔ صلیبیوں نے ایک بار پھر جم کر مصر پر حملہ کیا اور دمیاط کا محاصرہ کرلیا جسے صلاح الدین اور نورالدین زنگی نے ہوشمندی سے ناکام بنادیا۔

صلاح الدین ایوبی

صلاح الدین ایوبی نجم الدین کا فرزند تھا۔ یہ 532ھ/ 39-1138ء میں تکریت (مضافات عراق) میں پیدا ہوا۔ نورالدین زنگی نے جب دمشق پر قبضہ کیا تو صلاح الدین سولہ سترہ برس کا نوخیز تھا۔ وہ اس نوعمری ہی میں نورالدین زنگی کے زیر سرپرستی متعدد عظیم الشان معرکوں میں شریک رہا۔ 564ھ/ 69-1168ء میں وہ اپنے چچا کی وفات پر مصر کا وزیر مقرر ہوا اور یہیں سے قدرت نے اسے اس عروج کے جادۂ مستقیم پر گامزن کیا جس نے اسے تاریخ کی ایک ناقابلِ فراموش شخصیت بنادیا ہے۔

صلاح الدین ایوبی نے مصر میں وزارت کے بعد نہ صرف وہاں بلکہ شام' حلب' رہا اور موصل پر اقتدار اسلامی مستحکم کرکے اپنی پوری توجہ صلیبیوں کی جانب مرکوز کردی۔ وہ ایک بہادر سپہ سالار اور مدبر حکمراں تھا' اس نے عیسائی ریاستوں کے اندرونی احوال کا گہرا جائزہ لیا اور ایسے وقت کے انتظار میں رہا جب بیت المقدس کی آزادی کے لیے صلیبیوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ موزوں ہوسکتی تھی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کو صلیبیوں سے مقابلہ کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی طرف سے بھی بعض شورشوں کا سامنا تھا۔ موصل کا والی سیف الدین غازی اور دمشق کے بعض امراء صلیبیوں سے مل گئے تھے اور اس کے خلاف مسلسل سازشیں کررہے تھے مگر سلطان نے اپنی ہوشمندی اور بیدار مغزی سے کام لیتے ہوئے دمشق' حمص' بعلبک کو زیرنگیں کیا اور سیف الدین کو شکست دے کر بزاعہ اور غراز وغیرہ کو اپنے تابع کرلیا۔

یہود و ہنود کی ہمیشہ یہ عادت رہی ہے کہ وہ مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑا کر اپنے مقاصد

حاصل کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ایسے واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ صلاح الدین نے صلیبیوں کی ان سازشوں کا ایک ہی علاج تجویز کیا کہ جو کفار کا ساتھ دے' اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو کافروں کے ساتھ یعنی یہ کہ جنگ اور فتح۔ صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کے ساتھ ساتھ صلیبیوں کے آلۂ کار بن جانے والے مسلم مصلحت کوش اور مفاد پرست عناصر کا بھی مقابلہ کیا۔ شام کے عیسائیوں نے اپنے فرماں رواں ریجی نالڈ (Reginold) کی سرکردگی میں جزیرہ نمائے عرب پر فوج کشی کر کے آنحضرت ﷺ کے مزارِ مبارک اور مکہ معظمہ میں خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کی ناپاک جسارت کرنا چاہی تو صلاح الدین نے پوری قوت سے اسے ناکام بنادیا۔ (دیکھئے: صلاح الدین از لین پول' ص 152)

یہاں اس بات کا بیان کرنا بھی ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ریجی نالڈ عیسائیوں کا وہ متعصب حکمران ہے جسے اسلام اور جنابِ رسول ﷺ سے انتہائی درجہ کی عداوت تھی۔ اس نے 578ھ اور پھر 579ھ میں حرمین شریفین پر حملہ' قبضہ اور بے حرمتی کی منصوبہ بندی کر کے اپنے ارادہ کی تکمیل کی خاطر صف بندی کی اور کئی بار مسلمانوں پر حملہ آور ہوا' اس نے ایلہ کا بحری راستہ بند کر کے' بحیرۂ قلزم کی بدرگاہ الحوراء پر قبضہ کا ارادہ کیا تاکہ وہاں سے مدینہ منورہ پر حملہ کر سکے۔ مگر مسلمانوں کے امیر البحر لوء نے اس کی یہ سکیم ناکام بنادی اور اسے فرار ہونا پڑا۔ یہ بدبخت ایسا اسلام دشمن شقی القلب تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ بدسلوکی کے علاوہ ان کے سامنے شعائرِ اسلام کی کھلے عام تضحیک و توہین کرتا۔ 1186ء میں اس نے مسلمان تاجروں کے ایک قافلہ کو لوٹ کر گرفتار کر لیا۔ ان تاجروں نے جب اس سے رہائی کے لیے اپیل کی تو اس نے یہ طنزیہ جملہ کہا۔

"تم محمد پر ایمان رکھتے ہو۔ اس سے کیوں نہیں کہتے کہ وہ آ کر تمہیں چھڑائے۔"

صلاح الدین ایوبی کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے عہد کیا کہ خدا نے موقع دیا تو وہ اس دریدہ دہنی کا بدلہ اسے اپنی تلوار سے قتل کر کے لے گا۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 195) 491ھ/ 1099ء کے معرکہ صلیب و ہلال میں جب معزز صلیبی قیدی سلطان کے دربار میں پیش کیے گئے تو ان میں یروشلم کا بادشاہ گائی اور ریجی نالڈ بھی تھے۔ سلطان نے قیدیوں کو کھانے کے لیے بھیج کر گائی اور ریجی نالڈ کو روک لیا۔ پھر سلطان نے ان کے سامنے ریجی نالڈ کی سابقہ بداعمالیاں ایک ایک کر کے بیان کیں اور کہا:

> "اس وقت میں رسول اللہ ﷺ سے مدد چاہتا ہوں (یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ تھا جس میں ریجی نالڈ نے تاجروں سے حضور ﷺ کو بلانے کو کہا تھا) پھر سلطان نے ریجی نالڈ کے سامنے دعوتِ اسلام پیش کی جسے ریجی نالڈ نے ٹھکرا دیا۔ چنانچہ سلطان نے خود اپنی تلوار سے اس بدبخت کا سر قلم کر کے اپنی قسم پوری کی۔"

(کتاب الروضتین' ج 2' ص 81)

اس طرح صلاح الدین مسلسل چودہ برس تک صلیبیوں کے خلاف مختلف محاذوں پر نبرد آزما رہا۔ جب وہ متعدد محاذوں پر صلیبیوں کو شکست دے چکا تو اس نے بیت المقدس کی آزادی کے لیے اب

مناسب موقع جانتے ہوئے "اعلانِ جہاد آزادئ بیت المقدس" کردیا۔

چنانچہ 1187ء میں مسلمان افواج اس کے پرچم تلے جمع ہوگئیں اور وہ بیت المقدس کی فتح کے جذبہ سے سرشار فلسطین کی جانب روانہ ہوا۔ حطین کے مقام پر صلیب و ہلال کا فیصلہ کن معرکہ برپا ہوا۔ (ضیاء النبیؐ جلد ششم، ص74) جس میں قدرت نے اسلام کو فتح و نصرت سے ہمکنار کیا اور صلاح الدین غازی کا لقب پا گیا۔ حطین کی فتح کے بعد وہ فوراً بیت المقدس پہنچا اور اس نے شہر بیت المقدس کا محاصرہ کرلیا۔ صلیبیوں نے اندرونِ شہر رہ کر مقابلہ کیا مگر وہ زیادہ عرصہ اس محاصرہ کی تاب نہ لاسکے اور جان و مال کی حفاظت کی شرط پر شہر حوالہ کردیا۔ بیت المقدس کے مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو جانے کی خبر نے یورپ میں ایک بار پھر آگ لگا دی اور وہ مسلمانوں سے انتقام کے جوش میں اور بیت المقدس کی آزادی کے نعرے کے تحت رچرڈ شیر دل کی قیادت میں جمع ہوئے اور جنگ کی ٹھانی۔

تیسری صلیبی جنگ

اس جنگ عظیم کو تیسری صلیبی جنگ سے موسوم کیا گیا۔ اس تیسری جنگ میں شہنشاہ فریڈرک بار بروسا (جرمنی) شیر دل رچرڈ (انگلستان) اور فلپ آگسٹس دوم شاہ فرانس پوپ کے حکم سے خود قیادت کرتے ہوئے شریک جنگ ہوئے۔ رچرڈ جسے شیر دل آف انگلستان کہا جاتا تھا اس جنگ میں زیادہ پر جوش مگر صلاح الدین سے مرعوب اور خائف تھا۔ اس نے مقابلہ کرنے کی بجائے صلاح الدین کے بھائی الملک العادل کو اپنی بہن کا رشتہ پیش کیا جسے ملک نے ٹھکرا دیا۔ حوالہ کے لیے دیکھیے (Decline and Fall of the Roman Empire. Edward Gibben. Vol. 6, p. 508)

دی کریسیڈ کے مصنف نے لکھا ہے کہ اس جنگ کے بعد مغرب سے اتنی بڑی فوج اور اتنے بڑے بڑے بہادر فوجی سردار پھر کبھی نہیں نکلے، لیکن باہمی رقابت و اختلاف اور ذاتی مفادات کی وجہ سے تیسری صلیبی جنگ میں تباہی ان کے مقدر میں آئی۔ دیکھئے: (The Cresed p. 348)

دنیا کی تین بڑی کافر طاقتیں اتحادی بن کر مسلمانوں کے مقابلہ میں اُتریں، تینوں نے مختلف راستوں سے بیت المقدس اور اسلامی مقبوضات کا رُخ کیا۔ جرمن سردار (بادشاہ فریڈرک) خشکی کے راستے ایشیائے کوچک کی جانب روانہ ہوا مگر موت نے اسے ایک دریا میں آدبوچا۔ اس واقعہ سے اس کی فوج بددل ہو کر واپس جرمنی چلی گئی۔ رچرڈ اور فرانس کے فلپ دوم راستے ہی میں لڑتے رہے اور شام پہنچ کر فلپ نے واپس کا راستہ اختیار کیا۔ جبکہ رچرڈ نے عکا کا محاصرہ کرنے کے بعد 1191ء میں عکا پر صلیبی قبضہ کو یقینی بنادیا۔ اس کے بعد رچرڈ نے صلاح الدین ایوبی سے صلح جوئی کی کوششیں شروع کردیں اور بالآخر ایک معاہدہ رچرڈ اور صلاح الدین کے مابین طے پا گیا۔

(تاریخ یورپ، ص60-359)

سلطان صلاح الدین ایوبی 19 سال تک شام اور 24 برس تک مصر پر حکومت کرنے کے بعد

57 برس کی عمر میں صفراوی بخار کے بہانے 27 صفر 589ھ/4 مارچ 1193ء کو راہی ملک عدم ہوا اور اس نے اپنی جان اس حال میں اپنے مالک و مولیٰ کے سپرد کی کہ وہ اس کے سچے دین کو غالب اور صلیب کو مغلوب کر چکا تھا۔

چوتھی صلیبی جنگ

اگرچہ سلطان صلاح الدین ایوبی سے رچرڈ نے صلح کر لی تھی اور بظاہر صلیبی جنگوں کا سلسلہ سرد پڑ گیا تھا مگر یورپ کے صلیبی مذہبی لیڈروں نے اس صورتحال کو دل سے تسلیم نہ کیا اور وہ مسلسل مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے تانے بانے بننے میں مصروف رہے۔ تاریخ یورپ کے مصنف گرانٹ کے مطابق پوپ انوسنٹ سوم نے یورپ کو پھر سے صلیبی جنگ کے لیے اکسانا شروع کیا جس کے نتیجہ میں فرانس کے امراء نے وینس میں جمع ہو کر جنگی حکمت عملی تیار کی۔ سابق صلیبی جنگوں میں شام کے علاوہ دیگر سواحل پر صلیبیوں نے قبضہ کیا تھا اور یوں صلیبیوں کی تجارت قسطنطنیہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں کے تاجروں نے اپنی تجارت کو مزید محفوظ بنانے کے لیے صلیبیوں کی مدد کی اور اس شرط پر جہاز فراہم کیے کہ وہ زارا کو فتح کر کے وینس کے شہر کے تابع کر دیں۔ صلیبیوں نے تاجروں سے مالی منفعت کے پیش نظر اپنے ہی شہر زارا پر چڑھائی کر دی اور زارا کو فتح کر کے وینس کے ماتحت کر دیا۔ اس طرح صلیبیوں نے اپنے ہی شہر کو لوٹا اور پھر فلسطین کا رخ کیا۔ ان کے سردار ریجی نالڈ نے انطاکیہ کے حاکم بوہمنڈ سے مل کر ایک نئی جنگ کی تیاری کی مگر اس کا محاصرہ ہو گیا اور فوج کو تباہی کا سامنا کرنا پڑا۔

(کریسیڈ۔ ازار چرا اینڈ کنکسفورڈ)

1195ء میں جرمنی کے بادشاہ ہنری ہشتم نے ایک صلیبی حملہ کیا مگر اسے کامیابی نہ ہو سکی۔ وہ خود اس حملے میں کام آ گیا اور مہم ختم ہو گئی۔

پانچویں صلیبی جنگ

1221ء میں ایک اور صلیبی حملہ ہوا جس کی دعوت پاپائے روم نے دی تھی اور اس میں ہنگری، آسٹریا، آرمینیا اور قبرص کی حکومتیں شریک تھیں۔ مگر یہ حملہ بھی اپنے مقاصد حاصل نہ کر سکا اور مصر کے شہر دمیاط میں اس لشکر کو عبرت ناک شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اسے پانچویں صلیبی جنگ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

چھٹی صلیبی جنگ

1229ء/1228ء میں جرمنی اور نیپلز کے شہنشاہ فریڈرک دوم نے پوپ کے ایماء پر یروشلم کا رخ کیا۔ مگر اسے مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہ ہوئی تاہم دوسری بار پھر اس نے بیت المقدس پر حملہ کیا اور مصر کے بادشاہ سے فلسطین میں عیسائی زائرین کے داخلے کا معاہدہ کیا اور یوں بیت المقدس

صلیبیوں کے قبضہ میں آ گیا۔

ساتویں صلیبی جنگ

1244ء میں سلطان مصر نے بیت المقدس پر اپنا قبضہ بحال کر کے صلیبی فوجوں کو شام سے نکال دیا' اس موقع پر فرانس کا سینٹ لوئی پچاس ہزار کا لشکر لے کر بیت المقدس کی طرف نکلا' اس نے دمیاط فتح کر کے قاہرہ کا رخ کیا تھا کہ منصورہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں اسے عبرت ناک شکست ہوئی۔ (تمدنِ عرب' ص305) اس واقعہ کو ساتویں صلیبی جنگ کا نام دیا جاتا ہے۔

آٹھویں صلیبی جنگ

جولائی 1270ء میں سینٹ لوئی دوبارہ تیس ہزار پیدل اور چھ ہزار سواروں کے ساتھ تیونس کی جانب روانہ ہوا۔ اس کا ارادہ وہاں کے حاکم کو عیسائی بنانے کا تھا مگر شہر کے محاصرہ کے دوران طاعون کی وبا پھوٹ پڑی۔ وہ خود اور اس کی فوج کا ایک بڑا حصہ اس وبا کی نذر ہو گیا۔

انطاکیہ کی صلیبی ریاست کے خاتمہ اور ظاہر بیبرس کے ہاتھوں صلیبیوں کی شکست کے بعد تیونس میں محاصرہ کے دوران تباہ ہونے والی صلیبی فوج سے صلیبیوں نے سبق نہیں سیکھا بلکہ وہ مسلسل شر انگیزیاں کرتے رہے۔

ادھر مسلمانوں میں بیداری کی جو تحریک صلاح الدین ایوبی نے پیدا کر دی تھی اس کے نتیجہ میں اب مسلمان ہر محاذ پر لڑنے کے لیے عملاً تیار تھے۔ چنانچہ 1291ء میں الملک الاشرف نے صلیبیوں سے عکا کا قلعہ بھی واپس لے لیا۔ اس طرح شام اور فلسطین پر فتح پانے کے صلیبی پروگرام کو سخت دھچکا لگا اور وہ اس میں ناکام و نامراد ٹھہرے۔ مگر اب صلیبیوں کا رخ قبرص اور اس کے نواح میں آباد صلیبی شہروں سے طاقت کو مجتمع کرنے کی جانب ہو گیا تاکہ نئے سرے سے صلیبی تحریک کو اُبھارا جا سکے۔ مسلمانوں کے خلاف نیا محاذ کھولا جائے اور ترک مملوکوں سے بیت المقدس کو آزاد کرایا جائے۔ چنانچہ 1365ء میں قبرص کے بادشاہ پطرس اوّل نے ایک طاقتور بحری بیڑے کے ساتھ اسکندریہ پر حملہ کر دیا۔ صلیبی فوج اسکندریہ میں داخل ہو گئی اور ایک ہفتہ تک مسلمانوں کا قتل عام کرتی رہی۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ "صلیبی جنگیں" کے مقابلہ نگار نے لکھا ہے کہ اسکندریہ میں مسلمانوں کے اس قتل عام نے 1099ء کے اس سفاکانہ قتل و غارت گری کی یاد تازہ کر دی جو بیت المقدس پر صلیبی قبضہ کے وقت صلیبیوں نے (مسلمانوں کا) کیا تھا۔ اسکندریہ پر صلیبی یلغار کے بعد بھی صلیبیوں نے مسلمانوں کے خلاف شورشیں جاری رکھیں مگر 1453ء میں سلطان محمد فاتح کے ہاتھوں قسطنطنیہ کی فتح کے بعد عثمانیوں کی جرائتمندانہ کارروائیوں سے صلیبیوں کو قلب یورپ سے نکلنے کی ہمت نہ ہوئی۔

صلیبی جنگیں اگرچہ ختم ہو گئیں تاہم مذہبی جنون جو ان جنگوں سے صلیبیوں میں پیدا ہوا' اس کا

اثر تا دیر بلکہ تاحال باقی ہے۔ فرانسیسی مورخ موسیو لیبان معترف ہے کہ صلیبی جنگوں نے صدیوں تک دنیا میں شدید مذہبی عداوت اور ناروا داری جاری رکھی اور اسے بے رحمی و خونخواری کے اس درجہ تک پہنچا دیا جس کی مثال مذہب یہود کے سوا کسی دوسرے مذہب میں نہیں پائی جاتی۔ (تمدنِ عرب، ص 308)

صلیبیوں کی پھیلائی ہوئی یہ نفرت و عداوت مسلمانوں کے علاوہ کسی اور مذہب کے خلاف نہ تھی۔ سسلی اور سپین کے مسلمانوں کے خون سے غسل کرنے کے بعد صلیبیوں نے سلطنت عثمانیہ (ترکی) کے خلاف گٹھ جوڑ کیا۔ صدیوں کی محنت اور پہلی جنگ عظیم کے بعد انہوں نے سلطنت عثمانیہ کو ختم کر کے رومن ایمپائر کے خاتمے کا بدلہ لیا۔ اور اب ان کا رخ ایک عرصہ سے ہر اس مسلم ملک کی جانب ہے جو دنیا میں سر اٹھا کے جینے کی تمنا رکھتا ہو۔ انہوں نے عراق اور ایران کی طاقت کو آپس میں لڑا کر کمزور کیا اور پھر عراق سے کویت پر حملہ آور ہونے کا کہہ کر جزیرۂ عرب میں اپنی فوجیں اتارنے اور عراقی ایٹمی طاقت کو ٹھکانے لگانے کا بندوبست کیا۔ ادھر خلیج کے تیل پر قبضہ کے لیے خلیجی ریاستوں کے مابین نزاعات کو اس طرح ہوا دی کہ وہ کبھی کفر کے خلاف اکٹھی نہ ہونے پائیں۔ خلیج میں اپنے قدم مضبوط کرنے کے بعد اب اس نے ایشیا کا رخ کیا ہے اور ایشیا میں عالم اسلام کے لیے دھڑکنے والے دل پاکستان کو ساکت کرنے کی پالیسی پر دہشت گردی کی روک تھام کے بہانے' عمل درآمد کر دیا ہے۔

قدیم صلیبی جنگوں اور حالیہ صلیب (امریکہ) بمقابلہ اسامہ بن لادن و افغانستان (اسلام) کے مابین کیا کوئی مماثلت ہے اس کا جواب' صلیبی جنگوں کے اسباب و محرکات اور موجودہ جنگ کے اسباب و محرکات پر غور کرنے سے لگایا جاسکتا ہے۔

ہزار سال قبل لڑی جانے والی صلیبی جنگوں کے اسباب بظاہر ''بیت المقدس کی آزادی'' کے نعرے سے عبارت ہیں مگر درحقیقت یہ بیت المقدس کو آزاد کرانے کے درپردہ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا پروگرام تھا۔ ورنہ آخر کیا وجہ ہے کہ بیت المقدس پر قبضہ ہو جانے کے باوجود بھی مسلمانوں کا قتلِ عام جاری رکھا گیا اور عورتوں اور بچوں تک کو درندگی کا نشانہ بنایا گیا۔ گبن نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ:

> ''صلیب کے علمبرداروں نے تین دن تک اتنا قتل عام کیا کہ ستر ہزار لاشوں کی وجہ سے وبا پھیل گئی' جب اس سے بھی انہیں تشفی نہیں ہوئی تو یہودیوں کو جلانا شروع کیا حتیٰ کہ عبادت گاہیں تک محفوظ نہیں رہیں۔''

خود عیسائی حاکم ریمنڈ نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ عمر فاروق کی مسجد صلیبیوں کے قبضہ میں تھی یہاں مسلمانوں نے پناہ لے کر دفاع کیا مگر صلیبیوں نے یہاں بھی افسوسناک مظالم ڈھائے۔ اس خوفناک منظر میں موت کی چیخ و پکار کے سوا کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ فاتحین لاشوں کو روندتے پھرتے تھے۔ مسجد کے چھجے کے نیچے گھٹنوں تک خون بہہ رہا تھا اور گھوڑوں کی لگام اس سے آلودہ ہو رہی تھی۔ (دیکھئے: امیر علی: ہسٹری آف دی سیریز' ج 1' ص 236)

اس کے برعکس سلطان صلاح الدین ایوبی نے جب بیت المقدس کو فتح کیا تو صلیبیوں پر فتح پانے کے باوجود اس نے ان سے کمال مہربانی کا مظاہرہ کیا۔ خود یورپی مورخین کو اس کا اعتراف ہے۔ گبن نے لکھا ہے:

"انصاف کا تقاضا ہے کہ اس ترک فاتح کی رحم دلی کی تعریف کی جائے' اس نے مفتوحین کو کسی مصیبت اور پریشانی میں مبتلا نہیں ہونے دیا۔ وہ ان سے بھاری رقوم وصول کر سکتا تھا مگر اس نے صرف تیس ہزار فدیہ کے عوض سترہ ہزار قیدیوں کو رہا کیا۔ دو تین ہزار کو رحم کرتے ہوئے ویسے ہی چھوڑ دیا۔ اس نے جنگ کے یتیموں اور بیواؤں میں خیرات تقسیم کی۔ زخمیوں کے علاج اور دیکھ بھال کی ہر طرح سہولتیں مہیا کیں۔ وہ قرآن کے دشمنوں کے ساتھ ہر طرح کی سختی سے پیش آنے میں حق بجانب تھا مگر اس نے جس فیاضانہ رحمدلی کا ثبوت دیا اس سے نہ صرف وہ تعریف و تحسین کا بلکہ محبت کیے جانے کا مستحق ہے۔"

(دیکھئے: گبن' ج 6 ص 500-499)

لین پول لکھتا ہے:

"صلاح الدین کے بھائی الملک العادل نے ایک ہزار غلام صلاح الدین سے مانگ کر آزاد کیے۔ خود صلاح الدین نے یہ منادی کرا دی کہ تمام بوڑھے جو فدیہ ادا نہیں کر سکتے آزاد ہیں۔ جن خواتین کے شوہر جنگ میں کام آئے انہیں بلا کر خزانے سے زر کثیر عطا کیا اور یہ سب صلیبی تھے' مسلمان نہ تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ سلطان صلاح الدین کے ان احسانات پر ہم غور کرتے ہیں تو وہ وحشیانہ حرکتیں یاد آتی ہیں جو شروع کے صلیبیوں نے 1099ء میں یروشلم کی فتح پر کی تھیں۔ جب گوڈ فرے اور تنکرڈ یروشلم کے کوچہ و بازار سے گزرے تو وہاں مردے پڑے تھے اور جاں بلب زخمی لوٹتے تھے' ان بیگناہوں اور لاچار مسلمانوں کو صلیبیوں نے سخت اذیتیں دے کر مارا تھا' ان کو زندہ جلایا تھا' جہاں قدس کی چھتوں اور برجوں پر مسلمان پناہ لینے چڑھے تھے' وہیں صلیبیوں نے انہیں اپنے تیروں سے چھید کر گرایا تھا۔" (لین پول' ص 202.205)

صلیبی جنگوں کے اسباب پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقصد مسلمانوں کے اقتدار و اثر کو ہر جگہ سے ختم کرنا اور صلیب کی حکومت قائم کرنا تھا۔ گیارہویں صدی عیسوی میں سلجوقیوں نے ایشیائے کوچک اور بعض یونانی علاقے فتح کیے تو صلیبیوں کو یہ بات ناگوار گزری۔ یورپ کے تاریخ نویس خود اعتراف کرتے ہیں کہ صلیبی جنگوں کا مقصد اسلام کے غلبہ کو کم کرنا تھا۔ اے جی گرانٹ (ایک یورپین مورخ) لکھتا ہے کہ:

"یورپ کے مغربی اور مشرقی محاذوں پر مسلمانوں کا خطرہ بڑھ گیا تھا' سخت ضرورت تھی کہ ان کو پیچھے ہٹایا جائے۔" (تاریخ یورپ' ص 53-452)

یورپ کے دو اور مصنف اس بات کو محسوس کر کے لکھتے ہیں کہ:

"صلیبی جنگ کی ضرورت اس لیے پڑی کہ عیسائیت کی فلاح کے لیے ترکوں (مسلمانوں) کو یورپ کی طرف پیش قدمی سے روکا جائے۔ وہ گیارہویں صدی میں بڑی تیزی سے یورپ کی طرف بڑھ رہے تھے۔"

(ص 50-449' دی کریسیڈ)

ٹی اے ارچر اور سی ایل کنگسفورڈ' دی کریسیڈ میں لکھتے ہیں:

"پہلی صلیبی جنگ کی وجہ سے ان (مسلمانوں) کا سیلاب پیچھے کی طرف مڑ گیا جو قسطنطنیہ کی طرف بڑھ رہا تھا' لیکن اس کے بعد دو صدیوں تک اسلام کی ضرورت سے زیادہ سرگرمیاں بروئے کار آ گئیں۔" (دی کریسیڈ' ص 450)

آج بھی مسلم ممالک کے خلاف امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی کارروائیاں اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو کم کرنے کے لیے ہیں اور بطورِ خاص یورپ میں جس تیزی سے اسلام پھیل رہا ہے' اس پر اثر انداز ہونے کے لیے مسلمانوں کو دہشت گردی کا الزام دیا جا رہا ہے۔ بریگیڈیئر ریٹائرڈ شمس الحق قاضی کے بقول: "امریکہ بہادر کی سوئی اسلام اور مسلمانوں پر اٹکی ہوئی ہے۔" حال ہی میں امریکہ نے بیان دیا کہ ان کا کام افغانستان پر ختم نہیں ہوتا بلکہ دنیا بھر کے دہشت گرد ملکوں میں دہشت گردی کے اڈے ختم کر کے ہی وہ دم لیں گے اور جن ملکوں کا بطور دہشت گرد امریکی نمائندہ نے نام لیا وہ ماسوائے شمالی کوریا کے سب کے سب مسلمان ہیں۔" دنیا میں کہیں بھی کوئی دہشت گردی ہو' امریکی میڈیا (جو یہودیوں کے کنٹرول میں ہے) بلا توقف اس کا الزام مسلمانوں پر لگا دیتا ہے۔ جیسا کہ اوکلاہاما واردات میں ہوا اور بعد میں معلوم ہوا کہ یہ ایک ناراض امریکی سفید فام کی کارروائی تھی۔ ابھی چند یوم قبل سوئٹزرلینڈ میں دہشت گردی کی واردات میں 14 افراد قتل ہوئے اور اگر قاتل سوئس باشندہ موقع پر خودکشی کی بجائے بھاگ جاتا تو اس کا الزام بھی مسلمانوں پر لگا دیا جاتا۔

کم و بیش گزشتہ بیس سال سے مغرب اسلام کے خلاف اسی طرح کا پروپیگنڈہ کر رہا ہے جس طرح کا ہزار برس قبل پیٹر راہب نے بیت المقدس کی تقدیس کی آڑ میں کیا تھا۔ یورپ مسلمانوں کو مسلسل بنیاد پرست (Fundamentalist) کہہ رہا ہے۔ یہ اسلام کے لیے غیر مسلموں کے دل میں نفرت پیدا کرنے کی ایک تحریک ہے۔ پھر کچھ عرصہ سے مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دیا جا رہا ہے اور دہشت گردی کی من مانی تعریف کر کے یورپ نے یہ طے کر لیا ہے کہ جہاں مسلمانوں کو دبانا ہو وہاں دہشت گردی کا الزام لگا کر اس طرح حملہ کر دو جس طرح افغانستان پر کیا گیا ہے۔ یورپ کا اصل ہدف اسلام اور مسلمان ہیں اور وہ مسلم تحریکیں ہیں جو دنیا میں کہیں بھی اپنے حقوق کے حصول کے لیے یا آزادی کے

لیے جدوجہد کر رہی ہیں۔ صلیبیوں کے قائد بش نے خود یہ اعلان کیا کہ دہشت گردی (اسلام) کے خلاف ان کی یہ مہم سالوں نہیں دہائیوں تک چلے گی۔ خود ان کی زبان سے ان کارروائیوں کا نام ''کروسیڈ'' نکل گیا۔

میڈیا سے مسلسل اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا جاری ہے اور لوگوں میں نفرت پیدا کی جا رہی ہے کس کے خلاف؟ اسلام کے خلاف' اور اب تو امریکہ کی اسلام دشمنی کوئی راز کی بات نہیں' امریکہ کے سابق صدر نکسن کا یہودی اور عیسائی دنیا کے نام مشہور خط اس کا ایک واضح ثبوت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ:

''اب سوویت روس اور کمیونزم کی پسپائی کے بعد مغربی دنیا کو اگر کسی سے خطرہ ہے تو وہ اسلام ہے' اس لیے عالم اسلام کو متحد نہ ہونے دیا جائے۔ اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ مہم تیز کردی جائے۔''

امریکی سینیٹر لیری پریسلر پاکستان کے دورے کے موقع پر چند برس پیشتر بڑے واشگاف الفاظ میں یہ بات کہہ چکا ہے کہ:

''ایران' افغانستان' پاکستان اور وسطی ایشیا کی مسلم ریاستیں اسلام کے رشتے کے تحت ایک بلاک بن سکتی ہیں' پاکستان اور لیبیا کے پاس ایٹمی صلاحیت ہے جو پوری اسلامی دنیا کے کام آئے گی' اسی لیے یہ صورتِ حال عالمی امن کے لیے خطرہ ہے اور امریکہ اسے تشویش کی نظر سے دیکھتا ہے۔''

ڈینیل پائیس نے اپنے ایک مضمون میں لکھا کہ مسلمانوں میں دس سے پندرہ فیصد لوگ قاتل ہیں جن سے بچنا چاہیے۔ اسی مضمون میں اس نے فلسطینیوں کے بارے میں لکھا: ''فلسطینی لوگ قابلِ رحم ہیں مگر اسی حالت میں رہنے کے لائق ہیں۔'' اس طرح کے اقوال' مضامین' اعلانات یہ سب ان اعلانات وقراردادوں سے گہری مماثلت رکھتے ہیں جو صلیبی جنگوں کے سلسلہ میں منعقدہ کانفرنسوں میں پاپائے روم کی زیر قیادت ہوئے اور خود پوپ نے جن میں صلیب کے نام پر مسلمانوں سے نفرت کا درس دیا۔

حالیہ صلیبی جنگ کا اصل ہدف دنیا بھر میں ''خدا پرستی'' کے نظام (اسلام) کو ختم کر کے انسان پرستی کے نظام (سرمایہ داری) کا فروغ ہے۔ یہ جنگ ورلڈ ٹریڈ سینٹر (WTC) پر حملے کا جواب نہیں نہ اس کا انتقام ہے بلکہ یہ پہلے سے طے شدہ منصوبہ (Preplaned) کے مطابق جارحیت ہے جو اس سے قبل عراق' بوسنیا' چیچنیا' ایران اور دیگر اسلامی ملکوں میں بھی مختلف اوقات میں حملوں کی صورت میں سامنے آتی رہی ہے۔ صلیبیوں اور صیہونیوں کو اصل پرخاش سرمایہ دارانہ نظام کو فیل کرنے والے اس سسٹم سے ہے جس کے نفاذ کا تجربہ ایران انقلاب کے بعد ایران میں' پھر سوڈان میں اور اس کے بعد زیادہ بہتر انداز میں افغانستان میں کیا گیا۔ یہ تجربہ نفاذِ شریعت کا تجربہ تھا۔ اس تجربہ کی کامیابی اور اس کے اثرات و ثمرات سے یورپ میں بے چینی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ 1990ء میں ایک یہودی سکالر سموئیل نے اپنے

ایک مضمون میں بین الاقوامی صورتحال کو ''تہذیبوں کے تصادم'' کا نام دیتے ہوئے یہ بات کھل کر لکھی کہ:

> ''مغربی تہذیب کلی طور پر اسلام سے متصادم ہے اور دونوں کے مابین کسی قسم کی صلح ومصالحت ناممکن ہے' اب مغرب کو عملی تصادم کے لیے تیار رہنا چاہیے۔''

دوسری سپر پاور روس (سوویت یونین) کے خاتمہ کے بعد امریکن سپر پاور کو سب سے زیادہ خطرہ اسلام سے ہے۔ اسی لیے وہ سوویت یونین سے فارغ ہونے کے بعد اسلام کے خلاف سرگرم عمل ہے اور مغرب کو اس کی مکمل پشت پناہی حاصل ہے۔ اسلام کے خلاف مغرب کی نفرت کا عالم یہ ہے کہ جس سرزمین پر اور جس خطۂ ارضی پر اسلام کی جتنی طاقت ورتنفیذ ہوتی ہے اتنا ہی سختی سے اسے کچلا جاتا ہے' اس کا ثبوت افغانستان پر حالیہ بمباری ہے کہ وہاں اسلامی شریعت نے اسلامی امارت کا روپ دھار کر مکمل اسلامی ریاست کا نقشہ پیش کیا تو وہاں امریکہ نے ہر طرح کے اور ہر وزن وحجم کے بم برسائے ہیں۔

اسامہ بن لادن کے خلاف نفرت اس لیے نہیں کہ اس نے WTC کو تباہ کیا ہے بلکہ اس سے نفرت کا اصل سبب یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو مغرب کے خلاف صف آرا ہونے پر آمادہ کر رہا ہے اور مغربی نظریات کو رد کرنے کے لیے جدید ٹیکنالوجی کے استعمال کا حامی ہے۔ مغرب مسلمانوں کے ہر اس فرد کا دشمن ہے جو مسلمان کو ''حریت'' کا جذبہ عطا کرنے کے راستہ پر گامزن ہوں۔ کچھ عرصہ قبل اقتصادی میدان میں استحکام اور بین الاقوامی سطح پر اپنی شناخت قائم کر لینے والے بی سی سی آئی بینک کے ساتھ مغرب نے جو کچھ کیا وہ صلیبی جنگ کا ہی ایک حصہ تھا اور یہ بات دعوے سے کہی جاسکتی ہے کہ آپ دنیا میں کہیں بھی کوئی ایسا ادارہ قائم کر لیجئے جو مسلمانوں کو معاشی/ اقتصادی لحاظ سے مستحکم کرنے کا ارادہ رکھتا ہو یا نظریاتی طور پر ان کے ذہنوں کی تعمیر کرتا ہو' یورپ اسے کبھی برداشت نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ دنیا کی اقتصادیات پر غالب آ کر اپنے نظریات طاقت سے منوانا چاہتا ہے۔ کیا اس نے یہ حربہ پاکستان میں استعمال کر کے' پاکستان کو قرضوں کے شکنجہ میں جکڑ کر اپنے مطالبات طاقت سے منوانے کا کامیاب تجربہ نہیں کیا۔ پاکستان اپنے ہی برادر ملک کے خلاف لاجسٹک اور انٹیلی جنس سپورٹ فراہم کرنے پر ایسے ہی تو آمادہ نہیں ہوگیا۔

حالیہ جنگ کو اسلام کے خلاف قرار دینے کی ایک اور اہم دلیل ہمارے پاس خود امریکہ سرکار کا قول وفعل ہے۔ اس نے خود اس جنگ کو صلیبی جنگ کا نام دیا اور اس وقت پوری دنیا میں صرف مسلمان ہی امریکی نفرت کے اس الاؤ میں سلگتے نظر آ رہے ہیں کیونکہ یہ نفرت پیدا ہی مسلمانوں کے خلاف کی گئی ہے اور مقصد مسلمانوں ہی کو کمزور کرنا اور مٹانا ہے۔

ہزار برس پہلے ہونے والی صلیبی جنگوں کے اسباب بیان کرتے ہوئے مورخین بتاتے ہیں کہ اس جنگ کے پس پشت یورپ کے تاجروں کا مفاد تھا اور وہ اپنے سرمایہ کے ساتھ اس جنگ میں اس لیے

شریک ہوئے تھے کہ اگر مشرق میں (مسلم علاقوں میں) صلیبی ریاستیں قائم ہوگئیں تو ان کو اپنی آزاد تجارت کا موقع ملے گا۔ کریسیڈ کے مصنف (ارچر اینڈ کنگسفورڈ) نے لکھا ہے کہ:

> ”اٹلی کے تاجر مشرق میں اپنی تجارتی منڈی قائم کرنے کی خاطر ایسے مشرقی ساحل چاہتے تھے جہاں ان کے تجارتی بیڑے پہنچ کر مشرق کے بازاروں پر چھا جائیں۔ اس غرض سے ان تاجروں نے اپنے اپنے جہاز (بحری) دے کر صلیبیوں کی فوجی نقل وحرکت میں بڑی مدد پہنچائی۔

(دی کریسیڈ‘ ص 295,301 ‘ باب28)

موجودہ صلیبی جنگ کے پس پردہ مقاصد میں بھی یہ بات نمایاں ہے کہ دنیا کی دو بڑی طاقتیں روس اور امریکہ کی جنگ بھی گرم پانیوں تک پہنچنے اور خلیج اور وسطی ایشیا کی ریاستوں کے تیل اور تجارتی منڈیوں پر قبضہ کی خاطر ہے۔ امریکہ کو خلیج کی طرح ایشیا میں قدم جمانے کے لیے اور چین اور روس پر اپنا نفسیاتی دباؤ ڈالنے کے لیے اڈے چاہئیں تاکہ وہ ایک تیر سے دو شکار کر سکے۔ پہلا مقصد اس کا چین اور پاکستان کی دوستی ختم کرانا ہے تاکہ پاکستان جو اسلام کا قلعہ ہے کبھی بھی اپنے دفاع کے لیے چین سے مدد نہ لے سکے اور امریکہ کے لیے بھارت کے ذریعہ اسے ختم کرانا آسان ہو۔ دوسری طرف روس سے آزادی پانے والی وسط ایشیا کی ریاستیں ہیں جو تیل‘ گیس‘ معدنیات اور جوہری توانائی سے مالا مال ہیں اور مسلم ریاستیں ہیں۔ ان پر یہود و نصاریٰ کی کڑی نظر ہے وہ ان ریاستوں تک پہنچنے کے لیے آسان راستہ کی تلاش میں ہے۔ مشرق وسطیٰ کے تیل پیدا کرنے والے ملک پہلے ہی امریکہ کے کنٹرول میں ہیں۔ لیکن وسط ایشیائی مسلم ریاستیں اس کی دسترس سے باہر ہیں۔ امریکہ ان ریاستوں پر اپنی بالادستی چاہتا ہے اور ان ریاستوں سے اسلام کا اثر زائل کرنا چاہتا ہے۔

اس طرح حالیہ صلیبی جنگ قدیم صلیبی جنگوں سے اپنے اسباب و مقاصد کے لحاظ سے ایک مماثلت یہ بھی رکھتی ہے اور یہ بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ اس وقت دنیا میں تجارت پر یہودی چھائے ہوئے ہیں یا پھر نصرانی۔ یہودیوں کی سازش ہے کہ عیسائیوں کو مسلمانوں سے لڑا کر ہر دو کے وسائل پر اپنا مکمل تسلط قائم کرلیا جائے۔

قدیم صلیبی جنگوں میں پوپ نے صلیبیوں کو یہ بات باور کرائی تھی کہ مسلمان بیت المقدس کے عیسائی زائرین کے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں۔ آج صلیبیوں کا کہنا یہ ہے کہ مسلمان اپنی خواتین کے ساتھ بہت برا سلوک کرتے ہیں۔ انٹرنیٹ پر مجھ سے ایک کینیڈین مشنری نے یہ کہا کہ افغانستان میں عورتوں کو جانوروں کی طرح پیٹا جاتا ہے اور ان کے تمام حقوق سلب کرلیے گئے ہیں۔ میں نے کہا یہ خواتین کے حقوق کی بات نہیں جیسا کہ آپ لوگوں نے سن رکھا ہے‘ بلکہ افغانستان میں ہر اس مرد کو بھی پیٹا جاتا ہے جو خلاف شرع کوئی کام انجام دیتا ہے۔ اسلام کو بدنام کرنے کے لیے آج یورپ ہر اس امر کو اچھالتا ہے جس سے اسلام کے خلاف لوگوں میں نفرت پیدا ہو۔ اسلام پردے کا حکم دے تو اس کو ایشو بنا

کر یوں پیش کیا جاتا ہے جیسے دنیا بھر کی مسلم خواتین کا پردے کی وجہ سے دم گھٹا جارہا ہو اور وہ دنیا کی آزاد خواتین کو مدد کے لیے پکار رہی ہوں' حالانکہ ایک باعمل مسلم خاتون جو سکون اور تحفظ پردے میں محسوس کرتی ہے وہ پردہ دری اور بے پردگی میں کہاں؟

اسلام بچوں کی تربیت دینی مدارس میں کر رہا ہو تو اسے اس طرح مشہور کیا جاتا ہے' جیسے کوئی قید خانہ قیدیوں کی تربیت کر رہا ہو۔ صلیبیوں اور اسلام دشمن غیر مسلموں کا کوئی موقف کبھی پائیدار نہیں ہوتا بلکہ اس میں ضرورت کے مطابق رد و بدل کا عمل جاری رہتا ہے۔ پاکستان میں بے نظیر بھٹو کے اقتدار کے دور میں صلیبی مشنری کے ایماء پر ٹی وی سے ایسے پروگرام دکھائے گئے جن سے یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ اسلام بچوں پر ظلم و زیادتی کا مرتکب ہو رہا ہے اور مدارس دینیہ میں بچوں کو بیڑیاں پہنا کر اور درختوں سے باندھ کر قرآن کریم کی تعلیم جبراً دی جارہی ہے۔ جبکہ کچھ ہی عرصہ بعد اس میں تبدیلی ہوگئی اور نیا موقف یہ سامنے آیا کہ ان مدارس میں دہشت گردی کی تعلیم دی جاتی ہے چنانچہ محترمہ نے امریکی حکم پر اسلام آباد کی جامعہ اسلامیہ ہی کو بند کرنے کا فیصلہ کرلیا اور وقت کی وزیراعظم نے اپنے ہی ملک کی یونیورسٹی پر دہشت گردی کی تربیت گاہ ہونے کا الزام عائد کیا۔

صلیبی اور صیہونی لابی مسلمان ملکوں کی ترقی سے سخت نالاں ہے۔ قدیم صلیبی جنگوں کا مقصد مسلمانوں کی ترقی کو روکنا تھا' جدید صلیبی جنگوں کا مقصد بھی مسلمانوں کی سائنسی' علمی اور معاشی ترقی کے راستے بند کر کے مسلم قوم کو یورپ کی محکوم قوم بنانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عراق کی ایٹمی تنصیبات کو تباہ کرنے کے بعد اب رخ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو ہتھیانے یا ضائع کرنے کی جانب ہے۔

اخبارات کے اداریے' کہنہ مشق صحافیوں کے تجزیے اور دانشوروں کے مقالات سے یہ تشویش عیاں ہے کہ امریکی صلیبی اسرائیلی صیہونیوں کے ساتھ مل کر پاکستان کے ایٹمی پروگرام اور پاکستان کے تیار شدہ ایٹم بم کو ہر حال میں تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

قدیم صلیبی جنگوں میں صلیبیوں نے سلطان صلاح الدین ایوبی اور ان کے پیشرو مسلم قائدین کی مخالفت کے لیے مسلمانوں کے اندر سے ایسے ایجنٹ تلاش کیے جو بھاری معاوضہ اور ذاتی مفاد کی خاطر مسلم اُمہ کو نقصان پہنچانے اور اسلامی قوت کو کم کرنے کا مکروہ فریضہ انجام دیں۔ حالیہ صلیبی جنگ میں بھی شمالی اتحاد کی صورت میں افغانستان کی امارتِ اسلامیہ کے خلاف بغاوت کرنے والوں کی پشت پناہی کر کے مسلمانوں کے اندر سے غدار تلاش کرلیے گئے ہیں۔

قدیم صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کو زبان اور قوم کے تعصبات میں مبتلا کر کے مسلمانوں کو باہم لڑوا کر کمزور کرنے کی پالیسی اپنائی گئی اور حالیہ صلیبی حملوں سے پہلے بھی اسی عمل کو ہر مسلم ملک میں دُہرایا گیا' جس کے نتیجے میں عراق میں کردوں کو اکسایا گیا' لبنان میں شیعوں کو اُبھارا گیا' ایران میں مذہبی و سیکولر تفریق کی صورت میں دیواریں چنی گئیں' افغانستان میں فارسی اور پشتو زبان کا تعصب پیدا کیا گیا اور پاکستان جو اسلام کا مضبوط اور طاقت ور قلعہ بننے جا رہا تھا' کے اندر پانچ قومیتوں کو الگ الگ ہوا دینے

کے ساتھ ساتھ نئی قومیتوں کو لسانی عصبیت کے نام پر اشتعال دلا کر مرکز کے خلاف کھڑا کیا گیا۔ یہ سب کچھ ان تازہ صلیبی حملوں سے بہت پہلے کرلیا گیا تھا تاکہ جب عملی جنگ مسلط کی جائے تو پاکستان کے لوگ مرکزی حکومت کے خلاف موقف اختیار کریں اور کبھی بھی اس ملک میں ایک مضبوط جمہوری حکومت قائم ہو کر بیرونی حملوں کا مقابلہ نہ کرسکے۔ مختلف لسانی اور مذہبی دھڑوں کے سربراہوں سے پاکستان میں امریکی سفارتخانہ ہمیشہ رابطے میں رہا ہے اور بعض اخباری اطلاعات کے مطابق بھاری رقوم اور اسلحہ تک ان دھڑوں میں تقسیم کیا گیا۔

قدیم صلیبی جنگوں میں اگر سلطان صلاح الدین ایوبی کی شخصیت میسر نہ آتی اور مسلمانوں کو اس کی بہادرانہ حکمت عملی دستیاب نہ ہوتی تو انجام نہایت بھیانک ہوتا' مگر اللہ تعالیٰ اپنے ماننے والوں سے قربانیاں مانگتا ہے اور جب مسلم قوم متحد ہو کر جانوں کے نذرانے پیش کرنے اور باطل کے مقابلہ کے لیے تیار ہو جاتی ہے اور خم ٹھونک کر میدان میں اُتر پڑتی ہے تو اللہ کی مدد اور نصرت لے کر فرشتے بھی خادمِ اسلام ہو جایا کرتے ہیں۔ اقبال نے کہا تھا ۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

آج پھر مسلم امہ کو کفر کے خلاف اپنی صفیں درست کرنے اور اپنی قوت کو منظم کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم عراق پر ہونے والی امریکی بمباری پر خاموش رہیں گے تو افغانستان پر اور پھر پاکستان پر بمباری کی جرأت تو صلیبیوں اور صیہونیوں میں خود بخود پیدا ہوگی اور اگر ہم اس طرح آنکھیں بند کر کے مسلمانوں کو مرتے اور ان کے ممالک کو تباہ ہوتے دیکھتے رہے تو ایک ایک کر کے تمام مسلم ممالک صلیبیوں کے ظلم اور صیہونیوں کی سازشوں کا نشانہ بنتے چلے جائیں گے اور پھر کوئی نوحہ لکھنے اور مرثیہ خوانی کرنے والا بھی باقی نہ ہوگا۔

نوجوانانِ ملت اسلامیہ کا فرض بنتا ہے کہ وہ صلیبیوں اور صیہونیوں کے خلاف اب تلوار اُٹھالیں ور اپنے اپنے ملکوں میں عالمی دہشت گرد امریکیوں کا داخلہ بند کردیں۔ عالمی سطح پر اگر اس عالمی دہشت گرد شیطانِ بزرگ (امریکہ) کا مقابلہ کرنے کی بجائے اس سے صلح کرنے اور اس کے دباؤ میں رہنے کا فیصلہ کرلیا گیا تو یاد رکھئے پھر اسلام ایک گالی بن جائے گا اور مسلمان نفرت کا نشان۔

صلیبیوں کے نئے حملوں اور ان کی اعلان کردہ طویل المدتی جنگ اور اس کے انتظامات سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عالم اسلام کے اس مشرقی حصے کو میدانِ جنگ بنا کر مغرب اپنے مذموم مقاصد پورے کرنے کی فکر میں ہے۔ دوسری جانب اسلام اور عیسائیت کے مابین باقاعدہ مسلح تصادم کی صورت پیدا ہوتی نظر آرہی ہے جو ایک تیسری عالمی جنگ کی راہ ہموار کرے گی۔ کیا سیموئیل ہنٹنگٹن کی پیش گوئی کے درست ثابت ہونے کا وقت یہی تو نہیں؟ ''جب تیسری عالمی جنگ عیسائی اور اسلامی تہذیبوں کے مابین ہوگی اور اس کے مطابق کرچین' یہودی اور ہندومت کا مقابلہ اسلامی ممالک اور چین کے بلاک کے

ساتھ ہوگا۔" اگر صورتحال کا بغور جائزہ لیا جائے تو اسرائیل، امریکہ، بھارت گٹھ جوڑ اسی قسم کا نظر آئے گا جو مندرجہ بالا پیشگوئی میں مذکور ہے۔ افغانستان پر حملوں میں اسرائیلی فضائیہ کی شمولیت، ہندوستان کی طرف سے حملوں میں فوجی امداد کی پیش کش، پاکستانی ایٹمی تنصیبات پر بھارت کے حملوں کی باتیں اور امریکہ و برطانیہ کا پاکستانی ایٹم بم کو غیر محفوظ ہاتھوں میں ہونے کے بہانے اس پر قبضہ کرنے یا اسے اُڑا دینے کے اشارات حالات کو اسی رُخ پر ڈال رہے ہیں کہ ایک بار پھر معرکۂ ہلال وصلیب پوری قوت کے ساتھ ہو اور حق و باطل میں امتیاز ہو جائے۔

سرورِ کونین، نبی آخرالزماں صادق ومخبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعض پیش گوئیاں بھی اس امر کی مؤید ہیں کہ شاید یہی وہ وقت ہے جب کفر واسلام کا ایک زور دار معرکہ ہو کر رہے گا۔ آخری دور کے انسانی رویوں کے حوالے سے آپ نے جو کچھ فرمایا آج سے پندرہ سولہ سو سال قبل اصحابِ رسول کو اس پر حیرت ہو رہی تھی۔ سنن ترمذی میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: جب تک تمہارے حکمراں تم میں سے بہترین لوگ ہوں گے، تمہارے دولت مند سخی ہوں گے اور تمہارے اہم معاملے شوریٰ کے ذریعے طے ہوں گے تو رُوئے زمین تمہارے لیے بطن زمین (قبر) سے بہتر ہوگا اور جب معاشرے کے بدترین لوگ تمہارے حکمراں بن جائیں گے، تمہارے دولت مند بخیل ہو جائیں گے اور تمہارے اہم ترین معاملات کے فیصلے عورتوں کے ہاتھ میں آجائیں گے تو زمین کا اندر تمہارے لیے باہر سے بہتر ہوگا۔

سنن ابی داؤد میں ہے تم عیسائیوں سے صلح کرو گے اور ان سے مل کر ایک دوسری عیسائی جماعت سے جنگ کرو گے۔ (1) اس جنگ میں تمہیں فتح حاصل ہوگی۔ اس کے بعد تم ایک بڑے بڑے ٹیلوں والے میدان میں جہاں بڑے بڑے درخت ہوں گے، عیسائی صلیب کو بلند کرے گا اور اس فتح کو صلیب کی طرف منسوب کرے گا۔ (2) یہ دیکھ کر ایک مسلمان کو غصہ آئے گا اور وہ صلیب کو توڑ ڈالے گا۔ (3) یہ حال دیکھ کر عیسائی مسلمانوں کے ساتھ معاہدے توڑ دیں گے اور جنگ کرنے کے لیے "اکٹھے" ہو جائیں گے۔ (4) مسلمان بھی اپنے ہتھیار لے دوڑیں گے اور عیسائیوں سے جنگ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اس لڑنے والی جماعت کو شہادت کی عزت سے سرفراز فرمائے گا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ سے سن کر حسب ذیل واقعات بیان کیے ہیں:

> "قیامت سے پہلے یہ واقعہ ضرور رونما ہوگا کہ اہل روم (عیسائی) داسق یا اعماق نام کے مقام پر پہنچ جائیں گے مدینہ سے ایک لشکر ان کی طرف روانہ ہوگا جو اس زمانہ کے بہترین انسانوں پر مشتمل ہوگا (5) جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوں گی (جنگ کے لیے تیار ہوں گی) تو عیسائیوں کا مطالبہ ہوگا کہ ہمارے مطلوبہ لوگ جو تمہارے پاس ہیں انہیں ہمارے حوالے کر دو اور تم الگ ہٹ جاؤ۔ (6) مسلمان کہیں گے نہیں۔ واللہ ہم ہرگز اپنے بھائیوں کو تمہارے حوالے نہیں کریں گے۔ اس پر جنگ ہوگی۔ ایک تہائی مسلمان بھاگ کھڑے ہوں گے

اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کبھی قبول نہ فرمائے گا۔ (7) ایک تہائی مسلمان قتل ہو جائیں گے جو اللہ کے نزدیک بہترین شہید ہوں گے باقی تہائی فتح حاصل کرلیں گے جس کے نتیجے میں وہ آئندہ ہر قسم کے فتنے سے محفوظ ہو جائیں گے (یعنی یہ ان کی حتمی فتح ہوگی) اس کے بعد وہ مسلمان عیسائی دنیا کے مرکز کو بھی فتح کرلیں گے۔"

مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کا مفہوم بہت واضح ہے۔ ممکن ہے صلیبیوں کی حالیہ شرارت انہیں ان کے انجام تک پہنچائے اور یہی اس کا وقت ہو۔ اس عمل کے مکمل ہونے میں کتنا وقت لگے گا' کچھ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ قدیم صلیبی جنگیں دو سو سال تک لڑی گئیں اور مسلمانوں کو بیت المقدس صلیبیوں سے آزاد کرانے میں نوے (90) برس لگے۔

ہم جب یہ کہتے ہیں کہ ان پیش گوئیوں کے پورا ہونے کا وقت شاید یہی ہے تو اس کے لیے بعض شواہد اور دلائل بھی ہمارے سامنے ہیں۔ مثلاً احادیث شریفہ میں ہے:

"تم دیکھو گے کہ لوگ نماز کو غارت کرنے لگیں گے' امانت ضائع ہوگی' سود عام ہوگا' جھوٹ بکثرت بولا جائے گا' چھوٹی چھوٹی باتوں پر انسان قتل ہوں گے' دین فروشی علماء کا چلن بن جائے گا۔ عالم اور قاری بدکردار ہوں گے۔ قرآن گانوں کے انداز میں پڑھا جائے گا' مسجدیں نقش و نگار سے مزین ہوں گی' مینار اور اونچے ہوں گے' نمازیوں سے بھری ہوں گی لیکن دل ویران۔ نئے عقیدے اور من گھڑت مسلکے عام ہوں گے۔ دنیا میں سب سے خوش نصیب وہ ہوگا جو رذیل ابن رذیل ہوگا۔ شراب نام بدل کر حلال ہو جائے گا۔ بڑے عہدے نا اہلوں میں تقسیم ہوں گے۔ تعلیم کا مقصد دنیا کمانا ہوگا۔ بیٹا ماں کو گالی دے گا' لیکن بیوی کا فرمانبردار ہوگا' باندیاں اپنے آقاؤں کو جنم دیں گی' عورتیں لباس پہن کر بھی ننگی ہوں گی' عزت دولت یا خوف کی وجہ سے کی جائے گی۔ زنا پر کوئی پشیمانی نہ ہوگی۔ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ سلام کی بجائے تفریح طبع کے لیے ملاقات کے وقت گالیاں دیا کریں گے اور دوست ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے سے دریغ نہ کریں گے۔" (8)

مندرجہ بالا امور میں سے کون سا امر ایسا ہے جو تا حال واقع نہ ہوا ہو اور کون سی معاشرتی برائی ایسی ہے جو ہمارے آج کے معاشرے میں پائی نہ جاتی ہو۔ کوئی بھی چیز حد سے جب تجاوز کرتی ہے تو مٹ جاتی ہے۔ برائی کے مٹنے کا وقت بلاشبہ آگیا ہے اور ان تمام برائیوں کو عام کرنے اور انہیں فروغ دینے میں موجودہ صلیبیوں کا کردار بڑا واضح ہے۔ افغانستان پر ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اس کے طالبان نے وہاں ایسا اسلام نافذ کردیا جو بے لچک ہے اور جس نے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ کردی

ہے۔ اور جس نے برائی کو پھیلانے والی طاقتوں کا راستہ روکنے کی ٹھان لی ہے۔ محسوس ہو رہا ہے کہ برائیوں کے خاتمے کا معاملہ برائیوں کو فروغ دینے والوں کے خاتمہ سے کیا جائے گا۔ اور اس طرح مذکورہ بالا پیشن گوئیاں پوری ہو کر رہیں گی۔

حضرت نعمت اللہ شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ چھٹی صدی ہجری کے ایک صاحب بصیرت عالم گزرے ہیں' انہوں نے اپنے مکاشفات کے ذریعہ 547ھ میں ایک قصیدہ مرتب فرمایا جس میں آئندہ ایک ہزار سال کی تاریخ کے اہم واقعات کی نشاندہی پیش گوئیوں کے انداز میں کی۔ آپ کے اس قصیدہ میں مذکورہ پیشین گوئیوں میں سے اکثر اب تک حرف بحرف پوری ہو چکی ہیں۔ مثلاً مغلوں کا عروج و زوال' جاپان اور روس کی جنگ (1904ء)' جاپان کی فتح' ہندوستان میں طاعون کی وباء اور قحط سے انسانوں کی ہلاکت عظمیٰ۔ جاپان کا 1923ء کا زلزلہ' جنگ عظیم اوّل' ایک کروڑ تمیں لاکھ افراد کا اس جنگ میں خاتمہ' "الف" کی "ج" پر مکاری و دغا بازی سے فتح' دوسری جنگ عظیم' اور اس کی ہولناک تباہی۔ برق رفتار اور حشر برپا کرنے والے ہتھیاروں کی تیاری' انگریزوں کا ہندوستان سے کوچ' پاکستان کے حالات وغیرہ۔

افغانستان کے حوالہ سے ان کی پیشین گوئی اس طرح مذکور ہے:

گردد بنو سلیمان باشد چو فضل رحماں
یعنی کہ قوم افغاں باشند صد علانہ

از غازیان سرحد لرزد زمیں چوں مرقد
بہر حصول مقصد آئند والہانہ

غلبہ کنند ہمچو مور و ملخ شباشب
حقا کہ قوم افغاں باشند فاتحانہ

اعراف نیز آئند از کوہ و دشت بلموں
بہر حمایت اسلام از ہر طرف روانہ

پنجاب شہر لاہور ہم ڈیرہ جات بنوں
کشمیر ملک منصور گیرند غائبانہ

یکجا شوند افغاں ہم دکنیان و ایراں
فتح کنند ایہاں کل ہند غازیانہ

خوش می شود مسلمان از لطف و فضل یزداں
کل ہند پاک باشد از رسم کافرانہ

ترجمہ: "پٹھانوں پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہوگا اور وہ پوری دنیا میں شہرت حاصل کرلیں گے۔ سرحد کے غازی اس بڑی تعداد میں آجائیں گے کہ زمین کانپنے

لگے گی اور وہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے والہانہ انداز سے پیش قدمی کریں گے۔ وہ ٹڈی دل اور چیونٹیوں کی طرح بہت بڑی تعداد میں حملہ کریں گے' راتوں رات۔ حق تو یہ ہے کہ افغان قوم برابر فتح یاب ہوگی۔ عرب لوگ بھی پہاڑوں' جنگلوں اور بیابانوں سے آجائیں گے اور عام مسلمان بھی اسلام کی حمایت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ پنجاب شہر لاہور کے شہری اور بنوں ڈیرہ جات کے بہادر قبائل کشمیر فتح کرلیں گے۔ افغانی دکنی اور ایران کے لوگ مل کر ہندوستان کو مردانہ وار فتح کرلیں گے۔ تمام ہندوستان کفر سے پاک ہو جائے گا اور مسلمان اللہ تعالیٰ کے فضل و مہربانی سے خوش ہو جائیں گے۔"

متذکرہ بالا امور کی روشنی میں امریکہ و برطانیہ اور ان کے اتحادی (صلیبیوں) کے عالم اسلام پر حملوں کو تیسری عالمی جنگ (جنگ صلیب و ہلال) کا ایک رُخ قرار دینے میں بظاہر کوئی امر مانع نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مسلمانوں کو اس جنگ کی تباہ کاریوں سے بچائے' اس کو نوبت نہ آئے' یا اس میں مکمل طور پر مسلمانوں کی آزمائش اور صلیبیوں کا خاتمہ ہو جائے اور بالآخر فتح اسلام کی ہو' یہ سب اللہ کے علم میں ہے۔ مگر حالات تیزی سے اسی طرف جا رہے ہیں جس طرف انہیں بالآخر جانا ہے۔ ایسے میں ایک مسلم نوجوان کا کردار یہ نہیں کہ وہ خاموش تماشائی بن کر حالات کو دیکھتا رہے اور اپنی سمع و بصر و فواد کی قوتوں سے کوئی کام نہ لے' بلکہ اسے ان حالات میں اسلام کے وقار اور مسلم امہ کی بقا کی خاطر سوچنے اور عملاً تیاری و تدبیر کی ضرورت ہے۔ وقت تیزی سے گزر رہا ہے' حالات سرعت سے بدل رہے ہیں' مسلم نوجوان کو اب خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر اپنی ملت اور اپنے مذہب کی تائید و نصرت کے لیے اور اللہ سے مدد و نصرت پانے کے لیے میدانِ عمل میں خود کو پیش کرنا ہوگا۔ اس کے لیے جس طرح کی بھی تیاری کی ضرورت ہو وہ فی الفور کرلی جائے اور جو نوجوان جس خدمت کے لیے جہاں اپنے آپ کو پیش کرسکتا ہو اس سے دریغ نہ کرے۔

حوالہ جات

1- امریکی عیسائیوں سے صلح کر کے روسی کمیونسٹ پارٹی سے افغانستان کے محاذ پر مسلمان (افغانی و پاکستانی) لڑ چکے اور اس میں فتح بھی ہوئی۔)

2- روس کی شکست اور افغانستان میں مسلمانوں کی فتح کو امریکہ (عیسائی) نے اپنی فتح قرار دیا۔

3- اسامہ بن لادن نے عیسائیت کی کمر توڑ دی ہے۔

4- امریکہ و برطانیہ و فرانس اور دیگر سب کافر و عیسائی اتحادی بن چکے ہیں۔

5- عربوں کا ایک لشکر اسامہ بن لادن کے زیر قیادت عیسائیت کے خلاف میدانِ عمل میں ہے۔

6- اسامہ اور القاعدہ کے مجاہدین امریکہ مانگ رہا ہے۔

7- شاید وہ لوگ ہیں جو اسلام کے خلاف عالم کفر (اتحادیوں) کا ساتھ دے رہے ہیں۔

8- یہ مختلف حدیثوں کا مفہوم ہے جو درمنثور میں امام جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے۔

محمد انس ندوی (لندن)

دورِ حاضر میں صلیبی تحریک

27 نومبر 1095ء کو بابا ائربین دوئم نے اپنی مشہور تقریر میں یورپ کے عیسائیوں کو عیسائیت اور اس کے مقدسات کے بچاؤ اور تحفظ پر اُبھارتے ہوئے کہا تھا: ''اب وہ وقت آ گیا ہے کہ اپنے ان اسلحوں کا رخ اسلام کی طرف پھیر دو جو اب تک انہی کے خلاف استعمال ہوتے رہے ہیں تاکہ اپنی توہین و تذلیل کا انتقام مسلمانوں سے لے سکو۔ یہ پاک و مقدس جنگ محض ہماری ذلت و اہانت کا انتقام نہیں بلکہ ان ساری اہانتوں کا انتقام بھی ہے جو خدا کی شان میں کی گئی ہیں اور یہ مقدس جنگ صرف اس لیے نہیں ہے کہ اس کے نتیجے میں ایک شہر حاصل کرلو بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ پورا کا پورا ایشیا' اس کی بے پناہ دولت اور لامحدود خزانوں کے ساتھ حاصل کرسکو۔ اس مقصد کے لیے ''قبر مقدس'' کو اپنی زیارت گاہ بنالو اور اپنی مقدس زمینوں کو غاصبوں کے ہاتھوں سے چھین لو کیونکہ تم ہی اس کے اصل مالک اور حقدار ہو۔ یہ وہی زمین ہے جس کے بارے میں تورات میں آیا ہے کہ: ''یہاں شہد اور دودھ بہتا ہے۔''

اگرچہ مسلمانوں سے شکست کھانے کے بعد صلیبیوں کا دم خم نکل گیا تھا اور ان کے حملوں کا زور تھم چکا تھا لیکن ان میں اسلام دشمنی کا جذبہ پلتا رہا' یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا کہ چودھویں صدی ہجری میں سارے مغربی ممالک خلافت عثمانیہ کے خلاف متحد ہوگئے جس کے نتیجے میں عالم اسلام الگ الگ ٹکڑوں میں تقسیم ہوگیا۔

بیت المقدس پہ قابض ہونے کے بعد جنرل لبنی نے صلاح الدین ایوبی کی قبر پر کھڑے ہوکر کھلے لفظوں میں اعلان کیا تھا کہ: ''آج صلیبی جنگیں ختم ہوگئیں'' گویا وہ یہ جتلانا چاہتا تھا کہ خلافت عثمانیہ کے خلاف مغربی ممالک کا اتحاد اسی صلیبی جنگ کی ایک کڑی تھی جس کی ابتداء پانچویں صدی ہجری میں ہوئی تھی۔

جنرل لبنی کا یہ جملہ صلیبی جنگ کے اختتامی اعلان کی اتنی صحیح تعبیر نہیں جتنی کہ اس جنگ کے ان نئے مراحل کے شروعات کی تھی جن کے اثرات سے اُمت مسلمہ آج کل دوچار ہے۔ عالم اسلام پر

مغربی سامراج کا سیاسی و اقتصادی مصلحتوں کی آڑ میں جو دباؤ ہے' اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس کے ذریعے عالم اسلام پر صلیبی چھاپ نمایاں کی جاسکے اور مغربی معاشرہ اور اس کے افکار و نظریات کو اس پر غالب کیا جاسکے۔ اور جہاں تک ہوسکے اسے اسلامی نظریات و عقائد اور تہذیب و ثقافت سے دُور رکھا جاسکے۔ مغرب کا یہ طریقہ کار ہی عالم اسلام پر اس کی گرفت کو مضبوط رکھنے اور اس کے موارد سے فائدہ اٹھانے اور اسے نچوڑتے رہنے اور ساتھ ہی ساتھ اسے مسلسل پستی' پسماندگی اور اختلاف و تناقض کے عذاب میں مبتلا رکھنے کا اہم ترین ذریعہ ہے۔

اس دور میں یہ خیال بھی وہم سمجھا جانے لگا ہے کہ مغربی سامراج کے ساتھ مسلمانوں کی ثقافتی کشمکش میں صلیبی عقیدہ و فکر کی کوئی اہمیت ہے۔ انتہائی سادگی اور بھولا پن ہوگا' اگر ہم عالم اسلام اور مغرب کے مابین اس کشمکش کو عقیدہ و دین کے عنصر سے یکسر خالی سمجھیں اور اسے محض سیاسی اور اقتصادی بنیادوں پر تسلیم کریں کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ عیسائیت اور عیسائی فکر اسلام اور عالم اسلام کے خلاف سامراجی جنگ کے بنیادی اسباب میں سے ہے اور اس کی اہمیت کسی طرح بھی سیاسی اور اقتصادی عوامل سے کم نہیں۔

ابن کثیر نے اپنی کتاب ''الکامل فی التاریخ'' میں بیان کیا ہے کہ جب صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس فتح کیا تو اس کا پادری وہاں کے معروف و مشہور عیسائیوں کے ساتھ احتجاجاً نکل کھڑا ہوا' سب نے بیت المقدس سے نکل جانے پر سیاہ ماتمی لباس پہن لیے اور سارے یورپ میں لوگوں سے مدد و فریاد کرتے پھرے اور انہیں مسلمانوں سے انتقام لینے پر ابھارتے رہے۔ اپنی مہم کو مزید کارگر اور موثر بنانے کے لیے انہوں نے یہ کیا کہ:

حضرت مسیح کی اور ایک عربی شخص کی تصویر بنائی اور اس میں یہ دکھایا کہ وہ عربی حضرت مسیح کو مار رہا ہے جس سے حضرت مسیح کے سراپے پر خون بہہ رہا ہے۔ یہ تصویر لوگوں کو دکھا کر کہتے پھرتے کہ دیکھو یہ مسلمانوں کے نبی محمد ﷺ نے حضرت مسیح کو لہولہان کردیا اور انہیں قتل کردیا۔

اس قسم کا دوسرا واقعہ قاضی بہاؤالدین شداد نے اپنی کتاب ''النوادر السلطانیہ والمحاسن الیوسفیہ'' میں نقل کیا ہے:

''عیسائیوں نے حضرت مسیح کی قبر کی تصویر بنائی جسے ایک عربی سوار روند رہا ہے اور اس کے گھوڑے نے قبر پر پیشاب کیا ہوا ہے۔''

ان تصویروں کی نمائش شہر شہر بازاروں اور عوامی جگہوں پر کی گئی' ننگے سر پادری ان تصویروں کو جگہ جگہ لیے پھرتے اور آہ و زاری کرتے۔ لوگوں کو ابھارنے اور ان میں دینی ولولہ اور جوش پیدا کرنے کے ان وسائل نے اہم رول ادا کیا اور اہلِ مغرب میں دوبارہ صلیبی آگ بھڑکائی جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے ساتھ ان کی جنگ شدید تر ہوگئی مگر چونکہ مسلمانوں کو ان کے مقابلے میں زبردست جنگی کامیابی حاصل ہوچکی تھی اور عیسائیوں کو یہ اندازہ ہو چلا تھا کہ ان اسلحوں کی جنگ سے کسی قسم کا فائدہ

اٹھانا تو درکنار مزید نقصان ہی جھیلنا ہوگا۔ لہٰذا انہوں نے اس ناکامی کا بدلہ لینے اور عالم اسلام پر صلیبی تسلط و نفوذ کی خواہش کو پورا کرنے اور اپنی حرص و طمع بجھانے کے لیے دوسرے نئے نئے انداز اپنانے شروع کر دیئے۔

ان نئے سامراجی و صلیبی انداز و اطوار کے مظاہر واضح طور پر ان سیاسی و فکری اور تہذیبی و ثقافتی اسلوبوں میں محسوس کیے جاسکتے ہیں جسے مغرب نے عالم اسلام پر تھوپے رکھا ہے اور جن کا مقصد مغرب کے نزدیک اس کے سوا کچھ نہیں کہ عالم اسلام کو ایک ایسے جلتے سلگتے خطۂ ارض میں تبدیل کر دیا جائے جو اپنے آپ ہی میں فنا ہوتا رہے اور اس کا دائرہ محدود سے محدود تر ہوتا چلا جائے۔

اس نئی صلیبی جنگ کے مختلف مظاہر کے فہم و ادراک کے لیے ضروری ہے کہ اس سلسلے میں تحقیق و تجزیہ کے دوران اس کے آپس کے ربط و تعلق کو پوری پوری اہمیت دی جائے تاکہ تاریخ کے ان حقائق اور پس منظر کو صحیح طور پر سمجھنے میں مدد مل سکے جن کے اثرات سے آج اُمت مسلمہ دوچار ہے۔
سیاسی و فکری سطح پر عالم اسلام پر مندرجہ ذیل مغربی صلیبی آثار نمایاں ہیں۔

1- امت مسلمہ پر مغربی افکار کے اثرات جس کے نتیجے میں مغربی تہذیب و ثقافت اسلامی ثقافت کا جز بنتی جارہی ہے۔
2- فلسطین میں متعصب صیہونیت کا وجود اور اس کی اسلام کے خلاف بغض و کینہ اور انتقامی جذبہ سے پر صلیبی تائید و حمایت۔
3- مسلم علاقوں میں گروہی جھگڑوں کے ذریعے مسلمانوں کو کمزور کرنا اور وہاں خود ساختہ عیسائی وجود کی مدد و حمایت کرنا۔
4- مسلمانوں میں نصرانیت پھیلانے والی تبشیری تنظیم کے ساتھ ہر قسم کا مادی و معنوی تعاون کرنا۔

آیئے ان پہلوؤں کا ذرا تفصیلی جائزہ لیں:

1- مغربی افکار کے اثرات

''استشراق، تہذیب' غرب کو اپناؤ'' اور ''لادینیت'' جیسی تنظیموں کا اوّلین مقصد یہ تھا کہ اس کے ذریعے ایسے مسلمانوں کی مستقل جماعت تیار کی جائے جن کا تعلق اسلام سے کٹ چکا ہو اور جن میں اسلامی امتیاز و تشخص مفقود ہو۔ وہ نام کے تو مسلمان ہوں لیکن ان کی فکر و نظر' تہذیب و تمدن پر مغرب کی چھاپ ہو اور وہ سیاسی' اجتماعی اور اقتصادی' غرض ہر معاملے میں پوری طرح مغرب کے پیروکار ہوں۔

استشراقی تحریک صلیبی جنگوں کے بعد فوراً ہی وجود میں آئی تھی' اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے روزمرہ کے حالات کا معائنہ کیا جائے' اسلامی عقائد و سلوک' اغراض و مقاصد کا جائزہ لیا جائے اور اس سلسلے میں ہر طرح کی معلومات اکٹھی کی جائیں اور پھر اسے ایسے انداز میں شائع کیا جائے جس سے

اسلام کے خلاف مسلمانوں میں شک و شبہ پیدا ہو اور اس طرح ان کے عقائد' اسلامی سلوک و عادات میں تبدیلی لائی جائے۔

دوسرا بڑا مقصد یہ تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کے سلسلے میں جمع شدہ واقعی اور حقیقی معلومات کو سامراجی تنظیموں تک پہنچایا جائے تاکہ وہ اسے حسب موقع مسلمانوں کے خلاف استعمال کر سکیں۔

ڈاکٹر ایڈورڈ سعید اپنی کتاب ''استشراق'' میں کہتا ہے:

''ایک مستشرق کا ذہن اور اس کے خصوصی تجربات سامراجی مفاد کے لیے وقف ہوتے ہیں اور جب بھی لحۂ ضیق و اضطرار میں اس کے سامنے یہ فیصلہ کرنے کا وقت آتا ہے کہ آیا وہ اپنی محبت و تعاون مشرق کے ساتھ وابستہ رکھے' یا اس کے اس جذبۂ خاطر کا حقدار مغرب ہے' تو اس کا فیصلہ ہمیشہ مغرب ہی کے حق میں ہوتا ہے اور اس میں سوچنے کا یہ انداز نپولین کے عہد سے اب تک بغیر کسی ادنیٰ تبدیلی کے چلا آرہا ہے۔''

اسلام کے عقائد و اصول اور اس کی اخلاقی قدروں کو صلیبیوں نے ہمیشہ استشراقی حملوں کے ذریعے پارہ پارہ کرنے کا وطیرہ اپنائے رکھا۔ اپنی دانست میں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی اقدار' تہذیب و ثقافت بہت ہی پسماندہ اور فرسودہ ہے' اور وقت حاضر کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتی۔ دریں صورت اہل مغرب کا انسانی اور اخلاقی فرض ہے کہ وہ انسانوں کے اس مجموعے (مسلمانوں) کو جدید تہذیب و ترقی سے رُوشناس کرائیں۔ اور اس کی شکل یہی ہے کہ مغربی تہذیب و ثقافت کے اصول و نظریات مسلمانوں میں عام کیے جائیں۔ بقول ڈاکٹر قاسم السامرائی' سامراجیوں کا کہنا ہے کہ ذہنی پستی اور احساسِ کمتری میں مبتلا مسلمانوں کو اسلام سے یکسر آزاد کرنے کا واحد ذریعہ یہی عیسائی تہذیب ہے اور اس کے ذریعے ثابت قدم مسلمانوں کو متزلزل اور پھر انہیں دین و عقیدہ سے بھی بے بہرہ کیا جا سکتا ہے۔ نپولین کا مورخ اس کی مصری جنگ اور مشرق میں فرانس کے ارادے پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتا ہے:

''نپولین یہ چاہتا تھا کہ مشرق کے سامنے یورپی تہذیب و تمدن کا نمونہ پیش کرے۔ اس سے بڑھ کر اس کی یہ خواہش تھی کہ ساری انسانیت سکون و سعادت کی زندگی سے لطف اندوز ہونے کے لیے یورپ کی کامل ترین تہذیب و ثقافت کو اپنائے' اور اس کے فوائد سے بہرہ ور ہو۔ لہٰذا اگر مصر جو مشرق کی کنجی ہے' تہذیب غرب کو اپنا لیتا ہے تو اس کے زیر اثر سارا مشرق مغرب ہو جائے گا' اور پھر نتیجتاً سارے مشرق کو تابع فرمان بنانا آسان ہوگا۔''

مغربی ذرائع ابلاغ نے تہذیب و ترقی کے پس پردہ صلیبی روح اور افکار و نظریات کو اسلامی ملکوں میں پھیلانے اور عام کرنے میں بہت موثر رول ادا کیا ہے۔ اور اس طرح مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت تیار کرنے میں کامیاب ہو رہا ہے' جو مغربی تہذیب و تمدن کے سامنے ہتھیار ڈال چکے ہیں۔

2- فلسطین میں صیہونی وجود

مغربی سامراج کے سامنے مقبوضہ فلسطین میں صیہونی ریاست کو وجود میں لانے کا مقصد یہ تھا کہ اس کے ذریعے اسلام اور صلیبی کشمکش سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جاسکے۔ اسرائیلی وجود کی قرارداد 1907ء میں یورپین کانفرنس لندن میں پاس ہوئی تھی' اور ان الفاظ پر ختم ہوئی تھی:

''جن خطرات سے یورپ کو خوف ہے' وہ طنجہ اور خلیج بصرہ کے وسیع علاقے میں پوشیدہ ہے۔ کیونکہ اس علاقے میں ایک ایسی امت رہتی ہے جو آپس میں متحد ہے۔ اور ایشیا و افریقہ پر اس کا محیط اثر ورسوخ ہے۔''

کانفرنس نے ان خطرات سے تحفظ کے لیے یہ حل پیش کیا۔

''اس کا صرف یہی حل ہے کہ اس علاقے کو ایک ایسی اجنبی قوم کے ذریعے دو حصوں میں تقسیم کردیا جائے' جو اس کی طاقت وقوت کو نچوڑتی رہے۔''

اس طرح یہودیوں کی مغربی سامراجی مصلحتوں کی بنیاد پر فلسطین میں اپنی مستقل حکومت قائم کرنے کی دیرینہ خواہش پوری ہوگئی۔

یہودی اور صلیبی اتحاد کے پیچھے یہی مشترکہ مصلحتی تعلقات ہیں' جن کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے بندھے ہوئے ہیں۔ یہودیوں نے مغرب کے ساتھ اپنے تعلقات کو مزید گہرے اور مضبوط بنانے کے لیے صرف اس کے ساتھ سیاسی مصلحت ہی کو مضبوط نہیں بنایا' بلکہ مغرب کی اسلام دشمن عیسائیت کو ابھارنے میں نمایاں رول ادا کیا ہے۔ اور انہیں یہ یقین دلاتے رہتے ہیں کہ:

''خدا کی منتخب و پسندیدہ قوم ''یہود'' کی ارضِ موعود (فلسطین) میں واپسی اور اس کا استقرار حضرت مسیح کی واپسی کا ضامن ہے۔''

مغرب اور یہود کے مابین اس گہری دوستی اور وابستگی کی بے شمار مثالیں ہیں' جن میں خاص طور پر ۱۹۶۷ء میں بعض مغربی ممالک میں بڑے پیمانے پر وہ مظاہرے ہیں' جن میں لوگ صیہونی جھنڈے اور کتبے اٹھائے ہوئے تھے۔ اور سارے جھنڈوں اور صیہونی امدادی بکسوں پر دو الفاظ لکھے ہوئے تھے۔ ''مسلمانوں کو ختم کرو۔'' ان مظاہروں نے لوگوں میں صلیب اور صیہونیت کی بہبود کا مشترکہ جذبہ بیدار کردیا جس کے نتیجے میں تنہا فرانسیسیوں نے ایک ہزار ملین فرانک صرف 4 دن کے اندر بطور چندہ دیا۔

اسرائیل کے ساتھ صلیبی تعلق وتعاون تحریف شدہ عیسائیت کا دینی جز بن چکا ہے۔ ادیانِ امریکہ کے پروفیسر اروی ایکاوٹ کا کہنا ہے کہ جنت میں داخلے کا بہترین راستہ اسرائیل میں ذخائر کی فیکٹریوں میں کام کرنا ہے۔ مزید کہتا ہے:

''اسرائیل ایک ماڈرن اور ترقی یافتہ ملک ہے۔ لہٰذا وہ نیپام بم بنا رہا ہے' تاکہ اسے عربوں

کے خلاف استعمال کر سکے۔ اور حقیقتاً یہ ایک مقدس کام ہے' اور اس بم کو ویت ناميوں کے بجائے مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنے میں خدا کو زیادہ خوشی ہوگی۔''

اس دینی عطف و میلان نے امریکہ کے سابق صدر جمی کارٹر کو تل ابیب یونیورسٹی میں اس کے اعزاز میں دیئے گئے تکریمی استقبالیہ کے موقع پر کہنے پر مجبور کر دیا کہ:

''میں بحیثیت ایک عیسائی مومن یہ ایمان رکھتا ہوں کہ اسرائیلی حکومت کا قیام یقیناً ایک الٰہی وعدہ ہے۔''

3- مسلم ممالک میں گروہی جھگڑے اور عیسائی وجود

مغربی استعمار عالم عرب سے رخصت ہوتے ہوئے ان کے درمیان گروہی اور عنصری جھگڑوں کے بیج بونے سے نہیں چوکا۔ اس کی کھلی مثال لبنان میں عیسائی اور مارونی عناصر کا وجود ہے' جس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ لبنان مسلمانوں کے خلاف صلیبی ثقافتی جنگ کا اکھاڑا بنا رہے۔ تاریخ کے مطالعے اور لبنان کے سابقہ حالات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ لبنان میں نصرانیوں کا مسلمانوں کے ساتھ بایں طور معاملہ رہا ہے کہ وہ سیاسی' اقتصادی' ثقافتی برتری کا حقدار مسلمانوں ہی کو تسلیم کرتے رہے ہیں اور ان کا خیال یہ رہا ہے کہ لبنان تہذیب و تمدن کا گہوارہ ہے اور وہ عالم عرب میں مغربی تہذیب و ثقافت کی روشنی اور ان کی اُن سیاسی' فکری اور اخلاقی قدروں کو پہچاننے کا ذریعہ و واسطہ ہے' جس کے ذریعے عالم عرب کے مسلمانوں کو پسماندگی اور رجعت سے نجات دلا کر انہیں مغرب کی تہذیب و ترقی کی بلندیوں سے روشناس کرایا جاسکتا ہے۔

لبنان کے نصاریٰ مغرب کے آلۂ کار ہیں' یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے' جنہیں وہ مسلمانوں کے خلاف اپنی تہذیبی و ثقافتی جنگ میں استعمال کرنا چاہتا ہے۔ اس حقیقت کو مقبوضہ فلسطین میں ان کے اور یہودیوں کے مابین سیاسی و فکری ربط و تعلق بخوبی واضح کرتا ہے۔

صیہونی روزنامہ ''ہارٹس'' کے فوجی مراسل زیعف شیف کی کتاب ''حزب الضلال'' سے (جو قسط وار عربی میگزین ''الوطن العربی'' میں شائع ہوئی ہے) ان متعدد روابط و اتصالات کا پتہ چلتا ہے' جو نصرانی لیڈروں (خاص طور پر بشیر الجمیل) اور صیہونی ذمہ داروں (ان میں ارئیل شارون قابل ذکر ہے جو لبنان صیہونی جنگ اور صابرہ وشتیلہ میں فلسطینیوں کے قتل عام میں پیش پیش تھا) کے مابین قائم تھے۔

مذکورہ کتاب میں لکھا ہے کہ ان اتصالات و روابط کے ذریعے جو اہم چیز طے پائی' وہ یہ تھی کہ فلسطینیوں کو ختم کرنے کے لیے عیسائی طاقتوں کے ساتھ بھرپور تعاون کیا جائے۔ ان کے آپس کے تعلقات مزید بڑھے۔ حتیٰ کہ یہ طے ہوگیا کہ ''لبنانی محاذ'' (جو لبنان میں موجود عیسائیوں کے مختلف گروپوں کی نمائندگی کرتا ہے) کا ایک علاقائی دفتر قائم کیا جائے اور اس کی ادارت (بیریز یک) کے ذمے ہو جو محاذ کے سیاسی آفس کا ممبر ہے۔

لبنان میں نصرانی اقلیت کے ساتھ مغرب کا بھرپور تعاون اور اس کا یہودیوں کے ساتھ مضبوط تعلق ان سب کا اہم مقصد ہے۔ کہ عالم عرب میں گروہی جھگڑے پیدا کیے جائیں۔ مسلمانوں کو کمزور کیا جائے اور سیاسی' فکری اور اقتصادی ہر اعتبار سے انہیں تہی دامن رکھا جائے' کیونکہ اس طرح مغربی صلیب کے (اسلام اور مسلمانوں کے خلاف) انتقامی جذبہ کی تسکین ہوتی ہے۔

4- عالمی تبشیری تحریک

قاہرہ میں 1906ء میں جو تبشیری کانفرنس ہوئی تھی' اس میں پادری زویمر نے مبشرین کو دو نصیحتیں کی تھیں۔ پہلی یہ کہ مسلمانوں کو یہ اطمینان دلایا جائے کہ نصاریٰ ان کے دشمن نہیں ہیں۔ دوسری مسلمانوں کو نصرانی بنانے کے لیے اُنہی میں سے لوگوں کو منتخب کیا جائے' اس کانفرنس کے پانچ سال بعد مبشرین نے جو لکھنؤ (ہند) کانفرنس میں جمع ہوئے تھے۔ یہ طے کیا کہ مصر میں ایک تبشیری مدرسہ قائم کیا جائے۔ جس کے ذریعے مسلم عورتوں اور بچوں میں بھی دعوت و تحریک عام کی جائے۔ پھر قدسی کانفرنس ہوئی' اور اس میں زویمر نے اپنے مشہور یہ جملے کہے۔ ''تبشیر کا کام یہ نہیں ہے کہ اس کے ذریعے مسلمانوں کو عیسائی بنایا جائے' کیونکہ اس طرح تو ان کی ہدایت و تکریم ہوتی ہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ کسی طرح ان کا ناطہ اسلام سے توڑ دیا جائے تاکہ وہ ایک ایسی مخلوق کی شکل میں باقی رہ جائیں' جس کا خدا سے کوئی تعلق نہ رہے۔

آج قاہرہ کانفرنس پر 81 سال گزرنے کے بعد صورتِ حال یہ ہے کہ تبشیری تحریک و مشن کے اثرات لامحدود ہو چکے ہیں۔ اور وہ مسلمانوں کے درمیان بے جھجک کھلے عام اپنے کام کر رہی ہے۔ بلکہ فی الوقت وہ ایک ایسی مضبوط عالمی تحریک بن گئی ہے' جسے مغربی ممالک اور بڑے بڑے اداروں کا تعاون حاصل ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ یہ تحریک مسلمانوں کے لیے ایک کھلا چیلنج ہے۔ 1978ء میں امریکہ میں اس کی عالمی کانفرنس ہوئی' جس کا کھلے لفظوں میں عنوان تھا۔ ''شمالی امریکہ کانفرنس برائے تبشیر مسلمین'' اس کانفرنس میں دنیا بھر کے تبشیری مشن کے مختلف اداروں کے نمائندے' دراساتِ اسلامیہ کے ماہرین' رپورٹر اور تیسری دنیا کے معاملات کے جانکار موجود تھے۔ اس کانفرنس میں یہ طے ہوا کہ ''صموئیل زویمر کے نام پر تبشیری ریسرچ و ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ قائم کیا جائے' جس کا ہیڈ کوارٹر لاس اینجلس میں ہو۔ کانفرنس میں اس مقصد کے لیے ایک ہزار ملین ڈالر منظور کیا گیا۔

مغربی صلیبی ملکوں کی انفرادی' جماعتی اور ملکی سطح پر تعاون و مدد سے چلنے والی اس تحریک کی زد میں جو مسلم ممالک ہیں' ان میں سب سے زیادہ تشویشناک صورتِ حال سے دوچار انڈونیشیا ہے جہاں بیس معترف اور خصوصی تبشیری ادارے سرگرم عمل ہیں اور جن کی سرمایہ کاری خاتیکان (بابا) اور گرجوں کے عالمی اداروں کے علاوہ امریکہ' برطانیہ' فرانس کینیڈا' ہالینڈ کر رہے ہیں۔ گرجوں کے عالمی ادارے کا سینٹر جنیوا (سوئیزرلینڈ) میں ہے۔ اس کا اہم کام انڈونیشیا میں تبشیری تحریک عام کرنے کے لیے اعلیٰ تعلیم

یافتہ اور متعدد زبانوں سے واقف (جن میں بیشتر ڈاکٹر اور انجینئر ہوتے ہیں) افراد کو فراہم کرنا ہے۔

دوسری طرف عالم عرب میں اس تحریک کا زہر وہاں قائم شدہ یورپین تعلیمی ادارے اور کلیات کے ذریعے پھیلایا جارہا ہے۔ جن میں کلیہ انجینئر (جس کا موجودہ نام لبنان یونیورسٹی ہے) عیسائی کالج اور امریکن یونیورسٹی قابل ذکر ہیں۔ تبشیری اثرات سے افغان مجاہدین کے بچے بھی کم دو چار نہیں جس کا اہم سبب مسلمانوں کی ان کی طرف سے غفلت اور لاپرواہی ہے۔

5- اسلامی بیداری کے درپے ہونا

اسلام دشمن صلیبیوں کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ کسی طرح بھی اسلام اور اسلامی تحریکوں کے آڑے آئیں۔ خاص طور سے ایسی تحریکوں کے درپے ہو جاتے ہیں' جن کے بارے میں ان کا خیال ہوتا ہے کہ وہ اس علاقے کے اقتصادی اور سیاسی حالات پر اثر انداز ہو سکتی ہیں۔ ان حقائق سے ہر وہ شخص بخوبی واقفیت حاصل کر سکتا ہے جو ان اقوال و تصریحات پر ذرا بھی غور و فکر سے کام لے۔ جو عموماً کنیسہ کے سربراہوں' تبشیری اداروں اور مغربی سیاسی لیڈروں کی جانب سے شائع ہوا کرتی ہیں۔ اسی سلسلے میں واضح ترین مثال ''ماریوس بار'' کی وہ کتاب ہے جو 1980ء میں ''غیر مقدس جنگ'' کے نام سے شائع ہوئی ہے' جس میں مؤلف نے عیسائی مغرب کو موجودہ اسلامی بیداری کے سلسلے میں یہ کہتے ہوئے متنبہ کیا ہے کہ:

''یہ اس دور کی سب سے زیادہ پر خطر ہے۔'' ساتھ ہی یہ بھی دعوت دی ہے کہ اس سلسلے میں سرئیل کی پوری مدد و حمایت کی جائے' تاکہ اس اسلامی ''وحشت'' کو روکا جاسکے' جس نے اسلامی قوت و سطوت کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے حرکت شروع کر دی ہے۔

نئ صلیب کی اسلام دشمنی کے یہ چند نمونے ہیں' جن سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ صلیبی جنگیں واقعتاً ختم نہیں ہوئی ہیں' بلکہ اس کے انداز میں مزید تیزی اور شدت آگئی ہے' اور وہ بھی نئے انداز و اسلوب اور مختلف اسباب و وسائل اور طریقہ سے۔ لیس اس مضمون کے خاتمے پر اس جانب توجہ دلانا چاہوں گا کہ مسلمانوں اور صلیبیوں اور صیہونیوں کے مابین جو ثقافتی کشمکش ہے' اس کے سامنے ہتھیار ڈالنے اور اس کے لبھانے والے ظاہری خول سے دھوکہ کھا کر اسے اپنانے کے بجائے اسے پرکھنا اور جانچنا بھی اس کشمکش کی حقیقت تک پہنچنے اور اس سلسلے میں صحیح و مناسب اقدام کرنے کا واحد راستہ ہے۔

۞......۞......۞

شیخ احمد عبداللہ سیف الرفاعی

عیسائیت‘ عالم اسلام سے برسرِ پیکار

جب ہم مسلمانوں کے خلاف دشمن کی فکری اور عسکری جنگ کے خطرات کا موازنہ کرتے ہیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ فکری جنگ کی تباہی اور ہولناکی اور اس کے اثرات زیادہ سخت واقع ہوئے ہیں۔ یعنی مسلمانوں کے خلاف فکری اور ثقافتی یلغار کی تباہی جنگوں اور گولہ بارود کی تباہی سے کہیں زیادہ خوفناک ہے۔ یہی وہ سب سے بڑا چیلنج ہے جو اس وقت عالم اسلام کو درپیش ہے۔ اب عیسائی قوتوں کی ساری جدوجہد کا رُخ اس طرف ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کر کے انہیں ان کے دین سے متنفر کر دیا جائے۔ انہیں ذہنی طور پر اس قدر مرعوب کر دیا جائے کہ وہ عیسائیت قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ گویا آج عیسائیوں کا سب سے بڑا ہدف مسلمانوں کو عیسائی بنانا ہے!...... اس مقالہ میں ہم اسی کے متعلق بحث کریں گے:

عیسائیت کا ہدف اسلام کیوں؟

عیسائی مشنری دین اسلام کو سب اُدیان سے پہلے اپنا نشانہ بناتے ہیں کیونکہ ان کی تاریخ انہیں بتاتی ہے کہ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس نے انہیں ہمیشہ شکست و ریخت سے دوچار کیا اور انہیں اپنا مغلوب بنایا۔ تاریخ شاہد ہے کہ صلیبی عیسائیوں نے اسلام کا سامنا کرنے اور مسلمانوں سے ٹکر لینے سے ہمیشہ گریز کیا‘ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ مسلمان جب ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں گھوڑے کی لگام تھام کر گھوڑے کی پشت پر سوار ہو جاتا ہے تو پھر وہ اس عزم سے نکلتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے شکست نہیں دے سکتی۔ لیکن آج امت مسلمہ نے غفلت کی چادریں تان لیں۔ امت مسلمہ آج بیمار ہے‘ البتہ مری نہیں۔ اونگھ رہی ہے‘ البتہ ابھی سوئی نہیں۔ مسلمانوں کو شکست تو دی جاسکتی ہے‘ لیکن اسے صفحۂ ہستی سے مٹایا نہیں جاسکتا۔

جب بھی کفر اور اسلام کی جنگ ہوئی اور مسلمانوں نے اپنے مقصد کو سامنے رکھا‘ اللہ کی نصرت پر بھروسہ کیا تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں ہزیمت سے دوچار نہ کرسکی۔ جب بھی مسلمان اپنے دین کی طرف

لوٹے تو وہ ایک ناقابلِ شکست قوت بن کر اُبھرے اور صلیبی اس حقیقت کو خوب سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ فرانس کے مشہور بادشاہ لوئیس نہم (Louis IX) جو دو صلیبی معرکوں میں عیسائیوں کی قیادت کر چکا تھا' کو بھی اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا۔ جب مسلمانوں نے اسے بدترین شکست دی اور 'منصورہ' کے معرکہ میں اسے گرفتار کرلیا پھر جب یہ رسوا ہو کر قید سے نکلا تو اس نے ایک مشہور وصیت لکھی جو 'پوپ لوئیس' کی وصیت کے نام سے مشہور ہوئی۔ وہ عیسائیوں کو تاکید کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> ''یاد رکھو! مسلمانوں کو عسکری میدان میں کبھی شکست نہیں دی جاسکتی' اس لیے تمہیں اس طریقۂ جنگ سے دستبردار ہونا ہوگا۔ اس کے مقابلے میں ثقافتی اور فکری یلغار سے مسلمانوں کو مغلوب کرنے کی کوشش کرو۔''

یہ وصیت گویا ایک اعلان تھا کہ اب مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان ایک نئی جنگ کا آغاز ہوگا۔ پھر ایسے ہی ہوا اور عسکری جنگ کو فکری اور ثقافتی جنگ سے بدل دیا گیا۔

تحریک تنصیر کے اَہداف

عیسائی منصوبہ سازوں نے اِسلامی ممالک میں کئی پراجیکٹوں پر کام شروع کر رکھا ہے' کیونکہ وہ تنہا اسلام کو اپنے لیے خطرہ سمجھتے ہیں۔ انہیں بدھ مت' ہندومت اور یہودیت سے کوئی خطرہ نہیں کیونکہ یہ تمام مذاہب قومیت پرستی سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ اپنی قوم اور اپنے ماننے والوں کے حصار سے باہر نکلنا ان مذاہب کی فطرت میں شامل نہیں ہے۔ ویسے بھی یہ تمام مذاہب ترقی کے لحاظ سے نصرانیت سے بہت پیچھے ہیں۔ لیکن اسلام کو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک عالمگیر متحرک دین ہے۔ بغیر کسی معاون کے دھیرے دھیرے آگے بڑھنا اس کی فطرت ہے۔ یہی وہ خطرہ ہے جو انہیں چین نہیں لینے دیتا!!

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تنصیری تحریک (عیسائی بنانے کی تحریک) کے پیشِ نظر متنوع اہداف ہیں جنہیں وہ مسلمانوں کے خلاف بروئے کار لانا چاہتے ہیں۔ ان میں سے بعض روایتی اور بعض غیر روایتی ہیں۔ پھر ان میں سے بعض ظاہر اور عیاں ہیں اور بعض خفیہ اور پوشیدہ۔ لیکن یہ بات کبھی نہیں بھولنی چاہیے کہ یہ تمام قسم کے اہداف اور مقاصد مسلمانوں اور اسلام کے لیے انتہائی خطرناک ہیں۔ افسوس! کہ مسلمان ابھی تک اسلام کے خلاف ان گھناؤنے منصوبوں سے بالکل بے خبر ہیں۔ تنصیری تحریک کے پیشِ نظر کون سے مقاصد ہیں؟ بنیادی طور پر انہیں تین حصوں میں منقسم کیا جاسکتا ہے:

(1) مسلمانوں کو دینِ اسلام سے برگشتہ کرنا

انہیں اسلام اور پیغمبرؐ کی ذات کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا کرنا' اسلامی احکامات کے متعلق جعل سازی سے کام لے کر اسلامی عقائد کی جڑیں کھوکھلی کرنا عیسائیوں کا سب سے بڑا ہدف ہے۔ چنانچہ عیسائیوں کا ایک بہت بڑا پادری زویمر اپنے مشنریوں کو وصیت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"عیسائیت کی تبلیغ کا مشن لوگوں کو نصرانیت میں داخل کرنا نہیں بلکہ تمہارا کام یہ ہونا چاہیے کہ تم مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کردو حتیٰ کہ وہ ایسی مخلوق بن جائیں جن کا اللہ سے کوئی تعلق نہ ہو۔"

عیسائیوں کی اس ذہنیت کا جو نقشہ قرآن نے کھینچا ہے' اس سے بہتر کھینچنا ممکن نہیں:

ود کثیر من اهل الکتاب لو یردونکم من بعد ایمانکم کفارا' حسدا من عندانفسهم من بعد ماتبین لهم الحق (البقرة: 109)

"اہل کتاب میں سے اکثر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تمہیں ایمان سے پھیر کر پھر کفر کی طرف پلٹا لے جائیں' اگرچہ حق ان پر ظاہر ہو چکا ہے مگر اپنے نفس کے حسد کی بنا پر (تمہارے لیے ان کی یہ خواہش ہے)۔"

(2) اسلام کو پھیلنے سے روکنے کے لیے رکاوٹیں کھڑی کرنا

عیسائی مشنری کا قلم اور زبان اسلام کے خلاف زہر آگیں ہے' کیونکہ مسلمانوں کو عیسائی بنانے سے زیادہ انہیں یہ فکر لاحق ہے کہ کہیں ان کی اپنی قوم اسلام کی حقانیت سے آشنا ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل نہ ہو جائے۔ اسلام فوبیا (اسلام سے خوف) ہر وقت ان کے ذہنوں پر سوار رہتا ہے اور وہ ہمیشہ یہ شور مچاتے ہیں کہ دین اسلام ان کے لیے خطرہ ہے۔ اور وہ اسلام کو اس قدر بدنما بنا کر پیش کر رہے ہیں کہ مغربی معاشرہ' لادینیت' الحاد اور کلیسا سے شدید نفرت کے باوجود عیسائی ہونا اپنے لیے باعث فخر سمجھتا ہے۔

اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو روکنے کے علاوہ وہ ایمان و ہدایت کی بنیادوں کو بھی مضمحل کر رہے ہیں اور مغرب جس چیز پر سب سے زیادہ اسلام کو مطعون ٹھہراتا ہے' وہ یہ الزام ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے' اسلام نے بڑی خونریزی کی ہے' حالانکہ یہ سراسر دروغ گوئی اور بددیانتی ہے۔ اور اس خلافِ حقیقت پروپیگنڈے اور جعل سازی کا مقصد صرف اور صرف یہی ہے کہ خود تلوار سونت کر مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے کا قانونی جواز پیدا کیا جاسکے۔ مغرب اسلام کی وسعت کے روکنے کو اتنی اہمیت نہیں دیتا جتنی اس بات کو اہمیت دیتا ہے کہ لوگوں کو عیسائی بنانے کے پردہ میں قتل و غارت کا بازار گرم کرنے کا قانونی جواز پیدا کیا جائے۔ درحقیقت مغرب یہ سمجھتا ہے کہ خواہ کتنے ہی عیسائی مراکز قائم کر لیے جائیں لیکن تلوار استعمال کیے بغیر لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے سے نہیں روکا جاسکتا کیونکہ لوگوں کے سامنے اسلام میں داخل ہونے کے مواقع عیسائیت کی نسبت بہت زیادہ ہیں۔

ہم یہ متنبہ کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ عیسائی مشنریوں کی تکنیک اور ہدف ہر علاقہ میں مختلف ہوتا ہے۔ عرب ممالک میں یہ لوگ محض مسلمانوں کو ان کے عقائد سے متزلزل کرنے اور انہیں اسلام سے

نکالنے پر اکتفا کرتے ہیں' انہیں نصرانیت میں داخل کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ لیکن دیگر ممالک میں یہ بالفعل مسلمانوں کو عیسائی بناتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عرب ممالک تبشیری تحریک کا شکار ہو کر حلقۂ عیسائیت میں داخل نہیں ہوتے' بلکہ وہاں بھی بعض اوقات عیسائیوں کی تبلیغی سرگرمیاں ثمر آور ہوتی ہیں اور بعض لوگ بالفعل عیسائی بن جاتے ہیں۔ البتہ دیگر اسلامی ممالک میں لوگوں کی اکثریت عیسائیت کی طرف مائل ہو رہی ہے۔

(3) مغربی تسلط کے قیام کے لیے عالم اسلام کو سیاسی' اقتصادی اور ثقافتی لحاظ سے اپنا غلام بنانا

عالمی سیاسی وحدت کے نظریہ کو مسلط کرنے کے لیے فضا کو سازگار بنانا' اپنی معاشرتی اقدار کو فروغ دینا' جدید اقتصادی سیٹ اَپ پر تشکیل دینا' ثقافتی اور تہذیبی رکاوٹوں' دینی اور ثقافتی بحثوں میں پڑے بغیر انسانی معاشروں کے درمیان پائے جانے والے امتیازات کا خاتمہ کرنا' بلکہ یوں سمجھئے کہ پورے عالم کو دینی لحاظ سے ایک وحدت بنانا اور اس کے علاوہ بے شمار خوشنما اہداف جن سے اکثر لوگوں نے دھوکہ کھایا۔ یہ تمام اہداف ظاہری لحاظ سے جتنے خوشنما ہیں' اندر سے اتنے ہی خوفناک اور نقصان آمیز ہیں۔ یہ درحقیقت مسلمانوں کی ناکہ بندی کرنے' انہیں مغرب کی غلامی میں جکڑنے' انہیں خود کار ہتھیاروں میں محصور کر کے اسلامی تشخص اور اسلامی تمدن کو مسخ کرنے کی گھناؤنی سازش ہے اور اس سازش کو کامیاب بنانے کے لیے مغرب وہ پرانے طریقے چھوڑ کر جدید طریقوں کو بروئے کار لانے کی کوشش کر رہا ہے۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ عیسائیت کی سرگرمیاں بین الاقوامی تبدیلیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیں گی اور ان کے قائدین ان تبدیلیوں کے سامنے بے بس ہو جائیں گے؟ نہیں' بلکہ عیسائی مشنری اپنے مفادات کی تکمیل کے لیے ان تبدیلیوں کو ایک قیمتی موقع تصور کرتے ہیں۔ وہ ان کے زیر سایہ اپنے منصوبوں اور مقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے خوب تگ و تاز کریں گے۔

زمانہ کی چکی تیزی سے گھوم رہی ہے' آج کا دن گذشتہ کل سے زیادہ دُور نہیں۔ تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھیں' عیسائی مشنری جس طرح آج 'سیاسی وحدت' کے نظریہ کے زیر سایہ نصرانیت کی نشر و اشاعت میں کوشاں ہیں' اسی طرح اس سے پہلے انہوں نے یورپی عسکری استعماریت کے ذریعے نصرانیت کو پھیلایا۔ اور اس سے پہلے صلیبی جنگوں میں انہوں نے مسلمانوں کو عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کیا اور وہ حربے استعمال کیے جس کے ذکر سے جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ پھر تعجب ہے کہ یہ لوگ ہمیں کہتے ہیں کہ اب صلیبی جنگیں ختم ہو چکیں۔ ایسا ہرگز نہیں' صلیبی جنگیں ختم نہیں ہوئیں۔ صرف ان جنگوں کا انداز اور طریق کار تبدیل ہو گیا ہے۔ میدانِ جنگ میں عیسائیوں کو ہونے والی مسلسل ناکامیوں نے ان کی جنگ کا رخ ثقافتی اور علمی و تہذیبی انقلاب کی طرف موڑ دیا ہے۔ صلیبیوں نے اسلامی ممالک میں عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کو ہمیشہ جاری رکھا ہے اور وہ دن دور نہیں جب کہ یہ لوگ برسرِ عام اور بغیر کسی رکاوٹ اور بندش کے عیسائیت کی تبلیغ و ترویج کریں گے۔

عیسائیت کی تبلیغ واشاعت کے ذرائع...... زمانہ قدیم اور جدید میں!

گذشتہ کئی برسوں سے عیسائیوں نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو جدید طریقوں پر استوار کرنا شروع کردیا ہے۔ عیسائی مبلغین نے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لیے جدید قسم کے ذرائع ایجاد کیے ہیں جو پرانے ذرائع سے زیادہ خفیہ، زیادہ مؤثر اور مکر وفریب دہی میں زیادہ کارآمد ہیں۔ علاوہ ازیں وہ نت نئے ذرائع تبلیغ ایجاد کرنے کے لیے بڑی محنت اور جانفشانی سے کام کررہے ہیں۔ اگر میں یہ کہوں تو مبالغہ نہ ہوگا کہ عیسائی مشنری ہر دروازے سے مسلمانوں پر داخل ہوئے۔ سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، ثقافتی اور دیگر راستوں سے مسلمانوں پر اس طرح یلغار کی کہ مسلمانوں کے دل میں ذرا بھی کھٹکا پیدا نہیں ہونے دیا۔ آج عیسائی تبلیغ کا انحصار قدیم ذرائع کے علاوہ ان جدید ذرائع پر بھی ہے۔

(1) مشکلات میں گھرے مسلمانوں کو امدادی سرگرمیوں کے ذریعے

بعض طبعی حوادث اور خانہ جنگیوں کے نتیجے میں ہونے والی تباہی، ہلاکت اور اندوہناک حالات سے فائدہ اٹھا کر لوگوں کو عیسائی بنایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ عیسائی مشنری، یتیم بچوں اور بیواؤں کے کربناک حالات، ان کے طعام وقیام، لباس، تعلیم وعلاج کی ضرورتوں سے ناجائز فائدہ اٹھا کر انہیں اپنے اہداف کا نشانہ بناتے ہیں۔ نادار، بھوکے ننگے اور بے بس مسلمانوں کو متاثر کرنے اور ان کا دل جیتنے کے لیے ان سے مادی اور معنوی تعاون کرکے اور ان کے رستے ہوئے زخموں پر مرہم رکھ کر انسانی ہمدردی کی آڑ میں انہیں عیسائی بنارہے ہیں۔ اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ انہیں صرف ان کے علاج اور تعلیم سے دلچسپی ہے۔ اس طرح یہ لوگ مسلمانوں کو ذہنی طور پر مرعوب کرکے رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور انہیں قائل کرتے ہیں کہ نصرانیت ہی آخرت کے عذاب اور دنیا کی تنگدستی سے چھٹکارے کا سبب ہے۔ یہ مشنری اپنی ان خدمات کے عوض مسلمانوں پر یہ شرط لگاتے ہیں کہ وہ اتوار کو عبادت کے لیے کسی گرجا میں جائیں، دوسری طرف اسلامی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے پرہیز کریں۔

ایک سروے کے مطابق دنیا کے کل پناہ گزینوں میں سے 80 فیصد پناہ گزین مسلمان ہیں جو مختلف اسباب کی بنا پر دوسرے ممالک میں پناہ لینے پر مجبور ہیں۔ ان اسباب میں خاص طور پر جنگیں، حکومتوں کی پکڑ دھکڑ، اسلام دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہونا یا دینی، سیاسی اور نسلی تشدد کا خوف سرفہرست ہیں۔ چونکہ ان پناہ گزینوں کو خاندان کا شیرازہ بکھر جانے اور بنیادی ضروریاتِ زندگی سے محرومی کے سبب سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ بہت جلد عیسائی جماعتوں اور تنظیموں کے تبلیغی جال کا ہدف بن جاتے ہیں اور ان کو شکار کرنا ان کے لیے زیادہ آسان ہوتا ہے۔ زیرنظر سطور میں ان کی چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے:

☆ 1996ء میں جب سیرالیون کی خانہ جنگی میں 10 ہزار سے زائد لوگ قتل ہوگئے اور تقریباً 10 لاکھ مسلمان اپنے گھروں سے نکلنے پر مجبور ہوگئے تو عالمی تنظیم برائے تعاون (World Relief Corporation) کے سربراہ کرسچین کول نے کہا:

''ان مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لیے ہمارے سامنے تمام دروازے کھلے ہیں۔''

☆ الرؤیا العالمیة ایک بڑی فعال تنظیم ہے اور 80 سے زائد ممالک میں عیسائیت کی تبلیغ میں سرگرم ہے اور 86 ہزار صومالی مسلمان مہاجرین کی نگہداشت کرتی ہے۔ انہیں علاج معالجہ' قیام وطعام اور تعلیم کی سہولتیں مہیا کرتی ہے۔ ان سہولتوں کی آڑ میں انہیں نصرانیت کی دعوت دیتی ہے۔

اس طرح جرمنی کی ایک تنظیم صومالیہ میں امراضِ چشم کے خلاف کام کر رہی ہے۔ لیکن درحقیقت ان کا حقیقی مقصد نصرانیت کی دعوت وتبلیغ ہے اور اس حقیقت کا اظہار اس تنظیم کے سابقہ ڈائریکٹر ڈی جی میشیل نے اپنے اسلام قبول کرنے کے بعد کیا۔

اس طرح صومالیہ میں ایک اور بڑی تحریک کام کر رہی ہے جس میں پروٹسٹنٹ اور کیتھولک عیسائی مصروف کار ہیں۔ شمالی نائجیریا اور مالی (Mali) کے بربر قبائل جب قحط سالی کی لپیٹ میں بلک رہے تھے اور خشک سالی ان کے مویشیوں کو نگل رہی تھی' ہزاروں لوگ' فقر وفاقہ اور بیماری کی بھینٹ چڑھ چکے تھے تو یہ عیسائی تنظیم ان کی بے بسی سے فائدہ اٹھا کر انہیں عیسائی بنا رہی تھی۔

بوسنیا میں عیسائی تبلیغی مشنوں نے عیسائی تعلیم پر مشتمل سات لاکھ کتب تقسیم کیں۔ اسی طرح عراق میں بین الاقوامی اقتصادی پابندیوں سے فائدہ اٹھا کر انجیل کی حکایات پر مشتمل کئی ہزار کتابچے اور کیسٹیں عراقی بچوں میں تقسیم کی گئیں۔

(2) جدید مواصلاتی ذرائع کا استعمال

اس دور میں عیسائیت کی دعوت وتبلیغ کو فروغ دینے کے لیے جس چیز سے سب سے زیادہ استفادہ کیا جارہا ہے' وہ جدید ٹیکنالوجی' ذرائع مواصلات' فیکس اور انٹرنیٹ' ای میل ہے۔ یاد رہے کہ 1996ء میں اس مقصد کے لیے کام کرنے والے کمپیوٹروں کی تعداد 20,69,61,000 تھی۔

☆ 1993ء میں کمپیوٹر کی مشہور زمانہ فرم مائیکروسافٹ نے عیسائی تبلیغی اداروں کو 5 ملین ڈالر لاگت کے عالمی کمپیوٹر سافٹ ویئرز فراہم کیے۔

☆ ایک مخصوص ادارہ کے سربراہ امریکی پوپ بیلی گراہم نے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لیے 'صلیبی حملہ' کا منصوبہ بنایا۔ اس کا ہدف ذرائع مواصلات کے ذریعے 500 شہروں میں 400 ملین مسلمانوں کو عیسائی بنانا تھا چنانچہ اس نے 170 ممالک پر محیط 16 مواصلاتی چینل قائم کیے۔ عیسائیت کو پھیلانے کے لیے یہ ایک عظیم منصوبہ تھا جس میں اس قدر جدید ٹیکنالوجی

سے استفادہ کیا گیا۔

(3) کثیر تعداد میں گرجا گھروں کی تعمیر اور تبشیری مراکز کا قیام

عیسائی تنظیمیں نہایت مستعدی اور بے پناہ جذبہ سے کثیر تعداد میں گرجا گھر اور تبشیری مراکز تعمیر کر رہی ہیں۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ:

☆ مالی (Mali) کے دارالحکومت باماکو (Bamako) میں صرف ایک گرجا تھا اور یہاں عیسائیوں کی آبادی صرف 2 فیصد تھی مگر اب عیسائی تبلیغی تنظیم کی مسلسل جدوجہد سے صرف دارالحکومت میں 32 گرجا گھر تعمیر ہو چکے ہیں۔

☆ مغربی افریقہ کے ملک غانا (Ghana) میں 1993ء میں صرف ایک سال کے اندر 600 نئے گرجا گھر تعمیر کیے گئے۔

(4) بذریعہ ڈاک عیسائیت کی تبلیغ

بعض عرب ممالک خصوصاً مصر اس تشویشناک صورت حال سے دوچار ہے۔ عیسائی تنظیمیں مسلمانوں کو عیسائی تعلیمات پر مشتمل خطوط ارسال کرتی ہیں جن میں اسلام کے بارے میں شرم آمیز طور پر شکوک وشبہات اور الزامات کی بوچھاڑ کی جاتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ڈاک کی چیکنگ اور نگرانی کے ذریعے دہشت گردوں کی نشاندہی کی جاسکتی ہے تو کیا ان مشنریوں کی ڈاک کا پتہ نہیں لگایا جاسکتا؟ جب ایسا ممکن ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ عرب حکومتیں نہ ان مشنریوں کا محاسبہ کرتی ہیں اور نہ ان کی ڈاک پر پابندی لگاتی ہیں۔

(5) مختلف زبانوں کے ماہر اعلیٰ درجہ کے مشنری تیار کرنا

افریقہ کے جنگلوں، وسطی ایشیا اور نائجیریا کے قبائل کو عیسائی بنانے کے لیے ان قبائل کی زبانوں پر دسترس رکھنے والی ٹیمیں تشکیل دی جاتی ہیں، جو اس قبیلہ اور نسل کی زبان میں انجیل کا ترجمہ کرتی ہیں۔ اور تبشیریت پر مشتمل کتب طبع کر کے ان میں تقسیم کرتی ہیں۔ اسی طرح عیسائی مشنریز کو ان قبائل کی زبان، عادات اور نظریات سے متعارف کرنے کے لیے مختلف پروگرامز کا انعقاد کیا جاتا ہے۔

چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

☆ ایک عیسائی تنظیم...... جس کا ہیڈ کوارٹر امریکہ میں ہے...... نے مسلم ملک سینی گال کے قبیلہ ''الولوف'' کے بچوں کو عیسائی بنانے کے لیے ان کی زبان میں انجیل کا ترجمہ کیا۔

☆ تبشیری ریڈیو بلکہ دوسرے ریڈیو بھی مخصوص قبائل کی زبان میں تبلیغ کر رہے ہیں، اور عیسائی ریڈیو پوری دنیا میں افریقی قبائل 'لوموا' اور 'ماکوا' کی زبان میں خاص پروگرام نشر کرتے ہیں۔

☆ امریکی عیسائی تنظیم Greet Cammossion Center نے چین کے صوبہ کرگیزستان

کے مسلم ضلع (تونغ غان) میں 20 مشنری بھیجے' جہاں مسلمانوں کی تعداد 3 لاکھ ہے۔

☆ یورپی عیسائی تنظیم (ECM) کی کوشش سے سب سے پہلے البانی زبان میں انجیل کا ترجمہ مکمل ہوا اور اس کا پہلا نسخہ البانیہ کے صدر کو پیش کیا گیا۔

☆ اس کے علاوہ قبیلہ المانیکا...... جن کی آبادی گیمبیا میں 100 فیصد ہے...... کی زبان میں انجیل کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے۔

1995ء میں ایک تنظیم کی بنیاد رکھی گئی جس کا کام عربوں کو عیسائی بنانا تھا۔ اس کی بنیاد رکھنے والوں میں اسرائیل' اُردن' مصر اور دیگر عرب ممالک کے عیسائی شامل تھے۔ اس کے علاوہ مغرب کی ایک جماعت تنظیم **تنصیر العالم العربی** اور بیلی گراہم ایسوی ایشن اور سوئٹزرلینڈ کے شہر لوزان میں منعقد ہونے والی کانفرنس کے اراکین بھی اس میں شامل تھے۔

☆ اسی طرح امریکہ کے شہر ایلینوی میں ایسے تبلیغی مشن پائے جاتے ہیں جن کا کام مغربی ممالک میں رہنے والے مسلمان مہاجرین کو عیسائی بنانا ہے۔

(6) عیسائیت کی خدمت کے لیے سیاسی اور ابلاغی عہدوں سے فائدہ اٹھانا

اگرچہ کلیسا سیاست سے کلی طور پر الگ رہنے کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے لیکن اس کے باوجود پادریوں اور پاپاؤں کی اعلیٰ سیاسی عہدوں پر تعیناتی کروائی جاتی ہے تاکہ اس کے ذریعہ عیسائیت کا پرچار کیا جاسکے۔ افریقہ کے چھ ممالک ٹوگو (Togo)' کانگو (Congo)' گیبن (Gabon) اور زائیر میں قائم مقام کمیٹیوں کے صدر پادری اور پوپ ہوتے ہیں۔

جالیوس نیریری...... جو ایک متعصب عیسائی پادری تھا...... نے تنزانیہ پر 26 سال تک حکومت کی' باوجودیکہ وہاں مسلمانوں کی آبادی 75 فیصد ہے' اس نے اپنے پورے دورِ حکومت میں ملکی وسائل کو اسلام کے خلاف استعمال کیا۔ مسلمانوں کو حق تعلیم اور انتظامی عہدوں سے محروم رکھا۔ انہیں اپنے رسم و رواج اور مذہبی شعائر ادا کرنے کی بھی اجازت نہ تھی' حتیٰ کہ انہیں ملکی شہریت تک سے محروم کر دیا گیا۔ دورانِ حکومت اس کی کوئی تقریر بھی اس تذکرہ سے خالی نہ ہوتی تھی کہ وہ عیسائی ہے اور اسے اپنے عیسائی ہونے پر فخر ہے۔ حتیٰ کہ 1976ء میں قاہرہ یونیورسٹی میں اپنے خطاب کے دوران بھی وہ اس اظہار سے باز نہ رہ سکا۔

کینیا کا سابقہ صدر دانیال آراب موی جو ایک متعصب اور متشدد عیسائی تھا' بھی اسلام دشمنی میں جالیوس نیریری کا ہم مثل تھا۔ یہاں یہ ذکر کرنا بھی مناسب ہوگا کہ 'عالمی چرچ کونسل' نے جنوبی سوڈان میں خانہ جنگی اُبھارنے میں اہم کردار ادا کیا' حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ وہاں عیسائی باشندوں کی تعداد 7 فیصد سے زیادہ نہیں ہے۔ اسی طرح جنوبی سوڈان میں باغیوں کا سرغنہ جان جارانگ بغاوت

پھیلانے کے لیے گرجاؤں کو بطور ہیڈکوارٹر اور اڈوں کے استعمال کیا کرتا تھا۔

(7) عالمی انعامات اور ایوارڈز سے نوازنا

عیسائیت کی تبلیغ اور اسلام مخالف سرگرمیوں میں اہم کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والوں کو بطور حوصلہ افزائی عالمی نوبل انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ اس کی تازہ ترین مثال یہ ہے کہ کمیٹی نے اقوام متحدہ کے سابقہ جنرل سیکرٹری آرتھوڈکسی عیسائی پطرس غالی کو بین الاقوامی امن کوششوں اور معاشرتی تفریق کے خاتمہ کے سلسلے میں کوششوں کے صلہ میں عالمی نوبل ایوارڈ سے نوازا جس کی مالیت دو لاکھ پچاس ہزار امریکی ڈالر تھی۔ جن کوششوں کی بنا پر وہ اس ایوارڈ کے مستحق قرار دیئے گئے' وہ یہ تھے کہ انہوں نے بوسنیا کے مسئلہ کے حل میں اہم کردار ادا کیا۔

(8) پادریوں کے عالمی تبلیغی دورے

نصرانیت کے بڑے بڑے مبلغین اور مشنریوں کو بین الاقوامی سطح پر مختلف ممالک کے دوروں پر بھیجا جاتا ہے خصوصاً ان ممالک میں جو جمہوری تحریک کا اصل نشانہ ہیں' مثلاً

پوپ یوحنا پولس دوم نے 5 فروری 1980ء تا 20 ستمبر 1995ء کے دوران 46 مرتبہ تقریباً 40 افریقی ممالک کا دورہ کیا۔ اس کے علاوہ کوئی ایسا پوپ نہیں ہے جس نے اس قدر زیادہ افریقی ممالک کے دورے کیے ہوں۔ ان دوروں سے عیسائی تبلیغ کے لیے راہ ہموار ہوئی اور عیسائی مشنریوں کے لیے اپنے غلط اور گمراہ کن نظریات کی ترویج کے لیے راستے کھلے۔ اسی طرح حکومتی معاونت اور سرکاری حیثیت سے عیسائیوں کی تبلیغی کارکردگی میں اضافہ ہوا۔

لیکن یہ سوال ابھی باقی ہے کہ عیسائی پوپ افریقی ممالک کے دوروں کا اس قدر اہتمام کیوں کرتے ہیں؟...... ان کی اس خصوصی توجہ کا مقصد دراصل یہ ہے کہ افریقی یورپ سے عیسائیت کا دیوالیہ نکل رہا ہے اور عیسائیت کی روح ان کے دلوں سے خارج ہو رہی ہے۔ باوجود کوشش بسیار کے اسلام سے نفرت اور دشمنی ان کے دلوں میں پختہ نہیں ہوئی' بلکہ اسلام کی فکری قوت نے صائب رائے رکھنے والوں کو متاثر کیا ہے۔ یہ بات عیسائی پاپاؤں کے لیے انتہائی پریشان کن ہے۔ لہٰذا اس مذہبی قحط کو ختم کرنے کے لیے وہ اس قدر دوروں کا اہتمام کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں ان کثیر دوروں کا مقصد افریقی ممالک میں تبلیغ کرنے والے مشنریوں کی سرگرمیوں کی نگرانی کرنا اور انہیں ہر قسم کے وسائل مہیا کرنا ہے۔ مذہبی پاپاؤں کے ان دوروں سے نہایت خطرناک نتائج مرتب ہو رہے ہیں اور لوگ کثرت سے عیسائیت کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ مثلاً پوپ یوحنا پولس کے 1997ء میں لبنان کے دورہ سے جو دوررس اثرات مرتب ہوئے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں ہیں۔

اس کے علاوہ بڑے بڑے ممالک میں تبشیری تنظیمیں اور تبشیری دفاتر قائم کرنے کے لیے بھی عیسائی پادریوں کی طرف سے دوروں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس کی تازہ مثال یہ ہے: ایک عیسائی پادری عورت ام تریزا نے اپنے دورۂ مصر کے دوران چار عیسائی مدارس کا افتتاح کیا۔ اس کے علاوہ بہت سے جلسوں اور پروگراموں کی سرپرستی کے فرائض سرانجام دیئے۔

(9) عیسائی مذہبی شخصیات کی کرامات کا پروپیگنڈہ

عیسائی پادریوں کے ہاتھ پر بہت سے معجزات اور خرقِ عادت چیزوں کے وقوع پذیر ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کو ان کے مبنی بر حقیقت ہونے کا تاثر دیا جاتا ہے۔ اس کا اندازہ اس مثال سے کیا جاسکتا ہے کہ 1992ء میں ایک امریکی پادری نے متعدد امریکی ریاستوں کا دورہ کیا' وہاں کے گرجا گھروں نے اسے خوب اعزاز سے نوازا۔ اس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ حضرت عیسیٰ کے معجزات کو زندہ کرسکتا ہے۔ وہ وہاں ایک مہینہ رہا اور تقریباً 200 کے قریب مسلمان اس سے متاثر ہو کر عیسائی بن گئے۔ آخر اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ لوگوں کے سامنے اس کی جعلی کرامتوں کا پول کھل گیا اور یہ ذلیل و رسوا ہو کر وہاں سے نکل گیا۔ اس طرح کہ لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ یہ بعض لوگوں کو رقم دیتا ہے اور وہ اس کے حکم کے مطابق جان بوجھ کر اپاہج اور اندھے بن کر اس کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر یہ ان سے کہتا کہ اگر وہ حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئیں تو وہ انہیں صحت یاب کردے گا۔ یہ لوگ عیسائیت قبول کرنے کا اعلان کرتے اور ساتھ ہی اپنی اصلی حالت میں آجاتے۔

(10) عیسائیت کی تبلیغ بذریعہ سینما

عیسائی مشنریوں نے کینیا کی افریقی بستیوں میں تبشیری فلمیں دکھانے کا کام شروع کیا ہے اور مختلف سینما گھروں میں فلم دیکھنے کے لیے جانے والے مسلمانوں کی تعداد 2000 تک پہنچ چکی ہے۔ ان میں سے 65 مسلمان عیسائیت سے متاثر ہوچکے ہیں۔ مقامِ حیرت ہے کہ عیسائی مشنریوں کی امدادی سرگرمیاں کس قدر زیادہ ہیں اور کس قدر تیزی سے وہ مسلمانوں کا تعاقب کر رہے ہیں اور اس کے بالمقابل مسلمان کس قدر غفلت کا شکار ہیں!!

اب ملاحظہ فرمایئے کہ وہ مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے کس طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں:

☆ قاہرہ میں منعقد ہونے والے ایک بین الاقوامی کتاب میلہ میں بے شمار تبشیری فلمیں فروخت ہوئیں۔ ان میں سے ایک فلم یسوع مسیح (Jesus) کے متعلق تھی' جس میں حیاتِ مسیح اور ان کے معجزات کی تصویر کشی کی گئی تھی۔ غرض اس قسم کی بے شمار فلمیں وہاں نہایت سستے داموں فروخت ہوئیں۔

☆ امریکہ میں پروٹسٹنٹ فرقہ کے ایک گرجا گھر کی طرف سے حضرت عیسیٰ کی زندگی کے متعلق ایک فلم منظر پر آئی جس پر کئی ملین ڈالر خرچ ہوئے تھے۔ 503 ملین افراد نے یہ فلم دیکھی' ان میں سے 33 ملین افراد نے نصرانیت کے بنیادی نظریات کو تسلیم کر لیا۔ یہ فلم 197 ممالک میں دیکھی گئی۔ 380 تبشیری تنظیموں نے اس فلم سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے دعوتی پروگراموں میں اسے دکھایا۔ علاوہ ازیں 241 مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے اور مزید 100 زبانوں میں اس کا ترجمہ تکمیل کے مراحل میں ہے۔ اور 320 تنظیموں کو اس کی سرکولیشن کا کام سونپا گیا ہے۔

(11) مسلم علاقوں میں عیسائیوں کی آباد کاری

مسلم اقلیتی علاقوں میں عیسائیوں کو لا کر آباد کیا جاتا ہے' تاکہ ان علاقوں میں بسنے والے مسلمانوں کے دلوں سے اسلامی روح کو ختم کیا جائے اور اسلامی ثقافت کو مغربی ثقافت سے تبدیل کر دیا جائے۔ اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں:

☆ روس سے آنے والے نصرانیوں کو یونان کے مسلم اکثریتی علاقہ ترافیا العوبیة میں لاکر آباد کیا گیا۔

☆ بوسنیا کے مسلمانوں کو ان کے علاقوں سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا گیا تاکہ وہاں آرتھوڈکس سربوں اور کروات (یوگوسلاویہ کا ایک خطہ) کے کیتھولک عیسائیوں کو آباد کیا جا سکے۔ 1995ء کے نصف تک ان مہاجر مسلمانوں کی تعداد 17 لاکھ' 30 ہزار تک پہنچ چکی تھی جو اپنے گھروں سے بے دخل در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں' صرف اس لیے کہ ان کو ان کے گھروں سے بے دخل کر دیا گیا۔ پھر دوسری مرتبہ یہی عمل کوسووا کے مسلمانوں کے ساتھ دُہرایا گیا۔

☆ چین کے مغربی صوبوں میں بھی یہی گھناؤنا کھیل کھیلا گیا' صرف اس لیے کہ وہاں بھی مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ پورے چین میں مسلمانوں کی تعداد 93 ملین ہے جو کل آبادی کا 10 فیصد ہے اور یہ دنیا کی سب سے بڑی مسلم اقلیت تصور کی جاتی ہے۔ چنانچہ ہوا یہ کہ چینی حکومت نے مسلم اکثریتی صوبہ ننگشیا سے مسلمانوں کو اٹھا کر تقریباً دس لاکھ غیر مسلموں کو یہاں لاکر آباد کر دیا۔ اسی طرح ایک کروڑ 30 لاکھ غیر مسلموں کو مسلم اکثریتی علاقہ 'مشرقی ترکستان' میں منتقل کر دیا۔ اگر یہ گھناؤنا کھیل اسی طرح جاری رہا تو بعید نہیں کہ مسلمان اقلیت غیر مسلموں کے درمیان گھل کر اور بکھر کر رہ جائے۔

☆ ناٹو کے حملوں کے دوران یوگوسلاویہ (Serbia) کے کیتھولک گرجوں کے چیئرمین نے اپنی قیام گاہ کو بلغراد سے کوسووا کی طرف اس لیے منتقل کر لیا تاکہ وہ سرب عیسائی باشندوں کو وہاں

سے ہجرت کرنے سے روک سکے۔

(12) دفتری کاغذات پر عیسائیت کی تبلیغ

بہت سے مالیاتی اداروں اور فرموں کی طرف سے دفتری معاملات کے جو کاغذات اور چیک شائع کیے جاتے ہیں، ان کے پیچھے نصرانی علامات (صلیب وغیرہ) نقش ہوتی ہیں اور جوانب پر انجیل کے کلمات درج ہوتے ہیں۔ اس سے ایک طرف تو ان کمپنیوں اور فرموں کے ملازمین اور ورکروں کے درمیان عیسائیت کی اشاعت کی جاتی ہے اور دوسری طرف یہ تاثر دے کر کہ اس سے مال میں برکت ہوگی، متعصب عیسائی سرمایہ کاروں سے مال بٹورا جاتا ہے۔ پھر حیران کن بات یہ ہے کہ ان مالیاتی اداروں اور فرموں کو چرچوں کی مکمل حمایت حاصل ہوتی ہے اور دائیں بازو کی سیاسی جماعتوں کی طرف سے بھی ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

(13) مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز عبارتوں سے گریز

اس زمانہ میں عیسائیوں نے صلیبی دور کا کھلا ہوا معاندانہ انداز مصلحتاً ترک کردیا ہے لیکن مقصد کے نشتر اور تیز کردیے ہیں۔ اس کا آغاز انہوں نے اس طرح کیا کہ استعماری بالادستی کے وہ کلمات جو مسلمانوں کے ذہنوں میں منقش ہو چکے تھے، ان کا استعمال ختم کردیا ہے۔ ان میں سے ایک وہ مشہور عبارت ہے جسے عیسائی مشنری عموماً استعمال کیا کرتے تھے کہ "کروڑوں مسلمان جہنم کا ایندھن بنیں گے جب تک کہ وہ مکمل طور پر عیسائی نہیں بن جاتے۔" اس طرح لفظ 'مشنری' کا استعمال بھی انہوں نے بند کردیا ہے۔ بلکہ معاملہ اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ تبشیری تحریک کے منتظمین مسلمانوں کو دھوکہ اور فریب دینے کے لیے اکثر وہ نام اور عبارات استعمال کرتے ہیں جو مسلمانوں کے ہاں مروج ہیں۔ مثلاً تبشیری ریڈیو کے ایک پروگرام کا نام انہوں نے 'نور علیٰ نور' اور اس کے ڈائریکٹر کا نام شیخ عبداللہ رکھا ہے۔ نیروبی میں قائم ایک ہسپتال کا نام 'اسم اللہ' رکھا گیا ہے اور گرجا گھروں کے نام 'بیوت اللہ' رکھتے ہیں، جس سے یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ یہ گھر اللہ کی عبادت اور ذکر کے لیے تعمیر کیے گئے ہیں۔

(14) مسلمانوں کے عقائد و نظریات میں تشکیک پیدا کرنا، انہیں خلط ملط کرنا

اس مقصد کے لیے اگر عیسائی مشنریوں کو اپنے موقف سے ہٹنا بھی پڑے تو پرواہ نہیں کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے محبت، مشابہت اور چاپلوسی کا اظہار کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے اور مسلمانوں میں شکوک و شبہات کو ہوا دیتے ہیں۔ جب عیسائی مشنریوں نے یہ دیکھا کہ انسان جس دین کو اختیار کرلیتا ہے اور اسے اپنے لیے دنیا و آخرت کا نجات دہندہ سمجھتا ہے تو انتہائی مشکل ہے کہ وہ اس دین کو چھوڑ کر کوئی اور دین قبول کرلے۔ خاص طور پر مسلمانوں کو عیسائی بنانا اور زیادہ مشکل ہے کیونکہ اسلام اور عیسائیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ لہٰذا انہوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ مسلمانوں کو

مرحلہ وار اسلام سے نصرانیت کی طرف لایا جائے۔ چنانچہ وہ سب سے پہلے آہستہ آہستہ مسلمان کی اپنے دین سے وابستگی کو کم کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسلمان اسلام کے متعلق شکوک وشبہات کا شکار ہو جاتا ہے اور عیسائیت اسے زیادہ اچھی اور بھلی لگنے لگتی ہے۔ بلاشبہ اگر اس پر فریب اور مکروہ سیاست کا اور کوئی خطرہ نہ بھی ہوتا تو یہی خطرہ کافی تھا کہ مسلمانوں کو ان کے دین کے متعلق شکوک وشبہات کا شکار کر دیا جائے۔ سادہ اور جاہل مسلمان بڑی آسانی سے ان کی اس پالیسی کا شکار بن جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو شکوک وشبہات کا شکار کرنا عیسائی مشنریوں کا خاص ہدف ہے۔ اب وہ مسلمانوں کو عیسائی بنانے یا انہیں عیسائیت کی ترغیب دینے کی بجائے اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ بس انہیں دین اسلام سے بیگانہ کر دیا جائے۔ کیونکہ ان کا غالب نظریہ یہ ہے کہ عیسائیت کو قبول کرنا اس قدر بڑا شرف ہے جس کا مسلمان مستحق نہیں ہو سکتا' اس لیے وہ مسلمان کو عیسائیت میں داخل کرنا پسند نہیں کرتے۔ شاید کہ بعض مثالیں ہمارے اس دعویٰ کی حقیقت کو واضح کر سکیں۔

☆ بعض عیسائی تنظیموں نے متعدد امریکی ممالک میں انجیل کا عربی زبان میں ترجمہ کر کے شائع کیا۔ اور اسے قرآن کی طرز پر نہایت خوبصورت انداز میں لکھا۔ اس کے ہر باب کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کیا گیا تھا اور قرآن کی طرح تمام کلمات پر اعراب لگائے گئے تھے۔ زیادہ سے زیادہ قرآنی کلمات کے انتخاب کی کوشش کی گئی تھی' مثال کے طور پر ایک عبارت ملاحظہ فرمائیے:

قُلْ یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ ھُمْ لِرَبِّھِمْ یَنْتَظِرُوْنَ' اِعْمَلُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ وَاحْذَرُوْهُ کَمَا یَحْذَرُ الْخَدَمُ سَاعَةً یَرْجِعُ مَوْلَاھُمْ فَمَا ھُمْ بِنَائِمِیْنَ' قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ اَیُرِیْدُنَا مَوْلَانَا بِھٰذَا اَمْ یُرِیْدُ النَّاسَ اَجْمَعِیْنَ؟ فَضَرَبَ لَھُمْ عِیْسٰی مَثَلاً

غور فرمائیے کہ مذکورہ عبارت عربی گرامر کی کس قدر غلطیوں سے بھرپور ہے۔

عیسائیوں کا انجیل کو قرآن کی طرز پر لکھنا گویا ان کی طرف سے یہ اعتراف ہے کہ دین عیسائیت شدید ناکامی سے دوچار ہو چکا ہے اور انجیل اپنی تحریف اور تبدیلی کے بعد اپنے دشمنوں کو تو کیا اپنے پیروکاروں کو بھی راہ ہدایت دکھانے پر قادر نہیں ہے' اس لیے وہ لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں تاکہ وہ انجیل کو قرآن سمجھ کر مان لیں۔

☆ اسی طرح وہ انجیل کی تلاوت بھی قرآنِ مجید کی طرز پر کرتے ہیں۔

☆ کویت میں یہ لوگ اپنی نماز ہفتہ کی بجائے جمعہ کو ادا کرتے ہیں بلکہ یہاں تک کہ وہ نماز مسلمانوں کی نماز کی طرح ادا کرتے ہیں۔

☆ عیسائی مشنری' مسلمان داعیوں اور مشائخ کا بھیس بدل کر دعوت وتبلیغ کا کام کرتے ہیں۔ افریقہ کے بیشتر ممالک میں ایسا ہو رہا ہے۔

☆ یہ لوگ اپنے گرجے مساجد کے ڈیزائن پر بناتے ہیں اور مسجد کی طرح اس میں محراب اور مینار

تعمیر کرتے ہیں۔

☆ جن اُصول اور شعائر اسلامیہ کے بارے میں یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ مسلمان انہیں چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوں گے' ان میں یہ مسلمانوں کے ساتھ مفاہمت کر لیتے ہیں۔ مثلاً تعددِ زوجات کا مسئلہ ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ بعض افریقی قبائل میں ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا رواج ہے اور نصرانی ہونے کی صورت میں ان کا سب بیویوں کو چھوڑ کر ایک پر اکتفا کرنا نہایت مشکل ہے تو عیسائی مشنری ان کے نصرانیت میں داخل ہونے اور متعدد شادیاں کرنے کو اس بات پر ترجیح دیتے ہیں کہ وہ اسلام پر باقی رہیں۔ پھر اگلے مرحلہ میں وہ انہیں آمادہ کر لیتے ہیں کہ ان میں سے ایک منتخب کر لو اور باقی چھوڑ دو۔ اسی طرح وہ ختنہ کے معاملہ میں بھی مسلمانوں کے ساتھ موافقت کر لیتے ہیں۔

(15) اسلام کے متعلق شکوک وشبہات کو ہوا دینا

نہایت احسن طریقے سے یہ لوگ مسلمانوں کے سامنے شکوک وشبہات کو ہوا دیتے ہیں اور نصرانیت کو دلکش بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اس طریقے سے عیسائی مشنری اسلام کی حقیقی صورت میں اس کے شعائر کو بالواسطہ یا بلاواسطہ مسخ کر رہے ہیں۔ وہ سرِعام اسلام کو رجعت پسندی اور دہشت گردی کا طعنہ دیتے ہیں۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے:

☆ ہالینڈ (Nederland) کے ایک کنیسا نے وسیع پیمانے پر ایک رپورٹ شائع کی کہ اسلام ایک جھوٹا دین (False Religion) ہے اور پورے عالم کے لیے شدید خطرہ کا باعث ہے۔

☆ ایک تبشیری تنظیم نے ایک مسجد کی تصاویر شائع کیں جس میں مسلمانوں کو نماز پڑھتے دکھایا گیا تھا اور تصاویر کے نیچے لکھا تھا "دہشت گردی کا اڈہ"!

☆ ان افریقی ممالک میں کام کرنے والے اسلامی مراکز کے خلاف ٹیلیویژن پر نشریاتی اور پروپیگنڈہ مہم چلائی جاتی ہے اور ان مراکز کو اسلامی ممالک کا ایجنٹ قرار دیا جاتا ہے اور انہیں مذہبی جنگ کی منصوبہ بندی کرنے کا الزام دیا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ احمد دیدات کے عالمی ادارہ 'مرکز الدعوۃ الاسلامی' کے ساتھ بھی پیش آچکا ہے۔

(16) تبشیری لٹریچر سے ناجائز فائدہ اٹھانا

تبشیری تحریک اور اس کے مشنریوں نے مسلمانوں کے درمیان اپنے گمراہ کن نظریات کا زہر پھیلانے کے لیے ثقافت وادب کے میدان کو بطورِ وسیلہ کے ناجائز استعمال کیا۔ پھر اس گھناؤنے منصوبے کے پیش نظر مسلمانوں کو عیسائی بنانے اور ان کے عقائد کو متزلزل کرنے کے لیے صرف تعلیم' طب اور

اجتماعی وسائل پر ہی اکتفا نہ کیا گیا بلکہ اس کے لیے تہذیب و ثقافت اور لٹریچر کا بھی ناجائز استعمال کیا گیا۔ اب اس کا دائرہ کار آہستہ آہستہ وسیع ہو رہا ہے اور مسلمانوں کی بڑی تعداد اس کا ہدف بن رہی ہے۔ عیسائی مشنریوں نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو بڑھانے کے لیے مختلف کتابیں' قصے اور حکایات لکھنے کا کام شروع کیا۔ حتیٰ کہ وہ ادب کی دنیا میں تبشیری لٹریچر کے نام سے معروف ہو کر مختلف ادبی رنگوں مثلاً ناول' قصیدہ' ڈرامہ' مقالات اور فلموں کی صورت میں پیش کیا جاتا رہا اور یہ تمام لٹریچر عیسائیت کو اختیار کرنے کی دعوت اور اسلام سے نفرت کے جذبہ سے بھرپور تھا۔

پھر اس میدان میں تنہا تبشیری لٹریچر ہی سرگرم نہیں تھا بلکہ بے شمار ادارے بھی تعلیم و تربیت کے بہانے ان علاقوں میں تبشیری لٹریچر کے شریک کار تھے جو سیاسی' عسکری اور فکری اعتبار سے حملہ آوروں کے زیر تسلط رہ چکے تھے۔ اور پھر تبشیری لٹریچر بھی کوئی سادہ اور سطحی قسم کا نہ تھا بلکہ اس میں تمام ممکنہ فنی اور آزمودہ ذرائع انتہائی چالاکی' مہارت اور سمجھ بوجھ سے استعمال کیے گئے تھے۔ زہر کی تلخیوں کو تحقیق کے شہد میں اس طرح چھپایا گیا تھا کہ کام و دہن کو تو تلخی محسوس نہ ہو لیکن رگ و پے میں زہر اتر جائے۔ صراحت کی بجائے اشاروں کنایوں سے کام لیا گیا تھا۔ قصہ مختصر کہ عیسائیت کی تبلیغ کے لیے ان لوگوں کو زمین جہاں بھی ہموار اور زرخیز نظر آئی انہوں نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ عام طور پر تبشیری لٹریچر میں جن طریقوں کو ملحوظِ خاطر رکھا جاتا ہے' ان کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیے:

1- بشپوں اور راہبوں کو فرشتہ صفت اور نابغہ روزگار ہستی بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ انہیں خطرات سے ٹکراتے ہوئے دکھایا جاتا ہے اور خوبصورت جسمانی خدوخال' وجیہ چہرہ کے ساتھ ساتھ شاندار لباس زیب تن کیے ہوئے ظاہر کیا جاتا ہے۔

2- بشپ کو صبر و تحمل' بردباری' جاں نثاری اور سرفروشی کا پیکر بنا کر دکھایا جاتا ہے۔

3- تبشیری مؤلفین کا یہ بنیادی نصب العین ہے کہ مفہوم خواہ کتنا عمیق ہو البتہ اسلوب عام فہم اور تکلف سے پاک ہونا چاہیے اور عبارت گنجلک اور پیچیدہ تو بالکل نہ ہو۔

4- اسلام کی حقیقی صورت کو بالواسطہ طریقہ سے بگاڑ کر پیش کیا جاتا ہے اور یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ اسلام میں تحریف ہو چکی ہے۔

5- خوبصورت اقدار و روایات کو نہایت سائنٹیفک طریقے سے محفوظ کرنا کیونکہ اس کے بغیر نہ مطلوبہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے اور نہ اسلام کو مغلوب کرنے کا منصوبہ کامیاب ہو سکتا ہے۔

یہ بات ہمیشہ ہمارے پیش نظر رہنی چاہیے کہ تبشیری تحریک سب سے بڑی اسلام دشمن تحریک ہے۔ وہ لٹریچر اور فنون اسی کی صحیح جگہ پر رکھتی ہے' اس کے لیے منصوبہ بندی کرتی اور اس کے لیے ضروری وسائل مہیا کرتی ہے۔ تبشیری لٹریچر کا مختلف زبانوں میں ترجمہ کروا کے اسے عالم اسلام کے گوشے گوشے میں پھیلاتی ہے۔ پھر اسے مختلف نقادوں کی طرف تبصرہ کرنے اور مقدمہ لکھنے کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ اس کے بعد ان نقادوں' کتب کے مصنفین کو بڑے بڑے عالمی ایوارڈز سے نوازا جاتا ہے۔ اس طرح گویا

عیسائی لٹریچر کی عالمی سطح پر تشہیر کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اس تبشیری لٹریچر کو سینماؤں' ٹیلیویژن اور ڈراموں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے اور بڑے بڑے مصنفین کو اس 'کارِ شر' میں شرکت کرنے کے لیے اُبھارا جاتا اور انہیں بلند و بالا القابات سے نوازا جاتا ہے۔

مغربی تبشیری لٹریچر میں صرف مشنریوں اور بشپوں کے اخلاقی محاسن بیان کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ مغربی لٹریچر کا ہدف یہ اُمور بھی ہیں:

-1 اسلام کی حقیقی شکل کو مسخ کرنا' مسلمان اور اس کے نظریاتی عقائد پر مبنی ورثہ کی توہین کرنا۔

-2 وہ مغربی افکار جو عیسائیت سے پوری طرح ہم آہنگ ہیں' ان کو پھیلانے کے لیے راستہ ہموار کرنا۔ شاید اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ مغربی طرزِ فکر اسلامی نظریات کے منافی ہے۔ اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مغربی دنیا اسلامی تعلیمات سے کس قدر تجاہلِ عارفانہ کا مظاہرہ کر رہی ہے۔

پہلے پہل اسکندر' دوین' بریڈ' روسو اور وولٹیر (Voltair) جیسے ناول نگاروں نے تبشیری ناول لکھے اور ان کی زہر آگیں قلموں نے اسلام کو سب و شتم کا نشانہ بنایا۔ محمد ﷺ کے بارے میں Voltair کے زہر آلود قلم سے نکلنے والے ناول کے متعلق توفیق الحکیم کا تبصرہ ملاحظہ فرمایئے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "میں نے محمد ﷺ کے متعلق وولٹیر کا ناول پڑھا تو مجھے شرمندگی ہوئی کہ اس رائٹر کا شمار تو آزاد خیال مفکرین میں سے ہوتا ہے' اس کے باوجود اس نے اپنے ناول میں نبی ﷺ کو سب و شتم کا نشانہ بنایا ہے۔ یہ دیکھ کر مجھے تعجب ہوا' اور اس کی اس مذموم حرکت کی وجہ مجھے سمجھ نہ آئی۔ لیکن میری یہ حیرت اس وقت ختم ہوگئی جب میں نے دیکھا کہ وہ اپنا یہ ناول چودھویں پوپ (بنوا) کو پیش کر رہا تھا۔ توفیق الحکیم مزید لکھتا ہے:

> "اس کے کچھ عرصہ بعد میں نے وولٹیر پر پوپ کی تنقید پڑھی جو بہت معمولی اور مکارانہ تھی جس میں دین کے متعلق اس نے ایک لفظ بھی نہیں بولا بلکہ تمام ادبی اسلوب کے گرد گھومتی تھی۔"

اب وہ اعداد و شمار ملاحظہ فرمائیں جو مجلہ International Bullettin Missionary Research میں عیسائیت کی تبلیغی سرگرمیوں کے متعلق 1990ء کی رپورٹ میں شائع کیے گئے تھے:

تبشیری سرگرمیوں میں کام کرنے والی تنظیمیں	21,000
عیسائی مبلغین تیار کرنے والے ادارے	3,970
عیسائیت کی تعلیم دینے والے ادارے	92,200
ملکی مشنریوں کی تعداد	39,23,000
غیر ملکی مشنریوں کی تعداد	2,85,250

شائع ہونے والے تبشیری رسائل و جرائد	238
تقسیم کیے جانے والے انجیل کے نسخے	129 ملین
کلیسا کے فنڈ کی مقدار	157 بلین امریکی ڈالر
جدید موضوعات پر لکھے جانے والے کتابچے	65,600
کام کرنے والے ریڈیو سٹیشن اور ٹی وی چینلز کی تعداد	2160
ہر ماہ سامعین اور حاضرین کی تعداد	1,369,620,600

☆اسی مجلّہ کی عیسائیت کی تبشیری سرگرمیوں کے بارے میں 1996ء کی رپورٹ ملاحظہ فرمایئے:

تبشیری تنظیموں کی تعداد	4500
عیسائی مبلغین بھیجنے والی تنظیمیں	23,200
ملکی مشنریز	46,35,500
بیرونی ممالک میں کام کرنے والے مشنریز	398000
چرچ کو ملنے والے فنڈز	193 بلین ڈالر
تبشیری مشن کے لیے کام کرنے والے کمپیوٹرز	20,69,61,000
تقسیم کیے جانے والے انجیل کے نسخے	17,83,17,000
شائع ہونے والے تبشیری رسائل و جرائد	30,100
کام کرنے والے ریڈیو اور ٹیلی ویژن چینلز	3200

دنیا بھر میں انجیل کو پھیلانے کی مہم

حالیہ اعداد و شمار کے مطابق روئے زمین پر تقسیم کیے جانے والے انجیل کے نسخوں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی ہے کہ ماضی میں کہیں اس کی مثال نہیں ملتی۔ موجودہ تعداد گزشتہ سال کی نسبت 140 فیصد زیادہ ہے۔ یہ اعداد و شمار ان انجیلوں کے متعلق ہیں جو صرف امریکی تنظیموں کی طرف سے تقسیم کی گئیں۔

اس کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے جو ایک ہوش مند مسلمان کو چونکا دینے کے لیے کافی ہے:

براعظم افریقہ میں تقسیم کیے جانے والے نسخوں کی تعداد	4,208,568
براعظم ایشیا میں تقسیم کیے جانے والے نسخوں کی تعداد	25,69,77,601
مشرق وسطی اور یورپ میں	15,76,362

اسی طرح چینی حکومت نے نیانکنگ شہر کے ایمتی پریس انجیل کے 15 ملین نسخے چھاپنے کی اجازت دی ہے۔ (تنظیمات انجیل امریکہ کی عالمی رپورٹ 1979ء سے اقتباس)...... (البیان)

4 ہزار مشنری تنظیمیں جو لوگوں کو عیسائی بنانے کے میدان میں سرگرم ہیں

اس وقت سب سے زیادہ خطرناک وہ چرچ ہیں جو بیرونی ممالک میں نہایت منظم طریقہ سے تبشیری دعوتی کام انجام دے رہے ہیں۔ اس وقت وہاں 4 ہزار ایسی عیسائی تنظیمیں ہیں جو نہایت تندہی اور مستعدی سے اس کام میں مگن ہیں اور ان اداروں کے تحت کام کرنے والے مشنریوں کی تعداد 262,300 ہے جن کا کام صرف دعوت و تبلیغ ہے اور چرچ ان پر سالانہ 8 بلین ڈالر خرچ کرتا ہے۔ اور ہر سال ایسی دس ہزار کتب اور مقالے شائع کیے جاتے ہیں جو عیسائی تبلیغ پر مشتمل ہوتے ہیں۔ (البیان)

مراجع ومصادر

1- التبشير والاستعمار فی البلاد العربية للدكتور وليد الخالدی والدكتور عمر فروخ.

2- القدس بين الوعد الحق والعد المفترى' داسفر الحوالی.

3- الاسلام على مفترق الطرق' محمد أسد

4- اصدارات لجنة مسلمی افريقيا (تصدرفی الكويت' الأمين العام در عبدالرحمٰن السميط)
مجلة 'الكوثر' الأعداد 6,4,3,2,
مجلة 'أخبار اللجنة' الأعداد: 20,19,18,1
مجلة 'الدراسات' العدد الأول

5- مجلة الوعی الاسلامی (الصادرة عن وزارة الأوقاف والشؤون الاسلامية بالكويت)
الأعداد: 378,341,350

6- مجلة الرابطة: (الصادرة عن رابطة العالم الاسلامی بجدة) العدد: 368

7- مجلة التوحيد: (الصادرة عن جماعة أنصار السنة المحمدية بمصر) العدد: 5 السنة 27

8- مجلة المختار الاسلامی: الأعداد: 171,133,130

9- جريدة المسلمون 659,573

10- جريدة أخبار اليوم بتاريخ 1997/8/23م.

11- جريدة الأهرام بتاريخ: 1997/5/28,11,1م / 1997/9/104,11م / 1997/12,13م
1998/2/13م / 1998/3/3 م / 1998/12/13م /1999/3/30م /1999/5/9,10م

12- جريدة وطنی (لسان حال الأقباط بمصر)' الأعداد: 1837-1860.

13- يوميات ألمانی مسلم' د/ مراد فريد هوفمان: (ترجمه عباس رشدی العماری)

شیخ ابراہیم محمد الحقیل

مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی ناپاک مہم

اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو جن وانس اور عرب وعجم تمام کے لیے پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا تاکہ آپؐ انہیں کفر وشرک کی آندھیوں سے نکال کر راہِ ہدایت پر گامزن کردیں' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"اے نبیؐ! ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہیں۔" (سبا: 28)

فرمانِ الٰہی ہے:

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ (الانبیاء: 107)

"اے پیغمبر! ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر اس سے تاکہ تمام کائنات کے لیے رحمت کا ظہور ہو۔"

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیغمبر ﷺ کو اور اس کے بعد مسلمانوں کو یہ فریضہ تبلیغ انجام دینے کا فرض سونپا تو اب جن کے پاس یہ دعوت پہنچ چکی ہے' ان کے لیے ہی دو راستے ہیں:

یا تو اس دعوت کو قبول کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں' ایسے لوگ مسلمانوں کے بھائی ہیں۔ انہیں وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو دوسرے مسلمانوں کو حاصل ہیں اور ان تمام فرائض کے وہ پابند ہوں گے جن کے تمام مسلمان پابند ہیں' فرمانِ الٰہی ہے: (اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ)

"بے شک تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔" (الحجرات: 10)

اسی طرح فرمانِ رسول ﷺ ہے:

من أسلم من أهل الكتابين فله أجره مرتين وله مالنا وعليه ماعلينا

(مسند احمد بن حنبل: 259/5' معجم کبیر طبرانی: 225/7 نمبر 7786...... علامہ محمد ناصر الدین البانی ؒ نے اس حدیث کی نسبت مسند امام رویانی ؒ کی طرف کی ہے اور اسے 'حسن' قرار دیا ہے' دیکھئے: السلسلة الصحيحة: رقم 204)

"اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) میں سے جو شخص مسلمان ہو گیا تو اس کے لیے

دوہرا اجر ہے۔ وہ ان تمام حقوق کے مستحق ہوں گے جن کے ہم مستحق ہیں اور ان تمام فرائض کے پابند ہوں گے جن کے ہم پابند ہیں۔"

دوسرا راستہ یہ ہے کہ وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کردیں تو اس صورت میں انہیں اختیار ہے کہ یا تو اسلام کے زیرنگیں اور امیرالمومنین کے تابع فرماں ہو کر جزیہ دینا قبول کرلیں یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جائیں' چنانچہ اللہ کا فرمان ہے:

قاتلوا الذین لایومنون باللہ ولا بالیوم الاخر ولایحرمون ماحرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ عن یدھم صاغرون (التوبۃ:29)

"اہلِ کتاب میں سے جن لوگوں کا یہ حال ہے کہ نہ تو خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ آخرت کے دن پر' نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام ٹھہرا دیا ہے اور نہ ہی ان پر عمل پیرا ہیں تو مسلمانو! ان سے بھی جنگ کرو یہاں تک کہ وہ اپنی خوشی سے جزیہ دینا قبول کرلیں اور حالت ایسی ہو کہ ان کی سرکشی ٹوٹ چکی ہو۔"

مسلمان پر فرض ہے کہ وہ لوگوں کو اسلام اور اس کے احکام کا مطیع بنائیں' اس کی دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے:

وقاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ ویکون الدین للہ (البقرہ:193)

"تم اُن سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور یہ دین اللہ کے لیے ہو جائے۔"

تمام سلف اور مفسرین جیسے ابن عباسؓ' ابو العالیہ' مجاہد' حسن بصری اور زید بن اسلم رحمہم اللہ وغیرہ کا اس آیت کے مطلب پر اتفاق ہے کہ اس وقت تک کافروں سے لڑو جب تک کہ شرک ناپید نہ ہو جائے اور تمام لوگ ایک اللہ کو اپنا الہٰ نہ مان لیں۔ اسی طرح پیغمبر عربی ﷺ کا فرمان ہے:

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک جنگ کرتا رہوں جب تک وہ کلمہ توحید کا اقرار نہ کرلیں (فان انتھوا فلا عدوان الا علی الظالمین) "پھر اگر وہ باز آجائیں تو سمجھ لو کہ ظالموں کے سوا اور کسی پر دست درازی روا نہیں"...... پھر فرمایا: "وہ شخص ظالم ہے جو لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کرے' اس سے ہماری لڑائی ہے جب تک وہ لا الہ الا اللہ نہ کہہ دے۔" (جامع البیان: 194/2' الدرُالمنثور: 37/1 تفسیر ابن کثیر 371/1 (آیت المائدہ:143)

لوگوں کو اسلام کے تابع کرنا کیوں ضروری ہے؟

اس سوال کا جواب قرآن کی یہ آیت ہے:

ان الدین عنداللہ الاسلام (آلِ عمران:19) "اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔"

اسلام ہی وہ نظامِ حیات ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پسند فرمایا۔ انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے تمام فیصلے اسی کے مطابق کریں اور بصورتِ نزاع اسی کی طرف رجوع کریں۔ فرمانِ الٰہی ہے:

وانزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیه من الکتاب ومهیمنا علیه فاحکم بینهم بما انزل الله ولا تتبع اهواء هم عما جاء ک من الحق (المائدہ:48)

"پھر اے محمدؐ! ہم نے تیری طرف یہ کتاب بھیجی جو حق لے کر آئی ہے اور 'الکتاب' میں سے جو کچھ اس میں موجود ہے' اس کی تصدیق کرنے والی اور اس کی محافظ ونگہبان ہے۔ لہٰذا تم خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے کرو اور جو حق تمہارے پاس آیا ہے' اس سے منہ موڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔"

ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"اے محمد ﷺ! تمام لوگوں کے درمیان اس کتاب کے ساتھ فیصلہ کیجیے' جو تیری طرف نازل کی گئی اور جو تجھ سے پہلے انبیاء پر اُتاری گئیں اور تیری شریعت نے انہیں منسوخ نہیں کیا' خواہ وہ لوگ عرب ہوں یا عجم' اُمی ہوں یا اہلِ کتاب"

(تفسیر ابن کثیر: ج2' ص105)

اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کو یہ حکم دیا کہ وہ راست بازی کے ساتھ تورات اور انجیل کی پیروی کریں اور انہیں اپنا دستورِ زندگی بنائیں' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قل یا اهل الکتاب لستم علی شیئی حتی تقیموا التوراة والانجیل وما انزل الیکم من ربکم (المائدۃ:68)

"اے اہلِ کتاب! تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو جب تک کہ تورات' انجیل اور دوسری کتابوں کو قائم نہ کرو جو تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہیں۔"

اور ان کا اپنی کتابوں پر عمل کرنا ان سے تقاضا کرتا ہے کہ محمد ﷺ کو نبی اور رسول مان کر اسلامی شریعت کو اختیار کرلیں کیونکہ ان کی کتابیں ہی آپ ﷺ کی نبوت کی پیشین گوئی کرتی ہیں اور انہیں آپ ﷺ کا متبع بننے کی دعوت دیتی ہیں۔

مسلمانوں کی عدل وانصاف پسندی

تاریخ شاہد ہے کہ اہلِ کفر کو جو عدل وانصاف اور امن وامان اسلامی حکومت کے تحت ملا' وہ کہیں میسر نہیں آیا۔ لیکن اس کے برعکس عیسائیوں نے مفتوح مسلمانوں پر سفاکی وبربریت کے وہ پہاڑ

توڑے کہ اس کی مثال نہیں ملتی حتیٰ کہ وہ روشن خیال عیسائی جنہوں نے ان کے مذہب پر تنقید کی تھی' وہ بھی اہل کلیسا کے ظلم سے نہ بچ سکے اور اہل کلیسا نے کرۂ ارض سے ان کا وجود مٹانے کے لیے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

ابوعبید بن الجراحؓ اہل حمص پر جزیہ فرض کرنے کے بعد یرموک کی طرف بڑھے تو حمص کے عیسائیوں نے روتے ہوئے کہا کہ:

''اے مسلمانوں کی جماعت! رومی اگرچہ ہمارے ہم مذہب ہیں لیکن اس کے باوجود آپ ہمیں ان سے زیادہ محبوب ہیں۔ آپ عہد وفا کرتے ہیں' نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں' انصاف و مساوات برتتے ہیں۔ آپ کی حکمرانی خوب ہے لیکن رومیوں نے ہمارے اموال پر قبضہ کیا اور ہمارے گھروں کو لوٹا''
(فتوح البلدان از بلاذری: 137' کتاب الخراج از ابو یوسف بحوالہ تاریخ الحضارة العربية از محمد کرد: 39/1)

لبنان کے کچھ لوگوں نے خلیفہ کے خلاف بغاوت کی تو صالح بن علی بن عبداللہ بن عباس نے ان میں سے بعض بے گناہوں کو قتل کر دیا اور بعض کو جلاوطن کر دیا تو امام اوزاعیؒ نے انہیں لکھا:

''آپ کو معلوم ہے کہ جبل لبنان کے جلاوطن ذمیوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو بغاوت میں شریک نہیں تھے۔ جن میں سے بعض کو آپ نے قتل کیا اور بعض کو جلاوطن کر دیا۔ کیا مخصوص لوگوں کے جرم کی پاداش میں عام لوگوں کو پکڑنا اور انہیں ان کے گھروں اور جائیدادوں سے بے دخل کرنا درست ہوسکتا ہے؟......
اللہ کا فرمان ہے ''کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا'' اگر کوئی حکم سب سے زیادہ لائق اتباع ہوسکتا ہے تو وہ اللہ کا ہی حکم ہے۔ اگر کوئی وصیت سب سے زیادہ حفاظت و نگہبانی کی مستحق ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی ہی وصیت ہے۔ چنانچہ پیغمبر ﷺ کا فرمان ہے:
''جو کسی ذمی پر ظلم کرے گا' اس کی طاقت سے زیادہ اسے تکلیف دے گا' میں روزِ قیامت اس سے جھگڑوں گا۔'' (صحیح سنن ابو داؤد: 2626' فتوح البلدان عن تاریخ الحضارة العربية 40/1)

اب ہم دیکھتے ہیں کہ صلیبیوں نے مفتوح مسلمانوں پر کیا ظلم ڈھائے:

جب عیسائیوں نے مسلمانوں سے اندلس چھینا تو ان کے لیے عیسائیت کو قبول کرنا لازمی قرار دیا اور ارضِ اندلس سے مسلمانوں کو وجود مٹانے کے لیے انہیں لرزہ خیز مظالم سے دوچار کیا۔ پھر صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کے خلاف وحشت و بربریت کی وہ داستانیں رقم کیں جن کا اعتراف یورپ کی آئندہ نسلوں کو بھی کرنا پڑا۔ اس کے بعد استعمار کا زمانہ آیا جس میں مسلمانوں کو سامراجیت کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا...... مذکورہ بالا تمام تاریخی حقائق یہ ثابت کرتے ہیں کہ اگر دنیا کا کوئی قانون انصاف و امن مہیا کرسکتا ہے تو وہ صرف اسلام ہے' اس سے انحراف کرۂ ارض کے چپہ چپہ کو ظلم و فساد سے بھر دے

گا۔ یہ ہماری بات نہیں بلکہ مغربی عیسائیوں نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ مغربی مورخ ارنولڈ فتح مصر کے متعلق لکھتا ہے:

''مسلمان فاتحین مسلسل فتوحات حاصل کر رہے تھے۔ جب مسلمان مصر میں داخل ہوئے تو عیسائی باشندوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس کا بنیادی سبب دراصل یہ تھا کہ عیسائی رعایا بازنطینی سلاطین کے ظلم وستم سے نالاں تھی اور اہل کلیسا کے متعلق تلخ کینہ اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھی۔''

(الدعوة فی الاسلام: 132)...... ارنولڈ مزید لکھتا ہے:

''وہ عیسائی قبائل جنہوں نے اسلام قبول کیا' انہیں اس پر مجبور نہیں کیا گیا تھا بلکہ انہوں نے اپنے اختیار اور ارادہ سے ایسا کیا تھا۔ مسلمان معاشروں میں بسنے والے اس دور کے عیسائی یقیناً مسلمانوں کی اس عالی ظرفی اور وسعت قلبی کی شہادت دیں گے۔'' (ایضاً)

فرنسی لیوٹی (Luite) لکھتا ہے کہ:

''میں نے اسلام کے متعلق صرف کتابیں پڑھنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ میں نے شرق وغرب میں مسلمانوں کے درمیان ایک عرصہ گزارا ہے اور انہیں قریب سے دیکھا ہے۔ اب اگر کوئی گروہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اسلام انتشار' لاقانونیت اور تعصب پر ابھارتا ہے تو میں کہوں گا کہ ایسے بے سروپا دعووں کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔'' (الاسلام والحضارة العربیة از محمد علی کرد: 38)

مذہبی جبر

تاریخ عالم شاہد ہے کہ مسلمان فاتحین نے کبھی دوسری اقوام کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ جب تک وہ مسلمانوں کے زیر نگیں رہے' انہیں مکمل مذہبی آزادی حاصل تھی۔ مغربی مفکر جو ستاف اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

''عرب دورِ حاضر کے سیاسی آدمیوں کی بہ نسبت زیادہ سیاسی حکمت و دانش اور بصیرت کے حامل تھے۔ وہ اس حقیقت کو خوب جانتے تھے کہ ایک قوم کے حالات دوسری قوم کے حالات سے باہم مشابہ نہیں ہوسکتے۔ چنانچہ انہوں نے مفتوح قوموں کی آزادئ فکر کو کبھی سلب نہیں کیا۔ انہیں اپنے قوانین' رسوم و رواج' عادات واطوار اور عقائد کو برقرار رکھنے کی مکمل آزادی دی۔''

(الاسلام والحضارة العربیة از محمد علی کرد: 56/1)

بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ یہ صرف حکمت و دانش ہی نہیں تھی بلکہ ایک اللہ کی طرف سے ایک

دستورِ حیات تھا جو ان سے تقاضا کر رہا تھا کہ: لا اکراہ فی الدین ''دین اسلام میں زبردستی نہیں ہے۔''
(البقرہ:256)

جوستاف مزید لکھتا ہے کہ:

''علاقوں پر علاقے فتح کرنا مسلمانوں کا مقصد اوّل نہ تھا اور نہ ہی یہ فتوحات انہیں برانگیختہ کر سکیں کہ وہ مغلوب قوموں پر ظلم و ستم ڈھاتے جیسا کہ عموماً فاتحین فتح کے نشے میں سرشار ہو کر مفتوح اقوام پر وحشیانہ مظالم کرتے تھے اور نہ ہی انہوں نے مغلوبین کو تہ تیغ کیا۔ جس دین کو وہ چہار سوئے عالم پھیلا دینے کا عزم لے کر نکلے تھے' کبھی کسی کو وہ دین قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ اگر وہ ایسا کرتے تو یقیناً غیر مطیع قومیں باغی ہو کر ان پر چڑھ دوڑتیں لہٰذا انہوں نے اس طوفانِ ہلاکت میں پڑنے کا خطرہ مول نہیں لیا لیکن اس کے بعد ملک شام پر قابض ہونے والے صلیبی اس ہلاکت کی لپیٹ سے نہ بچ سکے۔ بلکہ ہم نے دیکھا کہ جب مسلمان شام' مصر اور ہسپانیہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے وہاں کے باشندوں کے ساتھ انتہائی نرمی اور عالی ظرفی کا مظاہرہ کیا۔ ان کی عادات و اطوار عقائد اور مذہب سے بالکل تعرض نہیں کیا' نہ ہی انہیں دوگنے چوگنے محصولات اور ٹیکسوں کی زنجیروں میں جکڑا۔ صرف معمولی سا جزیہ لیا جاتا تھا جس کے عوض انہیں مکمل حفاظت اور امن و سلامتی کی ضمانت تھی اور یہ جزیہ ان ٹیکسوں کے مقابلے میں انتہائی کم تھا۔ میں نے آج تک نہ ایسی فاتح قوم دیکھی ہے جس نے ایسی رواداری اور بلند ظرفی کا مظاہرہ کیا ہو' نہ ایسے دین سے آشنا ہوا ہوں جو اپنے دامن میں ایسی لطافت' نرمی اور فراخدلی رکھتا ہو۔''

(الاسلام والحضارۃ العربیۃ: 144/1)

عیسائیت کے مظالم

اس کے بالمقابل عیسائیوں نے مسلمانوں پر جو ظلم ڈھائے' ایک نظر اسے بھی دیکھ لیجئے:

جب مسلمانوں کی آپس کی نااتفاقیاں عیسائیوں کے بڑھتے ہوئے قدموں کو نہ روک سکیں اور مسلمانوں نے اس شرط پر کہ ان کے دین اور املاک سے تعرض نہیں کیا جائے گا' اپنی آخری پناہ گاہ غرناطہ بھی عیسائیوں کے حوالے کر دی۔ ابھی تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ عیسائی تمام عہد معاہدے توڑ کر سابقہ وحشت و بربریت اور تعصب کا لبادہ اوڑھ کر سامنے آگئے اور مسلمانوں کو حکماً مجبور کیا کہ وہ یا تو عیسائی ہو جائیں یا پھر اس ملک سے نکل جائیں۔ پھر مسلمانوں پر ظلم و ستم کے وہ پہاڑ توڑے جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان مظالم پر مسلمانوں سے پہلے خود ان کے مفکرین اور مورخین نے انہیں

تنقید کا نشانہ بنایا۔ مشہور فرانسیسی مورخ والٹیر (Voltaire) لکھتا ہے:

''جب مسلمانوں نے ہسپانیہ فتح کرلیا تو انہوں نے وہاں کے عیسائی باشندوں کو اسلام اختیار کرنے پر کبھی مجبور نہیں کیا۔ جبکہ سپینی جب غرناطہ پر قابض ہوئے تو کارڈینل خمینس نے اپنے مذہبی جذبات سے مغلوب ہو کر یہ فیصلہ کیا کہ تمام عربوں کو عیسائی بنالیا جائے۔ چنانچہ پاس ہزار مسلمان جبراً عیسائی بنالیے گئے۔

سپین کا مشہور مورخ فاریتی لکھتا ہے:

''تین ملین عرب مسلمانوں کو جلاوطن کردیا گیا اور اس جلاوطنی کے دوران تقریباً ایک لاکھ مسلمان تہ تیغ کر دیئے گئے اور کچھ غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیے گئے۔'' (ایضاً: 253,252/1)

اسلام کے متعلق عیسائیوں کا رویہ

نبی ﷺ کی دعوتِ اسلام پر عیسائیوں کے دو گروہ ہوگئے تھے۔ ایک وہ گروہ تھا جو آپؐ پر ایمان لایا' آپؐ کی تصدیق کی اور یقین کرلیا کہ آپؐ کی دعوت برحق ہے کیونکہ ان کی کتابیں آپؐ کے متعلق بشارت دے چکی تھیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں حضرت عیسیٰ کی بات نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں جو انہوں نے اپنی قوم سے کہی تھی: وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ (الصف: 6)

''بنی اسرائیل! میں تمہیں اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی خوشخبری سناتا ہوں جس کا نام احمد ہوگا''

اس گروہ میں سب سے اوّل اسلام لانے والے نجاشیؓ تھے جنہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے مسلمانوں کو پناہ دی۔ ان کی ہر طرح مدد کی اور انہیں قریش کے ظلم وستم سے نجات دی۔ نجاشی کے ساتھ اس کی رعایا میں سے بھی کئی لوگ مسلمان ہوگئے تھے جو پہلے اپنے نبی (عیسیٰ) پر ایمان لائے' پھر محمدؐ پر ایمان لائے۔ ان کی توصیف اور عظیم اجر وثواب کے متعلق کئی آیات نازل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وان مِن اهلِ الكتاب لمن يؤمن بالله وما أنزل اليكم وما انزل اليهم خاشِعين لله لا يشترُون بأياتِ الله ثمناً قليلا أولئك لهم اجرُهم عندربهم ان الله سريع الحساب (آل عمران: 199)

''اہلِ کتاب میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کو مانتے ہیں' اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو تمہاری طرف نازل کی گئی اور اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو اس سے پہلے خود ان کی طرف بھیجی گئی تھی۔ اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہیں اور اللہ کی آیات کو تھوڑی سی قیمت پر بیچ نہیں دیتے۔ ان کا اجر ان کے رب کے پاس

ہے اور اللہ حساب چکانے میں دیر نہیں لگاتا۔“

پیغمبرﷺ کا فرمان ہے:

”روزِ قیامت تین آدمی ایسے ہوں گے جنہیں دوہرا اجر دیا جائے گا: ان میں سے ایک آدمی وہ ہوگا جو اپنی شریعت پر بھی ایمان لایا اور اس کے بعد نبیﷺ پر بھی ایمان لایا۔“ (مسند احمد: 259/5)

دوسرا گروہ وہ تھا جو آپؐ پر ایمان نہیں لایا۔ ان کے پھر دو فریق ہوگئے: ایک فریق ان لوگوں کا تھا جن سے جنگ کرنے کی نوبت نہیں آئی بلکہ وہ اس سے قبل ہی اسلامی حکومت کے تابع ہوگیا اور نبیؐ سے مصالحت کرلی اور جزیہ ادا کردیا' ایسے عیسائیوں کو 'ذمی' کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ علاقہ نجران اور دومۃ الجندل سے تعلق رکھتے تھے۔

دوسرا فریق وہ تھا جنھوں نے اسلامی حکومت کی اطاعت قبول نہیں کی بلکہ مسلمانوں سے جنگ کی۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے خلاف آپؐ خود بھی نکلے اور لشکر بھی روانہ کیے۔ یہ وہ عیسائی تھے جن کا تعلق تبوک اور موتہ سے تھا۔

مسلمان اور عیسائی میدانِ کارزار میں!

مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان سب سے پہلا معرکہ 'موتہ' کے میدان میں لڑا گیا۔ پھر آپ تبوک کی طرف بڑھے لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ آپؐ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین کا دور آیا۔ شام اور دیگر علاقوں میں 'یرموک' اور 'اجنادین' کے عظیم معرکے لڑے گئے۔ اللہ نے مسلمانوں کو کامیابی سے سرفراز فرمایا۔ اور بازنطینی حکومت تمام بلادِ شام سے دستبردار ہوگئی۔ اسلامی فوجیں آگے بڑھیں' رُوم و ایران جیسی سپر طاقتیں پارہ پارہ کردی گئیں۔ یرموک اور اجنادین کے عظیم معرکوں نے عیسائیوں کی قوت کو پاش پاش کردیا' اب بازنطینی حکومت کی قوت ٹوٹ چکی تھی لہٰذا وہ صلح پر تیار ہوگئے اور بیت المقدس کی چابیاں حضرت عمرؓ کے حوالے کردیں۔ حضرت عمرؓ نے خود معاہدہ لکھا اور ان پر جزیہ لازم قرار دیا۔ ان کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی اور ان کی شرائط کو پورا کیا۔

اس کے بعد اُموی اور عباسی دور آیا۔ فتوحات جاری رہیں حتیٰ کہ مسلمان یورپ کے اندر تک چلے گئے اور اندلس فتح کرلیا۔ نصرانی حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور مسلمان وسط فرانس تک پہنچ گئے اور بحر متوسط کے جزیرہ روڈس (Rhodes) سے لے کر صقلیہ تک کے بڑے بڑے تمام جزیروں پر قبضہ کرنے کے بعد جزیرہ اٹلی (Italia) پر بھی قابض ہوگئے۔ پھر عیسائی فرقہ کیتھولک کے مرکز روما اور فرقہ آرتھوڈکس (Arthodox) کے مرکز قسطنطنیہ کا محاصرہ کرلیا۔ ان تمام فتوحات کے پیش نظر صرف ایک ہی مقصد اور جذبہ کارفرما تھا' وہ یہ کہ اللہ کا کلمہ اونچا ہوجائے اور لوگ لوگوں کی غلامی سے نکل کر اللہ کے غلام بن جائیں۔ یہی وجہ تھی کہ دنیا کے بڑے بڑے لشکر بھی ان کا مقابلہ نہ کرسکے۔

وہ تو روما اور قسطنطنیہ کی فتح کے متعلق پیغمبرکی پیشین گوئی کو سچ کر دکھانے کے لیے نکلے تھے‘ قریب تھا کہ پورا یورپ ان کے زیرنگیں ہو جاتا لیکن اللہ کو منظور نہ تھا اور مسلمان معرکہ بلاط الشہداء (جو مغربی کتب میں 'توربواتیہ' کے نام سے موسوم ہے) میں ہزیمت سے دوچار ہوئے۔ یہ 114ھ بمطابق 732ء کا واقعہ ہے۔ اس معرکہ میں مسلمانوں کا سپہ سالار عبدالرحمن الغافقی' اور عیسائی فوجوں کی قیادت شارل مارٹل کر رہا تھا جسے عیسائی 'قائداعظم' کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ اس نے یورپ کو مسلمانوں سے بازیاب کرایا تھا۔ مسلمانوں کی شکست کی وجہ مورخین یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مشغول ہو گئے تھے۔

پورا اندلس عیسائی بنالیا گیا!

مورخین لکھتے ہیں:

''عیسائیوں نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کا آغاز اندلس سے کیا' اس کے ساتھ ساتھ مشرق کے اسلامی ممالک پر بھی حملے کرنا شروع کر دیے۔''

مشہور مورخ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ:

''مسلمان علاقوں کی طرف عیسائیوں کی پیش قدمی اور ان پر حملوں کا آغاز 478ھ سے ہوا پھر آہستہ آہستہ وہ طلیطلہ اور دیگر بلادِ اندلس پر قابض ہو گئے۔ 474ھ میں انہوں نے جزیرہ طلیطلہ پر حملہ کیا اور اس پر قبضہ کر لیا پھر 490ھ میں انہوں نے بلادِ شام کی طرف پیش قدمی کی۔ (الکامل 185/8)۔

اندلس کی تاریخ عیسائیوں کی طرف سے مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے لرزہ خیز مظالم کی داستانوں سے لبریز ہے۔ عیسائیوں نے اسلام کو مٹانے کا عزمِ صمیم کر لیا تھا جس کی خاطر وہ تمام عہد و پیمان پامال کر دیے گئے جو مسلمانوں سے کیے گئے تھے۔ اس دور کا ہسپانی مورخ لکھتا ہے کہ:

''فرینڈس جب غرناطہ کا حکمران بنا تو کلیسا کے متعصب کیتھولک پادری اصرار کے ساتھ اس سے یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ طائفہ محمدیﷺ کا وجود ارضِ سپین سے مٹا دیا جائے۔ جو مسلمان یہاں رہنا چاہتے ہیں وہ یا تو عیسائیت قبول کر لیں یا اپنی جائیدادیں فروخت کر کے مغرب کی طرف نکل جائیں۔''

کلیسا کے متعصب پادریوں کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے سامنے عیسائی حکمران بے بس ہو گئے۔ انہوں نے وہ تمام عہد و پیمان ایک طرف کر دیے جو غرناطہ پر قبضہ کے وقت مسلمانوں سے کیے گئے تھے۔ اور نہایت ظالمانہ اور تشدد آمیز طریقے سے مسلمانوں کے تمام حقوق غصب کر لیے گئے۔ مساجد بند کر دی گئیں' ان کے رسم و رواج' مذہب اور طرزِ معاشرت پر پابندی لگا دی گئی۔ انہیں اپنے عقائد اور شریعت پر عمل کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اسی طرح مسلمانوں سے کیے گئے تمام عہد نامے گویا ایک ایک

کر کے پھاڑ دیئے گئے۔ علامہ مقریؒ لکھتے ہیں کہ:

''مسلمانوں نے غرناطہ عیسائیوں کے حوالے نہ کیا' جب تک انہوں نے 67 شرائط تسلیم نہ کرلیں۔ ان میں یہ شرائط سرفہرست تھیں کہ ان کو پوری مذہبی آزادی ہوگی۔ مسلمان اپنے رسوم و رواج' روایات' زبان اور لباس کے استعمال کو قائم رکھنے کے مجاز ہوں گے۔ مسلمانوں کی اراضی اور جائیداد کو مکمل تحفظ حاصل ہوگا لیکن جونہی دغا باز عیسائیوں کو کنٹرول حاصل ہوا تو انہوں نے تمام عہد و پیمان پس پشت ڈال دیئے۔''

905ھ میں ایک دفعہ پھر عیسائیوں نے اندلس کے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی ٹھانی۔ غرناطہ کے تمام فقہا کو جمع کیا گیا اور انہیں تحفے تحائف سے نوازا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے بعض نے عیسائیت قبول کرلی۔ بعض دیگر مسلمان بھی ان کی اتباع میں عیسائی بن گئے۔ اُمرا اور وزرا کا طبقہ اپنی جائیدادوں کے تحفظ کے لیے پہلے ہی عیسائی بن چکا تھا۔ یہ وہ بدبخت تھے جنہوں نے دنیا کی خاطر اپنے دین کو بیچ ڈالا۔ **ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العزیز الحکیم!**

غرناطہ میں مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی یہ تحریک مرکزیت حاصل کرچکی تھی۔ محلہ بیازین (پرانا غرناطہ) کی مسجد کو گرجا میں تبدیل کردیا گیا تاکہ یہ تحریک پورے اندلس میں پھیل جائے۔ پھر انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے سرزمین اندلس سے اسلام کا وجود مٹا دینے کا تہیہ کرلیا۔ اسقف اعظم (کارڈینل Cardinal) ل اندھی مذہبی عزت سے مغلوب ہوکر اپنی مسلم کش پالیسی کی ابتدا اس طرح کی کہ غرناطہ کے علمی ذخیروں سے عربی زبان کی لاکھوں کتابیں میدان رملہ میں جمع کر کے جلا دیں اور سوائے طب کی تین صد کتب کے ایک بھی کتاب باقی نہ چھوڑی۔ اس کے بعد پورے اندلس سے عربی کتب کو چن چن کر آگ کے حوالے کردیا۔ مشہور مورخ لیبون لکھتا ہے کہ:

''کارڈینل نے غرناطہ میں صرف عربوں کے ہاتھ سے لکھے ہوئے اسی ہزار قلمی مخطوطے جلا دیئے۔ دوسرے شہروں میں جلائے جانے والے مخطوطے اس کے علاوہ تھے۔ اس طرح گویا اس نے یہ سمجھا کہ وہ اپنے دین کے دشمنوں کا نام ہمیشہ کے لیے تاریخ کے اوراق سے محو کردے گا لیکن اسے یہ یاد نہ رہا کہ مسلمانوں کے آٹھ سو سال کے کارنامے اور تہذیب و تمدن اور طرزِ معاشرت کے گہرے نقوش صدیوں تک ان کے نام کو زندہ رکھنے کے لیے کافی ہیں۔''

امریکی مورخ ولیم برسکوٹ لکھتا ہے کہ:

''کتب سوزی کا یہ اندوہناک عمل انجام دینے والا کوئی جاہل یا گنوار نہیں تھا بلکہ ایک تہذیب یافتہ پختہ عالم تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ یہ سانحہ اس وقت رونما ہوا جب یورپ جہالت کے گھٹا ٹوپ تاریکیوں سے نکل چکا تھا اور اس پر علم کی روشن صبح

طلوع ہوچکی تھی۔" (دولۃ الاسلام فی الاندلس: 318/6)

عربی کتب کو جلانے کا یہ عمل صرف اندھے تعصب کا نتیجہ نہ تھا بلکہ اس کے پس پردہ اندلس کے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی سوچی سمجھی سکیم کارفرما تھی۔ کیونکہ کتب عربیہ کا وجود مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے عمل میں تاخیر کا سبب بن سکتا تھا اور دوسری طرف یہ خطرہ تھا کہ کہیں عیسائی بننے والے مسلمان ان کتابوں کے مطالعہ سے دوبارہ اسلام کی طرف نہ پلٹ آئیں لہٰذا اس علمی وراثت کا قلع قمع ہی ان کے نزدیک ضروری ٹھہرا۔

مشہور مستشرق سمونیٹ' کارڈینل کے اس گھناؤنے فعل کا دفاع کرتے ہوئے اس منصوبے اور ہدف کی صراحت ان الفاظ میں کرتا ہے:

"کتابوں کو جلانے کا جو کام کارڈینل نے انجام دیا تھا' اس پر اسے تنقید کا نشانہ نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ اس نے تو ایک نقصان دہ چیز کا خاتمہ کیا تھا اور وبا کے وقت متعدی عناصر کو ختم کرنا ہی دانشمندی اور قابلِ تحسین عمل ہوتا ہے۔ کیتھولک کے حکمران فرینڈس اور ازابیلا کو مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لیے یہ حکم دینا پڑا کہ شریعت اور دین کے متعلق تمام مذہبی کتب مسلمانوں سے واپس لے کر جلا دی جائیں' صرف وہی کتابیں چھوڑی جائیں جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔" (ایضاً)

اب ہم یہ خلاصہ بیان کرتے ہیں کہ عیسائیوں نے ارضِ اندلس سے اسلام کو مٹانے اور عیسائیت کو فروغ دینے کے لیے کون کون سے اسلوب اختیار کیے:

سب سے پہلے 905ھ میں مسلمانوں کو دعوت و تبلیغ سے عیسائی بنانے کی مہم کا آغاز کیا گیا جس سے بعض وزرا اور امرا محض اپنے جان و مال کے تحفظ کی خاطر عیسائی بن گئے۔

906ھ کے بعد یہ طے ہوا کہ مسلمانوں کو دنیاوی لالچ اور تالیف قلوب کے ذریعے عیسائی بنایا جائے اور انہیں دیگر رعایا کے برابر حقوق دیئے جائیں۔ (دولۃ الاسلام فی الاندلس 320/6)

اس کے بعد حکومت نے یہ قانون پاس کیا کہ تین برس سے پندرہ برس تک کے مسلمان بچوں کو عیسائی نظریۂ تعلیم پڑھایا جائے اور ان پر عیسائیت کے تمام احکام لاگو کردیئے جائیں۔ اگر ان کے والدین اس پر رضامند نہ ہوتے تو مسلمان بچوں کو زبردستی پکڑ کر لے جاتے اور ان کا بپتسمہ کر دیتے۔ (بپتسمہ عیسائی مذہب کی ایک رسم ہے جس کی رُو سے بچہ کے پیدا ہوتے ہی اس پر مقدس پانی کے چھینٹے ڈالے جاتے ہیں اور اسے عیسائی مان لیا جاتا ہے) اس مذہبی جبر کا جواز یہ پیش کیا گیا کہ عرب بھی پہلے عیسائی ہی تھے۔ (الاسلام والحضارۃ العربیۃ: 253/3)

907ھ میں فرینڈس اور اس کی بیوی ازابیلا نے یہ قانون نافذ کیا کہ یا تو تمام مسلمان عیسائیت اختیار کرلیں یا پھر اندلس سے نکل جائیں اور اس قانون کا جواز یہ بنایا گیا کہ اللہ نے ہم دونوں کو یہ فرض سونپا ہے کہ ہم ارضِ غرناطہ کو کفر سے پاک کریں لہٰذا مسلمانوں کا یہاں رہنا ممنوع ہے۔ اس

قانون کو نہ ماننے والوں کی یا تو جائیدادیں ضبط کر لی گئیں یا انہیں موت کے منہ میں دھکیل دیا گیا۔ جس پر مسلمانوں نے سلطانِ مصر کی طرف خط لکھا اور مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنانے کے متعلق انہیں آگاہ کیا لیکن عیسائی بادشاہ نے شاہِ مصر کی طرف ایک وفد بھیج کر اسے مسلمانوں کے متعلق مطمئن کر دیا اور شاہِ مصر مسلمانوں کی کوئی مدد نہ کر سکا۔

جس طور پر مسلمانوں پر مظالم ڈھائے جا رہے تھے، انہیں تہ تیغ کیا اور انہیں تبدیلی مذہب پر مجبور کیا جا رہا تھا اور حکومت جس طرح بدعہدی کا مظاہرہ کر رہی تھی، یہ نہ صرف غرناطہ بلکہ پورے اندلس کے مسلمانوں کے لیے ناقابلِ برداشت بن چکا تھا۔ چنانچہ انہوں نے پہاڑوں کو مسکن بنا کر اس ظلم کے خلاف بغاوت کر دی۔ عیسائیوں نے اس بغاوت کو سختی سے کچل دیا اور قتل و غارت کا وہ بازار گرم کیا کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس کے بعد انہوں نے یہ قانون جاری کیا کہ تمام مسلمانوں کے لیے اعلانیہ یا خفیہ اسلحہ رکھنا ممنوع ہے۔ جن مسلمانوں نے اس قانون کی مخالفت کی، پہلے انہیں قید اور ضبطی جائیداد کی سزا دی گئی اور اس کے بعد موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ طرفہ تماشہ یہ ہوا کہ عیسائیت قبول کرنے والے مسلمان بھی اس قانون کی گرفت سے نہ بچ سکے۔ جہاں ان پر اسلحہ رکھنے پر پابندی تھی، وہاں یہ بھی پابندی تھی کہ وہ اپنی جائیداد نصرانی حکومت کی اجازت کے بغیر فروخت کر کے نہیں جا سکتے۔ جس نے اس قانون سے ذرا انحراف کیا، پہلے اس کی جائیداد ضبط کی گئی پھر اسے تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ بہت سے عیسائیت اختیار کرنے والے مسلمان اپنی جائیدادیں فروخت کر کے مغرب کی طرف چلے گئے اور وہاں پہنچ کر دوبارہ مسلمان ہو گئے۔

بعض وہ مسلمان جو دِل سے مسلمان تھے لیکن اپنے آپ کو عیسائی ظاہر کرنے کے لیے انہوں نے اپنے مکانوں پر صلیبیں لگا لیں۔ چونکہ حکومت کے پاس ان کے ناموں کی لسٹیں موجود تھیں، اس لیے اس قسم کی تدبیریں انہیں نفع نہ دے سکیں اور انہیں ملک بدر کر دیا گیا۔ ان کی جلاوطنی کی داستان بڑی غمناک، دردناک اور تاریخ انسانیت کی دکھ بھری مثال تھی۔ پھر کیا ہوا کہ بعض مسلمانوں نے ناامید ہو کر اپنے گھر گرا کر انہیں آگ لگا کر خود اپنی ہلاکت کا سامان کر لیا اور بعض نے اپنی اولاد کو خود اپنے ہاتھوں سے قتل کیا اور پھر خودکشی کر لی۔ اور اکثر وہ بدنصیب تھے جو بھوک، شدتِ غم اور بیماری کی بھینٹ چڑھ گئے!

اس کے بعد جبراً عیسائی بنانے کی مہم کا آغاز ہوا۔ مسلمانوں کے لیے عیسائیت میں داخل ہونے یا اندلس سے نکل جانے کے درمیان فیصلہ کرنے کا دور بڑا کٹھن دور تھا۔ بہت سے مسلمانوں نے عیسائیت قبول کر لی اور بہت سارے اندلس کو خیرباد کہہ گئے۔ شروع میں اس قانون کو زیادہ سختی سے نافذ نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن 930ھ میں پادریوں نے بادشاہ کو پھر بھڑکایا جس کے اثر میں آ کر اس نے پھر ایک قانون جاری کیا جس میں یہ طے پایا کہ تمام مسلمان عیسائیت قبول کر لیں ورنہ سپین سے نکل جائیں۔ اس بار اس قانون کو سختی سے نافذ کیا گیا اور جس نے عیسائیت اختیار کرنے سے انکار کیا اور مقررہ مدت

میں سپین سے نہ نکلا' اسے ہمیشہ کے لیے جیل ڈال دیا گیا اور تمام مساجد گرجوں میں تبدیل کر دی گئیں۔

مسلمانوں کے لیے یہ ظلم ناقابل برداشت تھا' انہوں نے اندلس کے عیسائی شہنشاہ کے سامنے اس ظلم کے خلاف آواز بلند کی۔ شہنشاہ نے بڑے بڑے علماء اور جج پر مشتمل ایک عدالت قائم کی تاکہ مسلمانوں کے اس دعویٰ کا جائزہ لیا جائے۔ اس عدالت نے یہ فیصلہ دیا کہ مسلمانوں کو عیسائیت پہ مجبور کرنا درست اقدام ہے۔ جواز یہ پیش کیا گیا کہ اس طرح مسلمان موت' جلاوطنی' قید اور ضبطی جائیداد کے خطرے سے محفوظ ہو جائیں گے۔

ایک ذمہ دار مغربی عیسائی مورخ اس ظالمانہ فیصلہ کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:

''اس طرح مسلمانوں کو قانونی طور پر عیسائی تصور کر لیا گیا جو گویا ایک طاقتور نے کمزور پر' غالب نے مغلوب پر اور آقا نے غلام پر فرض کر دی تھی۔ اس فیصلہ کے بعد فرمان شاہی جاری ہوا کہ تمام وہ مسلمان جنہیں جبراً عیسائی بنایا گیا ہے' انہیں سپین میں رہنے پر مجبور کیا جائے کیونکہ اب وہ عیسائی بن چکے ہیں۔ اسی طرح ان کی اولاد کو بھی عیسائی بنالیا جائے۔ جو عیسائیت سے مرتد ہوا اسے موت اور ضبطی جائیداد کی سزا دی جائے اور جو مساجد ابھی تک باقی ہیں' انہیں گرجوں میں تبدیل کر دیا جائے۔'' (دولة الاسلام فی الاندلس: 351/6)

اس کے بعد ایک محکمہ تفتیش قائم کیا گیا جس کا کام مسلمانوں سے عیسائی بننے والوں کی طرزِ معاشرت اور رہن سہن کی نگرانی کرنا تھا کہ آیا ان کی طرزِ معاشرت کیتھولک طرزِ فکر کے مطابق ہے یا نہیں؟ اس محکمہ کا دوسرا کام یہ تھا کہ غیر کیتھولک عیسائیوں کو کیتھولک عقیدہ اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے۔ چنانچہ وہ یہودی اور مسلمان جو درپردہ عیسائی نہیں ہوئے تھے' انہوں نے محکمہ تفتیش کے کارندوں سے بچنے کے لیے پہاڑوں اور ٹیلوں میں پناہ لی جس پر یہ فرمان شاہی صادر ہوا کہ فرار ہونے والوں کو پکڑ کر محکمہ تفتیش کے حوالہ کیا جائے۔ جب مسلمانوں کے لیے یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی تو انہوں نے اندلس سے فرار ہونا شروع کر دیا تو حکومت نے ایک اور قانون جاری کیا کہ کسی بھی ملاح یا تاجر پر حرام ہے کہ وہ کسی نو عیسائی کو بغیر سپیشل پرمٹ کے اپنے ساتھ لے جائے۔ (دولة الاسلام فی الاندلس: 332/6)

پھر وہ دور آیا کہ اسلامی شعائر کو تبدیل کرنے کے بعد مسلمانوں کے طرزِ معاشرت' رسم و رواج' زبان' عربی لباس بلکہ عربی نام اور القاب تک بدل ڈالے گئے۔ عورتوں کو پردہ کرنے اور مہندی لگانے سے منع کر دیا گیا اور مردوں کو حکم دیا گیا کہ وہ عیسائیوں کی طرح پتلونیں اور ٹوپیاں پہنیں اور اپنے مکانوں کے دروازے' جمعہ' عیدین اور اپنے مذہبی تہواروں کے موقع پر کھلے رکھیں تاکہ حکومتی کارندے گھروں میں ہونے والی رسومات کا جائزہ لے سکیں۔

اگر کوئی آدمی محمد ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے یا یہ کہتے ہوئے کہ عیسیٰ علیہ السلام معبود نہیں تھے بلکہ صرف رسول تھے' پکڑ لیا جاتا تو اسے مرتد سمجھ کر موت کے سپرد کر دیا جاتا اور ہر عیسائی کے لیے

ضروری تھا کہ وہ عیسائی بننے والے مسلمانوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھے اور اس کی رپورٹ حکومت تک پہنچائے کہ آیا وہ اسلامی طرزِ معاشرت تو اختیار نہیں کرتے' جمعہ کے روز گوشت تو نہیں کھاتے۔ غرض رمضان کے روزے رکھنا یا اس کے دوران صدقہ کرنا یا غروبِ آفتاب کے وقت کوئی چیز کھانا پینا یا طلوعِ فجر سے پہلے کھانا' پینا اور خنزیر کا گوشت نہ کھانا' شراب نہ پینا' وضو کرنا' مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا' اپنی اولاد کے سروں پر ہاتھ پھیرنا' مردوں کو غسل دینا' ان کی تجہیز و تکفین کرنا اور انہیں عیسائیوں کے قبرستان میں دفن نہ کرنا' یہ سب اس بات کی علامات تھیں کہ یہ لوگ عیسائیت سے مرتد ہوگئے ہیں۔ (دولة الاسلام فی الاندلس: 345/6' 357,346' تاریخ الاحتلال الاسبانی :131/13' انطونیو لورٹی کی کتاب المورسکیون)

سب سے پہلے اسلامی شعائر کو جڑ سے اکھیڑا گیا۔ پھر ان عادات اور رسوم و رواج کو ختم کیا گیا جو مسلمانوں کی شناخت تھے۔ اسی طرح اندلس سے اسلام کا وہ چراغ گل ہوگیا جس نے اپنی ضیا پاشیوں سے پورے اندلس کو روشن کر دیا تھا۔ پھر تقریباً 1703 بمطابق 1010ھ میں عربوں کو مکمل طور پر ارضِ اندلس سے نکال دینے کا آخری فیصلہ ہوا۔ دو سال کے اندر نصف ملین مسلمان وہاں سے کوچ کر گئے اور جزیرہ نما اندلس سے اسلام کی بساط لپیٹ دی گئی۔ لاحول ولاقوة الا باللہ العلی العلیم

صلیبی جنگیں

مغربی مورخین نے صلیبی جنگوں کو مختلف ناموں سے تعبیر کیا ہے جیسے ''دیارِ مقدسہ کا قصد'' ''حضرت عیسیٰ کی خاطر جنگ'' ''عیسائیوں کی سرگرمیاں' سمندر پار'' ''حضرت عیسیٰ کی قبر مقدس کو آزاد کرانے کے لیے جنگ'' وغیرہ وغیرہ۔ (مدخل الی تاریخ حرکة التنصیر از ڈاکٹر ممدوح حسن:11,10' ماھیة الحروب الصلیبیة از قاسم عبدہ قاسم :239)

مسلمان مورخین ابن جوزی' ابن اثیر' ابن کثیر وغیرہ نے ان جنگوں کو 'صلیبی جنگوں' کا نام دیا ہے۔ (الحروب الصلیبیة فی المشرق والمغرب :186) تجزیہ نگاروں نے صلیبی جنگوں کے مختلف اسباب و اہداف ذکر کیے ہیں جیسے مسلمانوں سے جنون کی حد تک انتقام کا جذبہ' مسلمانوں کی معیشت اور دولت پر قبضہ کرنے اور نصاریٰ کی اقتصادی حالت کو مضبوط بنانے کا نشہ وغیرہ وغیرہ لیکن حقیقی محرک اور اہم مقصد مذہب 'عیسائیت کی ترویج' تھی۔ مسلمانوں سے انتقام کا جذبہ اور اقتصادی اور دنیاوی مفادِ عام عیسائیوں کے مقاصد تو ہوسکتے ہیں جنہیں مشرقِ اسلامی میں اپنے مقدس مقامات سے کوئی سروکار نہ تھا۔ چنانچہ عیسائی مدبرین اور قائدین نے ان جنگوں کے لیے حوصلہ افزا تعداد جمع کرنے اور انہیں مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر ابھارنے کے لیے ان اسباب سے فائدہ اٹھایا۔ ظاہر ہے ان اسبابِ کو سمجھنے کے لیے صلیبی فوجوں اور عوام کے نظریات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ ان قائدین اور محرکین کے نظریات کا اعتبار ہوگا جنہوں نے ان جنگوں کے شعلے بھڑکائے تھے' کیونکہ فوج ان کے بل بوتے پر چلتی ہے اور عوام

الناس کو ویسے ہی ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

صلیبی جنگوں کا دورانیہ دو صدیوں پر محیط ہے' ان کا آغاز 489ھ میں پطرس الناسک Pierre'l Ermite کے حملہ سے ہوا اور 990ھ میں مسلمانوں کے ہاتھوں سقوط عکہ کے بعد ان کا اختتام ہوا۔ اور اس کے ساتھ ہی صلیبی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ عکہ کی شکست اور مشرق اسلامی میں صلیبی حکومت کے خاتمہ کے بعد پوپ نیغولا چہارم نے ایک دفعہ پھر یورپی عیسائیوں کو اپنے مواعظ اور تقریروں سے مشتعل کرنے کی کوشش کی۔ انہیں مشرق وسطیٰ میں صلیبی ممالک کے چھن جانے کی خبر دی۔ عکہ اور بیت المقدس کو واپس لینے کے لیے اہل کلیسا کی کانفرنسیں منعقد کیں لیکن یورپیوں میں کوئی حرکت پیدا نہ ہوئی کیونکہ وہ مسلسل خون آشام جنگوں میں تھک کر چور ہو گئے تھے۔ اور انہوں نے اس نقصان کو محسوس کرلیا تھا جو دو صدیوں کے دوران انہیں برداشت کرنا پڑا۔ (الحروب الصلیبیة فی المشرق :642)

صلیبی حملوں کا عالم اسلام پر اثر

صلیبی جنگوں سے مشرق وسطیٰ میں مسلم اُمہ پر انتہائی برے اثرات مرتب ہوئے:

1- مسلمانوں کو وحشیانہ طریقے سے ذبح کیا گیا۔ پہلے ہی حملے میں صلیبیوں نے اہل انطاکیہ کو نیست و نابود کردیا اور بیت المقدس میں 70 ہزار سے زائد مسلمانوں کو ذبح کیا گیا۔ کتنے ہی ایسے علاقے تھے کہ وہاں کے محاصرے میں آئے مسلمانوں کو امن و امان کا وعدہ دے کر اس سے ہتھیار ڈلوا لیے گئے' پھر عہد شکنی کر کے نہایت وحشیانہ طریقے سے انہیں قتل کردیا گیا جیسا کہ انگلستان کے بادشاہ رچرڈ نے کیا جو 'شیر دل' کے نام سے مشہور تھا۔ (المنتظم: 47/17' تاریخ ابن خلدون 25/5) (صلیبیوں نے داخلہ بیت المقدس کے موقع پر فتح کے نشہ میں سرشار ہو کر مجبور مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا' ان کا ذکر ایک عیسائی مورخ ان الفاظ میں کرتا ہے:

> ''بیت المقدس میں فاتحانہ داخلہ پر صلیبی 'مجاہدین' نے ایسا قتل عام مچایا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان صلیبیوں کے گھوڑے جو مسجد عمر میں سوار ہو کر گئے تھے' گھٹنے گھٹنے خون میں ڈوبے ہوئے تھے۔ بچوں کی ٹانگیں پکڑ کر ان کو دیوار سے دے مارا جاتا' یا ان کو چکر دے کر فصیل سے پھینک دیا جاتا۔''

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا: ج 7' ص 62)

2- مشرق وسطیٰ کے کئی اسلامی ممالک کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ وہاں سے مسلمانوں کو نکال باہر کیا گیا۔ حمص' بعلبک' حماۃ' عسقلان' قنسرین' طبریہ جیسے عظیم الشان شہر تاخت و تاراج کر دیئے گئے۔ بعض شہر ایسے تھے جو مسلمانوں نے دوران محاصرہ خود اپنے ہاتھوں سے اکھاڑ دیئے تا کہ صلیبی ان شہروں سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکیں' شاید کہ انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ

دوبارہ وہ کبھی ان شہروں میں آباد نہ ہوسکیں گے۔ (النوادر السلطانیہ: 235' السلوک لمعرفة دول الملوک: 106/1)' مغربی مفکر جیک دی دتیری لکھتا ہے کہ صلیبیوں نے حمص' بعلبک اور حماۃ کو بار بار لوٹا تا کہ مسلمان انہیں ٹیکس دینے پر راضی ہو جائیں۔ دیکھئے ماهية الحروب الصليبية: 233

-3 لاکھوں مسلمانوں کو جلاوطن کردیا گیا کیونکہ صلیبیوں کا مقصد نو آبادیاں قائم کرنا تھا۔

-4 صلیبی جنگوں سے استعماری طاقتوں کا راستہ ہموار ہوا اور یہی جنگیں بعد میں ترکوں کے تنزل اور انحطاط کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں اور مسلمان طویل عرصہ تک کے لیے سامراجیت کی زنجیروں میں جکڑ دیئے گئے۔ صلیبی جنگوں میں جب تمام عیسائی دنیا کی مجموعی طاقت اسلامی قوت کوٹس سے مس نہ کرسکی اور انہیں یقین ہوگیا کہ مشرقی مسلمانوں کو عسکری قوت سے مغلوب نہیں کیا جاسکتا تو اس بات نے انہیں مسلمانوں کو مغلوب کرنے کے لیے کوئی اور طریقہ سوچنے پر مجبور کردیا۔ چنانچہ انہوں نے یہ تہیہ کیا کہ مسلمانوں پر فکری یلغار کی جائے' ان کے دلوں سے روح جہاد نکال دی جائے۔ ان میں خانہ جنگی کروا کر ان کی جنگی قوت کو تباہ کردیا جائے اور اقتصادی طور پر انہیں اپنا دست نگر بنالیا جائے۔ مغربی مصنف Kigh لکھتا ہے کہ:

> "صلیبی جنگوں نے مغربی اقوام کی خوابیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کیا' ان کے اذہان کو کھولا اور وہ تہذیب وتمدن میں اہلِ مشرق کے درجہ کو پہنچ گئے جو اس سے قبل علم وفلسفہ' ادب وشاعری' تہذیب وشائستگی اور تمدن میں اہلِ مغرب پر فوقیت رکھتے تھے۔ اس تہذیبی ترقی اور عسکری جنگ کی پے در پے شکستوں نے یورپین کو متوجہ کیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ فکری جنگ کا آغاز کریں۔"

مغربی مفکر Oman لکھتا ہے کہ:

> "صلیبی جنگوں نے 'استشراق' کا بیج بویا۔ مغربی لوگ مختلف امور میں مسلمانوں کے رجحانات سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے عربی زبان اور اسلامی نظریات کو پڑھنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ عربی زبان اور اسلامی علوم کی تعلیم کے لیے 1276ھ کو 'میراما' میں پادریوں کے لیے ایک یونیورسٹی قائم کی گئی۔ اس کے علاوہ پیرس اور لوفان میں مشرق زبانوں کی تعلیم کے لیے مختلف کورسز شروع کیے گئے۔ (الحروب الصليبية لاحمد شبلی 92)

عسکری معرکوں میں جب عیسائیوں کی کمر ٹوٹ چکی تو انہوں نے مسلمانوں میں عیسائیت کا پرچار کرنے کے لیے مختلف تبلیغی مشنز کا آغاز کیا۔ اس مقصد کے لیے تیرہویں عیسوی میں ملک شام میں دو یونیورسٹیاں قائم کی گئیں: ایک الفرنسیکان جو پوپ فرانس کی طرف منسوب ہے۔ دوسری ڈومنیکان جو

پوپ ڈومنیک کی طرف منسوب ہے۔ یہاں باقاعدہ عیسائی مشنری تیار کیے جاتے ہیں جو عربی زبان اور اسلامی علوم میں مکمل دسترس کے حامل ہوتے ہیں اور یہ دستور اس وقت سے آج تک رائج ہے۔

عیسائیت کی تبلیغ کرنے والے ادارے

عیسائیوں کی تبلیغی سرگرمیوں کے بارے میں ایک تحقیقی رپورٹ کے مطابق اس وقت دنیا بھر میں عیسائیت پھیلانے والے 387 عالمی ادارے کام کر رہے ہیں، جن میں سے 254 ادارے خاطر خواہ نتائج حاصل کر رہے ہیں اور ان کا دائرہ کار کافی حد تک وسیع ہو چکا ہے۔ ان میں ہر ادارہ دس سالوں کے اندر دس ہزار گھنٹے تبلیغی سرگرمیوں پر صرف کرتا ہے اور دس ہزار ڈالر سالانہ خرچ کرتا ہے۔ پھر 254 اداروں میں سے 33 ادارے ایسے ہیں جو بہت بڑے تصور کیے جاتے ہیں اور امدادی سرگرمیوں پر سالانہ سو ملین ڈالر خرچ کرتے ہیں۔ ان بڑے اداروں میں سب سے بڑا ادارہ دنیا بھر میں 550 ملین ڈالر سالانہ خرچ کرتا ہے۔

اگرچہ عیسائیوں کے پاس مادی وسائل کے بے پناہ ذرائع ہیں لیکن ان کا استعمال مناسب طریقے سے نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر 1918ء میں ایک عیسائی ادارے کے لیے 336 ملین ڈالر فنڈ اکٹھا کیا گیا، جو ایک ہفتہ کے اندر اندر ختم کر دیا گیا۔ اسی طرح 1988ء میں امریکہ میں ایک بہت بڑے عیسائی ادارے کے لیے 150 ڈالر جمع کیے گئے جو اچانک غائب کر دیئے گئے۔ اس بددیانتی کی ذمہ داری بڑے بڑے مشنریوں خصوصاً امریکی پوپ باکیر اور جیمی سوغارت پر عائد ہوتی ہے جن کے ہاتھ میں چرچوں کی قیادت ہے۔

امدادی سرگرمیاں

اسلام کو مغلوب کرنے کے لیے اپنے سیاسی اختیارات، مالی وسائل اور ذرائع ابلاغ کو بروئے کار لانے والے عیسائی مشنری عالمی چرچوں کی مادی قوت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اٹھارہویں صدی میں عیسائیت کا پرچار کرنے والی ایک عالمی تنظیم نے امدادی سرگرمیوں پر 145 بلین ڈالر سالانہ کے حساب سے خرچ کیے اور 41 ملین مشنری عیسائیت کی تبلیغ میں مصروف کار ہیں۔ بڑی بڑی 13 ہزار لائبریریاں کام کر رہی ہیں۔ ہر سال مختلف زبانوں میں 22 ہزار پمفلٹ شائع کیے جاتے ہیں۔ صرف ایک سال کے اندر کتابوں کے 4 بلین نسخے تقسیم کیے گئے۔ 1800 ٹی وی چینل دنیا کے کونے کونے میں عیسائیت کا پیغام پہنچا رہے ہیں۔ کلیسا کی عیسائی تنظیمیں 3 ملین کمپیوٹر استعمال کر رہی ہیں اور کمپیوٹر کے عیسائی ماہرین کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کہ وہ ایک جدید قسم کا عیسائی لشکر ہے۔

1985ء میں ایشیا ار افریقہ میں مغربی عیسائی مشنریوں کی تعداد 4 ملین تھی جبکہ مغرب میں 3500 عیسائی تنظیمیں تبلیغ میں مصروف عمل ہیں۔ ان تنظیموں میں کام کرنے والے مشنریوں کی تعداد 35

ملین ہے اور مغرب اس مشن پر کثیر سرمایہ صرف کر رہا ہے۔ انٹرنیشنل کرسچین انسائیکلوپیڈیا کا مقالہ نگار ڈیوڈ وارمن لکھتا ہے کہ:

"عیسائی مشنریوں نے صرف سال 1970ء کے دوران دنیا بھر میں 70 بلین ڈالر خرچ کیے اور سال 1980ء کے دوران 100 بلین ڈالر خرچ کیے گئے۔ اس کے بعد سال 1985ء کے لیے 127 بلین ڈالر مختص کیے گئے اور اس بڑھتی ہوئی امدادی سرگرمیوں کے پیش نظر اس فنڈ کی مقدار 200 بلین ڈالر سے تجاوز کر جائے گی۔"

1999ء کے اعداد و شمار کے مطابق عیسائیت کے بارے میں رپورٹ

عیسائی مشنوں کے اعداد و شمار	سال 1970ء	سال 1999ء	سال 2025ء
آرتھوڈوکس فرقہ کی تعداد	47,520,000	74,500,000	110,000,000
پروٹسٹنٹ فرقہ کی تعداد	147,369,000	222,120,000	271,755,000
کیتھولک فرقہ کی تعداد	233,800,000	321,358,000	461,808,000
افریقہ میں عیسائیوں کی تعداد	671,441,000	1,040,018,000	1,376,282,000
سمندر پار مشنریوں کی تعداد	120,257,000	333,368,000	668,142,000
ملکی مشنریوں کی تعداد	240,000	415,000	550,000
چرچوں کے فنڈز کی مقدار	70 بلین ڈالر	1,489 بلین ڈالر	26 بلین ڈالر امریکی
عیسائیت پر لکھی جانے والی کتب	17,100	24,800	70,000
عیسائیت کے پرچار میں شائع ہونے والے رسائل	23,000	33,700	100,000
شائع ہونے والی اناجیل کی تعداد	251 ملین	2,149,341,000	4,430,000,000
عیسائیت کی تبلیغ کرنے والے ریڈیو سٹیشن اور ٹی وی چینل	1,230	3,770	10,000
دنیا بھر میں عیسائیت کے فروغ کے لیے بننے والے منصوبہ جات کی تعداد	510	1,340	3,000

ڈاکٹر نادر رضا صدیقی (پی ایچ ڈی)

اسلام کے خلاف عیسائیوں کے منصوبے

پاکستان میں عیسائی مبلغین کی سرگرمیوں کو ان کی ہی کتابوں کی روشنی میں دیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یہ کتابیں مشنریوں کی اندرونی و بیرونی پالیسیوں کا بہت کچھ احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ ان کتابوں کی بے باکی اور اسلامی دنیا میں مختلف روپ میں سرگرم استعماری و مشنری منصوبے و مقاصد اور ان کے خطرناک و زہریلے اثرات دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔ گو یہ کتابیں اس صدی کے ابتدائی حصے میں وجود میں آئیں اور ان میں گذشتہ صدی کے دوسرے نصف سے مشنری تحریک کے وسائل و مقاصد کے مکمل جائزے کے ساتھ ساتھ آئندہ کے پروگرام وعزائم کے رہنما اصول وضوابط ہیں۔ تاہم اس قدر طویل زمانہ گزرنے کے باوجود بھی ان کتابوں کی اہمیت کم نہیں ہوئی' بلکہ بہت زیادہ اضافہ ہی ہوا ہے کیونکہ ان میں جن جن منصوبوں کا بیان ہے' وہ حقیقتاً پورے ہوئے اور جن جن مقاصد کو پیش نظر رکھا گیا تھا' وہ فی الواقع حاصل ہوگئے ہیں۔ ان کتابوں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ عیسائی سامراج کی تاریخ کس قدر طویل ہے۔ اور آج صدیاں گذر جانے کے باوجود عیسائی کس انداز فکر کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔ مشنری بالخصوص اس کو ہلال وصلیب کا معرکہ قرار دیتے ہیں جبکہ کچھ دوسرے کچھ افراد اپنے عزائم کو پوشیدہ رکھ کر سیکولرازم کا پرچار کرتے ہیں لیکن جو کچھ کیا جاتا ہے اس کی باقاعدہ منصوبہ بندی کی جاتی ہے جس کے مطابق عمل ہوتا ہے۔

مغربی سامراج جب توسیع پسندانہ عزائم و مقاصد کے ساتھ اپنے چھوٹے چھوٹے ملکوں سے باہر نکلا تو اس کے ہراول دستے کے طور پر مشنری بھی سارے عالم اسلام میں بکھر گئے۔ اور مقدور بھر شدت وقوت سے لوگوں کے دلوں سے اسلامی اقدار وافکار کو مٹانے اور مغربی و عیسائی تصورات کو ذہنوں پر مرتسم کرنے کی کوششوں میں ہمہ تن مصروف ہوگئے۔ عیسائی مشنریوں کے یہ "پرامن منصوبے" صلیبی جنگوں کے بالکل برعکس تھے۔ یہ علم و سائنس' مکر وفریب اور تنظیم و تدبیر کے خوشنما وسائل کے سہارے تھے' جن کی مدد سے انہوں نے اسلام کی صورت کو مسخ کیا۔ تجدد کی راہیں نکالیں۔ پھر اس مسخ شدہ اسلام کو مسلمانوں کی نسلوں کے دل و دماغ میں اتارنے کے منظم انتظامات کیے تاکہ مسلمانوں کی آنے والی نسلیں

اسلام کی روح تک سے بیگانہ ہو جائیں اور اسے چند رسموں کا ذاتی معاملہ سمجھنے لگیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ مشنریوں نے اسلام کو متزلزل کرنے کے لیے بڑے تدبر اور فراست اور بڑے پر فریب انداز میں جدوجہد کی ہے۔ یہی ان کتابوں کا خلاصہ ہے۔

پہلی کتاب

یہ کتاب فرانس سے نکلنے والے رسالے "اسلامی دنیا" (مسلم ورلڈ) کا خاص نمبر ہے جو اس صدی کے اوائل میں اس غرض سے مرتب کیا گیا تھا کہ عالم اسلام میں پروٹسٹنٹ مشنریوں کی کارگذاری کا جائزہ لیا جائے اور اس کا نام "اسلامی دنیا کی فتح" رکھا گیا تھا۔ اس کا مقدمہ رسالہ کے ایڈیٹر "لوشاتلیہ" نے تحریر کیا ہے۔ جس میں وہ فرانس کے کیتھولک عیسائیوں کی ہمتیں بڑھاتے ہوئے انہیں جوش اور غیرت دلاتا ہے کہ پروٹسٹنٹوں نے عالم اسلام میں کس قدر اثر ونفوذ اور کامیابیاں حاصل کرلی ہیں۔ اس کتاب میں بڑی بڑی بین الاقوامی مشنری کانفرنسوں کی مختصر رُوداد بھی دی گئی ہے مثلاً 1906ء میں قاہرہ میں' 1910ء میں ایڈنبرگ میں اور 1911ء میں لکھنؤ میں جو مشنری کانفرنسیں ہوئی تھیں۔

اس کتاب کے کچھ اقتباسات محمد قطب (سیّد قطب شہید کے بھائی) نے جو خود بھی کئی کتابوں کے مصنف ہیں' اپنی ایک کتاب **ھل نحن مسلمون** (کیا ہم مسلمان ہیں) میں نقل کیے ہیں۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ پاکستان سے شائع ہوا ہے' میں مذکورہ کتاب کے کچھ اہم اقتباسات نذرِ قارئین کر رہا ہوں' تا کہ انہیں اندازہ ہوسکے کہ پاکستان میں عیسائی سرگرمیوں کا پس منظر کیا ہے:

شاتلیہ اپنے مقدمہ میں لکھتا ہے:

> "مشرق میں اپنے کام کے لیے فرانس کو عقلی تربیت کے قواعد کو بنیاد بنانا چاہیے۔ یہ مقصد صرف فرانسیسی یونیورسٹیوں میں دی جانے والی تعلیم کے ذریعے حل ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اس تعلیم میں قوتِ ارادی پر مبنی علمی اور عقلی وسائل موجود ہیں۔ یہی چیز اسلام میں فرنچ یونیورسٹی کی تعلیمات سرایت کر سکے گی۔"

اس طرح شاتلیہ ہدایت دے رہا ہے کہ اسلام میں فرنچ یونیورسٹیوں کی تعلیمات داخل کی جائیں۔ بیروت کے یسوعی کالج کے متعلق وہ بیان کرتا ہے کہ:

> "بیروت کا یسوعی سکول اور مشنری جماعتیں جن کے اوپر زر کثیر صرف ہوتا ہے اور جنہیں بڑی حکمت و تدبیر سے کام کرنا ہوتا ہے' اسلامی دنیا میں مغربی افکار کی اشاعت کا عظیم کام انجام دے رہے ہیں۔"

زبان کے بارے میں وہ لکھتا ہے:

> "مغربی زبانوں کی اشاعت کے ذریعے مغربی افکار سریت ہوتے ہیں۔ اگر انگریزی' جرمن' ڈچ اور فرنچ زبانوں کی ترویج کی جائے تو اسلام کا سابقہ مغربی

لٹریچر سے پڑے گا' اور اس لٹریچر کو ایک مادی اسلام پیش کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اس طرح مشنری اسلامی فکر کو مسمار کرنے کے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ کیونکہ اسلام اپنے وجود اور اپنی قوت کی حفاظت علیحدہ رہ کر کرسکتا ہے۔"

اسلامی اعتقادات کے خاتمہ اور مغربی تہذیب کے تعلق سے وہ اس طرح اظہار خیال کرتا ہے:

"مشنریوں کے اعمال کے نتائج میں خواہ کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ اسلامی اعتقادات کا خاتمہ انہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے جو عیسائیت کے لیے کی گئی ہے۔ اسلامی دنیا کی سیاسی تقسیم نے بھی مغربی تمدن کے لیے راہیں ہموار کردی ہیں کیونکہ جب اسلام سیاسی حیثیت سے کمزور ہو جائے گا تو کچھ وقت گذرنے کے بعد ہر ملک مغربی تہذیب کے جال میں پھنسا ہوا ہوگا۔"

"اسلامی دنیا میں فتح" نامی کتاب کے مقدمہ کے اس قسم کے چند اور اقتباسات لکھنے کے بعد محمد قطب تحریر کرتے ہیں کہ:

"اس کا مقدمہ یہ بتانے کو کافی ہے کہ گذشتہ ایک صدی میں اسلام کو ختم کرنے کے لیے کیا کیا مکروفریب کیے گئے اور یہ سارے فریب اب بھی بدستور موجود ہیں۔ فرق یہ ہے کہ اب فرانس کے پیڈو کی طرح مقاصد کا اظہار نہیں کیا جاتا' بلکہ ممکنہ حد تک ان مقاصد پر پردہ ڈالا جاتا ہے۔" اور اس راز داری کی دو وجوہ ہیں۔

اوّل: یہ فریب ابھی تک جاری ہے اور اس کے اثرات ابھی تک ظاہر ہو رہے ہیں۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ اس فریب کی پردہ داری کی جاتی رہے تاکہ لوگ متنبہ نہ ہو جائیں اور ان مقاصد کو سمجھ نہ لیں۔

دوم: سامراج کو ایسے مسلمان مددگار مل گئے ہیں جن کی روح سامراجیت زدہ اور ان کے نفس اس زہر سے مسموم ہو چکے ہیں۔ سامراج نے اب اسلامی عقیدے کی شکست و ریخت کا کام انہی مسلمانوں کے سپرد کر رکھا ہے۔ اب اسلامی دنیا میں اس کے مسلمان مددگار معاونین' اہل قلم' مفکرین' راہنما' دانشوروں حریت پسندوں اور ترقی پسندوں کے گروہوں میں ہر جگہ موجود ہیں۔ اب سامراج نے یہ کام انہی کے سپرد کر دیا اور مسلمانوں کی غفلت اور اپنے مکروفریب کی کامیابی پر خوش ہو رہا ہے۔"

محمد قطب کے اس تبصرے پر مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ جب کتاب کا مقدمہ اتنا جارحانہ ہو تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خود اصلی کتاب کن خیالات وعزائم کی عکاسی کرتی ہوگی۔ تاہم یہ سب کچھ ہونے کے باوجود یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ اتنا بڑا فریب کیا جارہا ہے اور وہ اپنی آنکھوں سے عالم اسلام میں پیوست کی جانے والی پرفریب سمیت کے اثرات دیکھ رہے ہیں۔ پھر بھی

غفلت یا خوش فہمی سے نام نہاد ترقی پر شادان وفرحان قہقہے لگاتے رہے۔

دوسری کتاب

عالم اسلام میں کام کرنے والے مشنریوں کے طریقوں و اصولوں پر مبنی اس کتاب کا نام ''مسلمانوں میں تبلیغی کام کے طریقے'' ہے 4 اپریل تا 9 اپریل 1906ء پہلی ''مشنری'' کانفرنس قاہرہ میں جو عالم اسلام کے مرکز کی حیثیت رکھتا تھا منعقد ہوئی تھی۔ اس کانفرنس میں جو مقالے پڑھے گئے اور ان پر جو بحث وتمحیص ہوئی ان کو کتابی شکل دے کر صرف مشنریوں اور مشن کے دوستوں کے لیے شائع کیا گیا۔ اس کتاب پر باقاعدہ ''صرف برائے پرائیویٹ سرکیولیشن'' درج ہے۔

اس کانفرنس کا خیال سب سے پہلے پادری زویمر نے پیش کیا جو رسالہ مسلم ورلڈ کا ایڈیٹر بھی رہ چکا تھا۔ اور جو عرب دنیا میں گذشتہ صدی کے اواخر اور اس صدی کے اوائل میں مشنری فرائض انجام دے رہا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جب شاہ سعود بانی مملکت سعودیہ العربیہ بیمار پڑے تو یہی پادری زویمر اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ان کا علاج کرتا رہا۔

یہ کانفرنس اس لیے اہم تھی کہ اس میں تمام عالم اسلام میں کام کرنے والے پروٹیسٹنٹ مشنریوں کو مدعو کیا گیا تھا تاکہ وہ آزادانہ طور پر نہ صرف مسلمانوں میں اپنے تبلیغی کام کی دشواریوں کا اظہار کریں بلکہ ان کی روشنی میں آئندہ کے لیے ٹھوس و جامع لائحہ عمل تیار کریں۔ حالانکہ اس سے قبل نجی طور پر مسوری اور مدراس میں (دونوں شہر ہندوستان میں ہیں) ہندوستان کے علاقہ کی حد تک کانفرنسیں ہو چکی تھیں۔ قاہرہ کانفرنس میں پروٹیسٹنٹ عیسائی دنیا کی انتیس مشنری سوسائٹیز کے 62 وفود شریک ہوئے۔ ان کے علاوہ ساٹھ دیگر افراد تھے۔ ان 122 افراد میں اکثریت ان مشنریوں کی تھی جو ایشیا افریقہ اور ملائشیا کے ''مسلم علاقوں'' میں کام کرتے تھے۔ داخلہ پر سخت پابندی تھی۔ مندوبین کو شرکت کے لیے خاص کارڈ دیئے گئے تھے۔

اس کانفرنس کے نتائج خود ان کے الفاظ میں نہایت عظیم الشان نکلے۔

1- مسلم ممالک میں مصروف عمل مشنریوں کے مسائل کا تفصیلاً علم حاصل ہوا۔ چرچ کو اس ''میدان کی وسعت اور اس کی بار آوری کی اتنی امید پیدا ہوئی کہ اس سے قبل کبھی بھی ایسا نہیں ہوا تھا۔''

2- مختلف مشنری کاموں میں یکسانیت کے طریقے ڈھونڈے گئے۔ بہت سی غلطیاں جو مسلمانوں میں کام کرنے کے تعلق سے لاعلمی اور ناتجربہ کاری پر مبنی تھیں واضح ہوئیں ان کا ازالہ کیا گیا اور زیادہ ہمت و جرأت سے کام کرنے کے مواقع سامنے لائے گئے۔

3- مسلمانوں کے لیے لٹریچر کی طباعت و اشاعت کے بہتر انتظامات کو تیز تر کرنے پر توجہ دی گئی اور عملاً اس سمت میں ''عالمگیر'' طور پر جدوجہد کا آغاز کیا گیا۔ اس کے علاوہ......

4- تمام عیسائی کلیساؤں کو بیدار کیا گیا کہ وہ اپنے فرائض کو ''اسلامی دنیا'' میں پہنچائیں اور وہ دیکھیں کہ تمام دنیا کو عیسائیت کے لیے فتح کرنے میں صرف اسلام ہی اکیلا رقیب و دشمن ہے۔ اس لیے تمام مشنری سوسائٹیاں جہاں وہ ہیں، معمول کے مطابق کام انجام دینے کے علاوہ مسلمانوں میں تبلیغ عیسائیت کو اوّلیت و فوقیت دیں۔ مرد ہو خواہ عورت جو بھی اس کام کے لیے موزوں ہیں فوری طور پر بلا کسی تاخیر کے مسلمانوں کی سرزمین پر پہنچ جائیں اور اپنی شاطرانہ کوششوں سے مسلمانوں کو یسوع مسیح کا فرمانبردار بنائیں جو تمام دنیا کا نجات دہندہ ہے۔ اس طرح اس مشنری کانفرنس میں مسلمان اور مسلمان نسلوں کے مستقبل کے لیے نہ صرف فیصلے کیے گئے بلکہ تاریخ میں پہلی بار منظم طور پر مسلمانوں کو مختلف حیلوں و بہانوں کے ذریعے مغلوب کرنے کے پرامن منصوبے عمل میں لائے گئے جن سے مسلمانوں کے احساس وفکر کے زاویے بدل کر رہ گئے۔ ان کے تہذیبی وتمدنی اقدار متغیر ہوگئے اور ان کے اجتماعی، سیاسی، فکری اور روحانی شعور میں بڑی تبدیلی ہوگئی۔ اب مسلمان نسلیں ان خیالات کے ساتھ وجود میں آنے لگیں کہ اسلام صرف اللہ اور بندے کے تعلق کا نام ہے۔ اس کو انسان کی عملی زندگی اور عملی معاشرے کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں۔ مشنریوں کا یہ خیال کہ مسلمانوں میں کام کا بڑا وسیع میدان ہے اور ان کی جدوجہد سے مسلم معاشرے میں مغربی افکار و خیالات سرایت کر جائیں گے، بالآخر صحیح ثابت ہوا۔ اس جگہ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی کہ صرف پنجاب کے علاقہ سے تین مشہور پادری بھی اس کانفرنس میں شریک ہوئے تھے بلکہ لاہور کا ایک پادری وائس چیئرمین بھی منتخب ہوا تھا۔

اس کتاب کے چند ابواب کے عنوان حسب ذیل ہیں:

1- غیر تعلیم یافتہ مسلمانوں سے کس طرح رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے اور انہیں کس طرح تعلیم دی جاسکتی ہے۔

2- غیر تعلیم یافتہ مسلمانوں میں کس طرح ''کام'' کیا جائے۔

3- تعلیم یافتہ مسلمانوں میں کس طرح کام کیا جائے۔

4- مسلمانوں کے لیے عیسائی لٹریچر۔

5- طبی مشنز۔

6- خواتین میں کام۔

7- مسلمان نسلوں کو کس طرح عیسائیت کے لیے جیتا جائے۔

8- عیسائی عقائد کس طرح پیش کیے جائیں۔

9- مسلمانوں میں کام کرنے کے لیے کارکنوں کی تیاری۔

10- طلبہ تحریک اور اسلام۔ وغیرہ۔

مذکورہ کتاب کے جستہ جستہ اقتباسات پیش کرتا ہوں۔ اگرچہ پوری کتاب ہی مطالعہ کرنے کے قابل ہے جس کا ایک ایک صفحہ اور ایک ایک جملہ ہولناک صلیبی عزائم کا آئینہ دار ہے۔

صفحہ 32 پر تحریر ہے کہ:

"جاہل (غیر تعلیم یافتہ) مسلمانوں میں گھسنے کا بہتر ذریعہ "سکول" ہیں۔ پہلے ان کو تعلیم دی جائے۔ سکولوں کے ذریعے مشنری کارکن مسلمانوں کے گھروں میں داخل ہوسکتے ہیں اور یسوع مسیح کا پیغام پہنچا سکتے ہیں۔"

گویا مشنریوں کے قائم کردہ تعلیمی ادارے مسلمانوں میں عیسائیت کے اثر و نفوذ کا بہترین ذریعہ ہیں۔ ان اداروں کی وساطت سے مسلمانوں کو عیسائیت سکھلائی جاسکتی ہے۔

اس کے دو صفحہ بعد ہی صفحہ 35 پر مشنریوں کو فریب کارانہ طریقے استعمال کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ کہا گیا ہے کہ:

"ان میں اپنی بات کی ابتداء مسلمہ سچائیوں سے کرو۔ خدا کے بیٹے اور تثلیث کے نظریہ کے ابتداءً اظہار سے مخالفت پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے ان میں اپنی بات سنانے کے لیے مسیح کی معجزانہ پیدائش، نبوت اور مسیحائی سے آغاز کرو۔ یہ سچائیاں اسلام میں بھی مانی جاتی ہیں۔ اس کے بعد "آہستہ آہستہ غیر محسوس طور پر" ابن خدا یا خدا کا بیٹا کی طرف ان کے خیالات کو موڑ دو۔"

اس شاطرانہ ہدایت ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ مسلمانوں کے دل موہ لینے کے لیے یہاں تک کہا گیا ہے کہ:

"(حضرت) عیسیٰ کے ساتھ مسلمانوں کی طرح "حضرت" کا لفظ استعمال کیا کریں اور قرآن کو "قرآن شریف" کہا کریں۔ لوگوں کے سامنے اس کا ادب کیا کریں۔ اسے ایسی جگہ نہ رکھیں جو ناپاک ہو۔ اور جس سے مسلمان برا مان جائیں اور مزید کہ ہر مشنری کو قرآن شریف کی تیس سے پچاس تک کی آیتیں بالکل صحیح تلفظ کے ساتھ مع اس کی تفسیر کے زبانی یاد کر کے موقع محل کے لحاظ سے مسلمان حاضرین کے سامنے پڑھا کریں۔"

ظاہر ہے مشنریوں کے اس طرزِ عمل سے مسلمانوں میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ عیسائی کتنے روادار ہیں۔ یہ دوسرے مذاہب کے شعائر کا کتنا احترام کرتے ہیں۔ یہ کتنے عظیم اور فراغ دل ہیں لیکن اس ظاہر داری کے پیچھے جو سمیت پوشیدہ ہے، اس تک ہر نظر نہیں جاسکتی۔

ص 44 پر قرآن شریف کے مطالعے کی غرض یہ بتلائی گئی ہے:

"عیسائی کارکنوں کو مسلمانوں کے اختلاف کے اہم نکات پر مہارت ہونی چاہیے۔ نیز اسلامی عقیدے کی کمزوری کی جڑوں سے خوب واقف ہونا چاہیے۔

ان کے علاوہ ان ذہنی دشواریوں اور اعتراضوں کا بھی جن کی وجہ سے مسلمان عیسائیت قبول کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔"

ان رہنما اصول کو اپناتے ہوئے جب ایک عیسائی کارکن تبلیغ کے میدان میں نکلتا ہے تو گویا وہ پوری طرح کیل کانٹوں سے لیس ہوتا ہے جن کا استعمال وہ حسب موقع مسلمانوں میں کرتا رہتا ہے اور پھر کچھ ہی عرصے میں اس کے نتائج نکلنے لگتے ہیں۔

مشنریوں کی تربیت کے سکولوں میں جو نصاب ہوتا ہے اس میں پہلے سال ہی مسلمانوں کے فرقوں اور اختلافات کا تفصیل سے مطالعہ کرایا جاتا ہے۔ اس ایک سالہ نصاب میں تقریباً اسلامی تاریخ مکمل پڑھائی جاتی ہے۔ اس طرح عیسائی کارکن بالکل آغاز ہی سے مسلمانوں کے اختلافات کو منفی نقطہ نظر سے دیکھنے کا عادی بن جاتا ہے۔

اسی کتاب کے ص 55 پر یہ ہدایت بھی ہے:

> "مسلمانوں سے دوستانہ مراسم قائم کیے جائیں۔ یہ کام نہایت عظیم ہوگا کہ مشنری مسلمانوں کے گھروں پر جایا کریں اور ان سے "ملنسارانہ میل جول" قائم کریں اس مقصد کے ساتھ کہ ان سے عیسائیت پر گفتگو کریں اور یہ کام خاتون مشنری کو انجام دینا چاہیے۔"

ان جملوں کی گہرائی کا اندازہ سطحی طور پر پڑھ کر نہیں کیا جاسکتا۔ "ملنسارانہ میل جول" یا سوشل ریلیشنز کا مطلب بہت گہرا ہوسکتا ہے خصوصیت سے خاتون مشنری کے ساتھ جیسا کہ میں نے کہیں لکھا ہے کہ 1928ء میں صوبہ سرحد کا پہلا مسلمان پٹھان جو عیسائی ہوا تھا' وہ ایک مشنری خاتون نرس کے اثرات کی وجہ سے ہوا تھا۔ اسی سے ملنسارانہ میل جول کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

پھر مشنریوں کو تین نہایت اہم نصیحتیں کی گئیں جیسا کہ ص 56 پر ہے کہ مسلمانوں میں تبلیغ عیسائیت کے لیے ان کو گرہ میں باندھ لیا جائے۔

1- نہایت فراست و ذہانت کے ساتھ تبلیغی تیاری کی ضرورت۔

2- ذاتی زندگی میں روحانیت کی ضرورت۔

3- ان کو یسوع مسیح کے لیے حاصل کرنے کے لیے مسلسل محنت و جدوجہد کی ضرورت اس مقالہ پر بحث ومباحثہ ہوا جس کے اہم نکات مختصراً حسب ذیل ہے۔

پادری جارج سورن نے پوچھا تھا کہ غیر تعلیم یافتہ مسلمانوں کے طبقے سے عیسائی ہونے والوں کی شرح فیصد کیا ہے۔ اور کیا عام لوگوں کے لیے بائبل تیار کی گئی؟

ڈاکٹر وہایٹ برشٹ (جو لاہور کا اعلیٰ عہدہ پر فائز پادری تھا) نے کہا ہم شمالی ہندوستان کے دیہاتیوں کے لیے ان کی زبان میں بائبل دے رہے ہیں۔ جیسا کہ بنگال میں کیا گیا۔

پادری جارڈن نے جو تہران (ایران) کا ذمہ دار پادری تھا ایک نکتہ کو بیان کیا کہ "ہمارے

مشنریوں کو "مشرقی ذہن" کو سمجھنے کی نفسیات سے واقف ہونا چاہیے جس کی وجہ سے مشرقی ذہن ہماری بات سمجھ سکے۔

ڈاکٹر وہایٹ برشٹ نے اظہار کیا کہ میں نے جن لوگوں کو عیسائی بنا کر بپتسمہ دیا ان میں سے تقریباً نصف غیر تعلیم یافتہ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس پر گولڈسیک نے جو بنگال کا پادری تھا کہا کہ "عیسائی ہونے والوں کی اکثریت غیر تعلیم یافتہ (جاہل) مسلمانوں کی ہے۔"

برعظیم پاک و ہند میں میکالے نے نظام تعلیم مرتب کیا تھا۔ وہ اپنے قائم کردہ نظام تعلیم پر اتنا پراعتماد تھا کہ تیس برس کی قلیل مدت میں اس کے حتمی اثرات کا اظہار اپنی ماں کے نام ایک خط میں کیا تھا۔ یہ 1836ء کی بات ہے۔ چنانچہ اس تعلیمی پالیسی کے مطلوبہ نتائج انہیں حاصل ہوئے اور اس کی صدائے بازگشت مصر کی اس مشنری کانفرنس میں بڑی شد و مد سے سنائی دی۔ مصر میں برطانیہ کے 1882ء میں تسلط کے بعد پادری فلپ نے نظام تعلیم رائج کیا تھا اور اس کے اثرات کا اس کانفرنس میں جائزہ لیا گیا۔

ص 61 پر بیان کیا گیا ہے:

"اس قسم کے نوجوانوں کی بڑی تعداد متشکک Sceptical اور دہریہ (نیچرلسٹ) Naturalists ہوئی جا رہی ہے جو بجائے "عرب کے پیغمبر کے" اسپنسر کی تقلید کر رہی ہے۔ تمام قومیتوں میں ان کی تعداد (فی الحال) تقریباً 2 تا 3 ہزار ہے جو کم نہیں ہے۔"

مصر کی نوجوان نسل کے روز افزوں ان خیالات کے باوجود ان پر عدم اطمینان ظاہر کیا گیا اور زور دے کر کہا گیا کہ "اسلامی عقائد میں آزاد خیالی (لبرل ازم) اس حد تک ابھی نہیں ابھری جس طرح ہندوستان میں۔" یہ اشارہ ہندوستان میں سر سیّد احمد خاں کی اصلاحی تحریک کی طرف تھا۔

گویا ان مشنریوں کی چند سالہ جدوجہد کے نتیجہ میں ایسا مکتبہ فکر نہ صرف مصر بلکہ ہندوستان میں بھی پیدا ہو گیا تھا جو اسلامی عقائد و افکار میں بجائے پیغمبر اسلام کے عیسائی فلسفیوں کی تقلید کو ترجیح دینے لگا تھا اور خود اپنے مذہب، مذہب اسلام کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھنے لگا تھا۔ اور اپنے معاملات زندگی میں مغربی فکر و تہذیب کو پورے خلوص سے داخل کرنے کی کوشش میں مصروف تھا۔

گریڈنر جو خود مصری علاقہ کا پادری تھا' اپنی خوشی کو چھپا نہ سکا۔ اور بے پناہ جذبۂ مسرت سے اس نے اظہار کیا کہ:

"اس کے باوجود کہ براہِ راست تبدیلی مذہب کا کام گوست ہے' لیکن یہ کتنی عظیم بات ہے کہ "ان کی" اخلاقی' سماجی اور قومی زندگی میں "عیسائی افکار" سرایت کر رہے ہیں۔ شادی بیاہ کثرت ازدواج' عورتوں کی تعلیم' مذہبی آزادی اور رواداری' قومی اتحاد' باہمی اکرام و عزت کے مواقع و مسائل پر ہم مسلمانوں کی زبانوں

سے عیسائی خیالات کو سنتے ہیں۔ اس طرح مسیح کی تعلیمات سے ان کے گھرانے متاثر ہونے کے مواقع حاصل ہو گئے۔ یہ یقیناً بہت بڑا فائدہ ہے جس سے سخت زمین میں شگاف اور دراڑیں پڑ رہی ہیں۔ اب مسلمان کو مدافعت کرنی پڑ رہی ہے جبکہ قبل ازیں وہ مدافعت کو غیر ضروری خیال کرتا تھا۔"

مسلمانوں کے لیے خاص طور پر لٹریچر تیار کرنے کا فیصلہ بھی اس کانفرنس میں کیا گیا اور مختلف علاقوں کے پادریوں کے تجربوں کی روشنی میں ان میں ایسی تبدیلیوں کی ہدایت کی گئیں جن سے مسلمان نہ صرف یہ کہ دھوکے و مغالطہ میں پڑ جائیں بلکہ اس لٹریچر کے مطالعہ کے بعد ان کے عقائد و افکار میں تزلزل واقع ہو جائے۔ اور وہ پر فریب جالوں میں پھنس جائیں۔ مثال کے طور پر چند اصولی ہدایات ص 92 سے نقل کی جاتی ہیں۔

1- ایسی پر جوش کتابیں اور ٹریکٹس لکھی جائیں جو انسانی "قلب" کو کشش کریں جن سے "گناہ" اور "نجات" کی اہمیت ہو۔

2- اسلام سے اچھی چیزیں لی جائیں اور بتایا جائے کہ ان کی تکمیل کس طرح انجیل میں ہوئی۔

3- قرآن کے جو اچھے حوالے ہیں لے کر ثابت کیا جائے کہ یہ انجیل کے ذریعہ سے پوری ہوتی ہیں۔

4- عیسائی "دین" اور "ایمان" کا خلاصہ تیار کیا جائے۔

5- گناہ کی حقیقت اور کفارہ کی ضرورت۔

6- ہمیں "نجات" کی "اب" ضرورت ہے۔ صرف انجیل ہی یہ مہیا کرتی ہے۔ انجیل کے ذریعہ ہی گناہ کو فتح کیا جا سکتا ہے۔ اس کے ذریعہ ہی سے ذہنی سکون، خدا کی رضامندی حاصل کی جا سکتی ہے اور یہی "وسیلہ" ہے۔

7- صحیح مذہب کی بنیاد "عبدیت" ہو سکتی ہے یا "فرزندیت"۔

8- انسان "معاشرتی ہستی" (سوشل بینگ) ہے تو کیا اس کا خالق سوشل نہیں ہو سکتا اس لیے ایک سوشل خدا تین خداؤں میں ظاہر ہوا۔

9- ایک "زندہ بچانے والا" نہ کہ ایک "مردہ پیغمبر"۔

10- گناہ اور اس کا علاج۔

11- توبہ اور ایمان۔

12- فاتحہ اور لارڈز پریئر کا تقابل۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس پر لاہور کے پادری وہایٹ برشت نے ان الفاظ میں ص 96 پر ریمارکس دیا۔

مسلمانوں کے لیے لٹریچر کی تیاری و تقسیم سب سے بڑا طاقتور کام ہے۔ ان کے لیے مختلف قسم کا لٹریچر تیار کیا جائے۔ مثلاً:

1- اختلافی: اس کو بہت احتیاط سے تیار کیا جائے گا۔

(الف) عیسائیوں کو پرانے لٹریچر کو از سرِ نو ترتیب دے کر جدید زندگی کی ضروریات کے مطابق بنانا چاہیے۔ بہت سے تعلیم یافتہ مسلمان ہیں جو آکسفورڈ اور برلن کے اثرات و تصورات کو پھیلائیں گے۔ ہمیں اپنے مخالفین سے ان کی اپنی سرزمین پر ملنا چاہیے۔

(ب) اس کے علاوہ ہمیں اختلافات کے ان فوائد کو بھی ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے جو غیر عیسائیوں کے مذاہب کے علم سے بڑھتے ہیں۔ تقابلِ ادیان کے مطالعہ سے ہمیں دوسرے مذاہب کو مختلف طریقوں سے دیکھنے کا موقع ملے گا۔

ص 9۔ اس طرح ہم ان کو بتلا سکیں گے کہ وہ ''جاہلانہ عبادت'' کرتے ہیں۔

(ج) لٹریچر کے ذریعہ ہم عیسائی عقائد اس طرح پیش کریں کہ اس پر مسلمان کو اپنی بھرپور توجہ دینی پڑے۔ وغیرہ۔

ان مباحث میں بار بار عیسائی کتب خانہ لاہور رپلیجس بک سوسائٹی لاہور کی خدمات کو سراہا گیا اور تعریف کی گئی۔

ہسپتال تبلیغی مراکز ہیں

بات ادھوری رہے گی اگر طبی مشن کا مختصر ذکر نہ کیا جائے۔ عام طور پر سادہ لوحی یا لاعلمی سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ گوروں کے ہسپتال اور ڈسپنسریاں صرف ''خدمت انسانیت'' کے جذبہ پر قائم ہوتی ہیں اور وہاں کام کرنے والا ہر فرد اس جذبہ سے سرشار ہوتا ہے لیکن حقیقت اس کے بالکل مختلف ہے۔ یہ خدمت خلق کے ادارے نہیں ہوتے بلکہ مریضوں کے ایمان و اقدار کو اُچک لینے والے مراکز ہیں۔

چنانچہ کتاب مذکور کے ص 31 پر تحریر ہے:

''جاہل (لاعلم) اور کٹر مسلمانوں تک پہنچنے کا کوئی بہترین و طاقتور ذریعہ سوائے طبی مشن کے اور کوئی نہیں ہے۔''

ص 54 پر ہے کہ ''عیسائی ہسپتال میں تبلیغ عیسائیت بہتر طور پر براہِ راست ہوسکتی ہے۔ ہسپتال میں داخل شدہ مریض ہمارا مستقل سننے والا ہوتا ہے جس کو ہم ''مناسب ہدایات'' دے سکتے ہیں۔''

''یہ ذمہ داری طبی مشنری پر عائد ہوتی ہے کہ وہ ہمارے ہسپتالوں کے لیے مسلمانوں کی کثیر آبادی کے علاقوں میں سے مریضوں کو ''کھینچے'' اس طرح ہم لوگوں سے بہت قریبی رابطہ قائم کرسکتے ہیں۔

ان دو تین اقتباسات میں سے پتہ چل جاتا ہے کہ طبی مشنز کے قیام کا اصلی مقصد کیا ہے اور جو مسلمان جسمانی طور پر مریض ہو کر ان ہسپتالوں میں جاتے ہیں۔ ان کی ایک تعداد یقیناً روحانی مریض

بن کر نکلتی ہے۔ یہ ہم اپنی طرف سے نہیں لکھ رہے ہیں بلکہ اسی کتاب میں ایسے کئی واقعات بیان کیے گئے ہیں جن میں سے ایک دو یہ ہیں کہ "ایک لڑکی کو اس پاؤں کی بیماری کے علاج کے دوران مسیح کی صحت دلانے کی طاقت کے واقعات سنائے گئے تھے۔ وہ اس کے ذہن میں بیٹھ گئے۔ جب صحت یاب ہو کر گئی تو ایک عیسائی سکول میں داخلہ لیا۔ اسی دوران وہ بڑی ہو گئی اور یسوع مسیح کی سچی فدائی بن گئی۔ اسی طرح ایک دوسرا واقعہ ایک پختہ ذہن کے فرد کا ہے جو بالآخر بپتسمہ یافتہ ہو گیا۔ (ص 103,102)

آگے چل کر مسلمانوں میں طبی مشنریوں کو بھیجنے پر بہت زور دیا گیا۔ کہا گیا کہ ان بہترین مواقع کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ پھر ص 105 پر اس بات پر زور دیا گیا کہ:

"طبی مشنری کو ایک لمحہ کے لیے بھی یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ وہ پہلے ایک عیسائی مبلغ ہے' بعد میں ڈاکٹر۔ اس کا فرض ہے کہ وہ "سچائی" کو پیش کرے۔"

ایک پادری نے جو امریکن بپٹسٹ مشنری سوسائٹی سے تعلق رکھتا تھا میڈیکل مشنریوں کی افادیت پر تفصیل سے بحث کرتے ہوئے کہا کہ:

"ہماری ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ طبی کام کو تبلیغی ایجنسی کی حیثیت سے استعمال کیا جائے۔ ہسپتالوں میں باقاعدہ "سروسز" کی جائیں۔ عیسائی لٹریچر کی تعلیم ہو۔ مریض پر ذاتی محنت ہو اور اچھے ہونے پر ان کے گھروں تک جایا جائے۔ طبی کام کے ذریعہ ہی بلاشبہ لوگوں کے دلوں کو جیتا جا سکتا ہے۔ ہر طبی مشنری کا قطعی مقصد (حضرت) مسیح کی عظمت کا اظہار اور اس کی بادشاہت کی ترقی ہونا چاہیے یہ کام بہت سے بند دروازوں کو کھولتا ہے حتیٰ کہ عورتوں تک رسائی ہو سکتی ہے وغیرہ وغیرہ۔" (ص 109)

ان چند اقتباسات کو نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ خدمت انسانیت کے بارے میں پیدا شدہ غلط فہمی دور ہو اور حقیقی مقصد کا علم ہو۔

یہ حقیقت ہے کہ دوسرے لوگوں کی طرح پاکستان کے سادہ لوح افراد بھی عیسائی مشنریوں کی کارگزاریوں کو روز بروز وسیع ہوتے دیکھ کر بھی بھولپن سے یہ خیال کرتے ہیں کہ مشنری خدمت انسانیت کے جذبہ سے سرشار اور صرف انسانیت کے حوالہ سے یہ ہر میدان میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان کے ارادے بڑے نیک اور مبارک ہیں۔ یہ اتنے وسیع القلب اور اعلیٰ ظرف ہیں کہ چوہڑوں و چماروں سے لے کر اعلیٰ ذات کے لوگوں کی خدمت یکساں طور پر کرتے ہیں' نہ ان میں تنگ نظری ہوتی ہے اور نہ تعصب۔ ہر کوئی بظاہر ان کے دامن شفقت میں پناہ لے سکتا ہے۔ نہ یہ ملک کی بات کرتے ہیں اور نہ مذہب' نہ افریقی کو برا سمجھتے ہیں اور نہ ایشیائی کو' یہ بیماروں کی خدمت لپک کر کرتے ہیں۔ ضرورت مندوں کے پاس دوڑ کر پہنچتے ہیں۔ قصہ مختصر یہ انسانیت اور صرف انسانیت کے دکھوں کو ختم کرتے ہیں۔ جاہلیت

کو دور کرتے ہیں۔ وغیرہ۔

ان فریب خوردہ تصورات کو مندرجہ بالا صرف دو کتابوں کے چند اقتباسات کی روشنی میں پرکھنے سے جو حقائق منکشف ہوتے ہیں وہ ان تصورات سے قطعی مختلف اور متضاد ہیں جو عیسائی حضرات انسانی خدمت کے باربار اظہار سے کرتے ہیں۔ پچھلے اوراق پر عیسائی فرقوں اور مشنری کارگزاریوں کا جو مختصر سا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کو ان ہدایات کے پس منظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے اور سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے کہ مستقبل قریب و بعید میں اس کے کیا اثرات و نتائج نکلیں گے۔

امجد حیات ملک

مسلمانوں کو صلیب پر جلانے کی تقریب

''سولی پر گرے ہوئے غیر عیسائیوں کے خون اور پسینے کے قطرے بنجر کھیت میں خدا کی بہترین شبنم کی مانند ہیں۔'' انیسویں صدی کے برطانیہ کے مشہور ملک الشعراء ٹینی سن (Tennyson) کے الفاظ (جن کا یہ ترجمہ ہیں) جس سوچ اور عقیدے کی عکاسی کرتے ہیں، وہ عیسائی مذہب کا حقیقی جزوِ لاینفک ہیں۔ یوں تو روحانی عدالتوں (Inquisition) کی تاریخ کافی وسیع اور طویل ہے لیکن جو شہرت کلیسا کے روحانی محتسب اعظم طور قماطہ (Torquemata the great inquisitor) کو حاصل ہے وہ اور کسی کو نہیں۔ طور قماطہ 1420ء میں قشتلیہ کے قصبہ ولادولد (Valladolid) میں پیدا ہوا۔ 1452ء میں وہ عیسائی راہبوں کے ڈومنکن (Dominican) حلقے میں شامل ہوا اور ملکہ ازابیلہ اور شاہ فرڈیننڈ کا مذہبی مشیر بن گیا۔ 1483ء میں پوپ نے اسے ازابیلہ اور فرڈیننڈ کے مشورہ سے کلیسا کی روحانی عدالت کا محتسب اعظم (Great Inquisitor) مقرر کیا۔ اس کے بعد اس نے سپین کے شہر شہر اور قریہ قریہ کلیسا کی روحانی عدالت (Inquisition) کے گماشتے مقرر کیے اور ان کی رہنمائی کے لیے کلیسا کی اٹھائیس شقیں (Twenty-eight Articles of Inquisition) ترتیب دیں۔ جس کسی نے طور قماطہ کی یہ اٹھائیس شقیں نہیں پڑھیں وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ عیسائی عقائد اور صلیبیوں کی جبلت سے واقف ہے۔

یوں تو کلیسا کی روحانی عدالت نے تعذیب و تعزیر کے ایسے ایسے مہیب طریقے نکالے کہ انہیں پڑھ کر کسی شقی القلب آدمی کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ چونکہ ان سب کا اس مختصر مضمون میں احاطہ نہیں ہو سکتا اس لیے چند ایک کا سرسری جائزہ پیش کرتے ہیں۔

کلیسا کی روحانی عدالت کے ایذا رسانی کے طریقے

1- شکنجہ (Rack): اس سے چونکہ لوگ واقف ہیں اس لیے اس کی تفصیل دینے کی ضرورت نہیں۔

2- مرفاع (Garrucha: Hoist): یہ سب سے سادہ تھا اور یہ عقوبت خانے کی چھت سے لگی ہوئی ایک چرخی میں سے گزارے ہوئے رسے پر مشتمل تھا۔ توحید پرست کی دونوں کلائیاں اس کی پیٹھ پیچھے اس رسے کے ایک سرے سے جکڑ دی جاتی تھیں۔ اس کے بعد اذیت دینے والے رسے کے دوسرے سرے کو کھینچنا شروع کر دیتے جس سے "مجرم" کے بازو اس کے پیچھے بتدریج اوپر کو اٹھنا شروع ہو جاتے تھے حتیٰ کہ وہ زمین سے اٹھ جاتا اور اس کا پورا وزن اس کے پشت پر کھنچے ہوئے بازوؤں پر پڑ جاتا۔ اس موقع پر اس سے سوال کیے جاتے اور اقرار جرم کے لیے کہا جاتا۔ اگر وہ اعتراف نہ کرتا تو اسے اسی طرح اوپر چھت تک کھینچ لیا جاتا۔ اور پھر چند فٹ ڈھیلا چھوڑ کر جھٹک دیا جاتا۔ جس سے اس کے بازو کندھوں کے جوڑ سے تقریباً نکل جاتے۔ اعتراف نہ ہونے کی صورت میں اسے اسی طرح مزید جھٹکے دے کر بتدریج نیچے لایا جاتا حتیٰ کہ وہ زمین تک آ جاتا۔ اگر ابھی تک اعتراف جرم نہ ہوتا تو اذیت کی سختی کو بڑھانے کے لیے مریض کے پاؤں کے ساتھ وزن باندھ کر یہی عمل دہرایا جاتا اور اسے چھت سے لٹکتا چھوڑ دیا جاتا حتیٰ کہ مخلوع بازوؤں کی وجہ سے وہ اپنی برداشت کی آخری حد کو پہنچ جاتا۔ اس صورت میں ملزم کی بحالی صحت کے لیے چند دن کی مہلت دے کر پھر یہی عمل دہرایا جاتا۔ اس تمام کارروائی کے دوران کلیسا کا نوٹری تمام تفاصیل مثلاً ملزم کو کتنے جھٹکے دیے گئے' اس کے پاؤں سے کتنے وزن باندھے گئے' سوالات اور ان کے جواب وغیرہ تحریر کرتا۔

3- تعذیب آب (Escalera) : یہ نسبتاً پیچیدہ' زیادہ ظالمانہ اور کلیسا (Holy Office) کا مرغوب طریقہ تھا۔

یہ ایک زینہ نما چیز تھی جسے اس طرح ترچھا رکھا جاتا کہ جب ملزم کو اس پر لٹایا جائے تو اس کا سر پاؤں کی نسبت قدرے نیچے ہو۔ مسلمان کا سر دھات یا چمڑے کی پٹی سے زینے کے ساتھ جکڑ دیا جاتا۔ اور اس کی ٹانگوں اور بازوؤں کو چمڑے کی ڈوری سے زینے کے دونوں طرف اس طرح جکڑا جاتا کہ اس کی ذرا سی جنبش سے بھی یہ ڈوری اس کے جسم کے گوشت میں دھنس جائے۔ یعنی ان پر ڈوری باندھ کر ان میں سے چھڑیاں گزاری جاتیں اس طرح کہ چھڑی کو مروڑنے سے شریان بند (Torniquet) بن جائے۔ ان چھڑیوں کو مروڑنے سے پہلے تو سخت تکلیف ہوتی اور اگر مزید گھمایا جاتا تو رسیاں اعصاب اور نسوں کو چیرتی ہوئی گوشت کے اندر دھنس کر ہڈی تک اتر جاتیں۔

توحید پرست کے منہ میں لوہے کا ایک چمٹا (Bosteso) ٹھونس کر اسے کھلا رکھا جاتا۔ اس کے نتھنے کسی چیز سے بند کر دیے جاتے اور لنن کے کپڑے کی ایک لمبی پٹی اس کے جبڑوں کے آر پار ڈال دی جاتی۔ جب اس پٹی پر پانی ڈالا جاتا تو یہ پٹی اس کے حلق کے کافی اندر تک اتر جاتی۔ اس پٹی (Toca) پر آہستہ آہستہ پانی ڈالا جاتا۔ جب پانی کپڑے سے رستا تو اس سے ملزم کا دم گھٹنے سے اسے بہت اذیت پہنچتی۔ وہ لگاتار پانی نگلنے کی کوشش کرتا' اس کوشش میں کہ اس سے اس کے سانس لینے کی راہ کھل جائے کیونکہ اسے اپنے پھیپھڑے پھٹتے ہوئے محسوس ہوتے۔ اس کوشش میں تھوڑا سا پانی تو اس

کے حلق میں اتر جاتا لیکن صرف اتنا کہ اسے باہوش اور زندہ رکھ سکے لیکن اتنا نہیں کہ اس کی دم گھٹنے کی بھیانک اذیت میں کوئی کمی آئے' کیونکہ کپڑے پر پانی لگاتار ڈالا جاتا۔

وقتاً فوقتاً پٹی کو باہر نکالا جاتا اور مسلمان مرد یا عورت (چونکہ کلیسا عورتوں کو ان چیزوں سے مبرا نہیں سمجھتا تھا) کو اعتراف کرنے کی دعوت دی جاتی۔ اس کی ڈھٹائی کا مقابلہ کرنے اور اسے ہوش میں رکھنے کے لیے شریان بند (Garrotes) کو اذیت ناک چکر بھی دیئے جاتے۔

چونکہ روحانی عدالت کلیسا چھوٹی سے چھوٹی بات کا بھی پورا خیال رکھتی تھی' اس لیے ہر قسم کی ایذا رسانی اور خصوصاً عقوبت آب کے دوران قے کے امکان کو دور کرنے کے لیے مسلمان کو اس سے آٹھ گھنٹے پیشتر کوئی چیز کھانے کو نہ دی جاتی۔

یہاں یہ چیز مدنظر رکھنی چاہیے کہ یہ صرف تفتیش کا مرحلہ تھا۔ اور ''مجرم'' کی سزا کا مرحلہ اس کے اعتراف کے بعد شروع ہوتا۔

کلیسا کی روحانی عدالت (Inquisition) کی طرف سے سزا کے نتیجے میں ملزم اور اس کے اہلِ خانہ نہ صرف حکومت کی نوکری کے نااہل ہو جاتے بلکہ ان کی جائیداد بھی ضبط ہو جاتی۔

روحانی عدالت کلیسا کی طرف سے سب سے کڑی اور حتمی سزا سولی پر جلائے جانے کی تھی۔ اس سلسلے میں یہ کہا جاتا تھا کہ ''یہ تو ہو سکتا ہے کہ آدمی بغیر جلائے جانے کے عدالت کلیسا سے نکل آئے لیکن وہ بغیر جھلسے کبھی باہر نہیں آسکتا۔''

اصطباغ یافتہ مسلمانوں کو سولی پر جلانے کی تقریب یعنی ''عملِ ایمانی''

چونکہ بنیاد پرست لوگ زبردستی گھٹنوں کے بل جھکا کر بپتسمہ دینے کے باوجود عیسائیوں کا صلیبی رجز وخبث اپنانے کے بجائے غسل وطہارت اور شراب اور خنزیر کے گوشت سے پرہیز جیسے اسلامی شعائر سے باز نہیں آتے تھے اور چھپ چھپ کر نماز اور قرآن بھی پڑھ لیتے تھے۔ اس لیے اردگرد سے کوئی دیکھنے والا یا ہمسایہ عیسائی ان کے مخبری چپکے سے کر دیتا تو یہ کلیسا کی روحانی عدالت (Inquisition) کے شکنجے میں آجاتے تھے اور پھر اکثر انہیں سولی پر لٹکا کر جلانے کی سزا ملتی۔ کیرینا (Carina) جو کلیسا کی روحانی عدالت (Inquisition) کا ہی ایک گماشتہ تھا اس بارے میں یہ منطق پیش کرتا ہے کہ ''چونکہ آگ میں جلنے کی موت سب سے ہولناک ہے' اس لیے یہی طریقہ اپنانا پڑا۔ اگر کوئی اور سزا اس سے بھی زیادہ ہولناک اور اذیت ناک ہوتی تو یقیناً وہی تجویز کی جاتی۔'' اس بارے میں ایک بہت قابلِ غور لطیف نقطہ یہ ہے کہ مقدس ادارۂ کلیسا (Holy Office) نے خود کبھی بھی کسی کو موت کی سزا نہیں دی۔ مادر کلیسا (Mother Church) تو اپنی بے پناہ محبت اور رحم کی وجہ سے کسی انتہائی منحرف شخص کی بھی جان نہیں لے سکتی تھی۔ چنانچہ جب کوئی اصطباغ یافتہ مسلمان کلیسا کے ان تعذیبی ہتھکنڈوں سے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے' بے بس ہو کر کسی اسلامی کام مثلاً شراب اور خنزیر کے گوشت سے

پرہیز یا غسل طہارت وغیرہ کا اعتراف کرلیتا یا اس کے اعتراف نہ کرنے کے باوجود مادر کلیسا (Mother Church) کو اس کا یقین ہوتا کہ وہ ان جرائم کا مرتکب ہوا ہے تو مادر کلیسا اس شخص کو ''اپنے دنیاوی بازو (یعنی حکومت وقت) کے لیے ڈھیلا چھوڑ دینے۔'' (Relaxation to the Secular Arm) کا فیصلہ کرتی۔ نہ صرف یہ بلکہ دنیاوی بازو کے لیے ڈھیلا چھوڑ دینے کا فیصلہ دیتے وقت مادر کلیسا دنیاوی بازو (حکومت وقت) سے یہ درخواست بھی کرتی کہ ''مجرم'' سے ''حلیمانہ سلوک'' کیا جائے۔ اب یہ ایک الگ بات ہے کہ ہر ایک کو یہ پتہ ہوتا تھا کہ اس ''حلیمانہ سلوک'' کے فارمولا سے کیا مراد ہے۔ جہاں ایسے اشخاص کے لیے جو اپنی پرانی ''لغزشوں'' سے توبہ کرکے صدق دل سے عیسائی ہو جاتے' جائیداد کی ضبطی اور عمر قید کی سزا ہوتی تھی' وہاں توبہ نہ کرنے والے کے لیے اس سے کمتر سزا اتنی ہی مورکھ بات ہوتی جتنی کہ غیر منصفانہ۔ چنانچہ دنیاوی بازو (حکومت وقت) کے لیے ڈھیلا چھوڑ دینے (Relaxation to the Secular Arm) کا مطلب ہی ''سولی پر جلایا جانا'' ہوتا۔ اور روحانی عدالت کلیسا یہ حکم سناتے وقت اس سے بخوبی آگاہ ہوتی۔ اور اس بارے میں کسی رعایت کی گنجائش نہ تھی۔ حکومت کے اربابِ اختیار جس فیصلے کے لیے ''ڈھیلا چھوڑ دینا'' ایک تلمیح کے طور پر استعمال ہوتا' اسے قبول کرکے اس کی تعمیل کا بندوبست کرتے۔ نہ صرف یہ بلکہ سولی پر جلانے (Burning at the Stake) کے وقت مادر کلیسا کا ایک نمائندہ باقاعدہ اس بات کی تصدیق کے لیے موجود ہوتا کہ جس سزا کی تجویز اوپر دیے گئے ''حلیمانہ سلوک'' کے فارمولا الفاظ سے مراد تھی وہ واقعی دی جاچکی ہے۔ چنانچہ جب کلیسا کی روحانی عدالت (Inquisition) ''مجرم'' کو دنیاوی بازو کے لیے ڈھیلا چھوڑتے وقت یہ استدعا کرتی کہ ہر طوق کے ساتھ ''حلیمانہ سلوک'' کیا جائے تو تمام متعلقہ لوگوں کو پتہ ہوتا تھا کہ ''حلیمانہ سلوک'' ایک لایعنی فارمولا ہے اور اگر اس کو سنجیدگی سے لیا گیا تو اس فارمولے کو استعمال کرنے والے صالحانہ طور پر غضب ناک ہوں گے کیونکہ روحانی محتسب کلیسا کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ توبہ نہ کرنے والے بنیاد پرست کو زندہ چھوڑ دینے سے بڑا شرمناک واقعہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ اس کی بنیاد انجیل میں مذکور حضرت عیسیٰؑ سے منسوب یہ الفاظ ہیں ''اگر کوئی شخص میرے اوپر ایمان نہیں لاتا تو وہ ایک ٹہنی کی مانند پھینکا جاتا ہے جو کہ مرجھا گئی ہے۔ لوگ اسے اکٹھا کرلیتے ہیں' آگ میں پھینک دیتے ہیں اور وہ جل جاتی ہے۔''

ڈھیلا چھوڑنے کا فیصلہ پانچ قسم کے مجرموں کے لیے مخصوص تھا۔ پہلی قسم ان سرکش بنیاد پرستوں کی تھی جو اپنے غیر عیسائی اعتقادات کا اعتراف کرتے تھے اور آخر تک ان سے تائب نہ ہوتے۔ دوسری قسم ان کی تھی جو کہ مستقل اس بات سے انکار کرتے تھے کہ ان کے کوئی غلط (غیر عیسائی) عقائد ہیں جبکہ عدالت کلیسا کو خفیہ مخبری کی بناء پر یا کسی اور وجہ سے اس بات کا یقین ہوتا تھا کہ ایسا ہے۔ تیسری قسم ان ''مجرموں'' کی تھی جن کا اقبالِ جرم ناکافی ہوتا یعنی وہ اس بات کا اعتراف تو کرتے کہ ان پر جن افعال کا الزام ہے وہ سرزد ہوتے ہیں لیکن یہ نہ مانتے کہ یہ غیر عیسائی افعال کفر کے برابر ہیں۔ ''دنیوی

بازو (حکومت) کے لیے ڈھیلا چھوڑے" جانے والے مجرموں میں سے اکثر "عود ارتداد" کے مرتکب ہوتے تھے یعنی چوتھی قسم کے وہ جنھوں نے ایک دفعہ توبہ کرنے کے بعد دوبارہ کسی اسلامی شعائر مثلاً خنزیر کے گوشت یا شراب سے پرہیز یا غسل وطہارت، نماز، روزہ وغیرہ کا ارتکاب کیا ہوتا۔ اس چوتھی قسم میں وہ لوگ بھی شامل تھے جنھوں نے حلفیہ توبہ کرنے کے بعد کفارہ کے احکامات کی پوری تعمیل نہ کی ہوتی۔

پانچویں اور آخری قسم کے لوگ وہ تھے جو ازمنہ وسطیٰ میں تو بری کر دیئے جاتے لیکن اندلس کی عدالت کلیسا انہیں ہمیشہ "دنیوی بازو کے لیے ڈھیلا چھوڑتی" تھی۔ ازمنہ وسطیٰ میں باقی یورپ میں جو کوئی حلفیہ طور پر غیر عیسائی عقائد سے پوری طرح تائب ہو جاتا وہ موت کی سزا سے بچ جاتا (عمر قید وغیرہ کی دوسری کوئی سزا چاہے ہو)۔ سپین کے سیمانقاز (Simancas) کا یہ نظریہ تھا کہ جو کوئی غیر عیسائی عقائد پھیلاتا ہے وہ بعد میں چاہے کتنی ہی توبہ کیوں نہ کرے وہ ایک ناقابل معافی گناہ کا مرتکب ہوا ہے۔ چونکہ پوپ پال چہارم کا بھی یہی نقطہ نظر تھا اس لیے اس نے اندلس کے محتسب اعلیٰ کلیسا کو اس کے مطابق ہدایات دیں۔ ویسے بھی سپین کی روحانی عدالت کلیسا آخری مرحلے پر کی گئی توبہ کو قبول کرنے کی روادار نہ تھی۔ کیونکہ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ غیر عیسائی عقائد سے کی گئی حلفیہ دست برداری کا محرک موت کا خوف ہے نہ کہ انفعال و تاسف۔ اس لیے اندلس کے کلیسا کے ضابطوں میں ایسے "مجرموں" کے ساتھ مادر کلیسا کی مصالحت نہ ہو سکتی تھی۔ البتہ مقدس مادر کلیسا نے ایسے لوگوں کے لیے اتنی رعایت کا بندوبست ضرور کیا ہوا تھا کہ مچان کے نیچے ایک کمرہ بنا ہوتا جہاں عمائدین کلیسا اسے عیسائی مذہب کی ترغیب و تلقین کرتے رہتے۔ جو کوئی آخری بار فیصلہ سنائے جانے سے قبل توبہ کر لیتا اسے "دنیاوی بازو کے لیے ڈھیلا چھوڑنے" کی سزا میں تخفیف کر کے ابدی قید بمع ضبطی جائیداد، جرمانہ وغیرہ قسم کی سزاؤں میں بدل دیا جاتا۔ اور اگر کوئی بنیاد پرست فیصلہ پڑھے جانے کے بعد بھی توبہ کر لیتا تو اس قسم کا بنیاد پرست "مجرم" بھی مقدس مادر کلیسا کے رحم بیکراں سے محروم نہ رہتا۔ ایسی صورت میں اسے جلائے جانے کے لیے سولی پر باندھنے سے قبل اس کا گلا گھونٹ دیا جاتا۔

❁......❁......❁


بشارات
مُحمدیه ﷺ
کُتب سماویه
میں

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ

حضور ﷺ کا ذکرِ خیر تورات و انجیل میں

عطاء بن یسار سے مروی ہے آپ کہتے ہیں میری ملاقات حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ میں نے کہا حضور کی جن صفات کا ذکر خیر تورات میں آیا ہے ان سے مجھے آگاہ فرمایئے۔ آپ نے کہا بے شک تورات میں حضور کی وہی صفات بیان کی گئی ہیں جو قرآن میں بیان ہیں۔ پھر آپ نے تورات کی مندرجہ ذیل آیت تلاوت کی۔

يَاَيُّهَا النَّبِىُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا وَّحِرْزًا لِّلْاُمِّيِّيْنَ اَنْتَ عَبْدِىْ وَرَسُوْلِىْ سَمَّيْتُكَ الْمُتَوَكِّلَ لَسْتَ بِفَظٍّ وَّلَا غَلِيْظٍ وَّلَا صَخَّابٍ فِى الْاَسْوَاقِ وَلَا تَجْزِىْ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَلٰكِنْ تَعْفُوْ وَتَغْفِرُ وَلَنْ يَّقْبِضَهُ اللّٰهُ حَتّٰى يُقِيْمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَاءَ بِاَنْ يَّقُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَيَفْتَحَ بِهٖ اَعْيُنًا عُمْيًا وَّاٰذَانًا صُمًّا وَّقُلُوْبًا غُلْفًا. (انفرد باخراجہ البخاری)

تورات کی آیت کا ترجمہ:-

"اے نبی! ہم نے بھیجا ہے آپ کو گواہ بنا کر، خوشخبری دینے والا۔ بر وقت ڈرانے والا امیوں کے لیے جائے پناہ تو میرا بندہ ہے اور میرا رسول ہے میں نے تیرا نام المتوکل رکھا ہے نہ تو درشت خو ہے نہ سخت دل اور نہ بازاروں میں شور مچانے والا ہے۔ تو برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتا بلکہ معاف کر دیتا ہے اور بخش دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی طرف نہیں بلائے گا یہاں تک ایک ٹیڑھی ملت کو آپ کے ذریعہ درست کر دے اور وہ سب کہنے لگیں لا الہ الا اللہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ سے اندھی آنکھوں کو بینا۔ بہرے کانوں کو شنوا۔ غلافوں میں لپٹے ہوئے دلوں کو نورِ ہدایت سے منور کر دے گا۔" (1)

اس مفہوم کی بہت سی روایات ہیں جو علامہ ابن جوزی نے اس مقام پر تحریر کی ہیں۔ یہاں اس ایک روایت کے لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

بہت سی ایسی روایات بھی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اہلِ کتاب حضور نبی کریم ﷺ کو پہچانتے تھے لیکن محض حسد اور عناد کی وجہ سے ایمان لانے کے لیے تیار نہ ہوتے تھے۔

علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:

حضرت صفیہ (جن کو بعد میں ام المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہوا) یہ حیی بن اخطب، رئیس یہود کی بیٹی تھیں۔ ان کے چچا کا نام ابو یاسر بن اخطب تھا۔ آپ کہتی ہیں کہ میرے والد اور میرے چچا تمام بچوں سے زیادہ میرے ساتھ محبت کرتے تھے۔ جب بھی میں ان سے ملاقات کرتی تو مجھے اٹھا کر سینے سے لگا لیتے۔ جب اللہ کے پیارے رسول قبا میں تشریف لائے اور بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں قیام فرمایا تو میرا والد اور میرا چچا صبح اندھیرے منہ حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے گئے اور سورج غروب ہونے کے بعد واپس لوٹے۔ جب وہ واپس آئے میں نے محسوس کیا کہ وہ تھکے ہوئے ہیں۔ افسر وہ خاطر ہیں اور بڑی مشکل سے ہولے ہولے چل رہے ہیں۔ میں نے حسب معمول ان کو محبت بھرے کلمات سے مرحبا کہا لیکن ان دونوں میں سے کسی نے میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ میں نے اپنے چچا ابو یاسر کو اپنے باپ سے یہ کہتے ہوئے سنا کیا یہ وہی ہیں؟ اُس نے کہا بے شک خدا کی قسم! پھر چچا نے پوچھا کیا تم نے ان کو تورات میں بیان کردہ نشانیوں اور صفات سے پہچان لیا ہے؟ اس نے جواب دیا بے شک خدا کی قسم۔ پھر چچا نے پوچھا بتاؤ اب کیا خیال ہے۔ میرے باپ نے جواب دیا۔ "عداوته واللّٰه مابقيت" خدا کی قسم جب تک زندہ رہوں گا ان سے عداوت کرتا رہوں گا۔ (2)

بنو قریظہ یہودی قبیلہ تھا جو یثرب میں دوسرے یہودی قبائل کے ساتھ رہائش پذیر تھا۔ عاصم بن عمر بن قتادہ بیان کرتے ہیں کہ بنی قریظہ قبیلہ کے ایک رئیس نے مجھ سے پوچھا، تمہیں معلوم ہے کہ شعبہ کے دونوں بیٹے اسد اور ثعلبہ، اور عبید کا بیٹا اسد کیونکر مسلمان ہوئے۔ میں نے کہا نہیں! اس نے کہا کہ شام سے ایک یہودی ہمارے پاس آیا۔ اس کا نام "ابن الھیبان" تھا۔ اور ہمارے پاس آکر رہائش پذیر ہو گیا۔ بخدا ہم نے اس سے بہتر کوئی اور نماز پڑھنے والا نہیں دیکھا۔ وہ حضور ﷺ کی بعثت سے دو سال قبل یہاں آیا تھا۔ جب کبھی ہم قحط سالی کا شکار ہوتے تو ہم اس سے دعا کی درخواست کرتے۔ وہ ہمیں صدقہ دینے کے لیے کہتا پھر وہ کھلے میدان میں جا کر دعا مانگتا۔ جب وہ دعا مانگ رہا ہوتا تو بادل گھر کر آجاتے اور بارش برسنے لگتی۔ یہ ہمارا بارہا کا تجربہ تھا۔ وہ جب مرنے لگا تو ہم سب اس کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے۔ اس نے کہا اے گروہ یہود تم جانتے ہو کہ سرزمین شام جو ہر طرح کی آسائشوں اور فراوانیوں کی سرزمین ہے۔ اسے چھوڑ کر میں تمہارے اس شہر میں کیوں آیا جہاں افلاس اور بھوک کے بغیر کچھ نہیں۔ ہم نے جواب دیا اس کی وجہ تو ہی بہتر جانتا ہے اس نے کہا کہ میں اس لیے اپنا وطن چھوڑ کر یہاں غریب الوطنی کی زندگی بسر کرتا رہا اور اب اسی حالت میں مر رہا ہوں۔ کیونکہ مجھے ایک نبی کے ظہور کی توقع تھی اور اس کے ظہور کا زمانہ بالکل قریب آ گیا ہے۔ اور یہ شہر اس کی ہجرت گاہ ہے۔ اے گروہ یہود! جب وہ تشریف لائے تو اس کی پیروی اختیار کرنا اور خیال رکھنا کوئی اور تم سے اس معاملہ میں بازی

نہ لے جائے۔ پھر وہ مر گیا پس۔ جب وہ رات آئی بنو قریظہ کی گڑھیاں فتح ہوئیں وہ تینوں جوان آئے وہ بالکل نوعمر تھے انہوں نے کہا اے گروہ یہود! یہ نبی وہی ہے جس کا ذکر تمہارے سامنے ابن الہیبان نے کیا تھا۔ یہودیوں نے کہا یہ وہ نہیں ہے۔ ان نوجوانوں نے کہا بخدا! یہ وہی ہے اور اس میں وہ تمام صفات پائی جاتی ہیں جن کا ذکر اس نے کیا تھا۔ وہ اترے اور حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے۔ اپنے بال بچے اور مال دولت کی انہوں نے ذرا پروا نہ کی جو یہودیوں کے قبضہ میں تھا۔(3)

الغرض اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن سے کتب تاریخ بھری پڑی ہیں جو اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ یہودیوں میں سے جو اہل علم تھے وہ ان علامات کی وجہ سے حضور کو پہچانتے تھے جو تورات میں مذکور تھیں۔ لیکن حسد کی بنا پر وہ ایمان لانے سے محروم رہے۔

ابن ابی نملہ سے منقول ہے کہ یہود بنی قریظہ اپنی کتابوں میں نبی کریم ﷺ کا ذکر پڑھا کرتے۔ اور اپنی اولاد کو بھی حضور کی صفات اور اسم مبارک سے آگاہ کرتے اور یہ بھی بتاتے کہ مدینہ حضور کی ہجرت گاہ ہے لیکن جب حضور ﷺ مبعوث ہوئے تو مارے حسد وعناد کے حضور پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔(4)

مالک بن سنان کہتے ہیں کہ میں ایک روز (ایک یہودی قبیلہ) بنی عبدالاشہل کے ہاں آیا کہ گفتگو کروں۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب کہ ہمارے درمیان اور بنی عبدالاشہل کے درمیان عارضی جنگ بندی کا معاہدہ ہو چکا تھا۔ میں نے یوشع یہودی کو کہتے سنا کہ ایک نبی کے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اس کا نام نامی احمد ہو گا جو حرم سے نکلے گا۔ خلیفہ بن ثعلبہ الاشہلی نے ازراہ استہزاء کہا کہ اس کا حلیہ تو بتاؤ۔ یوشع نے کہا نہ وہ پست قد ہو گا نہ طویل قامت۔ اس کی آنکھوں میں سرخی ہو گی وہ دستار باندھے گا اونٹ پر سوار ہو گا۔ اس کی تلوار اس کی گردن میں حمائل ہو گی۔ یہ شہر (یثرب) اس کی ہجرت گاہ ہے۔ مالک کہتے ہیں تو میں یہ سن کر اپنی قوم کے پاس گیا۔ مجھے یوشع کی بات سے حیرت ہو رہی تھی۔ ہم میں سے ایک آدمی بولا یہ بات صرف یوشع تو نہیں کہتا بلکہ یثرب کا ہر یہودی کہتا ہے۔ مالک بن سنان کہتے ہیں کہ وہاں سے میں بنی قریظہ کے پاس آیا۔ وہاں ان کے چند آدمی جمع تھے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کا ذکر شروع کر دیا۔

قَالَ الزُّبَيْرُ بْنُ بَاطَا: قَدْ طَلَعَ الْكَوْكَبُ الْأَحْمَرُ الَّذِي لَمْ يَطْلُعْ إِلَّا لِخُرُوجِ نَبِيٍّ أَوْ ظُهُوْرِهِ وَلَمْ يَبْقَ أَحَدٌ إِلَّا أَحْمَدُ وَهٰذَا مُهَاجَرُهُ

”زبیر بن باطا نے کہا کہ وہ سرخ ستارہ طلوع ہو گیا ہے۔ یہ ستارہ صرف اس وقت طلوع ہوتا ہے جب کسی نبی کا ظہور ہو اور اب سوائے احمد کے اور کوئی نبی باقی نہیں رہا اور یہ شہر اس کی ہجرت گاہ ہے۔“

عیسائیوں میں بھی ان کے علماء حضور کی آمد کے بارے میں پوری طرح باخبر تھے اور حضور کی

علامات اور صفات ان کے ذہن میں نقش تھیں۔ چنانچہ اہل نجران کا جو وفد مدینہ طیبہ حاضر ہوا ان میں ابی حارثہ بن علقمہ ان کا سب سے بڑا عالم' امام اور مدرس تھا۔ اس کے علم و فضل کی وجہ سے روم کے عیسائی بادشاہ اس کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ اور اس پر وقتاً فوقتاً انعامات کی بارش کرتے رہتے تھے جس سے اس کی مالی حالت بڑی مستحکم ہو گئی تھی۔ ایک روز وہ اپنے خچر پر سوار ہو کر بارگاہِ رسالت میں حاضری دینے کے لیے جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کا بھائی کرز بن علقمہ بھی جا رہا تھا۔ اچانک ابی حارثہ کا خچر پھسلا تو کرز نے کہا تَعِسَ الْاَبْعَدُ جو بہت دور ہے وہ ہلاک ہو۔ اس کا اشارہ حضور کی ذات پاک کی طرف تھا۔ ابی حارثہ غصہ سے بے قابو ہو گیا؟ کہنے لگا بَلْ اَنْتَ تَعِسْتَ وہ نہیں بلکہ تم ہلاک ہو۔ کرز نے پوچھا میرے بھائی یہ تم نے کیا کہا؟ ابو حارثہ نے کہا بخدا یہ وہی نبی ہے جس کا ہم انتظار کر رہے تھے۔ کرز نے کہا اگر حقیقت یہ ہے کہ تو پھر تم حضور پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ اس نے کہا ہماری قوم ہماری بڑی عزت افزائی کرتی ہے۔ انہوں نے مالی طور پر ہمیں خوشحال بنا دیا ہے۔ وہ ان پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں۔ اگر ان پر میں ایمان لے آؤں گا تو مجھے اس اعلیٰ منصب سے بھی محروم کر دیا جائے گا۔ اور مالی نوازشات کا سلسلہ بھی بند ہو جائے گا۔ بایں ہمہ اس کا بھائی کرز اس کو مجبور کرتا رہا۔ جب وہ مایوس ہو گیا تو کرز نے حضور ﷺ کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کر لی۔ (5)

اسی طرح نجاشی کو جب حضور ﷺ کا گرامی نامہ ملا تو اس نے بلا تامل حضور کی دعوت کو منظور کر لیا۔ اور اس بات پر بڑی حسرت کا اظہار کیا کہ حکومت کی مجبوریاں اس کے لیے زنجیر پا ہیں۔ ورنہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوتا اور کفش برداری کی خدمت بجا لاتا۔

عہد قدیم کے کئی ملوک و سلاطین ایسے گزرے ہیں جنہوں نے حضور کی تشریف آوری سے پہلے حضور کی نبوت پر ایمان لے آنے کا اعلان کیا۔ ان میں سے خاندان تبع کے ایک بادشاہ کا تذکرہ آپ پہلے حصہ میں پڑھ چکے ہیں۔

آگے بڑھنے سے پہلے اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ سابقہ آسمانی کتابوں میں حضور کے محامد و کمالات کا ذکر خیر ہے یا نہیں۔ اس وقت عیسائیوں کے پاس چار انجیلیں ہیں جن کو مستند قرار دیا گیا ہے۔ انجیل متی۔ انجیل مرقس۔ انجیل لوقا۔ انجیل یوحنا۔ ان میں سے کوئی انجیل بھی 70ء سے پہلے مدوّن نہیں ہوئی انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے یہ الفاظ غور طلب ہیں:

> It's exact date and exact place of origin are uncertain, but it appears to date from the later years of the 1st century.
>
> "اس کی متعین تاریخ اور اس کے معرض وجود میں آنے کا صحیح مقام غیر یقینی ہے۔ لیکن ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا تعلق پہلی صدی کے آخری سالوں سے ہے۔" (6)

اس کے چند سطر بعد اسی کالم میں رقمطراز ہیں:

We have no certain knowledge as to how or where the fourfold gospel canon came to be formed.

"ہمارے پاس کوئی یقینی علم نہیں ہے کہ یہ چار مستند انجیلیں کیسے اور کہاں معرض وجود میں آئیں۔"

جن لوگوں نے انہیں مرتب کیا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحابہ میں سے نہ تھے بلکہ اس وقت انہوں نے نصرانیت کو قبول ہی نہیں کیا تھا۔ اور نہ ان مرتب کرنے والوں نے ان لوگوں کا نام بتایا ہے جن کے واسطہ سے ان تک یہ اناجیل پہنچی ہیں۔ آپ خود سوچئے کہ ستر سال تک جو کتاب مرتب نہیں ہوئی اور اس طویل عرصہ کے بعد جن لوگوں نے اسے مرتب کیا انہوں نے یہ بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ کن لوگوں سے انہیں یہ چیز ملی ہے۔ تا کہ ان کے بارے میں جانچ پڑتال کی جاسکے تو ایسے مجموعہ پر کس طرح اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

اس پر طرفہ یہ کہ وہ اصلی نسخے جو سریانی زبان میں لکھے گئے تھے وہ سرے سے غائب ہیں۔ ان کا سراغ تک نہیں ملتا تا کہ ان تراجم کا اصل کے ساتھ موازنہ کیا جاسکے۔ ان سریانی اناجیل کا ترجمہ بعد میں یونانی زبان میں کیا گیا۔ لیکن ان تراجم کا بھی کوئی اصلی نسخہ دستیاب نہیں۔ اناجیل کا جو سب سے قدیم یونانی ترجمہ ملتا ہے وہ چوتھی صدی کا تحریر شدہ ہے۔

جہاں صورت حال یہ ہو وہاں آپ بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اناجیل کیا سے کیا بن گئی ہوں گی۔ اور ان میں کس طرح کے تصرفات راہ پا چکے ہوں گے۔ اس لیے اگر ایسی انجیلوں میں یہ بشارت نہ ملے تو قرآن پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی شان ملاحظہ ہو کہ تحریف و بگاڑ کے سیلاب کے باوجود جو صدیوں موجزن رہا' اب بھی بڑی صریح عبارتیں موجود ہیں جن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کے بارے میں پیشین گوئیاں کی گئی ہیں۔ یہاں بطور نمونہ انجیل کی چند آیتیں پیش کی جاتی ہیں۔

1۔ اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے۔ اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا۔ (انجیل یوحنا باب 14 فقرہ نمبر 16-17)

2۔ اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔ (انجیل یوحنا باب 14۔ فقرہ 31)

3۔ لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا روح جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔ اور تم بھی گواہ ہو کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو۔ (یوحنا باب 15۔ فقرہ 27-26)

یہاں بھی مددگار کے لفظ پر حاشیہ میں یا وکیل یا شفیع مرقوم ہے۔

4۔ لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں گا وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا' اور وہ آ کر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصور وار ٹھہرائے گا۔ (یوحنا باب 16 فقرہ 9-8)

5۔ اس باب کی تیرھویں اور چودھویں آیات ملاحظہ فرمائیں:

مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لیے وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا۔ لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ (کتاب مقدس مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی انار کلی لاہور)

مندرجہ بالا حوالہ جات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کوئی آنے والا ہے جس کی آمد کی خبر حضرت عیسیٰ بار بار اپنے امتیوں کو دے رہے ہیں۔ اس آنے والے کی جن صفات و خصوصیات کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے ان کا مصداق بجز ذات پاک حبیب کبریا ﷺ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ لیکن از راہِ تعصب اگر کوئی اصرار کرے کہ مجھے انجیل میں حضور کا اسم مبارک دکھاؤ تو ہم اس کی یہ خواہش بھی پوری کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن یہ بات اس کے ذہن نشین رہے کہ یہ انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی سریانی زبان میں تھی کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سریانی تھی۔ اس اصلی نسخے کا کہیں کوئی نام و نشان نہیں 70ء میں اس کا یونانی میں ترجمہ ہوا ہے' اور یہ یونانی ترجمہ بھی نایاب ہے۔ انجیل کے جو یونانی ترجمے اس وقت موجود ہیں وہ چوتھی صدی عیسوی کے لکھے ہوئے ہیں۔ ان یونانی تراجم کا پھر ترجمہ لاطینی زبان میں کیا گیا جو سلطنت رومہ کی علمی زبان تھی۔ اس لاطینی ترجمہ سے دنیا بھر کی زبانوں میں انجیل کے ترجمے کیے گئے۔ ترجمہ در ترجمہ کے اس عمل سے اس انجیل میں جو ردو بدل اور تحریف وقوع پذیر ہوئی ہو گی وہ محتاج بیان نہیں۔ اگر ان تراجم میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم گرامی نہ ملے تو قطعاً محل تعجب نہیں۔

لیکن طالبانِ حق کی خوش قسمتی ملاحظہ ہو کہ جب مسلمانوں نے فلسطین وغیرہ ممالک کو فتح کیا تو اس وقت وہاں کے لوگوں کی زبان بدستور سریانی تھی۔ مسلمان علماء اہل کتاب کے علماء سے وقتاً فوقتاً ملاقات کرتے رہتے تھے اور ان ملاقاتوں میں افادہ اور استفادہ کا سلسلہ ان کی مادری زبان میں ہوتا تھا۔ اس طرح اناجیل کے بارے میں علمائے اسلام کو جو معلومات وہاں کے علمائے اہل کتاب سے حاصل ہوئیں وہ اصل سے زیادہ قریب تھیں کیونکہ وہ انہیں سریانی سے بلاواسطہ عربی میں منتقل کرتے تھے۔ ترجمہ در ترجمہ کے جو حجابات عیسائیوں کو درپیش آئے' مسلمان علماء کو ان سے سابقہ نہیں پڑا' اس لیے جب ہم سیرت ابن ہشام کا مطالعہ کرتے ہیں تو حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ یاد رہے کہ علامہ ابن ہشام نے

جن کی وفات 213ھ میں ہوئی محمد بن اسحاق سے جن کی وفات 151ھ میں ہوئی اپنے استاد ابو محمد البکائی العامری کے واسطہ سے نقل کی ہے۔ بکائی کی وفات کا سال 183ھ ہے۔ اس میں یوحنا کے باب 15 کے فقرہ 26 کا عربی متن یوں ہے۔

فَلَوْ قَدْ جَاءَ الْمُنْحَمنَّا هٰذَا الَّذِیْ یُرْسِلُهُ اللّٰهُ اِلَیْکُمْ مِنْ عِنْدِ الرَّبِّ رُوْحِ الْقُدُسِ هٰذَا الَّذِیْ مِنْ عِنْدِ الرَّبِّ خَرَجَ فَهُوَ شَهِیْدٌ عَلَیَّ وَاَنْتُمْ اَیْضًا لِاَنَّکُمْ قَدِیْمًا کُنْتُمْ مَعِیْ فِیْ هٰذَا قُلْتُ لَکُمْ لِکَیْ مَالَا تَشْکُوْا. (7)

''اور جب منحمنا آئے گا جسے اللہ تعالیٰ رسول بنا کر بھیجے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئے گا تو وہ میری سچائی کا گواہ ہوگا اور تم بھی میری سچائی کے گواہ ہو کیونکہ تم عرصہ دراز سے میرے ساتھ ہو۔ میں نے تم سے یہ باتیں اس لیے کہی ہیں تا کہ تم شک میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔''

اس کے بعد لکھتے ہیں۔

المُنْحمنّا بالسریانیة محمد ﷺ وھو بالرومیة البرقلیطس یعنی منحمنا' سریانی لفظ ہے اور اس کا معنی محمد ہے۔ رومی زبان میں اس کا ترجمہ برقلیطس ہے۔ برقلیطس کا رومی ہجہ اگر یہ ہو (PERKLYTOS) پھر تو معاملہ صاف ہے۔ اور اس کا معنی ہے تعریف کیا گیا اور ''محمد'' کا بھی بعینہٖ یہی معنی ہے۔ لیکن اگر اس کا ہجہ یوں ہو (PARACLETUS) تو اگرچہ دونوں لفظوں کے تلفظ میں بڑی مشابہت ہے لیکن اس کا معنی پہلے لفظ سے مختلف ہے خود انجیل کے مترجمین کو اس کا ترجمہ کرنے میں بڑی دقت پیش آئی۔ اردو کی بائبل کے متن میں اس کا ترجمہ مددگار کیا گیا ہے اور حاشیہ پر یا وکیل یا شفیع مرقوم ہے۔ کسی نے اس کا ترجمہ (CONSOLATOR) ''تسلی دینے والا'' کسی نے (TEACHER) ٹیچر' استاد اور آرگسٹائن نے (ADVOCATE) وکیل کیا ہے۔

کیا خبر الفاظ کا یہ ہیر پھیر عیسائی علماء کے معمول کا کرشمہ ہو اور اسی وجہ سے وہ خود بھی پریشانی کا شکار ہو گئے ہوں۔

یہ صورتِ حال تو اس وقت ہے جب کہ ان چار انجیلوں پر اعتماد کیا جائے لیکن صدیوں کی گمنامی کے بعد' پردۂ غیب سے ایک انجیل ظہور میں آئی ہے جس کو انجیل برناباس کہتے ہیں۔ اس کے مطالعے سے بڑے بڑے پیچیدہ عقدے حل ہو جاتے ہیں اور شکوک و شبہات کا غبار خود بخود چھٹ جاتا ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیسیوں ایسے ارشادات موجود ہیں جن میں نام لے لے کر حضور کی آمد کی بشارتیں دی گئی ہیں اور بار بار اپنے امتیوں کو حضور کا دامن رحمت مضبوطی سے تھام لینے کے تاکیدی احکام دیئے گئے ہیں۔ اس سے پیشتر کہ ہم وہ ایمان افروز حوالہ جات آپ کے سامنے پیش کریں' پہلے برناباس اور اس کی انجیل کے بارے میں کچھ وضاحتیں ضروری ہیں تا کہ کوئی شخص بلاوجہ اور نامعقول اعتراض کر کے آپ کو پریشان نہ کر سکے۔

برناباس قبرص کا باشندہ تھا۔ اس کا پہلا مذہب یہودیت تھا۔ اس کا نام JOSES تھا' لیکن دین عیسوی کی اشاعت اور ترقی کے لیے اس نے سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی۔ حواری اس کو برناباس کے نام سے پکارتے تھے جس کا معنی ہے "واضح نصیحت کا فرزند" بڑا کامیاب مبلغ تھا۔ جاذب قلب ونظر شخصیت کا مالک تھا۔ حضرت مسیح کے ساتھ مدت العمر جو قرب اسے نصیب رہا' اس نے اس کو اپنے حلقہ میں بڑا اہم مقام عطا کر دیا تھا۔

ابتداء میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار اپنے آپ کو یہود سے الگ کوئی امت تصور نہیں کیا کرتے تھے۔ نہ ان کی علیحدہ عبادت گاہیں تھیں' لیکن یہودی انہیں شک وشبہ کی نظر سے دیکھتے تھے۔ حضرت عیسیٰ کی حقیقت' آپ کی فطرت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ کا تعلق ان کے پہلے ماننے والوں کے نزدیک قطعاً وجہ نزاع نہ تھا۔ سب آپ کو انسان اور اللہ کا برگزیدہ بندہ سمجھتے تھے۔ اس وقت کے عیسائی' یہودیوں سے بھی زیادہ توحید پرست تھے۔ یہاں تک کہ سینٹ پال نے عیسائی مذہب قبول کیا۔ اس طرح عیسائیت میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا جس کے نظریات اور معتقدات کا منبع انجیل یا حضرت مسیح کے اقوال نہ تھے' بلکہ اس کی ذاتی سوچ بچار کا نتیجہ تھے۔ پال یہودی تھا' طرسوس کا باشندہ تھا۔ کافی عرصہ روم میں رہا۔ ان کے فلسفہ اور مشرکانہ عقائد سے وہ بہت متاثر ہوا۔ عیسائیت کو اس نے اسی مشرکانہ سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی جو عوام کو بہت پسند تھا۔ لیکن حضرت عیسیٰ کے حواری اس کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اپنے مذہب کی ترقی اور اشاعت کے لیے برناباس اور سینٹ پال کچھ عرصہ ایک ساتھ کام کرتے رہے' لیکن امراؤ روسا اختلافات کی خلیج بڑھتی گئی۔ پال نے حلال وحرام کے بارے میں موسوی احکام کو بالائے طاق رکھ دیا۔ نیز ختنہ کی سنت ابراہیمی کو بھی نظر انداز کر دیا۔ برناباس کے لیے اس کے ساتھ مل کر کام کرنا مشکل ہو گیا' چنانچہ دونوں علیحدہ ہو گئے۔ پال کو عوام الناس کی تائید کے علاوہ حکومت کی ہمدردیاں بھی حاصل تھیں۔ اس لیے اس کے پھیلائے ہوئے عقائد کو لوگوں نے دھڑا دھڑ قبول کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح برناباس اور اس کے ساتھی پس منظر میں چلے گئے۔ بایں ہمہ چوتھی صدی عیسوی تک برناباس کے ہم عقیدہ لوگ کافی تعداد میں موجود تھے جو خدا کی باپ کی حیثیت سے نہیں' بلکہ مالک الملک اور قادر مطلق کی حیثیت سے عبادت کرتے تھے۔ اس وقت انطاکیہ کے بشپ پال کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ نہ خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے' بلکہ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ انطاکیہ کا دوسرا بشپ جس کا نام LUCIAN تھا اور جو تقویٰ اور علم میں بڑی شہرت کا مالک تھا' وہ بھی تثلیث کے عقیدے کا سخت مخالف تھا۔ اس نے انجیل سے ایسی عبارتیں نکال دیں جن سے تثلیث ثابت ہوتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ یہ جملے بعد میں بڑھائے گئے۔ اس کو 312ء میں شہید کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس کے شاگرد ARIUS نے توحید کا پرچم بلند کیا۔ اسے کئی بار کلیسا کے عہدے پر کبھی فائز کیا گیا اور کبھی معزول کیا گیا۔ لیکن اس نے اپنا مشن جاری رکھا۔ کلیسا کی مخالفت کرنا آسان کام نہ تھا۔ لیکن ARIUS نے ان مشرکانہ عقائد کی ڈٹ کر مخالفت کی اور لوگ جوق در جوق اس کے نظریات کو قبول کرتے چلے گئے۔

اسی اثناء میں دو ایسے واقعات رونما ہوئے جنہوں نے یورپ کی تاریخ بدل کر رکھ دی۔ شاہ قسطنطین جس نے یورپ کے بڑے حصے پر قبضہ کر لیا تھا' اس نے عیسائیت قبول کیے بغیر عیسائیت کی امداد شروع کر دی' لیکن عیسائی فرقوں کے باہمی اختلافات نے اسے سراسیمہ کر دیا۔ شاہی محل میں بھی یہ نظریاتی کشمکش زوروں پر تھی۔ مادر ملکہ تو پال کے نظریات کی حامل تھی جب کہ بادشاہ کی بہن ایریس کی معتقد تھی۔ بادشاہ کے پیش نظر تو صرف ملک میں امن و امان کا قیام تھا اور اس کی صرف یہ صورت تھی کہ سارے فرقے ایک کلیسا کو قبول کر لیں۔ ایریس اور بشپ الیگزنڈر کی مخالفت روز بروز شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ بادشاہ کے لیے مداخلت ناگزیر ہو گئی' چنانچہ 325ء میں "نیقیا" کے مقام پر ایک کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔ متواتر کئی روز تک اس کے اجلاس ہوتے رہے۔ فیصلہ نہ ہو سکا۔ بادشاہ نے امن و امان کی خاطر کلیسا کی حمایت حاصل کرنا ضروری سمجھا' اس لیے اس نے ایریس کو جلاوطن کر دیا۔ اس طرح توحید کے بجائے تثلیث کا عقیدہ ملک کا رسمی مذہب بن گیا۔ کلیسا کی منظور شدہ انجیل کے بغیر کوئی انجیل اپنے پاس رکھنا جرم قرار دیا گیا۔ دو سو ستر مختلف انجیلوں کے نسخے نذر آتش کر دیئے گئے۔ شہزادی قسطنطانین کو یہ بات ناپسند ہوئی۔ اس کی کوشش سے 346ء میں ایریس کو واپس بلایا گیا۔ جب وہ فاتحانہ انداز میں قسطنطنیہ میں داخل ہو رہا تھا' اس کی موت واقع ہو گئی۔ بادشاہ نے اسے قتل عمد قرار دیا۔ اس جرم کی پاداش میں سکندریہ کے بشپ کو دو اور بشپوں کے ساتھ جلاوطن کر دیا اور خود ایریس کے ایک معتقد بشپ کے ہاتھ پر عیسائیت قبول کر لی۔ توحید سرکاری مذہب قرار پایا۔ 341ء میں انطاکیہ میں ایک کانفرنس ہوئی اور توحید کو عیسائی مذہب کا بنیادی عقیدہ قرار دیا گیا۔ چنانچہ 359ء میں سینٹ جیروم (S.JEROME) نے لکھا کہ ایریس کا مذہب مملکت کے تمام باشندوں نے قبول کر لیا۔ پوپ ہونوریس (HONORIOUS) (یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہم عصر تھا) کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ 638ء میں اس نے وفات پائی۔ لیکن 680ء میں پھر تثلیث کے حق میں ایک لہر اٹھی۔ قسطنطنیہ میں پھر اجلاس ہوا جس میں پوپ ہونوریس کو مطعون اور مردود قرار دیا گیا اور اس کے نظریات کو مسترد کر دیا گیا۔ اگرچہ آج عیسائی دنیا تثلیث کو ایک مسلمہ اصول کی حیثیت سے تسلیم کرتی ہے' اس کے باوجود ان میں ایسے لوگ بکثرت موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل ہیں' لیکن اس کے اظہار سے کتراتے ہیں۔

برناباس کی انجیل 325ء تک مستند انجیل تسلیم کی جاتی رہی۔ ایرانیس IRANAEUS نے جب سینٹ پال کے مشرکانہ عقائد کے خلاف مہم شروع کی' تو اس نے برناباس کی انجیل سے بکثرت استدلال کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی دو صدیوں میں یہ انجیل معتبر تسلیم کی جاتی تھی اور اپنے دین کے بنیادی مسائل ثابت کرنے کے لیے اس کی عبارتوں کو بطور حجت پیش کیا جاتا تھا' لیکن 325ء میں جو کانفرنس نیقیا میں ہوئی' اس میں یہ طے پایا کہ عبرانی زبان میں جتنی انجیلیں موجود ہیں' ان سب کو ضائع کر دیا جائے۔ جس کے پاس یہ انجیل ملے' اس کی گردن اڑا دی جائے۔

383ء میں پوپ نے انجیل برناباس کا نسخہ حاصل کیا اور اپنی پرائیویٹ لائبریری میں اسے

محفوظ کر لیا۔ زینو بادشاہ کی حکمرانی کے چوتھے سال برناباس کی قبر کھودی گئی۔ اس انجیل کا ایک نسخہ جو اس نے اپنے قلم سے لکھا تھا' اس کے سینے پر رکھا ہوا ملا۔ پوپ (SIRITUS) (90 - 1585ء) کا ایک دوست تھا۔ جس کا نام فرامارینو (FRAMARINO) تھا۔ اسے پوپ کی ذاتی لائبریری میں اس کا وہ نسخہ ملا۔ فرا کو اس سے بڑی دلچسپی تھی۔ کیونکہ اس نے ایرانیس کی تحریروں کا مطالعہ کیا تھا جس میں اس نے برناباس کی انجیل کے بکثرت حوالے دیئے تھے۔ اطالوی زبان میں لکھا ہوا یہ مسودہ مختلف لوگوں سے ہوتا ہوا ایمسٹرڈم (AMSTERDAM) کی ایک مشہور و معروف ہستی کے ہاں پہنچا۔ یہاں سے پرشیا کے بادشاہ کے مشیر جے۔ ایف کریمر کو ملا۔ اس سے سیوے کے ایک علم دوست شہزادے یوگین (EUGENE) نے 1713ء میں حاصل کیا۔ 1738ء میں شہزادے کی پوری لائبریری کے ساتھ یہ نسخہ بھی وائنا پہنچا۔ اب بھی یہ نسخہ وہاں محفوظ رکھا ہے۔

ٹولینڈ (TOLAND) نے اپنی تصنیف "MISCELLANEOUS WORKS" جو اس کی وفات کے بعد 1747ء میں شائع ہوئی' کی جلد اول صفحہ 380 پر ذکر کیا کہ انجیل برناباس کا قلمی نسخہ اب بھی محفوظ ہے۔ اسی کتاب کے پندرھویں باب میں لکھا ہے کہ 496ء میں ایک حکم کے ذریعے اس انجیل کو ان کتب میں شامل کیا گیا جن کو کلیسا نے ممنوع قرار دے دیا تھا۔ اس سے پہلے 465ء میں پوپ انوسینٹ (POPE INVECENT) نے بھی اسی قسم کا حکم جاری کیا تھا۔ نیز 382ء میں مغربی کلیسا نے متفقہ طور پر اس پر بندش عائد کی تھی۔

مسٹر اور مسز ریگ (RAGG) نے 1907ء میں ایک لاطینی نسخے سے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا جو اب ہمارے سامنے ہے۔ آکسفورڈ کے کلیرنڈن پریس نے اسے چھاپا۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے اسے شائع کیا۔ جب اس کا انگریزی ترجمہ چھپ کر بازار میں آیا تو اس کے سارے نسخے پر اسرار طریقے پر بازار سے غائب کر دیئے گئے۔ صرف دو نسخے محفوظ رہے۔ ایک برٹش میوزیم میں اور دوسرا واشنگٹن کی کانگریس لائبریری میں۔ یہ پیش نظر انگریزی ترجمہ مائیکروفلم کے ذریعے پبلشر نے ایک دوست کی وساطت سے واشنگٹن کی کانگریس لائبریری سے حاصل کیا ہے۔

برناباس کے حالات اور اس کی انجیل کی تاریخ کو قدرے شرح و بسط کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے تا کہ قارئین کرام کو حالات کا پوری طرح علم ہو اور اس الزام کی قلعی کھل جائے جو بعض عیسائی حلقوں کی طرف سے لگایا جا رہا ہے کہ اس انجیل کا مصنف کوئی ایسا شخص ہے جو عیسائی سے مرتد ہو کر مسلمان ہوا اور دجل و تزویر سے ایک کتاب تصنیف کر کے اسے برناباس کی طرف منسوب کر دیا۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی تشریف آوری سے کئی سو سال پہلے کلیسا نے اس کتاب کو ممنوعہ لٹریچر میں شامل کر دیا تھا اور اس شخص کو واجب القتل قرار دیا تھا جس کے پاس یہ کتاب پائی جائے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں جو بشارتیں اس میں بکثرت موجود ہیں' کلیسا کے غیظ و غضب کا گو سبب نہ تھیں' لیکن ان کے علاوہ اس میں کچھ ایسی تعلیمات تھیں جو سینٹ

پال کے پیش کردہ عیسائی مذہب کی بیخ کنی کرتی تھیں' اس لیے کلیسا کو یہ آخری اقدام کرنا پڑا۔ قدم قدم پر اس میں عقیدۂ تثلیث کا بطلان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کو زوردار دلائل سے بڑے حسین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ خود حضرت عیسیٰ کے ارشادات سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ آپ نہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے' بلکہ اس کے بندے اور رسول تھے۔ کلیسا کے نزدیک یہ باتیں ناقابل برداشت تھیں' اس لیے انہوں نے اس کو اپنی مقدس کتب کی فہرست سے خارج کر دیا۔

برناباس نے اپنے رسول کی تعلیمات کو بلاکم وکاست بیان کیا۔ اسی طرح حضور سرور عالم ﷺ کے بارے میں جو بشارتیں حضرت عیسیٰ نے ایک بار نہیں' بلکہ بار بار دی تھیں' ان کا اس میں مندرج ہونا بھی قدرتی امر ہے' چنانچہ ان بے شمار بشارتوں میں سے صرف چند پیش کرنے پر اکتفار کرتا ہوں۔ ان کا مطالعہ کیجئے۔ اپنے ایمان کو تازہ کیجئے اور انہی کی روشنی میں اس آیت کی صحیح تفسیر ملاحظہ فرمایئے:

انجیل برناباس کے باب 17 کا ایک حوالہ ملاحظہ فرمایئے:۔

"But after me shall come the splendour of all the prophets and holy ones, and shall shed light upon the darkness of all that the prophets have said because he is the messenger of God"

"لیکن میرے بعد وہ ہستی تشریف لائے گی جو تمام نبیوں اور نفوسِ قدسیہ کے لیے آب وتاب ہے اور پہلے انبیاء نے جو باتیں کی ہیں' ان پر روشنی ڈالے گی' کیونکہ وہ اللہ کا رسول ہے۔"

Foriam not worthy to unloose the ties of the hosen of the latchets of the shoes of the messenger of God whom ye call "Messiah" who was made before me, and shall come after me, and shall bring the words of truth. So that his faith shall have no end.

"یعنی جس ہستی کی آمد کا تم ذکر کر رہے ہو' میں تو اللہ کے اس رسول کی جوتیوں کے تسمے کھولنے کے لائق بھی نہیں جس کو تم مسیحا کہتے ہو۔ اس کی تخلیق مجھ سے پہلے ہوئی اور تشریف میرے بعد لے آئے گا۔ وہ سچائی کے الفاظ لائے گا اور اس کے دین کی کوئی انتہا نہ ہو گی" (باب 42)

"I am indeed sent to the house of Israel as a prophet of salvation, but after me shall come the Messiah sent of God to all the world, for whom

God hath made the world and then through all the world will God be worshpped, and mercy received."

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: "بے شک میں تو فقط اسرائیل کے گھرانے کی نجات کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں' لیکن میرے بعد مسیحا تشریف لائے گا جسے اللہ تعالیٰ سارے جہاں کے لیے مبعوث فرمائے گا۔ اسی کے لیے اللہ تعالیٰ ساری کائنات تخلیق کی ہے اور اسی کی کوششوں کے باعث ساری دنیا میں اللہ تعالیٰ کی پرستش کی جائے گی اور اس کی رحمت نصیب ہوگی" (باب 82)

آپ پریشان ہیں کہ لوگوں نے آپ کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا ہے۔ رومی گورنر اور بادشاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتے ہیں کہ ہم روم کے شہنشاہ سے ایک ایسا فرمان جاری کروائیں گے جس میں سب کو آپ کے متعلق ایسی باتیں کہنے سے روک دیا جائے گا۔ ان کے جواب میں آپ فرماتے ہیں مجھے تمہاری ان باتوں سے اطمینان حاصل نہ ہوا۔

"But my consolation is in the coming of messenger-who shall destroy every false opinion of me, and his faith shall spread and shall take hold of the whole world, for so hath God promised to Abraham our father."

"بلکہ میرا اطمینان تو اس رسول کی تشریف آوری سے وابستہ ہے جو میرے بارے میں تمام جھوٹے نظریات کو نیست و نابود کر دے گا۔ اس کا دین پھیلے گا اور سارے جہاں کو اپنی گرفت میں لے لے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے باپ ابراہیم سے اسی طرح کا وعدہ کیا ہے۔"

اس کے بعد پادری نے ایک سوال پوچھا کہ کیا اس رسول کی آمد کے بعد اور نبی بھی آئیں گے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

"There shall not come after Him true prophets sent by God, but there shall come a great number of false prophets, where at I sorrow-for satan shall raise them up."

"یعنی آپ کے بعد اللہ کا بھیجا ہوا کوئی سچا نبی نہیں آئے گا' البتہ کثرت سے جھوٹے نبی آئیں گے جنہیں شیطان کھڑا کرے گا۔"

اس پادری نے دوسرا سوال کیا: اس مسیحا کا نام کیا ہوگا اور کن علامات سے اس کی آمد کا پتہ چلے گا؟ اس کے جواب میں آپ ارشاد فرماتے ہیں:

"The name of the Messiah is admirable, for God Himself gave Him the name when had created His soul, and placed it in celestial splendour. God said: "Wait Mohammad for thy sake I will to create paradise, the world, and a great multitude of creatures."

... I shall send thee into the world I shall send thee into the world I shall send thee as my messenger of salvation and thy word shall be true, in so much that heaven and earth shall fail, but thy faith shall never fail."

"Muhammad is His blessed name."

''مسیحا کا نام قابل تعریف'' ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب ان کی روح مبارک کو پیدا کیا اور آسمانی آب وتاب میں رکھا تو خود ان کا نام رکھا۔ اللہ نے فرمایا: ''اے محمد! انتظار کرو میں نے تیری خاطر جنت کو پیدا کیا ہے۔ ساری دنیا کو پیدا کیا ہے اور بے شمار مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ جب میں تجھے دنیا میں بھیجوں گا تو تمہیں نجات دہندہ رسول بنا کر بھیجوں گا۔ تیری بات سچی ہوگی۔ آسمان اور زمین فنا ہو سکتے ہیں، لیکن تیرا دین کبھی فنا نہیں ہو سکتا'' آپ نے کہا کہ محمد اس کا بابرکت نام ہے۔''

پھر تمام سامعین نے یہ سن کر یہ کہتے ہوئے فریاد کرنی شروع کی:

"O God send us thy messenger- O Muhammad come quickly for the salvation of the world"

''اے خدا! اپنے رسول کو ہماری طرف بھیج۔ یا رسول اللہ! دنیا کی نجات کے لیے جلدی تشریف لے آیئے۔'' (باب 97)

حضرت مسیح اپنے حواری برناباس سے اپنے آخری حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میرے قتل کی سازش کی جائے گی۔ چند ٹکوں کے عوض مجھے میرا ایک حواری گرفتار کرا دے گا۔ لیکن وہ مجھے پھانسی نہیں دے سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے زمین سے اٹھا لے گا اور جس نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے اس

کو میرے بجائے سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔

فرماتے ہیں:

I shall abide in that deshonour for a long time in the world, but when Muhammad shall come, the sacred messenger of God, that infamy shall be taken away, and this shall God do, becase I have confessed the truth of the Messiah, who shall give me this reward, that I shall be known to be alive and to be a stranger to that death of infamy.

''طویل عرصہ تک لوگ مجھے بدنام کرتے رہیں گے' لیکن جب محمد تشریف لائیں گے جو خدا کے مقدس رسول ہیں' تب میری یہ بدنامی اختتام پذیر ہو گی اور اللہ تعالیٰ یوں کرے گا' کیونکہ میں اس مسیحا کی صداقت کا اعتراف کرتا ہوں' وہ مجھے یہ انعام دے گا۔ لوگ مجھے زندہ جاننے لگیں گے اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس رسوا کن موت سے میرا دور کا بھی واسطہ نہیں۔'' (باب 112)

آپ نے متعدد مقامات پر اس بات کی تصریح کی ہے کہ یہ ذی شان رسول حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہو گا۔ اس مقام کی تنگ دامانی اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ میں ان تمام حوالوں کو آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ امید ہے اگر بنظر انصاف آپ ان اقتباسات کا مطالعہ کریں گے تو حقیقت کا روئے زیبا یقیناً بے نقاب ہو جائے گا۔

رہا آخری سوال کہ جس شخص کا نام غلام احمد (قادیانی) ہو وہ اس آیت کا مصداق بن سکتا ہے اور اسے احمد قرار دیا جا سکتا ہے؟

اس کے بارے میں اتنا ہی سمجھ لیں کہ ایک شخص جس کا نام عبداللہ ہو وہ اپنے نام سے عبد حذف کر کے اگر اللہ نہیں کہلا سکتا تو اسی طرح غلام احمد نامی شخص غلام کا لفظ کاٹ کر اپنے آپ کو احمد کہلائے گا تو اس سے بڑھ کر قرآن کی کوئی تحریف نہیں ہو سکتی۔ پس جب وہ رسول جس کا نام نامی احمد ہے حضرت مسیح کی پیش گوئی کے مطابق تشریف لے آیا اور روشن معجزات سے اپنی صداقت کو آشکارا کر دیا۔ تو ان لوگوں کو ایمان لانے کی توفیق نصیب نہ ہوئی اور معجزات نبوت کے بارے میں کہنے لگے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

مختلف ممالک کے حکمرانوں کی خوشخبریاں

آپ پہلے پڑھ آئے ہیں کہ یمن پر حبشیوں نے قبضہ کر لیا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سیف

بن ذی یزن کو یمن پر غلبہ عطا فرمایا' اور اس نے اہل حبش کو یمن سے جلاوطن کر دیا۔ یہ واقعہ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کے دو سال بعد رو پذیر ہوا۔ عرب کے قبائل کے سرداروں اور شعراء کے کئی وفد سیف کو اس کامیابی پر مبارک پیش کرنے کے لیے یمن حاضر ہوئے۔ ان میں مکہ کے قریش کا بھی ایک وفد تھا۔ جس میں عبدالمطلب بن ہاشم' امیہ بن عبد شمس' عبداللہ بن جدعان وغیرہ اکابر قریش شامل تھے۔ یہ وفد صنعاء پہنچا۔ معلوم ہوا کہ سیف غمدان نامی محل میں سکونت پذیر ہے۔ انہوں نے حاضر ہونے کی اجازت طلب کی انہیں باریابی کی اجازت ملی۔ جب یہ سیف کے دربار میں حاضر ہوئے تو اس کے دائیں بائیں مختلف ممالک کے بادشاہ' شہزادے اور رؤساء کا ایک جمگھٹا تھا۔ عبدالمطلب اس کے قریب پہنچے اور گفتگو کرنے کا اذن طلب کیا۔

سیف نے کہا: اگر تمہیں بادشاہوں کے دربار میں لب کشائی کا سلیقہ آتا ہے تو ہم تمہیں اجازت دیتے ہیں۔

حضرت عبدالمطلب نے کہا: اے بادشاہ! اللہ تعالیٰ نے تجھے جلیل القدر مقام پر فائز کیا ہے۔ تو حسب اور نسب کے اعتبار سے قابلِ رشک ہے۔ تو سارے عرب کا سردار ہے۔ تو اس کی وہ بہار ہے جس سے سارا عرب سرسبز و شاداب ہوتا ہے۔ تیرے بزرگ ہمارے لیے بہترین سلف تھے۔ اور تو ان کا بہترین خلف ہے۔ جس کا جانشین تیرے جیسا ہو وہ فنا نہیں ہوگا' اور جس کے آباء و اجداد تیرے آباء و اجداد کی طرح ہوں وہ کبھی گمنام نہیں ہوتا۔ اے بادشاہ! ہم اللہ تعالیٰ کے حرم کے رہنے والے ہیں۔ اور اس کے گھر کے خدام ہیں۔ ہم تیری خدمت میں ہدیہ تہنیت پیش کرنے کے لیے آئے ہیں۔

سیف نے کہا:۔ اے گفتگو کرنے والے! تم اپنا تعارف کراؤ۔

آپ نے کہا:۔ میں عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہوں۔

بادشاہ نے کہا:۔ پھر تو تم ہمارے بھانجے ہو۔

آپ نے فرمایا:۔ بے شک

بادشاہ نے کہا:۔

مَرْحَباً وَّ اَهْلاً وَّنَاقَةً وَّرِحْلاً وَّمُسْتَنَاخاً سَهْلاً وَّ مَلِكاً رِبَحْلاً

مرحبا اور خوش آمدید! تمہارے لیے یہاں اونٹنی بھی ہے اور کجاوہ بھی۔ اور خیمہ زن ہونے کے لیے کشادہ میدان بھی اور ایسا بادشاہ جو عظیم الشان ہے جس کی جود و عطا کی حد نہیں۔ میں نے تمہاری گفتگو سنی اور تمہاری قریبی رشتہ داری کو پہچانا ہے اور تمہارے وسیلہ کو قبول کیا ہے۔ جب تک تم یہاں اقامت گزیں رہو گے تمہاری ہر طرح عزت و تکریم کی جائے گی اور جب تم سفر کرو گے تو تمہیں انعامات سے نوازا جائے گا۔ اب تم مہمان خانے میں تشریف لے جاؤ۔ وہاں تمہاری ہر طرح مہمان نوازی کی جائے گی۔

وہ ایک مہینہ وہاں ٹھہرے۔ نہ انہیں وہ واپس جانے کی اجازت دیتا اور نہ انہیں اپنی ملاقات کا موقع دیتا۔ پھر اچانک اس نے ایک روز علیحدگی میں عبدالمطلب کو بلایا اور اسے اپنی مخصوص محفل میں شرف باریابی بخشا۔

اور اسے کہا: اے عبدالمطلب! میں اپنا ایک راز تمہارے سامنے افشا کرنا چاہتا ہوں اور میں امید کرتا ہوں کہ تم اسے پوشیدہ رکھو گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کرنے کی اجازت دے۔

ہمارے پاس ایک کتاب ہے۔ جس کو ہم سب سے مخفی رکھتے ہیں ہم نے اسے اپنے لیے مخصوص کر رکھا ہے۔ کسی غیر کو اس پر آگاہ نہیں ہونے دیتے۔ اس میں آپ کے لیے ایک خصوصی فضیلت مرقوم ہے۔

عبدالمطلب نے کہا:۔ اے بادشاہ! خدا تمہیں خوش رکھے اور نیکی کی توفیق دے۔ وہ کیا ہے؟

بادشاہ نے کہا:۔ کہ جب تہامہ میں ایک بچہ پیدا ہوگا جس کے کندھوں کے درمیان ایک نشان ہوگا۔ وہ سارے عرب کا سردار ہوگا' اور اس کے ذریعہ سے تمہیں بھی سارے عرب کی قیادت کی نصیب ہوگی روز قیامت تک۔

عبدالمطلب نے کہا:۔ اگر بادشاہ سلامت اجازت دیں تو میں درخواست کروں گا کہ وہ اس بشارت کی تفصیل بیان کریں تاکہ میری خوشی میں اضافہ ہو۔

سیف نے کہا:۔ اس بچے کی پیدائش کا زمانہ آگیا ہے۔ یا وہ پیدا ہو چکا ہے اس کا نام نامی محمد ہے اس کے دونوں کندھوں کے درمیان نشان ہے۔ اس کا والد اور ماں فوت ہوں گے اور اس کا دادا اور چچا اس کی کفالت کرے گا۔ وہ خداوند رحمٰن کی عبادت کرے گا اور شیطان کو ٹھکرا دے گا۔ آگ کو بجھا دے گا۔ بتوں کو توڑ دے گا۔ اس کی بات فیصلہ کن ہوگی۔ اس کا حکم سراپا انصاف ہوگا۔

عبدالمطلب نے کہا:۔ اے بادشاہ! تیرا ہمسایہ ہمیشہ باعزت رہے۔ اور تو ہمیشہ سعادت مند رہے۔ تیری عمر لمبی ہو۔ تیری حکومت ہمیشہ رہے۔ کیا تو مزید وضاحت کی زحمت گوارا کرے گا۔

سیف بن ذی یزن نے کہا:۔ اس غلافوں والے گھر کی قسم! اے عبدالمطلب! تو اس کا دادا ہے اس میں ذرا جھوٹ نہیں۔

عبدالمطلب سجدے میں گر پڑے۔

بادشاہ نے کہا: سر اٹھایئے۔ تیرا سینہ ٹھنڈا ہو۔ کیا تو نے اس چیز کو محسوس کیا ہے جس کا میں نے تیرے سامنے ذکر کیا۔

عبدالمطلب نے کہا: بے شک اے بادشاہ! بے شک میرا ایک بیٹا تھا۔ جس پر میں فریفتہ تھا۔ میں نے اس کی شادی ایک عفت مآب خاتون سے کی جس کا نام آمنہ بنت وھب ہے۔ اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا میں نے محمد نام رکھا اس کا باپ اور والدہ فوت ہو چکے ہیں۔ میں اور اس کا چچا اس کی کفالت کرتے ہیں۔ اس کے کندھوں کے درمیان ایک نشان ہے اس میں تمام وہ علامتیں موجود ہیں جن

کا تو نے ذکر کیا۔

سیف نے کہا:۔ پھر اپنے اس بچے کی حفاظت کیا کرو اور یہود سے محتاط رہا کرو کیونکہ وہ اس کے دشمن ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں کبھی اس پر غالب نہیں ہونے دے گا۔ اور جو باتیں میں نے تمہارے ساتھ کی ہیں ان سے اپنے ساتھیوں کو مت آگاہ کرنا کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ حسد نہ کرنے لگیں اور اگر مجھے یہ علم نہ ہوتا کہ عنقریب اس کی بعثت سے قبل میں اس دار فانی سے رخصت ہو جاؤں گا تو میں اپنے گھڑ سوار دستوں اور پیدال سپاہیوں کے ساتھ یہاں سے ترک سکونت کر کے یثرب کو اپنا دارالسلطنت بناتا۔ کیونکہ میری کتاب میں یہ لکھا ہے کہ یثرب میں اس کا دین مستحکم ہوگا اور اسی شہر میں آپ کا مدفن ہوگا۔ اور وہاں کے لوگ آپ کے انصار ہوں گے۔

اس کے بعد سیف بن ذی یزن نے قریش کے وفد کو اپنے دربار میں طلب کیا ہر ایک کو سوسو اونٹ دس دس غلام، دس دس کنیزیں، دس رطل چاندی، دس رطل سونا۔ عنبر کا بھرا ہوا ایک ظرف دیا۔ لیکن عبدالمطلب کو ہر چیز دس دس گنا زیادہ دی۔ اور رخصت کرتے وقت کہا کہ آئندہ سال آنا اور مجھے اس مولود مسعود کے حالات سے آ کر آگاہ کرنا۔ لیکن سال کے ختم ہونے سے پہلے ہی سیف بن ذی یزن وفات پا گیا۔

عبدالمطلب جب روانہ ہوئے تو انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

اے گروہ قریش! بادشاہ نے تم سے دس گنا مجھے جو انعامات دیئے ہیں تم اس پر رشک نہ کرنا کیونکہ بہر حال یہ ساری چیزیں ختم ہونے والی ہیں لیکن اگر رشک کرنا ہے تو اس چیز پر کرو جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کچھ عرصہ بعد اس کا اعلان کیا جائے گا۔

اس روایت سے صاف واضح ہوتا ہے کہ سیف بن ذی یزن جو یمن کا فرزوا تھا اس کو بعثت محمدی کا پوری طرح علم تھا۔ (8)، (9)، (10)

ہرقل، سلطنت رومہ کا شہنشاہ تھا۔ خسرو پرویز نے حملہ کر کے اس کی مملکت کا بہت بڑا حصہ اس سے چھین لیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورہ الروم کی ابتدائی آیتوں میں پیشین گئی فرمائی کہ چند سال بعد حالات کا پانسہ پلٹ جائے گا اور آج کا شکست خوردہ روم کا بادشاہ کل خسرو ایران کو شکست فاش دے کر اپنی ساری مملکت اس سے واپس لے لے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا ہرقل کی شجاعت، اولوالعزمی کا سکہ سارے عالم پر بیٹھ گیا۔ اور اس کی رعایا اس پر جان چھڑکنے لگی انہی دنوں کا ذکر ہے جب کہ وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی کامیابیاں حاصل کر چکا تھا اور اس کی سطوت کا ڈنکا ہر طرف بج رہا تھا۔

ابن ناطور بیان کرتا ہے کہ ایرانیوں پر فتح کامل حاصل کرنے کے بعد ایلیا آیا تا کہ وہ مقدس صلیب جو ایرانی چھین کر لے گئے تھے اور اس نے اپنے زور بازو سے اسے واپس لیا تھا اسے ایلیا میں لوٹا دے۔ ایک دن وہ صبح بیدار ہوا۔ اس کے چہرے پر مایوسی کے آثار نمایاں تھے اس کے بعد اس کے ایک پادری نے کہا: آج آپ کی طبیعت درست معلوم نہیں ہوتی۔ ہرقل نے کہا میں نے آج رات دیکھا ہے

کہ وہ ستارہ طلوع ہو گیا جو اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ اس قوم کا بادشاہ ظاہر ہو گیا ہے۔ جس قوم کا شعار ختنہ کرانا ہے اسی اثناء میں غسان کے بادشاہ کا قاصد پہنچا اور اس نے ہرقل کو مطلع کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک صحابی اس کے نام حضور کا ایک گرامی نامہ لے کر آیا ہے۔ ہرقل نے کہا اس قاصد کو لے جاؤ اور دیکھو کیا یہ مختون ہے یا نہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ تو ختنہ شدہ ہے۔ ہرقل نے کہا بے شک اس امت کا بادشاہ ظاہر ہو گیا ہے۔ لیکن مزید تحقیق کے لیے اس نے ایک اور عالم کو روم کے شہر سے بلا بھیجا جو علم وفضل میں اس کا ہم پلہ تھا۔ ہرقل وہاں سے روانہ ہو کر حمص آ گیا اور اس عالم کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ اس کا خط آیا کہ واقعی یہ نبی ہیں۔ (11)

انہی دنوں میں اتفاقاً اہلِ مکہ کا ایک قافلہ وہاں آیا ہوا تھا۔ ہرقل نے انہیں بلایا اور ان سے پوچھا تم میں کون آدمی رشتہ میں حضور سے زیادہ قریب ہے؟ ابوسفیان نے کہا میں۔ ہرقل نے ابوسفیان کو اپنے سامنے بٹھا لیا اور اس کے رفقاء کو ابوسفیان کی پیٹھ کے پیچھے کھڑا کر دیا اور انہیں کہا میں ابوسفیان سے چند سوالات پوچھنا چاہتا ہوں۔ اگر یہ غلط جواب دے تو تم اشارہ سے بتا دینا۔ ہرقل نے پوچھا ان کے خاندان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ ابوسفیان نے بتایا خاندان کے اعتبار سے وہ ہم میں اعلیٰ و ارفع ہے۔

ہرقل: کیا نبوت کا دعویٰ اس سے پہلے بھی تم میں سے کسی نے کیا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: کیا اس شخص کے آباء و اجداد میں کوئی بادشاہ ہو گزرا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: کیا رؤسا اس کی پیروی کرتے ہیں یا ضعیف لوگ؟

ابوسفیان: ضعیف لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں۔

ہرقل: کیا وہ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟

ابوسفیان: وہ بڑھ رہے ہیں۔

ہرقل: کیا کوئی شخص اس کے دین سے ناراض ہو کر اس سے مرتد بھی ہوا؟

ابوسفیان: کوئی نہیں

ہرقل: کیا ان کے اس دعویٰ سے پہلے تم ان پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: کیا اس نے کبھی دھوکا کیا ہے؟

ابوسفیان نے اس کے جواب میں بڑا پیچ و تاب کھایا اور چاہا کہ جھوٹ بولے لیکن جرأت نہ ہوئی۔ کہنے لگا۔ نہیں لیکن اب ہمارا ان کے ساتھ معاہدہ ہوا ہے۔ معلوم نہیں وہ اس کو پورا کرتے ہیں یا نہیں۔

ہرقل: کیا تم نے کبھی اس سے لڑائی بھی کی ہے؟

ابوسفیان: ہاں۔

ہرقل: اس لڑائی کا نتیجہ کیا رہا؟

ابوسفیان: کبھی ہم جیتے ہیں کبھی وہ۔

ہرقل: وہ تمہیں کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟

ابوسفیان کو اپنے اوپر جبر کرتے ہوئے یہ کہنا پڑا کہ وہ کہتے ہیں ایک خدا کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ۔ ہمیں نماز پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔ سچ بولنے' پاکدامن رہنے صلہ رحمی کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

ہرقل نے ان تمام سوالات کے جوابات سن کر کہا۔ اگر تم یہ سچ کہتے ہو تو وہ اس جگہ کے بھی مالک بن جائیں گے جہاں میں نے اپنے دونوں قدم رکھے ہوئے ہیں۔ میں جانتا تھا کہ ایسا نبی تشریف لانے والا ہے لیکن میرا یہ گمان نہیں تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔ اگر میں یہ جانتا کہ میں اس کے لیے مخلص ہوسکتا ہوں تو میں اس کی ملاقات کے لیے سفر کی زحمتیں برداشت کرتا' اور اگر میں اس کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل کر سکتا تو میں اس کے پاؤں دھو کر پیتا۔ محض ان کی محبت اور ان کی قدر و منزلت کی خاطر۔ کسی مرتبہ اور حکومت کی طلب کے لیے نہیں۔ ہرقل نے اپنے وزراء و روساء اور مذہبی علماء کو طلب کیا۔ جب وہ آ گئے محل کے دروازے بند کر دیئے گئے اور انہیں کہا اے گروہ روم! کیا تم کامیابی اور ہدایت کے متلاشی ہو۔ کیا تمہاری خواہش ہے کہ تمہارا ملک سلامت رہے تو اس نبی کی بیعت کر لو۔ ہرقل کے منہ سے جونہی یہ جملہ نکلا وہ لوگ وحشی گدھوں کی طرح دولتیاں جھاڑنے لگے۔ اور دروازوں کی طرف بھاگے لیکن جب انہیں مقفل پایا تو رک گئے۔ ہرقل نے جب اسلام سے ان کی نفرت کی یہ کیفیت دیکھی تو ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گیا اور کہا انہیں میرے پاس لے آؤ۔ جب وہ آ گئے تو ان سے کہا کہ میں نے یہ بات صرف تمہارے ایمان کی پختگی کو پرکھنے کے لیے کی تھی۔ یوں تخت و تاج کے لالچ نے اس کو ایسے حق کو قبول کرنے سے محروم کر دیا جس کی حقانیت اس پر روز روشن کی طرح واضح ہو چکی تھی۔ (12)

سلمان الفارسی

آپ ایران کے مشہور شہر اصفہان کے رہنے والے تھے۔ آپ کا والد اپنے شہر کا سردار تھا۔ اور اسے اپنے بیٹے سلمان سے شدید محبت تھی۔ یہاں تک کہ وہ انہیں ہر وقت اپنے گھر میں محبوس رکھتا تھا تاکہ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اس کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کا باپ اپنے دین مجوسیت کی آپ کو تعلیم دیتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کو اس فن میں کمال حاصل ہو گیا۔ ایک دن آپ کے باپ نے اپنی زمینوں کی خبر گیری کے لیے آپ کو اپنے ڈیرے پر بھیجا۔ راستہ میں عیسائیوں کا ایک

گرجا تھا آپ اس کے پاس سے گزرے تو وہ اپنی عبادت میں مشغول تھے۔ یہ اندر چلے گئے۔ ان عیسائیوں کی دعائیں اور طریقہ عبادت انہیں بہت پسند آیا۔ وہ شام تک وہیں بیٹھے ان کو دیکھتے رہے اور ان کی دعاؤں اور تسبیحوں کو سنتے رہے۔ ادھر باپ ان کی وجہ سے بہت پریشان تھا۔ اس نے ان کی تلاش میں ادھر اُدھر آدمی دوڑائے۔ جب آپ باپ کے پاس آئے تو انہوں نے عیسائیوں کی عبادت کا تذکرہ کیا۔ باپ نے اس اندیشہ سے کہ وہ اپنے آبائی دین کو چھوڑ نہ دے اس کے پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں ڈال دیں۔ ایک قافلہ وہاں سے شام کے ملک کی طرف جا رہا تھا' یہ کسی طریقہ سے اس قافلے میں شامل ہو گئے۔ جب شام پہنچے تو وہاں ایک کنیسہ میں گئے۔ کنیسہ کے پادری کو اپنے حالات سے آگاہ کیا۔ وہاں اس کی خدمت میں رہنا شروع کر دیا۔ لیکن اس کے قول و عمل میں واضح تضاد دیکھا۔ بڑے رنجیدہ خاطر ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ لوگوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور لوگ جب صدقہ کی رقم اس کو دیتے ہیں کہ وہ غریبوں میں تقسیم کر دے تو وہ انہیں اپنے پاس رکھتا ہے۔ جب وہ مر گیا تو سلمان نے لوگوں کو بتایا کہ تمہارے پادری کے یہ کرتوت تھے اور سو مٹکے جو سونے چاندی کے بھرے ہوئے تھے وہ تہہ خانہ سے نکال کر ان کے حوالے کر دیئے۔ لوگوں نے اس پادری کو سولی پر چڑھایا اس پر سنگ باری کی' پھر جا کر اسے دفن کیا۔ اس کی جگہ ایک اور پادری مقرر ہوا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں' اس کے بارے میں سلمان کہتے تھے کہ میں نے کوئی اور آدمی ایسا نہیں دیکھا جو خضوع و خشوع سے پانچ نمازیں اس کی طرح ادا کرتا ہو۔ دنیا کی چاہت کا تو اس کے ہاں کوئی تصور تک نہ تھا۔ کچھ مدت کے بعد وہ شخص فوت ہو گیا اور سلمان کو وصیت کی کہ وہ موصل میں فلاں شخص کے پاس جائیں اور اس کی اتباع کریں۔ حضرت سلمان موصل پہنچے۔ یہ شخص بھی بڑا زاہد و متقی تھا' اور آپ اس سے بڑے متاثر ہوئے۔ جب وہ مرنے لگا تو حضرت سلمان نے اس سے پوچھا کہ آپ تو اس جہان فانی سے رخصت ہو رہے ہیں۔ میں اب کس کی خدمت میں حاضری دوں۔ اس نے کہا نصیبین میں ایک شخص ہے جس کا وہی طریقہ ہے جو ہمارا طریقہ ہے' تم اس کے پاس چلے جاؤ۔ آپ موصل سے نصیبین پہنچے اور اس شخص کی خدمت میں رہنے لگے۔ اس کی زندگی کی مہلت جب پوری ہو گئی تو آپ نے اس سے پوچھا کہ اب میں کس کا قصد کروں۔ اس نے کہا بخدا! صرف ایک شخص ہے جو ہمارے راستہ پر صدق دل سے گامزن ہے' وہ عموریہ میں رہتا ہے تم اس کے پاس چلے جاؤ' وہ تمہاری صحیح طور پر رہنمائی کریں گے۔ سلمان نصیبین سے عموریہ پہنچے اور اس نیک خصلت شخص کی خدمت میں زندگی بسر کرنے لگے۔ اس شخص کی زندگی نے بھی وفا نہ کی اس نے بھی جب اس دار فانی سے رخت سفر باندھا آپ نے اس سے پوچھا اب آپ بتایئے میں اب کدھر کا رخ کروں۔ اس نے کہا بخدا! میری نظر میں اب کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جس کے پاس جانے کا میں تمہیں حکم دوں۔ لیکن اب اس نبی کی بعثت کا زمانہ قریب آ گیا ہے جو ابراہیم کے دین کو دوبارہ زندہ کریں گے۔ اور ان کی ہجرت گاہ نخلستان میں ہے جو دو جلے ہوئے میدانوں کے درمیان ہے۔ اگر تو وہاں پہنچ سکتا ہے تو وہاں پہنچ۔ اور اس نبی منتظر کی چند نشانیاں ہیں کہ وہ صدقہ نہیں کھاتا لیکن ہدیہ کھاتا

ہے۔ اور اس کے دو کندھوں میں اپنی نبوت کا نشان ہے۔ جب تم دیکھو گے تو پہچان لو گے۔ سلمان کہتے ہیں کہ جب ہم نے اس شخص کو دفن کر دیا تو بنی کلب کے تاجروں کا ایک قافلہ وہاں سے گزرا۔ میں نے ان کے وطن کے بارے میں پوچھا انھوں نے بتایا کہ ہم فلاں جگہ کے رہنے والے ہیں۔ میں نے انہیں کہا اگر تم مجھے اپنی سرزمین میں پہنچا دو تو میری یہ گائیں اور بکریاں اس کے عوض میں تم لے لو۔ وہ اس پر راضی ہو گئے وہ انہیں لے کر وادی القریٰ پہنچے لیکن انہوں نے مجھ پر یہ ظلم کیا کہ مجھے اپنا غلام بنا کر وادی قریٰ کے یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ بخدا وہاں میں نے نخلستان دیکھا اور میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید یہ وہی علاقہ ہے جس کے بارے میں راہب نے مجھے بتایا تھا۔ (13)

کچھ عرصہ بعد اس یہودی نے مدینہ طیبہ کے ایک یہودی کے ہاتھ مجھے فروخت کر دیا۔ وہ مجھے لے کر مدینہ طیبہ آیا۔ جونہی میں نے اس شہر کو دیکھا میں نے اس کو پہچان لیا اور میں اپنے مالک کا غلام بن کر وہاں حضور ﷺ کا انتظار کرنے لگا۔ مجھے معلوم ہوا کہ مکہ میں ایک نبی مبعوث ہوا ہے۔ میں غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ اپنی مرضی سے وہاں جا نہیں سکتا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا پیارا رسول مکہ سے ہجرت کر کے قبا میں تشریف فرما ہوا۔ ایک روز میں اپنے مالک کے نخلستان میں کھجور کے درختوں کی خدمت میں مصروف تھا کہ میرے مالک کا چچا زاد بھائی آیا اور کہنے لگا اوس اور خزرج کا ستیاناس ہو یہ لوگ اس مسافر کے ارد گرد جمع ہیں جو مکہ سے ترک وطن کر کے قبا میں پہنچا ہے۔ اور اس کے بارے میں وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ نبی ہے۔ میں نے جب یہ بات سنی تو مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی۔ میں کھجور کے ایک درخت پر چڑھا ہوا تھا مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں میں اپنے مالک کے اوپر نہ جا گروں' اس لیے میں اتر آیا اور میں نے پوچھا کہ تم کیا بات کر رہے تھے۔ میرے مالک نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور مجھے ایک زوردار مکہ رسید کیا اور غصہ سے کہا تجھے اس بات سے کیا واسطہ۔ تم اپنا کام کرو۔ میں نے کہا میرا اس خبر سے تو کوئی واسطہ نہیں لیکن میں نے ایک بات سنی۔ میں نے چاہا کہ اس بارے میں تصدیق کر لوں۔

جب شام ہوئی میرے پاس کھانے کی کوئی چیز تھی۔ میں قبا میں حضور کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے کہا مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نیک شخص ہیں اور آپ کے ساتھ آپ کے ساتھی بھی ہیں اور آپ مسافر ہیں۔ میرے پاس صدقہ کا کچھ طعام ہے میں سمجھتا ہوں آپ لوگ سب سے زیادہ اس کے مستحق ہیں لیجئے اسے تناول فرمائیے۔ سلمان کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک تو اس صدقہ کے طعام سے روک لیا اور اپنے ساتھیوں کو فرمایا کھاؤ اور خود نہ کھایا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ آپ کے بارے میں جو نشانیاں مجھے بتائی گئی تھیں ان میں سے ایک نشانی پوری ہو گئی کہ آپ صدقہ نہیں کھاتے۔

کچھ روز بعد حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے گئے چند روز بعد میں کوئی چیز لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا میں نے دیکھا ہے کہ آپ صدقہ نہیں کھاتے' یہ چیز بطور ہدیہ میں لے آیا ہوں یہ صدقہ نہیں ہے۔ سلمان کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اور آپ کے صحابہ نے اسے

تناول فرمایا۔ میں نے دل میں کہا دو نشانیاں پوری ہو گئیں۔

دن گزرتے گئے۔ سلمان ایک غلام کی زندگی بسر کرتے رہے۔ اور اس تجسس میں رہے کہ اس کے راھب نے اس نبی کے بارے میں جو نشانیاں انہیں بتائی تھیں کیا حضور کی ذات والا صفات میں یہ نشانیاں مکمل طور پر پائی جاتی ہیں۔

ایک دن میں حضور کے پاس آیا آپ اپنے ایک نیاز مند کے جنازہ کے سلسلہ میں بقیع شریف میں تشریف فرما تھے۔ میں پیچھے مڑا تا کہ میں پشت مبارک پر ختم نبوت کا مشاہدہ کروں۔ جب حضور نے مجھے دیکھا کہ میں پیچھے سے گھوم کر آیا ہوں تو حضور نے اپنی پشت مبارک پر پڑی ہوئی چادر اٹھالی۔ حضور کے دونوں کندھوں کے درمیان ختم نبوت کو میں نے دیکھ لیا جس طرح میرے راھب نے مجھے بتایا تھا۔ تو میں جذبات سے بے قابو ہو کر گر پڑا۔ میں وارفتگی میں حضور کو بوسے دے رہا تھا اور رو رہا تھا' سرکار دو عالم ﷺ نے مجھے فرمایا کہ آگے آؤ۔ میں اٹھ کر حضور کے سامنے بیٹھ گیا اور اپنی ساری داستان حضور کی خدمت میں پیش کی۔ یہ واقعہ آپ نے حضرت ابن عباس کی خدمت میں بیان کرنے کے بعد گزارش کی اے ابن عباس! جس طرح میں نے آپ کو اپنی ساری داستان سنائی ہے رسول کریم ﷺ کی خواہش کے مطابق میں نے حضور کے صحابہ کو بھی بالتفصیل اپنی کہانی سنائی تھی۔

میں غلام تھا اور اپنے آقا کی خدمت گزاری میں دن رات مشغول رہتا تھا۔ اس لیے بدر اور اُحد کے غزوات میں میں شرکت کی سعادت سے محروم رہا۔ ایک روز نبی کریم ﷺ نے مجھے فرمایا کہ اے سلمان! اپنے مالک کے ساتھ مکاتبت کرو۔ پس میں نے اپنے مالک کے ساتھ اس شرط پر مکاتبت کی کہ میں اسے کھجور کے تین سو پودے لگا کر اور ہرے کر کے دوں گا ان کے علاوہ چالیس اوقیہ چاندی پیش کروں گا جب میں نے اس کی اطلاع سرکار دو عالم کو دی تو حضور نے اپنے صحابہ کو حکم دیا "اعینوا اخاکم" اپنے بھائی کی مدد کرو۔ انہوں نے میری مدد کی' کسی نے کھجور کے تیس پودے کسی نے بیس' کسی نے پندرہ کسی نے دس دیئے۔ یہاں تک کہ تین سو پورے ہو گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے سلمان جاؤ ان پودوں کے لیے گڑھے کھودو اور جب اس کام سے فارغ ہو جاؤ تو میرے پاس آؤ۔ میں خود ان پودوں کو اپنے ہاتھ سے لگاؤں گا۔ میں نے جا کر تین سو گڑھے کھودے جس میں میرے دینی بھائیوں نے بھی میرا ہاتھ بٹایا۔ پھر میں نے حاضر ہو کر عرض کی۔ رسول کریم ﷺ مجھے ہمراہ لے کر اس جگہ کی طرف گئے۔ ہم وہ پودے اٹھا کر حضور کی خدمت میں پیش کرتے تھے اور حضور ﷺ اپنے دست مبارک سے ان گڑھوں میں لگاتے جاتے تھے۔ سلمان کہتے ہیں وَالَّذِیْ نَفْسُ سَلْمَانَ بِیَدِہٖ مَامَاتَتْ مِنْهَا وَدِیَّةٌ وَاحِدَةٌ مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں سلمان کی جان ہے کہ ان میں سے ایک پودا بھی نہیں مرا سب کے سب ہرے ہو گئے۔

لیکن ابھی چالیس اوقیہ کی ادائیگی میرے ذمہ باقی تھی۔ ایک روز مرغی کے انڈے کے برابر سونا کسی کان سے بارگاہ رسالت میں پیش کیا گیا۔ حضور نے دریافت کیا اس فارسی مکاتب کا کیا بنا۔

میں حاضر ہوا حضور نے وہ سونے کا انڈا مجھے دیا اور فرمایا کہ جو بقیہ زر مکاتبت تیرے ذمہ ہے وہ اس سے ادا کر دو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ وہ کثیر زر مکاتبت ایک بیضۂ زر سے کیونکر ادا ہو گا۔ تو قاسم خزائن الٰہی ﷺ نے ارشاد فرمایا خُذْ هَا فَاِنَّ اللّٰهَ سَيُؤَدِّیْ بِهَا عَنْكَ اسے لے لو یہ قلیل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اسی سے سارا زر مکاتبت ادا کر دے گا۔ میں نے لے لیا' اپنے مالک کے پاس گیا اور اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں سلمان کی جان ہے' اسی سے چالیس اوقیہ میں نے وزن کر کے انہیں ادا کر دیئے اور یوں میں نے اس یہودی کی غلامی نے نجات پائی۔ اب میں آزاد تھا۔ ہر وقت حضور کی خدمت میں رہتا۔ پہلی جنگ غزوہ خندق تھی جس میں ایک آزاد مومن کی حیثیت سے میں نے شرکت کی اور اس کے بعد کوئی جہاد ایسا نہیں ہوا جس میں' میں نے شمولیت نہ کی ہو۔ (14)

مندرجہ بالا واقعات اور روایات کے مطالعہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ یثرت کے اہل کتاب کو اپنی دینی کتب کے مطالعہ سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ اور ہجرت کے بعد جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ طیبہ میں تشریف لے آئے تو انہوں نے ان علامات سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خوب پہچان لیا تھا۔ لیکن حسد کے باعث ان میں سے اکثر نعمت ایمان سے محروم رہے۔

حوالہ جات

1- الوفا لابن الجوزی' جلد اول' صفحہ 37-38

2- ھدایہ الحیاری لابن قیم' صفحہ 40

3- ھدایة الحیاری لابن قیم صفحہ 18 - 17 الوفا لابن الجوزی صفحہ 55

4- الوفا ابن الجوزی صفحہ 42

5- ھدایة الحیاری صفحہ 27

6- انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا' جلد 3' صفحہ 513

7- ابن ھشام جلد اول ص 251 مطبع حجازی مصر

8- سیرت ابن کثیر' جلد اول' صفحہ 335

9- الوفا باحوال المصطفیٰ لابن جوزی' مطبوعہ مکتوبہ نوریہ رضویہ لاہور' جلد اول' صفحہ 125-128

10- الروض الانف' مطبوعہ دار الفکر بیروت' صفحہ 161

-11 فتح الباری ٗ جلد اول ٗ صفحہ 82-85

-12 فتح الباری ٗ جلد اول ٗ صفحہ 88 = زاد المعاد ٗ جلد دوم ٗ صفحہ 155-156

-13 دلائل النبوۃ ٗ جلد اول ٗ صفحہ 358-363 السیرۃ الحلبیہ ٗ صفحہ 179-180 الطبقات الکبری لابن اسعد ٗ جلد چہارم ٗ صفحہ 76-77

-14 سیرت ابن ھشام مع الروض الانف ٗ جلد اول ٗ صفحہ 247 تا 252

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

بائبل میں نبی آخرالزماں ﷺ کی پیشین گوئیاں

حضرت موسیٰؑ کی زبان سے بشارت

قرآن کا اشارہ

واذ قال عیسی ابن مریم یبنی اسراءیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔

(الصف: 6)

ترجمہ: ''اور یاد کرو عیسیٰ ابن مریمؑ کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ اے بنی اسرائیل، میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے، اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔''

پہلے فقرے کو بعد والے فقرے کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے یہ معنی نکلتے ہیں کہ میں اللہ کے رسول احمد (ﷺ) کی آمد کے متعلق تورات کی دی ہوئی بشارت کی تصدیق کرتا ہوں اور خود بھی ان کے آنے کی بشارت دیتا ہوں۔ اس معنی کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول کا اشارہ اس بشارت کی طرف ہے جو رسول اللہ ﷺ کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے دی تھی۔ اس میں وہ فرماتے ہیں:

''خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے، یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا، تم اس کی سننا۔ یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہوگا جو تو نے مجمع کے دن اپنے خدا سے حورب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو تاکہ میں مر جاؤں۔ اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے

ہیں۔ میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور پھر اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا۔ اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا' نہ سنے تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔"

(استثناء باب 18' فقرہ 15-19)

تین اہم توضیحی اشارات

یہ تورات کی صریح پیشین گوئی ہے جو محمد ﷺ کے سوا کسی اور پر چسپاں نہیں ہو سکتی۔

اس میں حضرت موسیٰ" اپنی قوم کو اللہ کا یہ ارشاد سنا رہے ہیں کہ میں تیرے لیے تیرے بھائیوں میں سے ایک نبی برپا کروں گا۔ ظاہر ہے کہ ایک قوم کے "بھائیوں" سے مراد خود اسی قوم کا کوئی قبیلہ یا خاندان نہیں ہو سکتا۔ بلکہ کوئی دوسری ایسی قوم ہی ہو سکتی ہے جس کے ساتھ اس کا قریبی نسلی رشتہ ہو۔ اگر مراد خود بنی اسرائیل میں سے کسی نبی کی آمد ہوتی تو الفاظ یہ ہوتے کہ میں تمہارے لیے خود تم ہی میں سے ایک نبی برپا کروں گا۔ لہٰذا بنی اسرائیل کے بھائیوں سے مراد لامحالہ بنی اسماعیل ہی ہو سکتے ہیں جو حضرت مریم" کی اولاد ہونے کی بنا پر ان کے نسبی رشتہ دار ہیں۔ مزید براں اس پیشین گوئی کا مصداق بنی اسرائیل کا کوئی نبی اس وجہ سے بھی نہیں ہو سکتا کہ حضرت موسیٰ" کے بعد بنی اسرائیل میں کوئی ایک نبی نہیں' بہت سارے نبی آئے ہیں جن کے ذکر سے بائبل بھری پڑی ہے۔

دوسری بات اس بشارت میں یہ فرمائی گئی ہے کہ جو نبی برپا کیا جائے گا وہ حضرت موسیٰ کے مانند ہو گا۔ اس سے مراد ظاہر ہے کہ شکل صورت یا حالات زندگی میں مشابہ ہونا تو نہیں ہے' کیونکہ اس لحاظ سے کوئی فرد بھی کسی دوسرے فرد کی مانند نہیں ہوا کرتا۔ اس سے مراد محض وصف نبوت میں مماثلت بھی نہیں ہے کیونکہ یہ وصف ان تمام انبیاء میں مشترک ہے جو حضرت موسیٰ" کے بعد آئے ہیں۔ اس لیے کسی ایک نبی کی یہ خصوصیت نہیں ہو سکتی کہ وہ اس وصف میں ان کے مانند ہو۔ پس ان دونوں پہلوؤں سے مشابہت کے خارج از بحث ہو جانے کے بعد کوئی اور وجہ مماثلت' جس کی بنا پر آنے والے ایک نبی کی تخصیص قابل فہم ہو' اس کے سوا نہیں ہو سکتی کہ وہ نبی ایک مستقل شریعت لانے کے اعتبار سے حضرت موسیٰ کے مانند ہو۔ اور یہ خصوصیت محمد ﷺ کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتی' کیونکہ آپ سے پہلے بنی اسرائیل میں جو نبی بھی آئے تھے وہ شریعت موسوی کے پیرو تھے' ان میں سے کوئی بھی ایک مستقل شریعت لے کر نہ آیا تھا۔

اس تعبیر کو مزید تقویت پیشین گوئی کے ان الفاظ سے ملتی ہے کہ "یہ تیری (یعنی بنی اسرائیل کی) اس درخواست کے مطابق ہو گا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن حورب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو اپنے خدا کی آواز سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو تا کہ میں مرجاؤں۔ اور خداوند نے

مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں' ٹھیک کہتے ہیں۔ میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا۔ اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔" اس عبارت میں حورب سے مراد وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہلی مرتبہ احکام شریعت دیئے گئے تھے اور بنی اسرائیل کی جس درخواست کا اس میں ذکر کیا گیا ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ اگر کوئی شریعت ہم کو دی جائے تو ان خوفناک حالات میں نہ دی جائے جو حورب پہاڑ کے دامن میں شریعت دیتے وقت پیدا کیے گئے تھے۔ اس کے جواب میں حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری یہ درخواست منظور کر لی ہے' اس کا ارشاد ہے کہ میں ان کے لیے ایک ایسا نبی برپا کروں گا جس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا۔ یعنی آئندہ شریعت دیتے وقت وہ خوفناک حالات پیدا نہیں کیے جائیں گے جو حورب پہاڑ کے دامن میں پیدا کیے گئے تھے۔ بلکہ اب جو نبی اس منصب پر مامور کیا جائے گا اس کے منہ میں بس اللہ کا کلام ڈال دیا جائے گا اور وہ اسے خلق خدا کو سنائے گا۔ اس تصریح پر غور کرنے کے بعد کیا اس امر میں کسی شبہ کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ محمد ﷺ کے سوا اس کا مصداق کوئی اور نہیں ہے؟ حضرت موسیٰ کے بعد مستقل شریعت صرف آپ ہی کو دی گئی۔ اس کے عطا کرنے کے وقت کوئی ایسا مجمع نہیں ہوا جیسا حورب پہاڑ کے دامن میں بنی اسرائیل کا ہوا تھا اور کسی وقت بھی احکام شریعت دینے کے موقع پر وہ حالات نہیں پیدا کیے گئے جو وہاں پیدا کیے گئے تھے۔

حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے بشارت

حضرت عیسیٰ کے قول کا دوسرا حصہ یہ ہے:

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ

ترجمہ: "اور میں بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا' جس کا نام احمد ہوگا۔"

یہ قرآن مجید کی ایک بڑی اہم آیت ہے جس پر مخالفین اسلام کی طرف سے بڑی لے دے بھی کی گئی ہے اور بدترین خیانت مجرمانہ سے بھی کام لیا گیا ہے' کیونکہ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کا صاف صاف نام لے کر آپ ﷺ کی آمد کی بشارت دی تھی۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس پر تفصیل کے ساتھ بحث کی جائے۔

وہ "احمد" ہوگا

1- اس میں نبی ﷺ کا اسمِ گرامی احمد بتایا گیا ہے۔ احمد کے دو معنی ہیں۔ ایک وہ شخص جو اللہ کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا ہو۔ دوسرے' وہ شخص جس کی سب سے زیادہ تعریف کی گئی ہو' یا جو بندوں میں سے سب سے زیادہ قابل تعریف ہو۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ یہ بھی حضور کا ایک نام

تھا۔ مسلم اور ابوداؤد طیالسی میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ انا محمد وانا احمد والحاشر...... "میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں حاشر ہوں......" اسی مضمون کی روایات حضرت جبیر بن مطعم سے امام مالکؒ، بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی نے نقل کی ہیں۔ حضور کا یہ اسم گرامی صحابہ میں معروف تھا۔ چنانچہ حضرت حسان بن ثابت کا شعر ہے:

صلی الا له ومن یحف بعرشه   والطیبون علی المبارک احمد

"اللہ نے اور اس کے عرش کے گرد جمگھٹا لگائے ہوئے فرشتوں نے اور سب پاکیزہ ہستیوں نے بابرکت احمد پر درود بھیجا ہے۔"

تاریخ سے بھی یہ ثابت ہے کہ حضور ﷺ کا نام مبارک صرف محمدؐ ہی نہ تھا بلکہ احمد بھی تھا۔ عرب کا پورا لٹریچر اس بات سے خالی ہے کہ حضورؐ سے پہلے کسی کا نام احمد رکھا گیا ہو۔ اور حضورؐ کے بعد احمد اور غلام احمد اتنے لوگوں کے نام رکھے گئے ہیں جن کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ اس سے بڑھ کر اس بات کا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے کہ زمانہ نبوت سے لے کر آج تک تمام امت میں یہ اسم گرامی معلوم و معروف رہا ہے۔ اگر حضور کا یہ اسم گرامی نہ ہوتا تو اپنے بچوں کے نام غلام احمد رکھنے والوں نے آخر کس احمد کا غلام ان کو قرار دیا تھا؟

وہ "نبی" سے مراد کیا ہے؟

2- انجیل یوحنا اس بات پر گواہ ہے کہ مسیح کی آمد کے زمانے میں بنی اسرائیل تین شخصیتوں کے منتظر تھے۔ ایک مسیح، دوسرے ایلیاہ (یعنی حضرت الیاسؑ کی آمدِ ثانی) اور تیسرے "وہ نبی" انجیل کے الفاظ یہ ہیں:

"اور یوحنا (حضرت یحییٰ علیہ السلام) کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس انہوں نے اس سے کہا پھر تو ہے کون؟ اس نے کہا کہ میں بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ سیدھی کرو...... انہوں نے اس سے یہ سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے، نہ ایلیا نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟" (باب 1 آیات 19-25)

یہ الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل حضرت مسیحؑ اور حضرت الیاسؑ کے علاوہ ایک اور نبی کے بھی منتظر تھے، اور وہ حضرت یحییٰؑ نہ تھے۔ اس نبی کی آ.. کا عقیدہ بنی اسرائیل میں اس قدر مشہور و معروف تھا کہ "وہ نبی" کہہ دینا گویا اس کی طرف اشارہ کرنے کے لیے بالکل کافی تھا۔

یہ کہنے کی ضرورت بھی نہ تھی کہ "جس کی خبر تورات میں دی گئی ہے۔" مزید برآں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس نبی کی طرف وہ اشارہ کر رہے تھے' اس کا آنا قطعی طور پر ثابت تھا' کیونکہ جب حضرت یحییٰ" سے یہ سوالات کیے گئے تو انہوں نے یہ نہیں کہا کہ کوئی اور نبی آنے والا نہیں ہے' تم کس نبی کے متعلق پوچھ رہے ہو۔

انجیل یوحنا کی پیشین گوئیاں

3- اب وہ پیشین گوئیاں دیکھیے جو انجیل یوحنا میں مسلسل باب 14 سے 16 تک منقول ہوئی ہیں:

"اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے یعنی روح حق جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ نہ اسے دیکھتی ہے نہ جانتی ہے۔ تم اسے جانتے ہو کیونکہ وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے اور تمہارے اندر ہے۔" (14:16-17)

"میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں۔ لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔" (14:25-26)

"اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔" (14:30)

"لیکن جب وہ مددگار آئے گا جسے میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا۔ یعنی سچائی کی روح جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔"
(15:6)

"لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔" (16:7)

"مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے۔ مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ وہ میرا جلال ظاہر کرے گا اس لیے کہ مجھ ہی سے حاصل کر کے تمہیں خبریں دے گا۔ جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے۔ اس لیے میں نے کہا کہ وہ مجھ ہی سے حاصل کرتا ہے اور تمہیں خبریں دے

گا۔" (15-12:16)

انجیل ترجمہ در ترجمہ کے عمل سے گزری

4-ان عبارتوں کے معنی متعین کرنے کے لیے سب سے پہلے تو یہ جاننا ضروری ہے کہ مسیح علیہ السلام اور ان کے ہم عصر اہل فلسطین کی عام زبان آرامی زبان کی وہ بولی تھی جسے سریانی Syriac کہا جاتا ہے۔ مسیح کی پیدائش سے دو ڈھائی سو برس پہلے ہی سلوقی (Seleucide) اقتدار کے زمانے میں اس علاقے سے عبرانی رخصت ہو چکی تھی اور سریانی نے اس کی جگہ لے لی تھی۔ اگرچہ سلوقی اور پھر رومی سلطنتوں کے اثر سے یونانی زبان بھی اس علاقے میں پہنچ گئی تھی، مگر وہ صرف اس طبقے تک محدود رہی جو سرکار دربار میں رسائی پا کر، یا رسائی حاصل کرنے کی خاطر یونانیت زدہ ہو گیا تھا۔ فلسطین کے عام لوگ سریانی کی ایک خاص بولی (Dialect) استعمال کرتے تھے جس کے لہجے اور تلفظات اور محاورات دمشق کے عام علاقے میں بولی جانے والی سریانی سے مختلف تھے۔ اور اس ملک کے عوام یونانی سے اس قدر ناواقف تھے کہ جب 72ء میں یروشلم پر قبضہ کرنے کے بعد رومی جنرل تیتس (Titus) نے اہل یروشلم کو یونانی میں خطاب کیا تو اس کا ترجمہ سریانی زبان میں کرنا پڑا۔ اس سے یہ بات خود بخود ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت مسیح نے اپنے شاگردوں سے جو کچھ کہا تھا وہ لامحالہ سریانی زبان ہی میں ہوگا۔

انجیل کے مشتبہ نسخے اور ان میں رد و بدل

دوسری بات یہ جاننی ضروری ہے کہ بائبل کی چاروں انجیلیں ان یونانی بولنے والے عیسائیوں کی لکھی ہوئی ہیں جو حضرت عیسیٰ کے بعد اس مذہب میں شامل ہوئے تھے۔ ان تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال و اعمال کی تفصیلات سریانی بولنے والے عیسائیوں کے ذریعہ سے کسی تحریر کی صورت میں نہیں بلکہ زبانی روایات کی شکل میں پہنچی تھیں اور ان سریانی روایات کو انہوں نے اپنی زبان میں ترجمہ کر کے درج کیا تھا۔ ان میں سے کوئی انجیل بھی 70ء سے پہلے کی لکھی ہوئی نہیں ہے۔ اور انجیل یوحنا تو حضرت عیسیٰ کے ایک صدی بعد غالباً ایشیائے کوچک کے شہر افسس میں لکھی گئی ہے۔ مزید یہ کہ ان انجیلوں کا بھی کوئی اصل نسخہ اس یونانی زبان میں محفوظ نہیں ہے جس میں ابتداءً یہ لکھی گئی ہے۔ مزید یہ کہ ان انجیلوں کے جتنے یونانی مسودات جگہ جگہ سے تلاش کر کے جمع کیے گئے ہیں ان میں سے کوئی بھی چوتھی صدی سے پہلے کا نہیں ہے۔ اس لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ تین صدیوں کے دوران میں ان کے اندر کیا کچھ رد و بدل ہوئے ہوں گے۔ اس معاملہ کو جو چیز خاص طور پر مشتبہ بنا دیتی ہے وہ یہ ہے کہ عیسائی اپنی انجیلوں میں اپنی پسند کے مطابق دانستہ تغیر و تبدل کرنے کو بالکل جائز سمجھتے رہے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مضمون بائبل کا مصنف لکھتا ہے:

"اناجیل میں ایسے نمایاں تغیرات دانستہ کیے گئے ہیں جیسے مثلاً بعض پوری پوری

عبارتوں کو کسی دوسرے ماخذ سے لے کر کتاب میں شامل کر دینا...... یہ تغیرات صریحاً کچھ ایسے لوگوں نے بالقصد کیے ہیں جنہیں اصل کتاب کے اندر شامل کرنے کے لیے کہیں سے کوئی مواد مل گیا اور وہ اپنے آپ کو اس کا مجاز سمجھتے رہے کہ کتاب کو بہتر یا زیادہ مفید بنانے کے لیے اس کے اندر اپنی طرف سے اس مواد کا اضافہ کر دیں...... بہت سے اضافے دوسری صدی ہی میں ہو گئے تھے اور کچھ نہیں معلوم کہ ان کا ماخذ کیا تھا۔"

اس صورت حال میں قطعی طور پر یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ انجیلوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو اقوال ہمیں ملتے ہیں وہ بالکل ٹھیک ٹھیک نقل ہوئے ہیں اور ان میں کوئی ردو بدل نہیں ہوا ہے۔

ایک اور قابلِ توجہ پہلو

تیسری اور نہایت اہم بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی فتح کے بعد بھی تقریباً تین صدیوں تک فلسطین کے عیسائی باشندوں کی زبان سریانی رہی اور کہیں نویں صدی عیسوی میں جا کر عربی زبان نے اس کی جگہ لی۔ ان سریانی بولنے والے اہل فلسطین کے ذریعہ سے عیسائی روایات کے متعلق جو معلومات ابتدائی تین صدیوں کے مسلمان علماء کو حاصل ہوئیں وہ ان لوگوں کی معلومات کی بہ نسبت زیادہ معتبر ہونی چاہئیں جنہیں سُریانی سے یونانی اور پھر یونانی سے لاطینی زبانوں میں ترجمہ در ترجمہ ہو کر یہ معلومات پہنچیں۔ کیونکہ مسیحؑ کی زبان سے نکلے ہوئے اصل سریانی الفاظ ان کے ہاں محفوظ رہنے کے زیادہ امکانات تھے۔

یوحنا کی پیشین گوئیوں کا ماحصل

5- ان ناقابل انکار تاریخی حقائق کو نگاہ میں رکھ کر دیکھیے کہ انجیل یوحنا کی مذکورہ بالا عبارات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بعد ایک آنے والے کی خبر دے رہے ہیں جس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ وہ "دنیا کا سردار" (سرورِ عالم) ہوگا' ابد تک رہے گا۔ "سچائی کی تمام راہیں دکھائے گا۔" اور خود ان کی (یعنی حضرت عیسیٰؑ کی) گواہی دے گا۔" یوحنا کی ان عبارتوں میں "روح القدس" اور "سچائی کی روح" وغیرہ الفاظ شامل کر کے مدعا کو خبط کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ مگر اس کے باوجود ان سب عبارتوں کو اگر غور سے پڑھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس آنے والے کی خبر دی گئی ہے وہ کوئی روح نہیں بلکہ کوئی انسان اور خاص شخص ہے جس کی تعلیم عالمگیر' ہمہ گیر اور قیامت تک باقی رہنے والی ہوگی۔ اس شخص خاص کے لیے اردو ترجمے میں "مددگار" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور یوحنا کی اصل انجیل میں یونانی زبان کا جو لفظ استعمال کیا گیا تھا اس کے بارے میں عیسائیوں کو اصرار ہے کہ وہ Paracletus تھا مگر اس کے معنی متعین کرنے میں خود عیسائی علماء کو سخت زحمت پیش آئی ہے۔ اصل یونانی زبان میں Para

Clete کے کئی معنی ہیں۔ کسی جگہ کی طرف بلانا' مدد کے لیے پکارنا' انداز و تنبیہ' ترغیب' اکسانا' التجا کرنا' دعا مانگنا۔ پھر یہ لفظ ہیلینی مفہوم میں یہ معنی دیتا ہے: تسلی دینا' تسکین بخشنا' ہمت افزائی کرنا۔ بائبل میں اس لفظ کو جہاں جہاں استعمال کیا گیا ہے ان سب مقامات پر اس کے کوئی معنی بھی ٹھیک نہیں بیٹھتے۔ اوراجن Origen نے کہیں اس کا ترجمہ Consolator کیا ہے اور کہیں Deprecator مگر دوسرے مفسرین نے ان دونوں ترجموں کو رد کردیا کیونکہ اوّل تو یہ یونانی گرامر کے لحاظ سے صحیح نہیں ہیں' دوسرے تمام عبارتوں میں جہاں یہ لفظ آیا ہے یہ معنی نہیں چلتے۔ بعض اور مترجمین نے اس کا ترجمہ Teacher کیا ہے' مگر یونانی زبان کے استعمالات سے یہ معنی بھی اخذ نہیں کیے جاسکتے۔ ترتولیان اور آگسٹائن نے لفظ Advocate کو ترجیح دی ہے' اور بعض اور لوگوں نے Assistant اور Comforter اور Consoler وغیرہ الفاظ اختیار کیے ہیں (ملاحظہ ہو سائیکلوپیڈیا آف ببلیکل لٹریچر لفظ پریکلیس)

ایک لفظ کا ہیر پھیر

اب دلچسپ بات یہ ہے کہ یونانی زبان ہی میں ایک دوسرا لفظ Periclytos موجود ہے جس کے معنی ہیں ''تعریف کیا ہوا''۔ یہ لفظ بالکل ''محمد'' کا ہم معنی ہے۔ تلفظ میں اس کے اور Paracletus کے درمیان بڑی مشابہت پائی جاتی ہے۔ کیا بعید ہے کہ جو عیسائی حضرات اپنی مذہبی کتابوں میں اپنی مرضی اور پسند کے مطابق بے تکلف رد و بدل کر لینے کے خوگر رہے ہیں' انہوں نے یوحنا کی نقل کردہ پیشین گوئی کے اس لفظ کو اپنے عقیدہ کے خلاف پڑتا دیکھ کر اس کے املا میں یہ ذرا سا تغیر کردیا ہو۔ اس کی پڑتال کرنے کے لیے یوحنا کی لکھی ہوئی ابتدائی یونانی انجیل بھی کہیں موجود نہیں ہے جس سے یہ تحقیق کیا جاسکے کہ وہاں ان دونوں الفاظ میں سے دراصل کون سا لفظ استعمال کیا گیا تھا۔

اصل لفظ منحمنا تھا

6- لیکن فیصلہ اس پر بھی موقوف نہیں ہے کہ یوحنا نے یونانی زبان میں دراصل کون سا لفظ لکھا تھا۔ کیونکہ بہرحال وہ بھی ترجمہ ہی تھا اور حضرت مسیحؑ کی زبان اوپر ہم بیان کرچکے ہیں فلسطین کی سریانی تھی۔ اس لیے انہوں نے اپنی بشارت میں جو لفظ استعمال کیا ہوگا وہ لامحالہ کوئی سریانی لفظ ہی ہونا چاہیے۔ خوش قسمتی سے وہ اصل لفظ ہمیں ابن ہشام کی سیرت میں مل جاتا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی اسی کتاب سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا ہم معنی یونانی لفظ کیا ہے۔ محمد بن اسحاق کے حوالہ سے ابن ہشام نے یُحنّس (یوحنا) کی انجیل کے باب 15 آیات 23 تا 27' اور باب 16 فقرہ 1 کا پورا ترجمہ نقل کیا ہے' اور اس میں یونانی ''فارقلیط'' کی بجائے سریانی زبان کا لفظ منحمنا استعمال کیا گیا ہے۔ پھر ابن اسحاق اور ابن ہشام نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ منحمنا کے معنی سریانی زبان میں محمد اور یونانی میں برقلیطس

ہیں۔" (ابن ہشام جلد اوّل' ص 248)

اب دیکھیے کہ تاریخی طور پر فلسطین کے عام عیسائی باشندوں کی زبان نویں صدی عیسوی تک سریانی تھی۔ یہ علاقہ ساتویں صدی کے نصف اوّل سے اسلامی مقبوضات میں شامل تھا۔ ابن اسحاق نے 768ء میں اور ابن ہشام نے 828ء میں وفات پائی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان دونوں کے زمانے میں فلسطینی عیسائی سریانی بولتے تھے۔ اور ان دونوں کے لیے اپنے ملک کی عیسائی رعایا سے ربط پیدا کرنا کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ نیز اس زمانے میں یونانی بولنے والے عیسائی لاکھوں کی تعداد میں اسلامی مقبوضات میں رہتے تھے۔ اس لیے یہ معلوم کرنا بھی ان کے لیے مشکل نہ تھا کہ سریانی کے کس لفظ کا ہم معنی یونانی زبان کا کون سا لفظ ہے۔ اب اگر ابن اسحاق کے نقل کردہ ترجمے میں سریانی لفظ منحمنا استعمال ہوا ہے' اور ابن اسحاق یا ابن ہشام نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ عربی میں اس کا ہم معنی محمد اور یونانی میں برقلیطس ہے تو اس امر میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ حضرت عیسیٰؑ نے حضور کا نام مبارک لے کر آپ ہی کے آنے کی بشارت دی تھی اور ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یوحنا کی یونانی انجیل میں دراصل لفظ Periclytos استعمال ہوا تھا جسے عیسائی حضرات نے بعد میں کسی وقت Paracletus سے بدل دیا ہے۔

نجاشی کی تصدیق

7- اس سے بھی قدیم تر تاریخی شہادت حضرت عبداللہ بن مسعود کی یہ روایت ہے کہ مہاجرین حبشہ کو جب نجاشی نے اپنے دربار میں بلایا' اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہٗ سے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سنیں تو اس نے کہا مرحبا بکم وبمن جئتم من عندہ اشھد انہ رسول اللہ وانہ الذی نجد فی الانجیل وانہ الذی بشربہ عیسی ابن مریم (مسند احمد) یعنی "مرحبا تم کو اور اس ہستی کو جس کے ہاں سے تم آئے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں' اور وہی ہیں جن کی بشارت عیسیٰ ابن مریمؑ نے دی تھی۔" یہ قصہ احادیث میں خود حضرت جعفرؓ اور حضرت ام سلمہؓ سے بھی منقول ہوا ہے۔ اس سے نہ صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ ساتویں صدی کے آغاز میں نجاشی کو یہ معلوم تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک نبی کی پیشین گوئی کر گئے ہیں' بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس نبی کی ایسی صاف نشانذہی انجیل میں موجود تھی جس کی وجہ سے نجاشی کو یہ رائے قائم کرنے میں کوئی تامل نہ ہوا کہ محمد ﷺ ہی وہ نبی ہیں۔ البتہ اس روایت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت عیسیٰ کی اس بشارت کے متعلق نجاشی کا ذریعہ معلومات یہی انجیل یوحنا تھی یا کوئی اور ذریعہ بھی اس کو جاننے کا اس وقت موجود تھا۔

سب سے زیادہ قابل اعتماد نسخہ انجیل

8- حقیقت یہ ہے کہ صرف رسول اللہ ﷺ ہی کے بارے میں حضرت عیسیٰ کی پیشین گوئیوں

کو نہیں، خود حضرت عیسیٰ کے اپنے صحیح حالات اور آپ کی اصل تعلیمات کو جاننے کا بھی معتبر ذریعہ وہ چار انجیلیں نہیں ہیں جن کو عیسائی کلیسا نے معتبر و مسلم انجیل (Cononical Gospels) قرار دے رکھا ہے، بلکہ اس کا زیادہ قابل اعتماد ذریعہ وہ انجیل برناباس ہے جسے کلیسا غیر قانونی اور مشکوک الصحت Apocryphal کہتا ہے۔ عیسائیوں نے اسے چھپانے کا بڑا اہتمام کیا ہے۔ صدیوں تک یہ دنیا سے ناپید رہی ہے۔ سولہویں صدی میں اس کے اطالوی ترجمے کا صرف ایک نسخہ پوپ سکسٹس Sixtus کے کتب خانے میں پایا جاتا تھا اور کسی کو اس کے پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔ اٹھارہویں صدی کے آغاز میں وہ ایک شخص جان ٹولینڈ کے ہاتھ لگا۔ پھر مختلف ہاتھوں میں گشت کرتا ہوا 1728ء میں ویانا کی امپیریل لائبریری میں پہنچ گیا۔ 1907ء میں اسی نسخے کا انگریزی ترجمہ آکسفورڈ کے کلیرنڈن پریس سے شائع ہوگیا تھا مگر غالباً اس کی اشاعت کے بعد فوراً ہی عیسائی دنیا میں یہ احساس پیدا ہوگیا کہ یہ کتاب تو اس مذہب کی جڑ ہی کاٹ دے رہی ہے جسے حضرت عیسیٰ" کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس لیے اس کے مطبوعہ نسخے کسی خاص تدبیر سے غائب کر دیئے گئے اور پھر کبھی اس کی اشاعت کی نوبت نہ آسکی۔ دوسرا ایک نسخہ اسی اطالوی ترجمہ سے اسپینی زبان میں منتقل کیا ہوا اٹھارہویں صدی میں پایا جاتا تھا، جس کا ذکر جارج سیل نے اپنے انگریزی ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں کیا ہے۔ مگر وہ بھی کہیں غائب کر دیا گیا اور آج اس کا بھی کہیں پتہ نشان نہیں ملتا۔ مجھے آکسفورڈ سے شائع شدہ انگریزی ترجمے کی ایک فوٹو سٹیٹ کاپی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اور میں نے اسے لفظ بلفظ پڑھا ہے۔ میرا احساس یہ ہے کہ یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے جس سے عیسائیوں نے محض تعصب اور ضد کی بنا پر اپنے آپ کو محروم کر رکھا ہے۔

عیسائی لٹریچر میں اس انجیل کا جہاں کہیں ذکر آتا ہے، اسے یہ کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے کہ یہ ایک جعلی انجیل ہے جسے شاید کسی مسلمان نے تصنیف کر کے برناباس کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ لیکن یہ ایک بہت بڑا جھوٹ ہے جو صرف اس بنا پر بول دیا گیا کہ اس میں جگہ جگہ بصراحت نبی ﷺ کے متعلق پیشینگوئیاں ملتی ہیں۔ اوّل تو اس انجیل کو پڑھنے ہی سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب کسی مسلمان کی تصنیف کردہ نہیں ہوسکتی۔ دوسرے اگر کسی مسلمان نے لکھی ہوتی تو مسلمانوں میں یہ کثرت سے پھیلی ہوئی ہوتی اور علمائے اسلام کی تصنیفات میں بکثرت اس کا ذکر پایا جاتا۔ مگر یہاں صورتِ حال یہ ہے کہ جارج سیل کے انگریزی مقدمہ قرآن سے پہلے مسلمانوں کو سرے سے اس کے وجود تک کا علم نہ تھا۔ طبری، یعقوبی، مسعودی، البیرونی، ابن حزم اور دوسرے مصنفین جو مسلمانوں میں عیسائی لٹریچر پر وسیع اطلاع رکھنے والے تھے، ان میں سے کسی کے ہاں بھی عیسائی مذہب پر بحث کرتے ہوئے انجیل برناباس کی طرف اشارہ تک نہیں ملتا۔ دنیائے اسلام کے کتب خانوں میں جو کتابیں پائی جاتی تھیں ان کی بہترین فہرستیں ابن ندیم کی الفہرست اور حاجی خلیفہ کی کشف الظنون ہیں، اور وہ بھی اس کے ذکر سے خالی ہیں۔ انیسویں صدی سے پہلے کسی مسلمان عالم نے انجیل برناباس کا نام تک نہیں لیا ہے۔ تیسری اور سب سے بڑی دلیل اس بات کے جھوٹ ہونے کی یہ ہے کہ نبی ﷺ کی پیدائش سے بھی 75 سال پہلے پوپ

گلاسیس اوّل Gelasius کے زمانے میں بدعقیدہ اور گمراہ کن Heretical کتابوں کی جو فہرست مرتب کی گئی تھی، اور ایک پاپائے فتوے کے ذریعہ سے جن کا پڑھنا ممنوع کردیا گیا تھا' ان میں انجیل برناباس Evangeliom Barnbe بھی شامل تھی۔ سوال یہ ہے کہ اس وقت کون سا مسلمان تھا جس نے یہ جعلی انجیل تیار کی تھی۔

انجیل برناباس میں حضور ﷺ کے متعلق واضح تر پیشگوئیاں

برناباس مسیحؑ کے اوّلین حواریوں میں سے تھا

بائبل میں جو چار انجیلیں قانونی اور معتبر قرار دے کر شامل کی گئی ہیں' ان میں سے کسی کا لکھنے والا بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صحابی نہ تھا۔ اور ان میں سے کسی نے یہ دعویٰ بھی نہیں کیا ہے کہ اس نے آنحضرت ﷺ کے صحابیوں سے حاصل کردہ معلومات اپنی انجیل میں درج کی ہیں۔ جن ذرائع سے ان لوگوں نے معلومات حاصل کی ہیں ان کا کوئی حوالہ انہوں نے نہیں دیا ہے جس سے یہ پتہ چل سکے کہ راوی نے آیا خود وہ واقعات دیکھے اور وہ اقوال سنے ہیں جنہیں وہ بیان کر رہا ہے یا ایک یا چند واسطوں سے یہ باتیں اسے پہنچی ہیں۔ بخلاف اس کے برناباس کا مصنف کہتا ہے کہ میں مسیحؑ کے اوّلین بارہ حواریوں میں سے ایک ہوں' شروع سے آخر تک مسیحؑ کے ساتھ رہا ہوں اور اپنی آنکھوں دیکھے واقعات اور کانوں سنے اقوال اس کتاب میں درج کر رہا ہوں۔ یہی نہیں بلکہ کتاب کے آخر میں وہ کہتا ہے کہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت حضرت مسیحؑ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ میرے متعلق جو غلط فہمیاں لوگوں میں پھیل گئی ہیں ان کو صاف کرنا اور صحیح حالات دنیا کے سامنے لانا تیری ذمہ داری ہے۔

برناباس کی شخصیت

یہ برناباس کون تھا؟ بائبل کی کتاب اعمال میں بڑی کثرت سے اس نام کے ایک شخص کا ذکر آتا ہے جو قبرص کے ایک یہودی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ عیسائیت کی تبلیغ اور پیروانِ مسیحؑ کی مدد و اعانت کے سلسلے میں اس کی خدمات کی بڑی تعریف کی گئی ہے۔ مگر کہیں یہ نہیں بتایا گیا کہ کب وہ دین مسیحؑ میں داخل ہوا' اور ابتدائی بارہ حواریوں کی جو فہرست تین انجیلوں میں دی گئی ہے' اس میں بھی کہیں اس کا نام درج نہیں ہے۔ اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس انجیل کا مصنف وہی برناباس ہے یا کوئی اور۔ متی' اور مرقس نے حواریوں Apostles کی جو فہرست دی ہے' برناباس کی دی ہوئی فہرست اس سے صرف دو ناموں میں مختلف ہے۔ ایک توما' جس کے بجائے برناباس خود اپنا نام دے رہا ہے' دوسرا شمعون قنانی' جس کی جگہ وہ یہوداہ بن یعقوب کا نام لیتا ہے۔ لوقا کی انجیل میں یہ دوسرا نام بھی موجود ہے۔ اس لیے یہ قیاس کرنا صحیح ہوگا کہ بعد میں کسی وقت صرف برناباس کو حواریوں سے خارج کرنے کے لیے توما کا

نام داخل کیا گیا ہے تا کہ اس کی انجیل سے پیچھا چھڑایا جا سکے' اور اس طرح کے تغیرات اپنی مذہبی کتابوں میں کر لینا ان حضرات کے ہاں کوئی ناجائز کام نہیں رہا ہے۔

اناجیل اربعہ سے بہتر و برتر

اس انجیل کو اگر کوئی شخص تعصب کے بغیر کھلی آنکھوں سے پڑھے اور نئے عہد نامے کی چاروں انجیلوں سے اس کا مقابلہ کرے تو وہ یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ ان چاروں سے بدرجہا بہتر ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں اور اس طرح بیان ہوئے ہیں جیسے کوئی شخص فی الواقع وہاں سب کچھ دیکھ رہا تھا اور ان واقعات میں خود شریک تھا۔ چاروں انجیلوں کی بہ نسبت زیادہ واضح اور مفصل اور موثر طریقے سے بیان کی ہیں۔ توحید کی تعلیم' شرک کی تردید' صفت باری تعالیٰ' عبادات کی روح اور اخلاق فاضلہ کے مضامین اس میں بڑے ہی پرزور اور مدلل اور مفصل ہیں۔ جن سبق آموز تمثیلات کے پیرایہ میں مسیحؑ نے یہ مضامین بیان کیے ہیں ان کا عشر عشیر بھی چاروں انجیلوں میں نہیں پایا جاتا۔ اس سے یہ بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ آنجناب اپنے شاگردوں کی تعلیم و تربیت کس حکیمانہ طریقے سے فرماتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان' طرز بیان اور طبیعت و مزاج سے کوئی شخص اگر کچھ بھی آشنا ہو تو وہ اس انجیل کو پڑھ کر یہ ماننے پر مجبور ہو گا کہ یہ کوئی جعلی داستان نہیں ہے جو بعد میں کسی نے گھڑ لی ہو' بلکہ اس میں حضرت مسیح علیہ السلام اناجیل اربعہ کی بہ نسبت اپنی اصل شان میں بہت زیادہ نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آتے ہیں' اور اس میں ان تضادات کا نام و نشان بھی نہیں ہے جو اناجیل اربعہ میں ان کے مختلف اقوال کے درمیان پایا جاتا ہے۔

یہ انجیل نبوتِ عیسیٰؑ کی صحیح آئینہ دار ہے

اس انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی اور آپ کی تعلیمات ٹھیک ٹھیک ایک نبی کی زندگی اور تعلیمات کے مطابق نظر آتی ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ایک نبی کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ تمام پچھلے انبیاء اور کتابوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ صاف کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کے سوا معرفت حق کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے' اور جو انبیاء کو چھوڑتا ہے وہ دراصل خدا کو چھوڑتا ہے۔ توحید' رسالت اور آخرت کے ٹھیک وہی عقائد پیش کرتے ہیں جن کی تعلیم تمام انبیاء نے دی ہے۔ نماز' روزے اور زکوۃ کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کی نمازوں کا جو ذکر بکثرت مقامات پر برناباس نے کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہی فجر' ظہر' عصر' مغرب' عشا اور تہجد کے اوقات تھے جن میں وہ نماز پڑھتے تھے' اور ہمیشہ نماز سے پہلے وضو فرماتے تھے۔ انبیاء میں سے وہ حضرت داؤد و سلیمان کو نبی قرار دیتے ہیں' حالانکہ یہودیوں اور عیسائیوں نے ان کو انبیاء کی فہرست سے خارج کر رکھا ہے۔ حضرت اسماعیل کو وہ ذبیح قرار دیتے ہیں

اور ایک یہودی عالم سے اقرار کراتے ہیں کہ فی الواقع ذبیح حضرت اسماعیل ہی تھے اور بنی اسرائیل نے زبردستی کھینچ تان کر کے حضرت اسحاق کو ذبیح بنا رکھا ہے۔ آخرت اور قیامت اور جنت و دوزخ کے متعلق ان کی تعلیمات قریب قریب وہی ہیں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں۔

انجیل برناباس سے عیسائیوں کی مخالفت کی وجہ

عیسائی جس وجہ سے انجیل برناباس کے مخالف ہیں' وہ دراصل یہ نہیں ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق جگہ جگہ صاف اور واضح بشارتیں ہیں' کیونکہ وہ تو حضور کی پیدائش سے بھی بہت پہلے اس انجیل کو رد کر چکے تھے۔ ان کی ناراضی کی اصل وجہ کو سمجھنے کے لیے تھوڑی سی تفصیلی بحث درکار ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی پیرو آپ کو صرف نبی مانتے تھے' موسوی شریعت کا اتباع کرتے تھے' عقائد اور اخلاق اور عبادات کے معاملہ میں اپنے آپ کو دوسرے بنی اسرائیل سے قطعاً الگ نہ سمجھتے تھے' اور یہودیوں سے ان کا اختلاف صرف اس امر میں تھا کہ یہ حضرت عیسیٰ کو مسیح" تسلیم کر کے ان پر ایمان لائے تھے اور وہ ان کو مسیح" ماننے سے انکار کرتے تھے۔ بعد میں جب سینٹ پال اس جماعت میں داخل ہوا تو اس نے رومیوں' یونانیوں اور دوسرے غیر یہودی اور غیر اسرائیلی لوگوں میں بھی اس دین کی تبلیغ و اشاعت شروع کر دی' اور اس غرض کے لیے ایک نیا دین بنا ڈالا جس کے عقائد اور اصول اور احکام اس دین سے بالکل مختلف تھے جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیش کیا تھا۔ اس شخص نے حضرت عیسیٰ" کی کوئی صحبت نہیں پائی تھی بلکہ ان کے زمانے میں وہ ان کا سخت مخالف تھا اور ان کے بعد بھی کئی سال تک ان کے پیرووں کا دشمن بنا رہا۔ پھر جب اس جماعت میں داخل ہو کر اس نے ایک نیا دین بنانا شروع کیا' اس وقت بھی اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی قول کی سند نہیں پیش کی بلکہ اپنے کشف والہام کو بنیاد بنایا اور اس نئے دین کی تشکیل میں اس کے پیش نظر بس یہ مقصد تھا کہ دین ایسا ہو جسے عام غیر یہودی Gentile دُنیا قبول کرے۔ اس نے اعلان کر دیا کہ ایک عیسائی شریعت یہود کی تمام پابندیوں سے آزاد ہے۔ اس نے کھانے پینے میں حرام و حلال کی ساری قیود ختم کر دیں۔ اس نے ختنہ کے حکم کو بھی منسوخ کر دیا جو غیر یہودی دنیا کو خاص طور پر ناگوار تھا۔ حتیٰ کہ اس نے مسیح" کی الوہیت اور ان کے ابن خدا ہونے اور صلیب پر جان دے کر اولادِ آدم کے پیدائشی گناہ کا کفارہ بن جانے کا عقیدہ بھی تصنیف کر ڈالا کیونکہ عام مشرکین کے مزاج سے یہ بہت مناسبت رکھتا تھا۔ مسیح کے ابتدائی پیرووں نے ان بدعات کی مزاحمت کی' مگر سینٹ پال نے جو دروازہ کھولا تھا' اس سے غیر یہودی عیسائیوں کا ایک ایسا زبردست سیلاب اس مذہب میں داخل ہو گیا جس کے مقابلے میں وہ مٹھی بھر لوگ کسی طرح نہ ٹھہر سکے۔ تاہم تیسری صدی عیسوی کے اختتام تک بکثرت لوگ ایسے موجود تھے جو مسیح" کی الوہیت کے عقیدے سے انکار کرتے تھے۔ مگر چوتھی صدی کے آغاز (325ء) میں نیقیہ (Nicaea) کی کونسل نے پولوسی عقائد کو قطعی طور پر عیسائیت کا مسلّم مذہب قرار دے دیا۔ پھر رومی سلطنت خود

عیسائی ہوگئی اور قیصر تھیوڈوسیس کے زمانے میں یہی مذہب سلطنت کا سرکاری مذہب بن گیا۔ اس کے بعد قدرتی بات تھی کہ وہ تمام کتابیں جو اس عقیدے کے خلاف ہوں' مردود قرار دے دی جائیں اور صرف وہی کتابیں معتبر ٹھہرائی جائیں جو اس عقیدے سے مطابقت رکھتی ہوں۔ 367ء میں پہلی مرتبہ اتھاناسیوس (Athanasius) کے ایک خط کے ذریعہ معتبر کو مسلّم کتابوں کے ایک مجموعہ کا اعلان کیا گیا' پھر اس کی توثیق 382ء میں پوپ ڈیمیسیس (Damasius) کے زیر صدارت ایک مجلس نے کی' اور پانچویں صدی کے آخر میں پوپ گلاسیس (Gelasius) نے اس مجموعہ کو مسلم قرار دینے کے ساتھ ساتھ ان کتابوں کی ایک فہرست مرتب کردی جو غیر مسلم تھیں۔ حالانکہ جن پولوسی عقائد کو بنیاد بنا کر مذہبی کتابوں کے معتبر اور غیر معتبر ہونے کا یہ فیصلہ کیا گیا تھا' ان کے متعلق بھی کوئی عیسائی عالم یہ دعویٰ نہیں کرسکا ہے کہ ان میں سے کسی عقیدے کی تعلیم خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی' بلکہ معتبر کتابوں کے مجموعہ میں جو انجیلیں شامل ہیں' خود ان میں بھی حضرت عیسیٰ ؑ کے اپنے کسی قول سے ان عقائد کا ثبوت نہیں ملتا۔

انجیل برناباس میں غلط عقائد کی تردید

انجیل برناباس ان غیر مسلم کتابوں میں اس لیے شامل کی گئی کہ وہ عیسائیت کے اس سرکاری عقیدے کے بالکل خلاف تھی۔ اس کا مصنف کتاب کے آغاز ہی میں اپنا مقصد تصنیف یہ بیان کرتا ہے کہ ان لوگوں کے خیالات کی اصلاح کی جائے جو شیطان کے دھوکے میں آ کر یسوع کو ابن اللہ قرار دیتے ہیں' ختنہ کو غیر ضروری ٹھہراتے ہیں اور حرام کھانوں کو حلال کر دیتے ہیں' جن میں سے ایک دھوکہ کھانے والا پولوس بھی ہے۔" وہ بتاتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ ؑ دنیا میں موجود تھے اس زمانے میں ان کے معجزات کو دیکھ کر سب سے پہلے مشرک رومی سپاہیوں نے ان کو خدا اور بعض نے خدا کا بیٹا کہنا شروع کیا' پھر یہ چھوت بنی اسرائیل کے عوام کو بھی لگ گئی۔ انہوں نے بار بار نہایت شدت کے ساتھ اپنے متعلق اس غلط عقیدے کی تردید کی اور ان لوگوں پر لعنت بھیجی جو ان کے متعلق ایسی باتیں کہتے تھے۔ پھر انہوں نے اپنے شاگردوں کو پورے یہودیہ میں اس عقیدے کی تردید کے لیے بھیجا اور ان کی دعا سے شاگردوں کے ہاتھوں بھی وہی معجزے صادر کرائے گئے جو خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے صادر ہوتے تھے' تاکہ لوگ اس غلط خیال سے باز آجائیں کہ جس شخص سے یہ معجزے صادر ہو رہے ہیں وہ خدا یا خدا کا بیٹا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ حضرت عیسیٰ کی مفصل تقریریں نقل کرتا ہے جن میں انہوں نے بڑی سختی کے ساتھ اس غلط عقیدے کی تردید کی تھی' اور جگہ جگہ یہ بتاتا ہے کہ آنجناب اس گمراہی کے پھیلنے پر کس قدر پریشان تھے۔ مزید برآں وہ اس پولوسی عقیدے کی بھی صاف صاف تردید کرتا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے صلیب پر جان دی تھی۔ وہ اپنے چشم دید حالات یہ بیان کرتا ہے کہ جب یہوداہ اسکریوتی یہودیوں کے سردار کاہن سے رشوت لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرانے کے لیے سپاہیوں کو لے کر آیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے چار فرشتے آنجناب کو اٹھا لے گئے' اور یہوداہ اسکریوتی کی شکل اور آواز بالکل وہی کردی

گئی جو حضرت عیسیٰ کی تھی۔ صلیب پر وہی چڑھایا گیا تھا نہ کہ حضرت عیسیٰ۔ اس طرح یہ انجیل پولوسی عیسائیت کی جڑ کاٹ دیتی ہے اور قرآن کے بیان کی پوری توثیق کرتی ہے۔ حالانکہ نزول قرآن سے 115 سال پہلے اس کے ان بیانات ہی کی بنا پر عیسائی پادری اسے رد کر چکے تھے۔

عیسائیوں کی بدقسمتی

اس بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انجیل برناباس درحقیقت اناجیل اربعہ سے زیادہ معتبر انجیل ہے، مسیح علیہ السلام کی تعلیمات اور سیرت اور اقوال کی صحیح ترجمانی کرتی ہے اور یہ عیسائیوں کی اپنی بدقسمتی ہے کہ اس انجیل کے ذریعہ سے اپنے عقائد کی تصحیح اور حضرت مسیح کی اصل تعلیمات کو جاننے کا جو موقع ان کو ملا تھا، اسے محض ضد کی بنا پر انہوں نے کھو دیا۔ اس کے بعد ہم پورے اطمینان کے ساتھ وہ بشارتیں نقل کر سکتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں برناباس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے روایت کی ہیں۔ ان بشارتوں میں کہیں حضرت عیسیٰ حضور کا نام لیتے ہیں۔ کہیں "رسول اللہ" کہتے ہیں، کہیں آپ کے لیے "مسیح" کا لفظ استعمال کرتے ہیں، کہیں "قابل تعریف" Admirable کہتے ہیں اور کہیں صاف صاف ایسے فقرے ارشاد فرماتے ہیں جو بالکل لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ہم معنی ہیں۔ ہمارے لیے ان ساری بشارتوں کو نقل کرنا مشکل ہے کیونکہ وہ اتنی زیادہ ہیں، اور جگہ جگہ مختلف پیرایوں اور سیاق وسباق میں آئی ہیں کہ ان سے ایک اچھا خاصا رسالہ مرتب ہو سکتا ہے۔

انجیل برناباس میں مندرج چند پیشگوئیاں

یہاں ہم محض بطور نمونہ ان میں سے چند کو نقل کرتے ہیں:

"تمام انبیاء جن کو خدا نے دنیا میں بھیجا، جن کی تعداد ایک لاکھ 44 ہزار تھی، انہوں نے ابہام کے ساتھ بات کی۔ مگر میرے بعد تمام انبیاء اور مقدس ہستیوں کا نور آئے گا جو انبیاء کی کہی ہوئی باتوں کے اندھیرے پر روشنی ڈال دے گا کیونکہ وہ خدا کا رسول ہے۔" (باب 17)

"فریسیوں اور لاویوں نے کہا اگر تو نہ مسیح ہے، نہ الیاس، نہ کوئی اور نبی، تو کیوں تو نئی تعلیم دیتا ہے اور اپنے آپ کو مسیح سے بھی زیادہ بنا کر پیش کرتا ہے؟ یسوع نے جواب دیا جو معجزے خدا میرے ہاتھ سے دکھاتا ہے وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ میں وہی کچھ کہتا ہوں جو خدا چاہتا ہے، ورنہ درحقیقت میں اپنے آپ کو اس (مسیح) سے بڑا شمار کیے جانے کے قابل نہیں قرار دیتا جس کا تم ذکر کر رہے ہو۔ میں تو اس خدا کے رسول کے موزے کے بند یا اس کی جوتی کے تسمے کھولنے کے لائق بھی نہیں ہوں جس کو تم مسیح کہتے ہو، وہ مجھ سے پہلے بنایا گیا تھا اور میرے بعد

آئے گا اور صداقت کی باتیں لے کر آئے گا تاکہ اس کے دین کی کوئی انتہا نہ ہو۔" (باب 42)

"بالیقین میں تم سے کہتا ہوں کہ ہر نبی جو آیا ہے وہ صرف ایک قوم کے لیے خدا کی رحمت کا نشان بن کر پیدا ہوا ہے۔ اس وجہ سے ان انبیاء کی باتیں ان لوگوں کے سوا کہیں اور نہیں پھیلیں جن کی طرف وہ بھیجے گئے تھے۔ مگر خدا کا رسول جب آئے گا' خدا گویا اس کو اپنے ہاتھ کی مہر دے گا' یہاں تک کہ وہ دنیا کی تمام قوموں کو جو اس کی تعلیم پائیں گی' نجات اور رحمت پہنچا دے گا۔ وہ بے خدا لوگوں پر اقتدار لے کر آئے گا اور بت پرستی کا ایسا قلع قمع کرے گا کہ شیطان پریشان ہو جائے گا۔" (اس کے آگے شاگردوں کے ساتھ ایک طویل مکالمہ میں حضرت عیسیٰ تصریح کرتے ہیں کہ وہ بنی اسماعیل میں سے ہوگا۔

"اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کا رسول وہ رونق ہے جس سے خدا کی پیدا کی ہوئی قریب قریب تمام چیزوں کو خوشی نصیب ہوگی۔ کیونکہ وہ فہم اور نصیحت' حکمت اور طاقت' خشیت اور محبت' حزم اور ورع کی روح سے مزین ہے جو اس نے خدا سے ان تمام چیزوں کی بہ نسبت تین گنی پائی ہے جنہیں خدا نے اپنی مخلوق میں سے یہ روح بخشی ہے۔ کیسا مبارک وقت ہوگا جب وہ دنیا میں آئے گا۔ یقین جانو' میں نے اس کو دیکھا ہے اور اس کی تعظیم کی ہے جس طرح ہر نبی نے اس کو دیکھا ہے۔ اس کی روح کو دیکھنے ہی سے خدا نے ان کو نبوت دی۔ اور جب میں نے اس کو دیکھا تو میری روح سکینت سے بھر گئی۔ یہ کہتے ہوئے کہ اے محمدؐ خدا تمہارے ساتھ ہو' اور وہ مجھے تمہاری جوتی کے تسمے باندھنے کے قابل بنا دے کیونکہ یہ مرتبہ بھی پالوں تو میں ایک بڑا نبی اور خدا کی ایک مقدس ہستی ہو جاؤں گا۔" (باب 44)

"(میرے جانے سے) تمہارا دل پریشان نہ ہو' نہ تم خوف کرو' کیونکہ میں نے تم کو پیدا نہیں کیا ہے' بلکہ خدا ہمارا خالق' جس نے تمہیں پیدا کیا ہے' وہی تمہاری حفاظت کرے گا۔ رہا میں تو اس وقت میں دنیا میں اس رسول خدا کے لیے راستہ تیار کرنے آیا ہوں جو دنیا کے لیے نجات لے کر آئے گا...... اندریاس نے کہا' استاد! ہمیں اس کی نشانی بتا دے تاکہ ہم اسے پہچان لیں۔ یسوع نے جواب دیا' وہ تمہارے زمانے میں نہیں آئے گا بلکہ تمہارے کچھ سال بعد آئے گا جبکہ میری انجیل ایسی مسخ ہو چکی ہوگی کہ مشکل سے کوئی 30 آدمی مومن باقی رہ جائیں گے۔ اس وقت اللہ دنیا پر رحم فرمائے گا اور اپنے رسول کو بھیجے گا جس کے سر پر

سفید بادل کا سایہ ہوگا جس سے وہ خدا کا برگزیدہ جانا جائے گا اور اس کے ذریعہ سے خدا کی معرفت دنیا کو حاصل ہوگی۔ وہ بے خدا لوگوں کے خلاف بڑی طاقت کے ساتھ آئے گا اور زمین پر بت پرستی کو مٹا دے گا۔ اور مجھے اس کی بڑی خوشی ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سے ہمارا خدا پہچانا جائے گا اور اس کی تقدیس ہوگی اور میری صداقت دنیا کو معلوم ہوگی اور وہ ان لوگوں سے انتقام لے گا جو مجھے انسان سے بڑھ کر کچھ قرار دیں گے...... وہ ایک ایسی صداقت کے ساتھ آئے گا جو تمام انبیاء کی لائی ہوئی صداقت سے زیادہ واضح ہوگی۔" (باب 72)

"خدا کا عہد یروشلم میں، معبد سلیمان کے اندر تعمیر کیا گیا تھا نہ کہ کہیں اور۔ مگر میری بات کا یقین کرو کہ ایک وقت آئے گا جب خدا اپنی رحمت ایک اور شہر میں نازل فرمائے گا، پھر ہر جگہ اس کی صحیح عبادت ہو سکے گی، اور اللہ اپنی رحمت سے ہر جگہ سچی نماز کو قبول فرمائے گا...... میں دراصل اسرائیل کے گھرانے کی طرف نجات کا نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، مگر میرے بعد مسیح آئے گا، خدا کا بھیجا ہوا تمام دنیا کی طرف، جس کے لیے خدا نے یہ ساری دنیا بنائی ہے۔ اس وقت ساری دنیا میں اللہ کی عبادت ہوگی، اور اس کی رحمت نازل ہوگی۔" (باب 83)

"(یسوع نے سردار کاہن سے کہا) زندہ خدا کی قسم جس کے حضور میری جان حاضر ہے، میں وہ مسیح نہیں ہوں جس کی آمد کا تمام دنیا کی قومیں انتظار کر رہی ہیں، جس کا وعدہ خدا نے ہمارے باپ ابراہیم سے یہ کہہ کر کیا تھا کہ "تیری نسل کے وسیلہ سے زمین کی سب قومیں برکت پائیں گی۔" (پیدائش 22:18) مگر جب خدا مجھے دنیا سے لے جائے گا تو شیطان پھر یہ بغاوت برپا کرے گا کہ نا پرہیزگار لوگ مجھے خدا اور خدا کا بیٹا مانیں۔ اس کی وجہ سے میری باتوں اور میری تعلیمات کو مسخ کر دیا جائے گا، یہاں تک کہ بمشکل 30 صاحب ایمان باقی رہ جائیں گے۔ اس وقت خدا دنیا پر رحم فرمائے گا اور اپنا رسول بھیجے گا جس کے لیے اس نے دنیا کی یہ ساری چیزیں بنائی ہیں، جو قوت کے ساتھ جنوب سے آئے گا اور بتوں کو بت پرستوں کے ساتھ برباد کر دے گا، جو شیطان سے وہ اقتدار چھین لے گا جو اس نے انسانوں پر حاصل کر لیا ہے۔ وہ خدا کی رحمت ان لوگوں کی نجات کے لیے اپنے ساتھ لائے گا جو اس پر ایمان لائیں گے، اور مبارک ہے وہ جو اس کی باتوں کو مانے۔" (باب 96)

"سردار کاہن نے پوچھا کیا خدا کے اس رسول کے بعد دوسرے نبی بھی آئیں گے؟ یسوع نے جواب دیا اس کے بعد خدا کے بھیجے ہوئے سچے نبی نہیں آئیں

گے مگر بہت سے جھوٹے نبی آ جائیں گے جن کا مجھے بڑا غم ہے۔ کیونکہ شیطان خدا کے عادلانہ فیصلے کی وجہ سے ان کو اٹھائے گا اور وہ میری انجیل کے پردے میں اپنے آپ کو چھپائیں گے۔" (باب 97)

"سردار کاہن نے پوچھا کہ وہ مسیح کس نام سے پکارا جائے گا اور کیا نشانیاں اس کی آمد کو ظاہر کریں گی؟ یسوع نے جواب دیا اس مسیح کا نام "قابل تعریف" ہے' کیونکہ خدا نے جب اس کی روح پیدا کی تھی اس وقت اس کا یہ نام خود رکھا تھا اور وہاں اسے ایک ملکوتی شان میں رکھا گیا تھا۔ خدا نے کہا "اے محمدؐ انتظار کر' کیونکہ تیری ہی خاطر میں جنت' دنیا اور بہت سی مخلوق پیدا کروں گا اور اس کو تجھے تحفہ کے طور پر دوں گا' یہاں تک کہ جو تیری تبریک کرے گا اسے برکت دی جائے گی اور جو تجھ پر لعنت کرے گا اس پر لعنت کی جائے گی۔ جب میں تجھے دنیا کی طرف بھیجوں گا تو میں تجھ کو اپنے پیغامبر نجات کی حیثیت سے بھیجوں گا۔ تیری بات سچی ہوگی یہاں تک کہ زمین و آسمان ٹل جائیں گے مگر تیرا دین نہیں مٹے گا۔" سو اس کا مبارک نام محمد ہے۔" (باب 97)

برناباس لکھتا ہے کہ ایک موقع پر شاگردوں کے سامنے حضرت عیسیٰ نے بتایا کہ میرے ہی شاگردوں میں سے ایک (جو بعد میں یہوداہ اسکریوتی نکلا) مجھے 30 سکوں کے عوض دشمنوں کے ہاتھ بیچ دے گا' پھر فرمایا:

"اس کے بعد مجھے یقین ہے کہ جو مجھے بیچے گا' وہی میرے نام سے مارا جائے گا' کیونکہ خدا مجھے زمین سے اوپر اٹھا لے گا اور اس غدار کی صورت ایسی بدل دے گا کہ ہر شخص یہ سمجھے گا کہ وہ میں ہی ہوں۔ تاہم جب وہ ایک بری موت مرے گا تو ایک مدت تک میری ہی تذلیل ہوتی رہے گی۔ مگر جب محمدؐ خدا کا مقدس رسول آئے گا تو میری وہ بدنامی دور کردی جائے گی۔ اور خدا یہ اس لیے کرے گا کہ میں نے اس مسیح کی صداقت کا اقرار کیا ہے۔ وہ مجھے اس کا یہ انعام دے گا کہ لوگ یہ جان لیں گے کہ میں زندہ ہوں اور اس ذلت کی موت سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔" (باب 113)

"(شاگردوں سے حضرت عیسیٰؑ نے کہا) بے شک میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر موسیٰ کی کتاب سے صداقت مسخ نہ کردی گئی ہوتی تو خدا ہمارے باپ داؤد کو ایک دوسری کتاب نہ دیتا؟ اور اگر داؤد کی کتاب میں تحریف نہ کی گئی ہوتی تو خدا مجھے انجیل نہ دیتا' کیونکہ خداوند ہمارا خدا بدلنے والا نہیں ہے اور اس نے سب انسانوں کو ایک ہی پیغام دیا ہے۔ لہٰذا جب اللہ کا رسول آئے گا تو وہ اس لیے

آئے گا کہ ان ساری چیزوں کو صاف کردے جن سے بے خدا لوگوں نے میری کتاب کو آلودہ کردیا ہے۔" (باب 124)

تین شبہات اور ان کا جواب

ان صاف اور مفصل پیشین گوئیوں میں صرف تین چیزیں ایسی ہیں جو بادی النظر میں نگاہ کو کھٹکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ان میں' اور انجیل برناباس کی متعدد دوسری عبارتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے مسیح ہونے کا انکار کیا ہے۔ دوسری یہ کہ صرف انہی عبارتوں میں نہیں بلکہ اس انجیل کے بہت سے مقامات پر رسول اللہ ﷺ کا اصل عربی نام "محمد" لکھا گیا ہے' حالانکہ یہ انبیاء کی پیشین گوئیوں کا عام طریقہ نہیں ہے کہ بعد میں آنے والی کسی ہستی کا اصل نام لیا جائے۔ تیسری یہ کہ اس میں آنحضرت ﷺ کو مسیح کہا گیا ہے:

پہلے شبہے کا جواب یہ ہے کہ صرف انجیل برناباس ہی میں نہیں بلکہ لوقا کی انجیل میں بھی یہ ذکر موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ نے اپنے شاگردوں کو اس بات سے منع کیا تھا کہ وہ آپ کو مسیح کہیں۔ لوقا کے الفاظ یہ ہیں: "اس نے ان سے کہا لیکن تم مجھے کیا کہتے ہو؟ پطرس نے جواب میں کہا "خدا کا مسیح" اس نے ان کو تاکید کرکے حکم دیا کہ یہ کسی سے نہ کہنا۔" (9:20-21) غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ بنی اسرائیل جس مسیح کے منتظر تھے اس کے متعلق ان کا خیال یہ تھا کہ وہ تلوار کے زور سے دشمنانِ حق کو مغلوب کرے گا' اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ مسیح میں نہیں ہوں بلکہ وہ میرے بعد آنے والا ہے۔

دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ برناباس کا جو اطالوی ترجمہ اس وقت دنیا میں موجود ہے اس کے اندر تو حضورؐ کا نام بے شک محمد لکھا ہوا ہے' مگر یہ کسی کو بھی معلوم نہیں ہے کہ یہ کتاب کن کن زبانوں سے ترجمہ در ترجمہ ہوتی ہوئی اطالوی زبان میں پہنچی ہے۔ ظاہر ہے کہ اصل انجیل برناباس سریانی زبان میں ہوگی' کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی زبان تھی۔ اگر وہ اصل کتاب دستیاب ہوتی تو دیکھا جاسکتا تھا کہ اس میں آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی کیا لکھا گیا تھا۔ اب جو کچھ قیاس کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ اصل میں تو حضرت عیسیٰ ؑ نے لفظ منحمنا استعمال کیا ہوگا' جیسا کہ ہم ابن اسحاق کے دیئے ہوئے انجیل یوحنا کے حوالہ سے بتاچکے ہیں' پھر مختلف مترجموں نے اپنی اپنی زبانوں میں اس کے ترجمے کردیئے ہوں گے۔ اس کے بعد غالباً کسی مترجم نے یہ دیکھ کر پیشین گوئی میں آنے والے کا جو نام بتایا گیا ہے وہ بالکل لفظ "محمد" کا ہم معنی ہے' آپ کا یہی اسم گرامی لکھ دیا ہوگا۔ اس لیے صرف اس نام کی تصریح یہ شبہ پیدا کردینے کے لیے ہرگز کافی نہیں ہے کہ پوری انجیل برناباس کسی مسلمان نے جعلی تصنیف کردی ہے۔

تیسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ لفظ "مسیح" درحقیقت ایک اسرائیلی اصطلاح ہے جسے قرآن مجید میں مخصوص طور پر حضرت عیسیٰ ؑ کے لیے صرف اس بنا پر استعمال کیا گیا ہے کہ یہودی ان کے مسیح

ہونے کا انکار کرتے تھے' ورنہ یہ نہ قرآن کی اصطلاح ہے نہ قرآن میں کہیں اس کو اسرائیلی اصطلاح کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے کہ یہودی رسول اللہ ﷺ کے حق میں اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لفظ مسیح استعمال کیا ہو اور قرآن میں آپ کے لیے یہ لفظ استعمال نہ کیا گیا ہو تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ انجیل برناباس آپ کی طرف کوئی ایسی چیز منسوب کرتی ہے جس سے قرآن انکار کرتا ہے۔
دراصل بنی اسرائیل کے ہاں قدیم طریقہ یہ تھا کہ کسی چیز یا کسی شخص کو جب کسی مقدس مقصد کے لیے مختص کیا جاتا تھا تو اس چیز پر یا اس شخص کے سر پر تیل مل کر اسے متبرک Consecrate کر دیا جاتا تھا۔ عبرانی زبان میں تیل ملنے کے اس فعل کو مسح کہتے تھے اور جس پر ملا جاتا تھا اسے مسیح کہا جاتا تھا۔ عبادت گاہ کے ظروف اسی طریقہ سے مسح کر کے عبادت کے لیے وقف کیے جاتے تھے۔ کاہنوں کو کہانت (Priesthood) کے منصب پر مامور کرتے وقت بھی مسح کیا جاتا تھا۔ بادشاہ اور نبی بھی جب خدا کی طرف سے بادشاہت یا نبوت کے لیے نامزد کیے جاتے تو انہیں مسح کیا جاتا۔ چنانچہ بائبل کی رو سے بنی اسرائیل کی تاریخ میں بکثرت مسیح پائے جاتے ہیں۔ حضرت ہارون کاہن کی حیثیت سے مسیح تھے' حضرت موسیٰ کاہن اور نبی کی حیثیت سے' طالوت بادشاہ کی حیثیت سے' حضرت داؤد بادشاہ اور نبی کی حیثیت سے' ملک صدق بادشاہ اور کاہن کی حیثیت سے' اور حضرت الیسع نبی کی حیثیت سے مسیح تھے۔ بعد میں یہ بھی ضروری نہ رہا تھا کہ تیل مل کر ہی کسی کو مامور کیا جائے' بلکہ محض کسی کا مامور من اللہ ہونا ہی مسیح ہونے کا ہم معنی بن گیا تھا۔ مثال کے طور پر دیکھیے: 1۔ سلاطین' باب 19 میں ذکر آیا ہے کہ خدا نے حضرت الیاس (ایلیاہ) کو حکم دیا کہ حزائیل کو مسح کر کہ آرام (دمشق) کا بادشاہ ہو' اور نمسی کے بیٹے یاہو کو مسح کر کہ اسرائیل کا بادشاہ ہو' اور الیشع (الیسع) کو مسح کر کہ تیری جگہ نبی ہو۔ ان میں سے کسی کے سر پر بھی تیل نہیں ملا گیا۔ بس خدا کی طرف سے ان کی ماموریت کا فیصلہ سنا دینا گویا انہیں مسح کر دینا تھا۔ پس اسرائیلی تصور کے مطابق لفظ مسیح درحقیقت ''مامور من اللہ'' کا ہم معنی تھا اور اسی معنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کے لیے اس لفظ کو استعمال کیا تھا۔ (لفظ ''مسیح'' کے اسرائیلی مفہوم کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سائیکلوپیڈیا آف ببلیکل لٹریچر' لفظ ''میسیاہ'')

مولانا حکیم انیس احمد صدیقی

عیسائیوں کو کتاب مقدس پر عمل کی دعوت

عہد نامۂ قدیم اور جدید سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام پیغمبروں کی تعلیم مشترک تھی۔ یعنی خدا کی توحید اور تقدیس اور مخلوقِ خدا کی خدمت اور ان کے ساتھ انصاف کرنا۔ چنانچہ قرآنِ کریم نے یہی نظریہ پیش کیا ہے۔ قرآنِ کریم تمام انبیاء علیہم السلام کی صداقت اور حقانیت پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے۔

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (بقرہ: 285) ہم مسلمان خدا کے کسی رسول میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔ ہمارا نام مسلمان اور جماعت کا نام امت مسلمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھا ہے۔ مسلمان کے معنی ہیں فرمانبردار یعنی احکام خداوندی کو ماننے والا' اور ان پر عمل کرنے والا مسلم یا مسلمان ہے۔ اسلام اور تسلیم کا مادہ ایک ہی ہے۔ تسلیم کا لفظ اردو میں بھی انہی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ مجھے آپ کی بات تسلیم ہے۔ یعنی میں آپ کی یہ بات مانتا ہوں۔ اس معنی کے لحاظ سے مسلمان کسی فرقہ یا جماعت کا نام نہیں ہے' بلکہ ہر زمانہ ہر ملک میں خدا کے نیک بندے اس کی تعلیم پر ایمان رکھنے والے مسلمان تھے' یعنی خدا کے فرمانبردار تھے۔

حضرت ابوالانبیاء سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام فرماتے ہیں:

واذ یرفع ابراهیم القواعد من البیت واسمعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امة مسلمة لک (البقرہ: 128،127)

اور جب ابراہیم اور اسمعیل خانہ کعبہ کی بنیادوں کو اونچا کر رہے تھے اس وقت دعا کر رہے تھے اے ہمارے رب ہماری تعمیر حرم کی خدمت قبول کر اور ہم دونوں کو ''مسلم'' اپنا فرمانبردار بنا لے اور میری اولاد جسمانی و روحانی سے امت مسلمہ بنا۔ تو دعا سننے والا اور جاننے والا ہے۔

حضرت ابوالانبیاء ابراہیم علیہ السلام خود اپنے اور فرزند ارجمند کے لیے مسلم فرمانبردار کا لفظ بطور صفت بیان فرما رہے ہیں پھر اپنی روحانی و جسمانی اولاد کو امت مسلمہ قرار دے رہے ہیں۔ قرآنِ

شریف میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

وَاتَّبِعَ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا (نساء: 125)

ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر عمل کرو۔

دوسری آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کا ارشاد ہے۔

پنجگانہ نمازوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بابرکت ذکر آتا ہے۔

اس لیے اہلِ کتاب کو عموماً اور عیسائیوں کو خصوصاً دعوت دیتا ہوں کہ وہ اپنی کتابوں کی روشنی میں تعصب اور تنگ نظری دُور کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کی پوری زندگی اور تبلیغ کا مقصد صرف توحید کی دعوت ہے، غور وفکر کریں اور حق واضح ہونے پر اس کو قبول کریں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام معمارِ حرم بھی ہیں اور اسلام کے بانی بھی۔ آپ نے اپنے اور اپنے صاحبزادہ کے مسلم ہونے کا اعلان کیا ہے۔ اس بات کو ذرا واضح کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

قُلۡ اِنَّ صَلَاتِىۡ وَنُسُكِىۡ وَمَحۡيَاىَ وَمَمَاتِىۡ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۙ لاشریک له وَبِذٰلِكَ اُمِرۡتُ وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِيۡنَ (انعام: 163,162)

کہو۔ میری نماز اور تمام عبادات حج وغیرہ موت اور زندگی جینا اور مرنا سب کچھ اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے مجھے اس ہی کا حکم ملا ہے اور میں پہلا مسلمان ہوں۔

میری یہ دعوت اس کتاب کے طبع اوّل 1961ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد الحمدللہ کئی ممالک کے حق پسند حضرات نے اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے جن میں سے بعض کے خاص افکار نقل کرتا ہوں:

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب میرے ہم زبان اور بھی ہیں

بعض مغربی مفکرین کا جرأت مندانہ اعترافِ حقیقت۔

بائبل، قرآن اور سائنس

ویٹی کن کے نان کرسچین افیسرز کے شعبہ نے چند سوصفحات پر مشتمل کتاب شائع کی ہے۔ 1970ء میں اس کا فرانسیسی زبان میں تیسرا ایڈیشن شائع ہوا ہے، کتاب کا مصنف اہلِ علم اور حق پسند عیسائیوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اسلام کے متعلق روایتی تعصب تنگ نظری اور بدگمانیوں سے چھٹکارا پانے کی کوشش کریں۔

اسلام اور اسلامی تعلیمات کے متعلق گمراہ کن معلومات کے بجائے صحیح معلومات حاصل کریں اور اختلافات کو دور کر کے خدا کے دشمن اشتراکی وطاغوتی طاقت کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک ہو جائیں۔

کتاب کا مصنف کہتا ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں عیسائی گاڈ کو ایک مانتے ہیں۔ یعنی اللہ اور گاڈ حقیقت میں ایک ہی ذات ہے صرف زبان کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔ اس کا کوئی شریک یا حصہ دار نہیں ہے اللہ کا لفظ اگرچہ ایسا ہے کہ اس کا ترجمہ کسی زبان میں کمال جامعیت کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا' تاہم بائبل میں گاڈ کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے بولا گیا ہے۔ عربی تراجم میں گاڈ کا ترجمہ اللہ اور اردو میں خداوند کے الفاظ سے ترجمہ کیا گیا ہے۔

کتاب کے مصنف نے لکھا ہے کہ عیسائی حضرات اللہ کے لفظ سے غلط باتیں منسوب کرتے ہیں مثلاً اللہ بڑی خونخوار خصوصیات کا حامل ہے' اور مسلمانوں کو ہر وقت لڑنے اور مرنے پر تیار رکھتا ہے۔

پھر جہاد کے متعلق لکھتا ہے۔ جہاد کے سلسلہ میں عیسائیوں کو غلط فہمی ہے کہ اسلام سے مختلف عقیدہ رکھنے والے۔ غیر مسلم کو قتل کرنے کا نام جہاد ہے۔

حالانکہ جہاد کا مادہ جہد ہے جس کے معنی کوشش کرنے کے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کے اعتبار سے جہاد یہ ہے کہ اللہ کے پیغام کو پھیلانے کی جدوجہد کی جائے اور وقت کے تقاضوں کے اعتبار سے جو صورت بھی پیدا ہو اس کے مطابق عمل کیا جائے۔

اس دستاویز میں مسلمانوں اور عیسائیوں کی بنیادی قدروں کو فراخدلی اور بے تعصبی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ مغربی ذرائع ابلاغ کو بھی ایسی مفید کتاب کے ساتھ وہ سلوک کرنا چاہیے جو اس کا حق ہے۔

فرانسیسی مصنف مارس بوکیل نے ایک معرکۃ الآراء اور جرأت مندانہ کتاب بائبل' قرآن اور سائنس کے نام سے لکھی ہے۔ 1976ء میں فرانسیسی زبان میں شائع ہوئی۔ 1978ء میں انگریزی میں شائع ہوئی اور اب اس کا عربی ترجمہ زیر طباعت ہے۔

مصنف نے یہودی' عیسائیوں اور مسلمانوں کی آسمانی کتابوں کا عمیق مطالعہ کیا ہے یہاں تک کہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کا غائر مطالعہ کیا۔ مصنف نے آسمانی کتابوں کے نازک پہلوؤں کا مقابلہ کرنے کے بعد غیر مسلم دنیا کی توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے کہ عیسائی اپنی مقدس کتاب کو آسمانی کتاب کا درجہ دیتے ہیں اور قرآن کو صرف ایک ذہین انسان کی تصنیف قرار دیتے ہیں' اور خدا کی کتابوں سے خارج کر کے ناانصافی اور جہالت کا ثبوت دیتے ہیں۔ مصنف کا دعویٰ ہے کہ یہودی اور عیسائی علماء اپنے قدیم مذہبی لٹریچر اور موجودہ سائنسی حقائق کے تضاد و تصادم کو عقل سلیم سے چھپانے کی کوشش کرتے ہیں یا تاویلات میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ مصنف کی تحقیق و معلومات کے مطابق یہودی اور عیسائی لٹریچر کی نسبت مسلمانوں کی تعلیمات یعنی قرآن شریف کا طرز بیان سائنس کے جدید نظریات کے قریب تر ہے۔

انسان کی پیدائش سے لے کر نباتات' پھلوں' سبزیوں اور حشرات الارض کیڑوں' مکوڑوں' نیز پرندوں اور حیوانوں کی عادات و خصائص اور موسموں کی تبدیلی اور عناصر فطرت کی گوناگوں حکمتوں کا قرآن کی روشنی میں جائزہ لینے اور زمین و آسمان کی تخلیق کے مذہبی تصورات' طوفان نوح اور فرعون کی

غرقابی کے متعلق قرآن کے حقائق و مندرجات بائبل کے مقابلہ میں سائنس کے تقاضوں سے زیادہ قریب ہیں۔

قرآن شریف کی تدوین کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کی خاص نگرانی و ہدایت اور صحابہ کبار کا انتہائی محتاط طریقہ اختیار کرنا اور اس کے ساتھ مصنف نے کتاب احادیث کے ذخیرہ پر نظر ڈالی ہے۔ اور جمع و تدوین حدیث اور اس کی احتیاط' راویوں کے حالات مستقل طور پر علم الرجال کی تدوین علمائے حدیث کا عظیم الشان کارنامہ ہے اصول درایت کا ذکر بھی کیا ہے۔

مصنف نے نہایت ایمانداری اور نیک نیتی سے اقرار کیا ہے کہ بائبل کا درجہ کتب حدیث کی مانند ہے' لیکن قرآن کی حقانیت وصداقت ان دونوں سے برتر ہے۔

مصنف نے عہد نامہ عتیق اور جدید میں اضافات اور تحریفات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور جو باتیں اصول فطرت کے خلاف ہیں ان کی نشاندہی بھی کی ہے' جو مصنف کے نزدیک انسانی ذہن کی تخلیق ہیں۔ غیر مسلم دنیا کو اس غلط رویہ پر سختی سے ٹوکا ہے کہ قرآن کو انسانی تخلیق کہتے ہیں۔

اس کتاب میں یہودیوں' عیسائیوں اور مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کی دعوت بھی دی گئی ہے جیسا کہ قرآن شریف میں اہل کتاب کو توحید اصل دین پر متحد ہونے کی دعوت دی گئی ہے۔

مصنف نے قرآن کی بلاغت ادر فصاحت کو سمجھنے اور اس کے حقائق و معارف تک رسائی حاصل کرنے کے لیے عربی زبان میں مہارت تامہ حاصل کی۔ مصنف قرآن کی تصریحات سے بے حد متاثر ہے۔ مصنف کا ادعا ہے کہ قرآن کی اپروچ' عقلی اور سائنسی رویوں کی تائید کرتی ہے' یہودیوں اور عیسائیوں کے لٹریچر میں اس کے مقابلہ میں تضاد موجود ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دور اقبال و عروج میں جدید تحقیقات' انکشافات اور معلومات کا عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس زمانہ میں یورپ پر ظلمت و جہالت کی تاریک گھٹا چھائی ہوئی تھی۔

عہد نامہ عتیق عبرانی بائبل میں متعدد چیزیں موجود نہیں جو دوسری بائبل میں اضافہ کی گئی ہیں۔ ان اضافوں پر نو سو سال تک کام ہوا ہے اور اب یہ بتانا محال ہے کہ کیا کیا اضافہ کب اور کس نے کیا ہے۔

یہودی اپنی کتاب کے علاوہ دوسری کسی کتاب کو وحی آسمانی نہیں مانتے' عیسائی یہودیوں کی کتاب اور اپنی کتابوں کے علاوہ کسی کتاب کو آسمانی کتاب تسلیم نہیں کرتے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو چاہیے کہ وہ تنگ نظری اور تعصب دور کر کے قرآن کو سمجھنے کی کوشش کریں' قرآن پچھلی تمام اصلی آسمانی کتابوں کی تصدیق و تائید کرتا ہے۔ عیسائیوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سخت تعصب اور تنگ نظری پائی جاتی ہے۔ عیسائیوں نے اسلام کا نام محمڈن ازم رکھ لیا ہے اور طرح طرح کے الزامات غلط طور پر منسوب کر دیے ہیں۔

مصنف نے بیان کیا ہے میں نے اپنے خیالات بعض عیسائی دوستوں سے بیان کیے تو انہوں نے ایسا محسوس کیا کہ میں حق کے بجائے شیطان کا ذکر کر رہا ہوں۔ بہر حال جس کو حق سمجھتا ہوں وہی

پیش کر رہا ہوں۔ اس کتاب کا انگلش ایڈیشن نارتھ امریکن ٹرسٹ پبلی کیشنز امریکہ نے شائع کیا ہے۔
(ماخوذ از نوائے وقت 21 فروری 1980ء)

لبنان کے لارڈ بشپ نے کہا

ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد اللہ کے رسول اور تمام انسانیت کے لیے اللہ کے نبی ہیں۔

لبیا میں یکم فروری تا 6 فروری 1976ء اسلامی عیسائی سمیپار منعقد ہوا جس میں ساٹھ ملکوں کے تین سو نمائندے شریک ہوئے' عیسائی نمائندگی بھرپور تھی۔ پروٹسٹنٹ' کیتھولک اور آرتھوڈوکس سب ہی شامل تھے' امریکہ اور یورپ کے علاوہ افریقہ کے مختلف حصوں کے عیسائی محققین اور پادری حضرات بھی موجود تھے۔ سینی گال' تنزانیہ' حبشہ' کینیا وغیرہ عیسائی ریاستوں کے نمائندگان نے بھی حصہ لیا۔ روس' یوگوسلاویہ' رومانیہ وغیرہ سے نمائندے بھی پہنچ گئے تھے۔

لبنان کے رومن کیتھولک کے لارڈ بشپ گریگور حداد وغیرہ سب ہی شامل تھے۔

کارڈینل سرگیوپکوڈلی کو 1951ء میں لارڈ بشپ کا منصب حاصل ہوا ہے۔ ویٹی کن کی طرف سے نائیجیریا اور کینیڈا میں سفیر رہ چکے ہیں۔ کرنل قذافی نے ان کا خاص طور سے خیر مقدم کیا۔ 5 فروری کے اجلاس میں موصوف نے کہا:

''عیسائیت کے نام پر ہم ان الفاظ پر اظہار معذرت کرتے ہیں اور مغفرت (معافی) چاہتے ہیں جو رسول اللہ صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ کی ذات کے بارے میں کہے جاتے رہے ہیں۔ بعض اہل فکر ونظر نے اس جملہ پر کہا تاریخ میں یہ جملہ نہایت اہم اور فیصلہ کن جملہ ہے کہ دونوں مذاہب کے درمیان ایک نیا باب کھل رہا ہے۔

نیز بیان کیا کہ چند ماہ قبل ہمارے سیکرٹریٹ کی طرف سے ماہرین الٰہیات کو یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ وہ مطالعہ اور تحقیق کے بعد بتائیں حضرت محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ لارڈ بشپ گریگور حداد نے یہ الفاظ بطور تجویز دہرائے۔

نشهد ان محمد رسول الله ونبى الى كافة الناس

ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور تمام انسانیت کے لیے نبی ہیں۔

(نوائے وقت 15 اپریل 1976ء)

اس کے بعد میں کتاب مقدس کی چند آیات پیش کرتا ہوں جن پر آج مسلمان ایمان رکھتے ہیں' لیکن اہل کتاب ان پر ایمان رکھنے کے بجائے تاویلات کرتے ہیں۔

کتابِ مقدس میں (فارقلیط) وکیل یا شفیع کی آمد

اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار (حاشیہ میں وکیل یا شفیع) بخشے گا

کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا۔ ایسی سچائی کی روح جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی' کیونکہ نہ اس کو دیکھتی اور جانتی ہے۔ تم اسے جانتے ہو کیونکہ وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے اور تمہارے اندر ہوگا۔ میں تمہیں یتیم نہیں چھوڑوں گا' میں تمہارے پاس آؤں گا۔ تھوڑی باقی ہے کہ دنیا پھر مجھے نہ دیکھے گی۔ مگر تم مجھے دیکھتے رہو گے چونکہ میں جیتا ہوں تم بھی جیتے رہو گے۔ اس روز تم جانو گے کہ میں اپنے باپ میں ہوں اور تم مجھ میں اور میں تم میں جس کے پاس میرے حکم ہیں اور وہ ان پر عمل کرتا ہے' وہی مجھ سے محبت رکھتا ہے۔ وہی میرے باپ کا پیارا ہوگا۔ اور میں اس سے محبت رکھوں گا۔ اور اپنے آپ کو اس پر ظاہر کروں گا۔ اس پر یہودا نے جو اسکریوتی نہ تھا اس سے کہا' اے خداوند کیا ہوا کہ تو اپنے آپ کو ہم پر تو ظاہر کیا چاہتا ہے' مگر دنیا پر نہیں۔ یسوع نے جواب میں کہا کہ اگر کوئی مجھ سے محبت رکھے تو وہ میرے کلام پر عمل کرے گا اور میرا باپ اس سے محبت رکھے گا۔ اور ہم اس کے پاس آئیں گے اور اس کے ساتھ سکونت کریں گے۔ جو مجھ سے محبت نہیں رکھتا' وہ میرے کلام پر عمل نہیں کرتا اور جو کلام تم سنتے ہو وہ میرا نہیں بلکہ باپ کا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔

میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں لیکن مددگار (شفیع یا وکیل) یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔ میں تمہیں اطمینان دیئے جاتا ہوں' اپنا اطمینان تمہیں دیتا ہوں۔ جس طرح دنیا دیتی ہے۔ میں تمہیں اس طرح نہیں دیتا۔ تمہارا دل نہ گھبرائے اور نہ ڈرے تم سن چکے ہو کہ میں نے تم سے کہا کہ جاتا ہوں اور تمہارے پاس پھر آتا ہوں اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو اس بات سے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں خوش ہوتے کیونکہ باپ مجھ سے بڑا ہے اور میں نے اس کے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے تا کہ جب ہو جائے تو تم یقین کرو۔ اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا۔ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں لیکن یہ اس لیے ہوتا ہے کہ دنیا جانے کہ میں باپ سے محبت رکھتا ہوں اور جس طرح باپ نے مجھے حکم دیا ہے میں ویسا ہی کرتا ہوں۔

(انجیل یوحنا باب 14 فقرہ 16 تا 31۔ ص 146,115

(برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور' مطبوعہ 1916ء)

عربی ایڈیشن میں ہے۔ ان کنتم تحبوننی فاحفظو وصایای. وانا اطلب من الاب فیعطیکم معزیا اخرلیمکث معکم الی الابده والحق الذی لایستطیع العالم ان یقبله لانه لایراه ولا یعرفه واما انتم فما فونه لانه ماکث معکم ویکون فیکم فهو یعلّمکم کل شی ویذکرکم بکل ماماته لکم' وقلت لکم آلآن قبل یکون حتی متی کان تومنون لا اتکلم ایضا معکم طیر الان رئیس هذا العالم یاتی و لیس له فی شی ملحضاً.

اس پیش گوئی میں دوسرا مددگار اور حاشیہ میں شفیع اور وکیل لکھا ہے' اس سے پہلی انجیل میں فارقلیط کا لفظ ہے۔ فارقلیط محمد اور احمد کے معنی ادا کرتا ہے۔ عبرانی میں یہ لفظ پیراکلی قوس عربی میں

فارقلیط ہوگیا۔ ڈاکٹر سیل نے اس کا ترجمہ ستودہ صفات احمد یا محمد کیا ہے۔ مسٹر گاڈ فرے ہگنز نے اپنی کتاب اپالوجی کے صفحہ 176 پر لکھا ہے فارقلیط عبرانی لفظ نہیں ہے بلکہ سریانی یا کلدانی پیراکلی طاس جس کے معنی ہیں ستودہ و پسندیدہ صفات محمود' محمد' مختار۔ مسٹر گاڈ فرے کی کتاب کا خلاصہ دین مبین کے نام سے اسلامی مشن لاہور نے شائع کیا ہے۔ دوسرا مددگار اور شفیع شفاعت کرنے والا وکیل بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی پیغمبر کے آنے کی اطلاع دے رہے ہیں اور اس کو سچائی کی روح کہا گیا ہے۔ چنانچہ حضورﷺ کو صادق اور امین کے نام سے پکارا جاتا تھا' تم اسے جانتے ہو' اناجیل اور تورات میں حضور علیہ السلام کی صفات اس قدر بیان کی گئی ہیں کہ اہل کتاب آپ کو خوب اچھی طرح پہچانتے تھے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

یعرفونه کما یعرفون ابنائهم (البقرہ:146)

اہل کتاب آنحضرتﷺ کو اس طرح سے پہچانتے ہیں جس طرح والدین اپنے بچوں کو جانتے پہچانتے ہیں۔

انجیل یوحنا باب 16 فقرہ 7 تا 15 میں تم سے سچ کہتا ہوں' میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔ اگر جاؤں گا تو اس کو تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ (8) اور وہ آ کر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصور وار ٹھہرائے گا۔ (9) گناہ کے بارے میں اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے۔

مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا۔ لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔

انجیل یوحنا کی اس پیش گوئی میں آنحضرتﷺ کی بہت سی صفات اور نشانیاں بیان کی ہیں۔ جو صرف آنحضرتﷺ کے علاوہ کسی پر صادق نہیں آتیں۔

-1 فارقلیط' محمد احمد مختار' میرے جانے کے بعد آئے گا۔ وہ میرے سامنے موجودگی میں نہیں آئے گا۔ روح القدس جبرائیل امین حضرت ابن مریم علیہ السلام کے سامنے اکثر آتے تھے۔ یہ کسی اور نبی کا ذکر و بشارت ہے۔

-2 ابھی عیسائی دین کی مکمل تعلیم برداشت کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ آنے والا دین کی مکمل تعلیم دے گا۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی (المائدہ:3)

آج تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تمہارے اوپر نعمت پوری کر دی ہے۔

-3 تم اس کو جانتے ہو کیونکہ وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے۔

آنحضرتﷺ مدینہ منورہ میں عیسائیوں کے ساتھ رہتے تھے اور وہ آپ کو اپنے بچوں کی طرح پہچانتے تھے۔

-4 وہ تمہارے اندر ہوگا' یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہوگا۔ جیسا کہ دوسری بشارتوں میں تمہارے بھائیوں میں نبی برپا کرنے کی خبر ہے۔ نبی اسماعیل ہی بنی اسرائیل کے برادر زادے ہیں۔

-5 میں باپ میں' تم مجھ میں اور میں تم میں یہ کمال تعلق کا اظہار ہے ورنہ ظاہری عبارت سے تمام موجودہ عیسائی جن کو خطاب کیا ہے' سب مسیح ابن مریم اور خدا ہو گئے۔ مسلمان حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو روح اللہ کلمۃ اللہ وغیرہ صفاتی ناموں سے موسوم کرتے ہیں۔

-6 آنے والے فارقلیط کی نشانی یہ ہے کہ وہ ابن مریم علیہ السلام کے متعلق غلط فہمیاں دور کر کے حقیقت کو ظاہر کرے گا۔

-7 دنیا کا سردار آتا ہے اور میں تم سے اس کے آنے سے پہلے ہی کہہ رہا ہوں۔ تا کہ تم اس کے آنے پر یقین کرو۔ آنحضرت ﷺ تمام اولادِ آدم کے سردار ہیں یعنی دنیا کے سردار ہیں بلکہ سردار دو عالم ہیں۔

-8 وہ جو کچھ سنے گا وہی کہے گا۔ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا۔
قرآن شریف میں ہے:
وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى o اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم: 4،3)
وہ اپنی خواہش سے بات نہیں کرتا لیکن جو اس کو وحی والہام ہوتا ہے وہی کہتا ہے۔

-9 قصور وار ٹھہرائے گا کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے۔ آنحضرت ﷺ نے یہود کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے گنہگار خطا کار ٹھہرایا۔

-10 پھر فرماتے ہیں کہ جو میرے احکام پر عمل کرتا ہے وہی میری محبت پر قائم ہے۔ معلوم ہوا کہ نیک اعمال کی ضرورت پر حضرت ابن مریم علیہ السلام نے بھی زور دیا ہے جو شریعت کو لعنت قرار دیتے ہیں وہ خود لعنت کے مستحق ہیں۔ اس روز جانو گے کہ میں باپ میں ہوں اور تم مجھ میں اور میں تم میں۔ دراصل یہ روحانی نسبت ہے جیسا ہم کہتے ہیں کہ اللہ والے یا ایک حدیث میں آتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے خداوند تعالیٰ سے اس قدر تقرب حاصل کرتا ہے کہ اس کا ہر کام اللہ کا کام ہوتا ہے۔ مولانا روم اس کو یوں فرماتے ہیں۔

گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

لیکن مددگار یا شفیع اور وکیل یعنی روح القدس جسے باپ میرے (بشارت) نام بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تم کو یاد دلائے گا۔ چنانچہ حضور ﷺ تشریف لائے تو آپ نے دین متین کی مکمل تعلیم دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ میں یہود

کے الزام کی تغلیط فرمائی اور حضرت عیسیٰ کے سولی چڑھانے اور مرنے کا انکار کیا اور اپنی آمد کے متعلق فرمایا کہ میں وہی نبی ہوں جس کی بشارت پہلے نبیوں نے اور خصوصاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے۔ **ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد (الصف :6)**

مذکورہ بشارت میں اگر روح القدس یعنی جبرائیل کی آمد تسلیم کی جائے تو وہ صراحتہً غلط ہے۔ کیا وہ حضرت عیسیٰ کے زمانے میں نہیں آتے تھے جو بعد میں آنے کی بشارت دی گئی ہے۔ پھر وہ دنیا کے سردار کیسے ہیں اور بقول حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کا کچھ حضرت عیسیٰ میں نہیں۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش ہی روح القدس کی نفخ سے ہوئی ہے (لوقا 1/37) پھر روح القدس کو حضرت عیسیٰ کے بعد عیسائیوں کے ساتھ رہنے کا موقع کب ملا اور روح القدس ان یعنی عیسائیوں میں سے کس طرح ہو گئے' بلکہ نبی کریم مدینہ شریف میں اہل کتاب کے ساتھ رہے اور اہل کتاب بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہیں اور محمد مصطفےٰ ﷺ بھی حضرت ابراہیم کی اولاد سے ہیں۔ لہٰذا عربی ما کث فیکم ٹھہرے گا اور تم میں یعنی اولاد ابراہیم میں سے ہوگا' یہ بالکل صحیح اور حقیقت کے مطابق ہے۔ یہ پیش گوئی صاف بتا رہی ہے کہ جس کی تعلیم ابدی ہوگی یہ اس نبی آخر الزماں سردار دو جہاں کی آمد آمد ہے۔ **اللھم صلی علی محمد وبارک وسلّم!**

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وصیت اور بشارت ملاحظہ کریں

اور یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ علیہ السلام مردِ خدا نے اپنے مرنے سے پہلے بنی اسرائیل کو بخشی اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کی پہاڑی سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی۔ (استثناء باب 33 فقرہ 1 تا 2 مطبوعہ 1916ء صفحہ 245)۔ خداوند یعنی خدا تعالیٰ کی تجلی حضرت موسیٰ کو طور سینا پر ہوئی۔ پھر خدا کا رسول حضرت عیسیٰ شعیر سے آئے اور سب سے آخر نبوت کا آفتاب مکہ کی پہاڑیوں سے حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی صورت میں طلوع ہوا۔

کوہ فاران مکہ کی پہاڑی ہے۔ مکہ معظمہ سے نبی آخرالزماں سردار دو جہاں مبعوث ہوئے۔ جس کو عبارت ہذا میں جلوہ گر ہونے سے تعبیر کیا ہے۔ پھر فتح مکہ کے وقت دس ہزار صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھے۔ عبارت بالا میں دس ہزار قدسیوں (پاک لوگوں) کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں آتشی شریعت' جس میں رخسار پر طمانچہ کھانے کے بعد دوسرا رخسار پیش کرنے کے بجائے طمانچہ مارنے کی اجازت اور معاف کر کے حسن اخلاق کا ثبوت دینے کی ترغیب کے ساتھ جاھدون فی سبیل اللہ کا واضح حکم ہے جس کی وجہ سے مکہ کے بڑے بڑے سرغنہ کافر اور منکرین اسلام ہلاک اور خاکستر ہوئے' یہ تمام نشان نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ اور کسی پر صادق نہیں آتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے متعلق تو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بشارت چند خاص اشارات ہیں۔ فاران کی چوٹیوں سے جبل حراء جبل ثور مکہ معظمہ کے دوسرے جبال مراد ہیں۔ فاران سے مکہ معظمہ مراد ہے' بائبل پیدائش میں حضرت اسماعیل کا ذکر ہے اس میں صراحت ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام فاران میں آباد ہوئے۔ فاران سے وادی غیر ذی ذرع ایسی وادی جہاں کھیتی باڑی نہ ہوتی ہو مراد ہے۔

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک پڑاؤ کا نام وادی فاطمہ ہے' وہاں کے بچے گل خزیمہ لاکر فروخت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں ھذا الزھر من بدیۃ فاران۔ ہم یہ پھول فاران کے جنگلات سے لائے ہیں۔

دوسری علامت اس میں فتح مکہ کے وقت دس ہزار پاکیزہ صفات اصحاب رسول اللہ ﷺ کی معیت کا ذکر ہے اردو ایڈیشن 1916ء تک دس ہزار کی تعداد موجود ہے اس کے بعد لاکھوں سے تبدیل کردی گئی ہے۔ لیکن مندرجہ ذیل نسخوں میں دس ہزار کی تعداد موجود ہے۔

1- The Bible authorised version

2- The Bible revised standard version

(1967 Edition)

ان کی اشاعت پر پاکستان کے عیسائیوں نے سخت ناراضگی کا اظہار اور چالیس روز تک ماتمی بلے لگانے کا اعلان کیا۔ (پاکستان ٹائمز 16 جنوری 1969ء)

حضرت ابن مریم فاران سے کب جلوہ گر ہوئے۔ ان کے ساتھ دس ہزار قدسی کب تھے۔ ان کے ساتھ صرف بارہ حواری تھے' جن میں سے ایک نے ابن مریم کو تیس روپے کے عوض بیچ دیا تھا' دوسرے نے ان پر لعنت کی اور دس بھاگ گئے۔

وہ قدوسی کیسے تھے جو چھوڑ کر بھاگ گئے یا چھوڑ کر بھاگنے والوں کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ابن مریم ان کے ساتھ آئے پھر اس میں آتشی شریعت کا ذکر بھی موجود ہے' یہ شریعت اسلام یا قرآنی احکام مراد ہیں' جس کے ذریعہ انتہا سے زیادہ بگڑی ہوئی قوم درست ہوگئی بلکہ دنیا کی بگڑی ہوئی قوموں کی اصلاح کا کام کیا۔ پیش گوئی میں ماضی کے الفاظ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا واقع ہونا ماضی کی طرح ہے۔ اس کے وقوع میں شک وشبہ نہیں ہے۔ آسمانی کتب میں یہ انداز بیان اکثر آیات میں پایا جاتا ہے' عہد نامہ' قدیم میں اور قرآن حکیم میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

کوہ شعیر' کوہ طور اور کوہ فاران کو ایک ہی شے قرار دینا اہل تثلیث کا وہ کارنامہ جس کا جواب نہیں۔ جس طرح تین کا مجموعہ ایک' باپ' بیٹا' روح القدس تین ہوتے ہوئے بھی ایک ہیں اور اس قسم کا دعویٰ بداہتہً غلط اور ناقابل فہم ہے۔

بائبل پیدائش باب 14 فقرہ سے ثابت ہے کہ کوہ شعیر اور فاران دو مختلف مقامات ہیں۔ گنتی

باب 10 ' فقرہ 14 سے ثابت ہے کہ کوہ سینا اور فاران جدا ہیں۔

کوارٹرلی ریویو (Quarterly Review) اکتوبر 1925ء میں ایک یہودی عالم کا مضمون ص 299 شائع ہوا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ وہ فاران کے پہاڑ سے ظاہر ہوا۔ اور اس کے ہاتھ میں شریعت روشن تھی۔ جس سے مراد قرآن ہے۔

کتاب مقدس میں اسم مبارک اور حلیہ مبارک نہایت اہم بشارت

حضرت سلیمان علیہ السلام۔ غزل الغزلات

میرا محبوب سرخ و سفید ہے۔ دس ہزار آدمیوں کے درمیان وہ جھنڈے کی طرح کھڑا ہے۔ اس کا سر ایسا ہے جیسا چوکھا سونا۔ اور اس کی زلفیں پیچ در پیچ اور کوے کی سی اس کی کالی آنکھیں ان کبوتروں کی طرح ہیں جو لب دریا دودھ میں نہا کے تمکنت سے بیٹھے ہیں۔ ان کے رخسار سے پھولوں کے چمن اور بلسان کی ابھری ہوئی کیاری کی مانند ہیں۔ اس کے لب سوسن دہن جن سے بہتا ہوا امر ٹپکتا ہے اس کے ہاتھ ایسے ہیں جیسے سونے کی لڑیاں جن میں جواہر جڑے گئے ہیں' اس کا پیٹ ہاتھی دانت کا سا کام ہے' جس پر نیلم کے گل بنے ہوئے ہوں' اس کے پیر ایسے ہیں جیسے سنگ مرمر کے ستون جو سونے کے پایوں پر کھڑے کیے جائیں۔ اس کی قامت لبنان کی سی۔ وہ خوبی میں رشک سرو ہے اس کا منہ شیرینی ہے۔ ہاں وہ سراپا عشق انگیز ہے' اے یروشلم کی بیٹیو یہ میرا پیارا یہ میرا جانی ہے۔

(غزل الغزلات سلیمان باب 5 فقرہ 10 تا 16)

اس پیش گوئی میں دس ہزار آدمیوں کی تعداد صراحت سے مذکور ہے اور فتح مکہ کے وقت تاریخ کی معتبر کتب میں دس ہزار صحابہ کا آپ کے ہمراہ ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ پرشکوہ پیش گوئی حضور علیہ السلام کے بارے میں ہے۔ اس میں ہے کہ میرے محبوب کا رنگ سرخ و سفید ہے' اس کے مقابلہ میں وہ حدیث پڑھئے۔ لو رئیتہ رئیت الشمس طالعۃ رواہ الدارمی۔ اگر آپ کو دیکھا تو گویا چمکتا ہوا آفتاب دیکھا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ سرخ دھاریوں کی چادر اوڑھے ہوئے تھے اور چودھویں کی رات تھی۔ صحابی نے کبھی آپ کے چہرۂ انور پر نگاہ کی اور کبھی چاند کو دیکھا تو صحابی کو نبی کریم ﷺ کا چہرۂ انور زیادہ روشن محسوس ہوا۔

چاند میں ہے داغ' روئے یار پر ایک تل نہیں
ناقص ان کے سامنے کیونکر مہ کامل نہیں

آپ کے سر مبارک کی تعریف خالص سونے کی طرح چمکدار' احادیث شمائل میں ہے کہ آپ کا سر مبارک عظیم اور پیشانی کشادہ تھی۔ آپ کی زلفیں پیچ در پیچ' حدیث شریف میں ہے کہ 63 سال کی عمر میں بھی آپ کے موئے مبارک سیاہ تھے۔ صرف 12 یا 15 بال سفید تھے اور وہ بھی تیل لگانے کی حالت میں محسوس نہ ہوتے تھے۔ نیز حدیث میں ہے کہ نہ بالکل سیدھے تھے اور نہ گنگھریالے بلکہ پیچ دار

تھے۔ آپ کی آنکھیں سرمہ لگی ہوئی محسوس ہوتی تھیں لیکن سرمہ نہیں ہوتا تھا۔ آپ کے رخسار مبارک پھول کی طرح کھلے ہوئے اور چاندی کی طرح روشن نظر آتے' آپ کے دہن مبارک اور دست و پا کی احادیث میں جو تعریف و توصیف ہے' اس کو سامنے رکھتے ہوئے یہ پیش گوئی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر حرف بحرف صادق آتی ہے۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری	حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
من وجہک المنیر لقد نور القمر	یا صاحب الجمال و یا سید البشر
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر	لایمکن الثناء کما کان حقہ

اس کے بعد سب سے واضح پیش گوئی حضرت حبقوق علیہ السلام کی کتاب سے سنئے:

وہ فاران سے آیا' زمین اس کی حمد سے معمور ہوگئی۔

خدا تیماں (جنوب) سے آیا وہ' جو قدوس ہے۔ کوہ فاران سے آیا سلاہ اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا اور زمین اس کی حمد (احمد محمد) سے معمور ہوگئی۔ اس کی جگمگاہٹ نور کی مانند تھی۔ اس کے ہاتھ سے کرنیں نکلیں' پر وہاں بھی اس کی قدرت در پردہ تھی۔ مری اس کے آگے چلا اور اس کے قدموں پر آتشی وبا روانہ ہوئی' وہ کھڑا ہوا اور اس نے زمین کو لرزہ دیا۔ اس نے نگاہ کی اور قدموں کو پراگندہ کر دیا اور قدیم پہاڑ ریزہ ہوگئے اور پرانی پہاڑیاں اس کے آگے دھنس گئیں۔ اس کی قدیم راہیں یہی ہیں۔

(باب 3' فقرہ 6' ص 100)

یہ پیش گوئی عبرانی بائبل میں اس طرح سے ہے۔

وکلہ محمد یم ھذا حنیلی وذا حبیبی لیکن اردو میں محمد یم کا ترجمہ سراپا عشق انگیز کر دیا ہے۔ عبرانی میں یم کا لفظ جمع کی علامت ہے جو واحد کے لیے بطور تعظیم استعمال ہوا ہے جیسا عبرانی میں 'الوہ' ہے تعظیماً الوہیم کہتے ہیں۔

محمد ﷺ

اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات پیدا کرنے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا جو تمام اشرف مخلوقات اور مسجود و ملائک ہوئے۔ آدم علیہ السلام کی اولاد میں اوّلین آخرین کا سردار' نبیوں کے فضل و کمال کا خاتم رحمت اللعالمین کے منصب پر آنحضرت ﷺ کو فائز فرمایا۔

کہ فخر اوّلین و آخرین ہیں	محمد مصطفیٰ صدر نشین ہیں
بہ منصب رحمۃ للعالمین ہیں	سریر آراء ختم المرسلین ہیں

انسان ابتدائے آفرینش سے اس ہی وضع قطع پر بنایا گیا ہے جس پر آج موجود ہے' لیکن دماغی ترقی اور روحانی عروج میں اضافہ ہوتا رہا ہے' اس ارتقاء کی آخری کڑی محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں آپ زمانے کے اعتبار سے بھی نبی آخر الزماں اور فضل و کمال اور منصب و جلال کے اعتبار

سے بھی خاتم النبیین ہیں۔

محمد کے ایک معنی ہیں جس کا حق پورا کردیا گیا ہو۔ آپ کی ذات گرامی کے ذریعہ اولاد آدم کے آخری اور سب اعلیٰ درجہ پر فائز کیا۔ اور آپ کے ذریعہ ادیان کی تکمیل کی گئی۔ آپ کے ذریعہ علم، عمل، تقویٰ، طہارت، خَلق اور خُلق کی تکمیل ہوئی۔

انک العلی خلق عظیم (القلم :4)

اور آپ اخلاق کی بلندیوں پر ہیں۔

اور حدیث میں ہے:

بعثت لالمم مکارم الاخلاق

مجھے اعلیٰ اخلاق کی بلندیوں پر مبعوث کیا۔

آپ کا نام نامی اسم گرامی بھی ایک معجزہ ہے۔ طلوع آفتاب رسالت بلکہ اس سے پہلے انوار سحر آسمان کے کناروں میں نظر آ رہے۔

اس پیش گوئی میں کوہِ فاران (مکہ) سے نبی کریم ﷺ کی بعثت کے ساتھ آپؐ کی شوکت اور عظمت سے آسمان اور زمین کا پر ہونا بیان کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ سے قبل کسی کا نام محمدؐ اور احمد نہیں رکھا گیا۔ محمد کے معنی ہیں اوصاف حمیدہ، اوصاف محمودہ کا مالک احمد افعل التفضیل ہے بہت زیادہ حمد کرنے والا، یا اسم مفعول کے معنوں میں بہت زیادہ تعریف کیا ہوا۔ تیرہ سو سال سے آج تک تمام دنیا میں نمازِ پنجگانہ کے لیے آذان میں اشهدان محمد رسول الله کا اعلان کیا جاتا ہے۔ آپ کو قرآنِ کریم میں سورۃ الحمد خاص طور پر عطا کی گئی ہے، قیامت کے روز اوّلین و آخرین کے سامنے آپ کے دست مبارک میں لواء الحمد ہوگی، آپؐ کے دادا حضرت عبدالمطلب کا اصل نام شیبۃ الحمد تھا۔ آپ نے ہر کام کے آغاز اور اختتام پر الحمد کا پڑھنا مسنون قرار دیا۔ کھانے کے لیے الحمد لله الذی اطعمنا و سقانا۔ چھینک آئے تو الحمدلله۔ خطبۂ مسنون میں نحمده و نستعينه اور کام انجام ہو تو اخردعوانا ان الحمدلله ربِّ العالمین۔ الحمد کے علاوہ آپ کے لیے مقام محمود بھی موجود ہے جس کے لیے آذان کے بعد دعا مانگی جاتی ہے۔ ومقاما محموداً التی وعدته آپ کی سیرت پاک کی حیات طیبہ کا بغور مطالعہ کرو یقینی طور پر اس نتیجہ پر پہنچو گے کہ جس کی حمد سے زمین بھر گئی وہ جناب محمد مصطفٰے احمد مجتبیٰ ﷺ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

اس کے ہاتھ سے کرنیں نکلیں۔ آپؐ کے دست مبارک دندانِ مبارک سے نور چمکتا تھا۔ آپؐ کے دست مبارک سے چاند کے دو ٹکڑے ہوئے اور پھر ایک ہوگیا، آپ کے دست مبارک سے پانی کا چشمہ جاری ہوگیا۔

اس کے قدموں پر آتشی وبا تھی۔ پہلی پیش گوئیوں میں آتشی شریعت مذکور ہے۔ یہ وہی آتشی شریعت ہے، جس کی رو سے جہاد فی سبیل اللہ یعنی دشمنانِ اسلام اور کفارانِ عرب جل کر خاکستر ہوگئے

اور جو بھی مقابلہ میں آیا وہ تاب نہ لا سکا۔

وہ کھڑا ہوا اور اس نے زمین کو لرزا دیا۔ قرآن میں ہے کہ اگر ہم قرآن کریم پہاڑ پر اُتارتے تو وہ پہاڑ خدا کے خوف سے لرز جاتا اور شق ہو جاتا۔ جب نبی کریم ﷺ خداوند تعالیٰ کی وحی اور تعلیم لے کر مبعوث ہوئے تو رُوئے زمین پر تہلکہ مچ جانا یقینی اور فطری امر تھا۔

قدیم پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گئے۔ عرب کی جہالت کی رسمیں جن کا مٹانا پہاڑوں کو مٹانے سے کسی طرح کم نہ تھا' لیکن آپ کی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ جو لوگ خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھ کر پوجتے تھے وہ آج دنیا کے موحد اعظم اور سب سے بڑے بت شکن تھے۔

اس کی قدیم راہیں یہی ہیں۔ حضرت ابوالانبیاء خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام نے دین حنیف (اسلام) کی تاسیس کی اور جس پاک مذہب کی بنیادیں بھری تھیں اس پر بہترین سربفلک عمارت قائم کرنے والے جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

مذکورہ بالا وضاحت کے بعد جس میں کسی قسم کا مبالغہ یا استعارہ تک نہیں ہے۔ اس پیش گوئی کے مصداقِ حقیقی حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ ہیں اور جو لوگ کتابِ مقدس پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ پر ایمان لائیں۔

اسرائیل کے بعد بنی اسمٰعیل کا نبوت سے سرفراز ہونا

اور اپنے دلوں میں یہ کہنے کا خیال نہ کرو کہ ابراہیم ہمارا باپ ہے' کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا ان پتھروں سے ابراہیم کے لیے اولاد پیدا کر سکتا ہے اور آپ درختوں کی جڑ پر کلہاڑا رکھا ہوا ہے۔ پس جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔ میں تو تمہیں توبہ کے لیے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن جو میرے بعد آتا ہے وہ مجھ سے زور آور ہے' میں اس کی جوتیاں اٹھانے کے لائق نہیں ہوں' وہ تمہیں روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دے گا۔ اس کا چھاج اس کے ہاتھ میں ہے' وہ اپنے کھلیان کو خوب صاف کرے گا اور اپنے گیہوں کو تو کھتے میں جمع کرے گا مگر بھوسی کو اس آگ میں جلائے گا جو بجھنے کی نہیں۔ (انجیل متی باب 3 فقرہ 8 تا 12)

اہلِ کتاب یہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کی اولاد کے بارے میں وعدہ کیا ہے ہم اس کی بنا پر جو چاہیں کریں خدا کی رحمت اور فضل کے ہم ہر حال میں مستحق رہیں گے۔ قرآن کریم میں بھی اس وعدہ کا ذکر ہے اور نیک اولاد کے ساتھ مشروط ہے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادوں میں حضرت اسحٰق اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد شامل ہے۔ حضرت اسحٰق کی اولاد سے بنی اسرائیل میں کئی پیغمبر ہوئے۔ ہزار ہا سال تک خداوند تعالیٰ کی خاص رحمت اور نعمت سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا گیا لیکن بالآخر جب ان کی سرکشی اور نافرمانی بڑھتی گئی تو نبوت کا سلسلہ بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسمٰعیل میں انتہائی عظمت کے ساتھ ظہور پذیر ہوا۔ آفتابِ نبوت طلوع ہوا۔

ادھر لاکھوں ستاروں سے ہے بزمِ کہکشاں روشن
ادھر اک شمع روشن ہے کہ ہیں کون و مکاں روشن
(نظیر)

معماروں کا رد کیا ہوا پتھر کونے کا سرا بن گیا

"وہی کونے کے سرے کا پتھر ہوگیا' جس پتھر کو معماروں نے رد کیا۔ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے۔" (باب 12 فقرہ 11)

بنی اسرائیل اپنی طرف سے بنی اسمٰعیل کو ناکارہ سمجھیں لیکن خدا تو ان کو فضیلت اور رحمت سے سرفراز فرماتا ہے۔ کونے کا پتھر خانہ کعبہ میں حجر اسود جو ابراہیم علیہ السلام نے لگایا تھا' وہ بیت اللہ شریف کے کونے میں نصب ہے اور تمام عالم اسلام کے مسلمان حج کے موقع پر اس کو بوسہ دیتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کے لیے خاص نشانی یا شعار مقرر ہے۔

درختوں پر کلہاڑا رکھا ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں جو انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کو نااہل لوگوں نے سبز و شاداب باغ کی طرح بے ثمر کردیا ہے اور اس سے کوئی فائدہ متوقع نہیں رہا تو اس سلسلہ کا ختم کرنا ضروری ہوا تاکہ پرانا درخت کاٹ کر نیا درخت لگایا جائے' نیا درخت نئی شان کے ساتھ نمودار ہوگا' جس کی میں جوتیاں اٹھانے کے قابل نہیں ہوں۔ اس کے ہاتھ میں آتشی شریعت ہوگی۔ اس سے جہاد فی سبیل اللہ ہوگا' جس میں کفار اور منافقین جل بھن کر بھسم ہو جائیں گے۔ اور مومن مخلص...... حضور ﷺ کی رفاقت اختیار کریں گے' یعنی گیہوں کو اپنے کھتے میں جمع کریں گے اور چھلکا یعنی منافقین و معاندین جہاد کی آگ میں جلا کر خاکستر کردیے جائیں گے۔ حقیقت میں بھی ایسا ہی ہوا۔

ہجرتِ نبوی اور غزوۂ بدر کتابِ مقدس میں

توریت اور انجیل میں نبی آخر الزماں ﷺ کی بے شمار بشارتیں موجود ہیں' جن میں آپ کی ذات و صفات کے علاوہ حالات اور واقعات کا ذکر بھی تفصیل سے ہے۔ نبی کریم ﷺ کی ہجرت مبارک کا واقعہ اسلامی تاریخ میں نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ آپ کی ہجرت سے اسلامی سن شروع ہوتا ہے۔ یہ عظمت اور عزت کسی بھاگنے والے کو حاصل نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کی تعریف قرآنِ کریم میں فرمائی۔

انجیل یسعیاہ میں اس کی ضروری تفاصیل پہلے اہل قریش کی حالت نبی کریم علیہ السلام کی مخالفت اور آپؐ کے خلاف سازش بلکہ نعوذ باللہ آپ کو شہید کرنے کے ناپاک پروگرام کا تذکرہ کیا گیا ہے "وہ ننگی تلوار سے اور کھچی ہوئی کمان سے اور شدید جنگ سے بھاگا ہے۔" پھر پورے ایک سال بعد قیدار بائبل میں یہ لفظ بکثرت بنی اسمٰعیل کے لیے استعمال کیا گیا ہے) یعنی اہلِ قریش کی طاقت اور حشمت ختم ہو جائے گی' چنانچہ بدر کے میدان میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں پر فتح عطا فرمائی اور

بڑے بڑے سردار ابوجہل وغیرہ کتے کی موت مارے گئے۔

عرب کی بابت الہامی کلام' عرب کے صحرا میں تمام رات کاٹو گے' اے دوانیو کے قافلو پانی لے کر پیاسے کے استقبال کو آؤ' تنا والو روٹی لے کر بھاگنے والے کے لیے نکلو' وہ ننگی تلوار کھچی ہوئی کمان اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں۔ ٹھیک ایک برس میں قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی۔

(یسعیاہ 13 فقرہ 13 تا 17)

میں سمجھتا ہوں کہ ایک شخص اگر ان پیش گوئیوں کو بغیر کسی تعصب' بغیر کسی خارجی اثر کے پڑھے گا تو وہ انبیائے سابقین علیہم السلام کے ساتھ حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر ضرور بالضرور ایمان لائے گا۔ اسلام نے کس قدر صحیح عقیدہ پیش کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک تمام انبیاء کو صادق' امین اور معصوم تسلیم کیا جائے اور تمام انبیاء علیہم السلام کی صداقت میں کوئی فرق اور امتیاز روا نہ رکھا جائے۔ قرآن کریم نے عیسائیوں کو یوں مخاطب کیا ہے:

لاتقولوا ثلاثۃ انتھوا خیر الکم انما اللہ الہ واحد (نساء :123) یعنی یہ نہ کہو کہ تین خدا ہیں۔ اس سے باز آجانا ہی مناسب ہے' حقیقت میں صرف اللہ ایک معبود ہے۔ اور دوسری جگہ فرمایا: حتیٰ تقیمو التوراۃ والانجیل؟ یعنی اہلِ کتاب اپنی کتابوں تورات اور اناجیل پر پوری طرح عمل کریں اور ان پر عمل کرنے کا یقینی مطلب یہ ہے کہ نبی آخرالزماں ﷺ پر بھی ایمان لائیں۔

1947ء میں ہندو مسلم فسادات کے زمانہ میں پنڈت سندر لال نے تقریر میں کہا تھا کہ مسلمانوں کا مذہب تعصب سے بالاتر ہے' تنگ نظری کے بجائے اسلام وسعت قلب و نظر کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ اسلام ہی ہے جو یہودیوں کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی سچا مانتا ہے اور عیسائیوں کے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی پاک اور برگزیدہ مانتا ہے اور قرآن کریم کی تصریح کے مطابق ہر ملک اور ہر قوم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ہادی بھیجے ہیں۔ لکل قوم ھاد اس لیے ہر قوم کے مصلح اور اکابر کی تعظیم سکھاتا ہے۔

حضرت دانیال علیہ السلام کی بشارت' بخت نصر بادشاہ نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا' صبح خواب سے بیدار ہوا تو ملک کے نامور علماء کو طلب کیا اور حکم دیا کہ میرے خواب اور اس کی تعبیر بیان کرو لیکن وہ خواب کے متعلق کچھ نہ بتا سکے۔ بادشاہ نے کہا کسی ایسے شخص کو لاؤ جو ہمارا مسئلہ حل کرے۔ حضرت دانیال علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ عظیم بت ہے جس کا سر سونے کا' سینہ چاندی کا' پیٹ تانبے کا اور پیر فولاد کے ہیں۔ ایک پتھر آیا اس نے بت کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے۔ بادشاہ نے کہا بے شک میرا خواب یہی ہے۔

حضرت دانیال نے فرمایا یہ بت کی صورت میں مختلف تہذیبیں ہیں ایک تہذیب پتھر حجر اسود یا مقامِ ابراہیم سے نسبت رکھنے والی آئے گی جو تمام تہذیبوں کو ختم کرکے سب پر غالب ہوگی۔

(خلاصہ انجیل دانیال علیہ السلام باب 2 فقرہ 1 تا 45)

مکہ معظمہ چاہِ زمزم کا ذکر و بشارت

-4 مبارک ہیں جو ترے گھر میں بستے ہیں وے سدا تری ستائش کریں گے۔
-5 مبارک وہ انسان جس میں قوت تجھ سے ہے ان کے دل میں تری راہیں ہیں۔
-6 وے بکہ کی وادی میں گزر کرتے ہیں' اسے ایک کنواں بتاتے ہیں۔ یہی برسات اسے برکتوں سے ڈھانپ لیتی ہے۔ (بائبل مطبوعہ آرفن سکول مرزا پور 1870ء)

عربی میں بکہ اور مکہ ایک ہی شہر کے نام ہیں:
قرآن شریف میں:
ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ (آل عمران: 96)
لوگوں کے لیے سب سے پہلا خدا کا گھر مکہ میں۔
انگریزی ایڈیشن میں: The Valley of Beca Make it a well
اہل مکہ ہمیشہ تری ستائش کریں گے' ان کو مبارک باد دی ہے' اس مبارک باد کا اثر ہے کہ اس پر کسی غیر کا قبضہ نہیں ہوا اور وہ بیت المقدس کی طرح مختلف بادشاہوں کے ہاتھوں بار بار برباد ہونے سے محفوظ رہا۔

اوّل آخر ہو جائیں گے اور آخر اوّل (متی)

آسمان کی بادشاہی اس گھر کے مالک کی مانند ہے جو سویرے نکلا تا کہ اپنے تاکستان (باغ) میں مزدور لگائے اور اس نے مزدوروں سے دینار روز ٹھہرا کر ان کو اپنے تاکستان میں بھیج دیا۔ پھر دن چڑھے کے قریب نکل کر اس نے اوروں کو بازار میں بیکار کھڑے دیکھا اور ان سے کہا تم بھی تاکستان میں چلے جاؤ جو واجب ہے تم کو دوں گا۔ پس وہ چلے گئے۔ پھر اس نے دو پہر اور تیسرے پہر نکل کر ویسا ہی کیا اور کوئی ایک گھنٹہ دن رہے پھر نکل کر اوروں کو کھڑے پایا اور ان سے کہا تم کیوں یہاں تمام دن بیکار کھڑے رہے۔ انہوں نے اس سے کہا اس لیے کہ آج کسی نے ہم کو مزدوری پر نہیں لگایا۔ اس نے ان سے کہا تم بھی تاکستان میں چلے جاؤ۔ جب شام ہوئی تو تاکستان کے مالک نے اپنے کارندے سے کہا کہ مزدوروں کو بلا اور پچھلوں سے لے کر پہلوں تک ان کی مزدوری دے دے۔ جب وہ آئے جو گھنٹہ بھر دن رہے لگائے گئے تھے' تو ان کو ایک ایک دینار ملا۔ جب پہلے مزدور آئے تو انہوں نے یہ سمجھا کہ ہم کو زیادہ ملے گا اور ان کو بھی ایک ہی دینار ملا۔ جب ملا تو گھر کے مالک سے یہ کہہ کر شکایت کرنے لگے کہ ان پچھلوں نے ایک ہی گھنٹہ کام کیا۔ تو نے ان کو ہمارے برابر کر دیا۔ جنہوں نے دن بھر کا بوجھ اٹھایا اور سخت دھوپ سہی۔ اس نے جواب دے کر اس میں سے ایک سے کہا میاں میں تیرے ساتھ بے انصافی نہیں کرتا۔ کیا تیرا مجھ سے ایک دینار نہیں ٹھہرا تھا۔ جو تیرا ہے اٹھا لے چلا جا' میری مرضی یہ ہے کہ

جتنا تجھے دیتا ہوں اس سے پچھلے کو بھی اتنا ہی دوں۔ کیا مجھے روا نہیں کہ اپنے مال سے جو چاہوں سو کروں یا تو اس لیے کہ میں نیک ہوں۔ بری نظر سے دیکھتا ہے۔ اسی طرح اوّل آخر ہو جائیں گے اور آخر اوّل۔

(باب 3' فقرہ 1 تا 16)

اس پیش گوئی اور تمثیل کی روشنی میں آخری امت مسلمانوں اور نبی آخر الزماں کے متعلق اہلِ کتاب کو کیا عقیدہ رکھنا چاہیے؟ کیا اس آخری امت کے ثوابِ عظیم سے محروم رہنا کوئی عقلمندی کی نشانی ہے۔ مسلمانوں کے لٹریچر میں یہ پیش گوئی اختصار سے موجود ہے' چنانچہ ہم بخاری شریف کی مستند روایت معہ ترجمہ پیش کرتے ہیں۔

عن ابن عمر عن رسول الله صلّى الله عليه وسلّم قالَ انما اجلكم فى من خلامن الاُمم مابين صلوٰة العصر الى مغرب الشمس وانما منكم ومثل اليهود والنصارىٰ كرجل استعمل عما لافقال من يعمل لى مِن نصف النهار الىٰ صلوٰة العصر علىٰ قيراط قيراط فعملت النصارىٰ مِن نصف النهاو الى صلواة العصر على قيراط قيراط ثم قال من يعمل لى من صلواة العصر الى مغرب الشمس على قيراطين قيراطين الا فانتم الذين يعملون فى صلواة العصر الىٰ مغرب الشمس الالكم الاجرمرتين فغضبت اليهود والنصارىٰ فقالوا نَحنُ اكثر عملا واقل عطاءً قالَ اللهُ تعالىٰ فهل ظلمتكم من حقكم شياء فقالوا لا. قالَ اللهُ تعالىٰ. فانه فصلى اعطيه من شئت رواه البخارى

(مشکوٰۃ شریف ص 583)

حضرت عبداللہ ابن عمر نے حضرت رسولِ خدا ﷺ ۔ روایت کی۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا تمہارا وقت امتوں میں ایسا ہے جیسا کہ عصر کی نماز سے سورج غروب ہونے کا وقت اور تمہاری مثال یہود و نصاریٰ کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک آدمی نے مزدوری پر لگایا اور کہا کہ آدھے دن سے عصر کے وقت تک ایک اشرفی اجرت پر کون کام کرتا ہے؟ پس نصاریٰ نے آدھے دن سے کام کیا عصر کے وقت تک ایک ایک اشرفی اجرت پر۔ پھر مالک نے کہا کہ عصر کی نماز سے مغرب کے وقت تک دو اشرفی اجرت پر کون کام کرتا ہے؟ پس خبردار وہ تم ہو جنہوں نے عصر کی نماز سے مغرب تک کام کیا ہے اور تمہارے لیے دوہرا اجر ہے۔ اس سے یہود اور نصاریٰ ناخوش ہوئے اور عرض کیا کہ ہم نے زیادہ کام کیا اور مزدوری کم ملی ہے پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تمہارے حق

میں کچھ ظلم کیا ہے؟ پس انہوں نے کہا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ میرا فضل اور انعام ہے جس کو چاہوں دوں۔

ملت ابراہیمی اور کتاب مقدس

اور خداوند نے ابرام سے کہا کہ تو اپنے وطن اور اپنے ناتے داروں کے بیچ سے اور اپنے باپ کے گھر سے نکل کر اس ملک میں جا' جو میں تجھے دوں گا۔ اور میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا اور برکت دوں گا اور تیرا نام سرفراز کروں گا۔ سو تو باعث برکت ہو جو تجھے مبارک کہیں۔ ان کو میں برکت دوں گا اور جو تجھ پر لعنت کرے میں اس پر لعنت کروں گا اور زمین کے سب قبیلے تیرے وسیلہ سے برکت پائیں گے۔ (پیدائش باب 12' فقرہ 1 تا 3)

ذرا اہلِ کتاب انصاف سے بتائیں کہ ہر نماز میں دن میں دس بارہ مرتبہ اللھم بارک علیٰ محمد وعلیٰ ال محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلیٰ ال ابراھیم انک حمید مجید اور کما صلیت علی ابراھیم کون پڑھتا ہے۔ مسلمان ملت ابراہیم کے فرزند ہیں یا آپ اگر سچے اہل کتاب ہو تو ملت ابراہیم کے فرزند بن جاؤ۔

بنی اسرائیل کے حضرت موسیٰ کی طرح بنی اسمٰعیل میں نبی آنے کی پیش گوئی

میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی ان سے کہے گا۔ اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا' نہ سنے تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا' لیکن جو نبی گستاخ بن کر کوئی ایسی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اس کو حکم نہیں دیا' یا معبودوں کے نام سے کچھ کہے تو نبی قتل کیا جائے۔ (استثناء باب 18' فقرہ 17 تا 20)

قرآنِ کریم میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے متعلق ہے۔

وما ینطق عن الھویٰ o ان ھو الا وحی یوحی (النجم: 4)

وہ اپنے جی کی طرف سے نہیں بولتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور حکم سے فرماتے ہیں۔

اس پیش گوئی میں ہے جو میرا نام لے کر کہے گا۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؔ اللہ کے نام ہی سے کلامِ الٰہی کا آغاز فرماتے ہیں اور یہی ہمارے لیے حکم ہے' عیسائیوں کے لیے اس آیت میں بڑی دشواری ہے۔ آیت واضح ہے کہ جو خدائے واحد کے علاوہ اور معبودوں کی عبادت کرنے کے متعلق کچھ کہے گا' تو وہ گستاخ اور سزا میں قتل کیا جائے گا۔ کیا عیسائیوں نے تثلیث کے عقیدہ کو مانتے ہوئے اور ایک خدا کے علاوہ دو اور خدا کو مانتے ہوئے اس آیت کی توجیہ سوچ لی ہے' نعوذ

باللہ اگر حضرت عیسیٰ نے تثلیث کی مشرکانہ تعلیم دی ہے تو حضرت عیسیٰ کا یہود کے ہاتھ سولی پر چڑھنا درست نہیں ہے جبکہ کتابِ مقدس میں تصریح پہلے سے موجود ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اعاذنا اللہ کبھی شرک کی تعلیم نہیں دی۔ جیسا کہ قرآن کریم میں صراحت اور وضاحت موجود ہے۔ ونحن علیٰ ذالک من الشاھدین۔

زبور کی ایک شاندار پیش گوئی

خداوند سلطنت کرتا ہے، زمین خوشی کرے، چھوٹے بڑے جزیرے شاہوں، بدلیاں اور کالی گھٹائیں اس کے پاس ہیں۔ صداقت اور عدالت اس کے تخت کی بنیاد ہیں۔ ایک آگ اس کے آگے آتی ہے۔ اور اس کے دشمنوں کو ہر طرف جلاتی ہے۔ اس کی بجلیوں نے عالم کو روشن کیا۔ زمین دیکھتے ہی کانپ گئی۔ پہاڑ خداوند کے حضور سے موم کی مانند پگھل گئے، ساری زمین کے خداوند کے روبرو آسمان اس کی منادی کرتے ہیں۔ اور ساری امتیں اس کے جلال کو دیکھتی ہیں۔ (زبور 97، فقرہ 1 تا 5)

عربی میں الرب قد ملک یعنی رب تعالیٰ نے جب اپنی مالکیت کا اظہار فرمایا یوم الدین کی تعلیم دی تو یہ صورت پیدا ہوئی۔ اس پیش گوئی کے آخری الفاظ یہ ہیں نور قد زوع للصدیق و فوح للمستقیمی القلب افرحوالیھا الصدیقون بالرب واحمد وذکر قدسه (زبور 97، فقرہ 11)

وہ نور ہے، صدیق کے لیے اور سچے دل والوں کے لیے خوش ہوں سچے دل والے خدا سے سچی محبت والے حمد کرو اس کے پاک ذکر کی۔ اس کا مصداق سوائے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اور کوئی ہرگز نہیں ہوسکتا۔ آپؐ پر بدلی کا سایہ ہونا حدیث سے ثابت ہے۔ آپؐ کی صداقت تو اپنی مثال آپ تھی، لیکن آپ کے خلفاء کی صداقت اور عدالت بھی دنیا کے لیے مثال تھی، ہندوؤں کے عظیم رہنما گاندھی جی کو رام راجیہ کے لیے مثال کی ضرورت ہوئی تو خلفائے راشدین کی مثال پیش کی، آگ کا بڑھنا اور دشمنوں کا جلانا دراصل جہاد سے مراد ہے۔ دشمن جہاد کی آگ سے جل کر مر گئے۔ بجلی سے قرآن کریم کی روشنی مراد ہے۔ پتھر کا موم ہونا حضور کا معجزہ تھا۔ بعض پتھروں پر حضور کا نقش قدم منقش ہوگیا۔ آسمان کی صداقت ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے انگشت شہادت کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کردیے۔ الغرض اس شاندار اور عظیم پیش گوئی کا ایک ایک نقطہ حضور علیہ السلام کی ذات پر پوری طرح اُترتا ہے۔

جب تک سورج ہے اس کا نام رہے گا (زبور شریف)

وہ صداقت سے تیرے لوگوں کی اور انصاف سے تیرے غریبوں کی عدالت کرے گا۔ ان لوگوں کے لیے پہاڑوں سے سلامتی کے پھل پیدا ہوں گے، وہ ان لوگوں کے غریبوں کی عدالت کرے گا۔ وہ محتاجوں کی اولاد کو بچائے گا اور ظالم کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔ جب تک سورج اور چاند قائم ہیں لوگ نسل در نسل تجھ سے ڈریں گے، وہ کٹی ہوئی گھاس پر مینہ کی طرح اور زمین سیراب کرنے والی بارش کی

طرح نازل ہوگا۔ اس کے ایام میں صادق آبرومند ہوں گے اور جب تک چاند ہے خوب امن رہے گا۔ اس کی سلطنت سمندر سے سمندر تک اور دریائے فرات سے زمین کی انتہا تک ہوئی۔ بیابان کے رہنے والے اس کے آگے جھکیں گے۔ اور اس کے دشمن خاک چاٹیں گے، سب بادشاہ اس کے سامنے سرنگوں ہوں گے۔ کل قومیں اس کی مطیع ہوں گی کیونکہ وہ محتاج کو جب وہ فریاد کرے گا اور غریب کو جس کا کوئی مددگار نہیں چھڑائے گا وہ فدیہ دے کر ان کی جان بچائے گا۔ اور ان کا خون اس کی نظر میں بیش قیمت ہوگا۔ لوگ برابر اس کے حق میں دعا کریں گے' ان ہی کا نام ہمیشہ قائم رہے گا۔ جب تک سورج ہے اس کا نام رہے گا اور لوگ اس کے وسیلہ سے برکت پائیں گے۔

(حضرت سلیمان کا مزمور 72' فقرہ 2 تا 17)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد کونسا ایسا اولی العزم نبی ہوا ہے جس پر یہ پیش گوئی صادق آتی ہے' حضرت عیسیٰ تو بقول عیسائیوں کے مسکینی حالت میں رہے اور دشمنوں کے ہاتھوں پھانسی دیئے گئے' اس پیش گوئی کے مصداق سوائے حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے اور کوئی نہیں ہے۔ حضرت بلال حبشیؓ حضرت انس فارسیؓ وغیرہ کو کس نے غلامی سے نجات دلائی۔ اور کس نے ان کا اعزاز بڑھایا۔ اس کا نام ہمیشہ قائم رہے گا۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں۔ ورفعنالک ذکرک ہم تیرے ذکر کو بلند کریں گے۔ تاریخ اسلام کا جس قدر مطالعہ کریں گے پیش گوئی نبی کریم ﷺ پر پوری چسپاں نظر آئے گی۔

انجیل مرقس کی پیش گوئی اور تمثیل

ایک شخص نے تاکستان (باغ) لگایا اور اس کے چاروں طرف احاطہ گھیرا اور حوض کھودی اور برج بنائے اور اسے باغبانوں کو ٹھیکہ پر دے کر پردیس چلا گیا۔ پھر پھل کے موسم میں اس نے ایک نوکر کو باغبانوں کے پاس بھیجا تاکہ باغبانوں سے تاکستان کے پھلوں کا حصہ لے لے لیکن انہوں نے اسے پکڑ کر پیٹا اور خالی ہاتھ لوٹا دیا' اس نے ایک اور نوکر ان کے پاس بھیجا مگر انہوں نے اس کا سر پھوڑ دیا اور بے عزت کیا' پھر اس نے ایک اور کو بھیجا' انہوں نے اسے قتل کیا۔

اب تاکستان کا مالک کیا کرے گا' وہ آئے گا اور باغبانوں کو ہلاک کرے گا۔ اور تاکستان اوروں کو دے دے گا۔ کیا تم نے یہ نوشتہ بھی نہیں پڑھا۔

جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہوگیا۔ یہ خداوند کریم کی طرف سے اور ہماری نظر میں عجیب ہے۔ (باب 12' فقرہ 1 تا 11) اس سے آگے ہے کہ لوگ سمجھتے تھے کہ یہ مثال انہی پر کہی گئی ہے' یعنی بنی اسرائیل نے جو خدا کے پیغمبروں کے ساتھ بدسلوکی کا عمل کیا ہے اور بالاخر عیسیٰ کے سولی پر چڑھانے کا عزم کیا تو اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ بنی اسرائیل سے لے بنی اسمٰعیل جن کا ناکارہ تصور کیا جاتا تھا دے دیا جائے گا۔ اور اس شان سے دیا گیا کہ کونے کے سرے کا پتھر ہوگیا۔ حدیث میں ہے کہ قصر نبوت کی آخری اینٹ میں ہوں (یعنی وہ کونے اور سرے کے آخری پتھر

ہیں) اس کے علاوہ اور بشارتیں بھی ہیں جن کا علماء نے استیعاب کیا ہے۔ بشائر النبین مولفہ حضرت استاذ المکرم مولانا حافظ محمد ادریس کاندھلوی مدظلہم العالیٰ قابلِ مطالعہ اور کارآمد کتاب ہے۔

کتاب مقدس میں خالص توحید کی تعلیم

(یہ واضح رہے کہ عہد نامہ قدیم و جدید میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس سے تثلیث کا عقیدہ منصوص ہو) اگر تمہارے درمیان کوئی نبی یا خواب دیکھنے والا ظاہر ہوا اور تمہیں کوئی نشان یا معجزہ دکھلائے اور اس نشان یا معجزہ کے مطابق جو اس نے تمہیں دکھلایا بات واقع ہو اور تمہیں کہے آؤ ہم غیر معبودوں کو جنہیں تم نے نہیں جانا پیروی کریں اور ان کی بندگی کریں تو ہرگز اس نبی یا خواب دیکھنے والے کی بات پر کان مت دھرلو۔

اور ساتویں آیت میں ہے اور نبی اور خواب دیکھنے والا قتل کیا جائے گا۔

(توریت سفر استثناء باب 13، فقرہ 1)

خاکم بدہن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے الوہیت کا دعویٰ کیا تو یہودیوں کے تورات کے مطابق عمل کیا۔ اس لیے ان کو موردِ الزام بنانا صحیح نہیں ہوگا، لیکن یہ حقیقت میں خلاف واقعہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نعوذ باللہ کبھی اس قسم کا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ قرآن کریم ان کی عصمت اور بریت کا شاہد ہے۔

پولوس کے دوسرے خط تھسانیکیوں کے نام باب 2 فقرہ 8،4 میں ہے کہ وہ اپنے کو خدا اور معبود کہلوائے گا، پہلے نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ پھر خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ یہود اس کو مسیح کہیں گے، لیکن حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام حقیقۃً آسمان سے نازل ہوں گے اور اس کے اس دعویٰ الوہیت کی بنا پر قتل کریں گے، اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود یہ دعویٰ پہلے کیا ہے تو مسیح دجال کو قتل کرنا کس طرح جائز اور مناسب ہوسکتا ہے۔

یہ سب تجھی کو دکھایا گیا تاکہ تو جانے خداوند ہی خدا ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں۔

(تورات سفر استثناء باب 4، فقرہ 35)

سن لے اے اسرائیل خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے۔ (تورات باب 6، فقرہ 4)

اب دیکھو کوئی معبود میرے ساتھ نہیں اور میں ہی مارتا ہوں اور میں ہی جلاتا ہوں، زخمی کرتا ہوں اور میں ہی چنگا کرتا ہوں اور ایسا کوئی نہیں جو میرے ہاتھ سے چھڑا دے۔ (باب 32، فقرہ 31)

میں خدا ہوں اور کوئی دوسرا نہیں، میں خدا ہوں اور کوئی مجھ سا نہیں۔

(کتاب یسعیاہ باب 46 فقرہ 9)

یسوع نے کہا کہ میں اپنے خداوند اور تمہارے خدا کے پاس اُوپر جاتا ہوں۔

(انجیل یوحنا باب 20 فقرہ 17)

ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ کو خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں۔ (انجیل یوحنا باب 17' فقرہ 3)

جسے تو نے بھیجا ہے' صاف اعلان کر رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا نہیں اس کے بھیجے ہوئے پاک رسول ہیں۔ اس نے پوچھا کہ سب حکموں میں اوّل کون ہے (29) یسوع نے جواب دیا کہ اوّل یہ ہے (30) اے اسرائیل سن خداوند ہمارا خدا ہے ایک ہی خداوند ہے۔

(مرقس باب 12' فقرہ 28 تا 30)

یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا۔ ایلی ایلی لما سبقتانی یعنی اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ (انجیل متیٰ' باب 27' فقرہ 12)

زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ رکھو کیونکہ تمہارا باپ ایک ہی ہے جو آسمانی ہے۔

(متی باب 23 فقرہ 1)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہی مشفق باپ نہیں ہیں بلکہ تمام جہان والوں کے (شفیق) باپ ہیں۔ کما یقال الخلق عیال اللہ تعالیٰ۔ یسوع نے شاگردوں سے کہا یہیں بیٹھے رہنا۔ جب تک میں دعا مانگوں۔ (متی باب 26' فقرہ 36)

ظاہر ہے کہ دعا مانگنا بندے کی شان ہے۔ خدا اور معبود کی شان نہیں ہے۔

یسوع نے کہا' لکھا ہے کہ تو اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔

(لوقا باب 4 فقرہ 7)

میں نے تجھے موسیٰ کو فرعون کے لیے خدا سا بنایا اور تیرا بھائی ہارون تیرا پیغمبر ہوگا۔ (خروج باب 7 فقرہ 1) اور عربی میں ہے۔ فقال الرب موسیٰ انظر انا جعلناک الھا لفرعون۔ یعنی خدا کا لفظ بھی ہادی مرشد کے استعمال ہوا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ خدا کا لفظ بھی تورات انجیل میں کئی مفہوم میں مستعمل ہے۔ یسوع نے انہیں جواب دیا' کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا کہ تم خدا ہو۔

(یوحنا باب 10' فقرہ 32)

اس عبارت میں خدا سے مراد باخدا بندے لیے گئے ہیں۔

آدم ابن اللہ۔ (لوقا باب 3 فقرہ 38)۔ داؤد خدا کا بڑا بیٹا ہے۔ (زبور 89/26) خداوند نے یوں فرمایا کہ اسرائیل میرا بیٹا ہے بلکہ پلوٹھا ہے۔ (باب 4 فقرہ 23)

میں اسرائیل کا باپ ہوں اور افرائیم میرا پلوٹھا ہے۔ (باب 31' فقرہ 9)

میں نے اسے (سلیمان) چن لیا کہ میرا بیٹا ہو۔ اور میں اس کا باپ ہوں۔ تواریخ اوّل باب 22 فقرہ 6)۔ اس لیے جتنی خدا کی روح کی ہدایت سے چلتے ہیں وہ ہی خدا کے بیٹے ہیں۔ (ارمی باب 8 فقرہ 14) خدا کے بے نقص فرزند بنے رہو۔ پولوس کا خط (باب 2 فقرہ 14) تمام یتیم بچے خدا کے فرزند ہیں۔ (زبور 68/5) میری ماں اور میرے بھائی یہ ہیں' کیونکہ جو کوئی خدا کی مرضی پر چلے وہی میرا بھائی

اور بہن اور ماں ہے۔ (مرقس 3/34)

تم سب الٰہ ہو اور خدا کے فرزند (زبور 82/6) سب بنی اسرائیل خدا کے بیٹے ہیں۔ (رومیوں 4/9) اپنے شاگردوں کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔ دیکھو میری ماں اور میرے بھائی یہ ہیں۔ کیونکہ جو کوئی میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلے وہی میرا بھائی اور بہن اور ماں ہے۔ (متی باب 12 فقرہ 48)

ان تمام عبارتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ باپ کا لفظ (مشفق یا بزرگ یا خدا کے معنی میں اور بیٹے کا لفظ پیارے' پسندیدہ کے معنی میں اور بہن بھائی ماں کے الفاظ اپنے خاص ارادتمندوں' عقیدتمندوں پر بولے گئے ہیں۔ ان الفاظ سے الوہیت ثابت کرنے یا ابنیت (بیٹا) ثابت کرنے سے بہت بیٹے ثابت ہوں گے۔ صرف حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہنا ازروئے کتابِ مقدس کسی طرح درست نہیں ہے۔

مردوں کو زندہ کرنا اور ایسے ہی دوسرے معجزات

جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بیان کیے جاتے ہیں ہم ان کی تاویل نہیں کرتے ان کو استعارہ اور مجاز پر محمول نہیں کرتے بلکہ مبنی بر حقیقت سمجھتے ہیں اور یہ تمام معجزات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صداقت کے نشان سمجھتے ہیں' لیکن ان معجزات سے حضرت عیسیٰ کے خدا ہونے پر استدلال کرنا قطعی طور پر غلط ہے۔ البتہ ایک باخدا رسول اور نبی ہونے پر استدلال کرنا ہر طرح درست اور صحیح ہے' اگر مردوں کو زندہ کرنا خدا ہونے کی دلیل ہے تو حضرت حزقیل علیہ السلام نے بھی ہزاروں مردوں کو زندہ کیا (باب 37' فقرہ 10-11) ملاحظہ فرمائیں اور ایلیا علیہ السلام سے کتاب سلاطین اوّل باب 17' فقرہ 22' اور الیسع علیہ السلام سے سلاطین دوم باب 4' فقرہ 33 تا 36 مردوں کو زندہ کرنا مذکور ہے' کیا یہ تمام پیغمبرانِ خدا نعوذ باللہ خدا تھے' ہرگز نہیں بلکہ تمام پیغمبر خدا کے سچے اور نیک بندے تھے اور یہ معجزات ان کے باخدا ہونے کی دلیل ہیں۔ جیسا کہ اس عورت نے کہا جس کا بچہ حضرت ایلیا نے زندہ کیا تھا تب وہ عورت بولی' اب میں اس سے جان گئی کہ تو مردِ خدا ہے اور کہ خدا کا سخن جو تیرے منہ میں ہے سو سچ ہے۔

(باب 17 فقرہ 24)

کتاب مقدس کا دوسرا استعارہ ملاحظہ کریں (بادشاہوں کے بادشاہ قیامت کے روز فرمائیں گے) میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کھلایا۔ میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی پلایا' میں پردیسی تھا تم نے مجھے اپنے گھر میں اتارا۔ ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا پہنایا۔ بیمار تھا تم نے میری خبر لی' راستباز جواب میں کہیں گے۔ اے خداوند ہم نے تجھ کو کب بھوکا دیکھ کر کھانا کھلایا؟

بادشاہ جواب فرمائے گا' چونکہ تم نے میرے ان سب سے چھوٹے بھائیوں سے کسی کے ایک ساتھ یہ کیا اس لیے میرے ساتھ کیا۔ (انجیل متی' باب 25' فقرہ 35)

اس سے پہلی آیات میں تو حضرات انبیاء علیہم السلام کے لیے خدا کا لفظ استعمال کیا گیا تھا۔ لیکن اس میں فقراء اور مساکین کو خدا قرار دیا گیا ہے۔ اگر اس قسم کی آیات سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا

خدا ہونا ثابت ہوسکتا ہے تو اس سے فقراء اور مساکین کا نعوذ باللہ خدا ہونا بھی ثابت ہوسکتا ہے۔

سابق کتاب سماوی کے علاوہ قرآنِ کریم میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں:

(1) وما رمیت اذرمیت ولکن اللہ رمیٰ (انفال:17)

آپ نے کنکریاں نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی۔

(2) ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ (فتح:10)

جنہوں نے آپ سے بیعت کی انہوں نے اللہ سے بیعت کی۔

(3) ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ (نساء:80)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔

بخاری شریف اور مسلم شریف میں ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو محبوب بنالیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا سننا اور دیکھنا اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں:

گفتہ رو گفتہ اللہ بود　　　گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اصطلاحِ تصوف میں اس حالت کو فنافی اللہ اور وحدت شہودی قرار دیا جاتا ہے جیسا ابن منصور نے انا الحق کا نعرہ بلند کیا۔ مثلاً لوہا آگ میں ڈال دیا جائے تو کچھ دیر کے بعد لوہے کی سلاخ آگ کے انگارہ کی طرح سرخ ہو جائے گی۔ اور زبانِ حال سے کہے گی کہ میں آگ ہوں۔ انا النار اس سے آگ کے وجود کا انکار نہیں ہے۔ نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا الوہیت کی دلیل نہیں ہوسکتا۔

چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں لیکن حضرت آدم علیہ السلام بغیر ماں اور باپ کے پیدا ہوئے ہیں۔ اگر یہ دلیل حضرت عیسیٰ کی الوہیت کے لیے پیش کی جاسکتی ہے تو حضرت آدم علیہ السلام کے لیے بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوگی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر خدا ہوتے تو قیامت کے علم سے انکار نہ کرتے لیکن اس دن اور گھڑی کی بات کوئی نہیں جانتا' نہ تو فرشتے جو آسمان پر ہیں نہ بیٹا۔ مگر باپ (مرقس 13/32) عبرانیوں کے خط میں یسوع مسیح کل اور آج ابد تک وہی ہے (13/8) کا اعلان ہے' لیکن عبرانیوں 7/3 میں شاہ سلیم کے متعلق سلامتی کا بادشاہ بے ماں باپ کے بے نسب نامہ جس کے نہ دنوں کا شروع نہ زندگی کا آخر ہے' کی وضاحت کے باوجود عیسائی خدا نہیں مانتے۔

ایک سوال

علمائے نصاریٰ بتائیں کہ اگر توحید کے ساتھ تثلیث پر ایمان لانا نجات کے لیے ضروری ہے تو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک جو بے شمار انبیاء اور ان کی امتیں گزری ہیں جن کی تعلیم میں صرف توحید ہی ہے۔ تثلیث کا کوئی شائبہ اور واہمہ تک نہیں ہے' ان کی نجاتِ اخروی

کے متعلق کیا رائے ہے اور اگر تثلیث ایسا ہی اہم اور بنیادی عقیدہ تھا تو سابقہ امم کو اس سے کیوں محروم رکھا گیا' بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے کلام میں یا اناجیل میں اس کی صراحت اور وضاحت کیوں نہیں فرمائی؟

موجودہ کتاب مقدس کے متعلق خود کتاب مقدس کی شہادت اہل اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء سچے اور پاکباز ہیں۔ اور ان کی تمام کتابیں سچی ہیں۔ لیکن مرورِ زمانہ اور علمائے باطل کی باطل پرستی کی وجہ سے وہ آج تک اصل حالت میں محفوظ نہیں ہیں۔ آپ نے شروع میں پڑھا ہے کہ عیسائی حضرات تو اناجیل کو کلام خداوند تعالیٰ نہیں مانتے بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کی تعلیم اور کردار کا تذکرہ مانتے ہیں۔

-1 دراصل ابتدائی زمانہ میں کتاب مقدس کے متعلق دوصدی تک یہ بات بھی نہیں معلوم ہوسکی کہ یہ کتاب کس حالت میں اور کس کے پاس رہی۔ نہ یہ حضرت عیسیٰ کی مادری اور ملکی (سریانی یا شامی) زبان میں تھی اور نہ اس زمانہ کی علمی (عبرانی) بلکہ ایک تیسری زبان یونانی میں ملیں۔ گویا اصل کتاب تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی لسماء کے وقت ہی اٹھالی گئی تھی۔ بعد میں اس کے تراجم اور تفاسیر حاصل ہوئے جن میں متن اور شرح کا امتیاز بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اور ان کی تعداد بھی بے شمار ہوگئی تھی۔

-2 موجودہ اناجیل بعینہ وہ کتاب نہیں ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھی۔ اس قسم کی کتابوں کا اناجیل اربعہ میں اشارہ تک نہیں ہے' البتہ ان کے کلمات و فرمودات جابجا نقل کیے ہیں۔

-3 اس میں حضرت عیسیٰ کے صلیب پر چڑھانے اور آسمان پر چلے جانے کے واقعات مذکور ہیں۔ جو یقیناً حضرت عیسیٰ کے بعد اضافہ کیے گئے ہیں۔

-4 موجودہ اناجیل میں زوجِ مریم یوسف کا نسب نامہ دو جگہ مذکور ہے' ایک متی کی انجیل باب 1' فقرہ 2 تا 16 اور انجیل لوقا باب سوم۔ یہ دونوں نسب نامے آپس میں متضاد اور مختلف ہیں۔ ایک میں حضرت ابراہیم تک 40 پشتیں دکھائی ہیں اور دوسرے میں 56 پشتیں ہیں۔ یہی نہیں ناموں کا باہمی اختلاف بھی موجود ہے۔ اگر یہ کتاب الہامی ہوتی تو نسب نامے میں اختلاف ناممکن تھا۔

اس کتابچہ میں ایک پیش گوئی جس میں دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آمد مذکور ہے درج کی گئی ہے۔ اس کے بعد 1942ء کی مطبوعہ انجیل میں اس پیش گوئی میں اس طرح تحریف کی ہے۔ کہ آدمی اصل بات معلوم نہیں کرسکتا یعنی دس ہزار کے بجائے لاکھوں قدوسیوں کے ساتھ آیا۔ یہ دو ایڈیشن اٹھا کر دیکھے جائیں تو معلوم ہوگا کہ کس قدر تحریف کی گئی ہے۔

سینہ ہمہ داغ داغ شد　　　پنبہ کجا کجا نہم

-6 کتاب مقدس میں جو تحریف کی گئی ہے' اس کے ثبوت کے لیے کتاب مقدس کے مختلف مطبوعہ نسخے کا مطالعہ اس کا بین ثبوت پیش کرتے ہیں لیکن خود انجیل کی شہادت ملاحظہ کریں۔ اس سے زیادہ اور بڑھ کر کیا ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے!

"تم کیونکر کہتے ہو کہ ہم تو دانشمند ہیں اور خداوند کی شریعت ہمارے پاس ہے' دیکھ لکھنے والے کے باطل قلم نے بطالت پیدا کردی ہے۔ (یرمیاہ باب 8 فقرہ 8) تم نے زندہ خدا رب الافواج کا کلام بگاڑ ڈالا ہے۔ (یرمیاہ باب 23' فقرہ 36)

دیکھئے شریعت حقہ کو شریعت باطلہ بنادیا ہے۔ قرآن کریم نے بالکل صحیح بتایا ہے۔ **یحرفون الکلم من بعد مواضعہ** (المائدہ: 41) تحریف کرتے ہیں کلام کو اس کی جگہ سے)

اور دوسری جگہ:

فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم (البقرہ: 79)

اور ہلاکی ان کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

-7 تورات منسوخ ہوگیا عبرانیوں 7/17 تورات منسوخ نہیں ہوا۔ متی 5/17 غور کیجئے کہ انجیل میں تورات کے متعلق متضاد دعوے۔ کہیں منسوخ اور کہیں عدم منسوخی کا اعلان۔ یہ تضاد تحریف کی بین دلیل ہے۔

یہ معجزہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم ہی جو آخری اور مکمل شریعت ہے کو بخشا ہے کہ ہر زمانے میں اس کے لاکھوں حافظ رہیں گے اور وہ سینہ اور صفینہ میں ہر طرح محفوظ رہے گا۔ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔ سابقہ شریعتیں منسوخ ہونے والی تھیں اس لیے ان شرائع کے منسوخ کرنے کے ساتھ ان کی زبانیں بھی دُنیا سے معدوم کردی گئیں۔ اس کے بعد چند اقتباسات پیش کرتا ہوں' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ کتاب مقدس میں کسی پاک اور مقدس ہستی کو یعنی انبیاء سابقین میں سے کوئی بھی نہیں چھوڑا گیا' بلکہ نعوذ باللہ جھوٹ بولنے' شراب پینے' اغوا کرنے' زنا کرنے کے الزامات عائد کیے ہیں' بلکہ مجرم گرداتا ہے۔

خاکم بدہن اگر یہ الزامات صحیح ہیں تو انبیاء علیہ السلام کی جو عزت اور احترام ان کے مطالعہ سے دل میں باقی رہتی ہے وہ ظاہر ہے۔ بفضلہ تعالیٰ قرآن کریم اور حدیث شریف میں تمام انبیاء علیہ السلام کو معصوم اور پاکباز بتایا گیا ہے اور ان کی صداقت اور حقانیت پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ہے اور ان کی صداقت میں کسی قسم کی تفریق کی اجازت نہیں دی گئی۔

لانفرق بین احد من رسلہ (بقرہ: 285)

رسولوں کی صداقت میں کسی ایک رسول کے ساتھ کوئی فرق نہیں کرتے۔

"نقل کفر کفر نہ باشد" کے باوجود انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احترام و اکرام کے پیش نظر

صرف موسومہ کتاب مقدس کے وہ حوالہ جات پیش کیے جاتے ہیں جن میں ان معصوم اور پاکباز پیغمبروں کے متعلق کس قدر ناشائستہ اور ناپاک الزام لگائے گئے ہیں۔ پوری عبارت نقل کرنا ہم سوء ادبی کے خیال سے پسند نہیں کرتے جو صاحب تفاصیل دیکھنا چاہیں وہ اصل میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک

1- سیدنا ابوالبشر حضرت نوح علیہ السلام کا عریاں ہونا۔ (پیدائش باب 9' فقرہ 30)

2- سیدنا حضرت لوط علیہ السلام کا اپنی صاحبزادیوں سے زنا کرنا اور ان سے اولاد ہونا۔
(پیدائش باب 19' فقرہ 33)

3- سیدنا حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف شرک کی نسبت۔ (خروج باب 32 فقرہ 2)

4- سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف زنا' اغوا اور خیانت کی نسبت۔
(سموئیل باب 11' فقرہ 2)

5- سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف زنا وغیرہ کی نسبت۔ (سلاطین باب 11' فقرہ 2)

یہ مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر حاضر ہیں' ورنہ ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ یوحنا 10' فقرہ 7 میں تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر خیانت اور چوری کے الزام لگائے گئے۔ آپ ہی بتائیں کہ ایک طرف تو سلیمان کو خدا کا بیٹا لکھنا اور دوسری طرف نعوذ باللہ سلیمان کو زانی لکھنا یا ماننا کہاں تک درست ہو سکتا ہے؟

ان چیزوں کے پیش نظر اہل کتاب حضرات کے لیے اس سے زیادہ صحیح اور درست مشورہ نہیں ہو سکتا کہ اپنی کتاب کی پیش گوئیوں کے مطابق حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر ایمان لائیں۔ قرآن کریم کو خدا کی آخری اور سچی کتاب تسلیم کریں۔ خدا کرے کہ میری دعوت بے کار نہ جائے اور ہمارے اہل کتاب بھائی اس کو تعصب کی نگاہ سے دیکھنے کے بجائے حقیقت کی نظر سے پڑھیں۔ اس کے جواب کی فکر نہ کریں' خدا کے سامنے جواب دہی کا فکر کریں۔

ایں دعاء از من واز جملہ جہاں آمین باد


عیسائیت
اور
پاکستان

ڈاکٹر محمد صدیق شاہ بخاری

عیسائی شرانگیزیاں اور ہماری رواداریاں

14 اگست کی تقریبات کا بائیکاٹ؟

ہم توہین رسالت، تنسیخ نکاح، حدود اور قانونِ شہادت جیسے قانون نہیں مانتے۔

"اسلام آباد (اپنے نمائندے سے) پاکستان کی سب سے بڑی عیسائی پارٹی کرسچین لبریشن فرنٹ اور ملک کی کئی دیگر عیسائی پارٹیوں نے پاکستان کے 1973ء کے آئین سے بغاوت کرنے کا اعلان کردیا ہے اور 14 اگست کو یوم آزادی کی تقریبات کا بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان لکھنے کے بجائے عوامی جمہوریہ پاکستان لکھنے کا مطالبہ کیا ہے۔ جمعہ کے روز جنید پلازہ سے شروع ہوکر پارلیمنٹ چوک پر ختم ہونے والی عوامی ریلی سے خطاب کرتے ہوئے مختلف عیسائی رہنماؤں نے کہا کہ پاکستان میں اقلیتوں کے ساتھ ہمیشہ ناروا سلوک کیا جاتا ہے اور انہیں تیسرے درجے کا شہری تصور کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے ہمیشہ ہمارا استحصال ہوا ہے۔ کرسچین لبریشن فرنٹ کے مرکزی صدر شہباز کلیمنٹ بھٹی نے کہا کہ ملک میں لولی لنگڑی جمہوریت سے ہم نے اس ریلی کو ایک ریفرنڈم کا نام دیا ہے اور ہمارا یہ ریفرنڈم جبر و استحصال، کالے قوانین، مذہبی دہشت گردی اور نااہل اراکین اسمبلی کے خلاف ہے۔ پوری عیسائی قوم ظالموں کے خلاف ہے اور ظلم کے خلاف ہم آخری دم تک لڑتے رہیں گے اور کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ تحریک پاکستان میں سب سے زیادہ کردار عیسائیوں نے ادا کیا مگر آج اقلیتوں کو حیوانوں سے بدتر سمجھا جا رہا ہے۔ ان کے خلاف مختلف قوانین بنائے گئے مگر ہم آج یہ اعلان کرتے ہیں کہ اسلامی قوانین عیسائیوں پر لاگو نہیں ہوتے، ہم توہین رسالت، تنسیخ نکاح، حدود آرڈیننس (b) 295، (c) 295، قانونِ شہادت جیسے قوانین کو نہیں مانتے۔ یہ سراسر ہمارا استحصال ہے۔ انہوں نے کہا کہ عیسائی خواتین کو سینٹ میں نمائندگی دی جائے۔ مختلف مقررین نے اپنے خطاب میں کہا کہ یوم آزادی 14 اگست کی بجائے 11 اگست کو منایا جائے کیونکہ 11 اگست 1947ء کو پہلی دستور ساز اسمبلی کی صدارت ایک ہندو جوگندر ناتھ منڈل نے کی تھی۔ انہوں نے کہا کہ ہم

آج اعلان کرتے ہیں کہ پاکستان اقلیتوں نے بنایا تھا۔" (روزنامہ "خبریں" ' 12 اگست 1995ء/ ماہنامہ "المذاہب" ستمبر 1995ء)

مذہبی شناخت اور اقلیتیں

"مسلم معاشرے کی اقلیتیں اپنی صلاحیت کے مطابق آگے بڑھنے اور ترقی کی منازل طے کرنے میں بالکل آزاد رہی ہیں۔ مسلمانوں کا یہ مجموعی مزاج اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ان تعلیمات کے نتیجے میں بنا ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ پوری انسانیت ایک برادری ہے۔ شرف انسانیت کے لحاظ سے بھی سب انسان برابر ہیں۔ انسان کی عزت اور ذلت کا انحصار صرف اور صرف ان کے کردار وعمل پر ہے۔

شناختی کارڈ میں مذہب کے اندراج کے فیصلے سے کیا واقعی اقلیتوں کے حقوق پر براہ راست زد پڑے گی یا یہ کچھ ایسے افراد کا شاخسانہ ہے جو مذہبی جذبات کی آڑ میں ملک کو اس کی نظریاتی اساس سے دُور کر کے سیکولر قیادت کا راستہ ہموار کرنے کے لیے ہر داؤ آزمانا چاہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جداگانہ طرز انتخاب اقلیتوں کے لیے ایک قیمتی حق ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے جداگانہ طرز انتخاب کا حق بڑی محنت اور جدوجہد کے بعد حاصل کیا تھا مگر پاکستان میں اقلیتوں کو یہ حق بہت آسانی سے دے دیا گیا۔ اب وطن عزیز میں اقلیتوں کے پاس قومی اسمبلی سے لے کر یونین کونسل تک ہر منتخب فورم میں مناسب نمائندہ موجود ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان کے دستور میں اقلیتوں کو جو مراعات دی گئی ہیں' اس کے مطابق قانون' امن امان اور اخلاقی حدود کے اندر ہر شخص کو کسی بھی مذہب پر کاربند ہونے اور اس کی ترویج کا حق ہوگا۔ اسی طرح ہر مذہبی فرقے کو اپنی عبادت گاہیں بنانے کی سہولت حاصل ہے۔ مزید یہ کہ تعلیمی اداروں کے اندر بھی نسل' مذہب' سکونت اور ذات پات کی بنیاد پر کوئی پابندی نہیں لگائی گئی ہے۔ ملک کے ہر شہری کو قابلیت کے مطابق ملازمت کا حق حاصل ہے۔ جب اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور اقلیتوں کو تمام بنیادی حقوق دیتا ہے تو ان سارے تحفظات کے بعد بھی یہ خیال کرنا کہ مذہبی شناخت سے اقلیتوں کے حقوق متاثر ہوں گے' سراسر زیادتی کے سوا کچھ نہیں۔ مذہبی اعتبار سے بھی پاکستان میں اقلیتوں کو نہ صرف ایک کھلا ماحول ملا ہے بلکہ ان کی ضرورت سے زیادہ حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ ان کی نشر و اشاعت سال کے بارہ مہینے بلا روک ٹوک جاری رہتی ہے' ان کے مشنری ادارے کھلے عام بڑی سرگرمی سے اپنی تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔

ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ شناختی کارڈ میں مذہب کے خانے کے اضافے سے اقلیتوں کے مفادات پر اچانک آخر کیا اُفتاد پڑ گئی ہے کہ ہر طرف عجیب ہاہا کار مچا دی گئی ہے۔ تا مرگ بھوک ہڑتالیں شروع کر دی گئی ہیں۔ جلسے جلوس اور پر تشدد مظاہرے جاری ہیں' مولوی اور ملاں کی آڑ میں نہ صرف اسلامی شریعت کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے بلکہ شریعت کو ننگی گالیاں دی جا رہی ہیں۔ بعض اقلیتی گروہوں نے

اس مسئلے پر جو طوفان اٹھانے کی کوشش کی ہے اس کا سرے سے کوئی جواز نہیں۔ شناختی دستاویزات میں دنیا بھر میں عموماً مذہب اور قومیت وغیرہ کے کالم موجود ہوتے ہیں۔ برطانوی دور میں بھی برصغیر میں جو مردم شماری ہوتی رہی ہے ان میں بھی نہ صرف مذہب بلکہ ذات پات اور دوسری چھوٹی چھوٹی تفصیلات تک معلوم کی جاتی تھیں اور آج بھی وطن عزیز میں ملازمتوں کی درخواستوں، تعلیمی اداروں کے مختلف فارموں، پاسپورٹ کی دستاویزات اور بے شمار دیگر ضروریات کی تکمیل میں جب بلا کسی تشویش اور ہچکچاہٹ کے مذہب کو ظاہر کیا جاتا ہے تو محض شناختی کارڈ پر ایک ایسی بات کا ذکر ہو جانے سے جو حقیقتاً پوری مضبوطی اور استحکام کے ساتھ موجود ہے، قوم کس طرح انتشار کا شکار ہو جائے گی۔

پاکستان کے آئین میں ایک مسلمان کی جو تعریف کی گئی ہے اس کے مطابق بھی لازم ہے کہ شناختی کارڈ میں ہر پاکستانی اپنے مذہب کا اعلان کرے۔ اس کے علاوہ جب الیکشن کی فہرستیں بھی مسلم اور غیر مسلم کی الگ الگ تیار کی جاتی ہیں اور ووٹ کے استعمال کے وقت بھی شناختی کارڈ چیک کیے جاتے ہیں، اس کے لیے بھی ضروری تھا کہ قومی شناختی کارڈ میں مذہب کی وضاحت موجود ہو۔ اس طرح مزید مذہبی تشخص واضح ہونے سے اقلیتوں کے حقوق پہلے سے زیادہ محفوظ ہو جائیں گے۔

مذہبی خانے کے اجراء سے عیسائیوں کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ان کے نام، مشغولات اور بود و باش پہلے ہی مسلمانوں سے مختلف ہے۔ مذہبی شناخت سے اصل چوٹ قادیانیوں کے مذموم مقاصد پر پڑے گی مگر ایک خاص حکمت عملی کے تحت اس سارے مسئلے کے دوران قادیانیوں نے احتجاج کا ذرہ برابر بھی اظہار نہیں کیا بلکہ وہ کمال ہوشیاری سے کچھ عیسائی گروہوں اور سیکولر عناصر کو اس جنگ میں جھونک کر ان کی سرپرستی کر رہے ہیں۔

شناختی کارڈ میں مذہب کے خانے کا اضافہ کر کے کسی غیر مسلم سے ہرگز یہ نہیں کہا جا رہا کہ تم اپنے مذہب سے دستبردار ہو کر مسلمان بن جاؤ بلکہ مذہب کے ماننے والے سب گروہوں سے یہ کہا جا رہا ہے کہ تم اپنے مذہب، اپنے تشخص اور اپنی شناخت کی حفاظت کرو۔ مسلمان کو مسلمان، عیسائی کو عیسائی یا پارسی کو پارسی کہنے سے نہیں معلوم کہ ان کے بنیادی حقوق پر کیا زد پڑتی ہے۔

بعض اقلیتیں اپنے تئیں یہ سمجھے بیٹھی ہیں کہ شناختی کارڈ میں مذہب کے اندراج سے گویا ان کا کوئی پوشیدہ جرم سب کے سامنے آ جائے گا، جسے وہ ہر صورت میں دوسروں سے چھپانا چاہتی ہیں۔ اگر ایک مسلمان فخر سے یہ اعلان کرتا ہے کہ وہ مسلمان ہے تو ایک غیر مسلم کو بھی چاہیے کہ وہ بلا جھجک بتائے کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ اگر کوئی فرد اپنی مذہبی شناخت بتانے سے شرم یا ہچکچاہٹ محسوس کرتا ہے تو اسے اپنے مذہب کو خیر باد کہہ کر اسی مذہب کو اختیار کر لینا چاہیے کہ جس کی وہ آڑ چاہتا ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں نے مذہب نہیں چھوڑا اور قربانیوں کی عدیم المثال داستانیں رقم کر کے ہندوستان چھوڑ دیا۔ اسی طرح اگر آج ہندوستان کے اندر مسلمانوں کو یہ آپشن دے دیا جائے کہ وہ اپنی مذہبی شناخت کا اظہار کریں تو وہاں کے مسلمان اس کو نہ صرف دل و جان سے قبول کر لیں گے بلکہ ان میں خوشی کی ایک لہر دوڑ

جائے گی اور پورے ہندوستان میں ایک بھی مسلمان ہندو اکثریت کی آڑ میں چھپنے کی کوشش نہیں کرے گا بلکہ وہ اپنے مذہبی تشخص پر فخر محسوس کرے گا۔ پاکستان میں اکثریت اور اقلیت کے درمیان ہمیشہ مثالی تعلقات رہے ہیں مگر آج ایک چھوٹے سے مسئلے کو بنیاد بنا کر بعض اقلیتی گروہ پرتشدد مظاہروں میں جس طرح دیدہ دلیری سے اکثریت کو للکار رہے ہیں' سڑکیں بلاک کر کے عام لوگوں کی گاڑیوں اور دکانوں پر پتھراؤ کر رہے ہیں' لاٹھیوں' ہاکیوں اور پٹرول بموں سے حملے کر رہے ہیں' سرکاری اور قومی املاک کو نقصان پہنچایا جا رہا ہے' پولیس چوکیوں کو جلایا جا رہا ہے۔ یہ خطرناک رجحان فوری طور پر ختم ہونا چاہیے۔ اگر اکثریت نے ردعمل کے طور پر مشتعل ہو کر یہی طریقہ کار اختیار کر لیا تو اس کے نتائج اقلیت کے ساتھ ساتھ ملک کے لیے بھی انتہائی خوفناک ہوں گے۔ (ہفت روزہ ''ایشیا'' لاہور' 5 دسمبر 1992ء)

عیسائی برادری کی طرف سے اپنے مطالبات منوانے کے انداز

توڑ پھوڑ' تشدد آمیز مظاہرے' دھمکیاں' اشتعال انگیز بیانات وتحریریں

اگرچہ رواداری کا تقاضا یہ ہے کہ عیسائی برادری اپنی تحریروں اور تقریروں میں اس بات کو پیش نظر رکھے کہ وہ کوئی ایسا مطالبہ نہ کرے جو اس ملک کی 96 فیصد آبادی کے مذہبی جذبات مجروح کرنے کا باعث بنے (جیسے قانون توہین رسالت کی منسوخی کا مطالبہ) مگر یہاں معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ ہر وہ مطالبہ کیا جاتا ہے جس سے مسلمانوں کو اذیت پہنچے اور پھر اسے منوانے کے لیے ہر حربہ بھی آزمایا جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ درس بھی دیا جاتا ہے کہ مسلمان خاموشی سے سنتے رہیں اور سہتے رہیں۔ درج ذیل خبریں پڑھ کر اندازہ لگائیے کہ ایسے حالات' بیانات' تحریر وتقریر کے بعد بھی خاموش رہنا کیا رواداری کا تقاضا ہے یا بے حمیتی کا؟

غیر قانونی احتجاج اور توڑ پھوڑ

عیسائی برادری نے گزشتہ کچھ عرصے میں اپنے مطالبات کو منوانے کے لیے احتجاج کے لیے توڑ پھوڑ کا جو غیر قانونی و غیر اخلاقی راستہ اختیار کیا ہے' وہ بھی انتہائی غیر مناسب ہے۔ شناختی کارڈ میں مذہب کے خانے اور قانون توہین رسالت کے خاتمے اور حال ہی میں لاہور میں توہین رسالت ﷺ کے ملزم منظور مسیح کے قتل پر کیے جانے والے احتجاج کے دوران جس طرح کا رویہ اختیار کیا گیا' اسے کسی صورت میں حوصلہ افزا نہیں کہا جا سکتا۔

اس ضمن میں صرف ایک دن کے عیسائی احتجاج کی مختصر جھلک پیش خدمت ہے:

- عیسائی مظاہرین کا پولیس سے ٹکراؤ' ٹاؤن ہال سے گورنر ہاؤس تک کا علاقہ میدان جنگ بن گیا۔ زبردست توڑ پھوڑ' مظاہرین نے 100 کے قریب گاڑیوں کو نقصان پہنچایا۔ پولیس چوکیوں پر ہلہ بول کر سامان نذر آتش کر دیا۔ متعدد جگہوں پر رکاوٹیں کھڑی کر کے آگ

لگائی۔ مال روڈ پر ٹریفک کے اشارے' پول' سائن بورڈ اور لیٹر بکس اکھاڑ دیئے گئے۔ سواریوں سے بھرے رکشتے الٹ دیئے گئے۔ آنسو گیس پھیلنے کے باعث چڑیا گھر کے جانور بھی بلبلا اٹھے۔ مال روڈ پر تین گھنٹے ٹریفک بند رہی۔ آنسو گیس کے اثرات 3 گھنٹے تک رہے۔ گنگا رام ہسپتال میں مریض بھی متاثر ہوئے۔ ("جنگ" 16 نومبر 1992ء)

- مشتعل عیسائیوں کا گورنر ہاؤس پر حملہ۔ کونسلر منیر کھوکھر مظاہرین کو یسوع مسیح کی قسم دے کر گیٹ توڑنے پر اکساتے رہے۔ درختوں کو آگ لگانے کی کوشش' گاڑیوں کے ڈرائیوروں کی مظاہرین کے ہاتھوں ڈنڈوں سے پٹائی۔ ("پاکستان" 16 نومبر 1992ء)
- مظاہرین نے مظاہرہ کے دوران نجی املاک کو بھی نقصان پہنچایا اور پولیس کی ایک بکتر بند گاڑی پر پٹرول سے بھری بالٹی گرا کر اسے آگ لگانے کی کوشش کی۔ مظاہرین کے پتھراؤ سے اے سی کینٹ' علاقہ مجسٹریٹ اور ایس پی زخمی ہو گئے۔ ("خبریں" 16 نومبر 1992ء)

عیسائی رہنماؤں کے اشتعال انگیز' خلاف اسلام اور پاکستان دشمن بیانات

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان میں رہنے والے عیسائی پاکستانی ہیں اور پاکستان سے محبت کرتے ہیں۔ لیکن قانون توہین رسالتؐ کے خاتمے کی تحریک سے قبل اور اس کے بعد عیسائی طالع آزما رہنماؤں نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں ایسی زبان استعمال کی جس سے نہ صرف مسلمانانِ پاکستان کے جذبات مجروح ہوئے بلکہ تمام محبِ وطن حلقوں نے اس کی شدید مذمت بھی کی۔ ایسے ہی بیانات کی ایک مختصر جھلک ملاحظہ فرمائیں۔

- شناختی کارڈ میں مذہبی خانے کا فیصلہ واپس نہ لیا گیا تو صلیبی جنگوں کی یاد تازہ کر دیں گے۔ (ذوالفقار سندھو' جنرل سیکرٹری پاکستان مسیحی پارٹی' بحوالہ روزنامہ پاکستان' 29 نومبر 1992ء)
- عیسائی برادری نے حکومت کی بنیاد پرست پالیسیوں کی وجہ سے اقوام متحدہ سے پاکستان کی امداد بند کرنے کا مطالبہ کر دیا۔ شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ رہا تو اس ملک کا خانہ خراب کر دیں گے۔ جے سالک' کونسلر طارق گل اور دیگر لیڈروں کا خطاب۔

("پاکستان" 12 نومبر 1992ء)

- عیسائیوں کے اسرائیل جانے پر پابندی ختم کی جائے اور اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کیے جائیں۔ (ناظر بھٹی' صدر پاکستان کرسچین کانگریس)

("جسارت" کراچی' 9 جون 1993ء)

- شناختی کارڈ میں مذہب کے خانے کا اضافہ ہوا تو پاکستان میں بوسنیا کے حالات پیدا ہو جائیں گے۔ (سلیم کھوکھر' ایم پی اے سندھ اسمبلی) ("نوائے وقت" ملتان' 3 نومبر 1992ء)

- لاس اینجلس کی طرح گورے لوگوں کے مابین ہونے والے فسادات پاکستان میں بھی ہو سکتے ہیں اور جنگ جیسی صورت حال پیدا ہو سکتی ہے۔ (عیسائی جریدہ "شاداب" اگست 1993ء)
- پاکستان کی بقا' سالمیت اور استحکام سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ ("شاداب" مئی 1992ء)
- لاہور میں کرسچین لبریشن فرنٹ نے ایک قرارداد کے ذریعے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل اور انسانی حقوق کمیشن کے چیئرمین اور ارکان سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ مقبوضہ کشمیر میں انسانی حقوق کی پامالی کے معاملے کو پاکستان میں مذہبی اقلیتوں کے انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی کے ساتھ منسلک کریں۔ (ہفت روزہ "زندگی" 14 تا 20 مئی 1994ء)

غلط مؤقف پر اصرار

عیسائی برادری کے رویے میں ایک خامی یہ ہے کہ وہ قانونِ توہین رسالت کے مسئلہ پر غلط موقف کو اختیار کر کے اس پر بے جا اصرار کر رہی ہے۔ عیسائی برادری کا اعتراض ہے کہ چونکہ اس قانون کا غلط استعمال ہوتا ہے' اس لیے اس قانون کو ختم کر دیا جائے۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے تو پھر شاید کوئی قانون بھی باقی نہ بچے گا۔ پاکستان میں کوئی بھی ایسا قانون تلاش نہیں کیا جا سکتا جس کے تحت انتقامی کارروائیاں نہ ہوتی ہوں۔ یہاں قتل تک کے جھوٹے مقدمات درج کرائے جاتے ہیں تو کیا قتل کا قانون ختم کر دینا چاہیے۔ عیسائی برادری کو اس امر پر غور کرنا چاہیے کہ عدالت کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دے۔ کوئی ملزم مجرم نہیں تو اس کو چھوڑ دیا جائے جبکہ جرم ثابت ہو جانے پر مجرم کو سزا دی جائے۔ ایسے میں یہ موقف بالکل بے بنیاد ہے کہ سرے سے قانون ہی ختم کر دیا جائے۔

عیسائیوں کی اشتعال انگیز تحریریں

عیسائی برادری کے ترجمان رسائل و جرائد بعض اوقات ایسی اشتعال انگیز تحریریں شائع کرتے ہیں جس سے مسلم عیسائی برادری میں بھائی چارے اور مفاہمت کی فضا مجروح ہوتی ہے اور بسا اوقات تو ان اشتعال انگیز تحریروں ہی کے باعث امن و امان کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ نمونہ کے طور پر صرف ایک عیسائی جریدے کی چند تحریریں مع حوالہ جات درج ذیل ہیں:

- لیکن آپ (مسلمانوں) کے دوزخ میں بھی ہمارے لیے کوئی گنجائش نہ ہوگی۔ اس میں آپ (مسلمانوں) کے اللہ میاں براجمان ہوں گے۔ (عیسائی ماہنامہ "کلامِ حق" گوجرانوالہ اگست 1993ء صفحہ 14)
- قرآن کی پہلی الہامی غلطی جبرئیل نے کروائی کہ خدا تین ہیں۔ (سورۃ النساء آیت 171) اور معلوم ہوتا ہے کہ ناخواندہ تھا۔ اس نے انجیل اور بائبل کو نہ پڑھا تھا' ورنہ وہ ایسی غلطی نہ

کرتا۔ (''کلامِ حق'' اکتوبر 1992ء' صفحہ 10)

- تمہارے خدا اپنی ذاتِ الٰہی کے ظہور تجسم پر قادر ہے' نہ وہ پیار بھرا آسمانی باپ ہے' نہ اس نے گنہگاروں کی نجات کا خود انتظام کیا تھا۔ (ایضاً' صفحہ 11)

وطن عزیز کی 1.56 فیصد عیسائی آبادی کے ترجمان رسائل و جرائد اگر اس طرح کی اشتعال انگیز تحریریں شائع کریں گے تو اس بات کی کیسے ضمانت دی جا سکتی ہے کہ اکثریتی آبادی کا کوئی جذباتی فرد کسی بھی وقت قانون کو ہاتھ میں نہیں لے گا۔ عیسائی برادری کو اس امر پر بھی غور کرنا چاہیے۔

غیر ملکی مداخلت کی دعوت

گزشتہ کچھ عرصہ سے عیسائی رہنماؤں کی طرف سے ایسے بیانات دیئے گئے ہیں جس میں واضح طور پر غیر ملکی حکومتوں کو پاکستانی معاملات میں مداخلت کی دعوت دی گئی ہے۔ عیسائی برادری کو اگر کوئی شکایت پیدا ہوئی ہے تو اس کا ازالہ کیا جانا چاہیے' لیکن اس طرح کے بیانات پاکستان کی بدنامی' معاشرے میں خلفشار اور پاکستانی اور عیسائیوں کو آپس میں لڑانے کا باعث تو بن سکتے ہیں' لیکن عیسائیوں یا عیسائیت کی کوئی خدمت نہیں کر سکتے۔ ذیل میں عیسائی رہنماؤں کے چند بیانات اور حوالہ جات پیش خدمت ہیں:

- بیرونِ ملک مقیم پاکستانی عیسائیوں میں سے چالیس کے لگ بھگ افراد نے لندن میں 10- ڈاؤننگ سٹریٹ اور پاکستانی ہائی کمیشن کے سامنے مظاہرہ کیا۔ منظور مسیح کے قاتلوں کو فوری سزا دینے کا مطالبہ کیا۔ مبینہ طور پر یادداشت میں برطانیہ کے وزیراعظم جان میجر' ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے صدر بل کلنٹن اور یورپی پارلیمنٹ کی کمیٹی برائے جنوبی ایشیا کی سربراہ مسز ایشا پولاک کو مخاطب کیا گیا۔
- پاکستان امریکہ کرسچین ایسوسی ایشن کے انسانی حقوق کے کمیشن نے امریکی ایوان نمائندگان کی خارجی امور سے متعلق کمیٹی کے چیئرمین سی ایچ ہمائن سے تحریری درخواست میں مطالبہ کیا ہے کہ پاکستان کو انسانی بنیادوں پر دی جانے والی غیر ملکی امداد کے لیے توہین رسالت کا قانون ختم کرنے کی شرط عائد کر دی جائے۔ (نوائے وقت' 17 اپریل 1993ء)

''توہین رسالت کے مجرم گل مسیح کو سنائی جانے والی سزائے موت کے خلاف پاکستان نژاد درجنوں عیسائیوں نے برطانوی وزیراعظم جان میجر کی سرکاری قیام گاہ پر مظاہرہ کیا۔ بی بی سی کے مطابق پاکستانی نژاد عیسائیوں نے جان میجر سے یادداشت کے ذریعے مطالبہ کیا کہ وہ گل مسیح کے معاملے میں مداخلت کریں اور اس سلسلہ میں حکومت پاکستان پر دباؤ ڈالیں۔ (نوائے وقت' 7 نومبر 1992ء)

پاکستان میں عیسائی ریاست کے قیام کا مطالبہ

برطانیہ میں پاکستان کرسچین لیگ کے صدر ڈاکٹر نسیم ڈین نے مطالبہ کیا ہے کہ اگر حکومت

پاکستان عیسائیوں پر بنیاد پرستوں کے مظالم بند نہیں کرا سکتی تو عیسائیوں کے لیے پاکستان میں علیحدہ ریاست بنا کر انہیں خودمختاری دے دی جائے۔ (روزنامہ ''خبریں'' لاہور' 2 مارچ 1995ء)

''کونسل فار دی ورلڈ انفارمیشن کے چیف ریفارمر بشپ ڈینیل تسلیم نے عیسائیوں کے لیے علیحدہ صوبے کا مطالبہ کیا ہے۔ گزشتہ روز پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ملک میں عیسائی عقیدہ کے اظہار پر مسلسل غیر آئینی اعتراض سے ہماری آزادی اور قرارداد پاکستان کی نفی کی گئی ہے۔ اس لیے پنجابی صوبے کی بنیاد پر صوبہ پنجاب سے دریائے راوی اور ستلج کا تمام درمیانی علاقہ بنام ''صوبہ تاکستان'' ہمیں دیا جائے۔ (روزنامہ ''جنگ'' لاہور' 27 جون 1994ء)

ملتان کا سابق بشپ ''موساد'' کا ایجنٹ نکلا

52 لاکھ خورد برد اور چرچ کی جائیداد ہضم کی' سیموئیل ونی چند کے برطانوی سفیر کے ساتھ بھی قریبی تعلقات تھے' وہ اسلام آباد سے اعلیٰ' غیر ملکی شراب لا کر حساس علاقہ میں تحفتاً سپلائی کرتا تھا۔

ڈایوسیس کونسل چرچ آف پاکستان کے سابق بشپ سیموئیل ونی چند جرمن سفارت خانے کے ذریعے اسرائیل کے لیے جاسوسی اور آلہ کار کا کام کرتے تھے۔

''ملتان (بیورو رپورٹ) پاکستان میں موجود پادری ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔ اس بات کا انکشاف اس وقت ہوا جب ڈایوسیس کونسل چرچ آف پاکستان ملتان میں بشپ کے تنازعہ پر دو گروپ بن گئے اور پہلی بار ایک گروپ نے سامنے آ کر پریس کانفرنس کر ڈالی اور اپنے ہی سابق بشپ ملتان سیموئیل ونی چند جن کے بارے میں ملک کے خلاف سرگرمیوں کے انتہائی حساس معاملہ کو بے نقاب کر دیا۔ عیسائی فرقہ ڈایوسیس کونسل چرچ آف پاکستان ملتان کے قائم مقام بشپ جو کہ خانیوال میں بھی پادری ہیں' ایلون ولسن نے اپنے ساتھیوں پادری کیتھڈرل سراب یونس ولیم' سیٹ پال اور عبدالقیوم بھٹی ایڈووکیٹ کے ہمراہ پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے الزام لگایا کہ ان کے سابق بشپ ملتان سیموئیل ونی چند جن اسرائیلی خفیہ ایجنسی ''موساد'' کے لیے کام کرتے رہے ہیں جس کے بارے میں ان کے سامنے تحریری ثبوت سامنے آ گئے ہیں۔ پریس کانفرنس میں بتایا گیا کہ سابق بشپ نے ملتان تعیناتی کے دوران نہ صرف اندرون و بیرون ملک سے موصول ہونے والے 52 لاکھ روپے کے فنڈ خورد برد کر لیے ہیں بلکہ چرچ کی اراضی اور گاڑیاں جن کی مالیت 40 لاکھ روپے کے لگ بھگ ہیں' فروخت کر کے رقم ہضم کر لی۔ انہوں نے کہا کہ اگر یہ معاملہ ان کے مذہب تک ہوتا تو وہ کلیسائی تقدس کے پیش نظر یہ بات سامنے نہ لاتے لیکن ان کی ملک دشمن سرگرمیوں کی وجہ سے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ پاکستان سے وفاداری کا اظہار کریں۔ بشپ سیموئیل ونی چند جن جرمن سفارت خانے کے ذریعے اسرائیل کے لیے جاسوسی اور ان کے آلہ کار کے طور پر کام کرتے رہے ہیں۔ اس بات کے کئی ثبوت سامنے آئے ہیں۔ بشپ سیموئیل ونی چند جن کے برطانوی سفیر سے انتہائی قریبی تعلقات تھے اور دونوں کا ایک دوسرے کے پاس آنا جانا

تھا۔ جب یہ بشپ جرمن سفارت خانے سے مل کر اسلام آباد سے ان کی گاڑی میں ملتان آتا تو کار کی ڈگی سے کافی مقدار میں ولایتی شراب (وسکی) برآمد ہوتی۔ یہ شراب روحانی پیشوا خود استعمال کرتا تھا' یا وہ ملتان کے ایک انتہائی حساس علاقہ کی دہلیز پر بیٹھ کر کن افسران کو شراب فراہم کرتا تھا' اس بات کا اندازہ تو پاکستان کا ہر ذی شعور شہری بخوبی لگا سکتا ہے تاہم ان کے خیال میں وہ شراب خود استعمال نہیں کرتے تھے اور یہ شراب حساس علاقہ میں تحفہ کے طور پر سپلائی کی جاتی تھی۔ بشپ نے جرمنی کے سفارتکار سے 26 لاکھ روپے مالیت کی نسان پٹرول سفارتی گاڑی صرف ساڑھے پانچ لاکھ روپے میں خریدی' اس گاڑی کی ابھی تک کسٹم ڈیوٹی ادا نہیں کی گئی۔ موصوف سینٹ میری کیتھڈرل چرچ کے بشپ تھے جو حساس علاقہ کی دہلیز پر واقع ہے۔ پریس کانفرنس میں بتایا گیا کہ بشپ سیموئیل نے یروشلم میں یکم فروری سے چار فروری تک ہونے والی کانفرنس میں بھی شرکت کی اور وہ پاکستانی پاسپورٹ کے ساتھ سائپرس پہنچے جہاں سے وہ خصوصی دستاویزات کے ساتھ اسرائیل گئے۔ انہوں نے اپنے پاسپورٹ پر اسرائیل کا ویزا اس لیے نہیں لگوایا کہ ان کے خلاف کوئی ثبوت مہیا نہ رہے۔ انہوں نے بتایا کہ انہوں نے اس بارے میں ملتان کی پولیس اور سول انتظامیہ کے علم میں یہ بات لائی لیکن کوئی نوٹس نہیں لیا گیا حتیٰ کہ کسٹم آفس کو ڈیوٹی کے بغیر آنے والی گاڑی کی نشاندہی بھی کی لیکن انہوں نے بھی کوئی ایکشن نہیں لیا۔ انہوں نے بتایا کہ یہ معاملہ انہوں نے اپنی سینٹ (Synod) تک پہنچا دیا ہے جہاں اس بات کی تحقیقات ہو رہی ہے اور بشپ موصوف کو جبری رخصت پر بھیج دیا گیا ہے۔ تاہم وہ یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ پاکستان دشمن بشپ کا پاسپورٹ منسوخ کر کے اعلیٰ سطحی تحقیقات کرائی جائے اور اس کو نہ صرف ملک دشمن سرگرمیوں میں سزا دی جائے بلکہ تحقیقات کر کے ان کے ساتھیوں کا بھی سراغ لگایا جائے۔ ایک سوال کے جواب میں پریس کانفرنس کے شرکاء نے بتایا کہ سیموئیل ایک ہی ملک دشمن بشپ نہیں ہوسکتا ہے' محسوس ہوتا ہے کہ کہیں دیگر بشپ بھی اس گھناؤنی سازش میں مصروف نہ ہوں۔" (روزنامہ "خبریں" 2 ستمبر 1994ء)

اورنگ زیب عالمگیر کے اتالیق حضرت صالح

لاہور کے مزار پر عیسائیوں کا قبضہ

بشپ نے کہا ہم مرنے مارنے کے لیے تیار ہیں۔ خون کی ندیاں بہا دیں گے۔ ہم کیبنٹ کا فیصلہ نہیں مانتے۔ صرف انگریز حکومت کو جانتے ہیں۔

"لاہور (ریلوے انتظامیہ کی طرف سے 15 ایمپرس روڈ پر واقع حضرت شیخ صالح لاہوری کے مزار اقدس کا قبضہ گزشتہ روز ضلعی انتظامیہ اور ڈسٹرکٹ پولیس کی عدم دلچسپی کے باعث حاصل نہ کیا جا سکا۔ ریلوے انتظامیہ جو قبضہ کے حصول کے لیے تمام تر انتظام کر کے پولیس کے انتظار میں تھی کہ بشپ

آف لاہور الیگزینڈر جان ملک نے سپیشل مجسٹریٹ ریلوے نعیم الدین راٹھور کی عدالت میں جا کر عدالتی عملے اور وہاں پر موجود "خبریں" کے فوٹو گرافر کو دھمکیاں دیں اور کہا کہ "اگر ریلوے انتظامیہ نے قبضہ لینے کے لیے آپریشن کیا تو ہم بھی "مرنے مارنے" کے لیے تیار ہیں' یہاں پر خون کی ندیاں بہا دیں گے۔" تفصیلات کے مطابق شہنشاہ اورنگزیب کے اتالیق اور ممتاز عالم دین حضرت شیخ ملاں محمد صالح لاہوری نے وفات پائی تو انہیں 15 ایمپرس روڈ پر دفن کر دیا گیا۔ گورنر پنجاب شیخ عنایت اللہ نے یہاں ان کا مزار تعمیر کرایا' بعد ازاں گورنر پنجاب کا انتقال ہوا تو انہیں بھی ان کی وصیت کے مطابق شیخ محمد صالح لاہوری کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ سکھوں کی عملداری آئی تو انہوں نے اس مقبرے کا تمام سنگ مرمر نوچ لیا۔ انگریزوں کا دور شروع ہوا تو انہوں نے اسے رہائش گاہ بنا لیا۔ 1856ء کے محکمہ مال کے کاغذات میں اس جگہ پر مزار کا اندراج موجود ہے۔ انگریز جنرل ایبٹ نے مقبرے کی قریبی جگہ رہائش کے لیے حاصل کی۔ مزار کے بالمقابل چھوٹا سا گرجا گھر تعمیر کر دیا جو آج بھی اینڈریوز چرچ کے نام سے مشہور ہے 1898ء سے 1968ء کے محکمہ مال کے ریکارڈ میں یہ اراضی نارتھ ویسٹرن ریلوے کی ملکیت بتائی گئی جس کے چار کنال تین مرلہ میں حضرت محمد صالح لاہوری کا مزار موجود ہے۔ اس مزار سے متعلقہ ریکارڈ ریلوے اوقاف اور محکمہ آثار قدیمہ کے پاس درج ہے۔ 1954ء میں عیسائیوں نے مزار سے ملحقہ پارک میں عیسائی بچوں کے لیے ایک پرائمری اسکول تعمیر کیا اور یہیں سے اس مزار کو چرچ میں شامل کرنے کا آغاز ہوا۔ 1975ء میں وفاقی حکومت نے ہدایت کی کہ مزار کی پانچ کنال اراضی محکمہ آثار قدیمہ سنبھال لے مگر محکمہ آثار قدیمہ نے اس حکم کی تعمیل نہ کی۔ 1993ء میں سابق وزیراعظم میاں نواز شریف کے دور میں وفاقی کیبنٹ کمیٹی نے فیصلہ دیا کہ اس مزار پر آثار قدیمہ کو قبضہ کرایا جائے لیکن اس حکم پر عمل درآمد نہ ہوا۔ 1994ء میں وفاقی محتسب نے وزارت ریلوے اسلام آباد' جی ایم ہیڈ کوارٹر لاہور' کمشنر لاہور اور ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ ریلوے کو آگاہ کیا۔ گزشتہ روز ریلوے انتظامیہ نے وفاقی کیبنٹ کے حکم کے مطابق مزار کا قبضہ حاصل کرنے کے لیے ضلعی انتظامیہ اور موجودہ پولیس کے سربراہ کو اس بارے میں آگاہ کیا اور ان سے امن و امان کی صورت حال برقرار رکھنے کے لیے مدد مانگی جبکہ مجسٹریٹ نعیم الدین راٹھور نے اس بارے میں اینڈریوز چرچ کے پادری عرفان جمیل کو عدالت میں طلب کیا۔ اس موقع پر عدالت میں ریلوے کے ایکسین مرزا محمد اسلم اسسٹنٹ انجینئر مرزا علمدار حسین اور لاء آفیسر علی محمد چودھری موجود تھے کہ اچانک بشپ آف لاہور الیگزینڈر جان ملک بن بلائے عدالت میں آن دھمکے اور عدالت سے بحث شروع کر دی کہ انہوں نے کوئی قبضہ نہیں کیا۔ یہ جگہ انگریز حکومت نے چرچ کو الاٹ کی ہے۔ جب عدالت نے انہیں بتایا کہ کیبنٹ فیصلہ کی رو کے مطابق چرچ کی جگہ کے علاوہ چار کنال تین مرلہ میں موجود مزار ہے' وہ چرچ انتظامیہ سے آزاد کرائی جائے۔ تب بشپ آف لاہور نے کہا کہ وہ وفاقی کیبنٹ کا فیصلہ نہیں مانتے' وہ تو انگریز حکومت کو جانتے ہیں۔ عدالت اور اس میں ریلوے کے آفیسر نے انہیں اصل حقائق سے آگاہ کیا کہ وہ صرف مزار کا قبضہ حاصل کر رہے ہیں' تب بشپ آف لاہور نے انہیں

دھمکیاں دیں "ہم اقلیت ہیں لیکن اتنے کمزور نہیں کہ آپ ہم سے قبضہ حاصل کرسکیں' آپ لوگ یہاں خون خرابہ کرکے قبضہ حاصل کرسکتے ہیں' آپ پاکستان کو بدنام نہ کریں جیسے بابری مسجد پر بھارت نے قبضہ کیا اور دنیا میں بدنام ہوا۔" بعد ازاں عدالتی کارروائی مصالحتی کارروائی میں بدل گئی اور باہم مشورے یہ طے پایا کہ چرچ انتظامیہ حضرت صالح محمد لاہوری کے مزار کو ریلوے انتظامیہ کے سپرد کردے گی۔ اس فیصلے کا تحریری معاہدہ ہوا کہ اچانک عیسائیوں کا ایک فادر صادق عدالت میں گھس آیا اور معاہدے کے کاغذ کو پھاڑ دیا اور کہا کہ وہ ریلوے کو کسی صورت میں قبضہ نہیں دیں گے۔

(روزنامہ "خبریں" لاہور' 21 جولائی 1995ء)

مسلمان لڑکیاں اغوا کرنے والا عیسائی گروہ

"لاہور (رجب علی' عائشہ غفار سے) صوبائی دارالحکومت سے مجبور اور محنت کش مسلمان لڑکیوں کو اغوا کرکے لے جانے والے عیسائیوں کے ایک ایسے گروہ کا انکشاف ہوا ہے جو نوعمر بچیوں کو اغوا کرکے دوسرے علاقوں میں لے جا کر غیر مذہب کی تعلیم دینے کے علاوہ ان سے گھریلو کام کراتے ہیں اور ان کے حکم کی تعمیل نہ کرنے پر بچیوں کو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور سزا کے طور پر کئی کئی دن کھانا نہیں دیا جاتا جس پر کچے ذہن کی بچیاں ملزموں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ ٹاؤن شپ پولیس نے اس گروہ کے دو ارکان اسحاق مسیح اور یونس مسیح کو گرفتار کرکے ان کے قبضے سے ایک 12 سالہ بچی نرگس پروین کو برآمد کرلیا جبکہ اس گروہ کی سرغنہ عورت مارتھا مسیح ابھی تک مفرور ہے۔ اس بارے میں اطلاع ملنے پر گزشتہ روز "خبریں" ٹیم نے ایک خصوصی انسپکشن کی۔ تفصیلات کے مطابق پانچ ڈی ٹو گرین ٹاؤن کی نسیم اختر کی بیٹی نورین یامین 17 اپریل 1996ء کو اپنے بھائی سے جھگڑ کر گھر سے نکل گئی۔ اس کی والدہ اس کو پکڑنے گئی مگر وہ اچانک غائب ہوگئی۔ گرین ٹاؤن تھانے میں اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کروائی گئی مگر 6 ماہ گزرنے کے باوجود برآمد نہ ہوئی۔ گم ہونے والی بچی کے گھر اچانک چند روز قبل ایک شخص آیا جو اپنا نام حفیظ عرف فیجا بتاتا تھا۔ اس نے بتایا کہ میں گکھڑ سے آیا ہوں وہاں کرسچین کالونی میں ایک بچی ہے جس نے مجھے بتایا کہ مجھے مارتھا مسیح ٹاؤن شپ لاہور سے اٹھا کر لائی ہے جس پر نورین یامین کے والدین نے ٹاؤن شپ پولیس کو آگاہ کیا۔ ایس ایچ او نے ایک پولیس اہلکار کو گکھڑ روانہ کیا تو اسے معلوم ہوا کہ واقعی یہاں پر ایک بچی عیسائیوں کے پاس ہے۔ اس پر پولیس نے نورین کے والدین کے ساتھ وہاں ریڈ کیا اور ایک بچی برآمد کرلی جبکہ ملزم اسحاق مسیح اور یونس مسیح کو گرفتار کرکے لاہور لے آئے۔ تفتیش کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ لڑکی جوہر ٹاؤن کے رہائشی محمد حنیف کی بیٹی ہے۔ نورین یامین تو برآمد نہ ہوئی مگر اس کے توسط سے نرگس پروین برآمد ہوگئی۔ نرگس پروین نے "خبریں" ٹیم کو بتایا کہ میں ٹاؤن شپ کی ایک کوٹھی میں کام کرتی تھی۔ ایک روز کوٹھی کے مین گیٹ پر فرش صاف کر رہی تھی تو ایک عورت میرے پاس آئی اور اس نے کہا کہ تمہاری ماں کا ایکسیڈنٹ ہوگیا

ہے۔اس نے تمہیں بلایا ہے، تم میرے ساتھ چلو۔ میں اس کے ساتھ چل پڑی۔ وہ مجھے کئی ویگنیں تبدیل کر کے ایک جگہ لے گئی اور وہاں لے جا کر بند کر دیا۔ وہ اپنا نام مارتھا مسیح بتاتی تھی جہاں مجھے بند کیا، وہاں پہلے بھی دو لڑکیاں تھیں جو اپنا نام سکینہ اور مرینہ بتاتی تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ مارتھا نے ہمیں کوئی چیز کھلائی جس سے ہم بے ہوش ہو گئیں جب ہوش آیا تو اس کمرے میں بند تھیں۔ نرگس نے مزید بتایا کہ وہاں پر ہر رات کوئی نہ کوئی لڑکی لائی جاتی تھی اور صبح کو مارتھا انہیں کہیں لے جاتی تھی اور جب ہم اس سے کوئی سوال پوچھتے تھے تو وہ ہمیں تشدد کا نشانہ بناتی۔ وہ ہمیں اپنے مذہب کے بارے میں بتاتی، نماز پڑھتی تو کہتی کہ تم بھی اسی طرح نماز ادا کرو جس طرح میں پڑھ رہی ہوں۔ ہمارے انکار پر وہ ہمیں بری طرح مارتی اور کھانا بھی نہ دیتی۔ ایک روز اس نے ہمیں وہاں سے نکالا اور کہیں لے جا کر بند کر دیا۔ سکینہ اور مرینہ کا مجھے نہیں معلوم کہ وہ انہیں کہاں لے گئی۔ نئی جگہ پر بھی مارتھا مجھے مار مار کر اپنا کلمہ اور نماز بتاتی۔ ایک دن وہ مجھے وہاں سے نکال کر دھمکیاں دیتے ہوئے گکھڑ لے گئی اور اسحاق مسیح کے پاس چھوڑ دیا۔ میں وہاں سارا دن کام کرتی رہتی وہ لوگ مجھے تشدد کا نشانہ بناتے اور اپنے مذہب کی طرف راغب کرتے۔ ایک دن میں سودا سلف لینے باہر نکلی تو دکاندار حفیظ کو سب کچھ بتایا اور کہا کہ میں ٹاؤن شپ لاہور کی رہائشی ہوں۔ اس نے میری خاطر لاہور جا کر میرے والدین کو تلاش کیا۔ پھر ایک روز پولیس آئی اور مجھے یہاں سے لے جا کر ماں کے حوالے کر دیا۔" (روزنامہ "خبریں" 6 اکتوبر 1996ء)

سلانوالی کا جعلی پادری گرفتار، چار سو مسلمانوں سے عیسائیت کے حلف نامے لے رکھے تھے

اغوا شدہ دوشیزہ گرفتار کر لی گئی، امداد کے لالچ میں مذہب تبدیل کرنے والوں نے علماء سے رابطے کر لیے۔ ملزم نے لوگوں سے لاکھوں روپے بٹور رکھے ہیں۔

سلانوالی (نامہ نگار) مقامی پولیس نے دھوکہ دہی سے سادہ لوح لوگوں سے لاکھوں روپے بٹور کر اور مسلم دوشیزہ کو اغوا کر کے فرار ہونے والے خود ساختہ پادری کو گرفتار کر لیا۔ تفصیلات کے مطابق 9 روز قبل عیسائی پادری نے یہاں آ کر ڈیرہ جمایا اور اپنے آپ کو اٹلی کا انٹرنیشنل پادری ظاہر کر کے سادہ لوح افراد کو جھانسہ دیا کہ وہ کروڑوں روپے کی گرانٹ لایا ہے جو دس ہزار روپے فی کس تقسیم کی جائے گی جس پر سینکڑوں افراد جھکے میں آ گئے۔ ایک اندازے کے مطابق دو سو عیسائیوں کے علاوہ چار سو سادہ لوح مسلمانوں نے بھی لالچ میں آ کر عیسائی مذہب اپنانے کے مبینہ طور پر حلف نامے پر کر دیئے۔ بعد ازاں جعل ساز پادری نے ان کو جھانسہ دیا کہ وہ رقم آپ کے بینک اکاؤنٹ میں جمع کروانی ہے۔ اکاؤنٹ کھلوانے کے لیے پادری نے چھ سو افراد سے تین سو روپے فی کس وصول کر لیے۔ جب اس صورت حال کا علم مقامی علماء کو ہوا تو انہوں نے انتظامیہ کو پادری کی گرفتاری کا الٹی میٹم دے دیا۔ صورت

حال بھانپ کر خود ساختہ پادری بٹوری ہوئی رقم اور ایک شخص اللہ بخش کی 18 سالہ لڑکی کو لے کر فرار ہوگیا۔ پولیس نے چار روز کی جدوجہد کے بعد پادری کو گرفتار کر کے مغویہ برآمد کر لی۔ دریں اثناء پادری کے جھانسے میں آ کر عیسائی مذہب کے حلف نامے پر کرنے والوں نے کفارہ ادا کرنے کے لیے فتوے حاصل کرنے کے لیے علماء سے رابطے شروع کر دیئے ہیں۔" (روزنامہ "پاکستان" لاہور 20 اگست 1993ء)

عیسائی خاندان کی اسلامی تعلیمات کے خلاف ہرزہ سرائی

"لالہ موسیٰ میں عیسائی مذہب کا ایک گروہ مسلمانوں کی دل آزاری کا سرعام مظاہرہ کر رہا ہے اور مردے زندہ کرنے (نعوذ باللہ) خدا سے براہ راست بات چیت اور ہدایت پانے کا دعویٰ بھی کر رہا ہے، عیسائی خاندان نے اسلامی تعلیمات کے خلاف آٹھ گھنٹے تک کیمپ لگا کر مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی۔ چکر محلہ نزدیک ریلوے سٹیشن میں ایک عیسائی خاندان نے آخر کیمپ لگایا اور ایک لڑکی جس کا نام ریحانہ مسیح بتایا جاتا ہے، نے کھڑے ہو کر "عمل" شروع کر دیا اور پورے شہر میں یہ مشہور کر دیا کہ مذکورہ لڑکی کا حضرت عیسیٰ (یسوع مسیح) اور نعوذ باللہ خدا سے براہ راست تعلق ہے اور مذکورہ لڑکی کو رات خواب میں بشارت ہوئی کہ آج سہ پہر پانچ بجے اسے زندہ حالت میں اٹھا لیا جائے گا۔ لڑکی کے والد جارج مسیح نے بتایا کہ میری اس بیٹی نے معجزہ دکھاتے ہوئے گذشتہ یوم آزادی کے روز چھوٹی بہن عینی کو جو وفات پا گئی تھی، زندہ کر دیا۔ اس کے علاوہ ایک عیسائی عورت کو بھی زندہ کیا۔ جارج مسیح نے مزید دعویٰ کیا کہ اس کی دوسری بیٹی فرزانہ مسیح کو "رؤیا" کی حالت میں خدا کا دیدار ہوتا ہے اور وہ آنے والا حال بتا سکتی ہے۔ مذکورہ ڈرامے کو دیکھنے کے لیے شہر سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ اکٹھے ہو گئے۔ مجمع کو کنٹرول کرنے کے لیے پولیس کے صرف تین اہلکار موجود تھے جو اس دوران مجمع سے اسلحہ بردار عیسائی نوجوان سوڈی کو گرفتار کر کے لے گئے۔ جب مقررہ وقت پر "پرواز" نہ ہوئی تو مسلمان نوجوانوں نے نعرۂ تکبیر لگایا اور سٹیج پر پل پڑے۔ اس دوران پتھراؤ اور پرانی جوتیوں کی بارش سے درجنوں افراد زخمی ہو گئے۔ ڈرامہ ختم ہونے کے بعد سٹی پولیس جائے وقوعہ کی طرف بڑھتی دکھائی دی۔ عیسائیوں کی طرف سے مسلمانوں کے جذبات مجروح کرنے اور دل آزاری کرنے پر زبردست اشتعال پیدا ہو گیا۔ یاد رہے کہ مذکورہ خاندان اس سے قبل پشاور میں رہائش پذیر تھا اور پشاور میں اس ڈرامے کی اجازت نہ ملنے پر لالہ موسیٰ کا رخ کیا۔" (ہفت روزہ حرمت، اسلام آباد، اکتوبر 1998ء)

ہماری "رواداری" کا بھیانک انجام

22 ہزار مسلمان بچوں کو عیسائی بنا دیا گیا۔

مسلمان بچوں کو عیسائی بنا کر سمگل کرنے کا ہولناک سکینڈل۔

"اسلام آباد (کے پی آئی) لاوارث مسلم بچوں کو عیسائی بنا کر سمگل کرنے کا ہولناک سکینڈل کراچی کا ایک معروف ٹرسٹ 22 ہزار بچوں کو بیرون ملک فروخت کر کے کروڑوں روپے کما چکا ہے۔ ایک اخباری رپورٹ کے مطابق مافیا کے با اثر لوگ ماتحت عدالتوں کے ججوں سے کسی نہ کسی طرح سرپرستی کے سرٹیفکیٹ حاصل کر لیتے ہیں کیونکہ قانون کے مطابق پاکستان کی ریاست اسلامی ہے لہٰذا یہاں پیدا ہونے والے لاوارث بچے کو مسلمان تصور کیا جاتا ہے اور اسی بنیاد پر اس کے حقوق کا تعین ہوتا ہے۔ ایسے کسی بچے کو کسی بھی طور پر غیر مسلم ظاہر کر کے کسی غیر مسلم کو اس کا سرپرست قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ ہی اس بچے کو بیرون ملک لے جانے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ اس قانون کے باوجود مافیا کے غیر مسلم با اثر افراد عدالتوں سے ان کی سرپرستی اور انہیں بیرون ملک لے جانے کا قانونی اجازت نامہ حاصل کر لیتے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق کراچی سے سمگل ہونے والے نوزائیدہ بچوں کے سلسلے میں یہ بات مزید تشویش ناک ہے کہ ان بچوں کے عیسائی نام رکھے جاتے ہیں اور انہیں لاوارث قرار دے کر ان کی سرپرستی کے دعوے دار بھی عیسائی ہوتے ہیں نہ صرف یہ بلکہ عدالت میں ان بچوں کے بارے میں یہ بتایا جاتا ہے کہ یہ بچے چرچ میں لاوارث پائے گئے تھے۔ اب تک سینکڑوں بچوں کو اس طرح عیسائی ظاہر کر کے بیرون ملک سمگل کیا جاچکا ہے۔

کراچی سے بچوں کی سمگلنگ کے اس گھناؤنے کاروبار کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اس مافیا کے با اثر افراد سیاسی جماعتوں کو بھی استعمال کرتے ہیں۔ بچوں کی سمگلنگ کا مافیا اپنے کاروبار میں ہر حربہ استعمال کرنے کے علاوہ کروڑوں روپیہ خرچ کرتا ہے۔ با اثر مافیا چھ بچوں کی سرپرستی کا یہ مقدمہ ہار گیا اور یہ مقدمہ عالمی مجلس ختم نبوت کے وکلا مقصود احمد راجپوت اور محمد نذیر تنولی جیت گئے۔ عدالت نے اپنے فیصلے میں چھ لاوارث بچوں کی سرپرستی کے دعوے دار عیسائی جوڑے ڈینس چالیس اور کینڈا چارلس کی درخواستیں مسترد کر دیں اور ان چھ لاوارث بچوں کو مسلمان قرار دے کر انہیں عبدالستار ایدھی ویلفیئر ٹرسٹ کے حوالے کر دیا اور حکم دیا کہ ان بچوں کی نگہداشت منظور احمد راجپوت ایڈووکیٹ بھی کریں گے۔"

(بحوالہ نوائے وقت، لاہور، 23 جولائی 2000ء)

قرآن مجید کی شان میں عیسائیوں کی شر انگیزی

"پاکستان میں اقلیتوں کو ہر شعبۂ حیات میں عدیم المثال آزادیاں میسر ہیں۔ تاہم عیسائیوں کی طرف سے ان پر ظلم و ستم ڈھائے جانے، مذہبی آزادی کے فقدان اور حقوق کی پامالی کا بے بنیاد افسوس ناک پراپیگنڈہ زوروں پر ہے جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ دو فیصد آبادی والی عیسائی اقلیت اپنی تعداد کی بہ نسبت ہر لحاظ سے کئی گنا خوش حال و مرفہ الحال اور با اثر ہے۔

پادری ڈاکٹر کے ایل ناصر پروفیسر پرنسپل فیتھ تھیولوجیکل سمیزی گوجرانوالہ کی زیر ادارت چھپنے والا ماہنامہ "کلام حق" پوسٹ بکس 68 گوجرانوالہ شدید اسلام دشمنی میں دیرینہ شہرت رکھتا ہے۔

''کلامِ حق'' بابت اکتوبر 1992ء میں چھپنے والے ساڑھے چار صفحات پر بسیط مضمون میں قرآنی مندرجات' عقائد' عبادات' تعلیمات اور احکام و ہدایات کا حد درجہ مذاق اڑایا گیا ہے۔ انہیں متروک اور جدید دور میں ناکام اور ناقابل عمل بتایا گیا ہے۔ اس مضمون سے مندرجہ ذیل اقتباسات' یہ دکھانے کے لیے کافی ہیں کہ پاکستان کی عیسائی اقلیت کتنی بے باک' نڈر' منہ زور' دیدہ دلیر' نتائج و عواقب سے مستغنی و بے نیاز اور مذہبی آزادی سے کس قدر بہرہ ور اور بے لگام ہے۔ ذرا تصور فرمایئے جو لوگ یہ الفاظ کمال دھڑلے سے پریس میں چھاپ سکتے ہیں وہ نجی خطوط میں مجھے کیا کچھ نہیں لکھتے ہوں گے؟

''کلامِ حق'' سے اقتباسات

''قرآن کی پہلی الہامی غلطی جبرائیل نے کروائی کہ خدا تین ہیں۔''

(سورۃ نساء: 171)

''اور معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا جبرائیل ناخواندہ تھا۔ اس نے انجیل اور بائبل کو نہ پڑھا تھا۔ ورنہ وہ ایسی غلطی نہ کرتا۔ بائبل کا خدا واحد' لامحدود' لا انتہا خدا ہے۔ اس کو تین عددی خدا یا ایک عددی مفروضہ خدا کہنا قرآن کی اصطلاح ہے نہ کہ بائبل کی۔ اسی طرح والدہ مریم مقدسہ کو عمران کی بیٹی کہنا سخت غلطی ہے۔ عمران کی بیٹی مریم تو بزرگ موسیٰ کی بہن تھی جو مسیح سے ہزاروں سال پہلے پیدا ہوئی تھی اور قرآن کے جبرائیل کو معلوم نہ تھا۔ قرآن نے بائبل کے فرمان کے برخلاف یہ غلطی کی ہے کہ مسیح کو خدا کا بیٹا کہنا کفر ہے۔ (سورۃ توبہ' آیت 30) اور سورۃ نساء' آیت 157 میں بائبل انجیل کے اعلیٰ اور افضل ترین تواریخی اور چشم دید گواہوں پر مبنی نجات کے عقیدہ کہ مسیح مصلوب بعد از مصلوبی جی اٹھتے تھے اور ابدالاباد زندہ آسمان پر موجود ہیں' اس کی نفی کر کے اپنے الہام کی توہین کی ہے کیونکہ مسیح خدا کے مقررہ انتظام اور علم سابق مصلوب ہوا۔'' (اعمال 23:2)' (کلام حق' صفحہ 10)

''اسلام میں تمام رائج کردہ مذہبی رسومات سب موسوی شریعت سے ہیں۔ ختنہ' روزہ اور زکوٰۃ جانوروں کی قربانیاں وضو اور مخالفین اسلام کے خلاف جہاد و قتال کی تعلیم بھی موسوی شریعت سے ماخوذ ہے۔'' (''کلام حق'' صفحہ 10)

''لیکن رسومات' شریعت اور جہاد و قتال کے ذریعے دین کی ترقی اور توسیع کرنا مفقود ہو چکا ہے۔ چنانچہ تمام رسومات اور شریعت پر زور دینے والوں کے مذہبی اصول ختم ہو رہے ہیں۔ تعلیم کا زور ہو رہا ہے۔ رسوماتی مذاہب کو آج کے زمانہ کے لوگ پسند نہیں کرتے جس کے لیے اہل اسلام علماء دن رات واویلا کر رہے ہیں کہ تعلیم یافتہ نئی نسل دین کو ترک کرتی جاتی ہے۔ رسومات ختم کر دیں تو باقی مذہب کی کون سی چیز باقی رہ سکتی ہے؟ اور رسومات مذہبی وہ ہیں جو نجات کا ہرگز وسیلہ نہیں بن سکتیں۔''

(''کلام حق'' صفحہ 10)

"کثرتِ ازواج کی تعلیم خدا کی طرف سے نہ ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔"

"تمہارا خدا اپنی ذات الٰہی کے ظہور و تجسم پر قادر ہے' نہ وہ پیار بھرا آسمانی باپ ہے نہ اس نے گنہگاروں کی نجات کا خود انتظام کیا تھا۔" ("کلامِ حق" صفحہ 11)

"لیکن آپ کے دین میں جس پر آپ کو بڑا ناز اور گھمنڈ ہے جب بائبل مقدس کی تعلیمات اور روشنی میں پرکھا جائے تو نامکمل ثابت ہوتا ہے بلکہ تمہاری الہامی کتاب جو روح القدس کی مدد سے نہیں لکھی گئی جو کسی ملہم نبی کے قلم سے نہیں لکھی گئی تھی کیونکہ وہ کسی ایسے ناخواندہ شخص کی بیان کردہ باتیں ہیں جو کہا تو گیا کہ سابقہ الہامی کتابوں کے مطابق ہے لیکن اس میں بائبل مقدس کے سراسر منافی' متضاد اور ناقابلِ اعتبار باتیں لکھی ہیں جو بائبل مقدس کے خدا کے سوا کوئی دوسرا خدا تعالیٰ نہ ہے۔"

("کلامِ حق" صفحہ 12)

"شریعت بل محض اس لیے بنایا گیا ہے کہ مسلمان اپنے مخالفوں پر توہین رسول کے جھوٹے الزام لگا کر اور جھوٹے گواہ کھڑے کر کے ان کو پھانسی کی سزا دلائیں اور اس طرح مخالف اسلام خوفزدہ ہو کر اسلام قبول کریں۔" ("کلام حق" صفحہ 12)

"قرآن کے خدا نے گنہگاروں کی نجات کے لیے ایسا کوئی ٹھوس کام نہ کیا۔ یہ ایک انسان کی اپنی ذاتی خوشی تھی کہ مذہبی رسومات ہماری نجات کا وسیلہ ہیں۔" ("کلام حق" صفحہ 12 (از رانا محمد اسلم صاحب بحوالہ "شمس الاسلام" بھیرہ' جنوری 1993ء)

حکومتی عنایات

متروکہ وقف املاک بورڈ کا قیام

متروکہ وقف املاک بورڈ کا قیام 1960ء میں عمل میں آیا۔ اس وقت سے تارکین ہندو اور سکھوں کی وقف املاک ان کی دیکھ بھال اور یاتریوں کے پاکستان میں قیام کے انتظامات وغیرہ براہ راست متروکہ املاک بورڈ کو سونپ دی گئیں۔

یاتریوں کی آمد

اگرچہ پاکستان میں واقع سکھوں کے مذہبی و تاریخی گوردواروں کی یاترا قیام پاکستان کے بعد ہی اکا دکا جتھوں کی صورت میں شروع ہو چکی تھی تاہم باقاعدگی سے یہ سلسلہ تقریباً 1964ء سے شروع ہوا۔ ہر سال 4 مشہور مذہبی تقریبات میں شرکت کے لیے سکھ یاتری جتھوں کی شکل میں آتے تھے جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

مسلمانوں کو لڑائی کا طعنہ دینے والے عیسائیوں کا اپنا حال

فادر روفن کے مسلح افراد نے قبضہ کرلیا

''گوجرانوالہ (سٹاف رپورٹر) روفن قبضہ گروپ کے مسلح افراد نے نوشہرہ سانسی میں کاتھولک چرچ پر قبضہ کرنے کے بعد اپنے تالے لگا لیے۔ کارروائی روفن جولیس کی سربراہی میں آتشیں اسلحہ کی نمائش میں ہوئی' جس سے خوف و ہراس کی وجہ سے لوگ پریشان ہیں۔ انتظامیہ بلا امتیاز ایم این اے روفن جولیس اور اس کے مسلح ساتھیوں کو گرفتار کرے۔ اگر مناسب کارروائی نہ کی گئی تو شہر کے حالات سنگین صورت اختیار کر جائیں گے' احتجاجی مظاہرے ہوں گے' اور جلیل ٹاؤن کی طرف مارچ ہوگا' روفن کاتھولک چرچ پر قبضہ کی بجائے اپنے نام نہاد مشن کے علیحدہ چرچ تعمیر کرائے۔ کاتھولک کلیسیا یہ سب کچھ برداشت نہیں کرے گی۔ اس کے بارے میں متعلقہ تھانے سبزی منڈی میں رپورٹ درج کرا دی گئی ہے' تاحال کوئی گرفتاری عمل میں نہیں آئی۔ ہم یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ انتظامیہ قبضہ باعزت طریقے سے چھڑائے۔ ورنہ روفن کو جلیل ٹاؤن چھوڑنا پڑے گا۔ عیسائی مشن کی پرچار کلاشنکوف کی بجائے پیار و محبت سے کی جائے۔ ورنہ ہم ساری کلاشنکوفیں پگھلا کر رکھ دیں گے۔ یہ انکشاف آل پاکستان مسیحی پارٹی کے سیکرٹری جنرل لعزرس گل نے کیا۔'' (روزنامہ ''تجارت'' گوجرانوالہ 12 نومبر 1994ء)

فادر روفن جولیس رومن کیتھولک سے خارج

''گوجرانوالہ (اسد محمود سے) قومی اسمبلی کے رکن اور سابق وفاقی وزیر مملکت فادر روفن جولیس نے رومن کیتھولک کو خیر باد کہہ کر مرسین آرتھوڈیکس کا نیا عقیدہ ایجاد کرلیا ہے جس کے وہ نام نہاد مذہبی پیشوا بن گئے ہیں اور رومن کیتھولک کے چرچ پر قبضہ کر کے عیسائی برادری کے جذبات کو سخت اذیت دے رہے ہیں جو کہ مذہبی اور سیاسی غنڈہ گردی کے مترادف ہے۔ یہ باتیں بارہ عیسائی مذہبی پیشواؤں نے صحافیوں سے گفتگو کے دوران بتائیں۔ مذہبی پیشواؤں میں فادر عمانوایل یوسف' عمانوایل عاصی' فادر طارق آئزک' فادر آسٹن فرانسس' سسٹر انجیلا' سسٹر نسیم نیامت' سسٹر شبیر حسین' سسٹر شبینہ جوزف' فادر صادق سی آر ایم حافظ آباد شامل ہیں۔ اس موقع پر آل پاکستان مسیحی پارٹی کے سیکرٹری جنرل لعزاس گل بھی موجود تھے۔ مذہبی پیشواؤں نے مشترکہ طور پر کہا کہ روفن جولیس کو دائرہ عیسائیت سے خارج کردیا گیا ہے۔ اب ان کا کیتھولک سے کوئی تعلق نہیں رہا ہے اور نیا عقیدہ اختیار کر کے وہ عیسائیوں کو گمراہ اور سیاسی غنڈہ گردی پر اتر آئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے مذہب کے مطابق کوئی فادر شادی شدہ عورت یا کسی بھی خاتون سے شادی نہیں کرسکتا مگر روفن جولیس نے تین بچوں کی ماں سے شادی کی ہے۔ اس لیے رومن کیتھولک سے رشتہ ٹوٹ گیا ہے۔ مذہبی پیشواؤں نے پولیس کے اعلیٰ حکام سے مطالبہ کیا ہے کہ نوشہرہ سانسی چرچ پر ناجائز قبضہ اور مذہبی پیشواؤں کو گالیاں دینے والے افراد کے خلاف قانونی

کارروائی کر کے قرار واقعی سزا دی جائے۔ بصورت دیگر عوام سڑکوں پر نکل کر احتجاج کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔" (روزنامہ "تجارت" گوجرانوالہ 22 نومبر 1994ء)

گرجے کی ملکیت پر عیسائیوں میں تصادم فائرنگ سے 3 افراد زخمی 3 گرفتار

لاہور (وقائع نگار خصوصی) والٹن روڈ کی پیٹر کالونی میں گرجائی ملکیت کے تنازعہ پر دو پادریوں اور ان کے حمائتیوں میں ہونے والی اندھا دھند فائرنگ اور لڑائی میں تین عیسائی زخمی ہو گئے جبکہ ایک گروپ کے سینکڑوں عیسائی گرجا کے سامنے مظاہرہ کرتے رہے۔ دوطرفہ فائرنگ اور پتھراؤ سے قرب و جوار میں رہائش پذیر افراد بڑی تعداد میں گھروں سے باہر نکل آئے۔ فیکٹری ایریا پولیس نے زخمی جیکب قیصر کے بیان پر پادری انور جاوید اور ان کے متعدد ساتھیوں کے خلاف اقدام قتل کا مقدمہ درج کر کے 3 عیسائیوں کو گرفتار کرلیا ہے۔ پیٹر کالونی گرجا گھر کے قبضہ کا تنازعہ طویل عرصہ سے چل رہا ہے اور امانت مسیح پادری اس پر قابض تھا۔ تاہم عدالت کے حکم پر گرجا گھر گزشتہ سال سیل کر دیا گیا۔ گزشتہ روز امانت مسیح نے عدالت کے بیلف کے ذریعہ قبضہ حاصل کرلیا اور اندر درجنوں افراد بٹھا دیئے۔ جاوید مسیح رات کو سینکڑوں افراد لے کر پہنچ گیا جس پر ہنگامہ اور فائرنگ شروع ہوگئی جس سے طارق رضا اور جیکب قیصر وغیرہ زخمی ہو گئے۔ پولیس نے زکریا عمانوایل وغیرہ کو گرفتار کرلیا ہے اور رات گئے تک چرچ کے باہر مظاہرہ جاری تھا۔ (روزنامہ "جنگ" لاہور 30 مارچ 1995ء)

وفاقی اقلیتی مشاورتی کونسل

پاکستان میں اقلیتوں کو زیادہ مذہبی آزادی حاصل ہے۔ فادر روفن کا اعتراف

"اسلام آباد (رپورٹ فادر فلپ) وفاقی وزیر مذہبی و اقلیتی امور خان بہادر خان اور شریک صدر فادر روفن جولیس وزیر مملکت برائے اقلیتی امور کی صدارت میں اسلام آباد ہوٹل میں وفاقی اقلیتی مشاورتی کونسل کا نواں اجلاس ہوا جس میں ملک بھر سے آئے ہوئے تقریباً پچاس مندوبین نے شرکت کی۔ اجلاس میں پاکستان میں بسنے والی تمام اقلیتوں کے علاوہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے منتخب اقلیتی اراکین نے بھی شرکت کی۔ پروگرام کا آغاز فادر زکریا غوری کی تلاوت کلام مقدس اور فادر روفن کی خاموش دعا سے ہوا۔ اس موقع پر فادر روفن جولیس نے اپنے افتتاحی کلمات میں بتایا کہ ضیاء دور کی اقلیتی مشاورتی کونسل 25 مارچ 1989ء کو ختم ہوگئی تھی اور اب وزیراعظم پاکستان محترمہ بے نظیر بھٹو کی ہدایت پر اس کو نئے سرے سے تشکیل دیا گیا ہے۔ فادر روفن نے کہا کہ اگر دوسرے ممالک سے موازنہ کیا جائے تو ان کی نسبت پاکستان میں اقلیتوں کو زیادہ مذہبی آزادی حاصل ہے۔ دوران اجلاس وفاقی وزیر خان بہادر خان نے طلبہ و طالبات میں تقسیم کے لیے مشاورتی کونسل کے ہر رکن کو پانچ ہزار روپے سالانہ دینے کا اعلان کیا۔" ("نقیب" یکم اپریل 1990ء)

وزیراعظم کا عطیہ

''لاہور (ٹی وی رپورٹ) وزیراعظم بے نظیر بھٹو نے کرسمس کے موقع پر عیسائی برادری کے لیے 35 لاکھ روپے رقم کی منظوری دی ہے۔ یہ رقم خیرسگالی کے جذبے کے تحت دی گئی ہے تاکہ غریب اور ضرورت مند عیسائی بھی کرسمس کا تہوار منا سکیں۔ یہ رقم قومی اسمبلی کے چار ممبروں کے ذریعے تقسیم کی جائے گی۔'' (''نوائے وقت'' 16 دسمبر 1994ء)

مسلمانوں کی دل آزاری

اقلیتیں مسلمان اکثریت کے دینی احساسات و خیالات کو بے دریغ پامال کرتی ہے۔ اسلامی نقطہ نگاہ کو روندنے میں حد درجہ نڈر، بے باک، منہ زور، خدا خوفی سے عاری اور آزاد ہے۔ عیسائی رسائل و جرائد سے منتخب کیے گئے چند اقوال و افکار بطور نمونہ درج ذیل ہیں:

1- ''295 سی اقلیت آزار اور انسان دشمن قانون ہے۔'' (''شالوم'' جنوری 1995ء صفحہ 22)

2- ''یہ قانون بذات خود ہمارے معاشرے کی عدم رواداری کا ثبوت ہے۔''
(''کاریتاس'' جنوری 1994ء، صفحہ 28، کالم 1)

3- ''ایسے قوانین کو ختم کر دینا چاہیے جو انسان کو انسان سے جدا کرتے ہیں، نفرتوں اور کدورتوں کی دیوار کھڑی کرتے ہیں۔'' (''ساون'' مارچ 1994ء صفحہ 33 کالم 3)

4- ''شرعی قوانین ملک میں آزاد سوچ، جمہوریت اور مساوات کی نفی ہیں۔'' (ملتان میں اسلامی قوانین کے خلاف سیمینار ''نقیب'' 2 فروری 93ء صفحہ 24، کالم 2)

''گستاخ رسول (ﷺ) کو پھانسی دیئے جانے کا قانون ہم سے مذہبی آزادی چھیننے کی سازش ہے۔'' (''نقیب'' یکم اگست 1993ء، صفحہ 19، کالم 1)

5- عالمی برادری نے اس قانون کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی کہا: ''بہرحال یہ قانون ناانصافی پر مبنی ہے جو انسانی حقوق کے تقاضے پورے نہیں کرتا۔'' (''ساون'' جولائی 1994ء، صفحہ 8، کالم 1)

6- ''اس قسم کے قوانین غیر انسانی ہیں۔ انہیں فوراً ختم کیا جانا چاہیے۔'' (''جفاکش'' جنوری 1994ء صفحہ 4، کالم 3)

7- ''تمام غیر منصفانہ قوانین 295 بی اور سی کو ختم کیا جائے۔ (''شاداب'' اگست 1994ء، صفحہ 22، کالم 3)

8- ''295 سی انسانی بنیادی حقوق کے منافی قانون ہے۔''(''شاداب'' اکتوبر 1994ء، صفحہ 39، کالم 3)

9- "295 بی اور سی امتیازی' غیر جمہوری اور غیر انسانی قانون ہے۔" ("شاداب" اکتوبر 1994ء' صفحہ 39' کالم3)

10- "295 سی مذہبی منافرت پھیلانے والا قانون ہے۔" ("نئی دنیا" اگست 1994ء' صفحہ 2)

11- "انسانیت کی تذلیل کرنے والا قانون ہے۔" ("شالوم" جنوری 1995ء' صفحہ 20)

12- "ان کو کالے قانون سے خاصی محبت ہوچکی ہے۔" ("کرسچین ٹائمز" جنوری 1995ء صفحہ 31' کالم3)

13- "آج جس قدر قوانین شریعت کے نام پر بنائے گئے ہیں وہ سب کے سب اقلیتوں کو اپنے پاؤں کے نیچے رکھنے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ جداگانہ طریق انتخاب کے بطن سے ہی شاتم رسولؐ کے قانون نے جنم لیا۔" ("شاداب" اگست 1994ء' صفحہ 8' کالم1)

14- "298,295 کالے قوانین۔" ("ساون" جولائی 1994ء' صفحہ 27' کالم1)

15- "سیاہ قانون"۔ ("مکاشفہ" فروری 1994ء' صفحہ 19)

16- "نازی طرز کا قانون۔" ("بوئے مادران" جون 1993ء' صفحہ 15)

17- "شریعت بل کے نفاذ سے پارلیمنٹ کی برتری اور آئین کی بالاتری ختم ہو جائے گی...... جوائنٹ ایکشن کمیٹی کی طرف سے شرکاء نے مختلف بینرز اور پوسٹرز اٹھا رکھے تھے جن پر "ساڈی شریعت ساڈا خدا' ملاں توں نہ رَولا پا" "شرارت بل نامنظور" کے نعرے درج تھے۔" ("شاداب" جنوری 1991ء)

18- "شریعت بل کو منظور کرنا قائداعظم کے نظریۂ پاکستان کے خلاف ایک کھلی سازش ہے۔" ("شاداب" اپریل 1991ء)

19- "بصورت دیگر پاکستان کی اقلیتیں راست اقدام پر مجبور ہوں گی جن کی تمام تر ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔" ("شاداب" اپریل 1991ء)

20- "شریعت بل کو ملائیت' بنیاد پرستی اور آکاس بیل کہا گیا ہے۔" ("کاریتاس" اگست 1992ء)

21- "کسی بھی تہذیب میں مذہب اور تعلیم ہر فرد کا ذاتی معاملہ ہے۔ اس کا کاروبار مملکت سے کوئی تعلق نہیں۔ مذہب اور قومیت کبھی یکساں نہیں ہوتی۔ یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔" ("نقیب" یکم نومبر 1992ء)

تعزیراتِ پاکستان دفعہ 295 سی

پاکستان اسلام کے مقدس نام پر حاصل کیا گیا تھا کہ یہاں اسلامی معاشرہ قائم کیا جائے گا۔ اسلامی اقدار و شعائر کا نفاذ ہوگا اور اسلامی قوانین جاری و ساری ہوں گے۔ یہی قیام پاکستان کی غرض و

غایت تھی لیکن پاکستانی اقلیتوں بالخصوص عیسائیوں کو ملک میں اسلام کا لفظ تک سننا بھی گوارا نہیں ہے۔

تعزیرات پاکستان دفعہ 295 سی کا مقصد انسداد توہین رسالتؐ ہے۔ عیسائی خصوصیت سے اس ایکٹ کی مخالفت پر کمربستہ ہیں۔ عیسائی تنظیم کاتھولک کمیشن برائے امن و انصاف نے 9 جون 1993ء کو سروسز انٹرنیشنل ہوٹل لاہور میں ایک سیمینار بعنوان ''تعزیرات پاکستان دفعہ 295 سی'' منعقد کیا اور اس سیمینار میں پڑھے جانے والے تمام مقالات کو اسی عنوان سے یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کیا۔

دنیا میں مختلف جرائم مثلاً ڈاکہ' چوری' قتل' زنا' اغواء' بادشاہ کو قتل کرنے کی سازش اور حکومت کا تختہ الٹنے کے منصوبہ پر سزائے موت کے تذکرہ کے بعد توہین رسالتؐ کے ارتکاب پر سزائے موت کو ہدف تنقید بنایا گیا ہے۔ (صفحہ 8) اور مختلف عنوانات سے اسلامی قوانین کی سرتوڑ مخالفت کی ہے۔

کتاب میں اسلامی قوانین کو بار بار ''کالے قوانین'' اور ملک کے لیے نقصان دہ بتایا گیا ہے۔ (صفحہ 10)

حدود آرڈیننس' شریعت بل جداگانہ انتخابات 298 بی سی' 295 بی اور 295 سی نے اقلیتوں کو دوسرے درجہ کا شہری بنا دیا ہے۔ (صفحہ 13)

یہ قانون اقلیتوں پر ننگی لٹکتی ہوئی تلوار ہے۔ (صفحہ 14)

295 سی کا قانون پی پی سی میں سب سے نکما ہے۔ بہت کمزور اور (Loosely Worded) ہے۔ (صفحہ 15)

تعصبی امتیازی قانون ہے۔ (صفحہ 16)

ادنیٰ یا نکما قانون ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مکمل طور پر امتیازی ہے۔ (صفحہ 16)

ہماری آزادی تحریر و تقریر اور دیگر آزادیاں جن کا ذکر آئین میں ہے' سلب کی جارہی ہیں اور پھر ہمارے مذہبی حقوق چھن رہے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ اسلامی اقدار اور قوانین کے بھی خلاف ہے کیونکہ اسلام میں دین کے بارے میں کوئی پابندی عائد نہیں کی جاتی۔ (صفحہ 23)

قوانین کی نظر ثانی کے سلسلہ میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم ایک ایسی ہی تحریک چلائیں جیسی کہ قومی شناختی کارڈ میں مذہب کے خانے کے اندراج کرانے کے بارے میں چلائی۔ (صفحہ 23)

ایسی ہی تحریک آرٹیکل 2 الف کے لیے چلائی جائے جس کے تحت قرارداد مقاصد کو آئینی ضمیمہ کے طور پر اپنایا گیا ہے۔ قرارداد مقاصد کو مرکزی قانونی اہمیت دینے سے معاشرے میں بے چینی اور منافقت پھیل رہی ہے۔ (صفحہ 23)

اب حزب اقتدار اور حزب اختلاف آٹھویں ترمیم کے بارے میں سوچ بچار کر رہے ہیں کہ اس پر گفت و شنید ہو سکے۔ ہمارے تمام قانون ساز افراد کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ اس بات پر پورا زور دیا جائے کہ آئین میں سے قرارداد مقاصد کو خارج کیا جائے۔ (صفحہ 24)

ہمارے ہاں ریاستی سطح پر اپنے ہی شہریوں کے انسانی حقوق کی خلاف ورزی کی جاتی ہے۔

ہمارے ملک کے آئین اور قوانین کی بنیاد مذہب پر رکھ دی گئی ہے اور شہریوں کو مذہب کے خانوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ (صفحہ 25)

جنرل ضیاء کے دور میں لوگوں کے بنیادی حقوق مذہب کے نام پر سلب کیے گئے۔ سرعام پھانسیاں، کوڑوں کی سزائیں، حدود آرڈیننس کے تحت کڑی سزائیں یعنی مذہب کے نام پر خوف و ہراس پیدا کیا۔ (صفحہ 26)

غیر مسلم شہریوں کو جداگانہ انتخابات کے ذریعے قومی دھارے سے نکال باہر کیا ہے۔ (صفحہ 27)

ہمیں آٹھویں ترمیم اور ضیاء الحق کی آئین میں کی ہوئی ترامیم کے خلاف جدوجہد کرنا چاہیے کیونکہ پاکستان میں تعصبات پھیلانے کی یہ بنیاد اور جڑ ہے اس سے فوری نجات حاصل کرنا لازمی ہوگیا ہے۔ (صفحہ 34)

خیال رہے کہ آئین میں آٹھویں ترمیم کے ذریعے اسلامی قوانین کو تحفظ دیا گیا ہے اور آج تک اس ترمیم کے خلاف علی الاعلان جلسے کرنے کا شرف صرف عیسائی اقلیت کے حصہ آیا ہے۔

ساری کتاب میں پاکستان کو بار بار ایک سیکولر سٹیٹ بنانے پر زور دیا گیا ہے۔ جبکہ اگر پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنادیا جائے تو اس کے قیام اور وجود کا جواز ختم ہو جاتا ہے۔

پاکستان از خود سیکولر ہندو بھارت میں جا ضم ہوگا۔

تحریک پاکستان کے دوران قیام پاکستان کے دنوں دی گئی مسلمانوں کی لاکھوں جانوں، ہزار ہا عصمتوں اور اربوں کھربوں کی جائیدادوں کی قربانیاں رائیگاں جائیں گی، اور خدانخواستہ برصغیر ہندوستان عالم اسلام کے دوسرے سپین کا المناک نقشہ پیش کرے گا۔

شریعت بل پر سیمینار

"لاہور۔ جمعرات 16 مئی کو سینٹ میری سیکنڈری میسن روڈ لاہور میں سیکنڈری کے ریکٹر ریورنڈ فادر عنایت برنارڈ نے ایک سیمینار کا اہتمام کیا جس کی مہمان خصوصی محترمہ کشور ناہید تھیں جو بوجوہ تشریف نہ لاسکیں۔

تقریب کا آغاز سہیل پیٹرک اور منیر پینگٹ کی منظومات اور کوائر کے انقلابی گیتوں سے ہوا۔ بعد ازاں چودھری نعیم شاکر ایڈووکیٹ پاکستان ورکرز پارٹی اور محترمہ شاہ تاج کنوینر جوائنٹ ایکشن کمیٹی نے شریعت بل کے پاکستان کے مختلف طبقوں، خواتین، اقلیتوں اور دیگر افراد پر پڑنے والے اثرات اور مضمرات پر تفصیل سے گفتگو کی اور کہا کہ شریعت بل آئین پاکستان کی موجودگی میں ایک غیر ضروری دستاویز ہے جس کے نفاذ سے عوام کے مختلف طبقوں اور مسلک کے لوگوں میں منافرت اور کشیدگی پیدا

ہوگی اور انسانی بنیادی حقوق سلب ہو کر رہ جائیں گے۔

تقریب کے اختتام پر فادر عنایت برنارڈ نے حاضرین سے خطاب کیا۔ تقریب کے اختتام پر حاضرین کو پر تکلف چائے پیش کی گئی۔" ("شاداب" مئی 1991ء)

شریعت ایکٹ، اقلیتیں اور بنیادی حقوق پر ادارۂ امن و انصاف کا سیمینار

"لاہور۔ ادارۂ امن و انصاف لاہور کے زیر اہتمام بدھ 10 جولائی کو پرل کانٹی نینٹل شاہراہ قائداعظم لاہور میں شریعت ایکٹ، اقلیتیں، خواتین اور بنیادی حقوق کے موضوع پر ایک سیمینار زیر صدارت چودھری نعیم شاکر ایڈووکیٹ منعقد ہوا جبکہ سپریم کورٹ کے ریٹائرڈ جج مسٹر جسٹس داراب پٹیل چیئرمین ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان تھے۔ دیگر مقررین میں تقدس مآب بشپ سیموئیل رابرٹ عزرایاہ، مظہر علی خاں مدیر اعلیٰ ہفت روزہ "ویو پوائنٹ" اور محترمہ عاصمہ جہانگیر ایڈووکیٹ، جنرل سیکرٹری ہیومن رائٹس آف پاکستان شامل تھے۔

سیمینار کی نظامت کے فرائض کنول فیروز نے ادا کیے۔ سیمینار کے مقررین نے شریعت ایکٹ کو اقلیتوں، خواتین اور انسانی بنیادی حقوق سے متصادم قرار دیا اور اس کی منسوخی تک جدوجہد کرنے کے عزم کا اظہار کیا۔ سیمینار میں سالویشن آرمی کے ٹیوٹوریل کمانڈر کرنل فرمان مسیح تقدس ماب بشپ ریٹائرڈ جے ایس قادر بخش، ہریش میسی ایگزیکٹو سیکرٹری کاریتاس پاکستان، محترمہ کشور ناہید، بیگم طاہرہ مظہر علی خان، ریورنڈ فادر عنایت برنارڈ ریکٹر سینٹ میری سیکنری لاہور، اظہر جاوید مدیر اعلیٰ ماہنامہ "تخلیق" گلزار چوہان مدیر اعلیٰ "کاتھولک" یونس وریام مدیر ماہنامہ "کاریتاس" وکٹر ڈینیئل، پروفیسر ارنسٹ ڈلوی، بریگیڈیئر جیوا تندم، پروفیسر مس نیلم حسین، پروفیسر کوچر شیخ، جارج عنایت میسی، شاہدہ جبیں، شاہدہ فردوس، آسٹر عنایت، مسز خوشنود مسرت عزرایاہ، زاہد پرویز ایڈووکیٹ، قاضی پیروز ایڈیشنل کمشنر ریونیو، مسز سیما پیروز، فادر صاحبان، سسٹر صاحبات کے علاوہ ہر شعبہ حیات کے مسلم عیسائی خواتین و حضرات کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔

سیمینار کے آخر میں صدر حسن صدیقی مدیر اعلیٰ ماہنامہ "محنت کار" محترمہ شاہ تاج قزلباش اور مسز بیولا شاکر نے انسانی بنیادی حقوق کی بحالی خواتین اور اقلیتوں کے حقوق اور شریعت ایکٹ کے مضمرات سے نجات دلانے کے سلسلے میں تین قراردادیں پیش کیں جنہیں حاضرین نے متفقہ طور پر منظور کرلیا۔ ("شاداب" جولائی 1991ء)

پاکستان کے عیسائی اور کیا چاہتے ہیں؟

"روزنامہ "جنگ" لندن کی اشاعت 6 مئی برطانیہ میں مقیم پاکستان کرسچین لیگ کے ڈاکٹر نسیم ڈین کے حکومت پاکستان کے خلاف مظاہرے اور پریس کانفرنس کے بارے میں جو کچھ شائع ہوا ہے

تعجب انگیز ہے اور ہم برطانیہ میں مقیم پاکستانی مسلمان موصوف کے اس طرز عمل کی پرزور مذمت کرتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ پاکستان کی حکومت کا فرض اور ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ہر شہری (بشمول اقلیتوں) کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرے۔ اس طرح ہر شہری پر بھی لازم ہے کہ وہ ملکی آئین اور قوانین کا احترام کرے۔

میں مسٹر نسیم ڈین اور جیمز شیرا کی توجہ اس جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ پاکستان و دیگر ممالک سے مسلمان 1952ء' 1958ء کے لگ بھگ برطانیہ میں آباد ہونا شروع ہوئے تو انہوں نے اپنی دینی ضرورت کے تحت مکانات خرید کر مساجد میں تبدیل کر دیں اور فیکٹریوں' ملوں' ریلوے' ہسپتالوں اور ڈاک خانوں وغیرہ میں ملازمت اختیار کر لی اور وہاں نائٹ شفٹ میں کام ہماری وجہ سے شروع ہوا۔ برطانیہ میں مسلمان انکم ٹیکس' وی اے ٹی' نیشنل انشورنس' یہودیوں' عیسائیوں و دیگر لوگوں کی طرح ادا کرتے ہیں۔ مگر جو حقوق' سہولتیں اور مراعات برطانیہ میں یہودیوں اور کیتھولک عیسائیوں کو حاصل ہیں' مسلمانوں کو نہیں...... کیا مسٹر ڈین اور جیمز شیرا اور ان کے رفقاء نہیں جانتے کہ ان کے ہم عقیدہ و مذہب عیسائی ہی ہماری مسجدوں کو آگ لگاتے ہیں۔ مسجدوں پر خنزیر (سور) کے سر لٹکاتے ہیں۔ لیوٹن' آشٹن' دلور' ہمپٹن' برمنگھم' اولڈھم' ڈڈلے' بالٹے و دیگر شہروں کی مساجد میں آگ لگائی مگر آج تک ایک بھی آگ لگانے والا پکڑا نہیں گیا۔ کیا مسٹر ڈین اور جیمز شیرا بتا سکتے ہیں کہ برطانیہ کے عیسائی صرف مسلمانوں کے مکانات اور مساجد نذر آتش کیوں کرتے ہیں؟ 1981ء میں والتھم فارسٹ (لندن) بیل گریو روڈ پر محمد یونس خاں کی بیوی اور تین بچوں کو ان کے مکان سمیت زندہ جلا دیا گیا...... اور آج 12 سال کے بعد بھی برطانیہ کی پولیس مجرموں کا سراغ نہ لگا سکی...... جبکہ سابق وزیر اعظم مسز مارگریٹ تھیچر کے ہوٹل برائٹن میں بم کا دھماکہ کرنے والے آئرش مجرم حوالات میں سزا بھگت رہے ہیں۔

پاکستان میں عیسائیوں کو اپنے مذہب اور رسم و رواج کے مطابق پوری آزادی ہے۔ وہ اپنے گرجوں (چرچوں) میں علی الصبح اور رات کو عشاء کے وقت اپنے گھڑیال اور گھنٹے بجاتے ہیں۔ انہیں اپنے مذہبی تہواروں پر چھٹی ملتی ہے۔ ان کے قومی و صوبائی اسمبلی میں نمائندے موجود ہیں۔ پاکستان کی سپریم کورٹ میں ان کا ایک عیسائی چیف جسٹس بھی تھا جو اب آنجہانی ہو چکا ہے۔ اس کے برعکس مسٹر نسیم ڈین اور جناب جیمز شیرا بتائیں کیا برطانیہ میں مسلمانوں کو اپنی مساجد میں لاؤڈ سپیکر پر پانچ وقت اذان دینے کی اجازت ہے؟ برطانوی پارلیمنٹ میں 25,20 لاکھ مسلمانوں کا اپنا کوئی نمائندہ نہیں۔ ٹوری' لیبر لبرل یا ایس ڈی پی میں یہودی ممبر تو موجود ہیں مگر مسلمان ایک بھی نہیں۔ حالانکہ یہودی تعداد کے لحاظ سے تھوڑے ہیں۔

4 سال قبل رحیم یار خاں میں ایک گرجا (چرچ) کو اس لیے نذر آتش کر دیا تھا کہ وہاں چار عیسائی غنڈوں نے ایک سکول کی طالبہ کو زبردستی اغوا کر کے گرجا میں لے گئے وہاں اس کی بے حرمتی

کرتے رہے۔ بعد ازاں گرجا کے پادری نے غنڈوں کو تحفظ دے کر گرجا سے فرار کرا دیا تھا۔ اس لیے مسلمانوں نے اسے آگ لگا دی مگر برطانیہ میں مقیم پاکستانی عیسائیوں نے وہ اودھم مچایا جس کی مثال مشکل ہے۔ کیا سلمان رشدی اور اس کے سرپرستوں کے خلاف مسٹر نسیم ڈین' مسٹر جیمز شیرا یا ان کے کسی دوست نے کبھی احتجاج کیا؟ کیا انہوں نے لسٹر میں اپنی ہم مذہب عورت جو کلمہ طیبہ والے جوتے فروخت کرتی تھی' کے خلاف مظاہرے اور پریس کانفرنس کی؟ امریکہ اور یورپ کے عیسائی مسلمانوں کی دل آزاری کرنے کے لیے ہمیشہ موقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔ کیا کبھی مسٹر ڈین یا ان کے کسی ایک دوست نے مسلمانوں کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا ہے؟

قیام پاکستان کے بعد انڈیا کے عیسائی بھارتی اور پاکستان کے عیسائی پاکستانی بن گئے۔ عیسائی نہ انڈیا میں مہاجر ہوئے اور نہ پاکستان میں۔ پاکستان میں عیسائیوں کو بلا امتیاز تمام سہولتیں' مراعات اور حقوق میسر ہیں جو دوسرے شہریوں کو حاصل ہیں۔ انہیں جان و مال' عزت و آبرو کا مکمل تحفظ حاصل ہے۔ اس کے برعکس برطانیہ میں مسلمانوں کی جان و مال' عزت و آبرو کا جو حشر ہو رہا ہے' مسٹر ڈین اور مسٹر شیرا بخوبی جانتے ہیں۔ برٹش موومنٹ اور نیشنل فرنٹ والوں کے کردار پر تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔

پاکستان میں کسی شخص کو اسلام یا پیغمبر اسلام کے خلاف زبان درازی کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ یہ اسلامی حکومت کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی قانون کے مطابق اس بدبخت کو ایسی سخت سزا دے جو دوسروں کے لیے باعث عبرت ہو۔

میں مسٹر نسیم ڈین' جیمز شیرا اور ان کے رفقاء سے پرزور اپیل کرتا ہوں کہ پاکستان میں عیسائیوں کو جو حقوق' سہولتیں اور مراعات میسر ہیں' کم از کم وہی حقوق برطانیہ میں مقیم مسلمانوں کو برطانوی حکومت سے دلا دیں۔ اس کے علاوہ خبیث سلمان رشدی کی کتاب سٹینک ورسز پر پابندی لگوانے کے لیے ہمارے ساتھ تعاون کریں' برطانیہ میں ہماری جان' مال' عزت اور آبرو دیگر مساجد کے تحفظ کے لیے ہمارے ساتھ آواز ملائیں...... برطانیہ میں یہودی اور کیتھولک سکولوں کو گرانٹ ملتی ہے۔ مسلمانوں کے سکولوں کو بھی گرانٹ دلائیں۔ پاکستان میں عیسائیوں کے علیحدہ قبرستان ہیں۔ برطانیہ میں بھی یہودیوں کے علیحدہ قبرستان ہیں۔ مسلمانوں کے بھی علیحدہ قبرستان ہونے چاہئیں۔ ہماری مساجد میں اذان کے لیے لاؤڈ سپیکر کی اجازت ہونی چاہیے۔

مسٹر ڈین صاحب اور ان کے حواریوں سے گزارش ہے کہ جب کوئی عیسائی اسلام یا پیغمبر اسلام کے خلاف گستاخی کرنے کی کوشش کرتا ہے تو جواب میں ہم بھی ویسا ہی کر سکتے ہیں۔ ہمیں کسی سے پیشگی اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ لیکن ہم ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ کوئی آدمی اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اللہ پر' فرشتوں اور اللہ کے تمام رسولوں' تمام آسمانی کتابوں اور قیامت کے دن پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں۔ ان سے قبل جتنے انبیاء گزر چکے ہیں۔ ان کی یہود

ونصاریٰ سے زیادہ ہم عزت کرتے ہیں۔ پھر عیسائیوں کو اسلام کا شکر گزار ہونا چاہیے کیونکہ حضرت مریم صدیقہ کی پاک دامنی کی گواہی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عزت افزائی قرآن نے ثابت کر دی ہے جبکہ عیسائیوں کے دوست اور ہم پیالہ وہم نوالہ یہودیوں نے جو الزامات حضرت مریم صدیقہ پر لگائے تھے اور جو ظلم وستم حضرت عیسیٰ کی ذات گرامی پر کیے گئے ہمارا قلم لکھنے سے قاصر ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ پاکستان میں عیسائیوں کے خلاف ظلم وستم کی یہ فرضی داستانیں' مظاہرے' پریس کانفرنس دراصل برطانیہ میں اپنے لوگوں کے لیے سیاسی پناہ حاصل کرنے کا ایک بہانہ ہے اور اس سے قبل پاکستان کی ایک سیاسی پارٹی اور ایک اقلیتی جماعت کے لوگ دھڑا دھڑ سیاسی پناہ حاصل کر رہے ہیں۔ آخر میں مسٹر ڈین' مسٹر جیمز شیرا اور ان کے دوستوں سے درخواست ہے کہ وہ اپنے چرچوں کے پادریوں سے کہیں کہ وہ مسلمان گھروں میں عیسائی مشنریوں کو عیسائیت کی تبلیغ کے لیے نہ بھیجیں بلکہ عیسائیوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کریں۔ انہیں پبلک باروں' کلبوں سے واپس لائیں اور اپنے چرچ آباد کریں اور اپنے چرچ مسلمانوں' ہندوؤں اور سکھوں کو فروخت نہ کریں۔ نہ جانے عیسائیوں کی مذہب سے بیزاری کی وجہ سے کتنے چرچ' مساجد' مندروں اور گوردواروں میں تبدیل ہو چکے ہیں'' (از جناب فضل الرحمٰن صدیقی صاحب مانچسٹر' بحوالہ ''المذاہب'' جنوری 1994ء)

ڈاکٹر محمد صدیق شاہ بخاری

پاکستانی اقلیتوں کی مذہبی و تبلیغی سرگرمیاں

کون نہیں جانتا کہ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ۔ لاکھوں مسلمانوں نے اسی لا الہ الا اللہ کے لیے اپنی جانیں قربان کرتے ہوئے یہ وطن حاصل کیا۔ یوں دنیا کے خطے پر پاکستان ایک خالص نظریاتی ریاست کی حیثیت سے وجود میں آیا۔ دیگر نظریاتی ریاستوں کے برعکس ہمیں یہ فخر حاصل ہے کہ ہمارے وطن میں اقلیتوں کی نہ صرف جان، مال، عزت و آبرو ہر طرح سے محفوظ ہے بلکہ انہیں تمام شہری اور سماجی حقوق بھی حاصل ہیں۔ یہاں اقلیتوں کے خلاف عصبیت، نسل پرستی یا تنگ نظری کا کوئی شائبہ تک موجود نہیں بلکہ رواداری کی روشن اسلامی روایت پاکستانی معاشرے میں پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہے۔

سوشلسٹ روس اور اس کی دوسری ذیلی ریاستوں میں کسی دوسرے نظریے کی بات کرنے یا مذہب کی تشہیر کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ خود کو سیکولر کہلانے والا بھارت بھی اس میدان میں ہمارا مقابلہ کرنے سے قاصر ہے۔ بھارت میں ایک ہفتے میں جتنے اقلیت کش فسادات ہو جاتے ہیں پاکستان کی پوری عمر بھی اتنے فسادات کے اعداد و شمار پیش کرنے سے عاجز ہے۔ ان حقائق کے علی الرغم پچھلے کئی برس سے پاکستانی مسلمانوں کو عدم روادار ثابت کرنے کی مہم باقاعدگی سے جاری ہے اور اس میں قومی ذرائع ابلاغ کے مخصوص عناصر سے لے کر عالمی میڈیا تک سب جوش و خروش سے حصہ لے رہے ہیں۔ اور اب تو اس الزام کی گردان کچھ اسی تسلسل سے ہونے لگی ہے کہ بعض ''اپنوں'' کو بھی یہ گمان ہونے لگا ہے کہ شاید ہم واقعی عدم رواداری کا شکار ہیں۔

جبکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ رواداری ہمارے لیے محض سماجی رواج یا معاشرتی روایت یا اخلاقی قدر نہیں بلکہ یہ ہمارے لیے ایک مذہبی حکم ہے اور ہماری مقدس کتاب اس پہ شاہد و ناطق ہے۔ اس لیے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین 1973ء (کہ جس کی بنیادیں قرارداد مقاصد پہ استوار کی گئی ہیں) کے ابتدائیہ میں کہا گیا ہے ''ایسا نظام قائم کیا جائے جس میں اقلیتوں کے لیے اس امر کی گنجائش پیدا کی جائے کہ وہ آزادی سے اپنے مذہب کی پیروی کریں، مذہبی فرائض پر عمل کریں، اور اپنی ثقافت کی

نشوونما کرسکیں۔ بنیادی حقوق (Fundamental Rights) کے باب میں اس کی یوں وضاحت کی گئی ہے "ہر شخص کو قانون' امن عامہ اور اخلاقی حدود کے اندر رہتے ہوئے کسی بھی مذہب پر کاربند ہونے کا اور اس کی ترویج کا حق حاصل ہوگا۔ اس طرح ہر مذہبی فرقہ کو اپنی عبادت گاہیں بنانے اور ان کی حفاظت کا حق حاصل ہوگا۔" (آئین پاکستان' ابتدائیہ)

یہ دفعات محض کاغذی کارروائی نہیں' بلکہ پاکستان کی پوری تاریخ شاہد عادل ہے کہ پاکستان نے ہمیشہ اپنی اقلیتوں کو پورا پورا آئینی تحفظ دیا ہے اور اسی تحفظ اور رواداری کی تفصیل حقائق و واقعات کے ترازو کے ساتھ آئندہ صفحات میں حاضر خدمت ہے۔ اس ترازو میں عدم رواداری کے الزامات و شکایات کو تولنا یقیناً آسان ہو جائے گا۔ اور پھر یہ فیصلہ کرنا بھی مشکل نہ رہے گا کہ "اپنوں کے گمان" اور غیروں کے الزام میں کس قدر صداقت ہے۔

پاکستان کی کل آبادی میں غالب اکثریت مسلم آبادی کی ہے جو تقریباً کل آبادی کا 96 فیصد ہے۔ پاکستان کی بڑی اقلیتیں تین ہیں۔ عیسائی' ہندو اور قادیانی جن کی آبادی کی نسبت مندرجہ ذیل چارٹ سے واضح ہے:

مسلم	8,14,50,057	%96.67
عیسائی	13,10,246	% 1.56
ہندو	12,67,116	% 1.51
قادیانی	1,04,244	% .12
پارسی	7,007	......
دیگر مذاہب	1,05,794	% .13

(رپورٹ مردم شماری' حکومت پاکستان 1981ء)

اتنی کم تعداد میں ہونے کے باوجود یہ اقلیتیں خصوصاً عیسائی اور قادیانی اپنی جارحانہ اور آزادانہ تبلیغی سرگرمیوں سے مسلمانوں کی متاع ایمان پہ شب و روز ڈاکہ ڈالنے میں مصروف ہیں۔

عیسائی چرچ اور تبلیغی تنظیمیں

(1) انجلیکن چرچ (2) میتھوڈسٹ (3) دی سیالکوٹ چرچ کونسل (4) لوتھران (5) چلڈرن آف گاڈ (6) پریس بائی ٹیرین (7) دی ایسوسی ایٹ ریفارمڈ پریس بائی ٹیرین چرچ (اے آر پی) (8) دی پینٹو کوسٹل چرچز (9) دی پاکستان مشن آف انٹرنیشنل فارن مشنز ایسوسی ایشن (10) دی پاکستان کرسچین فیلوشپ آف دی انٹرنیشنل کرسچین فیلوشپ (11) دی ایونجی لیکل الائنز مشن (12) دی انڈس کرسچین فیلوشپ (13) دی بریدرن چرچز (14) دی افغان بارڈر کروسیڈ (15) ورلڈ وائیڈ ایونجے لائیزیشن کروسیڈ (16) دی سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ (17) دی بپٹسٹ بائبل فیلوشپ (18) دی چرچ

آف کرائسٹ (19) دی بائبل اینڈ میڈیکل مشنری فیلوشپ (20) دی ریفارمڈ چرچز ان نیدرلینڈز (21) دی یونائیٹڈ فیلوشپ فار کرسچین سروس (22) دی فیلوشپ آف ایونجی لیکل بپ ٹیسٹ چرچز ان کینیڈا (23) دی کرسچین لٹریچر کروسیڈ (24) دی چائلڈ ایونجی لزم کروسیڈ فار کرائسٹ انٹرنیشنل (25) دی مینونائٹ سنٹرل کمیٹی (26) دی کھیروار امشن آف ڈنمارک (27) سالویشن آرمی (28) یہوواہ ویٹ نس (ماخوذ از ''پاکستان میں عیسائیت کا احوال'' از ڈاکٹر نادر صدیقی' شائع کردہ صدیقی ٹرسٹ' کراچی)

یہ تمام چرچز اور تنظیمیں کسی نہ کسی طریقے سے مسلمانوں کے اندر تبلیغ عیسائیت میں مصروف ہیں اور بلامبالغہ ہزاروں مسلمانوں کو عیسائی بنا چکی ہیں۔ خوف طوالت سے ہم ان کے دائرہ کار اور طریقہ کار کا ذکر ترک کر رہے ہیں۔ تفصیل درکار ہو تو حوالہ میں درج شدہ کتاب کا مطالعہ فرمائیے۔

دیگر اہم عیسائی ادارے: (مسیحی مشنز' سوسائٹیز' ایجنسیز' انجمنیں وغیرہ)

(1) کانفرنس آف ریلیجس سپریئرس آف ویمن ان پاکستان (2) کانفرنس آف میجر ریلیجس سپریئرز آف ویمن ان پاکستان (3) پونٹی فیکل سوسائٹی فار دی پروپیگیشن آف دی فیتھ (4) کیتھاس پاکستان (5) کیتھولک ریلیف سروسز (یو ایس سی سی) (6) دی پاکستان کیتھولک فیڈریشن (رجسٹرڈ) (7) آرڈر آفرائرز مائنز (ڈچ پراونس) (او ایف ایم) (8) آرڈر آف پریچرز (سینٹ جوزف پراونس' نیویارک) (او پی) (9) برادرز آف دی کرسچین اسکولز (دے لاسال) (ایف ایس سی) (10) لٹل برادرز آف جیسس (چالیس فاوکالد) (ایل بی جے) (11) ڈاٹرس آف دی ہارٹ آف میری (ڈی ایچ ایم) (12) ڈاٹرس آف دی کراو (لیگ (ایف سی) (13) ڈاٹرس آف سینٹ پال (ڈی ایس پی) (14) ڈومینکن ننس آف دی سیکنڈ آرڈر آف پرپچویل اڈاریشن (15) فرانسس کن مشنریز آف میری (ایف ایم ایم) (16) ریلیجس آف جیس اینڈ میری (جے اینڈ ایم) (17) سسٹرس آو ریٹی آف جیسیس اینڈ میری (جیٹ) (ایس ایس جے اینڈ ایم) (18) سوسائٹی آف کیتھولک میڈیکل مشنریز (فلاڈلفیا) (ایس سی ایم ایم) (19) فرانسس کن مشنریز آف کرائسٹ کنگ (ایف ایم سی کے) (20) لٹل سسٹرس آف جیس (چارس دی فاوفالڈ) (ایل ایس جے) (21) یسوعی۔ جے سویٹ (22) ملی فادرز (23) آئرل برادرز (24) میڈی سٹیٹ برادرز (25) فرانسکن

عیسائی مشنری اور ذرائع ابلاغ

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں عیسائی آبادی 131.426 ہے۔ اس اعتبار سے عیسائی پاکستان کی سب سے بڑی اقلیت ہیں اور دوسری اقلیتوں کے مقابلہ میں تعداد کے اعتبار سے زیادہ ہیں' تاہم کل آبادی میں ان کا تناسب صرف ایک اعشاریہ چھپن فیصد ہے۔ اتنی چھوٹی اقلیت ہونے کے باوجود عیسائی قوم کو اس اعتبار سے اہمیت حاصل ہے کہ ان کا دینی رشتہ برصغیر کے سابق والیان نعمت سے ہے۔ مغربی

اقوام اور بعض بیرونی حکومتوں کی سرپرستی انہیں حاصل ہے۔ اس بیرونی سیاسی دباؤ کے علاوہ وہ اپنی مشنری فعال مساعی میں بھی سب سے آگے ہیں۔

پاکستان کے سرکاری ذرائع ابلاغ کا استعمال

نظریاتی' اسلامی' ریاست پاکستان کے سرکاری ذرائع عیسائی تقریبات اور تہواروں کے مواقع پر ان کے لیے خود ان کے مشنریوں سے مرتب کردہ خصوصی پروگرام نشر کرتے ہیں۔

(الف) ریڈیو پاکستان لاہور

تہوار	ماہ	دورانیہ	پروگرام کی نوعیت
گڈ فرائڈے	اپریل	ایک گھنٹہ	عیسائی علماء کی تقاریر بائبل کے اقتباسات' ڈرامہ پر مشتمل ہوتی ہیں۔ 1987ء کے ڈرامے کا عنوان تھا ''صلیب کا پیغام''۔ یہ ڈرامہ حسب سابق ''کرسچن براڈ کاسٹنگ سوسائٹی'' نے ترتیب دیا اور پیش کیا۔
ایسٹر	اپریل	ایک گھنٹہ	حسب سابق اس پروگرام میں ڈرامے کا عنوان تھا ''طوفان کے بعد''۔
کرسمس کی شام	24 دسمبر	ایک گھنٹہ	کیتھولک اور پروٹسٹنٹ باہم وقت تقسیم کر کے اپنا اپنا پروگرام مرتب کر کے پیش کرتے ہیں۔
کرسمس ڈے	25 دسمبر	ایک گھنٹہ	کیتھڈرل چرچ سے براہ راست ''سروس'' نشر ہوتی ہے۔

ریڈیو پاکستان کے دوسرے سٹیشن بھی کم وبیش اس نوع کے پروگرام نششر کرتے ہیں:

(ب) پاکستان ٹیلی ویژن

پاکستان ٹیلی ویژن اپنے تمام اسٹیشنوں سے دو پروگرام پیش کرتے ہیں: (1) ایسٹر 45 منٹ' (2) کرسمس تقریباً ایک گھنٹہ۔

پروگراموں کی نوعیت بھی ریڈیو پاکستان کے انداز پر ہوتی ہے یعنی کسی عیسائی عالم کی تقریر' بائبل سے اقتباس' ڈرامہ اور دعا۔

1987ء کے ڈرامے کا عنوان تھا ''پہچان'' (کس کی؟ خود سوچ لیجیے)

صلیب بردار جلوس

عیسائی تقاریب پر سرکاری ذرائع ابلاغ کے استعمال کے علاوہ کرسمس کی رات میں عیسائی ایک صلیب بردار جلوس نکالتے ہیں' جو اپنی ہیئت اور شرکاء کے اعتبار سے ایک خاص تاثر کا حامل ہوتا ہے۔

عیسائی مشنری جرائد

عیسائی مشنری ذرائع ابلاغ عامہ میں ان کے جرائد کا ایک اہم کردار ہے۔ ایک مختصر سی اقلیت کے جرائد کی تعداد اور ان کی ظاہری حسن وترتیب کا اہتمام۔ ہم سب کے لیے ایک لمحہ فکریہ ہے۔

(الف) ہفتہ وار: (1) کرسچین وائس' کراچی

(ب) پندرہ روزہ: (1) شاداب' لاہور (2) کاتھولک نقیب' لاہور (3) شعاع نور' لاہور

(ج) دو ماہ: (1) نیوز بلٹن (انگریزی) لاہور (2) جفاکش' کراچی

(د) سہ ماہی: (1) ہوم لیگ' لاہور

(ھ) ماہنامے: (1) ڈیواسس میگزین (انگریزی) لاہور (2) اخوت' لاہور (3) قاصد جدید' لاہور (4) صحت' لاہور (5) سالویشن آرمی' لاہور (6) چھوٹا سپاہی' لاہور (7) نعرہ جنگ' لاہور (8) ملاپ' کراچی (9) بشیر النسواں' راولپنڈی (10) طلوع فکر' (اردو' پشتو) پشاور (11) کلام حق' گوجرانوالہ

(ز) مندرجہ ذیل ماہنامے باقاعدگی سے شائع نہیں ہوتے:

لاہور سے: مسیحی نوجوان' آزاد وطن' مستقبل' ہیلتھ (انگریزی)' مسیحی بچہ۔ گوجرانوالہ سے: مسیحی خادم۔ سیالکوٹ سے: خزینۃ الجواہر کلب۔ ملتان سے: ہمارا ڈاکٹر۔ راولپنڈی سے: المشیر' اچھا چرواہا۔

ابلاغ عامہ کا موثر ترین ذریعہ

(الف) بائبل خط و کتابت سکولز: بالعموم ریڈیو' ٹیلی ویژن اور اخبارات و رسائل کو ذرائع ابلاغ میں شمار کیا جاتا ہے کہ یہ ذرائع تشہیر ہیں' لیکن ڈھونڈنے والے اپنا پیغام دور و نزدیک پہنچانے کے لیے ہردم نئی راہوں کی جستجو میں رہتے ہیں۔

حضرت ختم المرسلین ﷺ اقصائے عالم کے لیے اور قیام قیامت تک کے لیے ہادی بن کر مبعوث ہوئے تھے اور ابھی اس دور میں آج کے ابلاغ عامہ کے بھی معروف ذرائع موجود نہ تھے۔ آپ نے اپنے قاصدوں کے ذریعے دور و نزدیک کے حکمرانوں' سرداروں' بادشاہوں اور شہنشاہوں کو دعوت حق کے مکتوبات شریفہ ارسال فرمائے۔ ہم تو یہ موثر نبوی ذریعہ ابلاغ بھول گئے لیکن عیسائی مشنری ہمارے چھوٹوں بڑوں تک اس ذریعہ سے پیغام عیسائیت پہنچا رہے ہیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں بائبل اور اس کی تعلیمات کو گھر گھر پہنچانے کے لیے ایک دو نہیں

پندرہ بائبل خط و کتابت اسکول قائم ہیں' جو کسی قیمت اور کسی فیس یا چندے کے بغیر بلا مبالغہ لاکھوں کی تعداد میں بائبل کے اسباق تقسیم کر رہے ہیں۔ بائبل خط و کتابت اسکول لاہور میں چھ' ملتان' فیصل آباد' ایبٹ آباد' شکار پور (سندھ) لاڑکانہ' خیر پور (سندھ) اور ڈیرہ غازی خان میں ایک ایک اور کراچی میں دو موجود ہیں۔ (یہاں اس تلخ حقیقت کی طرف اشارہ بے محل نہ ہوگا کہ ہمارے صرف دو ایسے اسکول مصروف عمل ہیں۔ ایک قرآن کریم کی تعلیمات دس دس اسباق پر مشتمل سات کورسز کی صورت میں' دوسرا تفسیر قرآن' خطبات جمعہ کی صورت میں تقسیم کر رہا ہے)۔

(ب) بائبل خط و کتابت کورسز: راقم الحروف کی ذاتی معلومات کی حد تک اس وقت ملک عزیز میں اردو زبان میں 24 اور انگریزی زبان میں 52 کورسز جاری ہیں (ان میں سے صرف دو عیسائی افراد کے لیے ہیں۔ ان کے مشمولات اس انداز کے ہیں کہ مسلمانوں کو مطالعہ کرنے کے لیے نہیں دیئے جاتے)۔

ان اردو' انگریزی زبان کے کورسز کے اسباق کی تعداد 1314 ہے جو سات ہزار سے زیادہ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ عیسائی لٹریچر کا اس قدر وسیع مطالعہ کرنے کے بعد مسلمان طلباء و طالبات کے قلوب و اذہان جس قدر متاثر ہوتے ہوں گے اس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس ذریعہ ابلاغ کا ہدف بڑوں سے زیادہ نوجوان اور اسکول کالجوں کے ہونہار طلباء خصوصاً ذوق مطالعہ رکھنے والے بیکار نوجوان ہوتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر کورس امریکہ' کینیڈا اور برطانیہ سے چھپ کر آ رہے ہیں اور ایک سلسلہ اسباق "صدائے شہداء" کے زیر عنوان کیلی فورنیا (امریکہ) سے آ رہا ہے۔ ان کورسز کے اعلانات تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ملک کے معروف کثیر الاشاعت جرائد میں پہلے صفحہ پر چوکھٹے میں نمایاں طور پر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

انبیاء کے حالات گھر بیٹھے بذریعہ
خط و کتابت ایک پوسٹ کارڈ لکھ کر مفت حاصل کریں
پوسٹ بکس نمبر لاہور' ملتان' کراچی

اردو' انگریزی زبانوں کے ان سلسلہ ہائے اسباق کی فہرستیں بطور نمونہ شامل کتاب ہیں۔ آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ بیشتر کے نام اس قدر دلفریب' معصومانہ حد تک بے ضرر' بلکہ عین اسلامی ہیں کہ ان کے لیے کسی مسلمان کے دل میں دلچسپی پیدا ہو جانا' اور ان کے مطالعہ سے اپنے دین سے برگشتہ ہو جانا ناممکن نہیں۔

تجزیہ خاکہ مضامین...... مسیحی ماہنامہ "کلام حق" گوجرانوالہ
شمارہ 2:22...... اشاعت فروری 1987ء...... سائز 16/30x20

(1)

کیفیت	عنوان	نوعیت مضمون
ایک عیسائی فاضل مشنری کے قلم سے	بائبل مقدس کیا ہے؟	عیسائیت
قرآن کریم کو غیر محفوظ ثابت کرنے کی ناپاک جسارت اور بائبل کے تقابل	امریکی مناظرہ پر تبصرہ	تقابل ادیان
امام خمینی کی تحریروں کے اقتباسات مشنریوں کے لیے تعارفی مضمون	1 - اسلام اور مسلمانوں کے خلاف	اسلامیات
	2- قرآن کریم کے متن کا	
ربوہ کے ایک قادیانی رسالہ کا اقتباس	تاریخی مطالعہ	
ایک مسلمان عالم کا مضمون (مشنریوں کے مطالعہ کے لیے)	3- اسلام میں مرتد کی سزا	
	4- تاریخ القرآن	
ایک مسلم جریدہ سے اقتباس	5- قرآن مجید کی تحریف	

16 صفحات کے رسالہ میں عیسائیت پر 3 صفحہ کا صرف ایک مضمون ہے۔ باقی تمام مضامین اسلام پر ہیں جو 13 صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ کچھ مشنریوں کی معلومات کے لیے ہیں، باقی تمام اسلام پر جارحانہ تنقیدی نوعیت کے ہیں۔

(2)

شمارہ 5:22...... اشاعت مئی 1987ء...... سائز 16/30x20

کیفیت	عنوان	نوعیت مضمون
فرقہ وارانہ مضمون	24 اپریل ریفارمیشن ڈے	عیسائیت
ایک عیسائی پر دو مضمون	شخصی سوانحی خاکے	
ایک عیسائی عالم کا وعظ	خطبہ۔ تمثیل	
عیسائی نقطہ نظر سے تحقیقاتی مطالعہ	کشتی نوح	تقابل ادیان
عیسائی نقطہ نظر سے بحث	اسماعیل یا اضحاق (اسحٰق)	
ماہنامہ طلوع اسلام سے اقتباس معراج جسمانی کے خلاف	معراج النبیؐ	اسلامیات
ان کے مناظرہ کے خلاف تین مضامین	مولانا محمد طاہر القادری	
مشنریوں کے لیے مفتاح القرآنی	قرآن شریف میں انبیاء کے قصص	

ایک مناظرہ پر تبصرہ — قرآن کریم کو ایک فحش کتاب ثابت کرنے کی ناپاک جسارت

کچھ شذرات، مشنری اعلان اور اشتہارات۔

22 صفحات کے اس شمارے میں عیسائیت پر ساڑھے نو صفحات کے چار مضمون ہیں۔ باقی تمام مضامین اسلامی تعلیمات کے متعلق ہیں۔ ان سے عیسائی جرائد کے انداز تحریر کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ اکتوبر 1991ء کا تو پورا پرچہ اسلام کے خلاف وقف ہے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں بائبل خط وکتابت اسکولز

List of Bible Correspondence Schools in Pakistan

IMPORTANT INFORMATION FOR YOUR ATTENTION ONLY STRICTLY CONFIDENTIAL...... NOT TO BE PUBLISHED OR CIRCULATED - BIBLE CORREPONDENCE SCHOOLS.

1. The Scripture Union, Post Box No. 969-5, Empress Road, Lahore.
2. Correspondence School, Post Box No. 33, (Multan Road,) Lahore.
3. Pakistan Bible Correspondence School, Gulberg, Lahore.
4. Church of Christ, P.O. Box No. 570, Lahore.
5. Full Gospel Assemblies of W. Pakistan, Correspondence School, P.O.Box No. 110, Multan.
6. Pakistan Bible Correspondence School, P.O.Box No. 117, Faisalabad.
7. Pakistan Bible Correspondence School, 24 Pine View Road, Abbotabad.
8. Pakistan Bible Correspondence School, P.O. Box No. 3939, Karachi.
9. Pakistan Bible Correspondence School, P.O. Box No. 3103, Karachi.
10. Pakistan Bible Correspondence School, Shikarpur, Sind.
11. Pakistan Bible Correspondence School, Larkana.
12. Pakistan Bible Correspondence School, Khairpur.
13. Scriptural Gift Mission, P.O.Box No. 4, Dera Ghazi Khan.
14. Voice of Prophecy Bible School, P.O. Box 32, Lahore.

15. The main distributor and publisher of Christian Missionary Literature 36. Ferozepur Road, Lahore.

بائبل خط و کتابت کورس اردو

نمبر شمار	عنوان کورس	تعداد اسباق	صفحات
(1)	روزمرہ کی زندگی	13	124
(2)	راہ نجات	5	38
(3)	ابدی زندگی	5	24
(4)	سلامتی	......	دستیاب نہیں ہوا
(5)	رسولوں کے اعمال	18	104
(6)	انبیاء کے صحائف اور زبور	25	112
(7)	قدیم انبیاء	......	دستیاب نہیں ہوا
(8)	عالمگیر نجات	5	20
(9)	آپ اور آپ کی صحت	10	40
(10)	تفصیل کلام حق	12	دستیاب نہیں ہوا
(11)	دنیا کا نور	6	دستیاب نہیں ہوا
(12)	ہمارا ایمان	12	96
(13)	دنیا کی امید	......	دستیاب نہیں ہوا
(14)	سچائی کے خزائن	......	دستیاب نہیں ہوا
(15)	آپ اور آپ کا خالق	......	دستیاب نہیں ہوا
(16)	روزمرہ کی روٹی	365	365 ہر روز ایک سبق
(17)	زندگی کی دعوت	63	72
(18)	دعا کے ذریعہ قوت	22	124
(19)	مسیح کے حالات زندگی	15	68
(20)	رومیوں کے اعمال	18	86
(21)	بیسک بائبل کورس	26	دستیاب نہیں ہوا
(22)	مسیح کی آمد ثانی	5	88
(23)	نور المسیح	12	دستیاب نہیں ہوا
(24)	بوخیالی	......	دستیاب نہیں ہوا

1201 633 دستیاب شدہ کورسز کی تعداد اسباق و صفحات

بائبل کورسز (انگریزی)

S.No.	Title	Lessons	Pages
(1)	Servant of God	12	30
(2)	The Word of God	12	30
(3)	What the Bible Teaches?	12	75
(4)	Guide to Christian Growth	12	76
(5)	Lessons for Christian Living	12	106
(6)	The Epistle to the Roman	12	130
(7)	The Messlauie Psalms	12	100
(8)	The Bible Prophecy	12	76
(9)	The Holy Spirit at Work	12	82
(10)	Epistle of James	12	108
(11)	Epistle of Peter and Jude	12	138
(12)	Epistle of John	12	100
(13)	One God - One Way	8	40
(14)	Calations	12	100
(15)	Summary of the Bible	12	111
(16)	Gospel of Luke	24	274
(17)	Seeking Bible Treasures	12	200
(18)	Revelation	12	118
(19)	The Book of Acts	24	148
(20)	Peter and The Church	12	76
(21)	Christ Loved Church	12	100
(22)	Basic Bible Doctrines	24	100
(23)	The Book of Daniel	12	100
(24)	Rightly Dividing the Word of Truth	10	85
(25)	Personal Evangelism	12	86

(26)	Gospel of John	13	240
(27)	1st Corinthisos	12	140
(28)	2nd Corinthisos	12	192
(29)	Epistle to the Ephesions	12	122
(30)	Philippions, Colossians and Philemon	12	175
(31)	The Thessaloins Epistles	12	189
(32)	Timothy of Titus	12	204
(33)	Epistle to the Hebrews	24	174
(34)	Acts of Apostles	18	165
(35)	The man who met the Masier	6	52
(36)	Plant my Feet On Higher Ground	12	126
(37)	Studies in Genesis	12	128
(38)	Studies in Exodus and Levitious	12	126
(39)	Studies in Joshua, Judans and Ruth	12	126
(40)	The God Who speaks to man	12	170
(41)	What is it all about?	7	37
(42)	He walked here only 33 years, who is he?	6	50
(43)	What does the new day bring?	5	40
(44)	What do you give to God?	6	55
(45)	Tell me the story of Jesus Christ	12	76
(46)	Things Jesus said and did	12	54
(47)	Thy word is true.	6	65
(48)	Matthew	12	116
(49)	The Gospel of Mark	12	170
(50)	Eternal Life	6	12
	For Christians Only		
(51)	Preach the Word	12	
(52)	Winning the Souls by Biblical Way	12	

ریڈیو سیشلو

پاکستانی سرحدات سے کچھ دور سیشلو جزیرے میں ایک بڑی طاقت کا ریڈیو ٹرانسمیٹر نصب ہے۔ یہاں سے دن میں پانچ گھنٹے مسلسل پانچ پاکستانی قومی اور علاقائی زبانوں میں بائبل کی تعلیمات نشر ہو رہی ہیں۔ ریڈیو سیشلو کا علاقائی دفتر ہمارے وفاقی دارالحکومت میں قائم ہے۔ فاعتبروا یااولی الابصار۔

عیسائی تبلیغ کے کچھ اور انداز

بائبل کی تقسیم: پیغام مسیح ” ہر فرد تک پہنچانے کے لیے نوجوان عیسائی لڑکوں اور لڑکیوں کے ذریعے گھر گھر، گلی کوچوں میں، بازاروں میں اور چوراہوں میں بائبل کی برائے نام قیمت پر فروخت اور مفت تقسیم ایک معمول کی بات ہے۔ 85ء میں امریکہ سے ”زندہ کلام“ کے نام سے انجیل کا اردو ترجمہ ہمارے ہر ٹیلی فون ہولڈر کو بذریعہ ڈاک براہ راست وصول ہوا۔

ابلاغ عامہ کے دوسرے مشنری ذرائع

(الف) بائبل کارسپانڈنس کلب: عام قارئین کے علاوہ بائبل خط و کتابت کورسز کے طلبا کے لیے کارسپانڈنس کلب قائم ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ چھپے ہوئے اسباق پر بات ختم نہ ہو جائے بلکہ ان کے بعد بھی، اور ان کے علاوہ بھی طلبا سے ذاتی قسم کا رابطہ پیدا ہو۔ ظاہر ہے طلبا میں غالب تعداد مسلمان بچوں اور بچیوں کی ہوتی ہے (کلب کے مطبوعہ مقاصد درج ذیل ہیں)

کارسپانڈنس کلب

پوسٹ بکس نمبر x فیصل آباد

عزیز............

حال ہی میں آپ نے چوتھا اردو یا چھٹا انگریزی کورس مکمل کر کے ہمارے کلب بلٹن کا ایک شمارہ بطور انعام حاصل کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ کے سنٹر سے ایک خط آیا ہوگا جس میں کارسپانڈنس کلب کی طرف سے عنقریب مزید اطلاع ملنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ سو ہم آپ کو کارسپانڈنس کلب کی رکنیت حاصل کرنے کی پرخلوص دعوت دیتے ہیں۔

پاکستان بھر سے ہمارے ایک ہزار سے زائد طلبہ اور طالبات پہلے ہی رکنیت حاصل کر چکے ہیں۔ ان میں سے بہتیرے صرف ہمارے ممبر ہی نہیں بلکہ ہمارے بلٹن کے پرجوش مضمون نگار بھی ہیں اور ہر اشاعت کے تحریری مقابلوں میں شریک ہوتے ہیں۔ بلٹن کی ماہوار اشاعت کے علاوہ کلب ممبران کے تمام روحانی، مذہبی اور معاشرتی سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں جو وہ کلب ڈائریکٹر یا اس کے معاون کے نام بھیجتے ہیں۔ مزید برآں گاہے بگاہے ممبران کو مختلف شہروں میں خصوصی رفاقتی اجلاس میں

مدعو کیا جاتا ہے۔ کتابوں کی خاص پیشکش سے مستفیض ہونا ممبران کا مزید حق ہے۔

کلب کے مقاصد

1- اپنے طالب علموں سے رابطہ قائم رکھنا۔
2- زندہ ایمان میں ثابت قدم رہنے کے لیے طلباء کی حوصلہ افزائی کرنا۔
3- طلباء کو ایک دوسرے سے رابطہ اور رفاقت رکھنے کے مواقع فراہم کرنا۔

کلب ممبران کے فرائض

یہ توقع کی جاتی ہے کہ:

1- ممبران پاک نوشتوں کا مطالعہ بلاناغہ جاری رکھیں گے۔
2- ممبران ایک دوسرے کے لیے باقاعدگی سے دعا کریں گے۔
3- ممبران کلب کے مقاصد کی حمایت کریں گے۔
4- ممبران دیگر ممبران کے نظریات کی عزت کریں گے۔

رکنیت کی شرائط

1- منسلکہ کوپن کو پر کر کے بھیجنا۔
2- بذریعہ منی آرڈر مبلغ -/12 روپے ایک سال یا مبلغ -/20 روپے دو سال کی رکنیت کے لیے ارسال کرنا۔ ہر دو کے موصول ہونے پر آپ کو ممبر شپ کارڈ ارسال کر دیا جائے گا۔

جواب کا منتظر

آپ کا مخلص......کلب ڈائریکٹر

(ب) کلب میگزین اور خبرنامہ: اس میں عیسائی مشنریوں کے مضامین، مشنری خبریں، اعلانات و اطلاعات کے علاوہ خالص بائبل کے عنوانات پر مسلمان طلباء و طالبات سے مضامین لکھائے جاتے ہیں، انہیں حوصلہ افزائی کے انعام بصورت کتب دیئے جاتے ہیں۔ انجیل پر مبنی معمے بھی جاری کیے جاتے ہیں۔

(ج) ملاقات باہمی کے اجتماع: وقفہ وقفہ سے مشن اسکول، کالجوں میں کلب کے ممبران مل بیٹھنے کے عنوان سے مدعو کیے جاتے ہیں، انہیں ہلکے پھلکے مشروبات پیش کیے جاتے ہیں اور مسلمان طلباء کو دعوت دی جاتی ہے کہ موجود عیسائی علماء سے تبادلہ خیالات کریں، اپنے شکوک کا ازالہ کروائیں اور سوال و جواب سے اپنے علم میں اضافہ کریں۔

میں پاکستان بائبل کارسپانڈنس سکول کے کارسپانڈنس کلب کی رکنیت حاصل کرنا چاہتا/ چاہتی ہوں اور کلب ہذا کے مقاصد کی حمایت اور دوسرے ممبران کے نظریات کی عزت و تکریم کرنے کا وعدہ کرتا/ کرتی ہوں۔

(د) مبارک کیمپ مری: گزشتہ دس بارہ سال سے ہر موسم گرما میں مری کے پرفضا پہاڑی مقام پر طلباء و طالبات کے کیمپ لگتے ہیں۔ اس عیسائی عمارت کا نام ہی "کیمپ مبارک" رکھا گیا ہے۔ گزشتہ موسم گرما کے چار مہینوں کے دوران یہاں یکے بعد دیگرے 16 کیمپ لگے۔ اس کے اپنے بلٹن کے مطابق ان کی اجمالی فہرست یہ ہے:

چھوٹے لڑکوں کا کیمپ' استادوں کا کیمپ' چھوٹی لڑکیوں کا کیمپ' متعدد فیملی کیمپ' نوجوان لڑکوں کا کیمپ' مزدور پیشہ لوگوں کا کیمپ' نوجوان لڑکیوں کا کیمپ' عیسائی علماء کا کیمپ' بڑے لوگوں کا کیمپ' متلاشیان حق کا کیمپ' بڑی عورتوں کا کیمپ' خط و کتابت اسکولوں کے طلباء کا کیمپ۔

موخر الذکر دو کیمپ خاص طور پر قابل غور ہیں۔ ان میں غالب تعداد مسلم نوجوانوں کی ہوتی ہے۔ چنانچہ سال 86ء میں مسلمان طلباء 15 ' عیسائی 6 اور 16 نابینا ان کے علاوہ تھے۔ آٹھ دن کے لیے انہیں دعوت دی جاتی ہے کہ اپنی بائبل ساتھ لائیں اور عملی عیسائی زندگی کا مشاہدہ کریں۔ اس گرانی کے دور میں آٹھ دن کے قیام' دو وقت کھانا' ناشتہ اور چار بار چائے کے کل اخراجات صرف ساٹھ روپیہ' اور رجسٹریشن فیس برائے نام بیس روپیہ وصول کی جاتی ہے۔ سندھی اور بلوچستانی طلباء سے کوئی فیس وصول نہیں کی جاتی۔

کیمپ کے اساتذہ میں ملک کے چوٹی کے مشنری شامل ہوتے ہیں۔ یہاں پر سلسلہ درس و تدریس' سوال و جوابات کی مجالس اور دوسری تقریبات سے شرکاء کے قلوب و اذہان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہوں گے ان کے لیے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

ہماری وزارت امور مذہبی' ہمارے علماء ہمارے دینی ادارے اور ملت کے حساس باشعور افراد اپنے فرائض کا احساس آخر کب کریں گے؟

سمعی و بصری معاونات:

ویڈیو کیسٹ اور فلمیں: ملک عزیز میں عیسائی تعلیمات پر مشتمل مختصر دلفریب فلمیں اور سامعہ نواز ویڈیو کیسٹ کثیر تعداد میں آرہے ہیں۔ مجھ جیسے گمنام فرد کے پاس درجنوں کی تعداد میں بے طلب اور بلاقیمت پہنچ چکی ہیں۔

عیسائیوں کی یہ تمام سرگرمیاں اگر اپنے لوگوں تک محدود ہوتیں تو شاید ہمیں اعتراض نہ ہوتا مگر ستم تو یہ ہے کہ ان سب کا ہدف مسلمان ہیں۔ اس کے لیے ہم بطور مثال عیسائی ماہنامہ "کلام حق" گوجرانوالہ کے شمارہ 2:22 اشاعت فروری 1987ء اور شمارہ 5:22 مئی 1987ء کا تجزیہ پیش کرچکے ہیں۔ (یہ تفصیلات سہ ماہی "فکر و نظر" اسلام آباد جولائی تا ستمبر 1987ء میں شائع شدہ حافظ نذر احمد صاحب کے مضمون "غیر مسلموں کی تبلیغی سرگرمیاں" سے ماخوذ ہیں)

کچھ اور خبریں

بائبل کی آواز!

''اپوزیشن نے عیسائیت کی تبلیغ کے لیے اسلام آباد اور لاہور میں ریڈیو اسٹیشنوں کے قیام کے بارے میں قومی اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں کا سخت نوٹس لیتے ہوئے یہ معاملہ قومی اسمبلی میں اٹھانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اتوار کو اپوزیشن ارکان راجہ محمد افضل خان اور محمد ظفر اللہ خان نے اس بارے میں تحریک التوا قومی اسمبلی سیکرٹریٹ میں جمع کرائی ہے۔ تحریک میں کہا گیا ہے کہ اسلام آباد میں قائم ریڈیو اسٹیشن کا نام بائبل کی آواز ہے اور اس کے پروگرام پچیس میٹر بینڈ پر نشر کیے جا رہے ہیں' جبکہ لاہور ریڈیو اسٹیشن ختم ہوتے ہی بوسٹن' امریکہ سے پشتو' انگریزی اور اردو میں پروگرام آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ ایک سال قبل دیر کے علاقے سے بھی ایک ایسا ہی ریڈیو اسٹیشن کام شروع کر چکا ہے۔ تحریک التواء میں کہا گیا ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور یہ محبت' یگانگت کا مذہب ہے۔ ایسے اقدامات سے ملک کے اندر بے چینی پیدا ہو سکتی ہے۔'' (روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور 7 اگست 1995ء)

عیسائی ریڈیو سٹیشن

''پاکستان میں حکومت کی رضامندی سے قائم ہونے والے عیسائیوں کے مشنری نشریاتی ادارے ''فیبا ریڈیو'' نے اپنی نشریات کے دورانئے میں دگنا اضافہ کر دیا ہے۔ پہلے شارٹ ویو میں 31 میٹر بینڈ پر دن میں 6 گھنٹے پروگرام نشر کیے جاتے تھے۔ اب صبح 7 بجے سے رات 9 بجے تک بلاناغہ اردو' انگریزی' پنجابی' سندھی' سرائیکی' پشتو' بلوچی اور دیگر علاقائی زبانوں میں عیسائیت کی تبلیغ پر مبنی پروگرام نشر کیے جا رہے ہیں۔ صبح سات بجے پہلا پروگرام اردو میں نشر کیا جاتا ہے۔ شام 7 بجے سے 8 بجے تک پنجابی پروگرام ''سوہنی زندگی'' اور اس کے بعد 9 بجے تک انگریزی موسیقی کا پروگرام ہوتا ہے۔ فیبا ریڈیو کی نشریات شارٹ ویو 31 میٹر بینڈ پر 9810 کلو ہرٹز پر سنی جا سکتی ہیں۔ فیبا ریڈیو کے سامعین کو خط و کتابت کے لیے پوسٹ بکس نمبر 318 راولپنڈی اور پوسٹ بکس نمبر 1178 اسلام آباد کا پتا دیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ فیبا ریڈیو سے عیسائیت کی تبلیغ پر شدید احتجاج کے باوجود حکومت خاموش ہے اور اس ریڈیو سٹیشن کو نشریات کا دورانیہ بڑھانے کی اجازت بھی دے دی گئی ہے۔''

(روزنامہ نوائے وقت' لاہور 9 دسمبر 1995ء)

عیسائیت کی تبلیغ

پاکستان میں ملتان روڈ سمیت ملک بھر میں تعلیمی ادارے اور ریڈیو سٹیشن ہیں جن پر امریکہ کروڑوں خرچ کر رہا ہے۔ لاہور میں قیمتی اراضی پر لاکھوں کی مشینری نصب کی گئی ہے جبکہ مشن کی تکمیل

کے لیے پرکشش تنخواہوں پر ملازمتیں دی گئی ہیں۔

ایڈونٹ پورہ ملتان روڈ سے ہر سال 122 کیسٹیں ریکارڈ کر کے سلواکیہ بھجوائی جاتی ہیں' جہاں سے یہ پروگرام پاکستانی وقت کے مطابق صبح 8 سے 9 اور رات 9 سے 10 بجے تک نشر کیے جاتے ہیں جن میں مسلمانوں کو عیسائیت کی طرف راغب کیا جاتا ہے۔

مشنری اخبار "پراسیکٹر" کے مطابق 57ء میں 8 ہزار مسلمانوں نے عیسائیت قبول کی' اسلام آباد میں ریڈیو سٹیشن "زندگی کے سنگ" پروگرام نشر کر کے مقاصد کی تکمیل کر رہا ہے' فیصل آباد میں بائبل کارسپانڈنس سکول سے مفت کتب دی جاتی ہیں۔ (رپورٹ روزنامہ خبریں' لاہور' 30 جنوری 1996ء)

کھلے بندوں تبلیغ عیسائیت

"ہمارے نزدیک چھاؤنی میں کوئی گرجا ہے جس سے صبح چار بجے عیسائیت کی تبلیغ شروع ہو جاتی ہے (میں اس گرجے کے محل وقوع کا پتا نہیں چلا سکا لیکن لاؤڈ سپیکر سے اس کی آواز دُور دُور تک جاتی ہے)۔ پاکستان کے آئین کے مطابق غیر مسلم تبلیغ نہیں کر سکتے' وہ صرف اپنے مذہب پر عمل کر سکتے ہیں۔ لیکن یہاں عیسائی اعلانیہ تبلیغ کر سکتے ہیں۔ کیا کوئی ایسا طریقہ نہیں کہ عدالت کے ذریعے ان لوگوں کو آئین کی پابندی پر مجبور کیا جا سکے؟ اگر آپ کی رسائی کسی صاحب ایمان وکیل تک ہو تو اس سے مشورہ کر کے عیسائیوں کی زیادتی کا سدباب ہونا چاہیے ورنہ تو قادیانیوں کو بھی اپنے مذہب کی تبلیغ کا حق پہنچے گا حالانکہ ان پر کڑی پابندی ہے۔" (لاہور کینٹ سے "المذاہب" کے ایک قاری کا خط۔ بحوالہ ماہنامہ المذاہب' لاہور' فروری 1994ء)

مسلم طالبات اور صلیب کا نشان

"جمعیت علمائے پاکستان نیازی گروپ کے کنوینر مولانا عبدالجبار رحمانی سے سینٹ میری ہائی اسکول کی طالبات کے والدین نے ملاقات کی اور سکول انتظامیہ کی جانب سے فراہم کیے گئے سکول بیج اور سکول سکارف پر صلیب کے نشان سے آگاہ کیا۔ وفد نے کہا کہ صبح سکول کی اسمبلی میں قرآن مجید کے ساتھ بائبل کے اقتباسات بھی تمام طالبات کو سنائے جاتے ہیں۔ مولانا عبدالجبار رحمانی نے کہا کہ اسلامی مملکت میں مسلمانوں کے بچوں کو جبراً صلیب کا نشان استعمال کرانا خلاف شرع ہے۔ اس طرح مسلم طالبات کو قرآن مجید کے ساتھ بائبل کا درس دینا بھی کسی طرح مناسب نہیں۔ مولانا عبدالجبار رحمانی نے اسکول انتظامیہ پر واضح کیا ہے کہ وہ فوری طور پر اسمبلی میں بائبل کا درس اور صلیب کے نشان کے استعمال سے مسلم طالبات کو مستثنیٰ قرار دیں کیونکہ سکول انتظامیہ کے اس عمل سے طالبات کے والدین میں بے چینی پائی جاتی ہے۔ انہوں نے وزیر اعلیٰ سندھ عبداللہ شاہ سے مطالبہ کیا کہ وہ سکول میں عیسائیت کی تبلیغ اور جبری صلیب کے نشان کو لگانے کے خلاف کارروائی کریں۔ (روزنامہ جنگ' کراچی' یکم

نومبر 1993ء)

عیسائی مشنری مساعی اور ان کے ذرائع ابلاغ کا استعمال رائیگاں نہیں گیا۔ قیام پاکستان کے بعد پہلی مردم شماری 1951ء میں ہوئی۔ اس وقت عیسائی آبادی 434000 تھی۔ 1981ء کی مردم شماری کے وقت یعنی 30 سال کی مدت میں ان کی تعداد 131.426 تک پہنچ گئی یعنی 202 فیصد کے قریب اضافہ ہوگیا' جب کہ مسلمان آبادی میں اضافہ صرف 149 فیصد ہوا۔ (تفصیل کے لیے چارٹ ملاحظہ کیجئے)

پاکستان کی عیسائی آبادی

اضافہ کی رفتار۔ مذاہب کے اعتبار سے

سنہ وار	مجموعی آبادی	مسلم	عیسائی
1951ء	3,37,04,000	3,27,32,000	4,34,000
1961ء	4,28,80,378	3,98,08,958	5,83,884
1971ء	6,53,09,340	6,04,34,659	9,07,861
1981ء	8,42,57,644	8,14,50,057	13,10,426

1951ء-1981ء تیس سال کے درمیان اضافہ فیصد

مجموعی آبادی	149.98	(تقریباً 150 فیصد)
مسلم	148.84	(تقریباً 149 فیصد)
عیسائی	201.57	(تقریباً 202 فیصد)

(رپورٹ مردم شماری حکومت پاکستان 1951ء' 1961ء' 1971ء' 1981ء)

عیسائی آبادی صوبہ دار

1981ء کی مردم شماری میں اضافہ کا تناسب

صوبہ	آبادی 1981ء میں	اضافہ دوران 1951-1961ء	اضافہ دوران 1961-1971ء	اضافہ دوران 1971-1981ء	اضافہ دوران 1951-1981ء
پنجاب	10,61,037	% 30	%50	%35	% 164
سندھ	1,76,898	% 108	%104	% 84	% 282
سرحد	38,582	% 110	%66	% 210	% 986

بلوچستان	20,131	% 100	%106	% 108	% 411
اسلام آباد	13,777	% 63	%70	% 258	% 965
فاٹا وغیرہ					

کسی ملک کی آبادی میں اضافہ کے اسباب تین ہوتے ہیں: نقل آبادی، کثرت تولید، یا قبول مذہب۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ قیام پاکستان کے بعد کوئی نقل آبادی نہیں ہوئی۔ تعدد ازدواج مسلمانوں میں ہے۔ عیسائی قوم میں نہیں، لہٰذا اس ذریعے سے بھی عیسائی آبادی میں اضافہ نہیں ہوا۔ لہٰذا قبول مذہب کے سوا ان کی تعداد میں اضافہ کا اور کوئی سبب نہیں ہو سکتا۔

وہ کتاب جسے خود کتاب حیات ہونے کا دعویٰ نہیں، جس کے مندرجات کو خود اس کے ماننے والے از اوّل تا آخر وحی الٰہی نہیں کہتے جس کے بعض حصے وہ خود اپنے بچوں اور خواتین کو باآواز بلند پڑھ کر نہیں سنا سکتے۔ اس کے لیے وہ سب کچھ کر رہے ہیں جس کا صرف ایک پہلو اور اس کی ہلکی سی جھلک آپ کے سامنے آئی ہے۔ اس کے مقابل اللہ رب العزت کی آخری کتاب ''کتاب ھدیٰ'' ہے، کتاب حیات ہے، ذکر للعالمین ہے، ھدی للعالمین ہے` اس پر ایمان رکھنے والے کیا کر رہے ہیں؟ وہ پوری سنجیدگی اور کامل یقین کے ساتھ اپنے فرائض کی بجا آوری کے لیے کب آمادہ کار ہوں گے؟

اہل باطل جس تندہی اور جانفشانی کے ساتھ اپنے باطل نظریات کی تبلیغ و تشہیر میں مصروف ہیں اس کی ایک دو اور مثالیں بھی پیش خدمت ہیں کہ شاید اس سے ہماری غیرت دینی کو مہمیز ہو اور ہم اپنا مقام و مرتبہ پہچان کر اپنے فرض کی بجا آوری پہ آمادہ ہو جائیں۔ میرے ایک دوست محترم عبدالرحمٰن صاحب حال مقیم رائے ونڈ ایک دفعہ تبلیغی جماعت کے ساتھ نیوگنی (افریقہ) گئے۔ واپسی پر انہوں نے بتایا کہ وہاں ایک دور دراز علاقے میں کہ جہاں بجلی کا نام و نشان تک نہ تھا وہاں ہمیں اہل گاؤں نے ٹھنڈا پانی پیش کیا اور ہمیں یوں محسوس ہوا کہ جیسے فریج کا پانی ہو۔ ہمیں حیرانی ہوئی کہ اس علاقے میں فریج کہاں سے آ گیا۔ استفسار پہ علم ہوا کہ یہاں ایک پادری صاحب جرمنی سے آئے ہوئے ہیں، وہ اپنے ساتھ فریج اور جنریٹر لائے ہیں۔ جنریٹر سے فریج چلاتے ہیں اور گاؤں والوں کو ٹھنڈا پانی پلا پلا کر دین عیسائیت میں داخل کر رہے ہیں۔ عبدالرحمٰن صاحب اس سے ملنے گئیں اس نے ان سے پوچھا کہ کتنے عرصہ کے لیے آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ایک سال کے لیے۔ وہ پادری طنزاً مسکرایا اور کہا کہ بس! صرف ایک سال کے لیے۔ پھر اس نے کہا کہ مجھے جرمنی سے آئے ہوئے پچیس برس بیت گئے۔ واپسی کا کوئی ارادہ نہیں یا دین مسیح غالب ہو جائے یا میری جان چلی جائے۔ عبدالرحمٰن صاحب کہتے ہیں کہ داغ ندامت لیے ہم واپس چلے آئے۔ ایسے ہی قدرت اللہ شہاب مرحوم قیام پاکستان سے پہلے کی ایک داستان سناتے ہیں:

''ساورا ایجنسی کی آب و ہوا ناخوش گوار تھی۔ زہریلے حشرات الارض کی بھرمار تھی اور کالا یرقان اور گردن توڑ بخار جیسی بیماریوں کی وبا عام تھی۔ باہر کے لوگوں میں سے صرف دو شخص ایسے تھے جو

وہاں مدت سے قیام پذیر تھے۔ ایک تو ہسپانوی عیسائی مشنری تھا جو ساورا زبان اور تاریخ کا ماہر تھا اور عرصہ دس سال سے وہاں جم کر بیٹھا ہوا عیسائیت کی تبلیغ میں دل و جان سے مصروف تھا۔ تبلیغ کے ساتھ ساتھ وہ کسی قدر علاج معالجہ بھی کرتا تھا۔ لیکن دس سال کے طویل عرصہ میں وہ صرف چار آدمیوں کو عیسائی بنانے میں کامیاب ہوا تھا۔" (بحوالہ شہاب نامہ' ص 243)

اس کا نام استقامت ہے جو بدقسمتی سے مسلمانوں میں عنقا ہو چکی ہے' سوائے کچھ استثنائی صورتوں کے کہ جن کے دم سے مسلمانوں کا بھرم اور آبرو باقی ہے۔

مسلمان نوجوانوں کو کیسے عیسائی بنایا جاتا ہے...... "اندر" کی کہانی

"عیسائی مشنری اداروں اور ان کے ذیلی اداروں سے کم و بیش ڈھائی سال تک منسلک رہنے والے ایک نوجوان عاقب حبیب نے کہا کہ "میں بڑے صبر آزما مراحل سے گزر کر ان کے ٹھکانوں تک پہنچ سکا' جہاں بپتسمہ دیا جاتا ہے جو چند تصاویر میں حاصل کر سکا ہوں ان کے لیے کتنا وقت صرف کرنا پڑا' کتنی احتیاط کے ساتھ کام لینا پڑا۔ یہ کچھ میں ہی جانتا ہوں۔

پاکستان جیسے نظریاتی ملک میں عیسائی مشنریوں کو اور دیگر مذہب کے ماننے والوں کو بھی اپنی تبلیغ کا جو مکمل حق حاصل ہے' یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہر سال بہت سے نوجوان' جن میں مرد و خواتین' دونوں شامل ہیں' اسلام چھوڑ کر عیسائیت قبول کر لیتے ہیں۔ مسلمان نوجوانوں میں ارتداد کیوں پھیل رہا ہے۔ یہ حکومت پاکستان اور ان تمام دینی تنظیموں کے سوچنے' جاننے کا کام ہے جو دین کے نام پر سیاست کرتے ہیں یا سیاست کو دین کے تابع رکھنے کا اعادہ کرتے ہیں۔

عاقب حبیب کہتے ہیں کہ عیسائی مشنری سب سے پہلا وار مسلمان نوجوانوں کے عقائد پر کرتے ہیں۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بغیر عیسائیت کی تبلیغ اور تعلیم قبول کرنے پر ان کا ذہن آمادہ نہیں ہوتا۔ اس مقصد کے لیے ابتدائی رسم و راہ پیدا کرنے کے بعد ان نوجوانوں کو سابق مسلمانوں کی کتابیں مہیا کی جاتی ہیں۔ ان کتابوں میں بلقیس شیخ نامی ایک سابق پاکستانی مسلمان خاتون کی "آپ بیتی" بعنوان "I dared to call him Father" بھی شامل ہے۔ یہ کتاب 1979ء کے دوران امریکہ میں شائع ہوئی تھی۔ پاکستان میں اس کتاب پر پابندی عائد ہے۔ اس کے علاوہ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور کی 1926ء میں شائع کردہ کتاب "ینابیع الاسلام" اسی ادارے کا 1929ء میں شائع کردہ کتابچہ "تحریف انجیل وصحت انجیل" کرسچن لٹریچر سوسائٹی فار انڈیا کا کتابچہ "مسئلہ تخلیق" (1921ء) اسی ادارے کا کتابچہ "جنگ بدر و جنگ احد" (1919ء) پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی کا کتابچہ "ترقی یا تنزل" (1929ء) اور "کتاب تخل اسلام" مصنف دھرم پال بی اے ایڈیٹر "اندر" لاہور بھی اس لٹریچر کا حصہ ہیں' جس کے ذریعے مسلمان نوجوانوں کے قلب و ذہن میں شکوک کے بیج بوئے جاتے ہیں۔ اسلام کو مطعون کیا جاتا ہے۔ غزوات کو لوٹ مار کا ذریعہ بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت محمد ﷺ

کی نبوت پر سے ان کا ایمان متزلزل کیا جاتا ہے۔

عاقب حبیب نے جو ایک نوجوان سرکاری ملازم ہیں، 1986ء-1987ء میں جب یہ سنا کہ مسلمان نوجوانوں میں عیسائیت پھیل رہی ہے تو انہیں یقین نہ آیا کہ اللہ تعالیٰ اور ان کے آخری نبی ﷺ کے ماننے والے اسلام ترک کر سکتے ہیں، مرتد ہو سکتے ہیں لیکن حقائق تو بہرحال حقائق تھے۔ چنانچہ انہوں نے یہ جاننے کے لیے کہ یہ ناممکن کام کیونکر ممکن ہو رہا ہے، عیسائی مشنریوں کے قریب تر جانے کی کوشش شروع کر دی اور بالآخر وہ 1988ء میں عیسائیت قبول کرنے کے لیے ایک نئے خواہش مند کی حیثیت سے ان تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن ابتدائی مرحلہ ایسا نہ تھا کہ انہیں عیسائیت قبول کرنے کی دعوت دی جاتی بلکہ اس مرحلے میں انہیں متذکرہ بالا کتب اور کتابچے دیئے جانے لگے تاکہ ان کے عقائد کو متزلزل کیا جا سکے۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ پڑھے لکھے اور نسبتاً غریب نوجوانوں میں عیسائیت پھیلانے کے لیے بڑے غیر محسوس انداز میں مخصوص لوگوں کو ہی اجازت دی جاتی ہے۔ مقصد بڑا واضح ہے اور وہ یہ کہ مسلمان "جو آبادی کی غالب اکثریت ہیں" برہم نہ ہونے پائیں۔ گوجرانوالہ میں کرسچین ٹیکنیکل انسٹیٹیوٹ کا ایک ٹیچر نذیر سردار ایسے ہی مخصوص افراد میں شامل ہے۔

میرا (عاقب حبیب کا) پہلا رابطہ بھی نذیر سردار سے ہی ہوا تھا۔ اس نے میری یہ خواہش جاننے کے بعد کہ میں عیسائیت کی تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہوں، مجھے "دو اسلام" نامی کتاب دی۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً ایسی کتابیں اور کتابچے دیئے جاتے رہے جن کا مقصد میرے عقائد کو مجروح کرنا تھا۔ قرآن وحدیث اور نبوت پر میرے ایمان کو کمزور کرنا تھا۔ میری طرح چند اور نوجوان بھی نذیر سردار کے پاس اسی مقصد کے لیے آتے جاتے تھے۔ نذیر سردار کا کام مسلمان نوجوانوں کے اعتماد اور یقین کو متزلزل کر کے آگے بڑھانا ہے۔ چنانچہ جن نوجوانوں پر اسے یہ اعتماد ہو جاتا تھا کہ اب ان کا ایمان کمزور ہو چکا ہے اور وہ عیسائیت کی جانب راغب ہو چکے ہیں تو وہ انہیں پادری رفیق اور سکندر الماس کے سپرد کر دیتا تھا۔ انہی دو اصحاب کا ایک اور ساتھی، ایک غیر ملکی مارکس بھی ہے جو گوجرانوالہ میں عیسائیت پھیلانے کے ساتھ ساتھ قالینوں کا کاروبار بھی کرتا ہے۔ یہ گروہ اپنے باقاعدہ اجلاس میں ان نوجوانوں کا انتخاب کرتا ہے جنہیں عیسائی بنانے کے لیے دوسرے مرحلہ میں داخل کرنے کے قابل سمجھا جاتا ہے۔ اس دوران میں ان نوجوانوں کو جہاں عیسائیت کی تعلیمات سے آگاہ کیا جاتا ہے، وہاں انہیں ان عیسائی معاشروں کی تہذیبی اقدار کی جھلکیاں بھی دکھائی جاتی ہیں جو یورپ اور امریکہ میں عام طور پر دیکھی جا سکتی ہیں۔ ان نوجوانوں کو ایک طرف تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کی عکاسی کرنے والی فلمیں دکھائی جاتی ہیں اور دوسری جانب انہیں بلیو پرنٹ بھی دکھائے جاتے ہیں۔ انہیں عیسائی لڑکیوں سے شادی کی پیشکش بھی کی جاتی ہے اور پاکستان سے باہر یورپ اور امریکہ بھجوانے کے سبز باغ بھی دکھائے جاتے ہیں۔ دوسرے مرحلے کے اختتام پر جن نوجوانوں کو منتخب کیا جاتا ہے انہیں زیادہ "بے تکلف" ماحول مہیا کر دیا جاتا ہے۔

ان کے سامنے اسلام، احادیث اور نبی کریم ﷺ کی شخصیت پر کڑی تنقید کی جاتی ہے۔ جب یہ محسوس کرلیا جاتا ہے کہ اب وہ اگلے مرحلے کے لیے تیار ہو چکے ہیں۔ ان کی رگ حمیت اسلام کے نام پر پھڑکنا بند ہوگئی ہے تو انہیں لاہور بھیج دیا جاتا ہے۔

عاقب حبیب کے بقول لاہور میں ان کا میزبان عام طور پر اشرف پال ہوتا ہے۔ یہ صاحب ماڈل ٹاؤن میں رہتے ہیں۔ پہلے مسلمان تھے لیکن تیس پینتیس برس پہلے عیسائی ہوگئے تھے۔ پنجاب بھر سے چیدہ چیدہ نوجوانوں کو ان کے پاس ایک ماہ تک ٹھہرایا جاتا ہے۔ یہاں نوجوانوں کو وہ کچھ سکھایا اور بتایا جاتا ہے جو اس سے قبل وہ فلموں میں دیکھ چکے ہوتے ہیں۔ انہیں بتایا جاتا ہے کہ ان کے مذہب میں شراب پینے، عورتوں سے دوستی کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ شراب کا حصول ان کے لیے ممکن بنایا جاتا ہے۔ نوجوان لڑکیوں کے ساتھ گپ شپ کے مواقع مہیا کیے جاتے ہیں۔ پادری اسماعیل کے گھر پر عیسائیت کی تبلیغ کے لیے لیکچر ہوتے ہیں۔ یہ صاحب بھی کسی زمانے میں مسلمان ہوا کرتے تھے۔ ان لیکچروں میں لڑکے لڑکیاں دونوں شریک ہوتے ہیں۔ ایسا ہی ایک تبلیغی مرکز ایف سی کالج کے اندر بھی موجود ہے۔ ان مراکز میں بلقیس شیخ کی آپ بیتی اور ایسے ہی دیگر لٹریچر کی جو انگریزی زبان میں ہوتا ہے اردو میں ترجمہ کرکے تعلیم دی جاتی ہے۔

عیسائیت کی تبلیغ کے حوالے سے "Operation and Mobilisation Team" جسے مختصراً ''او اینڈ ایم ٹیم'' کہا جاتا ہے، النور منزل میں مقیم رہتی ہے۔ جن زیر تربیت نوجوانوں کے متعلق یقین ہو جاتا ہے کہ وہ اب ان مشنریوں اور پادریوں کی مکمل گرفت میں ہیں کسی اور طرف نہیں جاسکتے۔ صرف انہیں ہی النور منزل بھیجا جاتا ہے۔ یہاں زیادہ تر غیر ملکی لڑکے اور لڑکیاں جمع ہوتے ہیں جو مختلف ممالک سے تبلیغ کی خاطر پاکستان آتے ہیں۔ ان غیر ملکی لڑکے لڑکیوں کو دیہات میں بھیجا جاتا ہے تو ان کے ہمراہ عیسائیت قبول کرنے والے ان زیر تربیت نوجوانوں کو بھی بھیجا جاتا ہے۔ یہ نوجوان سدھائے ہوئے جانوروں کی طرح شہر سے دیہات کی جانب تبلیغی ٹیموں کے ساتھ جاتے ہیں اور پھر واپس شہر لوٹ آتے ہیں۔ اس تجربے اور تربیت پر جو نوجوان پورے اترتے ہیں، انہیں عیسائیت قبول کرنے کا اہل قرار دے دیا جاتا ہے۔ جس کے بعد انہیں مسلم ٹاؤن چرچ میں بھیج دیا جاتا ہے جہاں انہیں بپتسمہ دیا جاتا ہے۔ بپتسمہ دینے کے بعد انہیں ایک سند دی جاتی ہے جس کے بعد انہیں عیسائی تسلیم کرلیا جاتا ہے۔

ان تمام مراحل سے گزر کر عیسائی ہونے والوں کے ساتھ کئی وعدے ایفا بھی کر دیے جاتے ہیں۔ مثلاً ان کی شادی کرا دی جاتی ہے۔ چند ایک کو، سب کو نہیں، بیرون ملک بھی بھجوا دیا جاتا ہے۔ بیرون ملک جانے والے، اور وہ جن کی شادی ہو جاتی ہے دوسروں کے لیے چارہ بن جاتے ہیں کہ اگر وہ عیسائیت قبول کرلیں تو انہیں بھی یہ ''مراعات'' مل سکتی ہیں۔

جو نوجوان عیسائیت قبول کر لیتے ہیں، جنہیں عیسائی تسلیم کرلیا جاتا ہے، ان پر پابندی عائد کردی جاتی ہے کہ وہ ایک سال تک خود کو مسلمان ظاہر کریں گے، اپنے عیسائی ہونے کا اعلان نہیں کریں

گے۔ ان سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ مسلمان نوجوانوں کو عیسائیت کی جانب مائل کریں۔ جو نوجوان تین چار مسلمان نوجوانوں کو عیسائیت کی جانب مائل کرنے میں کامیاب ہو جائے' اسے کسی عیسائی لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کا اہل سمجھا جاتا ہے جس کے بعد انہیں مختلف مقامات پر آباد کر دیا جاتا ہے اور پھر یہ جوڑا اپنے ساتھیوں' دوستوں اور دیگر لوگوں میں بیان کرنا شروع کر دیتا ہے کہ ان کے قریب آنے والوں کو بڑے بڑے لوگوں سے ملایا جائے گا۔ انہیں امریکہ' برطانیہ' یا کسی اور یورپی ملک میں بھجوا دیا جائے گا۔

عاقب حبیب نے بتایا کہ بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان قبول عیسائیت سے پہلے مختلف مرحلوں سے گزرتا ہوا تھک کر علیحدہ ہو جاتا ہے یا ان کی تبلیغ سے برگشتہ ہو کر بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر وہ ابتدائی مرحلے میں ہو تو اس کی چنداں پروا نہیں کی جاتی۔ اگر وہ آخری مراحل میں ہو تو اسے خاموش رکھنے کے لیے ہر قسم کی دھمکیاں دی جاتی ہیں اور مراعات بھی پیش کی جاتی ہیں۔ انہیں بلیک میل کرنے کی کوشش بھی کی جاتی ہے۔ ان کے خلاف مالی دباؤ کا حربہ بھی استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ ان کے پاس سارا حساب ہوتا ہے کہ راہ فرار اختیار کرنے والے نوجوان کو کتنی مالی امداد دی گئی تھی۔ مختلف مقامات پر جب وہ زیر تربیت تھا تو اس پر کتنا خرچ کیا گیا تھا۔

عاقب حبیب نے کہا "میری معلومات کے مطابق اسلام دشمن لٹریچر میں تازہ ترین اضافہ سلمان رشدی کی کتاب "Satanic Verses" ہے۔ اس کا اردو ترجمہ کیا جا رہا ہے۔ جہاں تک لڑکیوں کا تعلق ہے تو انہیں بھی کم و بیش اس نوعیت کی مراعات پیش کی جاتی ہیں جو لڑکوں کو پیش کی جاتی ہیں۔ یہ لڑکیاں بھی لڑکوں کی طرح عام طور پر غریب گھرانوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ لاہور اور گوجرانوالہ میں جتنے نوجوان عیسائیت قبول کرتے ہیں ان میں ساٹھ فیصد لڑکے اور پچاس فیصد لڑکیاں ہوتی ہیں۔

عاقب حبیب سے دریافت کیا گیا کہ عیسائیت قبول کرنے والے جن نوجوانوں کو جن بیرونی ممالک میں بھیجا جاتا ہے کیا ان میں بھارت بھی شامل ہے' تو انہوں نے جواب دیا یقیناً...... اوپر جن حضرات کا میں نے ذکر کیا ہے ان میں سے ایک صاحب تو آئے دن بھارت جاتے رہتے ہیں۔ وہ نئے عیسائی نوجوانوں کو اپنے ہمراہ لے جاتے ہیں اور انہیں الگ سے بھی بھیجتے ہیں۔ ان کے بھارت کی خفیہ ایجنسی را سے بھی روابط ہیں اور اس نوعیت کے روابط رکھنے والے پاکستان میں دو سمتوں میں کام کر رہے ہیں۔ اوّل یہ کہ پاکستان میں اسلامی قانون نافذ نہ ہونے پائے اور دوئم یہ کہ مسلمانوں میں فرقہ بندی قائم رہے تاکہ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے۔ انہی مشنریوں نے پاکستان میں "فیبا ریڈیو" بھی قائم کیا ہے۔

اگرچہ کہا تو یہ جاتا ہے کہ یہ ریڈیو عیسائیوں کی تعلیم کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ اس کی نشریات تعلیمی مقاصد کے لیے ہیں لیکن یہ ریڈیو خفیہ پیغام رسانی کا ذریعہ بھی ہے۔ اس ریڈیو کی بہت سی نشریات ایسی بھی ہوتی ہیں کہ عام سننے والے اسے نہیں سمجھ سکتے۔ ان سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے۔ جن مخصوص لوگوں کے لیے انہیں نشر کیا جاتا ہے' صرف وہی اسے سمجھ سکتے ہیں۔

اب آیئے ایک عیسائی رہنما جیمز صوبے خاں کے خیالات بھی ملاحظہ کیجئے۔ انھوں نے کہا کہ صوبائی دارالحکومت میں 54 نکلسن روڈ پر واقع لاہور چرچ کونسل نامی غیر ملکی چرچ' مشنری تنظیم کی بے قاعدگیوں' بدعنوانیوں' لوٹ مار اور سرمایہ خورد برد کرنے کے علاوہ امریکی یہودی انتظامیہ کے ایجنٹوں کی سرکوبی کی جائے۔ امریکی یہودی مشنریوں کو ملک بدر کیا جائے جو ایف سی کالج میں رہتے ہیں۔

جیمز صوبے خان پاکستان میں ''مشنری'' کی حیثیت سے کام کرنے والے غیر ملکی عیسائیوں اور ان کے ''پاکستانی ایجنٹوں'' کے خلاف محاذ پر گزشتہ اٹھائیس برس سے سرگرم عمل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ غیر ملکی چرچ' مشنری تنظیموں اور فلاحی اداروں میں عموماً امریکی یہودی مشنریوں کے روپ میں آتے ہیں۔ 1970ء میں مقامی عیسائیوں کی جدوجہد کے مطابق ان غیر ملکیوں نے اپنے ہی ایجنٹوں کو کلیدی اسامیوں پر لگا دیا اور خود ان کی آڑ میں بیٹھ گئے۔ اور اس وقت سے اپنے ایجنٹوں کو فلاح و بہبود کے نام پر سرمایہ مہیا کر کے اپنے مقاصد پورے کر رہے ہیں۔ ان مشنریوں کا ایک مرکز 54 نکلسن روڈ پر لاہور چرچ کونسل کے نام پر موجود ہے۔ دوسرا مرکز ایف سی کالج ہے جس کی کوٹھی نمبر 11 اور بعض دیگر کوٹھیوں میں بھی وہ رہائش پذیر ہیں۔ ایک اور مرکز 6 ایمپرس روڈ پر بھی واقع ہے جب کہ عاقب حبیب نے جن مراکز کی نشاندہی کی ہے وہ ٹاؤن شپ' مسلم ٹاؤن اور ٹمپل روڈ پر واقع ہیں۔

جیمز صوبے خاں کے بقول: پاکستان میں ایک سو سے زائد عیسائی مشنری تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔ ان میں سے بیشتر کے ہیڈ کوارٹر لاہور میں واقع ہیں۔ مکتی فوج بھی انھی تنظیموں میں شامل ہے جس کے عہدیدار فوج کی طرز پر ''جنرل'' ''کرنل'' ''بریگیڈیئر'' وغیرہ کہلاتے ہیں۔ وہ باقاعدہ یونیفارم پہنتے ہیں۔ یہ ایک نیم فوجی تنظیم ہے۔ جہاں تک عیسائیت کا تعلق ہے تو جیمز صوبے خان' مکتی فوج کو عیسائی تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے بیان کے مطابق عیسائی ہونے کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں۔ اوّل یہ کہ نومولود کو بپتسمہ دیا جائے اور دوئم یہ کہ بالغ ہونے پر ''عشائے ربانی'' کی رسم پوری کی جائے۔ یہ دونوں رسومات گرجا گھر میں ہوتی ہیں۔ مکتی فوج ان دونوں رسومات میں یقین نہیں رکھتی۔ پاکستان میں مکتی فوج کے علاقائی سربراہ کرنل فرمان نام کے ایک صاحب ہیں۔ یہ تنظیم برطانیہ میں جنرل بوتھ نے قائم کی تھی جس کا مقصد مذہب کی آڑ میں جاسوسی کرنا تھا۔ یہ لوگ مذہبی لبادے میں عوام میں گھوم پھر کر جاسوسی کرتے تھے اور حکام کو ان کی سرگرمیوں سے مطلع کرتے تھے۔ اس تنظیم میں پادری کی حیثیت' حکام اور کارکنوں کے درمیان ایک رابطہ افسر کی سی ہوتی ہے۔ کرنل فرمان اوسطاً ہر سال بھارت جاتا ہے۔ گزشتہ برس 91-1990ء کے دوران وہ بھارت گیا۔ نو گھنٹے تک دہلی ایئرپورٹ پر رہا' جہاں اس نے اپنے کئی ساتھیوں سے ملاقاتیں کیں اور پھر وہیں سے لندن (برطانیہ) چلا گیا۔ یہ سرگرمیاں ان کے اصل مشن کی عکاسی نہیں کرتیں۔ جیمز صوبے خان کے مطابق اگر کرید کی جائے تو بہت سے معاملات سامنے آ جائیں گے۔

عاقب حبیب کہتے ہیں کہ او اینڈ ایم تنظیم انتہائی منظم اور خفیہ ہے جس کے اکثر پروگرام

پادریوں سے بھی خفیہ رکھے جاتے ہیں۔ پاکستان میں اس تنظیم کا موجودہ سربراہ جان براؤن ہے۔ اس کا ہیڈکوارٹر ایمپرس روڈ پر واقع ہے۔ اس تنظیم کے وسائل کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اس کے ملکیتی بحری جہاز بھی دنیا کے سمندروں میں چلتے ہیں۔ اس تنظیم کے لیے کام کرنے والے غیر ملکی لڑکے اور لڑکیاں دوسرے ممالک بالخصوص بھارت سے ہو کر آتے ہیں۔ ان میں سے اکثر یورپی خفیہ ایجنسیوں کے لیے بھی کام کرتے ہیں۔ اس تنظیم میں اسلام چھوڑ کر عیسائیت قبول کرنے والے پاکستانی بھی کام کرتے ہیں۔ پادریوں کے علاوہ ایک اقلیتی رکن قومی اسمبلی جو ڈرامے کرنے کے لیے زیادہ مشہور ہیں' بھی اس تنظیم کے لیے کام کرتے ہیں...... ''النور'' منزل ایک ایسا ٹھکانا ہے جہاں رہنے والے نوجوانوں کا بھارت جانا معمول کی بات ہے۔ یہاں ہر جمعہ کی شام دو گھنٹے تک اجلاس ہوتا ہے جس میں عیسائیت کی تبلیغ اور اسلام کی تکذیب کی جاتی ہے۔ عاقب حبیب کے بیان کے مطابق' پاکستان میں مسلم نوجوانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے والوں کا تعلق صرف امریکہ' برطانیہ یا دیگر یورپی ممالک سے براہ راست یا بالواسطہ ہی نہیں ہوتا بلکہ ان میں سے بعض کا تعلق ''سنگاپور سمیزی'' سے بھی ہے جو ایشیا میں واقع ہے۔''

(بحوالہ ہفت روزہ ''تکبیر'' کراچی' 30 جنوری 1992ء)

اسلامی دنیا کے ''روادار'' مسلمان حکمرانوں اور عوام کے نام

2025ء تک اسلامی ملکوں کو مغلوب کرنے کا عیسائی منصوبہ

''پچھلے ماہ یورپ کی مشہور و معروف قدیم لائڈن یونیورسٹی جو ہالینڈ کے شہر لائڈن میں واقع ہے ایک تحقیقی کام کی غرض سے جانا ہوا۔ میرا مقصد وہاں علم استشراق سے متعلق ڈچ مستشرقین کی اسلام اور ہادی اسلامؐ سے متعلق ہرزہ سرائی کا پس منظر جاننا اور ان مستشرقین کا طریقہ واردات معلوم کرنا تھا۔ اس سے پہلے میں جرمن مستشرقین کے ''کارنامے'' جمع کر چکا تھا مگر لائڈن یونیورسٹی سے متعلق ابھی تشنگی باقی تھی۔ لائڈن یونیورسٹی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ڈچ مستشرقین نے یہاں سات سو سال قبل ایک مستقل عربی و اسلامی انسٹی ٹیوٹ کی بنیاد رکھی تھی جس کا مقصد علوم اسلام سے متعلق تحقیقی کام کرنا اور دین اسلام سے متعلق نئے نئے فتنے کھڑے کرنا اور مسلمانوں کی نئی نسل میں فکری تشکیک کی فضا پیدا کرنا تھا۔ یہ شعبہ ہمیشہ سے عیسائیوں اور یہودیوں کے زیر انتظام رہا' مسلمان اساتذہ کا یہاں تصور بھی محال ہے۔ آج بھی اس شعبے کی چیئرمین ڈاکٹر مسز کرک نامی ایک عیسائی خاتون ہیں جو عیسائیت میں پوری مگر اسلام سے متعلق بغض و عناد کا پیکر ہیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ جس وقت میں پہلی مرتبہ 2 دسمبر کو لائڈن یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات و عربی ادب میں داخل ہوا تو اس وقت بھی وہاں ''ترکی میں اسلامی لہر اور اس کے یورپ پر اثرات'' سے متعلق موضوع پر ایک بھرپور مذاکرہ ہو رہا تھا۔ میں نے جس وقت انتظامیہ سے اس مذاکرے میں شرکت کی خواہش کا اظہار کیا تو انتظامیہ نے ایک پاکستانی مسلمان طالب علم کی حیثیت سے مجھے اس ہال میں جانے سے روک دیا جو عصر حاضر کے مستشرقین سے بھرا ہوا تھا۔ اس دن

میری اپوائنٹ منٹ شعبے کی چیئرمین مسز ڈاکٹر کرک سے تھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ ہدایات ان کی طرف سے تھیں۔ میں غالباً ان کی نظر میں ایک خطرناک مسلمان صحافی تھا جو سات سمندر پار سے اُن کے مقاصد اُڑانے آیا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ انتظامیہ کا ایک شخص مسٹر ڈیوڈ جو غالباً یہودی تھا مجھ پر مقرر کردیا گیا تاکہ میں مطلوبہ شعبے کے علاوہ ادھر ادھر نہ جاسکوں، مگر ہال میں پکنے والے فکری پکوان کی لپٹیں مجھ تک برابر آرہی تھیں۔ لائڈن یونیورسٹی کے اسلامی انسٹی ٹیوٹ کی عمارت میں ہی یہودیوں کا عبرانی شعبہ ہے۔ یہ شعبہ سارے کا سارا یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔ اس شعبے سے تعلق رکھنے والے یہودی اسلامی شعبے میں اس قدر دخیل ہیں کہ ان دونوں شعبوں پر ایک ہی شعبے کا گمان ہوتا ہے۔ اسلامی و عربی شعبے کی چیئرمین ڈاکٹر مسز کرک سے ملاقات ان کے دفتر میں ہوئی جہاں میں نے ان سے اس شعبے اور یہاں مقرر اساتذہ کے بارے میں چند سوالات کیے لیکن جوابات کے انداز سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ موضوع سے پہلوتہی کی جارہی ہے۔ بعض کتابوں اور مخطوطات کے بارے میں جب ان سے پوچھا گیا تو وہاں ان کی موجودگی سے صاف انکار کردیا گیا حالانکہ بعد میں وہ اس شعبے کی لائبریری سے ہی برآمد ہوئے۔ یونیورسٹی انتظامیہ کے اس رویے سے متعلق مجھے پیشگی اطلاع ایندھون کے اسلامی مرکز کے ڈائریکٹر جناب جلال عثمان کھیل سے ہوگئی تھی۔ اس لیے میں اس برتاؤ سے متعلق ذہنی طور پر پہلے ہی تیار تھا۔ ایک ہفتے کی مسلسل جدوجہد کے بعد میں اپنے مقاصد میں کسی حد تک کامیاب ہوسکا، بہرحال ایسے ماحول میں اتنا کچھ حاصل کرلینا میرے لیے کسی بڑی کامیابی سے کم نہیں تھا۔

اسی تگ و دو میں میری ملاقات ایک مراکشی مسلمان عبدالرحمٰن سے ہوئی جو ایک نومسلم امریکی محمد عبداللہ (فریڈرک) کے ساتھ عیسائیوں کے آئندہ منصوبوں پر کام کر رہے تھے۔ ان سے حاصل کردہ معلومات اسلامی دنیا کے "رواداز" مسلمان حکمرانوں اور عوام کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں، امریکہ اور یورپ نے سیکولرازم کے خول کے پیچھے بنیاد پرستی کا جو چہرہ چھپا رکھا ہے وہ اس قدر مہلک اور بھیانک ہے کہ آئندہ آنے والے پچیس سالوں میں اسلامی ممالک مکمل طور پر عیسائی مبلغین کی زد میں ہوں گے۔ موجودہ عیسائی منصوبے کے تانے بانے 1978ء میں شمالی امریکہ میں ہونے والی "تفصیر لوزان کانفرنس" سے جا ملتے ہیں۔ جدید دور میں عیسائیت کی تبلیغ کا نیا محاذ کھولنے کے لیے اس کانفرنس میں آئندہ منصوبہ بندی کی گئی۔ اس کانفرنس میں عیسائیت سے متعلق عقائد و کلیساؤں کی نمائندگی کرتے ہوئے 150 کے قریب ماہرین نے شرکت کی۔ یہ ماہرین دنیا کے مختلف حصوں سے اس کانفرنس میں شرکت کے لیے آئے تھے۔ کانفرنس کے دوران تمام عالم میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کے درمیان عیسائیت کی تبلیغ کے نئے طریقے وضع کرنے پر بھی غور و فکر کیا گیا۔ ان اغراض کو سامنے رکھتے ہوئے (سموئیل زویمر) کے نام سے ایک انسٹیٹیوٹ قائم کیا گیا ہے۔ امریکہ میں واقع اس انسٹیٹیوٹ کا مقصد صرف اس بات پر ریسرچ کرنا ہوگا کہ مسلمانوں کے عقائد کو کس طرح منہدم کیا جائے اور اس کے لیے کون کون سے طریقے اپنائے جائیں۔ 1978ء کے بعد سے عیسائی تنظیمیں ایک نئے ولولے اور جوش و خروش کے ساتھ اٹھی

ہیں۔ یورپ اور امریکہ سے اٹھنے والے اس فکری طوفان کا ہدف صرف اور صرف عالم اسلام ہے کسی وقت مغرب کی یہ فکری کارروائیاں خاموش اور پر اسراریت کی دھند میں لپٹی ہوتی تھیں مگر اب کسی حد تک علی الاعلان کام دکھایا جاتا ہے۔

آئندہ صدی کے پہلے نصف اوّل تک عیسائیوں نے کیا منصوبہ بندی کر رکھی ہے۔ 2025ء تک عیسائیت کی تبلیغ کے لیے کتنا بجٹ مختص کیا جائے گا؟ کتنے مبلغین اس سلسلے میں کام کریں گے؟ اس خوفناک منصوبے میں دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہزاروں عیسائی تنظیمیں اربوں ڈالر کروڑوں اناجیل اور دوسری مذہبی کتابیں اور مبلغین کی فوج شامل ہے جس کا سامنا بالعموم تمام دنیا اور بالخصوص عالم اسلام کو کرنا ہے۔ 1985ء سے شروع ہونے والی عیسائیوں کی نئی حکمت عملی سے متعلق تیرہ سال بعد 1997ء میں ایک رپورٹ شائع کی گئی ہے۔ اس رپورٹ میں عیسائی تنظیموں کی تمام دنیا میں کارکردگی اور اسے مزید فعال بنانے کے لیے سفارشات پیش کی گئی تھیں۔ یہ رپورٹ امریکہ میں (International Publishing about Christianity) نامی ایجنسی نے شائع کی۔ امریکی ریاست ورجینیا میں ریجنٹ یونیورسٹی کے شعبہ مذہبی لٹریچر کے استاد ڈیوڈ باریٹ نے اس رپورٹ میں لکھا ہے کہ ”دنیا میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے حالات موافق ہو رہے ہیں۔ 1996ء میں تقریباً 1.8 بلین اناجیل تمام دنیا میں تقسیم کی گئیں حالانکہ 1995ء میں عیسائیوں کو تبلیغ کے سلسلے میں کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ اس سال مسیح سے متعلق تمام دنیا میں 65571 کتابیں تقسیم کی گئی تھیں۔ ان میں 53904 کتابوں کے سرورق پر ”اسم مسیح“ مرقوم تھا۔

مستقبل کی صف بندی کرتے ہوئے عیسائی تنظیموں نے دنیا کے مختلف علاقوں کو چند مخصوص حصوں میں بانٹ دیا ہے تاکہ عیسائی مبلغین کو علاقائی رجحانات کی بنیاد پر وہاں بھیجا جا سکے۔ سب سے پہلے دنیا کے وہ علاقے اس تخصیص میں آتے ہیں جہاں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے کسی قسم کی مزاحمت نہیں ہوسکتی۔ دوسری قسم ایسے علاقوں کی ہے جہاں تھوڑی بہت دشواری پیش آسکتی ہے ان تنظیموں کی لسٹ میں دنیا کے ایسے علاقے بھی ہیں جہاں آج تک عیسائیت سے متعلق کوئی کام نہیں ہوسکا۔ یہ علاقے عیسائیوں سے متعلق معلومات کی بنا پر بالکل مجرد خالی ہیں۔ یہاں پر عیسائی مشنری تنظیمیں بھرپور انداز میں خدمات انجام دے رہی ہیں۔ گذشتہ 30 سالوں کے دوران بھی امریکہ اور یورپ میں عیسائی مشنریوں کے زیر انتظام ایسے ادارے قائم کیے گئے ہیں جہاں دنیا کے مختلف حصوں میں رہنے والے لوگوں کی عادات ثقافت اور ان کی لغات سے آگہی کی مبلغین کو تعلیم دی جاتی ہے۔ زیادہ زور اسلامی ملکوں سے متعلق اُمور پر صرف کیا جاتا ہے۔ عیسائی تنظیموں کے اعداد و شمار کے مطابق اس وقت دنیا کی غیر عیسائی آبادی 3.9 بلین افراد پر مشتمل ہے۔ اس میں سالانہ 47 ملین کا اضافہ ہوتا ہے یعنی 129,000 غیر عیسائی روزانہ پیدا ہوتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق اس صدی کے آخر تک یعنی 2000ء تک غیر عیسائی لوگوں کے تناسب میں اضافہ 4 بلین تک پہنچ جائے گا جبکہ 2025ء تک یہ اضافہ 5.2 بلین تک

ہو جائے گا۔

دنیا کے 81 فیصد لوگ کسی نہ کسی طرح مذہب کے ساتھ منسلک ہیں جبکہ ملحدین (لادینی عناصر) کی تعداد تقریباً 1110 ملین افراد پر مشتمل ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق اس وقت دنیا بھر میں پندرہ ہزار مذاہب یا دینی تحریکیں وجود رکھتی ہیں' ان میں بے شمار مذہبی تحریکیں ایک دوسرے سے برسر پیکار بھی ہیں۔ اس کے علاوہ روزانہ کوئی نہ کوئی مذہبی تحریک عیسائیت کے مقابلے میں صف آرا ہوتی ہے۔ ان عوامل کی بنیاد پر عیسائی مشنریوں کو مطلوبہ علاقوں میں خاطر خواہ کامیابی نصیب نہیں ہو رہی۔ اسلامی ملکوں میں کامیابی کا تناسب عیسائیت کی تبلیغ کے سلسلے میں سب سے کم ہے۔

فروغ عیسائیت کے جدید مشن کے بارے میں ہوسکتا ہے عیسائی مشنریاں سال یا دو سال بعد نئی کامیابیوں کا اعلان کریں کیونکہ اس دوران تمام دنیا میں انہوں نے بڑے بڑے اجتماعات منعقد کرنے ہیں۔ نئے ٹی وی چینلوں اور لٹریچر کے ذریعے "مسیح کا پیغام" دنیا میں عام کرنا ہے' یقیناً ان تمام کارروائیوں کا ترجمہ دنیا کی دوسری زبانوں میں بھی کیا جائے گا۔ ہم اسے اس طرح تصور کرسکتے ہیں کہ تمام دنیا کے 24 ملین پتوں پر 360 زبانوں میں ترجمہ کر کے عیسائیت سے متعلق لٹریچر بھیجا جائے گا۔ ہر سال اس موضوع پر 9 لاکھ مختلف کتابیں شائع ہوں گی۔ اس تسلسل کے ساتھ 65 ہزار 571 مختلف کتابیں صرف اور صرف "مسیح علیہ السلام" کی حیات کے بارے میں ہوں گی' یہ مجموعی اشاعت کا صرف دو فیصد ہے۔ دنیا کے 73 فیصد غیر عیسائی لوگ جن میں بچے اور جوان شامل ہیں' پڑھ لکھ سکتے ہیں۔ 15 فیصد ایسے ہیں جو پڑھ سکتے ہیں مگر ان کے پاس دنیاوی مشغولیات کی وجہ سے اتنی فرصت نہیں کہ وہ "مسیح علیہ السلام" کی زندگی کے بارے میں جان سکیں۔

1- امریکہ اور یورپ کی مشنری تنظیمیں مطلوبہ علاقوں میں مقامی تنظیموں سے زیادہ مربوط نہیں تھیں جس کی وجہ سے انہیں غیر عیسائی علاقوں میں زیادہ کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی تھی مگر اب انہوں نے مقامی تنظیموں کے ساتھ مل کر ایک نیٹ ورک تشکیل دے رکھا ہے۔ دنیا بھر میں موجود کلیسائیوں سے رابطہ کو ممکن بنانے کے لیے جدید ترین مواصلاتی طریقے اپنائے جا رہے ہیں۔

2- مغربی مشنریوں کے مطابق غیر عیسائی علاقوں میں انہیں پہلے جو کامیابی حاصل نہ ہوسکی' اس کی بڑی وجہ مقامی مبلغین پر ضرورت سے زیادہ انحصار ہوسکتا ہے۔ اس لیے انہوں نے سب سے پہلے مقامی مبلغین کی تربیت کے لیے بڑے بڑے بجٹ مختص کیے تاکہ مطلوبہ علاقوں پر پوری طاقت کے ساتھ اثر انداز ہوا جاسکے۔

اس وقت امریکی اور یورپی مشنری اتحاد نے آئندہ 2025ء تک جو منصوبہ تشکیل دیا ہے اس کے مطابق عیسائیت کو تمام دنیا میں پھیلانے کے لیے 870 بلین ڈالرز 10 ہزار ٹی وی اور ریڈیو اسٹیشن' 70 لاکھ مبلغین اور لاکھوں کی تعداد میں کتابوں کی تقسیم شامل ہے۔ صرف 1996ء میں امریکی مشنری تنظیموں

کا امریکہ سے باہر کا بجٹ مندرجہ ذیل ہے:

Name	Budget
World Vision	212.9 million dollar
Southern Baptist Convent	165.7 million dollar
Assemblies of God	96.3 million dollar
Seventh Day Adventist	72.2 million dollar
Wycliff Bilde Translation USA	57.2 million dollar
Churches of Christ .	52 million dollar
MAP International	50.1 million dollar
Church World Service	47.8 million dollar
Campus Crusades for Christ	45.5 million dollar
Compassion International	44 million dollar

امریکی مشنری تنظیم اتحاد کے رکن ڈاکٹر ڈیوڈ باریٹ کے مطابق ”غیر عیسائی علاقوں میں تبلیغ کی کارروائیاں اس وقت تک موثر نہیں ہوسکتیں جب تک مجموعی طور پر اس کا علاج دریافت نہ کیا جاسکے۔ ڈاکٹر ڈیوڈ کے مطابق نصرانیت کے فروغ کے لیے اس وقت تمام دنیا میں تقریباً 5151000 افراد خدمات انجام دے رہے ہیں۔ دنیا کے پندرہ ہزار ادیان کا سامنا کرنے کے لیے کم از کم چار ہزار مبلغ ایک بڑے شہر کے لیے درکار ہیں۔“

ڈاکٹر ڈیوڈ باریٹ کے اس فکر انگیز تجزیئے کو جاننے کے بعد صاف اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صلیبی ایک مرتبہ پھر فکری میدان میں اسلام کے خلاف اپنے آپ کو منظم کر رہے ہیں۔ عیسائیت کی تبلیغ کا بڑا ہدف اس وقت افریقہ ہے جہاں بھوک اور افلاس سے تنگ آئے ہوئے لوگ امداد کے لالچ میں اپنا دین وعقیدہ داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ ”مسیح کا پیغام“ پہنچانے کے لیے ان کے پاس 3400 مواصلاتی چینل ہیں۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کے پاس کیا ہے؟ ہالینڈ اور بلجیم میں مشنری تنظیمیں وہاں آئے ہوئے تارکین وطن خصوصاً مسلمانوں کے درمیان عیسائیت کی تبلیغ پر خصوصی توجہ دیتی ہیں۔ ہالینڈ کی ایک عیسائی تنظیم کا کام صرف تارکین وطن کے فلیٹوں اور گھروں میں جاکر ”مسیح کا پیغام“ سنانا ہے۔ عیسائی ہونے والے غیر ملکی کو فوراً ہر طرح کی سہولت پہنچا دی جاتی ہے۔ اور اس ملک کی شہریت کا حصول اس کے لیے آسان تر کر دیا جاتا ہے۔ مغرب کی اس شوریدہ سری کے لیے ہم کس حد تک تیار ہیں؟ یہ سوال ہمیں اپنے آپ سے پوچھنا چاہیے۔“ (از محترم محمد انیس الرحمٰن صاحب بحوالہ ندائے ملت، 8 جنوری 1998ء)

ڈاکٹر نادر رضا صدیقی (پی ایچ ڈی)

پاکستان میں عیسائیت کا احوال

یوں تو دنیا بھر میں عیسائی مشنریاں مختلف انداز سے رات دن تبلیغ عیسائیت میں مصروف ہیں۔ اس مقصد کے لیے نت نئے منصوبے عمل میں لاتے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں امریکہ کی ایک تنظیم نے دس ارب روپے سے ایک جامع منصوبہ بنایا ہے۔ اس قسم کے مختلف منصوبوں کی روشنی میں اس بات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ پاکستان ان سے کس حد تک متاثر ہو رہا ہے۔ اس کے تمدنی وتہذیبی اور سماجی و معاشرتی معاملات پر کیا اثر پڑ رہا ہے۔ کسی قوم کے لیے سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ وہ صحیح شعور سے خالی ہو۔ ایک ایسی قوم (جیسی کہ پاکستانی قوم ہے) جو ہر طرح کی صلاحیتیں رکھتی ہو اور دینی و دنیاوی دولتوں سے مالا مال ہو لیکن اس کو نیک و بد اور اچھے و برے کی تمیز نہ ہو وہ اپنے دوست و دشمن کو نہ پہچانتی ہو مزید برآں پچھلے تجربوں سے فائدہ اٹھانے کی بصیرت سے محروم ہو۔ دوسری جانب یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب کسی معاشرے یا ملک کا شعور بیدار ہو جاتا ہے تو اس سیلاب کا سامنا بڑی سے بڑی قوت کے لیے ناممکن ہو جاتا ہے۔

اس جگہ فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا عیسائی مبلغین کی "انسانیت نواز" یہ خدمات اور کیا مغربی ممالک کی ہر شعبہ زندگی میں امداد کا مطلب یہ ہے کہ نوزائیدہ پاکستان اپنے نظریہ حیات کے ساتھ نہ صرف قائم و دائم رہے اور ترقی یافتہ بن جائے یا ان تمام تر نوازشات کا مقصد یہ ہے کہ یہ ملک اپنا تاریخی تشخص ختم کر کے مغرب زدہ بن جائے اور اس کا اپنی مذہبی وتمدنی روایات سے تعلق اس حد تک کمزور پڑ جائے کہ ایک پاکستانی اپنی تاریخی وتہذیبی ورثہ کو حقارت سے دیکھنے لگے۔

7- پریس بی ٹیرین

جان ناکس 1505ء میں پیدا ہوا۔ یہ رومن کیتھولک پادری تھا لیکن پادریوں کی دنیا پرستی، بداخلاقی اور بے راہ روی نے اسے کلیسا سے منحرف کر دیا اور وہ بڑی دلیری سے پادریوں پر نکتہ چینی کرتا جس کے نتیجہ میں اسے جلاوطن ہونا پڑا۔ اٹھارہ سال تک گرفتار بھی رہا۔ بعد میں جنیوا چلا گیا جہاں کالون

کے نظریات پر خوب غور و فکر کرتا رہا۔ ملکہ الزبتھ کے زمانہ میں یہ انگلستان واپس آیا اور کالونی طرز کے کلیسا کی بنیاد ڈالی۔ اس کلیسا کو پریس بی ٹیرین کہتے ہیں۔ اس نظام کلیسا میں حکومت اور چرچ دونوں شامل ہوتے ہیں جس سے عوام کے حقوق محفوظ رہتے ہیں۔ عمال کو خادم اور عوام کو مخدوم سمجھا جاتا ہے جان ناکس کے خیال میں زمانہ کے تقاضہ کے مطابق حکومت اور کلیسا میں تبدیلی ہونی چاہیے۔ اس نے عبادتوں میں قابلِ ذکر حد تک آزاد خیالی پیش کی۔

پنجاب پر انگریزوں (ایسٹ انڈیا کمپنی کے کارکنوں) سے قبل 1849ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے دریائے ستلج کے اس پار جالندھر میں کام کرنے والے مشنریوں میں سے پادری لوری کو خاص طور پر لاہور بلوایا۔ اس کے اعزاز کے لیے ایک ہاتھی اور سواروں کا دستہ بھیجا۔ پادری لوری سے مہاراجہ نے سکھ بچوں کے لیے انگریزی تعلیم کے لیے سکول کھولنے کے لیے کہا......

اور اس مقصد کے لیے دو ہزار سے زائد رقم بھی دی۔ لیکن پادری لوری نے اس لیے انکار کیا کہ مہاراجہ بائبل کی تعلیمات کو سکول میں پسند نہیں کرتا تھا۔ مگر اس واقعہ کے صرف پندرہ برس بعد ہی پریس بی ٹیرین فرقہ نے لاہور میں اپنا پہلا سکول سابقہ قصر شاہی "رنگ محل" میں قائم کیا۔ سکھ حکومت کا عیسائیوں نے خاتمہ کر دیا تھا' اور انگریزوں کی حکومت کا عہد شروع ہو گیا تھا۔

لاہور کو جان نیوٹن اور چارلس فورمین نے جو امریکن پریس بی ٹیرین فرقہ کے مشنری تھے' اپنا مرکز بنایا۔ اس کے بعد شاہدرہ اور شرقپور کو۔ 1856ء میں راولپنڈی پر تسلط حاصل کیا گیا اس کے بعد مری پر ان دونوں مقامات کو 1891ء میں یونائیٹڈ پریس بی ٹیرین مشن (یو۔ پی) کے حوالہ کیا گیا۔ 1893ء میں قصور پر بائبل و میڈیکل مشنری فیلوشپ نے قبضہ کیا جو 1900ء میں امریکن پریس بی ٹیرین (اے۔ پی) کا سب سٹیشن قرار دیا گیا۔ قصور کو عیسائیت کے لحاظ سے بہت زیادہ پھل دینے والا علاقہ قرار دیا گیا۔

اس فرقہ نے دو ذرائع پر بہت زیادہ توجہ دی (1) تبلیغ (2) تعلیم۔ چالیس برس تک اس کے مشنری بازاروں' گلی کوچوں میں تبلیغ عیسائیت کرتے رہے۔ تعلیمی میدان میں رنگ محل ہائی سکول پھر فورمین کرسچین کالج اور ان کے بعد تقریباً بیس شاخیں کام کرنے لگیں' جن میں 1675 طلبا تعلیم پاتے تھے۔ 1929ء کی جنرل اسمبلی کی رپورٹ ہے:

> "مشن کے اس عظیم مقصد کا عکس کہ کرسچین تعلیم کے ذریعہ "خدا کی بادشاہت" کو پھیلایا جائے اور اس کی کلیسا کو قائم کیا جائے۔ اس بجٹ میں جھلکتا ہے جس میں غیر ملکی سٹاف کو چھوڑ کر پچیس لاکھ روپیہ سالانہ کا 47 فیصد صرف تعلیم و مدارس پر صرف کیا جاتا ہے' جبکہ خالص تبلیغی ایجنسیوں کو اکیاسی ہزار روپیہ زیادہ دیا جاتا ہے۔"

ان سکولوں کے قیام کے مقصد کو اسٹاک واضح طور پر بیان کرتے ہیں:

> "طلبہ پر اثر ڈالا جائے کہ وہ مسیح (علیہ السلام) کو نجات دینے والے کی حیثیت سے تسلیم کریں۔ نصاب میں بائبل کی تعلیمات اور عیسائی اخلاق شامل تھے۔

روزانہ کی عبادت میں سب کو شریک ہونا پڑتا تھا اور ہر استاد اپنی ذاتی ذمہ داری محسوس کرتا تھا کہ ہر طالب علم یسوع مسیح کو "ماننے" کا فیصلہ کرے۔"

اس کے علاوہ رنگ محل ہائی سکول کا سٹاف ہر روز سکول کے باہر گلیوں میں عیسائیت کی تبلیغ پابندی سے کرتا تھا۔ اس فرقہ کی تبلیغ کے تیز وتند و جارحانہ رنگ ڈھنگ کی وجہ سے سکول کو کچھ عرصہ کے لیے بند کرنا پڑا تھا۔ 1925ء تک اس فرقہ کے مشنریوں نے انیس ہزار افراد کو بپتسمہ دیا' جن میں سے بارہ ہزار یا 63 فیصد صرف قصور ضلع میں رہتے تھے۔ پریس بی ٹیرین نے اپنی پہلی "سنڈ" 1901ء میں امریکی چرچ کی غیر منقسمہ جز کی حیثیت سے قائم کی۔ 1924ء میں پنجاب پریس بی ٹیرین چرچ' لاہور پریس بی ٹیرین آف دی یونائیٹڈ چرچ آف نارتھ انڈیا میں تبدیل ہوا۔ پھر 1951ء' 1958ء اور 1960ء میں اس میں مزید تبدیلیاں آئیں۔

8- دی ایسوسی ایٹ ریفارمڈ پریس بی ٹیرین چرچ (اے۔ ار۔ پی)

اس مشن نے مس مِنی الگو ینڈر کو موجودہ پاکستانی علاقہ میں بھیجا تھا کہ وہ اپنی پسند کے علاقہ میں اس مشن کے کام کا آغاز کرے۔ ڈاکٹر یوسنگ نے ساہیوال (سابقہ منٹگمری) کی چار تحصیلوں میں سے دو تحصیلوں کا علاقہ اس مشن کے کام کے لیے مس مِنی کو دیا۔ اس کے علاوہ اپنے تجربہ کار اور علاقہ سے واقف مشنری بھی دیئے۔

. اس چرچ نے بھی چوہڑوں کی طرف توجہ دی اور 1921ء تک ان عیسائیوں کی تعداد اکتالیس ہزار سے زائد ہوگئی تھی جو اس فرقہ کے عقیدے و مسلک کے مطابق بنائے گئے تھے۔ 1901ء سے 1911ء تک تقریباً اسی لاکھ افراد صرف پنجاب میں ہیضہ و طاعون کا شکار ہوئے تھے۔ اے۔ آر۔ پی مشن نے لوگوں کے علاج معالجہ کی طرف بہت زیادہ توجہ دی۔ ایک چھوٹی ڈسپنسری عورتوں اور بچوں کے لیے کھولی گئی جو 1917ء میں نینسی فل وڈ میموریل ہسپتال کے نام سے مشہور ہوئی۔

اسی طرح دیہاتوں میں سکولوں کا سلسلہ جاری کیا جو عیسائی قیادت کو ابھارنے میں بہت مفید ثابت ہوا۔ عیسائی لڑکیوں کے لیے ساہیوال میں ایک بورڈنگ کھولا گیا۔ 1916ء میں کینال کالونی میں تین دیہات قائم کیے گئے جن میں ایک کا نام دین سن آباد ہے۔

اس فرقہ نے چماروں کی طرف خاص توجہ دی جو میگھ ذات کے تھے اور جو یوپی مشن کے علاقہ میں رہتے تھے۔ 1970ء میں چماروں کی ایک اور ذات میگھ وار نے عیسائیت قبول کرنے میں بہت دلچسپی ظاہر کی جو لیاقت پور (بہاولپور کے علاقہ) میں رہتے تھے۔ چنانچہ کچھ مشنریوں کو وہاں بھیجا گیا۔ ان کے علاوہ بواری اور بھیل بھی جو "تھوری" کے نام سے مشہور ہے عیسائی بنائے گئے۔ گاگرے ذات کے افراد جو تمام پاکستان میں سب سے زیادہ ساہیوال ضلع میں رہتے ہیں' عیسائی مبلغوں کی جدوجہد سے آج بھی حلقہ بگوشِ عیسائیت ہوتے جا رہے ہیں۔

9- دی پینٹوکوسٹل چرچز

یہ کلیسائیں فل گاسپل اسمبلیز' دی پاکستان اسمبلیز آف گاڈ' دی یونائیٹڈ پینٹوکوسٹل چرچ ان پاکستان وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ پاکستان میں کئی مختلف پینٹوکوسٹل کلیسائیں ہیں جن میں سے چند مشن سے وابستہ ہیں اور باقی دیسی ہیں۔

دی سکنڈی نیوین فری مشن نے پاکستان میں 1943ء سے اپنے کام کا آغاز کیا۔ اور 1960ء میں سکینڈی نیویا کے دوسرے پینٹوکوسٹل فرقوں مثلاً دی اورے بروشن آف سویڈن سے الحاق و اشتراک کر دیا۔ یہ فرقے مسلمانوں میں انجیلی کام کو انجام دیتے ہیں۔ ان کی بیماریوں سے شفا بخشنے کی خدمات بہت سے غیر عیسائیوں کے لیے پرکشش اہمیت رکھتی ہیں اور مسلمانوں کو بھی متاثر کرتی ہیں۔ حتیٰ کہ وہ بپتسمہ حاصل کر کے عیسائی ہو جاتے ہیں۔

گو ان مشنز نے بڑے بڑے طبی و تعلیمی اداروں کو قائم کرنے سے گریز کیا۔ لیکن اپنا زیادہ زور تعلیم بالغاں پر دیا۔ یہ مشنز نہ صرف شہروں بلکہ دیہاتوں میں بھی "اساتذہ" کو مالی امداد دیتے ہیں۔ ویسے انہوں نے چھوٹی چھوٹی سطح کے کئی پرائمری سکول قائم کیے۔ نیز کلینک اور ڈسپنسریوں کے علاوہ بچوں کی نگرانی کا ایک مرکز' ایک ہاسٹل فیصل آباد میں چلاتے ہیں' جو ان دیہاتی بچوں کے لیے ہے' جو فیصل آباد کے سرکاری سکولوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ مزید برآں لاہور میں بائبل سکول بھی کھولے ہوئے ہیں جہاں پادریوں کو ٹریننگ دی جاتی ہے۔ انہیں غیر ملکی فنڈ سے بہت زیادہ امداد ملتی ہے۔

برٹش اسمبلیز آف گاڈ کی جانب سے ایک مشنری جوڑا حیدر آباد سندھ میں کام کر رہا ہے جو عیسائی لٹریچر کے ذریعہ تبلیغ میں مصروف ہے۔ ان سے بڑا گروہ پنجاب میں سرگرم عمل ہے۔ یونائیٹڈ پینٹوکوسٹل چرچ ان پاکستان جو صرف یسوع مسیح کے نام پر بپتسمہ دیتا ہے۔ (مخفی نہ رہے کہ عام طور پر باپ' بیٹا اور روح القدس کے نام پر بپتسمہ دیا جاتا ہے) لاہور میں پانچ مشنریوں کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ یہ چرچز اپنے مشنریوں کی تعداد بڑی تیزی سے بڑھا رہے ہیں۔ اور ان میں روز بروز اضافہ کیا جا رہا ہے۔

10- دی پاکستان مشن آف انٹرنیشنل فارن مشنز ایسوسی ایشن

یہ مشن امریکہ سے پاکستان 1954ء میں آیا۔ باوجودیکہ یہ کسی کلیسا سے وابستہ اعتقادی مشن نہیں ہے تاہم اس کی خصوصیات میں غیر فرقہ واریت کے علاوہ تبلیغ و تشہیر عیسائیت شامل ہے۔ اس نے پاکستان آنے کے ساتھ ہی مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازی خاں کے اضلاع میں کام سنبھالا جس کو سی۔ ایم۔ ایس (چرچ مشن سوسائٹی) انجام دیتا تھا۔ اس علاقہ میں مسلمانوں کی اکثریت کے علاوہ پنجاب کے جاروب کش عیسائی بھی (روزگار کے سلسلہ میں) آباد ہیں جن کی تعداد دو ہزار سے زائد تھی۔ اس مشن نے اپنی تمام تر توجہ تبلیغ عیسائیت پر مرکوز کر دی اور اداروں کے قیام سے صرف نظر کیا۔

اس مشن کی دو خواتین مشنریوں نے کئی سال تک ایک کلینک چلاتے ہوئے دیہاتیوں کی غیر عیسائی عورتوں میں تبلیغ کا کام کیا' جس کی بدولت انہیں ان کے الفاظ میں "اچھے نتائج" حاصل ہوئے اور غیر عیسائی خواتین کی زندگیاں تبدیل ہوئیں۔ جب چند عورتوں نے علی الاعلان قبولِ عیسائیت کا اظہار کیا تو ان پر ان کے خاندان والوں نے "ظلم وستم توڑے" بقول ان کے "چند" مسلمانوں کو بھی بپتسمہ دیا گیا۔

11- دی پاکستان کرسچین فیلوشپ آف دی انٹرنیشنل کرسچین فیلوشپ سابقہ نام دی سیلون اینڈ انڈیا جنرل مشن

یہ مشن انجیلیکن فرقہ کی دعوت پر پاکستان میں 1955ء میں داخل ہوا۔ اس فرقہ نے اس مشن کو رحیم یار خان اور بہاولپور کے ایک حصہ کے تبلیغی کام کی ذمہ داری سونپی۔ یہ مشن غیر فرقہ داری لیکن تبلیغی ذہنیت و اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے کارکن کے مختلف ممالک سے آتے ہیں' جو پنجابی عیسائیوں کے چھوٹے چھوٹے گروپس کی سرپرستی ونگرانی کرتے ہیں۔ ایک پورا عیسائی دیہات بھی ان کی نگرانی میں دے دیا گیا۔ 1965ء سے اس مشن نے پست کردہ اقوام مثلاً مارواڑی بولنے والے بھیلوں میں کام کرنا شروع کیا۔ یہ مشن کنزرویٹو بپٹسٹ فرقہ سے سرگرم اور قریبی تعاون کے ذریعہ کام کر رہا ہے۔ کئی سالوں سے بائبل سکول چلا رہا ہے' جو ہفتہ کے سات دن کھلا رہتا ہے تاکہ بائبل کی تعلیمات سے بھیلوں کو زیادہ سے زیادہ روشناس کرایا جاسکے۔ اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے اور بھیلوں میں بپتسمہ لینے کی تعداد بڑھ گئی۔ یہ مشن مقامی زبانوں میں لٹریچر کا ترجمہ بھی کرتا ہے' چنانچہ بائبل کا کچھ حصہ اور کئی ٹریکٹس کا ترجمہ مارواڑی زبان میں تقسیم کیا گیا۔ مناجات کی کتاب کا مارواڑی' پنجابی اور اردو میں بھی ترجمہ ہوا' جو مقبول ومشہور ہوا۔

اس مشن نے تعلیم بالغان کی طرف توجہ دی اور ایک ابتدائی کتاب مارواڑی میں تیار کی۔ اس نے پنجابی عیسائیوں کو قبائلی علاقوں میں تبلیغ کی راہ پر ڈال دیا۔ رحیم یار خان اور صادق آباد کی پنجابی جماعتوں کے ممبر رضاکارانہ طور پر تبلیغی مہم اور بائبل سکول میں حصہ لیتے ہیں۔ ایک عیسائی مورخ لکھتا ہے کہ ابھی اس مشن نے قبائلی لوگوں کی طرف بھرپور توجہ نہیں دی جو قبولِ عیسائیت کے لیے تیار و آمادہ ہیں۔ اگر اس مشن نے اپنے مشنریوں کو زیادہ تعداد میں ان پست کردہ اقوام پر مامور کیا تو وہ بہت زیادہ عیسائی بنا سکے گا۔

12- دی ایونجیلیکل الائنیز مشن (ٹی۔ای۔اے۔ایم ث سابقہ نام (سکینڈی نیوین الائنیز مشن)

1946ء میں یہ مشن امریکہ سے پاکستان (پنجاب) آیا یہ غیر فرقہ داری مشن ہے جس کو

یونائیٹڈ پریس بی ٹیرین (یو۔ پی) فرقہ کا تعاون حاصل ہے۔ یو۔ پی فرقہ نے اس مشن کے افراد کو اپنے مراکز میں اور اداروں میں اس نظریہ کے ساتھ کام کروایا کہ وہ تجربہ حاصل کرتے ہوئے آخر کار بالکل آزادانہ طور پر تبلیغی کام کریں' اور خاص طور پر مسلمانوں میں۔ 1949ء میں اس مشن کو ہزارہ ضلع کا علاقہ سپرد کیا گیا۔ اس کے بعد 1957ء میں کیمبل پور کا ڈویژن۔ اس مشن نے اپنی پوری توجہ اس علاقہ کے مسلمانوں پر مرکوز کی۔ اس نے ایبٹ آباد کے علاقہ میں بھی کام شروع کیا' اور اپنے کام کو مسلمانوں میں موثر و فعال بنانے کے لیے غیر ملکی پنتالیس سے زائد مشنریوں کو تبلیغ کا کام سپرد کیا۔ جب اس مشن نے یو۔ پی فرقہ سے ایبٹ آباد کے علاقہ کا چارج لیا تو وہاں کا مشن سکول بھی اس کے حصہ میں آیا۔

یہ امر خصوصی توجہ کا مستحق ہے کہ جب حکومت پاکستان نے مشن سکولوں کے مسلمان طلبہ و طالبات کو اسلامیات کی تعلیم کا پابند کیا تو فوراً اس مشن نے اس سکول میں مخلوط تعلیم کو رائج کر کے صرف عیسائیوں کے لیے مختص کرنے کا انتظام کیا۔ چنانچہ آج کل یہ سکول پاکستان میں مستقبل کے عیسائی لیڈر تیار کر رہا ہے۔

یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی کہ جب 1972ء میں پاکستان میں سکولوں کو قومیانے کا کام شروع ہوا تو صوبہ سرحد کے سکولوں کو بالکل مستثنٰی رکھا گیا' اور صوبہ بھر میں کسی بھی عیسائی سکول و تعلیمی ادارے کو قومیایا نہیں گیا۔

اس مشن نے مسلمانوں میں تبلیغ کا کام بڑی شد و مد سے کیا۔ اس کے مشنریز اردو اور ''ہندکو'' (ضلع ہزارہ کی مقامی بولی) پر اچھی مہارت رکھتے ہیں۔ انہوں نے اس تمام علاقہ کا دورہ کر کے جہاں تک ممکن تھا انجیل کو لوگوں تک پہنچایا۔ راولپنڈی' مری' ایبٹ آباد اور قلندر آباد کے ہسپتالوں میں دار المطالعے اور کتاب گھر قائم کیے تاکہ مسلمان نہ صرف عیسائی لٹریچر کا مطالعہ کریں بلکہ ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ان لوگوں کو مواقع فراہم کیے جائیں جو تنہائی میں عیسائیت کے متعلق تشفی حاصل کرنا چاہیں۔ ایک پادری کے موجب یہ طریقہ پاکستان میں بڑا کامیاب رہا ہے۔ اس سے نہ صرف مسلمان افراد نے عیسائیت قبول کی بلکہ لٹریچر بہت زیادہ فروخت ہوا۔ قلندر آباد کے ہسپتال کا تبلیغ عیسائیت کا پروگرام بہت پر کشش ہے۔ روزانہ مریضوں اور ان کے رشتہ داروں کو نہ صرف تبلیغ کی جاتی ہے بلکہ تعلیم بھی دی جاتی ہے اور یہ کئی مقامی بولیوں میں دی جاتی ہے۔ چنانچہ 1969ء تک بائیس مسلمان اپنا آبائی دین چھوڑ کر عیسائیت قبول کر چکے تھے۔ اس تعداد کو عیسائی بہت ''کم'' سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اس پر غور کر کے مسلمانوں کے عقائد میں دخیل ہونے کے نئے طریقے و ضابطے ترتیب دینے پر زور دیا۔ وہ ان اصولوں کے ذریعہ بقول ان کے مسلمانوں کی مزاحمت کی دیوار میں شگاف و دراڑیں ڈالنا چاہتے ہیں۔

13- دی انڈس کرسچین فیلوشپ

''دی کنزرویٹو بپسٹ مشن (امریکہ) نے اپنا تبلیغی کام پاکستان میں سندھ کے بالائی حصہ اور

دریائے سندھ کے مغربی حصہ سے 1954ء سے شروع کیا۔ اس مشن کو انجیلیکن فرقہ نے پاکستان آنے کی دعوت دی تھی۔ یہ فرقہ خود بھی اس علاقہ میں کام کرتا تھا چونکہ ان علاقوں میں مسلمانوں کی بہت زیادہ اکثریت ہے۔ اس لیے اس مشن نے اپنی تمام تر توجہ ان مسلمانوں پر لگادی۔ عیسائی لٹریچر ٹریکٹس' کتابچے اور انجیلوں کا ترجمہ نہ صرف اردو بلکہ سندھی زبانوں میں بھی کیا اور انہیں بے تحاشا تقسیم کیا گیا۔ عیسائی جماعتیں اس لٹریچر کو جانوروں کے میلے اور مذہبی تہواروں (عرس وغیرہ) میں جا کر مجمع لگا کر فروخت کرتی ہیں۔ اس مشن نے انہی مساعی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ سندھی بولنے والوں کے لیے خاص طور پر بائبل خط و کتابت اسکول قائم کیا' جس کے ذریعہ سندھی' اردو اور انگریزی میں اسباق اور لٹریچر تقسیم کیا جانے لگا۔ بائبل سکول میں انرولمینٹ کی تعداد تیزی سے بڑھی جس کا مطلب (ان کے الفاظ میں) یہ ہوا کہ خدا یسوع مسیح نے کئی اہم شخصیتوں کو اپنی خدمت اور کام کے لیے کھینچ لیا۔

ان کے مشنریوں نے اردو کے علاوہ سندھی زبان میں بھی مہارت حاصل کر کے لوگوں سے رابطہ قائم کیا۔ نصف مشنریوں نے سندھی کو پہلی زبان کی حیثیت سے اور نصف نے اردو کو پہلی زبان کی حیثیت سے سیکھا اور پنجابی کو اضافی زبان کی حیثیت سے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پنجابی جاروب کش (سویپرس) اور مزدور جو زرعی فارموں میں کام کرتے ہیں' ان کو بھی یہ مشنری مذہبی تعلیم دینے لگے۔

اس مشن نے اس علاقہ میں رہنے والے بازیگروں اور مداریوں کو بھی تبلیغ کی جو عیسائیت میں بہت دلچسپی لینے لگے۔ بگاری ذات کے لوگوں کو بپتسمہ دیا۔ بائبل خط و کتابت سکول کے ذریعہ "دوم جی" نامی ایک بااثر بھیل نے عیسائیت قبول کی۔ وہ اس حد تک متاثر ہوا کہ اس نے ایک مشنری کو بلا بھیجا کہ وہ اس کے دیہات میں جو گھوٹکی کے قریب تھا عیسائیت کی تعلیم دے۔ چنانچہ ایک دیسی پادری کو ایک ہفتہ کے لیے اس دیہات میں بھیجا گیا اس نے تعلیم دی اور واپسی پر راستہ میں مارواڑی بھیلوں کو بھی بپتسمہ دیا' جس کی وجہ سے اس دیسی پادری میں مذہبی جذبہ اور بڑھا۔ اسی دوران کنزرویٹو بپٹسٹ رے بوکر کو مارواڑیوں پر کام کرنے کی ذمہ داری سونپی۔ اس نے "دی مارواڑیز" نامی ایک تحقیقی مقالہ تیار کیا جس میں بتایا گیا کہ 1966ء کے آخر تک کئی سو مارواڑی یسوع مسیح کو اپنا نجات دہندہ تسلیم کر کے ان پر ایمان لائے:

"ایک غیر ملکی مشنری بیان کرتا ہے کہ "1965ء اور 1971ء کی پاک و ہند کی جنگوں کے درمیان ان قبائل نے جو اصلاً ہندو تھے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ وہ مسلمان اکثریت کے درمیان رہتے ہوئے غیر محفوظ ہیں اور کسی وقت بھی ان کے الفاظ میں مسلمانوں کی رائے ان کے بارے میں بدل سکتی ہے' عیسائیت کی طرف رجوع کیا۔ اس طرح تحفظ کے خیال سے علانیہ طور پر بہت سے لوگ عیسائی ہوگئے۔ اس کے بعد 72ء کے آخر تک کئی سو مارواڑی بھیلوں کو بپتسمہ دیا گیا۔ پھر بھی کنزرویٹو بپٹسٹ کو چاہیے کہ بالائی سندھ میں رہنے والے مزید بیس ہزار مارواڑی بھیلوں کو عیسائی بنانے کے لیے مشنریوں اور بجٹ پر غور کرے۔"

دادو ضلع میں اوڈ قبیلہ پر بھی کام کیا گیا۔ بائبل کارسپانڈنس کورس کی بدولت ایک نوجوان تعلیم یافتہ رنجاہ اوڈ نے انجیل میں دلچسپی ظاہر کی تھی' اور 1959ء میں اس نے باقاعدہ بپتسمہ دیا تھا۔ اس کے ساتھ رشتہ داروں کو بھی بعد میں عیسائی بنایا گیا خود رنجاہ نے تبلیغ میں پر جوش دلچسپی ظاہر کی تھی۔ 1969ء میں مسٹر اور مسز ونٹرس کو دادو ضلع میں مستقل رہائش کے لیے اس ہدایت کے ساتھ بھیجا گیا کہ وہ اس مہم کی حوصلہ افزائی کریں۔ اس طرح سے تین برسوں میں رنجاہ کے مزید ساٹھ رشتہ داروں کو عیسائی بنایا گیا۔

اس دوران طبی کام کو بھی فروغ دیا گیا تاکہ مزاحمت کرنے والی اکثریت تک رسائی حاصل کی جاسکے۔ ابتداء میں چھوٹے چھوٹے دواخانے قائم کیے گئے۔ لیکن بعد میں ان کی جگہ شکارپور کرسچین ہسپتال بنایا گیا جو 1971ء سے پوری "صلاحیت" سے کام کرنے لگا۔

آخر میں کنزرویٹو بپٹسٹ مشن سے کہا گیا کہ کارکنوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے تاکہ عیسائیت کا بیج بو کر اس کی بہترین فصل کاٹی جاسکے۔ عقلمندی یہ ہے کہ زرخیز زمین میں کاشت کی جائے تاکہ اچھی فصل حاصل کی جاسکے' بہ نسبت اس کے کہ غیر زرخیز زمین پر محنت کی جائے اور متعدد کارکنوں کی صلاحیتوں کو اس پر بلاوجہ صرف کیا جائے۔

14- دی بریدرن چرچز

یہ کئی گروپس پر مشتمل ہے اس لیے ان کے صحیح اعداد و شمار کی دستیابی مشکل ہے۔ دی پلائی ماؤتھ بریدرن فرقہ ہندوستان میں 1836ء سے کام کر رہا تھا۔ امکان ہے کہ یہ 1890ء میں پنجاب کے علاقہ میں داخل ہوا۔ چونکہ یہ "کامٹی باؤنڈریز" کا پابند نہیں ہے اس لیے یہ تمام پاکستان میں کام جاری رکھے ہوئے ہے۔ ان کے بڑے بڑے گروپس ملتان' لاہور' راولپنڈی اور کوہاٹ وغیرہ میں سرگرم عمل ہیں۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ گو ان کے کارکن باقاعدہ تربیت یافتہ نہیں ہوتے تاہم یہ دوسرے فرقوں کے "فل ٹائم" کارکنوں سے زیادہ کام کرتے ہیں اور لوگوں کو اپنا ہم نوا بناتے ہیں۔ ان کی پچاس سے زیادہ جمعیتیں ہیں اور تمام کی تمام اپنی مددگار آپ ہیں۔ بریدرن مشنریز گو مختلف گروپس کے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ سب اپنے اپنے علاقوں میں مشترکہ طور پر کام کرتے ہیں۔

انہوں نے غیر عیسائی لوگوں میں اثر و نفوذ حاصل کرنے کے لیے کلینک' بک روم' اور عیسائی لٹریچر کی تقسیم کو بنیادی اہمیت دی۔ انہوں نے کرسچین پبلشنگ ہاؤس قائم کیا۔ لاہور میں عیسائی اشاعت خانہ کے نام سے بہت موثر کام انجام دیا۔ اس اشاعت خانہ سے ہر سال اردو اور انگریزی میں عیسائی لٹریچر کی اشاعت کی جو تمام کلیساؤں کے لیے بہت بڑی خدمت ہے۔

1904ء میں ایک لڑکا ہندو خاندان میں پیدا ہوا تھا جس کے والدین نے بوجوہ اسے سکھ مذہب کے حوالہ کیا۔ اس کا نام بخت سنگھ چھابرے رکھا گیا۔ 1926ء میں اس کے والد نے اسے لندن بھیجا۔ جہاں انجینئرنگ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اس نے عیسائی لٹریچر کا بھی مطالعہ کیا اور بالآخر 1932ء

میں باقاعدہ عیسائی ہوگیا۔ جب وہ انڈیا واپس آیا تو عیسائیت کا پرجوش مبلغ تھا۔ انجیلکن چرچ نے پہلی مرتبہ اس کو لائسنس دیا۔ اور یہ کراچی میں چار سال تک چرچ مشن سوسائٹی کے مشنری کے ساتھ کام کرتا رہا۔ بعد میں اس نے انجیلکن چرچ چھوڑ کر آزادانہ کام شروع کیا۔ اس نے تمام ہندوستان کا دورہ کیا اور ہر جگہ کونشن میں سامعین کو مخاطب کرتا رہا اور کئی برائے نام عیسائیوں کو پختہ ایمان پر قائم کیا۔

15- دی افغان بارڈر کروسیڈ

دی افغان بارڈر کروسیڈ جس کو آئندہ اے بی سی کہا جائے گا' جیک رنگر نے 1944ء میں صوبہ سرحد میں قائم کیا' کیونکہ یہ وہاں کے لوگوں کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ یہ پہلے برطانوی فوج میں کام کرچکا تھا اور اس کے بعد سنٹرل ایشیا مشن میں 1938ء سے 1940ء تک۔ اس مشن نے بعد میں جب اپنی توجہ وتوانائیاں کشمیر پر مبذول کیں تو جیک رنگر نے اے بی سی قائم کیا تاکہ اس صوبہ میں عیسائیت کی ترویج کا کام جاری رکھ سکے۔ افغان بارڈر کروسیڈ مشن اب انٹرنیشنل اور انٹرڈی نامی نیشنل فیتھ مشن بن چکا تھا جس کا ابتدائی مقصد صوبہ سرحد کے پٹھانوں میں عیسائیت کی تبلیغ ہے۔ صوبہ سرحد میں جو پنجابی کام کرتے تھے اور جو روانی سے پشتو زبان بولتے تھے کام کے آغاز پر بہت مفید ثابت ہوئے جن کی وجہ سے عیسائیت کے خطرناک دشمن پٹھانوں کا تعصب کچھ ہلکا پڑ گیا تھا۔ کچھ پٹھانوں کو بپتسمہ بھی دیا گیا۔ اور ایک چرچ ''دی ایونجیلیکل فری چرچ'' قائم ہوگیا۔ اے بی سی نے چھیاسٹھ خاندانوں پر مشتمل اپنی برادری کی تشکیل کی' جن میں سے نصف سے زائد مردان میں رہتے ہیں جہاں مشن کا ہیڈکوارٹر ہے۔ باقی پشاور' کوہاٹ' نوشہرہ اور اوغی میں جہاں دواخانوں کے ذریعہ کام کیا جارہا ہے۔

اس کے 1973ء میں چھ مشنریز تھے جن کی منسٹریوں میں سے ایک بہترین منسٹری ایئرفورس کے عیسائی افسروں کی ہے جو صوبہ سرحد کے سٹیشن پر کام کرتے ہیں۔ بائبل کے مطالعہ اور فیلوشپ گروپس کی وجہ سے بہت سے نوجوان مسیح پر اپنا اعتقاد مضبوط کررہے ہیں۔

16- ورلڈ وائیڈ ایونجے لائنیز کروسیڈ

اسے آئندہ سے ڈبلیو ای سی لکھا جائے گا۔ اس نے سب سے پہلے اپنے کارکن 1935ء میں صوبہ سرحد بھیجے تھے۔ ایکس بوٹنگٹن اپنے چار ساتھیوں کے ساتھ اینشی سسٹرز کو مدد دینے کے لیے ہری پور ضلع ہزارہ پہنچے۔ ان اینشی خواہران (سسٹرز) نے اپنے طور پر 1913ء سے ہری پور اور کشمیر کے علاقوں میں بڑا حیرت انگیز اور موثر کام کیا تھا۔ 1919ء میں انہوں نے سولہ ایکڑ کا ایک زرعی فارم خریدا تھا تاکہ مشن کے لیے نہ صرف آمدنی کا ذریعہ حاصل ہو بلکہ عیسائیت میں دلچسپی رکھنے والوں اور نوعیسائیوں کے لیے پناہ کے ساتھ ساتھ روزگار بھی مہیا ہو۔ اس طرح 60 سے لے کر 70 تک نوعیسائی وہاں کام کرتے تھے جن میں عورتیں بھی شامل تھیں۔

اسی فارم کو ڈبلیو ای سی نے حاصل کیا اور اس کو مرکز بنا کر کام کا آغاز کیا۔ انہوں نے ایبٹ آباد میں بچوں کا ایک ہاسٹل بنا دیا اور کئی سکول ایبٹ آباد' کشمیر اور مظفر آباد میں کھولے۔ اس نے پشاور میں بھی ایک سٹیشن قائم کیا اور اسی طرح کوئٹہ میں بھی۔ انہوں نے اس علاقہ میں رہنے والے پنجابیوں پر بھی کام کیا اور انہیں عیسائی بنایا۔ چنانچہ کئی خاندانوں کی عیسائی برادری وہاں قائم ہوگئی۔

17- دی سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ

ایک بپٹسٹ عیسائی ولیم ملر نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دنیا میں آنے کی تاریخ 21 مارچ 1843ء مقرر کی تھی کہ وہ اس دنیا میں آئیں گے۔ لیکن جب وہ مقرر کردہ تاریخ پر نہیں آئے تو پھر ایک اور تاریخ 22 اکتوبر 1844ء مقرر کی۔ اس پر بھی ان کی آمد نہیں ہوئی تو یہ فرقہ ابتداً دو حصوں میں بٹ گیا۔ بعد میں اس کی پندرہ شاخیں ہوئیں۔ 1803ء میں ان کا ہیڈ کوارٹر واشنگٹن منتقل ہوا۔ یہ بائبل کو الہامی کتاب سمجھتے ہیں۔ ان کے تبلیغی کاموں کو چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے (1) آٹھ سو زبانوں اور بولیوں میں تبلیغ (2) لٹریچر کی طباعت وقیمتاً تقسیم (3) ہر سطح کے پیشہ ورانہ وغیر پیشہ ورانہ سکولوں کا قیام (4) طبی اداروں کا ایک سلسلہ قائم کرنا۔ اس کے علاوہ یہ بائبل کارسپنڈنس کورس کے ذریعہ بھی لوگوں بالخصوص نوجوانوں کو متوجہ کرتے ہیں۔ پوری دنیا میں ان کے تقریباً دس لاکھ ممبر ہیں۔ یہ لوگ شراب اور تمباکو سے بے حد پرہیز کرتے ہیں۔ عام عیسائیوں سے ہٹ کر یہ سنیچر کے دن کو متبرک مانتے ہیں۔

گوجرانوالہ میں ان کے پہلے مشنری ڈاکٹر مان نے 1913ء سے اپنے کام کا آغاز کیا۔ چونکہ انہوں نے یونائیٹڈ پریس بی ٹیرین فرقہ کی ''کامٹی باؤنڈریز'' میں اپنے کام کو شروع کیا تھا اس لیے اس رقبہ میں سالانہ تین ہزار چوہڑوں کو بپتسمہ دے کر اپنے عقیدے کا عیسائی بناتے رہے۔ شیخوپورہ علاقہ میں چوہڑکانہ میں انہوں نے 1916ء میں زمین خریدی۔ اس کے بعد لاہور کو اپنا دوسرا مرکز بنایا۔

اس فرقہ نے ابتدا ہی سے انگلش میڈیم سکولوں کے علاوہ صنعتی وتجارتی اداروں پر زور دیا۔ جہاں ونیلا' گیہوں اور مکھن نیز دوسری اشیاء تیار کی جاتی تھیں۔ ایک بڑا ہسپتال کراچی میں بھی تعمیر کیا جس کے ساتھ نرسنگ ٹریننگ سکول بھی ملحق ہے۔ دانتوں کے ہسپتال کراچی اور راولپنڈی میں قائم کیے۔ ان اداروں سے غیر ملکی اور اونچے طبقہ کے پاکستانی مستفید ہوتے رہے۔ ان کی انگلش بقول بعض مورخوں کے بہت اچھی ہوتی ہے اور وہ مغرب کے سٹائل پر اب بھی اسے قائم رکھے ہوئے ہیں۔

18- دی بپٹسٹ بائبل فیلوشپ

بڑے بڑے فرقوں کے علاوہ پاکستان میں چھوٹے چھوٹے فرقے بھی سرگرم عمل ہیں۔ گو ان کے مقلدین کی تعداد نسبتاً کم ہے لیکن مجموعی حیثیت سے یہ نہ صرف چرچ کے لیے بے حد مفید ہیں بلکہ غیر عیسائی لوگوں تک رسائی حاصل کرنے میں بہت مدد ومعاون ہوتے ہیں۔ گو ان کے مشنریوں کی تعداد

کم ہے لیکن یہ اردو اور انگریزی کے ذریعہ اپنی جمعیتوں میں اچھا کام کرتے ہیں۔ بالخصوص ان پنجابی عیسائیوں کو پادری بھی بنایا ہے جو اپنے اپنے حلقوں میں کام کر رہے ہیں۔

19- دی چرچ آف کرائسٹ

اس کلیسا کے تین مشنریز لاہور میں کام کرتے ہیں۔ گزشتہ چند سالوں سے ریڈیو پروگرام اردو اور انگریزی میں تیار کر رہے ہیں' جو سسلو جزیرہ کے کرسچین ریڈیو سٹیشن سے نشر کیا جاتا ہے۔ ان کا اردو پروگرام خاص طور پر مسلمانوں کو اپیل کرنے والا ہوتا ہے۔ وہ عیسائی گیتوں اور نغموں کو مسلمانوں کے لیے قابل قبول اور پرکشش بنانے میں مصروف ہیں' جس کی وجہ سے عیسائیت کی رسائی ان تک ہوسکتی ہے۔ اس ریڈیو سٹیشن کا ایک دفتر اسلام آباد میں قائم کیا گیا ہے' جو پاکستانیوں کو ریڈیو سننے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس کے لیے لٹریچر مہیا کرتا ہے۔ اس کے پروگرام نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ تقریباً 24 زبانوں میں یہ اپنی نشریات جاری رکھتا ہے۔

20- دی بائبل اینڈ میڈیکل مشنری فیلوشپ سابقہ نام دی زنانہ بائبل اینڈ میڈیکل مشن

بعض ایسے بھی مشنز پاکستان میں سرگرم عمل ہیں جن کا مقصد اپنے ذاتی عقائد پر لوگوں کو ڈھال کر علیحدہ سے ایک فرقہ بنانا نہیں ہوتا ہے بلکہ جو صرف خدمتی اور مددگار مشنز کے طور پر کام کرتے ہیں' انہی میں ایک مشن یہ بھی ہے جو انگلینڈ میں قائم ہوا تھا اور جس کا مقصد مشنری عورتوں کو بیرون ممالک بھیج کر اپنے فرقہ میں اضافہ کرنا نہیں تھا بلکہ جو مشنز پہلے سے کام کر رہے تھے ان کی تعلیمی' طبی اور خدمتی معاملات میں مدد کرنا تھا۔ اس مشن نے پنجاب میں 1890ء سے اپنا کام شروع کیا اور دوسرے مختلف مشنز و مشنریوں کو اپنا تعاون پیش کیا۔ 1950ء سے اس مشن نے مرد مشنریوں کی بھی بھرتی شروع کی۔ اس لیے اس کا نام تبدیل ہوا۔ اور وہ دی بائبل اینڈ میڈیکل مشنری فیلوشپ کہلانے لگا۔ 1973ء میں صرف اس مشن کے 23 مشنریز پاکستان میں کام کر رہے تھے۔ اس کے اپنے ذاتی دو ادارے پاکستان میں ہیں۔

1- کنیئرڈ ہائی سکول (طالبات کے لیے) لاہور میں ہے۔ اس کا ہاسٹل بھی ہے جس میں طالبات کو بائبل کی تعلیم دی جاتی ہے جس کی وجہ سے برائے نام عیسائی طالبات' اپنے عقیدہ پر مضبوطی سے قائم ہوگئیں۔

2- دی کرسچین کاروان ہسپتال حیدرآباد میں جو سندھ کے علاقہ میں فعال اور موثر تبلیغ عیسائیت کا کام کر رہا ہے۔ اس ہسپتال کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ گشتی ہسپتال ہے' بسوں کے ٹریلرز (Trailers) میں آسانی سے بننے والے مکانات کے اجزاء رکھ کر سفر کیا جاتا ہے جس

موزوں دیہات کا پروگرام ہوتا ہے وہاں گاڑیاں کھڑی کر کے چھوٹے چھوٹے کمرے فی الفور قائم کر لیے جاتے ہیں۔ اس کو ڈاکٹر جاک اینڈرسن نے 1960ء میں شروع کیا تھا۔ یہ گشتی ہسپتال ہر تین تا پانچ سال میں گشت کرتا ہے اور اس جگہ قیام کرتا ہے جہاں طبی سہولتیں کم یا ناکافی ہیں۔ مختلف ذاتوں اور قبیلوں کے لوگ آ کر ہسپتال سے علاج معالجہ کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ چنانچہ ظاہری دوا کے ساتھ ساتھ روحانی علاج بھی کرتے ہوئے انہیں عیسائیت کی ترغیب دیتا ہے۔ اس طرح کئی افراد کو بپتسمہ دیا جا چکا ہے۔ حال ہی میں میر پور خاص کے علاقہ کے بھیلوں کو عیسائی بنا چکا ہے۔ اسٹاک کے موجب اس ہسپتال کو یسوع مسیح کے لیے مستقبل میں بہت اچھی طرح استعمال کیا جا سکتا ہے خاص طور پر پست کردہ اقوام میں جو انجیل کی تعلیمات کو کھلے دل سے قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔

21- دی ریفارمڈ چرچز اِن نیدرلینڈس

جب انڈونیشیا میں 1950ء میں بظاہر کچھ پابندیاں مشنریوں پر لگیں تو نیدرلینڈ کے ریفارمڈ چرچ نے اپنے مشنریز ہر اس جگہ بھیجے جہاں ضرورت تھی یا جہاں سے ان کے لیے درخواست کی گئی تھی۔ چنانچہ پاکستان میں بھی یہ مشنریز آئے اور ہسپتالوں، کالجوں، ٹیکنیکل سکولوں اور کرسچین سٹڈی سرکلوں میں بحیثیت معاون کام کرنے لگے۔ انہوں نے مشرقی پاکستان کے مہاجروں کے لیے ایک رفاہی ادارہ بھی قائم کیا۔ ایک درجن سے زائد مشنریاں اس طرح پاکستان میں مصروف عمل ہیں۔

22- دی یونائیٹڈ فیلوشپ فار کرسچین سروس سابقہ نام دی ویمنز یونین مشنری سوسائٹی

یہ امریکہ کی مشنری سوسائٹی ہے جس نے اپنا کام 1956ء سے ملتان کے علاقہ میں شروع کیا۔ انجیلیکن فرقہ نے درخواست کی تھی کہ اس کے کارکن اتنے کم پڑ گئے ہیں کہ وہ ویمنز ہسپتال کا انتظام نہیں سنبھال سکتے۔ چنانچہ اس سوسائٹی نے ہسپتال کا بھی انتظام سنبھالا۔ ادھر خواتین مشنریوں کی کمی کے باعث اس کا نام تبدیل کر کے یونائیٹڈ فیلوشپ فار کرسچین سروس رکھا گیا۔ ہسپتال میں علاج معالجہ کے ساتھ وہ نہایت موثر طور پر تبلیغ کا کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے مڈوائفری ٹریننگ کورس بھی جاری کیا۔ اس کے علاوہ یتیم بچوں کو کرسچین خاندانوں میں دینے کا انتظام بھی کیا۔ یعنی جو بچے یتیم پائے جائیں خواہ وہ کسی قوم و ذات کے ہوں، انہیں عیسائی خاندانوں میں متبنیٰ دے کر ان کی تعلیم و تربیت عیسائی طریقہ پر کیے جانے کا انتظام انہی کے سپرد ہے۔

23- دی فیلوشپ آف ایوینجیلیکل بیپٹسٹ چرچز اِن کینیڈا

ان کے افراد کراچی میں عیسائیت پر مبنی لٹریچر تقسیم کرتے ہیں۔ ان کا زیادہ زور مسلمانوں اور پارسیوں کی طرف ہے۔

24- دی کرسچین لٹریچر کروسیڈ

ان کا کام لٹریچر کی تقسیم ہے۔ یہ کراچی میں بک سٹور بھی چلاتے ہیں۔ ان کی زیادہ توجہ لٹریچر کی اشاعت و تقسیم سے متعلقہ معاملات پر ہے۔

25- دی چائیلڈ ایونجیلوم کروسیڈ فار کرائسٹ انٹرنیشنل

ان کے کارکن لاہور میں ہیں جن کی تعداد تین بتلائی جاتی ہے' جو عیسائی لڑکوں کو تعلیم حاصل کرنے کے لیے ہر قسم کی مالی و مادی امداد دیتے ہیں۔ وہ مقامی اجتماعات کو تربیت بھی دیتے ہیں کہ بچوں میں عیسائیت کی تبلیغ کس طرح کی جانی چاہیے۔

26- دی مینونایٹ سنٹرل کمیٹی

یہ کمیٹی زرعی منصوبوں میں مختصر مدت کی ٹریننگ نوجوانوں کو دیتی ہے تاکہ وہ اپنے اپنے زرعی فارمس کو ان خطوط پر چلا کر اس کی پیداوار اور آمدنی میں اضافہ کریں۔ اس کے کارکن ملتان ضلع میں خصوصیت سے سرگرم عمل ہیں۔

27- دی کھیروارا مشن آف ڈنمارک

اس کے مشنری میر پور خاص میں رہتے ہیں جو ان بچوں کے ہاسٹل کے نگران ہیں جو قبائلی لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ آٹھ مشنریاں صوبہ سرحد میں کام کر رہی ہیں جن کی توجہ خاص طور پر پٹھانوں پر مبذول ہے۔ ان میں وہ علاج معالجہ کرتے ہوئے لٹریچر تقسیم کرتے ہیں۔ اسی طرح دو افراد پسرور میں رہتے ہیں جو غریب بچوں کے لیے ایک ہاسٹل چلا رہے ہیں۔

28- سالویشن آرمی

سالویشن آرمی یا مکتی فوج کے نام سے یہ فرقہ ولیم بوتھ نے انگلستان میں قائم کیا تھا۔ وہ آزادانہ طور پر تبلیغ کا قائل تھا اور غریبوں میں کام کرنے کا۔ یہ جماعت رفاہی کاموں میں مریضوں کی خدمت' ہسپتالوں کا قیام' کنواری ماؤں کی نگہداشت اور تفریحی مرکزوں کا بندوبست کرتی ہے۔ ان ذمہ داریوں کے علاوہ کشتی کلب اور کنٹین و ہوٹلوں کا بھی انتظام کرتی ہے۔ سالویشن آرمی نادار' غریب اور قحط زدہ لوگوں میں تعلیمی و طبی کام کو اولیت دیتی ہے۔ برعظیم پاک و ہند میں اس جماعت کے سینکڑوں سکولوں میں ہزاروں طلبہ پڑھتے ہیں۔ اس فرقہ کے نزدیک ساکرامینٹس یعنی مذہبی رسوم و عبادات کی اہمیت نہیں۔ حتیٰ کہ عشاء ربانی کے بھی قائل نہیں۔

سالویشن آرمی نے لاہور پنجاب میں اپنا کام 1883ء سے شروع کیا اور جلد ہی مختلف علاقوں

میں اپنے مراکز قائم کر لیے۔ چونکہ اس کی پالیسی ہی غریبوں و ناداروں میں تبلیغ کی ہے اس لیے اس نے چوہڑہ مہم میں بھرپور حصہ لیا۔ سیالکوٹ، ظفروال کے علاوہ گورداسپور میں اس جماعت نے گشت کر کے تبلیغ جاری رکھی۔ 1906ء تک ان کی آبادی میں ہر سال ایک ہزار کی نسبت سے اضافہ ہونے لگا۔ انہوں نے جھنگ میں بھی اپنا ہیڈکوارٹر بنایا اور خانیوال کے نزدیک شانتی نگر کے نام سے ایک آبادی 1916ء میں قائم کی۔ طبی اور تعلیمی اداروں کے علاوہ انہوں نے 1910ء میں کپڑوں کی بنائی کا ایک کارخانہ بھی کھولا تاکہ جرائم پیشہ قبیلہ یا کھیوارا کے افراد اور ان کے بچے اس فیکٹری میں ملازم رکھے جاسکیں۔ اس کے علاوہ زرعی، بنائی اور کشیدہ کاری اور سلک بنانے کے طریقے ان غریب افراد کو سکھلائے۔ ابتداء میں یہ "کامٹی باؤنڈریز" کا احترام نہیں کرتے تھے لیکن پاکستان کرسچین کونسل کا ممبر بننے کے بعد باہمی تعاون سے کام شروع کیا۔ 1967ء میں اس فرقہ کی آبادی 31 ہزار سے زیادہ تھی۔

29- یہوواہ وٹنس

اس جماعت کو چارلس تیز رسل نے امریکہ میں قائم کیا تھا۔ یہ جماعت تمام عیسائی روایات کو ختم کر کے صرف یہوواہ کے لیے تعظیم دیتی ہے۔ یہ قدیم عیسائیت کی بحالی کا عقیدہ رکھتے ہیں اور مروجہ عقائد سے اختلاف رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض مسلمان بھی یہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ عیسائی نہیں ہیں۔ حالانکہ امر واقعہ اس کے برعکس ہے۔

مسیح کی آمد ثانی کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ وہ روحانی شکل میں آئیں گے۔ چنانچہ 1874ء میں رسل اور اس کے دوستوں نے محسوس کیا کہ یسوع مسیح دنیا میں دوبارہ آگئے ہیں۔ ان کا یہ کام ہے کہ ان پر ایمان رکھنے والے تمام لوگوں کو جمع کر کے غلط عقائد اور رسوم و رواج سے نجات دلائیں۔ یہ کام یسوع مسیح 1914ء تک کریں گے اس کے بعد وہ کفر کی حکومت دنیا سے مٹا کر خدا کی بادشاہت قائم کریں گے۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ایک وقت تھا جبکہ یہوواہ یعنی خدا بالکل اکیلا تھا اور یسوع مسیح خدا کی سب سے پہلی مخلوق ہے اور دنیا کی باقی چیزیں بنانے میں وہ خدا کے رفیق کار رہے ہیں۔ حضرت مریم کو خدا کی ماں کہنا ان کے نزدیک گستاخانہ حد تک نازیبا ہے۔

اس جماعت نے بھی کراچی سے لے کر لاہور تک اپنے مراکز بالخصوص بائبل سٹڈی سنٹرز قائم کیے۔ یہ ہر سال ایئر بک شائع کرتی ہے۔ اس کے دو رسالے مشہور ہیں (1) او یک (2) اس نے 1919ء سے 1945ء تک اڑتالیس کروڑ کتابچے 88 اٹھاسی زبانوں میں دنیا بھر میں شائع کیے۔

ڈاکٹر نادر رضا صدیقی (پی ایچ ڈی)

پاکستان میں عیسائیت کا عروج

2 جنوری 1979ء کے روزنامہ جنگ میں ایک خبر شائع ہوئی تھی کہ عالمی پیمانہ پر عیسائیت کی تبلیغ کے لیے ایک ارب ڈالر یعنی دس ارب روپے کا منصوبہ امریکہ میں حال ہی میں قائم شدہ ایک تنظیم نے بنایا ہے جس کا مقصد بین الاقوامی سطح پر مختلف ممالک میں غیر عیسائی لوگوں کو عیسائی بنانا ہے اور دُنیا کے کونے کونے میں عیسائی مذہب کا پیغام اور عیسائی چرچز کی سرگرمیوں کو پہنچانا ہے۔ اس پروگرام پر کامیابی سے عملدرآمد کے لیے تربیت یافتہ پادریوں کو جدید تکنیک کے ساتھ کام کرنے کو کہا جائے گا...... اس تازہ مہم کو شروع کرنے کے لیے ایک کروڑ ڈالر کی ضرورت ہوگی' جس کا ایک تہائی امریکہ کے صنعت کاروں' مذہبی تنظیموں اور نجی طور پر عیسائی مخیّر افراد کی جانب سے جمع کیا جاچکا ہے...... وغیرہ۔

انجیل کی رُو سے تبلیغ عیسائیت کس حد تک درست ہے؟ اس پر کوئی تبصرہ کرنے کے بجائے انجیل متی کے ان فقروں کو پیش کیا جاتا ہے:

> ''غیر قوموں کی طرف نہ جانا' اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا' بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔''

(باب 10: فقرات 7,6)

> ''اس نے جواب دیا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔'' (باب 15: فقرہ 25)

مندرجہ بالا عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ عیسائیت کی تبلیغ کے لیے تنظیمیں قائم کرنا' روپیہ اکٹھا کرنا' مختلف ممالک میں مشنریوں کو بھیجنا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے سراسر منافی ہے۔ اور ان سے کہیں بھی یہ ہدایت نہیں ملتی کہ عیسائیت کو عالمی پیمانہ پر عام کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ لیکن عیسائیوں نے اَور تعلیمات کی طرح اس سے بھی صرفِ نظر کیا۔ اور عیسائیت کی تبلیغ و توسیع کے مختلف طریقے رائج کیے۔ چنانچہ محولہ بالا خبر کے تعلق سے صدیقی ٹرسٹ نے یہ مناسب سمجھا کہ پاکستانیوں کو بشمول عوام و خواص مشنریوں کی سرگرمیوں سے آگاہ کیا جائے کہ بصورتِ موجودہ ان کی سرگرمیوں کا یہ حال ہے تو

مذکورہ بالا منصوبہ کے تحت آئندہ کیا کچھ ہوسکتا ہے۔

عیسائی فرقے

عام طور پر پاکستانیوں کو یہ بھی غلط فہمی ہے کہ عیسائیوں میں دو ہی فرقے ہیں۔ 1- رومن کیتھولک 2- پروٹیسٹینٹ۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ عیسائیوں میں ہمارے گمان سے بھی زیادہ فرقے ہیں۔ اس وقت صرف امریکہ میں ڈھائی سو کے قریب عیسائی فرقے اور گروہ ہیں جبکہ جنوبی افریقہ میں چودہ سو سے بھی زیادہ۔

کچھ فرقے اتنے متشدد اور غیر روادار ہیں کہ وہ دوسرے عیسائی فرقہ کو برداشت نہیں کر سکتے۔ ان کی جائیداد کو آگ لگاتے ہیں' اسباب کو لوٹ لیتے ہیں' بلکہ بعض اوقات قتل تک کر ڈالتے ہیں...... عیسائی فرقوں میں ہولناک اور طویل جنگیں تک ہوئیں جس کے نتیجہ میں یورپ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گیا...... تمام عیسائی ممالک نفرت انگیز جذباتیت' بربریت اور ناقابلِ بیان مظالم کا شکار ہو گئے تھے...... آئرلینڈ اس کی ایک مثال ہے۔

لیکن اس دشمنی و اختلاف کے باوجود تمام عیسائی اس بات پر متفق ہیں کہ عیسائیت کی تبلیغ کی جائے اور غیر قوموں کو عیسائی بنایا جائے۔ بالخصوص مسلمانوں کو...... اس کے لیے ہر عیسائی دامے' درمے' قدمے' سخنے تعاون کرتا ہے۔ خواہ وہ مزدور ہو' کارخانہ دار ہو' غریب ہو یا امیر' عورت ہو یا مرد' بچہ ہو یا بوڑھا' غیر مذہبی ہو یا مذہبی۔ حتیٰ کہ غیر فرقہ کا ہو یا اُسی فرقہ کا ہو۔

بورڈ

مشنریوں کو غیر ملکوں اور غیر قوموں میں بھیجنے کے لیے باقاعدہ بورڈ ہوتے ہیں۔ بعض ایسے بھی بورڈ ہیں جن کو مشنریوں کے معاملات کا سو' سو سال سے زیادہ تجربہ ہے اور جن کے مشنریز دُنیا بھر میں تبلیغ عیسائیت کے لیے بھیجے جاتے ہیں...... ان بورڈوں کے علاوہ صرف امریکہ میں دو سو سے زیادہ ایجنسیاں ہیں جو مشنریوں کو باہر بھیجتی ہیں...... جملہ مشنریوں کا 39 فیصد حصہ (ایک تہائی سے زیادہ چین' رُوس اور منگولیا کے علاوہ پورے ایشیا میں تبلیغ کرتا ہے جبکہ باقی 61 فیصد تمام دنیا میں۔ یہ وہ مشنریاں ہیں جن کو کلیسا باقاعدہ مذہبی رسومات کی ادائیگی کے بعد مشنری بناتا ہے جس کو آرڈینڈ مشنری (Ordained Missionary) کہتے ہیں۔

دوسرے مشنری ڈاکٹر' پروفیسر' سماجی کارکن' سائنسدان' مشیر و ماہرین کی شکل میں ہوتے ہیں' جن کی ذاتی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اپنی ''ماہرانہ خدمت'' کے ساتھ ساتھ تبلیغ عیسائیت بھی کریں اور مغربی ثقافت کو بھی رواج دیں۔ انہیں خاص طور پر ''ترقی پذیر ممالک'' کے لیے تربیت دی جاتی ہے۔ اس طرح عیسائی مشنری عملاً ہر ترقی پذیر ملک اور خطہ میں سرگرمِ عمل ہوتا ہے۔ خواہ اس ملک میں بظاہر مشنریوں پر

پابندی ہی کیوں نہ عائد ہو۔

فنڈ جمع کرنا

جیسا کہ پہلے لکھا گیا' تبلیغ عیسائیت کے لیے ہر عیسائی تعاون کرتا ہے اور دل کھول کر عطیہ دیتا ہے۔ چنانچہ امریکہ کا پریس بی ٹیرین فرقہ (جس کے مشنریاں پاکستان میں بھی گذشتہ صدی سے سرگرمِ عمل ہیں) کا 1929ء میں چار ارب چالیس کروڑ روپے کا بجٹ تھا' جبکہ 1953ء میں یعنی چوبیس سال بعد (باوجودیکہ امریکی قوم جنگ عالمگیر کے بحران سے گذر چکی تھی اور اس کے خوفناک اثرات ابھی باقی تھے) یہ بجٹ چھ ارب پچاس لاکھ روپے کا ہوا۔ اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے چھبیس برس بعد یعنی 1979ء میں اس فرقہ کا بجٹ کیا ہوگا...... یہ صرف ایک ہی بورڈ کا بجٹ ہے۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ محولا بالا خبر دس ارب روپے کا منصوبہ ان عام منصوبوں سے علیحدہ اور مستزاد ہے۔ ان باقاعدہ منصوبوں اور بجٹوں کے علاوہ مشنریز خود اپنے طور پر مالی امداد حاصل کرتے ہیں۔ اور اس وقت بھی عیسائی فراخدلی سے عطیات اور چندے دیتے ہیں۔ ڈاکٹر طور نے ایک چشم دید واقعہ کا اس طرح اظہار کیا ہے۔ وہ ایک مقامی اخبار میں اشتہار دیکھ کر گرجا گئے تھے۔

"اسمبلی آف گاڈ چرچ کا ایک مشنری گھانا سے آیا تھا اور وہ کچھ فلم و تصاویر دکھا رہا تھا۔ گرجا لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ ایک موٹا شخص برادر بل جو مشنری تھا' کبھی تیز اور کبھی دھیمے لہجے میں فلم کے مناظر پر تبصرہ کر رہا تھا۔ برادر بل تقریر کا سلیقہ اچھی طرح جانتا تھا۔

سکرین پر تاریک براعظم افریقہ کے گاؤں کا ایک منظر اُبھرا۔ جنگلی قبیلہ کے کچھ افراد معمولی کپڑے سے بدن ڈھانکے ہوئے تھے۔ مٹی کے بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے' کھلے ہوئے باورچی خانے تھے۔ ان گھروں میں بکریاں اور مرغیاں گھوم رہی تھیں۔ ایک مٹی کا کالا برتن آگ پر دھرا ہوا' اس کے پاس ہی ایک مریل سا بچہ اپنی ماں کے بازو پر لیٹا ہوا تھا' جس پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ گویا یہ تصویر جہالت' غربت اور غیر انسانی زندگی کا مرقع تھی...... اس گھر کے باہر چند لڑکے مٹی اور کیچڑ میں لت پت کھیل میں مشغول تھے...... اس منظر پر مشنری چلایا۔ "یہ وہ جگہ ہے جہاں ہم یسوع مسیح کا پیغام لے کر پہنچے تھے۔ یہ لوگ نہ تعلیم جانتے تھے نہ تہذیب اور نہ مذہب...... ان کی زندگی بدنصیبیوں اور محرومیوں سے بھری تھی۔ سین بدلا...... اور اس کے ساتھ ہی مشنری کی آواز میں تبدیلی ہوئی...... اس نے بتایا کہ یہ مشن سکول تیار کیا گیا' اور یہ خوبصورت گرجا اسی گاؤں میں تعمیر کیا گیا۔

لیکن...... کچھ دیر رک کر اپنی آواز کو مزید پراسرار بناتے ہوئے اُس نے کہا...... ہم اس سے زیادہ کامیابی حاصل کرتے...... لیکن جیسے ہی ہم وہاں پہنچے...... شمالی علاقہ سے ایک "لعنت" نازل ہوئی...... یہ مسلمان یہ کافر (میں ان سے بہت زیادہ سخت الفاظ کو حذف کر رہا ہوں) جو عہد نامہٴ قدیم اور عہد نامہٴ جدید کے کچھ اجزاء پر ایمان رکھتے ہیں۔ مگر حقیقت میں وہ ایمان والے نہیں ہیں۔ وہ یسوع مسیح

کو خدا کے بیٹے کی حیثیت سے نہیں مانتے...... اب ہم اُن سے افریقہ میں دو چار ہیں...... ان سے ہر طرح نبٹنا ہے۔ اس ''مقدس جنگ'' کو جیتنا ہے آپ لوگ ''مجاہدین'' کی فوج میں شامل ہو جائیں اور گھر بیٹھ کر اس ''مقدس جہاد'' میں شرکت کریں اور پورا ثواب حاصل کریں...... وہ اس طرح کہ فیاضی کے ساتھ عطیہ دیں تاکہ ہم فرنٹ لائن میں رہتے ہوئے کام کریں...... آپ وہ افراد ہیں جن پر مسیح نے فضل کیا۔ آپ دنیا میں مالدار ترین ہیں' جو ہر قسم کے عیش و عشرت سے متمتع ہو رہے ہیں...... اس جہاد میں بھی دل کھول کر چندہ دیں۔ مسلمانوں کو اس طرح نوازنے کے بعد جب اُس نے امریکیوں اور عیسائیت کی تعریف کرتے ہوئے ایک بڑا کٹورا سا حاضرین کے سامنے کیا' تو اس میں دھڑا دھڑ ڈالر گرنے لگے۔ ایک' دو، 10،8،4 اور لمحوں میں وہ کٹورا نوٹوں سے بھر گیا۔''

اس چھوٹے سے واقعہ سے نہ صرف عیسائیوں کے مجموعی اندازِ فکر کا پتہ چلتا ہے بلکہ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ عیسائی مشنریز اس روشن اور سائنٹیفک دور میں بھی مسلمان اور اسلام کے بارے میں کس طرح کے نظریات رکھتے ہیں۔

اس قسم کا ایک اور واقعہ ایک اعلیٰ تعلیمی ادارے کے ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے بیان کیا تھا۔ جب وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے جرمنی گئے تھے۔ انہوں نے بیان کیا:

ایک دن انہوں نے یونیورسٹی میں ایک نوٹس لگا دیکھا کہ فلاں دن ایک مشنری یونیورسٹی کے طلبہ سے خطاب کرے گا۔ اپنے چند دوستوں کے ساتھ وہ بھی مقررہ دن پر آڈیٹوریم پہنچے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک مشنری پاکستان کے بارے میں عجیب خیالات کا اظہار کر رہا ہے' اور سامعین سے کہہ رہا ہے کہ پاکستان میں عیسائیوں پر بہت ظلم کیا جاتا ہے۔ انہیں طرح طرح سے ستایا جاتا ہے۔ اور ان کے گھروں تک کو لوٹا جاتا ہے وغیرہ۔ ان بے کسوں اور مظلوموں کی امداد ہر عیسائی پر فرض ہے۔ اس کے لیے آپ بھی آگے بڑھیں اور جو بھی آپ سے ہوسکتا ہے' مدد کریں۔ چنانچہ بہت سے طلبہ نے چندہ دیا ڈاکٹر صاحب کے دوست طلبہ نے مشنری کے بیان کی ان سے تصدیق چاہی۔ ڈاکٹر صاحب نے انہیں بتایا کہ یہ سب ایک گھناؤنا پروپیگنڈا ہے' جس کی کوئی اصلیت نہیں' بجز اس کے کہ مشنری اپنی جیب آپ کے نوٹوں سے بھرنا چاہتا تھا۔

غیر ملکی مشنری

مشنریوں کی اس قسم کی ذہنیت کا مظاہرہ خود پاکستان میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ ان مذموم حرکات کی خود عیسائیوں نے بھی نشاندہی کی ہے۔ پادری برکت اللہ خود اپنی کتاب مغلیہ سلطنت اور عیسائیت میں لکھتا ہے ''مغرب کی تبلیغی انجمنوں کے زورِ دولت اور رہے سہے اقتدار نے (جس سے صرف مٹھی بھر افراد ہی ذاتی فائدہ حاصل کر رہے تھے) ہندوستان (پاکستان) کے کلیسا میں اس قدر تفرقے ڈال رکھے ہیں کہ خدا کی پناہ'' ص 15۔ پاکستان کے مشہور عیسائی لیڈر جیمس صوبے خان کو مشنری

سرگرمیوں کے خطرناک عزائم کے پیشِ نظر دنیا کے غیر ملکی مشنریوں کے لیڈروں' آرک بری کنٹربری پوپ پال اور چرچ ورلڈ سروس نیویارک سے اپیل کرنا پڑی کہ "پاکستان سے غیر ملکی مشنریوں کو فوراً واپس بلالیا جائے۔ جو اپنی قابلِ اعتراض حرکات سے پاکستانی عیسائیوں کے مفادات کو شدید نقصان پہنچا رہے ہیں۔" (روزنامہ ڈان 14 جولائی 1970ء) ان غیر ملکی مشنریوں کی سرگرمیوں نے مقامی عیسائیوں کو اس حد تک بے چین اور مضطرب کردیا کہ وہ اپنا کلیسا تک علیحدہ قائم کرنے پر مجبور ہوگئے۔ قومی کلیسا کے بانی "تجمل وحید" نے کہا: "میں نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ مغربی ممالک کی مشنری پالیسی نے ہمارے عیسائی عوام کو روحانی احساسِ کمتری میں مبتلا کر رکھا ہے' یہ ضرورت سمجھی ہے کہ ہم یہاں اپنا کلیسا بنائیں اور خود اپنا ایک آرک بشپ مقرر کریں۔" (روزنامہ حریت کراچی 19 مارچ 1975ء)

ان بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ غیر ملکی مشنریوں کی سرگرمیوں سے خود دیسی عیسائی بھی (حقیقی یا غیر حقیقی طور پر) نالاں اور پریشان ہیں...... لیکن اس کے باوجود ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اور ان پر بظاہر کسی قسم کی پابندی نہیں معلوم ہوتی...... نیل اعتراف کرتا ہے کہ "پاکستان میں غیر ملکی مشنریوں کے بارے میں شکوک و شبہات پائے جاتے ہیں جن کی تعداد درحقیقت تقسیم کے وقت سے بہت بڑھ گئی۔"

دوستانہ مراسم

اس پس منظر میں جب ہم پاکستان پر نظر ڈالتے ہیں تو واضح ہوتا ہے کہ یہاں بہت سارے عیسائی فرقے تبلیغی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ ان میں سے اکثر فرقوں نے اپنے اپنے علاقے "دوستانہ مراسم" کے تحت بانٹ لیے ہیں۔ اور وہ اس کا اتنا احترام کرتے ہیں کہ باوجود مذہبی و مسلکی شدید اختلافات کے (بجز 3 فرقوں کے) ان جغرافیائی علاقوں میں دخل اندازی نہیں کرتے۔ اسے انہوں نے کامٹی باؤنڈریز (Comity Boundaries) کا خوبصورت نام دیا ہے۔ تاہم بعض علاقے اور بڑے شہر کامٹی باؤنڈریز سے مستثنیٰ ہیں۔ اور وہ سب کے لیے "کھلے علاقے" قرار دیئے گئے ہیں۔ ہر فرقہ آزاد ہے کہ وہ ان علاقوں میں اپنی مشنری سرگرمیاں جاری رکھے اور عیسائیت کی تبلیغ کرے۔

ایک فرقہ

ان فرقوں میں رومن کیتھولک قدیم عیسائی فرقہ ہے' جس کا دعویٰ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کلیسا یا فرقہ کو ہر زمانے کے تمام لوگوں کو عیسائی تعلیمات سکھلانے پر مامور کیا ہے۔ اس کے اعلیٰ مذہبی پیشوا کو پوپ کہتے ہیں' جو ویٹی کن سٹی (اٹلی) میں قیام پذیر ہیں۔ یہ خود کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نائب تصور کرتے ہیں' اس طرح موجودہ پوپ جان پال دوم دو سو چھیاسٹھویں نائب المسیح ہیں۔ ان کی "ہولی سی" کے نام سے باقاعدہ ریاست ہے جو اپنے سفیر دنیا کے مختلف ملکوں میں مقرر کرتی ہے۔

پاکستان میں بھی ان کے سفیر ہیں۔

یہ فرقہ دوسرے فرقوں کی طرح تثلیث' الوہیت مسیح' موروثی گناہ اور کفارہ جیسے عقائد کا حامی ہے۔

یہ فرقہ بائبل کی 72 کتابوں کو الہامی تصور کرتا ہے' جبکہ دوسرے فرقے بائبل کی چھیاسٹھ کتابوں کو الہامی اور باقیوں کو جعلی سمجھتے ہیں۔

اس فرقہ کا دعویٰ ہے کہ اس کو ہی بائبل کی تفسیر اور تشریح کا حق حاصل ہے' کیونکہ پوپ نائب مسیح ہوتا ہے اس لیے وہ بہ حیثیت کلیسائی سردار' معصوم بے گناہ اور خطا سے پاک و مبرا ہوتا ہے۔ اس کو مختلف عقیدے اور اصول وضع کرنے کا اختیار ہے۔ پوپ کی نافرمانی مسیح کی نافرمانی ہے۔

دوسرے فرقے ایسا یقین نہیں رکھتے۔

رومن کیتھولک مقدسہ مریم کو خدا کی ماں ٹھہرا کر اس کی پرستش کرتے ہیں اور ان کے مجسمے بنا کر ان سے دعائیں کرتے ہیں۔ دوسرے فرقے اسے بت پرستی سمجھتے ہیں۔

یہ اپنی عبادت میں حضرت مسیح' مقدسہ مریم اور مختلف ولیوں کے بت رکھتے ہیں جبکہ دوسرے فرقے اس کو بت پرستی کہتے ہیں۔

چونکہ ان صفحات پر تفصیل سے اعتقادات کی مرحلہ بہ مرحلہ ارتقاء کی تفصیلات میں جانے کی گنجائش نہیں ہے' اس لیے مختصراً معتقدات بیان کیے گئے' تاکہ اس پس منظر میں عیسائیوں کی تبلیغی مساعی کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

پوپ کی ریاست میں ایک سکریٹریٹ خالص تبلیغ عیسائیت کے امور کا نگران ہے' جس کا نام ''دی سکریڈ کانگریگیشن فار دی پروپیگیشن آف فیتھ'' ہے' جس کو پوپ گریگوری 15 نے 1662ء میں مستقل طور پر پوری دنیا میں تبلیغ عیسائیت کے لیے مقرر کیا تھا۔ پاکستان میں بھی اس کی شاخ ہے جس کا صدر دفتر کراچی میں ہے۔

تبلیغی مساعی

رومن کیتھولک فرقہ نے 1842ء سے صوبہ سندھ میں اپنی مساعی کا آغاز کیا۔ یہ وہ زمانہ ہے جبکہ انگریز حکومت نے سندھ کو فوج کے ذریعہ فتح کیا تھا۔ ان کے ریکارڈ کے مطابق 1860ء میں کچھ سندھیوں نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ 1852ء میں یہ پنجاب کی طرف بڑھا اور لاہور میں اپنا پہلا مرکز قائم کیا۔ 1880ء تک رومن کیتھولک ایک مشنری سٹیشن اور لڑکیوں کا یتیم خانہ قائم کر چکے تھے۔ اسی طرح سیالکوٹ میں 1889ء تک ان کے چھ مشنریز کام کرنے لگے تھے۔ 1892ء میں انہوں نے چناب کنال کالونی کے علاقہ میں ایک سو پچھتر ایکڑ پر ''مریم آباد یا میری آباد'' کے نام سے بستی قائم کی جو بعد میں 1700 ایکڑ پر پھیل گئی۔ اسی سال سے ان کا تبلیغی کام پنجاب میں اور خاص طور پر ''چوہڑوں'' میں تیزی

سے بڑھنے لگا۔ 1883ء میں اس فرقہ کے افراد کوئٹہ تک پہنچ چکے تھے' اور کوئٹہ کے 1935ء کے زلزلہ سے پہلے ان کے کانوینٹ، گرل سکول اور پیرش سکول ہر علاقہ میں کام کر رہے تھے۔ 1938ء میں فورٹ سنڈیمن کے علاوہ سبی' چمن' مچھ' لورالائی اور پشین تک انہوں نے رسائی حاصل کر لی' جہاں ان کے ریکارڈ کے مطابق لوگوں کو عیسائی بنا کر بپتسمہ دیا گیا۔

اس فرقہ نے بھی دوسرے عیسائی فرقوں کی طرح اپنی توجہ پست اقوام اور چوہڑوں کی طرف خاص طور پر مبذول کی۔ 1935ء تک ایک ہزار سے زائد چوہڑوں کو جو پنجاب سے آئے تھے اور کراچی میں لیاری میں آباد ہو گئے تھے' عیسائی بنایا۔ اسی طرح حیدر آباد میں اسی زمانہ میں 95 پنجابی افراد کو بپتسمہ دیا۔

1936ء میں نواب شاہ کے بھیلوں میں کام شروع کیا گیا۔ وہاں ایک ہسپتال' ایک سکول اور ایک چرچ قائم کیا۔ ان کے علاوہ ایک زرعی منصوبہ بنایا اور ایک فیئر پرائس شاپ کھولی۔ اس طرح اس علاقہ کے لوگوں کو عیسائی بنایا۔ پھر سانگھڑ کی طرف متوجہ ہوا' اور وہاں بھی اپنا اثر و رسوخ قائم کیا۔

1944ء میں ماتلی کے کوہلیوں کو عیسائی بنایا' اس طرح کہ تین سال کے اندر اندر دو دیہاتوں کی آبادی عیسائی بن چکی تھی۔ یہاں ایک بورڈنگ سکول بھی قائم کیا۔ 1970ء تک ماتلی کے علاقہ کے تقریباً پچاس ہزار کوہلی جن کا تعلق پارکری گروہ سے تھا اور پانچ سو بھی کوہلی جو نواب شاہ اور میر پور خاص کے علاقہ سے تعلق رکھتے تھے' عیسائی بنائے گئے۔

منصوبے

1967ء میں رومن کیتھولک فرقہ نے میر پور خاص میں ایک میٹنگ میں پروگرام طے کیا کہ پورے پارکری کولی قبائل کو عیسائی بنا دیا جائے۔ اس پروگرام میں زمینی بندوبست' تعلیم' معاشی بہتری کے علاوہ مذہبی و پیشہ ورانہ تربیت بھی شامل ہے۔ چنانچہ 23 پارکری افراد کو تربیت دے کر ان کے حلقے قائم کر دیئے گئے ہیں۔ چار یا پانچ ہمہ وقتی پادری جنہوں نے ان کی زبان سیکھ لی ہے اور ان کے عادات و اطوار سے واقفیت حاصل کر لی ہے' اس قبیلہ میں مامور کر دیئے گئے ہیں۔

رومن کیتھولکوں نے دو عیسائی دینیاتی دار العلوم (سمینری) بھی قائم کیے ہیں 1- لاہور میں 1951ء میں' 2- کراچی میں 1958ء میں۔ جس میں چھ سالہ نصابِ تعلیم ہے۔ اس کے ذریعہ طلبہ کو آئندہ مذہبی تبلیغ کے لیے تربیت دی جاتی ہے۔

ان کا تمام پارکری کوہلی قبائل کو مکمل طور پر عیسائی بنانے کا منصوبہ یقیناً عمل پذیر ہے' جبکہ پاکستان میں سرگرم دوسرے بعض فرقوں نے اس صدی کے آخر تک یعنی آئندہ اکیس سالوں میں پاکستان کی تمام پست کردہ اقوام کو عیسائی بنانے کا پروگرام بنایا ہے۔ ان کے خیال میں اس مقصد کے لیے ہر سال پچاس ہزار افراد کو ان کی شرح پیدائش کو پیش نظر رکھتے ہوئے عیسائی بنانا پڑے گا اور بظاہر یہ کوئی

دشوار معلوم نہیں ہوتا۔ ہم جب ان کی گذشتہ اور حالیہ تبلیغی جدوجہد کو دیکھتے ہیں جن کو عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے برعکس اپنایا ہے' اور جن کے پاکستان میں خاطر خواہ اثرات ہوئے ہیں تو ہمیں غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ اگر پاکستان میں کام کرنے والے فرقوں اور مشنریوں کو افراد اور روپے کی کمی ہے۔ (جس کا قطعی امکان نہیں) تو دس ارب روپے کا منصوبہ ان کی بھرپور مدد کرسکتا ہے۔ وہ ترتیب ہی اسی لیے دیا گیا ہے کہ بین الاقوامی سطح پر مختلف ممالک میں غیر عیسائی عوام کو عیسائی بنایا جائے۔

آئندہ صفحات پر اعداد و شمار دیئے جارہے ہیں جن سے واضح ہوگا کہ قیامِ پاکستان سے قبل ان کی تعداد کیا تھی' اور قیام پاکستان کے بعد کیا ہوئی' اور ان میں کتنے ہزار فیصد اضافہ ہوا...... اکثر فرقوں نے پاکستان کو عیسائیت کے لیے کھلا میدان ظاہر کیا اور اپنی رپوٹوں میں مزید مشنریوں کی کمک طلب کی۔ ایک مشنری (جس کا سوڈان سے پاکستان تبادلہ کردیا گیا تھا) بے اختیار کہہ اٹھا کہ:

''اس نے ایسی کوئی مسلم مملکت نہیں دیکھی جہاں اتنی آزادی سے عیسائیت کی تبلیغ ہوتی ہو جتنی پاکستان میں۔'' (پاکستانی مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے)

تبلیغی ادارے

عیسائی عام طور پر جن اداروں اور ذرائع کو عیسائیت کی تبلیغ کے لیے استعمال کرتے ہیں ان کا مختصر سا خاکہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ جس ملک اور علاقہ میں یہ ادارے زیادہ ہوں گے ان کا منطقی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہاں موثر طور پر تبلیغ کا کام جاری ہے۔

1- مالی ادارے

1- زرعی فارمس 2- کوآپریٹو سوسائٹیز' بنک وغیرہ 3- پریس 4- متفرق انڈسٹریز۔

2- تعلیمی ادارے

1- کالج 2- سکول 3- صنعتی سکول 4- پیشہ ورانہ سکول 5- تربیتی سکول۔

3- طبی ادارے

1- ہسپتال 2- ڈسپنسری 3- زچہ خانے 4- کوڑھیوں کے ہسپتال 5- ٹی بی ہسپتال۔

4- تبلیغی ادارے

1- سمیزی 2- پادریوں کی تربیت گاہیں۔

5- عمومی ادارے

1- مشنریوں کے گھر۔

6-خدمتی ادارے

1- اندھوں' بہروں اور گونگوں کے مراکز 2- عورتوں کے گھر 3- عیسائی ہونے والوں کے گھر 4- لڑکوں کے یتیم خانے یا ہاسٹلز 5- لڑکیوں کے یتیم خانے یا ہاسٹلز 6- سماجی بہبود کے ادارے 7-اخبارات' رسائل وغیرہ۔ نیز فلم شو' تربیتی کیمپ' خط و کتابت کے ذریعہ لڑکے لڑکیوں کی دوستی اور مالی امداد وغیرہ۔

عروج و ترقی

ان اداروں کی ترقی کے لیے جدول 3 اور 4 ملاحظہ کیجئے۔ جدول 3 میں پاکستان بننے سے پہلے کے ایک سو پانچ سال کے اعداد و شمار دیئے گئے ہیں۔ اور جدول 4 میں قیام پاکستان کے بعد کے صرف بارہ سال کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ کیا روایتی طور پر مستغنی اور لاپرواہ پاکستانی کے لیے ان میں کچھ تنبیہ ہے؟ یہ اس کے سوچنے کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ ہم سب کے سوچنے اور غور کرنے کا مسئلہ ہے۔

ایک نکتہ کی وضاحت ضروری ہے۔ یہ اعداد 1959ء کے ہیں' اب سے بیس سال پہلے کے۔ ان بیس سالوں میں کیا کچھ فروغ نہ ہوا ہوگا اس کا اندازہ لگانا دشوار نہیں ہے۔

ایک اور رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ صرف اسی ایک فرقہ کی سب سے زیادہ مشنریاں پاکستان میں سرگرم عمل ہیں' جن میں نصف سے زیادہ غیر ملکی ہیں۔ یہ صرف ایک ہی فرقہ کے اعداد و شمار ہیں' جبکہ پاکستان میں کئی چھوٹے بڑے عیسائی فرقے تبلیغ عیسائیت میں مصروف ہیں اور جن کی تعداد درجنوں سے بھی زیادہ ہوسکتی ہے۔ آبادی کے متعلق اسٹاک بیان کرتا ہے کہ عام طور سے 1941ء اور خاص طور پر تقسیم ہندوستان یعنی قیام پاکستان کے بعد سے رومن کیتھولک فرقہ کی آبادی میں اضافہ ہونا شروع ہوا۔ اس نے نہ صرف غیر اقوام کو عیسائی بنا کر کامیابی حاصل کی بلکہ خود دوسرے عیسائی فرقوں میں سے لوگوں کو توڑ کر اپنے فرقہ میں داخل کیا۔ اس کے کچھ اسباب بھی تحریر کیے گئے۔ سوال یہ نہیں ہے کہ کس طرح اضافہ کیا گیا' بلکہ یہ ہے کہ کتنا اضافہ ہوا؟ (دیکھئے جدول نمبر 2)

1842ء سے اس فرقہ نے اس سرزمین پر اپنا کام شروع کیا تھا اور انیسویں صدی ختم ہونے سے پہلے ہی یہ پوری پاکستانی سرزمین پر پھیل گیا۔ ابتداء میں دو چار دس بیس کیتھولک عیسائیوں نے تبلیغی کام کا آغاز کیا ہوگا۔ اس ابتدائی محنت کا نتیجہ آج یہ ہے کہ پاکستان میں سب سے بڑی عیسائی آبادی کیتھولکوں کی ہے۔ تقریباً 40 فیصد۔ اگر فرض کرلیا جائے کہ یہ ساری آبادی پست اقوام کے عیسائی بننے کی وجہ سے ہے' تو بھی حقیقت میں کچھ فرق نہیں پڑسکتا۔ بہرحال عیسائیوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔

الغرض گذشتہ صفحات کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

1- حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کے برعکس تبلیغ عیسائیت کا کام دنیا کے گوشہ گوشہ میں جاری

ہے اور اس کو عیسائی مدبروں نے باقاعدہ فن کی شکل دے دی ہے۔

-2 شدید اختلاف عقائد و مسلک کے باوجود عیسائی آپس میں ہر قسم کا تعاون کر کے غیر اقوام کو عیسائیت کی آغوش میں لے رہے ہیں۔

-3 عیسائی مبلغین اپنے براعظموں سے دُور دراز کے غیر عیسائی علاقوں میں جا کر نا مساعد حالات کے باوجود جذبے اور ولولے کے ساتھ عیسائیت کی تبلیغ میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

-4 پاکستان کی پست اقوام کے بیشتر حصہ کو عیسائی بنا ڈالا۔ اور اس صدی کے آخر تک تمام پست اقوام کو عیسائی بنانے کے مکمل منصوبے تیار کر لیے ہیں۔ (میں نے دانستہ مسلمانوں کے اعداد وشمار سے صرفِ نظر کیا ہے)

-5 قیامِ پاکستان کے بعد بارہ سال کے اندر اندر صرف ایک فرقہ کے اداروں میں ہزاروں فیصد اضافہ ہوا ہے۔

لمحۂ فکریہ

ان نکات کو دیکھ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ ہم سے بہتر انسان ہیں؟ اور کیا ان کے افکار ونظریات ہمارے افکار ونظریات سے اچھے ہیں؟ یقیناً یہ صحیح نہیں۔ نہ وہ بہتر ہیں' نہ ان کے افکار و نظریات ہمارے افکار ونظریات سے اچھے ہیں۔ وجہ صرف یہ ہے کہ ہمارے قول وعمل میں افسوسناک حد تک تضاد ہے۔ ہمارے قول کا عمل سے کوئی واسطہ نہیں' اور ہمارے عمل کو ہمارے قول سے کوئی نسبت نہیں۔ ہمارا چھوٹا بڑا' جاہل تعلیم یافتہ اسی تضاد کا کم وبیش شکار ہے' جبکہ ان میں اتنی منافقت نہیں۔ وہ بہت ساری خرابیوں میں ڈوبنے کے باوجود کچھ اچھائیاں بھی رکھتے ہیں۔ ان کے اندر طویل جدوجہد' انتھک عمل اور محنت شاقہ پر صبر جیسی کچھ خوبیاں بھی ہیں۔ وہ مذہب بیزار ہونے کے باوجود اس کی تبلیغ و اشاعت میں سرتوڑ کوششیں کرتے ہیں۔ ہم مذہب پسندی کے زبانی دعوں کے باوجود قدم قدم پر عملاً اس کی نفی کرتے ہیں۔

ہمارا وہ مقدس ومحترم مکتبۂ فکر جس کو علمائے کرام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے' سچی بات تو یہ ہے کہ الا ماشاء اللہ بعض بزرگ خود اپنی نگاہوں میں بے اعتبار سے بن گئے (اگر ٹھنڈے دل سے غور کریں) ''ورثۃ الانبیاء'' کی حیثیت سے ان کے کاندھوں پر پوری انسانیت کی ذمہ داری تھی۔ دنیا کے تمام انسانوں کی ہدایت واُخروی نجات ان کے سپرد تھی۔ ان کا فرض منصبی تھا کہ وہ بھٹکے ہوئے انسانی گروہ کو دین محکم کا سرمدی اور ابدی پیغام پہنچاتے' اور اس کو خود ساختہ عقائد ونظریات کی تاریکیوں سے نکال کر اس روشنی اور ہدایت کی طرف لاتے جو ان کو خدا کی طرف سے عطا ہوئی ہے۔ لیکن وہ پوری انسانیت کی رہنمائی تو کیا کرتے...... خود خداداد ملک کی معتدبہ آبادی ان کے فیضان سے محروم' کفر و جہالت اور ظلمت وضلالت میں ڈوبی رہی۔ ان کی نظروں کے سامنے ملک کی لاکھوں کی آبادی حلقہ بگوشِ عیسائیت

ہوتی رہی۔ دُور دراز سے مشنریز آ کر لوگوں پر شب خون مارتے رہے اور یہ مقدس گروہ ٹھنڈے پیٹوں یہ سب دیکھتا رہا۔ گویا یہ ان کی دینی ذمہ داری نہیں تھی۔

ایک سوال

ایک نوجوان لڑکے کا سوال میں اپنی وساطت سے ان محترم ہستیوں کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ امید ہے کہ وہ اپنے مسلمان سیاسی حریفوں کو سیاسی مات دینے کے ہمہ وقتی منصوبوں کی بے پناہ مصروفیتوں میں سے کچھ وقت نکال کر غور فرمائیں گے:

حضورِ اکرم ﷺ کی تعلیمات پوری انسانیت کے لیے ہیں اور قیامت تک کے لیے۔ سو وہ لوگ جو آپ کی تعلیمات سے ناواقف ہیں یا آئندہ بھی ناواقف رہیں گے' خواہ وہ یورپ وامریکہ کے مہذب و ترقی یافتہ لوگ ہوں یا براعظم افریقہ کے جاہل و پسماندہ' خواہ منگولیا کے باشندے ہوں یا پاکستان کے پست اقوام۔ ان کو جاہلیت سے نجات دلا کر علم و عرفان کی طرف لانے' کئی خداؤں کی بندگی سے نکال کر خدائے واحد کی بندگی میں دینے اور اعتقادی و سیاسی مذاہب کی بندشوں سے رہائی دلا کر دین فطرت اور شریعت الٰہی کے سایہ میں لانے کی ذمہ داری اب کس پر ہے؟ اب حضور اکرم ﷺ کے مشن کو پورا کرنے کا مکلف کون ہے؟ عام مسلمان یا علمائے کرام کا مقدس گروہ؟

غور فرمائیے

کل خدا کے حضور اگر یہ اسلام ناآشنا قومیں یہ کہیں کہ تیری ہدایت اور رسول کریم ﷺ کی تعلیمات کی امانت کی دعویدار مسلمان قوم نے تیرا سرمدی پیغام ہم تک پہنچایا ہی نہیں تھا' ورنہ بہت ممکن تھا کہ ہم دعوت پر لبیک کہتے اور اپنے مذاہب کے جور وستم سے نکل کر عدلِ اسلامی کی طرف آتے کیونکہ ہم خود اپنے معتقدات سے عاجز آ چکے تھے۔ اس وقت ہم سے کیا جواب بن پڑے گا۔ کیا ہمارے محترم علماء یہ کہیں گے کہ قوم کے عطیات سے دارالعلوموں کی قیمتی اور پرشکوہ عمارتیں بنوائی تھیں۔ اپنا معیارِ زندگی بلند کرنے کے ساتھ ساتھ چند ہزار طلبہ کو دین اسلام کی عالمگیر بصیرت' یقین و معرفت' عدل و انصاف' رواداری و حسن سلوک کے بجائے اپنے مسلک و مذہب' طور وطریق' تنگ دلی و محدود نظری کی تعلیمات دی تھیں۔ اس طرح ہر سال دیگر اقوام میں تبلیغی کارکن بنانے کے بجائے ہم نے ذاتی' مسلکی اور جماعتی وفاداروں کے گروہ تیار کیے تھے۔

کاش ہمارے بالغ نظر علماء اور پرجوش عوام اس پہلو پر بھی غور کرتے۔ نوجوان برملا پوچھتے ہیں کہ جب بعض علماء دوسرے مسلمانوں کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے' اور سیاسی جلسوں و نجی محفلوں میں اپنے حریفوں پر ہر طرح کی گندگی اچھالنے میں ایک عامی کی سطح سے بھی نیچے اتر آتے ہیں' تو ان سے یہ توقع رکھنا کہ وہ غیر اقوام میں دین فطرت کی تبلیغ کریں گے' اور اس مقصد کے لیے اپنی آرام دہ زندگی چھوڑ کر

پاکستان کے چھوٹے چھوٹے چکوں اور گوٹھوں میں جا کر دعوت وتبلیغ کا عظیم فریضہ انجام دیں گے، کس حد تک درست ہے؟

ایک طرف عیسائی مشنری ادارے نہ صرف پست کردہ اقوام بلکہ خود مسلمانوں کے دین وایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے نت نئے منصوبوں کو رُوبہ عمل لا رہے ہیں اور کامیابی حاصل کر رہے ہیں۔ دوسری جانب خود مسلمان بزرگ اپنی علمی و دینی صلاحیتوں کو نیز "بلغوا عنی ولو آیہ" کو نظر انداز کر کے محض فروعی مسائل میں صرف کر رہے ہیں۔ ایک جانب عیسائیوں میں صدیوں کے اختلافات ختم ہو رہے ہیں۔ دوسری طرف "ملت واحدہ" بیسیوں خانوں میں بٹ رہی ہے۔

اے وائے بہارے اگر دین است بہارے

ڈاکٹر اسرار احمد

پاکستانی عیسائیوں کی خدمت میں چند گزارشات

آج مجھے پاکستانی عیسائیوں کی خدمت میں کچھ گزارشات پیش کرنا ہیں۔ اس کی طرف میرا ذہن کیوں منتقل ہوا؟ اس کا ایک خاص پس منظر ہے۔ ماضی قریب میں ہمارے ملک میں توہین رسالت ﷺ کے ایک مقدمہ کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی، لیکن یہ کہ اس کا اصل ڈراپ سین جس دور میں ہوا اور اس کے حوالے سے ہنگامہ آرائی نے جن دنوں شدت اختیار کی ان دنوں میں ملک سے باہر تھا۔ اگرچہ کسی قدر خبریں تو بین الاقوامی پریس میں بھی آئیں۔ مغربی ذرائع ابلاغ نے ہمارے خلاف اسے اچھالا اور مسلم فنڈامنٹلزم کو اس کے حوالے سے گالیاں دیں۔ اس حد تک تو بات وہاں امریکہ کے قیام کے دوران بھی میرے علم میں آ گئی تھی، لیکن اس کی تفاصیل اور اصل حقائق سے میں لاعلم رہا۔ لیکن پھر جب میں واپس آیا تو اس مقدمے سے متعلق کچھ اہم حقائق میرے سامنے آئے اور بعض باتیں میرے نوٹس میں لائی گئیں۔ اس سے میری تشویش میں تو اضافہ ہوا لیکن میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں نے ابتدا میں اس مسئلے کی طرف کما حقہ، توجہ نہیں دی۔ البتہ پھر جب اس موضوع پر ہمارے ہاں کے ایک صحافی رائے حسنین طاہر کی کتاب "داغ ندامت" کے نام سے شائع ہوئی اور میں نے اس کا مطالعہ شروع کیا تو پھر مجھ پر حقائق صحیح طور پر واضح ہوئے اور یوں کہنا چاہیے کہ چودہ طبق روشن ہو گئے۔ سب سے بڑی بات جو میرے سامنے آئی وہ یہ ہے کہ یہ ایک دو مسخ شدہ ذہن اور مزاج کے لوگوں کا معاملہ تھا، اور کوئی نہایت غلیظ ذہن کے لوگ تھے جنہوں نے وہ حرکت کی اور توہین کا معاملہ کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہر معقول شخص خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو میری اس بات کی تائید کرے گا کہ ایسی حرکت کوئی انتہائی گھٹیا اخلاق کا مالک اور ابنارمل انسان ہی کرتا ہے۔ کوئی معقول اور نارمل شخص ایسی حرکت کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ سرور کونین محمد رسول اللہ ﷺ یا ازواج مطہرات ؓ کو غلیظ گالیاں دے۔ لیکن افسوس کہ ہمارے ہاں کے عیسائیوں نے اسے اپنا مذہبی اور قومی معاملہ بنا دیا۔ حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ وہ اس سے اعلان براءت کرتے اور اس معاملے کو مذہبی مسئلہ بنانے کی بجائے جو لوگ بھی اس سنگین معاملے میں ملوث ہوئے تھے ان کی مذمت کرتے۔ لیکن ہوا یہ کہ اس معاملے کو ملک کے اندر بھی ایک طوفان خیز انداز میں اٹھایا گیا،

گویا کہ یہ دو مذہبوں کا ٹکراؤ ہے یا سیکولرازم اور اسلامک فنڈامنٹلزم کا ٹکراؤ ہے' اور اسی پر قناعت نہیں کی گئی بلکہ عالمی سطح پر عیسائی برادری اور عیسائی دنیا نے اسے اپنا ایک مسئلہ بنا دیا۔

اس ضمن میں جو کچھ ہماری عدالتوں نے کیا' ظاہر بات ہے کہ مجھے ان پر تنقید نہیں کرنی اور نہ ان کی نیت پر حرف زنی میرے پیش نظر ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ جو کچھ انہوں نے کیا' قانون کے مطابق کیا' لیکن یہ کہ عالمی سطح پر جو دباؤ پڑ رہا تھا وہ اس سے غیر متاثر ہوئے بغیر کیسے رہ سکتے تھے۔ ظاہر بات ہے کہ جج صاحبان بھی تو انسان ہی ہیں' وہ کوئی آسمان سے اترے ہوئے فرشتے نہیں ہیں۔ اس عالمی دباؤ کا یقیناً اثر ظاہر ہوا ہے۔ جس تیزی کے ساتھ اس مقدمے کو نمٹایا گیا اور اس قانونی کارروائی (Legal Process) کے بعض تقاضوں کو جس طرح نظر انداز کیا گیا' وہ اپنی جگہ محل نظر ہیں۔ یہ سب باتیں وہ ہیں جو ریکارڈ میں آ چکی ہیں اور اب تاریخ کا حصہ ہیں۔

اس معاملے میں سنگینی میں مزید اضافہ ہوا جب اس کے بالکل برعکس ایک کیس سامنے آیا اور اسے بھی مذہبی بنیادوں پر ہوا دی گئی۔ ہوا یہ کہ ایک Talented عیسائی بچہ اقبال مسیح ایک مسلمان کی نگاہ میں آیا اور وہ بچہ بانڈڈ لیبر کے خلاف احتجاجی تحریک کا لیڈر بن گیا۔ اتفاقاً وہ بچہ ایک جنسی جنونی کے ہاتھوں قتل ہو گیا جو کسی مسلمان زمیندار کا کوئی پہرے دار قسم کا آدمی تھا' لیکن نشئی تھا' چرسی بھنگی تھا اور وہ کوئی نہایت ہی معیوب اور اخلاق سے گری ہوئی حرکت کر رہا تھا کہ بعض بچوں نے' جن میں اقبال مسیح بھی شامل تھا' اسے وہ حرکت کرتے دیکھ لیا' چنانچہ ان بچوں نے شور مچایا' اس شقی انسان نے بندوق نکالی اور فائرنگ کر دی جس کے نتیجے میں اقبال مسیح ہلاک ہو گیا۔ اس واقعے کو بھی اس طرح اچھالا گیا کہ پوری دنیا کے اندر پاکستان کو بدنام کرنے کے لیے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا گیا۔ اسے ایسا رنگ دیا گیا کہ گویا عیسائیت اور اسلام کے درمیان کوئی جنگ شروع ہو گئی ہے۔ دنیا کو تاثر یہ دیا گیا کہ چونکہ وہ بانڈڈ لیبر کے خلاف جدوجہد کی علامت بن گیا تھا اس لیے اسے قتل کیا گیا ہے۔ یہ ساری چیزیں درحقیقت کس چیز کی غمازی کر رہی ہیں؟ یہ کہ۔ کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں! اس کے پیچھے یقیناً کوئی خفیہ ہاتھ ہے جو کہ ایک طرف مسلمانوں کے اندر شیعہ اور سنی کو باہم لڑانا چاہتا ہے تو دوسری طرف عالم اسلام میں عیسائیوں اور مسلمانوں کو لڑانا چاہتا ہے۔ یہ ایک سوچی سمجھی اسکیم ہے' یہ کوئی ایسا واقعہ نہیں کہ جو اچانک ہو گیا ہو۔ عالمی ذرائع ابلاغ کے پاس ٹائم اتنا بے وقعت نہیں ہوتا کہ وہ اسے چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے صرف کر سکیں' ان کا تو ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہوتا ہے۔ آپ ذرا ان کا کچھ وقت خریدنے کی کوشش کیجئے تو معلوم ہو جائے گا کہ کیا قیمت دینی پڑے گی۔ وہ ذرائع ابلاغ اگر ایسی چیزوں کے لیے استعمال ہوئے ہیں' تو یقیناً یہ کوئی بڑی اسکیم ہے۔

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستم گاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں!

اس کے پیچھے یقیناً کوئی خفیہ ہاتھ کارفرما ہے۔

یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات و روابط کا تاریخی پس منظر

اب میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے اس کی وضاحت کروں۔ اس سلسلے میں' میں آپ کے سامنے تاریخی پس منظر لانا چاہتا ہوں کہ یہودیوں' عیسائیوں اور مسلمانوں کے روابط کیا ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں کیا تبدیلیاں آئیں؟ یہ بہت اہم تاریخی موضوع ہے۔

1- بعثت محمدیؐ سے ماقبل کا دور

اس ضمن میں پہلا دور ظہورِ اسلام یعنی حضور ﷺ کی بعثت سے قبل کا دور ہے۔ اس دور میں یہودیوں اور عیسائیوں کے مابین شدید دشمنی اور عداوت تھی۔ سیدھی سی بات ہے کہ جس ہستی کو عیسائی' تثلیث کے عقیدے کے تحت الوہیت کا جزو مانتے ہیں' جنہیں وہ خداوند یسوع مسیح کہتے ہیں' ان کو سولی پر چڑھانے والے یہودی علماء تھے۔ ان کے نزدیک حضرت مسیحؑ بھی (معاذ اللہ) مرتد اور واجب القتل تھے اور جو بھی ان پر ایمان لایا' وہ بھی مرتد اور واجب القتل تھا۔ چنانچہ ان کے مابین تعلقات دشمنی اور عداوت کے حامل رہے۔ لیکن چھ سو برس پر محیط اس دشمنی اور عداوت میں دو رنگ ملتے ہیں۔ یعنی پہلے تین سو برس یہودی عیسائیوں پر بدترین تشدد کرتے رہے جبکہ دوسرے تین سو برس میں عیسائیوں کے ہاتھوں یہودیوں کی پٹائی ہوتی رہی۔ پہلے تین سو برس کے دوران یہودیوں کو سلطنت روما کی سرپرستی حاصل رہی' چنانچہ انہوں نے بت پرست رومیوں کے ذریعے عیسائیوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے۔ یہ بدترین تشدد وتعذیب کا دور ہے جو عیسائیوں نے برداشت کیا ہے۔ اس وقت حضرت مسیح علیہ السلام کے سچے پیروکار موجود تھے جن پر یہودیوں نے بت پرست رومیوں کے ذریعے سے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ اسی سلسلے کا واقعہ اصحابِ کہف کا ہے جو حضرت مسیحؑ کے پیروکار تھے اور بت پرست رومی شہنشاہ نے انہیں الٹی میٹم دے دیا تھا کہ یا تو اپنے اس مذہب عیسائیت سے تائب ہو جاؤ' ورنہ میں تمہیں سولی پر چڑھا دوں گا یا رجم کردوں گا۔ تب وہ بے چارے ایک غار میں جا کر پناہ گزیں ہوگئے۔ یہ اس دور کا واقعہ ہے۔ اصحاب کہف تین سو برس تک اس غار میں رہے۔ اس کے بعد جب صورتحال تبدیل ہوئی تو پھر اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو بھی برآمد کرلیا۔ قرآن حکیم میں ان کی غار کے قیام کی مدت کے بارے میں الفاظ آئے ہیں: "ولبثوا فی کھفھم ثلث مائۃ سنین وازدادوا تسعاً" یعنی وہ اپنی غار میں تین سو برس تک رہے بلکہ نو برس مزید بھی...... شمسی حساب سے ان کی مدت قیام تین سو برس بنتی ہے اور قمری حساب سے تین سو نو برس' کیونکہ قمری حساب سے ہر صدی میں تین برس کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

300ء میں رومی سلطنت میں یہ عظیم تبدیلی آئی کہ رومی شہنشاہ قسطنطین نے عیسائیت قبول کرلی۔ چنانچہ اب عیسائیت نے ریاست کے سرکاری مذہب کی حیثیت اختیار کرلی اور اسے ایک گونہ فضیلت اور فوقیت حاصل ہوگئی۔ اس تبدیلی کے بعد اب عیسائیوں نے یہودیوں سے خوب گن گن کر

بدلے لیے اور ان کی خوب مرمت کی۔ بہر حال ان چھ سو برسوں کے دوران یہود و نصاریٰ کے درمیان سخت چپقلش رہی' ان کے مابین دشمنی رہی اور جب جس کا داؤ چل گیا اس نے مخالف سے بدلہ لیا۔ ان دوسرے تین سو سالوں کے دوران' حضورﷺ کی ولادت سے تقریباً چالیس برس قبل اور حضورﷺ کی بعثت سے تقریباً پون صدی قبل' ایسی صورتحال پیدا ہوگئی کہ یمن میں جو بہت عرصے سے ایک عیسائی ملک چلا آرہا تھا' یہودیوں کی حکومت قائم ہوگئی۔ وہاں سے انہوں نے جنوبی عرب میں نجران پر حملہ کیا جو عیسائیوں کا گڑھ تھا۔ فتح نجران کے بعد یہودی بادشاہ ذونواس نے عیسائیوں کو عیسائیت چھوڑنے پر مجبور کیا اور اس سے انکار پر اس نے سینکڑوں نہیں ہزاروں عیسائیوں کو آگ میں زندہ جلا دیا۔ قرآن حکیم میں یہ واقعہ سورۃ البروج میں مذکور ہے:

والسماء ذات البروج o والیوم الموعودo وشاھد ومشھودo قتل اصحب الاخدودo النار ذات الوقودo اذھم علیھا قعودo وھم علی مایفعلون بالمؤمنین شھودo (البروج:7,1)

"قسم ہے مضبوط قلعوں والے آسمان کی' اور اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے (یعنی قیامت) اور دیکھنے والے کی اور دیکھی جانے والی چیز کی' کہ مارے گئے گڑھے کھودنے والے' (وہ گڑھے کہ جن میں) آگ تھی خوب بھڑکتے ہوئے ایندھن والی' جبکہ وہ اس (کے کنارے) پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور جو کچھ وہ ایمان لانے والوں کے ساتھ کر رہے تھے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔"

یہاں "مومنین" سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ حضورﷺ کی بعثت سے پہلے حضرت عیسیٰؑ رسول تھے اور ان پر ایمان لانے والے' ان کے پیروکار' مومن تھے۔ ان پر یہودیوں نے یہ ستم توڑا جس کا ذکر قرآن حکیم میں آیا ہے۔ یہ واقعہ 523 عیسوی کا ہے۔

میں نے آپ کو چھ سو برس کی داستان بتا دی ہے کہ اس عرصے میں ان کے مابین کوئی دوستی نہیں تھی' بلکہ شدید ترین دشمنی تھی۔ پہلے تین سو برسوں میں یہودیوں کا داؤ چل گیا تو انہوں نے بت پرست رومیوں کے ہاتھوں عیسائیوں کی خوب پٹائی کروائی اور اگلے تین سو برس میں چونکہ سلطنت روما بحیثیت مجموعی عیسائی ہوگئی تو پھر انہوں نے یہودیوں کی مرمت کروائی۔ البتہ اس دوران اتفاقاً ایسا ہوگیا کہ یمن میں عارضی طور پر یہودیوں کی حکومت قائم ہوگئی تو انہوں نے پھر نجران کے عیسائیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔

2- آنحضورﷺ کا عہد مبارک

نبی اکرمﷺ کی بعثت کے وقت جو صورت حال تھی اس کا اندازہ سورۃ المائدہ کی آیت 82 و مابعد سے ہوتا ہے:

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا، وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّا نَصٰرٰى، ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ○

"تم تمام انسانوں میں اہل ایمان کے شدید ترین دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پاؤ گے۔ اور ان سب میں قریب ترین پاؤ گے محبت میں اہل ایمان کے لیے ان کو جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ ان میں بڑے عالم اور درویش لوگ ہیں اور اس لیے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔"

حضور ﷺ کی بعثت کے وقت ایسے حق شناس راہب موجود تھے۔ چنانچہ بحیرہ وہ عیسائی راہب تھا جس نے کہ حضور ﷺ کو بچپن ہی میں پہچان لیا تھا۔ حضرت سلمان فارسیؓ کی راہنمائی کرنے والا بھی ایک عیسائی راہب ہی تھا، جس نے آپؓ سے کہا تھا کہ جاؤ، میرا علم بتاتا ہے کہ جنوب میں کھجوروں کی سرزمین میں آخری نبی ﷺ کی نبوت کے ظہور کا وقت آ گیا ہے۔ چنانچہ حضرت سلمان فارسی شام سے ایک قافلے کے ہمراہ چلے، راستے میں قافلے پر ڈاکہ پڑ گیا اور ان کو گرفتار کر کے غلام بنا کر بیچ دیا گیا۔ آپؓ کا خریدار مدینے کا ایک یہودی تھا۔ اس طرح آپؓ مدینے پہنچ گئے، جبکہ حضور ﷺ ابھی مکے ہی میں تھے۔ ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت عیسائیوں میں کیسے کیسے لوگ موجود تھے۔

پھر اس ضمن میں یہ بھی نوٹ کیجئے کہ جب ایرانیوں اور رومیوں کی جنگوں کا سلسلہ چل رہا تھا تو 614ء میں (یعنی حضور ﷺ کی بعثت کے چوتھے یا پانچویں برس) رومیوں کو ایرانیوں کے مقابلے میں بڑی زبردست شکست ہوئی۔ ہرقل کو ایسی شکست ہوئی کہ پورا شام اس کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ ایرانیوں نے یروشلم کو تباہ و برباد کر دیا اور صلیب اکھاڑ کر ساتھ لے گئے۔ رومیوں کی اس شکست پر اس وقت مسلمانوں کو افسوس ہوا تھا، کیونکہ مسلمانوں سے قریب ترین تو یہی تھے۔ دوسری طرف مشرکین مکہ نے بغلیں بجائیں کہ دیکھو ہمارے آتش پرست ایرانی بھائی فتح سے ہمکنار ہوئے ہیں اور تمہارے اہل کتاب بھائی، عیسیٰؑ کے پیروکار (جنہیں تم بھی رسول مانتے ہو) شکست سے دوچار ہوئے ہیں۔ دیکھو ہمارے بھائیوں نے تمہارے بھائیوں کی خوب پٹائی کی ہے۔ اس پر مسلمانوں کی دلجوئی کے لیے سورۃ الروم کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں:

الم○ غلبت الروم○ فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون○ فی بضع سنین ○

"مغلوب ہو گئے ہیں رومی، قریب کی سرزمین میں، اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہوں گے چند برسوں میں۔"

قرآن حکیم میں پیشین گوئی کر دی گئی کہ عنقریب پانسہ پلٹ جائے گا اور دس سال سے کم کی مدت کے اندر اندر رومی پھر غالب آ جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور عین غزوۂ بدر میں جب مسلمانوں کو فتح

حاصل ہوئی اسی وقت ہرقل نے ایرانیوں کو زبردست شکست دی۔ اس کے بعد قیصر روم ہرقل ننگے پاؤں' پاپیادہ چل کر بیت المقدس آیا تاکہ وہاں پر عبادت کرے اور صلیب جو واپس حاصل کرلی گئی تھی اس کو وہاں پر دوبارہ نصب کرے۔ یہ ساری صورت حال میں یہ واضح کرنے کے لیے بتا رہا ہوں کہ حضورﷺ کی بعثت کے بعد اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ عیسائیوں کا معاملہ کیا رہا اور یہودیوں کا کیا رہا۔ یہودیوں نے بدترین دشمنی کا معاملہ کیا لیکن عیسائیوں نے ہمدردی و خیر خواہی کا۔ آپ کو معلوم ہے کہ حبشہ کی سرزمین مسلمانوں کے لیے پناہ گاہ ثابت ہوئی تھی اور وہاں کے عیسائی بادشاہ نجاشیؓ ایمان بھی لے آئے تھے اگرچہ ان کی پوری قوم نے اسلام قبول نہیں کیا۔ نجاشیؓ صحابی نہیں ہیں بلکہ انہیں تابعی کہا جاتا ہے' اس لیے کہ حضورﷺ سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ لیکن جب مدینہ میں ان کے انتقال کی خبر آئی تو حضورﷺ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی۔ اسی طرح جب حضورﷺ نے مختلف سربراہانِ مملکت کو خطوط بھیجے تو آپ کو معلوم ہے کہ قیصر روم ہرقل نے کوشش کی تھی کہ پوری سلطنت روما ایک ساتھ اسلام قبول کرلے۔ وہ حضورﷺ کو پہچان گیا تھا کہ آپﷺ اللہ کے رسول ہیں' لیکن وہ چاہتا تھا کہ جس طرح تین سو سال قبل قسطنطین کے عیسائیت قبول کرلینے پر پوری مملکت عیسائی ہوگئی تھی اسی طرح اب پوری مملکت مسلمان ہو جائے۔ اس طرح میری حکومت باقی رہے گی' ورنہ اگر میں اکیلا ایمان لاؤں گا تو میری حکومت جاتی رہے گی' مجھے مار کے باہر نکال دیں گے۔ لہٰذا حکومت کی بیڑی اس کے پاؤں میں پڑی رہ گئی اور اس وجہ سے وہ محروم رہ گیا۔ ورنہ وہ حضورﷺ کو پہچان چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ غزوہ تبوک میں اس نے سامنے آنے کی جرأت نہیں کی' کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اللہ کے رسولﷺ سے مقابلہ کر کے میں کہاں بچ سکوں گا۔ حضورﷺ تبوک میں کیمپ لگا کر قیام پذیر رہے اور آس پاس کے جتنے لوگ تھے ان سے معاہدات کر کے اپنی پوزیشن مستحکم کی۔ لیکن وہ مقابلے پر نہیں آیا۔ مقوقس شاہ مصر بھی عیسائی تھا۔ اس کے پاس رسول اللہﷺ کا خط پہنچا تو اس نے حضورﷺ کی خدمت میں ہدایہ بھیجے' اگرچہ وہ ایمان نہیں لایا۔ چنانچہ آنحضورﷺ کے ساتھ نصاریٰ کا معاملہ' یہودیوں کے برعکس' دشمنی کا نہیں بلکہ کسی نہ کسی درجے میں تعاون کا رہا ہے۔ لہٰذا سورۃ المائدہ کی آیت 83 میں ان کا بایں الفاظ ذکر ہے:

واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینهم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق یقولون ربنا امنا فاکتبنا مع الشهدین ○

''اور جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسولﷺ پر اترا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھیں ابل پڑتی ہیں آنسوؤں سے' اس وجہ سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے' ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔''

اس کے برعکس اسلام اور مسلمانوں کے شدید ترین دشمن یہودی اور مشرکین تھے' اگرچہ ان میں ایک فرق یہ تھا کہ مشرکین کی دشمنی صاف اور کھلی تھی' جبکہ یہود کی دشمنی سازشی انداز کی تھی۔ وہ سامنے آ کر

مقابلہ نہیں کرتے تھے۔ ان کے بارے میں قرآن حکیم میں (سورۃ الحشر: 14) الفاظ وارد ہوئے ہیں: "لایقاتلونکم جمیعا الا فی قری محصنۃ اومن وراء جدر" یعنی "(اے مسلمانو) یہ یہودی ہرگز کبھی اکٹھے ہو کر (کھلے میدان میں) تمہارا مقابلہ نہ کر سکیں گے' لڑیں گے بھی تو قلعہ بند بستیوں میں بیٹھ کر یا دیواروں کے پیچھے چھپ کر۔" چنانچہ یہود کی دشمنی کا انداز سازشی رہا ہے۔ وہ اپنی سازشوں سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوششیں کرتے رہے۔ قرآن حکیم میں دو مقامات پر ان کی سازشوں کی طرف بایں الفاظ اشارہ کیا گیا ہے: "یریدون لیطفوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکفرون o" (الصف: 8) اور "یریدون ان یطفوا نور اللہ بافواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون o" (التوبہ: 32) یعنی "یہ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھا دیں' جبکہ اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا' خواہ یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔"

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا!

3- فتح بیت المقدس

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب شام میں جہاد ہو رہا تھا تو مسلمانوں نے یروشلم کا محاصرہ کر لیا' لیکن شہر فتح نہیں ہو پا رہا تھا۔ شہر کی فصیل بہت اونچی اور بڑی مضبوط تھی اور اندر ہر طرح کی ضروریاتِ زندگی موجود تھیں۔ اس کا فی الحال کوئی امکان نظر نہیں آ رہا تھا کہ راشن ختم ہو جائے تو لوگ مجبور ہو کر بھوک کے مارے دروازہ کھولیں۔ وہاں اس وقت عیسائیوں کی حکومت تھی۔ جب محاصرے نے بہت طول کھینچا تو انہی عیسائیوں کی طرف سے یہ بات آئی کہ مسلمانو' اگر تم قیامت تک بھی ہمارا محاصرہ کیے رکھو تب بھی یروشلم کو فتح نہیں کر سکتے' ہاں ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ بعض مخصوص اوصاف کے حامل ایک درویش بادشاہ کے ہاتھوں یروشلم کو فتح ہونا ہے' لیکن ہمیں ان اوصاف کا حامل شخص تم میں سے کوئی نظر نہیں آتا۔ مسلمان چونکہ کافی عرصے سے شام میں رہ رہے تھے اور خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے' چنانچہ مسلمان بھی اچھے کپڑے پہنتے تھے اور ان کے اندر دورِ نبوی ﷺ کی درویشی کا رنگ نظر نہیں آ رہا تھا' حالانکہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے اور ان کے سپہ سالار حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ تھے' جنہیں رسول اللہ ﷺ نے "اَمِیْنُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃ" قرار دیا تھا۔ ان کا ذہن منتقل ہوا کہ ہو نہ ہو یہ درویش بادشاہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اب حضرت عمرؓ کی خدمت میں محاذِ جنگ سے درخواست گئی کہ آپ تشریف لے آئیں تو یروشلم بغیر جنگ کے فتح ہو جائے گا۔ تب حضرت عمرؓ نے ایک غلام کے ہمراہ بیت المقدس کا وہ تاریخی سفر کیا جو تاریخ انسانی کے عظیم ترین واقعات میں سے ایک ہے۔ جب حضرت عمرؓ وہاں پہنچے تو عیسائی راہبوں نے اپنی کتابوں میں سے نشانیاں دیکھ کر کہا کہ ہاں یہی ہیں

وہ درویش بادشاہ۔ اور یروشلم کے دروازے کھول دیئے۔ اس طرح بغیر کسی خونریزی کے بیت المقدس فتح ہوگیا۔

اس کے ضمن میں یہ اہم بات نوٹ کر لیجیے کہ 70ء میں رومی جرنیل ٹائیٹس نے یروشلم پر حملہ کیا تھا اور ہیکل سلیمانی کو مسمار کر دیا تھا جو کہ آج تک مسمار پڑا ہوا ہے۔ ہیکل سلیمانی کی حیثیت یہودیوں کے لیے کعبہ کی ہے جسے منہدم ہوئے 1925 برس پورے ہوگئے ہیں۔ ٹائیٹس نے نہ صرف ہیکل سلیمانی مسمار کیا بلکہ یہودیوں کو وہاں سے نکال دیا۔ چنانچہ اُس وقت سے وہاں یہودیوں کا داخلہ ممنوع رہا' یہاں تک کہ 650ء کے قریب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بیت المقدس فتح ہوا تو آپؓ نے ان پر یہ کرم فرمایا کہ انہیں وہاں آنے کی اجازت دی۔ تاہم چونکہ عیسائیوں نے جنگ کیے بغیر پُرامن طور پر ہتھیار ڈال دیئے تھے لہٰذا انہوں نے مصالحت کی شرائط میں یہ شرط رکھوائی کہ یہودیوں کو یہاں آباد ہونے کا حق حاصل نہیں ہوگا' وہ یہاں کوئی پراپرٹی نہیں خرید سکیں گے' کوئی مکان نہیں بنا سکیں گے' بس زیارت کریں اور واپس چلے جائیں' اس سے زیادہ کی اجازت نہیں۔

یہود کی تاریخ میں یہ ان کا دورِ انتشار (Diaspora) کہلاتا ہے' اس لیے کہ جب انہیں فلسطین سے نکال دیا گیا تو یہ دنیا بھر میں منتشر ہوگئے' جس کے جہاں سینگ سمائے چلا گیا۔ چنانچہ کوئی روس کو چلے گئے' کوئی یورپ کو چلے گئے' کوئی افریقہ چلے گئے' کوئی ہندوستان چلے آئے' کوئی ایران اور ترکی میں آ کر آباد ہوگئے۔ اس طرح یہ منتشر طور پر پوری دنیا میں بس گئے' لیکن اپنی ارضِ مقدس کی یاد انہوں نے اپنے سینوں میں رکھی۔ ان کا یہ دورِ انتشار 1917ء میں بایں معنی ختم ہوا کہ اعلانِ بالفور کے نتیجے میں انہیں وہاں آباد ہونے کا حق دیا گیا ورنہ سلطنت عثمانیہ نے اپنے تمام تر زوال کے باوجود حضرت عمرؓ کے ساتھ ہونے والے عیسائیوں کے معاہدے کا پوری طرح احترام کیا۔ یہودیوں نے سلطان عبدالحمید ثانی کو بڑی سے بڑی رشوت پیش کر کے اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی کہ انہیں فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت دے دی جائے' مگر انہیں اس کی اجازت نہیں مل سکی۔ لیکن پھر ''واسپ'' (White Anglo Saxon Protestants) نے 1917ء میں اعلانِ بالفور کے ذریعے ان پر عائد پابندی کو ختم کروایا۔ اس وقت برطانیہ سپریم پاور تھی اور اس کی سلطنت پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا' لہٰذا کون تھا جو اعلان بالفور کے آگے رکاوٹ بن سکتا۔ چنانچہ اس وقت سے انہیں یہاں آباد ہونے کی اجازت حاصل ہوگئی۔

بہرحال میں نے حضرت عمرؓ کا واقعہ آپ کو اس حوالے سے سنایا ہے کہ بیت المقدس مسلمانوں کے حوالے کرتے وقت یہ شرط عیسائیوں کی طرف سے رکھوائی گئی تھی کہ یہودیوں کو یہاں آباد ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ یہ ان کے آپس کے بیر کا معاملہ تھا۔ قرآن حکیم میں بھی ان کے آپس کے بیر کا ذکر آیا ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرہ کی آیت 112 کے الفاظ ہیں: ''قالت الیھود لیست النصری علی شیء وقالت النصری لیست الیھود علی شیء وھم یتلون الکتب '' یعنی ''یہود کہتے ہیں

کہ نصاریٰ کسی بنیاد پر نہیں ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کسی بنیاد پر نہیں ہیں حالانکہ وہ سب (ایک ہی) کتاب پڑھتے ہیں۔" یہود و نصاریٰ ایک ہی کتاب کے پڑھنے والے ہیں' تورات کو وہ بھی مانتے ہیں یہ بھی مانتے ہیں' اس کے باوجود یہودی کہتے ہیں کہ نصاریٰ کی کوئی حقیقت نہیں' یہ بے بنیاد ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودیوں کی کوئی حقیقت نہیں' ان کی کوئی بنیاد ہی نہیں۔ تو ان کے درمیان جو دشمنی اور بیر چلا آ رہا تھا یہ اسی کا ایک مظہر ہے کہ عیسایوں نے مسلمانوں کے ساتھ مصالحت کے وقت یہ شرط رکھوائی کہ یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

4- فتح ہسپانیہ

یہود و نصاریٰ کے باہمی تعلقات کے چوتھے دور کا آغاز "فتح سپین" سے ہوتا ہے۔ اُس وقت یہود "خداوند یسوع مسیح کے قاتل" ہونے کے جرم میں پوری عیسائی دنیا میں مبغوض و مقہور تھے' یورپ میں یہ عیسائیوں کے ہاتھوں تختہ ستم بنے ہوئے تھے' لہٰذا انہوں نے عیسائیوں کے خلاف یہ چال چلی کہ جب حضرت طارق بن زیادؒ فتح سپین کے لیے داخل ہوئے تو انہوں نے ان کی مدد کی' کیونکہ دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں انہیں مسلم سپین میں تحفظ اور وقار حاصل ہوا۔ ظاہر بات ہے کہ جس نے فتح میں مدد کی ہو وہ تو گویا ایک طرح کا محسن ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں ہندوستان میں جب شیر شاہ سوری نے ہمایوں کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا تو پھر ہمایوں ایران سے شیعہ فوج ہمراہ لے کر آیا تھا اور یہ قزلباش جو یہاں آباد ہیں یہ اس وقت کے آئے ہوئے ہیں۔ یہی وہ وقت تھا کہ جب شیعیت ہندوستان میں آئی' ورنہ ہندوستان میں اس سے پہلے شیعیت کا وجود ہی نہ تھا۔ ہمایوں کی مدد کرنے پر انہیں بڑی بڑی جاگیریں اور بڑے بڑے عہدے ملے' نور جہاں شاہی محل کے اندر پہنچ گئی اور اس کا بھائی سپہ سالار اور گورنر بن گیا۔ چنانچہ شیعیت کو جس طرح یہاں فروغ حاصل ہوا' یوں سمجھئے کہ اسی طرح یہودیت کو سپین میں فروغ حاصل ہوا' اس لیے کہ وہ مسلمان عربوں کے محسن تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بن گوریان جو غالباً ان کا وزیر اعظم یا صدر تھا' اس نے اپنی کتاب میں یہ الفاظ لکھے ہیں:

"Muslim Spain is the golden era of our diaspora"

یعنی مسلم سپین کا زمانہ ہمارے دورِ انتشار کا سنہری زمانہ ہے۔ اس لیے کہ اس میں انہیں عزت اور حفاظت ملی۔ لیکن ان بدبختوں کی احسان فراموشی اور محسن کشی ملاحظہ ہو کہ وہیں پر بیٹھ کر انہوں نے عیسائیوں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے خلاف بھی سازشیں کرنی شروع کر دیں۔

5- ہسپانیہ میں قیام کے دوران یہود کی ریشہ دوانیاں

سپین میں قیام کے دوران انہوں نے ایک کام تو یہ کیا کہ عیسائیوں میں تفرقہ پیدا کرنا شروع کیا۔ مسلمانوں نے سپین میں علم کی روشنی پھیلائی تو وہاں تمام یورپ سے لوگ تعلیم حاصل کرنے آنے

لگے۔ باقی پورا براعظم تو اس وقت جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں گھرا ہوا تھا۔ جس طرح آج آپ کے نوجوان تعلیم حاصل کرنے یورپ اور امریکہ جاتے ہیں اسی طرح اس وقت لوگ قرطبہ اور غرناطہ کی یونیورسٹیوں میں آتے تھے۔ حصولِ علم کے لیے سپین آنے والے عیسائیوں کو وہاں پر مقیم یہودیوں نے آزاد خیالی اور حریت فکر کے نام پر بائبل سے برگشتہ کرنا شروع کر دیا اور ان خیالات کے ذریعہ سے عیسائیت میں تفرقہ پیدا کیا۔ چنانچہ عیسائی دو فرقوں...... کیتھولک اور پروٹسٹنٹ...... میں تقسیم ہو گئے۔ یہودی اس سے قبل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمانوں میں بھی تفرقہ پیدا کر چکے تھے۔ عبداللہ ابن سبا یہودی نے ملت اسلامیہ میں شیعہ سنی کی تقسیم پیدا کر کے ایک مستقل فتنہ برپا کر دیا۔ ابتداء میں یہ دو گروہ شیعانِ علیؓ اور شیعانِ عثمانؓ کی شکل میں تھے لیکن اس کے بعد ''شیعہ'' کا لفظ شیعان علیؓ کے لیے مخصوص ہو گیا اور شیعان عثمانؓ ''سنی'' کہلانے لگے۔ بہرحال یہ ایک تاریخی مسئلہ ہے جسے میں نے اس وقت صرف ایک مثال کے طور پر سامنے رکھا ہے کہ یہود کے سازشی ذہن نے ملت اسلامیہ میں شیعہ سنی کی اور ملت عیسوی میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کی تفریق پیدا کر دی۔ اس طرح گویا یہودیوں نے عیسائیوں سے ان کے تشدد اور تعذیب کا انتقام لیا۔

مسلم سپین میں تحفظ حاصل ہونے کے بعد یہودیوں نے جو دوسرا بڑا ''کارنامہ'' سرانجام دیا' جس کے لیے میں نے ابھی محسن کشی کے الفاظ استعمال کیے ہیں' وہ یہ کہ انہوں نے عیسائیوں کی نفرت اور دشمنی کا رخ یہودیوں کی بجائے مسلمانوں کی طرف پھیر دیا۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ تھا کہ بعثت محمدیؐ کے تین سو برس بعد صلیبی جنگیں شروع ہو گئیں۔ اتنی بڑی تیاریوں کے ساتھ اتنی بڑی جنگیں کیسے شروع ہو گئیں کہ تمام دولِ یورپ مسلمانوں پر چڑھ دوڑنے کے لیے چلے آ رہے ہیں۔ شیر دل رچرڈ جزائر برطانیہ سے مسلمانوں کے خلاف ''مقدس جنگ'' کرنے چلا آ رہا ہے۔ آخر اس کے پیچھے کوئی سازشی ذہن تھا' تبھی یہ سب کچھ ہوا ہے' ایسے تو نہیں ہو گیا۔ اسی طرح کی ایک چالبازی ہمارے ساتھ انگریز بھی کر کے گیا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کو آزاد تو کر دو لیکن کشمیر کا جھگڑا پیدا کر کے جاؤ تاکہ یہ آپس میں لڑتے رہیں اور ہمارے دونوں دوست رہیں' دونوں دولت مشترکہ کے رکن رہیں' ورنہ ان کے دلوں میں ہمارے خلاف انتقامی جذبات پیدا ہو جائیں گے کیونکہ ہم نے ان پر دو سو برس تک حکومت کی ہے۔ تو بجائے اس کے کہ محکوم کے دل میں اپنے سابقہ حاکموں کے خلاف نفرت پیدا ہو' ان کی نفرت کا سارا لاوا آپس میں ہی ایک دوسرے کے خلاف پھٹنا چاہیے۔ ایسی ہی چالبازی یہودیوں نے کی کہ عیسائیوں کی نفرت کے رخ کو مسلمانوں کی طرف پھیر دیا اور اس کے نتیجے میں عظیم صلیبی جنگیں ہوئیں۔

6- یورپ میں یہود کی مزید ''کامیابیاں''

اب آئیے دیکھتے ہیں کہ یورپ میں مزید تین سو برس کے بعد یہود کو کیا کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ جب انہوں نے عیسائیت میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کی تفریق پیدا کر دی تو پوپ کی حیثیت

کیتھولک عیسائیت کے سربراہ کی رہی' لیکن پروٹسٹنٹ فرقہ آزاد خیالی کا علمبردار اور ''حقوقِ انسانی'' کا دعویدار بن گیا۔ چنانچہ آزادئ فکر' حریت عمل اور مرد وزن کی مساوات سب سے بڑے انسانی حقوق قرار پائے اور ان کا عالمگیر تصور اس انداز سے پیش کیا گیا کہ ہر شخص کو سوچنے سمجھنے اور اپنی سوچ کے مطابق عمل کرنے کی آزادی ہے۔ ایک شخص سڑک پر ننگا ہو کر پھرنا چاہے تو آپ کون ہوتے ہیں اسے روکنے والے؟ آپ اسے نہیں دیکھنا چاہتے تو اپنی آنکھیں بند کر لیجئے۔ اگر دو مرد اپنی جنسی تسکین آپس میں کرنا چاہتے ہیں تو یہ ان کا حق ہے' آپ کون ہوتے ہیں اعتراض کرنے والے؟ باہمی رضامندی سے اگر ایک مرد اور ایک عورت زنا کر رہے ہیں تو یہ کوئی جرم نہیں ہے۔ اگر کسی شخص کی بیوی کسی دوسرے مرد کے ساتھ حرام کاری میں ملوث ہوگئی ہے تو اسے اپنی بیوی کے خلاف اقدام کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ البتہ وہ عدالت سے رجوع کر سکتا ہے کہ میرے حقوق میں مداخلت ہوگئی ہے۔ یہ ایک دیوانی مقدمہ ہوگا' فوجداری مقدمہ نہیں ہوگا۔ اگر زانیہ اور زانی دونوں راضی ہیں تو پھر حکومت کو کوئی اعتراض نہیں۔ یہ ساری یہودی ذہن کی چالاکی ہے جس نے اس سارے معاشرے کو بدکردار بنا کر اسے اخلاقی اعتبار سے اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے۔ نتیجتاً وہاں پر خاندان کا ادارہ موجود ہی نہیں رہا۔ ہوس پرستی اس انتہا کو پہنچ گئی ہے کہ ماں' بیوی اور بیٹی میں کوئی فرق ہی نہیں رہا۔ یہ سب کچھ ایسے ہی تو نہیں ہوگیا۔ اس کے پیچھے یہود کا سازشی ذہن کارفرما ہے۔

یہودیوں نے دوسری کامیابی یہ حاصل کی کہ وہاں پر سود کی اجازت حاصل کر لی اور سود کے ہتھکنڈے سے پورے یورپ کی معیشت پر چھا گئے۔ اور یاد رہے کہ یورپ کی معیشت پر چھا جانے والوں میں ایک یہ گولڈ سمتھ کا خاندان ہے جس کی دامادی کی سعادت عمران خان کے حصے میں آئی ہے۔ یہ یہودی بینکرز کہ آج تمام یورپی حکومتیں جن کی مقروض ہیں' ان کا طریقہ واردات یہ تھا کہ سازش کر کے حکومتوں کو آپس میں لڑاتے' پھر حکومتوں کو ہتھیار خریدنے کے لیے سرمائے کی ضرورت پڑتی تو انہیں قرض دیتے۔ اب جو قرض کے جال میں بندھ گئے ان سے جو چاہو کروا لو۔ یہی حال اس وقت امریکہ کا ہے کہ وہ یہودی بینکرز کے شکنجے کے اندر کسا ہوا ہے۔ چنانچہ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی مقروض حکومت امریکہ کی ہے۔ اور وہاں کے بینک ریاست کے تابع نہیں ہیں بلکہ آزاد اور خود مختار ہیں۔ جس طرح فرائڈ کے نزدیک ego کے اوپر super ego ہے اسی طرح امریکہ میں State کے اوپر Super State کی حیثیت درحقیقت یہودی بینکرز کو حاصل ہے۔ بہرحال یورپ میں یہودیوں کو بہت بڑی کامیابی یہ حاصل ہوئی کہ انہوں نے وہاں کی معیشت پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ گویا ؎

فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے!

یہ بات علامہ اقبال نے اس صدی کے آغاز میں کہہ دی تھی جب کہ ہٹلر کو ابھی شاید اس کا احساس بھی نہیں ہوا تھا۔ اس وقت ''ہالوکاسٹ'' (Holocaust) زیر بحث نہیں ہے۔ اس سے قطع نظر کہ وہ کتنا صحیح تھا کتنا غلط' میں یہ بتانا چاہ رہا ہوں کہ جبکہ جرمنوں کو ابھی اس کا احساس اور شعور بھی نہیں تھا'

ہمارے حکیم الامت شاعرِ مشرق نے اس حقیقت کا ادراک کر لیا تھا۔ اس لیے کہ علامہ صحیح معنوں میں "شاعر" تھے اور شاعر وہ ہوتا ہے جس کا شعور بیدار ہو۔ اقبال کہتے ہیں۔

گاہ مری نگاہِ تیز چیر گئی دلِ وجود
گاہ الجھ کے رہ گئی میرے توہمات میں

تو ان کی نگاہِ دوررس نے دلِ وجود کو چیر کر دیکھ لیا کہ۔

فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے!

اور یہ صرف اقبال ہی دیکھ سکتا تھا' کسی اور کے بس کا روگ نہیں تھا۔ اس چھٹے دور میں انہوں نے آزاد خیال "واسپ" (White Anglo Saxon Protestants) کو اپنا آلۂ کار بنایا' جبکہ رومن کیتھولکس یعنی پاپائے روم کے ساتھ اپنی وفاداری برقرار رکھنے والے پرانے عیسائی ان کے ہتھکنڈوں میں نہیں آئے۔ "واسپ" (Wasp) کی اس وقت دنیا میں تین بڑی حکومتیں ہیں: امریکہ' برطانیہ اور فرانس۔ اور یہی تین آپ کو ہر جگہ اکٹھے ملیں گے۔ ہر بین الاقوامی معاملہ میں ہمیشہ ان کا موقف ایک ہوگا۔ البتہ حال ہی میں ایک معجزہ ہوا ہے کہ یہ تینوں ایک ساتھ نہیں رہے۔ یہ چیز حالات و واقعات کی تبدیلی کی ایک علامت ہے۔ (یہاں اشارہ اس اہم واقعے کی طرف ہے کہ حال ہی میں اقوامِ متحدہ کی سیکیورٹی کونسل نے اسرائیل کی اس بنیاد پر مذمت کی ہے کہ اس نے عرب زمینوں پر قبضہ کیا ہے۔ یہودی دراصل ہیکل سلیمانی کے پورے علاقے کو گھیرے میں لے لینا چاہتے ہیں تاکہ وہ کسی بھی وقت اس میں کوئی تخریبی کارروائی کر سکیں۔ یہ بات غیر معمولی ہے کہ اسرائیل کی مذمت کی یہ قرارداد سیکیورٹی کونسل میں تنہا امریکہ کو ویٹو کرنا پڑی ہے' فرانس اور برطانیہ نے بھی اس کا ساتھ نہیں دیا۔)

7- ماضی قریب میں یہود کی آخری اور اہم ترین "فتح"

یہودیوں نے حال ہی میں عیسائیوں پر آخری اور اہم ترین فتح اس طور سے حاصل کر لی ہے کہ پوپ کو بھی رام کر لیا ہے اور اس سے ایک فرمان جاری کروالیا ہے کہ یہودی خداوند یسوع مسیح کو صلیب دینے کے مجرم نہیں ہیں۔ اس طرح پوپ نے اس معاملہ میں یہودیوں کی براءت کا اعلان کر دیا یعنی آج کے یہودی اس جرم میں شریک نہیں ہیں' یہ جرم حضرت مسیحؑ کے دور کے یہودیوں کا ہے۔ لیکن یہ فیصلہ کرتے ہوئے اس اصول کو نظر انداز کر دیا گیا کہ جو قوم اپنے اسلاف کے کسی عمل یا اقدام سے اعلانِ براءت نہ کرے' اسے disown نہ کرے وہ اس جرم کے اندر شریک مانی جائے گی۔ تو یہودیوں نے تو آج تک اسے disown نہیں کیا۔ لہٰذا چاہے وہ ان کے اسلاف تھے جنہوں نے دو ہزار سال پہلے اس جرم کا ارتکاب کیا تھا' لیکن یہ تو سوچئے کہ جو قوم اپنے اسلاف کے اس جرم سے اعلانِ براءت نہیں کر رہی اس کی آپ نے کیسے براءت کر دی؟

اور صرف یہی نہیں کیا۔ میں آپ کو ایک واقعہ بتاتا ہوں جس سے اندازہ ہوگا کہ عیسائیوں

نے یہودیوں کو اس الزام سے بچانے کے لیے کس طرح تاریخ کو بھی مسخ کیا ہے۔ مجھے اپنے زمانہ طالب علمی سے اناجیل اربعہ سے بڑی دلچسپی رہی ہے، خاص طور پر متی کی انجیل میں نے بہت شوق سے بار بار پڑھی ہے اور ایک زمانے میں میرے دروس میں اس کے حوالے بہت آیا کرتے تھے۔ 1962ء میں جبکہ میں کراچی میں تھا حضرت مسیحؑ کی زندگی پر مبنی ایک پکچر "King of Kings" کے نام سے آئی۔ میں اگرچہ بارہ برس سے سینما دیکھنا چھوڑ چکا تھا اور جب سے اسلامی جمعیت طلبہ اور تحریک اسلامی کے ساتھ وابستگی ہوئی تھی میں نے یہ ساری چیزیں یکسر چھوڑ دی تھیں، لیکن چونکہ مجھے حضرت مسیح علیہ السلام اور اناجیل سے خصوصی دلچسپی تھی لہٰذا میں ضبط نہ کرسکا اور جا کر یہ فلم دیکھی۔ اس کے قریباً بیس سال بعد جب میں امریکہ گیا اور وہاں معلوم ہوا کہ یہاں پر تمام پرانی فلموں کے ویڈیو کیسٹ مل جاتے ہیں تو میں نے اس فلم کی خواہش ظاہر کی۔ اور جب اس کی ویڈیو منگوا کر دیکھی تو پتہ چلا کہ پوری کی پوری فلم ہی بدل دی گئی ہے۔ گویا تاریخ کو مسخ کر دیا گیا۔ پورے کے پورے سین حذف کر دیئے گئے۔ مثلاً جہاں یہودی علماء نے اپنی عدالت کے اندر حضرت مسیحؑ پر کفر کا فتویٰ لگایا اور ان کے سب سے بڑے عالم نے اپنے کپڑے پھاڑے، اپنے بال نوچ لیے اور کہا کہ اس نے کفر بکا ہے، اس کو فوراً لے جاؤ اور سولی پر چڑھا دو! اس طرح کے سین ہی حذف کر دیئے گئے۔ اسی طرح اس وقت کے رومن گورنر نے یہودیوں سے کہا تھا کہ اس وقت میرے پاس دو مجرم قیدی ہیں، ایک براباڈاکو اور دوسرا یسوع...... براباڈاکو ہمارا مجرم ہے اس نے سلطنت کے خلاف اقدام کیا ہے اور یسوع تمہارا مجرم ہے، اسے تمہاری مذہبی عدالت نے سزا دی ہے...... ہماری عید کا دن آ گیا ہے اور اپنی رسم اور روایت کے مطابق مجھے ایک مجرم قیدی کو چھوڑنا ہے۔ بتاؤ کس کو چھوڑ دوں؟ تو یہودی علماء نے کہا: برابا کو چھوڑ دو اور ہمارے اس مجرم کو سولی پر چڑھاؤ۔ تب رومی گورنر نے پانی منگایا، ہاتھ دھوئے اور کہا: "I wash my hands of the blood of Jesus" کہ میں اپنے ہاتھ دھو رہا ہوں، یسوع کا خون میرے سر پر نہیں، تمہارے سر پر آئے گا۔

اور اس مسئلے کا جو ڈراپ سین ہوا ہے وہ بھی ملاحظہ کرلیں۔ ابھی حال ہی میں فلسطینیوں اور اسرائیلیوں کے مابین صلح کی جو گفتگو شروع ہوئی تھی اس ضمن میں واشنگٹن سے واپس آتے ہوئے اسحٰق رابین روم میں رکے اور پاپائے روم کے ساتھ ان کی ملاقات ہوئی، جس میں انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد کا ایک جگ پوپ کو تحفے کے طور پر پیش کیا کہ تین ہزار برس تک ہم نے اس کی حفاظت کی ہے، اب اس کی حفاظت آپ کے ذمہ ہے۔ دوسری طرف اب ویٹی کن نے اسرائیل کو تسلیم کرلیا ہے اور اب یروشلم میں اس کا سفارت خانہ قائم ہونے والا ہے اور پاپائے روم بہت جلد یروشلم کا دورہ کرنے والے ہیں۔ یہ اب تک کی آخری فتح ہے کہ جو یہودیوں نے عیسائیت پر حاصل کی ہے۔ نتیجتاً اب صورت یہ بن گئی ہے کہ یہود و نصاریٰ کا گٹھ جوڑ مکمل ہو گیا ہے۔

اس کی پیشگی خبر بھی سورۃ المائدہ ہی میں دے دی گئی تھی: "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا

الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰى اَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ" یعنی "اے اہل ایمان' یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ! یہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔" میں قبل ازیں ایک خطابِ جمعہ میں بیان کر چکا ہوں کہ اس آیۂ مبارکہ میں اُس وقت کے حالات کی تصویر کشی نہیں ہے' بلکہ اس کی حیثیت دراصل آج کے دور کے لیے پیشین گوئی کی ہے۔ اس وقت تو یہ آپس میں دوست نہیں تھے۔ اس آیت میں قرآن حکیم یہ کہہ رہا ہے کہ بالآخر ان کا گٹھ جوڑ ہو جائے گا۔

قرآن مجید نے اس حقیقت کو ایک اور انداز میں بھی پیش کیا ہے۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَمَا ثُقِفُوْا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ○ (آیت 112)

"لازم کردی گئی ان پر ذلت جہاں بھی یہ پائے جائیں' سوائے اس کے کہ اللہ کے ذمہ یا انسانوں کے ذمہ میں پناہ مل جائے' یہ اللہ کے غضب میں گھر چکے ہیں اور ان پر محتاجی اور مغلوبی مسلط کردی گئی ہے۔ یہ سب کچھ صرف اس وجہ سے ہوا ہے کہ یہ اللہ کی آیات کا کفر کرتے رہے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے رہے۔ یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا انجام ہے۔"

یعنی ان یہودیوں کے اوپر ذلت اور مسکنت مستقل طور پر تھوپ دی گئی ہے' الا یہ کہ کبھی اللہ تعالیٰ کے کسی وعدے کے نتیجے میں انہیں کوئی سہولت حاصل ہو جائے یا لوگوں کی حفاظت میں یہ زمین پر اپنے قدم جما سکیں ورنہ انہیں زمین پر کہیں پناہ نہ مل سکے گی۔ اور یہ "حَبْلٌ مِنَ النَّاسِ" کا ایک مظہر ہے کہ آج یہ یہودی جو پوری دنیا میں تعداد کے لحاظ سے صرف تیرہ چودہ ملین' یعنی ڈیڑھ کروڑ سے بھی کم ہیں' اپنے بینکنگ کے نظام کے ذریعے سے پوری دنیا پر چھا گئے ہیں اور یہاں تک کہ امریکہ جیسی سپریم پاور کی رگِ جان ان کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے نتیجے میں اِس وقت صورتحال یہ ہے کہ آج یہودی عیسائیوں کی سرپرستی میں اسلام کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں اور اسلام کو ختم اور مسلمانوں کو اپنا باجگزار بنانا چاہتے ہیں۔ اسی کو آج "نیو ورلڈ آرڈر" کا نام دیا جارہا ہے جو درحقیقت "جیو ورلڈ آرڈر" ہے۔ یہ سب کچھ بظاہر عیسائیوں کی سرپرستی میں ہو رہا ہے' لیکن بباطن درحقیقت عیسائی یہودیوں کے آلۂ کار بن گئے ہیں۔

میرے نزدیک یہ ہے وہ اصل بات جو آج عیسائیوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ تمہارے ازلی دشمن یہودی آج تمہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ ذرا سوچو تو سہی کہ تم کس کے آلۂ کار بن گئے ہو اور کر کیا رہے ہو؟ جیسا کہ میں نے عرض کیا' یہ ساری عالمی سازش یہودیوں کی ہے اور وہ درحقیقت عیسائیوں کو اپنا آلۂ کار بنا کر انہیں استعمال کر رہے ہیں۔ اس موجودہ صورتحال کی طرف حضرت

یوحنا کے مکاشفات میں واضح طور پر اشارہ ملتا ہے۔ انجیل کے آخری باب "Revelation" میں یوحنا عارف کے مکاشفات کے ذیل میں ایک مکاشفہ درج کیا گیا ہے کہ:

"......وہاں میں نے قرمزی رنگ کے حیوان پر جو کفر کے ناموں سے لپا ہوا تھا اور جس کے سات سر اور دس سینگ تھے ایک عورت کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ یہ عورت ارغوانی اور قرمزی لباس پہنے ہوئے اور سونے اور جواہر اور موتیوں سے آراستہ تھی اور ایک سونے کا پیالہ مکروہات یعنی اس کی حرام کاری کی ناپاکیوں سے بھرا ہوا اس کے ہاتھ میں تھا...... اور میں نے اس عورت کو مقدس کا خون اور یسوع کے شہیدوں کا خون پینے سے متوالا دیکھا......"

اس مکاشفہ میں آگے چل کر اس حیوان اور اس کے دس سینگوں کی حقیقت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

"......اور وہ دس سینگ جو تو نے دیکھے دس بادشاہ ہیں۔ ابھی تک انہوں نے بادشاہی نہیں پائی مگر اس حیوان کے ساتھ گھڑی بھر کے واسطے بادشاہوں کا سا اختیار پائیں گے۔ ان سب کی ایک ہی رائے ہوگی اور وہ اپنی قدرت اور اختیار اس حیوان کو دے دیں گے......"

اس حیوان کی تمثیل آج کی ان مغربی قوتوں پر صادق آتی ہے جو اپنی زبردست جنگی صلاحیتوں کے ساتھ ایک خونخوار طاقت بن چکی ہیں...... اور اس حیوان کے اوپر سوار آبرو باختہ عورت درحقیقت یہودیت ہے۔

8- عالم اسلام پر یہود کی ہولناک یورش کا آغاز

اس وقت یہودی' عیسائی اور مسلمان معاملے کا آٹھواں دور شروع ہو چکا ہے' جس میں اب یہودی عیسائی دنیا کو آلۂ کار بنا کر عالم اسلام پر چڑھائی کر چکے ہیں۔ اور عالم عرب کو تو وہ فتح کر چکے ہیں۔ اب اس "جیو ورلڈ آرڈر" کے مقابلے میں ایران' افغانستان اور پاکستان پر مشتمل بلاک کو "آخری چٹان" کی حیثیت حاصل ہے...... اور وہ ان تینوں ممالک کو الگ الگ تنہا (Isolate) کر کے مارنا چاہتے ہیں۔ اس وقت ان کی نظریں ایران پر لگی ہوئی ہیں کہ اسے الگ تھلگ کر کے اس کا بھرکس نکال دیا جائے جیسا کہ وہ عراق کا بھرکس نکال چکے ہیں۔ پھر اگلی باری ہماری ہے۔ جنرل اسلم بیگ صاحب جب ہمارے چیف آف آرمی سٹاف تھے' اس وقت سے تسلسل سے کہتے چلے آ رہے ہیں کہ ان کا الگ ہدف پاکستان ہے۔ ابھی وقتی طور پر وہ اس بات پر مطمئن ہو گئے ہیں کہ ہم نے اپنا ایٹمی پروگرام کیپ کر دیا ہے' لیکن وہ اس اندیشے میں مبتلا ہیں کہ ہم کسی وقت بھی اس کی ٹوپی اتار سکتے ہیں۔ لہٰذا ان کو اس وقت تک اطمینان حاصل نہ ہوگا جب تک وہ ہماری ایٹمی صلاحیت کو تباہ و برباد کر کے نہ رکھ دیں۔ لیکن ابھی ان کی ڈپلومیسی یہ ہے کہ پہلے ایران سے نمٹ لیں' اس لیے کہ وہ خلیج کے دہانے پر بیٹھا ہوا ہے' جو اسی کے نام پر خلیج فارس (Persian Gulf) کہلاتی ہے۔ وہاں پر تیل کے وسیع و عریض ذخائر موجود

ہیں' لہٰذا وہ پہلے اس سے نمٹنا چاہتے ہیں۔ پاکستان کے بارے میں تو وہ جانتے ہیں کہ یہ تو ویسے بھی اپنی جیب میں ہے' لہٰذا اس سے جب چاہیں بعد میں بھی نمٹ سکتے ہیں اور رہی سہی کسر بھی پوری کر سکتے ہیں۔

عیسائیت کے عقائد کا یہودیت اور اسلام سے موازنہ

عیسائیوں کے لیے لمحۂ فکریہ

(i) ولادتِ مسیحؑ

سب سے پہلے ولادتِ مسیح کا مسئلہ لیجیے۔ عیسائی مانتے ہیں کہ مسیح کی ولادت کنواری مریم سے بن باپ کے ہوئی۔ یہی ہم بھی مانتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کی ولادت بغیر باپ کے' اللہ تعالیٰ کے خصوصی کلمہ کن سے ہوئی۔ سورۃ النساء (آیت 171) میں الفاظ آئے ہیں: "انما المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ و کلمتہ القاھا الی مریم وروح منہ" یعنی "بیشک مسیحؑ عیسیٰ ابن مریمؑ اللہ کا ایک رسول ہی تو تھا اور اس کا ایک فرمان تھا جو اس نے مریم کی طرف بھیجا اور ایک روح تھی اللہ کی طرف سے۔" تو ہمارا عقیدہ ان سے قریب تر ہے یا یہودیوں کا؟ یہودی تو سیّدہ مریم (سلام علیہا) پر بدکاری کی تہمت لگاتے ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کو (معاذ اللہ) ولد الزنا اور حرامی (Bastard) قرار دیتے ہیں۔ تو ذرا سوچو تو سہی کہ کن کے جال میں پھنس رہے ہو؟ ان کی جرأتوں کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے امریکہ میں "Son of Man" کے نام سے ایک پکچر بنائی جس میں واشگاف الفاظ میں کہا گیا کہ:

"Jesus is not son of God; he was son of man. He was not born without any father; he had a father."

یہ پوری پکچر گویا "جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے" کی عملی مصداق ہے۔ انہوں نے عیسائیت' خاص طور پر پروٹسٹنٹ عیسائیت کو جس طور سے فتح کیا ہے اس کا اس سے بڑا مظہر اور کیا ہوگا کہ اس کے گھر میں بیٹھ کر یہ باتیں کہہ رہے ہیں اور ان کے خداوند یسوع مسیح کو گالی دے رہے ہیں کہ وہ حرامی تھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ...... تو بھائی ذرا سوچو تو سہی کہ عقائد کے اعتبار سے تم کس کے قریب تر ہو؟

(ii) شخصیت مسیحؑ

پھر جناب مسیحؑ کی شخصیت کو لیجیے۔ یہود کے نزدیک وہ مرتد' کافر' جادوگر اور واجب القتل۔ اس موقف میں انہوں نے آج تک کوئی ترمیم نہیں کی۔ اگر آج کے یہودی اس سے اعلانِ برأت کر لیتے تو بات اور تھی۔ اس صورت میں کہا جاسکتا ہے کہ اب ان کی ان نسلوں کو تو بہرحال ان کے اسلاف کے جرائم کی سزا نہیں دی جانی چاہیے۔ لیکن ان کا موقف بھی بعینہٖ یہی ہے کہ یسوع جادوگر تھا لہٰذا کافر تھا' اور

چونکہ کافر تھا لہٰذا مرتد تھا اور مرتد واجب القتل ہے۔ یہ علماء یہود کا فتویٰ ہے اس کے برعکس ہمارے نزدیک وہ اللہ کے رسول ہیں۔ قرآن مجید نے خود حضرت مسیحؑ کی زبانی آنجنابؑ کی کیا خوبصورت مدح بیان کی ہے:

"وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّاo ذٰلِکَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ"

"اور سلام ہے مجھ پر جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز میں مروں اور جس روز زندہ کر کے اٹھایا جاؤں...... یہ ہے عیسیٰؑ ابن مریم"۔

حضرت مسیحؑ نے جبکہ وہ ابھی گود ہی میں تھے' لوگوں سے یہ گفتگو کی تھی۔ یہ ہمارا بھی عقیدہ ہے اور حضرت مسیحؑ کے پیروکاروں کا بھی۔ حضرت مسیحؑ کے عظیم ترین معجزات کو ہم بھی مانتے ہیں' وہ بھی مانتے ہیں۔ اس کے برعکس یہودی آپؑ کے معجزات کو جادوگری قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا عیسائیوں کو سوچنا چاہیے' غور کرنا چاہیے۔ انہوں نے کیوں آنکھیں بند کر لی ہیں' کیوں کان بند کر لیے ہیں؟ یہ کن کے آلۂ کار بن گئے ہیں؟ انہیں دوست اور دشمن کو پہچاننا چاہیے۔

(iii) رفع مسیحؑ

پھر رفع مسیح کا معاملہ لیجیے۔ یہودی تو کہتے ہیں کہ مسیح مر گیا تھا' اسے ہم نے سولی پر چڑھا دیا تھا۔ قرآن حکیم میں ان کے الفاظ نقل ہوئے ہیں: "اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ رَسُوْلَ اللّٰہِ" "کہ ہم نے مسیح' عیسیٰ ابن مریم' رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے۔" جبکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ قتل نہیں کیے گئے' زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے۔ عیسائیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے' صرف اس فرق کے ساتھ کہ ان کے نزدیک مسیحؑ صلیب دیے گئے' پھر زندہ ہو کر آسمان پر اٹھا لیے گئے۔ ہمارے نزدیک صلیب دیے جانے کا سوال ہی نہیں' کیونکہ اللہ کا رسول کبھی صلیب نہیں دیا جا سکتا۔ نبی تو قتل کیا جا سکتا ہے لیکن رسولوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا اصول یہ ہے: "کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ" یعنی "اللہ نے یہ بات مقرر فرما دی ہے کہ میں اور میرے رسول لازماً غالب رہیں گے۔" چنانچہ سورۃ المائدہ میں یہود کے قتل مسیحؑ کے دعوے کو نقل کرنے کے فوراً بعد دو ٹوک الفاظ میں فرما دیا گیا: "وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَہُمْ" یعنی "حالانکہ انہوں نے نہ اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا۔" ان کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیا گیا۔ اور اس غلط فہمی کی وضاحت انجیل برنباس میں ہے کہ حقیقت میں وہی یہودا اسکریوتی جو آنجنابؑ کے حواریین میں شامل تھا اور جس نے سونے کی تیس اشرفیوں کے بدلے مخبری کر کے آپؑ کو گرفتار کروایا تھا اس کی شکل حضرت مسیحؑ کی سی بنا دی گئی اور اسے آپؑ کی جگہ سولی پر چڑھا دیا گیا۔ "وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَہُمْ" کا مفہوم یہی ہے کہ وہ اپنے خیال میں مسیح کو مصلوب کر رہے تھے لیکن درحقیقت اس بدبخت کو سولی پر چڑھا رہے تھے جس نے کہ غداری کی تھی اور تیس اشرفیوں کے عوض اپنے

خداوند یسوع مسیح ؑ کو فروخت کر دیا تھا۔ اسے یہودی عدالت سے اس غداری کے انعام میں تیس اشرفیاں ملی تھیں۔ انجیل برنباس میں مزید تصریح ملتی ہے کہ آسمان سے چار فرشتے اُترے جو چھت پھاڑ کر اس کمرے میں داخل ہوئے جس میں حضرت مسیح ؑ عبادت کر رہے تھے اور انہیں اٹھا کر لے گئے۔ یہ تفصیلات کسی حدیث میں ہیں نہ کسی تفسیر میں' جو برنباس کی انجیل میں مذکور ہیں۔ اسے عیسائی بھی انجیل تو مانتے ہیں لیکن ان کے نزدیک یہ "Canonical" یعنی مستند اور قابل اعتبار نہیں ہے۔ 104 انجیلوں میں سے ان کے نزدیک صرف چار مستند اور قابل اعتماد ہیں۔ بہرحال ہماری رائے بھی یہی ہے کہ حضرت مسیح ؑ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور ان کی رائے بھی یہی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ہمارے نزدیک وہ سولی دیئے ہی نہیں گئے' بلکہ ان کی جگہ پر کسی اور کو سولی چڑھایا گیا جبکہ ان کے نزدیک وہ سولی دیئے گئے' پھر ان کا "Resurrection" ہوا' یعنی پھر زندہ ہو گئے اور اس کے بعد آسمان پر اٹھائے گئے۔ لیکن یہودی تو سمجھتے ہیں کہ ہم نے انہیں قتل کر دیا' ختم کر دیا۔

(iv) نزولِ مسیح ؑ

اس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کی دنیا میں دوبارہ آمد (Second Coming of Jesus) کا معاملہ لیجیے۔ اس کے ہم بھی قائل ہیں اور وہ بھی قائل ہیں۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ وہی عیسیٰ ؑ ابن مریم قیامت کے قریب دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے اور وہ بھی یہی مانتے ہیں۔ چنانچہ یہ چار عقیدے ہمارے اور ان کے مابین مشترک ہیں' جبکہ ان چاروں میں یہودی ان سے مختلف ہی نہیں' ان کے متضاد عقائد رکھتے ہیں۔ لہٰذا میں پھر یہ کہہ رہا ہوں کہ عیسائیوں کو دوست دشمن کی پہچان ہونی چاہیے۔

(v) مسیح دجال کی آمد

ایک بات مزید نوٹ کر لیجیے۔ ہمارے نزدیک بھی نزول مسیح ؑ سے قبل ایک مسیح الدجال آنے والا ہے' ان کے نزدیک بھی Anti-Christ آنے والا ہے۔ اور یہودیوں کی عیاری ملاحظہ ہو کہ انہوں نے عیسائیوں کو یہ باور کرا دیا ہے کہ وہ "انٹی کرائسٹ" مسلمانوں میں سے ہوگا۔ حالانکہ یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے' اس لیے کہ مسلمان تو مسیح ؑ پر ایمان رکھتے ہیں۔ انٹی کرائسٹ (مسیح الدجال) درحقیقت ایک یہودی ہوگا اور میں تاریخ سے یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ وہی ہوگا' اس لیے کہ یہودی ایک "مسیح" کے منتظر تھے' لیکن حضرت مسیح ؑ آئے تو ان کو مانا نہیں' لہٰذا ان کے نزدیک مسیح کی جگہ ابھی خالی ہے اور یہ اپنے اس مسیح کے منتظر ہیں۔ چنانچہ انہی میں سے کوئی یہودی کھڑا ہو کر مسیح ہونے کا دعویٰ کر دے گا۔ جیسا کہ سولھویں صدی عیسوی میں یہودیوں کو ایک شخص کے بارے میں یقین کامل ہو گیا تھا کہ یہی مسیح ہے اور یہ اب اعلان کرنے والا ہے۔ لیکن سلطنت عثمانیہ نے اسے گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا' جہاں وہ مسلمان ہو گیا اور یہ ہاتھ ملتے رہ گئے۔ اس ضمن میں "History of God" بڑی اہم کتاب ہے جو

اس دور میں چھپی ہے۔ اس کی مصنفہ نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد یہودیوں کی پوری تاریخ میں اس شخص سے زیادہ محبوب اور ہر دلعزیز شخصیت نہیں گزری ہے۔ پھر حال ہی میں ایک اور شخص کا امریکہ میں انتقال ہوا ہے جس کے بارے میں انہیں امید تھی کہ یہ مسیح ہے اور اعلان کرنے والا ہے' لیکن وہ مر گیا۔ بہر حال حضرت مسیحؑ کی دوبارہ آمد سے قبل ایک جھوٹا مسیح' فریبی مسیح' مسیح الدجال (Anti-Christ) لازماً آئے گا اور وہ یقیناً یہود میں سے ہوگا۔ اس کی آمد وہ پانچواں نقطہ ہے جو ہمارے اور عیسائیوں کے درمیان مشترک ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ عیسائی دنیا کو یہودیوں نے یہ بات باور کرا دی ہے کہ وہ مسلمان ہوگا۔

پاکستانی عیسائی ''دیسی یہودیت'' سے بھی خبردار رہیں!

اب میں ایک خاص بات اضافی طور پر پاکستانی عیسائیوں سے کہنا چاہتا ہوں۔ عالمی سطح پر جو یہودی سازش چل رہی ہے وہ تو اب الم نشرح ہو چکی ہے' اس پر کتابیں بھی آ چکی ہیں' جنہیں دلچسپی ہو وہ "Pawns in the Game" جیسی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ اب تو ان کا "Order of Illuminati" بھی پورے کا پورا طشت ازبام ہو چکا ہے۔ اور اب یہودیوں کو ان چیزوں کے افشاء سے کوئی اندیشہ بھی نہیں ہے' اس لیے کہ وہ اپنے سارے مقاصد حاصل کر چکے ہیں۔ صہیونیت نے عالم عیسائیت کو اپنے پھندے میں گرفتار کر کے اسے اپنا آلۂ کار بنا لیا ہے اور اب اسے مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنا چاہتی ہے۔ لیکن اس کے علاوہ خاص طور پر پاکستان میں ایک اور معاملہ بھی ہے۔ عالمی صہیونیت (World Zionism) کے علاوہ ایک پاکستان کی دیسی یہودیت (Indigenous Zionism) بھی ہے جس سے میں پاکستانی عیسائیوں کو خبردار کرنا چاہتا ہوں۔ میری مراد قادیانیت سے ہے اور جہاں تک میری معلومات ہیں یہ قادیانی پاکستانی عیسائیوں کو استعمال کر رہے ہیں۔ یہ خود تو سامنے آ نہیں سکتے' کیونکہ ملکی قانون ان کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ اگرچہ درپردہ ان کی تبلیغی سرگرمیاں بھی جاری ہیں' کنونشن بھی منعقد ہوتے ہیں' سیٹلائٹ کے ذریعے سے خطبات بھی آ رہے ہیں' لیکن اس سب کے باوجود قادیانی برملا طور پر کھلم کھلا سامنے نہیں آ سکتے' لہٰذا اپنے مقاصد کے حصول کے لیے انہیں کسی کور (Cover) کی ضرورت ہے' اور اپنی یہ ضرورت پوری کرنے کے لیے انہوں نے یہاں کے عیسائیوں کو ورغلایا ہے۔ لہٰذا مجھے پاکستانی عیسائیوں سے یہ عرض کرنا ہے کہ جہاں وہ عالمی یہودی سازش کا آلۂ کار بننے سے بچیں' وہیں اس ''دیسی یہودیت'' سے بھی خبردار رہیں۔ اس کے بارے میں بھی انہیں صحیح صحیح معلومات ہونی چاہئیں۔ چنانچہ ذرا ان کے ساتھ بھی اپنے عقائد کا موازنہ کریں تو اندازہ ہو کہ اختلاف کس درجے زیادہ ہے۔ مسلمانوں کے برعکس قادیانی بھی حضرت مسیحؑ کی بغیر باپ کے ولادت کے قائل نہیں ہیں' لہٰذا وہ یہودیوں کے قریب تر ہو گئے یا نہیں؟ پھر قادیانی یہودیوں کی طرح حضرت مسیحؑ کے رفع سماوی کے بھی قائل نہیں ہیں' بلکہ وہ کہتے ہیں کہ مسیح وہاں سے بھاگ کر یہاں کشمیر آیا اور یہاں مر گیا

اور دفن ہو گیا۔ ان کے نزدیک یہاں اس کی قبر بھی موجود ہے۔ تو کون تم سے قریب تر ہے؟ غور کرو' سوچو کہ کس کے ہتھکنڈوں میں آ رہے ہو۔ قادیانوں کا یہ موقف قرآن کے فلسفہ کے سراسر خلاف ہے۔ میں اس اعتبار سے اس پر تنقید کروں گا تو بات زیادہ طویل ہو جائے گی۔ بہرحال مختصراً جان لیجئے کہ کوئی رسول جان بچا کر نہیں بھاگا کرتا۔ البتہ ہجرت ہو سکتی ہے۔ لیکن رسول کی ہجرت کے بعد یا تو پوری قوم ہلاک کر دی جاتی ہے یا رسول کو ان کے اوپر فتح حاصل ہوتی ہے' غلبہ نصیب ہوتا ہے' جیسے محمد رسول اللہ ﷺ کو مکہ پر فتح حاصل ہوئی اور حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت موسیٰؑ تک جن جن رسولوں نے بھی ہجرت کی ان کی قومیں ہلاک کر دی گئیں۔ اللہ کی سنت تو یہ ہے۔ اس کے برعکس یہ کہنا کہ مسیح وہاں سے جان بچا کر بھاگ کر آ گئے اور یہاں گمنامی میں ان کی موت واقع ہو گئی سراسر غلط ہے۔ معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ۔ اللہ کے کسی رسول کی اس سے بڑی توہین اور کیا ہو گی!

تیسری بات یہ کہ قادیانی حضرت مسیحؑ کے رفع سماوی کی طرح ان کی دوبارہ آمد کے بھی منکر ہیں۔ اس ضمن میں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اصل میں تو مثیل مسیح کو دنیا میں آنا تھا اور وہ آ گیا مرزا غلام احمد قادیانی کی شکل میں۔ تو اگر تمہارے قول کے مطابق مسیح دجال اور انٹی کرائسٹ بنتا ہے تو وہ مرزا قادیانی آنجہانی بنتا ہے۔ اس نے دعویٰ کیا ہے کہ میں مسیح موعود ہوں۔ لیکن عیسائیوں کا انہی کے ہتھکنڈوں کے اندر آ جانا اور انہی کے آلۂ کار بن جانا کس قدر قابل تعجب بات ہے! اس پر مجھے اقبال کا یہ شعر یاد آ رہا ہے۔

شیاطین ملوکیت کی آنکھوں میں ہے وہ جادو
خودِ نخچیر کے دل میں ہو پیدا ذوقِ نخچیری

یعنی شکار خود یہ چاہے کہ مجھے شکار کر لیا جائے۔

دراصل اس دیسی یہودیت یا ہندی یہودیت کو ملک خداداد پاکستان سے اس لیے بغض و عداوت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملت اسلامیہ پاکستان کو توفیق عطا فرمائی کہ اس نے علماء کے اجماع (Consensus) کے ساتھ' قانون اور دستور کے تمام تقاضے پورے کر کے دستوری طور پر ان کی تکفیر کی۔ اور ایسا نہیں ہوا کہ ان کی بات نہ سنی گئی ہو۔ مرزا ناصر احمد کو قومی اسمبلی میں بلا کر پورا موقع دیا گیا کہ وہ اپنے موقف کا پوری طرح دفاع کرے۔ اس نے برملا کہا کہ ہم مرزا غلام احمد کو نبی مانتے ہیں۔ اس کے بعد پوری اسمبلی نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر یہ اس موقف پر قائم ہیں تو دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ لہٰذا وہ ہم سے اس کا انتقام لینا چاہتے ہیں اور اس کے لیے یہاں عیسائیوں کو اپنا آلۂ کار بنانا چاہتے ہیں۔ اب ہمارے یہاں کے عیسائی بھائیوں کو سوچنا چاہیے کہ وہ کس کے خلاف کس کے آلۂ کار بن رہے ہیں؟ ہم تو خود منتظر ہیں حضرت مسیحؑ کے اور وہ حضرت مسیحؑ ابن مریم ہوں گے' کوئی مثیل مسیح نہیں۔ قادیانیت کے اسی شوشے کی علامہ نے ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' نامی نظم میں اس طرح تعبیر کی ہے۔

آنے والے سے مسیح ناصری مقصود ہے
یا مجدد جس میں ہوں فرزند مریم کے صفات؟

یہ قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ فرزند مریم کی صفات کا حامل مجدد یہ غلام احمد آ گیا ہے' بس اب کسی اور مسیح کو نہیں آنا ہے۔ جبکہ مسلمانوں کا عقیدہ' جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں یہ ہے کہ حضرت مسیح ؑ' عیسیٰ ابن مریمؑ دوبارہ بنفس نفیس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ البتہ ان کے نزول سے قبل یہودیوں میں سے ایک مسیح دجال کھڑا ہوگا جسے حضرت مسیح ؑ اپنے ہاتھوں سے مقامِ "لُد" پر قتل کریں گے۔ (واضح رہے کہ "لُدّا" اسرائیل کا سب سے بڑا ایئر بیس ہے) اس وقت عالم اسلام کے لیڈر حضرت مہدی ہوں گے۔ میری مراد شیعوں والے مہدی یعنی ان کے بارہویں امام نہیں ہیں' جو کسی غار کے اندر روپوش ہیں اور کبھی ظاہر ہوں گے' بلکہ وہ عالم اسلام کے ایک عظیم قائد ہوں گے جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسل سے پیدا ہوں گے۔ ممکن ہے کہ وہ اب تک پیدا ہو چکے ہوں' اس لیے کہ حالات تو بڑے قریب آ چکے ہیں' اس حوالے سے کیا پتہ کہ کوئی دن کی بات ہو کہ ان کی طرف سے دعویٰ سامنے آ جائے جس کی پوری تفاصیل احادیث میں موجود ہیں۔ اس مہدی کی نصرت کے لیے ایک تو زمینی مدد آئے گی اور ایک آسمانی مدد آئے گی۔ زمینی مدد مشرق کے ممالک یعنی پاکستان اور افغانستان کی طرف سے جائے گی اور آسمانی مدد حضرت مسیح ؑ عیسیٰ ابن مریم کی صورت میں نازل ہو گی۔ مسیح ابن مریم مہدی کی مدد کریں گے جس کے نتیجے میں دنیا سے یہودیوں کا قلع قمع ہو جائے گا۔ پھر اس کے بعد اسلام اور عیسائیت ایک دوسرے میں مدغم ہو جائیں گے اور صرف اسلام ہی باقی رہ جائے گا۔ حضرت مسیح ؑ آ کر عیسائیوں کو بتائیں گے کہ مجھے سولی نہیں دی گئی' تم کہاں عقیدۂ صلیب لے کر بیٹھے ہو۔ (فَيَكْسِرُ الصَّلِيْبَ: پس وہ صلیب کو توڑ دیں گے) تمہارا خیال غلط ہے کہ مجھے صلیب دی گئی۔ بات وہ صحیح ہے کہ جو برنباس نے کہی۔ (وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيْرَ: اور خنزیر کو قتل کر دیں گے) اپنے نام لیواؤں سے کہیں گے کہ تم نے خنزیر کا کھانا اپنے لیے حلال کر لیا تھا' آج اس کو ختم کیا جاتا ہے۔ شریعت موسوی میں تو خنزیر حرام ہی تھا۔ لہٰذا جب یہ چیزیں ختم ہو جائیں گی تو عیسائیت اسلام ہی کی شکل اختیار کر لے گی اور پھر پوری دنیا میں اسلام کا بول بالا ہوگا۔

تو عیسائی بھائیو! یہ ہیں ہمارے عقائد! آپ ہمارے پورے عقائد چاہے نہ مانیں' لیکن آج کی میری گفتگو کے حوالے سے اس پر غور تو کریں کہ آپ کے عقیدے سے قریب ترین کون ہے: یہودی یا مسلمان؟ اور قادیانی یا مسلمان؟؟ کم سے کم اتنا تقابلی جائزہ تو ہر شخص لے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں توفیق دے کہ وہ حقائق کو دیکھیں اور جو ریشہ دوانیاں اور سازشیں ہیں ان کی حقیقت کو سمجھنے کے قابل ہو سکیں۔ آمین!

اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَكُمْ
وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

صاحبزادہ سیّد خورشید احمد گیلانی

حضرت عیسیٰؑ کے انقلابی افکار

اہل اسلام کا وحی اور تاریخ کے مصدقہ اور معتمد علیہ نصوص اور شواہد کی بناء پر یہ پختہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ پہلا اور آخری دین اور عالم انسانی کی جامع اصلاح اور فلاح کا واحد راستہ ''اسلام'' ہے۔ یہی وہ دین ہے جس کی تبلیغ و ترویج حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک جملہ انبیائے سابقین نے کی۔ اسی دین کے اعلان و اظہار کے لیے ختمی مرتبتﷺ مبعوث کیے گئے اور یہی وہ راستہ ہے جس پر تمام انبیاء اپنے اپنے دور میں چلتے رہے اور اپنی امت کو اس راستہ پر چلنے کی تلقین کرتے رہے۔ اسی دین کی تکمیل آنحضورﷺ کے عہد نبوت میں ہوئی اور اب نہ کوئی دوسرا دین ہوگا' نہ کوئی دوسرا نبی آئے گا' اور نہ ہی کوئی دوسری امت تشکیل پا سکے گی۔ اسلام سے باہر کے تمام راستے اعتزال اور انحراف کے راستے ہیں۔ اسی اصولی عقیدے کی بنیاد پر امت مسلمہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ اپنے نبیﷺ پر ایمان کے ساتھ ساتھ جملہ انبیائے سابقین (علیہم السلام) پر ایمان لانے کی مکلف اور پابند ہے' خواہ اس نبی کے بزعم خویش امتی اور پیروکار مسلمانوں کے پیغمبر کے بارے میں کیسا رویہ رکھتے ہوں۔ چنانچہ مسلمانوں کی چودہ صدیوں کی تاریخ اس امر پر شاہد عادل ہے کہ یہودی اور عیسائی برادری کی طرف سے پیغمبر اسلامﷺ پر مختلف زاویوں سے تنقید بلکہ توہین کے باوجود نہ زبانی اور نہ تحریری ایک بھی جملہ اہل اسلام کی طرف سے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے خلاف صادر نہیں ہوا۔ یہ محض عالمی ردعمل سے بچاؤ اور مختلف مذاہب کے پیروکاروں کی دلجوئی کے لیے نہیں بلکہ اپنے ایمان کی حفاظت کے لیے ہے' کیونکہ ایک مسلمان رسول اکرمﷺ پر جان چھڑکنے کے باوجود اس وقت دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے جب وہ کسی بھی دوسرے نبی کی صراحۃً یا کنایۃً توہین یا انکار کا مرتکب ہو۔ اس عقیدے میں اسلام کے اس مشترکہ ورثے کا دخل ہے جو عہد بہ عہد پہلے نبی سے آخری نبی (علیہم السلام) تک ایک دوسرے کے ہاں منتقل ہوتا رہا اور یہی ورثے کا اشتراک دراصل انسانیت کے درمیان دین کا اشتراک ہے جسے بدقسمتی سے افتراق میں بدل دیا گیا۔

عہد قدیم میں بیک وقت مختلف علاقوں میں متعدد انبیاء دین اسلام کی تبلیغ کرتے رہے اور ان

کے پیروکاروں کے درمیان معمولی کدورت' رنجش' جھڑپ یا مسابقت کا ایک بھی مدھم سا نشان تاریخ میں نہیں ملتا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ پیش رو نبی اپنے جانشین نبی کے لیے اپنی امت کو اس کی نصرت' حمایت اور اطاعت کا حکم دیتا رہا' تا آنکہ آخری نبی حضرت محمد ﷺ نے نبوت کے اس سنہری سلسلے کو مکمل کر دیا اور اپنی نبوت کی تصدیق کو جملہ انبیائے سابقین کی تصدیق کے ساتھ مشروط کر دیا اور نبوت اور رسالت کے نام پر انسانیت کے درمیان کسی بھی نوع کی تفریق' تقسیم اور تحزب کے تمام راستے بند کر دیئے۔ خود عہد رسالت میں یہود و نصاریٰ کا رویہ انتہائی سوقیانہ رہا لیکن حضور ﷺ نہ تو خود کسی منفی ردعمل کا شکار ہوئے اور نہ اپنی جماعت کو کسی طرح کے تعصب اور تحزب کی ہوا لگنے دی۔ اس سارے معاملے کی ایک جوہری وجہ یہ بھی ہے کہ نبوت کا منصب کسی سیاسی پارٹی کے سربراہ کا منصب نہیں اور نہ ہی کسی برادری کے سرپنچ کا! جہاں دوسری پارٹیوں سے اختلاف اور دوسری برادریوں سے نفرت کے بغیر یہ عہدہ باقی رہتا ہے اور نہ پارٹی اور برادری کا تشخص۔ بلکہ نبوت خالصتاً الٰہی پروگرام کی تکمیل کا منصب ہے جو اپنے احاطے میں پوری بنی نوع انسان کو لیے ہوتا ہے اور نوع انسانی نام ہے کالے اور گورے کا' شرقی اور غربی کا' عربی اور عجمی کا' شہری اور بدوی کا' امیر اور غریب کا' ایشیائی اور افریقی کا' اور ہر اس شخص کا جو اولادِ آدم ہے۔ چنانچہ دائرۂ نبوت میں کسی کشمکش' کسی مغائرت' کسی حسد' کسی مسابقت' کسی تردید اور کسی مشاجرت کا کوئی امکان نہیں۔ اس لیے نبوت کے پورے سلسلے میں ایک بھی کڑی کہیں ٹوٹی ہوئی یا الجھی ہوئی نظر نہیں آتی۔ ہماری اس فلاسفی پر تاریخ کے دُور اور نزدیک کے تمام گوشے برابر روشنی ڈال رہے ہیں۔

لیکن بعد میں کیا ہوا؟ اس کی بھی ایک تاریخ ہے جس سے ہر اہل علم باخبر ہے۔ جب تک تو ''اسلام'' بطور ''دین'' رہا' خیر اور نصح کے جذبے کے ساتھ تمام معاملات چلتے رہے' لیکن یار لوگوں کو جب فرقے اور گروہ سوجھے تو کوئی یہودی بن بیٹھا اور کوئی عیسائی' اور خود اپنے انبیاء کی تعلیمات کو اپنی خواہش اور مفاد کے قالب میں ڈھال لیا۔ آج جو مذہبی خانے میں مذہب کے اندراج پر احتجاج اور گستاخ رسول ﷺ کی سزا پر اعتراض ہوتے ہیں' یہ سب اسی ذہنیت کا شاخسانہ ہے۔ اس سب کے باوجود کوئی مسلمان کسی کونے کھدرے میں چھپ کر بھی حضرت موسیٰؑ یا حضرت عیسیٰؑ کے نبی ہونے پر شک کا اظہار کرتا ہے اور نہ ان کی شخصیت پر کوئی اعتراض۔ بلکہ اگر دل میں بھی برا سوچے تو وہ سب کچھ ہوسکتا ہے مسلمان نہیں ہوسکتا' اس لیے کہ اس کی یہ سوچ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی جوہری تعلیم کے منافی ہے۔ اگر دینی جذبے اور اخلاصِ نیت کے ساتھ اسلامی انقلاب کے فلسفے کا مطالعہ کیا جائے تو عیسائیوں اور یہودیوں کو اہل اسلام کے دوش بدوش ہو کر اس اسلام کے غلبے کے لیے کام کرنا چاہیے جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا دین رہا ہے اور اسی دین کی حقانیت کے لیے حضرت موسیٰؑ نے فرعون اور آلِ فرعون سے ٹکر لی اور حضرت عیسیٰؑ انہی کوششوں کے باعث شر پسندوں اور باطل پرستوں کے ہاتھوں تختہ دار تک پہنچائے گئے' لیکن (مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق) وہ خدائی سکیم کے تحت بچ گئے۔ چونکہ حضرت موسیٰؑ نبوت کے عہد وسطیٰ سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے ان کی شریعت کا وہی عہد تھا جو ختم ہوگیا

اور حضرت عیسیٰؑ خود اپنے قول کے مطابق "بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش" میں رہے' اس لیے ان کا دور بھی نہ رہا جبکہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے پیش رو تمام انبیاء کی جزوی کوششوں کو بتمام وکمال نتیجہ خیز بنایا' ان کی علاقائی جدوجہد کو عالمی رنگ بخشا' ان کی قومی دعوت کو بین الاقوامی دعوت کے قالب میں ڈھالا' ان کی وقت کی آواز کے ساتھ مشروط تبلیغ کو ابدی حیثیت اور ہمہ گیر نوعیت عطا کی۔ اس لیے آپ ﷺ کا مشن اب عالمی' آپ ﷺ کا پیغام اب بین الاقوامی اور آپ ﷺ کی دعوت اب بنی نوع انسان کی دعوت کا درجہ رکھتی ہے۔ لہٰذا اب ان تمام لہروں کو ایک دھارا بننا چاہیے اور عالمی اسلامی انقلاب کا مخلص کارکن بن کر اس "اسلام" کو پوری دنیا کا دین بنانا چاہیے جس کی تبلیغ اپنے اپنے عہد میں موسیٰ" وعیسیٰؑ کرتے رہے۔ قرآن مجید سے ہٹ کر بھی اگر ان دو جلیل القدر پیغمبروں کی تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے تو بعد کی تحریفات کو حذف کر کے باقی وہی کچھ ہے جو پیغمبر آخرالزمان ﷺ نے کہا اور کیا۔

اس وقت ہمارے پیش نظر عیسائی برادری کو مخاطب کرنا ہے جو بوجوہ ان لوگوں کا آلۂ کار بنتی نظر آ رہی ہے جنہیں سرے سے کسی مذہب اور دین سے آگہی اور وابستگی نہیں' بلکہ وہ دین اور مذہب کو آثار قدیمہ کا درجہ دیتے ہیں جنہیں جھاڑ پونچھ کر تو رکھنا چاہیے لیکن زندگی میں داخل ہونے کا موقع نہیں دینا چاہیے۔ عیسائی برادری اپنی توانائیاں یوں ضائع نہ کرے بلکہ وہ بھی اہل اسلام کے ان انقلابی افراد کی ہم سفر بنے جو مروجہ سیاست کی فریب کاریوں اور موجودہ فرقوں کی فتویٰ بازیوں سے دُور بلکہ نفور ہیں۔ ایسے افراد کی رائے میں اس وقت مسئلہ "اپنی بھیڑوں کے بچاؤ" کا نہیں' بلکہ اس باڑھ کی حفاظت کا ہے جو کسی طرح محفوظ نہ رہ سکی تو انسانی دنیا بھیڑیوں کے جبڑوں میں چلی جائے گی۔ ایک نہیں کئی بھیڑیے خونیں دہانے کھولے ہنکار رہے ہیں' استعمار کا بھیڑیا' ظلم کا بھڑیا' جرم کا بھیڑیا' ہوس کا بھیڑیا' نفرت کا بھیڑیا' رنگ ونسل اور زبان کا بھیڑیا' بارود کا بھیڑیا' ہولناک کشیدگی کا بھیڑیا' انسان پر انسان کے کنٹرول کی خواہش کا بھیڑیا' خود بیزاری اور مردم آزاری کا بھیڑیا' آخر کس کس بھیڑیے کا نام لکھا جائے۔

حضرت انسان کی جان اور آبرو کا صرف اسی ایک صورت میں بچنے کا امکان ہے کہ وہ اُن معصوم اور پوتر' خدا کے محبوب' زمانے بھر کے محسن' ذاتی آلائش اور جذبۂ ستائش سے بالا' بندگی رب اور محبت آدم کا درس دینے والے انبیاء کرام کی تعلیمات کو بے میل اور بے لوث طریقے سے سمجھے اور انہیں رُوبہ عمل لانے کا جتن کرے اس لیے کہ نبوت کی فکر کسی خانے میں بٹی ہوئی نہیں' سارے زمانے کے لیے ہوتی ہے۔ انہیں خدا کا قرب اور بندوں سے پیار میں ملنے کا راز معلوم ہوتا ہے' وہ کسی کے حریف بن کر نہیں آئے سب کے دوست بن کر رہے۔ وہ خود کسی پر غلبے کی خواہش نہیں رکھتے بلکہ عالم پر خیر' نفس پر ضبط' جرم پر رحم' ظلم پر عدل' آزار پر پیار اور حیوانیت پر انسانیت کے غلبے کا پروگرام رکھتے تھے۔ مکر' زر اور جبر کے نمائندوں نے ان میں سے کئی کو دیس نکالا دیا' کسی کو آرے میں رکھ کر چیرا' کسی کو بن باس پر مجبور

کیا، کسی کو زہر دیا، کسی کو قتل کیا اور کسی کو سولی پر چڑھایا۔ اب ہم سب کا فرض ہے کہ مکر، زر اور جبر کے سانحور درگرگ کے ہلتے دانت جڑوں سمیت اکھاڑ لیں تا کہ ان مظلوم انبیاء کی روحوں کو سکون بہم پہنچا سکیں، جنھوں نے صرف اور صرف ہماری خاطر، ہم انسانوں کی خاطر، انسانوں کی آبرو کی خاطر خود کو نمرود کے الاؤ کی نذر کیا، اپنے آپ کو ٹکٹکی پر بندھوایا، اور بنفس نفیس ہجرت کا عذاب سہا۔

حضرت مسیحؑ عہد رومۃ الکبریٰ میں مبعوث ہوئے اور اپنے انقلابی پروگرام کا آغاز فرمایا۔ رومی عہد اس لحاظ سے اگرچہ ایک یادگار عہد ہے کہ اس نے قبائلی سرداری کی جگہ باقاعدہ ایک ریاست اور حکومت کی بنیاد رکھی جس میں بین الاقوامی شان جھلکتی تھی، یوں سوچ کا افق اور عمل کا دائرہ بہت حد تک وسیع ہوا، لیکن اس کے بطن سے استعماریت کا منحوس بچہ برآمد ہوا۔ اسی طرح روم کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے دنیا کو پہلی بار ایک تحریری دستور اور باقاعدہ نظامِ قانون سے روشناس کرایا لیکن وہ آئین اور قانون اس اعتبار سے ناقص بلکہ باعث شرم تھا کہ اس میں انسانوں کو مختلف خانوں میں بانٹ دیا گیا تھا۔ جسٹینین جو پہلے باضابطہ آئین کا خالق اور روم کا بادشاہ تھا اس نے اپنے نظام تعزیرات میں سزاؤں کے نفاذ کے لیے طبقاتی امتیاز ملحوظ رکھا۔ جہاں قانون خود بالا و پست میں تفریق روا رکھے وہ معاشرہ کیسے قابل رشک ہوسکتا ہے؟ ایسے آئین کے ہوتے ہوئے متوقع تھا کہ غریب بیچارے پستے اور امراء دادِ عیش دیتے رہیں، چنانچہ اسی طرح ہوا۔ رومی تہذیب ایک عیاش تہذیب ثابت ہوئی۔ ایسے ماحول میں کہ جب رومیوں کے عیش کدے غریبوں کا مذاق اُڑانے لگے، محلات کے چراغوں میں غریبوں کا خون جلنے لگا، فلک بوس بنگلوں میں اینٹ، گارے اور مسالے کی جگہ غریبوں کا خون پسینہ خون اور ہڈیاں کام آنے لگیں تو اس وقت حضرت عیسیٰؑ ابن مریم کی صدائے انقلاب اُبھری اور رومی عیش کدوں کے در و دیوار سے جا ٹکرائی۔ سرکاری فقیہ اور ریاکار فریسی آپ کی مخالفت میں آگے آگئے۔ ایسے ہی لوگوں کے جبوں، حلوں، عباؤں، قباؤں اور عماموں کی اوٹ میں عہد قدیم میں اور جیسا کہ آج بھی ہے، امراء اور سلاطین اپنا دھندا چلاتے اور عام لوگ اس ڈر سے اُف نہ کرتے کہ کہیں ارتداد کا فتویٰ نہ لگ جائے۔

عیسیٰ روح اللہؑ کا خاندان اگرچہ خود معبد اور ہیکل کا خادم اور متولی چلا آرہا تھا لیکن اس بے تاب روح کی حامل بے عیب اور بے لوث شخصیت نے تہیہ کرلیا تھا کہ وہ سیاسی استبداد، انتظامی جبر اور مذہبی ریاکاری کے نقاب کا آخری تار تک نوچ کر دم لیں گے۔ آپ نے معبد اور ہیکل کے توسط سے شاہی ایوان کا قرب حاصل کرنے کے بجائے بحیرۂ احمر کے کناروں پر آباد ملاحوں اور مچھیروں کی بستیوں کا رُخ کیا، ان میں روحِ انقلاب پھونکی، درسِ حریت دیا اور اس کام کے لیے آمادہ و مستعد بنانے کا سلسلہ شروع کیا۔ ریاستی طاقت اور حکومتی وسائل کے مقابلے میں اپنے اور اپنے پیروکاروں کے اندر ضبط، عدم تشدد اور نظم کا وصف پیدا کیا۔ اگرچہ مدمقابل طاقت کے پاس تلوار تھی مگر آپ کی بات اور آپ کے پیغام میں تلوار سے بھی زیادہ کاٹ تھی۔ طبقہ امراء تک جب آپ کے وعظ، خطبے اور درس کے حصے پہنچتے تو وہ غصے، قہر اور انتقام کے جذبات سے تلملا اٹھتے۔ شروع شروع میں امراء اور رؤساء حسب عادت کسی

جوابی کارروائی سے گریز کرتے رہے اور یہ سمجھ کر ٹالتے رہے کہ ان ملاحوں، مچھیروں، گھسیاروں اور لکڑ ہاروں کی جماعت سے کیا خطرہ ہوسکتا ہے؟ یہ بیچارے ایک دھمکی کی تاب نہیں لاسکتے۔ لیکن انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ بعض اوقات نمرود کی "خدائی" کا زعم توڑنے کے لیے ایک مچھر ہی کافی ہوتا ہے۔ جنابِ عیسیٰؑ کی روزمرہ زندگی اپنے انقلابی پروگرام کا جیتا جاگتا مرقع تھی۔ غریبوں کا سا کھاجا، پہناوا اور اوڑھاوا۔ مسکینوں جیسی وضع قطع اور بود و باش، عام لوگوں کی طرح کا رہن سہن اور اندازِ زیست۔ آپ کی ذات میں طمع، جلب زر، ہوسِ دنیا، لذت اندوزی، آسائش طلبی اور حب جاہ نام کو نہ تھی۔ انسانوں سے پیار اور ان کی خدمت آپ کا نمایاں وصف تھا۔ قریہ قریہ گھوم پھر کر ضرورت مندوں کی خبر گیری کرتے، بیماروں کی مزاج پرسی اور دردمندوں کی غمخواری فرماتے۔

آپ کی بے لوثی، بے غرضی اور جرأت رنگ لائی، سینکڑوں ہزاروں دل انقلاب کی تپش سے آشنا ہو گئے، لوگوں کے ضمیر اور ذہن چمک اٹھے، بیسیوں افراد اپنا سب کچھ تج کر آپ کے حواری بن گئے۔ تاریخ کی مکروہ روایت کے مطابق کوئی وڈیرا، تمن، خان، نواب، زمیندار، چودھری، سرکاری اہلکار اور مراعات یافتہ شخص آپ پر ایمان نہ لایا۔ آپؑ کے جاں نثاروں میں کوئی مچھیرا تھا اور کوئی رنگساز، کوئی باربردار قلی اور کوئی گھسیارا تھا، کوئی چڑا رنگنے کا کام کرتا تھا اور کوئی چرواہا تھا۔

آپ کے منہ سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ دولت مندوں کی خرمن ہوس پر برق بن کر گرتا۔ آپ کا وعظ ان لوگوں کی رگوں میں نشتر بن کر چبھتا جن کے ایک ایک ریشے میں حرام خون اور فاسد مادہ بھرا ہوا تھا۔ آپ کے خطبے مترفین کے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح داخل ہوتے۔ آپ کے شعلہ فشاں مکالمے اربابِ اقتدار کے لیے موت کے سندیسے ہوتے۔ آپ کے درس کی طوفانی لہریں گھٹیا مفاد، مریض سوچ، اپاہج نظام اور غلیظ روایات کو بہا کر لے جاتیں۔ آپ کے خطبات و ارشادات پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا پرست آپ کو پھانسی دینے کے منصوبوں کے علاوہ کیا سوچ سکتے تھے؟ کہ لفظ آگ برساتے، لہجہ شعلے اگلتا، حرف چنگاریاں بھڑکاتے، انداز طوفان اٹھاتا، آہنگ قیامت برپا کرتا اور پیغام بلچل مچاتا تھا۔ آپ کی نظر کسی زر پرست پر پڑتی تو فرماتے:

> "اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزر جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل ہوں۔" (انجیل)

احبار و رہبان کی حکومت نواز، عوام دشمن اور ریاکارانہ روش کے خلاف آپ ہمیشہ سراپا احتجاج رہے۔ آپ ہیکل کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو جاتے اور بآواز بلند ان لوگوں سے مخاطب ہو کر فرماتے:

> "اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ آسمان کی بادشاہت لوگوں پر بند کرتے ہو کیونکہ نہ آپ اس میں داخل ہوتے ہو اور نہ داخل ہونے والوں کو داخل ہونے دیتے ہو۔ اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ ایک مرید کرنے کے لیے تری اور خشکی کا دورہ کرتے ہو اور جب وہ مرید ہو چکتا ہے تو

اسے اپنے سے دوگنا جہنم کا فرزند بناتے ہو۔

اے اندھے رہنما! تم پر افسوس ہے جو کہتے ہو کہ اگر کوئی مقدس کی قسم کھائے تو کچھ بات نہیں، لیکن اگر وہ مقدس کے سونے کی قسم کھائے تو اس کا پابند ہوگا۔ اے احمقو اور اندھو! کون بڑا ہے؟ سونا یا مقدس؟ جس نے سونے کو مقدس کیا!

اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ پودینے اور سونف زیرے پر دھمکی دیتے ہو اور (جبکہ) تم نے شریعت کی زیادہ بھاری باتوں یعنی انصاف، رحم اور ایمان کو چھوڑ دیا ہے۔

"اے اندھے راہ بتانے والو! جو مچھر کو تو چھانتے ہو اور سموچے اونٹ نگل جاتے ہو۔" (انجیل)

آپ کبھی انقلاب کا صور یوں پھونکتے:

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور ہر قسم کی نجاستوں سے بھری ہوتی ہیں۔ اسی طرح تم بھی ظاہر میں لوگوں کو راست باز دکھائی دیتے ہو مگر باطن میں ریاکاری اور بے دینی سے بھرے ہوئے ہو۔

اے سانپو! اے سانپ کے بچو، تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے؟" (انجیل)

یہ جملہ اقتباسات، متی باب 23، اور فقرہ 1 تا 36 سے لیے گئے ہیں۔) کبھی آپ اپنے کارکنوں کو تلقین فرماتے:

"دیکھو یہ فقیہ اور فریسی جو موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں جو کچھ وہ بتائیں وہ سب کرو اور مانو، لیکن ان کے سے کام نہ کرو۔ وہ اپنے سب کام لوگوں کے دکھاوے کے لیے کرتے ہیں، وہ بڑے بڑے تعویذ بناتے ہیں، اپنی پوشاک کے کنارے چھوٹے رکھتے ہیں، ضیافتوں میں صدر نشینی اور معبدوں میں بلند و بالا کرسیاں اور بازاروں میں سلام لینا اور خود کو ربی کہلانا پسند کرتے ہیں۔"

بہر کیف حضرت مسیح ؑ نے اپنے حیات بخش پروگرام کے ذریعے معاشرے میں زندگی کی لہر دوڑا دی۔ آپ کے سینکڑوں شاگرد کئی صدیوں تک لوگوں کے لیے عمدہ سیرت و کردار کا نمونہ بنے رہے۔ آپ نے بیک وقت روم کے حکمرانوں کی شہ خرچیوں، یہودی فریسیوں کی ابلیسی چالوں، اور طبقہ امراء کی خرمستیوں کے خلاف جہاد کیا، اسی جہد مسلسل اور مثبت اور حیات آفریں اقدام کا نتیجہ تھا کہ روم کے عظیم فرماں روا اس تحریک اور دباؤ کا مقابلہ نہ کر سکے اور خود عیسائی مذہب اختیار کر لیا، لیکن یہی روم بعد میں دین و مذہب سے بیگانہ ہو کر ظلم و جبر اور لہو و لعب میں مبتلا ہو گیا اور رفتہ رفتہ ہوسِ ملک گیری کا اسیر بن کر اردگرد کے پڑوسیوں کے لیے شامت بن گیا اور ایک عرصے بعد اس کی استعماری نخوت اور خودسری کا خاتمہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ہوا۔

حضرت عیسیٰؑ کے ان انقلابی افکار اور حضورﷺ کی مقدس تعلیمات میں سرمو فرق نہیں، نہ لفظوں کا اور نہ لہجے کا! ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں فکر کا یہ تسلسل دراصل دلیل ہے ایک ہی ذریعۂ علم کی اور وہ ہے وحی الٰہی۔ اور الٰہی مشن فی الحقیقت انسانیت کی دنیوی اصلاح اور اخروی فلاح کا مشن ہے جس کی تکمیل میں ہر نبی اور رسول نے حصہ لیا اور آخری نبیﷺ نے اس کی تکمیل فرمائی۔

عیسائی برادری کو چاہیے کہ علم و فضل اور معلومات و ابلاغ کے اس دور میں وہ اپنے درمیان کے فقیہہ اور فریسی پہچانیں جو انہیں اسی دجل و تلبیس سے گمراہ کیے ہوئے ہیں جس طرح زمانہ قدیم میں احبار و رہبان نے عوام کو کر رکھا تھا اور لاکھوں لوگ سرچشمہ ہدایت اور رسولوں کی قیادت سے محروم ہو گئے۔

مسئلہ اس وقت گروہی نوعیت کے مفادات اور تشخصات کے حصول اور استحکام کا نہیں بلکہ مذہب (دین) کو ایک انقلابی قوت کے طور پر ارباب زر و جاگیر اور اعیانِ سلطنت اور ان کے اعوان و انصار کے خلاف استعمال کر کے صالح انقلاب برپا کرنے کا ہے جن کی دسیسہ کاریوں اور بداعمالیوں نے معصوم بچوں تک سے ان کی معصومیت چھین لی ہے اور ہر فردِ بشر کو اسیر ہوس اور شیدائے جرم بنا کر رکھ دیا ہے۔ کیا ہم چاہیں گے کہ ہم ایک ہوس پرست مجرم، سنگدل، خائن اور بے رحم نسل کے پیش رو کہلائیں؟ ہرگز نہیں۔

چند مچھلیوں نے پورا جل گندا کر رکھا ہے، ورنہ انسان کے ہاتھ میں آج بھی نبوت کی شمع ہے جس کی روشنی میں وہ اپنی فلاح کا راستہ ڈھونڈ سکتا ہے اور خدا کسی راہ ڈھونڈنے والے کو منزل سے محروم نہیں کرتا۔

حافظ شفیق الرحمٰن

پاکستان: اقلیتوں کی جنت

سامراجی دور اور نو آبادیاتی عہد کی یادگار مشنری تنظیمیں اور ان کے ادارے ''زمانہ قبل از آزادی'' (عہد جاہلیت و استعماریت) کی ''باقیات'' ہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی ''فتوحات'' اور یونین جیک کے عروج کے اس دور میں جب آزاد برصغیر کو غیر ملکی آقاؤں کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا جا رہا تھا' یہ مشنری ادارے اور ان کے ہرکارے ''نو مفتوحہ علاقوں'' میں ہراول دستے کے طور پر پہنچتے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے کرائے کے سپاہی' مہم جو برطانوی فوجی' اُن کی توپیں' بندوقیں اور دیگر جدید ترین بارودی اسلحہ انہیں حفاظتی حصار فراہم کرتا۔ طاقت کے بل بوتے پر مفتوحہ شہروں کے اہم ترین حصوں پر وہ قابض ہو جاتے' ان کا یہ قبضہ سراسر غاصبانہ ہوتا۔

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اٹھارہویں' انیسویں اور بیسویں صدی میں ان مشنری تنظیموں نے جن جن زمینوں پر اپنا کوئی ادارہ قائم کیا' ان زمینوں کے مالکان سے یہ زمینیں بالجبر چھینی گئیں۔ مشنری اداروں کو چونکہ غیر ملکی فاتحین کی مکمل حمایت اور سرپرستی حاصل تھی' اس لیے انہوں نے ''بزورِ شمشیر سامراج'' کمزور مفتوحین سے ان کی جائیدادیں اور قیمتی اراضی ہتھیا لی...... اور...... بے حد و بے حساب ہتھیا لی۔ مشنری تنظیموں کے ''حسن کارکردگی''...... ''رفاہی خدمات''...... اور...... دیگر ''نیک نامیوں'' کے ڈھنڈورچیوں سے پوچھا جاسکتا ہے کہ ان کے ممدوحین کے زیر سایہ چلنے والے سکول اور کالج عہد غلامی میں آخر کیونکر ایکڑوں اور مربعوں پر پھیلے ہوئے تھے جبکہ مقامی مدارس چند مرلوں تک محدود تھے؟ وطن عزیز کے بڑے شہروں میں ایکڑوں اور مربعوں پر پھیلے ان سکولوں اور کالجوں کے زیر تصرف قیمتی زمین کیسے حاصل کی گئی تھی؟ کیا یہ مشنری تنظیمیں اس زمین کی جائز مالک ہیں؟ کیا ان کے پاس اس اراضی کے مالکانہ حقوق کی ایسی دستاویزات ہیں جو 1860ء سے قبل کی ہوں؟ کیا یہ سچ نہیں کہ انگریز کے پروردہ جاگیرداروں کی طرح مشنری تنظیموں نے بھی وسیع و عریض اراضی پر قبضہ کر رکھا ہے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ جاگیرداروں کی طرح مشنری تنظیموں کے عہدیداران نے بھی ''موروثی طرز پارسائیت و روش پاپائیت'' کو اپنائے ہوئے ہیں۔ کیا یہ درست نہیں کہ اس تمام اراضی پر قبضہ کے لیے انہوں نے برطانوی استعمار کی

ریاستی مشینری کے ناجائز دباؤ سے بھرپور استفادہ کیا۔

یونین جیک کے عروج کے دور سے یہ تنظیمیں اور ان کے ماتحت ادارے فروغ عیسائیت کے یک نکاتی ایجنڈے پر کام کرتے رہے ہیں۔ کمپنی بہادر کے میجروں' کرنلوں' جنرلوں اور گورنر بہادروں کے دفاتر میں ''پرکشش' ملازمتوں پر تقرری کے پروانوں کو ان تنظیموں اور اداروں سے وابستہ ''مذہبی جنونی'' اور دقیانوسی پادری دام ہمرنگ زمیں کے طور پر استعمال کر رہے تھے...... یہ ادارے محض تعلیمی نہیں' تبلیغی ادارے بھی...... یہ ادارے محض خیراتی نہیں' نظریاتی ادارے بھی تھے...... مشنری اداروں کے قائم کردہ سکولوں کے نام ان فدائی Saints کے نام پر رکھے گئے' جن کے متعلق ولیم جیمز نے اپنی شہرہ آفاق کتاب Golder Bough میں یہ رائے قائم کی تھی کہ ان کی اکثریت دماغی اضمحلال' اعصابی اختلال اور نفسیاتی انتشار کا شکار تھی۔ ان سینٹس کی اکثریت نے ہمیشہ عقلیت پسندی' جدت' وسیع النظری' کشادہ فکری' روشن خیالی اور اسلام کی بھرپور مخالفت کی۔ اسلام دشمنی ان کے رگ و ریشہ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ عیسائی انتہا پسندی' عیسائی بنیاد پرستی اور عیسائی جنونیت کے چلتے پھرتے اشتہار اور سانس لیتے مجسمے تھے...... کیتھڈرل اور کانونٹ کے الفاظ خالص عیسائی مطالب و مفاہیم اور مزاج و رجحانات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ سیکرڈ ہارٹ عیسائیوں کا ایک قدامت پسند فرقہ ہے جو عقلیت پسندی' موضوعیت اور غیر سائنسی طرزِ فکر کا علمبردار رہا ہے۔

ان مشنری تنظیموں کے سرپرستوں کا ذہنی اُفق انتہائی تنگ و تاریک تھا۔ اس حد تک تنگ و تاریک کہ انہوں نے نوجوانوں کی سماجی' رفاہی' تفریحی اور غیر نصابی سرگرمیوں کے لیے تنظیم بنائی بھی تو اُسے عیسائی نوجوانوں تک محدود رکھا۔ بڑے شہروں میں قائم وائے ایم سی ایز (ینگ مینز کرسچین ایسوسی ایشنز) اُن کی اسی تنگ نظری کے آئینہ دار ہیں۔ یہ ایسوسی ایشنز ہاسٹلز اور ہالز بناتیں۔ 1947ء سے قبل تک ان ہاسٹلز اور ہالز کی سہولت سے صرف اور صرف عیسائی نوجوان ہی استفادہ کر سکتے تھے۔

مشنری تنظیموں کے قائم کردہ ہر سکول کے احاطے میں مختلف عمارات تعمیر کی جاتیں' ہر عمارت سو فیصد خالص عیسائی طرزِ تعمیر کا نمونہ ہوتی۔ ان کے ہاسٹلز راہباؤں اور زیر تربیت پادریوں کی خانقاہوں کی طرز پر تعمیر کیے جاتے۔ ڈائننگ ہالز میں جب شام کو طلباء کھانے کے لیے پہنچتے تو قطع نظر ان کے مذاہب کے' انہیں پابند کیا جاتا کہ وہ ''فادر'' کی طرح گاؤن پہن کر ڈائننگ ہال میں پہنچیں...... مشنری سکولوں کی عمارات اس انداز سے تعمیر کی جاتیں کہ ان کی ہر محراب' ہر ستون' ہر چھت' ہر طاق' ہر در اور ہر دیوار طلباء و طالبات کے اذہان و قلوب پر عیسائی راہبوں کی خانقاہوں کے خطوط و نقوش ثبت کرتے۔ ان عمارات میں معبد (گرجا) نمایاں ہوتا۔ مختلف جہتوں پر تعمیر شدہ کلاس رُومز سے جب طالب علم باہر نکلتا' اس کی پہلی نظر گرجے کی برجیوں' طاقچوں' گنبدوں اور سپائرز پر پڑتی۔ جب بھی یہ طالب علم اپنے گھروں سے صبح کے وقت مرکزی دروازے سے سکول کے احاطے میں داخل ہوتے' ان کی پہلی نگاہ جاہ و جلال سے ایستادہ گرجے پر پڑتی۔

کلاس رومز میں جانے سے قبل صبح کی ''اسمبلی'' ہوتی۔ طلباء و طالبات تعلیمی ادارے کے مرکزی ہال یا لان میں جمع ہوتے...... گاؤن پہنے' ہاتھ میں بائبل تھامے اور سینے پر دائیں ہاتھ سے کراس کا نشان بناتے پادری ڈائس پر آتا۔ بائبل کھولتا اور وعظ (سرمن) شروع کر دیتا۔ مقامی طلباء و طالبات کے دینی و مذہبی جذبات و خیالات کی پروا کیے بغیر ''فادر'' اخلاقیات کی تبلیغ کی آڑ میں عیسائیت کا پرچار کرتا۔

یہ سلسلہ پاکستان کے مشنری تعلیمی اداروں میں بصد کروفر بطورِ روایت آج بھی جاری ہے......

آج بھی مشنری سکول چلانے والی تنظیمیں چرچوں کے احاطوں میں اپنے مشن پر بے خوف و خطر اور بلا روک ٹوک کام کر رہی ہیں...... آج بھی پاکستان میں ایسے مشنری سکول ہیں جن کے احاطوں میں حضرت مسیح اور ان کی والدہ حضرت مریم کی تماثیل' مجسمے اور بت نصب ہیں...... پاکستانی طالب علموں کو غیر ملکی نصاب کی تعلیم دینے پر کوئی پابندی نہیں...... گراں قدر فیسوں اور منہ مانگے عطیات کی وصولی کرنے والے یہ مشنری سکول پاکستانی طالب علموں کو پاکستانی اور اسلامی روایات سے انحراف کی شاہراہ کا مسافر بنا رہے ہیں۔ ان طالب علموں کے لیے صرف اور صرف یہ بات مابہ الامتیاز ہے کہ وہ روانی سے انگریزی بولنا سیکھ جاتے ہیں۔ اس استثناء کے علاوہ وہ کوئی امتیازی علمی مقام حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے...... ان کی ذہنی و تعلیمی استعداد بس واجبی سی ہوتی ہے۔ ان تعلیمی اداروں میں ہر طالب علم کو گلے میں صلیب (ٹائی) پہن کر آنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ کوئی پاکستانی طالب علم سکول میں قومی اور علاقائی لباس پہن کر داخل ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اگرچہ ہر مشنری سکول میں زیرِ تعلیم طلباء و طالبات کی اکثریت مسلم گھرانوں سے تعلق رکھتی ہے' اس کے باوجود ''اسمبلی'' میں مسلم طلباء و طالبات کے لیے درسِ قرآن کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔ کیا یہ تنگ نظری اور تعصب نہیں؟

کچھ علاج اس کا بھی اے چارہ گراں ہے کہ نہیں

اس کے باوجود اگر کوئی بشپ' کوئی آرچ بشپ' کوئی اقلیتی رہنما یہ کہتا ہے کہ پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق پامال ہو رہے ہیں تو اس پر بجز اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے:

آپ ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

کیا اسلامی جمہوریہ پاکستان میں قائم ان مشنری تنظیموں اور ان کے ماتحت تعلیمی اداروں کے کارپردازان سے پوچھا جا سکتا ہے کہ وہ پاکستانی مسلم طلباء و طالبات کے ساتھ امتیازی سلوک کیوں روا رکھتے ہیں؟ آپ کو یہ جان کر یقیناً حیرت ہوگی کہ وہ نامی گرامی مشنری سکول جو مسلم طلباء و طالبات کے داخلے کے وقت والدین سے داخلہ فیس کے علاوہ بھاری بھرکم ڈونیشنز طلب کرتے ہوئے کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے' وہاں کسی قسم کے میرٹ کی عملداری دکھائی نہیں دیتی۔ نچلے' محروم اور زیریں متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والا کوئی طالب علم خواہ کتنا ہی ذہین کیوں نہ ہو اور داخلہ ٹیسٹ میں خواہ کتنی ہی شاندار کارکردگی اور غیر معمولی ذہانت کا مظاہرہ کیوں نہ کرے' یہ ''مشنری'' سکول اسے محض اس لیے داخلہ

دینے سے انکار کر دیتے ہیں کہ اس کے والدین داخلہ فیس اور ڈونیشنز جمع کروانے کی استطاعت نہیں رکھتے...... اس کے برعکس عیسائی خاندانوں کے معاشی حوالے سے انتہائی نچلی سطح سے تعلق رکھنے والے بچوں کے لیے سکولوں کے دروازے یورپی باروں کے دروازوں کی طرح ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔ عیسائی بچوں کی فیس تک معاف کر دی جاتی ہے جبکہ ذہین ترین مسلم طلباء و طالبات کو ہنگامی حالات میں بھی اس رعایت سے استفادے کا حق نہیں دیا جاتا۔ کیا یہ پریکٹس' یہ روایت اور یہ اقدام حقوق انسانی' ترقی پسندی' رواداری' برداشت' تحمل اور اعلیٰ ظرفی کے منافی نہیں؟

اقلیتوں کے حقوق کی پامالی پر ٹسوے بہانے والے حقائق نا آشنا دانشوروں کو معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا بھر میں پاکستان وہ واحد ملک ہے جو اقلیتوں کے لیے جنت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اقلیتوں کی اس جنت میں انہیں اپنی عبادت گاہوں کی تعمیر کرنے' تعلیمی اداروں کے قیام' ثقافتی سرگرمیوں کی ترویج' مذہب کی تبلیغ' جرائد و رسائل کی اشاعت' تنظیموں کی تشکیل' تہوار منانے' صلیب بردار جلوس نکالنے' تہواروں کے مواقع پر سرکاری ذرائع ابلاغ استعمال کرنے' بائبل کارسپانڈنس کلب بنانے' سکول کھولنے' بائبل خط و کتابت کورسز کا اجرا کرنے' گھر گھر' گلی کوچوں اور چوراہوں میں بائبل فروخت کرنے اور مفت تقسیم کرنے' تقابلِ ادیان کے حوالے سے مسلم آزار لٹریچر شائع کرنے ''بائبل کی آواز'' کے نام سے ریڈیو سٹیشن قائم کرنے ''فیسا ریڈیو'' کی نشریات کے دورانیہ میں دوگنا اضافہ کرنے' ایڈونٹ پورہ ملتان روڈ پر سالانہ سینکڑوں کیسٹیں تیار کر کے سلواکیہ بھجوانے' ریڈیو ''سیشلو'' ایسے متعصب نشریاتی ریڈیو سٹیشن کے علاقائی دفتر وفاقی دارالحکومت میں کھولنے' مری ایسے پرفضا مقام پر ''کیمپ مبارک'' میں کیمپ لگانے' دلفریب فلمیں' سامعہ نواز آڈیو کیسٹیں بانٹنے' ایف سی کالج ایسے تعلیمی اداروں میں تبلیغی مرکز بنا کر مشرف بہ عیسائیت کرنے' آپریشنز اینڈ موبلائزیشنز ٹیم (او اینڈ ایم ٹیم) کے غیر ملکی مبلغین کو پاکستان کے دیہاتوں میں بھیجنے...... حتیٰ کہ...... ''مکتی فوج'' بنانے' اس کے عہدیداروں کو جنرل' بریگیڈیئر اور کرنل کے عہدے دینے تک کی آزادی ہے...... ان تمام آزادیوں (لبرٹیز) کو انجوائے کرنے والی اقلیتوں کو کون کہے گا کہ پاکستان میں ان کے حقوق پامال ہو رہے ہیں؟ سچ تو یہ ہے کہ پاکستان 11 ستمبر 2001ء کے بعد سے این جی اوز' ایف بی آئی کے گماشتوں' یہودی صحافیوں اور اقلیتوں کی جنت بن چکا ہے۔

ابو ٹیپو خالد الازہری

عیسائی راہنما جے سالک کا اصل چہرہ

گزشتہ دنوں امریکی وزارت خارجہ کی طرف سے پاکستان میں بسنے والی عیسائی برادری کے بارے میں انسانی حقوق کے حوالے سے جاری کردہ رپورٹ نہ صرف جانبدارانہ بلکہ جھوٹ کا پلندہ ہے۔ اس رپورٹ میں درج تمام واقعات غیر حقیقی، غیر تحقیقی، فرضی اور من گھڑت ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں تمام اقلیتوں کو اکثریت کے برابر تمام مسلمہ شہری حقوق حاصل ہیں اور وہ ان سے بہرہ ور بھی ہیں۔ انہیں رہنے سہنے، جینے بسنے، جان و مال کے تحفظ، نقل و حرکت، اپنی جائیدادیں بنانے، خریدنے، پیشے اپنانے، اپنے دینی، تعلیمی اور رفاہی اداروں کی تعمیر و قیام، ملکی تعلیمی اداروں میں داخلہ، اعلیٰ سرکاری ملازمتوں کے امتحانات میں شرکت و کامیابی، پولیس، فوج اور دیگر سرکاری و نیم سرکاری محکموں اور اداروں میں کوٹہ اور میرٹ کی بناء پر ملازمت کی مراعات اور سہولتیں حاصل ہیں۔ انہیں اپنے مذہبی جرائد، لٹریچر اور کتب کی سرِ عام تقسیم و اشاعت، فروخت اور خط و کتابت سکول تک چلانے کی کھلی چھٹی ہے۔ اقلیتی عبادت گاہوں، مڑھیوں اور قبرستانوں کے لیے زمین مہیا کرنے اور ان کی چار دیواری تک کی تعمیر سرکاری خرچ پر ہونے کی مثالیں موجود ہیں۔ یہ لوگ اپنی عبادات، جلسے، کانفرنسیں، سرِ عام مذہبی جلوس نکالنے، سڑکوں پر بینر لگانے، صلیبیں لہرانے، سیاسی جلوس نکالنے، نعرے مارنے اور چوراہوں میں تقریریں کرنے میں آزاد ہیں۔ اقلیتی افراد کو سرکاری کمیٹیوں اور کونسلوں میں لیا جاتا ہے۔ انہیں ووٹ دینے اور بلدیاتی اداروں، مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں میں اپنے ووٹوں سے اپنی پسند، اپنے ہم مذہب و ہم مسلک اور ہم خیال نمائندے بھیجنے کے حقوق میسر ہیں۔

قومی اسمبلی میں ممبران کی تعداد 10 اور صوبائی اسمبلی میں 34 ہے۔ انہیں صوبائی اور مرکزی وزراء، مشیر اور پارلیمانی سیکرٹری بھی مقرر کیا جاتا ہے۔ غرضیکہ پاکستان میں اقلیتوں کی چاندی ہے۔ دُنیا بھر میں کہیں بھی اقلیتوں کو وہ حقوق و مراعات حاصل نہیں ہیں، جو انہیں پاکستان میں دی گئی ہیں۔

کون نہیں جانتا کہ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ۔ لاکھوں مسلمانوں نے اسی لا الہ الا اللہ کے لیے اپنی جانیں قربان کرتے ہوئے یہ وطن حاصل کیا۔ یوں دنیا کے خطے پر پاکستان ایک خالص

نظریاتی ریاست کی حیثیت سے وجود میں آیا۔ اگرچہ اسلام پاکستان کا آئینی اور سرکاری مذہب بھی ہے' اس کے باوجود ہمیں دیگر نظریاتی ریاستوں کے برعکس یہ فخر حاصل ہے کہ یہاں اقلیتوں کے جان' مال' عزت و آبرو ہر طرح سے محفوظ اور انہیں تمام شہری اور سماجی حقوق حاصل ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ یہاں چیف جسٹس سے لے کر وزراء تک' سول حکمرانوں سے لے کر افواج پاکستان تک' تمام کلیدی عہدوں پر اقلیتیں ہمیشہ براجمان رہی ہیں۔ کسی شعبۂ زندگی میں ان سے کوئی تعصب نہیں برتا گیا۔ ہمیں یہ اعزاز حاصل ہے کہ ہندوستان میں ایک ہفتے میں جتنے اقلیت کش فسادات ہوتے ہیں' پاکستان کی پوری عمر میں بھی اتنے فسادات نہیں ہوئے۔ اگرچہ اسلامی تعلیمات کی رُو سے اسلامی ریاست میں اقلیتوں کو تبلیغ کا حق حاصل نہیں مگر وطن عزیز میں ہمیشہ سے اقلیتیں یہ حق استعمال کر رہی ہیں اور اس کے باوجود شکوہ کناں ہیں......

عیسائی برادری پاکستان کی سب سے بڑی اقلیت ہے۔ دیگر اقلیتوں کی نمائندگی اور اقلیتی امور کی حفاظت و حصول کا بیڑا عیسائی برادری نے اٹھا رکھا ہے۔ اندرون و بیرون ملک عیسائیوں کا پراپیگنڈہ ہے کہ پاکستان میں اقلیتی افراد بدحال اور اپنے حقوق کی پامالی کا شکار ہیں۔ وہ دوسرے بلکہ تیسرے درجہ کے شہری ہیں۔ تلافی کی غرض سے عیسائی مطالبات کی فہرست کچھ یوں ہے:

وفاقی شرعی عدالت' اسلامی نظریاتی کونسل کا خاتمہ' مذہب اور سیاست کی علیحدگی' پاکستان میں سیکولر سٹیٹ کا قیام۔ اسلامی قوانین بالخصوص قانونِ شہادت و دیت اور گستاخ رسول کی سزا کا خاتمہ' سینٹ اسلامی نظریاتی کونسل اور فلم سنسر بورڈ میں اقلیتوں کی نمائندگی' قومی اسمبلی میں اقلیتی ارکان کی تعداد 30 ہو تاکہ وہ حکومت سازی میں ایک مؤثر قوت ہوں۔ دوہرے ووٹ کا حق' کرسمس' ایسٹر اور دیگر اقلیتی فرقوں کے مذہبی تہواروں کے موقع پر ٹی وی سٹیشنوں سے ان کے مذہبی پروگراموں کو ٹیلی کاسٹ کرنا' سینٹ' قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں میں اقلیتی فرقوں کی خواتین کے لیے الگ نشستیں مختص کرنا' بیرون ممالک بھیجے جانے والے سیاسی و ثقافتی حکومتی وفود میں اقلیتی افراد کی شرکت' جداگانہ طریق انتخاب کی تنسیخ اور مخلوط انتخاب کی ترویج' وزیراعظم' صدرِ مملکت' صوبائی گورنر اور کلیدی آسامیوں پر اقلیتی افراد کی تقرری' عیسائیوں کے ہاں بچہ کی پیدائش پر اس کا پانچ صد روپے ماہانہ وظیفہ مقرر کیا جائے۔ اگر کوئی عیسائی طالب علم اپنی مذہبی تعلیم کا سرٹیفکیٹ پیش کر دے تو میٹرک کے امتحان میں اسے بیس اضافی نمبر دیئے جائیں۔ بائبل کو باقاعدہ نصاب میں داخل کر کے اس کی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ ان میں سے اکثر و بیشتر مطالبات دُور رس اور خطرناک و مہلک نتائج کے حامل ہیں۔ انہیں تسلیم کر لینے سے ملک میں عیسائیوں کا راج ہوگا۔ قیامِ پاکستان کی خاطر عدیم المثال قربانیاں دینے والی مسلم اکثریت چوتھے پانچویں درجہ کے شہریوں سے کہیں بدتر اور عیسائیوں کی محکوم رعایا بن کے رہ جائے گی۔ ملک میں اسلام کسمپرسی کی حالت میں ہوگا۔ سیکولر سٹیٹ بن جانے کی صورت میں پاکستان کی سلامتی و وجود کا قطعاً کوئی جواز نہیں رہے گا۔ عیسائیوں کو ان کے مطلوبہ حقوق دے کر اکثریت کے پاس باقی کیا رہ جاتا ہے؟ پاکستان کی نظریاتی

اساس کو نظر انداز کر کے جو اقدام بھی کیا جائے گا' وہ وطن عزیز کے مسائل میں اضافے کا باعث ہوگا۔

عیسائی اقلیت قانونِ توہین رسالت ﷺ کو انسانی حقوق کے منافی قرار دیتی ہے۔ اسی لیے وہ اس قانون کو کالا قانون اور امتیازی قانون کہتے ہیں۔ جناب نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عزت و ناموس کا تحفظ مسلمانوں کے ایمان کا تقاضا اور بنیاد ہے۔ مسلمان ہر چیز برداشت کرسکتا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی شانِ اقدس میں ادنیٰ درجہ کی توہین بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ پھر اس قانون پر تنقید کرنے والی لابیاں اپنے موقف پر خود بھی ذرا غور کریں کہ وہ توہین رسالت ﷺ پر سزا کے قانون کو انسانی حقوق کے منافی قرار دے کر آخر کیا کہنا چاہتی ہیں؟ کیا ان کے نزدیک اللہ کے معصوم پیغمبروں کی توہین کرنا اور نعوذ باللہ انہیں گالیاں دینا بھی انسانی حقوق میں شامل ہے؟

عیسائی برادری کے رویے میں ایک خامی یہ ہے کہ وہ قانونِ توہین رسالت کے مسئلہ پر غلط موقف کو اختیار کر کے اُسی پر بے جا اصرار کر رہی ہے۔ عیسائی برادری کا اعتراض ہے کہ چونکہ اس قانون کا غلط استعمال ہوتا ہے' اس لیے اس قانون کو ختم کر دیا جائے۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے تو پھر شاید کوئی قانون بھی باقی نہ بچے گا۔ پاکستان میں کوئی بھی ایسا قانون تلاش نہیں کیا جاسکتا' جس کے تحت انتقامی کارروائیاں نہ ہوتی ہوں۔ یہاں قتل تک کے جھوٹے مقدمات درج کرائے جاتے ہیں تو کیا قتل کا قانون ختم کر دینا چاہیے؟ عیسائی برادری کو اسی امر پر غور کرنا چاہیے کہ عدالت کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کردے۔ کوئی ملزم مجرم نہیں تو اس کو چھوڑ دیا جائے جبکہ جرم ثابت ہو جانے پر مجرم کو سزا دی جائے۔ ایسے میں یہ موقف بالکل بے بنیاد ہے کہ سرے سے قانون ہی ختم کر دیا جائے۔

چند سال پیشتر حکومت نے موجودہ شناختی کارڈوں کی جگہ کمپیوٹرائزڈ شناختی کارڈ جاری کرنے کا پروگرام بنایا۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ اس نئے کارڈ پر بلڈ گروپ اور مذہب کا خانہ بھی ہونا چاہیے تاکہ معلوم ہوسکے کہ کون' کس مذہب سے تعلق رکھتا ہے۔ مجلس کے اس مطالبہ کی تمام دینی جماعتوں نے نہ صرف حمایت کی بلکہ بھرپور انداز میں تحریک کا ساتھ بھی دیا۔ مذہب کا اظہار فخر کی علامت ہے۔ اگر مذہب کا اظہار شرمندگی کا باعث بنتا ہے تو اُس پر لعنت بھیج کر اسے چھوڑ دینا چاہیے۔ یہودیوں کو اپنے یہودی ہونے پر فخر ہے' عیسائیوں کو اپنے عیسائی ہونے پر فخر ہے' مسلمانوں کو اپنے مسلمان ہونے پر فخر ہے اور ہر مسلمان لاکھوں کے مجمع میں ڈنکے کی چوٹ پر اپنے مذہب کا اظہار کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہے' خواہ اس کے لیے اسے کوئی بھی قربانی کیوں نہ دینا پڑے۔ تعزیرات پاکستان کی رو سے قادیانی خود کو مسلمان نہیں کہہ سکتے اور نہ ہی اپنا مذہب اسلام پیش کر سکتے ہیں۔ لیکن قادیانی خود کو غیر مسلم اقلیت تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ مسلمانوں کو غیر مسلم کہتے ہیں اور خود کو مسلمان کہتے ہیں' اس لیے قانون کی رُو سے قابل تعزیر ہیں۔ حکومت نے مجلس تحفظ ختم نبوت کے اس مطالبہ کو تسلیم کر لیا' جس پر پورے ملک میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ قادیانیوں نے اس مطالبہ کی منظوری کو اپنی موت سمجھا لہٰذا انہوں نے عیسائی اقلیت کو ورغلایا اور پورے ملک میں احتجاجی تحریک شروع کردی۔ پاکستان میں امریکی

سفیر بھی ان کی حمایت میں کھل کر میدان میں آ گئے' جس کے نتیجے میں حکومت نے شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ ختم کر دیا۔ اس کامیابی پر عیسائی اور قادیانی اقلیت نے خوب جشن منایا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ قادیانیوں نے عیسائی اقلیت کو استعمال کر کے پاکستان اور بیرون ممالک اپنے مذہب کی تبلیغ کی راہ ہموار کی۔

عیسائی برادری نے اپنے مطالبات کو منوانے کے لیے احتجاج کے لیے توڑ پھوڑ کا جو غیر قانونی وغیر اخلاقی راستہ اختیار کیا' وہ انتہائی غیر مناسب تھا۔ شناختی کارڈ میں مذہب کے خانے اور قانونِ توہین رسالت کے خاتمے کے لیے احتجاج کے دوران جس طرح کا رویہ اختیار کیا گیا' اسے کسی صورت میں حوصلہ افزا نہیں کہا جاسکتا۔ اس ضمن میں صرف ایک دن کے عیسائی احتجاج کی مختصر جھلک پیش خدمت ہے:

☆ عیسائی مظاہرین کا پولیس سے ٹکراؤ' ٹاؤن ہال سے گورنر ہاؤس تک کا علاقہ میدانِ جنگ بن گیا۔ زبردست توڑ پھوڑ' مظاہرین نے 100 کے قریب گاڑیوں کو نقصان پہنچایا۔ پولیس چوکیوں پر ہلہ بول کر سامان نذر آتش کر دیا۔ متعدد جگہوں پر رکاوٹیں کھڑی کر کے آگ لگائی۔ مال روڈ پر ٹریفک کے اشارے' پول' سائن بورڈ اور لیٹر بکس اکھاڑ دیے گئے۔ سواریوں سے بھرے رکشے اُلٹ دیے گئے۔ آنسو گیس پھیلنے کے باعث چڑیا گھر کے جانور بھی بلبلا اٹھے۔ مال روڈ پر تین گھنٹے ٹریفک بند رہی۔ آنسو گیس کے اثرات 3 گھنٹے تک رہے۔ گنگارام ہسپتال میں مریض بھی متاثر ہوئے۔ ("جنگ" 16 نومبر 1992ء)

☆ مشتعل عیسائیوں کا گورنر ہاؤس پر حملہ' کونسلر منیر کھوکھر مظاہرین کو یسوع مسیح کی قسم دے کر گیٹ توڑنے پر اکساتے رہے۔ درختوں کو آگ لگانے کی کوشش' گاڑیوں کے ڈرائیوروں کی مظاہرین کے ہاتھوں ڈنڈوں سے پٹائی۔ ("پاکستان" 16 نومبر 1992ء)

☆ مظاہرین نے مظاہرہ کے دوران نجی املاک کو بھی نقصان پہنچایا اور پولیس کی ایک بکتر بند گاڑی پر پٹرول سے بھری بالٹی گرا کر اُسے آگ لگانے کی کوشش کی۔ مظاہرین کے پتھراؤ سے اے سی کینٹ' علاقہ مجسٹریٹ اور ایس پی زخمی ہو گئے۔ ("خبریں" 16 نومبر 1992ء)

قانونِ توہین رسالت کے خاتمے کی تحریک سے قبل اور اس کے بعد عیسائی طالع آزما رہنماؤں نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں ایسی زبان استعمال کی' جس سے نہ صرف مسلمانانِ پاکستان کے جذبات مجروح ہوئے بلکہ تمام محب وطن حلقوں نے اس کی شدید مذمت بھی کی۔ ایسے ہی بیانات کی ایک مختصر جھلک ملاحظہ فرمائیں:

۞ شناختی کارڈ میں مذہبی خانے کا فیصلہ واپس نہ لیا گیا تو صلیبی جنگوں کی یاد تازہ کر دیں گے۔
(ذوالفقار سندھو' جنرل سیکرٹری پاکستان مسیحی پارٹی)

۞ عیسائی برادری نے حکومت کی بنیاد پرست پالیسیوں کی وجہ سے اقوام متحدہ سے پاکستان کی

امداد بند کرنے کا مطالبہ کردیا۔ شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ رہا تو اس ملک کا خانہ خراب کردیں گے۔ (جے سالک' کونسلر طارق گل اور دیگر لیڈروں کا خطاب)

✿ عیسائیوں کے اسرائیل جانے پر پابندی ختم کی جائے اور اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کیے جائیں۔ (ناظر بھٹی' صدر پاکستان کرسچین کانگریس)

✿ شناختی کارڈ میں مذہب کے خانے کا اضافہ ہوا تو پاکستان میں بوسنیا کے حالات پیدا ہو جائیں گے۔ (سلیم کھوکھر' ایم پی اے سندھ اسمبلی)

✿ عیسائی اقلیت نے پاکستان میں ایک علیحدہ صوبہ کا بھی مطالبہ کیا جس کا نام ''ترکستان'' ہوگا۔ علاوہ ازیں انہوں نے اس علاقہ کی بھی نشاندہی کی کہ راوی اور ستلج کے درمیان والا علاقہ ہم عیسائیوں کو دے دیا جائے۔

عیسائی برادری کے ترجمان رسائل و جرائد بعض اوقات ایسی اشتعال انگیز تحریریں شائع کرتے ہیں' جس سے مسلم عیسائی برادری میں بھائی چارے اور مفاہمت کی فضا مجروح ہوتی ہے اور بسا اوقات تو ان اشتعال انگیز تحریروں ہی کے باعث امن و امان کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ نمونہ کے طور پر صرف ایک عیسائی جریدے کی چند تحریریں مع حوالہ جات درج ذیل ہیں:

☆ لیکن آپ (مسلمان) کے دوزخ میں بھی ہمارے لیے کوئی گنجائش نہ ہوگی۔ اس میں آپ (مسلمانوں) کے اللہ میاں براجمان ہوں گے۔ (عیسائی ماہنامہ ''کلامِ حق'' گوجرانوالہ' اگست 1993ء صفحہ 14)

☆ قرآن کی پہلی الہامی غلطی جبرئیل نے کروائی کہ خدا تین ہیں۔ (سورۃ النساء' آیت 171) اور معلوم ہوتا ہے کہ ناخواندہ تھا۔ اس نے انجیل اور بائبل کو نہ پڑھا تھا' ورنہ وہ ایسی غلطی نہ کرتا۔ (''کلامِ حق'' اکتوبر 1992ء صفحہ 10)

☆ تمہارا خدا اپنی ذاتِ الٰہی کے ظہور و تجسم پر قادر ہے۔ نہ وہ پیار بھرا آسمانی باپ ہے' نہ اس نے گنہگاروں کی نجات کا خود انتظام کیا تھا۔ (ایضاً' صفحہ 11)

وطن عزیز کی 1.56 فیصد عیسائی آبادی کے ترجمان رسائل و جرائد اگر اس طرح کی اشتعال انگیز تحریریں شائع کریں گے تو اس بات کی کیسے ضمانت دی جاسکتی ہے کہ اکثریتی آبادی کا کوئی جذباتی فرد کسی بھی وقت قانون کو ہاتھ میں نہیں لے گا؟ عیسائی برادری کو اس امر پر بھی غور کرنا چاہیے۔

جہاں تک سابق اقلیتی وزیر جے سالک کا تعلق ہے' یہ ایک حقیقت ہے' جس سے انکار ممکن نہیں کہ جے سالک حادثاتی طور پر اقلیتی ایم این اے منتخب ہوئے ورنہ وہ اس سے پہلے باقاعدہ گندی نالیاں اور گٹر وغیرہ صاف کیا کرتے تھے اور لوگ انہیں ''جگو چوہڑا'' کے نام سے پکارتے تھے۔ جے سالک خود کہتے ہیں کہ انہیں اپنے ماضی پر فخر ہے۔ مقولہ ہے کہ جو کچھ برتن کے اندر ہوتا ہے' وہی باہر ٹپکتا ہے...... لہٰذا جے سالک اخبارات و رسائل میں خبریں چھپوانے کے لیے ایسی گھٹیا حرکات کے مرتکب

ہوتے ہیں' جو اخبار نویسوں کے نزدیک واقعی خبر ہوتی ہے۔ یعنی ''انسان نے کتے کو کاٹ لیا'' جے سالک کا ٹاٹ کا لباس پہننا' صلیب پر لٹکنا' اپنے گھر کا سامان مال روڈ پر نذر آتش کر کے اس کی راکھ اپنے سر پر ڈالنا' زندہ دفن ہونے کی دھمکی دینا' اپنا گھر چھوڑ کر چڑیا گھر لاہور کے سامنے اپنی بیوی کے ہمراہ خیمہ زن ہونا' منہ میں چوسنی لینا' پیدل مارچ' اونٹ مارچ' اسمبلی میں جوتیاں چھوڑ کر ننگے پاؤں باہر نکل آنا محض ڈرامہ بازی ہے' جو ایک ایم این اے کو زیب نہیں دیتی۔ جے سالک اخبارات کی زینت بننے کی خاطر بعض اوقات قانون شکنی کے بھی مرتکب ہوتے ہیں۔ انہوں نے بحیثیت ایم این اے 11 اپریل 1993ء کو کراچی میں اپنے بیٹے ڈیوڈ سالک کے ہمراہ موٹر سائیکل پر ڈبل سواری پر پابندی کی اعلانیہ خلاف ورزی کی جس پر پولیس نے ان کے خلاف دفعہ 144 کی خلاف ورزی کے الزام میں مقدمہ درج کرلیا مگر گرفتار نہ کیا اور کچھ عرصہ بعد مقدمہ خود بخود ختم ہوگیا۔ اخبارات نے اس پورے واقعہ کو باتصویر شائع کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے ہی سے Pre-Planned تھا۔ اس طرح انہوں نے 6 نومبر 1992ء کو اعلان کیا کہ 25 دسمبر 1992ء کو عیسائی عوام کے مقدس دن کے موقع پر وہ حکومت پاکستان کو' پاکستان کے کسی بھی شہر میں جلسۂ عام نہیں کرنے دیں گے۔ اگر حکومت یا کسی اور نے جلسہ عام کرنے کی کوشش کی تو اس کے مقابلے میں ''ٹائر جلاؤ دھواں پھیلاؤ'' مہم کا آغاز کر دیا جائے گا اور جلسہ گاہ میں مچھر مار دوائی چھینکی جائے گی اور سٹیج پر قبضہ کرلیا جائے گا۔

جے سالک اسلام اور مسلمانوں کی دل آزاری کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ وہ اکثر اپنی تقاریر میں یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ چونکہ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کے اجلاس میں تلاوتِ قرآن مجید نہیں ہوئی تھی' جس کا مطلب یہ تھا کہ پاکستان ایک سیکولر ملک ہے' جہاں مذہب اور عقیدے کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس لیے قومی اسمبلی کے اجلاس کے شروع میں تلاوتِ قرآن مجید نہیں ہونی چاہیے۔ اس کے برعکس جے سالک اپنی ہر تقریر کے شروع میں انجیل کی آیات تلاوت کرتے ہیں اور یہ آیت تو وہ اکثر دہراتے ہیں کہ ''خداوند خدا یوں فرماتے ہیں کہ تو خوف نہ کر کیونکہ میں تیرے ساتھ ہوں۔''

1995ء میں جے سالک کے محکمہ بہبودِ آبادی نے ایک ٹیبل کیلنڈر شائع کیا' جس کے ماہ جولائی کے صفحہ پر 27 ویں پارے کی سورۃ الحدید کی آیت نمبر 20 کو مع ترجمہ کے شائع کیا مگر اس آیت مبارکہ میں کئی تبدیلیاں کر کے اپنے مطلب کا مفہوم نکالا گیا۔ آیت مقدسہ کو شائع کرتے وقت آیت مبارکہ کے پہلے دس گیارہ الفاظ لینے کے بعد درمیان میں سے 18 الفاظ چھوڑ کر آخری الفاظ شامل کرلیے گئے۔ نعوذ باللہ اس طرح تحریف شدہ عبارت کو سورۃ الحدید کی آیت نمبر 20 قرار دیا جس سے نئی آیت بنادی گئی اور ترجمہ بدل گیا۔ محکمہ بہبودِ آبادی نے قرآن پاک میں تحریف کی ناپاک جسارت کی کیونکہ اس طرح آیت کا مفہوم بدل سکتا ہے اور معنی کچھ سے کچھ نکل سکتے ہیں۔ محکمہ کی اس شرمناک حرکت پر جے سالک کو مسلمانوں کے مذہبی جذبات کا احساس ہوتا تو مستعفی ہو جاتے لیکن وہ

نہ مستعفی ہوئے اور نہ ہی انہوں نے اس سلسلہ میں کوئی معذرت کی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دال میں کچھ کالا ضرور تھا۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق جے سالک نے محکمہ بہبودِ آبادی کے وفاقی وزیر کی حیثیت سے محکمہ کے فنڈز سے 4 ارب روپے سے زائد کی رقم خرد برد کی اور حکومت محض جے سالک کی چرب زبانی' ڈرامہ بازی اور عیسائی ممالک میں مضبوط لابنگ کے باعث اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرنے پر مجبور ہے۔ جے سالک نے اس خرد برد کی رقم سے میڈیا میں خاصا اثر و رسوخ پیدا کیا' جو ہر مشکل وقت میں اس کا ساتھ دیتا ہے' جس کی وجہ سے یہ کرپٹ آدمی ہر قسم کے احتساب سے آزاد ہے۔ یا یوں کہیے کہ حکومت نے جے سالک سے خفیہ سمجھوتہ کرلیا ہے کہ نہ تم ہمیں صدمے دو گے اور نہ ہم تمہیں رُسوا کریں گے۔

میں نے جے سالک سے چند سال پیشتر لاہور ہائی کورٹ میں ملاقات کی تھی اور اپنی ملاقات میں ان سے عرض کیا تھا کہ قادیانی حضرات اپنے انگریزی نبی آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی کو مسیح موعود ثابت کرنے کے لیے سرِعام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں انتہائی توہین کے مرتکب ہوتے ہیں۔ آپ کو اس طرف بھی توجہ دینی چاہیے۔ ملاقات کے دوران میں نے انہیں مرزا قادیانی کی اصل کتب بھی دکھائیں تاکہ کوئی شبہ نہ رہ جائے۔ میں انتہائی کرب اور مجبوری کے ساتھ چند حوالہ جات بطور نمونہ پیش کرتا ہوں:

- ''آپ (عیسیٰ علیہ السلام) کو گالیاں دینے اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی۔ ادنیٰ ادنیٰ بات میں غصہ آجاتا تھا۔ اپنے نفس کو جذبات سے روک نہیں سکتے تھے مگر میرے نزدیک آپ کی یہ حرکات جائے افسوس نہیں کیونکہ آپ تو گالیاں دیتے تھے اور یہودی ہاتھ سے کسر نکال لیا کرتے تھے۔ یہ بھی یاد رہے کہ آپ (عیسیٰ علیہ السلام) کو کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔'' (حاشیہ ''انجامِ آتھم'' ص 5' مندرجہ ''روحانی خزائن'' جلد 11' ص 289' از مرزا قادیانی)
- ''نہایت شرم کی بات یہ ہے کہ آپ نے پہاڑی تعلیم کو جو انجیل کا مغز کہلاتی ہے' یہودیوں کی کتاب طالمود سے چرا کر لکھا ہے اور پھر ایسا ظاہر کیا ہے کہ گویا یہ میری تعلیم ہے۔'' (حاشیہ ''انجامِ آتھم'' ص 6' مندرجہ ''روحانی خزائن'' نمبر 11' ص 290' از مرزا قادیانی)
- ''عیسائیوں نے بہت سے آپ کے معجزات لکھے ہیں مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا اور اس دن سے کہ آپ نے معجزہ مانگنے والوں کو گندی گالیاں دیں اور ان کو حرام کار اور حرام کی اولاد ٹھہرایا' اسی روز سے شریفوں نے آپ سے کنارہ کیا۔'' (حاشیہ ''انجامِ آتھم'' ص 6' مندرجہ ''روحانی خزائن'' نمبر 11' ص 290' از مرزا قادیانی)
- ''آپ (عیسیٰ علیہ السلام) کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین دادیاں اور نانیاں

آپ کی زنا کار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا مگر شاید یہ بھی خدائی کے لیے ایک شرط ہوگی۔ آپ کا کنجریوں کے میلان اور صحبت بھی شاید اسی وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان ہے ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک جوان کنجری کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پر اپنے ناپاک ہاتھ لگا دے اور زنا کاری کی کمائی کا پلید عطر اس کے سر پر ملے اور اپنے بالوں کو اس کے پیروں پر ملے۔ سمجھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا انسان کس چلن کا آدمی ہوسکتا ہے۔" ("انجامِ آتھم" ص 7' مندرجہ "روحانی خزائن" نمبر 11' ص 291' از مرزا غلام احمد قادیانی)

- "یورپ کے لوگوں کو جس قدر شراب نے نقصان پہنچایا ہے' اس کا سبب تو یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے۔ شاید کسی بیماری کی وجہ سے یا پرانی عادت کی وجہ سے۔" ("کشتی نوح" حاشیہ ص 73' مندرجہ "روحانی خزائن" جلد 19' ص 71' از مرزا قادیانی)

مرزا قادیانی چونکہ خود شراب پیتا تھا' اس لیے اس نے اپنے لیے جواز پیدا کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر الزام لگا دیا۔

- "یسوع اس لیے اپنے تئیں نیک نہیں کہہ سکا کہ لوگ جانتے تھے کہ یہ شخص شرابی کبابی ہے۔ اور یہ خراب چال چلن نہ خدائی کے بعد بلکہ ابتداء ہی سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ خدائی کا دعویٰ شراب خوری کا ایک بدنتیجہ ہے۔" ("ست بچن" حاشیہ ص 172' مندرجہ "روحانی خزائن" جلد 10' ص 296' از مرزا قادیانی)

- "لیکن مسیح کی راست بازی اپنے زمانہ میں دوسرے راست بازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ یحییٰ نبی کو اس پر ایک فضیلت ہے کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آ کر اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا تھا یا ہاتھوں اور اپنے سر کے بالوں سے اس کے بدن کو چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی' اسی وجہ سے خدا نے قرآن میں یحییٰ کا نام حصور رکھا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔" (مقدمہ "دافع البلاء" ص 4' مندرجہ "روحانی خزائن" جلد 18' ص 220' از مرزا قادیانی)

- "خدا نے اس اُمت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے اور اس نے اس دُوسرے مسیح کا نام غلام احمد رکھا۔" ("دافع البلاء" ص 13 مندرجہ "روحانی خزائن" جلد 18' ص 233' از مرزا قادیانی)

- "یہ عجیب بات ہے کہ حضرت مسیح نے تو صرف مہد میں ہی باتیں کیں مگر اس (مرزا قادیانی) کے لڑکے نے پیٹ میں ہی دو مرتبہ باتیں کیں۔" ("تریاق القلوب" ص 89' مندرجہ "روحانی خزائن" جلد 15' ص 217' از مرزا قادیانی)

"ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے"

("دافع البلاء" ص 20 ' مندرجہ "روحانی خزائن" جلد 18 ' ص 240 ' از مرزا قادیانی)

انہوں نے میری تمام گفتگو بڑی توجہ اور انہماک سے سنی اور پھر اس کے جواب میں انہوں نے جو کچھ فرمایا' اس سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور میں بہت زیادہ پریشان ہوا۔ انہوں نے کہا کہ "ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گستاخ کے لیے کسی قسم کی سزا کا مطالبہ نہیں کرتے اور ویسے بھی یہ ہمارا اور قادیانیوں کا معاملہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر مسلمانوں سے زیادہ عیسائی حضرات کا حق ہے۔ جب ہم اس پر کسی ردِعمل کا اظہار نہیں کرتے تو آپ کو کیا تکلیف ہوتی ہے۔" بالکل یہی باتیں انہوں نے گوجرہ میں 8 نومبر 1992ء کو ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہیں جو اگلے روز اخبارات میں شائع ہوئیں۔ ان حقائق سے آپ جے سالک کی مذہبی غیرت وحمیت کا اندازہ بخوبی لگاسکتے ہیں۔

گزشتہ سال شانتی نگر ضلع خانیوال میں مسلم عیسائی فسادات کو مغربی میڈیا نے غیر معمولی کوریج دی اور بھارت سمیت تمام اسلام دشمن ملکوں نے اس واقعہ کو اُچھال کر پوری دنیا میں اہلِ پاکستان کو رسوا کیا۔ جے سالک سمیت مختلف عیسائی راہنماؤں اور نام نہاد حقوقِ انسانی کی تنظیموں نے اس واقعہ کی آڑ میں غیر ممالک سے اربوں روپے کے فنڈز حاصل کرکے پاکستان کے خلاف زبردست لابنگ کی۔ حکومت نے فوری طور پر اس واقعہ کی مکمل غیر جانبدارانہ تحقیقات کے لیے لاہور ہائی کورٹ کے جناب جسٹس تنویر احمد خاں پر مشتمل یک رکنی ٹریبونل قائم کیا' جنہوں نے خانیوال جاکر اس سارے وقوعے کی تحقیقات کی اور بیانات قلم بند کیے۔ عیسائی تنظیموں نے اس ٹریبونل پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا۔ ٹریبونل نے اپنی رپورٹ میں اس المناک واقعہ کا ذمہ دار نور نبی نامی قادیانی کو ٹھہرایا جو ضلع خانیوال میں جماعت احمدیہ کے امیر ہیں۔ قادیانی چاہتے تھے کہ پورے ملک میں مسلم عیسائی فسادات شروع ہو جائیں اور پاکستان کا امیج پوری دُنیا میں خراب ہو۔ حکومت نے آج تک ٹریبونل کی طرف سے اس واقعہ کے ذمہ داروں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔

جہاں تک جے سالک کے ایماندار ہونے کا تعلق ہے' ان سے پوچھا جاسکتا ہے کہ انہوں نے حکومت پاکستان کی طرف سے مئی 1993ء میں جاری ہونے والے کروڑوں روپے کے ترقیاتی فنڈز کو کہاں خرچ کیا؟ آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ جے سالک نے اپنی انتخابی مہم کے دوران دیگر بھاری اخراجات کے علاوہ "جے سالک ایک بار پھر تولا جائے" کے عنوان سے بڑے سائز کا چار رنگہ بھاری بھرکم ضخیم رسالہ شائع کیا جس میں انہوں نے قومی اخبارات ورسائل میں شائع ہونے والی اپنی خبروں اور مضامین کو جمع کیا ہے۔ انہوں نے اس رسالہ کو اپنے وسیع حلقہ کے علاوہ ہر خاص و عام تک پہنچانے کی بھرپور کوشش کی۔ اگر اس رسالہ پر آنے والی محتاط لاگت صرف 100 روپے ہی لگائی جائے تو کم از کم دس

ہزار رسالہ شائع کرنے پر اس کی مجموعی لاگت دس لاکھ روپے بنتی ہے اور میرا چیلنج ہے کہ اس قسم کا قیمتی رسالہ پورے پاکستان میں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں سمیت کسی بھی ایم این اے کو شائع کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ یہ اخراجات کہاں سے پورے ہوتے ہیں؟ یہ ایک معمہ ہے۔ پی ڈبلیو ڈی کی لیبر یونین کے عہدیداروں اور عیسائی راہنماؤں کی طرف سے جے سالک پر شدت سے یہ الزام عائد کیا گیا کہ وہ محکمے میں ہونے والے ٹھیکوں سے 18 فیصد کمیشن حاصل کرکے اپنے منظور نظر ٹھیکیدار کو ٹھیکے دیتے تھے جس سے پی ڈبلیو ڈی کو کروڑوں روپے کا نقصان پہنچایا گیا۔ انہوں نے احتساب سیل سے بھی کارروائی کرنے کا مطالبہ کیا۔

ابھی چند دن پیشتر لاہور کے ایک سول جج نے جے سالک کو بذریعہ اشتہار عدالت میں طلب کرنے کا حکم جاری کیا ہے۔ جے سالک کے خلاف ایک خاتون ڈاکٹر نگہت ہمدانی نے اپنے مکان میں بیدخلی اور کرایہ کی وصولی کا دعویٰ کر رکھا ہے۔ تفصیلات کے مطابق گلبرگ کی رہائشی مدعیہ نے اپنے دعوے میں موقف اختیار کیا ہے کہ اس نے جے سالک کو اپنے 22/K گلبرگ III میں واقع گھر کا اوپر والا پورشن کرایہ پر دیا۔ ماہانہ کرایہ 7 ہزار روپے تھا اور طے پایا تھا کہ جے سالک ہر ماہ کی 15 تاریخ تک کرایہ ادا کیا کرے گا۔ دعوے میں کہا گیا ہے کہ جے سالک اپریل 1996ء تک باقاعدگی سے کرایہ ادا کرتا رہا۔ بعد میں اچانک اس نے کرایہ ادا کرنا بند کر دیا اور اس نے اپنے آپ کو ''رینٹ رسٹرکشن آرڈیننس'' کی شرائط کے مطابق نادہندہ تسلیم کر لیا۔ جے سالک کے ذمہ اب تک 18 ماہ کا 1 لاکھ 26 ہزار روپے کرایہ واجب الادا ہے۔ دعوے میں کہا گیا کہ میں نے جے سالک کو 2 قانونی نوٹس بھجوائے جس پر پہلے اُس نے کرایہ ادا کرنے کا وقت مانگا۔ بعد میں صاف انکار کر دیا۔ مدعیہ نے کہا کہ میں نے جے سالک کو بطور سیاست دان اپنا مکان کرایہ پر دیا تھا۔ مگر اس کے رویے کی وجہ سے اب وہ نظروں میں گر چکا ہے۔ اس نے مکان گھریلو استعمال کے لیے لیا جسے بعد میں اس نے سیاسی دفتر بنالیا۔ طرح طرح کے لوگ گھر میں آتے تھے۔ اس سے جائیداد کو نقصان پہنچا۔ دعوے میں عدالت سے استدعا کی گئی کہ جے سالک سے پچھلا کرایہ دلوا کر مکان خالی کرایا جائے۔ عدالت نے دعوے کی سماعت 11 مارچ تک ملتوی کر دی ہے۔

جے سالک وزیر بننے سے پہلے گندے تیل کا کاروبار کرتے تھے (گندہ تیل یعنی استعمال شدہ موبائل آئل کو غیر قانونی طور پر دوبارہ صاف کرنے کا کام) وزیر بننے کے بعد انہوں نے بے نظیر حکومت کو پاکستان سے سور دوسرے ممالک کو بھجوانے کا ٹھیکہ لینے کی درخواست دی۔ وہ پاکستان کو پوری دنیا میں سور کے ایکسپورٹر کے طور پر روشناس کرانا چاہتے تھے۔ نہیں معلوم کہ پھر اس درخواست کا کیا بنا؟

ان تمام مذکورہ ''کارناموں'' کے عوض 1995ء میں بے نظیر حکومت نے جے سالک کو نوبل انعام کے امیدوار کے طور پر نامزد کیا۔ اس پر ہمیں قطعاً کوئی تعجب نہیں ہوا کیونکہ اگر جناب جہانگیر بدر ایسا جیالا چیف جسٹس آف پاکستان کے اہم ترین عہدہ کے لیے بے نظیر بھٹو کے حسن انتخاب میں سما سکتا

ہے تو جے سالک تو ''ترقی معکوس'' میں ان سے کسی طور بھی کم نہیں۔

معروف سیاسی کارکن جناب جاوید انجم نے ایک اخباری بیان میں کہا کہ۔جے سالک کا قومی یکجہتی کی آڑ میں جاری سفر ڈھونگ اور فریب اکتوبر میں ہونے والے الیکشن کی تیاریوں کا آغاز اور حصہ ہے۔اسی طرح کا ایک ڈرامائی سفر جے سالک نے چند سال قبل اُونٹ گاڑی پر اسلام آباد سے لاہور تک کیا تھا جبکہ موجودہ سفر بھی ماضی کی کھیل کہانی کا مکمل عکاس ثابت ہو رہا ہے۔انہوں نے کہا کہ اقلیتوں کے ظاہری ہمدرد اور عالمی اقلیتی اتحاد کے کنوینز ہونے کے دعویدار جے سالک کو لاہور میں جناح ہال کے سامنے جاری اقلیتی افراد کا احتجاج کیوں نظر نہیں آ رہا۔جاوید انجم نے کہا کہ جے سالک جنگ سے متاثرہ افغانیوں میں عیسائی قوم کے نام سے لوٹی گئی پوشیدہ دولت کو تقسیم کر دیں تو اظہارِ یکجہتی کا مقصد بامعنی اور پورا ہو جائے گا۔

(روزنامہ انصاف لاہور 17 دسمبر 2001ء)

محمد اسلم رانا

عیسائی آبادی، عیسائی دعووں کی روشنی میں

1- ''قیام پاکستان کے دنوں میں پاکستان میں عیسائیوں کی تعداد 80 ہزار تھی جو 1958ء میں 2لاکھ 88 ہزار 263 ہوگئی۔'' (''پراسپکٹر'' کینیڈا، اکتوبر 1958ء)

2- مدتوں عیسائی جریدہ ''شاداب'' کو ''بیس لاکھ عیسائیوں کا ترجمان'' ہونے کا دعویٰ رہا ہے۔

3- پاکستان میں عیسائی آبادی 60 لاکھ ہے (پاکستان نیشنل کرسچن لیگ، ''جنگ'' کراچی 25-8-74)

4- پاکستان میں عیسائی آبادی 75 لاکھ ہے۔ (پاکستان نیشنل کرسچن لیگ کا اخباری بیان 26-9-77)

5- پاکستان میں عیسائی آبادی 60 لاکھ ہے (جے سالک کی پریس کانفرنس منعقدہ کراچی 29-8-82)

6- عیسائی قلیت کی تعداد 70 لاکھ ہے (عیسائی دعویٰ ''سیارہ ڈائجسٹ'' لاہور ستمبر 83، ص 123)

7- ''پاکستان میں عیسائیوں کی آبادی ایک کروڑ ہے'' (صدر کرسچن الیکشن ایکشن کمیٹی ''جنگ'' کراچی 5-3-85)

8- ''عیسائی اقلیت کی آبادی ڈیڑھ کروڑ کے لگ بھگ ہے'' (''نقیب'' یکم مارچ 1989ء ص18)

9- ''ہماری تعداد ایک کروڑ سے بھی زیادہ ہے'' (''نقیب'' 16 جولائی 1989ء، ص 11)
لیجئے! 4 ماہ بعد آبادی بڑھنے کے بجائے 50 لاکھ کم ہوگئی!

10- ''اقلیتی حلقے اس بات پر مصر ہیں کہ ان کی تعداد ایک کروڑ کے لگ بھگ ہے'' (''ہم سخن'' ص14)
دو سال بعد سب اقلیتیں مل کر ایک کروڑ ہوئیں! یاللعجب!

11- ''ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت ملک میں عیسائیوں کی تعداد ساڑھے اٹھارہ لاکھ اور ہندو اور

شیڈول کاسٹ اٹھارہ لاکھ اور قادیانی ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہیں'' (عیسائی ماہنامہ ''کارِیتاس'' نومبر 1992ء ص10)

-12 ''چرچ ممبر شپ عیسائیوں کی تعداد 80 لاکھ بتاتی ہے'' (''کارِیتاس'' جنوری 92ء ص23)

-13 ''ہمارے ملک میں عیسائیوں' ہندوؤں' پارسیوں' احمدیوں' سکھوں اور دوسرے قبائلی مذاہب کے قائل لوگ بھی بستے ہیں جن کی تعداد ایک کروڑ کے قریب ہے'' (''نقیب'' یکم اگست 94ء ص 15)

-14 عیسائی عوام ڈیڑھ کروڑ ہیں (''کارِیتاس'' نومبر 94ء ص 61)

-15 پاکستانی تارکان وطن عیسائی 1994ء سے اولڈ ہم (برطانیہ) سے ایک سہ ماہی جریدہ ''نجات'' نکالنے لگے ہیں۔ شمارہ نمبر 4 اکتوبر تا دسمبر 94ء کے صفحہ 18 پر مرقوم ہے۔

''پاکستان میں دینی اعتبار سے عیسائیت دوسرا بڑا مذہب ہے۔ ایک اندازے کے مطابق 1995-96ء تک پاکستان میں عیسائیوں کی تعداد 40 لاکھ کے لگ بھگ پہنچ جائے گی۔ عیسائیوں کے علاوہ پاکستان میں ہندو' پارسی' سکھ اور بدھ مت کے ماننے والے بھی آباد ہیں جو تقریباً 20 لاکھ کے قریب ہیں۔''

آگے اسی شمارہ کے صفحہ 10 پر پڑھ کر قاری حیرت میں ڈوب جاتا ہے کہ:

''پاکستان کی کل آبادی تقریباً 13 کروڑ ہے جس میں سے اقلیتوں کی آبادی ڈھائی کروڑ بنتی ہے۔''

-16 ''کاتھولک نقیب'' 16 نومبر 93ء ص 16 کا بیان ہے۔

''پاکستان میں مذہبی اقلیوں کی آبادی ملک بھر کا تقریباً 7 فیصد ہے۔ حکومتی اعداد و شمار کے مطابق (گو اقلیتی لیڈران ان اعداد و شمار سے اختلاف کرتے ہیں) اقلیوں میں ہندو سب سے بڑی اقلیت ہے جو اقلیتوں کی کل آبادی کا 46.8 فیصد ہے ہندوؤں کی اکثریت (96 فیصد) سندھ میں رہائش پذیر ہے ہندوؤں کی کل آبادی 12,75,255 ہے۔ ہندوؤں کے بعد عیسائی اکثریت میں ہے جن کی کل آبادی 12,36,649 ہے یہ اقلیتوں کی کل آبادی کا 45.4 فیصد ہے ان کی اکثریت (62.4 فیصد) پنجاب میں مقیم ہے باقی اقلیتوں کی کل تعداد 1,12,432 ہے''

اوپر دکھایا جا چکا ہے کہ 81ء کی مردم شماری کی رو سے عیسائی سب سے بڑی اقلیت ہیں۔ ان کی تعداد 13,10,426 تھی۔ ہندو دوسرے نمبر پر ہیں ان کی آبادی 12,76,116 تھی۔

خدا معلوم ان انوکھے اعداد و شمار کا ماخذ کیا ہے؟

لکھنے والے کو ہوش ہے نہ چھاپنے والوں کو پتہ!

-17 ''شاداب'' جون 78ء صفحہ 10 پر پاکستان میں عیسائی اقلیت کا تناسب 5 فیصد ہے۔

18- "شاداب" جولائی 78ء میں 7 فیصد لکھا گیا۔

19- "سیارہ ڈائجسٹ" ستمبر 83ء میں 8.2 فیصد درج تھا۔

خیال رہے کہ 1981ء کی مردم شماری کے مطابق عیسائی آبادی کا تناسب 1.56 فیصد تھا۔

القصہ کیا عیسائی اہل قلم و رہنما اور کیا عیسائی پریس' سبھی عیسائی آبادی کے تعین میں شدید ترین گھپلے بازیوں' غلطیوں اور کنفیوژن کا شکار ہیں۔ ان کے دعاوی محض بڑھکیں ہیں اور بے سروپا ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس مسئلہ پر شدید مبالغہ آرائی' پراگندہ خیالی اور ذہنی انتشار کا شکار ہیں۔ جو وہ کہتے ہیں انہیں اس کا شعور و ادراک نہیں ہے۔ ہر ایک نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا رکھی ہے۔ ہر ایک اپنی ڈفلی پر اپنا اپنا راگ الاپنے میں مصروف ہے۔ حقیقت کا احساس و تعلق کسی کو بھی نہیں ہے جو کہ حد درجہ افسوسناک ہے۔

1941ء کی مردم شماری کی رو سے عیسائی آبادی 63,00,000 بتائی گئی تھی جب کہ عیسائی اندازہ 77,50,000 یا 80,00,000 تھا۔ (Directory of Treatment Missions in India and Pakistan; 1951 P.X.V)

آبادی کے مسائل پر عیسائی اقلیت کو مطمئن کرنا شاید حد امکان سے باہر ہے!

خدا معلوم ہم یہ اندازہ لگانے میں کس قدر حق بجانب ہیں کہ "سوچے سمجھے منصوبے" اور "سازش" کے تحت "عیسائی آبادی ایک محدود دائرے کے اندر رکھنے" کی کذب بیانی کا مقصد و مطلب حکومت پاکستان کو بدنام کرنے اور عیسائی اقلیت کی مصنوعی اور مفروضہ بدحالی کا ڈھنڈورا پیٹنے کی قدیم مذموم عیسائی روش کا ایک حصہ ہے۔

مندرجہ بالا ٹھوس حقائق کا مطالعہ کرنے کے بعد امید ہے کہ عیسائی اپنا رویہ صحیح کر لیں گے۔

کچھ عیسائیوں کے مشن کے متعلق

دنیا کی عیسائی آبادی	ایک ارب اسی کروڑ
تناسب	33.3 فیصد یعنی ایک تہائی
عیسائی تنظیمیں	21300
غیر ملکی مشن	4050
مشنوں کی سالانہ آمدنی	انیس ارب ڈالر
مکمل بائبل کی سالانہ تقسیم	پانچ کروڑ بیس لاکھ
صرف انجیل کی تقسیم	آٹھ کروڑ
عیسائی جریدے	پچاس ہزار

(نوٹ: مسلمانوں کی دنیا بھر کی آبادی 96 کروڑ یعنی کل آبادی کا پانچواں حصہ ہے)

پاکستان کے عیسائی اب اس دعوے سے حقوق مانگ رہے ہیں کہ ہم نے بھی پاکستان کی جدوجہد میں حصہ لیا تھا حالانکہ بیچارے کسی گنتی میں نہ تھے ان کی دلیل بھی عجیب ہے کہ تقسیم کے وقت ان کے دو رہنماؤں نے قراردادیں منظور کرائیں کہ عیسائیوں کو مسلمانوں میں شامل کر کے تحصیل پٹھان کوٹ کو پاکستان میں شامل کیا جائے مگر اس سے فقط یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی عالی ظرفی سے بہتر سلوک کی امید رکھتے تھے جب کہ ہندوؤں نے انہیں اچھوت بنا رکھا تھا۔

یاد رہے کہ پاکستان میں عیسائی آبادی سوا تیرہ لاکھ سے بھی کم صرف 1310426 ہے۔

پاکستان کی مجموعی آبادی میں عیسائی آبادی کا تناسب ڈیڑھ فیصد کے قریب صرف 1.56 فیصد ہے۔

یہ مبالغہ آرائی کیوں؟

سوال یہ ہے کہ عیسائی قائدین اور ان کے صحافی اپنی آبادی مبالغہ آرائی کے ساتھ بڑھا چڑھا کر کیوں پیش کرتے ہیں؟ ہمارے تجزیہ کے مطابق منجملہ دیگر وجوہات ان کے مقاصد تین ہیں:

1- ان کا اوّلین مطمح نظر یہ ہوتا ہے کہ اس مبالغہ آرائی کے سہارے اپنے غیر ملکی آقاؤں اور سرپرستوں کو خوش کر کے زیادہ سے زیادہ مالی امداد و مفادات حاصل کریں۔

ہمارے مقامی عیسائی حضرات کے اکثر منصوبوں کا انحصار غیر ملکی مشنز اور مغربی ممالک کی مالی امداد پر ہوتا ہے۔ مالی امداد کے علاوہ باہر سے گھی، خشک دودھ، پرانے کپڑے اور دوسرے تحائف حاصل کرتے ہیں۔ بیرونی یونیورسٹیوں میں اپنے بچوں کے داخلے اور تعلیمی وظائف حاصل کرتے ہیں۔ تبلیغی دوروں اور کانفرنسوں میں شرکت کے نام پر سیر و سیاحت کے وسائل حاصل کرتے ہیں۔ اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک اعلیٰ منصب اور بڑے مشاہرے وصول کرتے ہیں۔

2- اس مبالغہ آرائی سے ان کا دوسرا مقصد مسلمانوں کو مرعوب کر کے انہیں احساسِ شکست میں مبتلا کرنا ہے۔ وہ اپنی اس سرد جنگ کے منصوبے میں بہت حد تک کامیاب ہیں۔

شہداء علی الناس کے منصب کی حامل ملت کے علماء، کارپرداز اور کارکن غیر مسلموں کے سامنے تبلیغ کی جرأت رندانہ کھو بیٹھے ہیں۔ اقصائے عالم میں تو کجا وہ خود اپنے ملک میں اس فریضہ کی ادائیگی سے غافل ہیں۔

3- ان کا تیسرا بڑا مقصد ان مبالغہ آمیز دعاوی کے ذریعہ "باخبر" ارباب حکومت سے سودا بازی کرنا ہوتا ہے وہ اس طرح قومی، صوبائی غرض ہر سطح پر اپنی نمائندگی میں اضافہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ ملازمتوں میں، سکول، کالجوں کے داخلوں میں، تعلیمی وظائف میں، غرض ہر مسئلہ میں اپنا کوٹہ اور نشستیں زیادہ کرا لیتے ہیں۔ اس کے بے شمار شواہد موجود

ہیں۔

مشنریوں کے جھوٹے دعوے

بہت سے مشنری یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے کئی لوگوں کو عیسائی بنالیا ہے۔ یہ دعویٰ اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ اس قسم کے منصوبوں پر خرچ کرنے والی سوسائٹیوں اور افراد سے زیادہ سے زیادہ رقوم بٹوری جاسکیں۔ ایک انگریز مشنری بلڈوین نے دعویٰ کیا کہ اس نے کئی مسلمانوں کو عیسائی بنالیا ہے چنانچہ جس تنظیم کے تحت بلڈوین کام کرتا تھا' اس نے اس کی تصدیق کے لیے کچھ لوگ بھیجے' تو انہیں وہاں ایک بھی ایسا مسلمان نہ ملا جس نے بلڈوین کے ہاتھ پر عیسائیت قبول کی ہو۔


فکر انگیز
مضامین

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ

عیسائی مذہب

تبریس قیصر کی حکومت کے پندرھویں برس جب پنطیس پیلاطس یہودیہ کا حاکم تھا اور ہیرودیس گلیل کا اور اس کا بھائی فلپس اِتوریہ اور ترخونی تس کا اور لسانیاس ابینے کا حاکم تھا اور حناہ اور کائفا سردار کاہن تھے' اس وقت خدا کا کلام بیابان میں زکریاہ کے بیٹے یوحنا (1) پر نازل ہوا۔ اور وہ یردن کے سارے گردونواح میں جا کر گناہوں کی معافی کے لیے توبہ کے بپتسمہ کی منادی کرنے لگا۔ (2) کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی (3) ہے اور لوگوں کو بپتسمہ دینا شروع کیا۔ اسی عرصہ میں حضرت مسیح بھی ان کے پاس گئے اور بپتسمہ لیا (4) لیکن جب یحییٰ (یوحنا) کی شہرت زیادہ ہو گئی اور انہوں نے ہیرودیس کو کچھ ملامت کی تو اس نے ان کو قید میں ڈال دیا۔ (5) حضرت مسیح نے جب ان کے قید ہونے کی خبر سنی تو گلیل کو روانہ ہوئے اور ناصرہ کو چھوڑ کر کفرنحوم میں جا بسے' اس وقت سے یسوع نے منادی کرنا اور یہ کہنا شروع کیا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے (6) اور وہ یہودیوں کو ہی مخاطب کرتے اور انہی کو وعظ و نصیحت کر کے دین عیسوی کی ترغیب دیتے رہے کیونکہ وہ خاص انہی کی طرف بھیجے گئے تھے جیسا کہ خود مسیح نے ایک کنعانی عورت کو جس نے آ کر اپنی بیٹی کو تندرست کرنے کی استدعا کی تھی' صاف جواب دیا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ (7) اور ایسا ہی حکم حواریوں کو بھی دے کر روانہ کیا کہ تم غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔ (8)

چنانچہ حضرت مسیح اس طرح یہودیوں کی ہدایت میں مصروف رہے اور بہت کم لوگ ان پر ایمان لائے مگر اکثر یہودی ان کے درپے آزار تھے۔ آخر کار یہوداہ اسکریوتی کو ہمراہ لے کر حضرت عیسیٰ کو گرفتار کر کے سردار کاہن کے پاس لے گئے اس (سردار کاہن) نے عدالت کا ڈھونگ رچایا اور فیصلہ دیا کہ عیسیٰ کو قتل کر دیا جائے' چنانچہ انہیں اس لئے پنطیس پیلاطس کے پاس بھیج دیا کہ وہ اس کے قتل کا حکم دے۔ (9) اب تک مسیح کے حواریوں اور شاگردوں نے اس کی تعلیم کی حقیقت اور مطلب بالکل نہیں سمجھا

تھا اور ان کا کمزور ایمان دنیوی نعمتوں اور فائدوں کا حریص تھا۔ اس کے گرفتار ہوتے ہی وہ سب بھاگ گئے(10) اور (دنیوی نعمتوں اور فائدوں کی) اسی امید پر یوحنا کی ماں نے مسیح سے یہ درخواست کی تھی کہ یہ میرے دونوں بیٹے تیری بادشاہی میں تیرے دائیں اور بائیں طرف بیٹھیں۔(11) اسی نیت سے پطرس نے حضرت مسیح سے کہا تھا کہ ہم تو سب کچھ چھوڑ کر تیرے پیچھے ہو لیے ہیں پس ہم کو کیا ملے گا۔(12)

اگر وہ بات سچی ہو جو مسیح کا قول قرار دی گئی تو مسیح نے بھی ایسا کچھ ہی کہا ہے کہ تم وہ ہو جو میری آزمائشوں میں برابر میرے ساتھ رہے اور جیسے میرے باپ نے میرے لیے ایک بادشاہی مقرر کی ہے میں بھی تمہارے لیے مقرر کرتا ہوں تاکہ میری بادشاہی میں میری میز پر کھاؤ پیؤ بلکہ تم تختوں پر بیٹھ کر اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انصاف کرو گے۔(13)

الغرض کوئی بھی صورت ہو بہر حال ان لوگوں کے ذہن میں یہ بات کہ مسیح دُنیاوی سلطنت قائم کرے گا اور ہم بھی حکومت کریں گے، ایسی جمی ہوئی تھی کہ جب حضرت مسیح دُنیا سے سدھارے تو وہ افسوس کرنے لگے اور کہتے تھے کہ ہم کو امید تھی کہ اسرائیل کو مخلصی یہی دے گا۔(14) یہاں تک کہ جب حضرت عیسیٰؑ سے دوبارہ ان کی ملاقات ہوئی تو اس سے پوچھا کہ کیا تو اسی وقت اسرائیل کو بادشاہی پھر عطا کرے گا۔(15)

پس اس صورت میں ضروری تھا کہ روح القدس ان پر دوبارہ نازل ہوتا تاکہ ان کی بے ایمانی اور سخت دلی دور ہو جائے(16) کیونکہ حضرت مسیح کا ان کو روح القدس سے بھر دینا اور معجزوں کی طاقت عطا کرنا کچھ کام نہ آیا۔ لیکن جب روح القدس اُترا تو عجب انداز میں ان پر اُترا کہ بڑی آندھی جیسی آواز آئی۔ شاید ایسا ہوا ہو گا جیسے آج کل بگولے آیا کرتے ہیں۔(17)

الحاصل جب وہ روح القدس سے بھر گئے تو یہودیوں کی ہدایت کے کام میں مصروف ہو گئے۔ البتہ شریعت موسوی کے مطابق عمل کرتے رہے۔ نماز پڑھنا، کلیسا میں جانا اور کھانا پینا سب توریت کے احکام کے مطابق جاری رہا۔ لیکن تھوڑے دنوں بعد ساؤل نامی ایک یہودی جو حضرت مسیحؑ کا کٹر دشمن راہ چلتے ہوئے عیسائی ہو گیا اور عیسائی ہونے کے بعد پولس مقدس بن گیا لیکن اس وقت تک غیر قوم میں سے کسی شخص کو عیسائی نہیں بنایا گیا تھا۔ اس لیے کہ حواریوں کے ذہن میں تو وہی بات راسخ تھی جو حضرت مسیح نے فرمائی تھی کہ تم غیر قوموں کی طرف نہ جانا یہاں تک کہ کرنیلیس کو جو کہ غیر قوم میں سے تھا، عیسائی کرنے کے لیے پطرس کو مشاہدہ کرایا گیا چنانچہ اس پر وہ شبہ میں پڑ گیا کہ اس کے کیا معنی ہیں۔ اتنے میں کرنیلیس کے آدمی آئے اور اس کو قیصریہ کو لے گئے اور جب وہاں کے لوگوں نے عیسائی ہونے کی درخواست کی۔ پطرس ان سے باتیں کر ہی رہا تھا کہ روح القدس ان سب پر نازل ہوا۔ مختون سب حیران ہوئے کہ غیر قوموں پر بھی روح القدس کی بخشش جاری ہوئی۔ یہ دیکھ کر پطرس نے حکم دیا کہ انہیں یسوع مسیح کے نام سے بپتسمہ دیا جائے۔(18)

غرض اس مشاہدہ کے باعث غیر قوم بھی عیسائی ہونے لگی۔ مگر اب یہ گل کھلا کہ مختون' جو کہ شریعت موسوی پر عمل پیرا ہونے کے مدعی تھے' اس سے متفق نہیں تھے کہ یہودیوں کے علاوہ غیر قومیں بھی احکامِ شریعت بجا لائیں۔ اور غیر قوموں کو ان کی یہ بات ناگوار لگی۔ چنانچہ پولس اور برنباس کی ان مختونوں سے بہت تکرار اور بحث ہوئی تو تجویز یہ ہوا کہ اس مسئلہ کے فیصلہ کے لیے رسولوں اور بزرگوں کے پاس یروشلیم جائیں۔ پھر وہ سب اکٹھے ہو کر یروشلیم میں پہنچے' وہاں کونسل کا جلسہ منعقد ہوا۔ پطرس' برنباس اور پولس نے مختونوں کے نقطۂ نظر کے خلاف بیان کیا۔ یعقوب نے درمیانی راہ اختیار کی اور یہ مشورہ دیا کہ غیر قوموں کی گردن پر سارا بوجھ ڈالنا مناسب نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ بعض احکام کا اتباع ان پر لازم کیا جائے اور نام نہاد روح القدس کے نام سے ایک سرکولر جاری ہو کہ روح القدس اور ہم نے مناسب جانا کہ ان ضروری باتوں کے سوا تم پر اور بوجھ نہ ڈالیں کہ تم بتوں کی قربانیوں کے گوشت سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرام کاری سے پرہیز کرو۔ اگر تم ان چیزوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھو گے تو سلامت رہو گے۔ والسلام (19)

چنانچہ اس سرکولر کے مطابق غیر قوموں پر تو شریعت کی پابندی لازم نہ رہی مگر مختون حضرات اسی شریعت موسوی کے متبع رہے۔ لیکن مقدس پولس نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ شریعت موسوی کو بالکل مٹا دینے کا کارنامہ انجام دیا اور کہا کہ اگلا حکم کمزور اور بے فائدہ ہونے کے سبب منسوخ ہو چکا ہے'(20) اور پاک لوگوں کے لیے سب کچھ جائز ہے۔ لہٰذا جب شرعی احکام پر عمل اور ان کا اتباع ختم ہو گیا۔ اور لوگوں نے اس دین میں ہر طرح کی آسائش اور آرام پایا تو غیر قوم کے لوگ بڑی رغبت کے ساتھ عیسائی ہونے لگے۔ کیونکہ یہ بات بدیہی طور پر واضح اور آشکارا ہے کہ انسان جو کہ ابتدائے خلقت سے گناہوں میں مبتلا ہے' اس قسم کی باتوں کی طرف بہت جلد متوجہ ہوتا ہے اور اچھی باتوں کی طرف اس کا دل بہت کم مائل ہوتا ہے۔

لیکن پولس مقدس نے اگرچہ احکامِ شریعت کو منسوخ کرنے کا حکم دے دیا تھا اس کے باوجود بھی مختون لوگ جو کہ نئے عیسائی ہوئے تھے اس کو تسلیم کرتے تھے۔ چنانچہ جب وہ یروشلیم میں آیا تو بزرگوں کو خوف ہوا کہ یہودیوں میں ہزارہا آدمی ایمان لے آئے ہیں اور وہ سب شریعت کے بارے میں سرگرم ہیں اور پولس کے حال سے بھی واقف ہیں۔ یقیناً جمع ہو کر فساد کریں گے۔ پھر پولس کو سمجھایا کہ ہمارے جن آدمیوں نے منت مانی ہے ان کے ساتھ داخل ہو کر منت ادا کرتا کہ وہ سب لوگ جان لیں کہ جو باتیں انہیں تیرے بارے میں سکھائی گئی ہیں۔ ان کی کچھ اصل نہیں۔ اور پولس نے بھی ان کی بات تسلیم کر کے ایسا ہی کیا۔ (21)

الغرض واریان کے عہد تک سب لوگ اسی طرح تورات کے احکام کی تعمیل میں سرگرم رہے۔ لیکن جب بادشاہ نے یہ حکم جاری کیا کہ جو کوئی ختنہ کرے گا قتل کر دیا جائے گا تو اس وقت فلسطین کے عیسائیوں نے اس خوف سے کہ کہیں انہیں بھی یہودیوں میں شمار نہ کر لیا جائے' موسوی رسومات کو بالکل

چھوڑ دیا اور مرقس کو اپنا پیشوا قرار دیا۔ مگر ان لوگوں کو یہ بات ناگوار گزری جو یہودی رسوم ادا کرنے پر دلی طور پر راغب اور شدت سے عمل پیرا تھے اور مغربی فلسطین میں اپنی جماعتیں قائم کیں اور ان میں موسوی رسوم کو اس درجہ اور کروفر کے ساتھ بحال رکھا یہ لوگ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو سند میں برابر سمجھتے تھے۔(22)

چنانچہ جب دو فرقے ہو گئے تو پہلا فرقہ جو حقیقتاً عیسائی تھا اور توریت کی حمایت میں مصروف رہتا تھا' بدعتی قرار دیا گیا اور ان کا نام ابیونیہ رکھا گیا۔ دوسرا فرقہ جو توریت سے برگشتہ ہو گیا تھا اور جس کی بنیاد پولس پہلے ہی مضبوط کر چکے تھے روز بروز ترقی کرتا گیا۔ اس طرح دین عیسوی تو دُنیا سے مفقود ہوتا چلا گیا اور دین پولس کی ترقی ہونے لگی۔

دوسری صدی میں ایک اور بات ایسی ہوئی جس کے سبب دین پولس کے پھیلنے میں بہت بڑی مدد ملی اور وہ یہ تھی کہ افلاطون (23) اور فیثا غورث (24) کے پیرووں میں یہ مقولہ مشہور تھا کہ سچائی اور خدا پرستی کی ترقی کے لئے جھوٹ بولنا اور فریب دینا صرف جائز ہی نہیں بلکہ قابلِ تحسین ہے۔ حضرت عیسیٰ کی تشریف آوری سے پہلے یہ مقولہ ان سے یہودیوں نے بھی سیکھ لیا۔ اور ان دونوں سے یہ وبا عیسائیوں کو بھی لگ گئی۔ چنانچہ وہ جھوٹی کتابیں جو بڑے معزز ناموں کے ساتھ منسوب کر کے دوسری اور تیسری صدی میں دنیا میں پھیلائی گئیں' ان سے یہ بات وضاحت کے ساتھ سامنے آجاتی ہے اور یہ بات کوئی تعجب خیز نہیں تھی۔ اور نہ عیسائی حضرات اس کے محتاج تھے کہ انہی لوگوں سے یہ بات سیکھ کر اس پر عمل کریں کیونکہ اس صدی کا جو حال تھا اس کو ایک بڑا مؤرخ اس طرح بیان کرتا ہے کہ:

> "اگر اخلاق کے بدرہنما سے ایسا شخص مراد ہے جو ان کاموں کی حدو خاصیت سے واقف نہ ہو جو عیسائیوں پر لازم تھے اور نیکی اور بدی کی بھی صاف صاف تمیز نہ رکھتا ہو اور کتب مقدسہ کے اصل مطلب کو سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اور اسی سبب سے اکثر بے تحقیق ڈاواں ڈول ہوں یا احکام الٰہی کے بیان کرنے میں بھی غلطی میں پڑ جاتا ہے۔ اگرچہ بسا اوقات اچھی بات بھی کہتا ہو۔
>
> اگر بدرہنما سے ایسا شخص جو مذکورہ بالا تعریف سے متصف ہو مراد لیا جائے تو تسلیم کر لیا جائے کہ یہ تو بلاشبہ بہت سے مرشدوں پر بھی صادق آتا ہے۔"

تیسری صدی میں دین پولسی نے ایک نیا رنگ اختیار کیا کہ اس وقت کے علماء نے تو اول تو کتب مقدسہ کی تمام عبارتوں کو تمثیلی معانی سے تعبیر کرنا شروع کیا۔ دوسرے جن عیسائی علماء نے منطق و فلسفہ کی تحصیل کی۔ اپنے استادوں کا اتباع کرتے ہوئے بت پرستوں اور یہودیوں کے ساتھ مباحثہ کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ جس طرح بھی ہو اگرچہ فریب ہی سے کیوں نہ ہو فتح حاصل ہو جائے۔

فریبی تقریروں کے ذریعہ مخالفین کو مغلوب کرنے کے اس طریقہ سے بہت سی قباحتوں نے جنم لیا۔ مثلاً مشہور لوگوں کی طرف منسوب کر کے اس لیے بہت سی کتابیں شائع ہو گئیں کہ ان کا درجۂ استناد

بڑھ جائے۔ چنانچہ کنیس یعنی کتاب اصول ایمانیہ تصنیف ہو کر حواریوں کے نام سے مشہور ہوئی۔ اپاسٹالیگل کانسٹی ٹیوشن یعنی حواریوں کے قواعد جس کی تالیف کلیمنس کی طرف منسوب ہے' ریگ نیشن اور کلیمنٹا جو کلیمنس کی تصنیف قرار دی جاتی ہیں اور اسی طرح بہت سی دوسری کتابیں شائع ہوئیں جن کو بھولے بھالے لوگ ایک عرصہ تک قدر و منزلت کے ساتھ معتبر سمجھتے رہے' مکر و فریب کا یہ انداز نہ صرف مباحثہ و مناظرہ کرنے والوں نے اپنا رکھا تھا بلکہ راہب حضرات نے بھی اپنے گروہ کی تائید کے لیے فریب کاری اختیار کر رکھی تھی اور اپنے گروہ کو دیونی شس کی طرف منسوب کرنے لگے۔ اس شخص کو پولس نے پہلی صدی میں عیسائی کیا تھا۔ چنانچہ اس جھوٹ کو اور مستحکم کرنے کی غرض سے علم اسرار اور مجاہدات کی کئی کتابیں اس کی طرف منسوب کی گئیں۔

اس صدی میں اگرچہ ہر درجہ کے آدمیوں کے لیے شادی کرنا روا تھا لیکن جو لوگ بن بیاہے رہتے عفت اور پارسائی میں زیادہ تر نام پیدا کرتے تھے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس صدی میں لوگوں میں یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ جو لوگ عورتوں سے شادی کرتے ہیں' انہی پر شیطانوں کا اثر رہتا ہے۔ اور جو یہ بات بڑی فائدہ کی معلوم ہوتی تھی کہ جو لوگ کلیسا کے حاکم ہوں ان پر شیاطین کا اثر نہ ہونے پائے۔ لہٰذا یہ تجویز ہوا تھا کہ پادری حضرات اس مزہ سے محروم رہیں۔ اسی بنا پر کلیسا کے بہت سے لوگ اور خاص طور پر افریقہ میں لوگوں کی یہ خواہش پوری کرنے پر راضی ہو گئے۔ لیکن اس بات کی کوشش کی کہ اپنی نفسانی خواہشات پر بھی جبر نہ ہونے پائے۔ چنانچہ ان لوگوں نے ان عورتوں کے ساتھ تعلقات قائم کر لیے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عفیفہ رہنے کی منت کر بیٹھی تھیں اور یہ بات بحسب عادت رائج ہو رہی تھی کہ پادری لوگ رات کو اپنے بستر پر ان عورتوں میں سے ایک عورت کو شریک کر لیتے تھے مگر ظاہر میں یہی اظہار ہوتا تھا کہ اس معاملہ میں ایسا کوئی امر نہیں ہے جس سے عفت و پارسائی میں فتور آئے۔ (25)

چوتھی صدی میں ہر بات کی ترقی ہوئی اور اس صدی میں بے شمار واہیات اور خرافات کا پھیلاؤ رہا' اور دین عیسوی کے پھیلنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ جب شاہ قسطنطین نے اپنے خسر کو قتل کر ڈالا اور طبیعت میں کچھ گھبراہٹ اور بے چینی ہوئی اور اس کے کاہن نے اس کا قصور معاف نہ کیا تو اس نے مجبوراً عیسائی پادریوں کو بلایا۔ انہوں نے کہا کہ اگر تم عیسائی ہو جاؤ تو ہم ابھی تمہارا قصور معاف کیے دیتے ہیں چنانچہ وہ عیسائی ہو گیا اور ایسا سعادت مند عیسائی ہوا کہ سب سے پہلے تو اس کاہن کو مروا ڈالا جس نے اس کے گناہ معاف کرنے سے انکار کیا تھا پھر اپنی بیوی فاستہ اور بیٹے کرسپوس اور دونوں بہنوئیوں' چھوٹے بھانجے اور بے شمار دوست آشناؤں کو قتل کر ڈالا۔ (26)

اسی بادشاہ کے عہد میں 325ء میں "کونسل (27) نائس" منعقد ہوئی اور اس میں الوہیت مسیح جیسے مدت سے زیر بحث چلے آنے والے مسئلے کا تصفیہ ہوا۔ اس کونسل انعقاد کی وجہ یہ تھی کہ آریوس نے جو کہ الوہیت مسیح کا منکر تھا۔ دونوں یوسی بیسوں اور دیگر علماء کی مدد سے اپنے عقیدہ کو خوب پھیلانا شروع کیا اور تھا۔ عیثیس اس کا مد مقابل ہوا تو قسطنطین نے اس نزاع کو دیکھ اس کونسل کے انعقاد کا حکم دیا چنانچہ

اس کونسل میں تیرہ 13 بشپ حضرات اور بہت سے پادریوں نے عقیدۂ تثلیث سے انکار کیا۔ بعض لوگ تثلیث کے تو قائل ہوئے مگر روح القدس کے بجائے حضرت مریم کو تثلیث میں داخل کرتے تھے (28) لیکن جب بادشاہ نے اعلانیہ حکم دیا کہ جو شخص تثلیث سے انکار کرے گا اس کا مال ضبط کر لیا جائے گا اور اسے جلاوطن کر دیا جائے گا۔ تب اکثر لوگوں نے بادشاہ کے خوف سے عقیدۂ تثلیث پر دستخط کر دیئے۔ چنانچہ اس وقت سے تثلیث قائم ہوئی اور اتھانیشس کے عقیدہ کو شہرت حاصل ہو گئی۔ قسطنطین کے مرنے کے بعد اس کے جانشینوں نے دین عیسوی کے رواج دینے میں بڑی کدوکاوش کی اور یہ حکم دے دیا کہ جو شخص کسی دوسرے مذہب کا اتباع کرے گا سزا پائے گا۔ چنانچہ اس طریقہ سے عیسائی دین روز بروز ترقی پانے لگا۔ لیکن جوں جوں اس دین کی ترقی ہوئی صورتیں بھی نئی نئی پیدا ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ پوپ حضرات کے زمانے میں جو جو باتیں اور عجیب وارداتیں وقوع میں آئیں پروٹسٹنٹ کی تاریخ کی کتابیں ان سے مالا مال ہیں کہ ہم کو وہ سارا حال لکھتے ایک تو شرم آتی ہے دوسرے تطویل کا خوف مانع ہے۔

غرض پندرھویں صدی تک پوپ حضرات کا خوب زور شور رہا۔ چنانچہ فرقہ پروٹسٹنٹ کا ایک بڑا مستند شخص (29) لکھتا ہے کہ تحریک اصلاح کے ابتداء میں جب دجال (یعنی پوپ 12منہ) اپنی سلطنت پر قابض اور امن سے بیٹھا تھا تب لوتھر اٹھا۔

ایک دوسرا پروٹسٹنٹ (30) عالم لکھتا ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ بہت صدیوں تک تمام روئے زمین پر عموماً ارتداد پھیلا ہوا تھا اور اس وقت ہمارا کلیسا ظاہر نہ تھا۔ پروٹسٹنٹ فرقہ کی ایک بڑی مستند کتاب (31) میں یوں مرقوم ہے کہ آٹھ سو برس سے زیادہ تک دنیا دار اور پادری لوگ، فاضل اور جاہل اور دین عیسوی کے سارے قرن اور فرقے اور سب درجہ کے مرد و عورت اور بچے بڑی بت پرستی میں ڈوب چکے تھے۔

ایک اور پروٹسٹنٹ (32) یوں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ سے تین سو ساٹھ برس بعد دجالی اور پوپی سلطنت شروع ہوئی اور 1260 برس تک بلا حجت و تکرار قائم رہی۔

الحاصل یہی سلطنت جس کو پروٹسٹنٹ لوگ دجالی قرار دیتے ہیں۔ پندرھویں صدی کے آخر تک برقرار رہی اور معاملات دینی کے مسائل کا تصفیہ اور کونسلوں وغیرہ کا انعقاد سب کچھ انہی پوپ حضرات کے زمانۂ تسلط میں وقوع میں آتا رہا۔

سولھویں صدی میں پولسی دین پر ایک عجیب انقلاب آیا یعنی جب لیودہم پوپ کی گدی پر بیٹھا تو اس نے انڈلجنس (33) کا قدیم دستور جاری کر دیا اور اپنے متبعین کو حکم دیا کہ گناہوں کی معافی کی سندیں بیچا کریں۔ سیکسنی میں اکثر آگسٹائن کے گروہ اس کام کے لیے مامور ہوا کرتے تھے۔ اور اس اعتبار پر ان کو فائدہ بھی ہوتا تھا اور قدر و منزلت بھی بڑھتی تھی۔ لیکن آرکم بولڈی نے یہ عہدہ ڈومینشان کے گروہ کو دے دیا۔ اس پر مارٹن لوتھر نے جو کہ آگسٹائن کے گروہ میں سے تھا اپنے گروہ کی ذلت دیکھ کر انڈلجنس کی خرید و فروخت کی برائیاں بیان کرنا شروع کر دیں اور جب لوگوں نے اس کے ساتھ وہ مقابلہ

کیا تو وہ انڈلجنس (مغفرت ناموں) ہی کی برائیاں بیان کرنے لگا۔ (34)اس پر فساد برپا ہونا شروع ہوا۔ یہاں تک کہ اس کی خبر پوپ تک پہنچی۔ پہلے تو پوپ نے خط وغیرہ بھیج کر اس کو فہمائش کی مگر جب وہ انحراف سے باز نہ آیا تو بل یعنی اس مضمون کا فرمان صادر کیا کہ اگر لوتھر اپنی خطاؤں سے توبہ نہ کرے تو اسے کلیسا سے خارج کر دیا جائے۔ مگر لوتھر اس کو بھی خاطر میں نہ لایا اور اس بل کو جلا ڈالا اور پوپ کی اطاعت سے خارج ہو کر معلم ملکوت کی صلاح اور مشورہ سے اپنے نئے دین کی بنا ڈالی۔ یہ سارا قصہ خود مصلح دین عیسوی اپنی کتاب "ڈیمسا پرٹوبتا" میں یوں بیان کیا ہے کہ یکایک آدھی رات کو میں جاگ اٹھا تو شیطان نے مجھ سے یہ گفتگو شروع کی کہ اے فاضل شخص سن تو نے پندرہ برس تک جو خلوت میں ماس کو ادا کیا ہے۔ شاید یہ بت پرستی ہو اور حضرت عیسیٰ کا خون اور بدن اس میں نہ ہو اور صرف روٹی اور شراب ہی کی عبادت خود تو نے بھی کی ہو اور دوسروں سے بھی کرائی ہو۔ اس پر میں نے جواب دیا کہ میں مسح کیا ہوا ہوں' پادری ہوں اور مجھ بشپ نے مقرر کیا ہے اور میں جو کچھ کرتا ہوں اپنے بڑوں کی اطاعت اور حکم سے کرتا ہوں۔ شیطان نے جواب دیا یہ سچ ہے مگر ترک اور دوسری قومیں بھی جو کچھ کرتی ہیں اپنے بزرگوں ہی کی اطاعت سے کیا کرتے ہیں۔ اسی طرح یوریعام کے کاہن بھی گرمجوشی سے اپنے کام کیا کرتے تھے۔ تو کیا تیری تقرری بھی ایسی ہی جھوٹی نہیں ہو سکتی جیسے ترک اور سامریوں کے کاہن اور ان کی عبادت جھوٹی ہے۔

لوتھر کہتا ہے کہ یہ باتیں سن کو مجھ کو پسینہ آ گیا اور دل کانپنے لگا۔ شیطان نے میرے رد میں اپنے موقع ومحل کے لحاظ سے بہت معقول دلیلیں پیش کی تھیں۔ الغرض اس مباحثہ میں اس نے مجھے مغلوب کر لیا اور میں خاموش کھڑا اس کی بات اور دلیلوں کو سنتا رہا جو اس نے میرے تقرر اور پادری گری کے بطلان میں پیش کیں۔ چنانچہ اس نے پانچ دلیلیں پیش کیں۔

لوتھر کہتا ہے کہ اس ضرورت اور مشکل میں شیطان کو اس پرانی ڈھال سے یعنی ایمان اور ارادہ کلیسا کی نیکی پر ہے ہٹا دیتا لیکن شیطان نے کہا کہ یہ بتلاؤ تو سہی یہ کہاں لکھا ہے کہ بے ایمان اور شریر آدمی دوسرے شخص کو مسح کر سکتا ہے۔ لوتھر کہتا ہے کہ شیطان کی دلیلوں اور اعتراضوں کا میں کچھ جواب نہ دے سکا البتہ سکرامنٹ میں مسیح کی حضوری کا میں قائل رہا۔

القصہ کچھ تو انڈلجنس (مغفرت نامے) کے نہ ملنے کا سبب اور کچھ معلم الملکوت کی تعلیم کے باعث لوتھر صاحب نے دین پولسی میں اصلاح کی۔ لیکن افسوس اس کی زندگی میں اس کے شاگردوں نے اس اصلاح میں ترمیم کرنا شروع کر دی۔ ادھر زونگلی (Zwingli) اور کارلا اسٹاوین سکرامنٹ میں مسیح کی حضوری کا انکار کر کے الگ ہو گئے اور ادیا اسٹارک وغیرہ نے فرقہ انابابٹسٹ کی بنیاد ڈالی۔ کالون اور بیزا نے اپنا کلیسا الگ بنا لیا۔ ناکس نے اپنی تعلیم الگ کی' یہاں تک کہ ایک دوسرے کو در پے آزار ہو گئے اور بہت سے فسادات ہوئے۔ کشت وخون تک نوبت پہنچی اور بہت سے لوگ مارے گئے۔ ان لوگوں کے حالات لکھتے ہوئے ہمیں شرم آتی ہے اور پھر کتاب کا حجم بھی بڑھ رہا ہے۔ کالون اور بیزا کے حالات کی

تفصیل جاننے کے خواہشمند ڈاکٹر پولساک کی کتاب دیکھ سکتے ہیں اور یہ کتاب بیزا کی زندگی میں ہی لکھی گئی تھی۔ اور ناکس کے حالات مثلر مین کی تاریخ اسکاٹ لینڈ میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں اور فرقہ اناباتیست کے بزرگوں کا کچا چٹھا فاکس کی کتاب ''الشہداء'' میں دیکھا جا سکتا ہے۔

اسی صدی کے وسط میں علماء کے حد درجہ اختلافات اور باہم دست و گریبان ہونے کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان کے پیروکاروں کے عقائد الحاد کی طرف رخ کرنے لگے۔ سب سے پہلے ایسے لوگ فرانس اور اٹلی میں ظاہر ہوئے۔ یہ لوگ ایک خدا کو مانتے تھے اور حضرت عیسیٰ کا کچھ لحاظ نہیں رکھتے تھے۔ حواریوں اور انجیل نویسوں کے مسائل کو قصے کہانیاں اور خواب قرار دیتے تھے۔ تمام دینوں کا مذاق اڑاتے تھے البتہ جن کی طاقت سے خوف محسوس کرتے' ان کے دین پر کبھی بظاہر عمل پیرا بھی ہوتے تھے۔ ان میں سے بعض کا عقیدہ یہ تھا کہ جسم کے ساتھ روح نہیں مرتی اور کچھ کی رائے اس مسئلہ اور خدا کی ربوبیت کے بارے میں اپی کیورین کے موافق تھی یعنی بندوں کو پیدا کر دینے کے بعد خدا کو ان کے معاملات سے کچھ تعلق نہیں رہا۔ ان میں سے بہت سے لوگ فلسفہ اور دوسرے بہت سے علوم میں ماہر تھے۔ اور بلا کے ذہین تھے۔ الحاد کی اس بلا میں خود بھی گرفتار تھے اور سخت محنت اور کوشش سے دوسروں میں بھی اس کو پھیلاتے تھے۔

سترہویں صدی میں ایسے لوگوں کی اور ترقی ہوئی۔ جرمنی اور انگلستان میں بھی ان کے خیالات پھیلنے لگے۔ لارڈ ہربرٹ (991ھ/ 1583ء تا 1058ھ/ 1648ء) مسٹر بلاؤنٹ' تھامس ہوبس (996ھ/ 1588ء تا 1082ھ/ 1671ء) ارل شاف ٹسٹ بری اور ٹولینڈ جیسے بڑے بڑے فضلاء ملحد ہو گئے۔ چنانچہ اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں ان لوگوں نے بہت کتابیں تصنیف کیں۔

اٹھارہویں صدی میں اس قسم کے ملحدانہ عقائد کی ترقی اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ امریکہ و ہسپانیہ وغیرہ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا حتیٰ کہ یہ بلا عالمگیر صورت اختیار کر گئی اور اس زمانہ میں تو ان سب مقامات میں الحاد کا بڑا ہی زور شور ہے۔ ڈوائٹ اپنی کتاب ''سفر جرمنی'' کے صفحہ 409 اور 410 پر لکھتا ہے کہ:

> ''علم کلام کے جھگڑے میں عہد عتیق کی سچائی اور اہلیت پر حملہ ہوا۔ رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس کے الہامی ہونے کا یقین جرمنی میں سے نکل گیا۔ بعد ازاں عہد جدید کے خطوط پر نزاع شروع ہوئی اور نتیجہ یہ نکلا کہ کسی ایک مصنف کے غیر الہامی قرار پا جانے کے بعد دوسرے کو بھی ویسا ہی قرار دے دیا گیا۔ یہاں تک کہ بہت سے متکلمین نے ان خطوط کو بے کار سمجھ کر اور ان کو صرف دین عیسوی کے اشاعت کا آلہ اور تاریخ کی کتاب قرار دیا۔ اس کے بعد انجیلوں کے بارے میں ایسا ہی حملہ ہوا۔ یہاں تک کہ پادریوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ کا مقام ارسطو اور افلاطون سے زیادہ نہ رہا۔ اس تمام الحاد کا اثر

اٹھارہویں صدی کے وسط کے فرانسیسی فلاسفہ سے بھی سبقت لے گیا۔ لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ پادری لوگ بھی ملحد ہو گئے تو انہوں نے بھی اسی طریقے کو اپنا لیا۔ جرمنی سے دین عیسوی کی بیخ کنی کی قوی ترین وجہ یہی ہوئی۔"

مسٹر ہوٹ اپنی کتاب (مطبوعہ 1844ء) میں لکھتا ہے:

"تقریباً پورے جرمنی کے مدرسوں میں الحاد کا غلبہ ہے۔ کینٹ کے عقائد کو ھجل اور دیگر لوگوں نے ترمیم کر کے دین عیسوی کو ایک کہانی قرار دے دیا۔ فلاسفہ نے جرمنی میں دین عیسوی کے بازو توڑ ڈالے۔ عہد جدید کی معجزانہ باتوں کو کہانیاں قرار دے دیا۔

حضرت عیسیٰ کے معجزات اور یہودیوں کو قوت دینے کے بارے میں خدا کی تعجب انگیز باتوں کو دیگر قوتوں کی سی گپ سمجھ لیا۔ اس فلسفی کے عقیدے میں اکثر جرمن نوجوان بری طرح گرفتار ہیں۔ ہر طرف فلاسفہ کی مسندوں پر الحاد کا مکمل قبضہ ہے (یعنی اساتذہ بھی ویسے ہی ہیں)۔ جرمن طلباء میں سے جن کو میں جانتا ہوں ان میں سے بارہ ایسے آدمی چھانٹنا مشکل ہو گا جو پکے ملحد نہ ہوں۔ جو لوگ اس وباء کے پھیلنے میں ذرا سا شبہ رکھتے ہوں وہاں جا کر یہ سب کچھ دیکھ سکتے ہیں۔ لہٰذا اگر جو لوگ چاہتے ہیں کہ لڑکے عقلمند عالم بنیں اور دین عیسوی کے پکے فکر مند ہو کر نہ آئیں تو وہ ان کو جرمنی پڑھنے کے لیے نہ بھیجیں۔"

آرڈی اوون کہتا ہے:

"ہر سیاح کو یہ بات معلوم ہے کہ زمانہ حال میں فرانس میں بیس ملحدوں کے مقابلہ میں ایک ایماندار کا تلاش کرنا دشوار ہے۔"

پادری گلیگ صاحب جرمنی، بوہیمیہ اور ہنگری کے حالات میں لکھتا ہے کہ:

"اگر کوئی شخص گذشتہ اسی نوے برس کے جرمنی کے پروٹسٹنٹ مذہب کے حالات کی تاریخ دیکھے تو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرے گا کہ اس میں عیسائی آنکھ کو غم و اندوہ کے سوائے کچھ نظر نہیں آتا۔ اس دور کے پادری حضرات نے دین عیسوی کے خدا کی طرف سے ہونے کا انکار کر کے بڑی سرگرمی سے محنت کی ہے کہ اپنے عقائد باطلہ لوگوں کے دلوں میں بھی ڈالیں۔ علم کلام کے مدرسوں کے اتالیقوں اور مذہبی و علمی "جرنل" کے رہنماؤں میں ایک ایسا گروہ ظہور میں آیا جو اپنے کو راشنلسٹ (عقلیت پسند Rationalist) کہتے ہیں اور ان لوگوں کا جو الہام کے قائل ہیں مذاق اُڑاتے ہیں، صرف یہی نہیں بلکہ وعظ کے سارے منبروں پر ان کا اور ان کے مریدوں کا قبضہ ہے اور یہ گویا ایک ایسا چشمہ جاری ہوا کہ اس کا

پانی جدھر سے گذرا تباہی پھیلاتا چلا گیا۔ اس کے علاوہ اس ناپاک کام کی تائید میں ان لوگوں نے جو علم ایجاد کیا وہ بلا شبہ ایسا بڑا تھا جیسی ان کی دلیلیں ہر درجہ کے لوگوں کے مزاج اور سمجھ کے موافق تعجب انگیز تھیں۔ پس اس صورت میں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اس کا نتیجہ یہ نکلے کہ ہر طرف کفر پھیل جائے۔"

پرشیا (روس) کے حالات میں بھی کلگیگ صاحب اس طرح لکھتے ہیں:

"پرشیا میں بھی سالہا سال سے اب تک بائبل کا مذہب نہیں ہے۔"

ہاکنس نے بھی بڑی تفصیل کے ساتھ جرمنی میں الحاد پھیل جانے کا حال لکھا ہے۔ اخبار ٹابلٹ اکتوبر 1853ء کی اپنی ایک اشاعت میں لکھتا ہے:

"صرف انگلینڈ میں انچاس ایسی خانقاہیں ہیں جن میں کفر کی تعلیم ہوتی ہے اور تین لاکھ آدمی ایسے ہیں جو کچھ مذہب نہیں رکھتے۔"

تطویل کے خوف سے ہم بس اسی قدر امثال پر اکتفا کرتے ہیں اور اہل عقل وخرد کے لیے یہی کچھ کافی ہے۔

پس اب اے عیسائیو ذرا انصاف سے دیکھو کہ:

- جب کتب مقدسہ میں اس طرح تحریف وتبدیل ہوتی ہو جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور تمہارے علماء کے لیے بھی ایسے تسلیم کیے بغیر چارۂ کار نہیں ہے۔
- دنیا سے دین عیسوی کا نام ونشان مٹ چکا اور اس کی جگہ دین پولسی نے لے لی اور دین پولسی بھی کئی سو برس تک دجالوں اور بت پرستوں کے زیر اثر رہا۔
- اور یہ کتب جن کو تم کتب مقدسہ کہتے ہو اس مدت دراز تک انہی دجالوں کے پاس رہیں۔ اور پندرہ سو برس بعد اس دین پولسی میں کچھ اصلاح کی گئی تو وہ بھی ایک ایسے شخص کے طفیل جس نے معلم الملکوت سے تعلیم پائی ہو۔

حوالہ جات

1- قدیم حوالہ میں "یحییٰ بن ذکریا" مذکور ہے۔ غالباً یحییٰ اور یوحنا میں تلفظ کا فرق ہے۔
2- لوقا باب 3 فقرہ 3,2,1
3- متی باب 3 فقرہ 8

-4 لوقا باب 3 فقرہ 21۔

-5 لوقا باب 3 فقرہ 20،19

-6 متی باب 4 فقرہ 17،13،12

-7 متی باب 15 فقرہ 22-24

-8 متی باب 10 فقرہ 6،5

-9 ''تاریخ کلیسا'' مؤلف ولیم میور صفحہ 6

-10 ''تاریخ کلیسا'' مؤلف ولیم میور ص 8

-11 متی باب 20 فقرہ 21

-12 متی باب 19 فقرہ 27

-13 لوقا باب 22 فقرہ 30،29،28

-14 لوقا باب 24 فقرہ 21

-15 اعمال باب 1 فقرہ 6 اور تاریخ ولیم میور ص 10

-16 مرقس باب 16 فقرہ 14

-17 ''تاریخ کلیسا'' مؤلفہ ولیم میور۔

-18 خلاصہ کتاب اعمال باب 10

-19 خلاصہ اعمال باب 15

-20 عبرانیوں کے نام خط باب 7 فقرہ 12،11 اور باب 8 فقرہ 13 کی طرف اشارہ ہے۔

-21 خلاصہ اعمال باب 21

-22 تاریخ موشیم

-23 تاریخ کلیسا ج 1 ص 65

-24 ایضاً ص 64

-25 موشیم صاحب کی تاریخ کلیسا کی تیسری صدی کا بیان۔

-26 اف ہاکس صاحب کا دورات کا مباحثہ

-27 اعجازِ عیسوی میں یہی نام ہے۔ اظہار الحق کے اردو ترجمہ میں اسی کو ''نیقاوی کونسل'' تحریر کیا ہے۔ 325ء میں یہ مجلس نیقیایا نائیس (Nicaea) میں منعقد ہوئی۔

-28 اسی سبب سے ان لوگوں کا نام میریامایٹ رکھا گیا تھا اور عرب میں ایک فرقہ تھا جس کو کولیز ویتیس کہتے تھے وہ بھی حضرت مریم کو تثلیث میں داخل کرتے اور ان کے لیے ایک قسم کی روٹی تیار کرتے تھے۔

-29 بشپ ٹلس وعظ 49 جلد اوّل صفحہ 588

-30 پرکنس کریڈ یعنی عقیدوں کی شرح میں ص 400

-31 ہوملی تب پر کی برائی کے خلاف میں حصہ سوم ص 251۔

-32 ناپیر صاحب اپنی کتاب میں مشاہدات کی بابت ص 68۔

-33 (Indulgence) انڈلجنس گناہوں کی معافی کی ایک سند ہوا کرتی تھی جس کا مضمون یہ ہوتا تھا:

''اے فلاں! ہمارا رب مسیح یسوع تجھ پر رحم کرے گا اور تجھ کو اپنی رحمت کاملہ سے معاف کرے گا۔ امابعد مجھ کو سلطان الرسل پطرس و پولس اور اس علاقہ کے بڑے بڑے پوپ کی جانب سے جو اختیارات دیئے گئے ہیں ان کی بنا پر میں سب سے پہلے تیری خطاؤں کو بخشتا ہوں۔ خواہ کسی جگہ ان کو کیا گیا ہو۔ پھر دوسرے تیرے قصوروں اور کوتاہیوں کو اگرچہ وہ شمار سے زیادہ ہوں' بلکہ آئندہ کی لغزشوں کو جنہیں پوپ نے حلال کیا ہے اور جب تک کنجیاں رومی کلیسا کے ہاتھ ہی میں ان تمام عذابوں کو بخشتا ہوں' جن کا تو مطہر (جہنم) میں مستحق ہونے والا ہے اور میں مقدس کلیسا کے اسرار اس کے اتحاد اور خلوص کی طرف سے تیری رہنمائی کروں گا اور بپتسمہ کے بعد تو معصوم ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ جب تو مرے گا تو تجھ پر عذابوں کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور فردوس کے دروازے تیرے لیے کھول دیئے جائیں گے اور اگر تجھ کو فی الحال موت نہ آئی تو یہ بخشش آخری دم تک اپنے پورے اثر کے ساتھ تیرے لیے باقی اور قائم رہے گی' باپ اور بیٹے اور روح القدس کے نام سے آمین یہ لکھا گیا ہے بھائی یوحنا کے ہاتھ جو وکیل دوم کا قائم مقام ہے۔''

مغفرت ناموں کی اسی طرح بہت سی تحریریں تاریخ میں ملتی ہیں' پوپ کو پیسے دے کر گناہ معاف کرانے کی یہ رسم سالہاسال سے بغیر کسی روک ٹوک کے جاری رہی ہے۔ اس کی دلچسپ تاریخ کے لیے ملاحظہ فرمایئے ''انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا صفحہ 275 ج 12 مقالہ (Indulgence) اس رسم کے ذریعے کیسے کیسے گھناؤنے کاموں کا لائسنس دے دیا گیا تھا؟ تاریخ میں اس کے عجیب عجیب واقعات ملتے ہیں۔ کلیرک نے ''تاریخ کلیسا'' میں کڈ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ''1517ء میں ایک پادری جان ٹیٹزل (Tatzel) نے عام اعلان کر دیا تھا کہ اگر کسی عیسائی نے اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کی ہو اور وہ کچھ رقم پوپ کے مغفرت کے صندوق میں ڈال دے تو پوپ کو دنیا اور آخرت دونوں میں یہ اختیار ہے کہ وہ اس کے گناہ معاف کر دے اور اگر پوپ نے گناہ معاف کر دیا تو خدا کو ایسا ہی کرنا پڑے گا۔'' (شارٹ ہسٹری آف دی چرچ ص 270)

-34 ہنری ہشتم کی تاریخ معنفہ میور صاحب۔

یوسف ظفر

عیسائیت اور یہودیت

"قطعی طور پر کہنا پڑتا ہے کہ آج تک ایک ہی عیسائی ہوا اور وہ صلیب پر مر گیا۔ اس کا پیغام صلیب پا گیا۔" (حکیم نیٹشے)

انیسویں صدی کے عظیم جرمن فلسفی نیٹشے کے یہ الفاظ حیرت انگیز تو ہیں ہی لیکن خیال افروز بھی ہیں گزشتہ دو ہزار برس سے عیسائیت ایک زندہ مذہب کی حیثیت سے ہمارے درمیان موجود ہے۔ اس کے ان گنت پیروکار اناجیل مقدسہ پر اپنی جانیں چھڑکتے ہیں، تجرد کی زندگی گزارتے ہیں اور عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ دنیا کے کونے کونے میں عیسائیت کے مشنری اس امن اور محبت کا درس دیتے ہیں جو بقول ان کے حضرت مسیح علیہ السلام "ابنِ خدا" "اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر بیٹے" کے طور پر لے کر آئے لیکن اس کے باوجود حکیم نیٹشے ....؟

بظاہر یہ باتیں ہمارے اصل موضوع سے متعلق معلوم نہیں ہوتیں، لیکن ذرا سوچئے کیا اناجیلِ مقدسہ واقعی وحی الٰہی ہیں اور کیا یہی وہ پیغام ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کو ودیعت کیا گیا تھا اور کیا حقیقت میں انہوں نے خود کو "خدا کا بیٹا" بتایا تھا؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب تلاش کرنے کے لیے ہمیں ایک دفعہ پھر یہود کی کتب مقدسہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ گویا حضرت عیسیٰؑ اور ان کے "پیغام" کو سمجھنے کے لیے یہود کی کتب مقدسہ کا ماننا ضروری ہے۔ نزولِ قرآن سے پہلے کی حیاتِ مسیح سر بسر یہودی روایات پر مبنی ہے۔ خود اناجیل اربعہ وہ نہیں جو عیسائی عقیدے کے مطابق عیسیٰؑ پر نازل ہوئیں اور نہ ہی وہ ان حواریوں (متی، مرقس، لوقا اور یوحنا) کی ترتیب دی ہوئی ہیں جن سے وہ منسوب کی جاتی ہیں۔

تاریخی تحقیق کے بعد مرقس کی انجیل 70ء میں یروشلم کی تباہی کے بعد لکھی گئی، متی تقریباً 119ء میں، لوقا 110ء میں اور یوحنا کی انجیل 132 سے 140ء کے دوران رقم کی گئیں، پھر ان اناجیل کے مواد اور موضوعات ایک دوسرے سے متضاد اور فاش تاریخی غلطیوں سے پر ہیں، خود عیسائی علماء کی رائے میں انہیں مرتب کرتے وقت تاریخی پس منظر ملحوظ نہیں رکھا گیا۔

مندرجہ بالا تحقیقات مستند عیسائی علماء ڈاکٹر ای اے ایبٹ اور پروفیسر شمائیڈل کی کاوشوں کا

حاصل ہیں اور انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا کے مولفین سمیت بیشتر عیسائی محققین ان سے اتفاق کرتے ہیں۔

ان چاروں اناجیل میں ایسے واضح نقائص پائے جاتے ہیں کہ انہیں کسی طور الہامی قرار نہیں دیا جا سکتا' بلکہ ان واضح اور فاش غلطیوں کی موجودگی میں وہ فقرات بھی' جو حضرت عیسیٰؑ سے منسوب کیے گئے ہیں' مشتبہ ہو جاتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی اپنی زبان آرامی یا مغربی آرامک تھی جبکہ یہ اناجیل اپنی اصلی صورت میں بھی یونانی میں تحریر ہوئیں۔ بعض مستند روایتوں کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کی زبان میں ایک انجیل تھی ضرور اور اسے ''انجیل یہود'' بھی کہا جاتا ہے' لیکن یہ 150ء تک تو موجود تھی اس کے بعد کہیں کھو گئی اور مزید حوالوں میں اس کی کوئی خبر نہیں ملتی۔ ہوسکتا ہے بعد کی چاروں یونانی انجیلیں اسی انجیل پر بنیاد بنا کر لکھی گئیں اور پھر انہی پر دینِ عیسوی قائم ہوا لیکن اگر ایسا ہو بھی' تو بھی افسانہ در افسانہ اور خواب اندر خواب والا قصہ ہے۔ ایک تو روایات یہود کو ''عہد عتیق'' کے طور پر سمجھئے اور پھر انہی یہود کی جدید تر روایات کو عہدِ جدید جان کر مانئے اور پھر ایمان لایئے حضرت عیسیٰؑ پر کہ ان کا باپ اللہ تعالیٰ ہے اور ماں روح القدس (نعوذ باللہ من ذالک)

چنانچہ اس پس منظر میں اگر آپ اسلام اور قرآن پاک پر نہ بھی یقین رکھتے ہوں تو حکیم نیٹشے ہی کے اس قول پر غور کریں۔

> ''عیسائیت حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ اگر مصلوب نہیں ہوئی تو ان کے ساتھ آسمانوں پر ضرور اٹھالی گئی اور ان کے سراپا رحم' حلم' محبت' نیکی' شرافت اور پاکیزگی ایسی صفات والی مطہر و مقدس ذات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ فرما دیا کہ مسلمانانِ عالم آپ کی حقیقت کا آئینہ دیکھ کر اس عظیم شخصیت و کردار کے علمبردار بن جائیں' جسے آپ کے نام نہاد پیروؤں نے حکایات و روایات کے کفن پہنا کر دفن کر دیا تھا اور پھر اسے قبر میں بھی نہ رہنے دیا کہ تیسرے دن آپ کی لاش آسمان پر اٹھالی گئی۔''

اس باب میں ہمارے پیش نظر عیسائیت کی تصدیق یا تکذیب نہیں' ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ ان عقائد کا سرچشمہ کس طرح یہود کے ہاتھوں جاری ہوا اور اس مذہب کی ترویج و ترقی میں ان کے کیا مقاصد مضمر تھے۔

ولادتِ عیسیٰؑ کے زمانے میں یہود کسی ایسے مسیح کے منتظر تھے جو انہیں محکومی کی ذلت اور زوالِ سلطنت سے نجات دلا سکے۔ شیاطین دشمنانِ دین کا قلع قمع کر کے بیت المقدس از سر نو آباد کر سکے اور دُنیا میں بادشاہت کی بنیاد رکھ سکے لیکن ایران کے زیرِ اثر ان کے عقائد میں جہاں بعض دوسری بنیادی تبدیلیاں رونما ہوئیں وہاں انہیں یہ تصور بھی حاصل ہوا کہ یزدان واہرمن کی ازلی آویزش میں فتح بالآخر یزدان کی ہوگی اور پھر وہ اپنی کامرانی کا اعلان کرنے کے لیے ایک نمائندہ بھیجے گا' جس کے ظہور کے وقت آسمان سے تارے گریں گے۔ قحط اور دوسری مصیبتیں نازل ہوں گی اور آخر کار یہ دنیا ختم ہو جائے

گی۔ یہود نے بھی اس عقیدے کی روشنی میں اپنی تمناؤں کو زندہ کیا۔ ان کے نبیوں نے انہیں بشارت دی کہ یہوواہ ایک مسیحا نازل فرمائے گا کہ دُنیا کی بادشاہت اس کی ہوگی۔ اس کے آنے سے داؤدؑ کی سلطنت بحال ہو جائے گی اور یروشلم دنیا میں خدا کا دارالحکومت بن جائے گا۔ (یرمیاہ۔ باب 12 فقرہ 5)

اس توقع نے انہیں علم نجوم کا ماہر بنا دیا اور واقعہ یہ ہے کہ یہود آج بھی ایسے ہی کسی مسیح کے منتظر ہیں۔ انہیں یقین تھا کہ مسیح' داؤدؑ کے گھرانے میں پیدا ہوگا' انہیں یونانیوں کے پنجے سے رہائی دلائے گا' مردہ یہود کو زندہ کر دے گا اور انہیں شریک سلطنت بنائے گا اور اس کی عظیم بادشاہت کے ڈنکے چہار سو پھیل جائیں گے۔ چنانچہ ان میں جب بھی کوئی سربرآوردہ یا جواں ہمت آدمی پیدا ہوتا کہ وہ اس سے امیدیں وابستہ کر لیتے۔ ادنیٰ اور غریب طبقے کے یہودی جو ''صدوقی'' کہلاتے تھے' اس قسم کی توقعات کے پیش نظر بار بار بغاوتیں کرتے اور یونانی حکمرانوں کے مظالم کا شکار ہوتے' لیکن اعلیٰ طبقہ کے باشعور یہود اس ''مسیح'' سے مراد ایک ایسا نبی لیتے جو انہیں اس دور کی شیطانیت اور استبداد سے نجات دلائے اور دُنیا کو امن و سکون کا گہوارہ بنا دے۔ بادشاہت سے مراد آسمان کی بادشاہت تھی اور یروشلم بھی یہود یہ والا نہ تھا بلکہ آسمانی شہر تھا۔ جو قیمتی پتھروں یعنی جواہرات وغیرہ سے مرصع تھا اور جس کی ندیوں میں آب حیات بہتا تھا۔ اس کیفیت نے ان کے دلوں کی دھڑکنیں تیز کر دی تھیں۔ پارسا قسم کے یہود شہروں سے نکل کر غاروں میں جا بیٹھے' رہبانیت شعار بنایا اور فاقوں اور دعاؤں سے مسیحا کی آمد کو قریب تر کرنے لگے۔

اس صورت حال میں ایک دن ایک خوبصورت نوجوان آنکھوں میں حیرت انگیز چمک لیے' کاندھوں پر زلفیں پھیلائے جو اس کے روشن اور منور چہرے کے گرد ہالہ بنائے ہوئے تھیں' ہیکل سلیمان میں داخل ہوا' دربار یہودا کی قدسی فضا اور نورانی ماحول میں یہودی بنچوں پر بیٹھے سکے کھنکھنا رہے تھے' پیسے بٹور رہے تھے' احاطۂ حرم میں لوگ بازار سجائے عبادت کے بجائے خرید و فروخت میں مصروف تھے' کابکوں میں کبوتر اور کھونٹوں سے سفید میمنے بندھے ہوئے تھے' وہ نوجوان یہ منظر دیکھ کر کانپ اٹھا اور غصے میں آ کر سارے بازار اور منڈی کا تختہ الٹ دیا۔ احبار کی ریاکاری اور فریسی فقیہوں کی ملمع سازی کا پول کھول کر صدق نیت اور خلوص باطن کی تعلیم دی۔ پاکبازوں نے سنا تو ساتھ ہو لئے اور نعرے لگانے لگے ''داؤد کا بیٹا آ گیا۔''

پھر اس نوجوان نے مریضوں کو شفا دی' کوڑھیوں کے کوڑھ دُور کیے۔ اندھوں کی آنکھوں پر دست شفا پھیر کر انہیں بینا کیا' یہ خدا کا پیغمبر عیسیٰؑ تھا جو تجدید دین موسیٰؑ کے لیے یروشلم میں وارد ہوا لیکن وہ یہود جو کسی ایسے مسیح کا خواب دیکھ رہے تھے جس کی آمد سے انہیں دنیا جہان کی بادشاہت مل جائے گی اور وہ ساری دنیا کا خون پئیں گے تو کوئی ان کو پوچھنے گا نہیں' ان کے گھر ہیرے جواہرات سے مرصع ہوں گے' دوسروں کے بچے اور بیویاں ان کے غلام اور لونڈیاں ہوں گے' جنہیں وہ نچا کر داد عیش و مسرت

دیں گے، ان کے لیے حضرت عیسیٰؑ کی قدسی تعلیم اور الوہی اقدار کیسے گوارا ہوتیں؛ چنانچہ انہوں نے آپ کو ماننے سے یکسر انکار کر دیا اور کہا "عیسیٰ ناصری جلیل (گلیلی) کا باشندہ ہے، جلیل سے کوئی نبی پیدا نہیں ہو سکتا۔"

چنانچہ یہودی علماء اور مفکرین جو ہمیشہ سے اپنے پیغمبروں کو مجذوب اور جنونی بنا کر پیش کرتے آئے تھے، عیسیٰؑ کو تختۂ مشق بنانے لگے چنانچہ عیسیاہ کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ

"آپ یروشلم کے بازاروں میں مادرزاد ننگے پھرتے تاکہ دیکھنے والے اس سے یہ نتیجہ اخذ کریں کہ آقا یروشلم کو اس طرح ننگا کرے گا کہ اس کا ڈھانپنے والا کوئی نہ ہوگا۔" عزکائیل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"انہوں نے اپنے سر کے بال اور داڑھی اس طرح مونڈ دی ان کے ایک تہائی بال زمین پر چاقو سے بکھیر دیئے، ایک تہائی جلا دیئے اور ایک تہائی ہوا میں اڑا دیئے۔"

اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ یہود کا یہ حشر ہوگا۔ یرمیاہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ

"آپ اپنی گردن میں لکڑی کا طوق ڈال کر پھرتے تھے۔" جس کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ یہود غلام بنا لیے جائیں گے۔ حوسیا نبی کے بارے میں یہاں تک گستاخی کرتے ہیں کہ

"انہوں نے شہر کی ایک عورت کے ساتھ تین برس زنا کیا تاکہ یہود کی ناکاری کو منکشف کر سکیں اور بتائیں کہ لوگ اپنے خداؤں کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔"

حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے بارے میں ان کے کلمات آپ پہلے ہی پڑھ چکے ہیں کہ کس طرح یہود نے ان کی تقدیس و طہارت کی دھجیاں بکھیریں؛ لیکن یہود نے جہاں اپنے نبیوںؑ کی ذات اور شخصیات پر اتنے رقیق حملے روا رکھے، وہاں یہ تضاد بھی جائز رکھا کہ ان کے پیغامات اور ارشادات کو حتی المقدور محفوظ کر لیا اور ان فرمودات تک کو سنبھال کر رکھا جن میں خود یہود کی اخلاقی پستی اور نبیوں کے درسِ ایمان کی عظمت واضح ہے۔ ہر نبی ان سے یہی کہتا ہوا گزر گیا کہ

"بدی سے باز آجاؤ، نیکی کرنا سیکھو، مظلوم کو ظلم سے نجات دلاؤ، یتیم اور بیوہ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔"

یرمیاہ نے علی الاعلان فرمایا تھا:

"خدا تمہیں جس دن مصر سے بچا کر لایا تھا، اس نے تمہیں بتوں کی پوجا اور اوٹ پٹانگ چڑھاووں اور منتوں کی اجازت نہیں دی تھی۔"

علی ہذا القیاس...... اس تمام سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ یہود کسی نبی کے اعلیٰ کردار کو تو برداشت نہ کر سکتے تھے لیکن اس کے وحی والہام سے ضرور انصاف کرتے تھے۔

اب اسی اصول کو حضرت عیسیٰؑ پر جائز ٹھہرایا جائے تو ہم پر ظاہر ہوگا کہ ان سے منسوب توحید

الٰہی کا پرچار' بردباری' نکوکاری' شرافت' انسانیت' اخلاق' مساوات' محبت' عبادات اور عافیت کوشی کی تعلیمات تو صحیح ہیں اور اگر ان میں کسی قدر آمیزش بھی کی ہے تو روح متاثر نہیں ہونے دی گئی لیکن آپ کی ذات کے گرد مافوق الادراک اور ناقابلِ قبول ہالے تیار کیے گئے ہیں وہ یہود کی ''ایجادِ بندہ'' ہے قرآن حکیم نے اس حقیقت کو یوں منکشف کیا ہے۔

اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو مسیح عیسیٰؑ ابن مریمؑ اس کے جو اللہ نے مریمؑ کی طرف بھیجا اور ایک روح تھی اللہ کی طرف سے (جس نے مریمؑ کے رحم میں بچہ کی شکل اختیار کی) پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور نہ کہو کہ ''تین'' ہیں۔ باز آجاؤ یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہے۔ اللہ تو بس ایک ہی خدا ہے۔ وہ بالاتر ہے اس سے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو۔'' (ترجمہ سورہ النساء آیت نمبر 171)

حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کے بارے میں قرآن حکیم کی تصدیق کے بعد ہم مسلمانوں اور اس کتاب کے ماننے والوں کے لیے مزید کسی شبہے کی گنجائش نہیں رہتی لیکن آیئے ذرا ان کتابوں پر بھی ایک نظر دوڑائیں جو اس موضوع پر وقتاً فوقتاً یورپ اور امریکہ کے عیسائی اور مذہبیات کے ماہر علماء نے اپنی اپنی تحقیقات کی روشنی میں تصنیف کیں۔

ہمبرگ کے استاد علوم شرقیہ ہرمان لسٹمارس نے 1768ء میں ''حیاتِ مسیح'' تصنیف کی جس میں انہوں نے عیسائیت اور یہودیت کا بغور جائزہ لینے کے بعد یہ واضح کیا ہے کہ

''حضرت عیسیٰؑ کو عیسائی مذہب کا بانی قرار دینا مناسب نہیں اس لیے کہ آپ کی حیثیت محض یہودی رہبانیت کے اک معتبر اور آخری رکن کی تھی۔ نیز یہ کہ حضرت عیسیٰؑ نے کسی نئے دین کا پرچار نہیں کیا بلکہ یہ اعلان کیا کہ دنیا کا خاتمہ ہونے والا ہے اور خداوند کا یومِ حساب ارواح قریب تر ہے۔''

1796ء میں ہرڈر نے ان واضح اختلافات کی نشاندہی کی جو حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں متی' مرقس' لوقا اور یوحنا کی اناجیل میں پائے جاتے ہیں۔ 1863ء میں رینان نے ''حیاتِ مسیح'' کے عنوان سے وہ شہرۂ آفاق کتاب لکھی جس نے پوری عیسائی دُنیا میں آگ لگا دی۔

فرانسیسی فکر کا نقطۂ عروج گزشتہ صدی کے آخر میں مشہور پادری ''لیے لوئی'' کی ذات پر اس وقت ظاہر ہوا' جب اس نے بائبل کے چاروں مولفین کا تنقیدی جائزہ لے کر انہیں متضاد اور ناقص ثابت کیا۔ چنانچہ پوپ نے اسے عیسائیت ہی سے خارج کر دیا۔ جرمنی میں ''آرتھر ڈریوس'' اور انگلستان میں ڈبلیو۔ بی سمتھ اور ''جے ایم رابرٹسن'' نے اپنی تحقیقات اور دلائل کی روشنی میں خود ذاتِ مسیحؑ کو ایک واہمہ قرار دیتے ہوئے آپ کے وجود ہی سے انکار کر دیا۔

امریکی مورخ ''وِل ڈیورنٹ'' اپنی تصنیف Caeser and Christ میں اناجیل پر تبصرہ

کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''حضرت عیسیٰؑ کے لیے عیسائیوں کے پاس جو شہادتیں ہیں انکا آغاز سینٹ پال کے نامہ جات سے ہوتا ہے' ان میں سے بعض ''اپوکریفل'' یعنی جعلی ہیں اور بعض کا سن تحریر 64ء ہے' اتفاق رائے سے اصلی سمجھے جاتے ہیں کسی نے آج تک سینٹ پال کے وجود کو مشتبہ قرار نہیں دیا' یا ان کی پطرس' جیمس اور یوحنا سے مکرر ملاقاتوں سے انکار نہیں کیا۔ سینٹ پال بڑے حسد سے تسلیم کرتے ہیں کہ یہ لوگ عیسیٰؑ کو ان کی زندگی میں جانتے تھے۔ مستند خطوط میں بار بار آخری دعوت اور صلیب دیئے جانے کا ذکر آتا ہے لیکن اناجیل کا معاملہ اتنا سادہ نہیں' وہ چار جو ہم تک پہنچی ہیں' ان متعدد اناجیل میں سے ہیں جو پہلی او دوسری صدی کے درمیان عیسائیوں میں رائج تھیں۔ انگریزی لفظ ''گاسپل'' کا معنی بشارت ہے' مرقس کی انجیل کا پہلا لفظ ہے اور مسیح کے آنے اور خدا کی بادشاہت کے قریب ہونے کے بارے میں ہے' متی' مرقس اور لوقا کی اناجیل ایک دوسری کے ساتھ ساتھ رکھ کر پڑھنے کی ہیں' یہ یونانی زبان میں لکھی گئی تھیں اور گرائمر یا طرز تحریر کے اعتبار سے کوئی امتیازی حیثیت نہیں رکھتیں۔ ان کی سادگی احساس اور بیان کی دلچسپی کو انگریزی زبان میں بادشاہ جیمس کے ترجمے نے بے حد بلیغ بنا دیا لیکن اس کوشش نے اسے قطعی طور پر غیر صحیح کر دیا۔

ان اناجیل کی ابتدائی نقلیں بھی ناپید ہیں۔ اصل کتابیں 60ء اور 120ء کے درمیان لکھی گئی تھیں اور ان کی نقول جو ہم تک پہنچی ہیں وہ تیسری صدی کی ہیں۔ گویا ان نقل در نقل اناجیل میں دو سو سال کی کتابت ہی کی غلطیوں کا شمار ممکن نہیں کہ اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ہر نقال اپنے مزاج' عقیدے اور تصور کے تحت تبدیلی روا رکھنا جائز سمجھتا تھا اور اسے کوئی روکنے والا نہ تھا۔ 100ء تک عیسائی تاریخوں میں ان اناجیل کا کوئی حوالہ نہیں۔ 135ء میں پاپیاس نے کئی حوالوں سے خبر دی ہے کہ ''مرقس نے ان یادداشتوں کی بنا پر جو اسے پطرس نے مہیا کیں' انجیل مرتب کی ہے۔'' آج کے عیسائی علماء متفق ہیں کہ اس انجیل میں بھی آخر کی بارہ آیات جن میں حضرت عیسیٰؑ کے زندہ ہو جانے اور آسمان پر تشریف لے جانے کا ذکر ہے' دوسری صدی میں الحاق کی گئی تھیں۔''

برلن یونیورسٹی میں تاریخ کلیسا کا پروفیسر ہارنک What is Christianity میں کہتا ہے۔

''یہ سچ ہے کہ اول کی تین انجیلیں بھی چوتھی انجیل کی طرح تاریخی حیثیت سے گری ہوئی ہیں

مگر یہ اس غرض سے تحریر نہیں ہوئیں تھیں کہ واقعات کے مطابق قلم بند کی جائیں بلکہ غایت یہ تھی کہ ان کتابوں کے ذریعے دین عیسوی کی بشارت دی جائے۔"

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ وہ اناجیل جو ہمارے اہل کتاب اپنے دین کی حقانیت کی سند کے طور پر پیش کرتے ہیں الہامی نہیں اور ان میں یہودی فکر کارفرما ہے۔

"مطالعۂ اناجیل" (Study of Gospel) میں ڈاکٹر آرمیلچ رابنسن لکھتے ہیں "اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ پہلی انجیل متی کی لکھی ہوئی ہے۔"

ڈاکٹر ہارنک کے بقول "غالباً 70ء سے 75ء عیسوی میں لکھی گئی۔ البتہ اس میں بعد میں اضافے کیے گئے۔ مرقس کی تصنیف البتہ مصدقہ ہے۔ گمان غالب ہے کہ پطرس لکھنے اور وعظ کے سلسلے میں اپنی مادری زبان کے علاوہ کسی زبان سے کام نہ لیتا تھا اور یونانیوں میں وعظ کرتے ہوئے اس نے مرقس کو اپنا ترجمان بنا لیا ہو۔"

آگے چل کر ڈاکٹر رابنسن کہتے ہیں کہ "چاروں اناجیل کی مصدقہ حیثیت مشتبہ ہے' البتہ مرقس کی انجیل کے بارے میں یقین کرنا پڑتا ہے کہ یہ انجیل معتبر ہے۔" اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ووین فلپس (Vivian Philips) اپنی کتاب' کلیسا اور جدید تصورات (Churches and Modern Thoughts) میں لکھتے ہیں کہ

> "مرقس' پطرس حواری کا ترجمان تھا اور اس نے اپنی انجیل کو پطرس کی روایت سے تحریر کیا تھا لیکن اس راوی کو صرف ایک سال اور بعض رجعت پسند ناقدین کے بقول تین سال صحبت مسیحؑ نصیب ہوئی' یہ حواری ناخواندہ تھا۔ حضرت مسیحؑ سے چالیس برس کے بعد مرقس روایت کرتا ہے' وہ غیر زبان میں تحریر کرتا ہے اور یہ تحریر مختلف نقلوں سے گزر کر تیسری صدی میں پہنچتی ہے اور وہاں سے اپنی آخری شکل پا کر عیسائی مذہب کا سنگِ بنیاد بن جاتی ہے لیکن مرقس کی انجیل میں مسیحؑ کی حیرت انگیز ولادت یا بچپن کے ان واقعات کا' جن کو ان کی نبوت کی سند کے طور پر پیش کیا گیا' یا پہاڑی کے وعظ تک کا ذکر نہیں ملتا۔ دوبارہ جی اٹھنے کا ذکر چند جملوں میں اور آسمان پر اٹھائے جانے کا حوالہ ایک سطر میں درج ہے۔ بدقسمتی سے یہ سطور بھی مستند طور پر بعد کے اضافے ہیں۔ اس لیے فی الواقع انجیل مرقس میں خدا کے وجود مسیحؑ میں پیدا ہونے' دوبارہ جی اٹھنے یا آسمان پر اٹھائے جانے کا کوئی ذکر نہیں' اور ہمیں ان باتوں کو ماننے کے لیے زبانی روایتوں' گمشدہ مسودوں اور نامعلوم کاتبوں پر ایمان لانا پڑتا ہے اور ان عقائد کی تہہ تک پہنچنا پڑتا ہے جو عیسائیت کی روح رواں ہیں۔ کیا مقدس صحائف کے بارے میں اس سے زیادہ غیر تسلی بخش یا اشتباہ انگیز صورتحال ممکن ہے۔"

اس تمام تحقیق کے برعکس بغیر کسی تبصرہ کے اسقفِ اعظم کی ''ویٹیکن کونسل'' منعقدہ 1870ء کی وہ قرارداد ملاحظہ کیجئے جو ''روح القدس'' کے زیر اثر طے پائی۔

''عہدِ عتیق اور عہدِ جدید کی اناجیل خداوند خدا کی لکھی ہوئی ہیں' اور اسی حیثیت سے چرچ کے حوالے کی گئی ہیں۔''

اس فیصلے کی رُو سے کونسل نے ''فتویٰ'' صادر کیا کہ ''جو شخص ان کتابوں کی تقدیس اور الہامی ہونا تسلیم نہ کرے گا' یا ان کے کسی حصے سے اختلاف کرے گا ''کافر'' کہلائے گا۔''

اور ان اناجیل کی رُو سے سینٹ پال نے کہا ''دنیا میں بدی کیوں ہے؟...... اس لیے کہ ہم گناہ میں پیدا ہوئے۔''

''ہماری نجات کیسے ممکن ہے؟...... اس لیے کہ یسوع مسیح نے مصلوب ہو کر ہمارے گناہ اپنے کندھوں پر اٹھا لیے ہیں۔''

ظاہر ہے کہ یہ وہ عقائد ہیں جن سے یہود نے آج سے دو ہزار سال پہلے کی دنیا کو ''عہدِ عتیق'' پر ایمان لانے کی ترغیب دلائی اور خود اس کے وارث کی حیثیت سے ''واجب الاحترام'' بن بیٹھے۔ عیسائی علماء متفق ہیں کہ شروع میں پال عیسیٰؑ کا بدترین دشمن تھا' پھر حواری بنا اور بالآخر عیسائیت کا واحد سرچشمہ قرار پایا۔ آج اس کے اقوال خداوند خدا کی تحریر ہیں اور ان سے انحراف کفر و لادینی کی سند۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

عیسیٰؑ اور یہودی

ہم نے دیکھا کہ یہود کا تصورِ خداوندی مخصوص تھا' وہ اسے پابند بنانے پر مصر تھے' ان کا دین بھی ان کے لیے مخصوص تھا جو بنی اسرائیل کو معراج عظمت عطا کرنے کا وسیلہ تھا جس میں اسباطِ یعقوبؑ کے علاوہ کسی کے لیے گنجائش نہ تھی۔ ان کا یہودیہ بھی انہی کی سرزمین تھا۔ جسے وہ کائنات کا مرکز بنانے کے خواہاں تھے۔ اس مرکز کا دل یروشلم تھا جہاں وہ دودھ اور شہد کی نہریں بنانے کے لیے بیتاب تھے۔ حضرت عیسیٰؑ نے جب ان کے ان تصورات کے برعکس ایک عالمگیر تصور خداوندی کی تلقین شروع کی' ان کے ہوائی قلعوں کو ڈھانے کے لیے وعظ و الہام سے کام لیا۔ ان کے ہوس اقتدار کو رد کر کے محبت و اخوت کا پیغام دیا۔ غریبوں' اپاہجوں' مظلوموں' یتیموں اور بیواؤں کی دادرسی کی' جن کی بے بسی یہود کے احبار کی دکانیں چمکایا کرتی تھی۔ غرور کو شکست دینے کے لیے آپ نے حلم اور عجز کا راستہ اختیار کیا۔ آپ کی سریلی آواز ناتوانوں کی توانائی اور بے چاروں کا چارہ کار تھی اور آپ کا درس خستہ حالوں کے دلوں کا مرہم اور اندھوں کے لیے آنکھوں کا نور تھا۔ یہودیہ کی مظلوم و مقہور دنیا میں حضرت عیسیٰؑ صبح کا اجالا' ستاروں کی دھڑکن اور شہد کی مٹھاس لے کر آئے لیکن یہ لطافتیں یہود کے تصورِ خداوندی کے لیے طوفان

نوحہ تھیں۔ یہود کی خصوصی علامات حیات کے لیے موت کا پیغام تھیں اور وہ صدیوں سے جس عظمت و اقتدار کا خواب دیکھتے آئے تھے اس کی شکست و ریخت کے لیے بارود میں چنگاری کا کام کرتی تھیں۔ چنانچہ آپ ہی کے حواریوں کے بقول ایک حواری یہوداہ (Judas) نے بغاوت کا الزام لگا کر آپ کی مخبری کر دی۔ یہودی چند سپاہی لے کر رات کے وقت دوڑ پڑے۔ آپ کے حواری دشمنوں کی صورتیں دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور یوں وہ معصوم نبی اللہ گرفتار ہوا۔ یہود نے آپ کو یہودی شریعت کے مطابق سنگسار کرنا چاہا' لیکن رومی حکمران پونٹیئس پائلٹ نہ مانا چنانچہ جرمِ بغاوت میں صلیب پر چڑھا کر مارنے کی سزا تجویز کی کہ آپ خود کو ''یہود کا بادشاہ'' کہتے تھے۔ پائلٹ نے ردوکد کے بعد چھوڑنا چاہا لیکن یہود برابر غل مچاتے رہے کہ آپ کو ''معلونی موت'' یعنی پھانسی دی جائے۔ حاکم نے آپ کو کوڑے لگوا کر سپاہیوں کی حفاظت میں دے دیا کیونکہ پائلٹ کو آپ کی بے گناہی کا یقین تھا۔ سپاہی آپ کو (کالوری) پہاڑ پر لے گئے اور یہود نے آپ کو جاتے ہوئے دیکھا۔ انجیل (یوحنا باب 20' فقرہ 22) کے مطابق مسیحؑ' باغبان کے روپ میں اپنی ایک مریدہ مریم گلدانی کو نظر آئے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ سپاہیوں نے آپ کو چھوڑ دیا' خود حواری معترف ہیں کہ گرفتاری کے بعد سجدے میں گر کر آپ رات بھر دعا کرتے رہے۔ ''پروردگار! مجھے ملعونی (یعنی پھانسی کی) موت سے بچانا''۔ یہ جلیل القدر پیغمبرؑ معصوم کی دعا تھی۔ ابراہیمؑ' اسحٰقؑ' یعقوبؑ' اور یوسفؑ کے گھرانے کے مقبول پیغمبرؑ کی التجا تھی' کیوں نہ سنی جاتی۔ بالیقین مقبول ہوئی اور یہود کی تمام حکایات و روایات پر قرآن حکیم کی یہ آیت دلالت کرتی ہے۔

(ترجمہ) ''حالانکہ فی الواقع انہوں نے نہ اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ
معاملہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا'' (سورۃ النساء آیت 157)

یہاں ہمارا مقصد عیسائی فکر و عقائد کی تکذیب نہیں بلکہ مقصود یہود کا حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ سلوک کا جائزہ لینا ہے۔ آج سے دو ہزار سال پہلے کا ذکر چھوڑیئے۔ آج بھی آپ کے بارے میں ان کی رائے پر غور کیجئے' جس کی ایک مکمل تصویر Encyclopedia of Jewish Knowledge میں جو جیکب ڈی ہاس نے ترتیب دی ہے اور جس کی طباعت نیویارک میں 1946ء میں ہوئی' پیش ہے۔ ''عیسیٰؑ عیسائی مذہب کے بانی اور مرکزی شخصیت تھے۔ آپ جنوبی جلیل کے قصبے ناصرہ میں یوسف اور مریم کے گھر پیدا ہوئے۔ سن پیدائش 2 سے 4 عیسوی کے درمیان ہے۔ آپ کے چار بھائی اور دو بہنیں تھیں۔ گھرانے کی زبان آرامی تھی۔ یسوعؑ صوفی منش تھے اور دنیا کے خاتمے کو قریب جان کر انسانی معاشرے کی عملی ضروریات سے لاتعلق رہے۔ آپ کے اخلاقیات اگرچہ یہودی ہیں لیکن غیر طبعی ناقابلِ عمل حد تک آدرشی اور عمل کی دنیا سے کٹے ہوئے ہیں۔'' ملاحظہ کیجئے کہ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کے تقریباً دو ہزار برس کے بعد انہیں کس انداز اور کن خصوصیات سے روایت کیا گیا ہے۔ ان کے بھائی اور بہن کی تلاش کر کے ان کے کنبے کو اپنی صوابدید سے وسعت دے کر حضرت مریم کی وہ تعظیم و تکریم جو ان سے وابستہ ہے سراسر منہا کر دی' امن کے عظیم اخلاقیات و اطوار کو سراسر یہودی بتا کر تمام اعزاز یہود کی

جھولی میں ڈال دیا اور اس کے ساتھ ہی اسے غیر طبعی اور نا قابلِ عمل وفہم بتا کر اسے یہودی سے کمتر اور کم مقتدر ظاہر کیا لیکن حقیقت میں یہود آپ کے مرتبے سے ایسے اجنبی بھی نہ تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ آپ کا پیغام پالیتے تو اس یہوداہ کا کیا کرتے جس نے اقوامِ عالم پر یہود کو فضیلت دے کر انہیں من مانی کارروائیوں کی بشارت دی تھی وہ اپنے اس خواب کا کیا کرتے جس کا تقاضا یہ تھا کہ ساری دنیا ان کے قدموں میں جھک جائے' وہ یروشلم کا کیا کرتے جسے انہوں نے ساری کائنات کا مرکز بنانے کا وعدہ کر رکھا تھا...... وہ خود پسندی' وہ نخوت' وہ غرور' جسے اسوریا اور بابل کے قتل و غارت غلامی اور ذلت بھی ان کے سروں سے نہ نکال سکی' جو ان کی گھٹی میں پڑ چکی تھی اور جسے یونان و روما کا جابرانہ تسلط اور ان کے عظیم ترین حکماء' فلاسفر اور ان کا تمدن بھی نہ مٹا سکا۔ اسے حضرت عیسیٰؑ کی ذاتِ واحد کیسے مٹا دیتی چنانچہ یہود نے ان کی زبان بند کر دی' لیکن وہ ان کی آواز نہ دبا سکے اور جب انہوں نے دیکھا کہ سچ کی آواز دنیا میں نورِ سحر کی طرح پھیلتی جا رہی ہے تو انہوں نے اس میں رات کی تاریکی ملا دی۔ کفر کی ظلمت پھیلا دی' جھوٹ کی آمیزش سے پست کیا۔ یہاں تک کہ جلالِ خداوندی کا جوش ان کی جانب متوجہ ہوا' اور وہ یہودیہ سے نکال کر دنیا کی آندھیوں کے حوالے کر دیئے گئے تاکہ تنکوں کی طرح اُڑیں اور اپنی حقیقت کو پہچانیں۔ چنانچہ اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ''اینٹی کرائسٹ'' (Antichrist) میں عظیم فلسفی نیٹشے نے حضرت عیسیٰؑ کو ان بہتانوں اور تہمتوں سے پاک کیا ہے جن سے بقول اس کے انجیل بھری پڑی ہے اور جنہیں آپ کے حواریوں نے آپ سے منسوب کر کے آپ کے کردار اور شخصیت کو آلودہ کر دیا تھا۔ کون مان سکتا ہے کہ محبت' علم اور بندگی کے پیامبر مسیحؑ اپنی آسمانی بادشاہت کا پیام دیتے ہوئے فرمائیں گے۔ ''مت سمجھنا کہ میں دنیا میں امن پھیلانے آیا ہوں' میں امن بن کے نہیں آیا' بلکہ ایک تلوار'' (متی۔ 10-34) نیٹشے کا خیال ہے کہ گذشتہ دو ہزار سال میں کوئی شخص حقیقی یسوعؑ کو نہیں دیکھ سکا۔ جس کسی نے دیکھا' آپ کی پیغمبری کو دیکھا' آپ کو نجات دہندہ جانا آپ کو امراضِ خبیثہ کا مسیحا قرار دیا لیکن کسی نے محسوس نہیں کیا کہ اس پاکیزہ' مقدس اور منزہ شخصیت میں ایک پست' گری ہوئی اور تنگ نظر شخصیت کی آمیزش بھی پائی جاتی ہے۔ جس نے معاشرہ' تہذیب' محنت اور دنیا کے ہر کاروبار سے انکار تو کیا' اور اک ہی نہیں کیا۔ وہ شخصیت تو محض اپنے داخلی تجربے ہی کو بیان کرتی ہے۔ زندگی' نور اور حق صداقت...... اس کے علاوہ ان کے پاس زندگی کا کوئی مفہوم نہ تھا۔ اسی لیے آپ نے عملی جدوجہد سے دنیا کو حسین بنانے کے بجائے آسمانی بادشاہت کی تلقین کی۔ نیٹشے کے الفاظ ہیں۔ ''عیسیٰؑ اس دور کی پیداوار تھے جب مردانگی مر چکی تھی اور کمزوری' تقدس کا روپ دھار چکی تھی۔ عیسائیت عہدِ عتیق کی لاش سے پیدا ہوئی اور اس نے اپنے زمانے کے سراپا ذلت لوگوں کے لئے مرہم کا کام کیا لیکن وہ لوگ بھلا حقیقت کیا جانتے جن کی آنکھیں اور کان وقت کے ہاتھوں دیکھنے اور سننے سے قاصر ہو چکے تھے۔ چنانچہ ایسے زمانے میں پاکیزگی اور نیک نیتی کا درس اور موت کے بعد حیاتِ ابدی کا تصور اپنی جگہ بے حد خوش آئند سہی لیکن پھر اس شخص کے لئے جو زندگی کا ارتقا چاہتا ہے' عیسائیت زہر ہے۔ اس سے بچوں کی سی معصوم روحیں اور

حیوانی فطرتیں یکساں طور پر کمزور اور بے حس ہو جاتی ہیں' کوئی نہیں جانتا کہ عیسائیت پروان چڑھی ہے۔ اس پر خدا نے شیطان کا شکریہ ادا کیا یا شیطان نے خدا کا...... عیسائیت بڑی عیاری سے اس مصنوعی افیون کو چھپانے کا حسن عمل رکھتی ہے جو طبعی طور پر کمزور اور غم و اندوہ سے بوجھل روحوں کو سکون دیتی ہے۔ اس میں شروع سے آخر تک ان لوگوں کے صدق و صفا سے کوئی ذاتی ہمدردی نہیں جن کی روحیں مغلوب ہو گئیں۔ عیسائیت جسم سے نفرت کرتی ہے اور اس نفرت کی وجہ سے عیسائیت وہ عظیم ترین بدقسمتی ہے جو کسی دور میں بھی انسان کو لاحق ہوئی۔" "اینٹی کرائسٹ" کے آخر میں نیٹشے اپنا دل نکال کر رکھ دیتا ہے' وہ کہتا ہے: "میں عیسائیت کو مجرم ٹھہراتا ہوں۔ میں عیسائی چرچ کے خلاف وہ ہولناک ترین فردِ جرم عائد کرتا ہوں جو کسی وکیل نے کبھی کسی کے خلاف عائد نہ کی ہو گی کہ میرے نزدیک عیسائیت ان تمام بدکاریوں میں سے جو خیال میں آ سکتی ہیں' انتہائی مکمل بدکاری ہے۔" عیسائیت کے بارے میں نیٹشے کا یقین اس قدر پختہ تھا کہ اس نے بائبل کے خلاف جہاد کیا اور اس کے نعم البدل کے طور پر عیسائی دنیا کو اپنی کتاب "یوں کہا زرتشت نے" **Thus spake Zarathustra** پیش کی۔ "میری تعریف اس بات سے ہوتی ہے' جس بات پر میں باقی کی تمام انسانیت سے جدا کھڑا ہوں۔ یہ حقیقت ہے کہ میں نے عیسائیت کے اخلاق کو بے نقاب کیا۔ کسی نے آج تک عیسائیت کے اخلاق کا جائزہ نہیں لیا۔ اس مقصد کے لیے ایک بلند مقام' ایک دوررس نظر اور ایک گہرے نفسیاتی شعور کی ضرورت تھی جو آج تک ممکن نہ تھا اب تک عیسائیت کا اخلاق تمام فلسفیوں کی منزل تھی اور وہ اس کی خدمت پر کمربستہ تھے کون ہے وہ شخص جو میرے دور سے پہلے ان زمین دوز غاروں میں اترا۔ جہاں سے دنیا کو خراب کرنے والی اس منزل کے زہریلے دھوئیں اٹھتے تھے' کون ہے جو اتنا سوچنے کی جرأت بھی کر سکا کہ یہاں زمین دوز غار بھی ہیں۔ میرے پیش رو فلسفیوں میں سے کوئی ماہرِ نفسیات بھی ہوا۔ ماہر نفسیات نہ کہ اعلیٰ دھوکے باز! آدرش کا پجاری! اس لیے میرا سچ خوفناک ہے کہ آج تک جھوٹ کو سچ کا نام دیا گیا۔ انسانیت کو ہوش میں لانے کے لیے میرا نسخہ تمام اقتدار کی قدر فہمی ہے۔ یہ مقصد میری جان اور میرا شعور بن گیا۔ میرے مقدر نے فیصلہ دیا کہ میں پہلا شریف انسان بنوں اور صدیوں کے کذب و افترا کے خلاف ڈٹ کر کھڑا ہو جاؤں میں اپنا مقدر جانتا ہوں' ایک دن ایسا بھی آئے گا جب میرا نام ایک زبردست معرکے کی یاد دلائے گا ایک ابتلاء جس کی مثال بھی اس زمین نے نہیں دیکھی' شعوروں کی مکمل ترین آویزش کی یاد...... اور پھر اس شے کے خلاف جس پر ایمان لایا گیا' جس کی پوجا کی گئی' جس کو مقدس جانا گیا فیصلہ صادر کیا جائے میں انسان نہیں ہوں' میں ڈائنا مائٹ ہوں۔" عیسائیت کے بارے میں نیٹشے کے یہ کلمات جس جذبے اور یقین کے حامل ہیں' اس پر کسی تبصرے کی گنجائش نہیں۔ اس کا انتقال گزشتہ صدی کے آخری سال میں ہوا اور اس پیش گوئی کے مطابق دنیا کو ایسے زبردست معرکے در پیش ہوئے جن کی مثال بھی تواریخ گزشتہ میں نہیں ملتی' عیسائی دنیا اس صدی میں دو بار ٹکرائی۔ دو عظیم جنگوں نے اس دنیا کے پرخچے اڑا دیئے اور اس کے ساتھ ہی انسانی فکر و شعور' اخلاق و اقدار کا دیوالہ بھی پٹ گیا۔ انسانیت کا جنازہ نکل گیا لیکن نیٹشے

کے ان کلمات کی صداقت پر کسی کو غور کرنے کی فرصت نہیں ملی کہ عیسائیت کے جھوٹ کی تطہیر کر کے حقیقی ایمان اختیار کرنے کا وقت آ پہنچا ہے' وہ جھوٹ جو یہود کی سازش' مکاری اور شیطنت کا شاہکار ہے اور جو اگر اب بھی علیحدہ نہ کیا گیا تو اپنے ساتھ ان سچائیوں کو بھی بہار کر لے جائے گا جو مسیحؑ نے آج سے انیس صدیاں پہلے آشکار کی تھیں۔ تاریخ خاموش ہے۔ دو ہزار سال پرانے ماضی کے گھپ اندھیروں میں روشنی کی کوئی کرن ایسی نہیں جو ان یہود کے مکروہ چہروں کو دیکھ سکے' جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو مصلوب ہونے کے لیے یکہ وتنہا چھوڑ دیا اور پھر فوراً بعد آپ کے آسمان سے دوبارہ نازل ہونے کے انتظار میں یروشلم جا بیٹھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ لوگوں کے گناہوں کا بار اپنے کندھوں پر لے کر صلیب پا گئے اور اب وہ خدا کی بادشاہت نافذ کرنے کے لیے فرشتوں کی فوج لے کر دوبارہ تشریف لائیں گے۔ خود عیسیٰؑ کی زندگی میں بھی ان حواریوں میں ان منصوبوں اور عہدوں کے لیے جو تم بیزار ہوتی تھی' جو یہ خدا کی بادشاہت کے نفاذ کے بعد حاصل کرنے والے تھے' ان کے بقول عیسیٰؑ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ ان میں ہر ایک کو تخت پر بٹھایا جائے گا تاکہ بنی اسرائیل کے بارہ کے بارہ قبیلوں کی عظمت برقرار رہ سکے۔ انہیں یقین تھا کہ یہ دن انہیں اپنی زندگی میں ہی دیکھنا نصیب ہوگا' بائبل کے بقول حضرت عیسیٰؑ نے کہا تھا: ''بلاشبہ' تم میں سے بعض جو یہاں کھڑے ہیں اس وقت تک موت کی لذت نہیں چکھیں گے' جب تک وہ آدم کے بیٹوں کو اپنی بادشاہت میں نہیں دیکھ لیں گے۔'' چنانچہ یہود یروشلم میں مقیم ہو گئے اور آپ کے فرمودات پر سر دھننے لگے' انہوں نے اپنی دولت اور سروسامان دوسروں کی بھلائی اور خیرات میں بانٹ دیا۔ کھانے پینے کے معاملے میں وہ حضرت عیسیٰؑ کا اتباع کرتے' لیکن باقی ہر اعتبار سے وہ یہودی ہی تھے اور حضرت عیسیٰؑ کو بھی یہودی ہی کی حیثیت سے مانتے تھے۔ وہ اپنے ہم قوموں کے ساتھ ہیکل کی عبادات میں شریک ہوتے' سبت کی حرمت کو برقرار رکھتے اور سوائے اس کے کہ وہ عیسیٰؑ کو مسیحؑ مانتے تھے اور آپ کی آسمانی بادشاہت اور زمین پر دوبارہ واپسی پر ایمان رکھتے تھے دوسرے یہود سے کسی طور مختلف نہ تھے۔ اس زمانے میں بھی یورپ' شمالی افریقہ اور یہودیہ کے گردونواح کے علاقوں سے ہر سال ہزاروں کی تعداد میں یہود یروشلم جاتے اور اپنے عقائد کے مطابق یاترا کرتے۔ یہودیہ سے نکلنے کے بعد انہوں نے ان براعظموں میں اپنی بستیاں آباد کر رکھی تھیں جہاں وہ خاصے متمول اور فارغ البال تھے اور پوری سیاسی آزادی سے زندگی بسر کرتے تھے لیکن یروشلم کی محبت انہیں اپنے اصل سے وابستہ رکھتی اور وہ باقاعدگی سے ہر سال حریم ہیکل میں جمع ہوتے۔ انہوں نے دوسرے ملکوں کے خیالات کو جذب کرنا شروع کیا اور جب بھی یروشلم آتے' ان خیالات کو اپنے ساتھ لاتے۔ یہودی تارکینِ وطن اقلیت میں ہونے کے سبب بردباری اور ملائمت کا جذبہ زیادہ استعمال کرتے۔ عہد عتیق اور ''ترگم'' کا مطالعہ بھی کرتے اور افلاطونی فلسفے کو اپنے مذہب کا جزو بھی ٹھہراتے۔ انہی کی اکثریت حواریوں کی تعلیمات سے متاثر ہوئی اور یروشلم سے واپسی پر عیسائیت کے پرچار بن جاتے۔ حقیقت یہ ہے کہ عیسائیت کا وجود انہی کا مرہونِ منت ہے۔ یہ یہود یونان وروما میں عیسائیت کا تحفہ لے کر گئے اور یوں ''امیوں'' کو ان یہودی

عقائد کی سوغات ملی جو محض یہود کے لیے مخصوص تھی اور جس کا ثمر فقط انہی کے قبائل تک محدود تھا۔

اس مقام سے یہود میں دو فرقے پیدا ہو گئے' ایک ان قدامت پسند یہود کا جو عیسائیت کو بھی یہودیت کا جزو قرار دے کر اپنے لیے مخصوص کرنا چاہتے تھے اور دوسرے یونانیوں کا جو قوانین موسیٰ سے نجات پانا چاہتے تھے اور عیسائیت کو ایک جداگانہ مذہب کی حیثیت سے قبول کرنا چاہتے تھے۔.........

دوسرے گروہ کا سرغنہ پال تھا' جس نے باقی حواریوں سے اختلاف کیا اور اعلان کیا کہ اسے الہام کے ذریعے غیر یہود اقوام میں تبلیغ کی اجازت مل گئی ہے۔ اس سلسلے میں یروشلم میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں طے پایا کہ غیر یہود کو موسوی قوانین کا پابند نہیں کیا جائے گا' وہ ختنہ کرانے سے بھی آزاد ہوں گے البتہ ان پر ایسے جانوروں کا کھانا حرام ہو گا جو ذبح نہ کیے گئے ہوں۔ عیسائیت فروغ پانے لگی اور بہت جلد بت پرست اقوام اپنے رنگوں اور تہذیبوں سمیت اس نئے مذہب میں داخل ہو گئیں۔ چنانچہ یونانی دیوی' دیوتاؤں کے قصے حضرت عیسیٰ کی حیات میں شامل کر دیئے گئے۔ مصریوں نے عیسیٰ کو تثلیث میں بانٹ دیا اور فلسفۂ فلاطوں کو عیسائیت کا جوہر ٹھہرایا۔ اس نبی کو جس نے یہ کہا تھا۔ "مجھے پاک کیوں کہتے ہو۔ کوئی پاک نہیں سوائے ایک کے' جو خدا ہے۔" اسے خود خدا بنا دیا گیا اور خدا نہیں تو خدا ثلث سمجھا گیا۔ ان عقائد نے عیسائیت اور یہودیت کے درمیان دیوار کھڑی کر دی۔ یہود کو خدا کی محبوب قوم تو اب بھی تسلیم کیا جاتا تھا' لیکن محض یہود کی نجات کے عقائد کفر قرار پائے۔ عیسائیت کے ان انقلابات پر یہود دم بخود رہ گئے۔ انہوں نے تو عیسائیت کا پرچار غیر یہودی اقوام میں اپنی اغراض کے لیے کیا تھا۔ وہ مبلغ بن کر بحیرۂ روم کے ساحلوں پر اس لیے پھیلے تھے کہ عیسیٰ کی بادشاہت کا اقرار کرا کے انہیں یروشلم کے یاترا کے لئے لے جائیں گے اور ان سے پیسے بٹوریں گے' ان سے اپنی عظمت پارینہ اور ذاتی تقدیس کا خراج لیں گے اور انہیں اپنے قدموں میں جھکا کر یہوا کے عہد عتیق کی تکمیل دیکھیں گے لیکن جب عیسائیت نے تورہ اور خود ساختہ قوانین سے انحراف کیا۔ سور کھانے کو جائز قرارا دیا تو یہاودیوں نے انہیں کافر کہنا شروع کیا اور ان پر اپنے کنیساؤں کے دروازے بند کر دیئے۔ اس کے نتیجے میں عیسائیوں نے یہودی معبدوں کے طرز پر اپنے گرجے بنا لئے اور آپس میں اسی مروت' محبت اور خلوص کا ثبوت دینے لگے جو اجنبی سرزمینوں میں رہنے کی وجہ سے یہودیوں کا شعار بن چکا تھا۔ ایک یہودی کہیں بھی جا سکتا تھا کہ اس کے بھائی بندوں کے دروازے اس کے لیے ہمیشہ کھلے رہتے تھے۔ عیسائیوں نے اس کے مقابلے میں ایک دوسری برادری کو جنم دیا جس میں وجۂ اشتراک خون کے رشتوں کے بجائے ایمان کی بنیاد تھی اور اس طرح یہود اور عیسائی ایک دوسرے سے کٹ کر ایک دوسرے کے مقابل آتے گئے۔ یہودی اقلیت میں ہونے کے سبب عیسائیت کے ہاتھوں پٹتے رہے۔ عیسائی بھیڑیں' بھیڑیوں کی طرح نبرد آزما ہوئیں۔ یہود یہ رومیوں کے ہاتھوں خاک میں مل گیا۔ یہود کے لیے جائے پناہ کے تمام امکان مفقود ہو گئے۔ چارو ناچار انہوں نے عیسائیت کو اپنے زہر سے آلودہ کرنا شروع کیا تا کہ اس کے لیے تریاق ہو جائیں اور کسی آئندہ دور ہی میں سہی' عیسائی دنیا کو اپنے قدموں میں جھکانے

کا امکان پیدا کر سکیں۔ "عیسیٰؑ اور پطرس کی عیسائیت" ول ڈیورنٹ کے بقول' یہودیت کے عین مطابق تھی پال کی عیسائیت میں یونانی فکر در آیا۔ کیتھولک سکول میں رومی فلسفہ داخل ہو گیا۔ پروٹسٹنٹ اُٹھے تو انہوں نے یہودیت کے عناصر اور رسوخ کو بحال کر دیا۔" "غرض یہ کہ عیسائیت کی ترویج اور اناجیل دونوں کی صحت قطعی طور پر ناقابل قبول ہے کہ ہر دو کی شہ رگ پر یہودیت کی مہر ثبت نظر آتی ہے۔" ول ڈیورنٹ کے مندرجہ بالا الفاظ ہمارے ذہنوں میں ایک تقابلی جائزہ بیدار کرتے تھے۔ ایک طرف کربلا کا میدان ہے جہاں نواسۂ رسولؐ اپنے لشکریوں سے مخاطب ہے کہ: "مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اور جو اپنی جان بچانا چاہتا ہے رات کی تاریکی میں جا سکتا ہے۔" لیکن اس اجازت سے فائدہ کسی نے اٹھانے کے لیے سوچا بھی نہیں بلکہ اس کے برعکس دشمن سپاہ کا کماندار امام عالی مقام کے صدق و صفا' جرأت اور حق کی شہادت سے متاثر ہو کر اپنی جمعیت سے کٹ کر آپ کی طرف سے شامل ہوتا ہے اور اپنی جان بھی آپ پر نچھاور کر دیتا ہے اور دوسری طرف نینوا سے چند میل کے فاصلے پر یروشلم میں چھ سو سال پہلے ایک نبی برحق کے بارہ حواریوں میں سے ایک آپ کو گرفتار کراتا ہے' دوسرے ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ شہر کے یہود جو ہیکل سلیمان میں سالہا سال سے اپنے نجات دہندہ' اپنے مسیحا' اپنے بادشاہ کے لیے رو رو کر دعائیں کیا کرتے تھے' جو اس کے انتظار میں ستاروں کی رفتار دیکھتے تھے اور غاروں میں فقر و فاقہ کے عالم میں گڑگڑا کر اپنے یہوواہ سے التجائیں کرتے تھے' وہی یہود اسی مسیحا کو سنگسار کرنے کی تجویز کرتے ہیں۔ اپنے رومی حکمرانوں سے منتیں کر کر کے اسے صلیب دلوانے کی درخواست کرتے ہیں اور جب وہ حکمران بھی آپ کو بے گناہ سمجھتا ہے تو آپ پر حکومت کے خلاف بغاوت کا بہتان لگاتے ہیں اور جب وہ حکمران پھر بھی آپ کو بہانے سے آزاد کرنا چاہتا ہے تو ان کا شور و غل ان کی نفرت' ان کی حقارت اسے مجبور کرتی ہے کہ آپ کو اپنے سپاہیوں کے حوالے کر دے اور ان کی دستبرد سے بچانے کے لیے پہاڑی پر بھجوا دے۔ آخر آپ نے ان کا کیا بگاڑا تھا؟ حضرت عیسیٰؑ تو سراپا حلم' سراپا محبت اور سراپا نور شخصیت تھی' وہ یہود پر اللہ کا احسان تھا' ان یہود پر جو صدیوں تک پتھروں کو خدا ماننے والے' صدیوں تک کوڑیوں کے بھاؤ بکنے والے بابل اور نینوا کے بازاروں میں اپنی عورتوں اور بچوں کو بکتا ہوا دیکھنے والے' یوسفؑ کو کنوئیں میں جھونکنے والے' عیسیٰؑ کی جان کے درپے تھے تو اس لیے کہ انہیں حسن ذات' حسن بیان' حسن عمل' حسن ادا' حسن حقیقی' غرض ہر قسم کے حسن سے کد تھی۔ حضرت عیسیٰؑ نے ان یہود کو "سانپوں اور بچھوؤں کی قوم" کا لقب دیا تھا اور یہ قوم اپنے زہر اور کوڑھ کو دوام دے کر ساری دنیا کو اسی کا خریدار بنانا چاہتی تھی۔

حضورؐ کے صحابہؓ کی جاں نثاری' نواسۂ رسولؐ کے ساتھیوں کی وفا اور ان یہود حواریوں کی جفا ایک عجیب و غریب تقابلی مطالعہ پیش کرتی ہے لیکن مقامِ حیرت ہے کہ عیسائیت نے ان بے وفا حواریوں میں سے ایک ایک پر اعتبار کیا' ان سے منسوب کتابوں کو کلامِ الٰہی جانا' ان کے کہنے پر عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا جانا' ان کے فکر و فلسفہ کو انجیل ٹھہرایا' کیا یہ وہی نہ تھے جنہوں نے عدالت میں عیسیٰؑ کی نبوت سے انکار کیا تھا اور انہیں دیوانہ قرار دیا تھا تو پھر وہ پیغام جو عیسیٰؑ پر نازل ہوا تھا' عیسیٰؑ کے بعد انہوں نے کیسے اور

کیوں کر محفوظ رکھا۔ ان یہود نے تو "عہدِ عتیق" سے وہ عہد نامہ بھی غائب کر دیا تھا جس پر دین موسیٰؑ قائم تھا۔ انہوں نے تو ان تختیوں کو ناپید کر دیا تھا۔ جن پر یہوواہ نے اپنی انگلی سے لکھ کر انہیں احکامات بھیجے تھے۔ انہوں نے موسیٰؑ سے بے وفائی کی، یہواہ سے غداری کی، ہیکل سلیمان کو سکندرِ اعظم پر کھول دیا۔ یونانیوں اور رومیوں کے بتوں کو اپنے کنیساؤں میں جگہ دی۔ ان کا ایمان اور کردار کب اس قابل تھا کہ اس کے بھروسے پر اعتقادات اور ایمان کی بنیاد رکھی جاتی۔ کس طرح یقین کیا جائے کہ اسی عیسیٰؑ کے تین حواری اس کے دین کے علمبردار بن جائیں اور اپنے ناموں سے منسوب کر کے انجیل کو ترتیب دیں، ان اناجیل کو جن کے نامہ جات بھی جعلی ثابت ہوئے اور پھر ان کی لکھی ہوئی یا لکھوائی ہوئی کتابوں میں سے ایک بھی محفوظ نہ رہ سکی، یہ امر بھی تحقیق سے پایۂ ثبوت تک پہنچ چکا ہے کہ متی اور لوقا کی انجیلیں مرقس کی انجیل ہی سے مستعار ہیں۔ "پہاڑی کا وعظ" جو ان اناجیل کی جان ہے۔ حکمائے یونان کی کتابوں سے حرف بہ حرف نقل کیا گیا اور اس کا حضرت عیسیٰؑ کی ذات سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور جہاں تک جان یعنی یوحنا کی انجیل کا تعلق ہے تو اول تو یہ جان ہی وہ ثابت نہیں ہوتا جو حضرت عیسیٰؑ کا حواری تھا، بلکہ تحقیقات کے مطابق یہ ایشیائے کوچک کا غیر یہودی باشندہ بتایا جاتا ہے۔ پھر اس انجیل کا سرچشمہ حضرت عیسیٰؑ کے اقوال و ارشادات اور ملفوظات کے بجائے فلو (Philo) کا فلسفہ دکھائی دیتا ہے۔ فلو ایک یہودی تھا جو یونانی فلسفے سے متاثر ہوا، اسے 40ء میں سکندریہ کے یہود نے کیلی گولہ کے دربار میں ایک وفد کا رکن بنا کر اپنی سفارش کے لیے بھیجا تھا اس کی ساری زندگی تورات کی آیات کو افلاطون کے فلسفے کے مترادف ٹھہراتے گزری۔ وہ افلاطون کو مقدس ترین افلاطون کہا کرتا تھا۔ اس کے خیال کی رو سے عہدِ عتیق کے ایک ظاہری معنی ہیں اور ایک تشبیہی معنی، جن کی وجہ سے تمام واقعات، کردار اصول اور قوانین علامتیں بن کر بعض اخلاقی اور نفسیاتی صداقتوں کو پیش کرتے ہیں۔ فلو کے فلسفے کے مطابق ہر شے کی اصل خدا کی ذات میں ہے جو کائنات کا سبب اول ہے، وہ کون سی جگہ ہے جہاں خدا نہیں لیکن اس کے علاوہ مادہ بھی حقیقی ہے اور ابدی ہے اگرچہ جب تک مادہ میں خدا کی روح نہ ہو، وہ متحرک، متشکل اور زندہ نہیں رہ سکتا۔ مادہ کو صورت دے کر دنیا کو پیدا کرنے اور انسان سے اس کا تعلق استوار کرنے کے لئے خدا نے کچھ درمیانی کڑیاں پیدا کیں، جنہیں یہود "فرشتے" اور افلاطون "خیالات" کہتا ہے۔ ہم انہیں شخصیت کے اعتبار سے جانتے ہیں۔ اگرچہ یہ صرف خالق کے ذہن ہی میں خیال اور طاقت کے طور پر رہتے ہیں۔ یہ خیالات اور طاقتیں مل کر لوگاس Logas یعنی "دلیلِ ربانی" بن جاتے ہیں اور دنیا کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اس دلیل ربانی کو فلو "خدا کی پہلی تخلیق" اور "دوشیزۂ دانش کے بطن سے خدا کا فرزند کا نام بھی دیتا ہے۔ اس کے بقول روح چونکہ خدا کا جزو ہے، اس لیے خدا کو نہیں لیکن "لوگاس" یعنی دلیلِ ربانی، کا مشاہدہ ضرور کر سکتی ہے تاہم اس کے لیے بعض ریاضتیں اور عبادتیں ضروری ہوتی ہیں وہ لوگاس، کو مائدہ آسمانی اور ساقی یزدانی، بھی کہتا ہے۔ ان تشبیہات سے پال اور یوحنا نے یوکرائسٹ، کی رسم مستعار لی اور اس کے ذریعے عیسائیوں کو ذاتِ عیسیٰؑ میں فنا کر دیا۔ فلو نے عہد عتیق کی آیات بے ربطی

اور لغزشوں سے بچانے کے لیے انہیں داخلی معانی کا حامل ٹھہرایا اور محض شاعرانہ زبان میں اظہار کرتے ہوئے ان تشبیہات سے کام لیا جو یوحنا کی انجیل کے پہلے باب کی جان بن گئیں اور بالآخر الہام کی حیثیت پا کر پوری عیسائی دنیا کا ایمان قرار پائیں۔ عیسائی پادریوں نے فلو کے فکر اور فلسفے کی آڑ لے کر عہد عتیق پر تحقیقات کے حملوں کو روکا لیکن اس کدوکاوش میں ان کی اپنی الہامی کتاب ''یوحنا کی بائبل'' فلو کے فلسفے کی روشنی میں ماند پڑ گئی اور اس کی دھوپ میں اس کا چہرہ تک اڑ گیا۔ گویا یہود کی مہربانی سے ایک ایسا مذہب پروان چڑھا جس نے یونان اور روم کی عظیم تہذیبوں کو ملیا میٹ کر کے سارے یورپ کو جہالت اور عظمت کے حوالے کر دیا۔ اگر مسلمان ہسپانیہ اور ترکی سے آفتاب قرآن اور اپنے نورِ ایمان کی ضیاء باریاں کر کے اسے بیدار نہ کرتے تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خوابِ غفلت میں کھو جاتا اور اسے ذرے کا دل چیرنے اور چاند پر زقندیں لگانے کی ہمت کبھی نصیب نہ ہوتی۔ یہ بحث کہ یوحنا کی انجیل یونانی مفکرین کو عیسائیت کا قائل کرنے کے لیے دوسری یا تیسری صدی عیسوی میں لکھی گئی' یہاں لاحاصل ہے کہ یہ ہمارے موضوع سے متعلق نہیں' ورنہ خود عیسائی مورخین اور مفکرین قائل ہیں کہ ان اناجیل کا بنیادی فکر مستعار ہے عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا بنانے کے لیے فلو کے چراغ سے روشنی لی گئی اور مریم کو مادرِ خدا (معاذ اللہ) اور آسمانی ملکہ بنانے میں مصری تخیل سے مدد لی گئی جو اگلے وقتوں میں ایک کنواری دیوی (Isis) آئی سس اور اس کے بیٹے (Horas) ہورس اور اس کے آسمانی باپ OSIRIS اسارس کی پرستش پر مشتمل تھی۔ یہ مصری اصنام روم میں بھی پوجے جاتے تھے۔ چنانچہ اس فلسفے کی تشہیر اور قبولیت کے بعد ان بتوں کو گرجا گھروں میں جگہ دی گئی۔ عیسائی پیروکاروں کے لیے ستم ظریفی کی بات تو یہ ہے کہ بعد میں اسلام کی طلوعِ سحر کے بعد اس تصور کے خالق قبطی پجاری تو مسلمان ہو گئے' لیکن ان کی عطاء عیسائیت کے سر پر ہمیشہ کے لئے چسپاں ہو کر رہ گئی۔

محترم الیاس ستار

مقدس بائبل میں قرآن مجید کی پیشگوئی

5 لاکھ نقد انعام، کرسچن جج منظور، کرسچن ملک کی سپریم کورٹ منظور

الیاس ستار کے عیسائیت پر دو تحقیقی مضامین ''صلیبی موت اللہ کی لعنت کے تحت نہیں تھی'' اور ''مقدس بائبل میں قرآن شریف کی پیشگوئی'' پر عیسائی میگزین ''ماہنامہ کلام حق'' گوجرانوالہ کے ایڈیٹر میجر ٹی ناصر کے مابین بذریعہ ای میل تبادلۂ خیالات

جناب میجر ٹی ناصر صاحب (کرسچن)

☆ آپ نے 4 اگست 2002ء کو لکھا تھا۔

''مسٹر احمق (الیاس)

تمہیں مناسب جواب دیا جا چکا ہے، میں نے تمہارا احمقانہ سوال پڑھا، اب چپ ہو جاؤ اور جا کر سو جاؤ۔''

☆ آپ نے 15 جولائی 2002ء کو مجھے لکھا تھا کہ:

''آج میں نے آپ کا احمقانہ مضمون ''ماہنامہ صوت الاسلام'' میں پڑھا، آپ نے جو کچھ مقدس بائبل اور ''ٹین کمانڈمنٹس'' کے حوالے سے لکھا بالکل لغویات ہے۔ آپ ایک تعلیم یافتہ جاہل ہیں، کوئی باشعور انسان ایسا نہیں لکھ سکتا آپ نے جو تحریر کیا ہے...... آخر میں، میں اردو کا ایک شعر تحریر کرتا ہوں ۔

پیدا ہوا وکیل تو شیطان نے کہا
لو آج ہم بھی صاحب اولاد ہو گئے

☆ پھر آپ نے 19 جولائی 2002ء کو تحریر کیا کہ:

''......آپ (الیاس) عیسائیت کو کیا چیلنج دے رہے ہیں؟ ہزاروں مرتبہ ہم تمام اسلامی سکالرز کے دانت اور جبڑے توڑ چکے ہیں۔ کیا تم بھی اپنے دودھ کے دانت (Toddler Teeth) کھونا

چاہتے ہو؟......تمہارے بے وقوفانہ تنقیدی سوالات کا جواب دینا ہماری ڈیوٹی نہیں ہے۔"

میرا جواب

23 جولائی 2002ء کو میں (الیاس) نے آپ کو جواب میں لکھا:

"ایک منٹ کا جواب"

"جناب ناصر صاحب!

عیسائیت پر میرا بہت ہی سادہ چیلنج تھا اور ہے اور وہ یہ کہ میں نے عیسائی حضرات سے صرف اتنا پوچھا ہے کہ یہود کی شائع کردہ توریت (استثناء) باب 21 فقرہ 23-22 میں کہاں لکھا ہے کہ "جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے"؟؟؟

اس پر میں نے ایک لاکھ روپے انعام کی بھی پیشکش کی تھی۔

سینٹ پال (بائبل میں) گلتیوں باب 3 فقرہ 13 میں فرماتے ہیں:

"مسیح جو ہمارے لیے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔"

مندرجہ بالا حوالہ میں سینٹ پال نے کہا کہ "کیونکہ (مقدس کتاب میں) لکھا ہے۔"

میرا (الیاس ستار کا) سوال یہ ہے کہ "کہاں لکھا ہے؟"

مذکورہ فقرہ جس کا پولس نے حوالہ دیا ہے، اگر یہ فقرہ یہود کی شائع کردہ توریت میں کہیں بھی موجود ہو تو صرف ایک منٹ میں میجر ٹی ناصر اس کا جواب دے سکتے ہیں۔

میجر ٹی ناصر صاحب کو سوچنے اور لکھنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ انہیں تو صرف اس فقرہ کا حوالہ دینا ہے جس میں یہ لکھا ہو کہ:

"جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔"

یہ چیلنج اس قدر سادہ ہے کہ اس میں تاخیر کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور جواب میں تاخیر کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس کا آپ کے پاس کوئی جواب (یعنی فقرہ کا حوالہ) نہیں ہے۔

نہ تاخیر نہ جواب

☆ 23 جولائی 2002ء کو آپ نے میرے 23 جولائی 2002ء کے ای میل کا جواب چند گھنٹوں کے اندر اندر دے دیا لیکن آپ نے وہ فقرہ نہیں بتایا جو میں نے پوچھی تھا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگرچہ آپ نے تاخیر نہیں کی لیکن جواب بھی نہیں دیا۔

☆ 4 اگست 2002ء کو آپ نے مجھے مخاطب کر کے لکھا کہ:

"مسٹر احمق!

تمہیں مناسب جواب دیا جا چکا ہے' میں نے تمہارا احمقانہ سوال بھی پڑھا۔ اب خاموش ہو کر سو جاؤ۔"

....

جناب ٹی ناصر صاحب!

آپ فرما رہے ہیں کہ آپ نے مجھے مناسب جواب دے دیا۔ اس حوالہ سے آپ کے اور ہمارے درمیان دو مضامین پر گفتگو ہوئی ہے۔

پہلا مضمون: "مقدس بائبل میں قرآن شریف کی پیشگوئی" ہے

دوسرا مضمون: "صلیبی موت اللہ کی لعنت کے تحت نہیں تھی" ہے۔

آیئے آپ کی جانب سے مناسب جواب دیئے جانے کے دعویٰ کو مذکورہ دونوں مضامین کی روشنی میں پرکھتے ہیں۔

"مقدس بائبل میں قرآن شریف کی پیشگوئی"

اس مضمون میں' میں نے یہ چیلنج کیا تھا کہ اگر کوئی عیسائی یا یہودی اپنے مرکزی عالمی سربراہ سے یہ تصدیق کرا لے کہ اس کی تفسیر' میری بیان کردہ تشریح سے زیادہ واضح اور درست ہے تو میں اسے بلا حیل و حجت ایک لاکھ روپے نقد انعام پیش کروں گا۔ (انشاء اللہ)

اب آپ بتائیں کہ آپ کے جواب میں وہ تصدیق شدہ تفسیر کہاں ہے؟

اور جب تصدیق شدہ تفسیر نہیں ہے تو پھر آپ یہ دعویٰ کیوں کر رہے ہیں کہ آپ نے مناسب جواب دیا ہے۔

"صلیبی موت اللہ کی لعنت کے تحت نہیں تھی"

اس مضمون میں' میں نے صرف یہود کی شائع کردہ توریت کا وہ حوالہ مانگا تھا جس کا سینٹ پال (پولوس) نے ذکر کیا ہے' اور اس پر ایک لاکھ روپے نقد انعام کی پیشکش کے ساتھ ساتھ مسٹر' مسز کو اپنے بچوں کے ساتھ رات کے کھانے کی پرخلوص دعوت بھی دی تھی۔

5 لاکھ نقد انعام

جناب ٹی ناصر صاحب!

ذرا سوچئے تو سہی کہ آپ وہ حوالہ تو دے نہیں رہے اور صرف مجھے بار بار احمق کہے جا رہے ہیں۔ لیکن ماحول کو سازگار رکھنے کے لیے آپ کے اس فعل کو میں Funny نہیں کہوں گا۔

اگر آپ دل میں واقعی سمجھتے ہیں کہ الیاس ستار واقعی احمق ہے تو میں آپ سے گذارش کرتا ہوں کہ امریکہ' انگلینڈ' جرمنی' اسرائیل اور فرانس کی سپریم کورٹ میں جائیں اور اس کے جج کو یہود کی شائع

کردہ توریت پیش کریں جس میں لکڑی پر لٹکنے والے کی موت کے لعنتی ہونے کا ذکر ہے۔

☆اگر وہ جج آپ کے حق میں فیصلہ دے دے تو میں 5 لاکھ روپے نقد انعام دوں گا۔

☆بینک گارنٹی کیس شروع ہونے سے پہلے پیش کروں گا۔

☆اور اس فیصلے کے خلاف اپیل کرنے کا کوئی حق نہیں رکھوں گا۔

میں نے کرسچن کو یاد دلایا تھا کہ یہ بہت شرمناک کام ہے کہ آپ حضرات توریت میں تبدیلی کریں حالانکہ یہ یہود کی کتاب مقدس ہے۔

صرف ایک احمق مسلمان، عیسائی کی انجیل یا یہود کی توریت میں تبدیلی کر سکتا ہے؟

سوال: آخر کس طرح عیسائی، یہود کی توریت میں تبدیلی کرتے ہیں جبکہ عیسائیوں کے پاس دنیا کی سپر پاور ہے اور سب سے بہترین سکولز، کالجز اور یونیورسٹیز ہیں اور سب سے بہترین سائنٹیفک ٹیکنالوجیز ہیں اور کیا کیا نہیں ہے؟

کیا آپ مجھے احمق صرف اس لیے کہتے ہیں کہ میں نے اس احمقانہ حرکت کی نشاندہی کی ہے؟

علیم جاوید (کرسچن) اور میجر ٹی ناصر (کرسچن) میں فرق

☆علیم جاوید نے 3 ماہ قبل چیلنج قبول کیا تھا لیکن چونکہ انہیں جواب نہیں ملا اس لیے خاموشی اختیار کی حالانکہ ہم نے انہیں یاددہانی بھی کرائی تھی۔

☆لیکن ناصر صاحب مجھے احمق اور تعلیم یافتہ جاہل بھی کہتے ہیں اور جواب بھی نہیں دیتے۔

....

آپ کے دین و مذہب کی بنیاد حقیقت پر ہونی چاہیے نہ کہ Fiction پر۔

اگر آپ کو اپنے دین میں حق نظر نہ آئے تو کچھ وقت لے لیں، یہ فیصلہ کرنے میں کہ عیسائیت کے غلط ثابت ہونے پر آپ کہاں جائیں۔

کیا یہ ممکن ہے کہ عیسائی درست راستہ پر ہوں جبکہ یہ ثابت ہو چکا ہو کہ عیسائیت غلط ہے۔

ایڈیٹر ''کلامِ حق'' عیسائیت کا دفاع کرنے میں مکمل ناکام

مضمون ''مقدس بائبل میں قرآن مجید کی پیش گوئی'' کو پڑھ کر (عیسائیت کی تبلیغ میں پیش پیش رہنے والے ایک کرسچن) میجر ٹی ناصر غصہ میں اپنے آپ سے باہر ہو گئے۔ الیاس ستار کے نام ان کے خط کی چند سطور ملاحظہ فرمائیں:

جناب الیاس ستار!

آج میں نے آپ کا احمقانہ مضمون ''ماہنامہ صوت الاسلام'' میں پڑھا۔ آپ نے جو کچھ مقدس

بائبل اور "ٹین کمانڈمنٹس" کے حوالے سے لکھا بالکل لغویات (بکواس، گھٹیا) ہے۔

آپ ایک تعلیم یافتہ جاہل ہیں۔ کوئی باشعور (ہوشمند) انسان ایسا نہیں لکھ سکتا' جو آپ نے تحریر کیا ہے۔

لیفٹیننٹ کرنل محمد ایوب خان ایک بے مقصد رسالہ بنام "محقق" شائع کیا کرتے تھے۔ جبکہ میں نے ان کی اصلیت ظاہر کی تو انہوں نے یہ رسالہ شائع کرنا بند کر دیا۔

میری رائے ہے کہ مقدس بائبل اور عیسائیت پر تنقید بند کر دیں۔ اسلام اور پاکستان کے لیے تعمیری کام کریں۔

آخر میں' میں اردو کا ایک شعر تحریر کرتا ہوں۔

"پیدا ہوا وکیل تو شیطان نے کہا
لو آج ہم بھی صاحب اولاد ہو گئے"

میجر ٹی ناصر
ایڈیٹر ماہنامہ "کلامِ حق" گوجرانوالہ
تاریخ 15,07,2002

⚙……⚙……⚙

ڈاکٹر شبیر احمد

عیسائیت اور عظیم کرسچن سکالرز کی گواہی

معزز قارئین مغرب کے ان عظیم سکالرز کے ارشادات ملاحظہ فرمائیں جنہیں قدرت نے تنقیدی نگاہ بھی عطا کی تھی اور کھلا دل و دماغ بھی۔ عیسائی بھائیوں بہنوں سے درخواست ہے کہ اسی انداز سے مطالعہ فرمائیں۔ ہم عام افراد کے نہیں' عیسائی سکالرز اور دانشوروں کے خیالات عیسائیت اور بائبل کے بارے میں پیش کریں گے۔ اپنی جانب سے کچھ نہیں کہیں گے تاکہ کسی کی دلآزاری نہ ہو۔

1- سیاسی اور اقتصادی معاملات کے متعلق بائبل کی تعلیم افسوسناک حد تک مبہم اور غیر واضح ہے۔ انجیل کے ذریعے آپ جس چیز کی چاہیں' حمایت کرسکتے ہیں اور اسے مسیح کی تعلیم ثابت کرسکتے ہیں خواہ وہ غلامی ہو' اذیت رسانی ہو یا زندہ جلا دینا۔ (پروفیسر جوڈ)

2- چاروں اناجیل یعنی متی' مرقس' لوقا' یوحنا ایک دوسرے کی کھلی تردید کرتی ہیں۔ (رینان)

3- میں نے عہد نامہ جدید میں 30 ہزار اختلافات شمار کیے۔ (جرمن ڈاکٹر میل)

4- نہیں' اناجیل میں مزید تحقیق سے میں نے دس لاکھ اختلافات پائے ہیں۔ (جان جیمز)

5- کاش! پیار محبت کی تعلیم دینے والے مسیح کی زندگی کا ایک واقعہ بھی انجیل میں ایسا مل جاتا کہ انہوں نے اپنے مخالفوں سے پیار محبت کا سلوک کیا ہو۔ (کلامونٹے فور)

6- لیکن جو چیز اس سے بھی زیادہ افسوسناک ہے وہ حضرت عیسیٰؑ کا وہ کیریکٹر ہے جو اناجیل پیش کرتی ہیں (گڈ اینڈ ایول' جوڈ)

7- اگر میرے جھوٹ کے سبب سے خدا کی سچائی اور جلال ظاہر ہو تو میں گناہ گار کیوں؟ (سینٹ پال' بقول مائیکل ہارٹ عیسائیت کا اصل بانی) پال کا یہ قول بائبل میں موجود ہے۔

8- دراصل شروع میں 34 انجیلیں تھیں جنہیں لوگوں کی زبانی روایات کے ذریعے مرتب کیا گیا تھا۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا) ان میں سے چار کو چن لیا گیا اور 30 کو نہ جانے کیوں چھوڑ دیا گیا!

9- عیسیٰؑ اور آپ کے حواریوں کی زبان آرامی تھی لیکن اناجیل یونانی زبان میں لکھی گئیں۔

یروشلم کے ایک شخص نے لوگوں سے سن کر مسیح ؑ کی بائیوگرافی لکھی۔ یہی انجیل ہے۔ (سپنگلر)

-10 انجیل میں جس قسم کا اخلاقی ضابطہ دیا گیا ہے' اسے کسی معاشرے میں نافذ کر دیا جائے تو نتیجہ فوری موت کے سوا کچھ نہ ہوگا (پروفیسر وائٹ ہیڈ)

-11 325ء میں یونانی زبان کی 34 اناجیل حواریوں کے 113 خطوط (قسطنطین اعظم کی دہشت تلے) نیقیہ Nicaea کی کونسل میں پیش ہوئے۔ رات بھر اس لٹریچر کو فرش پر بکھیر دیا گیا۔ صبح ہوئی تو کچھ کتابیں اور خطوط میز کے اوپر رکھے تھے۔ یہی وہ چار انجیلیں اور چند خطوط ہیں جنھیں مقدس سمجھ لیا گیا۔ (ریورینڈ آئزک بوائل)

-12 عیسائیت میں صرف عقیدے کی تبلیغ ہے نہ کہ اخلاق اور اعمال کی' بس اتنا کہنے سے کہ مسیح ؑ میری خاطر ملعون و مصلوب ہوئے' انسان تمام ذمہ داریوں سے چھوٹ جاتا ہے۔ (برٹرینڈ رسل)

-13 مسیح ؑ کی تعلیم میں عملی اخلاقیات اور قوانین کا سراغ تک نہیں ملتا۔ صرف ایک مرتبہ شادی کے بارے میں کچھ فرمایا اور طلاق کی ممانعت کی۔ (موسیو رینان)

-14 بہت کم سکالر اس بات سے اختلاف کر سکتے ہیں کہ چوتھی انجیل کسی گمنام تصوف پسند نے 95ء اور 125ء کے درمیان لکھی۔ (ڈاکٹر ڈبلیو۔ آر۔ انج)

-15 پہلی انجیل ایک یہودی مرقس نے 64ء میں لکھی۔ (یوسی بس)

-16 انجیلیں کیا ہیں؟ 95 فیصد سینٹ پال۔ پال وہ پال جو درحقیقت مسیح ؑ سے کبھی نہیں ملا۔ (مینکن)

-17 مسیح کے جی اٹھنے کی شہادت میری میگڈلینی کے سوا کسی نے نہیں دی اور میگڈلینی سے مسیح نے سات بدروحوں کو نکالا تھا۔ (ڈاکٹر مارکس ڈوڈ)

-18 ازلی گناہ (اوریجنل سن Original Sin) کا عقیدہ ازلی خرابی ہے۔ (آر ایف جانسن)

-19 عیسیٰ ؑ کا طریقہ علاج معجزاتی نہیں تھا' نفسیاتی تھا۔ (آئی آر مکلم)

-20 کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ مجوسیوں کے متھرا کی داستان صدیوں پہلے سے چلی آرہی تھی جو سینٹ پال نے مسیح کے بارے میں گھڑ لی۔ وہی بے باپ کی پیدائش' وہی تیسرے دن جی اٹھنا' وہی کفارے کا عقیدہ اور خدا کا میمنا (Lamb)' متھرا کی تاریخ پیدائش بھی وہی ہے 25 دسمبر! اسکندریہ کی لائبریری 390 عیسائیوں نے اس لیے جلائی کہ پال کی تھیولوجی کا بھانڈا نہ پھوٹ جائے۔ وہ لائبریری جس میں متھرا کی کہانی کا حرف حرف عیسیٰ ؑ کی داستان سے ملتا تھا۔ (جولین ہکسلے) اور (جارج سارٹن)

-21 انجیل کو قبول کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے عقل کی آنکھیں بند کر کے پڑھا جائے۔

تنقیدی نگاہ رکھنے والے کے لیے انجیل میں انسانی ذہن کی توہین کے سوا اور کیا ہے؟ مذہب کا پیغام ایسا ہونا چاہیے جو عام آدمی بھی سمجھ لے اور ذہین انسان کی عقل بھی اسے قبول کرے۔ (جولین ہکسلے)

-22 مسیحؑ کی ابنیت (یعنی خدا کا بیٹا ہونا) تاریخ کا سب سے بڑا افسانہ ہے۔ (لارڈ بشپ آف کنٹر بری کمیشن) ''چرچ آف انگلینڈ England 1810ء''

-23 عیسائیت میں پہلے عقیدے قائم کیے جاتے ہیں پھر عقل ادھر ادھر سے ان عقیدوں کے لیے دلائل فراہم کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ (کارلائل)

-24 خدا کی طرف واپسی کی بنی نوع کو سخت ضرورت ہے لیکن بد قسمتی سے اس بارے میں انجیل کوئی راستہ نہیں دکھا سکتی۔ (برگساں)

-25 عیسائی دنیا میں خدا کی بات خدا کے متعلق نہیں ہوتی۔ لوگ خدا کے بارے میں اپنے تصور کی بات کرتے ہیں۔ (باردیو)

-26 عیسائیت میں مظلوموں سے ہمدردی کا اظہار تو مل جائے گا لیکن ظلم کے خلاف کچھ نہیں کہا جائے گا۔ (ڈاکٹر فالنٹا ڈی گارسیا)

-27 عیسائی عقیدے کی رُو سے عورتیں جنت میں نہیں جاسکتیں۔ سوال پیدا ہوا کہ مریم کا کیا بنے گا تو یہ عقیدہ تراش لیا گیا کہ وہ مرد بنا دی جائیں گی۔ (باس ورتھ سمتھ اور سینٹ تھامس)

-28 مسیحؑ کی ابنیت یعنی خدا کا بیٹا ہونا' تثلیث (Trinity) انسانیت کے گناہوں کا کفارہ دینے کے لیے مسیح کا خدا کی بھیڑ بن جانا اور اپنی جان دے دینا عیسیٰؑ کی تعلیم نہیں۔ یہ سب سینٹ پال کی ایجاد ہیں۔ وہ سینٹ پال جو درحقیقت عیسیٰؑ سے ملا تک نہیں۔ (کیسٹنگو)

-29 عیسائیت شکست خوردوں کا مذہب ہے۔ ایسا مذہب جہاں کوئی شے قابل اعتماد نہیں۔ (ڈوری)

-30 حق و باطل اور عدل وانصاف سے عیسائیت کی روح یکسر بے حس ہے۔ (ڈاکٹر فالنٹا)

-31 عیسائیت نہیں بنی نوع انسان کی فلاح کے لیے ہمیں صاحبؐ قرآن کی طرف دیکھنا ہوگا۔ (لوئی ممفورڈ)

-32 تہذیب ایک خطرناک دوراہے پر کھڑی ہے۔ انسانیت کی بقا کے لیے بائبل محکم بنیاد فراہم نہیں کرسکتی۔ (لارڈ سیل)

-33 بائبل کی رُو سے عالمگیر مذہب قائم نہیں ہوسکتا نہ بنی نوع انسان امت واحدہ بن سکتی ہے۔ (ایرک فروم)

-34 عیسائیت نے کتنے لوگوں کو زندہ جلایا جنہوں نے کہا تھا کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے۔ انسان کی تخلیق صرف چھ سات ہزار سال پہلے ہوئی۔ یہ بات آپ صرف گرجا میں پڑھا سکتے ہیں۔ حوا آدم کی پسلی سے پیدا ہوئی تو عورت کے حقوق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ گلیلیو جیسے

عظیم سائنس دان کو زمین کی گردش بیان کرنے پر صرف بائبل کے پجاری نظر بند کر سکتے ہیں اور نظام شمسی کو درست لیکن بائبل کے خلاف بیان کرنے پر کوپر نیکس جیسے عظیم فلک شناس کی زندگی جہنم بنا سکتے ہیں۔ (جولین ہکسلے)

-35 نیوٹن انجیل پڑھاتا تھا۔ اگر وہ انجیل پر یقین بھی رکھتا تو کبھی سائنس دان نہ بنتا۔ (لارڈ لٹن)

-36 عیسائیت میں اعمال پر بھروسہ کرنے والا لعنتی ٹھہرتا ہے تو پھر اچھے اعمال کیوں کیے جائیں؟ (ڈلہوزی)

-37 اگر میں آدم کا گناہ لے کر پیدا ہوا ہوں تو خدا نے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے۔ (مارک اٹلی)

-38 بائبل قدم قدم پر سائنس سے ٹکراتی ہے وہی سائنس جو قدم قدم پر قرآن کی سچائی کی شہادت دیتی ہے۔ (ڈاکٹر موریس بوکے)

-39 عیسائیت کا خدا کیا بے بس خدا ہے کہ اپنے بیٹے کا خون بہائے بغیر انسان کی بخشش نہیں کرسکتا۔ (لینن)

-40 دنیا کا سب سے مشکل حساب کا سوال یہ ہے کہ خدا ایک میں تین بھی ہے اور تین میں ایک بھی۔ (نطشے)

رضوان تحمید مسلم

توہین رسالت ﷺ کی سزا قرآن و بائبل میں

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں بہت سی قوموں کا ذکر فرمایا ہے جن میں نوح' ہودؑ صالحؑ' ابراہیم اور لوط وغیرہ کی قومیں شامل ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتایا ہے کہ ان قوموں کو کس طرح درد ناک عذاب میں مبتلا کیا گیا۔ کوئی قوم سیلاب کی نذر ہوگئی' کسی کو آندھی اور طوفان نے تباہ کردیا اور کوئی زلزلوں اور آسمانی بجلیوں کا شکار ہوگئی۔ لیکن ہم سوچتے ہیں کہ اللہ نے ان قوموں پر عذاب کیوں بھیجا' انہیں سزا کیوں دی جب کہ اللہ تو بڑا بے نیاز ہے' اپنی ذات میں آپ محمود ہے اور اسے ہماری تعریفوں اور ہماری عبادتوں کی کوئی ضرورت نہیں جیسا کہ وہ آپ فرماتا ہے:

من عمل صالحاً فلنفسه ومن اساء فعليها

''جو اچھے اعمال کرتا ہے تو اپنے لیے کرتا ہے اور جو برے اعمال کرتا ہے تو وہ بھی اسی کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔'' (حم السجدہ: 46)

گویا ہمارے اچھے یا برے اعمال ہمارے ہی لیے ہیں۔ خدا کو ان کی کوئی ضرورت نہیں نہ ہمارے اچھے اعمال کے باعث خدا کی عظمت میں کوئی اضافہ ہوتا ہے اور نہ ہی ہماری نافرمانیوں کے باعث اس کی بادشاہی میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے۔ درج ذیل حدیث سے بات بالکل واضح ہو جاتی ہے:

يا عبادى لو ان اولكم واخر كم انسكم وجنكم كانوا على اتقى قلب رجل واحِد منكم ما زاد فى ملكى شيئا يا عبادى لو ان اولكم واخر كم وانسكم وجنكم كانوا على افجر قلب رجل واحدمنكم مانقص ذٰلك من ملكى شيئا.

''اے میرے بندو! اگر تم میں سے سب انسان جو پہلے گزر چکے ہیں اور وہ سب جو بعد کو پیدا ہوں گے اور تمام اِنس اور تمام جن' اس شخص کی طرح نیک ہو جاتے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے تو یاد رکھو' اس سے میری بادشاہی میں کچھ بھی اضافہ نہ ہوتا اے میرے بندو! اگر وہ سب جو پہلے گزر چکے اور وہ سب جو بعد کو

پیدا ہوں گے اور تمام انس اور تمام جن' اس شخص کی طرح بدکار ہو جاتے جو تم میں سب سے زیادہ بدکار ہے تو اس سے میری بادشاہی میں کچھ بھی نقصان نہ ہوتا۔
(مسلم۔ ابوذر غفاریؓ)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر بندوں کے اچھے اعمال کے باعث خدا کی بادشاہی میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا اور برے اعمال کے باعث خدا کی بادشاہی میں کمی نہیں آتی تو پھر اس نے قوموں کو کیوں اُجاڑا اور ان پر دردناک عذاب کیوں نازل کیا؟ باری تعالیٰ خود ہی اس کا جواب قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں اور مختلف قوموں پر عذاب بھیجنے کی صرف اور صرف ایک وجہ بیان کرتے ہیں یعنی توہین رسالت۔ ذیل میں ہم دیکھیں گے کہ ہر قوم نے اپنے نبی کے ساتھ گستاخی کی جس کے باعث وہ عذاب الٰہی کا شکار ہوئی۔ لیکن سب سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ کہیں اس کائنات کے سب سے پہلے گنہگار یعنی ابلیس نے بھی تو توہین رسالت کا جرم نہیں کیا تھا جس کے باعث اسے ہمیشہ کے لیے لعنتی قرار دے دیا گیا۔

ابلیس پر عذاب کی وجہ

اس کائنات میں جو سب سے پہلا گناہ کیا تھا وہ توہین رسالت تھا اور کائنات کے سب سے پہلے گستاخ رسول کا نام ابلیس تھا جس نے اللہ کے سب سے پہلے رسول حضرت آدم کو سڑے ہوئے سوکھے گارے سے پیدا شدہ ایک حقیر مخلوق قرار دے کر اُن کی توہین کی اور اُن کی اطاعت کرنے سے انکار کر دیا' جس پر اللہ تعالیٰ نے اسے یہ سزا دی کہ ہمیشہ کے لیے ٹھکرایا ہوا لعنتی قرار دے دیا۔ درج ذیل قرآنی آیات اس بات کو ثابت کرتی ہیں۔

> وَاِذ قال ربک للملٰئکۃِ انی خالق بشراً من صلصال مِن حما مسنونo فاذا سویۃ و نفختُ فیہ مِن رُوحی فقعوالہo فسجد الملٰئکۃ کلھم اجمعونo اِلاّ ابلیس ابیٰ ان یکون مع السٰجدینo قال یا ابلیس مالک الاتکون مع السٰجِدینo قال لم اکن لا سجدلبشر خلقتہ من صلصالٍ من حمامسنون o قال فاخرج منھا فانک رجیم o وان علیک اللعنۃ الیٰ یوم الدِّین (الحجر: 28تا35)

"اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں ایک کالے سڑے ہوئے گارے سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔ پھر جب میں اس میں اپنی روح میں سے کچھ پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدہ کرنا۔ چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ اس نے سجدہ کرنے والوں میں شامل ہونے سے انکار کردیا۔ خدا نے کہا ابلیس! تجھے کیا ہوگیا ہے کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل

نہیں ہوتا۔ ابلیس نے کہا کہ میں ایسا نہیں ہوں کہ اس بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے کالے سڑے ہوئے سوکھے گارے سے بنایا۔ خدا نے کہا کہ تو جنت سے نکل جا کہ تو رجیم ہے اور یومِ جزا تک تجھ پر پھٹکار ہے۔"

اب درج بالا آیات کے اس حصے پر غور کریں کہ "چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ اس نے سجدہ کرنے والوں میں شامل ہونے سے انکار کر دیا" تو پتا چلتا ہے کہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پھر بھی جنت سے نہ نکالا اور نہ ہی کوئی اور سزا دی بلکہ اس سے حکم عدولی کی وجہ پوچھی جیسا کہ درج بالا آیات کے اس حصہ سے پتا چلتا ہے کہ "خدا نے کہا ابلیس! تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہیں ہوتا۔" اگر اللہ کو اپنی نافرمانی پر ہی ابلیس کو سزا دینی ہوتی تو اس سے نافرمانی کی وجہ نہ پوچھتا بلکہ فوراً نافرمانی کرتے ہی اسے جنت سے نکال دیتا۔ خدا تعالیٰ کے پوچھنے پر ابلیس نافرمانی کی وجہ بتاتا ہے کہ "میں ایسا نہیں ہوں کہ اس بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے کالے سڑے ہوئے سوکھے گارے سے بنایا۔" گویا ابلیس رسولِ خدا حضرت آدمؑ کو نہایت حقیر ثابت کرنے کی کوشش کر کے ان کی توہین کرتا ہے۔ خدا کو اپنے رسول کی توہین برداشت نہیں ہوتی اور وہ سزا کے طور پر ابلیس کو ہمیشہ کے لیے قابلِ نفرت، ٹھکرایا ہوا اور لعنتی قرار دے دیتا ہے، جیسا کہ درج بالا آیات کے اس حصے سے پتا چلتا ہے کہ "خدا نے کہا کہ تو جنت سے نکل جا اور تو رجیم ہے اور یومِ جزا تک تجھ پر پھٹکار ہے۔"

آیئے ذرا قرآن کے الفاظ میں دیکھتے ہیں کہ ابلیس کا اصل جرم کیا تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فسجدوا اِلاّ ابلیس ابیٰ واستکبر و کان من الکفرین (البقرہ: 34)

"پس سب فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس نے تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔"

گویا قرآنِ پاک کے الفاظ میں ابلیس کا جرم تکبر تھا۔ مگر اس نے کیا تکبر کیا؟ اس نے یہ تکبر کیا کہ اللہ کے رسول حضرت آدمؑ کو کمتر اور گھٹیا سمجھا۔ اب کوئی کہے کہ ابلیس کا اصل جرم تو تکبر تھا آدم کی توہین نہیں تو یہ ایسے ہی ہو گا جیسے کوئی کہے کہ چور کا اصل جرم تو چوری ہے، نہ کہ اس شخص کا نقصان جس کی چوری ہوئی ہے۔ حالانکہ چوری تو صرف ایک لفظ ہے اور یہ اُس وقت جرم بن جاتا ہے جب یہ کسی دوسرے کے نقصان کا نام بن جاتا ہے۔ اسی طرح تکبر بھی صرف ایک لفظ ہے لیکن یہ اس وقت ابلیس کا ناقابلِ معافی جرم بن گیا جب اس نے اللہ کے رسول حضرت آدمؑ کی توہین کی۔

قومِ نوحؑ پر عذاب کی وجہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كذّب قبلهم قوم نوح فكذّبوا عبدنا و قالوا مجنون وازدجرo فدعاربه انی مغلوب فانتصر o ففتحنا ابواب السماء بما منهمر o وفجرنا الارض عیوناً فالتقی الماء علیٰ امر قد قدرo وحملنه علی ذات الواح ودسرo تجری باعیننا جزاء لمن کان کفرo

''ان سے پہلے نوحؑ کی قوم جھٹلا چکی ہے۔ انہوں نے ہمارے بندے کو جھوٹا قرار دیا اور کہا کہ یہ دیوانہ ہے اور بری طرح جھڑکا گیا۔ آخر کار اس نے اپنے رب کو پکارا کہ ''میں مغلوب ہو چکا ہوں' اب تو ان سے انتقام لے۔'' تب ہم نے موسلا دھار بارش سے آسمان کے دروازے کھول دیئے اور زمین کو پھاڑ کر چشموں میں تبدیل کر دیا۔ یہ سارا پانی اس کام کو مکمل کرنے کے لیے مل گیا جو مقدر ہو چکا تھا اور نوح کو ہم نے تختوں والی اور کیلوں والی پر سوار کر دیا جو ہماری نگرانی میں چل رہی تھی۔ یہ تھا بدلہ اس شخص کی خاطر جس کی توہین کی گئی۔

(سورہ القمر: آیت نمبر: 9 تا 14)

اب ان آیات کے اس حصے پر غور کریں کہ ''یہ تھا بدلہ اس شخص کی خاطر جس کی توہین کی گئی'' تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ قوم نوح پر عذاب صرف اسی لیے آیا کہ اس نے اپنے نبی کو جھوٹا اور دیوانہ کہا اور انہیں بری طرح جھڑکا۔ گویا توہین رسالت کی مرتکب ہوئی۔

قومِ ہودؑ پر عذاب کی وجہ

ہود کی قوم کو عاد کہا جاتا تھا۔ اس قوم نے اپنے ہادی و رہنما کو کس انداز میں جھٹلایا ہم دیکھتے ہیں:

وما نحن لک بمؤمنینo ان نقول الا اعترلک بعض الهتنا بسوء

''اور ہم کسی طرح تمہارا یقین کرنے والے نہیں۔ اور ہمارا کہنا تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے تم کو کسی خرابی (مثلاً دیوانگی وغیرہ) میں مبتلا کر دیا ہے۔ (سورہ ہود آیت نمبر 53-54)

اللہ تعالیٰ سے اپنے خاص بندے کی توہین برداشت نہ ہوئی اور اس نے گستاخ رسول قوم کو عذاب میں مبتلا کر دیا۔ لہٰذا ارشاد ہوتا ہے:

کذّبت عاد o فکیف کان عذابی ونذر o انا ارسلنا علیهم ریحاً صرصرا فی یوم نحس مستمرo تنزع الناس کانهم اعجاز نخل منقعرo

عاد نے جھٹلایا' تو دیکھ لو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسی تھیں میری تنبیہات۔ ہم ایک سخت نحوست کے دن سخت طوفانی ہوا بھیجی جو لوگوں کو اٹھا اٹھا کر اس طرح پھینک

رہی تھی جیسے وہ جڑ سے اکھڑے ہوئے کھجور کے تنے ہوتے۔
(سورہ القمر:18تا21)

ثمود پر عذاب بھیجنے کی وجہ

ثمود نے بھی اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کو بہکا ہوا' بے وقوف' پرلے درجے کا جھوٹا اور ڈینگیں مارنے والا شخص قرار دیا۔ تو اللہ کو کب اپنے پیغمبر کی توہین برداشت ہوتی ہے۔ لہٰذا قوم کو عذاب میں مبتلا کر دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:(ترجمہ)

''ثمود نے تنبیہات کو جھٹلایا اور کہنے لگے ''ایک اکیلا آدمی جو ہم ہی سے ہے اور اب ہم اس کے پیچھے چلیں؟ اس کا اتباع ہم قبول کر لیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم بہک گئے ہیں اور ہماری عقل ماری گئی ہے۔ کیا ہمارے درمیان بس یہی ایک شخص تھا جس پر خدا کا کلام نازل ہونا تھا۔ نہیں بلکہ یہ پرلے درجے کا جھوٹا اور خود پسند ڈینگیں مارنے والا شخص ہے۔ (ہم نے اپنے پیغمبر سے کہا) کہ کل ہی انہیں معلوم ہوا جاتا ہے کہ کون پرلے درجے کا جھوٹا اور ڈینگیں مارنے والا ہے۔ ہم اونٹنی کو ان کے لیے فتنہ بنا کر بھیج رہے ہیں۔ اب ذرا صبر کے ساتھ دیکھ کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے۔ ان کو جتلا دے کہ پانی ان کے اور اونٹنی کے درمیان تقسیم ہوگا اور ہر ایک اپنی باری کے دن پر آئے گا۔ آخر کار انہوں نے اپنے آدمی کو پکارا اور اس نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور اونٹنی کو مار ڈالا۔ پھر دیکھ لو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسی تھیں میری تنبیہات۔ ہم نے ان پر بس ایک ہی دھماکہ چھوڑا اور وہ باڑے والے کی روندی ہوئی گھاس کی طرح بھس ہو کر رہ گئے۔'' (القمر:23تا31)

درج بالا آیات کا یہ حصہ کہ ''کل ہی انہیں معلوم ہوا جاتا ہے کہ کون پرلے درجے کا جھوٹا اور ڈینگیں مارنے والا خود پسند ہے'' ظاہر کرتا ہے کہ عذاب کی اصل وجہ نبی کی توہین ہی تھی' جس کا بدلہ لینے کے لیے پہلے اونٹنی کو فتنہ بنایا گیا اور پھر ایک زبردست دھماکے سے سب گستاخ رسول فنا کیے گئے۔

اونٹنی کا فتنہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بستی میں اچانک ایک اونٹنی لا کھڑی کی اور صالح علیہ السلام کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ کنوئیں پر سے ایک دن اونٹنی پانی پیئے گی اور ایک دن بستی کے لوگ۔ اونٹنی اتنی خطرناک تھی کہ جس دن وہ پانی پینے کے لیے کنوئیں پر آتی کسی دوسرے کو وہاں آنے کی جرأت نہ ہوتی۔ یہ سلسلہ کافی عرصہ تک چلتا رہا جس کی وجہ سے لوگوں کو کچھ کچھ یقین آنے لگا کہ صالح علیہ السلام کے ساتھ خدا کی مدد شامل ہے۔ لیکن اس قوم کے ایک لڑاکا آدمی نے اونٹنی کو مار ڈالا۔ اللہ سمجھ گیا کہ یہ اب اصلاح کے قابل نہیں لہٰذا ایک دھماکے سے سب کو فنا کر دیا۔

قومِ لوط پر عذاب کی وجہ

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم ایک بدکار قوم تھی اور غیر فطری فعل کیا کرتی تھی۔ لوط نے انہیں منع کیا تو وہ آپ سے عداوت رکھنے لگے اور اسی عداوت کی وجہ سے ان پر عذاب نازل ہوا۔ قرآن پاک میں اللہ کے ایک اور پیغمبر شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو ڈرانے کے لیے قومِ لوط پر عذاب بھیجے جانے کی یہی وجہ بتاتے ہیں کہ انہوں نے اپنے نبی سے عداوت رکھی تھی۔ ذیل کی آیت میں اللہ تعالیٰ بتا رہے ہیں کہ شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے کیا کہا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ویقوم لا یجرمنکم شقاقی ان یصیبکم مثل ما اصاب قوم نوح او قوم هُود او قوم صلح و ما قوم لوط منکم بعیدo

اور اے میری قوم میرے ساتھ تمہاری عداوت کہیں تم پر بھی وہ مصیبتیں نہ لے آئے جو قومِ نوح یا قومِ عاد یا قومِ صالح پر آئی تھیں اور قومِ لوط بھی تم سے کوئی بہت پہلے نہیں ہو گزری۔ (ہود :89)

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر عذاب کی وجہ

حضرت شعیب نے اپنی قوم کو سمجھاتے ہوئے کہا:

ویقوم اوفو المکیال والمیزان بالقسط ولا تبخسوا الناس اشیاء هم ولا تعثوافِی الارضِ مفسدینo

اور اے میری قوم تم ناپ اور تول پورا پورا کیا کرو اور لوگوں کا ان چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور زمین میں فساد کرتے ہوئے حد سے نہ نکلو۔

(ھود :85)

لیکن ان کی قوم نے برے کاموں سے توبہ کرنے کی بجائے اُلٹا حضرت شعیب کو ڈانٹا اور ان کو قتل کرنے کی دھمکی دی اور کہا کہ تم ہم پر کیا عذاب لاؤ گے۔ الٹا ہم تم پر ایک رسوا کن عذاب لے آئیں گے یعنی تم کو سنگسار کر دیں گے۔ جیسا کہ قرآن حکیم کی درج ذیل آیات سے ظاہر ہوتا ہے۔

ولو لا رھطک نرجمنک وما انت علینا بعزیزo

اور اگر تمہارے خاندان کا خیال نہ ہوتا تو ہم تم کو کبھی کا سنگسار کر چکے ہوتے اور ہماری نظر میں تمہاری تو کچھ عزت ہے نہیں (ہود:91)

اس پر شعیب علیہ السلام نے خدا کے حکم سے اپنی قوم سے فرمایا:

ویقوم اعملوا علٰی مکانتکم انی عامل سف تعلمون من یاتیه عذاب یخزیه ومن ہو کاذب وارتقبوا انی معکم رقیبo

اے میری قوم تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو اور میں (اپنے طور پر) عمل کر رہا ہوں۔ اب جلد ہی تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کس پر رسوا کن عذاب آتا ہے اور جھوٹا کون ہے اور تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔(ہود!93)

اب درج بالا آیات کے اس حصہ پر غور کریں کہ "اب جلد ہی تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کس پر رسوا کن عذاب آتا ہے اور کون جھوٹا ہے" تو پتا چلتا ہے کہ عذاب کی اصل وجہ شعیب علیہ السلام کی توہین ہی تھی۔ ہم نے دیکھا کہ نبی کی توہین کرنے پر اللہ تعالیٰ نے رسوا کن عذاب کی وعید سنائی اور پھر بھی نافرمانی کرنے پر عذاب بھیج بھی دیا لہٰذا ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

واخذت الذین ظلموا الصیحته فاصبحوا فی دیارھم جثمینo

اور ان ظالموں کو ایک سخت آواز نے آ پکڑا۔ سو اپنے گھروں میں اوندھے گرے رہ گئے (یعنی مر گئے) جیسے کبھی ان گھروں میں بسے ہی نہ ہوں۔(ہود:94)

دیکھیے وہ جو نبی کو سنگسار کے رسوا کن عذاب میں مبتلا کرنے کی بات کرتے تھے خود ہی ایک تیز آواز کے باعث مکانوں کے گر جانے سے پتھروں کے نیچے آ کر سنگسار ہو گئے۔

قومِ موسیٰ پر عذاب کی وجہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک اور رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجا۔ فرعون خود کو خدا کہا کرتا تھا اور اپنی رعایا کو بھی مجبور کرتا کہ اسے خدا مانیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے راہ راست پر آ جانے کی نصیحت کی لیکن وہ نہ مانا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی سخت توہین کی اور آپ کو کبھی جادوگر کہہ کر پکارا اور کبھی مجنون اور بہکا ہوا انسان۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کو توہین رسالت کا مجرم گردانتے ہوئے سزائے موت دی اور اسے اس کے لشکر سمیت سمندر میں ڈبو دیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

وفی مُوسٰی اِذ ارسلنه الی فرعون بسُلطنٍ مبینo فتولی برکنه وقال سحرا ومجنونo فاخذنه وجنوده فنبذنھم فی الیم وھو ملیمo

(اور تمہارے لیے نشانی ہے) موسیٰ کے قصے میں۔ جب ہم نے اسے کھلی نشانی کے ساتھ فرعون کے پاس بھیجا تو وہ اپنے بل بوتے پر اکڑ گیا اور بولا یہ جادوگر ہے یا مجنون ہے۔ اس لیے ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑا اور سب کو سمندر میں پھینک دیا اور وہ ملامت زدہ ہو کر رہ گیا۔(الذاریات:38تا40)

مسیح علیہ السلام کی قوم پر عذاب بھیجنے کی وجہ

عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو زیادتیاں ہوئیں۔ ان کا بائبل میں خوب ذکر ہوا ہے۔ لہٰذا ہم

لوقا کی انجیل میں پڑھتے ہیں:

"جو آدمی یسوع کو پکڑے ہوئے تھے اُس کو ٹھٹھوں میں اُڑاتے اور مارتے تھےo اور اس کی آنکھیں بند کر کے اس سے پوچھتے تھے کہ نبوت سے بتا تجھے کس نے مارا o" (بحوالہ انجیل لوقا' باب نمبر 22 آیات نمبر 64-64)

یہ وہ وقت تھا جب جروشلم کے لوگ عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے خیال میں سولی پر چڑھانے کے لیے لے جارہے تھے۔ لہٰذا وہ ساتھ ساتھ پیغمبر علیہ السلام کی توہین بھی کرتے جارہے تھے۔ اس موقع پر اللہ نے اپنے پیغمبر کی کس طرح مدد کی اور توہین کرنے والوں کو کیا سزا دی ہم قرآن پاک کے الفاظ میں پڑھتے ہیں:

اِذ قال الله یٰعیسیٰ انی متوفیک ورافعک الی ومطھرک مِن الَّذِین کفرو وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفرو وا الیٰ یوم القیمتہo

جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اے عیسیٰ (کچھ غم نہ کرو) بے شک میں تم کو وفات دینے والا ہوں اور فی الحال میں تم کو اپنی طرف اٹھائے لیتا ہوں اور تم کو ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جنہوں نے کفر کیا اور جنہوں نے تمہارا کہا مانا انہیں کفر کرنے والوں پر غالب لاتا ہوں۔ (آل عمران:55)

خیال رہے کہ یہاں کفر کرنے سے مراد پیغمبر کو حقیر سمجھتے ہوئے اس کی بات نہ ماننا ہی ہے۔ جیسا کہ ارشاد اللہ بھی ہے کہ:

قال عِیسیٰ ابن مریم للحوارین مِن انصاری الی الله قال الحواریون نحن انصار الله فامنت طائفته مِن بنی اِسرائیل وکفرت طائفة فایدنا الذین اٰمنوا علیٰ عدوھم فاصبحوا ظھرینo (الصف:14)

عیسیٰ ابن مریم نے اپنے حواریوں سے کہا کہ کون اللہ کی راہ میں میرا مددگار بنے گا؟ حواری بولے کہ ہم اللہ کے مددگار بنیں گے۔ پس بنی اسرائیل کی ایک جماعت ایمان لائی لیکن دوسری جماعت نے کفر کیا۔ پس ہم نے ایمان والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد کی اور وہ حکمران بنا دیئے گئے۔

گویا نبی کی بات ماننے والے اس کی مدد کے لیے تیار ہونے والے مومن ٹھہرے اور نبی کی مدد نہ کرنے والے کافر اور نبی اور اس کے ساتھیوں کے دشمن قرار دیئے گئے۔ مومنوں کو انعام یہ دیا گیا کہ انہیں حکمران بنادیا جبکہ کافروں کو ان کا غلام۔ اب غلامی سے بڑھ کر کون سا عذاب ہوسکتا ہے اور غلامی بھی ان کی جنہیں آپ کمتر اور ذلیل سمجھتے ہوں۔

حضرت محمد ﷺ کی قوم پر عذاب کی وجہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وان یکذبوک فقد کذّبت قبلھم قوم نُوح وّعاد وّ ثمودo وَ قوم ابراھیم و قوم لُوطo و اصحٰب مدین و کذب موسیٰ فاملیت للکفرین ثم اخذتھم فکیف کان نکیرo

(ترجمہ) اے محمدؐ اگر انہوں نے (کفارِ مکہ نے) تم کو جھٹلایا ہے تو ان سے پہلے قومِ نوح اور عاد اور ثمود اور قومِ ابراہیم اور لوط اور اہلِ مدین بھی جھٹلا چکے ہیں اور موسیٰ بھی جھٹلائے جا چکے ہیں۔ ان سب منکرین کو میں نے پہلے مہلت دی۔ پھر پکڑ لیا۔ اب دیکھ لو کہ کیسی تھی میری ناراضگی اور کیسی تھی میری مار (الحج:44)

پھر سورۃ القمر میں ارشاد ہوتا ہے:

اکفار کم خیر من اولئکم ام لکم براء ۃ فی الزبرo ام یقولون نحن جمیع منتصرo سیھزم الجمع ویولّون الدّبرo

کیا تمہارے کفار کچھ ان لوگوں (یعنی عذاب زدہ قوموں) سے بہتر ہیں؟ یا آسمانی کتابوں میں تمہارے لیے کوئی معافی لکھی ہوئی ہے؟ یا ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ ہم ایک مضبوط گروہ ہیں اور اپنا بچاؤ کرلیں گے؟ عنقریب یہ گروہ شکست کھا جائے گا اور سب پیٹھ پھیر کر بھاگتے نظر آئیں گے۔ (سورہ القمر:45)

قرآن آیات کی روشنی میں ہم نے دیکھا کہ حضرت محمدؐ کو بھی ان کی قوم نے اسی طرح جھٹلایا اور ان کی توہین بھی اسی طرح کی جس طرح پچھلی قوموں نے اپنے نبیوں کی توہین کی تھی۔ لہٰذا کفارِ مکہ کو بھی سزا دی گئی اور وہ سزا جنگ بدر میں کفار کی مسلمانوں کے ہاتھوں شکست تھی۔ جیسا کہ درجِ بالا آیات کے ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ ”عنقریب یہ گروہ شکست کھا جائے گا اور سب پیٹھ پھیر کر بھاگتے نظر آئیں گے۔“

حضرت عبداللہ بن عباس کے شاگرد عکرمہ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے تھے جب سورہ القمر کی یہ آیت نازل ہوئی تو میں حیران تھا کہ کون سا گروہ شکست کھائے گا۔ مگر جب جنگ بدر میں کفار شکست کھا کر بھاگ رہے تھے اس وقت میں نے دیکھا کہ رسول اللہؐ زرہ پہنے ہوئے آگے کی طرف جھپٹ رہے ہیں اور آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہیں کہ ”سیھزم المجمع و یولّون الدبر یعنی عنقریب یہ گروہ شکست کھا جائے گا اور سب پیٹھ پھیر کر بھاگتے نظر آئیں گے۔“ تب میری سمجھ میں آیا کہ یہ تھی وہ شکست جس کی خبر دی گئی تھی۔ (ابن جریر۔ ابن ابی حاتم)

جنگ بدر میں کفار کے سب بڑے بڑے سردار جن میں ابوجہل، عتبہ، ولید، شیبہ، سعد بن العاص

اور امیہ بن خلف جیسے شیاطین اور گستاخ رسول شامل تھے مارے گئے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے دوسری قوموں کی طرح حضرت محمدؐ کی قوم کو بھی پہلے مہلت دی اور پھر پکڑ لیا۔ توہین رسالت کے تمام مجرموں کو سزائے موت دی۔ اگرچہ جنگ بدر میں کفار کی تعداد مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تھی اور مسلمانوں میں بے سروسامانی کا عالم علیحدہ تھا۔ مگر پھر بھی فتح مسلمانوں کی ہوئی۔ کیا یہ عیسیٰ علیہ السلام کے کمزور حواریوں والا معاملہ نہ تھا جنہیں اللہ نے طاقت وروں پر غالب کر دیا تھا اور کیا یہ حضرت صالح کی اونٹنی والا معاملہ نہ تھا جس نے ساری قوم کو خوف زدہ کر دیا تھا۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ جنگ بدر کفار مکہ کے لیے عذاب نہ تھا۔

جنگ بدر کے بعد اب ہم جنگ اُحد کے واقعات پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ کچھ اصحاب رسولؐ سے بھی رسول اللہ کی توہین ہوگئی۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی معاف نہیں کیا اور بہت سے صحابہ اکرام رضوان اللہ علیہ اجمعین کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے غم بھی برداشت کرنے پڑے۔ قرآن پاک میں اس واقعہ کا ذکر یوں ہوتا ہے۔

اذ تصعدون ولا تلون علیٰ اَحد والرسول یدعُو کم فی اخر کم فَاَثابکم غمابغم

جب تم بھاگے چلے جا رہے تھے اور مڑ کر بھی کسی کو نہ دیکھتے تھے حالانکہ رسولؐ کھڑے تمہیں پیچھے سے بلاتے تھے۔ پس اللہ نے اس کے بدلے تمہیں غم پر غم دیئے (آلِ عمران:153)

دراصل رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا دور مکی دور تھا جس میں آپؐ نے اللہ کے حکم سے ہر طرح کی گستاخی اور زیادتی کو زیادہ تر خاموشی سے برداشت کیا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ مسلمانوں کی جماعت بن جائے جس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ کفار کو سزا دے سکے' جیسا کہ سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے۔

یعذبهم الله بایدیکم ویخزهم

اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ہاتھوں سزا دے گا اور ان کو ذلیل کرے گا۔ (التوبہ :14)

دوسرا دور مدنی زندگی کے ابتدائی سال ہیں جب کہ مسلمانوں کی ایک جماعت بن چکی تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کے ہاتھوں جنگ بدر میں کفار مکہ کو سزا دی اور توہین رسالت کے سب مجرم قتل کیے گئے۔ آپؐ کی زندگی کا تیسرا دور مدنی زندگی کے آخری ایام ہیں۔ اس دور میں نبی کریم ﷺ کی عزت کا خیال کس طرح رکھا گیا' آیئے دیکھتے ہیں:

یایها الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صَوت النبی ولا تجهروا له بالقول کجهر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون

لوگو جو ایمان لائے ہو' اپنی آواز نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ نبی کے ساتھ

اونچی آواز سے بات کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو۔
کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔
(الحجرات:2)

یہاں نبیؐ سے اونچی آواز میں بات کرنا بھی نبیؐ کی توہین قرار دیا گیا ہے اور اس جرم کی سزا یہ بتائی گئی ہے کہ ایک شخص نے اس جرم کو کرنے سے پہلے جس قدر بھی جہاد کیے' نمازیں پڑھیں' زکوٰۃ دی' روزے رکھے' خیرات کی' راتوں کو قیام کیا سب کا سب ضائع ہو گیا۔ گویا انسان اسی حالت میں واپس آ گیا جس میں وہ ایمان لانے سے پہلے تھا یعنی دوبارہ کافر ہو گیا۔ اب جو شخص ایمان لانے کے بعد دوبارہ کافر ہو جائے تو اس کی سزا ابن عباسؓ سے روایت کردہ درج ذیل حدیث نبویؐ سے پتا چلتا ہے۔

"جو شخص ایمان لانے کے بعد دوبارہ حالت کفر پر آ جائے اس کو قتل کر دو" (بخاری' مسلم' ابن عباس) اب سورہ حجرات ہی کی درج ذیل آیات پر غور کریں:

ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلونo ولوانھم صبرواحتی تخرج الیھم لکان خیرالھم واللہ غفور رحیمo

اے نبیؐ جو لوگ تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ اگر وہ تمہارے باہر آنے تک صبر کرتے تو اُنہی کے لیے بہتر تھا مگر اللہ درگزر کرنے والا رحیم ہے۔ (الحجرات:4)

درج بالا آیات کے اس حصے پر غور کریں کہ "اگر وہ تمہارے باہر آنے تک صبر کرتے تو انہی کے لیے بہتر تھا" تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی سے ملاقات کے لیے آنے والوں کے لیے یہ کیوں بہتر تھا کہ وہ ازواج نبیؐ کے حجروں کے باہر سے نبی کو پکارتے نہ پھرتے بلکہ آپؐ کے باہر آنے تک صبر کرتے تو اس کے علاوہ کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ اس طرح وہ اس عذاب سے بچ جاتے جو اللہ اپنے نبیؐ سے گستاخی کرنے والوں کو دیا کرتا ہے۔ لیکن چونکہ انہوں نے گستاخی کی یعنی نبی کے باہر آنے تک صبر نہ کیا اس لیے وہ عذاب الٰہی کے مستحق ٹھہرے لیکن اللہ نے انہیں معاف فرمادیا کیونکہ "اللہ درگزر کرنے والا رحیم ہے۔" اور معاف کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ "ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔" یعنی انہیں یہ پتا ہی نہ تھا کہ ایک نبی سے ملاقات کرنے کے کیا آداب ہوتے ہیں۔ اب چونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو بے خبری میں سزا نہیں دیتا اس لیے اس نے لوگوں پر ان کا جرم جتلا دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ اللہ نے انہیں ان کی بے خبری کے باعث معاف بھی کر دیا ورنہ وہ عذاب کے مستحق تھے لیکن اب جبکہ انہیں خبردار کر دیا گیا ہے تو پھر دوبارہ اس طرح کا جرم کرنے پر معافی کی کوئی وجہ نہیں۔

قیامت تک پیدا ہونے والے ہر گستاخ رسول کی سزا

درج ذیل قرآنی آیات میں ہمیں قیامت تک پیدا ہونے والے ہر گستاخ رسولؐ کے لیے

سزائے موت کا حکم ملتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انما جزؤا الذین یحاربون الله ورسوله ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا اویصلبوا او تقطع ایدیهم وارجلهم من خلاف او ینفوا من الارض

جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لیے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد پھیلائیں۔ ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی پر چڑھائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں یا وہ جلاوطن کردیئے جائیں (المائدہ:33)

ان آیات میں تین جرائم کا ذکر ہوا ہے یعنی اللہ سے جنگ' اس کے رسول سے جنگ اور زمین پر فساد پھیلانے کی کوشش۔ اب اللہ تعالیٰ کوئی انسان تو ہے نہیں کہ تیر تلوار لے کر میدان جنگ میں آئے اور دشمنوں سے جنگ کرے۔ تو پھر اللہ سے جنگ کے دو ہی معنی ہوسکتے ہیں۔ یعنی یا تو اللہ کی نافرمانی اللہ سے جنگ ہے یا پھر رسولؐ سے جنگ ہی دراصل اللہ سے جنگ ہے۔ لیکن اللہ نے تو اپنے ہر حکم کی نافرمانی پر پہلے ہی سزا رکھی ہوئی ہے مثلاً چوری' زنا' قتل' جھوٹی تہمت لگانا وغیرہ۔ ہر ایک نافرمانی کی سزا مقرر ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ کی نافرمانی دراصل اللہ سے جنگ نہیں ہے' کیونکہ اللہ سے جنگ کی سزا تو قتل' جلاوطنی' سولی پر لٹکائے جانا یا پھر ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹنا ہیں جب کہ چوری جیسی نافرمانی پر صرف ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے۔ تو پھر کیا رسولؐ سے جنگ ہی دراصل اللہ سے جنگ ہے؟ تو یہ بات درست ہے کیونکہ

(i) حضرت محمد ﷺ نے فرمایا:

من رانی فقد رائی الله تعالی

جس نے مجھے دیکھا اس نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا (شمائم امدادیہ)

تو بس جس نے رسولؐ سے جنگ کی اس نے اللہ سے جنگ کی۔

(ii) بدر کی لڑائی میں جب نبی کریم نے کچھ سنگریزے اٹھا کر کفار کی طرف پھینکے جس کی وجہ سے کفار کے چہرے بگڑ گئے اور انہیں نظر آنا بند ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ومارمیت اذرمیت ولکن الله رمی

آپؐ نے نہیں پھینکے سنگریزے جس وقت پھینکے بلکہ اللہ نے پھینکے

(الانفال:17)

گویا اللہ تعالیٰ خود وہ جنگ نبی کریمؐ کی طرف سے لڑ رہا تھا اور جو کفار نبی کریمؐ سے لڑ رہے تھے وہ درحقیقت اللہ سے لڑ رہے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ رسولؐ سے جنگ کرنا دراصل اللہ سے جنگ کرنا ہے۔ لیکن اس طرح تو رسولؐ کی وفات کے بعد یہ جنگ ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے جب رسولؐ سے

جنگ نہیں ہوگی تو اللہ سے جنگ بھی نہیں ہوگی اور سزا صرف فساد پھیلانے کی کوشش کرنے والوں کے لیے باقی رہ جاتی ہے۔ اب فساد پھیلانے کی کوشش کرنا اتنا وسیع قصور ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی بات بھی فساد پھیلانے کے زمرے میں آسکتی ہے۔ مثلاً ناپ تول میں کمی بیشی بھی فساد پھیلانے کی کوشش ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ویقوم اوفوا المکیال والمیزان بالقسط ولاتبخسوا الناس اشیاء ھم ولاتعثوا فی الارض مفسدینo

اور ناپ اور تول پورا پورا کیا کرو اور لوگوں کا ان چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور زمین میں فساد کرتے ہوئے حد سے نہ نکلو (سورہ ہودؑ:85)

اب کیا ناپ تول میں کمی بیشی کرنے والوں کو بھی قتل کیا جائے یا سولی پر چڑھایا جائے یا ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں یا جلاوطن کردیا جائے؟ ہرگز نہیں کیونکہ عہد نبویؐ میں کبھی ایسا نہیں ہوا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ یہاں فساد پھیلانے سے مراد بھی اللہ اور رسولؐ سے جنگ ہی ہے کیونکہ رسولؐ جو ہر قسم کے فساد کو ختم کرنے آتے ہیں' ان سے جنگ کرنا فساد کی حمایت کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟

نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ سے جنگ کا مطلب بھی دراصل رسولؐ سے جنگ ہے اور فساد پھیلانے کی کوشش کرنا بھی دراصل رسولؐ سے جنگ ہے تو پھر یہ آیت اس وقت تک ہی قابل عمل ہے جب تک رسولؐ حیات ہیں اور جب رسول کا وصال ہوگیا تو سزا کا حکم بھی منسوخ ہوگیا۔ لیکن ہمارا ایمان ہے کہ قرآن کا ہر حکم قیامت تک قابل عمل ہے۔ تو اس کا مطلب ہے کہ رسول سے جنگ قیامت تک جاری ہے اور اس کے نتیجے میں سزا کا حکم بھی موجود ہے۔ تو پھر رسولؐ کے وصال کے بعد آپؐ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنا ہی وہ واحد عمل ہے جسے ہم رسولؐ سے جنگ قرار دے سکتے ہیں۔ رسولؐ کے ساتھ یہی جنگ اللہ کے ساتھ جنگ بھی کہلائے گی اور زمین پر فساد پھیلانے کی کوشش بھی اور اسی کی سزا یہ ہوگی کہ مجرم کو قتل کردیا جائے' سولی پر چڑھا دیا جائے' ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دیئے جائیں یا جلاوطن کردیا جائے۔

عہد رسالت میں توہین رسالت کے مجرموں کے لیے سزائیں

ہم نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریمؐ کی شان میں گستاخی کرنے والوں کو اجتماعی طور پر سزائیں دیں اور عذاب کی وعیدیں سنائیں۔ لیکن انفرادی طور پر بھی بعض مجرموں کو سزائیں دی گئیں۔ ذیل میں چند مثالیں دی جاتی ہیں:

(1) ابولہب جس کا اصل نام عبدالعزیٰ تھا۔ آنحضرت کا چچا تھا اور آپؐ سے سخت دشمنی رکھتا تھا اور اس کی بیوی ام جمیل کی نبی کریمؐ کے ساتھ عداوت کا یہ عالم تھا کہ ہر روز جنگل سے کانٹے دار جھاڑیاں اکٹھا کرکے لاتی اور آنحضرتؐ کی راہ میں ڈال دیتی تاکہ آتے جاتے آپ کے پاؤں کو زخمی

کریں۔ تفسیر کبیر میں طارق المحاربی سے منقول ہے کہ ایک بار نبی کریمؐ بازار میں فرماتے جارہے تھے کہ اے لوگو لا الہ الا اللہ کہو تو نجات پاؤ گے۔ آپؐ کے پیچھے ابولہب بھی وہاں آ گیا۔ اس نے ایک پتھر اٹھا کر پھینکا اور بولا کہ دیوانہ سب کو ناحق بلاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں ابولہب اور اس کی بیوی کو ہلاکت کی وعید سنائی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

تبت یدابی لهب وتب

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے (سورہ لہب:1)

گویا قرآن گستاخ رسولؐ کے لیے ہلاکت تجویز کرتا ہے۔ اسی طرح اس کی بیوی ام جمیل کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

وامراته حملته الحطبo فی جیدها حبل من مسدo

اور اس کی بیوی بھی لکڑیاں لاد کر لاتی ہے۔ اس کے گلے میں ایک خوب بٹی ہوئی رسی ہوگی۔ (سورہ لہب:5)

معالم میں ہے کہ ابولہب کی بیوی روز کی طرح ایک دن جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لا رہی تھی کہ راستے میں تھک کر بیٹھ گئی۔ فرشتے نے وہی رسی جس سے لکڑیوں کا گٹھا بندھا ہوا تھا اس کے گلے میں ڈال کر ہلاک کر دیا (خلاصہ سلحھا) اور اس طرح ایک اور گستاخ رسول کو سزائے موت مل گئی۔

(ii) نذیر نامی ایک شاعر جس نے نبی کریمؐ کی ذات اقدس کے بارے میں گستاخانہ شعر لکھے تھے جنگ بدر میں قیدی بن کر آیا۔ لہٰذا اسے توہین رسالت کے جرم میں قتل کر دیا گیا۔

(iii) عتبہ نامی ایک شخص جس نے نبی کریمؐ کے خلاف سرِعام ہرزہ سرائی کی تھی جنگ بدر میں قیدی بن کر آیا اور توہین رسالت کے جرم میں قتل کر دیا گیا۔

(iv) صلح حدیبیہ کے بعد نبی کریمؐ نے مختلف ممالک کے لوگوں کو تبلیغ کی غرض سے خطوط لکھے اور ان کو اسلام کی دعوت دی۔ جن میں سے بہت سوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور بہت سے اس نعمت سے محروم رہے۔ جن حکمرانوں نے اسلام قبول نہیں کیا ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم کے وہ حکمران ہیں جنھوں نے اگرچہ اسلام تو قبول نہیں کیا تاہم نبی کریمؐ کی شان میں کوئی گستاخی بھی نہیں کی بلکہ آپؐ کے سفیروں کو انعام واکرام دے کر واپس بھیجا۔ ایسے حکمرانوں میں قیصر روم، عزیز مصر، حاکم شام اور حاکم یمامہ شامل ہیں۔ دوسری قسم کے وہ حکمران ہیں جنھوں نے اسلام بھی قبول نہیں کیا اور اُلٹا نبی کریمؐ کی شان میں گستاخی بھی کی۔ ان میں سرفہرست ایران کا بادشاہ خسرو پرویز ہے جس نے اپنے نام سے پہلے آنحضورؐ کا نام نامۂ مبارک پر لکھا دیکھ کر نامۂ مبارک کو چاک کر دیا اور حاکم یمن کو لکھ بھیجا کہ آنحضورؐ کو گرفتار کر کے میرے دربار میں بھیجو۔ جب حاکم یمن کے آدمی آنحضرتؐ کو گرفتار کرنے کے لیے مدینہ شریف پہنچے تو آپؐ نے فرمایا کہ "آج رات کسریٰ ہلاک کر دیا گیا ہے۔" جب یہ

لوگ یمن پہنچے تو وہاں معلوم ہوا کہ واقعی کسریٰ یعنی خسرو پرویز کو اس کے بیٹے نے قتل کر دیا ہے۔ بصرہ کے حاکم شرجیل غسانی نے بھی اسلام قبول نہ کیا۔ نبی کریمؐ کے سفیر کو قتل کروا دیا۔ اگرچہ یہ بھی توہین رسالت تھی لیکن ڈائریکٹ نبی کریمؐ کی ذات کو برا بھلا نہ کہا گیا تھا۔ اس لیے آپ نے صرف اپنے سفیر حارث بن عمیرؓ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے ایک فوج بصرہ روانہ کی۔

ہم نے دیکھا کہ اسلام میں زبردستی نہیں ہے۔ اگر کوئی اسلام قبول نہیں کرتا تو نہ سہی جیسا کہ قیصر روم، عزیز مصر، حاکم شام اور حاکم یمامہ نے نہیں کیا۔ یہ ان کی اپنی قسمت تھی۔ لیکن جو کسی مسلمان کا خون بہائے گا اس کو اس کا بدلہ دینا پڑے گا جیسا کہ بصرہ کے حاکم شرجیل غسانی کے ساتھ ہوا اور جو نبی کریمؐ کی شان میں گستاخی کرے گا وہ ضرور قتل کیا جائے گا جیسا کہ خسرو پرویز قتل کیا گیا۔

بائبل میں توہین رسالت کی سزا

بائبل مقدس میں شریروں اور ٹھٹھہ مارنے والوں کا بہت ذکر آیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ خدا کے ناپسندیدہ لوگ ہوتے ہیں۔ پھر خدا نے ایسے لوگوں کے لیے جو سزا مقرر کی ہے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ بائبل کے مطابق یہ شریر اور ٹھٹھہ مارنے والے لوگ کس طرح کے ہوتے ہیں اور خدا نے ایسے لوگوں کے لیے کیا سزا مقرر کی ہے۔ زبور میں داؤد علیہ السلام کے حوالے سے درج ہے۔

"شریروں نے میرے لیے پھندا لگایا تو بھی میں تیرے قوانین سے نہیں بھٹکا"

(زبور 107:119)

اسی طرح درج ہے:

"ناگہانی دہشت سے خوف نہ کھانا اور نہ شریروں کی ہلاکت سے جب وہ آئے"

(امثال، باب نمبر 3، آیت نمبر 25)

گویا شریر ایسے لوگ ہوتے ہیں جو ہمیشہ نبیوں اور پیغمبروں کو اذیتیں دیتے ہیں اور ہلاک کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ اب آیئے دیکھتے ہیں کہ یہ ٹھٹھہ مارنے والے لوگ کس طرح کے ہوتے ہیں:

"جو لوگ یسوع کو پکڑے ہوئے تھے اس کو ٹھٹھوں میں اُڑاتے اور مارتے تھے اور اس کی آنکھیں بند کر کے اس سے پوچھتے تھے کہ نبوت سے بتا تجھے کس نے مارا۔" (انجیل لوقا، باب نمبر 22، آیات نمبر 64,63)

اسی طرح لکھا ہے:

اور تم اپنے باپ دادا اور اپنے بھائیوں کی طرح مت ہو جنھوں نے خداوند اپنے

باپ دادا کے خدا کی نافرمانی کی یہاں تک کہ اس نے ان کو چھوڑ دیا کہ برباد ہو جائیں جیسا تم دیکھتے ہو...... سو ہرکارے (اسی طرح لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈراتے ہوئے) افرائم اور منسی کے ملک میں شہر بہ شہر ہوتے ہوئے زبولون تک گئے پر انہوں نے (یعنی شہر کے لوگوں نے) ان کا تمسخر کیا اور ان کو ٹھٹھوں میں اُڑایا" (2-تواریخ' باب نمبر30' آیات نمبر7-10)

گویا ٹھٹھے مارنے والے لوگ وہ ہوتے ہیں جو نبیوں کا اور ان لوگوں کا مذاق اُڑاتے ہیں جو انہیں نیکی اور بھلائی کی طرف بلاتے ہیں۔ اگرچہ عیسائی حضرات مسیح علیہ السلام کو نبی نہیں مانتے بلکہ خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں تو بھی فقط مسیح علیہ السلام ہی ٹھٹھوں میں نہیں اُڑائے گئے بلکہ سب نبیوں کے ساتھ اور خدا کے عذاب سے لوگوں کو خوف زدہ کرنے والوں کے ساتھ ایسا ہی ہوا جیسا کہ ہم شہر بہ شہر پھر کر عذاب سے ڈرانے والے ہرکاروں کے بارے میں اوپر پڑھ چکے ہیں۔

ہم نے دیکھا کہ بائبل کے مطابق نبیوں کی توہین کرنے والے دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں' ایک وہ جو نبیوں کو قتل کرنے کی فکر میں رہتے ہیں یعنی شریر اور دوسرے وہ جو نبی کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اس کی نبوت پر شک کرتے ہیں اور نبی کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے ایڑھی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں یعنی ٹھٹھہ باز۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ بائبل میں ان دونوں طرح کے توہین رسالت کے مرتکب مجرموں کے لیے کیا سزا تجویز کی گئی ہے۔

"شریروں کے گھر پر خداوند کی لعنت ہے' لیکن فروتنوں کے مسکن پر اس کی برکت ہے۔ یقیناً وہ ٹھٹھہ بازوں پر ٹھٹھہ مارتا ہے لیکن فروتنوں پر فضل کرتا ہے۔ دانا جلال کے وارث ہوں گے لیکن احمقوں کی ترقی شرمندگی ہوگی۔"

(امثال باب نمبر3' آیات نمبر33-34)

اب جس پر خدا ہی لعنت بھیج دے اور اس کا مذاق اُڑانے اور ذلیل وخوار کرنے پر راضی ہو جائے تو اس شخص کا حامی و مددگار کون ہوسکتا ہے۔ کون اس کی حفاظت کرسکتا ہے اور مصیبتوں اور پریشانیوں سے بچاسکتا ہے۔ اس کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ کسی دور میں بعض مجرموں کو یہ سزا دی جاتی تھی کہ انہیں ہر قسم کے قانونی تحفظ سے محروم کردیا جاتا تھا۔ اس جس کا جی چاہتا انہیں مارتا اور ذلیل وخوار کرتا' جس کا جی چاہتا ان کا مال لوٹ لیتا اور جس کا جی چاہتا ان کی عزت و آبرو سے کھیلتا اور جس کا جی چاہتا انہیں قتل کردیتا۔ ان کی حفاظت کرنا قانون کی ذمے داری نہ تھی۔ یہ تو تھا صرف قانونی تحفظ سے محروم لوگوں کا حال۔ اب ان لوگوں کا حال کیا ہوگا جن پر خدا لعنت بھیج دے اور ٹھٹھہ اڑائے یعنی ان کی حفاظت سے آزاد ہو جائے۔ اگر درج بالا بائبل کی آیات کے اس حصے پر غور کریں کہ "دانا جلال کے وارث ہوں گے لیکن احمقوں کی ترقی شرمندگی ہوگی" تو سزا کی شدت کا مزید احساس ہوتا ہے کیونکہ اس میں دانا لوگوں کے لیے جلال کی وراثت یعنی بادشاہت وحکمرانی کی خوشخبری ہے۔ اب دانا ظاہر ہے وہی

ہے جو نبی کی بات کو غور سے سنتا ہے اور اس کا مذاق نہیں اُڑاتا۔ جیسا کہ بائبل میں بھی درج ہے ’’لیکن دانا نصیحت کو سنتا ہے‘‘ (امثال، باب نمبر 11، فقرہ نمبر 16) جب کہ احمقوں کی سزا یہ بتائی گئی ہے کہ وہ ذلت میں ترقی کریں گے یعنی ان کی کسی چیز میں ترقی ہوگی تو وہ ذلت ہوگی اور کچھ نہیں۔ اب ظاہر ہے احمق وہی ہے جو نبی سے شرارت کرتا ہے اور نبی کا مذاق اُڑاتا ہے۔ جیسا کہ بائبل میں خود بھی درج ہے ’’احمق کے لیے شرارت کھیل ہے‘‘ (امثال، فقرہ نمبر 16 باب نمبر 12)

نبی کی بات سننے والوں یعنی داناؤں اور نبی کا مذاق اُڑانے والوں یعنی احمقوں کے لیے بائبل میں اور بھی خوشخبریاں اور سزائیں ہیں۔ مثلاً:

راست باز آدمی کی یادگار مبارک ہے۔ لیکن شریروں کا نام سڑ جائے گا۔ دانا دل فرمان بجا لائے گا پر بکواسی احمق پچھاڑ کھائے گا۔ (امثال باب نمبر 10 آیات 87)

لیکن آخر شریروں کا نام کس طرح سڑے گا اور نبی سے بکواس کرنے والا احمق کس طرح پچھاڑ کھائے گا۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ بائبل اس بارے میں کیا کہتی ہے۔ لکھا ہے:

شریر محض سرکشی کا جویان ہے۔ اس کے مقابلے میں سنگدل قاصد بھیجا جائے گا‘‘
(امثال: باب نمبر 17، فقرہ نمبر 11)

گویا سرکش لوگوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو بھیجے گا جو ان کی توہین کرنے والے شریروں اور ٹھٹھہ بازوں کے مقابلے میں سنگدلی سے کام لیں گے اور ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے۔ ایلیاہ غالباً ایسے ہی لوگوں میں سے ایک تھے ان کی قوم نے ان کی بڑی توہین کی۔ لہٰذا انہوں نے سنگدلی سے کام لیتے ہوئے اپنی قوم کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ تاہم بعد میں توبہ کرنے پر باقی ماندہ لوگوں کو معاف بھی کر دیا۔ بائبل ایلیا نبی کا ذکر یوں کرتی ہے۔

’’راست باز کی دعا کے اثر سے بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ ایلیا ہمارا ہم طبیعت انسان تھا۔ اس نے بڑے جوش سے دعا کی کہ بارش نہ برسے۔ چنانچہ ساڑھے تین برس تک زمین پر مینہ نہ برسا۔ پھر اس نے دعا کی تو آسمان سے پانی برسا اور زمین میں پیداوار ہوئی۔‘‘ (یعقوب کا عام خط باب نمبر 5 آیات نمبر 17,16)

اب اس قوم کی حالت زار کا تصور کریں جو ساڑھے تین سال تک خشک سالی کا شکار رہی ہو اور وہ بھی اس دور میں جب وہ کھیتی باڑی کے جدید طریقوں سے ناواقف ہونے کے باعث زیادہ فصل بھی نہیں اگا سکتی تھی اور نہ ہی ذخیرہ کر سکتی تھی۔ کیسا شدید قحط پڑا ہوگا اور کتنے شریر و ٹھٹھہ باز بھوک اور پیاس کے باعث تڑپ تڑپ کر صفحۂ ہستی سے مٹ گئے ہوں گے۔

معروف سکالر ڈاکٹر نعیم مشتاق اپنے مضمون ’’قانونِ توہین رسالت، بائبل اور عیسائی علماء کا ردعمل‘‘ میں لکھتے ہیں:

"بائبل اور سزائے موت

بائبل عیسائیوں کی مذہبی کتاب کا نام ہے۔ یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے کو عہد نامۂ قدیم کہتے ہیں جو بنیادی طور پر یہودیوں کی مذہبی کتاب ہے دوسرے حصے کو عہد نامۂ جدید کہتے ہیں جس پر عیسائی مذہب کی بنیاد ہے۔ مجموعی طور پر بائبل میں بھی توہین مذہب "جس میں خدا اور اس کے رسول بھی شامل ہیں۔" کی سزا سزائے موت ہے۔ احبار 16:24 میں یوں لکھا ہے کہ:

"اور جو خداوند کے نام پر کفر بکے ضرور جان سے مارا جائے۔ ساری جماعت اسے قطعی سنگسار کرے خواہ وہ دیسی ہو یا پردیسی۔ جب پاک نام پر کفر بکے تو ضرور جان سے مارا جائے۔" توہین خدا یا رسالت تو بڑی دُور کی بات جو شخص کاہن اور قاضی کے سامنے گستاخی سے پیش آئے تو از روئے بائبل اس کے رویے کی سزا بھی سزائے موت ہے۔

"اور اگر کوئی شخص گستاخی سے پیش آئے کہ اس کاہن کی بات جو خداوند تیرے خدا کے حضور خدمت کے لیے کھڑا رہتا ہے یا اس قاضی کا کہا نہ سنے تو وہ شخص جان سے مار ڈالا جائے اور تو اسرائیل میں سے ایسی برائی کو دُور کر دینا۔ اور سب لوگ سن کر ڈر جائیں گے اور پھر گستاخی سے پیش نہیں آئیں گے۔" (استثناء 17:12-13)

یہودیت اور عیسائیت میں ارتداد ایک ناقابلِ معافی جرم ہے اور یہودیت میں عملاً آج کے دن تک اس کی سزا موت مقرر ہے۔ عیسائی تاریخ میں بھی ارتداد کی سزا موت ہی ہے۔ بالخصوص عیسائی تاریخ تو محض علمی اختلاف رکھنے پر قتل و غارت گری کے واقعات سے بھری پڑی ہے مگر پاکستان کے عیسائی علماء اپنے تاریخی اور مذہبی حقائق سے پردہ پوشی کر کے محض مغرب پسندی کا ثبوت دے رہے ہیں اور قانونِ توہین رسالت کو اقلیتوں کے حقوق کے خلاف قرار دے رہے ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ عیسائی تعلیمات میں یہ کہاں لکھا ہے کہ دوسرے مذاہب کے بانیوں اور مذہبی شعار کی تحقیر و تذلیل ان کے بنیادی حقوق میں شامل ہے؟ حیران کن بات یہ ہے کہ عیسائی علماء کو اسلام کا توہین رسالت پر سزائے موت کا فتویٰ تو قابلِ اعتراض اور انسانی حقوق کے خلاف نظر آتا ہے مگر ان کی اپنی مقدس کتاب بائبل میں کاہن اور قاضی کی توہین پر قتل کے فتوے اعتراض سے بالاتر نظر آتے ہیں۔ عیسائی علماء کو اپنے بیانات کی بنیاد مغربیت کی بجائے عیسائیت پر رکھنی چاہیے۔ یہی قانون عیسائیت اور یہودیت میں شروع سے چلا آ رہا ہے، توہین خدا اور رسالت تو بڑی دُور کی بات ہے۔"

(ماہنامہ "منہاج القرآن" لاہور، جون 1998ء)

توہین رسالت کے قانون پر اعتراضات

ہم نے دیکھا کہ قرآن ہو یا بائبل گستاخ رسولؐ کی سزا دونوں میں موجود ہے۔ لہٰذا توہین

رسالت کے قانون پر تنقید کرنے کا اب کوئی جواز باقی نہیں رہ جاتا۔ لیکن اکثر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس قانون کو صرف حضرت محمدؐ کی توہین پر سزا دینے کے لیے بنایا گیا ہے جب کہ اسے ہر نبی کی توہین کرنے والے مجرموں پر لاگو ہونا چاہیے۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا پاکستان جیسے ایک اسلامی ملک میں ایسا ہونا ممکن ہے اور اگر ایسا ہو جائے تو زیادہ نقصان میں کون لوگ رہیں گے؟ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ دنیا میں اس وقت صرف تین نبیوں کے پیروکار بستے ہیں یعنی حضرت موسیٰ کے پیروکار یہودی، مسیح کے پیروکار عیسائی اور حضرت محمدؐ کے پیروکار مسلمان۔ پاکستان میں تو مسلمانوں کے بعد زیادہ تعداد میں عیسائی ہی رہتے ہیں اور یہودیوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ اب عیسائی عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں اور ان کے نزدیک یہ مسیح علیہ السلام کی عین عزت ہے جب کہ مسلمانوں کے نزدیک یہ پیغمبر علیہ السلام کی عین توہین ہے۔ اسی طرح مسلمان عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا پیغمبر اور اس کا بندہ مانتے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہیں مانتے اور مسلمانوں کے نزدیک یہ عیسیٰ علیہ السلام کی عین عزت ہے جب کہ عیسائی اس بات کو مسیح کی توہین تصور کرتے ہیں۔ اب اگر توہین رسالت کا قانون تمام انبیاء کی توہین پر لاگو کر دیا جائے تو اس طرح ہر پاکستانی لائق سزا ٹھہرتا ہے۔ دوسرے پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اور ظاہر ہے یہاں توہین رسالت کا قانون اسلامی نقطہ نظر کے تحت ہی بنایا جائے گا تو اس طرح توہین رسالت کا قانون تمام انبیاء کی توہین پر لاگو کر دینے سے تمام عیسائی حضرات توہین مسیح کے مرتکب ٹھہرتے ہیں۔ لہٰذا اس قانون کو صرف حضرت محمد ﷺ کی ذات اقدس پر حملہ کرنے والے ملعونوں کے لیے ہی مخصوص کرنا ممکن ہے۔ ہم قرآن پاک اور عیسائیوں کی اپنی کتاب بائبل سے بھی یہ بات ثابت کر سکتے ہیں کہ توہین رسالت کا قانون تمام انبیاء کی توہین کی بجائے صرف کسی ایک نبی کی توہین پر بھی لاگو ہو سکتا ہے۔

قرآن پاک سے استدلال

ہر مسلمان کا یہ ایمان ہے کہ ہر دور اور ہر قوم میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے اپنے پیغمبر بھیجے۔ ان سب پر ایمان لانا ہر مسلمان کا فرض ہے اور ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی درحقیقت سب کے انکار کے برابر ہے۔ اور جو ایسا کرتا ہے وہ اللہ کے نزدیک پکا کافر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں خود فرماتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان الذین یکفرون باللہ ورُسلہ ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ. ویقولون نتومن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلo اولئک ھم الکافرون حقا (النساء: 150-151)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانیں گے اور بعض کو نہیں اور کفر اور ایمان کے درمیان ایک راہ نکالنا چاہتے ہیں، وہی پکے کافر

ہیں۔ (سورہ النساء: فقرہ 150-15)

یہ ٹھیک ہے کہ اسلام نے تمام نبیوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے لیکن کیا اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کو درجات کے لحاظ سے، قدر و منزلت کے لحاظ سے اور عزت و تکریم کے لحاظ سے بھی برابر بنایا ہے؟ تو ایسا لگتا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں خود فرماتے ہیں کہ:

ولقد فضلنا بعض النبین علیٰ بعض

ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض سے بڑھ کر مرتبے دیئے (بنی اسرائیل: 55)

اس کا مطلب ہے کہ ہمارے لیے بھی بعض پیغمبر زیادہ قابلِ عزت و تکریم ہوئے اور بعض نسبتاً کم۔ اب جو پیغمبر ہمارے لیے دوسرے پیغمبروں سے نسبتاً زیادہ قابلِ عزت و تکریم ہوں گے، ظاہر ہے ہمیں ان کی توہین پر غصہ بھی زیادہ آئے گا۔ زیادہ غصہ یا غم کھانے کا مطلب ہے کہ ہم ایسے پیغمبروں کی عزت پر حرف آنے سے بچانے کے لیے زیادہ سے زیادہ کوششیں کریں گے اور سخت سے سخت قوانین بنائیں گے اور توہین رسالت کے مجرموں کو زیادہ سخت سزائیں دیں گے۔ اب جن پیغمبر کی ہم مسلمانوں کے نزدیک سب انبیاء سے زیادہ قدر و منزلت ہے وہ حضرت محمد ﷺ کے علاوہ کوئی اور نہیں۔ لہٰذا آپ کی توہین پر ہی سزا دینے کے لیے سخت سے سخت سزا یعنی سزائے موت کا قانون بنایا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک حضرت محمدؐ کی قدر و منزلت سب نبیوں سے زیادہ ہونے کی وجوہات درج ذیل ہیں۔

(i) اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو کسی خاص قوم یا علاقے کی ہدایت کے لیے بھیجا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک وقت میں ایک سے زائد پیغمبر بھی مبعوث ہوئے مثلاً حضرت لوط اور حضرت ابراہیم ایک ہی وقت میں مختلف علاقوں میں تبلیغ کرتے رہے ہیں اور اسی طرح حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون بھی ایک ہی وقت میں پیغمبری کے فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں۔ عیسیٰ اور یحییٰ بھی ایک ہی وقت میں اکٹھے مبعوث ہوئے جب کہ نبی کریمؐ تمام انسانوں کے لیے پیغمبر بن کر آئے۔ ارشاد باری ہے:

قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً

(اے محمدؐ) کہہ دو کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ (الاعراف: 158)

(ii) حدیث نبویؐ ہے کہ

انا سید ولد آدم ولا فخر

میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں اور فخر سے نہیں کہتا۔

اب آدم کی اولاد میں تو تمام انبیاء بھی آئے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ آنحضرتؐ تمام انبیاء کے سردار بھی ٹھہرے تو پھر آپؐ سے زیادہ قابل عزت و احترام کون ہوسکتا ہے لہٰذا یہ صرف آپ کا ہی حق بنتا ہے کہ آپ کی توہین کرنے والوں کو سزائے موت دی جائے۔

بائبل سے استدلال

بائبل میں زکریا علیہ السلام کے بیٹے یحییٰ کو یوحنا کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ لوقا کی انجیل میں آپ کا ذکر یوں ہوتا ہے:

(1) مگر فرشتہ نے اس سے کہا۔ اے زکریا! خوف نہ کر کیونکہ تیری دعا سن لی گئی اور تیرے لیے تیری بیوی الیشبع کے بیٹا ہوگا تو اس کا نام یوحنا رکھنا۔"

پھر زکریا علیہ السلام ایک جگہ اپنے بیٹے یوحنا سے مخاطب ہوتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اور اے لڑکے تو خدا تعالیٰ کا نبی کہلائے گا کیونکہ تو خداوند کی راہیں تیار کرنے کو اس کے آگے آگے چلے گا۔"

گویا بائبل کے مطابق یوحنا ایک نبی تھے لیکن کس درجے کے نبی؟ آئیے دیکھتے ہیں۔ لکھا ہے:

"میں تم سے کہتا ہوں کہ جو عورتوں میں سے پیدا ہوئے ہیں ان میں یوحنا بپتسمہ دینے والے سے کوئی بڑا نہیں۔" (انجیل لوقا' باب نمبر 7 فقرہ نمبر 28)

اسی طرح لکھا ہے:

"پھر تم کیا دیکھنے گئے تھے؟ کیا ایک نبی؟ ہاں میں تم سے کہتا ہوں بلکہ نبی سے بڑے کو۔" (انجیل لوقا' باب نمبر 7' فقرہ نمبر 28)

گویا بائبل کے مطابق یوحنا نبی اپنے دور تک کے پیدا ہونے والے تمام انسانوں سے بلند مرتبت تھے جن میں تمام انبیاء علیہ السلام بھی شامل ہیں کیونکہ وہ بھی بہرحال ماں کے پیٹ سے ہی پیدا ہوتے ہیں یعنی بائبل کے مطابق یوحنا اپنے دور تک کے تمام انبیاء علیہم السلام سے مرتبے میں بلند ہوئے اور "نبی سے بڑے" یعنی بلند مرتبت نبی ٹھہرے۔

قطع نظر اس سے کہ یوحنا نبی اپنے دور تک کے پیدا ہونے والے سارے نبیوں سے مرتبے میں بلند تھے یا نہیں؟ ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ بائبل بھی بعض پیغمبروں پر بعض پیغمبروں کی فضیلت کو مانتی ہے۔ تو پھر اس مطالبے کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے کہ توہین رسالت کا قانون تمام نبیوں کی توہین کے لیے یکساں ہونا چاہیے۔ ظاہر ہے جو نبی فضیلت میں بڑھ کر ہوں گے ان کی توہین کی اہمیت بھی زیادہ ہوگی اور قانون بھی انہی کی عزت بچانے کے لیے بنایا جائے گا۔

ایک دوسرا اعتراض توہین رسالت کے قانون پر یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اس طرح بے گناہ لوگوں کو بھی محض دشمنی وغیرہ کا بدلہ لینے کے لیے جھوٹا الزام لگا کر پھنسایا جاسکتا ہے' تو توہین رسالت کا قانون ہی کیا ہر قانون کو غلط طور پر اپنے مفاد اور دشمن کو نقصان پہنچانے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تمام قوانین کو ہی ختم کر دیا جائے۔ ہاں اس مسئلے کا حل ضرور نکالا جاسکتا ہے اور وہ یہ کہ اگر کوئی شخص تحریری طور پر آپ کی ذات اقدس پر حملہ کرتا ہے یا اگر زبانی طور پر بھی کرتا ہے تو اپنی

بات پر قائم رہتا ہے اور پھرتا نہیں تو اس شخص کو گستاخ رسول تصور کیا جائے۔ لیکن اگر کسی شخص کے خلاف گواہی ملتی ہے کہ اس نے آپ کی شان میں گستاخی کی ہے لیکن ملزم انکار کرتا ہے کہ اس نے ایسا نہیں کیا تو ایسی صورت میں اسے مجرم تصور نہ کیا جائے۔ کیونکہ عہد رسالت میں بہت دفعہ ایسا ہوا کہ ملزم نے اپنے جرم سے انکار کیا تو اسے معاف کر دیا گیا۔ ذیل میں ہم چند مثالیں دیتے ہیں۔

مثال نمبر 1

حضرت ابودرداءؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے ایک لونڈی لائی گئی جس نے چوری کی تھی آپؐ نے فرمایا کہ کیا تو نے چوری کی ہے؟ کہہ دے کہ نہیں۔ چنانچہ اس نے کہہ دیا کہ نہیں اور آپؐ نے اس کو چھوڑ دیا۔ (رواہ البیہقی)

مثال نمبر 2

ابن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے چور سے پوچھا کہ کیا تو نے چوری کی ہے؟ کہہ دے کہ نہیں۔ اس نے کہہ دیا کہ نہیں تو آپؐ نے اس کو چھوڑ دیا (رواہ البیہقی)

اور اگر مجرم اقرارِ جرم کر بھی لے تو وہ اقرار عدالت میں منصف کے سامنے ہونا چاہیے جیسا کہ درج ذیل واقعہ سے ثابت ہوتا ہے۔ چور نے پہلے بعض صحابہ رضوان اللہ علیہ اجمعین کے سامنے اقرار کرلیا کہ اس نے چوری کی ہے۔ لہٰذا چور کو آنحضرتؐ کے سامنے پیش کیا گیا تاکہ آپ فیصلہ صادر فرمائیں۔ آپؐ نے چور کو دیکھ کر فرمایا کہ میں تو یہ گمان نہیں کرتا کہ اس نے چوری کی ہے۔ اس پر چور نے خود اقرار کیا کہ "ہاں یارسول اللہ میں نے چوری کی ہے۔" چنانچہ آپؐ نے اس پر حد نافذ کرنے کا حکم دے دیا۔ (مرقاۃ' شرح مشکوٰۃ)

یعنی صحابہ اکرامؓ کے سامنے چوری کا اقرار کرنے کے باوجود نبی کریمؐ نے اپنے سامنے بھی چور سے اس کے جرم کا اقرار کروانا پسند فرمایا کیونکہ آپؐ منصف تھے۔ گویا منصف کے سامنے اقرار جرم لازمی ہے۔

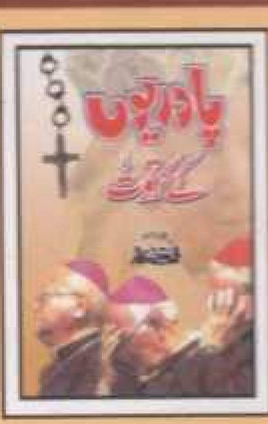
ایک اعتراض یہ بھی بہت کیا جاتا ہے کہ توہین رسالت کا قانون آزادی اظہار رائے کے نظریہ کے خلاف ہے۔ اس نظریے کے مطابق ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی بھی معاملے میں کسی بھی شخص کے بارے میں جو بھی رائے رکھتا ہو اس کا آزادی کے ساتھ اظہار کرسکتا ہے اور کسی کو اس بات کا برا نہیں منانا چاہیے۔ ہاں اگر کسی کو اس رائے سے اختلاف ہو تو اس کو اختلاف رائے کے اظہار کا بھی پورا پورا حق حاصل ہے۔ لیکن ہماری نظر میں یہ نظریہ درست نہیں۔ اس کی وجوہات درج ذیل ہیں۔

(i) آزادی اظہار رائے کے نظریے پر زیادہ زور اس لیے دیا جاتا ہے کہ کسی کو بھی کسی بھی نظریے اور قانون کو ماننے پر زبردستی مجبور نہ کیا جاسکے اور جب کبھی بھی کسی ٹھوس اختلاف کی بنا پر کوئی

نظریہ غلط ثابت ہو جائے تو اسے فوراً منسوخ کر دیا جائے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ یہ کائنات تضادات سے عبارت ہے یہاں ایک چیز کے کئی رخ ہیں اور پھر ان میں سے ہر رخ کے آگے کئی رخ ہیں اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے اس لیے یہ ممکن ہی نہیں ہر بات سے اختلاف نہ کیا جا سکتا ہو۔ یہاں تک کہ روشنی کو بھی اندھیرا ثابت کیا جا سکتا ہے کیونکہ روشنی زیادہ ہو تو اس میں بھی اندھیرے کی طرح کچھ نظر نہیں آتا۔ اس طرح اندھیرے کو بھی روشنی ثابت کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ اندھیرا ہی ہے جس کے باعث ہمیں چاند تارے نظر آتے ہیں گویا اندھیرا روشنی کا کام کرتا ہے۔ اب کیا انسان ان تضادات کو لے کر سدا یونہی لڑتا رہے گا اور رائے اور اختلاف رائے کے چکر میں پڑا چکراتا رہے گا۔ نظریات آتے رہیں گے اور اختلافات رائے کی بنیاد پر منسوخ ہوتے رہیں گے اور انسان ایک بے مقصد سی زندگی گزار کر فنا ہو جائے گا۔ اب کہا جا سکتا ہے کہ اختلاف رائے مثبت اور تعمیری ہو تو پھر کیا برا ہے یعنی اختلاف محض اختلاف کی خاطر نہ کیا جائے بلکہ کسی تعمیری مقصد کے لیے کیا جائے تو یہ بھی ناممکن ہے کیونکہ تعمیری اور تخریبی بھی سب اضافی چیزیں ہیں۔ نئی دیوار بنانے کے لیے پرانی دیوار گرانا بھی درحقیقت تعمیر ہے اور اس طرح بٹوارے کے لیے نئی دیوار تعمیر کرنا درحقیقت تخریب ہے۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ رائے اور اختلاف رائے کے چکر میں پڑنے کی بجائے آنکھیں بند کر کے الٰہی قوانین کی پیروی کرے اور اپنی دنیا و آخرت سنوارے۔ یہی چیز انسان کو تباہی سے بچا سکتی ہے۔

(ii) آج تک کوئی ایسا نظریہ نہیں ہو گزرا جس سے اختلاف نہ کیا گیا ہو اور پھر آگے اس اختلاف سے بھی اختلاف نہ کیا گیا گویا رائے ایک غیر معتبر چیز ہوتی ہے جو کہ غلط بھی ہو سکتی ہے۔ تو پھر ایک ایسی چیز جو کسی بھی وقت غلط ثابت ہو سکتی ہے خدا کی برگزیدہ ہستیوں کے لیے کیونکر استعمال کی جا سکتی ہے اور کروڑوں بلکہ اربوں لوگوں کے دلوں کو ٹھیس پہنچانے کے لیے کیسے استعمال کی جا سکتی ہے۔

اب کہا جا سکتا ہے کہ آزادی اظہار رائے اور اختلاف رائے کے نظریے سے اختلاف بھی درحقیقت اس نظریے پر عمل کرنا ہے تو اس طرح یہ نظریہ خود بخود غلط ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ یہ اپنی ذات سے اختلاف رائے کی اجازت نہیں دیتا اور اگر اجازت دیتا ہے تو پھر وہ نظریہ ہی کیا جو خود اپنے آپ کو منسوخ کرنے کی اجازت دیتا ہو۔ اس لیے بہتر ہے کہ اختلاف رائے کے نظریے کے تحت کسی اور چیز سے اختلاف رائے کرنے کی بجائے سب سے پہلے اس نظریے سے ہی اختلاف کر کے اسے ختم کر دیا جائے۔



پادریوں

کے کرتوت

- پوپ جان پال نے تنہائی میں ملاقات کے دوران امریکی صدر بش سے کیا درخواست کی؟
- عیسائیوں کے کون کون سے اعلیٰ مذہبی عہدیدار "ایڈز" میں مبتلا ہیں؟
- قتل زنا اسقاط حمل اور چوری کے گناہ گرجوں میں پادری کتنی ادائیگی پر معاف کر دیتے ہیں؟
- کون کون سے نامور پادری ہم جنس پرستی میں مبتلا ہیں؟
- شیطانی کرتوتوں اور جنسی سیاہ کاریوں کے باوجود پادریوں کے خلاف کارروائی کیوں نہیں ہوتی؟
- کون سے بڑے بشپ فنڈز کی خورد برد طوائفوں کی سرپرستی اور منشیات کے دھندے میں ملوث ہیں؟
- کمسن بچوں کے ساتھ جنسی زیادتیوں کی گھناؤنی وارداتوں کے مرتکب پادریوں نے "متاثرین" کو کتنی رقم ادا کی؟
- کتنی راہبائیں (Nuns) اسقاط حمل کے نتیجے میں ہلاک ہوئیں؟
- انٹرنیٹ پر بچوں کی برہنہ تصاویر جاری کرنے کے پیچھے اصل محرکات کیا تھے؟
- کس کس پادری کے کتنے ناجائز بچے کہاں کہاں ہیں؟
- پوپ کا ناجائز بیٹا کس طرح اعلیٰ مذہبی عہدے تک پہنچا؟
- "ویلنٹائن ڈے" کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تہلکہ انگیز انکشافات... ہوش ربا تفصیلات... پہلی بار منظر عام پر

صفحات: 560 — قیمت: 200 روپے



قادیانیت

اُس بازار میں

بعض باتیں ناقابل یقین ہوتی ہیں اور حیرت انگیز حد تک ناقابل تسلیم، ایسی ہوش ربا کہ ہر ذی شعور اُسے تسلیم کرنے میں تأمل کا مظاہرہ کرے، عقل جواب دے جاتی اور آدمی حیرت کے سمندر میں ڈوب ڈوب جاتا ہے۔ لیکن یہ ٹھوس حقیقت ہوتی ہیں اور ان کا ناقابل تردید وجود ہوتا ہے۔

زیر نظر کتاب معروف سکالر اور ماہر رد قادیانیت جناب **محمد متین خالد** کی تازہ تصنیف ہے جس میں انہوں نے قادیان کے رنگیلوں اور ربوہ کے راسپوٹینوں کی جنسی سیاہ کاریاں ناقابل تردید عکسی دستاویزی اور تصویری شواہد کے ساتھ پہلی بار پیش کی ہیں۔ یہ کتاب نہ صرف جنسی سرکس کے قادیانی قلابازوں کے نٹ کھٹ کرتبوں پر مشتمل ہے بلکہ ان کی جھوٹی عباؤں، عیار قباؤں اور خود غرض دستار فضیلت پر زناٹے دار طمانچہ اور عبرت نامہ بھی۔

کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ مصنف نے کتاب کے شروع میں بڑے جرات مندانہ انداز میں **چیلنج** کرتے ہوئے لکھا کہ میں اس کتاب میں درج تمام حوالہ جات اور عکسی شواہد کی ثقاہت کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔ قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا طاہر احمد سمیت دنیا کے تمام قادیانیوں (بشمول لاہوری گروپ) کو **چیلنج** کرتا ہوں کہ اگر اس کتاب میں موجود کوئی بھی عکس غیر حقیقی یا ایک بھی حوالہ من گھڑت پایا جائے تو مؤلف ہر قسم کی سزا پانے کے لئے تیار ہے! بصورت دیگر انہیں ضد اور ہٹ دھرمی کی تاریک راہ چھوڑ کر اسلام کی کشادہ آغوش میں جانا چاہیے۔"

جناب شفیق مرزا، مرزا محمد حسین، سیف الحق، جی آر اعوان، بشیر احمد مصری اور علامہ سلطان گھر کے بھیدی کی حیثیت رکھتے ہیں اور قادیانی جنسی بدعنوانیوں کے عینی شاہد بھی۔ انہوں نے جو کچھ دیکھا، تاریخ کے روبرو انتہائی **خوف ناک انکشافات** کے روپ میں پیش کر دیا۔ یہ سب کچھ اس کتاب میں موجود ہے۔ بہت کم ایسی کتابیں ہوتی ہیں جن کا مطالعہ ناگزیر ہوتا ہے۔ زیر نظر کتاب بھی انہی کتابوں میں سے ایک ہے۔ ہر مسلمان کو اس کے مطالعہ سے استفادہ کرنا چاہیے۔

صفحات: 296 | قیمت: 150 روپے



دنیا کے نامور علماء و دانشوروں کی فکر انگیز، تحقیقی اور زندہ تحریریں

- مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ
- شیخ احمد دیدات
- مولانا محمد تقی عثمانی
- پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ
- سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
- ڈاکٹر اسرار احمد
- ڈاکٹر غلام جیلانی برق
- ڈاکٹر نادر رضا صدیقی
- محمد اسلم رانا
- حکیم انیس احمد صدیقی
- ڈاکٹر علامہ خالد محمود
- خواجہ حامد بن جمیل
- محمد عطاء اللہ صدیقی
- حافظ شفیق الرحمن
- ڈاکٹر محمد صدیق شاہ بخاری
- صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی
- پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز
- جناب الیاس ستار

ایک ایسی کتاب جس کا ہر لفظ آئینہ حقیقت نما ہے

سچائی کے متلاشیوں کیلئے ایک نادر تحفہ

علم و عرفان پبلشرز
34 اردو بازار، لاہور۔ فون 7232336-7352332
E-Mail:ilmoirfanpublishers@hotmail.com